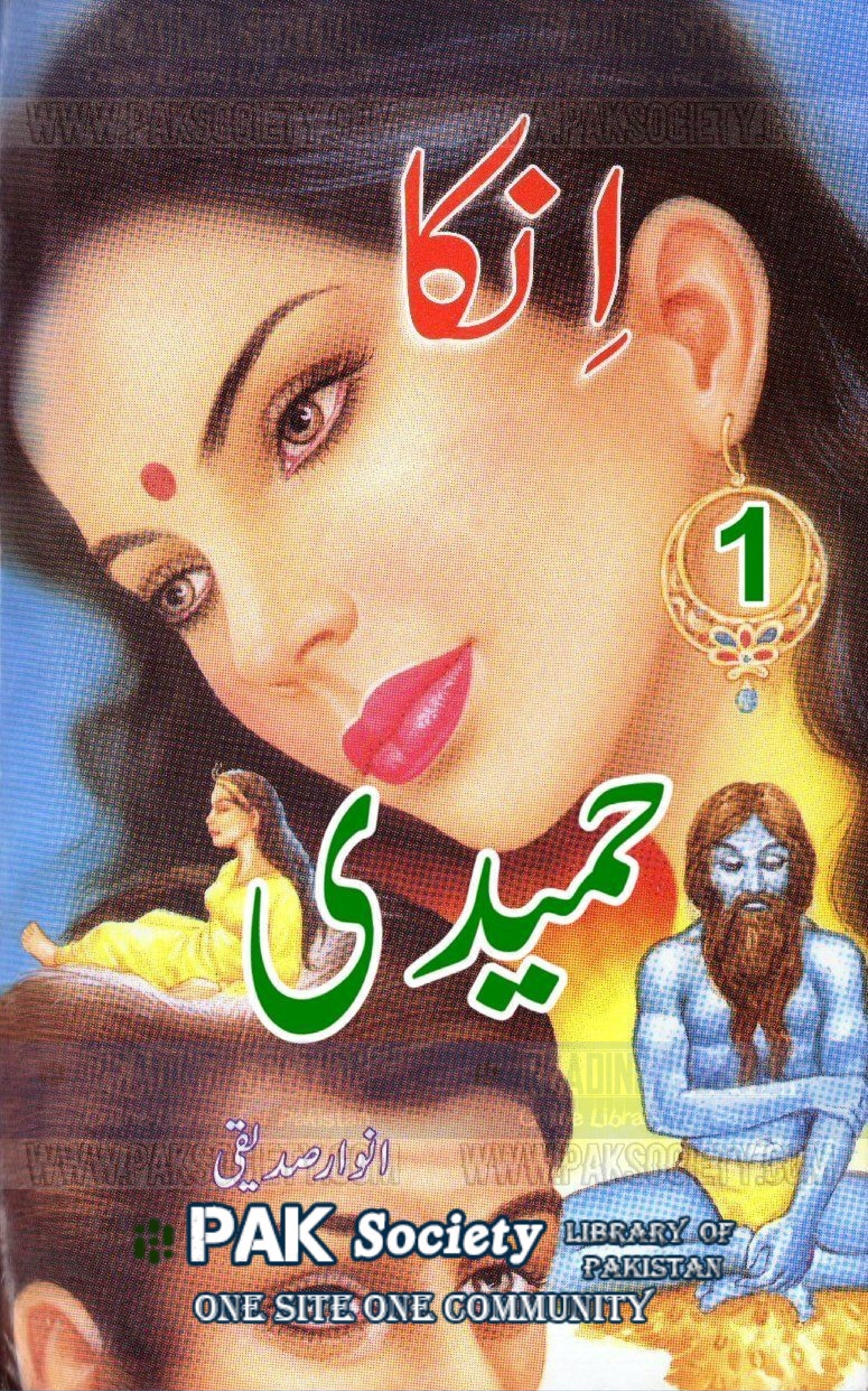


اِنکا
1
حمیدی
انوار صدیقی

انکا

(حصہ اول)

انوار صدیقی

انتساب۔

"انکا" کے نام

جس کی معصوم شوخیاں۔دل گداز ہنگامے

اور:.........

لازوال پراسرار قوتیں......آج بھی......

دنیا کے گوشے گوشے میں بسنے والے کروڑوں

پرستاروں کے دلوں کو گرما رہی ہیں۔

ذہنوں پر راج کر رہی ہے...........!!

Downloaded from Paksociety.com

شکست!

"سب رنگ ڈائجسٹ" کے صفحات پر تقریباً چار سال تک شگوفے بکھیرنے والی شوخ وشنگ...... معصوم، بھولی بھالی اور پُراسرار "انکا" جو ملک کے گوشے گوشے میں لاکھوں پڑھنے والوں کے لئے کریز CRAZE بن گئی تھی۔ اب کتابی شکل میں پیش خدمت ہے، اس کی اشاعت کا سرا میرے رفیق جناب غلام کبریا المعروف بیگ صاحب کے سر ہے جنہوں نے میرے بیحد اصرار پر انکارانی کو گردو پوش میں سمیٹ کر شائع کیا اور شائقین کی اس دیرینہ آرزو کو پورا کیا جو ایک مدّت سے میرے اوپر قرض تھی۔

بیگ صاحب کا اصرار تھا کہ انکا کو مجلد شکل میں لانے سے پیشتر اس میں کچھ صفحات کا مزید اضافہ کیا جائے اور کہانی کے وہ حصے حذف کر دیئے جائیں جو قسط وار کہانی کے تسلسل کو برقرار رکھنے اور نئے پڑھنے والوں کی دلچسپی کو قائم رکھنے کے لئے تکرار کی صورت میں پیش ہوتے رہے ہیں۔ یہ خیال نہایت مناسب تھا لیکن میں چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکا۔ اوّل اس لئے کہ یہ سلسلہ کوئی چھ سال قبل اختتام پذیر ہوا تھا۔ مجھے کہانی کو از سرِ نو پڑھنا پڑتا، اُس کے تانے بانوں کو ذہن میں پھر سے ترتیب دینا پڑتا پھر ترمیم و اضافے کے لئے بیٹھک جمانی پڑتی۔ "انکا" کی خاطر مجھے یہ سب کچھ منظور تھا لیکن۔ انکارانی کی ذات سے کچھ ایسی تلخ یادیں بھی وابستہ ہوتی رہی ہیں جو میرے ذہن پر دل و دماغ پر انکا کے نوکیلے پنجوں ہی کی طرح رہ رہ کر چبھتی اور کھٹکتی رہتی ہیں۔

میں نے جب بھی انکا کو دوبارہ ذہن میں اُبھارنے کی کوشش کی، کہانی پس پشت ہو گئی اور تلخیوں کے رنگ گہرے ہو کر نگاہوں کے سامنے پھیل گئے۔ ہر بار انکا کا تصوّر دُھندلا گیا اور اپنے حلقے کے وہ

جانے پہچانے ...... دیکھے بھالے چہرے اپنے باطن کی تمام تر کراہتوں اور بے نام ضمیر کی غلاظتوں کو ظاہری معصومیت پر سمیٹے، سجائے ذہن کے پردوں پر اُبھر آئے اور ہر بار میں نے قلم کو سیاہی میں ڈبوئے بغیر ایک طرف ڈال دیا۔ بیگ صاحب نے ترمیم و اضافے کے سلسلے میں مجھ سے بار بار تقاضے کیے پھر میری بار بار کی ٹال مٹول کو میری کُند ذہنی سے تعبیر کرتے ہوئے انکا کو من و عن اُسی پیرہن میں پیش کرنے کا ارادہ کر لیا جس میں وہ پہلے قارئین کے سامنے آتی رہی ہے۔

''انکا'' کے سلسلے میں میرا کچھ کہنا بے سود ہوگا۔ اس لیے کہ انکا کو پڑھنے والے اُسے مجھ سے بہتر جانتے ہیں، اُنہوں نے انکا کو مجھ سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے، اپنے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ محسوس کیا ہے، دیوانہ وار اُسے چاہا ہے۔ پیار کیا ہے اور ماہ بہ ماہ بڑی شدتوں اور تڑپ کے ساتھ اس کا انتظار کیا ہے۔ ''انکا'' اپنے چاہنے والوں، اپنے دیوانوں کے سروں پر، ذہنوں پر، دل و دماغ پر ایک طویل عرصے تک مسلط رہی ہے۔ چاہنے والوں نے انکا کی ناز برداریاں کی ہیں، انکا کے ظلم و ستم برداشت کیے ہیں، اس کے نخرے برداشت کیے ہیں، اس کی کج اداؤں کو ہنس ہنس کر سراہا ہے۔ انکا کو جو شوخیاں اور شرارتیں نصیب ہوئی ہیں اس میں پڑھنے والوں کی چاہت کو میرے ارادوں سے زیادہ دخل رہا ہے انکا کی شہرت میں میرے قلم سے کہیں زیادہ شائقین کی محبتیں شامل ہیں۔ انکا کو جو عروج نصیب ہوا وہ چاہتوں کا صلہ تھا۔ لیکن۔

اسی ''انکا'' کی لازوال شہرت سے فائدہ اٹھانے کے لئے دوسروں نے جس درندگی سے اُس کی شہرت اور اُس کے عروج پر پینترا بدل بدل کر شبخون مارا اور انکا کے لہو کو جس انداز میں اپنی ذو بچی ساکھ میں استعمال کیا وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ خون آشام درندے فاقہ زدہ بھیڑیوں کے انداز میں انکا رانی کو بھنبھوڑ ڈالنے کے لئے گھات لگائے بیٹھے رہے۔ جسے جب موقع ملا، جسے جس انداز میں بن پڑا۔ ''انکا'' کو سر بازار گھسیٹتا رہا، اُس کی پاکیزگی کو پامال کرتا رہا۔ قدموں تلے روندتا رہا۔ بظاہر یہ سفید پوش بڑے معصوم نظر آتے تھے۔ بے گزند سے، نحیف و لاغر، دھان پان جسمانی ساخت کے مالک، چہرے پر دوستی اور احباب پروری کی نقاب چڑھائے، ہونٹوں پر ہر لحہ مسکراہٹیں بکھیرے یہ ''برادر یوسف'' جب بھی ملے بڑے خلوص سے پیش آئے، میں ہر بار اُن سے دھوکا کھا گیا۔ اُن کے دھان پان جسموں میں جو شیطانی اور مکروہ سفلی قوتیں مخفی تھیں۔ وہ مجھے نظر نہ آسکیں، معصومیت اور پاکیزگی کے پس پردہ مکر و فریب بھی کارفرما ہوگا، یہ میں نہ جان سکا۔ مسکراہٹوں کی آڑ میں جو ''گھناؤنے حربے'' پوشیدہ تھے میں نے اُنہیں کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ان درندوں کے ظاہر و باطن میں کتنا تضاد تھا اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب یہ مار آستین اور برادر یوسف ''انکا'' کو بڑے چاؤ سے بازار میں لے آئے اور سستے داموں فروخت کر کے اُسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنالیا، انکا رانی اپنی چھب دکھا دکھا کر اُنکا پیٹ بھرتی رہی اور یہ۔ خوددار، وضع دار اور معصوم صفت ''مرد'' کہلانے والے انکا کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرتے رہے، اپنی تجوریوں کا پیٹ بھرتے رہے۔ مکان اور بنگلے تعمیر کرتے رہے، فٹ پاتھ پر پیدل چلنے کا دور انکا کی مسکراہٹوں اور شوخیوں سے کمائی ہوئی دولت نے ختم کیا تو یہ ''صاحب کار'' CAR OWNER بن گئے اور آج۔ یہ مرد آہن ادب کی شاہراہ پر بڑے فخریہ انداز میں گردن اُٹھا کر، سر بلند گھومتے ہیں، یہ مرد ہیں! مرد کہلانے کے مستحق ہیں۔

انکا کے زندہ جاوید کردار کے ساتھ جو زیادتیاں کی گئی ہیں اُن کی فہرست بڑی طویل ہے۔ کہاں تک لکھا جائے۔ لکھنے بیٹھوں تو دیباچہ [illegible] کی شکل اختیار کر سکتا ہے مگر اُس سے حاصل کیا ہوگا؟ ادب کی شاہراہوں پر اس قسم کی مثالیں بڑی عام ہیں، اس میدان میں چوریاں بڑے دھڑلے سے کی جاتی ہیں، ڈاکے بڑی دیدہ دلیری سے دن دہاڑے مارے جاتے ہیں اور نقب زنی تو بڑھتے بڑھتے اتنی پروان چڑھ چکی ہے کہ اب اُسے فیشن میں شمار کیا جاتا ہے۔ میں کس شمار قطار میں ہوں، بڑے بڑے ادیب اور دانشوروں نے اپنی گراں قدر تخلیقات کو سر بازاران ''نقب زنوں'' کے ہاتھوں کوڑیوں کے مول بکتے دیکھا ہے۔ دیکھ کر کفِ افسوس ملنے اور اپنی بے بسی پر آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔ اور۔ ان ہی نقب زنوں سے بچنے کی خاطر میں نے بیگ صاحب کو مجبور کیا کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو، جس انداز میں بھی ہو سکے ''انکا'' کو کتابی شکل میں لے آئیں، مجھے خدشہ تھا کہ کہیں کوئی ''عقل مند پبلشر'' انکا کو بھی اس انداز میں نہ ''چھاپ بیٹھے'' کہ کتاب پاکستان میں شائع ہو اور اس پر مقامی پبلشر کی جگہ کسی پڑوسی ملک کے کسی غلام ناشر کا نام نظر آئے!

اصل کو اصل کے روپ میں مع ٹریڈ مارک اور پیش کار کے نام کے ساتھ اگر دیدہ دلیری اور سینہ زوری کے ساتھ سستے داموں اور گھٹیا انداز میں بازار میں لایا جائے تو بھی غنیمت ہے۔ اس طور صرف جذبات اور احساسات کو ٹھیس پہنچتی ہے، دل چھلنی نہیں ہوتے، زخم ناسور بننے سے بچ جاتے ہیں مگر میرے ساتھ اس سے بھی سوا ہوا ہے۔ انکا کے کردار پر میں نے صرف جعلی تخلیق کاروں کے نام ہی جلی حروف میں نہیں دیکھے، کچھ ایسی گھناؤنی صورتیں بھی دیکھی ہیں جو اصل تخلیق کار کی حیثیت سے بڑے

عرضِ مکرر ـــــ!

میری سلسلے وار کہانیاں "انکا" ـ "اقابلا" ـ "سونا گھاٹ کا پجاری" اور "غلام روحیں" گزشتہ چوتھائی صدی سے میرے وہ دوست اور احباب ڈائجسٹ کی صورت میں شائع کرتے رہے ہیں جن سے نہ تو کبھی میرا کوئی تحریری یا قانونی معاہدہ ہوا نہ ہی مجھے اس کا کوئی معاوضہ ادا کیا گیا۔ سچ یہ بھی ہے کہ میں نے بھی دیرینہ دوستی اور نصف صدی پر محیط تعلقات کی بنا پر نہ کبھی کسی معاہدے کی ضرورت پر غور کیا، نہ ہی کسی معاوضہ کا تقاضہ کیا۔ البتہ متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر ان ناولوں کو مجلد کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو میرے پرستار اسے اپنی ذاتی لائبریری کی زینت بنانے میں بھی خوشی محسوس کریں گے۔ لیکن 1980 سے آج تک میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

بہرحال اب برادرم آفتاب ہاشمی صاحب میرے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے پر آمادہ ہیں چنانچہ میں پہلی بار باقاعدہ تحریری طور پر موصوف کو "انکا" ـ "اقابلا" ـ "سونا گھاٹ کا پجاری" اور "غلام روحیں" کو شائع کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ یہ چاروں ناول چونکہ دھڑلے سے چھاپی گئی ہیں۔ سڑکوں پر کشکول لیے پھرتے کسی فقیر کو چند سکوں کے عوض تصویر اُتروانے پر رضامند کیا گیا اور بیک جنبش قلم اُسے انکا کا خالق بنا دیا گیا۔ میں نے صورت حال کی چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محض مذاق تھا۔ تفریح طبع کے لئے سامان مہیا کیا گیا تھا۔

دیکھا آپ نے۔ یہ مذاق ایک رسالے کے مستند مدیر کا معیاری مذاق تھا جس کے آئینے میں آپ وہ چہرے بھی دیکھ سکتے ہیں جو ادب نواز کہلانے کے مستحق ہیں۔ ایسے جائز حق دار جنہیں حکومت کی طرف سے باقاعدہ "ڈکلریشن" ملا ہوا ہے۔ معیاری ادب پیش کرنے کا معیاری مصنفوں کی سرپرستی کرنے کا۔ یہ "ڈکلریشن" کی رو سے اپنی "رونمائی" کا حق رکھتے ہیں۔ یہ ادبی جریدے کے مدیر ہیں۔ جو چاہیں جس انداز میں چاہیں کر گزرتے ہیں۔ اُن کے "جھپٹنے" کا انداز بھی اُن کی اپنی ذات اور معیار سے ملتا جُلتا ہے، کسی کے جذبات اور احساسات مجروح ہوں تو یہ زیر لب مسکرا کر کہتے ہیں......مذاق تھا۔ کوئی خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہے تو یہ نئے نشتروں کی تلاش میں مگن رہتے ہیں۔ ہاں، اگر کوئی آستین چڑھا کر دست و گریباں ہونے کا انداز اختیار کرلے تو یہ ندامت سے سَر جُھکا لیتے ہیں اور انگریزوں کے دَورِ غلامی کا سب سے زیادہ کارآمد اور آزمودہ لفظ "سوری" Sorry کہہ کر اپنی جھوٹی عزت اور خود ساختہ شہرت کا بھرم قائم کیے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ادب نواز ہیں۔ ادیب نواز ہیں۔ یہ ملک و قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ شاہین اور عقاب صفت یہ لوگ آسمان کی بلندیوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بسیرا کرنے کے بجائے عمارتوں کے کمروں میں حریری پردوں کے اندر چھپے بیٹھے ہیں اس لئے یہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ میں ان کے دفتروں کی بلندیوں تک پہنچنے سے قاصر ہوں، اس لئے نہایت ادب سے اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں، بے ادبی کی گستاخی سے اس لئے گریز کروں گا کہ اگر مزید کچھ کہا تو وہ چہرے بھی بے نقاب ہو جائیں گے جن کی شخصیت کی نرمی اور لچک اُن تکیوں کو ہوا دینے لگے گی جن پر میں آج بھی تکیہ کیے ہوئے ہوں!

آپ انکا کی شوخیوں سے دل بہلائیں، میں اپنے احساسات کی کرچیوں کو سمیٹتا ہوں۔!!

انوار صدیقی

میری خواہش کی تکمیل میں شائع کئے جا رہے ہیں اس لئے میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا۔ البتہ اب چاروں کتابوں کے جملہ حقوق بحق مصنف رہیں گے۔

اس مختصر سی تحریر کے بعد میں ان اداروں سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے مذکورہ ناول شائع کرنا فی الفور بند کر دیں۔ ان کا یہ عمل بھی میرے لئے قابل تحسین ہو گا۔ اب عمر کی نقدی بھی تیزی سے خرچ ہو رہی ہے اور عارضہ قلب کی بیماری بھی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ کسی قسم کی قانونی چارہ جوئی کے چکر میں الجھوں ورنہ اشاعت کے سلسلے میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا ایک ایک ثبوت میرے پاس محفوظ ہے۔

مجھے اپنے پرستاروں سے بھی یہی امید ہے کہ وہ میری دوسری ناولوں کی طرح ''انکا''۔ ''اقابلا''۔ ''غلام روحیں'' اور ''سونا گھاٹ کے پجاری'' کو بھی مجلد کتابی شکل میں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ اس لئے کہ آج میں جو بھی ہوں اپنے پرستاروں کی پسندیدگی کی وجہ سے ہوں۔

اپنے پرستاروں کی دعاؤں کا طالب

انوار صدیقی

اس واقعے کو چونکہ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس لیے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ مرگھٹ سے ہماری واپسی کس وقت ہوئی تھی۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ وہ رات بے حد ڈراؤنی اور خوفناک تھی۔ سر شام ہی سے طوفانی ہواؤں نے پورے شہر پر یلغار کر رکھی تھی۔ سیاہ بادلوں نے آسمان پر قبضہ جما لیا تھا۔ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج نے ہر سمت قیامت برپا کر رکھی تھی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ اس روز دفتر سے لوٹتے ہی میں فلیٹ میں بند ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ ان دنوں میرا قیام اپنے وطن اور والدین سے دور تھا اور میں دونوں وقت ہوٹل میں کھانا کھاتا تھا۔ رہنے کے لئے مجھے خوش قسمتی سے ایک ایسا فلیٹ کم کرائے پر مل گیا تھا جو شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دفتر سے واپس آ کر کچھ دیر آرام کرنا پھر ہوٹل میں جا کر کھانا کھانا میرا روز کا معمول تھا لیکن جس رات کا ذکر میں کر رہا ہوں اس رات موسم کے تیور خراب دیکھ کر مجھے فلیٹ سے باہر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے فلیٹ پر ہی اپنے ہاتھوں سے چائے تیار کر کے پی اور وقت گزارنے کی خاطر ایک رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ کھڑکیوں کے پردے میں نے برابر کر دیے تھے تا کہ کم از کم بجلی کی تیز چمک سے محفوظ رہ سکوں۔

ابھی مجھے رسالے کے مطالعے میں کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ باہر سے کسی نے مجھے میرا نام لے کر پکارا۔ میں گرج اور چمک کے شور و غل کے باعث آواز نہ پہچان سکا۔ بہر حال رسالہ بند کر کے جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ قبل اس کے کہ میں دروازے تک پہنچتا آواز دینے والے نے دروازے کو باقاعدہ پیٹنا شروع کر دیا۔ قدرتی طور پر مجھے اس کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ میں نے سوچا کہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہی رہوں اور آنے والے کو کچھ دیر تک بند دروازے کے ساتھ برسر پیکار رہنے دوں مگر اچانک مجھے اپنے دوست رام دیال کا خیال آ گیا۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے وہ میری خیریت دریافت کرنے کی غرض سے

آیا ہو۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرا خیال غلط نہیں ثابت ہوا۔ باہر رام دیال ہی موجود تھا لیکن اس کا حلیہ دیکھ کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ رام دیال کے چہرے پر بوکھلاہٹ طاری تھی۔ سر کے بال جنہیں وہ بڑی نفاست سے بنانے کا قائل تھا، خودرو جھاڑیوں کی طرح بکھرے بکھرے نظر آرہے تھے۔ آنکھوں سے بے پناہ اداسی جھلک رہی تھی۔

''خیریت......'' میں نے تیزی سے پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آرہے ہو؟''

''ہاں......'' رام دیال کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ ''ماتا جی کا دیہانت ہو گیا۔''

''نہیں......''

رام دیال کے منہ سے اس کی ماں کے انتقال کی خبر سن کر میں گنگ رہ گیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ نیک خاتون جو کل تک بھلی چنگی تھی اتنی جلدی داعی اجل کو لبیک کہے گی۔ چند ثانئے تک میں سکتے کی کیفیت سے دوچار رہا پھر جلدی سے میں نے کپڑے تبدیل کئے، فلیٹ کو تالا لگایا اور رام دیال کے ساتھ ہولیا۔

راستے میں ہمارے درمیان کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔ میں بدستور یہی سوچ رہا تھا کہ رام دیال کی والدہ اچانک کیسے مر گئیں جبکہ انہیں کوئی بیماری لاحق نہیں تھی۔ ان کی صحت بھی اچھی بھلی تھی اور جہاں تک میرے علم میں ہے انہیں کوئی ایسا غم یا فکر بھی نہیں تھی جسے موت کا باعث سمجھا جا سکتا۔ مجھے اس خبر سے شدید دھچکا لگا۔ ایک تو اس لیے کہ مرنے والی میرے عزیز دوست کی والدہ تھیں دوسرے یہ کہ وہ مجھ سے بھی بے حد محبت کرتی تھیں۔ جب بھی میں مرحومہ کے گھر جاتا وہ بڑے پیار سے پیش آتیں اور دل کھول کر میری آؤ بھگت کرتیں۔

مرحومہ نے متعدد بار مجھ سے اصرار کیا تھا کہ فلیٹ کی رہائش ترک کر کے ان کے ہاں منتقل ہو جاؤں لیکن میں اس پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ میں مسلمان تھا اور وہ ہندو۔ رام دیال کے گھر پر قیام کرنے کی صورت میں مجھے اخلاقاً گائے وغیرہ کے گوشت سے بھی پرہیز کرنا پڑتا جبکہ گائے کا گوشت میری مرغوب ترین غذا تھی۔ چنانچہ جب بھی رام دیال یا اس کی ماں مجھے اپنے گھر رہنے کو کہتے، میں کوئی نہ کوئی بہانہ تراش کر اپنا پہلو بچا لیتا لیکن میرے کسی عذر سے ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ رام دیال کا طرز عمل میرے ساتھ ہمیشہ بہت دوستانہ اور مخلصانہ رہا۔ اس کی ماں مجھے بالکل اپنے بچوں کی طرح چاہتی تھیں۔

ان ماں بیٹوں کے کسی بھی طرز عمل سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی لیکن ایک بات جو میں نے رام دیال کی ماں کے سلسلے میں خاص طور پر محسوس کی وہ ان کی پُراسرار شخصیت تھی۔ گو کہ وہ ہر طریقے سے آسودہ حال تھیں اور رہن سہن سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ انہیں کوئی مالی پریشانی لاحق نہیں

ہے۔ اس کے باوجود میں نے مرحومہ کو ہمیشہ عجیب پُراسرار حالتوں میں دیکھا تھا۔ آئے دن برت (روزہ) رکھنا اور نئے نئے چلے کھینچنا، آدھی راتوں کو مرگھٹ جانا اور وہاں بیٹھ کر جاپ کرتے رہنا اور بٹے کٹے پنڈتوں اور پجاریوں کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھنا اور راز و نیاز کرنا۔ یہ تمام باتیں میرے نزدیک ناقابل فہم تھیں لیکن میں نے رام دیال یا اس کی ماں سے اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کی اور مجھے اس کا کوئی حق بھی نہیں پہنچتا تھا کہ ان کے نجی معاملات میں دخل انداز ہوتا۔ ایک روز مرحومہ نے میرے ساتھ بھی کچھ عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کی تھیں جن کا تذکرہ میں اپنی حیرت انگیز کہانی شروع کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں۔

اس روز میں رام دیال سے ملنے اس کے گھر گیا تو وہ موجود نہیں تھا۔ میں یوں ہی کچھ دیر کے لئے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا تاکہ رام دیال کی ماں کو سلام کر لوں جو ملازم کے بیان کے مطابق چند پنڈتوں کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی گفتگو کرنے میں مصروف تھیں۔ میں نے جان بوجھ کر اس وقت ان کے کمرے کی طرف جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ مجھے زیادہ دیر تک ان کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ پنڈتوں کو رخصت کر کے سیدھی میرے پاس چلی آئی تھیں۔ میں نے انہیں آتا دیکھا تو اٹھ کر بڑے ادب سے سلام کیا جس کا جواب حسب دستور شفقت بھری مسکراہٹ سے ملا۔

ہمارے درمیان کچھ دیر تک گھریلو باتیں ہوتی رہیں پھر اچانک رام دیال کی والدہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''جمیل بیٹے۔ میں اکثر سوچتی رہتی ہوں کہ بھلا سوا سو روپے ماہوار کی تنخواہ میں تمہاری گزر بسر کیسے ہوتی ہوگی؟''

''بس ماتا جی۔ کسی نہ کسی طرح گزارہ کرنا ہی پڑتا ہے۔'' میں نے قناعت کے انداز میں جواب دیا۔

''وہ تو خیر ٹھیک ہے پر میں چاہتی ہوں کہ تم بڑے آدمی بن جاؤ۔''

''اگر آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو ضرور بڑا آدمی بن جاؤں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جمیل بیٹے۔'' رام دیال کی ماں اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے صوفے پر آکر بیٹھتے ہوئے بڑی رازداری سے بولیں۔ ''منش جب تلک ہاتھ پاؤں نہ مارے بھگوان بھی اس کی سہائتا نہیں کرتا...... اگر تم میری مانو تو کوئی ایسا راستہ اختیار کرو جس سے آشائیں جلدی پوری ہو جائیں۔''

''کیا آپ مجھے کوئی ایسا راستہ بتا سکتی ہیں؟'' میں نے از راہ مذاق پوچھا۔

''ہاں۔'' مرحومہ نے مختصر جواب دیا پھر ادھر اُدھر دیکھ کر میرے کچھ اور قریب کھسک آئیں اور دبی زبان میں بولیں۔ ''میں تمہیں ایسا منتر بتا سکتی ہوں جس کے پڑھنے سے تم کچھ ہی دنوں میں مالدار آدمی

Downloaded from Paksociety.com

بن سکتے ہو۔"

رام دیال کی ماں کے منہ سے منتر کا لفظ سن کر میں حیرت زدہ ہوا لیکن اس سے پیشتر کہ میں ان کی بات کا کوئی جواب دیتا انہوں نے دوبارہ کہا۔

"میں نے تمہارے لیے آج ہی ایک پجاری سے بات کی ہے۔ پجاری کا کہنا ہے کہ تم اگر دھیان لگا کر ایک منتر یاد کرلو تو اپنی تمام کٹھنائیوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہو اور تھوڑے ہی سے میں مالدار بن سکتے ہو۔"

"ممکن ہے آپ اور پجاری دونوں ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن میں تعویذ گنڈوں اور عمل رمل پر کوئی عقیدہ نہیں رکھتا۔" میں نے رام دیال کی ماں کو ٹالنا چاہا۔ "اگر قدرت کو منظور ہوا تو سب کچھ ہو جائے گا ورنہ ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے شبد زبان سے مت نکالو بیٹے۔" وہ تیزی سے بولیں۔ "تم ابھی جنتر منتر اور دیوی دیوتاؤں کی شکتی سے واقف نہیں ہو اس لئے ایسی بات کہہ رہے ہو۔"

ظاہر ہے اس سلسلے میں کوئی بحث مباحثہ بے سود تھا لیکن مجھے اس بات پر حیرت ضرور ہو رہی تھی کہ رام دیال کی ماں مجھ سے اس قسم کی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔ اگر واقعی کوئی منتر کچھ دنوں میں مجھے مالدار بنا سکتا تھا تو انہوں نے وہ جاپ خود کیوں نہیں کیا اور اگر اس وظیفے کے لیے ضروری تھا کہ اسے کوئی مرد ہی پڑھے تو خود ان کا لڑکا رام دیال موجود تھا۔ میں ابھی ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ رام دیال کی ماں نے مجھے دوبارہ آمادہ کرنے کے لیے کہا۔

"میں نے جس پجاری سے تمہارے لیے بات کی تھی اس کا کہنا ہے کہ تم دوسروں کے مقابلے میں "انکا" کو زیادہ آسانی سے اپنے قبضے میں کر سکتے ہو۔"

"یہ انکا کس کا نام ہے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں تمہیں انکا کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تم سچے دل سے اس منتر کو یاد کرنے اور پڑھنے کا وچن دو اور اپنی پوتر کتاب کی سوگند کھاؤ کہ تم انکا کے بارے میں کسی اور کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"مجھے افسوس ہے ماتا جی کہ میں کسی منتر وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔" میں نے اس بار بڑی صاف گوئی سے انکار کر دیا پھر ان کا دل رکھنے کے لئے کہا۔ "جو کچھ میری قسمت میں لکھا ہے وہ مجھے مل جاتا ہے' زیادہ کی ہوس کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" رام دیال کی ماں نے روکھے لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کر اپنے صوفے پر چلی گئیں۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ انہیں میرا جواب گراں گزرا ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ان کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے بھی ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ انکار کے بعد سے وہ مجھ سے اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہی تھیں چنانچہ میں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا اور اٹھ کر چلا آیا۔ اس واقعے کے بعد میں تین چار روز تک رام دیال کی طرف نہیں گیا۔ جو باتیں رام دیال کی والدہ نے مجھ سے کی تھیں ان باتوں نے مجھے ان کی طرف سے اور مشکوک کر دیا تھا۔ ایک دو بار راستے میں اتفاقاً رام دیال سے ٹکراؤ ہو گیا۔ اس نے میرے گھر نہ آنے کی وجہ دریافت کی تو میں خواہ مخواہ کی مصروفیات کا بہانہ کر کے ٹال گیا لیکن چار روز بعد رام دیال ایک دن مجھے میرے فلیٹ سے پکڑ کر زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس کی ماں ابھی تک مجھ سے ناراض ہو گی لیکن ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی۔ رام دیال کی ماں نے اپنے سابقہ رویے کے مطابق بڑی شفقت بھری مسکراہٹ سے میرے سلام کا جواب دیا اور حسب سابق میری آؤ بھگت شروع کر دی۔ رام دیال کی غیر موجودگی میں بھی انہوں نے نہ تو مجھ سے چار روز تک غائب رہنے کا سبب دریافت کیا' نہ ہی انکا کا کوئی تذکرہ نکالا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ بات جو ہمارے درمیان کسی قدر ناچاقی کا سبب بن گئی تھی از خود رفع دفع ہو گئی۔ چنانچہ میں نے پھر رام دیال کے ہاں پہلے کی طرح آنا شروع کر دیا۔

اب میں پھر اس بھیانک رات کی طرف آتا ہوں جس رات رام دیال نے مجھے اچانک اپنی ماں کی موت کی خبر سنائی تھی اور میں گنگ رہ گیا تھا۔ بہرحال جب میں رام دیال کے ساتھ اس کے گھر پہنچا تو وہاں رونا پیٹنا مچا ہوا تھا۔ کنبے کے علاوہ پاس پڑوس والے بھی جمع تھے۔ میں ایک خاموش تماشائی کی طرح سب کو دیکھتا رہا۔ رام دیال کے ایک عزیز نے مشورہ دیا کہ اس بھیانک رات میں ارتھی اٹھانے کے بجائے اگر صبح اس کا بندوبست کیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا لیکن دوسرے افراد نے اس مشورے کو قبول نہ کیا اور اسی وقت ارتھی اٹھانے پر زور دیا چنانچہ جلدی جلدی تمام ضروری رسوم پوری کی گئیں اور ہم لوگ مرگھٹ کی طرف چل دیے۔

کسی ہندو کی موت میں شریک ہونے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ مجھے موت اور زندگی کے خوفناک کھیلوں سے ویسے بھی ہمیشہ سے الجھن ہوتی تھی چنانچہ میں نے یہی کوشش کی کہ کسی طرح رام دیال کی نظریں بچیں تو میں واپس چلا جاؤں لیکن رام دیال تو جیسے میرے دل کی بات تاڑ گیا تھا وہ مجھ سے چمٹ کر رہ گیا۔

غرضیکہ مجھے مجبوراً اس کے ساتھ مرگھٹ تک جانا پڑا جہاں چتا پہلے ہی سے تیار تھی۔ میں نے لکڑیوں کے اس انبار پر نظر ڈالی تو مجھے بے حد خوف محسوس ہونے لگا۔ موسم کے بگڑے ہوئے تیور ہر لمحے خطرناک ہوتے جارہے تھے۔ [illegible] موسلا دھار بارش ہو جائے تاکہ

Downloaded from Paksociety.com

میں رام دیال کی ماں کے جسم کو آگ کے شعلوں میں جلتا نہ دیکھ سکوں۔ مگر بجلی کی چمک اور بادلوں کی گھن گرج کے باوجود بارش کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ مجھے مجبوراً وہ سب کچھ دیکھنا پڑا جس کا تصور آج بھی میرے جسم کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔

مرگھٹ پہنچ کر ارتھی کے ساتھ آنے والے پجاریوں نے ...... پُرسوز آواز میں بھجن گانا شروع کر دیا تھا۔ دوسرے افراد لاش کے کریا کرم میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے لاش کو لکڑیوں کے انبار پر رکھا گیا پھر اس پر گھی کا پورا کنستر الٹ دیا گیا۔ بعدازاں جب لکڑیوں کے انبار پر مٹی کا تیل چھڑکا جانے لگا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ رام دیال نے اگر میرا ہاتھ نہ تھام رکھا ہوتا تو میں یقیناً وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ طوعاً وکرہاً مجھے ان رسوم کے ہولناک اختتام تک وہاں ٹھہرنا پڑا۔

چتا کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ پجاریوں نے بھی بھجن کے بول حلق پھاڑ پھاڑ کر گانے شروع کر دیے تھے۔ فضا میں ہر سمت مٹی کے تیل کی بدبو اور گوشت جلنے کی چراند پھیلی ہوئی تھی۔ میری نظر اب رام دیال کی ماں کی مجبور و بے بس لاش پر جم کر رہ گئی تھی جو شعلوں کے درمیان گھری تھی۔ اچانک میں نے لاش کو اکڑ کر اٹھتے دیکھا تو میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ میرے پاس بچاؤ کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ میں سختی سے آنکھیں بند کر لوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک کہ بھجن کی آوازیں بند نہیں ہو گئیں۔ جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو لکڑیوں کا انبار دہکتے ہوئے انگاروں میں بدل چکا تھا اور رام دیال کی ماں کی ہڈیاں تک غالباً جل بھن کر راکھ ہو چکی تھیں۔

مرگھٹ سے واپسی پر مجھے رام دیال کے گھر جانا پڑا۔ پھر بمشکل چھٹکارا حاصل کر کے میں اپنے فلیٹ پہنچا۔ تھکن کے مارے میرا ایک ایک جوڑ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ مرگھٹ کا خوف ناک منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ فلیٹ کو اندر سے بند کر کے میں نے جوتے اتارے پھر روشنی گل کی اور ایسا بے سدھ ہو کر پلنگ پر گرا کہ صبح تک مجھے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے۔ مجھے ٹھیک نو بجے دفتر پہنچنا ہوتا تھا۔ چنانچہ میں جلدی سے اٹھا، منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ نیچے آ کر قریبی ہوٹل میں الٹا سیدھا ناشتہ کیا اور آفس کی طرف چل دیا۔ میرا آفس فلیٹ سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ نو بجنے میں ابھی دس منٹ باقی تھے اس لئے مجھے یقین تھا کہ میں ٹھیک وقت پر دفتر پہنچ جاؤں گا۔

لمبے لمبے قدم بڑھاتا میں بڑے چوک کی ایک فٹ پاتھ سے گزر رہا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیز میرے سر پر آن گری ہو۔ وہ یقیناً کوئی ہلکی پھلکی چیز ہی تھی۔ کوئی مڑا تڑا کاغذ یا پھر ردی کپڑے کا کوئی ٹکڑا۔ دوسری صورت میں [illegible]

فلیٹوں کی طرف دیکھا لیکن وہاں اتفاق سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ میں سر جھٹک کر دوبارہ چل پڑا لیکن ابھی میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ مجھے ایسا لگا جیسے میرے سر پر نکیلے پنجوں والا کوئی جانور رینگ رہا ہو۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس اَن دیکھی مصیبت کو پکڑنا چاہا لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ دو تین بار میں نے سر کو زور زور سے جھٹکا بھی لیکن بے سود۔ میں دوبارہ قدم اٹھانے لگا۔ کچھ دور ہی گیا تھا کہ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چھوٹا سا جانور اپنے پنجے میرے سر کی جلد میں چبھو رہا ہے۔ ایک بار پھر میں نے جھلا کر اپنا ہاتھ بالوں میں گھمایا لیکن کوئی چیز میرے ہاتھ نہ آ سکی مگر پنجوں کی چبھن بدستور محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی ننھے ننھے قدموں سے میرے سر کے اوپر چل رہا ہے۔ کبھی آگے کبھی پیچھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ کوئی میرے سر پر قیام کر چکا ہے کوئی چھوٹی سی شے۔ میں نے بہت ہاتھ مارے مگر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ البتہ مجھے اس کے جسم کی ایک ایک حرکت اور لمس محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے جلد ہی اس کے نشیب وفراز سے اندازہ کر لیا کہ وہ ایک نازک اندام لڑکی ہے مگر یہ کس طرح ممکن ہے؟ میں عجب کشمکش سے دوچار تھا۔ یہ میرا وہم ہے۔ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں حیران وششدر تھا۔ میں واقعی سڑک پر چل رہا تھا اور یہ نہ خواب تھا اور نہ وہم۔ میرے سر پر کوئی موجود تھا۔ اب وہ لڑکی میرے سر پر کروٹیں لے رہی تھی۔

میرا ذہن بری طرح چکرا کر رہ گیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ یقیناً ایک مضحکہ خیز بات تھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ میرے سر پر کوئی لڑکی ہاتھ پاؤں پھیلا کر آرام کر سکے۔

پھر وہ کیا شے تھی جس نے مجھے پریشان کر رکھا تھا؟

میں بری طرح نروس ہو گیا تھا۔ میرا جی چاہا کہ اپنے سارے بال نوچ کھسوٹ کر پھینک دوں لیکن بھری پُری سڑک پر اگر میں نے ایسی کوئی حرکت شروع کر دی ہوتی تو راہ گیر یقیناً مجھے پاگل سمجھتے اور میں بیٹھے بٹھائے تماشا بن جاتا۔

چند لمحے میں ساکت کھڑا دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتا رہا پھر جھلا کر دوبارہ قدم بڑھانے لگا۔ وہ شے جو میرے سر پر قبضہ جمائے ہوئے تھی میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ میں نے جلد میں ہونے والی ہلکی پھلکی چبھن کو اپنا وہم سمجھ کر ٹالنا چاہا لیکن یہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بھلا میں اپنے شعور اور احساس کو کیسے جھٹلا سکتا تھا جو مجھے رہ رہ کر یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میرے سر کے اوپر ایک حور شمائل، نازک اندام اور حسین وجمیل لڑکی محوِ خواب ہے۔

''خیر۔ ہوگا کچھ۔'' میں نے اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کی، اور جلدی جلدی قدم بڑھاتا دفتر پہنچ گیا۔ اپنی سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے میں نے حاضری لگائی اور اپنا کام شروع کرنے کی غرض سے جیب سے قلم نکال کر کھولا ہی تھا کہ میرے [illegible] رے سے برآمد ہوا تھا' مجھے دیکھ

Downloaded from Paksociety.com

کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

''جمیل..... کب آئے تم؟''

''بس ابھی آ کر بیٹھا ہی ہوں۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ زبردستی اس لیے کہ میرا ذہن ابھی تک اس پُراسرار شے میں الجھا ہوا تھا جو میرے سر پر موجود تھی جسے میں نہ دیکھ سکتا تھا نہ چھو سکتا تھا لیکن محسوس ضرور کر سکتا تھا۔

''حاضری تو نہیں لگائی تم نے۔''

''لگا چکا ہوں۔ کیوں؟''

''یہ برا ہوا۔'' میرے ساتھی نے جواب دیا۔ ''اگر تم نے رجسٹر پر دستخط نہ کیے ہوتے تو میں تم کو یہی مشورہ دیتا کہ چپ چپاتے چھٹی کی درخواست دے کر واپس چلے جاؤ۔''

''کیوں؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔ ''آخر بات کیا ہے؟''

''بات یہ ہے مائی ڈیئر کہ صاحب ایک گھنٹے سے تم کو پوچھ رہا ہے۔ آج اس کا موڈ بھی کچھ زیادہ ہی خراب معلوم ہوتا ہے۔ شاید گھر سے لڑ کر آیا ہے۔ صبح سے آفت مچائی ہوئی ہے۔''

''تو کیا ہوا۔'' میں بے پروائی سے بولا۔ ''میں تو اپنے وقت پر پہنچا ہوں۔''

''وقت پر۔'' میرے ساتھی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کہیں پینی تو نہیں شروع کر دی تم نے۔ اس وقت پورے دس بج رہے ہیں۔''

میں نے چونک کر اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی تو وہاں بدستور نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ظاہر ہے میری گھڑی بند ہو گئی تھی۔ دستی گھڑی سے ہٹا کر میں نے آفس کلاک پر نظر ڈالی تو خفیف سا ہو کر رہ گیا۔ وہاں ٹھیک دس بج رہے تھے۔

''کیا صاحب کو مجھ سے کوئی ضروری کام پیش آ گیا ہے؟'' میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔

''تم خود جا کر پوچھ لو۔ صاحب کا حکم ہے کہ تم جیسے ہی آؤ، تمہیں اندر بھیج دیا جائے۔''

میرا ساتھی یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تو میں بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنے لگا کہ آخر مجھے دیر کیوں ہو گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ناشتہ کرنے کے لئے ہوٹل پہنچا تھا اس وقت ساڑھے آٹھ بجے تھے اور میری گھڑی اس وقت یقیناً چل رہی تھی۔ ناشتہ کرنے میں بمشکل پندرہ منٹ صرف ہوئے ہوں گے۔ ہوٹل سے بڑے چوک کا راستہ بھی پانچ منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ پھر مجھے یہ ایک گھنٹے کی دیر کیسے ہو گئی؟

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر سوئی ہوئی لڑکی بیدار ہو رہی ہے۔ آپ یقین نہیں کرتے تو نہ کریں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تصور کی نگاہوں سے اسے انگڑائی لے کر اٹھتا ہوا دیکھ رہا

تھا۔ میں نے اس کے بدن کی ایک ایک جنبش کو محسوس کیا تھا۔

کمرے میں چونکہ میں تنہا تھا اس لیے میں نے یک لخت اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھا کر زور سے اس جگہ مارا جہاں وہ نادیدہ لڑکی آ بیٹھی تھی لیکن پھر میں خود ہی تلملا کر کھڑا ہو گیا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پھرتی سے میرے سر کی دوسری طرف سرک گئی ہے اور میری اس بوکھلاہٹ پر زیر لب مسکرا رہی ہے۔ میں نے تلملا کر دو تین بار سر کو زور زور سے جھٹکا لیکن ننھے ننھے اور نکیلے پنجوں کی چبھن بدستور اپنی جگہ برقرار تھی۔ میرا دل چاہا کہ اپنا سر پوری قوت سے دیوار سے ٹکرا دوں لیکن قبل اس کے کہ میں اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچاتا، چپراسی آ گیا اور اس نے کہا۔

''صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تم جاؤ میں آتا ہوں۔'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے چپراسی سے کہا۔

چپراسی چلا گیا تو میں نے جیب سے کنگھا نکال کر بال درست کئے پھر اچانک کنگھے کو نظروں کے قریب لا کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ مجھے اس میں کوئی خوب صورت لڑکی الجھی ہوئی نظر نہ آئی۔ نظر آتی بھی کیسے جبکہ میں اب بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ وہ بدستور میرے سر پر پیر پھیلائے لیٹی ہوئی میری تلملاہٹ پر مسکرائے جا رہی ہے۔ اس کا یہ انداز مجھے پاگل بنائے جا رہا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا اور چہرے پر چھپے ہوئے کرب ناک تاثرات کو درست کرتا ہوا اپنے افسر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

اندر داخل ہو کر میں نے صاحب کے چہرے پر نظر ڈالی تو میرا خون جیسے خشک ہو کر رہ گیا۔ اس موٹے کرچین کے چہرے پر جو میرا افسر تھا، مجھے وہ تمام خطرناک علامتیں نظر آ گئیں جو مجھ جیسے کسی سوا سو روپے پانے والے معمولی کلرک کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوتی ہیں۔ میں نے جلدی سے تھوک نگل کر اپنا گلا تر کیا پھر ڈرتے ڈرتے سلام کیا۔

''تم۔'' میرے بھاری بھر کم افسر نے مجھے نظر اٹھا کر قہر آلود نظروں سے گھورا جیسے کچا چبا جانے کے امکانات پر غور کر رہا ہو پھر کچھ توقف کے بعد غرا کر بولا۔ ''کس وقت میں دفتر کو آیا؟''

''سس..... سر.....'' میں نے ہکلا کر جواب دیا۔ ''رات میں اپنے ایک عزیز کی میت میں چلا گیا تھا اس لئے آج وقت پر آفس نہ آ سکا جس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں۔''

''وہاٹ ما چھی۔'' موٹے کرچین نے اپنی آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ ''تم روجانہ دیر کرتا ہے۔''

''یہ غلط ہے سر۔'' میں اس جھوٹ پر تلملا کر بولا۔ ''سات مہینے میں آج میں پہلی بار لیٹ ہوا ہوں۔''

''اوہ۔ آہپھیسر سے آرگیو کرتا۔'' صاحب نے مجھے غصیلی نظروں سے گھورا پھر ایک دم ہی اپنا آخری فیصلہ سنا دیا۔ ''ہم ٹم کو ابھی ڈس مس کرتا۔ پہلی تاریکھ کو آ کر اپنا پگار لے جانا۔ گٹ آؤٹ۔''

میرا ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ صاحب نے ملازمت سے برخاست کرنے کا حکم سنایا تھا تو میرے

رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ سوا سو کی کلرکی کے لئے مجھے اس نئے شہر میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے' یہ کچھ میرا ہی دل جانتا تھا چنانچہ میں نے رحم طلب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر۔ آج معاف کر دیں۔ آئندہ کبھی دیر نہیں ہو گی۔''

''ہم کچھ نہیں سننا مانگتا۔ گٹ آؤٹ۔''

دوسری بار جب صاحب نے ہونٹ سکیٹر کر نفرت بھرے لہجے میں مجھے دھتکارا تو میں ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ میں اس سے مزید کوئی اور درخواست کروں۔ جس لب و لہجے میں اس نے میری معذرت کا جواب دیا وہ انتہائی تحقیر آمیز تھا۔ چنانچہ میں نے اسے گھور کر دیکھا پھر باہر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میرے سر پر موجود لڑکی کسمانے لگی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ میرے کانوں کے قریب منہ لا رہی ہے پھر اس کا منہ میرے کانوں کے قریب آ گیا اور پہلی بار مجھے اس کی سرگوشی صاف طور پر سنائی دی۔ میں اس سرگوشی پر لرز گیا لیکن صاحب سامنے تھا۔ میں ایسی ویسی حرکت کرتا تو اس کا پارہ چڑھ جاتا۔ ادھر وہ کہہ رہی تھی۔

''سنو۔ ڈرو نہیں۔ میز سے پیپر ویٹ اٹھا کر اپنے صاحب کے سر پر دے مارو۔''

ٹھیک اسی وقت جب یہ آواز میرے کانوں میں گونجی تھی' میرے سر پر نکیلے پنجوں کی چبھن تیز ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ نازک اندام لڑکی میری طرح تلملا رہی ہے۔

''تُم ہمارا منہ کیا دیکھتا ہے۔ ہم تُم کو بولا تھا کہ گٹ آؤٹ ہو جاؤ۔'' صاحب نے مجھے کھڑا دیکھا تو چیخ کر بولا۔

میں نے جھلا کر باہر جانا چاہا تو میرے کانوں میں پھر وہی آواز گونجی۔

''سنو جمیل۔ جب تک میں تمہارے سر پر موجود ہوں' تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میز سے پیپر ویٹ اٹھاؤ اور اس موٹے بھدے آدمی کے سر پر دے مارو۔''

ملازمت جانے کے صدمے اور حالات کی ستم ظریفی نے مجھے اس درجے مفلوج کر دیا تھا کہ میں کسی بات کا فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ جب تیسری بار وہ پُر اسرار آواز میرے کانوں میں ابھری اور اس نے ایک بار پھر مجھے اس بات پر اکسایا کہ میں پیپر ویٹ اٹھا کر اپنے افسر کے سر پر دے ماروں تو میں نے کسی نفسیاتی مریض کی طرح بڑی خاموشی سے آگے بڑھ کر صاحب کی میز سے پیپر ویٹ اٹھایا اور اس کی طرف کھینچ مارا۔ آپ یقین کریں کہ میرا یہ عمل محض اضطراری تھا جس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ہوش تو مجھے اس وقت آیا جب میں نے اپنے افسر کے سر سے خون بہتے دیکھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، میں یہ دیکھنے کے لئے وہاں نہیں رکا تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا دفتر سے باہر نکلا اور کھلی سڑک پر دوڑنے لگا۔ مجھے اب بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک

انسان کا سر پھاڑنے کے جرم کا ارتکاب کر چکا ہوں جو اگر مر گیا تو مجھے پھانسی کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

فلیٹ پر پہنچ کر میں نے جلدی جلدی اپنے مختصر سے سامان کو سمیٹنا شروع کر دیا۔ فوری طور پر میں نے یہی پروگرام بنایا تھا کہ کچھ دنوں کے لئے شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں اور جب تک حالات میرے حق میں سازگار نہ ہوں' دور ہی رہوں۔

میں اپنا رختِ سفر باندھتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں اس پُر اسرار بلا کو گالیاں بکتا جاتا تھا جو میرے سر پر اس وقت بھی کھڑی غالباً میری ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب میں سارا سامان باندھ چکا اور کسی سواری کے لئے نیچے جانے کا ارادہ کیا تو وہی نسوانی سرگوشی دل نشین آواز میں میری قوت سماعت سے کسی لہر کی طرح ٹکرائی جس نے مجھے حالات کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے صاحب کا سر پھاڑ دینے پر اکسایا تھا۔

''کیا ارادے ہیں جمیل صاحب کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی بے تکلف سرگوشی ابھری۔

''جہنم میں۔'' میں نے یوں جواب دیا جیسے سچ مچ کسی ذی روح سے مخاطب ہوں۔ میرا ذہن کسی بھٹی کی طرح سلگ اٹھا۔

صبح سے اب تک جو کچھ بھی مجھ پر گزری تھی اس کی تمام تر ذمے داری اسی شے پر عائد ہوتی تھی جس نے میری کھوپڑی پر اپنا تسلط جما رکھا تھا اور میں چاہنے کے باوجود ابھی تک اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا تھا۔ ادھر ملازمت جانے کے خیال سے میرا ذہن چکرا گیا تھا۔ میں یہ بھی تسلیم کئے لیتا ہوں کہ جس وقت میرے صاحب نے میری رحم کی درخواست پر نفرت اور حقارت کا اظہار کیا اس وقت میرا دل یہی چاہا تھا کہ اس کا سر پھاڑ ڈالوں لیکن یہ تمام باتیں میرے سوچنے کی حد تک محدود تھیں' عمل کر گزرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اپنی عام زندگی میں بھی میں لڑائی جھگڑوں اور دنگا فساد سے ہمیشہ الگ تھلگ رہنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ غلطی دوسرے کی ہی کیوں نہ ہو لیکن میں ہمیشہ درگزر کی پالیسی پر عمل کرتا ہوں۔ اپنے باس کے ساتھ جارحانہ سلوک کر گزرنے میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ ساری شرارت تو اسی پُر اسرار وجود کی تھی جو اس وقت مجھ سے مخاطب تھی اور جس کی آواز سن کر میں بری طرح تلملا اٹھا تھا۔

''سنو! کیا تم خوفزدہ ہو۔ تم اس فلیٹ اور اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاؤ گے۔'' وہی پُر اسرار سرگوشی پھر میرے کانوں میں گونجی۔ اس بار اس کا لہجہ قدرے خشک اور تحکمانہ تھا۔

''گویا اب تمہارا یہی مشورہ ہے کہ میں یہاں آرام سے بیٹھ کر پولیس کا منتظر رہوں اور اپنے بچاؤ کے بارے میں کچھ سوچنے کے بجائے خاموشی سے تختۂ دار تک پہنچ جاؤں۔ میں نے اب اس کی موجودگی تسلیم کر لی تھی اور باقاعدہ گفتگو کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''گھبراتے کیوں ہو۔ میں نے تم سے کہا نہیں کہ جب تک میں تمہارے سر پر موجود ہوں' تمہیں کوئی

نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"میرے خدا! میں کیا کروں۔" میں آپ ہی آپ بڑبڑاتا ہوا سر پکڑ کر بستر بند پر ٹک گیا پھر تلملا کر اس نادیدہ قوت سے بولا۔ "مگر تم کون ہو؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو؟"

"ناممکن جمیل صاحب۔" میرے کان میں پھر وہی پُراسرار آواز ابھری۔ "میں اپنی مرضی سے تمہارے سر آئی ہوں اور جب تک میری مرضی ہوگی' رہوں گی۔ ہاں اگر تم نے رام دیال کی ماں کا کہا مان لیا ہوتا اور خاص منتر کا جاپ مکمل کر کے مجھے اپنے قبضے میں کر لیا ہوتا تو پھر میں تمہارے حکم کی تابع ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

رام دیال کی ماں کی گفتگو میرے ذہن میں تازہ ہوئی تو میں نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کون ہو تم......؟"

"میرا نام انکا ہے۔ انکا...... رفتہ رفتہ مجھ سے واقف ہو جاؤ گے کہ میں کیا ہوں۔"

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے رام دیال کی ماں سے بھی یہی کہا تھا کہ مجھے تعویذ گنڈوں اور جادو ٹونوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں سرے سے ان باتوں پر عقیدہ ہی نہیں رکھتا تھا یا پھر آپ یوں سمجھ لیں کہ مجھے جن' بھوت' بلا اور آسیب کے نام ہی سے ہول اٹھنے لگتا تھا۔ میں نے اپنے بزرگوں کی زبانی ایسے قصے سن رکھے تھے جب کسی شخص نے نادیدہ قوتوں کو مغلوب کرنے کے لئے چلّے کھینچے اور وظیفہ پڑھنا شروع کیا لیکن انجام کار یا تو وہ مر کھپ گیا یا پھر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ چنانچہ جب میں نے انکا کا نام سنا تو میرے پسینے چھوٹ گئے۔ اس تصور ہی سے کہ میں ایک نادیدہ قوت کے چکر میں آ گیا ہوں' میرے بدن کے سارے رونگٹے خوف اور دہشت کے احساس سے الف کی صورت کھڑے ہو گئے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ تم اپنے لیے کسی اور کا انتخاب کر لو۔"

"یہ بھی میری ہی مرضی پر منحصر ہے۔ مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن میں نے تو رام دیال کی ماں کی پیشکش بھی ٹھکرا دی تھی۔" میں عاجز آ کر بولا۔

"وہ تمہاری مرضی کی بات تھی۔"

"مگر تم مجھ سے آخر چاہتی کیا ہو؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔ ایک لمحے تک نادیدہ قوت کی طرف سے مجھے کوئی سرگوشی نہیں سنائی دی۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ میری بے بسی پر مسکرا رہی ہے پھر یوں لگا جیسے وہ دوبارہ میرے سر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی ہے۔ میں اس شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اس عذاب سے کیونکر چھٹکارا حاصل کروں۔

"سنو۔" معاً مجھے پھر اس کی آواز ابھرتی محسوس ہوئی۔ "میرا قرب خوش قسمتی کا باعث ہے۔ لوگ میری تمنا کرتے ہیں۔ بعض لوگ مجھے حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ اب تمہاری یہ پریشانی فضول ہے۔ تمہارا افسر تمہارے خلاف کوئی بیان نہیں دے گا۔ نہ ہی پولیس تمہارے اوپر شبہ کرے گی۔ تم اس واقعے کو بھول جاؤ اور ہنسی خوشی باتیں کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اب ہنسنے بولنے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ ملازمت تم چھڑوا چکی ہو۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے میرے برے دن آ رہے ہیں۔"

"برے دن۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی فکر اور غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ملازمت ملنا آسان بات نہیں۔" میں تلملا کر بولا۔ "اس ملازمت کے لئے مجھے کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔"

"ملازمت جانے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے سرگوشی کی۔ "تم ایک ذہین اور پڑھے لکھے شخص ہو۔ جوان ہو۔ مٹی سے سونا بنا سکتے ہو۔"

انکا کی یہ بات سن کر مجھے ہنسی آ گئی۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگانا شروع کر دوں۔

"تم تو بہت سہمے ہوئے ہو۔" اس نے سرگوشی کی۔ "روپیہ کمانا کوئی مشکل بات ہے؟"

"جی نہیں۔ بڑی آسان بات ہے۔" میں نے طنزاً جواب دیا۔

"بہت آسان۔ بشرطیکہ آدمی ذہین اور چالاک ہو۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اور پھر میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تمہارا ہی تو یہ سب کیا دھرا ہے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "ذہانت اور چالاکی بغیر سرمائے کے دھری رہ جاتی ہے۔"

"میں تمہارے لئے سرمایہ فراہم کروں گی۔ تم میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔ میری مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ جو کچھ میں کہوں کرو۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

میں خاموش رہا تو پھر بولی۔ "تمہیں ریس سے تو دلچسپی ہے۔ پہلے تو تم کھیلتے تھے۔"

میں حیران تھا کہ اسے میری دلچسپی کیسے معلوم ہو گئی۔ میں ریس سے ایک سال ہوا' توبہ کر چکا تھا۔ ریس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا تھا میں نے کہا۔

"ہاں' مگر اب میں توبہ کر چکا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں تمہیں گھوڑا بتاتی رہوں گی۔ تم جیتتے رہنا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے بہت تیزی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے سب معلوم رہتا ہے۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"لیا خ!" میں نے اضطراب سے پوچھا۔

"انکا کا تمہارے ساتھ رہنے سے پھر کیا فائدہ۔" اس نے ناز سے کہا۔

یہ طلسماتی باتیں مجھے ایسی لگ رہی تھیں جیسے میں کسی سینما ہال میں بیٹھا الہ دین اور جادو کی انگوٹھی سے متعلق کوئی فلم دیکھ رہا ہوں لیکن جب میں نے انکا کی بات کی تصدیق کی خاطر ریس میں دوبارہ دلچسپی لی تو وارے کے نیارے ہو گئے۔ میری جیبیں بڑے بڑے نوٹوں سے بھر گئیں۔ مجھے یاد ہے ریس جیت کر جب میں آیا تو نوٹوں سے میری جیبیں بھری ہوئی تھیں۔ میں حیرت زدہ تھا۔

"تمہیں حیرت کیوں ہو رہی ہے جمیل صاحب؟" انکا کی سرگوشی ابھری۔ "میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے۔ تم مجھ سے جو خواہش کرو گے وہ پوری ہو جائے گی لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے۔"

کیا؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ اس خیال سے کہ اب میں انکا کی وجہ سے بہت بڑا آدمی بن جاؤں گا' میری جھلاہٹ اور بوکھلاہٹ یکسر ختم ہو گئی اور لہجے کی تلخی بھی جاتی رہی۔

"جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں' تمہیں میرے ساتھ دوستی نبھانے کا وعدہ کرنا ہو گا۔"

"منظور ہے۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"تم ایک اچھے دوست کی حیثیت سے جو کچھ بھی مجھ سے کہو گے میں اسے ضرور پورا کروں گی لیکن اس کے عوض تمہیں بھی میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ وہ کام میں خود نہیں کر سکتی۔"

"وہ کام کیا ہے؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"فی الحال تم وعدہ کر لو۔ جب وقت آئے گا تو میں تمہیں وہ کام بھی بتا دوں گی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔" انکا کی لہراتی ہوئی آواز ابھری۔ "اگر تم نے بعد میں وعدہ خلافی کی تو پھر ہماری دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دوں۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" میں نے کرنسی نوٹوں کو جیبوں میں دوبارہ گنتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس کام کو بھی تم مجھ سے کہو گی' وہ میں ضرور پورا کروں گا۔"

انکا کے التفات خاص کے بعد میرے ذہن پر چھائی ہوئی بوکھلاہٹ رفتہ رفتہ چھٹ گئی۔ مجھے اس کی یقین دہانی پر پہلے ہی اعتبار آ گیا تھا کہ افسر کا سر پھٹ جانے والے حادثے نے طول نہیں پکڑا اور بالفرض محال اگر ایسا ہوا بھی تو میں محفوظ رہوں گا۔ دوسرے اس اعتماد کی وجہ وہ کرنسی نوٹ بھی تھے جو اس وقت میری جیب میں پڑے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ جب انکا کی پُراسرار قوت مجھے ایک اشارے میں اتنی ساری دولت کا مالک بنا سکتی ہے تو افسر کی زبان بھی بند کر سکتی ہے۔

غرض کہ میں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ انکا سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بجائے اسے دوست بنا لیا جائے۔ میں بڑے سکون سے تھا۔ میرے گھر کی چیزوں میں اضافہ ہو گیا تھا اور اب مجھے زندگی کچھ زیادہ ہی دلچسپ محسوس ہونے لگی تھی۔ میرا معمول تھا کہ بڑے اطمینان سے بستر پر لیٹ کر انکا سے گفتگو کرتا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا اس کی آواز میرے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا لیکن جہاں تک اسے دیکھنے کا تعلق تھا تو یہ بات میرے دائرہ اختیار سے بھی باہر تھی۔ میں صرف اس کی حرکتوں کو محسوس کر سکتا تھا۔ دوران گفتگو میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہ مجھے اپنی شخصیت اور اپنے وجود کے راز کے بارے میں بھی کچھ بتا دے لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہ ہوئی۔ ایک دو بار میں نے یہ بھی دریافت کرنا چاہا کہ آخر وہ کام کیا تھا جس کے لیے وہ میری محتاج تھی لیکن اس نے ہر بار مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ جب وہ وقت آئے گا تو مجھے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ میں نے بھی اس ڈر سے زیادہ اصرار مناسب نہ سمجھا کہ وہ کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔

جب ہم رات گئے تک باتیں کرتے اور نیند آنے لگتی تو مجھے محسوس ہوتا کہ وہ میرے سر پر آرام کرنے کی غرض سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لیٹ چکی ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد انکا کے خراٹوں کی مدھم مدھم آواز سنائی دیتی۔ وہ دلکش باتیں کرتی تھی۔ اس کے سونے کا انداز بھی خوب تھا۔ مجھے اب اس کی ہر بات بڑی دلکش محسوس ہوتی۔ میں اس کے جسم کا گداز اپنے سر پر محسوس کرتا۔

کوئی بیس دن بڑے آرام و سکون سے گزر گئے۔ اس مختصر عرصے کے باوجود میرے اور انکا کے درمیان اچھے خاصے دوستانہ مراسم استوار ہو چکے تھے گو کہ میں اسے دیکھ نہ سکتا تھا پھر بھی میں نے اپنے احساسات کے سہارے اپنے ذہن کے کینوس پر انکا کی ایک خوب صورت تصویر بنا لی تھی۔ نازک سی اور سبک سی ایک خوب صورت لڑکی جس کے چہرے پر بلا کا حسن تھا۔ اس کے پتلے پتلے اور نازک نازک سے تراشیدہ ہونٹ ہر وقت مسکراتے رہنے کے عادی تھے۔ اس کی آنکھوں میں مجھے ہر وقت تر و تازہ کنول تیرتے نظر آتے اور اس کا گفتگو کرنے کا انداز۔ میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا جیسے گفتگو کرتے وقت وہ بے حد شرمیلی شرمیلی اور معصوم سی نظر آتی ہے۔

غرض کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے حد بے تکلف ہو چکے تھے۔ اپنے فلیٹ میں لیٹا گھنٹوں اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہتا۔ باہر ہوتا تو بھی وہ مجھ سے ہمکلام ہوتی۔ میں دبی دبی زبان میں لوگوں سے نظریں بچا کر اس کا جواب دے دیا کرتا۔

انکا نے مجھ سے جو کچھ وعدہ کیا تھا وہ اس پر بدستور کاربند تھی۔ میری ہر خواہش یکے بعد دیگرے پوری ہو رہی تھی۔ جو کام میں انکا سے کہتا وہ مجھے اس کے حصول کا راستہ بتا دیتی۔ میرے فلیٹ کا حلیہ اب یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ ٹوٹی ہوئی کرسیوں کی جگہ اب ایک خوب صورت صوفہ سیٹ موجود تھا۔ جھلنگے پلنگ

ی بلند شہری نے لے لی تھی۔ معمولی کپڑوں کی بجائے اب میرے پاس پہننے کے لیے بہترین سوٹ بھی موجود تھے۔ اب میں نے سامنے والے ہوٹل پر بیٹھ کر ناشتہ کرنا چھوڑ دیا تھا بلکہ شہر کے ایک اونچے ہوٹل جایا کرتا تھا جہاں ملازم اور بیرے ہاتھ باندھے میرے آگے پیچھے کھڑے رہتے تھے اور میں وقار کے ساتھ چھری کانٹے سے کھانے میں مصروف رہتا۔ اب مجھے بل کی ادائیگی کے وقت پیسوں کا حساب کرنے کی مطلق کوئی ضرورت نہیں تھی بلکہ اب میں بل کے ساتھ پانچ دس روپے ٹپ بھی دے دیا کرتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا اور رات کے کھانے کے بعد کچھ دیر ٹہلنا میرا معمول بن چکا تھا۔ شام کے وقت میں اب بڑی پابندی کے سے سول لائنز کے علاقے میں جانے لگا جہاں صرف بڑے لوگ آجا سکتے تھے۔ عام لوگ اور درمیانے طبقے کے افراد وہاں کے رکھ رکھاؤ اور وہاں گھومنے پھرنے والوں کی شخصیت دیکھ کر ہی احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ میرے ساتھ اب ایسی کوئی دشواری نہیں تھی کیونکہ میں اب مستقل [illegible] رہا تھا۔

انکا نے ان تین برسوں میں میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا، تمام زندگی بھی ساتھ پاؤں دابتا رہتا تو [illegible] ہوسکتا تھا ہندا میں بھی اس کا بے حد احسان مند تھا۔ [illegible] میں محسوس کرتا [illegible] لیے لیٹی ہوئی ہے تو میں اسے مخاطب کرنے کی بجائے زیادہ تر خاموش ہی رہتا۔ غرضیکہ ہم دونوں کے درمیان گاڑھی چھن رہی تھی۔ مجھے اگر کوئی فکر لاحق تھی تو بس اتنی تھی کہ انکا نے ابھی تک مجھ سے کوئی کام نہیں لیا تھا جبکہ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی کام لے اور میں اسے پورا کر کے اس احسانوں کے بوجھ کو کچھ ہلکا کر سکوں۔

آج بھی روزمرہ کے معمول کے مطابق جب میں ایک قیمتی سوٹ زیب تن کیے ہوئے سول لائنز والے پارک میں چہل قدمی کر رہا تھا تو میرا ذہن اسی سلسلے میں الجھ رہا تھا کہ آخر اب تک انکا نے مجھ سے کوئی خدمت کیوں نہیں لی۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے اس نے اس محض معاہدے کی غرض سے یوں ہی ایک شرط لگا دی ہو ورنہ اسے بھلا میری کیا ضرورت پیش آسکتی تھی۔

میں اس بات کو اچھی طرح محسوس کر چکا تھا کہ حقیقتاً انکا پُراسرار قوتوں کی مالک ہے اور دنیا کا کوئی کام اس کے لیے مشکل یا ناممکن نہیں ہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ انکا دراصل میری محتاج تھی لیکن کس سلسلے میں، یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ بہرحال میں انکا کے ساتھ معاہدہ کر لینے کے بعد کس طرح گلے گلے تک مصیبتوں کی دلدل میں دھنس چکا تھا اس کا احساس مجھے بعد میں ہوا تھا۔ اگر کہیں شروع میں مجھے اس بات کی ہوا بھی لگ جاتی کہ انکا اپنی نوازشات کا بدلہ مجھ سے کس صورت میں چاہے گی تو میں مرتے مر جاتا لیکن انکا کے ساتھ کوئی معاہدہ کبھی نہیں کرتا۔

اب میں اصل واقعے کی طرف آتا ہوں، جب سے انکا سے میری ملاقات ہوئی اور میرے برے دن

پھرے تھے۔ میں بڑی پابندی سے شام کے وقت چہل قدمی کے لیے پارک آیا کرتا تھا۔ یہیں میری نظریں ایک لڑکی سے چار ہوئی تھیں اور میرے دل میں بڑی شدت سے یہ خواہش بیدار ہوئی تھی کہ اسے شریک حیات کے طور پر ہمیشہ کے لیے اپنا لوں۔ کلرکی کے زمانے میں اس لڑکی کا خیال کر کے میں دل مسوس کر رہ جاتا لیکن اب میرا خیال تھا کہ لڑکی بھی مجھ میں دلچسپی لے رہی تھی جس کا اندازہ مجھے اس کی مسکراتی نظروں سے ہو گیا تھا۔ گو کہ آج تک میری اور اس کی کبھی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن جتنی دیر میں پارک میں موجود رہتا وہ بھی وہیں رہتی۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھتے اور پھر جلدی سے نظریں جھکا لیتے۔ ابھی تک نہ تو اس نے میرے قریب آکر کوئی بات کرنے کی کوشش کی تھی نہ ہی میری ہمت پڑی تھی کہ اپنی طرف سے پہل کر سکوں۔ بہرحال ہم جتنی دیر پارک میں رہتے، ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہتے اور دلوں کا مدعا نظروں کی زبانی ایک دوسرے سے بیان کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے۔ میں نے اس لڑکی کے بارے میں اب تک اتنی معلومات حاصل کر لی تھیں کہ اس کا نام نرگس اصفہانی ہے۔ اس کا باپ ایک مقامی تاجر تھا جس کا شمار امیر کبیر افراد میں کیا جاتا تھا۔ سول لائنز کے علاقے میں وہ ایک عالی شان بنگلے میں رہتی تھی۔ اگر انکا سے میری ملاقات نہ ہوتی تو غالباً میں نرگس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن موجودہ صورت میں دولت کے لحاظ سے میں نرگس کے باپ سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ جتنی دولت اس نے سالہا سال کی محنت کے بعد جمع کی تھی اتنی دولت میں کسی وقت بھی انکا کے ذریعے حاصل کر سکتا تھا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ نرگس اصفہانی میرے دل دماغ پر چھا چکی تھی۔ آج بھی میں پارک کے ایک پُرسکون گوشے میں بیٹھا اسے کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر دوسری بینچ پر بیٹھی تھی۔ کبھی کبھی ہم دونوں کی نظریں چار ہوتیں تو وہ جلدی سے جھجک کر اپنی نگاہیں جھکا لیتی۔ بہت دیر سے ہمارے درمیان یوں ہی آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ معاً میں نے ایک خوب صورت نوجوان کو نرگس کے قریب جا کر اس کے برابر بیٹھتے دیکھا۔ نو وارد کے آجانے سے نرگس کچھ پریشان ہو گئی تھی لیکن میں نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ نوجوان اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو نرگس یقیناً اٹھ گئی ہوتی۔ اس کا اپنے قریب بیٹھنا کبھی گوارا نہ کرتی۔

میں اپنی جگہ بیٹھا اس نوجوان کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جس انداز میں مسکرا مسکرا کر نرگس سے گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس نے میرے سینے میں جذبۂ رقابت کو ابھار دیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب میں اپنی بنچ پر بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا میں نے محسوس کیا کہ انکا جو میرے سر پر نیم دراز تھی، یکلخت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور میرے کانوں میں اس کی سریلی آواز گونجی۔

''جمیل۔ کیا تم جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ نرگس کا منگیتر ہے۔'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم اس کو مار ڈالو۔''

انکا کی زبانی یہ سن کر کہ وہ نوجوان نرگس کا منگیتر ہے، میرے دل کو شدید دھچکا لگا لیکن میں چونکہ شروع سے ہی میانہ روی کا قائل ہوں اس لئے نوجوان کو مار ڈالنے کا مشورہ سن کر میرا دل دھڑکنے لگا۔

''انکا۔ کیا تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتیں؟'' میں نے دبی زبان میں کہا۔ ''میں بہت بے چین ہوں۔''

''نہیں، تمہیں اس نوجوان کو ویسے بھی میرے لیے مارنا ہوگا۔ تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہوگا۔''

''میں اپنے وعدے پر قائم ہوں لیکن تمہیں اس نوجوان سے کیا پُرخاش ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں......... لیکن اس کے باوجود تمہیں میرے حکم پر اس کا خون کرنا ہوگا۔'' انکا کا لہجہ اس بار سخت اور تحکمانہ تھا۔ ''مجھے اس نوجوان کے خون کی ضرورت ہے۔''

''کیا.........؟'' میں بوکھلا گیا۔

''تم انکار نہیں کر سکتے۔ انکار کا مطلب ہے کہ بدعہدی اور بدعہد میرے نزدیک بہت بڑی سزا کا مستوجب ہے۔ تم میری قوتوں کا اندازہ تو کر چکے ہو۔''

''لیکن.........''

''بحث مت کرو جمیل۔'' انکا نے ترش لہجے میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''سنو انسانی خون میری غذا ہے جس کے بغیر میرا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ تم نے اگر بدعہدی کی تو خسارے میں رہو گے۔ ہر حال میں تمہیں میرے لیے یہ خطرناک کام انجام دینا ہوگا جس کا تم وعدہ کر چکے ہو۔''

قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا، میرے سر پر نکیلے پنجوں کی چبھن شدید سے شدید تر ہونے لگی۔ یہ غالباً انکا کی طرف سے ایک خاموش چیلنج تھا کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔

موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے میں کانپ اٹھا۔ میرے چہرے پر پسینے کے ننھے منے قطرے نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ میرے ذہن میں ایک ہیجان سا برپا ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔

''کیوں جمیل۔ تم نے کوئی فیصلہ کیا؟''

''میں تیار ہوں۔'' میں نے غیر ارادی طور پر انکا سے وعدہ کر لیا اور اس نوجوان کو گھورنے لگا جو نرگس کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا، میرے خون کی گردش بھی تیز ہوتی گئی۔

میری نظریں بدستور اس نوجوان پر جمی ہوئی تھیں جو سامنے والی بینچ پر نرگس اصفہانی کے ساتھ بیٹھا

ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ حالانکہ نرگس نے اس سے کوئی التفات نہ برتا تھا لیکن جب سے انکا نے مجھے یہ بتایا تھا کہ نوجوان نرگس کا منگیتر ہے، میں کانٹوں پر لوٹ رہا تھا۔ نرگس کسی اور کی ہو جائے یہ تصور ہی میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ میں نے نہ جانے کتنے خوب صورت تصور اپنے دماغ میں قائم کر لیے تھے۔ کچھ دن تو ایسے بھی آئے تھے کہ میں اسی کے متعلق سوچتا رہا پھر بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ اپنی خوشیوں اور ارمانوں کا خون خاموشی سے برداشت کر لیتا۔ اب تو یہ بات اور بھی ناممکن تھی کیونکہ انکا میری مدد کو تیار تھی، انکا پُراسرار قوتوں کی مالک۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا' میرا جذبۂ رقابت بڑھتا گیا۔ اگر مجھے انکا سے وعدہ خلافی اور بدعہدی کا خیال نہ ہوتا تب بھی یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ وہ نوجوان میرے خوابوں کی ملکہ نرگس کو مجھ سے چھین لے جانے کے درپے ہے' میں اسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس نوجوان کو ضرور ٹھکانے لگا دوں گا۔ نرگس اصفہانی نے نوجوان کی موجودگی میں بھی دو تین بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا تھا۔ وہ غالباً اپنے چہرے پر پھیلے ہوئے بیزاری کے تاثرات کے ذریعے مجھے یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ نوجوان اس کے لئے ''بن بلائے مہمان'' کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ میں نے اس کی نظروں سے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ محض میری خاطر اب تک وہاں بیٹھی ہے ورنہ نوجوان کی موجودگی سے دل برداشتہ ہو کر کب کی اٹھ چکی ہوتی۔ میں ان باتوں کو محسوس کر لینے کے بعد اس اُدھیڑ بُن میں لگا ہوا تھا کہ کس وقت مجھے موقع ملے اور میں اپنے دشمن کو ٹھکانے لگاؤں۔ میں نے اسے مارنے کے لئے مناسب وقت اور موقع کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

شام کا دھندلکا گہرا ہونے لگا تو میں نے نرگس کو بینچ سے اٹھتے دیکھا۔ اس نے آخری بار مجھے تھکی تھکی نظروں سے دیکھا پھر واپسی کے لئے چل پڑی۔ نوجوان بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ان دونوں کے آگے بڑھتے ہی میں جھپٹ کر کھڑا ہوا اور قدم بڑھاتا ہوا ان کے پیچھے ہو لیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ مجھے ایسے موقع کی تلاش تھی جب میں نوجوان کو کسی تنہا مقام پر پکڑ سکتا۔ مجھے یہ موقع جلد ہی میسر آ گیا۔ نرگس اس وقت ایسے راستے سے گزر رہی تھی جس کے دونوں طرف لیموں کی قد آدم باڑھ موجود تھی۔ ان باڑھوں کے عقب میں خوب صورت لان تھا جہاں اس وقت بھی اکا دکا جوڑے چہل قدمی میں مصروف تھے۔ اپنے دشمن کو پچھاڑ ڈالنے کے لئے میرے واسطے یہ بہترین موقع تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میرے ذہن میں بار بار ایک خیال ابھر رہا تھا کہ میں جلد از جلد ان کو ٹھکانے لگا دوں۔ میرے اوپر خون سوار تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

نوجوان اور میرے درمیان اب بہ مشکل دس قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا' جب بائیں جانب نرگس کی کسی نے اس کو آواز دی۔ میں یک لخت ٹھٹک کر رہ گیا۔ نرگس کے ساتھ میرا رقیب بھی اس آواز کو سن کر

تھا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو چکی تھی۔شاید اس لئے کہ وہ نرگس سے علیحدگی نہیں چاہتا تھا لیکن نرگس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہو گئے تھے۔اس نے پلٹ کر نوجوان سے کچھ کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی اپنی سہیلی کے پاس چلی گئی۔قدرت نے میرے لئے اب مزید آسانی پیدا کر دی تھی۔ نرگس کی موجودگی میں اگر نوجوان کو قتل کیا جاتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مجھے قاتل اور مجرم سمجھ کر مجھ سے متنفر ہو جاتی لیکن اب میرے لئے راستہ بالکل صاف تھا۔روش پر جہاں میں کھڑا تھا' میرے اور میرے رقیب کے سوا دور دور تک کوئی اور موجود نہ تھا۔

نرگس جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی' میرا رقیب اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسے دیکھتا رہا پھر وہ جیسے ہی آگے بڑھا' میرا جی چاہا کہ میں لپک کر پشت سے اس کی گردن پر حملہ کر دوں۔معاً مجھے خیال آیا کہ یہاں اس موقع پر یہ خطرناک قدم اٹھانا کسی اعتبار سے مفید نہ ہوگا۔بہتر ہوگا کہ نوجوان کا گھر تک پیچھا کیا جائے اور مناسب موقع پر اسے قتل کر دیا جائے۔جب میرے ذہن میں یہ خیال آیا تو میں نے انکا کے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس کی۔وہ مضطرب معلوم ہوتی تھی۔میں نے اپنی بے چارگی ظاہر کرنا چاہی تو انکا کے نکیلے پنجوں کی گرفت اور مضبوط ہو گئی چنانچہ مجھے مجبوراً اسی وقت اس نوجوان کو قتل کرنے پر خود کو آمادہ کرنا پڑا۔پھر بھی میں اسے تاریکی میں مارنا چاہتا تھا۔تاریکی ہو چلی تھی اور پیچھا کرتے کرتے ایک ایسا سنسان گوشہ مجھے ہاتھ آ ہی گیا تھا۔میں نے برق رفتاری سے اس کی گردن پر پشت سے بھرپور حملہ کر دیا۔حملہ چونکہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع اور بھرپور تھا اس لئے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور تیورا کر نیچے گر گیا۔میرے سر پر خون سوار تھا۔قبل اس کے کہ وہ کسی دفاعی کارروائی کے لئے خود کو تیار کرتا' میں نے جوتے کی نوک سے ایک زوردار ٹھوکر اس کے سر پر ماری اور اس کی چھاتی پر سوار ہو کر اس کی گردن کو پوری قوت سے دبانے لگا۔میرے ہاتھ کی گرفت بے حد مضبوط تھی اس لئے وہ چھٹکارا نہ پا سکا۔میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی انگلیوں کے حلقے کو تنگ کرتا چلا گیا۔پھر میں اس وقت چونکا جب نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل کر بھیانک حد تک باہر نکل آئیں اور اس کے جسم میں معمولی سی حرکت بھی باقی نہ رہی۔یہ سب منٹوں میں ہو گیا۔

زندگی میں یہ پہلا سنگین جرم تھا جو میرے ہاتھوں سرزد ہوا تھا۔بہرحال اس خیال سے کہ کہیں میں دھر نہ لیا جاؤں اور کوئی مجھے اس لاش کے قریب دیکھ نہ لے' میں تیزی سے نوجوان کے قریب سے ہٹا اور قریب تھا کہ بوکھلاہٹ میں بھاگ کھڑا ہوتا کہ میرے کانوں میں انکا کی پُراسرار سرگوشی ابھری۔

''ذرومت جمیل......تم تو بڑے دلیر اور میری توقعات سے بڑھ کر ثابت ہوئے......!''

میں اس پُراسرار وجود کو دیکھ تو نہ سکتا تھا لیکن محسوس ضرور کر رہا تھا کہ میرے اقدام قتل نے اسے روحانی خوشی بخشی ہے۔وہ اس وقت میرے سر پر کھڑی جھوم رہی تھی۔قبل اس کے کہ میں انکا کی بات کا

جواب دیتا' اس نے دوبارہ مجھے مخاطب کیا۔

''سنو جمیل' میرا وجود اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے جب میں تھوڑے تھوڑے عرصے بعد انسانی خون پیتی رہوں۔اب تم فوراً بھاگ جاؤ۔ابھی اسی وقت۔''

میں مبہوت کھڑا تھا۔کیا واقعی میں کسی کو قتل کر سکتا تھا؟ یہ خیال ہی میرے ہوش و حواس گم کئے دیتا تھا۔اچانک میں نے محسوس کیا کہ جیسے کوئی ننھی منی لج لجی سی شے میرے سر پر سے رینگتی ہوئی نیچے اتر گئی ہو پھر میرے کانوں میں ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی جانور کسی شے کو اپنی زبان سے چاٹ رہا ہو۔معاً میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ انکا نوجوان کے خون سے سیراب ہو رہی ہے۔اس نے مجھ سے کہا بھی یہی تھا کہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے اسے وقتاً فوقتاً انسانی خون کی ضرورت پیش آتی ہے۔میرا دل چاہا کہ ایک بار نظر گھما کر اس لاش کو دیکھ لوں جو جھاڑیوں کے قریب پڑی تھی لیکن میں اس کی ہمت نہ کر سکا۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا چھپتا چھپاتا ہوا تیزی سے پارک سے باہر آیا اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر اس میں بیٹھ گیا۔میں نے ٹیکسی والے سے کیا کہا' مجھے یاد نہیں' صرف اتنا یاد ہے کہ پسینے سے میری پیشانی عرق آلود تھی اور میں ہذیان بک رہا تھا۔

دس منٹ بعد میں نے خود کو ایک بار میں بیٹھا ہوا پایا۔میں جلدی جلدی انگریزی شراب کے بڑے بڑے گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اتار رہا تھا۔بار میں میرے علاوہ اور بھی بہت سارے مرد اور عورتیں موجود تھے لیکن مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔میں تو صرف اس تصور سے چھٹکارا پانے کے لئے کہ میں نے ایک انسانی زندگی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے' خود کو شراب میں ڈبو دینا چاہتا تھا۔

کافی شراب پی جانے کے بعد میں جھومتا ہوا اپنی میز سے اٹھا۔کاؤنٹر پر جا کر میں نے بل ادا کیا اور لڑکھڑاتا ہوا باہر آ گیا۔اب میرا ذہن اس خوف سے آزاد تھا کہ میں قاتل ہوں اور جو جرم مجھ سے سرزد ہو چکا ہے' اس کی سزا میرے لئے پھانسی کا پھندا بھی ثابت ہو سکتی ہے۔شراب پوری طرح میری اعصابی کمزوری پر غالب آ چکی تھی۔میرا سر ہلکا اور میرے اعصاب پُرسکون ہو گئے تھے۔

رات کا کھانا میں نے حسب معمول اسی ہوٹل میں کھایا جہاں کے بیرے اور دیگر ملازمین لمبی لمبی ٹپ ملنے کی وجہ سے مجھ سے اچھی طرح واقف تھے۔کھانے سے فراغت پا کر میں رات گئے تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔شراب کا نشہ جب تک میرے اعصاب پر حاوی رہا' مجھے مطلق کوئی فکر نہ ہوئی لیکن جب نشے کی کیفیت کم ہوئی تو میں نے بڑی سنجیدگی سے انکا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔میں نے کیا کر دیا۔قتل کر دیا میں نے۔مجھے کسی طور پر یقین نہیں آ رہا تھا۔یہ دوسرا اتفاق تھا جب انکا نے مجھے کسی کے خلاف جارحانہ کارروائی پر اکسایا تھا اور میں اس کی باتوں میں آ گیا تھا۔ظاہر ہے انکا کی بدولت میرے حالات سنورے تھے لیکن میں چونکہ طبعاً نرم دل واقع ہوا ہوں اس لئے دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا میرے

Downloaded from Paksociety.com

بس کی بات نہ تھی۔ ان تمام باتوں سے بچنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ میں انکا سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرلیتا۔

انکا کا خیال آیا تو میں نے غیر اختیاری طور پر انگلیوں سے اپنے سر کے بالوں کو کریدا۔ مجھے یاد آیا انکا تو ایک ایسے نادیدہ اور پُراسرار وجود کا نام ہے جسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے' دیکھا نہیں جاسکتا۔ بہرحال میں نے یہی محسوس کیا کہ وہ اس وقت میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ اس کی صرف دو وجوہ ممکن تھیں یا تو انکا ابھی تک میرے رقیب کا خون پینے میں مصروف تھی یا پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اس نے میرے بجائے اب کسی اور کے سر کو اپنا مسکن بنالیا ہو۔ اب انکا کی عدم موجودگی میں میرا ذہن تیزی سے پیش آنے والے لرزہ خیز واقعات پر غور کررہا تھا۔ میں نے جگہ اور موقع محل کی پروا کئے بغیر بے وقوفوں اور پاگلوں کی طرح ایک شخص کو قتل کردیا تھا چنانچہ جب میں اس کے بارے میں سوچتا' میرا دل ڈوبنے لگتا۔ اب کیا ہوگا' اے خدا مجھے اس عذاب سے بچا۔

گھر واپس آکر جب میں سونے کے ارادے سے لیٹا تو نیند کوسوں دور تھی۔ اس وقت انکا میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ میں دل ہی دل میں خدا سے معافی مانگنے لگا کہ انکا اب دوبارہ میرے سر کا رخ نہ کرے۔ جہاں تک اقدام قتل کا تعلق تھا تو میں اس وقت اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ انکا نے میرے سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں سلب کرلی تھیں۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ صبح ہوتے ہی میں چپ چاپ شہر چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جاؤں گا اور نئے سرے سے اپنی زندگی کو بنانے کی کوشش کروں گا خواہ اس کے لئے مجھے دوبارہ کلرکی ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اس خیال سے میرے ذہن کو تقویت پہنچی۔ میں نے اٹھ کر بتی بجھائی اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

رات مجھے کس وقت نیند آئی' مجھے کچھ یاد نہیں لیکن صبح جب میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے جس بات کو محسوس کیا وہ انکا کا وجود تھا۔ وہ رات ہی میں کسی وقت میرے سر پر دوبارہ آچکی تھی اور اب بڑے آرام سے میرے سر پر محوِ خواب تھی۔ اس کے مدھم مدھم خراٹوں کی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ اس نے اپنے نازک ہاتھوں کو تکیئے کے طور پر استعمال کررکھا تھا اور بائیں کروٹ لیٹی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے ذہن میں اس کی شکل وصورت کے متعلق جو تصور قائم کیا تھا اس کے مطابق مجھے محسوس ہورہا تھا کہ شکم سیری کے بعد اس کے حسن میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے... وہ اب گداز محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ کسی بے انتہا خوب صورت عورت کے روپ میں ہے۔ اس کے گالوں کی سرخی کندن کے مانند دمک رہی ہے۔ میں نے اس کے تراشیدہ لبوں پر بڑی آسودہ مسکراہٹ کا تصور اپنے ذہن میں ابھرتے ہوئے پایا۔

انکا کی موجودگی کو محسوس کرکے میں بری طرح جھلا گیا لیکن یہ جھلاہٹ بے سود تھی۔ میں خوب جانتا

تھا کہ میں اپنی مرضی سے اس سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ بہرحال میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اٹھ کر جلدی سے اپنا رخت سفر باندھوں اور قبل اس کے کہ انکا خواب خرگوش سے بیدار ہو' اسٹیشن پہنچ کر ریل میں سوار ہوجاؤں۔ ذہن میں یہ پروگرام مرتب کرکے کسی سواری کو لانے کی غرض سے میں دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ یوں چونک کر رک گیا جیسے کسی نے میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ میری پھٹی پھٹی نظریں اس اخبار پر جمی ہوئی تھیں جو ہاکر معمول کے مطابق میرے فلیٹ میں پھینک گیا تھا۔ چند ثانئے تک میں اپنی جگہ ساکت وجامد کھڑا اس سرخی کو خوف زدہ نظروں سے گھورتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر دھڑکتے دل سے اخبار اٹھایا اور اس خبر کو پڑھنے لگا جس نے مجھے سرتاپا لرزہ براندام کردیا تھا۔ جوں جوں میں خبر پڑھتا جاتا تھا' میرے چہرے کا رنگ فق ہوتا جاتا تھا۔ دل کی حرکت ہر لحظہ تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ میں نے بہ مشکل تمام پوری خبر کو پڑھا پھر سر پکڑ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اخبار کی وہ خبر اسی نوجوان کے متعلق تھی جسے میں نے گزشتہ شام پارک کے سنسان گوشے میں انکا کے اکسانے پر جان سے مار ڈالا تھا۔ اخبار نے اگر صرف قتل کی کوئی سیدھی سادی کہانی سنائی ہوتی تو شاید میں اس قدر نہ گھبراتا لیکن قتل کی اس واردات کو جو حیرت انگیز اور پُراسرار رنگ دیا گیا تھا اس نے مجھے ذہنی خلفشار میں مبتلا کردیا تھا۔ مذکورہ اخبار نے اپنے نامہ نگار اور دیگر عینی شاہدوں کے حوالے سے لکھا تھا کہ گزشتہ شام سول لائنز کے علاقے میں واقع تفریحی پارک سے جو لاش ملی ہے وہ شہر کے مشہور تاجر مسٹر اصفہانی کے ہونے والے داماد مسٹر جمشید کی ثابت ہوئی۔ لاش کی شناخت کرنے میں جو دشواری پیش آئی اس کی وجہ یہ تھی کہ مقتول کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ بچا تھا جس کے باعث جلد پر بے شمار شکنیں نمودار ہوگئی تھیں۔ چہرے پر موجود جھریوں نے مقتول کے خدوخال کو اس حد تک تبدیل کردیا تھا کہ اس کی شناخت بمشکل اس کے جسم پر موجود لباس سے کی جاسکی۔ نرگس اصفہانی کو جب اس ضمن میں ٹٹولا گیا تو اس نے یہی کہا کہ مسٹر جمشید کچھ دیر پہلے تک اسی کے ساتھ تھے اور بالکل تندرست حالت میں تھے۔ مس اصفہانی کو جب لاش کی شناخت کے لئے بلایا گیا تو پہلی نظر میں وہ بھی مقتول کو شناخت نہ کرسکی۔ پولیس کے ماہرین ابھی تک کسی آخری نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے لیکن انہوں اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ مسٹر جمشید کی موت میں کسی غیر معمولی شخص کا ہاتھ ضرور شامل ہے جس نے مقتول کے جسم کا سارا خون چوس لیا ہے۔ اس خیال کا محرک وہ باریک باریک نشان تھے جو مقتول کی گردن پر ہردو جانب پائے گئے تھے۔ آخر میں نامہ نگار نے تحریر کیا تھا کہ پولیس بڑی سرگرمی سے مسٹر جمشید کے قاتل کی تلاش میں ہے اور عنقریب حیرت انگیز واقعات معلوم ہونے کی توقع ہے۔

میرا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اخبار نے جمشید کے سلسلے میں جس خون آشام کا تذکرہ کیا ہے وہ یقیناً انکا کی ذات ہوگی جو اس وقت بھی میرے سر پر محوِ خواب تھی اور ہلکے ہلکے خراٹے

Downloaded from Paksociety.com

لے رہی تھی۔ انکا نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اپنے پُراسرار وجود کو برقرار رکھنے کے لئے اسے انسانی خون کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ایک ننھا سا وجود ہونے کے باوجود کسی انسان کے جسم کا سارا خون پی جاتی...... بہرحال کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ خاموشی سے ان حیرت انگیز واقعات کو جوں کا توں قبول کرلیا جائے۔

میں خاصی دیر تک انکا کے بارے میں سوچتا رہا۔ آپ یقین کریں کہ اس خبر کو پڑھنے کے بعد نہ جانے کیوں اب اس بات کا مطلق خوف نہیں تھا کہ پولیس کے کارندے کسی لمحے دندناتے ہوئے میرے فلیٹ میں داخل ہوں گے اور مجھے اقدام قتل کے جرم میں ہتھکڑیاں پہنا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے اور ایک سنگین اور بھیانک جرم کے ارتکاب کے عوض مجھے پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا جائے گا۔ میرا ذہن ان خیالات سے یکسر عاری تھا بلکہ اس کے برعکس میں اس وقت صرف اور صرف انکا کے پُراسرار اور ہولناک وجود کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میرے لئے پھانسی کے پھندے سے زیادہ خوف ناک بنی ہوئی تھی، میں انکا سے یہ عہد کر چکا تھا کہ وہ مجھ سے اپنی نوازشوں کے بدلے میں جو کچھ کہے گی میں اس پر بلا کسی چون و چرا کے عمل کروں گا۔ اس عہد کا پہلا ہی حادثہ میرے لئے اس قدر دہشت ناک تھا کہ میں آئندہ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ اگر حقیقتاً انسانی خون انکا کی غذا تھی تو مجھے اس کے لئے قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ جاری رکھنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں کیا عجب تھا کہ انکا جو اخباری اطلاع کے مطابق خون آشام بھی ثابت ہو چکی تھی' اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر میرے ہی وجود کو ختم کر دیتی۔

ابھی میں ان ہی خیالات میں الجھا ہوا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک سن کر یوں اچھل پڑا جیسے بے خیالی میں میرا پاؤں کسی زہریلے ناگ کے پھن پر پڑ گیا ہو۔ میرے تنفس کی رفتار حیرت انگیز طور پر تیز ہوگئی۔ میری پھٹی پھٹی اور خوفزدہ نظریں دروازے پر جم کر رہ گئیں۔

''باہر کون ہو سکتا ہے؟'' میرے دل کی دھڑکنوں سے ایک سوال ابھرا۔

آنے والے حالات کے تصور ہی نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر شل کر دیا تھا اور انکا...... وہ ابھی تک کسی معصوم اور شیر خوار بچی کی طرح جسے پیٹ بھر دودھ مل گیا ہو محو خواب تھی۔ غصے کی کیفیت میں مجھے یہی سوجھی کہ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کے بالوں کو نوچنا شروع کر دیا لیکن یہ حرکت بھی سود مند ثابت نہ ہوئی۔ انکا پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنے حلق سے مدھم مدھم خراٹوں کی آواز نشر کر رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ فلیٹ سے باہر جانے کا ایک ہی دروازہ تھا جس پر کوئی موجود تھا۔ اگر باہر جانے کا کوئی دوسرا راستہ ہوتا تو میں یقیناً فرار کے بارے میں سوچتا مگر اب بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔

دروازے پر دوسری بار دستک ہوئی تو میں نے خود کو سنبھالا۔ جی کڑا کر کے آگے بڑھا اور چٹخنی کھول دی۔ مجھے یقین تھا کہ فلیٹ کے باہر پولیس والے ہتھکڑیاں لئے موجود ہوں گے لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک برقع پوش خاتون جھپٹ کر اندر داخل ہوئی اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''جمیل صاحب دروازہ بند کر دیجئے۔''

آنے والی خاتون کا چہرہ چونکہ نقاب میں تھا اس لئے میں اسے شناخت نہ کر سکا۔ کچھ سوچ کر میں نے دروازے کی چٹخنی لگا دی اور پلٹا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نرگس اصفہانی کا چہرہ سیاہ برقع سے یوں جھانک رہا تھا جیسے چودھویں کا چاند سیاہ گھٹاؤں سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نرگس کو اپنے فلیٹ میں دیکھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی تھی اور گھبراہٹ بھی۔ میں ابھی تک یہ نہ سمجھ سکا کہ وہ میرے پاس کس مقصد سے آئی ہے اور اسے میری رہائش کا پتا کیونکر ہوا۔

نرگس سے میری باقاعدہ بات چیت آج تک نہیں ہوئی تھی۔ صرف نظروں سے سلام و پیام کا سلسلہ جاری تھا۔ ہاں مجھے یہ یقین تھا کہ میں نے اپنے دل کی دھڑکنوں کی ترسیل نظروں ہی نظروں میں اس پر کر دی ہے اور خود میں نے اس کے مثبت ردعمل کے متعلق بھی محسوس کیا تھا لیکن نرگس نے اتنا کچھ محسوس کر لیا ہے' یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میری کیفیت اس وقت عجیب تھی۔ وہ نرگس میرے سامنے تھی جس کے لئے میں اپنی زندگی قربان کر سکتا تھا اور جو میرے لئے شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی مگر وہ کیسے آ گئی۔ میں ان سوالات پر غور کر ہی رہا تھا کہ نرگس نے چہرے سے نقاب ہٹایا اور اپنی تجسس بھری نظریں میرے چہرے پر جماتے ہوئے بولی۔

''جمیل صاحب ...... خدا کے لئے آپ اس شہر کو چھوڑ کر جتنی جلدی ممکن ہو سکے' کسی دوسری جگہ چلے جائیے۔''

''کک ...... کیوں؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''پولیس ......'' نرگس تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ ''اگر پولیس کو پتا چل گیا کہ کل آپ بھی پارک میں موجود تھے تو ......''

''لل ...... لیکن ...... مم ...... میں نے ......''

''میں جانتی ہوں کہ جمشید پُراسرار حالات کا شکار ہوا ہے لیکن پولیس مفت میں آپ کو ضرور الجھانے کی کوشش کرے گی۔ آپ کچھ دنوں کے لئے ہٹ جائیں یہاں سے۔ یقین کیجئے حالات سازگار ہوتے ہی میں آپ کو مطلع کر دوں گی۔ میں انتہائی نازک حالات میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ لہٰذا اس وقت ہمیں رسمی تکلفات کی بجائے کھل کر بات کرنی چاہئے۔ مجھے آپ کے متعلق سب کچھ معلوم ہے۔ میں

نے سب کچھ محسوس کیا ہے اور انہی احساسات کی وجہ سے میں اتنا خطرہ مول لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔" نرگس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"نرگس......" میں اس کی اچانک آمد سے حواس باختہ ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی آمد پر کیا جملے ادا کروں۔ اس وقت میرا ذہن متضاد کیفیات کا حامل تھا۔ میں نے فلمی ہیرو کے انداز میں کہا۔ "اگر پھانسی کا پھندا میرا مقدر بن چکا ہے تو پھر اس شہر سے دور چلے جانے سے بھی کچھ نہ ہوگا۔"

"جمیل صاحب......" نرگس نے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔ "آپ مجھے دور کا کوئی فرد نہ سمجھئے۔ یقین کیجئے جب تک میں زندہ ہوں' آپ پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ آپ اندازہ کیجئے کہ میں اس وقت کن مشکلات سے آپ تک پہنچی ہوں گی۔"

"سچ......" میں خوشی سے بولا میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کچھ کہتے نہیں بن رہا تھا۔

"وقت ضائع مت کیجئے جمیل صاحب...... آپ کو پہلی گاڑی سے کہیں اور چلا جانا چاہئے۔"

"ایک شرط پر......" میں نے کہا۔ "آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔" مجھے اعتراف ہے میرا یہ سوال غیر متوقع تھا۔ مگر نرگس کے اس بے پناہ جذبے کو دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

نرگس میرا سوال سن کر خاموش ہو گئی۔ لوہے کو تپتا دیکھ کر میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور کسی سچے اور دیوانے عاشق کی طرح نرگس کو یہ باور کرانے کی کوشش کرنے لگا کہ اس کے بغیر میری زندگی بیکار ہے اور یہ کہ اگر وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ نہ ہوئی تو میں بھی شہر نہیں چھوڑوں گا' خواہ حالات میرے حق میں کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ثابت ہوں۔ میں نے اسے ان راتوں کا حوالہ دیا جو میں نے اس کی یاد میں گزاری تھیں۔ میں نے اپنے اشتیاق و اضطراب کا کھل کر اظہار کیا اور میرے اس اظہار پُرشوق اور بروقت جسارت کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ نرگس کچھ دیر تک خاموش کھڑی میرے چہرے کو خالی خالی نظروں سے تکتی رہی پھر اس نے میری طرح تکلفات سے کام نہ لیا۔ اس نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی حالات سازگار ہوں گے وہ مجھ سے آ ملے گی اور پھر ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں گے۔ باتوں باتوں میں، میں نے نرگس سے یہ بھی دریافت کر لیا کہ کہیں وہ...... جمشید کے سلسلے میں مجھ پر تو شبہ نہیں کر رہی ہے۔ جواب میں جب اس نے مجھے قسم کھا کر یقین دلایا کہ اسے میری بے گناہی کا یقین ہے اور قاتل کوئی دوسری ہی شیطانی قوت ہے تو میرا دل ہلکا ہو گیا۔ میں سچ مچ یہ محسوس کرنے لگا جیسے جمشید کو میں نے نہیں بلکہ کسی اور نے مارا ہے۔

نرگس کچھ دیر تک بیٹھی مجھے حالات کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتی رہی۔ وہ بہت جلد میرے قریب آ گئی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ چلتے چلتے اس نے مجھے اپنی محبت کا یقین دلایا اور مجھے دلاسہ دیتے ہوئے واپس چلی گئی۔ حالات نے جو نیا رخ اختیار کیا تھا وہ سو

فیصد میرے حق میں تھا۔ نرگس کی باتوں سے مجھے یقین آ گیا تھا کہ وہ مجھ سے بہت متاثر ہے اور میری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دے گی۔ چنانچہ اس کے جاتے ہی میں بھی لپکتا ہوا نیچے اترا۔ ایک ٹیکسی لی پھر جلدی جلدی اپنا سامان ٹیکسی پر لاد کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسٹیشن پہنچ کر میں نے گاڑیوں کے بارے میں دریافت کیا پھر بمبئی کا ایک سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ خریدا اور پہلی گاڑی پکڑ کر اپنی نئی منزل کی طرف چل پڑا۔ اس تمام عرصے میں انکا کے خراٹے برابر میری قوت سماعت سے ٹکراتے رہے۔ وہ بدستور میرے سر پر لیٹی خواب خرگوش میں محو تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ وہ سو رہی ہے ورنہ جاگنے کی صورت میں ممکن تھا کہ وہ مجھے باہر جانے سے منع کر دیتی جیسا کہ ایک بار پہلے ہو چکا تھا۔

دو تین اسٹیشن گزر جانے کے بعد میں نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا جیسے اب میں تمام خطرات اور پولیس کی دسترس سے باہر نکل آیا ہوں۔ سیٹ پر بستر لگا کر میں نے اپنا سوٹ تبدیل کیا اور ہلکے پھلکے کپڑے پہن کر اپنی نشست پر نیم دراز ہو کر ایک فلمی رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا جو میں نے روانگی کے وقت اسٹیشن سے خریدا تھا۔

رسالے کے مطالعے میں مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں نے انکا کو اپنے سر پر کسمساتے ہوئے محسوس کیا' وہ بیدار ہو رہی تھی۔ ایک دو بار اس نے کروٹ بدلی پھر چت لیٹ کر دو چار لمبی لمبی جماہیاں لیں اور اس کے بعد ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کو محسوس کر رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی اپنی پلکیں جھپکا رہی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کے پتلے پتلے تراشیدہ ہونٹوں پر شرارت بھری مسکراہٹ ابھری ہو۔ دوسرے ہی لمحے وہ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی میرے کان کے قریب آ گئی اور رازدارانہ انداز میں بولی۔ "کہئے جمیل صاحب...... مزاج کیسے ہیں۔ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہنم میں......" میں نے ڈبے کے واحد مسافر کو کن انکھیوں سے گھورتے ہوئے دبی آواز میں جھلا کر کہا۔

"اس قدر اشتعال کی کیا بات ہے؟"

"احمق جو ہوں......" میں تلملا کر بولا۔ "مجھے تو اظہار محبت کے طور پر رقص کرنا چاہئے کہ تم نے میرے لئے پھانسی کا پھندا فراہم کر دیا ہے۔"

"ارے......" انکا نے مسکرا کر بڑی بے پروائی سے کہا۔ "تم اس واقعے سے برہم اور خوفزدہ ہو۔"

مجھے انکا کی بے پروائی اور اس کی یہ ادا اس وقت بے حد زہر لگی۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے وہ حالات سے بے خبر ہو میں نے دبی دبی آواز میں اسے اخبار میں شائع ہونے والی خبر سنا ڈالی۔ پوری کہانی

سن لینے کے بعد انکا نے مجھے شوخ لہجے میں کس قدر ٹھنک کر مخاطب کیا۔

''جمیل صاحب......آپ میرا احسان ماننے کی بجائے مجھ پر خفا کیوں ہو رہے ہیں.... آپ بڑے احسان فراموش ہیں۔''

''جی......''میں نے خون کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔''احسان! آپ نے یہ احسان کیا کم کیا ہے کہ مجھ سے ایک بے گناہ کا قتل کرا دیا۔''

''نرگس اصفہانی۔''انکا نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔''تم بھول رہے ہو...... تمہیں پُراسرار قوتوں پر یقین نہیں۔ کیا یہ میرے ہی پیدا کردہ حالات کا کرشمہ نہیں کہ نرگس خود تم سے آ کر ملی۔ اس نے تمہیں اپنی محبت کا یقین دلایا اور اب تمہاری خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دینے پر بھی آمادہ ہو گئی ہے۔ جمشید کا کانٹا بھی میری وجہ سے درمیان سے نکل گیا۔''

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اسے نرگس کی آمد اور ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو کا کیسے علم ہو گیا جبکہ وہ خراٹے لے کر سو رہی تھی۔

''جمیل... تم بمبئی چل رہے ہو نا۔''

''ہاں......''میں نے اپنے خیالات سے چونکتے ہوئے کہا۔

''بمبئی واقعی حسین جگہ ہے۔''انکا خوشی سے اچھلتے ہوئے بولی۔''وہاں ہم دونوں کی آسائش کے بہتر مواقع موجود ہیں۔ اب تمہیں بڑا آدمی بنانا پڑے گا۔ سیٹھ جمیل۔''

☆==========☆==========☆

بمبئی آئے مجھے دس روز ہو چکے تھے۔ کسی نئے شہر میں کسی نووارد کو جو دشواریاں پیش آتی ہیں' ان کا خیال مجھے بھی لاحق تھا۔ روانگی کے وقت میرے پاس کل دو ہزار اور کچھ روپے تھے۔ چنانچہ بمبئی کے اسٹیشن سے اتر کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا تاج ہوٹل پہنچا جو شہر کا سب سے بڑا ہوٹل تصور کیا جاتا ہے۔ تین روز تک میں نے تاج میں قیام کیا۔ چوتھے روز انکا کے مشورے پر پونا گیا جو ہندوستان میں ریس کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ میرے پاس اس وقت بمشکل سات آٹھ سو روپے تھے۔ ظاہری رکھ رکھاؤ اور ٹھاٹ باٹ کی خاطر میں نے تین روز کے اندر بارہ تیرہ سو روپے پانی کی طرح بہا دیے تھے۔ مجھے قوی امید تھی کہ جب تک انکا کا وجود میرے سر پر موجود ہے' مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ پونا پہنچ کر میں نے ریس کے اندر ایک دن میں ہزاروں بنا لئے۔ انکا کے بتائے ہوئے گھوڑوں نے مجھے ایک ہی دن میں مال دار بنا دیا۔ ریس ختم ہوئی تو میں واپس بمبئی آ گیا۔ وہ رات میں نے تاج میں ہی گزاری۔ دوسرے دن انکا نے مجھے مشورہ دیا کہ اب مجھے اپنے لئے کسی خوب صورت بنگلے کا بندوبست کر لینا چاہئے۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ انکا کا یہ مشورہ میری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ میں

نے دو چار دلالوں سے رابطہ کیا اور اسی روز باندرہ کے علاقے میں ایک خوب صورت بنگلے کا سودا کر کے اس کے دام چکا دیے اور اگلے دن نئے بنگلے میں منتقل ہو گیا۔

ایک مہینے کے اندر اندر میرے پاس انکا کے دیے ہوئے مشوروں سے اتنی دولت آ گئی کہ میں نے اپنے لئے ایک چھوٹی سی کار بھی خرید لی۔ خدمت کے لئے دو ملازم بھی رکھ لئے اور بنگلے کو اچھے ساز و سامان سے بھی آراستہ کر ڈالا۔ اب میں یقیناً جمیل احمد خان سے آسودہ حال سیٹھ جمیل بن چکا تھا۔ ریس کے علاوہ میں نے سٹہ کھیلنا بھی شروع کر دیا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں جا کر جوا کھیلنا تو میرا محبوب مشغلہ بن گیا۔ غرض یہ کہ میں جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا تھا' قسمت کے وارے نیارے ہو جاتے تھے۔ کچھ دن کے اندر اندر میرا بینک بیلنس ایک لاکھ تک جا پہنچا لیکن یہ ساری رقم میں نے بینک میں نہیں رکھی۔ انکا کے مشورے پر میں نے متعدد بینکوں میں اکاؤنٹ کھول لیے تھے۔ جتنے روپے میری جیب میں آنے جاتے تھے میری ہوس بڑھتی جا رہی تھی۔ میں بہت جلد امیر و کبیر آدمی بننا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اب انکا کی خوشامد کچھ زیادہ کر دی تھی۔ عجیب بات تھی کہ جس قدر میری خوشامد بڑھتی' انکا کی شوخی اور بے اعتنائیوں کا سلسلہ بڑھتا۔ وہ مجھے ریس کے گھوڑوں کا بتانے میں پھر بخل کرنے لگی۔ اب تک میں نے جو رقم حاصل کی تھی' اس سے میرے دن بدل گئے تھے۔ میں اپنے تمام چھپے ہوئے شوق پورے کر رہا تھا۔ روپے کی بے تحاشہ آمد سے میری حالت دیوانوں کی سی ہو گئی تھی۔ مجھے اب ہر دن نیا دن اور ہر رات نئی رات معلوم ہوتی۔ میں نت نئی چیزیں خریدتا اور انوکھے شوق پورے کرتا۔ مجھ میں خود نمائی بھی بے حد آ گئی تھی۔ میری ہر رات عیش و نشاط کے ماحول میں بسر ہوتی۔ حسین لڑکیاں میرے قریب آنے لگیں اور میری راتوں نے مجھے زندگی کے ایک نئے تصور سے آشنا کیا۔ اب میں تھا اور سرمستیاں تھیں' میں تھا اور لذتیں تھیں۔

کچھ دنوں کے بعد انکا کے مشورے پر میں نے اپنا امپورٹ اور ایکسپورٹ کا ذاتی دفتر بھی قائم کر لیا تھا جہاں میرے دس بارہ ملازم ہر وقت چاق و چوبند رہتے۔ کاروبار کی آڑ میں نے محض اس لئے لی تھی کہ کسی کو مجھ پر شبہ نہ ہو سکے ورنہ ذاتی طور پر مجھے اس کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا سارا کام ایک ایماندار منیجر کرتا تھا۔ مجھے اپنے دوسرے مشاغل سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ میں دفتر جا کر فائلوں میں اپنا سر کھپاتا۔

نئے ہنگاموں میں الجھ کر میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ میں ایک قتل بھی کر چکا ہوں۔ اگر مجھے اب کسی کی فکر تھی تو وہ نرگس اصفہانی کی ذات تھی۔ بمبئی پہنچ کر میں نے اسے اپنے پتے سے آگاہ کر دیا تھا۔ میرے آنے کے دس روز بعد مجھے نرگس کی طرف سے دو خطوط مل چکے تھے۔ ان دونوں خطوط میں اس نے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا اور مجھے یقین دلایا تھا کہ کچھ دنوں میں وہ میرے پاس بمبئی آ جائے گی۔ ایک بار میں نے فون پر نرگس سے گفتگو بھی کی۔ وہ میرے کاروبار کی ترقی کا سن کر بہت زیادہ مسرور ہوئی۔ جمشید

کے سلسلے میں اس نے یہی بتایا تھا کہ پولیس ابھی تک پُراسرار قاتل کو تلاش نہیں کر سکی اور نہ ہی اس کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ یہ خبر سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

بمبئی جسے ہندوستان کا پیرس کہا جاتا ہے' میری ہنگامہ خیز زندگی کے لئے انتہائی موزوں جگہ تھی۔ انکا کے پُراسرار وجود نے مجھے جلد ہی فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دیا تھا۔ میرے تمام جذبے مر چکے تھے۔ ہاں مجھے نرگس یاد آتی تھی اور بہت یاد آتی تھی۔ بہت سی لڑکیوں کی موجودگی کے باوجود بھی میں نرگس کے حسین خیالوں کو دل سے نہ نکال سکا۔ اب صرف ایک ہی ارمان باقی رہ گیا تھا کہ نرگس کو حاصل کیا جائے۔

بہت تھوڑے عرصے میں' میں سیٹھ جمیل بن چکا تھا اور عیش و عشرت میں زندگی گزار رہا تھا۔ بمبئی کے بڑے بڑے سیٹھ میرے بہترین دوست بن چکے تھے۔ اعلیٰ افسران سے شناسائی پیدا ہو چلی تھی۔ فلمی دنیا کے بے شمار فنکار بھی میرے شناسا ہو گئے تھے۔ میں رفتہ رفتہ با اثر آدمی بنتا جا رہا تھا۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ نرگس اصفہانی اور میرے درمیان خط و کتابت بدستور جاری تھی لیکن ابھی تک اس نے اپنے آنے کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں لکھی تھی۔ نرگس اصفہانی کے خطوط مجھے ہیجان میں مبتلا کر دیتے حالانکہ اب اس کی مجھے اتنی زیادہ فکر نہیں ہونی چاہئے تھی کیونکہ ہر روز ایک نئی نرگس اصفہانی' میرے اشاروں کی منتظر رہتی تھی۔

اس روز بھی جب شام کو میں چوپاٹی کی سیر کر کے واپس آ رہا تھا تو کملا نامی ایک مراہٹی لڑکی میرے ہمراہ تھی وہ بڑی خوب صورت اور ٹھوس جسم کی مالک تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی معصومیت تھی۔ میں گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی آسانی سے وہ میرے قبضے میں آ جائے گی۔ وہ بمبئی کی حسین و جمیل لڑکیوں میں سے ایک تھی لیکن جب میں نے اسے اپنی طرف راغب کرنے کے لئے دو چار آزمائے ہوئے گُر استعمال کئے تو وہ پکے ہوئے آم کی طرح میری جھولی میں آ گری اور اب میں اسے اپنے ساتھ لئے اپنے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں' میں نے کملا کو بیش قیمت تحائف خرید کر زیر بار احسان کر دیا تھا۔ جب کملا نے مجھ سے بازار میں گاڑی رکنے کو کہا تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کی شوقین مزاج لڑکی ہے جسے تحفے تحائف کا زیادہ شوق ہے۔ میں نے گاڑی ایک طرف کھڑی کی اور کملا کے ساتھ لئے ایک دکان میں داخل ہو گیا۔

''جمیل...... تم جانتے ہو کہ یہ لڑکی کون ہے؟'' اسی وقت انکا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

مجھے معلوم تھا کہ انکا کی آواز میرے سوا کوئی دوسرا نہیں سن سکتا لیکن جواب دینے کی صورت میں میری آواز کملا کے کانوں تک ضرور پہنچ جاتی۔ میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے اس پر اپنا مفہوم ظاہر کر دیا کہ میں اس لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔

''میں بتاتی ہوں...... تم ذرا ہوشیار رہنا' یہ بڑی چالاک اور خطرناک لڑکی ہے۔'' انکا مجھے اس کے بارے میں بتانے لگی۔ ''اس کے باپ کا نام لالہ موتی رام ہے...... تم نے اس کا نام ضرور سنا ہوگا۔ کملا اسی کی لڑکی ہے جو بے جا لاڈ پیار اور آزادی سے بگڑ گئی ہے۔ اس کا باپ بہت بڑے سرکاری عہدے پر فائز رہ چکا ہے۔ اب تقریباً معذور ہے' شراب پیتا ہے اور مطالعہ کرتا ہے۔ کملا کا باپ زندگی بھر آوارہ گردی کرتا رہا ہے۔ اصل میں کملا اس کی ناجائز لڑکی ہے۔ موتی رام اپنے خاندان میں اس راز کے افشا ہونے کے ڈر سے کملا کو منہ مانگی رقمیں دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کملا اپنے باپ سے علیحدہ رہتی ہے۔''

انکا مجھے کملا کے بارے میں بڑی تفصیل سے بتا رہی تھی۔ میں اس کی باتیں بھی سنتا جا رہا تھا اور کملا کو تحفے تحائف سے لاد رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر کملا نے کوئی دو ہزار کی رقم مجھ سے خرچ کرا دی تھی لیکن مجھے اس رقم کے جانے کا کوئی ملال نہ تھا۔ اس سے بڑی بڑی رقمیں تو میں یونہی گنوا چکا تھا۔

کملا کو ساتھ لئے میں اپنے بنگلے پر پہنچا تو اتفاق سے اس وقت میرا کوئی ملاقاتی وہاں موجود نہ تھا۔ میں نے کملا کو اپنی خواب گاہ میں پہنچا دیا پھر باہر آ کر اپنے خاص ملازم کو ہدایت کر دی کہ اگر کوئی مجھ سے ملنے آئے تو اسے ٹال دیا جائے۔ ملازم کو ضروری ہدایات دے کر میں کپڑے تبدیل کرنے کی غرض سے اپنے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ کپڑے تبدیل کر کے میں خوابگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ انکا نے مجھے روک کر کہا۔

''جمیل ایک اچھی خبر سنو گے۔''

''کیا......'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''تمہاری نرگس اصفہانی دو چار دن کے اندر تمہارے پاس آ جائے گی۔''

''اچھا...... مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے تعجب سے سوال کیا۔

انکا جو میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی' مسکرا کر بولی۔ ''افوہ...... تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میں پُراسرار قوت کی مالک ہوں۔ دنیا کی کوئی چیز خواہ وہ مجھ سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو' میری نظروں سے دور نہیں رہتی۔''

''تم واقعی بہت گریٹ ہو مائی ڈیئر سویٹ انکا۔'' میں نے موڈ میں آ کر جواب دیا۔ انکا سے اب میں بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔

''جمیل ایک بات پوچھوں۔'' انکا نے میرے بالوں میں اپنی نرم نرم انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ہونٹوں پر ایک شوخ مسکراہٹ پھیل رہی ہے۔

''جو کچھ پوچھنا ہے ذرا جلدی پوچھ لو...... تمہیں معلوم ہے کہ کملا میرا انتظار کر رہی ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

انکا نے میرے سر پر چپت لگائی پھر کہنیوں کے بل آگے جھک کر بڑی راز داری سے پوچھا۔ ''تم میری موجودگی میں جو کچھ کرتے ہو اس پر تمہیں شرم نہیں آتی؟''

''ابھی نہیں ...... پھر کبھی سوچ کر جواب دوں گا۔'' میں نے انکا کو ٹالنے کی خاطر مذاق سے کہا۔

''کملا واقعی بڑی صحت مند لڑکی ہے۔ بھرے بھرے جسم کی مالک ...... تندرست و توانا ...... سرخ سرخ گال ہیں اس کے۔'' انکا نے کہنا شروع کیا۔

''تو وہ آپ کو بھی پسند ہے انکا دیوی!'' میں مسکرا کر بولا۔

''ہاں ...... وہ مجھے تمہارے پاس آنے والی لڑکیوں میں سب سے زیادہ پسند آئی ہے۔ وہ سرخ ہی سرخ ہے۔ اس کے اندر تازہ خون ہے۔ گرم کھولتا ہوا خون جس نے اس کے جسم کو جوالا مکھی بنا دیا ہے ...... بہر حال تم جاؤ۔ وہ تمہاری منتظر ہے۔''

''ہشت ......'' میں نے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ اسے چھیڑتے ہوئے کہا پھر اپنی خواب گاہ کی سمت چلا گیا۔ کمرے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ کملا بڑی بے تکلفی سے گول میز کے ساتھ ایک صوفے پر نیم دراز باقاعدہ آب سرور سے چھیڑ خانی میں مصروف ہے۔ میری جگہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو شاید اسے کملا کی یہ بات ناگوار گزرتی لیکن مجھے اس وقت اس کی یہ ادا بہت بھائی۔ ایسی لڑکیاں مجھے پسند تھیں جن سے ہاں کوئی تکلف نہ ہو۔ چنانچہ میں بھی مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور کملا کے پہلو میں بیٹھ کر مے نوشی میں مصروف ہو گیا۔ انکا بدستور اپنی کہنیوں پر چہرہ ٹکائے میرے سر پر اوندھی لیٹی اپنے پاؤں آگے پیچھے ہلا رہی تھی۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ کملا کو دیکھ کر بری طرح مضطرب ہے لیکن مجھے اس وقت کچھ ہوش نہ تھا۔ کملا کے حسین اور گداز قرب نے آج مجھے عام دنوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی مدہوش کر دیا تھا۔

وقت کی رفتار کے ساتھ میرا جوش اور سرور بڑھتا رہا۔ کملا ہر اعتبار سے ایک ماڈرن لڑکی تھی۔ ہم دونوں ایک دوسرے میں گم تھے اور رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ کملا میرے ساتھ بہت کھل گئی اتنا کہ اس نے اپنی بے تکلف سہیلیوں کو بھی مجھ سے متعارف کرانے کا وعدہ کر لیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کملا یورپ کی بگڑی ہوئی لڑکیوں سے بھی کسی قدر آگے ہے۔ مجھے یورپین لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہو چکا تھا اس لئے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ مجھے خوشی تھی کہ کملا کے ذریعے حسین لڑکیوں کے جھرمٹ سے میرا تعارف ہو گا۔ یقیناً اس کا حلقہ بڑا وسیع ہو گا لیکن میری یہ خوشی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ میں نے محسوس کیا کہ انکا جو میرے سر پر چپت لیٹی کسی گہری سوچ میں غرق تھی' اچانک ہڑبڑا کر اٹھی۔ رینگتی ہوئی میرے کان کے قریب آئی اور بڑی سنجیدگی سے بولی۔

''جمیل ...... رات کے دو بج رہے ہیں۔''

''ہوں ......'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''بہت ہو چکا ......'' انکا نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ''اب اٹھو اور کملا کو چل کر دوبارہ چوپاٹی چھوڑ آؤ۔''

انکا نے یہ بات مجھ سے کچھ ایسی سنجیدگی سے کہی کہ میں سوچ میں پڑ گیا۔ آج سے پہلے اس نے مجھے ان معاملات میں کبھی نہیں ٹوکا تھا۔ پھر آج اس نے ایسا کیوں کیا؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ مجھے کسی پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کر رہی ہے؟ وہ خطرہ کیا ہو سکتا ہے؟

ابھی یہ سوالات میرے ذہن میں چکرا ہی رہے تھے کہ انکا نے دوبارہ کہا۔ ''جمیل ...... کیا تم نے میری بات نہیں سنی؟''

انکا کے جواب میں' میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر یہ فیصلہ کر کے کہ انکا مجھ سے جو کچھ کہہ رہی ہے اس میں یقیناً میری بھلائی کا کوئی پہلو ہو گا' میں نے کملا کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ ''اٹھو کملی ...... میں تمہیں چھوڑ آؤں۔''

''اوں ہونہہ ......'' کملا نے ایک طویل انگڑائی لی پھر اپنی مخمور نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ''ابھی تو صرف دو بجے ہیں۔ ڈیئر ...... صبح ہونے میں بہت دیر باقی ہے۔''

''ہاں آں ...... لیکن مجھے اچانک یاد آ گیا کہ مجھے ساڑھے تین بجے ایک دوست کو ریسیو کرنے کے لئے ائیر پورٹ جانا ہے۔'' میں نے بہانہ بنایا۔ حالانکہ یہ بات میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھی کہ رات کے ساڑھے تین بجے کوئی فلائٹ آتی بھی ہے یا نہیں۔

''دوست تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔'' کملا نے وارفتگی سے کسمساتے ہوئے کہا۔

''بہت ضروری بات ہے کملی۔ اگر بات صرف دوستی کی ہوتی تو میں ٹال جاتا لیکن وہ میرا عزیز دار بھی ہے اور ایک دو روز وہ قیام بھی میرے ساتھ کرے گا۔''

''تم شاید اکتا گئے ہو۔'' کملا اٹھلا کر بولی۔

''کیسی بات کرتی ہو کملی۔ تم سے کون کمبخت اکتا سکتا ہے۔''

''چلو پھر ......'' کملا نے بجھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

میں خاموشی سے اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آیا اور کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ معاً میں نے محسوس کیا کہ جیسے انکا میرے سر پر ٹہل ٹہل کر کچھ سوچ رہی ہے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس کے حسین چہرے پر اس وقت گہری سنجیدگی مسلط ہو۔ کبھی کبھی وہ رک کر ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتی پھر دوبارہ ٹہلنے لگ جاتی۔ ایک دو بار میں نے یہ بھی محسوس کیا جیسے وہ کسی اندرونی تکلیف میں مبتلا ہو۔ آج سے قبل میں نے انکا کو کبھی اس قدر مضطرب نہیں محسوس کیا تھا۔ چنانچہ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں نے اسے

بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے انکا...... تم کچھ بے چین نظر آ رہی ہو......؟"

"ہاں جمیل۔ وقت ضائع مت کرو۔ جتنی جلدی ہو سکے کملا کو چوپاٹی تک لے چلو۔" انکا کے لہجے سے بے چینی اور بے تابی مترشح تھی۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں......" انکا نے تلملا کر کہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میری سست روی پر بری طرح پیچ و تاب کھا رہی ہے پھر بھی میں نے اپنے بڑھتے ہوئے تجسس کی خاطر پوچھا۔

"انکا...... کیا تم کملا کے سلسلے میں کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہو؟"

"جمیل......" اس بار انکا نے غصیلی آواز میں صرف میرا نام ہی لیا تھا۔

"اچھا بابا...... چل رہا ہوں۔ غصہ کیوں کرتی ہو۔"

میں نے جلدی سے کہا اور قدم بڑھاتا اپنی خواب گاہ میں آ گیا جہاں کملا بھی اپنا لباس پہن چکی تھی۔ اس کے چہرے سے ابھی تک خمار ٹپک رہا تھا۔ اگر مجھے انکا کا خیال نہ ہوتا تو میں کسی قیمت پر بھی اس وقت کملا کے حسین پیکر کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے بارے میں مطلق نہ سوچتا لیکن انکا کا حکم آخر تھا۔ اس سے سرتابی کی مجال ممکن نہ تھی۔ سب کچھ انکا کی بدولت تھا۔ وہ میری محسن اور بہی خواہ تھی اس لئے میں نے اپنے دل پر جبر کیا اور کملا کو لے کر باہر آ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میری گاڑی چوپاٹی کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔

جس وقت میں چوپاٹی پہنچا اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا اور اس سناٹے میں سمندر کی موجوں کی شائیں شائیں شراپ شراپ کرتی ہوئی آوازیں بڑی پُر ہول محسوس ہو رہی تھیں۔ میں کار کو لئے ساحل کے بالکل قریب چلا گیا۔ پھر میں نے ریت کے ایک ٹیلے کی آڑ میں گاڑی روک دی۔ یہ سب کچھ میں نے انکا کی ہدایت پر کیا تھا۔ گاڑی روک کر جب میں نے کملا سے نیچے اترنے کو کہا تو وہ چونک کر بولی۔ "یہ تم مجھے چوپاٹی کیوں لے آئے ڈیئر؟"

قبل اس کے کہ میں کملا کی بات کا کوئی جواب دیتا انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "جمیل تم کملا کو لے کر ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ دور اور آگے نکل چلو۔"

انکا کی یہ ہدایت مجھ کو کچھ عجیب لگی لیکن میں کملا کی موجودگی میں اس سے اس کی وجہ دریافت نہ کر سکا [illegible] سے کملا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

"ارے یہ تم کہاں جا رہے ہو؟" کملا نے میرے بازو میں کسمساتے ہوئے کہا۔

"کیوں......" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ میرا ذہن بدستور انکا میں الجھا ہوا تھا جو ہنوز میرے

پر ادھر ادھر ٹہلنے میں مصروف تھی۔

"اگر تمہیں رات کا باقی حصہ یہاں آ کر گزارنا تھا تو پہلے ہی کہہ دیتے...... مفت میں اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا۔"

"تفریح کے لیے یہ جگہ مجھے زیادہ اچھی لگتی ہے۔" میں نے بات بنائی۔

"کسی دن اگر دھر لیے گئے تو ساری تفریح دھری رہ جائے گی۔" کملا بولی۔ "پولیس کے سادہ لباس والے یہاں شکاری کتوں کی طرح گھات لگائے بیٹھے رہتے ہیں اور موقع ملتے ہی آوارہ لوگوں کو دبوچ لیتے ہیں۔ جانتے ہو پھر کیا ہوتا ہے۔ سو دو سو کا نقصان یا پھر رات بھر جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے۔"

"تمہارے لئے میں دس بیس ہزار بھی خرچ کر سکتا ہوں۔"

"سچ مائی ڈیئر۔" کملا نے بڑے رومانی انداز میں سوال کیا۔

کملا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہوا میں کار سے تقریباً دو فرلانگ آگے نکل آیا تھا میں جب بھی رکنے کی کوشش کرتا انکا مجھے اور آگے چلنے کو کہہ دیتی۔ پھر جب ہم ایک ویران اور قدرے تاریک حصے سے گزر رہے تھے تو انکا اچانک مجھے رکنے کو کہا اور بولی۔

"جمیل...... تمہیں معلوم ہے مجھے خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ خون میری غذا ہے اور مجھے آج بھوک لگ رہی ہے۔ تم کملا کو مار کر میرے لئے غذا فراہم کرو گے۔"

انکا کی بات سن کر میں یوں اچھل پڑا جیسے میرا پاؤں بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گیا ہو۔ میرا ذہن قلابازیاں کھانے لگا۔ اب میری سمجھ میں یہ بات آئی تھی کہ انکا کیوں بے چین تھی اور کیوں اس نے مجھے کملا کو چوپاٹی تک لانے کی ضد کی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ میری نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب میں نے انکا کے اکسانے پر نرگس اصفہانی کے منگیتر جمشید کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور پھر اگلے دن اخبار میں شائع ہونے والی تفصیل پڑھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

میں ابھی اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو بھی نہ پا سکا تھا کہ انکا نے کہا۔

"جمیل جلدی کرو...... کملا کا خون میرے لئے مہینے بھر کے لئے بہت کافی ہوگا۔ یقین کرو میں مہینے بھر تک تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ یہ جگہ بھی بالکل ویران اور سنسان ہے اس لئے تم کملا کو بہ آسانی ٹھکانے لگا سکتے ہو۔"

"کیا تم کل تک مجھے سوچنے کا موقع نہیں دے سکتیں۔" یہ جملہ میں اضطرابی کیفیت میں کہہ گیا تھا۔

کملا نے سنا تو حیرت سے میری شکل دیکھ کر بولی۔

"کس بات کو سوچنے کے لئے تمہیں کل تک مہلت درکار ہے؟"

"کچھ...... کچھ نہیں۔" میں بری طرح گڑبڑا گیا۔

Downloaded from Paksociety.com

"جمیل۔ کیا تم میرا حکم نہیں مانو گے۔" انکا کے لب و لہجے میں اس بار ایسی خوفناک غراہٹ تھی جیسے کوئی خونخوار بلی اپنے کمزور حریف کو دیکھ کر حلق سے نکالتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا اپنے باریک باریک پنجے میرے سر میں چبھو رہی ہو۔ یہ چبھن ہر لحظہ شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

معاً میری کیفیت ایسی ہو گئی جیسے کسی غیر مرئی قوت نے مجھے بے خود و بے ارادہ کر دیا ہو۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوت ماؤف ہوتی چلی گئی۔ میں کسی معمول کی طرح مشینی انداز میں گھوما اور کملا کو خطرناک نظروں سے گھورنے لگا۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی جملے کی تکرار ہو رہی تھی۔

"جمیل۔ کملا کو مار ڈالو۔ مار ڈالو..... کملا کو مار ڈالو۔"

"یہ تم میری طرف اس طرح گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟"

میں نے کملا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے سر میں نکیلے پنجوں کی چبھن انتہائی شدید ہوتی جا رہی تھی پھر یکلخت مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں نے جھپٹ کر کملا کی گردن کو پوری قوت سے اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لیا اور انگلیوں کے حلقے کو تنگ کرتا چلا گیا۔ کملا کا جسم ماہی بے آب کی طرح میرے شکنجے میں تڑپ رہا تھا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی اکھڑی اکھڑی آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں خوف، دہشت اور تکلیف کی شدت کے باعث حلقوں سے باہر ابلی پڑی تھیں۔ یکلخت کملا کا جسم دو چار شدید جھٹکے لے کر میرے ہاتھوں میں جھولنے لگا۔

"سنو جمیل۔ تم اس کو ایسی ٹھوکر مارو کہ خون نکل آئے۔ میں اس مرتبہ کوئی نشان چھوڑنا نہیں چاہتی۔"

میں نے انکا کی ہدایت پر زور سے کملا کے جسم کو زمین پر گرا کر ایک ٹھوکر ماری۔ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ کملا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

میں دوبارہ ہوش میں آ گیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ میں نے کملا کو مار ڈالا ہے' میں لرز اٹھا۔ بوکھلاہٹ میں، میں نے کملا کے بے جان جسم کو اسی طرح چھوڑ دیا اور خوفزدہ انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

"جمیل۔ تم نے واقعی میرے لئے بڑا کام کیا ہے میں تمہاری احسان مند ہوں۔" انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

"خدا کے لئے تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" میں بے بسی کے عالم میں بولا۔

"یہ ناممکن ہے جمیل۔ تم میرے ساتھ دوستی نبھانے کا عہد کر چکے ہو اور یہ دوستی اسی وقت ختم ہو گی جب میں چاہوں گی۔" انکا نے تیزی سے جواب دیا پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"اب تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کملا کو قتل کرنے کے جرم میں دھر لئے جاؤ۔"

"میرے خدا۔ میں کیا کروں۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ایک نظر ریت پر پڑی ہوئی بے جان کملا پر ڈالی پھر تیزی سے گھوم کر اپنی کار کی سمت دوڑنے لگا۔

چند ساعت پہلے تک چوپاٹی کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی خوابناک فضا اور ہوا کے خشک خشک جھونکے مجھے اکسا رہے تھے اور میرے تشنہ جذبات کو گدگدا رہے تھے لیکن یہ سب کچھ میرے لئے اس قدر خوفناک ہو گیا کہ میں جلد از جلد وہاں سے بہت دور چلا جانا چاہتا تھا۔

انکا کے علاوہ خود کملا نے بھی مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ رات کے سناٹے میں سادہ لباس والے چوپاٹی کے علاقے میں شکاری کتوں کی طرح جرائم کی بو سونگھتے پھرتے ہیں اور پکڑے جانے کی صورت میں ملزم کو بھاری خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر میں کملا جیسی حسین اور گداز جسم والی عورت کے ساتھ داد عیش دیتا ہوا پکڑا جاتا تو پھر کوئی فکر نہ ہوتی۔ میں کملا کے جسم کے عوض پولیس کا منہ دولت کے انبار سے بہ آسانی بند کر دیتا لیکن اس وقت میری حیثیت ایک قاتل کی تھی اور پکڑے جانے کی صورت میں مجھے یقین تھا کہ پھانسی کا پھندا میرا مقدر بن جاتا چنانچہ میں بدحواسی کے عالم میں بھاگتا جا رہا تھا۔

جس جگہ میں نے انکا کی ترغیب پر کملا کو ٹھکانے لگایا تھا وہاں سے کار تک فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا لیکن ڈر اور دہشت نے اس مختصر فاصلے کو بھی میرے لئے خاصا طویل بنا دیا تھا۔ ہر لمحے مجھے یہی گمان ہوتا تھا کہ اچانک تاریکی میں سے بے شمار قانون کے نگہبان نمودار ہوں گے اور مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں کسی نہ کسی طرح ہانپتا کانپتا اپنی کار تک پہنچ ہی گیا گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے برق رفتاری سے واپسی کے لئے کھلی سڑک پر ڈال دیا۔

میرا ذہن اس وقت متضاد کیفیتوں سے دوچار تھا۔ کبھی مجھے کملا کا خیال آتا جو بالکل بے گناہ تھی۔ مرنے سے پیشتر آخری بار اس غریب نے مجھے جن نظروں سے دیکھا تھا ان میں جھلکنے والا اضطراب ابھی تک میرے اعصاب پر حاوی تھا۔ کبھی مجھے اپنی خوابگاہ میں کملا کی حسین مسکراہٹ یاد آ جاتی۔ یکلخت میرا ذہن انکا کے بارے میں الجھ کر رہ گیا۔

انکا جس کے پُراسرار وجود نے ابھی مجھ سے کملا کو موت کے گھاٹ اتروایا تھا اور پھر جب میں یہ سوچتا کہ انکا اس وقت بڑے آرام سے چوپاٹی پر کملا کی لاش سے خون کا ایک ایک قطرہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے چوس رہی ہو گی تو میرا ایک ایک رواں دہشت سے کانپ اٹھتا۔

گھر پہنچ کر میں نے اپنی کار کو گیراج میں بند کیا پھر بھاگتا ہوا اندر داخل ہو گیا جہاں میرا خاص ملازم میرے انتظار میں بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔ میرے قدموں کی آواز سن کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا لیکن میں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ تیزی سے ڈریسنگ روم میں جا کر کپڑے تبدیل کئے پھر خوابگاہ میں جا کر بستر پر گر گیا اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ حالانکہ میں موقع واردات سے فرار ہو کر اپنے گھر پہنچ چکا تھا اور مجھے

یقین تھا کہ کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہیں ہوا تھا پھر بھی میری حالت ابتر ہو رہی تھی۔

خاصی دیر تک میں بستر پر پڑا اپنی اکھڑی ہوئی سانسوں پر قابو پاتا رہا پھر کسی خیال سے اٹھ بیٹھا اور باہر آ کر ملازم سے دریافت کیا۔ ’’میری غیر موجودگی میں کوئی یہاں آیا تو نہ تھا؟‘‘

’’جی نہیں۔ جناب!‘‘

’’کوئی فون وغیرہ؟‘‘

’’کوئی فون بھی نہیں آیا تھا۔‘‘ ملازم نے دبی زبان میں کہا پھر میرے چہرے سے میری دلی کیفیات کا اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔ ’’جناب...... آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔‘‘

’’نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم جا کر سو رہو۔‘‘ میں نے تیزی سے ملازم کو جواب دیا۔ ملازم جانے کے لئے پلٹا تو میں نے اسے دوبارہ روکتے ہوئے کہا۔ ’’سنو..... آج جو عورت یہاں آئی تھی کیا تم اس سے واقف ہو؟‘‘

’’میں۔‘‘ ملازم میرے سوال کی نوعیت نہ سمجھ سکا اس لئے گڑبڑا کر بولا۔ ’’قسم لے لیجئے جناب جو میں کبھی ان چکروں میں پڑا ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ اگر کوئی تم سے اس عورت کے بارے میں دریافت کرے تو تم یہی کہنا کہ تم اس سے قطعی ناواقف ہو۔‘‘ میں روانی میں کہہ گیا پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بات بنا کر بولا۔ ’’ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی تم سے اس عورت کے یہاں آنے کے بارے میں دریافت کرے تو تم انکار کر دینا۔‘‘

’’آپ فکر نہ کریں جناب۔ اس بار میرے ملازم نے اپنے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بڑی رازداری سے کہا۔ ’’آپ سے پہلے میں بمبئی کے اور کئی سیٹھوں کے ہاں ملازمت کر چکا ہوں۔ مالک کا راز میرا اپنا راز ہوتا ہے۔‘‘

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ممکن تھا میں ملازم کی اس بے تکلفی پر برہم ہو کر اسی وقت اسے برطرف کر دیتا لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا اس لئے میں نے ملازم کو محض گھورنے پر اکتفا کیا اور پیچ و تاب کھاتا دوبارہ اپنی خواب گاہ میں آ کر بستر پر دراز ہو گیا۔

انکا کا پُراسرار وجود اس وقت میرے سر پر موجود نہیں تھا مگر میرا ذہن اسی کے بارے میں الجھ رہا تھا۔ مجھے اس بات کا بھی احساس تھا کہ انکا کی پُراسرار قوت ہی نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچایا ہے لیکن میں اس وقت بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ کس طرح انکا سے گلوخلاصی کر لی جائے۔ میرے پاس اب انکا کا دیا بہت کچھ موجود تھا۔ اس لئے اگر میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تو بھی عیش آرام سے زندگی بسر کر سکتا تھا مگر میں یہ بھی جانتا تھا کہ انکا کے دائرہ اختیار سے نکلنا میرے اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ جمشید کو مار کر فرار ہوتے وقت بھی میں نے انکا سے خدا کے نام پر یہی درخواست کی تھی کہ وہ

مجھے چھوڑ دے اور اپنے لئے کسی اور شخص کو منتخب کر لے لیکن اس نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے میرے سر پر وارد ہوئی ہے اس لئے جب تک چاہے گی اپنا تسلط برقرار رکھے گی۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے مجھ سے نمایاں طور پر یہ بھی کہا تھا کہ اگر کبھی میں نے اس کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کی تو مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

میں تمام رات اسی کرب اور بے چینی کی حالت سے دوچار اپنے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند کا غلبہ کس وقت میرے اوپر طاری ہوا، مجھے کچھ یاد نہیں بہرحال اتنا ضرور یاد ہے کہ دوبارہ میں دروازے پر ہونے والی دستک کی آواز سن کر ہی ہڑبڑا کر اٹھا تھا پھر وقت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میری نظر دیوار گیر کلاک پر پڑی جو صبح کے نو بجا رہا تھا۔

رات کے سارے واقعات میرے بیدار ہوتے ہی میرے ذہن میں تازہ ہو گئے تھے اس لئے جب دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی تو میں سہم کر اٹھ بیٹھا اور سوچنے لگا کہیں باہر پولیس کے کارندے تو مجھے گرفتار کرنے کے لئے موجود نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا......؟ کیا میں کملا کے قتل کے الزام سے بچ سکوں گا؟ کیا میں قانون کے نگہبانوں کو یہ یقین دلا سکوں گا کہ کملا اور جمشید کا قاتل میں نہیں بلکہ انکا کی پُراسرار ذات ہے جو ہر وقت میرے سر پر مسلط رہتی ہے؟ کیا قانون انکا کے پُراسرار وجود پر ایمان لے آئے گا؟ کیا اس سائنسی دور میں لوگ اس عجیب و ناقابل توجیہہ واقعے پر یقین کر لیں گے؟ نہیں تو پھر کیا ہو گا۔ اسی قسم کے خدشات میرے دماغ کو منتشر کئے دے رہے تھے۔ جب تیسری بار کسی نے دروازے کو دھڑ دھڑایا تو میری کیفیت اس وقت کسی ایسے چوہے سے مختلف نہ تھی جو پنجرے میں چاروں طرف پھنس جانے کے بعد سہم کر اپنے وجود میں دبک جانے کی کوشش کرتا ہے۔

آنے والے لمحات کے سنگین نتائج کو محسوس کر کے میں لرز اٹھا مگر میرے پاس اور کیا حل تھا۔ صرف یہی کہ میں خود کو حالات کے سپرد کر دوں۔ چنانچہ میں نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قدرے قابو پایا اور لرزتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ کر چٹخنی گرا دی۔ دروازے پر میرا وہی خاص ملازم موجود تھا۔ مجھے اس کی نظروں میں ایک عجیب عیارانہ چمک محسوس ہو رہی تھی۔ آج مجھے اس کی نگاہیں بھی کچھ بدلی بدلی سی نظر آ رہی تھیں لیکن یہ سوچ کر کہ ممکن ہے گزرے ہوئے لمحات نے خود میری قوت فیصلہ کو بدل دیا ہو، میں نے اس کے چہرے سے نظر ہٹا لی اور ڈریسنگ گاؤن کی بیلٹ کو باندھتے ہوئے پوچھا۔

’’کہو...... کیا بات ہے؟‘‘

’’یہ...... اخبارات ہیں جناب۔‘‘ اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے اخبارات میری طرف بڑھا دیئے۔

’’نامعقول۔ گدھے۔‘‘ میں یکلخت ملازم پر چڑھ دوڑا۔ ’’تم جانتے نہیں...... مجھے اخبارات سے

Downloaded from Paksociety.com

پہلے چائے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں جناب، لیکن میں نے سوچا کہ شاید آج آپ کو چائے سے پہلے اخبارات کی ضرورت ہوگی۔"

ملازم کا لہجہ اس درجہ چبھتا ہوا اور معنی خیز تھا کہ میں چونک اٹھا۔ ایک نظر میں نے اسے غور سے دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اخبارات لے لئے لیکن دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں کے نیچے اندھیرا تیرنے لگا۔ میرا سر گھوم گیا اور اخبارات میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑے۔ ملازم سے اخبارات لیتے ہی میری نظر سب سے پہلے جس سرخی پر پڑی وہ کملا کے قتل سے متعلق تھی۔ سرخی کے نیچے کملا کی لاش کی تصویر بھی تھی جسے دیکھ کر میرے حواس جاتے رہے۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ملازم نے کیوں چائے سے پیشتر مجھے اخبارات فراہم کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ قبل اس کے کہ میں اپنے حواس مجتمع کرتا اور ملازم سے کچھ کہتا وہ خود ہی بول پڑا۔

"مجھے رات ہی شبہ ہوا تھا جناب کہ آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"گھبرائیے نہیں جناب ......!" ملازم نے دبی زبان میں کہا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رات آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا۔ اطمینان رکھئے اگر پولیس والے یہاں تک پہنچ گئے تو میں یہی بیان دوں گا کہ کملا سے آپ کا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔"

میرا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ملازم کی بات کا کیا جواب دوں۔ چند لمحے تک خاموش کھڑا موقع کی نزاکت کو محسوس کرتا رہا پھر ملازم کو مخاطب کر کے بڑی صاف گوئی سے بولا۔

"ہوسکتا ہے کہ تم نے اخبارات میں شائع ہوئی خبروں سے جو نتیجہ نکالا ہو وہ ٹھیک ہی ہو لیکن کیا تم اس کا کوئی ثبوت دے سکو گے۔"

"آپ کیسی بات کرتے ہیں جناب۔" ملازم نے جلدی سے کہا۔ "آپ کے خلاف ثبوت پیش کر کے میں نمک حرامی بھلا کیسے کر سکتا ہوں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" میں نے ملازم کو جھلا کر گھورا تو وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"پریشان مت ہوں جناب۔ اول تو پولیس کو ابھی تک کملا دیوی کے قاتل کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم اور اگر خدانخواستہ اسے معلوم ہو بھی گیا تو آپ ان کے ہونٹوں پر دولت کی مہر لگا کر خاموش کر سکتے ہیں...... بمبئی میں سب چلتا ہے سرکار......"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر ملازم کو اپنے اعتماد میں لیتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "اگر تم نے وفاداری کا ثبوت دیا تو میں تم کو خوش کر دوں گا۔"

"میں ہمیشہ وفادار رہوں گا جناب۔" ملازم نے خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔ پھر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "ایسے معاملات میں پچیس پچاس ہزار روپے کی بھلا کی حقیقت ہوتی ہے۔"

ملازم مجھے کیا باور کرانا چاہتا تھا' میں اسے محسوس کر کے غصے سے سرخ ہو گیا۔ حالات کے پیش نظر دانش مندی کا تقاضا یہی تھا کہ میں خاموشی سے اس کی مطلوبہ رقم دینے کا وعدہ کر لیتا لیکن جس انداز میں اس نے مجھ سے سودے بازی کرنا چاہی تھی' اس سے میرا بدن شعلہ بن گیا۔ میں اپنی جلد بازی کے دورس نتائج کو قطعی فراموش کر بیٹھا اور ملازم کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا گرج دار آواز میں بولا۔

"نمک حرام' کمینے۔ دفع ہو جا اسی وقت! میں تجھے ایک دمڑی بھی نہیں دوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی جناب۔" ملازم نے آنکھیں بدل کر جواب دیا۔

اس کی نظروں میں میرے لئے کھلا چیلنج موجود تھا۔ شانے اچکا کر وہ جانے کے لئے گھوما تو میرا غصہ اور بڑھ گیا۔

"حرامزادے۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا کہ اگر تو نے میرے خلاف کوئی بیان دینے کی کوشش کی تو پچیس پچاس ہزار کی جگہ میں لاکھ دو لاکھ بھی خرچ کر دوں گا لیکن تجھے جیل میں سڑوا ڈالوں گا۔"

ملازم میری بات کا کوئی جواب دینے کے بجائے تیز تیز قدم اٹھاتا باہر چلا گیا۔

حالات نے جس تیزی سے اپنا رخ بدلا تھا اس نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ملازم کے جانے کے بعد چند ثانئے تک میں ساکت و جامد کھڑا اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا پھر میں نے اخبارات اٹھائے اور ان کا مطالعہ کرنے لگا۔ اخبارات نے کملا کے پُراسرار قتل کو ضرورت سے زیادہ اچھالنے کی کوشش کی تھی۔ شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق پولیس بڑی سرگرمی کے ساتھ قاتل کی تلاش میں تھی۔ کملا کے قتل کے سلسلے میں اخباری نمائندوں نے یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ اسے کسی عیاش طبع قاتل نے طے شدہ پروگرام کے تحت مارا ہے۔ پولیس نے اس ضمن میں کوئی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ واقعہ چونکہ رات کا تھا اس لئے یہ خبر صفحہ اول پر ہی شائع ہو سکی۔

اخبارات کا مطالعہ کرنے کے بعد میں بری طرح پریشان ہو کر ہاتھ پشت پر باندھے خواب گاہ میں ٹہل رہا تھا کہ معاً مجھے انکا کا خیال آ گیا جو میری ان تمام پریشانیوں کا موجب بنی تھی۔ انکا کا تصور ابھرتے ہی میں نے محسوس کیا کہ وہ میرے سر پر موجود ہے۔ دوبارہ وہ کب اور کس وقت میرے سر پر آن دھمکی تھی' مجھے اس کا کوئی علم نہ تھا لیکن اس وقت میں نے محسوس کیا کہ وہ سر پر بڑے آرام سے پاؤں پسارے سو رہی ہے۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ محسوس کی۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ انکا صرف محسوس کئے جانے والا کوئی پُراسرار وجود تھا۔ ذہن نے اس کی ایک شبیہہ بنا لی تھی۔ کبھی مجھے وہ بھیانک اور خوفناک نظر آتی کبھی کسی نازک اندام حسین و جمیل دوشیزہ کے روپ میں۔ بہر حال یہ بات

لے تھی کہ وہ کوئی بہت حسین قسم کی عورت تھی۔ اس وقت اس کے چہرے کی رنگت نکھری نکھری سی لگ رہی تھی غالباً کملا کا خون پی لینے کے بعد اس کے حیرت انگیز وجود کو بھرپور تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ میں نے عالمِ تصور میں انکا کو محوِ خواب پایا تو اور مشتعل ہو گیا۔ مجھے اس کے وجود سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ جس نے مجھے قاتلوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا' خود بے فکری اور بے خبری کے عالم میں آرام و سکون کی نیند سو رہی تھی۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو انکا کے سارے احسانات فراموش کر کے اسے مار ڈالتا لیکن موجودہ حالات میں سوائے خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جانے کے سوا میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ کسی نادیدہ قوت سے ٹکرانا میرے بس کا روگ نہیں تھا۔

میں اپنے پریشان خیالات میں الجھا ہوا ٹہلنے میں مصروف تھا کہ میں نے محسوس کیا کہ انکا انگڑائی لے کر اٹھ چکی ہے اور میری حالت پر زیرِ لب مسکرا رہی ہے۔ اس کی مسکراہٹ نے اس وقت جلتی پر تیل کا کام کیا۔ میں تلملا کر رہ گیا اور اس پُراسرار وجود کو کوئی سخت بات کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور طویل جماہی لیتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے بولی۔

''جمیل صاحب۔ کہیئے آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

''نہیں۔'' میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''بلکہ اس وقت تو میں بڑے اچھے موڈ میں ہوں۔''

''تم کملا کے بارے میں سوچ رہے ہو۔'' انکا نے اپنے سرخ سرخ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنی روایتی بے تکلفی سے جواب دیا۔ ''وہ واقعی بڑے خوبصورت جسم کی لڑکی تھی..... خون تو اس کا بے حد اچھا تھا۔ ایک عرصے کے بعد مجھے اتنا ذائقہ دار خون نصیب ہوا ہے۔''

''اور اب جب میں پھانسی پر چڑھ جاؤں تو تم میرا خون بھی چٹخارے لے لے کر پی جانا۔'' میں جھلا کر بولا۔

''پتا نہیں تمہارا خون کیسا ہو۔'' انکا نے بڑی شوخی سے جواب دیا۔ ''اس سے پیشتر کسی عیاش آدمی کا خون پینے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔ ویسے سنا ہے کہ آوارہ گردوں کا خون بے حد کڑوا اور بدمزہ ہوتا ہے۔'' آج وہ بہت مست معلوم ہوتی تھی۔

''انکا!'' میں نے بے بسی کی حالت میں بڑی لجاجت سے کہا۔ ''خدا کے واسطے تم اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔''

''بڑے احسان فراموش معلوم ہوتے ہو جمیل۔ کیا تم بھول چکے ہو کہ تمہیں یہ سب عیش و عشرت کس کی بدولت حاصل ہوا ہے۔'' انکا کے لہجے کی سنجیدگی میں نے بطورِ خاص محسوس کی۔

''میں جانتا ہوں لیکن جب میں ہی نہ رہوں گا تو پھر یہ سب کچھ کس کے کام آئے گا۔'' میں رو دینے والے لہجے میں بولا۔

''چچ چچ!'' انکا نے مجھے چمکارتے ہوئے کہا۔ ''تم سچ مچ بے حد خوفزدہ نظر آ رہے ہو۔''

''آخر تم چاہتی کیا ہو۔ کیا میں تمہارے لئے بے گناہ لوگوں کا خون بہاتا رہوں؟''

''سنو جمیل۔'' انکا اچانک بڑی سنجیدگی سے بولی۔ ''جب تک میرا وجود تمہاری ذات سے منسلک ہے تمہیں کوئی خطرہ پیش نہیں آ سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وقتی طور پر کچھ پریشانیاں پیش آ جائیں مگر تم ان پر بہ آسانی قابو پا سکتے ہو۔''

انکا کے لہجے میں نہ جانے وہ کون سا جادو تھا کہ مجھے سکون مل گیا پھر بھی جب میں نے اسے ملازم کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ بڑی بے پروائی سے بولی۔

''مجھے علم ہے کہ وہ تم سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ وہ اس وقت تھانے میں بیٹھا اپنا بیان لکھوا رہا ہے اور پولیس کوئی دم میں یہاں پہنچنے والی ہے مگر تمہیں گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ تم پولیس کا منہ بند کرنے کے لئے دولت کا استعمال بھی بخوبی جانتے ہو۔''

''ملازم کا کیا ہو گا......؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔''

انکا نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا پھر بہت اعتماد کے ساتھ بولی۔ ''جب تک تم میرے ساتھ کیئے ہوئے عہد پر قائم رہو گے اور مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرو گے میں تمہارا برابر تحفظ کرتی رہوں گی لیکن جس روز بھی تم نے ایسا کیا اس روز میں تمہیں ایسی مصیبت سے دوچار کر دوں گی کہ تمہیں بھاگنے کا راستہ نہ ملے گا۔''

مجھے معلوم تھا کہ انکا جو کچھ کہہ رہی ہے اسے کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے اس لئے میں نے کوئی جواب نہ دیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ دیکھیں یہ آفت کب تک میرے سر پر مسلط رہتی ہے۔

''جمیل...... تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔'' کچھ دیر بعد انکا نے مسکراتے ہوئے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''تمہاری نرگس اصفہانی کل تک تمہارے پاس آ جائے گی۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے چونکتے ہوئے دریافت کیا۔ نرگس اصفہانی کا نام سن کر میں اپنی ساری پریشانیاں فوراً بھول گیا۔ اپنی محبوبہ کا نام سنتے ہی میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

''مجھے کیا نہیں معلوم جمیل صاحب۔'' انکا نے میرے سر پر کھڑے ہو کر کہا پھر اپنے دیدے مٹکانے لگی۔ ''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ نرگس آتے ہی تم سے شادی کی درخواست کرے گی جسے تم فوراً قبول کر لو گے۔''

''سچ۔'' میرے ذہن میں شہنائیاں بجنے لگیں لیکن باہر سے ابھرنے والی قدموں کی آواز نے شہنائیوں کی آواز کو دبا دیا اور پھر وہی ہوا جس کا اظہار ابھی چند لمحے پیشتر انکا مجھ سے کر چکی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

پولیس کا ایک انسپکٹر دو سپاہیوں اور میرے ملازم کے ساتھ جس وقت میرے کمرے میں داخل ہوا تو میرا دل دہل کر رہ گیا۔ انکا نے اس موقع پر ایک بار پھر میری ڈھارس بندھائی۔

"دیکھو جمیل۔ پولیس والوں کے سامنے کسی قسم کی بزدلی کا ثبوت مت دینا۔ ہمت سے کام لینا اور اس بات کو ماننے سے صاف انکار کر دینا کہ تم کملا نامی کسی لڑکی کو جانتے ہو۔ ہاں جب پولیس زیادہ کرید کرے تو تم وقتی پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے انسپکٹر کی مٹھی گرم کر دینا۔"

انکا کی بات سن کر میں اپنی جگہ محتاط ہو گیا اور اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پا کر انسپکٹر کو یوں گھورنے لگا جیسے مجھے اس کا بلا اجازت مکان میں داخل ہونا ناگوار گزرا ہو۔

انسپکٹر کچھ دیر تک خاموش کھڑا میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا پھر بغیر کسی تمہید کے اصل مقصد کی طرف آ گیا۔ وہ مجھ سے کملا کے بارے میں کچھ معلوم کر لینے کی جان توڑ کوشش کر رہا تھا۔ میرا نمک حرام ملازم قریب ہی کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا لیکن مجھے اس کی موجودگی کی بھی مطلق کوئی پروا نہیں تھی۔ انکا کے مشورے کے پیش نظر میں نے انسپکٹر کو اپنا بیان یہی دیا تھا کہ میں کملا نامی کسی لڑکی سے واقف نہیں ہوں اور یہ کہ آج میں پہلی مرتبہ اس نام کو اس کی زبان سے سن رہا ہوں۔ انسپکٹر جو اس خیال سے اچانک میرے کمرے میں دندناتا ہوا گھس آیا تھا کہ مجھے ملازم کے دیے ہوئے بیان کے تحت مرعوب کر لے گا' مجھے ایک ٹھوس چٹان کی طرح اٹل دیکھ کر میری طرح مایوسی کا شکار نظر آ رہا تھا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"جمیل صاحب کیا آپ اس شخص سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں۔" میں نے بڑی بے پروائی سے اپنے ملازم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ میرا ملازم رہ چکا ہے۔"

"گویا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صبح تک یہ آپ کی ملازمت میں تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ نے اسے کس وجہ سے اپنی ملازمت سے برخاست کیا تھا؟ انسپکٹر نے کس قدر طنز کے ساتھ کہا۔

"انسپکٹر۔" میں نے ذرا خفگی سے کہا۔ "میں بے ہودہ قسم کے ملازموں کو برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ ویسے بھی کسی ملازم کو ملازمت سے برخاست کر دینا کوئی جرم نہیں ہے۔"

"جمیل صاحب!" انسپکٹر بدستور رکھائی سے بولا۔ "کیا کملا کے قتل کی کہانی آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہیں۔"

"محض سرخی کی حد تک۔ تفصیل میں اس لئے وقت ضائع نہیں کیا کہ مجھے جرائم سے کبھی کوئی دلچسپی

نہیں رہی۔"

"لیکن آپ کے ملازم کا بیان ہے کہ مقتولہ رات آپ کی خواب گاہ میں آپ کے ساتھ موجود تھی۔"

"اگر آپ میرے ملازم کے بیان کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں تو شوق سے اس کی چھان بین کر لیں۔" میں نے بے پرواہی سے کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ہوں" انسپکٹر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "گویا آپ کو اس حقیقت سے انکار ہے کہ چوپاٹی پر پائی جانے والی لاش جس عورت کی ہے وہ رات گئے تک آپ کے پاس تھی۔

"یہ سراسر بہتان ہے انسپکٹر۔" میں نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کیا۔ "محض ایک ملازم کے بے سروپا بیان پر آپ مجھے قتل کا مجرم گردانے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔"

"بہت خوب۔" پولیس انسپکٹر اس بار نہ جانے کیوں مسکرا دیا۔ اس کی دوررس نگاہیں کسی بھوکے عقاب کے مانند میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ کچھ توقف کے بعد اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "مسٹر جمیل۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی کار اس وقت کہاں ہے؟"

"گیراج میں۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔

"میں ایک نظر اسے دیکھنا چاہوں گا۔"

"بڑے شوق سے دیکھئے۔" میں نے ناراض سا ہوتے ہوئے کہا پھر انسپکٹر کو ساتھ لئے باہر کی طرف لپکا ہی تھا کہ انکا جو بڑی سنجیدگی سے میرے سر پر بیٹھی حالات کا جائزہ لیتی رہی تھی' مجھ سے بولی۔

"جمیل۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم انسپکٹر کو خریدنے کی کوشش شروع کر دو۔ کار کے اندر ساحل سمندر کی جو تھوڑی بہت ریت موجود ہے وہ تمہیں پھنسانے کے لئے انسپکٹر کی رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔"

انکا نے جس خطرے کا اشارہ کیا تھا اسے محسوس کر کے اچانک رک گیا تو انسپکٹر مجھے مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیوں مسٹر جمیل۔ آپ رک کیوں گئے؟ کیا گاڑی کا معائنہ کرانے میں آپ کو کوئی ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا اور خود پر قابو پاتے ہوئے بڑی نرمی سے بولا۔ "انسپکٹر مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"فرمائیے۔" انسپکٹر مجھے نرم پڑتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

"بات دراصل یہ ہے انسپکٹر کہ میرے ملازم نے موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر مجھے پھانسنے کی کوشش کی ہے۔"

"کیا مطلب۔" انسپکٹر نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''اسے میری نجی مصروفیات کے بارے میں بھی تھوڑا بہت علم ہے جس کی بنا پر وہ متعدد بار مجھے بلیک میل کر چکا ہے۔'' میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ مرتب کر کے اس میں رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ ''آج صبح بھی اس نے مجھ سے ایک لمبی رقم کا مطالبہ کیا تھا۔ میرے انکار پر اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ مجھے کملا کے کیس میں بھی ملوث کر سکتا ہے۔ اسی نے مجھے صبح کے اخبارات بھی دکھائے تھے۔''

''میں سمجھا نہیں کہ آخر وہ آپ کو کملا کے قتل میں کس طرح ملوث کر سکتا تھا۔''

''اس لئے کہ......'' میں ایک لمحے کے لئے گڑ بڑا گیا پھر جلدی سے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پا کر بولا۔ ''دراصل بات یہ ہے انسپکٹر کہ کملا ایک دو بار پہلے بھی میرے مکان پر آ چکی ہے۔ کملا کی ایک سہیلی جو آج کل مجھ سے ناراض ہے اس راز سے واقف ہے جس کا علم میرے ملازم کو بھی ہے۔ اس نمک حرام نے یہی کہا تھا کہ اگر میں نے اس کی منہ مانگی رقم دینے سے انکا کیا تو وہ کملا کی سہیلی سے میرے خلاف بیان دلوا کر مجھے پھنسوا دے گا۔''

''اگر یہ حقیقت ہے مسٹر جمیل تو مجھے آپ کے ملازم کی چالاکی کی داد دینا پڑے گی۔ اس نے واقعی آپ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔''

''انسپکٹر۔'' میں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کملا کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ آپ درست فرما رہے ہوں لیکن کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کے ملازم نے آج صبح آپ سے کتنی رقم کا مطالبہ کیا تھا۔'' انسپکٹر نے اپنا آخری جملہ زرا دبی زبان میں بڑے معنی خیز لہجے میں ادا کیا تھا۔

''پچیس ہزار۔'' میں نے تلملا کر بڑی شاندار اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلے بھی یہ مردود کئی بار مجھ سے ہزار پانچ سو ٹھگتا رہا ہے۔''

''... کے پیش نظر آپ کو سمجھ داری سے کام لینا چاہئے جمیل صاحب۔'' انسپکٹر نے زیر لب ... نے کہا۔ ''... موقع پر اگر لاکھ ڈیڑھ لاکھ خرچ کر کے بھی آپ گلو خلاصی کرا لیں تو سودا مہنگا نہیں رہے گا۔''

میں سمجھ گیا کہ میرا شکار میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا چنانچہ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میں نے کھل کر انسپکٹر سے سودا کر لیا اور اس کی مطلوبہ رقم اسے دے دی۔ جب وہ رخصت ہونے لگا تو میں نے کہا۔

''انسپکٹر۔ کہیں یہ مردود کسی اور بڑے افسر سے رابطہ قائم کر کے مجھے پریشان کرنے کی کوشش تو نہ کرے گا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں آپ جمیل صاحب!'' انسپکٹر نے اس بار بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔ ''کیا مجال ہے اس کی کہ ایک لفظ بھی آپ کے خلاف زبان سے نکال سکے۔ اور پھر میں جو ہوں آپ کے ساتھ۔''

انسپکٹر کے جانے کے بعد میں نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا پھر سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ گاڑی کو گیراج سے نکال کر سروسنگ اسٹیشن چھوڑ آیا۔ انکا نے مجھے بتایا کہ انسپکٹر نے ڈیڑھ لاکھ کی رقم میں سے دو ہزار روپے ملازم کو دے دیے ہیں اور سختی سے ہدایت کر دی ہے کہ اگر اس نے اس سلسلے میں زبان سے ایک لفظ بھی نکالا تو اچھا نہ ہوگا۔

میں انکا کی بات سن کر چپ رہا تو اس نے کہا۔

''یہ اب تمہارا منہ کس لئے پھولا ہوا ہے۔ کیا اب بھی تمہیں کسی بات کا خطرہ لاحق ہے۔''

''خطرہ تو نہیں۔ ہاں البتہ یہ سوچتا ہوں کہ آخر اس طرح کب تک پھانسی کے تختے سے بچتا رہوں گا۔'' میں نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''جب تک تم اپنے کئے ہوئے عہد کو نبھاتے رہو گے۔''

''کیا تم اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے انسانی خون کے بجائے کوئی اور ذریعہ تلاش نہیں کر سکتیں۔'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا تو وہ برہم ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اسے میرا سوال بہت برا لگا ہے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں اسے کسی آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنے نچلے ہونٹ کو بڑی جھلاہٹ میں کاٹ رہی تھی اور مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھورنے جا رہی تھی۔ میں نے اسے غصیلی حالت میں دیکھا تو خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا اور تھکن اتارنے کی خاطر بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

''جمیل۔'' انکا نے مجھے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر کوئی عتاب نازل نہ ہو تو آئندہ کبھی میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ انسانی خون میری غذا ہے۔ مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کیوں ہے اس کے جاننے کی ضرورت بھی تمہیں نہیں۔''

چند لمحے میں آنکھیں بند کئے پڑا اپنے خیالات میں الجھا رہا پھر جب میں نے محسوس کیا کہ انکا میرے سر پر لیٹ کر دوبارہ محو خواب ہو چکی تو میں آہستہ سے اٹھا اور نہانے کی غرض سے باتھ روم کی طرف چل دیا۔

اس روز میں تمام دن گھر میں پڑا رہا۔ ملنے جلنے والے آئے تو میری ہدایت کے مطابق چوکیدار نے ... یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں گھر پر موجود نہیں ہوں۔ شام کو میں کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلا۔ سروس اسٹیشن پر جا کر میں نے اپنی کار لی پھر ایک چکر شہر کا لگا کر واپس گھر پلٹ آیا اور اپنی خواب گاہ میں بند ہو کر ... ما۔

بمبئی میں پہلا دن تھا جو میں نے بالکل تنہا رہ کر کاٹا تھا۔ مجھے انکا پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا جو بجائے میری دلجوئی کرنے کے مجھ سے ناراض ہوگئی تھی۔ شاید اس لئے کہ میں نے اسے انسانی خون پینے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ میرے سر پر نیم دراز ہے اور کہنی پر ٹھوڑی ٹکائے کسی گہری سوچ میں غرق ہے۔ مجھے اس کے چہرے پر آج خلاف توقع بہت زیادہ سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔ ایک دو بار میرے جی میں آئی کہ انکا سے کچھ بات کروں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

رات آئی تو مجھے تنہائی کا احساس شدت سے ستانے لگا۔ میں نے جی کو بہلانے کی خاطر شراب کا سہارا تلاش کر لیا اور اس وقت تک پیتا رہا جب تک میرے اعصاب میرے قابو میں رہے۔ پھر یہ سلسلہ اسی وقت ختم ہوا جب غالباً میں بے ہوش ہوگیا تھا یا پھر ممکن ہے کہ مجھ میں زیادہ پینے کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ رات کس طرح گزری، مجھے کوئی علم نہیں لیکن دوسرے دن میری تمام الجھنیں اور پریشانیاں ختم ہوگئیں اور اس کی وجہ نرگس اصفہانی کی ذات تھی۔

نرگس اصفہانی جسے میں دل و جان سے چاہتا تھا اور جس کے حصول کے لئے میں نے پہلی بار انکا کے اکسانے پر جمشید کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، اچانک میرے سامنے آئی تو میں سب پریشانیاں یکسر فراموش کر کے اس کے سراپا میں گم ہوگیا۔ پھر میری اور اس کی باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ محض میری خاطر اپنے والدین اور اپنی کروڑوں کی جائیداد سے منہ پھیر کر میرے پاس آئی ہے۔ نرگس کی اس محبت اور قربانی کے جذبے کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

”نرگس۔ تمہیں پا لینے کے بعد میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے میں دنیا کا سب سے خوش قسمت شخص ہوں۔ اب ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ تمہارے بغیر میری زندگی ادھوری تھی۔“ میں نے جذبات میں کہا۔

”یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔“ نرگس نے دبی زبان میں جواب دیا۔

”میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا لیکن اتنی جلدی کیا ہے۔“

”نہیں جمیل۔ جب تک تم مجھے اپنا نہیں لیتے، میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ دنیا والے کیا کہیں گے۔“

میں نے نرگس کو بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کچھ دن رک جائے تاکہ شادی کی رسوم دھوم دھام سے پوری کی جا سکیں لیکن نرگس کسی طرح میری یہ بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ وہ کسی قسم کے ہنگاموں کو پسند نہیں کرے گی۔ مبادا شادی کی اطلاع اس کے والدین کو ملے اور وہ اسے واپس لے جانے کے لئے پریشان کرنے کی کوشش کریں۔ بات چونکہ معقول تھی اس لئے میں نے مزید

اصرار نہیں کیا اور اسی روز شام کو ایک قاضی کو بلا کر دو گواہوں کی موجودگی میں جو میرے دفتر کے ملازم تھے، نکاح پڑھوا لیا۔

نرگس اصفہانی سے شادی کر لینے کے بعد میں نے اپنی تمام بیرونی مصروفیات یکسر ختم کر دی تھیں۔ اگر کوئی خاص آدمی ملنے کی غرض سے آتا تو اسے روک لیا جاتا ورنہ بیشتر کو دروازے ہی سے یہ کہہ کر واپس کر دیا جاتا کہ ”صاحب گھر پر نہیں ہیں۔“ فون کرنے والوں کو بھی اسی انداز میں ٹال دیا جاتا تھا۔

میرے شب و روز نرگس کی رفاقت میں گزر رہے تھے۔ ہمہ وقت میں اس کی زلفوں کی چھاؤں تلے لیٹا ایک انوکھی دنیا میں گم رہتا۔ سچ پوچھئے تو میرا دل ایک لمحے کے لئے بھی نرگس سے دور ہونے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس کے والہانہ پن اور خوبصورت باتوں نے مجھے اس قدر مدہوش کر رکھا تھا کہ مجھے وقت کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ رات کب آئی اور صبح کب دوپہر کے ہنگاموں میں مدغم ہو جاتی تھی، مجھے ان باتوں کا نہ تو کوئی دھیان رہتا اور نہ میرے پاس فرصت کا کوئی ایسا لمحہ تھا جو میں ان باتوں پر غور کر سکتا۔

نرگس کو اپنا بنا لینے کے بعد میرے اندر ایک نیا انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ اب میں نے سٹہ اور ریس کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ رہا دولت کی فراوانی کا سوال تو پہلے انکا کی پُراسرار قوت میرے کام آتی تھی اور اب نرگس کے قدموں کی برکت سے مجھے دنیا کا سارا عیش و آرام حاصل تھا۔ میرے کاروبار میں حیرت انگیز طور پر ترقی ہو رہی تھی۔

میں ان بدلتے ہوئے حالات سے مطمئن تھا۔ مجھے امید ہو چلی تھی کہ اب میری زندگی بڑے سکون اور آرام سے گزر سکے گی۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب میں کبھی برے کاموں کی طرف دھیان نہیں دوں گا لیکن کبھی کبھی یہ خیال کہ انکا کا وجود بدستور میرے سر پر مسلط تھا، مجھے فکرمند کر دیتا۔ میں یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا کہ کہیں کئے ہوئے عہد کے مطابق مجھے پھر اس کے لئے انسانی خون فراہم نہ کرنا پڑے۔

کئی بار میں نے بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کیا تھا کہ نرگس کو جو اب میری شریک زندگی تھی، انکا کے بارے میں کچھ بتا کر اس سے کوئی مشورہ مانگوں لیکن کملا کی موت کے وقت انکا نے مجھے جو دھمکی دی تھی، میں اس سے اس قدر خوفزدہ تھا کہ چاہنے کے باوجود شادی کے بیس پچیس دن بعد تک بھی نرگس سے انکا کے بارے میں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ مجھے اس بات کا بھی بخوبی علم تھا کہ جو بات میری زبان سے نکلتی تھی اس کا علم انکا کو ہو جاتا البتہ جو بات میں دل میں سوچا کرتا تھا ابھی تک اس کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ انکا اس کے بارے میں نہیں جان سکتی ہے۔

میری شادی کو تقریباً ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس تمام عرصے میں انکا برابر میرے سر پر موجود رہی تھی لیکن روٹھی روٹھی سی۔ اس نے مجھ سے کوئی بات کہی تھی اور نہ ہی میں نے اسے مخاطب کرنے کی ضرورت

محسوس کی تھی۔ میں ہمیشہ عالم تصور میں محسوس کرتا جیسے انکا مجھ سے بے حد ناراض ہے۔ کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا کہ وہ غصیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہی ہے۔ میں جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا پھر نرگس سے باتوں میں الجھ کر انکا کے وجود کو وقتی طور پر بھلانے کی کوشش شروع کر دیتا۔ ویسے دل ہی دل میں ہمیشہ یہی دعا مانگتا رہتا کہ خدا کرے انکا مجھ سے ہمیشہ یوں ہی روٹھی رہے اور ہمارے درمیان گفت و شنید کا سلسلہ دوبارہ قائم نہ ہو۔ کہیں مجھے پھر اس کے لئے کسی بے گناہ کو قتل نہ کرنا پڑے۔

انکا نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے اپنے پُر اسرار وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ماہ کسی انسان کے خون کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اس بار کملا کا خون پیئے اسے ایک ماہ سے کچھ زیادہ ہی دن گزر چکے تھے مگر اس نے ابھی تک مجھ سے کسی قسم کی کوئی فرمائش نہیں کی تھی جس کی وجہ سے مجھے امید ہو چلی تھی کہ غالباً اب انکا میرا پیچھا چھوڑ دے گی اور کسی دوسرے سر کو اپنا مسکن بنا لے گی۔ مجھے بڑی شدت سے اس دن کا انتظار تھا جب مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا مل جاتا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہوا یوں کہ ایک روز جب میں نرگس کو گھر پر چھوڑ کر ایک ضروری کام کو نمٹانے کی غرض سے آفس کے لئے روانہ ہوا تو انکا مجھے راستہ میں تنہا پا کر مخاطب کیا۔

”جمیل۔ میں تمہارے اندر کچھ تبدیلیاں دیکھ رہی ہوں۔“

انکا کی سرگوشی میرے کانوں میں ابھری تو میرا سکون درہم برہم ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا جیسے یہ جملہ ادا کرتے وقت انکا کے چہرے پر کرب طاری تھا۔ وہ اپنی نشیلی نظروں سے جن میں اس وقت شکایت بھری ہوئی تھی' مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آج وہ سرخی بھی موجود نہیں تھی جو انسانی خون پینے کے بعد نمودار ہو جاتی تھی۔ اس کے تراشیدہ ہونٹ خزاں زدہ پتیوں کی طرح مرجھائے مرجھائے سے نظر آ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میں نے انکا کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کو محسوس کیا پھر سنبھل کر بولا۔

”تم بھی تو آج کل مجھ سے ناراض ہو۔“

”ہاں۔ لیکن میری ناراضگی کی وجہ تمہیں معلوم ہے۔“ انکا بولی۔

”میں سمجھا نہیں تمہارا مطلب۔“ میں نے دیدہ و دانستہ انجان بنتے ہوئے کہا ورنہ میں خوب جانتا تھا کہ انکا کی ناراضگی کا سبب کیا ہے۔ وہ مجھ سے اسی دن سے برہم تھی جب میں نے اسے انسانی خون پینے سے باز رہنے کا مشورہ دیا تھا۔

”تمہیں اب اتنی فرصت ہی کہاں [illegible] تم میری بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔“ انکا نے شکایت بھری آواز میں جواب دیا۔

”یہ بات نہیں ہے انکا۔ بلکہ دراصل بات یہ ہے کہ میں......“

”رہنے دیجئے جمیل صاحب۔“ انکا نے میرے جملے کو درمیان سے اچکتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ”میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے تم نے نرگس سے شادی کی ہے' تمہاری دلچسپی میرے وجود سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ تم مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ جب کہ تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے لئے بڑی اہم حیثیت رکھتی ہوں۔ نرگس سے بھی زیادہ......“

”لیکن نرگس سے شادی کرنے کا مشورہ تو خود تم ہی نے دیا تھا۔“ میں تھوک نگل کر بولا۔ انکا کی بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

”میں اس سے انکار نہیں کروں گی مگر تم میرا مقصد نہیں سمجھے۔“ انکا نے تیزی سے جواب دیا۔ ”میں تم سے کسی جسمانی قرب کی خواہاں نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنے کئے ہوئے عہد پر قائم رہو۔“

عہد کا لفظ میرے ذہن پر بم بن کر پھٹا تھا۔ اسی وقت مجھے یہ خیال آیا کہ کہیں انکا پھر مجھے کسی قتل پر مجبور نہ کرے اور اس خیال کے ابھرتے ہی میرا سارا جسم کسی انجانے خوف سے کپکپا اٹھا۔ ابھی میں کوئی معقول جواب سوچ ہی رہا تھا کہ انکا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”جمیل۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی تو اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ جتنا تم مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کرو گے اتنا ہی میں تم سے اور قریب ہوتی جاؤں گی۔“

”لیکن اب میں تمہاری خاطر کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگ سکتا۔“ اچانک میں نے بدلے ہوئے تیور سے جواب دیا۔

انکا میرا جواب سن کر بولی۔

”میں تم کو ایک موقع اور دے سکتی ہوں' سوچنے کے لئے۔“

”دفع ہو جاؤ۔“ میں چیخ اٹھا۔ ”مجھے کسی [illegible] ضرورت نہیں ہے۔ نرگس کے ساتھ میں کسی جھونپڑی میں بھی خوش رہ سکتا ہوں۔ تم اگر چاہو تو [illegible] چھین لو۔“

اس بار انکا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں [illegible] رہا تھا کہ میرے [illegible] نے اسے متحیر کر دیا ہے۔ اس کا چہرہ دہکتے ہوئے تنور کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ غصیلے انداز میں لڑکی اپنے ہونٹ چباتی رہی پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کا پُر اسرار وجود میرے سر پر سے رینگتا ہوا اتر گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح جمشید اور کملا کے قتل کے بعد ہوا تھا۔

ایک ثانیے کے لئے میرا دل خوشی سے اچھل پڑا کہ انکا کے پُر اسرار وجود سے مجھے چھٹکارا مل گیا ہے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے انکا کی حیرت انگیز قوتوں کا خیال میرے ذہن میں ابھرا تو کسی انجانے خوف کے تحت میرے جسم کے تمام رونگٹے الف کی صورت کھڑے ہو گئے۔ میرے ذہن میں ایک خیال بڑی

سرعت سے ابھرا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ انکا مجھے کسی نئی مصیبت سے دو چار کر دے......؟ اس کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں تھی۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے بڑی تیزی سے گاڑی کا رخ گھر کی سمت موڑ دیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ قبل اس کے کہ انکا مجھے کسی مصیبت میں گرفتار کرائے' میں نرگس کو تمام تفصیل بتادوں گا اور پھر وہی کروں گا جس کا مشورہ مجھے نرگس دے گی۔

گاڑی آندھی اور طوفان کی طرح گھر کی سمت دوڑ رہی تھی۔ راستے میں کئی جگہ حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔ بہر حال میں کسی نہ کسی طرح گھر پہنچ گیا پھر میں نے نرگس کو من وعن شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں بتادیں جنہیں سن کر وہ یوں میرے چہرے کو گھورنے لگی جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شبہ ہو رہا تھا پھر وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں مجھ پر مالیخولیا کا حملہ تو نہیں ہو گیا۔ اسے میری باتوں پر اعتبار نہیں آیا تھا۔

"نرگس میری زندگی۔" میں نے اسے اپنی بانہوں میں لے کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں آیا۔ تم ہی کیا اگر کوئی دوسرا بھی سنے گا تو یہی کہے گا کہ میری دماغی حالت خراب ہو گئی ہے لیکن یقین کرو میری روح۔ اس وقت میں نے تم کو جو کچھ بتایا ہے اس کا ایک ایک لفظ درست ہے۔ اور اب میں تمہارے مشورے کا منتظر ہوں۔"

نرگس بڑی دیر تک حیرت واستعجاب کی کیفیت سے دو چار خالی خالی نظروں سے میرا چہرہ تکتی رہی لیکن جب میں نے قسمیں کھا کر اسے یقین دلایا تو اسے میری باتوں پر اعتبار آ گیا مگر اس کے باوجود فوری طور پر مجھے کوئی مشورہ دینے کے بجائے تصویر حیرت بنی رہی جیسے اس پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ کچھ دیر بعد اس کی حالت سنبھلی تو اس نے کہا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ انکا آپ کو کسی مصیبت میں پھنسا دے گی۔"

"ہاں۔" میں تلملا کر بولا۔ "وہ کمبخت بڑی پُراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اس نے مجھ سے کئی موقعوں پر یہ بات کہی تھی کہ اگر کبھی میں نے اس کے ساتھ بدعہدی کی تو وہ مجھے الجھنوں اور پریشانیوں میں گرفتار کرادے گی۔"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی پیر صاحب سے ملیں۔" نرگس نے جلدی سے کہا۔ "یہ تو انکا کا وجود کوئی چھلاوا یا گندی روح معلوم ہوتا ہے جس کا توڑ کوئی بزرگ ہی کر سکتے ہیں۔ آپ فوری طور پر کسی پیر صاحب سے مل کر جان و مال کی سلامتی کا تعویذ حاصل کر لیں۔ خدا نے چاہا تو پھر انکا آپ کا کچھ نہ بگاڑ

سکے گی۔"

نرگس کا مشورہ اس قدر معقول تھا کہ مجھے اپنے آپ پر غصہ آ گیا۔ جو بات مجھے اس وقت نرگس نے بتائی تھی وہ آج تک میرے ذہن میں کیوں نہیں آئی تھی ورنہ میں ضرور کسی بزرگ سے رجوع کر چکا ہوتا اور کیا عجب تھا کہ ان تمام پریشانیوں سے محفوظ بھی رہتا جو اب مجھے چاروں طرف سے گھیر چکی تھیں۔ میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ نرگس بڑے پیار سے بولی۔

"کس سوچ میں گم ہیں آپ...... میری مانیں تو اسی وقت جا کر کسی پیر صاحب سے تعویذ حاصل کر لیجئے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے مگر میں کسی بزرگ سے واقف نہیں ہوں۔"

"پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔" نرگس بولی۔ "آپ باہر جا کر اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے پوچھیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ کی رہنمائی کر دے۔"

نرگس کے مشورے پر میں نے اسی وقت اپنے تمام دوستوں کو فون کھڑکانا شروع کر دیا۔ کچھ لوگوں سے فون پر رابطہ قائم نہ ہو سکا جو لوگ ملے انہوں نے پہلے تو اس بات پر میرا مذاق اڑایا کہ مجھے اچانک کسی پیر بزرگ کی ضرورت کیوں آن پڑی ہے۔ پھر یہ کہہ کر مجھے مایوس کر دیا کہ وہ کسی ایسے بزرگ سے واقف نہیں ہیں جو میری پریشانیوں کا تدارک کر سکے۔

تقریباً تین گھنٹے تک میں ایک ایک واقف کار سے فون پر رابطہ قائم کرتا رہا لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر میں نے سوچا کہ دفتر جا کر اپنے ملازموں سے کیوں نہ معلوم کیا جائے' ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی میری مدد کر سکے۔ نرگس نے بھی میرے خیال کی تائید کی چنانچہ میں پریشانی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ نرگس باہر تک میرے ساتھ آئی۔ اس تمام عرصے میں وہ برابر مجھے تسلی دیتی رہی اور ہمت نہ ہارنے کی تلقین کرتی رہی۔ جس وقت میں نے گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اس وقت بھی وہ مسکراتی اور پُرامید نظروں سے مجھے خدا حافظ کہہ رہی تھی۔ قبل اس کے کہ میں گاڑی کو اپنے بنگلے کے احاطے سے باہر نکال پاتا' پولیس کی ایک جیپ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور پھر اس میں سے چھ سات باوردی اور مسلح سپاہیوں نے کود کر میری گاڑی کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ اس کے بعد ہی پولیس انسپکٹر ریوالور تانے میرے قریب آیا جسے میں نے کملا کے سلسلے میں ڈیڑھ لاکھ روپے دیے تھے۔

"کیا بات ہے انسپکٹر؟" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مسٹر جمیل۔ ہم آپ کو رحمت علی (میرے اس ملازم کا نام تھا جسے میں برطرف کر چکا تھا) کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتے ہیں۔" انسپکٹر نے سرد لہجے میں کہا پھر اس کے اشارے پر دو پولیس والوں نے مجھے باہر گھسیٹ کر میرے ہاتھ میں ہتھکڑیاں پہنادیں۔ نرگس دروازے کے پیچھے کھڑی ہکا بکا یہ سب کچھ

دیکھ رہی تھی۔ حالات نے اتنی تیزی سے اپنا رخ تبدیل کیا تھا کہ میں بھی ششدر رہ گیا اور معاملے کی تہ تک نہ پہنچ سکا۔

"انسپکٹر۔" تھوڑے توقف کے بعد میں نے حیرت سے کہا "میں قسم کھاتا ہوں کہ رحمت علی کے قتل کے بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

"اس کا ثبوت آپ عدالت میں دیجئے گا۔"

"لیکن انسپکٹر۔ جب میں بے گناہ ہوں تو پھر مجھے گرفتار کس لئے کیا جارہا ہے۔"

"اب یہ مکاری نہیں چلے گی جمیل صاحب۔" انسپکٹر مجھے قہر آلود نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔ "ممکن ہے آپ نے یہ سوچا ہو کہ رحمت علی کو قتل کرا دینے کے بعد آپ کملا کے سلسلے میں ثبوت ختم کر دیں گے لیکن آپ نے اس کام کے لئے غلط شخص کا انتخاب کیا۔ کلن خان پہلے بھی کئی بار سزا کاٹ چکا ہے۔ اس نے رنگے ہاتھوں گرفتار ہونے کے بعد بڑی آسانی سے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا انسپکٹر؟" میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہی کہ آپ نے اس کو دس ہزار روپے کے عوض رحمت علی کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔ میں کسی کلن خان سے واقف نہیں ہوں۔" میں چیخ اٹھا۔

"کملا کے سلسلے میں بھی آپ نے یہی کہا تھا۔"

پولیس انسپکٹر کا لہجہ اس قدر سرد اور معنی خیز تھا کہ میں گنگ رہ گیا پھر یکلخت میرے ذہن میں انکا کا تصور ابھر آیا۔ یقیناً یہ سب کچھ اس کی انتقامی کارروائی تھی جس نے مجھے گلے گلے تک حالات کے چنگل میں پھنسوا دیا تھا۔

میرے پاس اپنے بچاؤ کے لیے سوائے اس کے اور کچھ بھی نہ تھا کہ میں چیختا چلاتا اور قسمیں کھا کر اپنی بے گناہی کا یقین دلاتا لیکن انسپکٹر نے میری ایک نہ سنی۔ میری اس التجا کو بھی رد کر دیا کہ میں دو باتیں نرگس سے کر لوں اس کے بعد وہی ہوا جو ایسے موقع پر ہوتا ہے۔ پولیس والے میری مزاحمت کے باوجود دھکے دیتے اور گھسیٹتے ہوئے جیپ تک لائے پھر مجھے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر پھینک دیا گیا۔

نرگس کے دل پر اس وقت کیا بیت رہی ہوگی، مجھے اس کا کوئی خیال نہیں تھا۔ میرا ذہن اس وقت ماؤف ہوتا جارہا تھا۔

جیسے جیسے تھانہ نزدیک آتا جاتا تھا، میرے دل کی دھڑکنیں بڑھتی جارہی تھیں۔ میں جیپ میں پچھلی نشست پر پولیس والوں کے نرغے میں گھرا بیٹھا اپنے انجام پر غور کر رہا تھا۔ حالانکہ رحمت علی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی میں کسی کلن خان کو جانتا تھا اس کے باوجود میری حالت اس بے زبان بکرے سے مختلف نہ تھی جسے خرید لینے کے بعد اس کے مالک کو پورا پورا اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے اسے

ذبح کرے۔ بات اگر صرف رحمت علی کی موت کی حد تک محدود رہتی تو ممکن تھا میں اپنے بچاؤ کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا لیکن اس وقت جس انسپکٹر نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ میں کملا کے سلسلے میں اس سے سودے بازی کر چکا تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ کملا کے سلسلے میں، میں نے اسے ڈیڑھ لاکھ کی رقم محض تفریحاً نہیں دی ہوگی۔ خود میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کر رہا تھا لیکن ان باتوں کے باوجود میں یہی سوچ رہا تھا کہ کس طرح قتل کے الزام سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر پولیس انسپکٹر ایک دو سپاہیوں کے ساتھ ہوتا تو میں اسے ایک بار پھر خریدنے کی کوشش کرتا لیکن سات آٹھ پولیس والوں کی موجودگی میں اول تو رشوت کا ذکر مناسب نہیں تھا دوسرے یہ کہ وہ مجھ سے دس بارہ لاکھ کا مطالبہ کر بیٹھتا جو اتنی جلدی ادا کرنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میرا زیادہ تر روپیہ مختلف بینکوں میں جمع تھا جس کو نکلوانے کے لیے مجھے کم از کم ایک دن کی مہلت درکار ہوتی جبکہ پولیس انسپکٹر کے رویے سے یہ بات ظاہر ہو چکی تھی کہ وہ مجھے ایک پل کی مہلت دینے کو بھی تیار نہیں تھا۔ کمبخت نے مجھے اپنی بیوی نرگس سے دو لمحے باتیں کرنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ بہرحال میں اس وقت بڑی بے بسی کی حالت سے دوچار تھا۔

ویسے اس بات کا فیصلہ میں نے کر لیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو، میں اقبال جرم کبھی نہ کروں گا اور بمبئی کے بڑے بڑے وکیلوں کو اپنی طرف سے کھڑا کر کے گلو خلاصی کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ آگے جو نصیب میں لکھا ہو!

راستے میں پولیس انسپکٹر نے مجھے پریشان کرنے کی غرض سے دو چار طنزیہ جملے بھی کہے، کرخت لہجے میں برا بھلا بھی کہا لیکن میں چپ سادھے بیٹھا رہا۔ تھانے پہنچ کر مجھے ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک ہندو ایس پی پہلے سے میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا اور وہ یوں خونخوار نظروں سے مجھے گھورنے لگا جیسے مجھے کچا چبا ڈالنے کے امکانات پر غور کر رہا ہو۔ ایک لمحہ کے لیے تو میں اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا لیکن پھر میرے دل نے کہا۔ "جمیل صاحب۔ اگر تم نے اس موذی کے سامنے ذرا بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا تو گلے گلے تک پھنس جاؤ گے۔ ہمت سے کام لو۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا پھر ڈرنے سے کیا حاصل۔" دل کا یہ مشورہ مجھے بہرحال قبول کرنا پڑا اس لیے کہ میرے پاس بچاؤ کا فی الحال کوئی راستہ بھی نہ تھا چنانچہ میں نے دل پر قابو پاتے ہوئے نظر اٹھا کر ایس پی کے خونخوار چہرے کو دیکھا اور قدرے تلخ آواز میں پوچھا۔

"مجھے کس جرم کی پاداش میں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے۔" ایس پی نے بھویں چڑھا کر کچھ ایسے سرد لہجے میں جواب دیا کہ میں ایک بار پھر گڑبڑا گیا مگر جلد ہی دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"اگر مجھے حالات کا علم ہوتا تو آپ سے کیوں دریافت کرتا۔"

"رحمت علی کا نام کبھی سنا ہے تم نے؟" ایس پی نے بگڑے ہوئے تیور سے سوال کیا۔ اس کا چہرہ خون کی سرخی سے دمکتا نظر آ رہا تھا۔ آنکھوں کا تیکھا پن ظاہر کرتا تھا کہ وہ سخت گیر طبیعت کا شخص ہے۔

"رحمت علی میرا ملازم تھا جسے میں نے کچھ عرصے قبل اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

"ہم۔" ایس پی نے میرے قریب آتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔ "تم نے یقیناً اسی نجی معاملے کو دبانے کی خاطر رحمت علی کو اپنے راستے سے ہٹایا ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" میں نے بظاہر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"بکو مت۔" ایس پی ایک دم چیخ پڑا۔ "سیدھی طرح اقرار جرم کر لو۔ اسی میں تمہاری خیریت ہے ورنہ میں مجرموں کی زبان کھلوانے کے اور بھی بہت سارے کارآمد طریقوں سے واقف ہوں۔"

"لیکن میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ رحمت علی کے قتل سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"کیا کملا کے بارے میں بھی تم حلف اٹھا سکتے ہو کہ تم نے اسے نہیں مارا تھا۔"

ایس پی نے دانت پیستے ہوئے مجھے قہر آلود لہجے میں مخاطب کیا تو میں سہم کر رہ گیا۔ جہاں تک رحمت علی کا تعلق تھا تو میں اس کے لئے نہا دھو کر اور مسجد میں جا کر قرآن اٹھانے کو تیار تھا اس لئے کہ رحمت علی کے قتل کی سازش میں، میں قطعی بے گناہ تھا مگر کملا کے لئے جھوٹا حلف اٹھا لینا میرے بس کی بات نہ تھی۔ ابھی میرا ضمیر اتنا مردہ نہیں ہوا تھا کہ میں محض اپنی زندگی بچانے کی خاطر اپنا ایمان بیچ دیتا۔ یوں بھی مجھے علم تھا کہ جھوٹا حلف اٹھا لینے کے باوجود میری گلوخلاصی آسانی سے نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ میں ایس پی کی بات کا جواب دینے کے بجائے تلملا کر اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ ایس پی نے مجھے خاموش پایا تو کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

"کیوں؟ اب تم خاموش کیوں کھڑے ہو۔ بولو۔ کیا کملا کے قتل میں بھی تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔"

"میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ کملا کی موت میں میرے ذاتی ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔" میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ۔" ایس پی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ "تو گویا تم لوگوں کا کوئی باقاعدہ گروہ ہے۔"

"یہ سراسر بہتان ہے۔" میں جھلا گیا۔ "میرا تعلق کسی گروہ سے نہیں ہے اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے۔"

"ابھی معلوم ہوا جاتا ہے" ایس پی نے مجھے غضبناک نظروں سے گھورا پھر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "کلن خان کو لے آؤ۔"

ا پلٹر تیزی سے ایڑیوں کے بل گھوم کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ میں دانستہ خاموش رہا۔ کلن خاں ...رے میں مجھے پولیس انسپکٹر کی زبانی صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ اس کا شمار شاطر قسم کے مجرموں میں ...تا ہے۔ وہ کون تھا؟ کیا تھا اور کیوں اس نے رحمت علی کے سلسلے میں میرا نام لیا تھا' اس ضمن میں مجھے ...طاق کوئی علم نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب انکا کی شرارت ہے۔ انسانی خون کی فراہمی کے سلسلے میں ...کھرا جواب سن کر اسے بے انتہا غصہ آیا تھا پھر وہ میرے سر پر سے رینگ کر اتر گئی تھی اور اب ...اپتا تھی۔ کیا عجب ہے اس وقت جب میں ایس پی کے سامنے دم سادھے کھڑا ہوں' وہ اپنے وجود کو ...ت دینے کی خاطر رحمت علی کا خون پینے میں مصروف ہو۔

مجھے ایک بار پھر بڑی شدت سے انکا کے پُراسرار وجود پر غصہ آ گیا۔ کوئی شبہ نہیں کہ میرے پاس اس ...ت جو دولت اور امارت تھی اور عیش و آرام کے جو سامان مہیا تھے وہ سب انکا کے پُراسرار وجود کے دم ...تھے لیکن اب جبکہ میں قتل کے الزام میں گرفتار ہو چکا تھا وہ دولت بھلا میرے کس کام کی تھی۔ اگر انکا ...ی درخواست پر غور کر لیا ہوتا تو میں اس نوبت تک کبھی نہ پہنچتا۔ ابھی میں ان ہی باتوں پر غور کر رہا تھا ...پکٹر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس بار وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ...... پستہ قد ہٹا کٹا اور ...م کا ایک شخص بھی تھا جس کے بھرے بھرے مگر کھردرے چہرے پر گھنی مونچھیں بے حد خطرناک ...نی لگ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ یقیناً قاتل ہوگا۔

...رے میں داخل ہو کر اس نے ایک سرسری نظر میرے چہرے پر ڈالی پھر ایس پی کی طرف متوجہ ہو ...بولا۔

"...یت تو ہے روی مہاراج (روی شنکر اس ایس پی کا نام تھا جو مجھے بعد میں معلوم ہوا) کیسے یاد کیا ...ب ...ن خان کو۔"

"...ن خان۔" ایس پی روی شنکر نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "اس شخص کو جانتے ہو؟"

"...وب جانتا ہوں جناب۔ یہ جمیل احمد خان صاحب ہیں۔" کلن خاں نے کچھ ایسے لہجے میں ...یا جیسے وہ ایک زمانے سے مجھ سے واقف رہا ہو۔ اس کے اس سفید جھوٹ پر میرا خون ہی تو کھول ...ن میں بدستور خاموش کھڑا اسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا۔

"...ت علی کا قتل کس نے کیا تھا؟" ایس پی نے پوچھا۔

"...ں میں کلن خاں کے سوا اور کون مائی کا لال ہے جو انسانی خون سے ہولی کھیلنے کی جرأت ..." ...ن خاں نے گردن اکڑا کر کہا۔ "باقی سالے تو تنکیا چور ہیں۔ ہیجڑوں کی اولاد۔"

"...ت علی سے تمہاری کیا دشمنی تھی؟"

"...ت کے سوا کبھی کسی سے اپنی یاری نہیں رہی روی مہاراج۔" کلن خاں بدستور بڑی بے پروائی

سے بولا۔ ''تم اگر منہ مانگے دام چکانے پر تیار ہو جاؤ تو میں تمہارے حکم پر بھی جسے کہو قتل کر سکتا ہوں۔''

''رحمت علی کے قتل پر تمہیں کس نے مامور کیا تھا؟''

اس بار کلن خاں نے جواب دینے کی بجائے میری طرف توجہ سے دیکھا اور پھر مسکرا کر کہنے لگا۔

''تم مجھے کوئی کاغذی خان معلوم ہوتے ہو جمیل احمد۔ تمہارا دم نکلا جا رہا ہے ورنہ میں تو جب بھی پولیس کے نرغے میں پھنسا ہوں ہمیشہ خم ٹھونک کر مقابلے پر ڈٹا رہا۔ تم بھی فکر مت کرو سرکاری مہمان خانے میں دونوں وقت بڑی پابندی سے راشن ملتا ہے۔ رہا محنت مشقت کا کام تو وہ میری مرضی پر منحصر ہے۔ جیل کے سارے لوگ میری شکل دیکھ کر کانپ جاتے ہیں۔''

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' ایس پی نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔ ''رحمت علی کے قتل پر تمہیں کس نے مامور کیا تھا۔؟''

''ایک سگریٹ ملے گی مہاراج۔'' کلن خاں نے ایس پی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈھیٹ بن کر کہا۔ ''قسم بھگوان کی صبح سے دو چار دم لگانے کو ٹوٹا بھی نہیں ملا۔''

میرا خیال تھا کہ روی شنکر کلن خاں کا جواب سن کر اس پر جوتوں اور لاتوں کی بارش شروع کر دے گا مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب روی شنکر نے خود اپنی جیب سے سگریٹ نکال کر اسے پیش کیا اور جلانے کی خاطر پرانے ٹائپ کا اپنا لائٹر بھی فراہم کیا۔

کلن خاں نے سگریٹ جلا کر جلدی جلدی چھ سات لمبے کش لئے پھر اطمینان کا سانس لے کر بولا۔

''اب تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔''

''رحمت علی کا قتل تم نے کس کے کہنے پر کیا تھا؟''

''مایا دیوی کے حکم پر۔'' کلن خاں نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے جواب دیا پھر میری طرف اشارہ کر کے بڑے بے پروائی سے کہا۔ ''ان دیالو ساہو کار نے مجھے دس ہزار روپے محض اسی بنا پر دیئے تھے کہ میں رحمت علی کو ٹھکانے لگا دوں' سو میں نے ایک ہی وار میں اس کی انتڑیاں پیٹ سے باہر کر دیں۔''

''یہ سراسر جھوٹ ہے۔'' میں چیخ اٹھا۔ ''میں نے اسے کوئی رقم نہیں دی نہ ہی پہلے میں نے اس کی صورت دیکھی ہے۔''

''مرد بنو جمیل خاں!'' کلن خاں نے کڑک کر کہا۔ ''اگر تمہارے اندر پولیس کی سختی برداشت کرنے کی ہمت نہیں تھی تو پھر عیاشی کیوں کی تھی۔''

''تت...... تم جھوٹے ہو...... میں تمہیں نہیں جانتا۔'' میں نے براہ راست کلن خاں کو مخاطب کیا۔

''کملا کو تو جانتے ہو گے جس کو تم نے چوپاٹی پر قتل کیا تھا اور پھر اسی چھوکری کی خاطر تم نے مجھے رحمت

علی کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ اتنی جلدی ہیجڑوں کی طرح رونے کیوں لگے۔ مرد بنو جمیل خاں' اب جب ساری بات پولیس کو معلوم ہو گئی ہے تو مزید چھپانے سے معاملہ اور بگڑ جائے گا۔''

ایس پی روی شنکر مجھے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا اور میری حالت یہ تھی کہ خوف کے مارے سرتاپا لرز رہا تھا۔ کلن خاں نے جس بے باکی سے مجھ پر رحمت علی کے قتل کا الزام لگایا تھا' اس میں میری بچت کا کوئی پہلو نظر نہ آتا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت تو مجھے اس بات پر ہوئی تھی کہ آخر اس نے مجھے شناخت کس طرح کر لیا اور اس نے میری بگڑی ہوئی عادتوں کے بارے میں اتنی واقفیت کیسے حاصل کر لی۔

کمرے میں کچھ دیر تک سناٹا طاری رہا پھر ایس پی کے اشارے پر کلن خاں کو باہر لے جایا گیا۔ میں اور ایس پی تنہا رہ گئے تو ایس پی نے مجھے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔

''کیا اب بھی تم کملا اور رحمت علی کے قتل سے انکار کرو گے؟''

''میں بے قصور ہوں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔'' میں نے کانپتی آواز میں جواب دیا۔

''ہوں۔ گویا اب مجھے تمہاری زبان کھلوانے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' روی شنکر نے بڑے خشک لہجے میں کہا پھر غصے میں پیچ و تاب کھاتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

☆==========☆==========☆

جس روز مجھے گرفتار کیا گیا تھا اسی روز مجھے پولیس نے ایک مقامی عدالت میں پیش کر کے ایک ہفتے کا ریمانڈ حاصل کر لیا۔ اس ہفتے میں میرے اوپر کیا کچھ گزری' یہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ ایس پی اور اس کے کارندوں نے مجھے جس طرح زدوکوب کیا اور جو مظالم میرے اوپر ڈھائے انہیں یاد کر کے آج بھی میں خوف سے کانپ اٹھتا ہوں۔ بہرحال میں اپنے فیصلے پر قائم رہا اور آخری وقت تک یہی کہتا رہا کہ کملا اور رحمت علی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ہفتے بعد مجھے دوبارہ عدالت کے روبرو پیش کیا گیا جہاں سے مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

جیل پہنچ کر میں نے قدرے سکون کا سانس لیا یہاں کم از کم مجھے کسی سختی کا اندیشہ نہیں تھا۔ اپنے دفاع کے لئے میں نے ایک کے بجائے تین تین وکیلوں کو کھڑا کیا تھا۔ وکیلوں نے جب مجھ سے حالات پوچھے تو میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ آج تک جو کچھ بھی ہوا ہے' ان تمام واقعات کی ذمے داری مجھ پر نہیں بلکہ انکا کے پُراسرار وجود پر عائد ہوتی ہے جو میرے سر پر مسلط ہو گئی تھی اور مجھے جیل خانے تک پہنچا کر نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔

وکیلوں نے انکا کے تذکرے پر جس انداز میں میری صورت دیکھی اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے دماغی مرض میں مبتلا سمجھ رہے ہیں۔ میں نے انہیں قسمیں کھا کھا کر یقین دلانا چاہا تو وہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ پیشی پر دیکھا جائے گا مگر جب مقدمہ پیش ہوا تو پہلے ہی دن پولیس نے میرے خلاف جو ثبوت

پیش کئے وہ بے حد وزنی اور مربوط تھے۔ کلن خاں کی گواہی نے میرے وکیلوں کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ میرے بچاؤ کے لئے کیا اقدام کریں۔ کلن خاں نے میرے بارے میں تفصیل سے عدالت کو بتایا۔

پولیس کے گواہ ختم ہوئے تو مجھے عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں سر جھکائے مجرموں کے کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے میرے تینوں وکیل باری باری مجھ پر سوالات کرتے رہے پھر سرکاری وکیل کا نمبر آیا تو میں ایک خاص رائے قائم کر چکا تھا!

"تمہارا نام جمیل احمد خاں ہے؟" سرکاری وکیل نے میرے قریب آتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔ میرا نام جمیل احمد خاں ہے۔"

سرکاری وکیل کچھ دیر تک مجھ سے ادھر ادھر کے سوالات کرتا رہا پھر یکلخت اس نے اپنے سوالات کا رخ بدلا اور اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

"کیا یہ غلط ہے کہ شادی سے قبل تم عیاشی کی خاطر ہر رات ایک نئی عورت یا لڑکی کو اپنے مکان پر لایا کرتے تھے؟"

میں نے کوئی جواب دینے کی بجائے سر جھکا لیا۔

"تمہاری خاموشی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ میں نے کہا وہ غلط نہیں ہے۔"

عدالت میں آنے کا یہ میرا پہلا موقع تھا' میں بری طرح نروس ہو چکا تھا۔ مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا چنانچہ میں بدستور خاموش رہا۔

"کملا بھی یقیناً ان لڑکیوں میں سے ایک رہی ہو گی جسے تم پہلے بہلا پھسلا کر اپنے گھر لائے پھر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور بعد میں جب تمہیں اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ کملا کا بیان تمہیں ایک لمبی سزا کا مستحق قرار دے سکتا ہے تو تم اسے چوپاٹی لے گئے جہاں اسے گلا گھونٹ کر جان سے مار ڈالا۔ بولو! کیا تم اس بات سے انکار کر سکو گے؟"

مجھے اس سوال کی توقع تھی اور اس سوال کے مناسب جواب پر میری زندگی اور موت کا انحصار تھا۔ یہ سوال کچھ ایسے چونکا دینے والے انداز میں کیا گیا کہ میں پہلے تو ٹپٹا گیا۔ میں ایک لمحے خاموش رہا کہ عدالت میں کیا اعتراف کروں مگر میری مزید خاموشی خطرناک صورت حال پیدا کر سکتی تھی۔ کلن خاں نے میرے ماضی کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ کملا کے قتل سے میرا بچاؤ مجھے ناممکن سا لگ رہا تھا۔ سو میں نے ہارے ہوئے جواری کی طرح سر جھکا کر کہا۔

"میں کسی بات سے انکار نہیں کروں گا لیکن جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں میرے ذاتی ارادے کا کوئی

دخل نہیں تھا۔" میں نے اپنے منتشر حواس پر قابو پانے کی کوشش کی اور طے کئے ہوئے منصوبے کے تحت ٹھہری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کیا تم عدالت کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ کملا کے قتل اور رحمت علی کو جان سے مار ڈالنے کی سازش میں تمہارے ساتھ کچھ اور بھی جرائم پیشہ افراد شامل تھے؟"

"نہیں۔" میں نے نظر اٹھا کر عدالت میں بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا پھر بولا۔ "میرے ساتھ کوئی دوسرا شخص شریک نہیں تھا۔"

"پھر تم نے کملا کو کس کے کہنے پر قتل کیا تھا؟" سرکاری وکیل نے تیزی سے پوچھا۔

"مجھے کملا کو مارنے کے لئے انکا نے مجبور کیا تھا۔" میں نے بڑی صفائی سے جواب دیا۔

"انکا۔ یہ کون ہے؟"

"وہی جس نے رحمت علی کے قتل کی سازش میں مجھے پھنسا دیا ہے۔"

"لیکن وہ ہے کون......؟" سرکاری وکیل نے بگڑے ہوئے تیور سے دریافت کیا۔

"آپ یقین نہیں کریں گے' وہ ایک پُراسرار وجود ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ پھر کملا کے قتل سے لے کر اپنی گرفتاری تک کے تمام واقعات دہرا ڈالے۔ نرگس کے منگیتر کے قتل کا اعتراف اس موقع پر مناسب نہیں تھا۔ اپنی دولت کے متعلق بھی میں بہت سے حقائق گول کر گیا۔

میرا بیان ختم ہوا تو عدالت میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ہر شخص مجھے یوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا جیسے خود میرا وجود بھی ان کے لئے کوئی پُراسرار اہمیت کا حامل تھا۔ چند ساعت تک سرکاری وکیل میرے چہرے کو تکتا رہا پھر اونچی آواز میں بولا۔

"مسٹر جمیل۔ تم نے جس صفائی سے ایک خوبصورت کہانی بنائی ہے اس کی داد دی جا سکتی ہے۔ اس طرح تم خود کو دیوانہ اور پاگل ثابت کر کے عدالت سے رحم طلب کرنا چاہتے ہو۔"

"آپ جو چاہیں نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں' میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ میں نے جو کچھ بھی انکا کے بارے میں کہا ہے' اس کا ایک ایک حرف صداقت پر مبنی ہے۔" میں اب سنبھل کر بول رہا تھا۔

"کیا اس وقت بھی انکا تمہارے سر پر مسلط ہے؟"

"جی نہیں۔"

"تم نے اسے کس حیثیت سے محسوس کیا ہے؟"

"ایک خوبصورت' جوان اور حسین و جمیل لڑکی کی صورت میں جس کا وجود صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ اسے انسانی خون فراہم ہوتا رہے۔ مجھے معلوم ہے کہ کوئی بھی اس دور میں ایسے پُراسرار وجود پر یقین نہیں کرے گا مگر میں حلفیہ آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔"

"خوب، گویا تم نے محض انکا کے پُراسرار وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر اس کی فرمائش پر کملا کو قتل کیا تھا۔" وکیل کے لہجے میں طنز اور تمسخر تھا۔

"ہاں! اگر میں ایسا نہ کرتا تو انکا یقیناً مجھے کسی مصیبت میں پھنسا دیتی۔ میں اس کی پُراسرار قوت کے کرشموں کو دیکھ چکا تھا اس لئے اس کے اشارے پر چلنے پر مجبور تھا۔"

"رحمت علی کے قتل کے سلسلے میں بھی کیا تم انکا کے پُراسرار وجود کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کرو گے؟" سرکاری وکیل نے تلخ آواز میں سوال کیا۔

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ انکا ہی کی شرارت ہے۔"

"می لارڈ۔" سرکاری وکیل نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "مجرم جمیل احمد خان عدالت کے روبرو کھڑا قاتل ہونے کا اقرار کر چکا ہے۔ اس کے پاس چونکہ پولیس کی طرف سے پیش کئے جانے والے ٹھوس ثبوت اور گواہوں سے بچنے کا کوئی اور مؤثر طریقہ نہ تھا اس لئے مجرم ایک فرضی پُراسرار وجود کی آڑ لے کر خود کو عدالت کی نظروں میں رحم کا مستحق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن میں عدالت عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجرم کو کسی رعایت اور ہمدردی کا مستحق نہ سمجھا جائے۔ انکا کا نام اور وجود محض فرضی ہے اور مجرم کے ذہن کی اختراع ہے کوئی بھی سنجیدہ شخص ان بے سروپا داستانوں پر یقین نہیں کر سکتا۔

"مجرم جمیل احمد خاں نے کملا کے قتل کا اقرار کرنے کے بعد محض اپنے بیان میں زور پیدا کرنے کی خاطر رحمت علی کی موت کا ذمہ دار ہونے سے انکار کیا ہے جبکہ کلن خاں رنگے ہاتھوں موقع پر گرفتار ہوا ہے اور اس نے اس بات کا اقرار بھی کر لیا ہے کہ رحمت علی کا قتل گو کہ اس کے ہاتھوں ہوا لیکن قتل کی اس سازش میں مجرم جمیل احمد خان بھی برابر کا ذمے دار ہے کیونکہ اس نے قاتل کلن خاں کو دس ہزار روپے محض اس لئے دیے کہ رحمت علی جو کملا کے سلسلے میں واحد خطرہ تھا' درمیان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے۔

"پولیس کے فراہم کردہ ثبوت اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں' میں عدالت عالیہ سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ مجرم جمیل احمد خان کو پھانسی کا حکم دیا جائے۔"

سرکاری وکیل نے اپنی پُرجوش تقریر ختم کی تو میرے تینوں وکیل اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے سرکاری وکیل کے مشورے پر شدید اعتراض کئے۔ انہوں نے مجھے ہر طریقے سے بچانے کی کوشش کی اور ان دس ہزار روپوں کے بارے میں بحث کی کہ وہ کلن خاں کو کب، کہاں اور کس شکل میں ادا کئے گئے تھے۔ میرے وکیلوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ قتل کا اصل سبب کیا ہے۔ انہوں نے طویل بحث و مباحثہ کے بعد عدالت کو یہ باور کرنے پر مجبور کیا کہ میری ذہنی حالت ابھی ٹھیک نہیں ہے' حالات نے

میرے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا ہے جس کی وجہ سے میں ادھر ادھر کی ہانک رہا ہوں چنانچہ سب سے پہلے کسی ماہر ڈاکٹر سے میری ذہنی کیفیت کا باقاعدہ معائنہ کرایا جائے اس کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کیا جائے۔

میں ایک خاموش تماشائی کی طرح چپ چاپ کھڑا اپنے وکیلوں کے پیش کردہ دلائل سنتا رہا اور دل ہی دل میں حالات کی اس ستم ظریفی پر ماتم کرتا رہا جس نے مجھے ایک عجیب اور مضحکہ خیز سچویشن سے دوچار کر دیا تھا۔ ایک بار تو میرے دل میں آئی کہ میں انکا کے وجود سے انکار کر کے اقبال جرم کر لوں اور پھانسی کے پھندے کو خوشی خوشی اپنے گلے میں ڈال لوں تاکہ اس زندگی سے چھٹکارا مل جائے جو میرے لئے جہنم زار بن چکی تھی لیکن نرگس کے خیال نے مجھے اس خطرناک ارادے سے باز رکھا۔

سرکاری وکیل اور میرے وکیلوں کے درمیان کافی دیر تک گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ پھر عدالت نے میرے وکلاء سے اتفاق کرتے ہوئے یہ حکم سنا دیا کہ پہلے مجھے ماہرین کے پورے بورڈ کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ اس بات کی تصدیق ہو سکے کہ میں کسی ذہنی فتور میں مبتلا ہوں یا جان بوجھ کر دیوانگی کی باتیں کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کیس دوسری تاریخ کو پیش کیا جائے۔ دوسرے ہی دن مجھے ایک میڈیکل بورڈ کے سامنے پیش کر دیا گیا جو تین ڈاکٹروں پر مشتمل تھا۔ ان تینوں میں سے ایک پارسی ڈاکٹر کاؤس جی میرا شناسا بھی تھا لیکن میں نے دیدہ دانستہ بقیہ ڈاکٹروں کی موجودگی میں اس سے اپنی واقفیت کا اظہار مناسب نہ سمجھا۔

پانچ چھ گھنٹے تک مجھے ان ڈاکٹروں نے الجھائے رکھا۔ ماہرین دماغ نے مختلف قسم کے آلات کے ذریعے میری دماغی حالت کا جائزہ لیا۔ اس دوران وہ اپنے اپنے معائنے کے نتائج بھی علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر درج کرتے جا رہے تھے۔ پھر جب مجھے ان آلات سے چھٹکارا ملا تو ماہرین نے مجھ سے مختلف نوعیت کے سوالات کئے جن کا جواب میں بڑے صبر و تحمل سے دیتا رہا۔ آخر میں' میں نے ان تینوں ڈاکٹروں کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میری ذہنی حالت بالکل ٹھیک ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو کچھ میں نے انکا کے پُراسرار وجود کے بارے میں کہا ہے' وہ بھی غلط نہیں ہے۔

ماہرین نے میری حالت کے بارے میں کیا نتیجہ اخذ کیا تھا اس کا علم مجھے دوسری پیشی پر ہو گیا۔ مجھے ذہنی طور پر قطعی تندرست بتایا گیا تھا چنانچہ مقدمے کی کارروائی از سر نو شروع ہوئی۔ میرے تینوں وکیلوں نے مجھے بچانے کی جان توڑ کوشش کی لیکن اس عرصے میں پولیس والوں نے دو چار اور ثبوت بھی ایسے پیش کر دیے جن کے آگے میرے وکلا کی ایک نہ چلی۔ جہاں تک میرا تعلق تھا میں اپنے اسی بیان پر قائم تھا کہ کملا اور رحمت علی کے قتل میں انکا کی پُراسرار قوت کا دخل ہے۔

مقدمے کی پیشیاں چار ماہ تک ہوتی رہیں۔ اس عرصے میں نرگس نے متعدد بار مجھ سے ملاقات کی۔ مجھے یقین دلایا کہ وہ اپنے ذرائع بھی استعمال کر رہی ہے اور اسے میرے بچ جانے کی قوی امید ہے۔

لیکن اس کی یہ خوش فہمی بھی زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکی۔ مقدمے کا فیصلہ میرے خلاف سنا دیا گیا۔ مقدمے کو پیچیدہ اور مبہم کرنے کی کوشش میں میرے وکیل صرف اس قدر کامیاب ہوئے کہ عدالت نے میرے ساتھ رعایت کردی اور پھانسی کے بجائے مجھے چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی۔ جس روز میرے مقدمے کا فیصلہ ہونے والا تھا اس روز نرگس بھی عدالت میں موجود تھی۔ اسے امید تھی کہ میں بچ جاؤں گا لیکن جس وقت مجھے سزا کا حکم سنایا گیا' نرگس کی حالت یکدم غیر ہوگئی۔ میں نے اسے دلاسا دینا چاہا تو جابر سپاہیوں نے مجھے اس کی اجازت نہ دی اور مجھے قیدیوں والی لاری میں ٹھونس کر جیل پہنچا دیا گیا۔

جس قید خانے میں مجھے رات گزارنی پڑی تھی وہاں عموماً خطرناک قیدیوں کو بند کیا جاتا تھا۔ دن بھر مجھے سنتری کولھو کے بیل کی طرح جوتے رکھتے اور رات کو مجھے دوبارہ اسی کال کوٹھری میں لا کر بند کر دیا جاتا جہاں تنہائی میں' میں تمام رات رو رو کر گزار دیتا تھا اور دل ہی دل میں انکا کے پُراسرار وجود کو دل بھر کر گالیاں بکتا تھا جس نے مجھے مصیبت میں پھنسا دیا تھا اور خود نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔ بہرحال مجھے اس بات پر مسرت بھی تھی کہ انکا نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے اور جب میں اپنی قید پوری کر کے باہر جاؤں گا تو وہ مجھے دوبارہ جرم کرنے پر نہ اکسا سکے گی۔

جس روز مجھے سزا سنائی گئی تھی اس سے ساتویں روز نرگس مجھ سے ملنے کے لئے آئی۔ نہ جانے اس وفا شعار عورت نے کن کن مصیبتوں سے مجھ سے ملنے کی اجازت حاصل کی ہوگی۔ ہم دونوں آمنے سامنے آئے تو میں نے شرمندگی کے اظہار کے طور پر اپنی نظریں نیچی کرلیں۔ ایک مسلح سنتری برابر ہمارے سر پر مسلط تھا۔

"پریشان مت ہوں جمیل۔" نرگس نے مجھے رندھی ہوئی آواز میں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے وکیلوں سے مشورہ کرلیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اپیل میں آپ کی سزا کچھ کم ہو جائے۔"

"اپیل وغیرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا نرگس۔" میں نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا۔ "تم کہاں تک عدالتوں میں دھکے کھاتی پھرو گی۔"

"مایوسی کی بات کیوں کرتے ہیں آپ...... خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نرگس جلدی سے بولی پھر اس نے کہا۔ "آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے ہر ہفتے آپ سے ملنے کی اجازت لے لی ہے۔"

"نرگس۔ ایک بات کہوں۔"

"کہئے۔ مگر اداس باتیں نہ کیجئے۔"

"میری مانو تو اب تم واپس اپنے والدین کے پاس چلی جاؤ۔ یہاں رہ کر تمہیں مصیبت ہی ہوگی۔"

"کیا آپ کا دل چاہے گا کہ میں آپ سے دور ہو جاؤں۔"

نرگس نے بھیگی بھیگی پلکوں سے جس التجا آمیز انداز میں میری طرف دیکھا اس سے میرا دل تڑپ کر رہ گیا۔ ضبط کرنے کے باوجود میں بے اختیار رو پڑا۔

"آپ کو میری قسم جو روئے۔" نرگس نے جلدی سے کہا۔ "جب اچھے دن نہیں رہے تو برے دن بھی گزرتے دیر نہیں لگے گی۔ پھر یہ بھی تو سوچئے کہ آپ کو چھوڑ کر بھلا میں کہاں خوش رہ سکتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے نرگس کہ میں تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکا۔"

"خدا کے لئے مجھے گنہگار نہ کیجئے۔ آپ جیسے بھی ہیں میرے ہیں۔"

ٹھیک دس منٹ بعد سنتری نے ہم دونوں کو علیحدہ ہونے کا حکم سنا دیا' اس لئے کہ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ اس وقت میرے دل پر کیا گزاری اس کا اندازہ میرے سوا کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا تھا۔ بہرحال میں چاروناچار دل پر جبر کر کے واپس اپنی کال کوٹھری میں آ گیا جہاں ہر طرف ویرانی اور وحشت میری منتظر تھی۔

اس رات میں بے حد بے چین رہا اور نرگس کو یاد کر کے آنسو بہاتا رہا۔ کس وقت نیند کا غلبہ مجھ پر طاری ہوا مجھے کچھ یاد نہیں' ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ جب دوسری بار میری آنکھ کھلی تو اس وقت میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ شاید درد کی شدت ہی کی وجہ سے میری آنکھ کھلی تھی۔ میں نے فرش پر بچھے ہوئے کھردرے کمبل پر دوسری طرف کروٹ بدلی اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے کی غرض سے آنکھیں بند کرلیں مگر پھر فوراً ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس بار مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شے میرے سر پر رینگ رہی ہو۔ پہلے تو میں یہی سمجھا کہ کوئی کیڑا مکوڑا ہوگا لیکن جب میں نے انکا کے پُراسرار وجود کو دوبارہ عالم تصور میں اپنے سر پر دیکھا تو جیل کی کال کوٹھری میں ہونے کے باوجود میں لرز کر رہ گیا۔

انکا جس نے مجھے جمشید کے قتل پر آمادہ کر کے میری زندگی کو ایک خطرناک راستے پر ڈال دیا تھا...... انکا جس نے مجھے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں بمبئی آنے پر مجبور کیا تھا...... انکا جس نے بمبئی میں مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھایا تھا اور عیش ہی عیش کرائے تھے۔ انکا...... جس نے اپنے پُراسرار وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر کملا جیسی خوبصورت اور حسین لڑکی کا قتل میرے ہاتھوں کرایا تھا۔ انکا جس نے نرگس سے میری شادی کرائی تھی۔ انکا جس نے مجھ سے خفا ہو کر رحمت علی کے قتل کے سلسلے میں مجھے چودہ سال کے لئے اپنی زندگی کی خوشیوں سے بہت دور جیل خانے میں لا ڈالا تھا۔ وہی انکا اس وقت میرے سر پر مسلط تھی۔

میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میرا دل چاہا کہ اچانک اپنا سر زور سے سنگلاخ دیوار سے ٹکراؤں کہ میرے سر کے ساتھ ساتھ انکا کا منحوس وجود بھی پاش پاش ہو جائے لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں جانتا

تھا کہ میری اس حرکت سے انکا کو کوئی گزند نہ پہنچے گا البتہ نرگس زندہ درگور ہو جائے گی۔ چنانچہ میں دل مسوس کر رہ گیا۔ دوسری طرف انکا بڑے سکون اور آرام سے میرے سر پر براجمان تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ جاگ رہی ہے۔ اس کے چہرے پر زندگی کی ساری مسرتیں نمایاں ہیں۔ اس کی آنکھوں میں کامیابی کی چمک بڑی پُر اسرار لگ رہی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے مستقل گھورے جا رہی ہے ایسی نظروں سے جن میں طنز تھا۔

چند لمحے میں انکا کو محسوس کرتا رہا پھر میں نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دوبارہ کمبل پر لیٹ رہا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس کے ناپاک وجود سے کبھی ہم کلام نہ ہوں گا نہ ہی اس کے کہنے پر عمل کروں گا۔ وہ اگر میرے سر پر رہتی ہے تو رہا کرے۔ مجھے کیا۔ جب اسے انسانی خون کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ خود ہی میرا پیچھا چھوڑ دے گی۔ چودہ سال تک وہ بغیر خون پئے اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔

ابھی میں یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ انکا رینگتی ہوئی میرے شانوں پر آ گئی پھر اس کی مانوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''جمیل صاحب۔ کیا نیند بہت زیادہ ستا رہی ہے؟''

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور آنکھیں بند کئے لیٹا رہا۔

''مجھ سے ناراض ہو۔ کیوں۔'' انکا نے دوبارہ سرگوشی کی پھر تھوڑے توقف کے بعد بولی۔ ''مجھے تمہارے اوپر ترس آ رہا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس قید تنہائی سے نجات دلا سکتی ہوں لیکن شرط وہی پرانی ہوگی۔ کہو اب کیا خیال ہے۔''

''دفع ہو جاؤ۔'' میں تلملا کر اٹھ بیٹھا۔ ''مجھے تمہاری کوئی شرط منظور نہیں ہے۔''

''کیا چودہ سال تک یہیں رہنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔''

''ہاں۔'' میں نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

''کیا تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ان چودہ سالوں میں نرگس بے چاری پر کیا بیتے گی۔ اپنے لئے نہ سہی لیکن نرگس کے لئے تمہیں کچھ سوچنا چاہئے۔''

انکا نے نرگس کا ذکر چھیڑا تو میرا دل بھر آیا۔ زخم تازہ ہوئے تو میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ نرگس میری زندگی میری جان۔ حالات کی ستم ظریفیوں نے مجھے اس سے کس قدر دور کر دیا تھا۔

''تم یہاں سے چھٹکارا حاصل کر لو تو بمبئی سے کہیں دور جا کر زندگی بسر کر سکتے ہو۔ نرگس کے ساتھ۔''

''لیکن یہاں سے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی؟'' میں نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔ نرگس کے تذکرے نے میرے سارے فیصلوں کو درہم برہم کر ڈالا تھا۔

''میرے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔ صرف تمہارے حکم کی دیر ہے۔ میں ایسے حالات پیدا کر دوں گی کہ تم یہاں سے بہ آسانی نکل سکتے ہو۔''

میں نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا کے ساتھ از سر نو عہد کر لینے کی صورت میں مجھے اس کال کوٹھری سے چھٹکارا ابھی مل سکتا تھا اور میں نرگس کو ساتھ لے کر بمبئی سے کہیں دور دراز مقام پر فرار بھی ہو سکتا تھا لیکن میں یہ بات بھی بخوبی جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا...؟

مجھے انکا کے لئے ہر ماہ ایک انسانی زندگی کو موت کے گھاٹ اتارنا ہوگا اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ مجھے زندگی بھی خانہ بدوشوں کی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگے بھاگے پھرنا پڑے اور ایک وقت ایسا بھی آ جائے جب دنیا میں کوئی جگہ بھی میرے لئے محفوظ نہ رہے۔

میں خاصی دیر تک انکا کی پیش کش کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے طیش میں آ کر اس سے رحمت علی کے قتل کے بارے میں پوچھا۔

''رحمت علی کو کس نے قتل کیا تھا؟''

''کلن خاں نے۔''

''اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کلن خاں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا لیکن اس نے خوامخواہ میرا نام کیوں لیا تھا۔ میں نے اس حرامزادے کو پہلے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔''

''یہ بات اس کے ذہن میں میں نے بٹھائی تھی کہ وہ تمہارا نام لے دے۔ میں نے اسے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔''

''مگر تمہیں میرے ساتھ کیا پُر خاش تھی۔'' میں چڑ کر بولا۔

''تم نے چونکہ میرے ساتھ بدعہدی کی تھی اس لئے تمہیں تھوڑا سا سبق دینا ضروری تھا۔'' انکا نے اتراتے ہوئے کہا۔ ''جس وقت تم ایس پی روی شنکر سے گفتگو کر رہے تھے اور اس نے کلن خاں کو بلایا تھا اس وقت میں کلن خاں کے سر پر موجود تھی۔ میں ایسا نہ کرتی تو وہ تمہیں شناخت نہ کر سکتا تھا۔ عدالت میں اس وقت وہ بیان دے رہا تھا اس وقت بھی میں اس کے سر پر مسلط تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ کوئی غلط بیان نہ دے بیٹھے۔ سو میں اس مقدمے میں ہر موقع پر اسے ہدایات دیتی رہی اور میں نے تمہارے ساتھ اتنی ہمدردی ضرور کی کہ تمہیں پھانسی سے بچوا دیا۔''

''ہمدردی۔'' میں نے کہا۔ ''اور تم نے مجھ سے خوب ہمدردی کی کہ مجھے اس کال کوٹھری تک پہنچوا دیا''

''ہاں۔ اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہاں سے نکلوا بھی سکتی ہوں۔'' انکا بڑی ڈھٹائی سے بولی۔

''اگر میں تم سے عہد کرنے سے انکار کر دوں تو؟'' میں یونہی پوچھ بیٹھا۔

"ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ تمہیں پورے چودہ سال تک اسی کال کوٹھری میں ایڑیاں رگڑنی پڑیں گی۔"

"کیا تم اس تمام مدت میں بغیر خون پئے اپنے وجود کو برقرار رکھ سکو گی۔"

"ناممکن ہے۔" انکا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر جمیل صاحب اطمینان رکھو میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ یہ سب تو میرے اوپر منحصر ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں یا نہیں۔ جب مجھے خون کی ضرورت پیش آئے گی تو میں کچھ دنوں کے لئے تم سے رخصت ہو جایا کروں گی اور دوبارہ پھر آ جاؤں گی۔"

"آخر تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔" میں تنگ کر بولا۔

"یہ میری مرضی پر منحصر ہے جمیل صاحب۔"

انکا نے بے پروائی سے جواب دیا پھر وہ رینگتی ہوئی میرے سر پر چلی گئی اور بڑے آرام سے پاؤں پسار کر لیٹ گئی۔ میں اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی آسودہ مسکراہٹ کو محسوس کر رہا تھا۔ کتنا سکون تھا اس کے چہرے پر اور کس قدر حیات افزا مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس کے ہونٹوں پر جو گلاب کی دو نازک پنکھڑیوں کی طرح مجھے سرخ سرخ نظر آ رہے تھے۔

"میں اب تمام زندگی تمہارے لئے کسی انسان کو قتل نہیں کروں گا۔ سنا تم نے۔" انکا کی آنکھوں میں جھلکنے والے سکون کو دیکھ کر میں تلملا اٹھا لیکن انکا نے بدستور اسی بے پروائی سے جواب دیا۔

"نہ کرو کسی کو قتل۔ تمہارے اس ارادے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"میں کہتا ہوں دفع ہو جاؤ تم۔ میرا سر تمہارے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔" میں غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

"سو رہو جمیل صاحب۔ صبح آرام سے باتیں ہوں گی۔" انکا نے ایک طویل جماہی لیتے ہوئے کہا۔ پھر بائیں کروٹ بدل کر بولی۔ "ویسے اب مجھے تمہاری موجودہ حالت پر واقعی کچھ کچھ ترس بھی آ رہا ہے۔"

"اگر تمہیں مجھ سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔" انکا میری بات نظر انداز کر کے بولی۔ "تمہیں پتھریلے فرش پر نیند کیسے آ جاتی ہے جبکہ تم ہمیشہ سے آرام پسند واقع ہوئے ہو۔"

میں ہونٹ کاٹ کر خاموش رہ گیا۔ جواب دینے کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکا ایک ایسے پُراسرار وجود کا نام ہے جس کا میں کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ خاصی دیر تک خاموشی کے ساتھ عالم تصور میں انکا کو دیکھتا رہا جو بائیں کروٹ لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ کو سر کے نیچے بطور تکیہ رکھ

چھوڑا تھا اور اپنی نشیلی نشیلی آنکھوں سے وہ برابر مجھے دیکھے جا رہی تھی۔

معاً میرے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ انکا کی پُراسرار قوت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں۔ وقتی طور پر اسے شیشے میں اتار کر میں اپنا اُلو سیدھا کر سکتا تھا۔ بعد کی بات بعد میں دیکھی جاتی۔ لیکن قید خانے سے رہائی کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح سے باعزت طور پر بچ جاؤں تاکہ مجھے مفرور مجرموں کی طرح پناہ گاہوں کی تلاش نہ رہے۔ بہت دیر تک میں اپنے منصوبے کو مختلف زاویوں سے ناپتا تولتا رہا پھر میں نے ایک سرد آہ بھر کر انکا کو مخاطب کیا۔

"مجھے اپنی ذات کی کوئی فکر نہیں ہے لیکن نرگس غریب مفت میں میری وجہ سے ماری گئی۔"

"کیوں نرگس کو کیا ہوا۔"

"بہت خوب۔" میں جل کر بولا۔ "کیا اب بھی کچھ ہونا باقی رہ گیا۔"

"سمجھی! تمہیں یہ خیال ستا رہا ہے کہ وہ بمبئی جیسے ہنگاموں سے بھرپور شہر میں تنہا زندگی بسر کیسے کرے گی۔"

"ہاں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"میں تمہارے ساتھ تھوڑی رعایت کر سکتی ہوں۔" انکا نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "تم میرے لیے ہر ماہ نہیں تو کم از کم چار ماہ میں ایک انسانی جان کا خون فراہم کرنے کا وعدہ کر لو۔"

"میں یہ شرط ماننے کو تیار ہوں مگر یہاں سے رہائی کیوں کر ممکن ہو گی؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ اتنے سنگین حالات سے دوچار ہونے کے بعد بھی تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہوا جمیل صاحب۔ میں تمہاری رہائی کے ہزاروں طریقے پیدا کر سکتی ہوں۔"

"مجھے علم ہے۔ مگر میں مفرور قیدی کی حیثیت سے یہاں سے بھاگنا پسند نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے کہ تمہیں باعزت طور پر رہائی مل جائے لیکن اتنا یاد رکھو جمیل صاحب کہ اگر بعد میں تم نے بدعہدی کی تو پھر تم میرے عتاب سے کبھی نجات نہیں پا سکو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"یوں نہیں تمہیں نرگس کی قسم کھا کر وعدہ کرنا ہو گا کہ اپنے وعدے سے نہیں پھرو گے۔"

میں نے چار و ناچار نرگس کی جان کی قسم کھا کر وعدہ کر لیا کہ آئندہ کبھی اس سے بدعہدی نہیں کروں گا اور چار ماہ میں ایک انسان کا خون اسے ضرور فراہم کر دیا کروں گا۔ انکا میرے اس عمل پر بے حد خوش تھی اسی خوشی میں وہ نصف رات تک مجھ سے دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی پھر ہم دونوں ہی تھک کر سونے کے ارادے سے لیٹ رہے۔ گفتگو کے دوران میں نے انکا سے پوچھا بھی تھا کہ وہ میری رہائی کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرے گی مگر اس نے یہی جواب دیا تھا کہ یہ سوچنا اس کا کام ہے مجھے بلاوجہ پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔

صبح میں جاگا تو یہ محسوس کر کے چکرا گیا کہ انکا میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ رات کے کس حصے میں وہ میرے سر سے رخصت ہوئی تھی مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ نہ ہی انکا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ یوں اچانک چلی جائے گی۔ مجھے انکا کے اس طرح بغیر کچھ کہے سنے چلے جانے پر غصہ بھی آیا مگر میں یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ دیکھیں کہ وہ اب میری رہائی کے لیے کیا کرتی ہے۔

اس روز رہ رہ کر مجھے انکا کا خیال ستاتا رہا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ انکا ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گی لیکن اس دن وہ واپس نہیں لوٹی۔ دوسرا اور پھر تیسرا دن بھی انکا کے انتظار میں گزر گیا۔ چوتھے روز میں دوپہر کو بیٹھا دوسرے قیدیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں مصروف تھا کہ سنتری میرے قریب آ کر بولا۔

"جلدی کھا چکو، جیلر صاحب تمہیں بلا رہے ہیں۔"

"کیا انہیں مجھ سے کوئی خاص کام ہے؟" میں نے یوں ہی بے خیالی میں پوچھا۔

"واہ بیٹا۔" سنتری نے مجھے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "ابے تُو تو ایسے پوچھ رہا ہے جیسے جیلر صاحب تیرے مشورے ہی کے بھوکے ہیں! کھال میں رہو بیٹا ورنہ چمڑی ادھیڑ کے رکھ دوں گا۔"

میں نے جواب دینے کے بجائے خاموشی سے جلدی جلدی الٹے سیدھے ہاتھ چلانا شروع کر دیئے اور کچے پکے کھانے کو زہر مار کر کے پانی پیا اور اٹھ کر سنتری کے ہمراہ ہولیا۔ پانچ منٹ بعد میں جیلر کے سامنے کھڑا تھا۔

"جانتے ہو میں نے تمہیں کس لئے بلایا ہے؟" جیلر نے مجھے سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"جی نہیں جناب۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تمہاری بیوی نے سابقہ مقدمے میں ہونے والے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کی ہے۔"

میں خاموش رہا تو جیلر نے کچھ توقف کے بعد دوبارہ کہا۔

"کلن خاں نے تمہیں کملا اور رحمت علی کے قتل میں پھنسوانے کی کوشش کیوں کی تھی؟"

"یہ تو وہی بہتر بتا سکتا ہے حضور!" میں نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"لیکن بعد میں تو تم نے خود بھی کملا کے سلسلے میں اقرار کر لیا تھا۔"

"میرے پاس اس کے سوا کوئی اور راستہ جو نہ تھا۔"

"یہ انکا کا کیا قصہ ہے؟" جیلر نے میز سے ایک سگار اٹھا کر جلاتے ہوئے پوچھا۔

"انکا ایک پُراسرار شخصیت کا نام ہے جناب!" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا پھر جیلر کے اصرار پر میں نے انکا کے کچھ واقعات بھی اسے بتا دیئے۔

"کیا یہ غلط نہیں ہے کہ تم نے ایک فرضی کہانی گھڑ کر خود کو بچانے کی کوشش کی تھی؟"

اس بار میں نے کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم ایک باعزت آدمی ثابت ہوئے۔" جیلر نے بڑے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "کلن خاں نے اس بات کا تحریری طور پر اقرار کر لیا ہے کہ اس نے غلط بیانی سے کام لے کر تمہیں کملا اور رحمت علی کے سلسلے میں پھنسوانے کی کوشش کی تھی۔"

"جی۔" میں جیلر کا جملہ سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"گھبراؤ نہیں کلن خاں کا تحریری بیان میرے پاس محفوظ ہے جو اپیل میں یقیناً تمہارے لئے کارآمد ثابت ہوگا۔"

"کملا کے قتل کے سلسلے میں اس نے کیا بتایا ہے جناب؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کملا کو وہ اپنے لئے مخصوص کر کے اس کے ذریعے دولت کمانے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر جب کملا نے انکار کر دیا تو کلن خاں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔"

جیلر مجھے ایک ایسی بات بتا رہا تھا جو ناقابل یقین تھی۔ اس لئے کہ کملا کو خود میں نے اپنے ہاتھوں قتل کیا تھا۔ میں حیران و ششدر کھڑا جیلر کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ کلن خاں نے رحمت علی کو قتل کیا تھا، یہ بات میرے علم میں بھی تھی لیکن کملا کے قتل کو اس نے کیوں اپنے سر لے لیا؟ یہ بات فوری طور پر میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ مجھے جیلر کی باتوں پر کچھ اتنی حیرت ہوئی تھی کہ میں تھوڑی دیر کے لئے انکا کو بھی بھول گیا تھا۔

"کلن خاں کے بیان کے بعد بھی میں تمہیں ایک عام قیدی سمجھنے پر مجبور ہوں تاوقتیکہ تمہاری بیوی کی دائر کردہ اپیل کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ بہرحال میں تمہارے ساتھ یہ رعایت ضرور کر سکتا ہوں کہ کل سے تمہیں کوئی سخت کام نہ دیا جائے۔"

"میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں جناب۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔ میں آج ہی سنتریوں کو تمہارے سلسلے میں مزید ہدایت جاری کر دوں گا۔"

"شکریہ جناب۔" میں نے بڑے ادب سے جیلر کو سلام کیا اور الٹے قدموں باہر آ گیا۔

رات کو میں اپنی کال کوٹھری میں پہنچا تو میرا دل آنے والی خوشیوں سے سرشار تھا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا قید سے ضرور نجات دلا دے گی۔ جس کے بعد میں نرگس کے ساتھ چین کی بنسری بجا سکوں گا مگر

جہاں مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ کلن خاں کا تحریری بیان مجھے باعزت طور پر رہائی دلا دے گا وہاں میں اس بات پر بھی بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ آئندہ کے لئے مجھے انکا کے سلسلے میں کیا رویہ اختیار کرنا ہوگا اور میں کیوں کر اس سے نجات حاصل کرسکوں گا؟

بہر حال میں نے اس بات کا فیصلہ کرلیا تھا کہ قید خانے سے رہائی حاصل ہوتے ہی سب سے پہلے انکا کے وجود سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش ضرور کروں گا خواہ اس کا انجام کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو!!

میں اپنی کال کوٹھری میں پتھریلے فرش پر لیٹا ان باتوں پر غور کر رہا تھا جو مجھے جیلر نے بتائی تھیں۔ یہ بات تو مجھے بھی معلوم تھی کہ نرگس نے میری سزا کے خلاف اپیل دائر کردی ہے۔ اس کا تذکرہ مجھ سے نرگس پہلے ہی کرچکی تھی لیکن یہ بات کہ کلن خاں نے تحریری طور پر کملا کو قتل کرنے کا اعتراف کرلیا ہے، میرے لئے واقعی تعجب خیز تھی اس لئے کہ کملا کو میں نے اپنے ہاتھوں سے چوپاٹی کے ویران ساحل پر بڑی بے دردی کے ساتھ گلا گھونٹ کر مارا تھا۔ ایک طرف تو میرا ذہن کلن خاں کے تحریری بیان میں الجھا ہوا تھا اور دوسری طرف مجھے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ اب میں بہت جلد رہا ہو جاؤں گا لیکن ان دو باتوں کے علاوہ ایک تیسری فکر بھی میرے ذہن پر سوار تھی اور وہ تھی انکا کی پُراسرار شخصیت۔

انکا ایک پُراسرار وجود۔ ایک ایسا عجیب و غریب وجود جسے میں نہ دیکھ سکتا تھا اور نہ میں اسے سر سے بے دخل کرسکتا تھا۔ وہ وجود جو ایک خوبصورت نسوانی پیکر لئے میرے تصور میں ابھرتا تھا جس کے جسم کے نشیب و فراز میں اپنے سر پر محسوس کرتا تھا۔ اس پُراسرار ہستی نے میرے سر پر قبضہ کر کے مجھے بالکل بے بس کردیا تھا۔ وہی انکا اب کئی پُراسرار تماشے دکھانے کے بعد ایک اور کھیل کھیل رہی تھی۔

میں نے انکا سے یہ وعدہ ضرور کرلیا تھا کہ میں اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے ہر چار ماہ بعد اسے ایک ہٹے کٹے انسان کا خون فراہم کروں گا لیکن سچ پوچھئے تو میں نے یہ وعدہ محض جیل سے گلوخلاصی حاصل کرنے اور نرگس کی پریشانیوں کے باعث کرلیا تھا ورنہ حقیقت بالکل اس کے برعکس تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جیل سے رہائی حاصل کرتے ہی میں انکا کے پُراسرار وجود سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور تلاش کروں گا۔ مجھے معلوم تھا کہ میری بدنیتی انکا سے مخفی نہ رہے گی لیکن مجھے انکا سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کسی طور تو سوچنا تھا۔ میں خود کو انکا کے رحم و کرم پر قطعاً نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

تمام رات یوں ہی ذہنی جمناسٹک کرتا رہا۔ مجھے کب نیند آئی اور کب میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا، مجھے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ صبح جب سنتری نے مجھے جگایا تو میرے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ میں رات دیر تک جاگتا رہا تھا لیکن سنتری کی خوفناک مونچھوں اور اس کے بھیانک چہرے پر

نظر پڑتے ہی میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسری صورت میں ممکن تھا کہ وہ اپنے وزنی بوٹوں کی ٹھوکر سے میری خیریت دریافت کر بیٹھتا جیسا کہ وہ پہلے کئی بار میری کمر دہری کرچکا تھا۔ خطرناک قسم کے قیدیوں کے ساتھ جیل خانے کے سنتریوں کا رویہ کچھ ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ سنتری مجھے اٹھانے کے لئے جارحانہ قسم کے آزمودہ نسخے کا مظاہرہ کرتا میں خود اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں بے۔ کیا آج تیرا چائے پانی کو دل نہیں کر رہا۔" سنتری نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے مجھے ٹیڑھی نظروں سے گھورا تو میری روح فنا ہوگئی۔ میں نے تھوک نگل کر جلدی سے کہا۔

"معاف کردو سنتری جی۔ آئندہ کبھی دیر سے نہیں اٹھوں گا۔"

"دیر سے اٹھے گا تو چمڑی نہ ادھیڑ کے رکھ دوں گا۔ سالے پندرہ سال ہوگئے مجھے تم جیسوں سے نمٹتے ہوئے۔ بڑے بڑے سورماؤں کو اٹین شن کر کے رکھ دیا ہے..... تو کیا بیچتا ہے۔"

"غلطی ہوگئی سنتری صاحب۔" میں سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "رات آنکھ دیر سے لگی تھی اس لئے....."

"بند کر بکواس۔" سنتری میرا جملہ درمیان سے اچک کر غرایا۔ "استادوں سے داؤ کر رہا ہے۔ چل..... سیدھی طرح اگل دے کہ تو کل اپنے جیلر صاحب سے کیوں ملا تھا۔"

"میں ان سے خود نہیں ملا بلکہ جیلر صاحب نے مجھے ایک اشد ضروری کام سے بلایا تھا۔" میں نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ظاہر ہے کہ کلن خاں کے تحریری بیان کے سلسلے میں میرا کسی اور سے کچھ کہنا دانش مندی کے منافی تھا۔ اس لئے میں نے سنتری کو گول مول جواب دیا۔ مگر میرا جواب سن کر اس ظالم نے مجھے جن خونخوار نظروں سے گھورا اس میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چند لمحوں تک وہ مجھے بے رحم نظروں سے گھورتا رہا پھر خشک لہجے میں بولا۔

"سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے خاں صاحب! تم گئے تھے یا جیلر صاحب نے بلایا تھا۔"

"یہ بات نہیں ہے سنتری جی۔ مجھے جیلر صاحب نے ہی بلایا تھا۔" میں نے جلدی سے بات بنائی۔ "جیلر صاحب نے مجھے منع کیا تھا کہ جو باتیں میرے اور ان کے درمیان ہوئی ہیں ان کا تذکرہ کسی اور سے نہ کروں۔"

"مجھے سب خبر ہے۔" سنتری نے مجھے ایک گندی سی گالی بکتے ہوئے کہا۔ "تو نے ضرور اپنے باپ سے یہی کہا ہوگا کہ ہم تجھے پورا چائے پانی نہیں دیتے۔ کیوں ہے نا..... یہی بات۔"

"خدا کی قسم سنتری جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر سوچ لو خاں صاحب!" سنتری کرخت آواز میں بولا۔ "اگر یہ سچ ہے تو ہم تمہاری ساری خان صاحبی نکال کر رکھ دیں گے۔"

میرے پاس اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں سنتری کو وہ تمام باتیں بتادوں جو میرے اور جیلر کے درمیان ہوئی تھیں۔ جتنی دیر میں اسے تفصیل بتاتا رہا وہ اپنی خونخوار نظروں سے مجھے یوں گھورتا رہا جیسے میرے بیان کی صداقت کو اپنی آنکھوں میں تیرتی ہوئی سرخی سے جانچ رہا ہو۔ پھر جب خاموش ہوا تو وہ کچھ دیر بعد مسکرا کر بولا۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ شہباز علی کی شکایت کرنے والا اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سنتری شہباز علی بھی اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میں جیلر سے کس سلسلے میں ملا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے مجبوراً اس ناشتے کو زہر مار کیا جو معمول کے مطابق جنگلوں کے ذریعے اندر زمین پر رکھ دیا جاتا تھا۔ میں ابھی تک انکا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ابھی میں ناشتے سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دوسرا سنتری آیا جو مجھے جانوروں کی طرح دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہنکا کر اس کھلے میدان میں لے آیا جہاں بڑے بڑے پتھروں کو توڑنے کا کام ہمارے سپرد تھا۔ یہاں پر سپاہیوں کا مسلح دستہ ہر وقت ہمارے سروں پر مسلط رہتا تھا۔ میں نے میدان میں آکر خاموشی سے ایک ہتھوڑا اٹھایا اور ایک طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تین فیتے والے ایک سپاہی نے میرے قریب آکر نفرت سے کہا۔

"آج تم سے پتھر توڑنے کا کام نہیں لیا جائے گا۔"

"پھر!"

"تم آج باقی حرام خوروں کی نگرانی کرو گے۔ جیلر صاحب کا حکم ہے۔"

جس انداز میں مجھے اس رعایت کا حکم سنایا گیا تھا وہ بہت تحقیر آمیز تھا لیکن کرتا تو کیا کرتا۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور قیدیوں کی نگرانی کرنے لگا جو پتھر توڑنے میں مصروف تھے۔

دو روز اسی طرح گزر گئے۔ اس عرصے میں نہ تو نرگس ہی مجھ سے ملنے آئی اور نہ ہی انکا واپس لوٹی تھی۔ ان دونوں کی راہ تکتے تکتے میرے دل کی جو حالت تھی اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا تھا لیکن تیسرے روز مجھے انتظار کا کرب نہیں جھیلنا پڑا۔ نرگس مجھ سے ملنے آگئی تھی۔ جب میں اس سے ملنے کے لئے ملاقات کرنے والے کمرے میں گیا تو وہ بڑی مضطرب حالت میں ٹہل رہی تھی مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ وہ تیزی سے لپکتی ہوئی آہنی سلاخوں کی دوسری جانب میرے قریب آگئی۔ اس کی پلکوں سے آنسوؤں کے قطرے جھلملا رہے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ کون سے آنسو ہیں۔

"جمیل خدا نے ہماری سن لی۔ اب ہماری پریشانی کے دن بہت جلد ختم ہونے والے ہیں۔" نرگس کی آواز خوشی کے جذبے سے کانپ رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے کلن خاں نے کیا بیان دیا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا......؟"

"مجھے جیلر نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" میں نے تفصیل دہراتے ہوئے کہا۔ "اپیل کی تاریخ کب پڑ رہی ہے......؟"

"پرسوں۔" نرگس سرشار لہجے میں بولی۔ "خدا نے چاہا تو آپ پہلی دوسری پیشی پر ہی چھوٹ جائیں گے۔"

"یہ سب تمہاری دعاؤں کا اثر ہے نرگس۔ مگر جانتی ہو کہ کلن خاں نے کملا کا جرم اپنے سر کیوں لے لیا......؟"

"میں تو اسے بھی خداوند کریم کی مہربانی سمجھتی ہوں جس نے اس سنگ دل کا دماغ پلٹ دیا ورنہ اپنی دانست میں تو اس نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ حیرت ہے اتنی جلدی یہ سب ہو گیا۔"

"یہ سب انکا کا کرم ہے نرگس۔" میں نے کہا۔

"انکا کا کرم! کیا مطلب؟" نرگس نے چونک کر پوچھا۔ پھر میرے چہرے کو حیرت سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا انکا پھر آپ کے سر پر آگئی ہے۔"

"میں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ حالات سے مجبور ہو کر کیا ہے۔" میں نے پیار سے نرگس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ پھر وہ تمام باتیں نرگس کو بتا دیں جو میرے اور انکا کے درمیان ہو چکی تھیں۔

"تو کیا آپ پھر اسی مصیبت میں گرفتار ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟" نرگس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں میری نرگس۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔ "انکا سے میں یہاں سے گلوخلاصی کے لئے کچھ نہ کچھ وعدہ تو ضرور کرتا۔ پہلے یہاں سے چھٹکارا ملے اس کے بعد انکا کے بارے میں غور کریں گے۔"

"لیکن آخر اس سے چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی۔"

"فی الحال میرے ذہن میں کوئی اسکیم نہیں ہے لیکن رہائی کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"کیا آپ کے خیال میں کلن خاں نے انکا کی پُراسرار قوت کی وجہ سے وہ بیان دیا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ "وہ حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے۔"

نرگس انکا کا ذکر سن کر اداس ہو گئی۔ انکا کے تذکرے نے اس کے چہرے کی ساری شادابی جیسے چھین لی تھی۔ کچھ دیر تک وہ کسی سوچ میں غرق رہی پھر بولی۔

"میرے بس میں ہوتا تو میں اپنی جان دے کر آپ کو انکا کے ناپاک وجود سے نجات دلاتی۔"

"خدارا ایسی باتیں مت کرو نرگس۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ ہمارے درمیان زیادہ باتیں نہ ہو سکیں لیکن نرگس نے چلتے چلتے کہا تھا کہ وہ اپنی سی کوشش کر کے میرے لئے ضرور کسی بزرگ سے تعویذ حاصل کرے گی۔ جب تک نرگس میری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی میں کٹہرے سے لگا کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد تھکے تھکے قدم اٹھاتا ملاقاتی کمرے سے باہر آیا اور اپنی ڈیوٹی میں مصروف ہو گیا۔

نرگس سے ملاقات کے بعد میرے اضطراب میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ میں ہمہ وقت نرگس کے بارے میں سوچتا رہتا جو محض میری خاطر تنہا اتنی ساری پریشانیاں جھیل رہی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو شاید میں اس جیل سے باہر جانا خود بھی پسند نہیں کرتا۔ میرے اضطراب کی دوسری وجہ انکا کی پُراسرار ذات تھی جو کسی جونک کی طرح مجھ سے چمٹ کر رہ گئی تھی۔ جس نے میری زندگی کو اتنی اذیتوں سے دوچار کیا تھا۔ میری حالت منجدھار میں پھنسے ہوئے اس شخص سے مختلف نہ تھی جسے موجوں کے تھپیڑے کنارے تک بھی پہنچا سکتے تھے اور بادِ مخالف کے جھونکے غرق آب بھی کر سکتے تھے۔

اگلے روز میں اسی امید و بیم کی کیفیت سے دوچار رہا لیکن دوسرے روز جب مجھے یہ پتا چلا کہ مجھے آج نرگس کی دائر کردہ اپیل کے سلسلے میں حاضر عدالت ہونا ہے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ جب میں جیل کی گاڑی میں بیٹھ کر عدالت میں پہنچا تو میری وفاشعار بیوی وہاں پہلے ہی سے اپنے وکیل کے ساتھ موجود تھی۔

گاڑی سے اترتے وقت اس نے دور ہی سے مجھے مسکراتی نظروں سے خوش آمدید کہا تو میری ساری تکان دور ہو گئی۔

عدالت میں کلن خاں بھی موجود تھا۔ دوپہر کے بعد ہمارا کیس پیش ہوا۔ پہلے میرے وکیل نے جج کو مخاطب کر کے مختصراً کیس کی نوعیت بتائی پھر پولیس کے گواہ پیش ہوئے اور ان کے بعد کلن خاں کو کٹہرے میں طلب کیا گیا۔ کلن خاں کو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا لیکن آج وہ کروفر مجھے اس کے چہرے پر نظر نہ آیا جو پہلی بار میں نے اس کے خطرناک چہرے پر پایا تھا۔ آج وہ بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔ پولیس کی طرف سے وہ بیان پیش کیا گیا جس میں کلن خاں نے تحریری طور پر اس بات کا اقرار کیا تھا کہ کملا اور رحمت علی دونوں کو اسی نے قتل کیا ہے۔

ایک سوال کے جواب میں اس نے عدالت کو بتایا کہ ان دونوں کے قتل کے سلسلے میں اس نے میرا نام پرانی عداوت کی بناء پر لیا تھا۔ سرکاری وکیل اور وکیل صفائی دونوں اس سے دیر تک جرح کرتے رہے لیکن کلن خاں اپنے بیان پر قائم رہا۔ ممکن تھا کہ عدالت اپنا فیصلہ اسی روز سنا دیتی لیکن وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے کارروائی دوسرے روز پر ٹل گئی۔ چنانچہ مجھے وہ رات بھی جیل میں گزارنی پڑی۔ کلن خاں کے

عدالتی بیان کے پس پردہ انکا کی پُراسرار قوت کارفرما تھی کیونکہ رحمت علی کے قتل سے پیشتر نہ تو میں نے کبھی کلن خاں کا نام سنا تھا اور نہ ہی اس کی صورت دیکھی تھی۔ چنانچہ پرانی عداوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جیل کی وہ رات میں نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوئی تو مجھے دوبارہ عدالت لے جایا گیا۔ جہاں کلن خاں کے اقبالی بیان کے پیش نظر مجھے باعزت طور پر رہا کر دیا گیا اور کلن خاں کے فیصلے کی تاریخ پڑ گئی۔ رہائی کا حکم سنتے ہی مجھ پر کچھ دیر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں بھری عدالت میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ نرگس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

گھر پہنچ کر میں نے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے پھر نرگس کے کہنے پر دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد میرے دفتر والوں کی آمدورفت کا تانتا بندھ گیا۔ میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ایک لمحے کے لئے بھی نرگس سے دور رہوں لیکن اخلاقی طور پر مجھے دفتر کے عملے سے ملنا پڑا اور قریبی واقف کاروں کو بھی وقت دینا پڑا۔ اسی شام نرگس نے ایک پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا چنانچہ رات گئے تک ہم دونوں اس میں الجھے رہے۔

بڑی مشکل سے مہمان ٹلے۔ نرگس سے بات کرنے کا وقت ہی نہیں مل رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ وقت آیا جب میں اور نرگس تنہا رہ گئے۔ رات گئے تک ہم دونوں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے رہے۔ وہی ہجر کے صدمے اور تنہائی کی اذیتیں مگر جلد ہی انکا کی پُراسرار ذات ہماری گفتگو کا موضوع بن گئی۔ نرگس اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ پریشان تھی۔ کہنے لگی۔

"جمیل۔ کیا یہ انکا آپ کے سر پر موجود ہے؟"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "فی الحال دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم انکا کے آنے کے بعد بھی اس سے کوئی جھگڑا مول نہ لیں اور اس وقت تک خاموش رہیں جب تک چھٹکارے کی کوئی صورت نہ پیدا ہو۔"

"جمیل۔ میں بھی آپ سے یہی کہنا چاہتی تھی۔" نرگس نے بڑے پیار سے کہا۔ "خدا نے چاہا تو آپ کو اب اس مصیبت سے بھی بہت جلد چھٹکارا مل جائے گا۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ کیا تم نے اس کا کوئی تدارک سوچا ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارے ذہن میں کیا کوئی ترکیب آ گئی ہے؟"

"نہیں، لیکن میں نے ایک بزرگ کا پتا چلا لیا ہے جو شولا پور میں رہتے ہیں۔ اب آپ آ گئے ہیں تو میں ان بزرگ سے ملنے جاؤں گی۔ خدا کو منظور ہوا تو یہ پریشانی بھی دور ہو جائے گی۔"

خاصی دیر تک ہمارے درمیان اسی مسئلے پر باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے نرگس کو یہ بات اچھی طرح

سمجھادی تھی کہ انکا کے آجانے کے بعد وہ خود کو قابو میں رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے انکا کی ناراضگی کا احتمال ہو اور ہم پھر کسی مصیبت سے دوچار ہو جائیں۔ نرگس نے مجھ سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گی۔ اس کے بعد کچھ دیر تک ہم جاگتے رہے پھر نہ جانے کب بے سدھ ہو کر سو گئے۔

دوسری صبح میری آنکھ کھلی تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ کافی دنوں بعد مجھے آرام دہ بستر ملا تھا۔ مجھے وقت کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ نرگس نے مجھے جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بستر سے نکل کر میں نے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا' کپڑے تبدیل کئے پھر ناشتے کی میز پر آگیا جہاں نرگس اپنے دل آویز تبسم کے ساتھ پہلے سے موجود تھی۔ ناشتہ کر کے میں اٹھا ہی تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر موجود ہے۔ میں نے غور کیا تو میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ میں عالم تصور میں دیکھ رہا تھا کہ انکا ہاتھ پاؤں پھیلائے میر سر پر محو خواب ہے۔ اس کے چہرے پر تھکن کے اثرات نظر آرہے تھے۔ سونے کا انداز بتارہا تھا کہ جیسے وہ کئی راتوں کے بعد تھک کر بے خبری کی نیند سوئی ہے۔ مجھے انکا کے چہرے پر سرخی کے بجائے آج کچھ زردی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی میں انکا کو اپنے سر پر محسوس کر ہی رہا تھا کہ نرگس نے پوچھا۔

''خیریت تو ہے۔ یہ آپ بت بنے کھڑے کیا سوچ رہے ہیں؟''

''شش۔'' میں نے نرگس کو چپ رہنے کی تلقین کی پھر اسے اشارے سے بتایا کہ انکا میرے سر پر موجود ہے اور سو رہی ہے۔ نرگس کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کے لئے بدل گئی۔ اس کے ہونٹوں پر کچھ کہنے کے لئے ایک کھنچاؤ سا پیدا ہوا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اچانک انکا کی میرے سر پر آمد کی خبر سن کر اسے تشویش ہوئی ہے۔ بہر حال اس خیال سے کہیں وہ کچھ کہہ نہ بیٹھے میں نے ایک بار پھر اسے خود پر قابو رکھنے کا اشرہ کیا۔ پھر اونچی آواز میں بولا۔

''میں ذرا آفس تک جارہا ہوں۔ دو تین گھنٹے میں واپس لوٹ آؤں گا۔''

''شولا پور کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟'' نرگس نے پوچھا۔

''ہو آنا۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے۔''

''میں چاہتی ہوں کہ آج رات ہی کی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں۔'' نرگس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ملازم کے بجائے اگر تم منیجر کو ساتھ لے جاؤ تو زیادہ مناسب رہے گا۔ وہ جہاندیدہ شخص ہے۔'' میں نے تجویز پیش کی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ دفتر جارہے ہیں تو پھر رات کی گاڑی کے لئے دو سیٹیں بک کرادیجئے گا۔''

ہاں ٹھیک ہے۔'' میں نرگس کو جواب دیتا ہوا باہر آگیا جہاں ڈرائیور گاڑی لئے تیار کھڑا تھا۔

راستے بھر میں انکا کے خیال میں الجھا رہا۔ دفتر پہنچ کر میں نے منیجر کو اپنے کمرے میں بلایا اور

ہدایت کی کہ اسے نرگس کے ساتھ شولا پور تک جانا ہے۔ اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میری ہدایت پر دو سیٹیں بک کرانے کے لئے اسٹیشن چلا گیا تو میں دفتری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مجھے فائلوں میں سر کھپاتے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ انکا کروٹ لے کر بیدار ہو گئی پھر ایک طویل جماہی لیتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے چہرے پر اب بھی تھکن کے آثار نمایاں ہیں۔

تھوڑی دیر تک وہ کچھ خاموش سی میرے سر پر بیٹھی رہی پھر ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر کھڑی ہو گئی اور میرے سر پر چہل قدمی کرنے لگی۔ میں خاموش بیٹھا اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز نہ جانے کیوں آج بے حد دلکش نظر آرہے تھے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ میں نے بہت دنوں بعد آج اسے اطمینان سے دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک انکا محو خرام رہی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔

''جمیل صاحب۔ کہئے اب کیا حال ہے۔ تم نے تو میرا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ جانتے ہو تمہیں جیل سے رہائی دلانے کے لئے مجھے کئی راتیں جاگنا پڑا ہے۔''

''میں حقیقتاً تمہارا احسان مند ہوں انکا۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''اگر تم میری مدد نہ کرتیں تو نہ جانے کب تک مجھے اس گندی کال کوٹھری میں رہنا پڑتا۔ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اسے میں تمام عمر نہیں بھول سکتا۔''

''چھوڑو جمیل صاحب۔ میں نے جو کچھ کیا وہ ایک دوست کی حیثیت سے کیا اور دوستوں کے حساب ہمیشہ دل میں ہوا کرتے ہیں۔'' انکا نے معنی خیز مسکراہٹ اپنے نازک ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''آخر تم نے بھی تو میرے لئے اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں۔''

''مگر تم اتنے دنوں تک غائب کہاں تھیں؟'' میں نے دیدہ دانستہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''اب تم یہ بھی پوچھ رہے ہو۔'' انکا بڑی ادا سے بولی۔ ''کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ کلن خاں نے کملا کے قتل کے الزام کو بھی اپنے سر لے لیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے کہ یہ سب تمہاری پُر اسرار قوت کا کرشمہ ہے۔''

''ہاں میں اس وقت کلن خاں کے سر پر ہی موجود تھی جب وہ بیان دے رہا تھا۔''

''کیا اب وہ اپنے بیان سے منحرف نہیں ہو سکتا؟'' میں نے سوچ کر کہا۔ ''ظاہر ہے کہ جب تم اس کے سر پر نہیں ہو تو اس کا دماغ اپنی مرضی کے مطابق کام کرے گا۔''

''یہ سب تم مجھ پر چھوڑو۔ میں آج ہی کسی وقت پھر واپس چلی جاؤں گی اور پھر مجھے اس سے ایک ضروری کام بھی لینا ہے جس کے بعد ہو سکتا ہے کہ اسے پھانسی کی سزا ہو جائے۔'' میں نے محسوس کیا کہ

انکا کے ہونٹوں پر بڑا معنی خیز تبسم پھیلا ہوا ہے۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''اس سے پہلے بھی تو بہت سی باتیں تم نہیں سمجھے تھے۔ اتنی بے چینی بھی کیا ہے۔ رفتہ رفتہ سب باتیں تمہاری سمجھ میں آ جائیں گی۔'' انکا نے بڑے پُراسرار انداز میں جواب دیا پھر پوچھا۔ ''کیا نرگس کو تم نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''میرا خیال ہے تمہارے دل میں ابھی تک میری طرف سے بدگمانی ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' میں گڑبڑا گیا تھا۔ اس لئے جلدی سے سنبھل کر کہا۔ ''اگر مجھے دوستی نہ کرنی ہوتی تو تم مجھے مجبور تو نہیں کر رہی تھیں۔''

''ہونہہ۔ تو یہ بات ہے جمیل صاحب ایک بات کہوں۔ کہہ دوں۔''

''کہو۔ کیا بات ہے؟'' میں نے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ انکا نے جس معنی خیز انداز میں مجھ سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی تھی وہ بے حد پُراسرار تھا۔

''کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے حالات سے مجبور ہو کر میرے ساتھ ایک عارضی معاہدہ کر لیا ہو۔''

''تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں نے محض مصلحتاً تمہارے ساتھ دوستی کی ہے۔ ویسے تم سے کوئی بات چھپی ہوئی بھی نہیں ہے۔''

''میری بات چھوڑو۔ تم اپنے دل کی کہو۔''

''وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔'' میں نے انکا کو وفاداری کا یقین دلانے کی خاطر بڑے زوردار انداز میں جواب دیا۔

انکا پر میری بات کا کیا اثر ہوا' اس کا علم تو میرے فرشتوں کو بھی نہیں تھا لیکن میں نے اتنا ضرور محسوس کیا تھا کہ انکا میرا جواب سن کر کسی سوچ میں کھو گئی تھی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ چند ثانیئے تک وہ ٹکٹکی باندھے مجھے گھورتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

''وہم کا علاج لقمان کے پاس تھا یا نہیں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں' لیکن میں تمہیں اتنا ضرور بتا دوں گی کہ میرے پاس ہر مرض کا علاج موجود ہے۔ اگر تم نے اب کی بار وعدہ خلافی کی تو اس کے لئے تمہیں تمام عمر پچھتانا پڑے گا۔''

''لعنت ہے تمہارے اوپر جو تم میرے اوپر شبہ کر رہی ہو۔'' میں مصنوعی غصے سے بولا تو انکا بے اختیار کھل کھلا کر ہنس دی پھر مجھے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''آج تم نے پہلی بار مجھ پر غصہ کیا ہے جمیل۔ غصے میں بھی تم کچھ کم اچھے نہیں لگتے۔''

''یقین کرو۔ تم نے میرے اوپر شبہ کر کے میرے احساسات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔'' میں بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''ناراض ہو گئے مجھ سے۔ کیوں؟'' انکا نے شوخی سے کہا۔

''تم نے بات ہی ایسی کی تھی۔''

''اچھا جانے بھی دو۔ آگے جو ہوگا وہ تم بھی دیکھو گے اور میں بھی۔''

انکا مجھ سے بڑے محبوبانہ انداز میں مخاطب تھی کہ میرا مینجر اسٹیشن سے سیٹیں بک کرا کے واپس آ گیا۔ میں جتنی دیر مینجر سے بات کرتا رہا' انکا خاموش کھڑی سنتی رہی پھر جب مینجر چلا گیا تو انکا نے پوچھا۔

''جمیل' یہ شولا پور جانے کی ضرورت کیسے پڑ گئی؟''

''مینجر کو۔'' میں نے مختصر کہا۔

''دوسرا ٹکٹ کس کا ہے۔؟''

میرے پاس اس کے سوائے اس کے کوئی راستہ نہ تھا کہ میں نرگس کے شولا پور جانے کے پروگرام کو ظاہر کر دوں' دوسری صورت میں ممکن تھا کہ انکا اس وقت میری طرف سے مشکوک ہو جاتی جب وہ نرگس کو گھر پر نہ پاتی۔ چنانچہ میں نے بڑی خوبصورتی سے انکا سے کہا۔

''نرگس کے ایک دور کے عزیز شولا پور میں رہتے ہیں۔ وہ اپنے انہی عزیز سے ملنے جا رہی ہے۔''

''نرگس کے عزیز! اچھا ہوں گے مگر کیا تم اس کے ساتھ نہیں جا سکتے جو مینجر کو بھیج رہے ہو۔''

''جن حالات میں میری اور نرگس کی شادی ہوئی ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے میں نے نرگس کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہاں اگر اس نے بعد میں مجھے بلایا تو ہو آؤں گا۔''

انکا مجھ سے کرید کرید کر نرگس کی روانگی کے بارے میں مختلف سوالات کرتی رہی اور میں بڑی بے پروائی سے جواب دیتا رہا۔ اچانک وہ مجھ سے ایک عجیب سوال کر بیٹھی۔

جمیل۔ یہ شہباز علی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کیوں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''تمہیں اچانک شہباز علی کا خیال کیسے آ گیا؟''

''میں نے سنا ہے کہ اس کا شمار بڑے ظالم قسم کے سنتریوں میں ہوتا ہے۔ تمہاری کمر بھی تو اس نے اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے کئی بار دہری کی تھی۔ آدمی ہے سرخ و سفید۔''

شہباز علی کا ذکر چھڑا تو مجھے اس ہٹے کٹے سنتری کی ٹھوکریں یاد آ گئیں جن سے مجھے سابقہ پڑ چکا تھا اور جو عام طور پر وہ دیر سے اٹھنے والے قیدیوں کی ریڑھ کی ہڈی پر رسید کرتا تھا۔ وہ بے حد خوفناک صورت کا مالک تھا لیکن صورتاً ہی نہیں' طبعاً بھی بڑا ظالم اور سخت آدمی تھا۔ خطرناک قسم کے مجرم بھی اس سے پناہ

مانگتے تھے۔ جب وہ اپنے بھاری بھرکم جوتوں کی ٹھوکروں سے قیدیوں کو مارتا تو وہ تکلیف سے بلبلا اٹھتے۔ مجھے یاد ہے کہ کئی قیدی اس کی ٹھوکروں سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ خود میری حالت بھی ایک دفعہ غیر ہو گئی تھی۔ مجھے شہباز علی کے نام سے ہی خوف آتا تھا مگر میں نے جان بوجھ کر انکا کو اس کی تفصیل نہیں بتائی اور ٹالنے کی خاطر کہا۔

"ایک شہباز علی پر ہی کیا منحصر ہے' جیل کے تو سارے سنتری ہی ظالم ہوتے ہیں لیکن تم نے اس وقت خاص طور پر شہباز کا نام کیوں لیا؟"

"یوں ہی ذرا خیال آ گیا۔" انکا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں شہباز کا ذکر کر کے اپنے زخموں پر نمک چھڑکنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس ذکر سے پہلو تہی کی اور پھر انکا نے بھی اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔

دو تین گھنٹے دفتر میں کام کر کے جب میں گھر واپس گیا تو نرگس سفری سامان تیار کر چکی تھی۔ اس نے حسب معمول بڑے پیار سے میرا خیر مقدم کیا۔ انکا میرے سر پر سوار ہی تھی اس لئے میں نے نرگس کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رکھا۔ پھر اشاروں کنایوں میں اسے بتا دیا کہ شولا پور کے لئے اس کی سیٹ بک ہو چکی ہے۔

شام کی چائے پینے کے بعد میں نرگس کے ساتھ باہر لان میں بیٹھا گفتگو میں مصروف تھا کہ انکا نے سر سے رینگ کر میرے شانوں پر آتے ہوئے کہا۔

"جمیل ایک بات مانو گے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کچھ دیر کے لئے نرگس کے سر پر چلی جاؤں۔"

یہ سن کر میں ایک دم سن ہو گیا۔ "قطعاً نہیں۔ میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"یہ آپ کس اجازت کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟" نرگس نے مجھے حیرت سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔" میں ٹپٹا کر بولا۔ "میں دراصل انکا کی ایک بات کا جواب دے رہا تھا۔"

"او۔" نرگس منہ بنا کر خاموش ہو گئی تو انکا نے پھر مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"جمیل تم واقعی خوش قسمت ہو جو نرگس جیسی خوبصورت اور وفادار بیوی مل گئی۔ نرگس مجھے بھی بے حد اچھی لگتی ہے کتنی اچھی ہے وہ۔"

میں ہوں ہاں کر کے انکا کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ نرگس خاموش بیٹھی نٹنگ (KNITTING) کرتی رہی۔ اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے عاری تھا مگر جس تیزی سے وہ اون کو جھٹک جھٹک کر سلائیاں چلا رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دل ہی دل میں ضرور کڑھ رہی ہے۔ میری حالت بھی اس وقت اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ انکا نے آج پہلی بار نرگس کے سر پر جانے کی اجازت چاہی تھی اور

اس کے بارے میں محبت بھری باتیں کی تھیں۔ میں اس سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتا تھا کہ وہ مجھے چھیڑنے کی خاطر ایسا کہہ رہی ہے لیکن میرے دل میں سابقہ تجربوں کی بنیاد پر ان گنت وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو جمیل۔ کوئی خاص بات ہے کیا.....؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے جھنجھلاتے ہوئے سرگوشی کی۔

"مجھے معلوم ہے۔" انکا نے اٹھلا کر کہا۔ "تمہیں میری یہی بات بری لگی ہے کہ میں نے نرگس کے سر پر جانے کا خیال کیوں ظاہر کیا تھا۔"

"ہوں۔" میں بڑی آہستگی سے بولا۔

"وہ بات تو میں نے یونہی کہہ دی تھی۔ تمہیں پریشان کرنے میں جو مزہ آتا ہے۔" انکا زیر لب مسکرا کر بولی۔ "میں تمہاری بیوی کو اپنا دشمن کیسے سمجھ سکتی ہوں۔ وہ تو بہت معصوم ہے۔"

میں نے جبراً سر ہلایا۔ انکا کچھ دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی اور جب میں اونگھنے لگا تو اس نے کلن خاں کے سر پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور لمحوں میں رینگتی ہوئی میرے سے اتر گئی۔ انکا کے جانے کے بعد بھی میں بہت دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا پھر نرگس کے ساتھ اٹھ کر اندر آ گیا۔

رات کو جب نرگس شولا پور کے لئے جانے لگی تو اس وقت اس نے مجھ سے انکا کے بارے میں کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اسے فوری طور پر منع کر دیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں انکا کا پُراسرار وجود ان باتوں سے واقف نہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ میری خام خیالی تھی۔ انکا کو ہر بات کا علم رہتا تھا مگر کوئی نہ کوئی تدبیر تو اس صورت حال کے باوجود کی جاتی۔ نرگس کے چہرے پر اس وقت الجھن اور اضطراب کے جو تاثرات نظر آ رہے تھے وہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ بہر حال میں ضبط کر گیا اور ٹرین کی روانگی کے بعد واپس گھر آ گیا۔ اس روز تمام رات میں نرگس کی کامیابی اور سلامتی کے ساتھ واپسی کی دعائیں مانگتا رہا۔ کیا میں انکا کے پُراسرار وجود سے کبھی نجات پا بھی سکوں گا یا نہیں۔ میں ساری رات اسی کشمکش میں الجھا رہا۔

صبح میں نے نیم گرم پانی سے غسل کیا تو ذہن پر چھائی ہوئی کسلمندی کچھ کم ہوئی لیکن ناشتے کی میز پر پہنچ کر جیسے ہی میری نظر اخبار پر پڑی میں مارے حیرت کے اچھل پڑا اور جلدی جلدی ایک خبر پڑھنے لگا جس کی سرخی ہی میرے لئے بڑی چونکا دینے والی تھی۔

جیل کے احاطے میں مسلح سنتری کی دردناک موت قاتل نے مقتول کے جسم کا سارا خون پی ڈالا۔

منگل.....(اسٹاف رپورٹر) گزشتہ شب سینٹرل جیل میں قتل کی ایک ہولناک واردات ہوئی جس نے پولیس اور جیل کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ پولیس کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق کلن خاں نامی ایک شخص نے جو پہلے سے دہرے قتل کے جرم میں گرفتار ہے کل رات بارہ بجے کے قریب جیل کے سنتری شہباز کو قتل کر دیا۔ قتل کے اصل اسباب کا ہنوز پتا نہیں چل سکا۔ واقعات کے مطابق کل رات کو

کلن خاں کی چیخیں سنائی دیں تو شہباز علی سنتری جو دوسرے سنتری کے ساتھ ڈیوٹی پر موجود تھا' چیخوں کو سن کر اس کی کوٹھری کی طرف گیا۔ جب وہ دیر تک واپس نہیں آیا تو ایک دوسرا سنتری شہباز علی کو تلاش کرتا ہوا کلن خاں کی کوٹھری پر پہنچا تو اس نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور چابی تالے میں لگی ہوئی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کوٹھری کے فرش پر سنتری شہباز علی کی لاش پڑی ہوئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ مقتول شہباز علی کے برابر کلن خاں بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ دوسرا سنتری یہ منظر دیکھ کر اپنے حواس پر قابو نہ رکھ سکا اور چیختا چلاتا جیلر کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ اسے بتایا۔

جیلر جب موقعۂ واردات پر پہنچا اور اس نے کلن خاں کو جگا کر اس خونیں واقعے کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے شہباز علی کے قتل سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پولیس کے حلقوں میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ کلن خاں اگر قاتل تھا تو پھر اس نے فرار ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی اور اگر کلن خاں قاتل نہیں ہے تو پھر قتل کس نے کیا......؟ پوسٹ مارٹم رپورٹ اور مزید تفصیلات کا انتظار ہے۔

شہباز علی کے قتل کی سنسنی خیز خبر پڑھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب انکا کی کارستانی ہے۔ کل اس نے مجھ سے خاص طور پر شہباز کے بارے میں دریافت کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اسے کلن خاں سے ایک ضروری کام لینا ہے جس کے بعد اسے پھانسی کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔ رہا شہباز کے جسم سے خون غائب ہونے کا مسئلہ تو وہ اوروں کے لئے یقیناً حیرت انگیز تھا مگر میرے لئے نہیں۔ میں جانتا تھا کہ شہباز کا خون کس نے پیا ہے۔

میں اب یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ انکا نے مجھ سے چار ماہ میں ایک انسانی جسم کے خون کا وعدہ کیوں کیا تھا جبکہ اسے ہر ماہ ڈیڑھ ماہ بعد اپنے پُراسرار وجود کو زندہ رکھنے کے لئے کسی انسان کے تازہ خون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ شہباز علی کے قتل نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ انکا چار ماہ میں ایک انسانی زندگی میرے ذریعے حاصل کرے گی اور باقی بندوبست دوسرے ذرائع سے کرے گی۔ اچانک میرا ذہن پھر پریشان ہو گیا کہ انکا نے مجھ سے نرگس کے سر پر جانے کی اجازت کیوں مانگی تھی؟ کیا اس نے حقیقتاً وہ بات مذاق میں کہی تھی یا اس بات سے اس کا کوئی خاص مطلب تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے بعد اب وہ نرگس کو بھی اپنا معمول بنانے کی خواہش مند ہے جو اسے کسی انسان کا گاڑھا گاڑھا خون پلانے میں مدد دے سکے۔

آخری خیال جو میرے ذہن میں ابھرا' اس سے میری الجھن میں اضافہ ہو گیا۔ نرگس اگر اس وقت میرے پاس ہوتی تو میں اسے اپنے پریشان کن خیالات سے ضرور آگاہ کر دیتا۔ اس کی عدم موجودگی میں

ے برے واہمے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں انکا نرگس کی واپسی سے پیشتر ہی ا سے اپنی گندی خواہشات کا نشانہ نہ بنا ڈالے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب میں اپنی نرگس کو دوبارہ کبھی ہنستا بولتا .یکھ سکوں۔

نرگس کی دوری نے مجھے بری طرح تڑپا دیا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اڑ کر نرگس کے پاس پہنچ جاتا اور ا ے انکا کے منحوس وجود سے نجات دلانے کے لئے کہیں دور لے جاتا لیکن یہ بات میرے بس میں نہ تھی پھ ایک خیال سے مجھے سکون ملا۔ ایک انسان کے جسم کا خون پی لینے کے بعد انکا کو پچیس تیس روز کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ اخبار میں شائع ہونے والی اطلاع کے مطابق وہ گزشتہ شب شہباز علی کا خون پی چکی تھی اور اب وہ کم از کم ایک ماہ تک پُرسکون رہے گی جبکہ نرگس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شولا پور میں زیادہ وقت نہیں گزارے گی اور بزرگ سے تعویذ حاصل کرتے ہی واپسی کے لئے روانہ ہو جائے گی۔ غرضیکہ وہ پورا دن میں نے کس کرب کے عالم میں گزارا یہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ یا تو مجھے انکا ے نام سے ہی ہول اٹھتی تھی یا تمام دن میں اس بات کی دعائیں مانگتا رہا کہ وہ جلد از جلد میرے سر پر دوبارہ آ جائے تا کہ میں نرگس کی طرف سے مطمئن ہو سکوں۔

رات کیا آئی کہ میری الجھنوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ گھر جیسے مجھے کاٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ اپنی اس وحشت سے چھٹکارا پانے کے لئے میں نے کپڑے تبدیل کئے اور ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کو کہا تا کہ کچھ دیر کے لئے کسی دوست کے پاس ہو آؤں لیکن گاڑی میں بیٹھتے ہی مجھے محسوس ہوا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی ہے۔ وہ اس وقت میرے سر پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ میری ساری پریشانی دور ہو گئی اور میں نے گاڑی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔

''نہیں۔ تم گاڑی گیراج میں بند کر کے آرام کرو۔'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

انکا بدستور میرے سر پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے ہوئے تھے اور یوں پھدک پھدک کر چل رہی تھی جیسے بہت زیادہ مسرور ہو۔ اس کے چہرے پر بہت اطمینان جھلک رہا تھا۔ آنکھوں سے خمار ٹپک رہا تھا۔ اس کا چہرہ جو کل شام تک زردی مائل تھا اس وقت قندھاری انار کے مانند سرخ ہو رہا تھا۔ گلابی ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ میں عالم تصور میں انکا کے پُرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس عالم میں وہ مجھے بہت اچھی لگی۔

''کچھ سنا تم نے۔ کلن خاں نے کل رات شہباز نامی سنتری کو قتل کر کے اس کے جسم کا سارا خون پی لیا۔'' میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' انکا مسکرا کر بولی۔ ''میں نے یہ سب تمہارے لئے کیا ہے۔ اب وہ کسی طرح نہیں بچ

سکتا۔"

"میں جانتا ہوں تم نے یہ سب کچھ مجھے بچانے کے لئے کیا ہے۔"

وہ میرے سر پر پاؤں پسار کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اگر میں ایسا نہ کرتی تو تمہارے لئے مشکلات ہی مشکلات تھیں۔"

"کیا مطلب" میں نے چونک کر پوچھا۔

"جمیل صاحب اگر میں کلن خاں کو سنتری کے قتل کے کیس میں نہ الجھا دیتی تو مجھے اس وقت تک اس کے سر پر ہی رہنا پڑتا جب تک عدالت کملا اور رحمت کے قتل کے سلسلے میں اپنا فیصلہ نہ سنا دیتی، اور اس میں نہ جانے کتنے دن لگ جاتے۔ اس لئے میں نے کلن خاں کا قصہ ہی پاک کر دیا۔" انکا نے مسکرا کر مجھے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہو۔ اب تو تم خوش ہو۔"

"ایک پنتھ اور دو کاج اسی کو کہتے ہیں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ "تمہارا یہ اقدام واقعی بہت مناسب تھا۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ کلن خاں سے مجھے چھٹکارا مل گیا بلکہ تمہیں اپنی غذا بھی میسر ہو گئی۔"

"خوب۔ اب تو تم بھی کچھ عقلمندوں کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔" انکا نے شوخی سے کہا۔

"لیکن ایک بات کا خدشہ ابھی باقی ہے۔" میں کچھ سوچ کر بولا۔ "کیا اب کلن خاں اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"کرتا ہے تو کرنے دو۔" انکا بے پروائی سے بولی۔ "اب اس قدر خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی بات اب سنے گا ہی کون اور اگر وہ کملا اور رحمت علی کے معاملے میں بچ بھی گیا تو شہباز کے قتل کے سلسلے میں پھنس جائے گا۔"

میں بڑی دیر تک انکا سے باتیں کرتا رہا پھر میں نے کپڑے تبدیل کر کے کھانا کھایا اور سونے کے ارادے سے اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ اس وقت انکا میرے سر پر بائیں کروٹ لیٹی لمبے لمبے خراٹے لے رہی تھی۔ خون پی لینے کے بعد وہ ہمیشہ لمبی نیند لینے کی عادی تھی۔ اس لئے میں نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کتنی دیر تک میں سوتا رہا' مجھے کچھ یاد نہیں لیکن دوبارہ میری آنکھ اس وقت کھلی تھی جب میں نے اپنے سر میں باریک باریک پنجوں کی تیز چبھن محسوس کی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میری خواب گاہ میں اس وقت ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میں جلد ہی سمجھ گیا کہ چبھن کس وجہ سے ہے۔ انکا جب بھی غصے کے عالم میں ہوتی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے پنجے میرے سر میں گڑ رہے ہوں۔ میں سمجھ گیا کہ انکا یقیناً مشتعل ہے اسے یقیناً کسی بات کا پتہ چل گیا ہے۔ میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ وہ اس وقت میرے سر پر کھڑی ہوئی مجھے خطرناک نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس کی

آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک موجود تھی۔ ایسی چمک جس سے الجھن مترشح تھی۔ اس کے چہرے پر بھی مجھے کچھ ایسے تاثرات نظر آئے۔

"کیوں خیریت تو ہے؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"جمیل!" انکا نے خشک لہجے میں پوچھا۔ "نرگس شولا پور کس لئے گئی ہے؟"

"کیا مطلب۔" انکا کے اس غیر متوقع سوال پر میں چونک پڑا لیکن پھر فوراً ہی خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ اپنے ایک عزیز سے ملنے گئی ہے لیکن اس وقت تمہیں نرگس کا خیال کیسے آیا؟"

"تم جھوٹ بول رہے ہو جمیل صاحب!"

انکا نے تیزی سے کہا۔ "نرگس اپنے کسی عزیز سے ملنے نہیں گئی ہے۔ حیرت ہے کہ تم مجھ سے چھپاتے ہو جسے سب معلوم رہتا ہے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں اور میں حواس باختہ سا ہو گیا۔

"بہتر ہے کہ تم ہی بتا دو کہ وہ کس کام سے گئی ہے کیونکہ جو وجہ تم نے بتائی ہے وہ غلط ہے۔" انکا الجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"ان باتوں سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے منہ سے یہ سننا چاہتی ہوں کہ تم نے اسے شولا پور کیوں بھیجا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اسے شولا پور میں اور بھی کوئی کام ہو لیکن کم از کم مجھ سے اس نے یہی کہا تھا کہ وہ اپنے عزیز سے ملنے جا رہی ہے۔" میں نے الجھتے ہوئے جواب دیا۔

"جمیل صاحب۔" انکا بگڑے ہوئے تیور سے بولی۔ "اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو پھر مجھ سے سنو۔ نرگس شولا پور میں ایک بزرگ کے پاس گئی ہے تاکہ کوئی ایسا تعویذ حاصل کر سکے جو تمہیں مجھ سے نجات دلا سکے' لیکن تم اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مشکل یہ ہے کہ تم نے ابھی مجھے پہچانا نہیں۔ بہرحال پہچان جاؤ گے۔ اب مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔"

میرا ذہن انکا کی بات سن کر بارود کی طرح بھک سے اڑ گیا۔ میری عقل گنگ ہو کر رہ گئی۔ انکا کے فیصلہ کن لہجے نے مجھے پریشان کر دیا تھا اور اس سے پہلے کہ میں اپنے حواس پر قابو پاتا اور انکا سے کوئی صفائی پیش کر سکتا وہ کسی چھلاوے کی طرح پھدک کر میرے سر سے اتر گئی۔

اب کیا ہو گا؟ میرا دماغ گھوم گیا۔ انکا اب شولا پور پہنچ کر نرگس سے کوئی خطرناک انتقام لے گی؟ میرے دل و دماغ میں عجیب ہیجان بپا تھا۔ فوری طور پر میں یہی فیصلہ کر سکا کہ مجھے اب وقت ضائع کئے بغیر شولا پور کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے اٹھ کر اسٹیشن فون کیا جہاں سے یہ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-



جواب ملا کہ شولا پور کے لئے اگلی گاڑی صبح سات بجے روانہ ہوگی۔ میں نے فون بند کر کے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس وقت رات کے دو کا عمل تھا۔ وقت گزاری کے لئے میں نے سگریٹ پھونکنے شروع کر دیئے اور صرف یہی سوچتا رہا کہ اب انکا نرگس پر کیا ظلم ڈھائے گی۔ خدا خدا کر کے رات گزری تو میں نے اٹیچی کیس لیا اور باہر آ گیا۔ ملازم کے اصرار پر میں نے ایک کپ چائے زہر مار کی۔ ناشتے کی مجھے قطعاً کوئی خواہش نہیں تھی اور ہوتی بھی کیسے جبکہ میرا ذہن نرگس میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔

ابھی میں چائے ختم نہ کر پایا تھا کہ ملازم نے اخبارات لا کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے جیسے ہی اخبار پر نظر ڈالی میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔

"کلن خاں جس نے دوہرے قتل کا اعتراف کر لیا تھا اب اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہو گیا۔"

"قتل کی ان ہولناک وارداتوں میں ایک پُراسرار عورت کا ہاتھ ہے۔"

سرخی کے نیچے کیا تفصیل درج تھی' اسے پڑھنے کے لئے نہ تو میرے پاس وقت تھا اور نہ ہی میری ہمت ہو رہی تھی کہ میں اسے پڑھوں۔ میں نے اخبار کو لپیٹ کر ہاتھ میں لیا اور اٹیچی اٹھا کر تیزی سے باہر آ گیا۔

اب مجھے جلد سے جلد بمبئی چھوڑ دینا چاہئے۔ پولیس اس سلسلے میں مجھے ضرور الجھائے گی۔ اس کا مجھے یقین تھا اور ادھر مجھے نرگس کی پڑی ہوئی تھی جو کسی وقت بھی انکا کے عتاب کا نشانہ بن سکتی تھی۔ میں عجیب الجھن میں گھر گیا تھا۔

اخبار میں یہ خبر پڑھتے ہی کہ کلن خاں اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہو گیا ہے' میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اب مجھے یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں پولیس دوبارہ مجھے حراست میں نہ لے لے اور دوسری طرف یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ کہیں انکا کا پُراسرار وجود نرگس کو اپنے عتاب کا نشانہ نہ بنا دے۔ تھوڑی دیر کے لئے تو میرا ذہن بالکل ماؤف ہو کر رہ گیا جیسے اس پر برف جم گئی ہو۔ پھر میں ہڑبڑا کر اٹھا اور ملازم کو سامان گاڑی میں رکھنے کی ہدایت کی اور اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گیا۔

راستے بھر میری جو حالت رہی وہ میں ہی جانتا ہوں۔ اس کا اندازہ لگانا دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ ہر چوراہے پر جہاں بھی مجھے کوئی سنتری کھڑا نظر آتا میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں اور میں گاڑی کی رفتار تیز کر دیتا۔ حالانکہ عدالت نے مجھے باعزت طور پر بری کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود اس وقت میری حالت اس مجرم جیسی تھی جو کسی خطرناک جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد ہر شخص کی نگاہوں سے بچتا پھر رہا ہو۔ غرضیکہ میں کسی نہ کسی طرح اسٹیشن پہنچ گیا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر آ چکی تھی۔ میں نے قلی کے ذریعے سامان اتروا کر فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں رکھوایا۔ پھر ملازم کو ضروری ہدایت دے کر رخصت کیا اور جلدی سے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو کر پلیٹ فارم کی جانب کی کھڑکیوں کے شٹر

گرا دیئے۔ حسن اتفاق سے میں اس کمپارٹمنٹ میں تنہا ہی تھا۔ کوئی دوسرا ہم سفر ہوتا تو یقیناً میری اس حشت کو محسوس کر لیتا۔

میری نظریں بار بار اپنی دستی گھڑی پر پڑ رہی تھیں۔ گاڑی کی روانگی کا وقت سات بجے تھا جس میں ۔ پانچ منٹ باقی تھے لیکن یہ پانچ منٹ گزارنا میرے لئے وبال جان بن گیا تھا۔

ایک ایک سیکنڈ میرے اوپر بھاری ہو رہا تھا۔ کمپارٹمنٹ کے دروازے پر معمولی سا کھٹکا بھی ہوتا تو ۔ کے بارے میں کانپ اٹھتا۔ بہرحال یہ پانچ منٹ بھی گزر ہی گئے۔ آخری سیٹی کے بعد گاڑی ت میں آئی تو میں نے سکون کا ایک لمبا سانس لیا اور اپنی سیٹ پر نیم دراز ہو کر پُراسرار انکا کے بارے وچنے لگا۔ انکا ایک پُراسرار وجود۔ ایک ایسا عجیب و غریب وجود جسے میں نہ دیکھ سکتا تھا اور نہ اپنے ے بے دخل کر سکتا تھا۔ وہ وجود جو ایک خوبصورت انسانی پیکر لئے میرے تصور میں ابھرا تھا۔ جس سم کے تمام نشیب و فراز میں اپنے سر پر محسوس کرتا تھا۔

انکا نے میری زندگی اجیرن کر دی تھی۔ اس کی پُراسرار طاقتوں کے سبب میں نے عزت و دولت ل کی تھی۔ انکا نے مجھے خوشیوں سے سرشار کیا تھا تو دوسری طرف مجھ سے میرا ذہنی سکون چھین لیا انکا جس سے چھٹکارا پانے کی ہر کوشش ناکام ہو چکی تھی۔ اس نے میرے سر پر اپنا تسلط قائم رکھنے لئے مجھے ایسے جال میں پھنسایا تھا کہ میں اب اس کا غلام بن کر رہ گیا تھا۔ میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی بت نہ تھی۔

نرگس کو شولا پور روانہ کرنے کے بعد میرے دل کو ڈھارس بندھ گئی تھی۔ مجھے امید تھی کہ شولا پور والے ب کی دعا سے میری پریشانیوں میں ضرور کمی ہو جائے گی اور ممکن ہے انکا سے چھٹکارا مل جائے۔ اس کا مجھے قطعی اندیشہ نہ تھا کہ انکا نرگس کے پروگرام سے واقف ہو چکی تھی لیکن انکا نے جب خود مجھے پُراسرار قوت کے ذریعے بتا دیا کہ نرگس کے شولا پور جانے کا اصل مقصد کیا ہے تو اس خیال ہی سے ہ نرگس کے سفر کا راز جان چکی ہے' میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور پھر قبل اس کے کہ میں انکا سے کہتا یا کوئی صفائی پیش کرتا' وہ کسی چھلاوے کی طرح پھدک کر میرے سر سے اتر گئی تھی۔ جاتے وقت نے مجھ سے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا...... کہ اب اسے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

انکا کے آخری جملے میرے ذہن میں شدید دھماکے پیدا کر رہے تھے۔ "کچھ کرنا پڑے گا۔" سے اس یا مقصد تھا' اس سے میں قطعی لاعلم تھا۔ بہرحال یہ بات طے ہو چکی تھی کہ انکا اس بار مجھ سے کچھ زیادہ ہی دل برداشتہ ہو گئی ہے اور یہ بات بڑی خطرناک تھی۔ اس کی ناراضگی کا تماشا میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت معاملہ دوسرا تھا۔ میری نرگس انکا کے عتاب کا نشانہ بننے والی تھی۔ اس لئے میں صرف اس ے بارے میں سوچ رہا تھا۔ الٰہی کیا ہوگا۔ یہ انکا کیا قیامت ڈھائے گی۔ اگر انکا کی ناراضگی کا تعلق

صرف میری ذات سے ہوتا تو مجھے اس درجہ تشویش نہ ہوتی، میں ہر مصیبت جھیل جاتا مگر یہ تصور میرے لئے بڑا روح فرسا تھا کہ انکا اب نرگس سے انتقام لے گی اور بے چاری نرگس کو صرف میری وجہ سے انکا کے مظالم سہنا پڑیں گے۔

گاڑی کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی اڑا چلا جا رہا تھا۔ طرح طرح کے خیالات اور توہمات مجھے پریشان کر رہے تھے۔ مجھے اس تصور ہی سے ہول اٹھنے لگتا تھا کہ کہیں انکا اس بار نرگس کو اپنی بھوک کے لئے منتخب نہ کر لے۔ میری الجھن سوا ہوتی جا رہی تھی۔ جیل سے رہائی کے بعد میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ خواہ حالات کیسے بھی ہوں، میں انکا کی رکیک خواہشات پوری نہ کروں گا مگر انکا کے سامنے میرے ارادے کی کیا وقعت تھی۔ اب جبکہ نرگس زد پر تھی، میں سوچ رہا تھا کہ اسے بچانے کے لئے مجھے انکا کی خواہشات پر سر جھکانا ہی ہوگا۔ کچھ بھی ہو میں نرگس کے لئے بے قصور اور بے گناہ لوگوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ مجھے انکا سے سودا کرنا ہی پڑے گا۔ مجھے نرگس کی زندگی خود سے زیادہ عزیز تھی۔

بمبئی سے شولا پور تک کے سفر کا ایک ایک لمحہ میرے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہوا۔ خدا خدا کر کے گاڑی منزل مقصود پر پہنچی تو میں تیزی سے نیچے اترا۔ ایک قلی کے ذریعے اپنا مختصر سا سامان رکشا میں رکھوایا پھر قلی کو پیسے دے کر رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں چلو جناب؟" رکشا والے نے دریافت کیا تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کون سی جگہ بتاؤں۔ میں شولا پور کے گلی کوچوں سے بالکل ناواقف تھا۔ نرگس شولا پور میں کہاں ٹھہری ہوگی یہ بات جاننا خاصا دشوار تھا۔ چنانچہ ایک لمحے کے لئے میں گنگ سا ہو گیا پھر فوراً ہی میرا خیال آیا کہ نرگس نے شولا پور میں اپنے قیام کے لئے یقیناً کسی اچھے ہوٹل کا ہی انتخاب کیا ہوگا۔ میں نے رکشا والے سے پوچھا۔

"یہاں کا سب سے اچھا ہوٹل کون سا ہے؟"

"اپنی اپنی پسند کی بات ہے جناب۔ ویسے یہاں تین چار اچھے ہوٹل موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے تم مجھے ان ہوٹلوں پر لے چلو جو بھی مجھے پسند آیا وہاں قیام کروں گا۔" میں نے جلدی سے کہا پھر اسے مطمئن کرنے کے لئے بولا "فکر مت کرو۔ میں تمہیں کرائے کے علاوہ انعام بھی دوں گا۔"

"آپ ہی لوگوں کا خادم ہوں جناب۔" رکشہ والے نے کہا پھر رکشا آگے بڑھا دیا۔

رکشا مختلف سڑکوں سے گزرتا رہا مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ سڑکیں کیسی تھیں اور شولا پور کس طرح کا شہر تھا۔ مجھے تو جلد سے جلد نرگس سے ملنے کی بے چینی ہو رہی تھی۔ دو بڑے ہوٹلوں میں نرگس کا پتا نہ چلا تو میں تیسرے ہوٹل پر پہنچا۔ جب وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں ہوٹل سے باہر آیا تو

اس بار رکشے والے نے مجھے خاص نظروں سے دیکھا۔

"کیا رہا جناب۔ کیا یہ ہوٹل بھی پسند نہیں آیا۔؟"

"نہیں۔" میں رکشے میں بیٹھتے ہوئے پژمردگی سے بولا۔ "کسی دوسرے ہوٹل لے چلو۔"

"اب تو بڑے ہوٹلوں میں صرف ایک ہی ہوٹل رہ گیا ہے جناب!"

"چلو اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے مردہ سی آواز میں کہا۔ رکشا دوبارہ حرکت میں آ گیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر رکشے والے نے کچھ پیشہ ورانہ انداز میں مجھے مخاطب کیا۔

"صاحب۔ ایک بات پوچھوں۔"

"کیا؟" میں بے دلی سے بولا۔

"کہیں آپ کو کسی خاص قسم کے ہوٹل کی تلاش تو نہیں ہے۔"

کیا مطلب؟" میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"بڑے اور چھوٹے ہوٹلوں پر چونکہ آئے دن پولیس کے چھاپے پڑتے رہتے ہیں اس لئے خفیہ دھندا اب صرف درمیانے درجے......"

"بکو مت۔" میں اس کا مفہوم بھانپ کر تلملا گیا پھر غصہ ضبط کر کے بولا۔ "تم نے میرے بارے میں جو اندازہ لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ میں اس ٹائپ کے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ تم بہت بے ہودہ ہو۔"

رکشے والے نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ میرے رویے سے ناراض ہو گیا ہے۔ بہرحال اس بات کا فیصلہ میں نے کر لیا تھا کہ چوتھے ہوٹل پر پہنچ کر میں اس رکشے کو چھوڑ دوں گا۔ اگر نرگس مل جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے تلاش کرنے کی خاطر اور کوئی سواری پکڑوں گا۔ جب چوتھے ہوٹل پر جا کر رکشا رکا تو میں نے اپنا سامان نیچے اتار لیا اور رکشے والے کو کرائے کے علاوہ مزید دس روپے بطور انعام دے کر رخصت کر دیا۔ بعد ازاں ہوٹل کے ایک ملازم کو سامان کے قریب چھوڑ کر میں دھڑکتے ہوئے دل سے اندر گیا تاکہ نرگس کے بارے میں معلوم کر سکوں۔ میں سوچ رہا تھا کہ نرگس اگر اس ہوٹل میں بھی نہ ملی تو پھر کیا ہوگا۔ میں اسے شولا پور میں کہاں کہاں تلاش کرتا پھروں گا لیکن میری یہ پریشانی زیادہ دیر نہ رہی۔ ہوٹل کا رجسٹر دیکھتے ہوئے مجھے بتایا گیا کہ نرگس جمیل صاحبہ اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر چوبیس اور پچیس میں مقیم ہیں لیکن اس وقت وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہیں۔ یہ سن کر کہ نرگس اسی ہوٹل میں ہے، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے جب مینیجر سے مل کر بتایا کہ میں نرگس کا شوہر ہوں تو اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے نہ صرف اس بات کی اجازت دے دی کہ میں نرگس کے ساتھ ایک ہی کمرے میں ٹھہر سکتا ہوں بلکہ ہوٹل کے ایک

ملازم کو بلا کر ہدایت کی کہ میرا سامان اوپر پہنچا دیا جائے۔ ملازم سامان لینے باہر گیا تو منیجر خود مجھے مطلوبہ کمرے تک چھوڑنے آیا۔ کمرے کا قفل اس نے ڈپلی کیٹ چابی سے کھول دیا تھا۔

سامان کمرے میں رکھوا کر میں کچھ دیر تک نرگس کا انتظار کرتا رہا پھر نیچے جا کر استقبالیہ کلرک سے پوچھا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نرگس کتنی دیر سے باہر گئی ہوئی ہیں؟"

"میں نے وقت تو نوٹ نہیں کیا تھا جناب' ویسے میرا اندازہ ہے کہ انہیں گئے ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

"کیا ان کے ساتھ میرا منیجر بھی تھا؟" میں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا جو اس وقت شام کے پانچ بجا رہی تھی۔

"ایک صاحب تھے تو ان کے ساتھ۔" استقبالیہ کلرک نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں جواب دیا۔

"جاتے وقت انہوں نے کچھ کہا تو نہیں تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"نہیں" کلرک نے جواب دیا۔

استقبالیہ کلرک سے گفتگو کرنے کے بعد میں باہر آ کر بڑی دیر تک ہوٹل کے لان پر ٹہلتا رہا۔ جب بھی کوئی ٹیکسی ہوٹل میں داخل ہوتی تو میرا دل دھڑکنے لگتا۔ میرے ذہن میں قسم قسم کے وسوسے پیدا ہو رہے تھے۔ میں بڑی شدت سے نرگس کی واپسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جب آٹھ بجے تک وہ واپس نہ لوٹی تو میری پریشانی تشویشناک حد تک بڑھ گئی۔ میں دوبارہ اوپر کمرے میں آ کر ٹہلنے لگا۔ ایک ایک منٹ مجھے ایک سال کی طرح لگ رہا تھا۔ میرے اوپر کرب کی کیفیت طاری تھی۔ بیرونی راہداری میں جب بھی کسی کے قدموں کی آواز ابھرتی' میں لپک کر دروازے پر آ جاتا پھر مایوس ہو کر دوبارہ ٹہلنے لگتا۔ ساڑھے آٹھ بجے تک میں پریشانی کے عالم میں مبتلا رہا۔ پھر اچانک دروازے پر ابھرنے والے قدموں کی چاپ نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو نرگس میری روح' میری زندگی' دروازے پر کھڑی مجھے تعجب خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ خلاف توقع مجھے یہاں موجود پا کر حیرت زدہ ہو گی۔

نرگس کو صحیح سلامت دیکھ کر ایسا معلوم ہوا مجھے میری جنت گم گشتہ مل گئی ہو۔ میں نے لپک کر عالم وارفتگی میں اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

"تم خیریت سے تو ہو؟" میں نے اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر پوچھا۔

"آپ کب آئے؟" اس نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے شکستہ لہجے میں کہا۔

"میں آج دوپہر کی گاڑی سے پہنچا ہوں۔ بڑی تگ و دو کے بعد اس ہوٹل تک پہنچ سکا ہوں۔" میں

نے تیزی سے کہا پھر دوبارہ سوال کیا۔ "یہاں تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی' تم کچھ گھبرائی گھبرائی سی دکھائی دے رہی ہو۔"

"آپ کے اچانک یہاں آنے کی وجہ کیا ہے؟" نرگس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک غیر متوقع انداز اختیار کیا۔

"کیا تمہیں مجھے یہاں دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی۔" میں نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔" نرگس اس بار خوفزدہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی پھر سسکتے ہوئے بولی۔ "جمیل' خدا کے لئے مجھے بچا لیجئے۔ یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہو کہیں اور بھاگ چلئے۔"

"کیوں؟" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو۔ کیا ہو گیا؟"

"وقت مت ضائع کیجئے جمیل۔ وہ' وہ نوازش......" نرگس اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر پھر سسکنے لگی۔ کسی خوفزدہ بچے کی طرح وہ میرے سینے سے چمٹی ہوئی تھی۔ اس کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

نوازش میرے منیجر کا نام تھا۔ نرگس جب صرف نوازش کہہ کر خاموش ہو گئی تو میرے ذہن میں ایک پل کے اندر لاتعداد خیالات ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔ میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نوازش کہاں ہے؟ مجھے استقبالیہ کلرک نے بتایا تھا کہ تم اس کے ساتھ باہر گئی تھیں۔"

"ہاں۔" نرگس بمشکل ہاں کہہ کر دوبارہ سسکنے لگی تو میں نے پریشانی اور الجھن کے ملے جلے لہجے میں سوال کیا۔

"خدا کے لئے کچھ بتاؤ تو سہی۔ آخر تم اس درجہ خوف زدہ کیوں ہو؟"

"جمیل۔" نرگس نے ڈبڈبائی ہوئی نظریں میرے چہرے پر جماتے ہوئے بڑے معصوم انداز میں کہا۔ "میں بے گناہ ہوں...... مجھے بچا لیں جمیل...... میں نے نوازش کو...... گگ...... گولی مار کر...... ہلاک کر دیا ہے۔"

"تم نے نوازش کو گولی مار کر ہلاک کر دیا! مگر کیوں......؟" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا تو نرگس رک رک کر بولی۔

"وہ...... وہ...... میری عزت لوٹنا چاہتا تھا۔"

نرگس کا جواب سن کر میں سکتے میں رہ گیا۔ میں بالکل چکرا کر رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے حالات کے پیش نظر میں نے ایک نتیجہ اخذ کر لیا۔ نرگس نے جو کچھ کہا تھا وہ یقیناً اپنی جگہ درست تھا اس لئے کہ اس میں سو فیصد انکا کے پُراسرار وجود کی شرارت نظر آ رہی تھی۔ نوازش کو میں بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ انتہائی شریف' دیانت دار اور فرشتہ صفت آدمی تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس نے نرگس پر بری نظر ڈالی ہو۔ یقیناً اسے انکا نے اس بدنگاہی پر آمادہ کیا تھا۔ اگر نوازش کے اوپر مجھے اعتماد نہ ہوتا تو میں

Downloaded from Paksociety.com

نرگس کو اس کے ساتھ شولا پور کیوں بھیجتا۔

گویا اب انکا نے اس طرح انتقام لیا ہے۔ ساری بات واضح تھی۔ اسی نے نوازش کے سر پر مسلط ہو کر اسے نرگس کی آبرو لوٹنے کے گھناؤنے جرم پر اکسایا ہوگا۔ پھر ظاہر ہے کہ نرگس نے اپنی عزت بچانے کی خاطر اسے شوٹ کر دیا ہوگا۔ میں ابھی انہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ نرگس نے دوبارہ کہا۔

"جمیل۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے حالات سے مجبور ہو کر نوازش کو گولی ماری تھی۔ اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا۔"

"مجھے یقین ہے نرگس کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے نرگس کو تسلی دی تو وہ بے اختیار پھٹ پڑی۔ پھر مجھے التجا آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"خدارا یہاں سے کہیں بھاگ چلیں جمیل ورنہ پولیس مجھے گرفتار کر لے گی مجھے پھانسی ہو جائے گی، میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن آپ سے جدائی کا تصور بھی میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالیں۔ اس طرح میری روح کو سکون تو مل جائے گا۔"

"گھبراؤ نہیں نرگس۔ میں تمہیں ہر قیمت پر بچا لوں گا۔ خدا کے لئے حوصلہ رکھو۔"

میں نرگس کو تسلیاں دینے لگا لیکن خود میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا تھا۔ شولا پور میں مزید رکنا بھی خطرے کی بات تھی چنانچہ میں نرگس کو سمجھا بجھا کر نیچے آ گیا۔ ہوٹل کا بل ادا کیا پھر اوپر آ کر جلدی جلدی سامان باندھا اور نرگس کو ساتھ لے کر سیدھا اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ قسمت اچھی تھی جو مجھے اسٹیشن پہنچتے ہی بمبئی جانے والی گاڑی مل گئی۔ میں نے دو ٹکٹ خریدے اور گاڑی میں بیٹھ کر دوبارہ بمبئی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس وقت بمبئی جانا میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ کلن خاں کے بیان کے بعد پولیس میری تلاش میں سرگرداں ہو لیکن بمبئی جائے بغیر میں کہیں اور جا بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔

نرگس بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں ہمارے علاوہ ایک مدراسی جوڑا تھا اس لئے میں نرگس سے کوئی بات نہ کر سکا لیکن دو اسٹیشنوں کے بعد وہ جوڑا اتر گیا تو ہم تنہا رہ گئے۔ نرگس کی حالت بدستور غیر ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ بار بار وہ مجھے سہمی ہوئی نظروں سے گھورنے لگتی۔ میں اس کی حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ انکا کے پُراسرار وجود نے مجھے جس کیفیت سے دوچار کر دیا تھا اس سے بچاؤ کا بظاہر کوئی حل مجھے نظر نہیں آ رہا تھا پھر بھی میں نے خود پر قابو پا کر نرگس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب آئندہ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم مفت میں اپنی جان کیوں ہلکان کر رہی ہو۔"

"جمیل۔" نرگس نے بے اختیار مجھ سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "وعدہ کریں کہ آپ میری گرفتاری سے

پہلے ہی مجھے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالیں گے۔"

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔" میں نے اسے محبت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔ "تمہارے بچاؤ کی خاطر میں سب کچھ کر گزروں گا لیکن شرط یہی ہے کہ تم خود پر قابو رکھو۔"

نرگس دیر تک مجھ سے لپٹی رہی۔ میں اسے تسلیاں دیتا رہا تو اس کی حالت قدرے سنبھل گئی۔ میں نے دیدہ دانستہ ابھی تک اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ میرے اچانک شولا پور پہنچنے کی وجہ کیا تھی لیکن جب نرگس نے بار بار اصرار کیا تو میں نے اس خیال سے کہ کہیں وہ اپنی لاعلمی میں انکا کی شیطانی قوت کا دوبارہ شکار نہ ہو جائے اسے مکمل حالات سے آگاہ کر دیا۔

"تو کیا نوازش کی اس حرکت کی ذمہ داری انکا پر عائد ہوتی ہے۔" اس نے پوری بات سننے کے بعد تعجب سے کہا۔

"ہاں۔ میرا یہی خیال ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب بمبئی سے بھی کہیں دور چلا جانا چاہئے۔" میں نے جواب دیا۔ "میرے خلاف چونکہ وہاں ایک کیس پہلے بن چکا ہے اس لئے اب ہمارا وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں۔"

نرگس خاموشی سے کچھ سوچتی رہی پھر وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ میں نے پوچھا۔

"کیا تم نے ان بزرگ سے ملاقات کی تھی جن سے ملنے شولا پور آئی تھیں؟"

"میں نوازش کو ساتھ لے کر ان ہی بزرگ سے ملنے کے ارادے سے نکلی تھی لیکن......"

"نوازش کو گولی تم نے کہاں ماری تھی؟" میں نے اچانک کچھ سوچ کر نرگس کی بات کاٹ کر دریافت کیا۔

"غالباً وہ کوئی پارک تھا۔ نوازش جس وقت ہوٹل سے چلا تھا اس وقت بالکل پُرسکون تھا لیکن راستے میں اچانک اس نے گاڑی پارک کے قریب رکوالی اور مجھے ساتھ لئے ایک سنسان جگہ کی طرف لے چلا۔ میں سمجھی کہ وہ بزرگ ادھر کہیں رہتے ہوں گے مگر ایک ویران جگہ پر جا کر اس نے بالکل اچانک مجھ سے دست درازی شروع کر دی۔ میں نے اپنے پرس سے ریوالور نکالا اور......" نرگس اتنا کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہارا ریوالور کہاں ہے؟"

"وہ وہ میں وہیں پھینک آئی تھی۔" نرگس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ریوالور کا جائے واردات پر پایا جانا یقیناً نرگس کو پھانسی کے پھندے تک لے جا سکتا تھا۔ ابھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نرگس نے دوبارہ مجھے مخاطب کیا۔

"جمیل..... کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ پھانسی کے پھندے سے مجھے بچالیں گے۔" اس کی آواز میں ہ بلا کا درد تھا۔

"کیوں نہیں.....' میں نے جلدی سے کہا۔" دولت کی طاقت کے آگے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی۔ تم قطعی پریشان نہ ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ نرگس میرا جواب سن کر مطمئن ہوئی تھی یا نہیں لیکن میں نے اس کی خاموشی سے یہی اندازہ لگایا کہ وہ قدرے سکون محسوس کر رہی ہے۔ بمبئی تک پھر ہمارے درمیان اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ راستے بھر مجھے یہی کھٹکا رہا کہ کہیں انکا دوبارہ کوئی وار نہ کر بیٹھے۔ میں نے نرگس کو بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ انکا کے پُراسرار وجود سے آئندہ بہت محتاط رہے اور اگر وہ اسے اپنے سر پر محسوس کرے تو فوری طور پر ایک مخصوص اشارے سے مجھے بتا دے۔

بمبئی پہنچ کر وہ رات ہم نے جس پریشانی اور الجھن میں گزاری وہ کچھ ہم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگلی صبح ہوتے ہی میں نے اور نرگس نے مل کر تین سوٹ کیسوں میں ضروری کپڑے اور قیمتی زیورات رکھے۔ ایک بستر بند میں دو بستر لپیٹے اور ایک ائیر بیگ میں دوسری ضروری اشیا رکھیں۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر میں گاڑی لے کر ڈرتے ڈرتے باہر نکلا اور ان تمام بینکوں سے اپنی جمع شدہ دولت کا بڑا حصہ نکلوالایا جن میں میرا حساب تھا۔ دہلی کے لئے دو سیٹیں میں نے گزشتہ رات ہی محفوظ کرالی تھیں۔ گھر پہنچ کر میں نے تھوڑی بہت تیاری جو باقی رہ گئی تھی' پوری کی اور جب جہاز کی روانگی میں ایک گھنٹا باقی رہ گیا تو میں نرگس کو ساتھ لے کر سانتا کروز کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

صبح سے اب تک میں نے کسی اخبار پر نظر نہیں ڈالی تھی لیکن ائر پورٹ پہنچ کر میں نے احتیاطاً ایک اخبار خرید لیا۔ نرگس کے چہرے پر بدستور فکر و پریشانی کے تاثرات موجود تھے۔ اس نے نوازش کی موت کا اور آئندہ پیش آنے والے نتائج کا اتنا گہرا اثر لیا تھا کہ وہ برسوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی۔ جب تک جہاز نے پرواز نہیں کی وہ گنگ بیٹھی رہی مگر جہاز کے پرواز کرتے ہی اس نے یوں ایک طویل سرد سانس کھینچی جیسے کسی بڑی پریشانی سے نجات مل گئی ہو۔

میں نے ایک بار پھر سرگوشی کے انداز میں اسے پُرسکون رہنے کی تلقین کی پھر اخبار جسے اب تک میں نے لپیٹ کر ہاتھ میں دبا رکھا تھا' کھولا اور جلدی جلدی سرخیوں پر نظر دوڑانے لگا۔ پہلے اور دوسرے صفحے پر مجھے کچھ نظر نہ آیا لیکن تیسرے صفحے پر مجھے وہ خبر مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے خوفزدہ نظروں سے خبر کی تفصیل پڑھی تو میری عقل چکرا کر رہ گئی۔

نرگس کا بیان تھا کہ اس نے نوازش کو کسی پارک کے قریب ویرانے میں گولی مار کر ہلاک کیا تھا اور اپنا ریوالور بھی وہیں پھینک آئی تھی لیکن اخبار میں آنے والی اطلاع اس بیان سے قطعی مختلف تھی۔ اخباری

اطلاع کے مطابق نوازش علی کی لاش شولا پور میں ایک پارک کے قریب سڑک پر کچلی ہوئی حالت میں ملی تھی۔ پولیس کا خیال تھا کہ نوازش علی کسی بھاری بس یا ٹرک کے نیچے آ کر ہلاک ہوا ہے۔ حادثہ اتنا شدید تھا کہ مقتول کی پسلیوں کی تمام ہڈیاں چور ہو گئی تھیں اور جسم کا بیشتر حصہ پس گیا تھا۔ اگر چہرہ محفوظ نہ رہتا تو اس کی شناخت بھی ناممکن ہو جاتی۔ آخر میں اخبار نے اپنے نمائندے کے حوالے سے یہ بھی لکھا تھا کہ تادم تحریر پولیس اس بس یا ٹرک کو تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی جس نے نوازش کو بے دردی سے کچلا تھا۔

اس خبر کو پڑھ کر مجھے سکون تو ضرور ہوا لیکن میں بخوبی جانتا تھا کہ یہ سب کچھ انکا نے کسی خاص مصلحت کی بنا پر ہی کیا ہو گا۔ بہر حال مجھے وقتی طور پر اس بات کی خوشی یقیناً ہوئی تھی کہ نوازش کے قتل کے سلسلے میں نرگس کا نام نہیں آیا۔ رہا نوازش کا شولا پور جانے کا مسئلہ تو یہ راز میرے اور نوازش کے سوا کسی اور کو نہیں معلوم تھا لیکن جس ہوٹل میں نوازش مقیم تھا اس میں یقیناً اس کا نام درج تھا۔ ہوٹل والوں نے پولیس کو نوازش' نرگس اور میری آمد کے بارے میں ضرور بتایا ہو گا لیکن اس سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ حادثے کے وقت میں ہوٹل میں موجود تھا اور نرگس دریافت کرنے پر یہ بتا سکتی ہے کہ ٹیکسی سے اترنے کے بعد نوازش اس سے علیحدہ ہو گیا تھا جب وہ اسے نہیں ملا تو وہ تنہا ہوٹل واپس چلی آئی، بہر حال پولیس نے اس واقعے کو..... ایکسیڈنٹ قرار دے دیا تھا اور ہماری نجات کے کافی امکانات موجود تھے پھر بھی سچ تو یہ ہے کہ شولا پور سے چلتے وقت ہم سے کچھ غلطیاں ضرور ہو گئی تھیں جن کے سبب پولیس ہمیں پریشان کر سکتی تھی لیکن کیا کیا جاتا۔ شولا پور میں ہماری نظر میں یہ قتل کا کیس تھا۔ وہاں سے فرار ضروری تھا اور بمبئی میں رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ بمبئی سے روانگی سے قبل میں نے فون پر اپنے دفتر کے ایک آدمی کو یہ اطلاع دے دی تھی کہ میں چند ضروری کاموں کے سلسلے میں باہر جا رہا ہوں۔

نرگس چونکہ اپنے خیالات میں محو تھی اس لئے اس نے اخبار کی اس خبر کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کچھ دیر تک میں اس بات پر غور کرتا رہا کہ آخر نوازش کی لاش کو غلط انداز سے سامنے لا کر انکا کا کیا ارادہ ہے۔ پھر جب اس کی کوئی خاص وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی تو میں نے نرگس کو آہستہ سے مخاطب کیا۔

"کس سوچ میں غرق ہو؟"

"جی۔" وہ میرے سوال پر چونکی۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہا۔ "یوں ہی خاموش تھی۔"

"پُرسکون رہنے کی کوشش کرو میری جان اور جو بات تمہارے ذہن کو پریشان کر رہی ہے اسے بھول جاؤ۔ اس لئے کہ اب تمہارے اوپر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکے گا۔"

"کیا مطلب؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

جواب میں' میں نے اخبار کا وہ صفحہ نرگس کے سامنے کر دیا جس میں اس حادثے کی خبر شائع ہوئی

تھی۔ اخبار کی سرخی دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے تو بری طرح بوکھلا گئی لیکن پھر اس کی بوکھلاہٹ آہستہ آہستہ الجھن میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ نوازش کے بارے میں پوری تفصیل پڑھنے کے بعد اس نے جن نظروں سے میری طرف دیکھا ان میں لاتعداد سوالات پنہاں تھے۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ذہن پر زیادہ بوجھ نہ دو۔ یہ سب اسی کی شرارت ہے۔"

"لیکن میں نے تو اسے......"

"جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ فی الحال کوئی اور بات کرو۔"

نرگس بدستور میرے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی غالباً اس کے ذہن کو بھی وہی سوالات پریشان کر رہے تھے جنہوں نے مجھے الجھا رکھا تھا۔ چند ثانئے تک وہ ٹکٹکی باندھے میرے چہرے کو تکتی رہی پھر سپاٹ آواز میں بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"سب ٹھیک ہو جائے گا تم پریشان مت ہو۔" میں نے جان بوجھ کر بڑی بے پروائی سے بات کہی اور اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر مطمئن انداز میں دوسری خبریں دیکھنے لگا۔

دہلی پہنچ کر مجھے قیام کے سلسلے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ میں شادی سے پہلے بھی دو تین بار یہاں آ چکا تھا پہلے بھی میرا قیام یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل اشوکا میں ہوا تھا جو چانکیا پوری میں واقع ہے چنانچہ اس بار بھی پالم کے ہوائی اڈے سے ٹیکسی پکڑ کر میں سیدھا اشوکا پہنچا اور ایک ڈبل روم اپنے لئے حاصل کر لیا۔

میں دہلی کسی خاص منصوبے کے تحت نہیں آیا تھا محض نرگس کے اصرار پر میں بمبئی چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ بذات خود بھی میں یہی چاہتا تھا کہ کچھ روز بمبئی سے دور رہ کر حالات کا جائزہ لیا جائے لیکن اب جبکہ میں دہلی میں مقیم تھا تو اچانک میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ کیوں نہ میں یہاں کسی درگاہ پر حاضری دے کر انکا سے چھٹکارے کے لئے دعا مانگوں۔ اس خیال کا اظہار میں نے نرگس پر کیا تو اس نے بھی میری تائید کی اور کہا کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے اور اسی وقت درگاہ پر حاضری دینے چلو۔ نرگس کے چہرے پر اب قدرے سکون تھا۔ شاید اس لئے کہ اسے یقین تھا کہ درگاہ پر حاضری دیتے ہی ہماری مصیبت کی گھڑیاں ضرور ختم ہو جائیں گی۔"

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں سونے کے ارادے سے لیٹ گئے۔ نرگس کو اب سکون ہو گیا تھا۔ اس لئے بستر پر لیٹتے ہی سو گئی لیکن مجھے نیند نہ آ سکی۔ میں یونہی سوچتا رہا۔ سوچتا رہا اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

شام کو پانچ بجے میں بیدار ہو گیا لیکن نرگس ابھی تک خواب خرگوش میں محو تھی۔ سوتے میں بھی اس

کے معصوم چہرے پر کرب کے تاثرات موجود تھے۔ میرے ذہن کو نرگس کی کیفیت محسوس کر کے جھٹکا لگا۔ اس بے چاری کی حالت کا ذمے دار صرف میں تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک میں اسے کوئی سکون نہ دے سکا تھا۔ اس کے برعکس نرگس کو میرے لئے اَن گنت پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔ مجھے جیل سے رہا کرانے میں اس نے دن رات ایک کر دیئے تھے۔ شولا پور بھی وہ میری خاطر گئی تھی جہاں ایک نئی مصیبت سے دوچار ہو گئی تھی۔

خاصی دیر تک میں نرگس کے معصوم چہرے کو تکتا رہا۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اس کی پُرسکون نیند میں خلل ڈالوں لیکن چونکہ ہمارا درگاہ پر حاضری دینا ضروری تھا اس لئے میں نے ہمت کر کے اسے جگا دیا وہ خوف و دہشت کے تاثرات چہرے پر سمیٹے ہڑبڑا کر اٹھی اسے دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا مگر میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اٹھ کر جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں ناشتے کے لئے فون کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم درگاہ پر حاضری دینے چلیں گے۔"

نرگس نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر جلدی سے اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں نے فون پر ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ نرگس نے تیار ہونے میں حیرت انگیز جلدی کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ آدھے گھنٹے بعد ہم نے اشوکا سے باہر نکل کر ایک ٹیکسی پکڑی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ کی طرف چل پڑے۔ مجھے اس بات پر خاصی ندامت محسوس ہو رہی تھی کہ پہلے جب بھی دہلی آیا تو کاروباری ارادے سے آیا یا پھر عیاشی کے لئے آیا مگر پہلے کبھی میرے دل میں کسی درگاہ پر حاضری دینے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ آج جب حالات نے مجھے چاروں طرف سے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا میں درگاہ پر حاضری دینے پر آمادہ ہو گیا۔

ابھی میں ندامت کے اس احساس سے دوچار ہی تھا کہ یکلخت چونک پڑا۔ اچانک میں نے یوں محسوس کیا جیسے میرے سر پر کوئی دھماکا ہو گیا ہو۔

انکا میرے سر پر موجود تھی۔ جب میں نے عالم تصور میں اسے سر پر دوبارہ مسلط پایا تو میں بری طرح حواس باختہ ہو گیا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے انکا کے پُراسرار وجود کو دیکھ رہا تھا جو میرے سر پر کھڑی کینہ توز نظروں سے مجھے گھورے جا رہی تھی۔ اس کی خوفناک آنکھوں سے نفرت اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ بہت مشتعل اور برافروختہ معلوم ہوتی تھی۔ میں اسے دیکھ کر بہت شکستہ ہوا۔ انکا سے کبھی میں نجات نہیں پا سکوں گا۔ ساری زندگی مجھے اس کی غلامی میں بسر کرنا پڑے گی۔ تمام عمر میں اسی کرب میں مبتلا رہوں گا۔ کاش انکا مجھے اپنی غذا کے طور پر قبول کر لیتی۔ میں روہانسا ہو گیا۔

میری آنکھیں بھر آئیں۔ کاش میں اس دن رام دیال کی ماں کی ارتھی کے ساتھ شمشان گھاٹ نہ

جاتا۔اف میرے خدا۔میں کس عذاب میں گھر گیا ہوں۔

خواجہ کی درگاہ اب بمشکل ایک میل رہ گئی تھی لیکن قبل اس کے کہ میں وہاں پہنچ سکتا۔انکا نے میرے کانوں میں بڑی ڈراؤنی آواز میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''جمیل۔گاڑی رکوالو۔''میں خاموش رہا۔

''وقت ضائع مت کرو جمیل۔میری بات مانو اگر تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کیا تو پھر سوچ لو' کہیں اس بار تمہیں نرگس سے ہی ہاتھ نہ دھوے پڑ جائیں۔''

انکا کی یہ دھمکی کام کر گئی۔میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور ٹیکسی ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر دے۔

''کیوں؟''نرگس نے چونکتے ہوئے سوال کیا تو میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

''جلدی میں' میں کمرے کو قفل لگانا بھول گیا تھا ممکن ہے درگاہ پر دیر لگے اس لئے تم ٹیکسی میں بیٹھو، میں ہوٹل کے مینجر کو فون کر کے ابھی آتا ہوں۔''

ٹیکسی میری ہدایت پر سڑک کے کنارے روک دی گئی تھی۔چنانچہ نرگس کے سوالات سے بچنے کے لئے میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر ایک سمت ہولیا۔نرگس کو یہ باور کرانے کے لئے کہ میں سچ مچ ہوٹل کو فون کرنے کے ارادے سے نیچے اترا ہوں' میں نے یونہی ایک راہ گیر سے وقت پوچھا پھر قدم بڑھاتا ایک دوسری سڑک پر گھوم گیا۔

انکا بدستور میرے سر پر کھڑی اپنے دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھے مجھے غضبناک نظروں سے گھور رہی تھی۔جیسے ہی میں دوسری سڑک پر آیا اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

''تم اس وقت نرگس کے ساتھ کہاں جا رہے تھے؟''

''میں......وہ......ذرا نرگس کی طبیعت خراب تھی اس لئے......''

''اس لئے تم اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جا رہے تھے۔کیوں۔''انکا نے میری بات کاٹ کر کہا۔

''ہاں۔ہاں۔یہی بات تھی۔''

''جمیل۔''اچانک انکا کا لہجہ بے حد خونخوار ہو گیا۔''تم پھر مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو۔مجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت نرگس کے ساتھ ایک بزرگ کی چوکھٹ پر اس لئے جا رہے تھے کہ مجھ سے چھٹکارا حاصل کر سکو۔''

''ہاں۔''میں نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔''تم سچ کہتی ہو۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم مجھ سے اتنی آسانی کے ساتھ بغیر میری مرضی کے نجات پا لوگے؟''

میں تھکے تھکے قدم بڑھاتا رہا۔انکا کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔انکا کی ہر بات سچ

تھی۔میں خاموش رہا تو انکا نے تحکمانہ انداز میں مجھ سے کہا۔

''واپس چلو جمیل صاحب۔اب تم بزرگ کی چوکھٹ پر نہیں جاؤ گے۔میرے حکم پر تمہیں واپس ہوٹل جانا ہوگا جہاں آج تم سے آخری فیصلہ کیا جائے گا۔''

انکا کے حکم کو نہ ماننے کی صورت میں مجھے نرگس کی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔انکا نے مجھے دھمکی بھی یہی دی تھی۔لہٰذا میں اس کے حکم پر خاموشی سے پلٹا اور دوبارہ ٹیکسی کی سمت قدم بڑھانے لگا۔انکا غیظ و غضب کی کیفیت میں میرے سر پر ٹہل رہی تھی۔اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔میں اس کے اشتعال کے اس عالم سے واقف تھا' اور اسی لئے بہت خوفزدہ تھا۔

میں جب دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھا تو نرگس نے میرے پریشان چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کر آئے فون......؟''

''ہاں۔لیکن مینجر نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں خود جا کر کمرے کو مقفل کر دوں۔''

''پھر؟''

''مجبوری ہے۔''میں نے تیزی سے کہا۔''کمرے کو مقفل کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ہم دوبارہ واپس آجائیں گے۔''

میری ہدایت پر ٹیکسی واپس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گئی۔میں گم صم بیٹھا سوچ رہا تھا کہ انکا کی قوت واقعی بڑی لامحدود ہے اسے اپنی پُراسرار قوت کی بنا پر یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہم خواجہ کی چوکھٹ پر حاضری دینے جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں چنانچہ وہ فوری طور پر میرے سر پر آ گئی اور پھر اس نے جو دھمکی مجھے دی وہ اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ میرے لئے اس کا حکم ماننے سے انکار ممکن نہ تھا۔

میں اپنی سوچ میں غرق تھا۔نرگس منہ دوسری طرف کئے باہر کے مناظر دیکھنے میں محو تھی اور انکا میرے سر پر غصے کی حالت میں ٹہل رہی تھی' اس کے تیور بے حد خطرناک ہوتے جا رہے تھے۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور نرگس کو ساتھ لئے اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کیا تو نرگس نے حیرت سے کہا۔''کیا واپس چلنے کا ارادہ نہیں ہے؟''

''نہیں۔''میں نے مردہ آواز میں جواب دیا۔

''کیوں۔کیا کوئی خاص بات ہے۔''

میں نرگس کی بات کا کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ انکا نے کہا۔''جمیل۔تم نرگس کو اگر چاہو تو بتا دو کہ میں دوبارہ تمہارے سر پر آ گئی ہوں لیکن میری اور تمہاری گفتگو تنہائی میں ہوگی۔''

نرگس کے معصوم چہرے پر موجود الجھن میرے دل پر کچوکے لگا رہی تھی۔میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اسے انکا کی موجودگی سے باخبر کر دوں لہٰذا جب انکا نے مجھے اس کی اجازت دے دی تو میں نے

نرگس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"نرگس، تم کچھ دیر کے لئے برابر والے کمرے میں چلی جاؤ، مجھے انکا سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"انکا سے.....؟" نرگس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"ہاں۔ انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی ہے۔" میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسی کے کہنے پر میں واپس یہاں آیا ہوں۔"

نرگس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔ اس کی غزالی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ چند ثانئے تک وہ مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی پھر اپنی اداس نظریں نیچی کر کے قدم بڑھاتی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں کسی ہارے ہوئے جواری اور تھکے ہوئے مسافر کی طرح آگے بڑھ کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جمیل۔" انکا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم نے نرگس کے سلسلے میں مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور آج تم نے پھر مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو جبکہ تم انکا سے اچھی طرح واقف ہو۔"

"میں نے یہ سب کچھ نرگس کو مطمئن کرنے کی خاطر اس کے ایما پر کیا تھا۔" میں نے مردہ آواز میں جواب دیا تو انکا چراغ پا ہو کر بولی۔

"تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے جیل سے رہائی حاصل کرنے کے لئے بھی مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔"

میں خاموش رہا تو انکا سر سے پھدک کر میرے بائیں شانے پر آ گئی اور کرخت آواز میں بولی۔

"سنو جمیل صاحب۔ جب تک میں خود تمہیں نہ چھوڑوں، تم مجھ سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے اور کان کھول کر سن لو کہ اگر تم نے کسی بزرگ کے مزار پر جانے کا ارادہ کیا تو میں نرگس کو مار ڈالوں گی۔ اس کا خون بہت لذیذ ہو گا۔ بولو کیا ارادہ ہے تمہارا!؟"

"نہیں۔" میں نرگس کی جدائی کے تصور ہی سے تڑپ اٹھا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔"

"اپنے دل کو پھر ٹٹولو جمیل۔ کہیں پھر تم مجھے دھوکا دینے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو۔"

"نہیں۔ میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کہو گی، میں وہی کروں گا۔"

"کیا تم پہلے کی طرح ہر ماہ میرے لئے ایک انسانی جسم کا خون مہیا کرنے پر تیار ہو؟" انکا نے اس بار زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں لیکن صرف اس شرط پر کہ تم نرگس کو کوئی گزند نہیں پہنچاؤ گی۔"

"نرگس تمہیں بہت زیادہ عزیز ہے۔ کیوں!" انکا کے گلابی ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"ہاں۔ میں اس کی خاطر اپنی جان کی قربانی بھی دے سکتا ہوں۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا تو انکا مسکرا کر بولی۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم نرگس سے کتنی محبت کرتے ہو۔ اسی وجہ سے میں نے نوازش کی موت کے سبب کو بدل ڈالا۔ اب نرگس پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔"

"مگر وہ ریوالور کیا ہوا جو نرگس وہاں پھینک آئی تھی؟" میں نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ جب تک تم مجھ سے وفادار رہو گے، تم پر اور نرگس پر کوئی آنچ نہیں آئے گی لیکن یاد رکھو...... یہ آخری موقع ہے آئندہ رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔"

میری کیفیت اس وقت ایسی تھی جیسے عمل تنویم کر کے مجھے کسی عامل نے اپنے قبضے میں کر لیا ہو لیکن میں نرگس کی زندگی کے لئے ہر سودا کرنے کو تیار تھا۔ چنانچہ اس وقت انکا نے جو بھی کہا میں نے خلوص دل سے مان لیا۔ میری اس سعادت مندی سے خوش ہو کر وہ دوبارہ رینگتی ہوئی میرے سر پر چلی گئی۔ اس کے ہونٹوں پر اب بڑی شوخ مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ میرے سر پر کھڑی کچھ دیر تک وہ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہی پھر ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر میرے گھنے بالوں پر اس طرح اوندھی لیٹ گئی کہ اس کے دونوں ہاتھ میری پیشانی پر تھے اور خوابیدہ نظریں نیم وا تھیں۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور دل ہی دل میں کھول رہا تھا کہ کچھ توقف کے بعد انکا نے مجھے پھر مخاطب کیا۔

"جمیل۔ تمہیں ستانے میں مزہ آتا ہے۔ تم وہ پہلے شخص ہو جسے میں نے سب سے زیادہ پسند کیا ہے۔ یقین جانو اگر میں حقیقت کے روپ میں آ سکتی تو نرگس کی جگہ میں ہوتی۔ تمہاری باتیں مجھے بڑی پیاری لگتی ہیں۔ اسی وجہ سے میں تمہیں ہر بار معاف کر دیتی ہوں۔ بمبئی سے روانگی کے وقت میں نے سوچا تھا کہ شولا پور پہنچ کر نرگس کو ٹھکانے لگا دوں گی لیکن پھر مجھے تمہارے اوپر ترس آ گیا۔ دل کی باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

میں انکا کی گفتگو کو غور سے سنتا رہا۔ نرگس کے سلسلے میں اس کی جارحانہ باتیں سن کر مجھے بڑا تاؤ آیا لیکن میں دھیمے لہجے میں بولا۔

"ایک بیوی کی حیثیت سے نرگس کا فرض ہے کہ میری پریشانیوں میں برابر کی شریک رہے۔ وہ شولا پور بھی اسی مقصد سے گئی تھی کہ مجھے تم سے چھٹکارا دلا سکے۔"

"مجھ سے۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "جمیل تم بڑے ناشکرے ہو۔ اب تک میں نے تمہارے اوپر جو کچھ احسانات کئے تم وہ سب فراموش کر بیٹھے حالانکہ تم کو اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہئے تھا کہ میں خود

تمہارے سر پر آ گئی۔ مجھے قبضے میں کرنے کے لئے اب تک نہ جانے کتنے سر پھرے الٹے سیدھے عمل کر کے یا تو پاگل ہو چکے ہیں یا پھر اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ تمہیں نہیں معلوم کہ رام دیال کی ماں بھی مجھے پانے کے لئے اپنی جان گنوا بیٹھی تھی۔“

”میں تمہاری پُراسرار قوت کا قائل بھی ہوں اور احسان مند بھی لیکن......“

”تم جھوٹ بکتے ہو۔“ انکا نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ”جب تک نرگس تمہاری زندگی میں نہیں آئی تھی‘ تم صرف میرے تھے۔ مگر اب تم بدلتے جا رہے ہو۔ میں اگر چاہوں تو تم کو اپنی قوت سے قبضے میں لا سکتی ہوں مگر نہ جانے کیوں ہر بار مجھے تمہاری پیاری باتوں پر رحم آ جاتا ہے۔“

”یہ تمہارا خیال ہے ورنہ میں اب بھی تمہارے خلاف نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں کسی بے گناہ کا خون کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔“ میں نے انکا کو برہم دیکھا تو نرمی سے جواب دیا۔

”بس رہنے بھی دو جمیل صاحب۔ میں خوب جانتی ہوں کہ تم کتنے پانی میں ہو۔“ انکا نے بدستور غصے سے کہا۔ ”رہا میری پُراسرار قوت کا معاملہ تو تم تمام عمر اس کا بھید نہیں پا سکتے۔ ابھی تم پوری طرح قائل ہی کہاں ہوئے ہو‘ تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھا سوچتا رہا کہ انکا کو کس طرح رام کیا جائے۔ حالات کے پیش نظر انکا کی خوشنودی حاصل کرنا میرے لئے ضروری تھا۔ میں اپنے خیال میں محو تھا اور ادھر انکا نے کھڑے ہو کر میرے سر پر غصے کے عالم میں چہل قدمی شروع کر دی۔ خاصی دیر تک ہم دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم رہے پھر اچانک میں نے انکا کو چونکتے ہوئے دیکھا۔ یوں جیسے اسے کوئی اہم بات یاد آ گئی ہو۔ اس کی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ منہ سے جھاگ اڑاتے ہوئے بولی۔

”جمیل۔ میں تم سے وعدہ ضرور کر چکی ہوں کہ نرگس کو جان سے نہیں ماروں گی لیکن اب اسے اپنی حرکت پر ضرور پچھتانا پڑے گا۔ اسے اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا۔“

”لل...... لیکن نرگس نے اب کیا کیا ہے؟“ میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”اس کا علم تمہیں خود ہو جائے گا۔“ انکا نے چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح بل کھا کر کہا پھر بڑی پھرتی کے ساتھ رینگتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی۔

”انکا کے آخری جملے کا مطلب کیا ہے؟“ اس کے جانے کے بعد بھی میں چند لمحوں تک اپنی جگہ کسی پتھر کی مورتی کی طرح کھڑا سوچتا رہا پھر تیزی سے لپکتا ہوا ملحقہ کمرے میں گیا تاکہ نرگس کو انکا کے بارے میں تفصیل سے سمجھا کر محتاط رہنے کا مشورہ دے سکوں لیکن دوسرے کمرے میں قدم رکھتے ہی میں ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرے اعصاب جواب دے گئے۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور نرگس کمرے میں موجود نہیں تھی۔

☆==========☆==========☆

نرگس کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر میں بوکھلا گیا۔ میرے اعصاب جواب دے گئے۔ میں پتھر کے کسی بے جان مجسمے کی طرح کھڑا خالی کمرے کو دیکھتا رہا۔ ہر شے مجھے گھومتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے بھرے بازار میں کسی نے میری جیب کتر لی ہو۔ نرگس میری زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھی۔ اس کی اچانک غیر موجودگی نے میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتوں کو سلب کر لیا تھا۔ وہ اچانک کہاں چلی گئی؟ کیوں چلی گئی؟ کس نے اسے جانے پر مجبور کیا تھا؟...... متعدد سوالات میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

چند ثانیے تک میں بے حس و حرکت کھڑا نرگس کے بارے میں غور کرتا رہا پھر انکا کے آخری جملے میرے ذہن میں ابھر آئے۔ اس نے روانگی سے قبل کہا تھا کہ نرگس کو اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا۔ پھر اچانک ہی یہ خیال آیا کہ کہیں نرگس مجھے انکا کے ساتھ مصروف گفتگو دیکھ کر دوبارہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ...... کی درگاہ کی طرف نہ چلی گئی ہو‘ یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ میرے دل نے گواہی دی۔ میں نے لپک کر نرگس کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا پھر دوڑتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا اور اسے باہر سے مقفل کر کے تیزی سے نیچے آ گیا۔

ہوٹل سے باہر آ کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور خواجہ کی درگاہ کی سمت چل دیا۔ جوں جوں درگاہ نزدیک آتی جا رہی تھی‘ میری وحشتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں نرگس کو جلد از جلد پا لینے کے لئے بے چین تھا اور نہ جانے کیا کیا دعائیں مانگ رہا تھا۔ انکا کے عہد کے مطابق مجھے اس بات کا تو کسی حد تک یقین تھا کہ وہ نرگس کو جان سے نہیں مارے گی مگر یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ خدا جانے وہ نرگس کو کس مصیبت میں الجھا دے۔ ہوٹل کے کمرے میں میرے سر سے اترتے وقت انکا کے تیور بے حد خطرناک تھے اور جب انکا کے تیور خراب ہوتے تھے اس وقت کیا کیا قیامتیں نازل ہو جاتی تھیں‘ اس کا مجھے پورا اندازہ تھا۔

”اور تیز چلا دوست۔ مجھے بے حد ضروری کام ہے۔“ میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا تو وہ خشک لہجے میں بولا۔

”اگر آپ کو بہت زیادہ جلدی ہے تو کوئی اور ٹیکسی پکڑ لیں۔ میں چالیس کی رفتار سے زیادہ چلانے کا عادی نہیں ہوں۔“

ٹیکسی ڈرائیور کا جواب سن کر مجھے طیش آیا لیکن اس وقت ایک ٹیکسی کو چھوڑ کر دوسری پکڑنے میں چونکہ وقت ضائع ہونے کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور پھر۔ پھر دس منٹ بعد میں خوشی سے یوں اچھلا جیسے مجھے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ نرگس میرے لئے قارون کے خزانے سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جب میری نظر اچانک اس پر پڑی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے مردہ

تن میں زندگی کی لہر آ گئی ہو۔

"بس۔ یہیں روک لو۔" میں نے ڈرائیور کا شانہ پکڑ کر تیزی سے کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے بیزاری اور نفرت سے مجھے دیکھا اور ٹیکسی روک لی۔ ٹیکسی رکتے ہی دروازہ کھول کر میں جلدی سے نیچے اترا' جیب سے دس کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کی گود میں پھینکا اور بقیہ رقم لیے بغیر نرگس کی طرف بڑھنے لگا جو فٹ پاتھ پر مجھ سے کوئی تیس چالیس قدم آگے چل رہی تھی۔ میں نے لپک کر اسے جا لیا اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم مل گئیں۔"

"جی۔" نرگس نے رک کر مجھے دیکھا پھر مسکرا دی۔

"تمہیں مجھ سے پوچھے بغیر اس طرح ہوٹل سے نہیں آنا چاہیے تھا۔" میں نے اطمینان کا ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اتنی دیر میری جو کیفیت ہوئی ہے وہ کچھ میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں آپ کا مقصد۔" نرگس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ میرے قریب پہنچتے ہی رک چکی تھی۔

"یقین مانو نرگس۔ تمہیں صحیح سلامت پا کر مجھے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"اچھا۔" نرگس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں۔ کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں آیا؟" میں نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی آپ نے مجھے نرگس کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" اس بار نرگس نے کچھ ایسی اجنبیت سے یہ جملہ کہا کہ میں ایک لمحے کے لئے ٹپٹا کر رہ گیا پھر اس خیال سے کہ ممکن ہے اس نے ازراہ مذاق ایسا کیا ہو' میں نے ہنس کر کہا۔

"آؤ ہوٹل واپس چلتے ہیں۔ یہاں سڑک پر کھڑے کھڑے باتیں کرنا مناسب نہیں۔"

"صورت شکل سے تو تم مجھے کسی شریف خاندان کے فرد نظر آتے ہو۔" نرگس کچھ اور زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔

"بہت خوب۔" میں بے اختیار ہنس کر بولا۔ "گویا تمہیں بھی مذاق کے لئے یہی موقع ملا ہے۔" میں کھسیانا سا ہو گیا۔

قریب سے ایک خالی ٹیکسی گزر رہی تھی۔ میں نے نرگس کا جواب سننے کے بجائے آگے بڑھ کر اسے ہاتھ کے اشارے سے روک لیا نرگس سے کہا۔ "آؤ بیٹھو۔"

"اے مسٹر۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔" نرگس کا لہجہ اس بار تلخ تھا۔

"پلیز نرگس۔ اس وقت میں ویسے ہی پریشان ہوں' مجھے زیادہ بور مت کرو۔"

میں اتنا کہہ کر نرگس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی تو وہ ایک دم آگ بگولا ہو گئی۔ ایک جھٹکے سے اس نے اپنا ہاتھ چھڑایا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ایسا زناٹے دار طمانچہ میرے گال پر رسید کیا کہ میں چکرا کر رہ گیا اور اس سے پیشتر کہ میں نرگس کے رویے کی اس حیرت انگیز تبدیلی پر کچھ سوچ سکتا' وہ غصے میں سرخ ہو کر غرائی۔

"کمینے۔ کیا تو نے مجھے کوئی بازاری عورت سمجھا ہے۔"

"نرگس...... نرگس...... خدا کے لئے......"

"بکواس مت کر۔ شہدے!...... بدمعاش آوارہ۔" نرگس نے چیخ کر کہا تو میرے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

میں نرگس کو تعجب خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پیدا ہونے والی کرختگی میرے لئے حیرت انگیز تھی۔ اس کی نظروں میں میرے لئے شدید نفرت نمایاں تھی۔ غصے کے مارے اس کے جسم کا سارا خون اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔ ابھی میں حیران ہی ہو رہا تھا کہ دو چار راہ گیر جنہوں نے نرگس کو مجھے طمانچہ مارتے دیکھ لیا تھا' ہمارے گرد جمع ہو گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی اتر کر میرے قریب آ گیا۔ حالات کچھ ایسی نازک صورت اختیار کر گئے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ نرگس تڑپ کر بولی۔

"حرام زادے۔ میری شکل کیا گھور رہا ہے۔ دفع ہو جا یہاں سے ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

اچانک میری چھٹی حس بیدار ہو گئی۔ میرے ذہن میں انکا کا پُراسرار تصور ابھر آیا۔ یقیناً اس وقت میرے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے اس میں انکا کی پُراسرار شخصیت کا دخل ہے۔ اب وہ نرگس کے سر پر مسلط ہو چکی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس وقت وہاں سے کھسک جاؤں' کہیں بات اور خراب نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے نرگس پر ایک اداس نظر ڈالی اور واپسی کے ارادے سے پلٹنے لگا مگر ایک صاحب نے جو مجھے بڑی کینہ توز نظروں سے گھور رہے تھے' آگے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا اور بگڑے ہوئے لہجے میں بولے۔

"شرم نہیں آتی تم کو' شارع عام پر یہ بے ہودگی کرتے ہوئے۔"

اس تضحیک کی کون تاب لا سکتا تھا۔ مجھے نرگس سے کوئی گلہ نہیں تھا اس لیے کہ اس نے جو کچھ کیا وہ انکا کے پُراسرار وجود کی حیرت انگیز اور لامحدود قوتوں کے زیر اثر کیا لیکن کسی تیسرے شخص کا شوہر بیوی کے ذاتی معاملات میں یوں دخل انداز ہونا میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میرے جی میں تو آئی تھی کہ جس شخص نے میرا بازو تھاما تھا' اسے ایسی سزا دوں کہ وہ تمام عمر یاد رکھے لیکن مجھے بڑے ضبط سے کام لینا

پڑا۔ میں نے ان صاحب کو گھورتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں جناب۔ یہ عورت میری بیوی ہے لیکن ذہنی توازن خراب ہونے کے سبب مجھے نہیں پہچان رہی ہے۔"

اجنبی میرے جواب پر کچھ نرم پڑ گیا لیکن جب اس نے میرے بیان کی تصدیق کی خاطر نرگس کی طرف دیکھا تو وہ غصے سے بولی۔

"یہ شخص سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔ اتنے بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر اس نے پینترا بدل لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج سے پیشتر میں نے اس کی منحوس صورت تک نہیں دیکھی ہے۔" نرگس کا جواب سن کر دو چار افراد بھی اس کی حمایت میں پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ گئے۔ میرے پاس اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں خاموشی اور تحمل سے کام لوں۔ یوں بھی میں اپنے ساتھ نرگس کو ہجوم کے لئے تماشا بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا پھر میں نے نرگس کے جواب میں کوئی صفائی نہیں پیش کی۔

مجھے اس خاموشی کی کیا سزا ملی' اسے لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔ بہر حال مختصراً اتنا ضرور بتادوں کہ راہ گیروں نے نرگس کی حمایت میں دل کھول کر مجھے زدوکوب کیا پھر مجھے پکڑ کر تھانے تک پہنچا دیا جہاں پولیس والوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی غرضیکہ وہ رات مجھے آہنی سلاخوں کے پیچھے گزارنی پڑی۔ دوسری صبح میں نے تھانے دار کے سامنے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بمشکل گلوخلاصی پائی۔ اس گلوخلاصی کے عوض مجھے تھانے دار کو ایک لمبی رقم دینی پڑی۔ نرگس کی غیر موجودگی میں یوں بھی تھانے دار کے پاس مجھے زیادہ دیر تک حوالات میں بند رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا اس لئے وہ منہ مانگی رقم مل جانے کے بعد بخوشی مجھے رہا کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ روزنامچے میں اس نے کیا اندراج کیا' اس کا مجھے پتا نہیں۔

پولیس کے چنگل سے چھٹکارا پا کر میں سیدھا اپنے ہوٹل واپس آیا۔ میرا حلیہ بری طرح خراب ہو رہا تھا۔ میں نے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے پھر مُردوں کی طرح اپنے بستر پر ڈھیر ہو گیا اور نرگس کے بارے میں سوچنے لگا۔ نہ جانے اس نے رات کہاں گزاری ہو گی؟ انکا نے اسے نہ جانے کن مصائب سے دوچار کیا ہو گا؟

میں انکا کے پُراسرار وجود کے بارے میں الجھتا رہا۔ انکا جو میرے لئے اب ایک مسئلہ بنتی جا رہی تھی۔ ایسا مسئلہ جس کا میرے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ اگر بات صرف میری ذات تک محدود رہتی تو میں اسے درگزر کر جاتا لیکن یہ تصور ہی میرے لئے سوہان روح تھا کہ انکا اب نرگس کے سر پر مسلط ہو چکی ہے۔ نرگس نے جس اجنبیت سے بھری پُری سڑک پر مجھے تھپڑ مارا تھا اس میں یقیناً انکا کی شرارت کا دخل تھا۔ میں اپنی اس بے عزتی کو بھی درگزر کرنے کو تیار تھا بشرطیکہ نرگس میرے ساتھ چلی آتی لیکن وہ اپنے ہوش و حواس میں کہاں تھی۔ اس کے معصوم ذہن پر تو انکا کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انکا جس نے نرگس کو نہ جانے

رات کہاں اور کس عالم میں گزارنے پر مجبور کیا ہو گا۔

"میری معصوم اور بے گناہ نرگس۔" میرا دل تڑپ اٹھا۔ ہزاروں وسوسوں اور پریشان خیالات نے مجھے گھیر لیا تھا۔

میں اب نرگس کو کہاں تلاش کروں اور کس طرح لوگوں کو بتاؤں کہ میرے ساتھ قدرت نے کیسے ہولناک مذاق کئے ہیں۔ میں کتنا بے بس اور مجبور انسان ہوں۔ میں انکا سے مل بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے رحم کی بھیک مانگ لیتا۔ انکا تو اپنی مرضی کی مالک تھی۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا کہ کب وہ میرے سر پر مسلط ہو جائے۔ کب نہیں۔ میری بے بسی کا اندازہ کیجئے۔ دنیا میں اتنے عجیب حالات سے بہت کم لوگوں کا سابقہ پڑا ہو گا۔ میں تو اپنا دکھ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ کس کو معلوم تھا کہ میں ایک قیدی ہوں۔ انکا کا قیدی۔ بظاہر آزاد۔ بباطن غلاموں سے بدتر۔ میں اپنی نرگس کو کہاں تلاش کروں۔ میری بیوی میری موجودگی میں غیروں کے ساتھ ہے۔ میں کس طرح اسے اس عذاب سے نجات دلاؤں جس میں وہ میری ہی وجہ سے مبتلا تھی۔ میرا دل نرگس کی جدائی پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔ نرگس جس نے میرے ساتھ کبھی سکھ کے دن نہیں گزارے تھے اور اب محض انکا سے نجات دلانے کی خاطر خود ایک بھنور میں پھنس گئی تھی۔ دہلی جیسے شہر میں نرگس کو تلاش کرنا کم از کم میرے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

دیر تک میں کرب کی حالت سے دوچار رہا پھر دل نہ مانا تو ہوٹل سے دوبارہ نکلا۔ ایک ٹیکسی پکڑی اور نرگس کی تلاش میں دہلی کی سڑکوں پر گھومنے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ ہوتی بھی کیوں جبکہ اس وقت میں صرف نرگس کی بازیابی کے مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے سڑک پر جانے والی ہر لڑکی کو گھور رہا تھا' کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔

"صاحب...... آپ کو جانا کہاں ہے؟"

"جہنم میں۔" تیسری بار جب ٹیکسی ڈرائیور نے ایک ہی سوال دہرایا تو میں تلملا گیا۔

"آپ کوئی دوسری ٹیکسی پکڑ لیں۔" ڈرائیور نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورا پھر ٹیکسی روک لی۔

میں نے دوسری ٹیکسی لے لی۔ غرضیکہ میں سارا دن دیوانوں کی طرح دہلی کی سڑکوں پر نرگس کو تلاش کرتا رہا۔ میری وحشت ہر لمحے بڑھتی جا رہی تھی۔ میرا دل اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ رہ رہ کر مجھے یہی خیال آتا کہ خدا جانے نرگس کس عذاب میں مبتلا ہو گی اور انکا نے اسے کس مصیبت سے دوچار کر رکھا ہو گا۔

"کہیں انکا نے اسے اپنی منحوس ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے مار نہ ڈالا ہو۔"

میری نظروں کے سامنے دھند سی پھیل گئی اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے نرگس...... میری وفادار، اطاعت گزار نرگس مردہ پڑی ہے اور انکا اس کے جسم سے لہو کا ایک ایک قطرہ اپنے وجود میں منتقل کر رہی

ہے۔جیسے نرگس کا جسم زرد ہو رہا ہو۔جیسے اس کی کھال سوکھ کر اس کی ہڈیوں سے چپٹ گئی ہو۔ان بھیانک تصورات نے مجھ پر اور رقت طاری کر دی۔میں بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ٹیکسی ڈرائیور نے میرے رونے کی وجہ پوچھی تو میں نے اپنے ایک عزیز کی موت کا بہانہ بنا کر اسے ٹال دیا۔

رات دس بجے میں تھکا ہارا کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح ہوٹل پہنچا تو میرا سارا جسم پھوڑے کے مانند دکھ رہا تھا۔روتے روتے میری آنکھیں سوج گئی تھیں۔بے سدھ ہو کر میں اپنے بستر پر گر پڑا اور نرگس کی بازیابی پر غور کرتا رہا۔دن بھر کی مسلسل مایوسی اور طرح طرح کے پریشان کن خیالات نے میرے ذہن کو ماؤف کر دیا تھا۔کب میرے اوپر غنودگی طاری ہوئی اور کب میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا' مجھے کچھ یاد نہیں۔جب میری آنکھ کھلی تو میرے سر پر شدید چبھن ہو رہی تھی۔میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی تو اس وقت رات کے دو بجے کا عمل تھا۔نرگس کی غیر موجودگی نے مجھے ایک بار پھر تڑپا دیا۔میری آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔سر میں چبھن کا احساس شدید ہوتا جا رہا تھا جسے فوری طور پر میں اپنے منتشر ذہن کا سبب سمجھ کر فراموش کر گیا لیکن پھر یک لخت میں چونک پڑا۔غصے کے مارے میرے تنفس کی رفتار تیز ہو گئی۔ہاتھوں کی انگلیاں بھنچ گئیں جیسے میں کسی کا گلا گھونٹنا چاہتا تھا۔میری کیفیت میں یہ تغیر انکا کی وجہ سے ہوا تھا۔

انکا۔جو اس وقت دوبارہ میرے سر پر آ چکی تھی۔میں عالم تصور میں اسے اپنے سر پر چہل قدمی کرتے دیکھ رہا تھا۔اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔وہ بار بار مجھے کن انکھیوں سے دیکھتی پھر نظریں پھیر کر مٹک مٹک کر چہل قدمی شروع کر دیتی۔یوں جیسے اسے میری بے چینی' میرے کرب اور میری تڑپ سے کوئی خاص لذت حاصل ہو رہی ہو۔وہ میری پریشانی پر خوش تھی۔

''تم......تم......'' میں نے غصے سے دیوانہ ہو کر انکا کو غضب ناک انداز میں مخاطب کیا لیکن اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔الفاظ حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

''کہو جمیل' تم کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟'' انکا نے زہرخند سے پوچھا تو میں چیخ اٹھا۔

''انکا' تم ظالم ہو۔ناگن ہو۔چڑیل ہو۔''

میں غصے میں اسے نہ جانے کن ناموں سے موسوم کرتا رہا لیکن وہ بڑی آسودگی سے مسکراتی رہی پھر جب میں خاموش ہوا تو اس نے بڑے ناز و ادا سے اپنے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر اوپر کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

''خاموش کیوں ہو گئے؟ بولتے رہو۔غصہ تم پر اچھا لگتا ہے۔''

''کمبخت۔جادوگرنی۔بتا مجھے کہ نرگس کہاں ہے۔'' میں دوبارہ چلایا۔

''آہستہ بولو جمیل۔اگر ہوٹل کے منتظمین نے تمہاری چیخ و پکار سن لی تو تمہیں پاگل سمجھ کر ہوٹل سے

باہر نکال دیں گے۔''

''نرگس کہاں ہے؟ خدا کے لئے مجھے نرگس کا پتا بتا دو۔'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچتے ہوئے کہا لیکن اس بار میں چیخا نہیں تھا۔میرے لہجے میں التجا تھی۔

''گھبرا گئے! فکر کی کیا بات ہے۔وہ بہت آرام سے ہے۔'' انکا نے مجھے بچوں کی طرح چمکارتے ہوئے جواب دیا۔''میں جس وقت اس کے سر سے اتری تھی اس وقت وہ نرم نرم گدیلے پر بڑے آرام کی نیند سو رہی تھی۔''

''مگر وہ ہے کہاں؟'' میں نے رقت بھرے لہجے میں سوال کیا۔

''وہ بہت یاد آ رہی ہے کیا۔'' انکا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر چٹخارا لیتے ہوئے کہا۔''اسے میں اس کے اصلی شوہر کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔''

''کیا مطلب؟ کیا کہا تم نے؟'' میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔انکا کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کے مانند میرے کانوں میں اترتے چلے گئے تھے۔''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔انکا' کیوں میرے صبر اور برداشت کا امتحان لے رہی ہو۔'' میں نے روتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یقین کرو جمیل۔وہ اپنے اصلی شوہر کے ساتھ بے حد خوش ہے اور کل رات انہوں نے اپنی سہاگ رات بڑی دھوم دھام کے ساتھ......''

''انکا!'' میں اتنی زور سے چلایا کہ میری آواز بیٹھ گئی۔حلق میں جیسے گرہ لگ گئی ہو۔اگر میرے امکان میں ہوتا تو میں انکا کو اس وقت بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالتا۔اس کے جسم کو لاکھوں ٹکڑوں میں تبدیل کر دیتا لیکن انکا کے سامنے میں لاچار تھا۔انکا کے پُراسرار وجود کو صرف محسوس کیا جا سکتا تھا' چھوا نہیں جا سکتا تھا۔میں اپنی بے بسی پر تڑپ اٹھا لیکن انکا کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہیں آئی۔

زیادہ زور سے چلانے کے سبب مجھ پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا کلیجا پھٹ جائے گا مگر انکا کو میری کیفیت سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔کھانسی کی شدت میں کمی آئی تو انکا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے رومان انگیز انداز میں ایک طویل انگڑائی لے کر کہا۔

''جمیل' کاش تم بھی دیکھ سکتے کہ کل رات نرگس اپنے نئے ساتھی کے ساتھ کس قدر مسرور تھی۔دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہوئے جا رہے تھے جیسے...... جیسے میں نے پہلی بار تمہیں اور کملا کو دیکھا تھا۔بڑا ہی جذباتی منظر تھا وہ۔''

''انکا' خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔'' میں سسک پڑا پھر کسی بھکاری کی طرح انکا کے سامنے جھولی پھیلا کر بولا۔''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تا زندگی تمہارا بے دام غلام بنا رہوں گا۔جو تم کہو گی وہی کروں گا لیکن خدارا نرگس پر رحم کرو۔اسے مجھ سے ملا دو نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

انکا میرا جواب سن کر فلک شگاف قہقہے لگانے لگی۔ اس کی آواز مجھے بہت پُراسرار لگی پھر ایک دم سنجیدگی اختیار کرتے بولی۔

"سنو جمیل صاحب۔ میں اگر نرگس کو واپس نہ لاؤں تب بھی تم میرے غلام بنے رہو گے۔ میری مرضی کے بغیر تم سانس لینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ تم پر ظلم کرتے ہوئے مجھے کچھ خیال آجاتا ہے ورنہ تم نے میری لامحدود قوتیں آنکھوں سے کئی بار دیکھی ہیں۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ نرگس کس طرح اپنی یادداشت کو یکسر بھول چکی ہے۔ ...... اور کیا دیکھنا چاہتے ہو؟"

"میں سب کچھ مانتا ہوں لیکن نرگس......"

"نرگس کو کچھ دنوں تک اپنے کیئے کا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا۔" انکا نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے تم سے جدا کرنے کے لئے بزرگ کی درگاہ کا رخ کر کے مجھے دکھ پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے بروقت اس کا دھیان آگیا اور میں نے اس کو راستے میں ہی جالیا۔"

"انکا!" میں بڑی لجاجت سے بولا۔ "کیا تم میری خاطر بھی نرگس کی غلطی کو معاف نہیں کرو گی۔"

"تمہاری خاطر اب تک میں نے کیا کچھ نہیں کیا مگر تم نے اس کا کیا بدلہ دیا۔" انکا نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "نرگس کی قسمت اچھی ہے جو میں تم سے کچھ وعدے کر چکی تھی ورنہ کل میں اس کا خون پینے سے بھی دریغ نہ کرتی۔"

میں اندر ہی اندر کھولتا رہا۔ انکا کہتی رہی۔

"اب مجھے نرگس کو یہ باور کرانے دو کہ وہ کیا ہے اور میں کیا ہوں۔"

"رحم کرو انکا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" میں نے رحم طلب نظروں سے انکا کو دیکھ کر گڑگڑانے والے انداز میں کہا۔

وہ کچھ نرم آواز میں بولی۔ "سچے دل سے کہہ رہے ہو؟"

"یقین کرو انکا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔"

"نہیں۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" انکا نے اٹھلا کر کہا۔

"میں اس وقت جھوٹ نہیں بول سکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نرگس کے سلسلے میں کس قدر حساس ہوں۔"

"ہاں وہ تو مجھے معلوم ہے۔ اچھا میں تمہیں ایک شرط پر نرگس کا پتا بتا سکتی ہوں۔"

"مجھے تمہاری تمام شرطیں منظور ہیں۔" میں جلدی سے بولا۔

"تم بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں۔ تم جیسا کہو گی میں ویسا ہی کروں گا۔"

"اچھا تو سنو۔" انکا نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم کل رات ٹھیک بارہ بجے ایڈورڈ پارک کے مشرقی دروازے پر آجانا۔ نرگس تمہیں وہیں مل جائے گی لیکن اتنا خیال رکھنا کہ تم وقت سے پہلے وہاں نہیں پہنچو گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔

"دوسری بات یہ کہ تم اس بار نرگس کو سمجھا دینا کہ وہ آئندہ میرے معاملے میں دخل اندازی نہ کرے ورنہ ممکن ہے کہ میں اپنے تمام وعدے بھول کر اسے ٹھکانے لگا دوں۔"

"تم مطمئن رہو، میں اسے سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اب آرام کرو۔ میں واپس نرگس کے سر پر جا رہی ہوں۔ اگر میری عدم موجودگی میں اس کی آنکھ کھل گئی تو حالات بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔"

"انکا!" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "کیا تم کل رات کے بجائے دوپہر میں مجھے نرگس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔"

"رات کا وقت زیادہ مناسب ہے جمیل۔" انکا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم سے جیسے کہہ دیا' ٹھیک ہے۔ اس میں ایک خاص بات ہے۔ بعد میں تمہیں پتا چل ہی جائے گا۔"

انکا سے بحث کرنا فضول تھا۔ دل پر جبر کر کے چپ ہو رہا۔ یوں بھی انکا مجھے نرگس سے ملوانے کا وعدہ کر چکی تھی اس لیے میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ کہیں وہ ناراض ہو کر اپنے وعدے سے منحرف نہ ہو جائے۔

کچھ دیر بعد انکا رینگتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی تو میرا ذہن پھر نرگس میں الجھ گیا۔ انکا نے نرگس کے بارے میں مجھے جو باتیں بتائی تھیں' اسے یاد کر کے میرا خون کھول اٹھا۔ میں کانٹوں پر لوٹ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ نرگس کی بازیابی کے بعد اس شخص کو ضرور بہ ضرور صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دوں گا جس نے انکا کے پیدا کردہ حالات سے فائدہ اٹھا کر میری نرگس کے جسم کو پامال کیا ہے...... آہ نرگس۔ وہ بری طرح بے بس تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہو رہا تھا' اسے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ انکا کی پُراسرار حیرت انگیز قوتوں نے ذہنی طور پر اسے بالکل معطل کر دیا تھا جس کا تماشا میں خود اپنی نظروں سے دیکھ چکا تھا۔

رات کا باقی حصہ میں نے جاگ کر گزارا۔ صبح ضروریات سے فراغت پا کر میں پھر اپنے خیالات میں گم ہو گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ وقت کو پر لگ جائیں اور وہ گھڑی جلدی آجائے جب مجھے نرگس کے حصول کے لئے جانا تھا مگر آج تو جیسے وقت تھم تھم کر بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ میرے لئے ایک ایک پل کاٹنا دوبھر ہو رہا تھا۔ انکا نے نرگس کو مجھ سے دور کر کے اس بات کا احساس دلایا تھا کہ میرے لئے نرگس کے بغیر ایک لحہ بھی گزارنا کس قدر اذیت ناک تھا۔

نرگس کی جدائی میرے لئے نا قابل برداشت تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں انکا کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ انکا کے بارے میں اب کچھ سوچنا اور غور کرنا فضول تھا۔ یہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی تھی۔ اس میں تمام بدروحیں سما گئی ہیں۔ وہ کوئی بہت بڑی جادوگر ہے۔ وہ ایک ایسا طلسم ہے جس کا توڑ نہیں۔ اس نے مجھے ایسی دلدل میں دھکیل دیا تھا جس میں بے چارگی سے ہاتھ پاؤں مارنے کے سوا میں اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ میں اس کی خواہش کی تکمیل کے لئے مجبور تھا۔ انکا سے نجات پانے کی ہر کوشش بیکار ہو چکی تھی۔ وہ بڑے بھرپور انداز میں مجھ پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی۔ نرگس کے ساتھ پیش آنے والے حادثے نے تو میرے رہے سہے اوسطان بھی خطا کر دیے تھے۔

شام آئی تو میری بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے کس طرح تڑپ تڑپ کر وقت کاٹا' یہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ بہر حال جب رات کے ساڑھے گیارہ بجے تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے ہوٹل سے باہر آ کر ایڈورڈ پارک کے لئے ایک ٹیکسی پکڑی اور اپنی منزل مقصود کی طرف چل پڑا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے ایڈورڈ پارک کا حوالہ اس لیے نہیں دیا تھا کہ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا خیال کرے۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے اسے ایڈورڈ پارک سے ایک فرلانگ پہلے چھوڑ دیا اور خود پیدل چل پڑا۔ بارہ بجنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں نے یہ پندرہ منٹ بھی کسی نہ کسی طرح گزار دیے پھر ٹھیک بارہ بجے مشرقی دروازے سے پارک کے اندر داخل ہو گیا۔

اس وقت ایڈورڈ پارک گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر سمت سناٹا اور پُر اسرار خاموشی طاری تھی۔ چند لمحوں تک میں ایک جگہ رک کر ادھر ادھر کی آہٹ لیتا رہا۔ اس خاموشی کو دیکھ کر مجھے گمان ہوا کہ کہیں انکا نے مجھے فریب نہ دیا ہو۔ اتنی رات گئے بھلا ایڈورڈ پارک میں نرگس کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔

مگر میں انکا کے ستم کے اس نئے پہلو پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ مجھے کسی عورت کی سسکیوں کی آواز سنائی دی جو میرے بائیں جانب والی جھاڑیوں سے ابھری تھی۔ میں چونک کر اسی سمت دیکھنے لگا۔ وہ نرگس تھی۔ میں اس آواز کو نہ پہچانتا تو اور کون پہچانتا۔

''چھوڑو۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ ظالم۔ آہ...... آہ بچاؤ۔'' وہ آہ و زاری کر رہی تھی۔

''خاموش۔'' کسی مرد کی خطرناک سرگوشی سنائی دی۔ ''شور مچانے کی کوشش کی تو قتل کر دی جاؤ گی۔''

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سر بازار کسی نے مجھے ننگا کر دیا ہو۔ ان آوازوں کو سننے کے بعد میرے اوپر دیوانگی طاری ہو گئی پھر بھی میں محتاط انداز میں لپکتا ہوا ان جھاڑیوں تک پہنچ گیا اور پھر...... پھر میری منحوس نگاہوں نے جو منظر دیکھا وہ میرے لئے نا قابل برداشت تھا۔ میرے اوپر خون سوار ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے غضب ناک انداز میں آگے بڑھ کر اس شخص کو دبوچ لیا جو میری نرگس کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا

رہا تھا۔ میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کو اٹھا کر ایک سمت گرا دیا پھر اچک کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ کچھ دیر تک تو میں مشینی انداز میں اس کے چہرے پر مکے مارتا رہا پھر میں نے اس کا گلا دبوچ لیا اور اسے پوری قوت سے دبانے لگا اور اس وقت تک اپنی گرفت کو تنگ کرتا رہا جب تک اجنبی نے میرے نیچے تڑپ تڑپ کر دم نہیں توڑ دیا۔ اس کے بعد میں اٹھا اور ایک بھرپور ٹھوکر اس کی لاش پر مار کر نرگس کی طرف لپکا جو اب تک سہمی سمٹی نیچے پڑی تھی۔

''تت...... تم...... کک...... کون ہو؟'' نرگس نے مجھے قریب آتے دیکھا تو ہکلا کر بولی۔

''ڈرو نہیں نرگس میں ہوں تمہارا جمیل۔''

''جمیل۔'' نرگس میری آواز پہچان کر جھپٹ کر اٹھی اور میرے کشادہ سینے سے لپٹ کر سسکنے لگی۔ میں اس کے معصوم دل کی سہمی سہمی دھڑکنوں کو محسوس کر رہا تھا۔

''پریشان مت ہو نرگس۔ میری روح۔'' میں نے نرگس کو اپنی آغوش میں لے کر دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس بے غیرت انسان کو مار ڈالا ہے۔ اب وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

نرگس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور میرے سینے سے لپٹی ہوئی سسک رہی تھی۔ میرا اب وہاں رکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ میں نے اس کے لباس کو درست کیا اور اسے لے کر پارک سے باہر آ گیا اور ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ راستے بھر نرگس میرے سمجھانے بجھانے کے باوجود سسکیاں لیتی رہی۔ اس نے میری کسی بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے بمشکل نرگس کو منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کرنے پر آمادہ کیا۔ اس نے میرا کہا تو مان لیا لیکن وہ ابھی تک سکتے کی کیفیت سے دوچار تھی۔ میں اس کی حالت کو محسوس کر رہا تھا اس لیے میں نے بڑی نرمی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''نرگس۔ میری جان! جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم سے بالکل ناراض نہیں ہوں اور پھر اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''جمیل۔'' نرگس نے ڈبڈبائی ہوئی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا پھر دوبارہ مجھ سے لپٹ کر سسکنا شروع کر دیا۔

نرگس کی سسکیاں میرے دل کو چھلنی کیے دیتی تھیں۔ وہ اس وقت جس صدمے سے دوچار تھی وہ میں جانتا تھا۔ ممکن تھا کہ میری ہمدردی بھی اس وقت اس کے دکھے ہوئے دل پر گراں گزرتی۔ میں نے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی اور اسے اپنی آغوش میں چھپا کر لیٹ گیا۔

صبح نرگس بیدار ہوئی تو کسی حد تک اس کی رات والی کیفیت کم ہو چکی تھی۔ میں نے بڑی محبت بھری مسکراہٹ سے اس کی پذیرائی کی اور یوں ہنسنے بولنے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ حتیٰ الامکان میری یہی

کوشش تھی کہ نرگس ان باتوں کو بھول جائے مگر میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کسی الجھن میں مبتلا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم آرام کی غرض سے لیٹے تو نرگس نے مجھ سے پوچھ ہی لیا۔

”جمیل۔ کل رات میں ایڈورڈ پارک کیسے پہنچ گئی تھی اور وہ شخص......“

”غلطی میری تھی جو میں اس پر اعتماد کر بیٹھا۔“ میں نے جلدی سے نرگس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”کل رات تم میرے ہی ساتھ وہاں گئی تھیں۔ کیا تمہیں کچھ یاد نہیں۔“

”نہیں۔“ نرگس نے ایک آہ سرد بھر کر جواب دیا۔ ”مجھے کچھ یاد نہیں۔ کچھ بھی یاد نہیں کہ میں آپ کے ساتھ کہاں گئی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں شام کو درگاہ جانے کے ارادے سے نکلی تھی۔ اس وقت آپ دوسرے کمرے میں تھے اور میں نے......“

”خدارا اپنے ذہن کو پریشان مت کرو۔“ میں نے نرگس کو بڑے پیار سے سمجھایا۔ ”جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔“

نرگس میرے سمجھانے بجھانے پر خاموش ہو گئی لیکن اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ہنوز موجود تھے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت وہ کیا یاد کرنے کی سعی کر رہی ہے۔ انکا کی پُراسرار قوت نے اس کی یادداشت کو درمیان سے منقطع کر کے واقعات کے تسلسل میں خلا پیدا کر دیا تھا۔ وہ ان ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو جوڑنے میں بری طرح ناکام رہی تھی اور یہی ناکامی اس کی الجھن کا سبب بن گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیوں کر تسلی دوں۔ ان حالات نے مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ رات جو کچھ میں نے اپنی نظروں سے دیکھا تھا اسے فراموش کر دینا میرے بس میں بھی نہیں تھا۔ انکا کے لئے میرے دل و دماغ میں شدید نفرت کا طوفان بپا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نرگس کی کیفیت بھی میرے لئے پریشان کن تھی۔

چنانچہ میں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ نرگس کو لے کر دہلی سے چلا جاؤں۔ شولا پور کے واقعات کی تفصیل اخبارات میں پڑھ کر میں مطمئن ہو چکا تھا کہ مینجر کے قتل کی ذمہ داری کسی طرح بھی نرگس پر عائد نہیں ہو سکتی' اور نہ ہی کلن خاں کے منحرف بیان پر اخبارات نے کوئی ہنگامہ مچایا تھا۔ اس لیے بظاہر اب دہلی میں مزید قیام کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی۔ بمبئی پہنچ کر مجھے مینجر کی موت کے سلسلے میں اپنے اسٹاف کو بھی مطمئن کرنا تھا۔ میں نے نرگس سے واپس جانے کے بارے میں پوچھا تو وہ فوراً ہی آمادہ ہو گئی۔

اگلے روز میں نے پروگرام کے مطابق جہاز کی دو سیٹیں حاصل کیں اور نرگس کے ساتھ واپس بمبئی آ گیا۔ دفتر پہنچا تو مینجر کی موت کے سلسلے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ میں نے تعزیت کر کے اسٹاف کو مطمئن کرنے کی خاطر دو روز کی چھٹی کا اعلان کر دیا۔ بعد میں مینجر کے گھر والوں سے مل کر میں نے اپنے دلی صدمے کا اظہار کیا اور مینجر کی خدمات کے عوض انہیں ایک لمبی رقم پیش کی جسے تھوڑے پس و پیش کے بعد مینجر کے بوڑھے باپ نے قبول کر لیا۔

اس تمام عرصے میں ایک لمحے کے لئے بھی میں انکا کو فراموش نہیں کر سکا۔ اس کا خوفناک تصور مجھے ہراساں کیئے ہوئے تھا۔ اس نے ایڈورڈ پارک میں مجھے اور نرگس کو اپنی طاقت کے بارے میں ایک بار پھر باور کرا دیا تھا کہ اس کے معاملات میں دخل دینے کی سزا کتنی شدید ہو سکتی ہے! جو برتاؤ اس نے نرگس کے ساتھ کیا اسے کوئی غیرت مند شوہر برداشت نہیں کر سکتا۔

جس وقت میں مینجر کے گھر سے واپس ہوا اس وقت بھی میرا ذہن انکا کے پُراسرار وجود میں الجھا ہوا تھا۔ ایڈورڈ پارک میں پیش آنے والے حادثے کو دو روز گزر چکے تھے لیکن انکا کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اس واقعے سے پیشتر وہ اتنی دیر تک کبھی میرے سر سے دور نہیں رہی تھی۔ جہاں تک ایڈورڈ پارک میں پیش آنے والے حادثے کا تعلق تھا' مجھے یقین تھا انکا نے وہ ڈراما محض اس لیے کھیلا تھا کہ میں جذبات میں بہہ کر اس اجنبی کا خون کر دوں تاکہ اسے اپنے وجود کو تقویت بخشنے کی خاطر انسانی خون حاصل ہو سکے۔ گویا میرے ہاتھوں ایک اور قتل ہو چکا تھا۔ قتل کے اوپر قتل۔ ایک کبھی نہ ختم ہونے والا خونیں سلسلہ۔ معصوم انسانوں کی جانیں لینا اور انکا کی خوشنودی حاصل کرنا میرا فرض تھا جس سے کوتاہی یا غفلت کی سزا دہشت انگیز' بے رحم اور غیر انسانی ہو سکتی تھی۔ مجھے معلوم تھا اس بار بھی انکا کو اپنے ناپاک مقصد میں مایوسی نہیں ہوئی تھی مگر اب اس کی طویل غیر موجودگی میرے لئے قابل غور تھی میں سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے یا نرگس کو کسی نئی مصیبت سے دوچار کرنے کی فکر میں تو نہیں ہے۔

میں انہی وسوسوں اور الجھنوں میں مبتلا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر آ گئی ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ میں عالم تصور میں انکا کے منحوس وجود کو اپنے سر پر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی شادابی اور ہونٹوں کی سرخی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ اس نے انسانی خون خوب سیر ہو کر پیا ہے۔ پہلے بھی میں اسے خون پینے کے بعد اسی حالت میں دیکھ چکا تھا لیکن..... آج وہ جن نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی ان میں شوخی اور شرارت کے ساتھ ساتھ طنز بھی تھا جسے محسوس کر کے میرے خون کی گردش تھم کر رہ گئی۔ دوسری طرف انکا بدستور مجھے زہر خند سے گھور رہی تھی۔ چند ثانئے تک وہ مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی پھر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی اور ایک طویل جماہی لے کر بولی۔

”جمیل! مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہو۔“

میں مہر بلب رہا تو اس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے مگر میں نے جو کچھ کیا وہ ضروری تھا۔ نرگس اب آئندہ کبھی میرے اور تمہارے درمیان آنے کی حماقت نہیں کرے گی۔ تم بھی اتنے بے غیرت نہیں ہو کہ دوبارہ اس منظر کو دیکھنے کی خواہش کرو۔ یوں بھی تم عہد کر چکے ہو کہ میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔ یاد ہے تم نے ہوٹل میں گڑگڑا کر مجھ سے معافی مانگی تھی۔“

Downloaded from Paksociety.com

میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ غصے کے مارے میرا برا حال تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا جیسے میرے جسم کا تمام خون سمٹ کر میرے چہرے پر آ گیا ہو۔ انکا کے جملے میں چھپے ہوئے تیر و نشتر میرا کلیجا چھلنی کر رہے تھے لیکن میں بہت کچھ چاہنے کے باوجود صبر کرنے پر مجبور تھا۔ انکا نے میری کیفیت کو محسوس کیا تو بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔

''جمیل...... نرگس سے شادی کرنے سے پہلے تم نے بھی تو بہت ساری لڑکیوں کو برباد کیا تھا۔ اگر تمہاری شرارتوں کا علم ان میں سے کسی کے شوہر کو ہو جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟''

''انکا!'' میرے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔ ''تم نرگس کو بازاری عورتوں سے وابستہ کر رہی ہو۔ میں نے اب تک ہمیشہ ضبط کیا۔ اگر تم نے دوبارہ اس قسم کی کوشش کی تو خون خرابا ہو جائے گا۔''

''خون خرابا تو ہو چکا۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''تم سے بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن اس وقت میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' انکا نے بے پروائی سے جواب دیا پھر پاؤں پھیلا کر سیدھی کر لی۔

''سنو انکا...... آج میں تم سے ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

''مجھے کچھ دیر آرام کر لینے دو جمیل...... پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔'' انکا نے اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا تو میں چیخ اٹھا۔

''یہ ناممکن ہے۔ مجھے روحانی اذیتوں میں مبتلا کر کے تم آرام نہیں کر سکتیں۔''

''جمیل......'' انکا کے تیور بدل گئے۔ ''میں اپنے آرام میں کسی قسم کی خلل اندازی پسند نہیں کرتی۔ مجھے اس وقت پرسکون نیند کی ضرورت ہے۔ تم کچھ بڑھ رہے ہو۔''

''میرا سکون برباد کر کے تمہیں بھی آرام کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔'' انکا کے موجودہ رویے نے مجھے ایسی ٹھیس پہنچائی تھی کہ میں مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر اس سے ایک حتمی فیصلہ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

''جمیل...... کیا تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو؟'' انکا نے بڑے تلخ انداز میں مجھ سے سوال کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر مجھے کسی گہرے سمندر کا ایسا ٹھہراؤ نظر آ رہا تھا جس کی تہ کے اندر ہزاروں اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھوں پر اچانک ابھرنے والی سرخی بھی کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی مگر میں اس وقت اپنے آپے میں نہیں تھا۔ انکا کے چہرے پر غصے کی تمام علامتوں کو نظرانداز کر کے بولا۔

''تمہیں آج مجھ سے یہ عہد کرنا ہوگا کہ آئندہ کبھی تم نرگس کو کسی معاملے میں تنگ نہیں کرو گی۔''

''یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم نرگس کو سختی سے منع کر دو کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کی حماقت نہ کرے۔''

''نرگس میری بیوی ہے۔'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''میں اختیارات کے سلسلے میں اس کی حق تلفی نہیں کروں گا۔''

'اور میں تمہاری محسن ہوں۔'' انکا نے مجھے قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اس بات کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ اگر میں نے تمہیں دولت مند نہ بنایا ہوتا تو تم کبھی نرگس کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔''

''تم چاہو تو اپنی دولت واپس لے سکتی ہو۔'' میں بھنا کر بولا۔ ''میں غریب مگر خوش رہنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ دولت کے ساتھ ساتھ تم نرگس کو بھی مجھے واپس کر دو۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' میں پوری قوت سے چلایا۔ ''تم نرگس کو مجھ سے کبھی نہیں چھین سکتیں۔''

''جمیل۔'' اس بار انکا کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔ ''شاید ابھی تمہیں کچھ اور بتانا پڑے گا۔ تم بار بار معافی مانگتے ہو اور اپنے عہد سے پھر جاتے ہو۔ تم یہ کیوں کرتے ہو جمیل۔ نجانے کیوں تمہیں پچھلی اذیتیں یاد نہیں رہتیں۔ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ تم کس سے ایسی باتیں کرتے ہو۔''

''میں جانتا ہوں کہ میں کس بلا سے ایسی باتیں کرتا ہوں مگر برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ تم نے میری زندگی میں سکھ سے زیادہ دکھ دیے ہیں۔ مجھے یہ سودا منظور نہیں اور میں اپنی بربادی دیکھ سکتا ہوں لیکن نرگس......''

''جمیل......'' انکا نے غضب ناک لہجے میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اس بات پر مجبور مت کرو کہ میں تمہیں راہ راست پر لانے کے لئے پھر کوئی تماشا دکھاؤں۔ بہتر ہے کہ خاموش رہو۔ خاموش رہو اور جیسے میں کہتی ہوں، کرتے جاؤ۔ نتائج کی ذمے داری مجھ پر چھوڑ دو۔ گناہ سارے میرے ذمے کر دو۔ خود عیش کی زندگی بسر کرو۔''

انکا کا لہجہ اس قدر خطرناک تھا کہ ایک ثانیے کے لئے میں گنگ ہو گیا لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار رہ سکی۔ انکا نے نرگس کی پاکیزگی کو داغ دار بنانے کے لئے جو شرمناک ڈراما اسٹیج کیا تھا اس کے ایک ایک منظر نے میرے ذہن میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ میں اپنی موت کو گوارا کر سکتا تھا لیکن یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ نرگس پھر کبھی اس دل آزار صورت حال سے دوچار ہو۔ چنانچہ میں نے فوری طور ایک فیصلہ کر کے کہا۔

''انکا سنو۔ میرا خیال ہے یہ فیصلہ کر ہی لو۔ تم مجھے جان سے مار ڈالو لیکن میں کسی قیمت پر بھی آئندہ

نرگس کے معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تم......اور مجھے کسی بات سے روک سکو گے!" انکا بے اختیار ہنس دی پھر دوبارہ سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "سنو جمیل صاحب۔ تمہاری حیثیت کیا ہے یہ تمہیں معلوم ہے؟ تمہیں میرے ہر حکم کی تعمیل کرنی پڑے گی۔ رہا نرگس کا معاملہ تو بہتر ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھو ورنہ ایڈورڈ پارک میں جو کچھ پیش آچکا ہے میں تمہیں اس سے زیادہ گھناؤنے حالات سے دوچار کردوں گی۔"

"اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہارے گندے وجود کو کسی حقیر کیڑے کی طرح کچل ڈالوں گا۔"

غصے کی شدت نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو زائل کر دیا تھا۔ میں اپنے دل کے بخارات نکالتا رہا اور جو منہ میں آیا کہتا رہا۔ نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

انکا تعجب خیز نظروں سے میرے وحشیانہ انداز اور بدلے ہوئے طرز عمل کو دیکھ رہی تھی۔ جب تک میں بولتا رہا، وہ خاموش رہی پھر چپ ہوا تو اس نے آہستگی سے کہا۔

"جمیل! مجھے تم سے ہمدردی ہے مگر اس کے باوجود میں تمہیں ہوش میں لانے کے لئے مجبور ہوں۔"

میں کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا لیکن سر میں اچانک ہونے والی شدید چبھن نے مجھے تڑپا دیا۔ انکا بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی اور اب وہ اپنے نکیلے پنجے میرے سر میں چبھو رہی تھی جس کی شدت ہر لمحے بڑھتی گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ اسٹیئرنگ پر میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ گاڑی روک دوں لیکن کوئی پُراسرار قوت مجھے ڈرائیورنگ جاری رکھنے پر اکسا رہی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا خاصا ہجوم تھا۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کشادہ سڑک پر دوڑنے بھاگنے والی موٹریں میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔ میں نے نہ جانے کس جذبے کے تحت اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اور تیز......اور تیز......اور پھر اچانک سامنے سے آنے والی ایک گاڑی سے میرا......ایکسیڈنٹ ہو گیا۔

☆==========☆==========☆

فضا میں ایک ہولناک دھماکے کی آواز بلند ہوئی جس کے ساتھ ہی میرا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

واقعات کا دھندلا دھندلا سا عکس میرے ذہن کو اور پریشان کر رہا تھا مجھے ہوش نہیں تھا۔ صرف اتنا یاد تھا کہ نرگس کے سلسلے میں انکا سے میری تلخ بحث ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے اپنی زبان بند نہ رکھی تو ایڈورڈ پارک میں جو کچھ پیش آچکا تھا وہ مجھے اس سے کہیں زیادہ گھناؤنے حالات سے دوچار کر دے گی۔ جواب میں، میں نے اسے دھمکی دی تھی کہ میں اس کا وجود کسی حقیر کیڑے کی طرح کچل ڈالوں گا۔ انکا کے تیور اچانک خراب ہوتے چلے گئے تھے اور پھر میری گاڑی کا......ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا!

لیکن اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

میرا جوڑ جوڑ پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ بستر پر چت پڑا میں واقعات کی بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ دیر تک میں یونہی اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مارتا رہا پھر میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ میری نظر پھر اسی چھت کے پنکھے پر پڑی جو میرے سر کے عین اوپر تیزی سے چل رہا تھا۔ مجھے وحشت سی ہونے لگی۔ قریب تھا کہ میں چیخ اٹھوں لیکن نرگس کی مترنم آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے آہستہ سے گردن گھما کر داہنی جانب دیکھا تو میری آنکھوں میں ٹھنڈک آگئی۔ میری نرگس میرے سامنے کھڑی مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ ہوش میں آگئے۔" اس کی نگاہوں میں چمک تھی اور لہجے میں اشتیاق۔

"نرگس، میں اس وقت کہاں ہوں؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"آپ۔" نرگس۔ ایک پل کے لئے ہچکچائی پھر میرے قریب بیٹھ کر میری پیشانی پر اپنی نرم و نازک انگلیوں سے سہلاتے ہوئے بولی۔ "آپ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔"

"مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میری گاڑی......"

"جمیل۔" نرگس نے محبت آمیز انداز میں میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "آپ کو میری قسم کچھ مت سوچئے۔ ڈاکٹر نے بات چیت کرنے کو منع کیا ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ ایک دو روز میں بالکل تندرست ہو جائیں گے۔"

میں اس وقت پوری طرح ہوش و حواس میں تھا اس لیے نرگس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے شبنمی قطرے تیرتے دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ مگر قبل اس کے کہ میں اپنی وفا شعار اور خدمت گزار بیوی سے کچھ دریافت کر سکتا، ایک نرس جو غالباً میرے سرہانے پہلے سے موجود تھی، مسکراتے ہوئے میرے سامنے آگئی۔

"گھبرائیے نہیں مسٹر جمیل۔ اب آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔" نرس نے بڑی شفقت سے مجھے مخاطب کیا۔ اس کے بعد اس نے میرے دائیں بازو میں انجکشن لگایا اور مسکراتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

میری نظریں نرگس کے معصوم چہرے پر مرکوز تھیں۔ نرس کے جانے کے بعد میں نے نرگس سے باتیں کرنی چاہیں لیکن میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میری پلکیں بوجھل ہو رہی تھیں۔

"نرگس۔" میں بمشکل تمام اتنا ہی کہہ سکا۔ نیند کا غلبہ پوری طرح مجھے اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ میں ایک بار پھر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

مجھے کئی دنوں تک خواب آور دواؤں اور انجکشنوں کے ذریعے بے ہوش رکھا گیا۔ جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں اپنے گھر پر تھا۔ نرگس غالباً ڈاکٹروں سے درخواست کر کے مجھے گھر لے آئی تھی جہاں ایک ڈاکٹر اور دو نرسیں مستقل طور پر ہر وقت میرے ساتھ موجود رہتیں۔ اس عالم بے ہوشی کی کوئی اور بات میری یادداشت میں محفوظ نہیں۔

میری ذہنی حالت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ہو چکی تھی ہر چند کہ خواب آور دواؤں کا ہلکا ہلکا اثر باقی تھا لیکن میں خود کو پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ دوبارہ ہوش میں آنے پر کچھ دیر تک میں خاموش لیٹا نرگس کو دیکھتا رہا جو میرے سرہانے موجود تھی۔ میں نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''مجھے گھر کب لایا گیا؟''

''دو روز ہو گئے۔'' نرگس نے جلدی سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ اب تندرست ہو چکے ہیں جمیل۔ خدا نے میرے اوپر رحم کیا۔''

میں چند ساعت تک نرگس کے چہرے کے تاثرات دیکھتا رہا پھر بولا۔

''یہ سب تمہاری دعاؤں کا نتیجہ ہے ورنہ وہ ایکسیڈنٹ.....''

''اس...... ایکسیڈنٹ کو بھول جائیے جمیل......'' نرگس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''خدا کو جو منظور تھا وہ پورا ہو گیا۔ ہمیں ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔''

میں محسوس کر رہا تھا کہ نرگس کچھ پریشان پریشان سی ہے۔ اس کی پریشانی کا سبب کیا تھا' میں یہ جاننے کے لئے بے چین تھا۔ ایک کروٹ لینے کی خاطر بایاں ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تو اس اچانک انکشاف پر تڑپ اٹھا کہ میرا بایاں ہاتھ جو...... ایکسیڈنٹ کی وجہ سے کچل گیا تھا' کہنی سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر ہاتھ نہ کاٹا گیا تو باقی جسم میں بھی زہر پھیل جانے کا خطرہ ہے۔

نرگس کا خیال اور اس کی دلائی ہوئی قسمیں اگر مانع نہ ہوتیں تو میں یقیناً خودکشی کر لیتا لیکن مجھے اپنی نرگس کی خاطر زندہ رہنا پڑا۔ دو چار روز تک میں اندر ہی اندر سلگتا رہا پھر یہ حالت سنبھل گئی۔ انکا نے مجھے اس حالت پر پہنچا دیا تھا۔ اس بار اس نے میری زبان درازیوں کی بڑی خوفناک سزا مجھے دی تھی۔ میں اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہو گیا۔ میرا ہاتھ جو انکا کی طاقت بھی واپس نہیں لا سکتی تھی۔ میں ٹھیک تو ہو گیا لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میرے دل کا چراغ بجھ گیا ہے۔ مجھ پر مایوسیوں کے دورے پڑتے رہے۔ ڈاکٹر اور دونوں نرسیں برابر میری خدمت کر رہے تھے۔ نرگس دن رات میرے ساتھ لگی بیٹھی رہتی اور مجھے خوش رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرتی رہتی۔ ایک روز شام کا ذکر ہے کہ میں اپنے مکان کے باہر برآمدے میں بیٹھا نرگس سے باتیں کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اخلاق نے' جن کا مستقل قیام میری کوٹھی پر تھا، میرے پاس آ کر کہا۔

''مسٹر جمیل۔ میرا خیال ہے کہ اب آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکے ہیں۔''

''یہ سب تمہاری محنت اور کوششوں کا نتیجہ ہے ڈاکٹر۔'' میں نے جواب دیا۔

ڈاکٹر کچھ دیر تک بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر جمیل کہ اب میں زیادہ عرصے تک آپ کو پولیس کی دسترس سے دور رکھنے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا پھر نرگس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر بھی فکر اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات موجود تھے۔ میں نے اصرار کیا تو نرگس نے غمناک لہجے میں کہا۔

''جمیل۔ میں نے آج تک ڈاکٹر کے مشورے پر آپ کو حقیقت حال سے آگاہ نہیں کیا تھا لیکن اب کچھ پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ جس گاڑی سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کے تینوں مسافر جاں بحق ہو گئے۔ پولیس نے کیس رجسٹر کر لیا ہے۔ اب تک ڈاکٹر اخلاق نے پولیس کو آپ کی بیماری کے پیش نظر پوچھ گچھ کی اجازت نہیں دی تھی۔''

''ایس پی ٹریفک آج آپ سے ملنے آ رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے نرگس کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''ابھی کچھ دیر پیشتر اس کا فون آیا تھا۔ میں نے اسے آپ سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔''

میں نے ایک نظر نرگس کے چہرے پر ڈالی پھر ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹریفک کا ایس پی اپنے ایک ماتحت انسپکٹر کے ساتھ آ گیا۔ ملازم نے اطلاع دی تو میں نرگس اور ڈاکٹر اخلاق کے ساتھ اٹھ کر اپنے ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ اس وقت میرے ذہن میں انکا کا تصور اچانک ابھر آیا۔ انکا کے پُراسرار وجود نے مجھے کہیں کا نہ رکھا تھا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھنا چاہا لیکن وہ اس وقت میرے سر پر موجود نہیں تھی۔

ایس پی نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ میں اپنی یادداشت کرید کرید کر جواب دیتا رہا لیکن وہ میرے جوابات سے مطمئن نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''مسٹر جمیل۔ آپ نے جو حالات بتائے ہیں' ان پر یقین کرنے کو میں تیار نہیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کے کسی وکیل یا بیرسٹر نے آپ کو یقین دلایا ہو کہ انکا نامی کسی پُراسرار وجود کی آڑ لے کر آپ خود کو سزا سے بچا سکتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ عدالت ان باتوں کو بے ہودہ اور لغو قرار دے گی۔''

''میں آپ کو قانونی چارہ جوئی کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا مگر جو کچھ میں نے انکا کے بارے میں کہا وہ بھی غلط نہیں ہے۔'' میں نے ایس پی کو گھورتے ہوئے بے پروائی سے کہا تو وہ یکلخت کھڑا ہوا اور انسپکٹر کو مخاطب کر کے بولا۔

''مسٹر ساجد۔ مسٹر جمیل کو حراست میں لے لو۔''

انسپکٹر جواب تک خاموش بیٹھا ہماری گفتگو سن رہا تھا' اچانک یوں پھٹ پڑا جیسے اس کا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہو۔ اس نے ایس پی ٹریفک کو جس کا نام منوہر لال تھا' خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہے جناب کہ میں اس سازش میں آپ کا شریک نہیں بن سکتا۔''

''وہاٹ؟'' ایس پی نے چنگھاڑتی ہوئی آواز میں کہا پھر انسپکٹر کو قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کہیں تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ جانتے ہو تم اس وقت کس سے مخاطب ہو؟''

''مجھے پتا ہے کہ اس وقت میں ایک ایسے ہندو آفیسر سے ہمکلام ہوں جو چند ماہ بیشتر بھی ایک مسلمان معزز شہری کو تعصب کا نشانہ بنا چکا ہے۔'' انسپکٹر نے بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔ اس وقت تم اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے بچ گئے تھے لیکن اس بار میں تمہارے خلاف گواہی دوں گا کہ تم نے میری موجودگی میں مسٹر جمیل سے پچاس ہزار کی رشوت طلب کر کے اپنی مجرمانہ ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔''

انسپکٹر کے اس جملے پر ایس پی منوہر لال کے علاوہ میں اور نرگس بھی چونکے بغیر نہ رہ سکے۔ ڈاکٹر اخلاق بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے انسپکٹر کو گھور رہا تھا۔ منوہر لال نے مجھ سے رشوت کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بہرحال ایس پی کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ اس نے غضب ناک تیوروں سے انسپکٹر کو گھورا۔

''کیا تم میرے حکم کی تکمیل کرنے سے انکا کی جرأت کر سکو گے؟''

ایس پی منوہر لال کا آپے سے باہر ہونا قدرتی بات تھی۔ وہ اٹھا اور انسپکٹر کو آنکھیں دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔ دوبارہ اندر آیا تو اس کے ساتھ تین مسلح سپاہی تھے۔ انسپکٹر نے اپنا دفاع کرنے کی خاطر ریوالور نکال لیا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ منوہر لال پر فائر کرتا' مسلح سپاہیوں نے اسے جکڑ لیا۔ بعد میں مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ نرگس میری گرفتاری پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ڈاکٹر اخلاق بدستور حیران کھڑا موقع کی نزاکت پر غور کر رہا تھا۔ میں نے نرگس کو مناسب الفاظ میں صبر کرنے کی تلقین کی اور خاموشی سے باہر آ کر پولیس کی جیپ میں بیٹھ گیا۔

مجھے خود بھی حیرت تھی کہ انسپکٹر نے مجھے بچانے کی خاطر منوہر لال پر ایک ایسا الزام تراشنے کی کوشش کیوں کی جو قطعی بے بنیاد تھا اور ایسی صورت میں جبکہ میری اس سے کوئی شناسائی نہیں تھی۔ بہرحال حالات نے مجھے گنگ کر رکھا تھا۔ منوہر لال راستے بھر مجھے اشتعال انگیز انداز میں دیکھتا رہا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر پہلے اس نے رپورٹ مرتب کی پھر اسی وقت ہمیں ایک مجسٹریٹ کے گھر پہنچایا گیا جہاں ہمارے بیانات لئے گئے۔ میں نے مجسٹریٹ کے روبرو وہی بیان دیا جو ایس پی کو دیا تھا۔ مجسٹریٹ نے مجھے یوں دیکھا جیسے اسے میری ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

''میرا خیال ہے کہ تم ایک بار پہلے بھی کسی کیس میں انکا کے پُراسرار وجود کا حوالہ دے چکے ہو۔''

''جی جناب لیکن میری بیوی کی اپیل پر عدالت نے مجھے باعزت طور پر بری کر دیا تھا۔''

''کیا تم انکا کے وجود کو ثابت کر سکتے ہو؟''

''اگر یہ بات میرے بس میں ہوتی تو مجھے اتنی پریشانیوں کا سامنا کیوں کرنا پڑتا۔'' میں نے بے ٭ی سے جواب دیا۔

''کیا...... ایکسیڈنٹ کرنے پر بھی تمہیں انکا نے اکسایا تھا؟'' مجسٹریٹ نے زہرخند سے پوچھا تو میں تلملا کر بولا۔

''مجھے کچھ یاد نہیں جناب کہ میرے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' مجسٹریٹ نے مجھے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''کیا تمہارے خیال میں پولیس نے تمہارے اوپر جو الزامات عائد کئے ہیں وہ جھوٹے ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔'' میں نے جھلا کر جواب دیا۔ ''اگر پولیس کے پاس معقول ثبوت موجود ہوئے تو عدالت یقیناً مجھے سزا کا مستحق سمجھے گی۔''

''تم۔ مجھے تم صورت ہی سے کوئی شاطر مجرم دکھائی دیتے ہو۔'' مجسٹریٹ غصیلے لہجے میں بولا پھر کچھ لکھنے لگا۔

...... میں خاموش کھڑا تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ میرے بعد انسپکٹر پولیس اور تینوں پولیس والوں کے بیانات ہوئے۔ ان لوگوں نے کیا بیان دیا' مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جب تمام بیانات ہو چکے تو مجھے اور انسپکٹر کو لے جا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ میں پوری رات جاگتا رہا۔ ماضی کی تلخ یادیں میرے ذہن کو کچوکے لگاتی رہیں۔ کاش میں خودکشی کر سکتا۔ کاش نرگس میری بیوی نہ ہوتی مگر قسمت میں جو لکھا تھا وہ تو ہونا ہی تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب قدرت کی طرف سے ایسے انتظام ہو چکے ہیں کہ ایک پولیس انسپکٹر میری طرفداری کر رہا ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ اس فیصلے کے بعد میرے ذہن کو قدرے سکون ملا تو میں چاروناچار حوالات کے پختہ فرش پر لیٹ رہا۔

ایک ہفتے تک مجھے اور پولیس انسپکٹر کو حوالات میں رکھا گیا۔ اس دوران میں متعدد بار مجھ سے سوالات کئے گئے لیکن ہر بار میں نے یہی کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں نے کچھ ایسا تاثر دینے کی کوشش کی جیسے میری یادداشت خراب ہو گئی ہو۔ انسپکٹر بدستور اپنے بیان پر اڑا رہا کہ منوہر لال نے مجھ سے پچاس ہزار کی رشوت طلب کی تھی اور دھمکی دی تھی کہ اگر رقم اسے نہ ملی تو وہ مجھے سزا کرا دے گا۔ انسپکٹر کے پاس کیا ثبوت تھا جس کی بنا پر وہ ایک ذمے دار آفیسر پر رشوت خوری کا الزام لگا رہا تھا' میری عقل میں یہ بات نہیں آتی تھی۔

ایک ہفتے بعد ہمیں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا جہاں صورت حال عجیب و غریب رخ اختیار

کرگئی۔ پہلی پیشی پر منوہر لال کا بیان ہوا۔ دوسری پر ڈاکٹر اخلاق کو گواہ پیش ہونا پڑا۔ ڈاکٹر نے اپنے بیان میں صرف اتنا کہا کہ مجھے منوہر لال نے زخمی حالت میں اسپتال میں داخل کرایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے واقعی کوئی خطرناک ایکسیڈنٹ ہو مگر اور بات بھی ممکن ہو سکتی ہے۔ کسی ایکسیڈنٹ کے بارے میں وہ بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ نرگس کو عدالت میں طلب کیا گیا تو اس نے بھی یہی بیان دیا کہ کسی حادثے کی اطلاع اسے ایس پی منوہر لال کی طرف سے ملی تھی جس کے بعد وہ اسپتال آئی تھی۔ ایکسیڈنٹ کے بارے میں اسے بھی کوئی علم نہ تھا۔

دو ماہ تک عدالت میں مختلف شہادتیں پیش ہوتی رہی۔ ایس پی ٹریفک نے موقع واردات کے وہ فوٹو عدالت میں پیش کیے جن میں میری گاڑی چکنا چور حالت میں نظر آ رہی تھی۔ گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی نظر آ رہی تھی۔ دوسری گاڑی میں سفر کرنے والے مرحومین کے عزیزوں نے عدالت کے روبرو بیان دیا کہ انہوں نے مجھے موقعۂ واردات پر نہیں دیکھا تھا لیکن میری گاڑی وہاں ضرور موجود تھی اور اس پر وہی نمبر پلیٹ موجود تھی جسے عدالت میں پیش کیا گیا۔ کیدار ناتھ نے پولیس کی طرف سے پیش کیے جانے والے گواہوں پر شدید جرح کی۔ ایک بیرسٹر کی حیثیت سے اس کے پیشے کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ مجھے دودھ کی مکھی کی طرح اس جرم سے علیحدہ کرتا جو مجھ سے سرزد ہو چکا تھا۔

سب سے آخر میں انسپکٹر ساجد کو عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس پر دو جرم عائد کیے گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ اس نے اپنے افسر کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکا کرتے ہوئے اس پر ریوالور تان لیا تھا اور دوسرے یہ کہ اس نے ایک مجرم کی طرف داری کرنے کی کوشش کی تھی جس نے مذکورہ حادثے میں تین انسانی زندگیوں کا خون کیا تھا۔ جس وقت انسپکٹر کو فرد جرم پڑھ کر سنائی جا رہی تھی وہ گواہوں کے کٹہرے میں سینہ تانے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یوں جیسے اسے کامیابی کا یقین رہا ہو۔ بعد میں جب اس نے عدالت کو مخاطب کر کے اپنا پچھلا بیان دہرایا اور میری بے گناہی کے ساتھ ساتھ منوہر لال پر رشوت طلب کرنے کا الزام عائد کیا تو حاضرین دم بخود رہ گئے۔ منوہر لال کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو ایک جا رہا تھا۔ اپنی جگہ چپ کھڑا وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

انسپکٹر کا بیان ختم ہوا تو کچھ دیر تک عدالت میں سناٹا طاری رہا پھر کیدار ناتھ نے اس سے سوالات کیے جن کا جواب اس سے حسب منشا ملتا رہا۔ کیدار ناتھ کے بعد وکیل سرکار نے اس پر جرح کی لیکن انسپکٹر کسی آہنی چٹان کی طرح اپنی جگہ ڈٹا کھڑا رہا اور مسکرا مسکرا کر جواب دیتا رہا۔

''تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ منوہر لال نے ملزم جمیل احمد خان کو اس حادثے میں پھانسنے کی کوشش کی ہے جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ...... ایکسیڈنٹ ملزم کی کار سے ہوا ہے جس کے فوٹو عدالت کی فائل میں موجود ہیں؟'' وکیل سرکار نے سوال کیا تو انسپکٹر نے اسے مسکراتی ہوئی نظروں

سے دیکھا پھر سنجیدگی اختیار کر کے براہ راست عدالت سے کہا۔

''مائی لارڈ۔ میرے پاس ایسا ثبوت موجود ہے جو نہ صرف میرے بیان کو سچا ثابت کر دے گا بلکہ عدالت پر یہ بات بھی آشکار ہو جائے گی کہ ایس پی منوہر لال نے محض تعصب کی بنا پر جمیل احمد خان کو پھانسنے کی خاطر شہادتوں کو مسخ کر کے اور واقعات کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال کر عدالت کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کی ہے لیکن مائی لارڈ۔ قبل اس کے کہ میں اپنا ثبوت پیش کروں' عدالت سے اس بات کی پُر زور درخواست کروں گا کہ جو کچھ میں کہوں اس کی تصدیق بغیر کسی تاخیر کے فوری طور پر کر لی جائے' مبادا منوہر لال اس ثبوت کو بھی درمیان سے ہٹانے کی کوشش کرے۔''

''تم اپنا ثبوت پیش کرو۔ اگر عدالت نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا تو اس کی تصدیق میں یقیناً کسی تاخیر سے کام نہیں لیا جائے گا۔''

عدالت میں موجود ہر شخص کی نگاہیں انسپکٹر ساجد پر جمی ہوئی تھیں۔ جج کی یقین دہانی کے بعد انسپکٹر نے ایک نظر منوہر لال پر ڈالی' پھر اس نے بیان دینا شروع کیا۔

''مائی لارڈ۔ وقوعے والے روز منوہر لال اور میں دونوں ساتھ ساتھ تھے...... ایکسیڈنٹ جمیل احمد خان کی گاڑی سے نہیں بلکہ نرنجن لال نامی ایک شخص کی کار سے ہوا تھا' جو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ واقعات سے پتا چلتا ہے کہ نرنجن لال ان تین مرنے والوں میں شامل تھا جو جمیل احمد خان کی گاڑی سے ہلاک ہوئے مگر اصل میں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نرنجن لال کی گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ نجن لال اپنی اور دوسری کار میں بیٹھنے والے اپنے دوستوں کی موت کا سبب بنا۔ منوہر لال حادثے کی اطلاع ملنے پر مجھے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔'' انسپکٹر نے تفصیل کے ساتھ سب کچھ بتاتے ہوئے کہا۔ ''نرنجن لال چونکہ ایس پی صاحب کا دوست تھا اس لیے اسے خاموشی سے چتا کی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ جمیل احمد خان اور نرنجن لال کی گاڑیاں ایک ہی ماڈل کی تھیں اس لیے منوہر لال نے اپنی سابقہ معلومات کی بنا پر جمیل احمد خان کو پھانسنے کا شرمناک منصوبہ بنایا۔ جمیل احمد خان کو گاڑی سمیت بلا کر اس کی نمبر پلیٹ نرنجن لال کی گاڑی پر لگا دی اور اس کی گاڑی کو اپنے گیراج میں چھپا دیا۔ ایس پی صاحب کا خیال تھا کہ جمیل احمد خان کو سزا ملنے کے بعد اس کی گاڑی فروخت کر دی جائے گی۔ جمیل احمد خان کو حادثے کا مجرم قرار دینے کی خاطر منوہر لال نے اسے کرائے کے غنڈوں سے اس حد تک زدوکوب کرایا کہ اسے اپنا ایک ہاتھ بھی گنوانا پڑا پھر بے ہوشی کی حالت میں اسے اسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔''

انسپکٹر ساجد نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''منوہر لال نے یہ تمام ڈراما اس خوبصورتی سے اسٹیج کیا کہ کسی کو ذرہ برابر شبہ بھی نہ ہو سکا۔ مجھے اس

بات کی دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے زبان کھولنے کی کوشش کی تو مجھے بھی کسی جھوٹے مقدمے میں ملوث کر دیا جائے گا۔ میں خاموش رہا مگر جب ایس پی منوہر لال نے پچاس ہزار کی رقم بے گناہ جمیل سے طلب کی تو میں چپ نہ رہ سکا۔"

انسپکٹر کے بیان سے حاضرین میں کانا پھوسی شروع ہوگئی تھی۔ منوہر لال غصے میں کھڑا دانت پیس رہا تھا۔ وکیل سرکار نے ایک اچٹتی ہوئی نظر منوہر لال پر ڈالی پھر انسپکٹر کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ملزم کی کار اس وقت بھی صحیح سالم حالت میں منوہر لال کے گیراج میں موجود ہوگی؟"

"مائی لارڈ۔" انسپکٹر نے براہ راست جج سے کہا۔ "میں نے اتنے دنوں تک اپنی زبان محض اس لیے بند رکھی تھی کہ منوہر لال نے پیش آنے والے حادثے کے دوسرے ہی روز جمیل احمد خان کی کار کو اپنے گیراج سے ہٹا کر کسی ویران جگہ منتقل کر دیا تھا۔ جس روز میرے مخبروں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ کار کو نرنجن لال کے گیراج میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اگر میری اطلاعات غلط نہیں ہیں تو وہ کار آج بھی نرنجن لال کی کوٹھی سے برآمد کی جا سکتی ہے۔ میں عدالت سے اپیل کروں گا کہ آج کی کارروائی ختم ہونے سے پہلے نرنجن لال کی کوٹھی کی تلاشی لی جائے ورنہ منوہر لال یقیناً اس اہم ثبوت کو بھی تباہ کر ڈالے گا۔"

میں پولیس کی حراست میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ انسپکٹر کا بیان میرے لئے ناقابل یقین تھا اس لیے کہ یہ بات مجھے بخوبی یاد تھی کہ وہ ہولناک حادثہ میری ہی کار سے رونما ہوا تھا لیکن میں نے اس موقع پر اپنی زبان بند ہی رکھی۔ جج نے کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد عدالت برخاست کر دی اور میرے وکیل کے اصرار پر خود پولیس کی جماعت کے ساتھ نرنجن لال کی کوٹھی پر گیا' جہاں گیراج سے ایک ایسی کار برآمد ہوگئی جو رنگ اور ماڈل کے اعتبار سے میری کار جیسی تھی لیکن اس پر جو نمبر پلیٹ موجود تھی وہ نرنجن لال کی کار کی تھی۔ جج نے کار کو تفتیش کی غرض سے ایک دوسرے ایس پی کے حوالے کیا اور مقدمے کی کارروائی اگلی پیشی تک ملتوی کرا دی۔ پندرہ روز تک مجھے کسی بات کا علم نہ ہو سکا۔ سولہویں روز جب مقدمہ دوبارہ پیش ہوا تو مجھے باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ ایس پی منوہر لال کو اپنی پوزیشن کا ناجائز استعمال اور عدالت کو دھوکا دینے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ انسپکٹر ساجد کو عدالت کی جانب سے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ نرگس نے میری رہائی کے احکام سنے تو خوشی سے بے تاب ہو کر بھری عدالت میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے انسپکٹر کا شکریہ ادا کیا پھر حیران و پریشان عدالت سے باہر نکل آیا۔ نرگس کو مقدمے کی کارروائی سے زیادہ میری رہائی کی خوشی تھی لیکن میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیوں کر ممکن ہو گیا؟ وہ کون سی قوت تھی جس نے ناممکنات کو ممکن کر دکھایا؟

"انکا۔"

اچانک میرے ذہن میں انکا کا پُراسرار تصور ابھر آیا "انکا" جو حیرت انگیز اور ناقابل یقین قوتوں کی مالک تھی اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں تھی۔ حادثے سے قبل اس نے مجھ سے کہا بھی تھا۔ "جمیل تمہیں ہوش میں لانے کے لئے نہ جانے کتنے تماشے مجھے اور دکھانے پڑیں۔"

انکا کا تصور آتے ہی واقعات کی الجھی ہوئی گرہیں آپ سے آپ کھلتی چلی گئیں۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب انکا کی پُراسرار شخصیت کا کیا دھرا ہے۔ اسی نے مجھے پہلے ایک حادثے سے دوچار کیا پھر اسی کی وجہ سے مجھے ایک ہاتھ سے ہاتھ دھونا پڑا اور اب اسی کی پُراسرار قوت کا نتیجہ تھا کہ میں کسی یقینی سزا سے گلوخلاصی حاصل کر کے واپس اپنے گھر جا رہا تھا! انکا کے منحوس وجود نے مجھے کہیں کا نہ رکھا تھا۔ میں نے عالم تصور میں ایک بار پھر انکا کو دیکھنا چاہا لیکن وہ میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ غالباً ابھی تک وہ انسپکٹر ساجد کے سر پر اپنا تسلط جمائے ہوئے تھی۔ گھر پہنچ کر نرگس نذر و نیاز کے معاملوں میں الجھ گئی۔ میں آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دو روز تک کوئی قابل ذکر بات پیش نہیں آئی۔ سوائے اس کے کہ میرے مقدمے کی کارروائی اور منوہر لال کی گرفتاری کی خبریں روزانہ اخباروں میں جلی سرخیوں میں شائع ہو رہی تھیں۔ میرے دفتر کے لوگ اور دوسرے واقف کار صبح سے شام تک میری مزاج پرسی کی خاطر آتے رہتے لیکن نرگس میری ہدایت پر انہیں بڑی خوب صورتی سے ٹالتی رہتی۔ میں اپنا کٹا ہوا ہاتھ لے کر لوگوں کے سامنے آنے سے کترانے لگا تھا۔ تیسرے روز بھی میں حسب معمول صبح کی ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے بستر پر لیٹا اخبار دیکھ رہا تھا کہ نرگس مسکراتی ہوئی میرے پاس آئی۔ اس کے ہاتھ میں بادامی رنگ کا کوئی لفافہ موجود تھا۔ چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟" میں نے اخبار سے نظر ہٹا کر پوچھا۔ "بہت زیادہ خوش نظر آ رہی ہو۔"

"ہاں جمیل۔ خدا نے میری دعا سن لی ہے۔"

"بات کیا ہے؟"

"آپ بتایئے کہ ایسی کیا بات ہو سکتی ہے؟" نرگس نے میرے برابر بیٹھ کر بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیا پولیس نے میری گاڑی واپس کر دی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"جی نہیں۔ اس بھی کہیں زیادہ خوشی کی بات ہے۔"

"چلو میں اپنی ہار تسلیم کرتا ہوں۔ تم ہی بتا دو۔" میں نے نرگس کے خوب صورت بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً جذبات سے مغلوب ہو کر مجھ سے لپٹ گئی پھر بولی۔

"جمیل۔ ڈیڈی ہمیں لینے آ رہے ہیں۔"

"کیا انہوں نے تمہاری اور میری خطائیں معاف کر دی ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔" نرگس نے میرے سینے سے سر اٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ "ڈیڈی

Downloaded from Paksociety.com

نے اخبارات میں ہمارے حالات پڑھ کر ہمیں معاف کردیا ہے۔انہوں نے ہمیں تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ پرسوں وہ بمبئی پہنچ رہے ہیں۔اب ہماری پریشانیوں کے دن ضرور ختم ہو جائیں گے۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔" میں نے آہستہ سے کہا پھر اپنے کٹے ہوئے بازو کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ نرگس میرے چہرے کے تاثرات بھانپ کر بولی۔

"جمیل۔ خدا کے لئے ان باتوں کو بھول جایئے۔ جب میں آپ کا بازو موجود ہوں تو پھر یہ فکر کیوں؟"

"نرگس میری زندگی۔" میں نے نرگس کے لہجے میں سچے پیار کی جھلک دیکھی تو بے اختیار اسے لپٹا کر پیار کرنے لگا۔ میں اس کی خوشیوں میں برابر کا شریک ہونے کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

نرگس دن بھر ضروری سامان کی پیکنگ کرانے میں مصروف رہی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کم از کم دو چار ماہ کے لئے اپنے والد کے ہاں قیام کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ورنہ اتنے سامان کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ بمبئی سے میرا دل اچاٹ ہو چکا تھا اس لیے میں نے نرگس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ مجھے خوشی تھی کہ مسٹر اصفہانی کی نرگس سے ناراضی ختم ہو چکی ہے۔ اب کم از کم نرگس کے لئے میرے بعد کوئی سہارا پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب میں قدرے سکون کا سانس لے سکوں گا۔ ذاتی طور پر مجھے نرگس کے والد کی خوشی یا ناراضی کا کوئی خیال نہیں تھا۔

نرگس چونکہ دن بھر کی تھکی ماندی تھی اس لیے رات کا کھانا کھاتے ہی سو گئی۔ میں نے حسب عادت بستر پر لیٹ کر کتاب کی ورق گردانی شروع کردی۔ کبھی کبھار میں نظر گھما کر نرگس کو بھی دیکھ لیتا تھا جس کے چہرے پر آج سوتے میں بھی بھرپور مسرت کے تاثرات اجاگر تھے۔

خاصی دیر تک میں کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا پھر معاً مجھے انکا کا خیال آیا۔ انکا نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ اس نے مجھے بے حساب دولت دی تھی۔ مجھے فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا تھا۔ میرے عیش و آرام کے لئے دنیا کا ہر سامان مہیا کیا تھا۔ اس نے میرے بڑا آدمی بننے کے اس خواب کو پورا کیا تھا جو میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے برابر دیکھا کرتا تھا۔ اس کے باوجود میں اس سے شدید نفرت کرنے پر مجبور تھا۔

جہاں تک انکا کے پُراسرار وجود کو برقرار رکھنے کے لئے انسانی خون کی فراہمی کا سوال تھا اس کے لئے میں نرگس سے شادی کے بعد بھی تیار ہو گیا تھا لیکن انکا نے نرگس کو جن گھناؤنے حالات سے دوچار کیا تھا وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میں نے اپنی نگاہوں سے بے گناہ اور معصوم نرگس کو انکا کی پُراسرار قوت کے زیر اثر ایک غیر مرد کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا۔ میں نے خون کے گھونٹ پی کر دل پر جبر کیا لیکن انکا کی زیادتیاں اب بڑھتی جا رہی تھیں۔ نرگس کے سلسلے میں جب میں

نے سختی سے غیر جانب دار رہنے کو کہا تو اس کے ناپاک وجود نے مجھے ایک ایسے حادثے سے دوچار کیا جس کی بدولت میرا ایک ہاتھ ضائع ہو گیا۔ گو انکا نے اپنی حیرت انگیز قوت کے ذریعے مجھے باعزت طور پر بری کرا دیا تھا لیکن مجھے اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ میں باہر نکل کر لوگوں کو اپنی شکل دکھا سکوں۔ آئندہ وہ مجھے لنگڑا اور اندھا بھی کر سکتی تھی۔ میرا ذہن انکا کے خیالی تصور سے الجھتا رہا۔ میں نے طے کر لیا کہ اب جبکہ نرگس کے باپ نے اسے معاف کر دیا ہے اور وہ میری غیر موجودگی میں بھی اپنے باپ کے پاس رہ سکتی ہے، میں انکا کی زیادتیوں کا انتقام اس سے ضرور لوں گا خواہ مجھے اس کے عوض اپنی زندگی ہی سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔ میں نہ جانے کب تک اپنے خیالات میں گم رہا پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر آ گئی ہو۔ میں نے عالم تصور میں اپنے بکھرے ہوئے بالوں پر نظر ڈالی تو میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔

انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن کے تاثرات موجود تھے۔ اس کی کنول جیسی آنکھوں میں پہلی بار میں نے تفکرات کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔ وہ میرے سر پر چت لیٹی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کا اپنے سر کے نیچے تکیہ بنا رکھا تھا اور خلا میں گھورے جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنے ہونٹ بھی کاٹنے لگتی۔ نہ جانے وہ اس وقت کس سوچ میں غرق تھی۔

میں نفرت بھری نظروں سے اس ننھی مگر خطرناک عورت کو گھورتا رہا جو حیرت انگیز قوتوں کی مالک تھی۔ مجھے اس کو تفکرات میں ڈوبا دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ دنیا کی ہر ناممکن بات پلک جھپکنے میں ممکن بنا سکتی تھی تو پھر یہ غور و فکر کس لئے؟ آخر وہ ایسی کون سی انہونی بات تھی جس نے انکا کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آج سے قبل میں نے اسے کبھی اس طرح مضطرب نہیں محسوس کیا تھا۔ شاید وہ کسی اندرونی کرب سے دوچار تھی مگر مجھے کیا پڑی تھی کہ اس کے بارے میں سوچتا! میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا مگر عین اس عالم میں کہ میں غنودگی کی کیفیت میں تھا، انکا کے نکیلے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس کر کے میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ انکا سر پر کھڑی مجھے اپنی خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"جمیل!" مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "تم نے مجھے پریشان محسوس کر کے آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟"

"تم...... اور پریشان! بہت خوب۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "کیا پریشانی لاحق ہو گئی ہے تمہیں۔"

"حیرت ہے کہ تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو۔ کاش تم جانتے۔"

انکا اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر خلا میں گھورنے لگی تو میں نے تیزی سے کہا۔

''اب تم میرے پاس کیا لینے آئی ہو انکا۔ اب تو میں اس قابل بھی نہیں رہا کہ کسی بے گناہ کا گلا گھونٹ کر تمہارے وجود کے لئے غذا فراہم کر سکوں۔''

''کیوں۔'' انکا کے چہرے پر اچانک مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولی۔ ''کیا تم ایک ہاتھ سے کسی کو خنجر یا گولی نہیں مار سکتے۔''

''انکا!'' میں نے بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔ ''تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں اپنی ہٹ کا کس قدر پکا ہوں۔ اب اس خیال کو ذہن سے نکال دو کہ میں تمہارے لئے کوئی جرم کروں گا۔ ہاتھ جانے کے بعد مجھے اب زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم میرے سر سے دفع ہو جاؤ۔''

انکا کے چہرے پر ابھرنے والی مسکراہٹ فوری طور پر ختم ہوگئی۔ ایک لمحے تک وہ مجھے یاس بھری نظروں سے دیکھتی رہی پھر کسی گہری سوچ میں غرق ہوگئی۔ مجھے انکا کے آج کے رویے پر تعجب ہو رہا تھا۔ نہ جانے آج وہ بار بار کس سوچ میں ڈوب جاتی تھی۔

چند ساعت تک وہ اپنے خیالوں میں محو رہی پھر میری سمت دیکھ کر نرمی سے بولی۔

''جمیل! تم میرے بہت اچھے دوست ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہاری حماقت نے مجھے سزا دینے پر مجبور کر دیا مگر تمہیں ایک ہاتھ کٹ جانے کا ملال نہیں ہونا چاہئے۔ میں تمہارا ہاتھ ہوں۔ تم مجھے نرگس کی طرح اپنا کیوں نہیں سمجھتے۔ میں کسی موقع پر ضرور تمہارے ہاتھ کی کسر نکال دوں گی۔ دوستوں کے حساب ہمیشہ دل میں رہنے چاہئیں۔''

''بس کرو انکا۔'' میں دانت پیس کر بولا۔ ''اگر کبھی وقت آیا تو میں تمہارے سارے حساب چکا دوں گا۔''

''تم وہی احسان فراموشی کی باتیں کر رہے ہو۔'' انکا نے برہمی سے جواب دیا۔ ''مجھے اندازہ ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا لیکن تمہیں یہ سزا دینی ضروری تھی۔ میرا خیال ہے جب بھی تم میرے خلاف کوئی قدم اٹھاؤ گے یہ ہاتھ تمہیں میری طاقت کا اندازہ دلاتا رہے گا۔ ہاتھ چلا گیا تو کیا ہوا' میں نے تمہیں اس کے مقابلے میں ایک بڑی مصیبت سے نجات نہیں دلائی؟ اگر میں انسپکٹر کے سر پر مسلط ہو کر اسے تمہاری طرف داری پر نہ اکساتی تو کیا ہوتا؟ تم پوری زندگی جیل میں گزارنے پر مجبور ہو جاتے۔ تمہیں ایک ہاتھ سے چکی بھی پیسنی پڑتی۔ کیا میں نے تمہیں عمر قید سے نجات دلا کر دوستی کا حق نہیں ادا کیا؟ تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے تمہیں بچانے کے لئے واقعات کا کیسا تانا بانا بنا کہ عدالت بھی چکر کھا گئی۔ حالانکہ اس مقدمے پر اگر دوبارہ غور کیا جائے تو سچی بات پتا چلنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ نرنجن لال کی موت' اس کے گھر والوں کی شہادتیں' اس رات اس کی مصروفیت وغیرہ کے بارے میں آسانی سے سچی معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں مگر میں نے عدالت پر سحر طاری کر دیا تھا۔ تم

میری وجہ سے بچ گئے۔''

''جہاں تم نے اتنے سارے احسانات کئے ہیں وہاں ایک احسان اور کرو۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یا تو مجھے ایک ہی بار موت کے منہ میں جھونک دو یا ہمیشہ کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

''نہیں جمیل۔ ایسی باتیں کیوں کرتے ہو...... ابھی ہماری دوستی اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتی۔ ہاں! ایک وعدہ میں تم سے ضرور کر سکتی ہوں۔ اطمینان رکھو' آئندہ میں نرگس کے سلسلے میں کوئی ٹانگ نہیں اڑاؤں گی۔ تم یہی چاہتے ہو نا؟''

میں نے اس بار انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اس کے چہرے کو تکتا رہا اور اس بات کا اندازہ لگاتا رہا کہ اس کے رویے میں تبدیلی کیوں ہے اور اس کی باتوں میں کہاں تک صداقت ہو سکتی ہے۔

''تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا جمیل۔'' انکا نے آلتی پالتی مار کر میرے سر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تمہیں اس بات پر شبہ ہے کہ میں بعد میں اپنے وعدے سے مکر جاؤں گی؟ کیا پہلے کبھی میں نے ایسا کیا ہے؟ ہاں تم ضرور مجھے بھول جاتے ہو۔ مجھے بھی اور اپنے وعدوں کو بھی۔''

''نرگس میری بیوی ہے۔ اس نے میرے لیے بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اب وہ کوئی دکھ اٹھائے۔''

میرے دل نے مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ حالات کے پیش نظر میں انکا کے پُراسرار وجود سے مصالحت کر لوں' دوسری صورت میں اگر وہ اپنی تریاہٹ پر اتر آتی تو مجھے اندھے کنوئیں میں آنکھ بند کر کے چھلانگ لگانے پر مجبور کر سکتی تھی۔ اس کی حیرت انگیز قوت کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ میں اس سے بہت خوف زدہ ہو گیا تھا۔

''میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ نرگس اب کسی حادثے سے دوچار نہیں ہوگی۔'' انکا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور کچھ...... اور کوئی فرمائش؟''

''تم نرگس کے کسی معاملے میں ٹانگ الجھانے کی کوشش نہیں کرو گی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے منظور ہے۔'' انکا نے ہامی بھر لی۔

''ہو سکتا ہے کہ کبھی وہ تمہارے وجود کو میرے سر پر محسوس کر کے آپے سے باہر ہو جائے۔''

''میں اس کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔''

''ممکن ہے وہ مجھے تمہارے چنگل سے نجات دلانے کی خاطر کوئی اقدام بھی کر گزرے۔''

''اب وہ ایسا نہیں کرے گی۔'' انکا نے وثوق سے جواب دیا پھر مسکرا کر بولی۔ ''ابھی اسے حالات کا علم نہیں ہے لیکن جس روز اسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ میری ہی قوت نے اس کے اور اس کے باپ کے

درمیان نفرت کی خلیج پُر کی ہے تو وہ مجھے اپنا محسن سمجھے گی۔"

"تو کیا نرگس کے والد نے وہ تار تمہارے ایما پر دیا تھا؟"

"ہاں جمیل۔" انکا نے بڑے دلآویز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "بمبئی میں تمہارا اور نرگس کا رہنا یوں بھی اب مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم دونوں کچھ عرصے کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔"

معاً میرے ذہن میں ایک خیال نے بڑی سرعت سے پر ابھارا۔ انکا مجھے بمبئی سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دے رہی ہے؟ کیا اس میں کوئی خاص مصلحت ہے؟ کیا وہ مجھے کسی پیش آنے والے حادثے سے بچانا چاہتی ہے یا پھر اس مشورے کے پیچھے انکا کی کوئی اور سازش کارفرما ہے۔ میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ انکا جب پُراسرار حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے تو پھر آخر وہ کون سا خطرہ ہو سکتا ہے جس سے نمٹنا اس کے بس سے باہر ہے۔ دوسری طرف یہ خیال بھی مجھے نہ جانے کیوں پریشان کر رہا تھا کہ انکا نے اچانک نرگس اور اس کے باپ کے درمیان مصالحت کرانے کی اسکیم کیوں مرتب کر ڈالی؟ کیا اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے؟

کچھ دیر تک میں ذہن میں گڈمڈ ہونے والے ان سوالات پر غور کرتا رہا پھر میں نے انکا کی سمت دیکھا۔ وہ اب میرے سر پر اوندھی لیٹی تھی۔ اس نے دونوں کہنیاں میرے سر پر ٹیک رکھی تھیں اور اپنی ہتھیلیوں پر ٹھوڑی ٹکائے مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کسی سازش کے بجائے میرے لئے پیار جھلک رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میں گڑبڑا گیا لیکن پھر میں نے بڑے محتاط لہجے میں سوال کیا۔

"کیا بمبئی میں میرے اور نرگس کے لئے کوئی خطرہ درپیش ہے؟"

"میرے ہوتے ہوئے تمہیں یا نرگس کو کبھی کوئی خطرہ پیش نہیں آ سکتا۔ جب تک میں تم دونوں پر مہربان ہوں، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم غیر ضروری باتیں کیوں سوچ رہے ہو جمیل؟"

"پھر تم ہمیں بمبئی چھوڑنے کا مشورہ کیوں دے رہی ہو؟ کیا اس میں کوئی خاص مصلحت ہے؟"

"ہاں۔" انکا یک لخت سنجیدگی سے بولی پھر اٹھ کر دوبارہ میرے سر پر یوں ٹہلنے لگی جیسے وہ کسی غم سے دوچار ہو۔ کوئی خیال اسے اندر ہی اندر ستا رہا ہو۔ میں خاموشی سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتا رہا۔ وہ چند ساعت تک چہل قدمی کرتی رہی پھر پلٹ کر مجھ سے بولی۔

"جمیل! کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہیں ہے کہ نرگس کے باپ نے تم دونوں کو سچے دل سے معاف کر دیا ہے اور اب خود وہ تمہیں لینے آ رہا ہے؟"

"اس سے زیادہ خوشی مجھے اس بات کی ہے کہ نرگس خوش ہے۔" میں نے جلدی سے کہا پھر بولا۔ "مگر میرے بمبئی میں قیام کرنے میں کیا حرج ہے؟"

انکا نے میرے سوال پر مجھے یوں گھور کر دیکھا جیسے میرے خیالات پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک پُراسرار کشش موجود تھی۔ اس نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

"سنو جمیل۔ تمہارے دل میں جو وسوسے اٹھ رہے ہیں انہیں اپنے ذہن سے نکال دو۔ میرا نام انکا ہے۔ بہت سی پُراسرار قوتیں مل کر بھی مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتیں۔ مجھے ناممکن کو ممکن بنانا آتا ہے۔ تم اگر فی الحال بمبئی میں رہنا چاہتے ہو تو بڑے شوق سے رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جب وقت آئے گا میں تمہیں ان حالات سے باخبر کر دوں گی جس کے پیش نظر میں نے تمہیں بمبئی چھوڑنے کا مشورہ دیا تھا۔" انکا ایک ہی سانس میں کہہ گئی پھر بولی۔ "جب میں نے تم کو بڑی بڑی مصیبتوں سے نجات دلائی ہے تو میرے کسی آڑے وقت پر تم کیسے انکار کر سکتے ہو؟"

"کیا مطلب؟" میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم مجھے اپنی کسی ضرورت کے تحت یہاں سے ہٹانا چاہتی ہو؟"

"ہاں۔ لیکن مطمئن رہو...... وہ ضرورت انسانی خون کی نہیں ہے۔"

"پھر؟" میں نے انکا کی آنکھوں میں بدستور جھانکتے ہوئے کہا۔

"جمیل۔ میں قبل از وقت تمہیں پوری تفصیل ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ بس اتنا سمجھ لو کہ اگر اس موقع پر تم میرے کام آ گئے تو پھر تمام زندگی عیش کرو گے۔ میں تمہیں کبھی کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔ تم جو کہو گے وہی کروں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

انکا کی باتوں کا مقصد میں نہ جان سکا۔ بہرحال اس بات کا مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت مجھ سے جو کچھ کہہ رہی ہے وہ ضرور پورا کرے گی۔ میں کچھ دیر تک خالی نظروں سے انکا کو تکتا رہا۔ خلاف توقع وہ آج کچھ زیادہ ہی شرافت کی جون میں نظر آ رہی تھی۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا میں نرگس کو بتا دوں کہ تم دوبارہ میرے سر پر آ گئی ہو؟"

"تم جانو۔" انکا نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "ویسے میری مانو تو نرگس سے کچھ نہ کہو۔ بمبئی سے روانگی کے بعد اگر تم اچانک نرگس کو صورت حال سے آگاہ کرو تو زیادہ مناسب ہے۔"

میں نے انکا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے نرگس کو دوسرے دن بھی یہ بات نہیں بتائی کہ انکا دوبارہ میرے سر پر مسلط ہو چکی ہے۔ تیسرے دن پروگرام کے مطابق نرگس کے والدین بمبئی پہنچ گئے۔ نرگس اپنے والدین کو دوبارہ پا کر خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ میں نے بھی اس کے والدین کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ گو مجھے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ میں اپنا ایک ہاتھ گنوا چکا ہوں لیکن ان لوگوں کو چونکہ اصل واقعات کا علم نہیں تھا اس لیے مجھے کچھ زیادہ تردد نہ ہوا۔

دو روز تک گھر میں ہنگامہ اور جشن کا عالم رہا۔ تیسرے روز ہم اپنا رخت سفر جو پہلے ہی سے تیار تھا،

لے کر بمبئی سے روانہ ہو گئے۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ دوران سفر موقع نکال کر نرگس کو بتادوں گا کہ اس کے خوشی کے یہ اسباب انکا کے پیدا کردہ ہیں لیکن مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ نرگس زیادہ تر اپنی ماں کے پاس رہی۔ میں اس کے والد سے گفتگو میں مصروف رہا۔ بہر حال میرے لیے یہ بڑی مسرت کی بات تھی کہ نرگس کے والدین مجھے معاف کر چکے ہیں۔ ان کا برتاؤ میرے ساتھ ویسا ہی تھا جیسے شریف گھرانوں میں داماد کے ساتھ ہوتا ہے۔

نرگس کے گھر پہنچ کر جب میں نے اسے بتایا کہ انکا میرے سر پر آ گئی ہے تو وہ اداس ہوگئی لیکن جب میں نے اسے تفصیل سے بتایا تو اس کے دل کا غبار چھٹ گیا۔ وہ سچ مچ انکا کو اپنا محسن سمجھ رہی تھی۔ میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ انکا اب ہمارے معاملات میں دخل انداز نہیں ہوگی۔ نہ ہی وہ آئندہ کبھی کسی بے گناہ کے قتل پر مجھے مجبور کرے گی۔ نرگس نے ایک بیوی کی حیثیت سے میری بات پر یقین کر لیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ انکا کی میرے سر پر موجودگی سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہے۔

مجھے نرگس کے ہاں دو ماہ گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں انکا کے اندر میں حیرت انگیز تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ وہ ہمہ وقت میرے سر پر لیٹی کسی خیال میں کھوئی سی رہتی۔ کبھی دو ایک دن کے لئے بغیر کہے کہیں چلی جاتی پھر دوبارہ خاموشی سے واپس لوٹ آتی۔ کوئی فکر اسے جیسے اندر ہی اندر گھلائے دے رہی تھی۔ وہ کچھ بیمار سی نظر آنے لگی تھی۔ میں نے اس سے پوچھنا چاہا مگر پھر خیال آیا کہ مجھے انکا سے زیادہ التفات نہیں بڑھانا چاہیے لیکن وہ اداس ہی رہی اور مجھ سے اپنے دل پر جبر نہ ہو سکا۔ انکا نے مجھے شدید ترین صدموں سے دوچار کیا تھا مگر اس کے احسانات بھی مجھ پر کم نہیں تھے۔ دو ماہ تک تو میں نے اس سے کچھ نہیں کہا لیکن ایک دن میں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے چہرے کی شگفتگی روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔''

انکا میرے سوال پر گلاب کے پھول کے مانند کھل اٹھی۔ تشکرانہ نظروں سے میری طرف دیکھ کر بولی۔

''جمیل۔ مجھے حیرت ہے تمہیں میرا خیال کیوں آ گیا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ تم میری پریشانی پر خوش ہو گے!''

''انکا۔ تم نے بمبئی سے چلتے وقت کہا تھا کہ غالباً تم پر کوئی افتاد پڑی ہے لیکن تم نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔'' میں نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

''مجھے یاد ہے۔ انکا ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''جمیل' میں تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں۔ تم نے مجھے آج دل سے پکارا ہے۔ سنو، دنیا کی تمام شیطانی طاقتیں اگر مل کر بھی مجھے پریشان کرنا چاہیں تو میں تنہا ان کا مقابلہ کر سکتی ہوں لیکن ایک طاقت ایسی ہے جس کے آگے میرا کوئی زور نہیں چل سکتا۔''

''وہ بھلا کون سی طاقت ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں اپنے پرانے دوست رام دیال کی ماں یاد ہے، اس نے تمہیں مشورہ بھی دیا تھا کہ اگر تم ایک منتر پڑھ ڈالو تو مجھے قبضے میں کر سکتے ہو لیکن تم نے انکار کر دیا تھا۔ سچ پوچھو تو مجھے تمہاری یہی بات اچھی لگی تھی۔ اس لیے میں از خود تمہارے سر پر آ گئی۔ دوسری صورت میں مجھے قبضے میں کرنے کے لئے تمہیں رام دیال کی ماں کا بتایا ہوا منتر جاپ کرنا پڑتا جس کے لئے بڑی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے مہان پنڈت اور پجاری بھی مجھے قبضے میں کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اگر ان کے جاپ میں ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو وہ میری غذا بن جاتے ہیں۔''

میں بڑی خاموشی اور تعجب سے انکا کی گفتگو سنتا رہا پھر جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے نہ جانے کیوں دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''انکا۔ کیا آج کل کوئی پنڈت یا پجاری تمہیں قبضے میں کرنے کے لئے جاپ کر رہا ہے؟''

''ہاں۔'' انکا نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے حاصل کرنے کے لئے اسے ایک سو ایک دن تک اس منتر کا جاپ کرنا ہے جس میں سے ستر سے زیادہ دن گزر چکے ہیں۔''

''ابھی تک اس سے کوئی بھول نہیں ہوئی؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' انکا نے پُر خیال انداز میں جواب دیا' پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ ''اتفاق ہی سمجھو جمیل جو میں اس پنڈت کے اس خیال سے بروقت آگاہ نہ ہو سکی کہ وہ مجھے قبضے میں کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ان دنوں میں انسپکٹر ساجد کے سر پر مسلط تھی۔ میں تمہیں اس حادثے کے الزام سے بچانے میں منہمک تھی۔ بس ان ہی دنوں وہ اپنے منڈل (دائرۂ حصار) میں چلا گیا۔''

''کیا اب تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں؟''

''جب تک وہ منڈل کے اندر ہے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر اس سے کوئی بھول ہو جائے تو میں پلک جھپکتے میں اس کی سانس باہر نکال سکتی ہوں۔''

''اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو؟'' میں نے قدرے بے چین ہو کر سوال کیا۔

''اگر وہ کامیاب ہو گیا جمیل تو مجھے اس کا غلام بن جانا پڑے گا اور پھر اس وقت تک اس کے ہر حکم کی بجا آوری میرا فرض ہو گا جب تک وہ مر نہیں جاتا۔''

انکا نے یہ جملہ کہتے وقت مجھے ایسی حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ میں تڑپ اٹھا۔ اس کی نظروں میں التجا تھی' ایک درخواست جسے میں رد نہ کر سکا۔ نہ جانے کیوں اب مجھے اس تصور ہی سے ہول آنے لگا کہ انکا مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گی۔ اس نے میرے لیے بے شمار قربانیاں دی تھیں۔ اُن گنت احسانات کئے تھے۔ مجھے اس سے انس ہو گیا تھا۔ ایسا انس جس کو میں کوئی نام نہیں دے سکتا،

صرف محسوس کر سکتا تھا۔ اس وقت انکا کے سلسلے میں، میں اس جذباتی کیفیت پر خود بھی حیران تھا۔ انکا جو عرصے سے میرے سر پر مسلط رہی تھی اور اس نے مجھے دنیا کے تمام انسانوں سے علیحدہ ایک عجیب وغریب زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب طویل رفاقت کے بعد مجھے اس سے ایک قلبی لگاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مجھے اداس اور دل گیر نظر آئی تو میرا جی اسے سینے سے لگانے کو چاہا۔ اس کے جسم کے نشیب و فراز اپنے سر پر محسوس کرنے کے بعد پہلی بار مجھے احساس ہوا جیسے انکا کے جسم میں بڑی کشش ہو۔ جیسے میں نے اس کے حسین جسم کا استحصال نہ کر کے کوئی غلطی کی ہو۔

مجھے یہ بھی خیال ہو رہا تھا کہ اگر میں اس آڑے وقت میں انکا کے کام آ گیا اور اسے بچانے میں کامیاب ہو گیا تو پھر یقیناً وہ میری بے دام کنیز بن کر رہے گی۔ میں جو چاہوں گا وہ کروں گا۔ انکا سے جو مانگوں گا وہ مجھے مل جائے گا۔ ہر چند کہ خدا کا دیا ہوا میرے پاس سب کچھ موجود تھا لیکن مزید دولت کی ہوس کسے نہیں ہوتی۔ انسانی فطرت یہی ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو جائے اسے مزید دولت مند بننے کی خواہش بے چین کئے رہتی ہے۔ میری کیفیت بھی اس وقت کچھ ایسی ہی تھی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

''انکا۔ کیا میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں؟''

''جمیل۔ میں تم پر واری جاؤں۔ تم اس وقت جو سوچ رہے ہو کاش تم پہلے سوچتے۔ کاش تم نے مجھے نرگس کی طرح محسوس کیا ہوتا۔'' انکا نے وارفتگی سے کہا۔

''انکا مجھے بتاؤ میں تمہارے کیا کام آ سکتا ہوں؟'' میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

''جمیل۔ مجھے یقین ہے تم اگر چاہو تو مجھے بچا سکتے ہو۔ اس کے عوض میں تمہاری باندی بننے کو بھی تیار ہوں۔''

''میں تمہیں ہر قیمت پر اس پنڈت کے ناپاک منصوبے سے نجات دلا کر دم لوں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو انکا کھل اٹھی۔ مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''جمیل۔ میں نے تمہارا انتخاب غلط نہیں کیا۔ تم بہت اچھے ہو مگر اب اپنے دل میں میرے لئے کوئی برائی نہ لانا۔''

''مجھے بتاؤ کہ اب مجھے اس پنڈت کے لئے کیا کرنا چاہیے؟'' میں نے جذباتی ہو کر پوچھا۔

''اتنی جلدی کی ضرورت نہیں جمیل۔ کچھ دن اور رک جاؤ پھر میں تم کو اس پنڈت کے بارے میں سب باتیں تفصیل سے بتا دوں گی۔''

اس رات میں نے انکا کو ایک عرصے بعد پُرسکون نیند میں محو پایا تھا۔ وہ خراٹے لے رہی تھی، وہ کوئی پری معلوم ہو رہی تھی۔ نیند میں اس کے چہرے پر عجیب معصومیت تھی۔ میں نے انکا کے سراپا کو دیکھا تو

مجھے اس پر بے اختیار پیار آ گیا۔ میں اسے سوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایک حسین و جمیل ننھی عورت کو، میرے سامنے میرے مستقبل کے حسین خواب تھے۔ میرے پاس انکا تھی۔ پُراسرار قوتوں کی مالک۔

☆==========☆==========☆

مجھے نرگس کے ہاں آئے ہوئے ڈھائی مہینے گزر چکے تھے۔ نرگس کے والدین ہمہ وقت میری تواضع میں لگے رہتے۔ مجھے یہاں ہر قسم کا سکون اور آرام نصیب تھا لیکن جب سے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ کسی پنڈت نے انکا کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے کوئی جاپ شروع کر دیا ہے، مجھے ہر وقت بے چینی سی رہتی۔ میں اکثر سوچتا۔ انکا اگر مجھے چھوڑنے پر مجبور ہو گئی تو میرا کیا بنے گا۔ میں جو ایک عرصے سے انکا کو اپنے سر پر برداشت کئے ہوئے تھا، کیا اب اس کی فرقت برداشت کر سکوں گا؟

انکا میری ناتوانی کا سہارا بن گئی تھی۔ یہ سہارا مجھ سے چھن گیا تو میرا کیا حشر ہو گا۔ صورت حال نے دوسرا رخ اختیار کر لیا تھا۔ انکا نے اپنے رویے میں ترمیم کر لی تھی۔ اب وہ میرے لئے بے ضرر تھی اور مجھے اس سے کچھ عشق سا ہو چلا تھا۔ اس نے بہت دنوں سے مجھ سے کوئی فرمائش یا مطالبہ نہیں کیا تھا، ہر وقت چپ چاپ لیٹی اپنی سوچوں میں گم رہتی۔ اداس اداس انکا کو دیکھ کر مجھے اس پر ترس آنے لگتا اور اسے آزردہ خاطر دیکھ کر مجھ پر بھی اداسی چھا جاتی۔

انکا کے چہرے پر اب وہ پہلے جیسی تازگی اور شگفتگی بھی نہ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے ڈیڑھ دو ماہ سے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھا تھا۔ انسانی خون جو انکا کے پُراسرار وجود کو زندہ رکھنے کے لئے اس کی واحد غذا تھی۔ اس کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی، وہ ہر وقت مضمحل سی نظر آتی، اس کی شوخ آنکھوں کی مخصوص چمک بھی رخصت ہو گئی تھی۔ اس کا حسن جو کبھی ادھ کھلے گلاب کے پھول کے مانند شگفتہ اور شاداب نظر آتا تھا آہستہ آہستہ خزاں زدہ پنکھڑیوں کی طرح مرجھاتا جا رہا تھا۔

ایک روز جب میں نرگس کے والد کے عالی شان بنگلے کے پائیں باغ میں بیٹھا ہوا عالم تصور میں انکا کی بے چارگی پر غور کر رہا تھا کہ ایک خیال سے میرے ذہن میں ابھرا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ انکا جان بوجھ کر اپنی زندگی ختم کرنے کے درپے ہو گئی...... ہو سکتا ہے میری طرح وہ بھی آنے والے لمحات کو محسوس کر کے ہراساں ہو گئی ہو اور اس نے قید و بند کی زندگی پر موت کو ترجیح دینے کی ٹھان لی ہو اور دیدہ دانستہ انسانی خون سے منہ موڑ لیا ہو...... اگر یہ صورت برقرار رہی تو انکا مر جائے گی...... اس کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ اس کا حسن، اس کی شوخ اور چنچل مسکراہٹ، اس کی دلکش معصوم باتیں اور اس کی پُراسرار قوتیں سب خاک میں مل جائیں گی اور یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو گا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ ان دنوں وہ انسپکٹر ساجد کے سر پر مسلط تھی اور مجھے گاڑی والے حادثے کے سنگین الزام سے بچانے میں اس قدر منہمک تھی کہ اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ پنڈت کب اپنے منڈل (دائرہ حصار) میں چلا گیا جو اپنا

جاپ پورا کر کے انکا کے پُراسرار وجود کو اپنا غلام بنانا چاہتا تھا۔

اب انکا کی جدائی مجھے کسی طرح منظور نہیں تھی۔ میں اسی شش و پنج میں مبتلا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس وقت بھی میرے سر پر بے سدھ پڑی ہے اور لمبی لمبی سانسیں لے رہی ہے۔ یوں جیسے اب وہ واقعی اپنی زندگی سے اکتا گئی ہو۔ میں اسے دیوانہ وار دیکھتا رہا پھر اچانک میں نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ مجھے اپنے ارادے میں مایوسی نہیں ہوئی۔ انکا یوں چونک کر جاگی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر ڈر گئی ہو۔ اس کے مرجھائے ہوئے رخساروں اور مضمحل نظروں میں مجھے زندگی گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میرا اضطراب اب سوا ہو گیا اور میں نے اسے مخاطب کر کے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

"انکا..........تم میری زندگی ہو۔ مجھے تمہاری یہ اداسی کھائے جا رہی ہے۔ میری جان میرے لیے زندہ رہو۔"

"جمیل۔" انکا نے مجھے ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا پھر سرد لہجے میں بولی "میں جانتی ہوں تم میری ساری خطاؤں کو معاف کر چکے ہو۔ ہاں اب تم مجھ سے سچی محبت کرنے لگے ہو۔ اسی لیے تو میں چاہتی ہوں کہ اس منحوس گھڑی کے آنے سے پہلے اس وجود کو ختم کر دوں جب کوئی دوسرا میرا حاکم بن جائے اور میں تمہارے پاس دو گھڑی آنے سے بھی مجبور ہو جاؤں۔"

"خدارا ایسا مت کہو انکا۔ اب بات وہ نہیں رہی جو پہلے تھی اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں تمہاری زندگی اور آزادی کے لیے سب کچھ کر گزروں گا، تمہیں اگر انسانی خون کی ضرورت ہے تو وہ بھی میں تمہیں فراہم کرنے کو تیار ہوں۔ میں اس پنڈت کو بھی جہنم رسید کر دوں گا جو تمہیں مجھ سے چھین لینے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ انکا کہ وہ کہاں بیٹھا اپنا ناپاک عمل کر رہا ہے۔ تمہارے لیے میں موت سے بھی ٹکرانے کو تیار ہوں۔"

"جمیل۔ مجھے معلوم ہے۔" انکا کے پھیکے ہونٹوں پر بڑا دل آویز تبسم ابھرا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی "تمہیں میرا کس قدر خیال ہے۔ کاش ایسا ہوتا کہ ہم مدتوں ایک ساتھ رہ سکتے۔"

"ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے زندہ رہیں گے انکا۔ تم مجھے اس مردود پنڈت کا پتا بتا دو اس کے بعد میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔"

"جمیل۔ مجھے تمہارے اوپر پورا یقین ہے۔ اس کے باوجود میں فی الحال پنڈت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں! کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ وہ کس جگہ بیٹھا اپنا منحوس جاپ پورا کر رہا ہے؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن جب تک پنڈت اپنے منڈل میں ہے، تم بھی اس کا بال بھی بیکا نہیں

کر سکتے۔ میں جان بوجھ کر تمہیں خطرات میں نہیں ڈال سکتی۔"

"پھر......اس کا تدارک کیونکر ہوگا؟"

"صبر سے کام لو جمیل۔ ابھی سترہ اٹھارہ روز اور باقی ہیں۔ اس عرصے میں کچھ نہ کچھ تدبیر تو بہر حال کرنی ہوگی۔" انکا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر دلنشین لہجے میں بولی۔ "تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

میں انکا سے گفتگو کر رہا تھا کہ نرگس باہر آ گئی۔ میں اب نرگس کی موجودگی میں اکثر انکا سے باتیں کر لیا کرتا تھا لیکن اس وقت معاملہ چونکہ دوسرا تھا اس لیے میں نے چپ سادھ لی۔ نرگس اس وقت خلاف توقع مجھے کچھ سنجیدہ نظر آ رہی تھی ورنہ جب سے وہ یہاں آئی تھی، ہر وقت مسکراتی رہتی تھی۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟" میں نے نرگس کے قریب آنے پر اس کی سنجیدگی کی وجہ دریافت کی۔

"جمیل...... ...... میں آپ سے اس وقت ایک خاص مسئلے پر بات کرنا چاہتی ہوں؟"

"مجھے بتاؤ۔ آخر معاملہ کیا ہے؟"

"ڈیڈی آج کل بہت پریشان ہیں۔" نرگس نے آہستہ سے کہا۔ "بہت دنوں سے وہ ایک ٹھیکے کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔ ہزاروں روپے ان افراد کو کھلا چکے ہیں جنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ ٹھیکہ ان کے نام کھولا جائے گا لیکن اب کوئی دوسری پارٹی مقابلے پر آ گئی ہے۔"

"گویا تمہارے ڈیڈی کو یہ خسارہ منظور نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" نرگس نے تیزی سے کہا۔ "دراصل ڈیڈی اور اس پارٹی کے درمیان بہت دنوں سے کشمکش جاری ہے اس لیے ڈیڈی نے اس معاملے کو اپنی عزت کا مسئلہ بنا لیا ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" میں نے نرگس کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔ کاروباری معاملات اور پھر نرگس کے والد کے اندرونی معاملات میں، میں نے کبھی دخل نہیں دیا تھا اس لیے میں فوری طور پر یہ نہ سمجھ سکا کہ نرگس اس سلسلے میں مجھ سے کیا چاہتی ہے۔

میرا جواب سن کر نرگس ایک لمحے کے لیے چپ رہی پھر راز داری سے بولی۔

"جمیل...... یہ ڈیڈی کی عزت کا معاملہ ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ انکا سے مدد کرنے کو کہیں۔"

انکا جواب تک خاموش بیٹھی میری اور نرگس کی گفتگو سن رہی تھی، ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر اس سے پیشتر کہ میں نرگس کی بات کا کوئی جواب دیتا، انکا نے سرگوشی کی۔

"جمیل۔ میں معاملے کی تہ تک پہنچ گئی ہوں۔ اصل معاملہ کیا ہے، اس کا علم نرگس اور اس کے باپ کو بھی نہیں ہے۔ تم نرگس سے کہہ دو کہ ٹھیکہ راسی کے والد کے نام کھلے گا۔"

میں نے نرگس کو انکا کا جواب سنایا تو وہ خوشی سے کھل اٹھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ قبل از وقت اپنے والد سے کچھ نہ کہہ دے اس لیے میں نے اسے سمجھا دیا کہ فی الحال وہ انکا کے جواب کو راز میں رکھے اور اپنے والد سے صرف اتنا کہہ دے کہ میں اپنے ایک واقف کار کے ذریعے معاملات طے کرادوں گا۔
نرگس پوری طرح مطمئن ہو کر چلی گئی تو انکا نے مجھے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔
"جس شخص نے تمہارے سسر سے رقمیں کھائی ہیں' یہ سب اسی کی بد معاشی ہے۔ دوسری پارٹی کو وہی شخص مقابلے پر لایا ہے۔"
"پھر۔ اب تم کیا کرو گی؟"
"تم میرے دوست ہو جمیل۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔ تمہیں صرف مجھے اس شخص کے گھر تک لے چلنا ہوگا۔" انکا نے آخری جملہ بڑی اداسی سے کہا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں تمہیں تکلیف نہ دیتی جمیل لیکن نقاہت کی وجہ سے مجھ سے ہلا بھی نہیں جاتا۔"
میں نے انکا کے خزاں زدہ چہرے کو دیکھا تو مجھے ایک دھچکا سا لگا۔ مصلحتاً میں اس وقت چپ رہا۔ اسی رات کھانے سے فارغ ہو کر میں حسب معمول ٹہلنے کے بہانے باہر نکلا اور اس شخص کے گھر کی سمت چل پڑا جس نے نرگس کے والد سے ٹینڈر کے سلسلے میں دھوکے بازی کی تھی۔ انکا میری رہبری کر رہی تھی۔ وہ ایک خوب صورت بنگلہ نما مکان تھا۔ انکا کے کہنے پر میں بے دھڑک مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ مطلوبہ شخص اس وقت گھر پر رہتا ہے اور اس کے بیوی بچے کسی تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔ میں نے دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بجائی تو ایک ناٹے قد اور دوہرے بدن کا آدمی باہر نکلا۔ اس وقت وہ ریشمی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھا۔ چہرے سے انتہائی مکار نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر بڑے خشک لہجے میں بولا۔
"کون ہو تم اور اتنی رات گئے یہاں کس لیے آئے ہو؟"
میں نے اسے سرتاپا گھور کر ایک نظر دیکھا۔ "محترم' میں ایک خاص ضرورت کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ بات تفصیل طلب ہے اس لیے کیا آپ مجھ سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہیں گے؟"
"کس سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتے ہو؟"
"مسٹر اصفہانی کے ٹینڈر کے سلسلے میں۔" میں نے قدرے ناگوار انداز میں جواب دیا۔
"گیٹ آؤٹ۔" وہ شدید نفرت سے بولا۔ "میں اصفہانی کے سلسلے میں......"
لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتا' باقی کام میں نے اس طرح انجام دیا جیسے کوئی کمپیوٹر اپنے فرائض انجام دے۔ میں اس کمپیوٹر کی طرح جس کا بٹن انکا کے ہاتھ میں تھا' تیزی سے اپنا کام کرنے لگا۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

دوسرے ہی لمحے میں نے اس کی چھاتی پر سوار ہو کر اس کی گردن پر اپنی گرفت جمائی اور اپنے الٹے ہاتھ کے حلقے کو تنگ کرتا چلا گیا۔ کچھ دیر تک وہ ماہی بے آب کی طرح میرے جسم کے بوجھ تلے تڑپا پھر ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے۔ اس کی حلقوں سے ابلی ہوئی خوفناک آنکھیں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ اب وہ ایک دو گھڑی کا مہمان ہے۔ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی۔
میں نے اسے عالم وحشت اور کیفیت غضب میں ایک بار پھر ضرب پہنچائی لیکن پھر اس خیال سے کہ میں اس وقت بہت نازک صورت حال سے دوچار ہو چکا ہوں' پکڑا بھی جا سکتا ہوں' میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں بوکھلا کر واپسی کے ارادے سے پلٹا ہی تھا کہ انکا کی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی۔
"جمیل۔ وہ مر رہا ہے' مرنے سے پہلے نہ جاؤ۔ میرے لیے ایک ٹھوکر مار کر اس کا سر پھاڑ دو۔ اس کا کام بھی تمام ہو جائے گا اور میں تمہاری خاطر اپنے وجود کو برقرار رکھ سکوں گی۔"
انکا کی آواز آئی تو میرے اوسان درست ہوئے۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید میں نے انکا کی محبت میں لاشعوری طور پر یہ سب کچھ کیا ہے۔ میں نے نفرت سے ایک بھرپور ٹھوکر جاں بلب شخص کے سر پر ماری تو خون کی دھار پھوٹ پڑی۔ اس کے بعد میں نے انکا کو سرشار نظروں سے دیکھا جو میرے سر پر کھڑی اپنی زبان ہونٹوں پر پھیر رہی تھی۔ تازہ اور گاڑھا گاڑھا خون دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ کہنے لگی۔
"جمیل۔ تم اب یہاں سے فوراً کھسک لو ورنہ پکڑے جاؤ گے۔ سیدھے گھر جانا۔ کیا سمجھے۔"
"لیکن اس کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"ان کی فکر مت کرو۔ میں ابھی زندہ ہوں۔"
مردہ شخص پر ایک نظر ڈال کر واپسی کے ارادے سے میں گھوما تو انکا نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔
"سنو جمیل۔ تم گھر جاتے ہوئے اس ٹھیکیدار کو فون کر کے یہاں پہنچنے کی ہدایت کر دو جس نے تمہارے سسر کے معاملے میں ٹانگ پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ باقی کام میں کر لوں گی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"
میں انکا کی ہدایت ذہن نشین کرتا ہوا باہر آ گیا۔ راستے میں ایک بوتھ سے میں نے دوسرے ٹھیکیدار کے نمبر پر فون کر کے اسے بدلی ہوئی آواز میں مقتول کے گھر پہنچنے کی ہدایت کی پھر سیدھا گھر آ گیا۔ نرگس اپنے والد اور والدہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں موجود تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے اپنی خوابگاہ میں جا کر لیٹ رہا۔ میرا خیال تھا کہ نرگس آئے گی تو اسے حالات سے مطلع کر دوں گا لیکن نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ صبح اس وقت میری آنکھ کھلی جب نرگس نے مجھے جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ اس کے چہرے پر تشویش اور فکر کے تاثرات نظر آرہے تھے۔ ہاتھ میں تازہ

اخبار لیے وہ مجھے عجب سراسیمہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ رات جو کچھ ہوا تھا' میں اسے یکسر فراموش کر چکا تھا۔ یوں بھی مجھے جس انداز میں جگایا گیا تھا اس نے میری تمام تر توجہ نرگس کی سمت مبذول کر دی تھی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''کیا بات ہے۔ تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟''

''پہلے یہ بتایئے جمیل کہ انکا اس وقت آپ کے سر پر موجود ہے یا نہیں؟''

نرگس نے انکا کا حوالہ دیا تو رات والا حادثہ مجھے اچانک یاد آ گیا۔ میرا دل چاہا کہ نرگس کو واقعات سے باخبر کر دوں لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے گمان ہوا' ممکن ہے وہ پریشان ہو جائے۔ میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ عالم تصور میں سر کی جانب دیکھا تو انکا کو محو خواب پایا۔ اس کے چہرے پر اب زندگی رقصاں تھی۔ سوکھے مرجھائے ہوئے گالوں پر سرخی موجود تھی۔ یقیناً یہ تمام علامتیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ رات اس نے اپنے وجود کو انسانی خون سے جی بھر کر سیراب کیا ہے۔ انکا کے چہرے پر مسرتیں دیکھ کر مجھے نہ جانے کیوں ایک عجیب روحانی خوشی کا احساس ہوا لیکن میں نے اسے اپنے چہرے سے عیاں نہ ہونے دیا' اور بدستور اپنے تجسس کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''انکا تو موجود ہے..... لیکن آخر بات کیا ہے۔ تم اس قدر پریشان کیوں نظر آ رہی ہو؟''

''جمیل۔ جس شخص نے ڈیڈی سے لمبی لمبی رقمیں کھائی تھیں اور جس ٹھیکیدار نے ٹینڈر کے سلسلے میں درمیان میں حائل ہونے کی کوشش کی تھی وہ دونوں حیرت انگیز طور پر حادثے کا شکار ہو گئے۔ یہ دیکھو۔''

نرگس نے اخبار میرے سامنے کر دیا۔ میں نے اخبار نرگس کے ہاتھوں سے لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ پہلے ہی صفحے پر جلی سرخیوں کے ساتھ قاتل اور مقتول کے بارے میں پوری تفصیل درج تھی، پولیس رپورٹ کے مطابق ٹھیکیدار کو رنگے ہاتھوں جائے وقوعہ سے گرفتار کیا گیا تھا۔ قاتل کا بیان بہت صاف تھا' اس نے پولیس کو یہی بیان دیا تھا کہ مقتول نے اسے ٹھیکہ دلانے کے بہانے بڑی بڑی رقمیں کھائیں پھر بعد میں منکر ہو گیا۔ اس نے طیش میں آ کر اسے ہلاک کر دیا۔ کیس بظاہر بالکل صاف تھا، لیکن پولیس کے حلقوں میں یہ بات موضوع بحث بنی ہوئی تھی کہ مقتول کے جسم کا سارا خون کیونکر غائب ہو گیا۔ ٹھیکیدار نے اس ضمن میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

اخبار پڑھ کر میں نے نرگس کی طرف دیکھا جو مجھے اب بھی حیرت آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر اس نے تیزی سے کہا۔

''جمیل۔ کیا آپ کو اس واردات میں انکا کا ہاتھ نظر نہیں آ رہا؟''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ بہر حال اب تمہارے ڈیڈی کے لیے میدان صاف ہو گیا ہے۔'' میں نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ ''ان کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''ڈیڈی نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا مگر میرا اندازہ یہی ہے کہ آج کا اخبار پڑھ کر انہیں خوشی ہوئی ہے۔''

''یقیناً ہوئی ہو گی۔'' میں نے کہا۔ ''دنیا کا عجب دستور ہے نرگس۔ ایک کا غم دوسرے کی خوشی کا سبب بنتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا کا کوئی انسان کبھی ہنستا بولتا نظر نہ آئے۔''

''آپ کا کہنا ٹھیک ہے لیکن مجھے اس خبر کو پڑھ کر دکھ ہوا ہے۔ میں اس حد تک نہیں چاہتی تھی کہ بات بڑھے۔''

میں نرگس کی بات کا جواب دینے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کے ڈیڈی کمرے میں داخل ہوئے۔ نرگس جلدی سے اٹھ کر مجھ سے دور ہو گئی۔ میں نے بڑے ادب سے سلام کیا تو انہوں نے دعائیں دینی شروع کر دیں۔ کچھ دیر بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر کہا۔

''جمیل بیٹے۔ تم نے آج کا اخبار دیکھا؟''

''جی ہاں۔'' میں نے نیاز مندی سے جواب دیا۔ ''اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے۔''

''ڈیڈی۔'' نرگس نے درمیان میں بولتے ہوئے پوچھا۔ ''مقتول کی بیوی اور بچوں کا اب کیا بنے گا؟''

''بیٹی جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا' ضرور کروں گا۔''

باپ بیٹی کے درمیان خاصی دیر تک اس مسئلے پر بات ہوتی رہی۔ نرگس کے والد مقتول کے گھر والوں کے سلسلے میں اپنی ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ ان کے چہرے پر خوشی دمک رہی تھی۔ مقتول کے ورثاء یا قاتل کی گرفتاری سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ انہیں تو بس اس بات کی خوشی تھی کہ اب ٹینڈر انہی کے نام کھلے گا۔ اس ٹھیکے میں نرگس کے والد کو ڈھائی لاکھ کی آمدنی متوقع تھی۔

کچھ دیر بعد نرگس اور اس کے ڈیڈی اٹھ کر چلے گئے تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اخبارات میں واردات کی مکمل تفصیل پڑھ لینے کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب مجھ پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انکا کی قوتیں واقعی لامحدود تھیں۔ اس نے خوبصورتی سے حالات پر اپنی گرفت جمائی تھی۔ مجھے انکا میں رونما ہونے والی تبدیلی پر بھی بے حد مسرت تھی۔ اس وقت وہ بڑے خوب صورت انداز میں میرے سر پر سوار ہی تھی۔ اس کے پتلے پتلے اور نازک نازک ہونٹوں پر زندگی مسکرا رہی تھی۔ جن رخساروں پر کل تک خزاں کا تسلط تھا وہاں اب شفق کی سرخی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ میں عالم تصور میں نہ جانے کب تک انکا کو محو خواب دیکھتا رہا اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ انکا نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں نے اسے پنڈت کی غلامی میں جانے سے بچا لیا تو وہ ہمیشہ میری باندی بن کر رہے گی۔ کبھی میرے کسی حکم

سے انکا نہیں کرے گی..... آنے والے خوش آئند مستقبل کے حسین خواب میری روح کو تازگی بخش رہے تھے۔ میں اپنے خیالوں کی دنیا میں گم تھا کہ انکا ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پایا تو ہونٹوں پر ایک شوخ مسکراہٹ بکھیر کر بولی۔

''کیسے ہو جمیل۔ رات کیسی گزری؟''

''خوب نیند آئی۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا پھر اسے اخبار میں شائع ہونے والی تفصیل کے بارے میں بتانے لگا۔ انکا گھٹنوں پر سر ٹکائے میری باتیں سنتی رہی۔ میں چپ ہوا تو اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

''جمیل۔ تمہارا حکم جو تھا اس لیے میں نے حالات کو تمہارے سسر کے حق میں کر دیا لیکن تمہارے یہ اصفہانی صاحب بھی بہت گہرے آدمی ہیں۔ جو کچھ اوپر سے نظر آتے ہیں وہ اندر سے نہیں ہیں۔ کبھی تم نے اس کے بارے میں غور کیا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''مطلب بہت صاف ہے جمیل۔'' انکا نے طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں تو معلوم ہے کہ اصفہانی صاحب کروڑوں کی جائیداد کے مالک ہیں۔ چار پانچ بینکوں میں اکاؤنٹ رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں انہیں لاکھ دو لاکھ کے نقصان کی بھلا کیا پرواہ ہو سکتی ہے..... مگر کل رات مجھے معلوم ہوا کہ اصل چکر کیا ہے۔ معاملات کچھ اور ہی ہیں۔''

''صاف صاف بتاؤ مجھے کہ معاملہ کیا ہے؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا تو انکا نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔

''میرا خیال ہے تم سے کچھ چھپانا مناسب نہیں مگر ہاں جو کچھ میں کہوں نرگس سے ان باتوں کا تذکرہ نہ کرنا ورنہ اسے صدمہ ہوگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے سسر نے ایک دوسری عورت بھی کر رکھی ہے جس کا علم نرگس یا اس کی ماں کو نہیں ہے۔ عورت حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی ہوشیار ہے۔ اس نے تمہارے سسر کو اپنے ناز نخروں کے حسین جال میں پوری پوری طرح پھانس رکھا ہے اور دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہے۔ اصفہانی صاحب جو یہ کاروباری مصروفیات کا بہانہ کر کے رات کو دیر تک غائب رہتے ہیں یہ سب بکواس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نازلی نے انہیں پوری طرح اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔''

''کیا نازلی اس عورت کا نام ہے؟'' میں نے حیرت سے دریافت کیا۔ انکا کی زبانی یہ انکشاف سن کر میری عقل دنگ رہ گئی میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ اصفہانی صاحب جو بظاہر انتہائی فرشتہ خصلت اور نیک نفس نظر آتے ہیں، بباطن اس قدر گہرے اور چھپے رستم بھی ہو سکتے ہیں۔

انکا میرا سوال سن کر مسکراتی ہوئی کھڑی ہوگئی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر محبوبانہ انداز میں بولی۔

''ہاں جمیل۔ نازلی اس عورت کا نام ہے جو گزشتہ دو برس سے تمہارے سسر کی آغوش گرم کیے ہوئے ہے۔ بڑی ہی حسین اور صحت مند ہے۔ اصفہانی صاحب کے پاس آنے سے پیشتر وہ ایک مقامی مجسٹریٹ کی داشتہ رہ چکی ہے۔ اسی مجسٹریٹ نے نازلی کو اصفہانی صاحب سے ملایا تھا۔ بعد میں تمہارے سسر نے اپنی بے پناہ دولت کا مظاہرہ کیا تو نازلی پکے ہوئے آم کی طرح ان کی آغوش میں آ گئی۔ اصفہانی صاحب نے اسے پوشیدہ طور پر یہیں ایک خوب صورت بنگلے میں چھپا رکھا ہے جس کا علم مجسٹریٹ کو نہیں۔ جس روز بھی اسے پتا چل گیا کہ تمہارے سسر نے دوستی کی آڑ میں شکار کھیلا ہے اسی روز دونوں میں ٹھن جائے گی۔ ان کی یہ کمزوری ٹھیکیدار کو بھی معلوم ہوگئی تھی۔

''ویسے یہ حقیقت ہے کہ نازلی بڑی جاندار عورت ہے۔ سچ کہتی ہوں جمیل اگر تم بھی اسے ایک بار دیکھ لو تو ریشہ خطمی ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی کملا تو یاد ہے نا۔ وہی جس نے تمہارے ساتھ ایک رات گزاری تھی پھر میرے کہنے پر تم نے اسے چوپاٹی لے جا کر مار ڈالا تھا! تمہیں کملا بہت پسند تھی نا! اگر تم نازلی کو دیکھ لو تو کملا کا مدھم سا تصور بھی کبھی تمہارے قریب نہیں پھٹک سکتا..... کیا خیال ہے جمیل..... ملو گے نازلی سے؟''

کوئی اور موقع ہوتا تو ممکن تھا انکا کی زبانی نازلی کی خوب صورتی کی تعریف سن کر میں متزلزل ہو جاتا لیکن یہاں معاملہ نرگس کے ڈیڈی کا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ نرگس یا اس کی والدہ کو حالات کا پتا چل جاتا تو ایک قیامت آ جاتی۔ ان کے گھر کا سکون درہم برہم ہو جاتا میں دیر تک حالات کے نئے رخ پر غور کرتا رہا پھر بولا۔

''انکا۔ کیا تم کوئی ایسا چکر نہیں چلا سکتیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔''

''تم کوئی بات کہو اور میں نہ مانوں' بھلا یہ کیسے ممکن ہے لیکن میری مانو تو کچھ دنوں اس چکر کو اور چلنے دو۔ مجھے یقین ہے نازلی زیادہ دنوں تک تمہارے سسر پر اکتفا نہیں کر سکتی۔ جس روز اسے اصفہانی صاحب سے زیادہ موٹی اسامی مل گئی وہ اس کے ساتھ چھو منتر ہو جائے گی۔''

''لیکن اس عرصے میں تو وہ نرگس کے والد سے لاکھوں کی رقم اور ہتھیا لے گی۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہیں اس کا غم کیوں ہے۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''تمہارے سسر نے اتنی ساری دولت بھلا کون سی ایمانداری سے جمع کی ہے۔ تم جو یہ ٹھاٹ باٹ دیکھ رہے ہو' یہ سب دھوکے اور فریب سے بٹوری ہوئی دولت کا کرشمہ ہے۔ اگر نازلی اس میں سے کچھ لے لیتی ہے تو کیا حرج ہے! کبھی تم بھی عورتوں پر پانی کی طرح بے دریغ.....''

''ان باتوں کو چھوڑو۔'' میں نے جلدی سے انکا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''یہاں معاملہ نرگس اور

Downloaded from Paksociety.com

اس کی ماں کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نازلی کا کانٹا درمیان سے جتنی جلدی نکل جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"اف ..... تم تو بہت ڈرتے ہو۔ میں اس مجسٹریٹ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دوں گی۔ بعد میں وہ خود ہی تمہارے سسر سے نمٹ لے گا۔"

"لیکن اس طرح تو بات بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔"

"اس سے بھی آسان کوئی طریقہ بتاؤں۔" انکا نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نازلی سے دوستی کیوں نہیں کر لیتے۔ لڑکی بڑی شاداب ہے پھر میں ایسے حالات پیدا کر دوں گی کہ وہ تمہارے سسر سے دل برداشتہ ہو کر تمہاری طرف راغب ہو جائے گی۔"

"کیا تم سنجیدگی سے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تلاش کر سکتیں۔" میں نے انکا کو شرارت کے موڈ میں پایا تو برہمی سے کہا۔

"بس تمہاری یہ عادت ہی تو مجھے بھاتی ہے۔ اتنی جلدی برا مان گئے جمیل۔" انکا نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں چھیڑنے میں بڑا لطف آتا ہے۔"

"یہ دل لگی کی بات نہیں ہے انکا بلکہ نرگس کی ماں کے مستقبل اور اس گھر کے سکون کا سوال ہے۔"

"ٹھیک ہے جمیل۔" انکا بولی۔ "مجھے نرگس اور اس کی ماں سے ہمدردی ہے اسی لیے تو میں نے تمہارے سسر کا یہ راز تمہیں بتا دیا۔ تم اگر چاہو تو میں نازلی کا چکر ختم کرا سکتی ہوں لیکن کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تمہارے سسر کو اپنے کیے کی تھوڑی بہت سزا بھی مل جائے۔ اس طرح وہ آئندہ اپنی بیوی کی حق تلفی بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"نہیں۔ یہ مناسب نہیں۔" میں نے کہا۔ "کوئی ایسی تدبیر کرو کہ سب کچھ آسانی سے ختم ہو جائے۔"

"اگر یہ تمہارا حکم ہے تو میں ایسا ہی کروں گی لیکن مجھے اتنی اجازت دے دو کہ میں کم از کم تمہارے سسر کو ڈرا ضرور دوں۔ کچھ احساس شرمندگی تو ہونے دو انہیں۔ یقین کرو میں انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی نہ ہی کسی کو اصل حالات کا علم ہو سکے گا۔"

"میں تمہیں اس کی اجازت بھی اس شرط پر دے رہا ہوں کہ بات طشت ازبام نہ ہونے پائے۔"

انکا کو سمجھانے بجھانے کے بعد میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا پھر ناشتے کے لیے باہر آ گیا جہاں گھر کے دیگر افراد بھی موجود تھے۔ نرگس ہنوز صبح والی اطلاع سے کچھ اداس نظر آ رہی تھی۔ اس کی ماں کا چہرہ سپاٹ تھا لیکن میرے سسر کے چہرے پر اس وقت بھی خوشی کے تاثرات جھلک رہے تھے۔ انکا کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں اپنے سسر کو میں نے بغور دیکھا تو نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بے حد گہرا آدمی ہے۔ بہرحال میں نے جیسے تیسے ناشتا کیا پھر اٹھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد نرگس بھی آ گئی۔ آتے ہی اس نے پھر مجھ سے اخبار والی اطلاع کے سلسلے میں جرح

شروع کر دی۔

"جمیل ..... کیا آپ نے انکا سے اس سلسلے میں دریافت کیا.....؟"

"ہاں۔" میں نے جھوٹ بولا۔ "اسے اس ضمن میں کچھ نہیں معلوم۔"

"مجھے رہ رہ کر مقتول کے بیوی بچوں کا خیال ستا رہا ہے۔ نہ جانے ان بے چاروں کا کیا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے تمہارے ڈیڈی ان کی ضرور مدد کریں گے۔"

"دولت سے کیا ہوگا۔ وہ دوبارہ زندہ تو نہیں ہو سکے گا۔"

نرگس ابھی تک متفکر نظر آ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اچھا ہوا میں نے اسے حالات سے باخبر نہیں کیا ورنہ ممکن تھا کہ وہ مجھ سے بھی متنفر ہو جاتی۔ میں نے گفتگو کا رخ بدلنے کی خاطر واپس بمبئی چلنے کا ذکر چھیڑ دیا۔ نرگس نے واپسی کا نام سنا تو بڑے پیار سے میری گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا جمیل کہ اب ہم یہیں رہیں؟"

"مگر بمبئی کے کاروبار کا کیا ہوگا؟"

"وہاں ہم اپنا کوئی دوسرا آدمی تعینات کر دیں گے؟"

"ہو تو سکتا ہے مگر میں یہاں پڑے رہنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں ڈیڈی سے اس سلسلے میں بات کر چکی ہوں۔" نرگس نے میرے اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی کا کہنا ہے کہ وہ آپ کو یہیں کاروبار کرا دیں گے اور ہاں ... ان کا خیال ہے کہ پلاسٹک سرجری کے بعد آپ کے ہاتھ کی بدنمائی بھی بہ آسانی دور ہو جائے گی۔"

ذاتی طور پر میرا بھی یہی خیال تھا کہ ابھی کچھ دن اور نرگس کے ہاں قیام کیا جائے اس لئے کہ ابھی مجھے اس پنڈت سے بھی دو دو ہاتھ کرنے تھے جو میری انکا کو غلام بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے نرگس کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیا کہ میں اس کی رائے سے متفق ہوں بشرطیکہ میرا کاروبار علیحدہ ہو جائے۔ نرگس مسرت میں جھومتی ہوئی اٹھ کر باہر چلی گئی۔ غالباً وہ اپنے والدین کو میرے فیصلے سے آگاہ کرنے گئی تھی۔

دن کا کھانا کھانے کے بعد میں آرام کی غرض سے لیٹ رہا۔ شام کو پانچ بجے جاگا تو موسم بہت خوش گوار ہو رہا تھا۔ نرگس نے مسکراتی ہوئی نظروں سے میرے بیدار ہونے کا خیر مقدم کیا۔ مجھے خوشی تھی کہ نرگس اب صحت مند ہوتی جا رہی تھی اور انکا کے سلسلے میں اب اس کی تشویش بھی جاتی رہی تھی۔

انکا کا تصور ذہن میں ابھرا تو میں نے کن انکھیوں سے اپنے سر کی جانب دیکھا لیکن میرا دل دھک سے رہ گیا۔ انکا اس وقت میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ میری پریشانی بڑھنے لگی۔ میرے دل میں ہزاروں وسوسے جاگ اٹھے۔ عام حالات میں اگر وہ غیر موجود ہوتی تو مجھے اتنی فکر لاحق نہ ہوتی لیکن موجودہ

Downloaded from Paksociety.com

صورت حال میرے لیے بے حد پریشان کن تھی۔

انکا نے مجھے بتایا تھا کہ جو پنڈت اسے غلام بنانے کے چکر میں ہے اسے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ایک سوایک دن تک جاپ کرنا ہوگا۔ میں نے انکا کے بیان کی روشنی میں جو حساب لگایا اس اعتبار سے ابھی پنڈت کے جاپ کو پورا ہونے میں چودہ پندرہ دن باقی تھے مگر انکا کی غیر حاضری نے مجھے مضطرب کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہیں میرا حساب غلط تو نہیں ہے...... ممکن ہے خود انکا نے حساب لگانے میں غلطی کی ہو...... کہیں پنڈت اپنے منصوبے میں کامیاب تو نہیں ہو گیا؟ کہیں انکا پنڈت کے قبضے میں تو نہیں چلی گئی...... اگر ایسا ہوا تو یہ بہت برا ہوگا۔ انکا نے مجھے پنڈت کے بارے میں نہ بتا کر حماقت کی تھی۔ نہ جانے اب وہ کس حال میں ہوگی؟ مجھ سے کبھی مل بھی سکے گی یا نہیں؟

میرا ذہن بری طرح الجھ رہا تھا۔ مجھے انکا پر شدید تاؤ آ رہا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو جانے سے پہلے مجھے آگاہ بھی کر سکتی تھی پھر اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ نرگس نے میرے چہرے کی کیفیت کو اچانک تبدیل ہوتے دیکھا تو حیران ہو کر بولی۔

''کیا بات ہے جمیل۔ آپ اچانک سنجیدہ کیوں ہو گئے؟''

''کچھ نہیں۔'' میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''یوں ہی ذرا اپنے کاروبار کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

نرگس کے ساتھ کھانے کے کمرے میں جا کر میں نے شام کی چائے پی۔ میز پر نرگس کے والدین بھی موجود تھے۔ ادھر ادھر کی رسمی گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا لیکن میں بس ہوں ہاں کر کے بات ٹال رہا تھا۔ حقیقت میں میرا ذہن اس وقت بھی انکا کی گمشدگی سے پریشان ہو رہا تھا۔ چائے پی کر میں روز مرہ کے معمول کے مطابق پائیں باغ جانے کے بجائے دوبارہ اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ نرگس اپنی والدہ کے ساتھ پڑوس میں چلی گئی تھی۔

رات کے آٹھ بجے تو میری تشویش دوچند ہو گئی۔ میری کیفیت اس اختلاجی مریض سے مختلف نہ تھی جسے کھلی ہوا میں رکھنے کے بجائے بند کمرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ انکا کی غیر حاضری کو بہر حال تین گھنٹے سے زیادہ ہو چکے تھے۔ نرگس بھی پڑوس سے اب تک واپس نہیں آئی تھی۔ میں نے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا لیکن ابھی مجھے ٹہلتے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مجھے معاً یہ خیال گزرا کہ انکا میرے سر پر دوبارہ آ گئی ہے

''تم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ تمہاری غیر حاضری نے مجھے شدید الجھن میں مبتلا کر دیا تھا اور تم مسکرا رہی ہو...... بغیر کچھ کہے سنے کہاں چلی گئی تھیں؟''

''مجھے افسوس ہے جمیل کہ تمہیں میری خاطر پریشان ہونا پڑا۔'' انکا نے بڑے انداز سے جواب،

پھر اپنے کانوں کو چھو کر کہا۔ ''لو...... وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ تم سے کہے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''مگر تم اب تک کہاں تھیں؟'' میں نے قدرے نرمی سے دریافت کیا۔

''میں ذرا نازلی کے سر پر چلی گئی تھی اور اب پھر جا رہی ہوں۔ تمہاری پریشانی کے خیال سے واپس آ گئی تھی۔''

''تم نے ابھی تک مجھے اس پنڈت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟''

''اس کا جاپ مکمل ہونے میں ابھی چودہ دن باقی ہیں اس لیے تم پریشان مت ہو۔'' انکا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آج میں تمہیں ایک بڑا دلچسپ ڈراما دکھانا چاہتی ہوں۔ تم نو بجے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچ جانا۔ وہاں تمہارے سسر اور وہ مجسٹریٹ صاحب بھی موجود ہوں گے جو ابھی تک نازلی کے سلسلے میں ٹھنڈی آہیں بھرتے رہتے ہیں۔''

''انکا۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے تیزی سے کہا۔ ''تم مجھ سے وعدہ کر چکی ہو کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جس سے نرگس کے والدین پر کوئی حرف آ سکے۔''

''میں اپنے وعدے پر قائم رہوں گی جمیل لیکن فی الحال تم اس سے زیادہ اور کچھ نہ پوچھنا ورنہ تماشے کا سارا مزہ جاتا رہے گا۔ اچھا! اب میں جا رہی ہوں۔ تم نو بجے تک ڈرائنگ روم میں ضرور پہنچ جانا۔''

پھر اس سے پیشتر کہ میں انکا سے کچھ دریافت کرتا' وہ کسی چھلاوے کی طرح پھدک کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو سوا آٹھ بج رہے تھے۔ ایک بار پھر مجھے انکا پر تاؤ آنے لگا۔ وہ مجھے پیش آنے والے حالات کے بارے میں کچھ بتائے بغیر منٹوں میں اڑن چھو ہو گئی تھی۔ گو مجھے اس بات کا مکمل یقین تھا کہ انکا اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہوگی تاہم مجھے فکر لاحق تھی کہ دیکھیں وہ نازلی کے سلسلے میں کیا گل کھلاتی ہے۔ مجسٹریٹ صاحب جن کا نام صابر علی تھا' نرگس کے والد کے پرانے دوستوں میں سے تھے۔ اکثر وہ میرے سسر سے ملنے آتے رہتے تھے لیکن یہ بات شاید ان کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھی کہ اصفہانی صاحب نے دوستی اور دولت کی آڑ لے کر ان کی منظور نظر نازلی بیگم کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔

آدھے گھنٹے تک میں اپنی خواب گاہ میں ہی رہا پھر کپڑے تبدیل کر کے ڈرائنگ روم میں آ گیا جہاں میرے سسر اور نرگس کے علاوہ صابر علی بھی براجمان تھے۔ میں نے دل پر جبر کر کے انہیں سلام کیا پھر نرگس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ صابر علی دھواں دھار تقریر میں مصروف تھے کہ گھڑیال نے نو بجائے اور ٹھیک اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سن کر نہ جانے کیوں میرا دل دھڑکنے لگا۔

''باہر کوئی مہمان آیا ہے شاید......'' میری ساس نے کہا۔

''میں دیکھتی ہوں جا کر۔'' نرگس یہ کہتے ہوئے اٹھی ہی تھی کہ مجھے ڈرائنگ روم کے دروازے پر اتنی

حسین عورت نظر آئی کہ میں چند لمحوں کے لئے اس کے حسن کی رعنائیوں میں گم ہو کر رہ گیا پھر جو میں نے نظر گھما کر اپنے سسر اور صابر علی کے چہرے پر نظر ڈالی تو ان دونوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ نرگس اور اس کی والدہ بھی دروازے پر کھڑی ہوئی آنے والی عورت کو تعجب خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ عورت نازلی کے سوا کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ دروازے کے بیچ کھڑی وہ صابر علی کو خوں نخوار نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

''فرمایئے بہن۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' میری ساس نے صوفے سے اٹھتے ہوئے بڑے مہذب لہجے میں پوچھا لیکن اس کا جواب جس غیر مہذب انداز میں ملا وہ میرے لئے بھی غیر متوقع تھا۔

''شٹ اپ۔ میں تم سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتی ہوں۔'' نازلی نے میری ساس سے کہا پھر دوبارہ صابر علی کو خطرناک نظروں سے دیکھنے لگی جن کی گنجی ٹانٹ پر پسینے کے بے شمار قطرے روشنی میں چمکتے نظر آ رہے تھے۔

میں نے اپنے سسر کی طرف دیکھا۔ ان کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ نرگس حیران تھی کہ وہ عورت کون ہے۔ ایک بار نازلی نے میرے سسر کی طرف دیکھا تو انہوں نے اس طرح ہاتھ جوڑ لیے جیسے یہ کہنا چاہ رہے ہوں۔

''نازلی...... تمہیں خدا کا واسطہ میری عزت کا خیال رکھنا۔'' میں اس سچویشن پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ نازلی نے بگڑے ہوئے تیور سے صابر علی کو مخاطب کیا۔

''ندیدوں کی طرح آنکھیں پھاڑے میری صورت کیا دیکھ رہا ہے دھوکے باز! مجھے پتا چل گیا ہے کہ آج کل تو سلطانہ کے چکر میں ہے۔ اسی لیے تو نے مجھے ٹھکرا دیا ہے لیکن میرا نام بھی نازلی ہے۔ تیرا ابھی تک غیرت دار عورتوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ میں تجھے بتاؤں گی کہ غیرت کیا چیز ہوتی ہے۔''

''کک...... کیا مطلب...... مم...... میں...... نہیں جانتا...... کہ کہ...... تت...... تم کون ہو۔'' صابر علی نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ ان کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔

''خاتون...... میرا خیال ہے آپ کسی غلط جگہ پر تشریف لے آئی ہیں۔'' میرے سسر نے سہمے ہوئے لہجے میں نازلی کو مخاطب کیا۔ ان کے دونوں ہاتھ اب بھی ایک دوسرے سے چپکے ہوئے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہاتھ جوڑ کر نازلی سے اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنے کی التجا کر رہے ہوں۔

نازلی نے میرے سسر کی بات سنی تو آگ بگولہ ہو کر بولی۔

''خاتون کے بچے اگر تو درمیان میں آیا تو میں تیری عزت بھی خاک میں ملا کر رکھ دوں گی۔ بہتر ہے اپنی زبان بند رکھ۔ کیا تیرے پاس بھی کچھ کہنے کو ہے۔''

میرے سسر نازلی کا جواب سن کر بھیگی بلی کی طرح اپنی جگہ دبک کر رہ گئے۔ صابر علی بدستور بغلیں

جھانکنے میں مصروف تھے۔ نرگس اور اس کی ماں پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ دم بخود نظر آ رہی تھیں۔ مجھے شرارت سوجھی تو میں نے صابر علی کو مخاطب کر کے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''قبلہ...... یہ آخر چکر کیا ہے۔ ایک اجنبی عورت آپ کو کھڑی برا بھلا کہہ رہی ہے لیکن آپ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔''

صابر علی کی غیرت کو جوش آ گیا۔ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے اور کڑک کر بولے۔

''خبردار عورت! اب تو نے الٹی سیدھی بکواس کی تو بند کرا دوں گا۔''

''بند کرائے گا...... تو......'' نازلی یک لخت ہتھے سے اکھڑ گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے صابر علی کو گریبان سے تھاما پھر ایک سینڈل اتاری اور شروع ہو گئی۔

موقع کی نزاکت محسوس کر کے سب ہی بوکھلا گئے میرے سسر نے اٹھ کر بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی تو نازلی نے دو چار ہاتھ انہیں بھی جھاڑ دیے۔ صابر علی کی تو اس نے اچھی خاصی درگت بنا دی تھی۔ کچھ دیر تک میں دور کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر میں نے نازلی کا ہاتھ تھام لیا۔ نازلی نے ایک لمحے کے لیے مجھے بھی کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر قدرے نرم لہجے میں بولی۔ ''تم میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہ کرو۔ یہ زندگیوں کا معاملہ ہے سمجھے۔''

''بری بات ہے محترمہ۔'' میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کو صابر علی صاحب سے کوئی شکایت ہے تو اسے دور کرنے کے اور بھی بہت سارے طریقے ہیں۔ عورت ہو کر یوں دست و گریباں ہونا آپ کو کچھ زیب نہیں دیتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' نازلی نے نفرت سے کہا پھر صابر علی کو حقارت سے دیکھ کر بولی۔ ''اس وقت تو میں جا رہی ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ میں تجھے عزت کے ساتھ زندہ نہیں رہنے دوں گی۔ ساری مجسٹریٹی اگر بھاڑ کر نہ رکھ دوں تو نازلی مت کہنا۔''

نازلی کے جانے کے کچھ دیر بعد صابر علی بھی کپڑوں کی گرد جھاڑتے ہوئے نازلی کو پاگل گردانتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ میرے سسر کی حالت قابل رحم تھی۔ یہ بات ان کے فرشتوں کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ حالات نے ایک دم کیونکر پلٹا کھا لیا۔ بیوی کے ساتھ اپنی سوچوں میں گم جب وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے تو میں نرگس کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ خوب زور زور سے حلق پھاڑ کر ہنسوں لیکن نرگس کے خیال سے خاموش رہا۔

دوسری صبح میری آنکھ کھلی تو انکا میرے سر پر موجود تھی۔ نرگس کمرے میں نہیں تھی اس لیے میں نے انکا کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''نازلی کو تم نے کہاں چھوڑا؟ میرا مطلب ہے کیا اب وہ ہوش میں آجانے کے بعد میرے سر سے اپنے تعلقات ختم کر لے گی؟''

''ہاں۔ میں نے اس کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی ہے کہ اصفہانی صاحب اسے کسی لمبے چکر میں پھنسوا دینا چاہتے ہیں لہٰذا ان سے دور ہی رہنا چاہیے۔''

''کہیں صلاح برعلی اسے پریشان نہ کرے۔'' میں نے کہا۔ ''ایک مجسٹریٹ کی حیثیت سے وہ اگر چاہے تو نازلی کو سینکڑوں الٹے سیدھے الزامات میں ملوث کرا سکتا ہے۔''

''جمیل...!'' انکا نے اس بات پر مجھے شوخ نظروں سے گھورتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ ''آخر تمہیں نازلی سے اچانک اتنی ہمدردی کیسے پیدا ہوگئی؟ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے۔''

''تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔'' میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ''میرا جی چاہتا ہے کہ ایک بار تنہائی میں نازلی سے ملا جائے۔ کیا تم میری خاطر اسے ہموار کر سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں۔ آج رات ہی چلو میرے ساتھ۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس کے قرب سے لطف اندوز ہوگے۔''

نرگس مجھے ناشتے کے لیے بلانے آگئی اس لیے میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چلا گیا۔ نازلی کے تصور ہی سے میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ دن بھر نازلی کے حسین خیالوں میں گم رہا۔ رات آئی تو میں نے کپڑے تبدیل کئے اور جیب میں نوٹوں کی گڈیاں بھر کر نازلی سے ملنے روانہ ہوگیا۔ انکا میری بے چینی دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور مجھے راستے بھر چھیڑتی رہی۔

میری توقع کے خلاف نازلی نے بڑے تپاک سے میرا خیر مقدم کیا۔ وہ شہر سے دور ایک خاموش اور خوب صورت بنگلے میں مقیم تھی۔ گھر میں عیش و عشرت کا سارا سامان موجود تھا۔ اعلیٰ درجے کی عریاں تصویریں دیواروں پر ٹنگی ہوئی تھیں۔ وہ کسی ملکہ کی طرح وہاں رہتی تھی۔ مجھے اپنے سسر پر بڑا رشک آیا۔ واقعی اس عشرت کدے کی بہار قائم رکھنے کے لئے دوسرے ذرائع سے دولت حاصل کرنے کی جدوجہد کون نہ کرے گا۔ نازلی مسکرا کر مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ میں نے کہا۔

''جب سے میں نے تمہیں دیکھا ہے' اپنے قابو سے باہر ہوں۔ مجھے ساری بات معلوم ہے لیکن میں تمہارے وصال کے لیے اپنی ساری دولت قربان کر سکتا ہوں۔'' وہ ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور میرے قریب آکر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔

میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ سب انکا کی مہربانی کی وجہ سے ہو رہا ہے لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ نازلی کا اخلاق محض کاروباری نوعیت کا ہے۔ جب میں نے اسے دولت کی جھلک دکھائی تو وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ مہربان ہوگئی۔ مجھے نازلی سے کوئی رشتہ نہیں کرنا تھا اس لیے میں نے اس کے ہاں

تقریباً تین گھنٹے قیام کیا اور اس کے وصال سے سرشار ہو کر واپس لوٹ آیا۔ راستے میں انکا نے مجھ سے کہا۔

''تم نے میرے بارے میں کیا سوچا ہے جمیل؟''

''میں ہر قیمت پر تمہیں اس پنڈت سے نجات دلانے کو تیار ہوں۔ تم مجھے صرف وہ جگہ دکھا دو جہاں بیٹھ کر وہ جاپ کر رہا ہے۔''

''لیکن تم منڈل میں داخل کیسے ہوگے؟''

''اس کی فکر مت کرو۔ تمہاری خاطر میں آگ میں بھی کود سکتا ہوں۔''

''جذباتی بننے سے کام نہیں چلے گا جمیل صاحب۔ ہمیں کوئی اور دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' انکا نے بدستور سنجیدگی سے کہا پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔ ''میری مانو تو پہلے تم اس سلسلے میں کسی بزرگ یا پنڈت پجاریوں سے ملو۔ ممکن ہے ان کے پاس کوئی حل موجود ہو۔''

''کیا تم کسی پنڈت پجاری یا بزرگ کا پتا بتا سکتی ہو؟'' میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

''میں ایک ملنگ سے واقف ہوں۔ اسی شہر میں پرانی بستی میں رہتا ہے۔ میرا خیال ہے جمیل کہ وہ بہت پہنچا ہوا ہے۔ اگر وہ چاہے تو ہماری مدد کر سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کل ہی اس سے ملوں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اس رات میں صرف انکا کو پنڈت سے نجات دلانے کے بارے میں سوچتا رہا جو بقول انکا کے ایک مشکل ترین کام تھا۔ نرگس نے دیر سے گھر آنے کی وجہ پوچھی تو میں یہ کہہ کر ٹال گیا کہ ایک پرانے دوست سے ملنے کے ارادے سے چلا گیا تھا۔ انکا بھی میری طرح رات بھر اپنی سوچوں میں گم رہی۔ دوسری صبح میں نے سب کاموں سے فراغت پائی۔ کپڑے تبدیل کئے اور ملنگ سے ملنے کے ارادے سے چل پڑا۔ پرانی بستی شہر سے تقریباً چھ میل دور تھی۔ یہاں زیادہ تر مزدور طبقے کے لوگ آباد تھے۔ مجھے ملنگ کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ باہر سے وہ مکان کچھ سلیقے کا نظر آتا تھا لیکن جب میں نے ملنگ کے کمرے میں قدم رکھا تو میرا جی متلانے لگا۔ وہاں اس وقت ملنگ کے علاوہ تین افراد اور بھی موجود تھے جو اپنی ضرورت کے تحت ملنے آئے تھے۔ ملنگ ایک پھٹے پرانے کمبل پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہاتھ میں دبی ہوئی چلم کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔ اس کے جسم پر جو کپڑے تھے وہ بھی حد درجہ میلے تھے اور سینکڑوں پیوند لگے نظر آرہے تھے۔ گلے میں اس نے خاصے موٹے دانوں والی مالا ڈال رکھی تھی۔ سر پر ایک میلی کچیلی ٹوپی تھی۔ کمرے میں چرس کی ناگوار بو بسی ہوئی تھی۔ میں دل پر جبر کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔

میں خاموش بیٹھا اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد کمرا خالی ہوا تو اس نے

اپنی سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں پھر بڑے غیر مہذب لہجے میں بولا۔

''چل...... سامنے آجا۔ اب تیری باری ہے۔''

چرس کی ناگوار بو سے میرا ذہن معطل ہو رہا تھا۔ ملنگ نے مجھے بے ہودگی سے مخاطب کیا تو میرے تیور بھی بگڑنے لگے لیکن قبل اس کے کہ میں آپے سے باہر ہوتا' انکا نے میرے کانوں میں ٹھنڈا رہنے کی ہدایت کی۔ میں آہستہ سے کھسک کے ملنگ کے قریب ہو گیا جو اب اپنے لیے نئی چلم بھرنے میں مصروف تھا۔ چلم سلگا کر دو تین لمبے لمبے دم لگانے کے بعد اس نے پھر میری طرف غور سے دیکھا اور نعرہ مستانہ مار کر بولا۔

''اندھیری رات کا مسافر...... ٹھوکر...... تارے ٹمٹمار ہے ہیں بیٹا۔''

''ملنگ بابا۔'' میں نے دل پر جبر کر کے اسے مخاطب کیا'' میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔''

''غیر حاضر۔'' ملنگ حلق پھاڑ کر ہنسا پھر بڑی راز داری سے بولا۔'' مچھلی پھانسنے کی ہنسی میں اگر کیچوے نہ ہوں تو اونچا شکار نہیں مارا جا سکتا!...... چل کالی کلکتے والی میرا منتر جائے نہ خالی!...... الکھ نرنجن......''

ملنگ کی بے ہودہ بکواس سن کر میں دل برداشتہ ہونے لگا لیکن جبراً بیٹھا رہا۔ اس نے ایک دم مارا پھر سرخ سرخ آنکھوں کو نچاتے ہوئے بولا۔

''دم لگاؤ گے بیٹا؟''

''شکریہ۔'' میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔'' مجھے چرس گانجے سے کوئی رغبت نہیں ہے۔''

''بکواس کر رہا ہے...... جو شے نظر نہ آئے وہ فانی ہے...... لپک سرخ جھنڈے والے اور دے سالے کو ڈبکی...... ہاہا...... ہاہا...... ہاہا۔''

''ملنگ بابا...... کیا تم میری مدد نہیں کر سکتے۔'' میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔ میری قوت برداشت اب جواب دینے لگی تھی لیکن میں محض انکا کی خاطر وہاں رکا ہوا تھا۔

''مدد...... المدد...... رہے نام سائیں کا۔'' ملنگ چلم کا ایک دم لگاتے ہوئے بولا۔'' سمندر خشک ہو جائے تو مچھلیاں درخت پر چڑھنے کے بجائے تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہیں۔ کشتی کے پیندے میں سوراخ ہو جائے تو تم کیا کرو گے؟''

''کیا میں چلا جاؤں؟'' میں نے اس بار قدرے درشت لہجے میں سوال کیا۔

ملنگ میرے سوال پر ہنسا پھر اچانک اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس نے لال لال نظریں پورے کمرے میں اس انداز سے گھمائیں جیسے پُراسرار روحوں کو دیکھ رہا ہو پھر مجھے کرخت نظروں

سے دیکھ کر بولا۔

''کالے کالے بادل گھر آئیں تو سورج کی چمک ماند پڑ جاتی ہے۔ کیا سمجھے جان من...... لگے دم مٹے غم...... الکھ نرنجن۔''

میں اس سے زیادہ ضبط نہیں کر سکتا تھا۔ اول تو چرس کی بو سے میرا دماغ پھٹا جاتا تھا اس پر ملنگ کی الٹی سیدھی باتوں نے میرے ذہن کو پراگندہ کر دیا۔ میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ملنگ کو نفرت سے دیکھ کر کہا۔

''میں نے جو کچھ سنا تھا تمہارے بارے میں وہ محض بکواس تھا۔ تم یقیناً کوئی رنگے سیار ہو۔''

''رنگا سیار۔ جوتوں کا ہار۔ کلیجے کے آر پار۔'' ملنگ غضب ناک لہجے میں بولا۔'' جا۔ چلا جا۔ بھاگ سالے آندھی آ رہی ہے''

میں نے ملنگ پر آخری نظر ڈالی پھر دانت پیستا مکان سے باہر آ گیا۔ مجھے انکا پر شدید تاؤ آ رہا تھا جس نے مجھے اس بے ہودہ ملنگ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ کھلی ہوا میں آ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا پھر عالم تصور میں انکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''یہ تم نے مجھ کس نامعقول شخص سے ملنے کا مشورہ دیا تھا؟''

''جمیل۔ ملنگ نے جو باتیں کہی ہیں ان کے معنی ضرور ہیں مگر میں انہیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میرا علم اس کے علم سے مختلف ہے۔ شاید ملنگ کو ہماری مدد نا منظور ہو اور اس نے الٹی سیدھی باتیں کی ہوں۔''

''جہنم میں جھونکو ملنگ کو اور مجھے اب بتاؤ کہ وہ پنڈت مجھے کہاں ملے گا جو تمہیں اپنے قبضے میں کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

''مگر تم اسے زیر نہیں کر سکو گے۔ یہ بہت مشکل ہے۔'' انکا کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

''ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ انسان کی لگن شرط ہے میں اس پر یقین رکھتا ہوں۔ مجھے اس پنڈت کا پتا بتا دو پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔''

میں اس وقت جذبات کی رو میں بہہ رہا تھا۔ انکا نے پہلے تو پنڈت کا پتا بتانے میں پس و پیش کیا مگر جب میں نے بہت اصرار کیا تو اس نے مجھے اس پنڈت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ میں نے سوچا کہ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی کیوں نہ ہو جائے۔ میں مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر سیدھا اس مرگھٹ کی طرف چل پڑا جہاں انکا کے بیان کے مطابق مطلوبہ پنڈت اپنے جاپ میں مصروف تھا۔

مگر میں دیکھ رہا تھا کہ انکا میری وحشت سے خوش نہیں ہے۔ اس کے حسین چہرے پر الجھنوں کی تہیں اور دبیز ہو گئی تھیں۔ آنکھوں سے اس کی ناامیدی اور مایوسی مترشح تھی' انکا جیسی پُراسرار طاقت پنڈت کے اس خطرناک عمل سے خوف زدہ تھی۔ اس منڈل میں انکا بھی داخل نہیں ہو سکتی تھی تو پھر میں کیا تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

میرے لیے تو یہ کام انتہائی جان جوکھم کا تھا مگر اس وقت میرے اوپر دیوانگی طاری تھی۔ میں ہر قیمت پر پنڈت کو ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اب انکا سے جدائی کا تصور ہی بہت شاق گزرتا تھا۔

میں اور انکا دونوں اپنے اپنے خیالوں میں محو تھے' آبادی سے دور نکل کر جب میں مرگھٹ والے ویران راستے پر پہنچا تو انکا نے ایک سرد آہ بھر کر مجھ سے کہا۔

''جمیل۔ میری بات مانو۔ یہیں سے واپس چلے چلو۔''

''کیوں؟'' میں نے ناراضی سے پوچھا۔ ''کیا تم اتنی ناامید ہو؟''

''ہاں! تم پنڈت کے منڈل میں نہیں داخل ہو سکتے اور جب تک وہ منڈل کے اندر ہے' کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔''

''مگر مجھے کوشش تو کرنے دو۔ میں اس مردود کو منڈل سے باہر نکالنے کے لئے اپنی سی کوشش تو کرلوں۔''

''بہت مشکل ہے جمیل۔'' انکا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ ''پنڈت کا جاپ پورا ہونے میں اب صرف آٹھ دس روز اور باقی رہ گئے ہیں۔ اب وہ اپنے منڈل سے نکلنے کی حماقت کبھی نہیں کر سکتا۔''

''خیر۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں بے پروائی سے بولا۔

میں نے محسوس کیا کہ انکا ٹکٹکی باندھے مجھے والہانہ نظروں سے تک رہی ہے۔ پھر وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور میرے سر پر چہل قدمی کرنے لگی۔ جوں جوں مرگھٹ قریب آتا جا رہا تھا' انکا کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب میں مرگھٹ سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر پہنچا تو انکا نے ایک بار پھر مجھے باز رکھنے کی کوشش کی۔

''جمیل' تم میرے لیے اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو۔ میں یقین کے ساتھ تو کچھ نہیں کہہ سکتی مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام ہوئے اور پنڈت نے اپنا جاپ پورا کر لیا تو......!''

''تو کیا ہوگا؟'' انکا نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا اس لیے میں نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''تو.....!'' انکا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر درد بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ''تم برباد ہو سکتے ہو۔ تمہارے اوپر ایسی تباہی آ سکتی ہے جس کا اندازہ تم اس وقت نہیں کر سکتے۔''

''مجھے سب کچھ منظور ہے انکا' لیکن اب میں تمہیں جدا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتا۔ تم دل کی باتیں جانتی ہو اور تمہیں معلوم ہوگا یہ میں کسی لالچ میں نہیں کر رہا۔''

''میں جانتی ہوں جمیل۔ میرے جمیل۔'' انکا کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا اس کی ڈبڈبائی نظروں میں محبت کی بے شمار قندیلیں روشن تھیں۔ وہ مجھے اس انداز سے دیکھتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''جمیل میں سوچتی ہوں' میں نے تم پر بہت ظلم کئے ہیں۔ سچ پوچھو تو میں شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے تمہیں ایک ہاتھ ضائع کرنا پڑا۔''

''کچھ مت سوچو میری جان۔'' میں نے تمام تر محبتوں سے کہا۔ ''تمہاری خاطر میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔''

''مگر پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔ پہلے تو تم مجھ سے زیادہ تر ناراض رہا کرتے تھے۔ مجھ سے بولتے بھی نہیں تھے۔ یہ تمہیں اچانک کیا ہوگیا۔''

''پہلے میں نے تمہیں سمجھا ہی نہ تھا لیکن اب......اب انکا مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ حالانکہ لوگ تمہاری طلب کے لیے تو کیا کیا نہ کرتے ہوں گے۔''

''اوہ جمیل۔ اتنی محبت کا اظہار نہ کرو۔'' انکا نے اپنی آنکھیں آہستہ سے بند کرلیں۔ اس کی بھیگی بھیگی پلکیں نہ جانے کیوں لرز رہی تھیں۔ ''کاش میں نرگس ہوتی اور بس تمہاری ہوتی اور کوئی میری طلب نہ کرتا......اور میں سب کچھ ہوتے ہوئے مجبور نہ ہوتی۔''

میں نے انکا کی دیگر باتیں سن کر مرگھٹ کی سمت اپنی رفتار تیز کردی۔ راستہ میرا دیکھا بھالا تھا۔ رام دیال کی ماں کے کریا کرم کے وقت میں اس طرف آ چکا تھا' لیکن وہاں مجھے وہ مردود پنڈت کہیں نظر نہ آیا۔ انکا بدستور الجھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ میں مرگھٹ تک پہنچ گیا۔ میں نے پہلی بار انکا کے چہرے پر خوف دیکھا۔

''یہاں تو کوئی پنڈت پجاری دور دور تک نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے انکا کو مخاطب کیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک لمحے تک مجھے حسرت بھری نگاہوں سے تکتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''جمیل۔ اب بھی وقت ہے۔ میرا کہا مانو تو ''

''ناممکن۔'' میں نے انکا کا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا' لیکن ایک بار قدم بڑھا کر پیچھے ہٹ جانا مردوں کی شان نہیں۔ تم مجھے پنڈت تک پہنچا دو پھر میں اسے منڈل سے باہر نکالنے کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور تلاش کرلوں گا۔''

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش رہی پھر انگلی سے ایک سمت اشارہ کر کے بولی۔ ''وہ سامنے جو مندر نظر آ رہا ہے اس کے پیچھے جھاڑیاں ہیں۔ ان جھاڑیوں کے پیچھے تمہیں وہ نامراد بیٹھا ہوا مل جائے گا۔''

انکا کا اشارہ پا کر میں بائیں سمت چل پڑا۔ مندر بالکل ویران پڑا تھا۔ مندر سے کوئی بیس گز دور خاردار جھاڑیاں موجود تھیں۔ میں قدم بڑھاتا جھاڑیوں کے قریب پہنچا پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچ گیا اور پھر اچانک میری آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔ میں جھاڑیوں کے

کنارے ٹھٹک کررک گیا۔ میری نگاہیں اس پنڈت پر جم کر رہ گئیں جو برگد کے ایک تناور درخت کے نیچے آلتی پالتی مارے بیٹھا آنکھ بند کئے اپنے گیان دھیان میں مست تھا۔ پنڈت کے جسم پر سوائے ایک لنگوٹی کے کوئی اور لباس نہ تھا۔ سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ الجھی ہوئی داڑھی کے بال کشادہ سینے پر لہرا رہے تھے۔ جسامت کے اعتبار سے وہ خاصا ہٹا کٹا نظر آرہا تھا۔ پورے جسم پر اس نے بھبھوت مل رکھا تھا۔ جس جگہ وہ بیٹھا جاپ کررہا تھا وہاں سے چار گز کے فاصلے پر چاروں طرف چونے سے دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا پنڈت کو خونیں نظروں سے گھورتا رہا پھر میں نے عالم تصور میں انکا پر نظر ڈالی تو بے چین ہوگیا۔ انکا جو پہلے قندھاری انار کی طرح سرخ ہورہی تھی' اس وقت بالکل زرد نظر آرہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی کا تسلط تھا اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ انکا میں یہ تبدیلی کس طرح آگئی' یہ بات میرے لیے حیران کن تھی۔ وہ اس وقت مجھے برسوں کی بیمار نظر آرہی تھی اور پھٹی پھٹی نظروں سے پنڈت کو گھورے جارہی تھی۔

''انکا سنو۔'' میں نے اسے آہستہ سے مخاطب کیا۔ ''کیا یہی وہ ذلیل پنڈت ہے جو تمہیں حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے؟''

''ہاں!'' انکا نے چونکتے ہوئے جواب دیا پھر سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''واپس چلو جمیل۔ مجھے اندازہ ہے تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ مفت کی پریشانیاں تمہارا مقدر بن جائیں گی۔''

''انکا موت کی تلخی مجھے تمہاری جدائی سے زیادہ عزیز ہے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں جواب دیا پھر قدم بڑھاتا پنڈت کی طرف گیا اور منڈل سے تھوڑے فاصلے پر رک گیا۔ پنڈت آنکھیں بند کئے اپنے جاپ میں مگن تھا۔ اسے غالباً وہاں میری موجودگی کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ کچھ توقف کے بعد میں نے اسے دبنگ آواز میں للکارتے ہوئے کہا۔

''او نابکار! آنکھیں کھول اور دیکھ تیری موت تیرے سر پر کھڑی ہے۔''

پنڈت نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں جیسے کچی نیند میں کوئی بھیانک خواب دیکھ کر ڈر گیا ہو لیکن اس کی یہ کیفیت لمحوں میں بدل گئی۔ جلد ہی وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ اس کے ہونٹ متحرک تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے منتر کے ورد میں لگا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے انہماک کو کسی طرح بھی توڑنے کی خاطر میں نے اسے دوبارہ نفرت سے مخاطب کیا۔

''مردود۔ کمینے! میری طرف آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے۔ تو کیا کررہا ہے۔ تو اس تپسیا میں سپھل نہیں ہوسکتا۔ میں تجھے ابھی کشٹ دیتا ہوں۔''

پنڈت نے میری طرف سرخ سرخ نظروں سے دیکھا۔ اس بار بھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے جیسے وہ میری مداخلت کے دفاع میں اپنے ذہن کا سارا زور

صرف کررہا ہو اور میں کسی نہ کسی طرح اس کے ارتکاز میں رخنہ ڈالنا چاہتا تھا۔ میں کچھ دیر تک اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ میں نے لپک کر زمین سے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور ہاتھ میں تولتے ہوئے بگڑے ہوئے تیور سے بولا۔

''سیدھی طرح راہ راست پر آتا ہے یا پتھر مار کر تیرا سر پھاڑ دوں۔''

جواب میں پنڈت کی آنکھوں کی سرخی اور گہری ہوگئی۔ اس نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر زور زور سے جھٹکنا شروع کردیا۔ وہ ہاتھ جھٹک جھٹک کر مجھے وہاں سے بھاگ جانے کا اشارہ کررہا تھا۔ مجھے اس کی حرکت گراں گزری۔ چنانچہ میں نے پتھر کو ہاتھ میں تولا اور پوری طاقت سے اسے پنڈت کے سر کا نشانہ لے کر پھینک مارا لیکن دوسرے ہی لمحے اس پتھر کا جو انجام ہوا اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ منڈل کے اندر داخل ہوتے ہی وزنی پتھر موم کی طرح پگھل کر پانی پانی ہوگیا۔ پنڈت کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ نے میرے جنون کو اور بھڑکا دیا۔ میں منڈل کے اندر داخل ہونے کے ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ انکا نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

''جمیل۔ اس نشان کو پار کرنے کی حماقت نہ کرنا ورنہ جل کر بھسم ہوجاؤ گے۔''

میں نے طے کرلیا تھا کہ منڈل میں داخل ہوکر پنڈت سے دو دو ہاتھ کرلوں گا' لیکن جیسے ہی میں نے منڈل میں پہلا قدم رکھا' مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے پکڑ کر جھنجوڑ دیا ہو۔ میں اپنے شانوں اور گردن پر کسی اَن دیکھی قوت کی گرفت محسوس کررہا تھا پھر اچانک میرے کانوں سے بھیانک آوازیں ٹکرانے لگیں۔ یوں جیسے سینکڑوں درندے مجھ پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی تو انکا وہاں موجود نہ تھی۔ شاید وہ منڈل میں مجھے داخل ہوتا دیکھ کر ہی میرے سر سے کود گئی تھی۔ بہر حال میں نے خود پر قابو پالیا اور اچھل کر چونے کی لکیر سے باہر نکل آیا۔ دوسرے ہی لمحے غیر مرئی طاقت در ہاتھ اور بھیانک آوازوں کا وجود ختم ہوگیا۔ میرا سارا وجود پسینے سے شرابور ہورہا تھا۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا اس پنڈت کو دیکھ رہا تھا جو اپنے جاپ میں پورے اعتماد اور سکون سے مصروف تھا۔ معاً مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا دوبارہ میرے سر پر آگئی ہو۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ میں انکا کو دوبارہ اپنے سر پر محسوس کررہا تھا۔ اس وقت وہ بے حد گھبرائی گھبرائی نظر آرہی تھی۔ اس کا ننھا وجود بید مجنوں کے مانند لرز رہا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انکا کو پریشان دیکھ کر مجھے دوبارہ اس پنڈت پر تاؤ آگیا جو مجھ سے میری انکا کو چھین لینا چاہتا تھا۔ ایک بار پھر مجھ پر جنون طاری ہوگیا۔ میں قریب پڑے ہوئے پتھروں کو اٹھا اٹھا کر پنڈت کی سمت پھینکنے لگا لیکن پنڈت میرے ہر وار سے محفوظ تھا۔ پتھر منڈل میں پہنچتے ہی پگھل کر گر جاتا۔ جب میں تھک کر ہانپنے لگا تو انکا نے مجھ سے کہا۔

''جمیل چھوڑو۔ اب گھر چلو۔ میں نے پہلے ہی منع کیا تھا لیکن تم نہ مانے۔ بیکار کیوں اپنی جان ہلکان

Downloaded from Paksociety.com

کرر ہے ہو۔ جب تک پنڈت اپنے منڈل کے اندر ہے' دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتی۔ اس لیے کہ اسے دن بہت گزر چکے ہیں اور بہت ہمت والے پجاری ہی مجھے حاصل کرنے کے لیے ایسا خطرناک جاپ کرتے ہیں۔ یہ پجاری بہت پرانا اور تجربے کار ہے۔ اس میں برداشت کی قوت بہت ہے۔ یہ جاپ میں مصروف رہے گا چاہے تم اسے کتنا ہی ورغلاؤ۔"

"لیکن اگر اس کم بخت کو منڈل سے باہر نہ نکالا گیا تو یہ ضرور اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہوجائے گا۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "کیا تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں اس موذی کے قبضے میں چلا جانے دوں۔"

"ایسی بات کیوں کرر ہے ہو جمیل۔" انکا نے اداسی سے کہا۔ "میں تو خود مجبور ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"پھر... تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے نرم پڑتے ہوئے دریافت کیا تو انکا روہانسی ہو کر بولی۔

"جلد بازی سے کام نہ لو جمیل۔ ابھی اس کا جاپ مکمل ہونے میں آٹھ دن باقی ہیں۔ اس عرصے میں کوئی ایسی ترکیب سوچو جو کارگر ثابت ہو۔"

"تمہارے کہنے پر تو میں اس بدحواس چرسی ملنگ سے بھی مل چکا ہوں لیکن کیا حاصل ہوا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"فی الحال تم گھر چلو جمیل۔ اس بلا سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ترکیب کرنا ہی پڑے گی۔"

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی تھی کہ جب تک پنڈت اپنے حصار میں موجود ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ حصار میں داخل ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ میں نے ہٹے کٹے پنڈت کو آخری بار نفرت سے دیکھا پھر ناکام و نامراد گھر کی جانب پلٹ پڑا۔ پنڈت کے مقابلے میں خود کو بے بس محسوس کرکے میں بڑی اذیت محسوس کرر ہا تھا۔ میرا دل ڈوبا جار ہا تھا۔ میرے لیے ایک ایک لمحہ بڑا جاں گسل تھا لیکن خون کے گھونٹ پینے کے سوا میں اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور اندر ہی اندر سلگتا ہوا گھر کی طرف واپس لوٹ رہا تھا۔ انکا بڑے اداس انداز میں میرے سر پر بالوں کے درمیان خاموش بیٹھی نہ جانے کس سوچ میں غرق تھی۔ کوئی آدھے گھنٹے تک ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی' اچانک میں نے انکا کو تیزی سے اٹھ کر کھڑے ہوتے دیکھا۔ اس کی ویران نگاہوں میں مجھے ایک عجیب چمک نظر آئی۔ میرے دریافت کرنے سے پہلے انکا نے کہا۔

"جمیل۔ ایک ترکیب سمجھ میں آئی ہے۔ تم اگر اس پر عمل کرو تو شاید ہمیں اس پنڈت سے نجات مل جائے۔"

"جلدی بتاؤ۔" میں نے بہ عجلت تمام پوچھا۔ "تمہیں پتا نہیں مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔"

"تمہیں رام دیال کی ماں سے ملنے جلنے والے پنڈتوں میں سے ایک پنڈت بھگوان پرشاد سے ملنا ہوگا۔ وہ اگر تمہاری مدد کرنے کو آمادہ ہوجائے تو تم اس پنڈت کو منڈل سے باہر نکال سکتے ہو۔ اس کے بعد میں خود اسے ٹھکانے لگادوں گی۔"

"کیا تمہیں امید ہے کہ بھگوان پرشاد میری مدد پر آمادہ ہوجائے گا؟"

"کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" انکا بولی۔ "ایک بار وہ بھی مجھے حاصل کرنے کے سپنے دیکھ چکا ہے لیکن میں نے بروقت اس کا دماغ پلٹ دیا تھا۔"

"کیا اس کے پاس کوئی ایسی طاقت موجود ہے' جو پنڈت کو حصار سے باہر آنے پر مجبور کرسکتی ہے؟"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی جمیل لیکن ایک منتر کا توڑ کوئی دوسرا منتر ہی کرسکتا ہے۔ مجھے یہ بات معلوم ہے کہ بھگوان پرشاد کالے جادو کا ماہر ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی ایسا جادو کردے جو پنڈت کو بوکھلا کر منڈل سے باہر آنے پر مجبور کردے۔"

انکا کے چہرے پر امید کی کرن دیکھ کر میں نے سوچا کہ پنڈت بھگوان پرشاد کو بھی آزمالیا جائے۔ میں وقت ضائع کئے بغیر اسی وقت انکا کی رہبری میں اس کے گھر کی سمت روانہ ہوگیا۔ انکا کے مشورے نے کسی حد تک میری پریشانی اور بے چینی کو کم ضرور کردیا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کی جدائی کا خیال اب بھی میرے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا۔ گو انکا ہی کی بدولت میں اپنا ایک ہاتھ گنوا بیٹھا تھا لیکن اس کے باوجود اگر میں چاہتا تو اس کے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا تھا۔ انکا میرے جسم کا جزو بن چکی تھی۔ وہ میری ضرورت تھی۔

میں اپنے خیالات میں کھویا کھویا تیز قدم اٹھاتا رہا۔ نصف گھنٹے بعد میں اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ ہندوؤں کی بستی میں بھگوان پرشاد کا مکان عین وسط میں واقع تھا۔ مکان کیا تھا' اچھی خاصی حویلی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اور مضطرب نگاہوں سے کسی کی آمد کا منتظر رہا۔ دو منٹ بعد جس شخص نے دروازہ کھولا وہ میرے خیال میں بھگوان پرشاد کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ میں اسے ایک دو بار رام دیال کی ماں کے ساتھ دیکھ چکا تھا پھر بھی اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر میں نے اس سے پوچھا۔

"مہاشے۔ کیا آپ ہی کا شبھ نام پنڈت بھگوان پرشاد ہے؟"

دہرے بدن اور لانبے قد والے پنڈت نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک منٹ تک وہ مجھے تیکھی نظروں سے گھورتا رہا پھر اس کے چہرے پر بکھری ہوئی کرختگی بتدریج کم ہونے لگی۔

''اگر میرا انداز غلط نہیں ہے تو میں تمہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔'' پنڈت نے بے نیازی سے کہا۔ ''تم رام دیال کے متر (دوست) جمیل تو نہیں ہو۔''

''ہاں مہاراج' میں وہی ہوں۔'' میں نے بھگوان پرشاد کو چڑھانے کی خاطر مہاراج کے خطاب سے نوازتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا کر بولا۔

''کیا میرے استھان پر آنے کا کوئی خاص کارن ہے؟''

''ہاں مہاراج! میں ضرورت کے تحت آپ کے چرنوں تک پہنچا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے نراش نہیں کریں گے۔''

''اندر آجاؤ۔''

میں پنڈت بھگوان پرشاد کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا۔ بڑے کمرے میں پہنچ کر جہاں دیوی دیوتاؤں کے بت جگہ جگہ موجود تھے' بھگوان پرشاد ایک تخت پر بیٹھ گیا پھر مجھے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں خاموشی سے ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں خدا سے دعا کر رہا تھا کہ بھگوان پرشاد میری مدد پر آمادہ ہو جائے۔ کچھ دیر تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ میں نے اپنی طرف سے پہل نہیں کی۔ پانچ منٹ بعد بھگوان پرشاد نے مہر سکوت توڑی۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ میں تمہاری کیا سہائتا کر سکتا ہوں؟'' اس نے خالص ہندو پنڈتوں کے لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔

''مہاراج!'' میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''پہلے مجھے وچن دیجئے کہ آپ میری مدد ضرور کریں گے۔''

''یہ تو بچوں والی بات ہوئی میاں۔ پہلے مجھے بتاؤ کہ تم چاہتے کیا ہو! اگر میرے بس میں ہوا تو میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔''

میں نے ایک سہمی ہوئی نظر بھگوان پرشاد کے چہرے پر ڈالی پھر اپنے آنے کا مدعا بیان کر دیا لیکن اس بات کو میں نے پوشیدہ رکھا کہ میں اس پنڈت کو منڈل سے باہر کیوں نکالنا چاہتا ہوں۔ انکا کا تذکرہ بھی میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ بھگوان پرشاد نے میری بات بڑے غور سے سنی۔ ایک ثانئے تک کچھ سمجھنے والے انداز میں میرے جسم کو تولتا رہا پھر کچھ جز بز ہو کر الجھے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا۔

''کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم اس مہان پنڈت کو اس کے منڈل سے باہر کیوں لانا چاہتے ہو؟''

''یہ بڑی لمبی کہانی ہے مہاراج!'' میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ''آپ بس اتنا جان لیں کہ وہ مہان پنڈت مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے اور اگر وہ اپنا جاپ پورا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔''

بھگوان پرشاد ابھی تک میرے چہرے پر معنی خیز نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ میرا جملہ ختم ہوا تو اس نے ایک بار چھت کی طرف نظر اٹھائی پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دس منٹ تک وہ اسی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''بچہ! کیا تم جانتے ہو کہ تربینی (یہ اس پنڈت کا نام تھا جو انکا کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا تھا) کیسا جاپ کر رہا ہے؟''

''ہاں مہاراج!'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''وہ میرے دل کا سکون برباد کرنا چاہتا ہے۔''

''تمہارے دل کا سکون؟'' بھگوان پرشاد نے حیرت سے کہا۔ ''تو کیا تم بھی انکا کے سپنے دیکھ رہے ہو؟''

میں کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ انکا نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''جمیل۔ اب اس سے کچھ چھپانا بے کار ہے۔ تم اس سے سب کچھ صاف صاف کہہ دو۔ میرے سلسلے میں صرف اتنا ہی بتانا کہ میں کبھی کبھی اپنی مرضی سے تمہارے سر پر آجاتی ہوں اور تربینی کے بارے میں بھی تمہیں میری زبانی معلوم ہوا ہے۔''

انکا کے مشورے پر میں نے بھگوان پرشاد کو کھل کر صورت حال سے آگاہ کیا تو اس کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی مترشح تھی۔ وہ منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد وہ بولا۔

''جمیل میاں! کیا تم سچ کہہ رہے ہو کہ انکا تمہارے سر پر آتی رہتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ انکا کون ہے۔ کیوں مجھ سے مذاق کرتے ہو؟''

''میں آپ سے مذاق نہیں کر رہا مہاراج۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے آپ سچ سمجھیں اور میری مشکل کا کوئی حل ڈھونڈیں۔'' میں نے کہا۔

''بالک انکا کا نام لیتے ہو۔ انکا کے بارے میں کچھ سنا بھی ہے۔ انکا کو حاصل کرنے والے بڑے بھاگیہ والے ہوتے ہیں۔ انکا کی شکتی جانتے ہو۔'' پنڈت نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت انکا نے میرے کان میں پھر ایک بات کہی چنانچہ میں نے بے دھڑک جواب دیا۔

''مہاراج' میری بات پر یقین کریں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ وشواش کریں' اس وقت بھی وہ میرے سر پر براجمان ہے۔''

''بالک' کیا تم اس کا کوئی ثبوت دے سکتے ہو۔ بتاؤ کیسی ہے انکا؟'' بھگوان پرشاد نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا مگر اس کی نگاہوں میں اب تک تجسس تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

"آپ کو کس قسم کا ثبوت درکار ہے مہاراج؟" میں نے انکا کے اشارے پر پوچھا۔

"سنو میاں جمیل۔ انکا ایک ایسی پُراسرار مہان شکتی کا نام ہے جسے اپنانے کے لیے منش کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ تربینی بھی اسی شکتی کے کارن منڈل میں دھونی رمائے بیٹھا ہے پھر میں کیسے وشواش کرلوں کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ٹھیک ہے۔"

"مہاراج' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حرف بحرف ٹھیک ہے۔" میں نے انکا کے کہے ہوئے جملے کو دہراتے ہوئے کہا۔" آپ کو اگر میری زبان پر وشواش نہیں تو آزما کر دیکھ لیجیے گا لیکن آپ کو اس بات کا وچن دینا ہوگا کہ اگر میں امتحان میں پورا اترا تو آپ تربینی کو اس کے منڈل سے باہر نکالنے میں میری مدد ضرور کریں گے۔"

"پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو۔ مجھے بتاؤ کہ انکا کس روپ میں تمہارے سر پر آتی ہے؟" بھگوان پرشاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں نہیں مہاراج!" اس بار میں نے مسکرا کر کہا۔" انکا کا روپ سندر ناریوں جیسا ہے۔ وہ سب سے سندر ہے...... وہ تو کوئی دیوی ہے۔"

"تم نے کبھی اسے بھوجن کرتے بھی دیکھا ہے؟"

"دیکھا ہے مہاراج!" میں بولا۔" انکا اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے انسانی خون پیتی ہے۔"

"اور...... اور اس سے وہ تمہارے سر پر براجمان ہے۔" بھگوان پرشاد اب بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا اب بھی آپ کو میری بات کا وشواش نہیں ہے؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"وشواش کا کیول ایک ہی طریقہ ہے جمیل احمد۔ اگر انکا کی شکتی سندر ناری کے روپ میں تمہارے سر پر موجود ہے تو اس سے کہو کہ وہ مجھے اپنی شکتی کا کوئی تماشا دکھائے۔"

میرے جواب دینے سے پیشتر ہی انکا کسی چھلاوے کی طرح اچھل کر میرے سر سے اتر گئی۔ بھگوان پرشاد مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں۔ انکا کے سر سے اتر جانے کی وجہ سے میں کچھ پریشان ہو گیا تھا لیکن میری پریشانی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی۔ بھگوان پرشاد کے رویے میں اچانک تبدیلی آگئی تھی۔ وہ یوں مسرور نظر آنے لگا جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں...... الفاظ اس کے منہ سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہہ رہا تھا۔

"میاں جی جمیل۔ تم تو مہان ہو۔ میاں جی مجھے معاف کردو۔ میں تمہیں غلط سمجھا۔ انکا تمہارے پاس آتی ہے' تم سب سے خوش قسمت آدمی ہو۔ میاں جی! مجھے بتاؤ میں تمہارا کیا کام کر سکتا ہوں۔ پرنتو تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔" بھگوان پرشاد کا لہجہ ایک دم بدل گیا۔

"وہ کیا؟"

"ابھی تم صرف مجھے زبان دے دو۔" بھگوان پرشاد نے مسکرا کر کہا۔" جب تم اپنے کام میں سپھل ہو جاؤ گے پھر میں تمہیں اپنا کام بتاؤں گا۔"

"مجھے منظور ہے مہاراج۔" میں نے بغیر سوچے سمجھے وعدہ کر لیا۔

"تم یہیں پدھارو۔ میں ابھی واپس لوٹتا ہوں۔"

بھگوان پرشاد تیزی سے اٹھ کر اندر چلا گیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انکا ابھی تک میرے سر پر واپس نہیں آئی تھی۔ میرا اندازہ یہی تھا کہ وہ اس وقت بھگوان پرشاد کے سر پر ہوگی اور اسی نے اسے میری مدد کرنے پر آمادہ کیا ہوگا۔ بہر حال اب مجھے امید کی کرن پھوٹتی نظر آ رہی تھی۔ میں اس دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جس دروازے سے ہو کر بھگوان پرشاد اندر گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ اس وقت بھی کسی اندرونی خوشی کے جذبے کے تحت کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ جس وقت وہ اپنے تخت پر بیٹھا ٹھیک اسی وقت انکا دوبارہ میرے سر پر واپس آگئی۔ میں نے کن انکھیوں سے انکا کی طرف دیکھا تو وہ بھی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ شاید اسے بھی اپنے بچاؤ کی امید چلی تھی۔ اسی کے اشارے پر میں نے بھگوان پرشاد کو مخاطب کیا۔

"مہاراج! اگر تم تربینی کو اس کے منڈل سے نکالنے کا کوئی اُپائے کردو تو میں تمام زندگی تمہارا احسان مند رہوں گا اور جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکا تمہارے لیے ضرور کروں گا۔"

"تم قسمت کے دھنی ہو میاں جمیل جو بغیر کسی جاپ کے انکا جیسی مہان شکتی کو پا گئے ہو۔" بھگوان پرشاد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔" میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ پرنتو اس کے لیے تمہیں ابھی ایک ہفتے اور انتظار کرنا ہوگا۔"

"ایک ہفتے۔" میں نے پریشان ہو کر کہا تو بھگوان پرشاد بولا۔" کوئی چنتا نہ کرو میاں جمیل' مجھے خبر ہے کہ تربینی کا جاپ مکمل ہونے میں کیول آٹھ نو دن باقی رہ گئے ہیں۔ پرنتو میں تم کو جو چیز دان کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے ابھی سے پورا نہیں ہے۔ تمہیں ایک ہفتے تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے مہاراج کہ میں تربینی کو ایک دو روز میں منڈل سے باہر دیکھ سکوں؟"

"میں جانتا ہوں کہ تم انکا دیوی کی وجہ سے بہت بیاکل ہو لیکن دھیرج سے کام لو میاں جی۔"

"کیا میں تربینی کو اس کے ارادوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟"

"کل کیا ہونے والا ہے' یہ کیول پرماتما ہی جانتا ہے پر مجھے وشواش ہے کہ تم تربینی کو منڈل سے باہر نکالنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ پرنتو اگر ایسا نہ ہوا تو......"

بھگوان پرشاد اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر سراسیمہ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا

ایک جاتا تھا۔ وہ کسی کشمکش سے دوچار تھا اس لیے میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''اگر میں کامیاب نہ ہوا تو کیا ہوگا مہاراج؟''

''تمہارا کچھ نہیں ہوگا پر......'' بھگوان پرشاد نے ایک بار پھر اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بات بدل کر بولا۔ ''ابھی تم جاؤ میاں جی جمیل...... آج سے ٹھیک سات روز بعد پورنماشی کی رات ہوگی۔ تم اس رات پورے بارہ بجے میرے پاس آجانا۔ میں تمہیں ایک ایسی چیز دوں گا' جس کی شکتی تربینی کو اس کے منڈل سے اوش باہر گھسیٹ لائے گی۔''

بھگوان پرشاد نے جس وقت یہ کہا اس وقت بھی اس کی نظروں میں ایک نامعلوم سی الجھن طاری تھی، لیکن میں نے دیدہ و دانستہ اسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور اٹھ کر خاموشی سے باہر آگیا۔ ہندوؤں کی بستی کو عبور کر کے جب میں اپنی رہائش گاہ کی طرف چلا تو انکا نے مجھ سے کہا۔

''جمیل بھگوان پرشاد تمہاری مدد ضرور کرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ جو چیز تمہیں دے وہ ہماری پریشانیوں کے خاتمے کا سبب بن سکے۔''

''کیا تم میرے سر سے اتر کر اس کے سر پر چلی گئی تھیں؟''

''ہاں۔'' انکا نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جانتے ہو وہ تربینی کا معاملہ نمٹانے کے بعد تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟''

''مجھے بھلا کیا علم؟''

''تم بھگوان پرشاد کو نہیں جانتے۔ بہت مکار اور عیار آدمی ہے۔ اس کا کاٹا ہوا پانی بھی نہیں مانگتا لیکن تم سے وہ کسی دھوکے سے کام نہیں لے گا۔ اس لیے کہ وہ ایک پرانے خزانے کا راز جاننے کے چکر میں ہے۔ اسی وجہ سے اس نے مجھے بھی قبضے میں کرنے کے خواب دیکھے تھے۔''

''جہنم میں گیا خزانہ۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔ ''تم یہ بتاؤ کہ بھگوان پرشاد کچھ کہتے کہتے کیوں رک گیا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً کالے جادو کا ماہر ہے تو پھر اسے فکر کس بات کی ہے۔''

''جلدی کیا ہے۔ پورنماشی کی رات آلینے دو۔ جو بات بھی ہوگی سامنے آجائے گی۔''

''کیا تمہیں بھی اس کا علم نہیں ہے؟'' میں نے انکا سے چبھتا ہوا سوال کیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ گمان ہو رہا تھا کہ انکا بھگوان پرشاد کی الجھن کی وجہ جانتی ہے لیکن مجھ سے اس وجہ کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔

ایک دو بار جب میں نے اپنے سوال کو گھما پھرا کر پوچھا تو وہ مجھے ٹال گئی پھر جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو انکا نے ملول ہو کر کہا۔

''سنو جمیل۔ اب جبکہ تم نہیں مانتے تو سنو۔ میں تم سے کچھ پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتی۔ مجھے نہیں معلوم

کہ تربینی کا انجام کیا ہوگا لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر بھگوان پرشاد کا جادو بھی منڈل کے اندر بیکار ثابت ہوا تو بات بہت بگڑ جائے گی۔ تم سے دور ہونا ہی پڑے گا۔''

''بات بگڑنے سے تمہاری مراد کیا ہے؟ صاف صاف کہو۔''

''جمیل۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہارے اوپر کوئی آنچ آئے لیکن کالے جادو کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ناکام ہونے کی صورت میں ضرور پلٹتا ہے اور یا تو جادو کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے یا پھر اس شخص کی بربادی کا باعث بن جاتا ہے جو جادو کراتا ہے۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تربینی کے بچ جانے کی صورت میں میرے یا بھگوان پرشاد میں سے کسی ایک کی تباہی لازم ہے۔

''ہاں!''

''کیوں؟''

''جمیل۔'' انکا آبدیدہ ہو کر بولی۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور خود کو ان بکھیڑوں میں نہ ڈالو۔'' میں نے محسوس کیا اس کی حسین آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس کا لہجہ کچھ اس قدر دردانگیز تھا کہ میرا جی بھر آیا اور میں فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''انکا اگر تم مجھے اپنا سچا ہمدرد اور دوست سمجھتی ہو تو اب یہ بات زبان پر نہ لانا۔ اگر میری قسمت میں بربادی درج ہے تو تربینی کی راہ چھوڑ دوں تب بھی نہیں بچ سکوں گا اور اگر قسمت میرے اوپر مہربان ہے تو تربینی اور اس کے تمام دیوی دیوتا مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

انکا نے عقیدت مندانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا' ان نگاہوں میں اظہار تشکر کے علاوہ محبت کے بے پناہ جذبات موجزن تھے۔ راستے بھر ہمارے درمیان پھر کوئی بات نہیں ہوئی۔ انکا آلتی پالتی مارے افسردہ اور خاموش بیٹھی رہی۔ دوسری طرف میں نے اٹل فیصلہ کر لیا تھا کہ انکا کے پُراسرار وجود کو ہر قیمت پر اپنائے رکھوں گا۔ اپنے خیالوں میں الجھا الجھا میں گھر پہنچا تو نرگس نے مجھے ایک نئی اطلاع سنائی۔

''نازلی کے متعلق کچھ سنا آپ نے!''

''کیا ہو گیا؟'' میں نے بے پروائی سے اپنے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

''صابر علی صاحب نے اسے اسمگلنگ کے چکر میں پھنسوا دیا ہے۔ آج صبح پولیس نے نازلی کے گھر پر چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر لیا۔ بہت ساری اسمگل کی ہوئی اشیاء بھی ملی ہیں لیکن ڈیڈی کا خیال ہے کہ صابر علی نے اپنی اس روز کی بےعزتی کا انتقام لینے کی خاطر نازلی کے گرد جال بنا ہے۔''

''تمہارے ڈیڈی کو آخر نازلی سے اس قدر ہمدردی کیوں ہے؟'' میں جلدی میں کہہ گیا پھر مجھے خیال آیا کہ مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ ''میرا مطلب ہے کہ نازلی جانے اور صابر علی صاحب۔ ہمیں

کیا ضرورت پڑی ہے کہ دوسروں کے معاملے میں دخل دیں۔"

"کچھ بھی سہی لیکن صابر علی صاحب کو ایک عورت کے ساتھ ایسی اوچھی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔" نرگس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ اس روز بھی نازلی نے بلاوجہ ان پر کیچڑ نہیں اچھالی ہوگی۔ دال میں ضرور کچھ کالا رہا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔ ویسے مجھے تمہارا یہ مجسٹریٹ بھی کوئی اچھے قماش کا آدمی نہیں لگتا۔" میں نے نرگس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا پھر راز داری کے انداز میں پوچھا۔ "کیا تمہیں حقیقتاً نازلی سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی ہے؟"

"ہونی بھی چاہیے۔" نرگس نے تیزی سے کہا۔ "صابر علی صاحب نے اسے جس الزام میں پھنسانے کی کوشش کی ہے اگر وہ درست ثابت ہو گیا تو بے چاری کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"اگر کہو تو میں نازلی کو بچانے کی کوشش کروں؟"

میں نے یہ جملہ نہ جانے کس لہجے میں کہا تھا کہ نرگس نے پلٹ کر میرے چہرے کو غور سے دیکھا پھر جیسے نازلی کے ساتھ اس کی تمام تر ہمدردیاں اچانک ختم ہو گئی ہوں۔ وہ بھویں چڑھا کر بولی۔

"آپ کو کیا ضرورت ہے اسے بچانے کی۔ وہ جانے اور صابر علی صاحب جانیں! آپ آرام سے کپڑے تبدیل کر کے لیٹئے۔ میں ابھی آپ کے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔"

نرگس چلی گئی تو میں ایک بار پھر تربینی کے بارے میں سوچنے لگا جو انکا کو مجھ سے چھین لینے کی خاطر جاپ کر رہا تھا۔ انکا بھی اپنے خیالوں میں گم تھی اس لیے میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ نرگس نے کافی لا کر دی تو میں نے اپنے بوجھل اعصاب کو سکون دینے کی خاطر جلدی جلدی دو چار لمبے گھونٹ لیے۔ پھر کافی ختم کر کے لیٹ رہا۔ نرگس کو میں نے تاکید کر دی تھی کہ اگر میں خود سے نہ جاگوں تو دوپہر کے کھانے پر مجھے جگانے کی کوشش نہ کرے۔

☆==========☆==========☆

پنڈت بھگوان پرشاد سے ملے مجھے چار روز گزر چکے تھے۔ میں نے یہ چار دن بڑے کرب میں گزارے۔ انکا اس عرصے میں برابر میری ڈھارس بندھاتی رہی لیکن مجھے کسی پل چین نصیب نہ تھا۔ ہر لمحہ فکر لاحق رہتی کہ اگر تربینی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو میرا کیا ہوگا۔ انکا کی جدائی کا وقت قریب آتا جا رہا تھا اور اس سے میری محبت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اکثر رات کو جب وہ میرے سرہانے محو خواب ہوتی تو میں جاگتا رہتا اور اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتا۔ ان چار دنوں میں انکا بے حد جھنک گئی تھی۔ خود میرا بھی یہی حال تھا کہ کسی کام میں دل نہ لگتا تھا۔ بھوک پیاس کا ہوش نہ رہتا۔ بس ہر وقت یہی فکر لاحق رہتی کہ دیکھیں آنے والے لمحات میرے حق میں کیا گل کھلاتے ہیں۔ میری عزیز شے

مجھ سے رخصت ہونے والی تھی۔

نرگس اور اس کے والدین سے اپنی کیفیت چھپانے کی خاطر میں صبح سویرے ہی صرف چائے پی کر دوستوں سے ملنے کا بہانہ کر کے چلا جاتا اور رات کے کھانے کے بعد لوٹتا۔ نرگس کے والدین کو تو کوئی خیال نہ ہوا کہ میرا پروگرام اچانک کیوں تبدیل ہو گیا۔ البتہ نرگس کے کان ضرور کھڑے ہو گئے۔ چار روز تک تو وہ چپ رہی لیکن پانچویں روز جب میں رات گئے واپس آیا اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا تو نرگس میری منتظر تھی۔ جب تک میں کپڑے تبدیل کرتا رہا وہ مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی۔ مگر جب میں بستر پر دراز ہو گیا تو نرگس میرے قریب آ گئی اور بڑے پیار سے بولی۔

"کیا بات ہے۔ آپ آج کل زیادہ تر گھر سے باہر ہی رہتے ہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ "دوستوں سے ملنے چلا جاتا ہوں۔ وقت اچھا خاصا گزر جاتا ہے۔"

"ایسا بھی کیا کہ انسان منہ اندھیرے کا نکلا رات ڈھلے واپس لوٹے۔ نصیب دشمناں کہیں آپ کو کوئی پریشانی تو لاحق نہیں۔"

"پریشانی کیسی؟"

"کھائیے میرے سر کی قسم۔"

میں نے ہر چند نرگس کو ٹالنا چاہا لیکن جب وہ کسی طرح نہ مانی تو میں نے انکا کے اشارے پر اسے بھی مختصراً اپنی پریشانی کا احوال سنا دیا۔ نرگس میری باتیں سن کر رنجیدہ ہو گئی۔ جب تک میں اسے حالات بتاتا رہا وہ حیرت سے مجھے دیکھتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ بولی۔

"کیا آپ کو قوی امید ہے کہ آپ انکا کو اس پنڈت سے نجات دلانے میں کامیاب ہو جائیں گے؟"

"خیال تو ہے۔ آگے قسمت میں جو لکھا ہے وہی ہوگا۔"

"جادو وغیرہ کا کھیل بہت برا ہوتا ہے۔" نرگس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ انکا کو ایک مصیبت سے نجات دلاتے دلاتے آپ خود کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے نرگس۔" میں نے بظاہر بڑے عزم سے جواب دیا۔ "لیکن اب خواہ کچھ ہو، میں انکا کو اس موذی پنڈت سے نجات دلا کر ہی دم لوں گا۔ چاہے مجھ پر کتنی ہی تباہیاں کیوں نہ نازل ہوں۔"

"کیا آپ کو میرا کوئی خیال نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں مگر انکا بھی میری محسن ہے۔ اس کے احسانوں کو فراموش بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس نے میری مدد نہ کی ہوتی اور امیر کبیر نہ بنایا ہوتا تو میں تمہیں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔"

Downloaded from Paksociety.com

"مگر اکثر موقوں پر اسی انکا نے آپ کے ساتھ ایسی حرکتیں بھی کی ہیں جو انتہائی اخلاق سوز تھیں۔" نرگس نے نظریں نیچی کیئے کہا پھر یک لخت تیز ہو کر بولی۔ "آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں جمیل کہ اسی انکا کی وجہ سے آپ کا ایک ہاتھ بھی ضائع ہوا ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے لیکن اس کے باوجود میں انکا کو ہر قیمت پر پنڈت کے چنگل سے بچانے کی کوشش کروں گا۔ خواہ اس کے لیے مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے۔"

"گویا انکا آپ کو مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔" نرگس کے چہرے پر رقابت کی سرخی پھیل گئی۔

"حماقت کی باتیں کیوں کرتی ہو نرگس۔" میں جھلا کر بولا۔ "انکا محض ایک تصوراتی وجود ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہیں اس کے سلسلے میں کسی غلط قسم کے خیال کو ذہن میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔"

نرگس کو غالباً اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ ششدر سی میرا منہ دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ اس کی غزالی آنکھوں میں شکایت بھری ہوئی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ نرگس انکا سے میری ہمدردی کو غلط رنگ دے گی اور مفت میں بیٹھے بٹھائے میری پریشانیوں میں اضافہ کرے گی۔ بہر حال جب میں نے اس کے تیور بدلے دیکھے تو اور برا لگا۔ میں خشک لہجے میں بولا۔

"میرا تو خیال تھا کہ تم پڑھی لکھی ہو۔ وسیع النظر بھی ہو گی' لیکن معلوم ہوا ہے کہ رقابت کے جذبے کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"مجھے بھی اس بات کا احساس آج پہلی بار ستا رہا ہے کہ آپ میرے مقابلے پر کسی اور کو ترجیح دے سکتے ہیں۔" نرگس نے ہونٹ چباتے ہوئے جلے کٹے لہجے میں جواب دیا تو میں اور بھڑک کر بولا۔

"تم جو چاہو سوچتی رہو لیکن میں انکا کی ضرور مدد کروں گا۔"

نرگس نے بڑے غصے میں منہ کھولا۔ وہ جواب میں یقیناً کوئی سخت بات کہنا چاہتی تھی لیکن پھر نہ جانے کس جذبے کے تحت اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔ مجھے اجنبی نظروں سے دیکھتی ہوئی تیزی سے اٹھی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر انکا کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں کچھ اس قدر انکا کی وجہ سے پریشان تھا کہ مجھے نرگس کی ناراضگی کا بھی کوئی خیال نہ ہوا لیکن نرگس کے بگڑ کر چلے جانے کے بعد انکا نے جو میری اور نرگس کی تمام گفتگو سن چکی تھی' مجھے مخاطب کر کے اداس لہجے میں کہا۔

"جمیل۔ تمہیں میری وجہ سے نرگس کو ناراض نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ تم سے کس قدر محبت کرتی ہے۔"

"اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو وہ تمہاری مدد کرنے سے مجھے کبھی منع نہیں کرتی۔" میں نے جھلا کر

کہا۔

"ارے اس قدر جذباتی نہ بنو جمیل۔ تمہیں نرگس کے جذبات کی قدر کرنی چاہیے۔"

انکا بڑی دیر تک مجھے سمجھاتی رہی اور نرگس کی وکالت کرتی رہی لیکن میں اپنی ہٹ پر اڑا رہا۔ شاید اس لیے کہ میں سوائے انکا کے اور کسی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا اور اس کی وجہ بھی معقول تھی۔ تربینی کے جاپ کو مکمل ہونے میں اب صرف تین چار ہی دن باقی رہ گئے تھے۔ جب میں نے نرگس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا تو انکا یہ کہہ کر میرے سر سے اتر گئی کہ اب وہ نرگس کے سر پر جا رہی ہے تاکہ حالات کی نوعیت سمجھا سکے اور اس کے ذہن میں میری جڑیں مضبوط کر سکے۔ میں نے انکا کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب وہ میرے سر سے اتر گئی تو میں کچھ دیر تک حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے کو سلجھانے کے لیے ذہن میں مختلف اسکیمیں مرتب کرتا رہا پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

صبح میں حسب معمول جانے کے لیے تیار ہوا تو نرگس نے میرا راستہ روک لیا۔ اپنی رات کی باتوں پر شرمندگی کا اظہار کر کے اس نے انکا کی سلامتی کے سلسلے میں مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا تو میرے دل کا بوجھ کس قدر ہلکا ہو گیا۔ میں نے اسے سینے سے لگا لیا اور جلدی واپس آنے کا وعدہ کر کے گھر سے نکل گیا۔ انکا دوبارہ میرے سر پر آ چکی تھی لیکن آج اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی الجھن کچھ زیادہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ میں دن بھر ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ شام کو مرگھٹ پر جا کر ایک نظر تربینی پر ڈالی جو ابھی تک بڑے آرام سے اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ میں خون کے گھونٹ پیتا ہوا واپس گھر آ گیا۔ نرگس کل کے مقابلے میں زیادہ مہربان نظر آتی تھی۔ رات گئے تک وہ انکا کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔

سات روز بعد میری وحشت میں جو اضافہ ہوا' اسے تحریر میں لانا میرے بس کی بات نہیں۔ بہر حال اس روز تمام دن میرے اوپر کرب کی سی کیفیت طاری رہی۔ انکا تو اداسی کا مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ دن بھر میں اسے دلاسا دیتا رہا اور بڑی بے چینی سے رات کا منتظر رہا۔ خدا خدا کر کے رات آئی اور گیارہ بجے تو میں پنڈت بھگوان پرشاد کے گھر کی سمت چل پڑا۔ آسمان پورنماشی کا چاند چمک رہا تھا۔ میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہندوؤں کی بستی میں داخل ہوا تو انکا نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"جمیل۔ آج کی رات مجھ پر بڑی بھاری ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

"صبر سے کام لو۔ خدا نے چاہا تو تربینی اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گا۔"

انکا نے حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر میرے سر پر چمٹ کر پورنماشی کے چاند کو گھورنے

Downloaded from Paksociety.com

لگی۔ میں قدم بڑھاتا بھگوان پرشاد کی حویلی میں حاضر ہوا۔ وہ میرا ہی منتظر تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا۔

''آؤ میاں جی جمیل۔ میں تمہاری ہی راہ تک رہا تھا۔ تم ٹھیک سمے پر آئے ہو۔''

''مہاراج۔ کیا آپ نے میری چیز تیار کرلی ہے؟''

''ہاں۔ آؤ میرے ساتھ۔''

میں بھگوان پرشاد کے اشارے پر اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ وہ مجھے ساتھ لے کر ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوا جہاں نہ جانے کیا الم غلم بھرا ہوا تھا۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بے شمار بھوت پریت کے درمیان آگیا ہوں۔ بظاہر وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آرہی تھی جس سے میں خوف زدہ ہوتا لیکن کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے مجھے اختلاجی کیفیت سے دوچار کردیا تھا۔

بھگوان پرشاد نے کمرے میں داخل ہوکر کوری مٹی کی ایک ہانڈی درمیان میں رکھی ہوئی میز سے اٹھائی پھر میرے قریب آگیا۔ میں نے ہانڈی پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ اس کا منہ مٹی کے کورے ڈھکنے سے بند تھا اور چاروں اطراف سوکھا ہوا آٹا لگا ہوا تھا۔ بھگوان پرشاد نے وہ ہانڈی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میاں جی۔ اسے سنبھالو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اسے غور سے سنو۔ اس ہانڈی کو لے کر سیدھے مرگھٹ کی طرف جاؤ۔ راستے میں کسی دوسرے منش سے بات مت کرنا۔ جب تم تربینی کے منڈل کے قریب پہنچ جاؤ تو تربینی کو اس طرح مخاطب کرنا کہ اس کی نظریں اس ہانڈی پر پڑ جائیں۔ اس کے بعد تم کالی مائی کا شبھ نام لے کر اس کو تربینی کی طرف منڈل کے اندر پھینک دینا۔ دیوتاؤں نے چاہا تو تربینی اپنا جنتر منتر بھول کر منڈل سے نکل پڑے گا۔ آگے تم جانو اور تمہارا کام۔ پر میرا وعدہ یاد رکھنا۔''

''اس مٹی کی ہانڈی میں کیا بند ہے مہاراج!'' میں نے ہانڈی کو اپنے ایک ہاتھ پر سنبھالتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''اس میں ایک ایسی شکتی بند ہے جو تربینی کو جلا کر بھسم بھی کرسکتی ہے۔ پرنتو اس کا دھیان رکھنا کہ جب تک تربینی کی نظر ہانڈی پر نہ پڑے، تم اسے ہاتھ سے نہیں چھوڑو گے۔''

''مہاراج۔ کیا آپ کو وشواش ہے کہ تربینی اپنا جاپ پورا کئے بغیر منڈل سے باہر آجائے گا۔''

''کالی مائی کی آگیا سے ایسا ہی ہوگا۔'' بھگوان پرشاد نے کچھ بے چینی سے کہا۔ ''اب سدھارو میاں جی۔ اگر سمے زیادہ بیت گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔''

میں نے جواب میں بھگوان پرشاد کا شکریہ ادا کیا اور مرگھٹ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں ایک دو بار میرا جی چاہا کہ انکا سے دریافت کروں کہ اس ہانڈی میں کیا ہے لیکن بھگوان پرشاد نے چونکہ مرگھٹ تک

پہنچنے تک زبان بند رکھنے کی تاکید کردی تھی اس لیے میں نے انکا سے بھی کوئی بات نہیں کی۔ البتہ میں یہ محسوس کررہا تھا کہ جیسے جیسے مرگھٹ قریب آتا جارہا تھا، انکا کے چہرے کی زردی بڑھتی جارہی تھی۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو شاید میرے فرشتے بھی اتنی رات گئے مرگھٹ تک جانے کی جرأت نہ کرتے لیکن یہ انکا تھی کہ اس کے لیے میں موت سے نبرد آزما ہونے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ یوں بھی پورنماشی کے چاند کی روشنی اتنی کافی تھی کہ مجھے ہر چیز بہ آسانی نظر آرہی تھی اور کسی خوف کا احساس نہیں ہورہا تھا۔

مرگھٹ پہنچ کر میں نے تربینی کو دیکھا جو منڈل کے درمیان آلتی پالتی مارے بیٹھا بڑے پُرسکون انداز میں جاپ میں مگن تھا۔ اس کی محویت دیکھ کر میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے ایک ہاتھ سے ہانڈی کو اٹھا کر سینے کے آگے کی سمت اونچا کرتے ہوئے اس مردود پنڈت تربینی کو للکارا۔

''او ناہنجار پنڈت، آنکھیں کھول اور دیکھ کہ تیری موت اس وقت تیرے سر پر منڈلا رہی ہے۔''

تربینی انہماک سے اپنے جاپ میں مگن رہا یا تو اس نے اپنی محویت میں میری آواز سرے سے سنی ہی نہیں تھی یا پھر دیدہ و دانستہ آنکھیں بند کئے رہا۔ میں نے جھلا کر اسے دوسری بار للکارا لیکن اس بار بھی تربینی پر کوئی اثر نہ ہوا مگر تیسری بار جب میں حلق پھاڑ کر چیخا تو مجھے اپنے ارادے میں مایوسی نہیں ہوئی۔ تربینی نے اس بار آنکھیں کھولیں اور اس کی نظر ہانڈی پر پڑی، میں نے دل میں بھگوان پرشاد کے کہنے کے مطابق کالی مائی کا نام لیا اور ہانڈی کو منڈل کے اندر تربینی کی سمت اچھال دیا۔

ہانڈی میرے ہاتھ سے نکل کر تیر کی طرح تربینی کی طرف لپکی لیکن تربینی کے قریب پہنچ کر اس سے ٹکرانے کے بجائے فضا میں معلق ہوگئی۔ دوسرے ہی لمحے چاروں طرف بھیانک شوروغل کی ایسی آوازیں ابھرنے لگیں جیسے لاتعداد ماورائی شیطانی قوتیں غصے میں بھر کر آپس میں ٹکرا گئی ہوں۔ ان آوازوں کو سن کر مجھ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ میں ڈر کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن میری پھٹی پھٹی نظریں بدستور ہانڈی پر مرکوز تھیں۔ ٹھیک اسی لمحے انکا نے مجھے مخاطب کرکے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''جمیل۔ کھیل بگڑ گیا ہے! جادو کی ہانڈی اب ضرور واپس ہوگی۔''

انکا کی بات سن کر میں سرتاپا لرز اٹھا۔ میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ میں نے پلٹ کر بھاگنا چاہا لیکن میرے پاؤں جیسے زمین پر جکڑ کر رہ گئے تھے۔ میرا سارا جسم خوف کے مارے تھرتھرا رہا تھا اور پیشانی سے بہنے والا پسینہ پیروں تک پہنچ رہا تھا۔ میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ میں وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن بھاگ نہیں سکتا تھا۔ کسی ان دیکھی قوت نے میرے پیروں میں جیسے بیڑیاں ڈال دی تھیں۔

بھیانک آوازوں کا شور ہر لمحہ بڑھتا جارہا تھا پھر اچانک میرے کانوں سے ایک جانی پہچانی آواز

ٹکرائی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا بھگوان پرشاد نظر آیا۔ تو اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔ مجھے دیکھے بغیر وہ بھاگتا ہوا منڈل کے قریب گیا پھر چلا کر بولا۔

”دیا کالی مائی دیا۔ میں وچن دیتا ہوں کہ پھر کبھی سیوک تیرے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ اس بار مجھے شما کر دے۔“

بھگوان پرشاد عجیب کرب کی حالت سے دوچار تھا۔ کبھی وہ کالی مائی سے مخاطب ہو کر گڑگڑانے لگتا اور کبھی زمین پر گر کر ڈنڈوت کرنے لگتا۔ مٹی کی ہانڈی ابھی تک تربینی کے سر کے اوپر فضا میں معلق تھی اور شیطانی قوتوں کے شور وغل کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک عورت کی منمناتی ہوئی خوفناک آواز ابھری' جسے میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ البتہ اس کے جواب میں بھگوان پرشاد نے گڑگڑا کر کہا۔

”مجھے سویکار ہے کہ میں نے تیرے داس کو کشٹ دینا چاہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ یہ کس شکتی کو پراپت کرنے کے لیے جاپ کر رہا ہے۔ میرے من میں کھوٹ تھا۔ دیوی میں نے تیرے دشمن کے ساتھ ملاپ کر کے تجھے دھوکا دیا ہے۔ مجھے شما کر دے دیوی۔ تیرا سیوک تیرے آگے ہاتھ باندھ کر تجھ سے دیا کی بھکشا مانگتا ہے۔“ بھگوان پرشاد رو رہا تھا اور لرز رہا تھا۔

عورت کی ناقابل فہم آواز دوبارہ ابھری پھر اچانک میری نظر کوری ہانڈی پر پڑی جو تربینی کی طرف سے واپس آ رہی تھی۔ منڈل کے اندر اس کی رفتار سست تھی لیکن منڈل سے باہر آتے ہی وہ بجلی بن کر بھگوان پرشاد پر گری۔ ہانڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی بھگوان پرشاد ایسے کرب ناک لہجے میں چیخا کہ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل بیان منظر تھا۔ بھگوان پرشاد زمین پر پڑا اچھل رہا تھا اور اس کے جسم سے بے شمار چھوٹے چھوٹے ناگ لپٹے ہوئے تھے۔ میرے جسم کی حالت اس پودے کے مانند تھی' جو زمین سے پھوٹتے ہی طوفان کی زد میں آ گیا ہو۔ میری نظروں کے سامنے اندھیرے لپک رہے تھے۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن چکرا کر زمین پر گر پڑا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو اپنی خواب گاہ میں پایا۔

نرگس اداس اور غم زدہ میرے سرہانے بیٹھی میری پیشانی سہلا رہی تھی۔

”میں یہاں کس طرح آ گیا؟“ میں نے اپنے حواس مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

”جس وقت آپ گھر سے روانہ ہوئے تھے' میں نے احتیاطاً اپنے ایک ملازم کو آپ کے پیچھے روانہ کر دیا تھا تاکہ اگر آپ پر کوئی افتادہ پڑے تو وہ آپ کے کام آ سکے۔“ نرگس نے مجھے بتایا۔ ”وہی آپ کو مرگھٹ کے قریب سے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لایا ہے۔“

میں نے نرگس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ میرے ذہن پر ابھی تک ہلکی ہلکی غنودگی طاری تھی۔ اپنی ناکامی کا صدمہ برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ یہ

احساس مجھے مارے ڈال رہا تھا کہ اب انکا مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گی۔ تربینی کو جاپ مکمل کرنے میں میری معلومات کے مطابق صرف ایک دن اور باقی رہ گیا۔ پھر میں کیا کروں؟ انکا کو بچانے کی خاطر کیا اقدام کروں؟

میرا ذہن سوچتا رہا۔ پھر میرے ذہن پر دھند طاری ہو گئی۔ میں ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا۔ دوسری بار ہوش آیا تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ نرگس بدستور میرے سرہانے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔ مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر اس نے جلدی سے ایک دل آویز مسکراہٹ اپنے سوکھے ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا۔

”جمیل۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ آپ ایک دو روز تک مکمل طور پر روبہ صحت ہو جائیں گے۔“

”نرگس۔“ میں نے نقاہت سے کہا۔ ”تم نے میری بے ہوشی کی وجہ اپنے والدین کو تو نہیں بتائی۔“

”نہیں جمیل۔ آپ اس سلسلے میں بالکل فکرمند نہ ہوں۔“

میں نے نرگس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالی پھر کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میرے سر پر انکا کے نکیلے پنجے کی چبھن تیز ہو گئی۔ میں اپنی بے ہوشی کی وجہ سے اسے بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ میں نے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو انکا کو بے انتہا مضطرب پایا۔ وہ پریشان پریشان سی کھڑی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پایا تو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”جمیل' مجھے اجازت دو۔ میں اب تم سے جدا ہو رہی ہوں۔ ہمارا ساتھ اب چھوٹنے والا ہے۔ میں اب تربینی کی غلام بننے والی ہوں۔“

”نہیں' نہیں!“ میں چیخ پڑا۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا میں تمہیں بچانے کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔“

”اب سب بیکار ہے جمیل۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ سب بگڑ چکا ہے۔ اب کھیل ختم ہو چکا ہے۔ بس میں کسی بھی لمحے میں تم سے جدا ہونے والی ہوں۔ میں مجبور ہوں جمیل۔ تم مجھے ہمیشہ یاد رہو گے۔ میں جا رہی ہوں۔ مجھے مسکراتے ہوئے رخصت کرو۔“

میں نے انکا کے لہجے میں پہلی بار ایسی شدید مایوسی اور بے چارگی کی جھلک محسوس کی تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ اور وہ لمحہ آن پہنچا۔

وہ بڑے دل گرفتہ لہجے میں مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں اسے مسکراتے ہوئے رخصت کروں۔ انکا کی خواہش میرے لیے پیغام اجل سے زیادہ کربناک تھی۔ میں حیرت سے گنگ عالم تصور میں انکا کے اور حسین وجود کو دیکھ رہا تھا جو گہنائے ہوئے چاند کے مانند اداس اور سوگوار نظر آ رہا تھا۔ میں سوچ رہا

تھا کہ کاش انکا کی جدائی سے پہلے مجھے موت آجائے۔ انکا کی جدائی میرے لیے نا قابل برداشت تھی۔ میں حیرت سے بت بنا انکا کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا اور میرا دل ڈوب رہا تھا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ بولی۔

''جمیل' اگر تم مجھے مسکراتے ہوئے رخصت نہیں کرو گے تو میں ہمیشہ اداس رہوں گی۔''

''کس دل سے رخصت کروں میری زندگی؟'' میں تڑپ کر بولا۔ ''تمہارے بغیر شاید میں ایک پل بھی زندہ نہ رہ سکوں۔''

''مجبوری ہے جمیل' بتاؤ میں کیا کروں؟ سب کچھ تو کر کے دیکھ لیا۔'' انکا نے اپنا نچلا ہونٹ چباتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تربینی کی غلامی میں جانے پر مجبور ہوں۔ اس کا جاپ مکمل ہو چکا ہے۔ اب کوئی شکتی مجھے نہیں روک سکتی۔''

''انکا! مگر میرا کیا ہوگا' تم میری ضرورت بن گئی تھیں' کیا اب میں تمہیں کبھی نہیں پا سکوں گا؟''

''حالات پر منحصر ہے جمیل۔'' انکا بسورتے ہوئے بولی۔ ''کل جو کچھ ہونے والا ہے' میں جانتی ہوں لیکن اب میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔ کچھ بھی نہیں۔''

''کیا؟'' میں نے حیرت سے دریافت کیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہوں انکا۔ کیا تم اتنی جلدی بدل گئیں؟''

''یہ بات نہیں جمیل' اب میں صرف تربینی کی تابع ہوں اس کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ میری مجبوریوں کا خیال رکھنا جمیل۔'' انکا نے حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم کیا جانو کہ اس وقت میرے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ مجھے مسکراتے ہوئے رخصت کرو جمیل۔ کیا تم اپنی انکا کی اس چھوٹی سی درخواست کو قبول نہیں کرو گے؟''

انکا کے لہجے کی بے بسی مجھے خون کے آنسو رلا رہی تھی لیکن جس انداز میں اس نے مجھ سے درخواست کی اس پر مجبوراً میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''انکا۔ میں تمہیں ایک بار پھر حاصل کرنے کی کوشش کروں گا خواہ مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ گنوانی پڑے۔''

''میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اچھا جمیل اب میرا وقت آگیا ہے۔ میں چلتی ہوں۔''

''ٹھہرو انکا۔ ٹھہرو۔'' میں نے تیزی سے کہا پھر بولا۔ ''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کبھی کبھار کچھ دیر کے لیے مجھ سے ملنے چلی آیا کرو۔''

''میں مجبور ہوں جمیل۔ ایسا ممکن نہیں ہے' میں اب تربینی کی غلام ہوں جس نے مجھے میرا جاپ کر کے حاصل کیا ہے۔'' انکا نے اداسی سے کہا پھر نرگس پر ایک نظر ڈالی اور بولی۔ ''جمیل۔ اب تم نرگس کا

پورا پورا خیال رکھنا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ دینا اور...... اور کوشش کرنا کہ تم اس کے دل میں پیدا ہونے والی بدگمانیاں دور کر سکو...... اور سنو...... ممکن ہے میرے بعد تم اپنی زندگی کے بہت برے حالات سے دوچار ہو جاؤ' ایسے میں تم صبر و تحمل سے کام لینا۔ اچھا میرے محبوب' میرے دوست! میں چلی۔ مجھے معاف کر دینا۔''

انکا کے آخری جملوں میں ایسا درد و کرب تھا کہ میں تڑپ اٹھا' کتنی سوگوار لگ رہی تھی انکا اس وقت۔ یوں جیسے سہاگ رات ہی کو کوئی سہاگن بیوہ ہو گئی ہو۔ میں اندر ہی اندر اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔ میں نے انکا کو رخصت کرنے کی خاطر اپنے دل پر جبر کر کے اپنے لرزیدہ ہونٹوں پر زبردستی تبسم سجانے کی کوشش کی۔ انکا کو آخری بار مخاطب کرنا چاہتا تھا لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ انکا نے حسرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر آہستہ سے پھدک کر میرے سر سے نیچے اتر گئی۔

''انکا۔ انکا۔ انکا خدا کے لیے مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ واپس آجاؤ انکا۔ واپس آجاؤ میرے لیے۔ میری بات سنو' انکا۔''

مگر انکا چلی گئی اور انکا کے سر سے اترتے ہی ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ کر بکھر گئے۔ میں اتنی زور سے چیخا کہ مجھ پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ میری کیفیت ماہی بے آب جیسی تھی۔ میں بستر پر تڑپ تڑپ کر انکا کو واپس بلانے کے لئے چیخ رہا تھا۔ مجھے نرگس کا مطلق دھیان نہ تھا۔ ایک دو بار جب اس غریب نے مجھے سمجھانے اور کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو میں نے اسے جھڑک دیا۔ اب مجھے کوئی بات اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ انکا چلی گئی تو اب کیا رہ گیا تھا۔ انکا کے جانے کے بعد پتا چلا کہ انکا کیا تھی۔ مجھے اس سے کس قدر محبت تھی۔ انکا کے جانے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ نرگس اور انکا میں کون مجھ سے زیادہ قریب تھا۔

میں اپنی حالت کیا بتاؤں' سات آٹھ روز تک مجھ پر کچھ ایسی وحشت اور دیوانگی کا عالم طاری رہا جسے بیان کرنا' خود میرے بس کی بات نہیں۔ مختصراً اتنا بتا دوں کہ میں ان سات آٹھ دنوں میں قطعی طور پر اپنے ہوش و حواس میں نہ تھا۔ اس کے بعد جب میری طبیعت کچھ سنبھلی تو سب سے پہلے میں نے نرگس کو واپس بمبئی چلنے کو کہا۔ انکا کے بعد اب میری آمدنی کا ذریعہ صرف وہی کاروبار تھا جسے میں بمبئی میں چھوڑ آیا تھا۔ نرگس نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا تو میں جھلا کر بولا۔

''کیا ابھی تک تمہارا دل اپنے ماں باپ سے نہیں بھرا جو میرے ساتھ چلنے میں پس و پیش سے کام لے رہی ہو؟''

''آپ کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ یہاں کچھ دن آرام کر لیں تو بہتر ہے۔''

''نہیں۔ اب میرا دل یہاں سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ میں اب یہاں بالکل نہیں رہوں گا۔ اب

"میرے لیے یہاں کوئی کشش نہیں رہی۔"

نرگس نے میرے لہجے کی تلخی محسوس کر لی تھی۔ ایک لمحے تک وہ مجھے سراسیمہ نگاہوں سے تکتی رہی پھر بہت دھیمے لہجے میں بولی۔

"جمیل۔ کیا آپ کو انکا کی جدائی کا بہت زیادہ صدمہ ہے؟"

"بحث مت کرو نرگس۔" میں تلملا کر بولا۔ "مجھے صرف اتنا بتادو کہ تم میرے ساتھ واپس چل رہی ہو یا نہیں؟"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں ہر وقت تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم آج ہی ملازموں کے ساتھ مل کر سامان وغیرہ باندھ لو۔" میں یہ کہہ کر کل کے لیے نشستیں حاصل کرنے کی غرض سے باہر چلا گیا۔ شام کو جب میں دن بھر کا تھکا ہارا واپس لوٹا تو اندر ڈرائینگ روم میں نرگس اور اس کے والدین بیٹھے میری اچانک واپسی پر گفتگو کر رہے تھے مجھے دیکھ کر نرگس کے والد نے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر بولے۔

"میں نے سنا ہے کہ تم کل واپس جا رہے ہو۔"

"جی ہاں......!"

"اتنی جلدی کیا ہے۔ کچھ دن اور آرام کر لیتے تو بہتر تھا۔ تمہاری صحت بھی ابھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"بمبئی میں بھی علاج ہو سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر بولا۔ "کاروبار کی دیکھ بھال بے حد ضروری ہے۔"

"اگر صرف کاروبار کا مسئلہ ہے تو میں اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی وہاں بھیجے دیتا ہوں۔"

"جی نہیں۔" میں نے اس بار قدرے خشک لہجے میں کہا۔ "اب تو آپ اجازت ہی دے دیں۔"

نرگس کے والدین مجھے بڑی دیر تک سمجھاتے رہے لیکن میں نے قطعی طور پر فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہاں بالکل نہیں رکوں گا چنانچہ وہ چپ ہو گئے۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ نرگس بھی میرے ساتھ تھی لیکن وہ کچھ بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی وہ اداسی گراں گزری۔ میں نے کمرے میں پہنچ کر اس سے کہا۔

"اگر تم میرے ساتھ نہیں جانا چاہتیں تو میں زبردستی نہیں کروں گا۔"

"جمیل، آپ کیسی باتیں سوچ رہے ہیں۔" نرگس بڑی اپنائیت سے بولی۔ "بھلا میں آپ کے کسی حکم سے انکار کر سکتی ہوں۔ آپ کی ہر خوشی میری اپنی خوشی ہے۔"

"پھر تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے۔" میں نے درشت لہجے میں اسے گھور کر کہا پھر کپڑے تبدیل کرنے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نرگس کے دل میں میرے جواب سے کیا گزری، مجھے اب اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا جبکہ انکا کی جدائی نے میرے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتوں کو مفلوج کر رکھا تھا۔ مجھے تو بس ہر وقت یہی دھن سوار رہتی تھی کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کروں جس سے میری انکا مجھے واپس مل جائے، مگر کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مجھے وہ جاپ بھی معلوم نہیں تھا جس سے میں انکا کو حاصل کرنے کی جستجو کر سکتا۔ بھگوان پرشاد بھی مرکھپ چکا تھا۔ بس ایک طریقہ رہ جاتا تھا کہ تربینی کو تلاش کروں اور اسے کسی طرح موت کے گھاٹ اتار دوں۔ یقیناً انکا کو اس کی غلامی سے نجات مل سکتی تھی پھر وہ دوبارہ میری ہو جاتی۔ اس مقصد کے پیش نظر نتائج پر غور کیے بغیر میں نے سات آٹھ روز کے اندر پورے شہر کو کھنگال ڈالا تھا لیکن تربینی مجھے کہیں نہ مل سکا۔ بمبئی واپسی کا فیصلہ میں نے دو وجوہ کی بنا پر کیا تھا۔ اول یہ کہ وہاں جا کر کاروبار سنبھالوں اور پھر اس کے بعد آرام سے تربینی کی تلاش میں نکلوں۔ یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ انکا کی جدائی کے بعد نرگس نے ایک بار مجھ سے حقیقت حال پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ آئندہ انکا کے سلسلے میں مجھ سے کوئی پوچھ گچھ نہ کرے۔ نرگس کو میری بات سے بہت صدمہ ہوا تھا لیکن اس کے بعد اس نے انکا کے ضمن میں خاموشی اختیار کر لی۔

میں کپڑے تبدیل کر کے واپس آیا تو نرگس کسی کام سے باہر جا چکی تھی۔ آٹھ بجے تک میں بے خبر سوتا رہا پھر اٹھ کر میں نے غسل کیا۔ غسل سے فراغت پا کر میں باہر آیا ہی تھا کہ ایک ملازم نے آ کر مجھ سے کہا کہ اصفہانی صاحب مجھے ڈرائنگ روم میں بلا رہے ہیں۔ ملازم کے لہجے میں گھبراہٹ نمایاں تھی جسے معلوم کر کے میں نے دریافت کیا۔

"کیا کوئی ضروری کام ہے؟"

"پتا نہیں صاحب۔ ویسے بڑے صاحب کے پاس اس وقت ایک خاتون بھی آئی ہوئی ہیں۔"

"خاتون۔" میں نے تعجب سے کہا۔ "کسی خاتون کو مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

"میں کیا بتا سکتا ہوں صاحب۔"

"اچھا تم چلو میں کپڑے تبدیل کر کے آتا ہوں۔"

ملازم کے جانے کے بعد میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اور باہر راہداری میں آ گیا۔ یہ بات میرے فرشتوں کے ذہن میں بھی نہیں تھی کہ کسی خاتون کو اچانک مجھ سے کیا کام پیش آ سکتا ہے لیکن جیسے ہی میں نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا، سب سے پہلے میری نظر جس عورت پر پڑی وہ نازلی تھی۔ اس کے تیور اس وقت بڑے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ کمرے میں نازلی کے علاوہ نرگس اور اس کے والدین بھی موجود تھے۔ میں نے سب کے چہروں پر چھائی ہوئی سنجیدگی کو محسوس کیا تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ یقیناً کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ بہرحال میں دل کڑا کر کے اندر داخل ہوا اور نرگس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ کر براہ

راست اپنے سسر سے بولا۔

''آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔''

''ہاں۔'' اصفہانی صاحب نے بڑی گمبھیر آواز میں جواب دیا پھر نازلی کی طرف اشارہ کر کے خشک لہجے میں بولے۔ ''ان خاتون کو تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''مجھ سے۔'' میں سٹپٹا گیا پھر میں نے نازلی کی سمت دیکھا تو وہ ایک دم غصے سے بپھر کر بولی۔

''ہاں آپ سے جمیل صاحب۔ آپ سے نہیں کروں گی تو اور کس سے کروں گی۔ میں کہتی ہوں آپ نے مجھے جس قماش کی عورت سمجھ رکھا ہے اس خیال کو اپنے دل سے نکال دیجئے۔ مجھے دولت سے زیادہ آپ کی ضرورت ہے۔ خدارا ان وعدوں کا تو بھرم رکھ لیجئے جو آپ نے مجھ سے کئے تھے۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا تو نازلی بڑی ڈھٹائی سے بولی۔

''مجھے تباہ کر کے اب مطلب پوچھا جا رہا ہے۔ بہت خوب۔'' نازلی نے بڑی دیدہ دلیری سے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ ہی کے ایما پر میں نے ناجائز تجارت کے ذلیل پیشے کو اپنایا تھا۔ آپ ہی کی محبت کی وجہ سے میں نے عدالت کے روبرو سارا جرم خاموشی سے اپنے سر لے لیا۔ میں کن مشکلوں سے ضمانت پر رہا ہو سکی ہوں' یہ میرا دل ہی جانتا ہے میں نے یہ سب کچھ آپ کی خاطر کیا ہے جمیل صاحب اور آپ مجھے نہیں پہچانتے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ آپ مجھے اس مصیبت میں پھنسا کر خود یہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن میں بھی عورت ہوں' میں اتنی آسانی سے آپ کو یہاں سے فرار نہیں ہونے دوں گی۔''

''تم بکواس کر رہی ہو۔'' میں نازلی کے سفید جھوٹ پر آپے سے باہر ہو کر بولا۔ ''تم نے جو کچھ کہا ہے وہ سراسر بہتان ہے۔ تم ان باتوں سے تم کیا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

''جمیل' کیا میں نے اسی دن کے لیے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا تھا کہ جب مجھ پر کوئی وقت پڑے تو تم یوں اپنی دولت اور عزت کی آڑ لے کر نظریں بدلو۔'' نازلی رونے لگی۔

''شٹ اپ۔'' میں غصے سے کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر کن انکھیوں سے اصفہانی صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''مجھے خوب معلوم ہے کہ تم کس کے اکسانے پر مجھ پر الزامات تراش رہی ہو ورنہ تمہارے پاس ان باتوں کا ثبوت کیا ہے۔''

''ثبوت چاہتے ہو جمیل صاحب۔'' نازلی نے تلخ لہجے میں کہا پھر بولی۔ ''کیا تم وہ واقعہ بھول گئے جب تم نے کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر مجھے یہاں بلوا کر صابر علی مجسٹریٹ کی عزت پر بلاوجہ کیچڑ اچھلوائی تھی۔''

''تم بکواس کر رہی ہو۔'' میں حلق کے بل چلایا۔ ''دفع ہو جاؤ' یہاں سے کمینی عورت۔''

نرگس اور اس کے والدین خاموش بیٹھے میری اور نازلی کی گفتگو سن رہے تھے۔ نازلی نے مجھے غصے

میں کانپتے دیکھا تو وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور مجھے خونخوار نظروں سے گھور کر بولی۔

''جمیل۔ تم نے مجھے کمینی عورت کہہ کر اچھا نہیں کیا۔ میں اگر چاہوں تو تمہاری شرافت کا بھرم اسی وقت خاک میں ملا سکتی ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ثبوت بھی میرے پاس موجود ہے لیکن میں تمہیں ایک موقع اور دیتی ہوں۔ اپنی روانگی سے قبل تم مجھے فون ضرور کر لینا۔ ہو سکتا ہے کہ اس مدت میں تمہارا دماغ راہ راست پر آ جائے ورنہ پھر مجبوراً وہ دستاویزی ثبوت تمہارے سسر اور تمہاری بیوی کو دکھانے ہوں گے جو میرے پاس بڑی حفاظت سے محفوظ ہیں۔''

نازلی نے اپنا جملہ مکمل کیا پھر تیزی سے گھومی اور لمبے لمبے قدم بڑھاتی ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا غصے سے لرزتا کانپتا رہا۔ نرگس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ اس کی ماں منہ لٹکائے بیٹھی تھی اور اصفہانی صاحب شدید نفرت بھرے انداز میں اپنے ہونٹ چبانے میں مصروف تھے۔ خود میں بھی نازلی کی اچانک آمد اور اس کی الزام تراشی سے بوکھلا گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نازلی نے اچانک ایسا کیوں کیا۔ کس کے اشارے پر مجھے اس نے ہدف بنایا۔ صرف ایک بار میں نازلی سے ملا تھا اور میں نے اس کی پوری قیمت ادا کر دی تھی۔ ناجائز تجارت اور دوسرے الزامات سے میرا قطعاً کوئی تعلق نہ تھا۔

ڈرائنگ روم میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر نرگس اٹھی اور باہر چلی گئی۔ غالباً اصفہانی صاحب کے اشارے پر اس نے وہاں سے جانے کی ضرورت محسوس کی تھی اس لیے کہ نرگس کے جاتے ہی اصفہانی صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے بڑے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا نازلی نے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے؟''

''نہ صرف غلط بلکہ بکواس ہے۔'' میں نے بھی سرد لہجے میں جواب دیا۔

''اور اگر اس بدقماش عورت نے کوئی ایسا ثبوت پیش کر دیا تو؟''

''آپ کی تفتیش کا مقصد کیا ہے؟'' میں نے قدرے برہم لہجے میں پوچھا۔

''میرا مشورہ ہے کہ تم فی الحال اپنی روانگی کا پروگرام ملتوی کر دو۔'' اصفہانی صاحب نے مجھے گھورتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں؟''

''دیکھو جمیل! جب تک تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہو جاتی' مجھے نرگس کو ساتھ بھیجنے میں یقیناً تامل ہونا چاہیے۔''

جواب میں میرا دل چاہا کہ اصفہانی صاحب کو کھری کھری سنا دوں اور ان کے اور نازلی کے تعلقات کا' جس کا علم مجھے انکا کی زبانی ہو چکا تھا۔ بھانڈا پھوڑ دوں لیکن میرے پاس چونکہ کوئی ٹھوس ثبوت

Downloaded from Paksociety.com

نہیں تھا اس لئے میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور انہیں خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ نرگس نے نازلی کے سلسلے میں کوئی باز پرس نہیں کی لیکن بہر حال وہ چپ چپ سی تھی۔ میں نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی۔ رات کو اس نے بہت اداس انداز میں کھانا کھانے کو کہا تو میں نے سخت لہجے میں انکار کر دیا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ خواہ نرگس میرے ساتھ جائے یا نہ جائے' میں کل ضرور بمبئی کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔

رات گئے تک میں حالات پر غور کرتا رہا لیکن اس کی وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ پھر کب میری آنکھ لگی اور کب میں نیند کی آغوش میں پہنچ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا' مجھے کچھ نہیں معلوم لیکن میری آنکھ اس وقت کھلی جب میں نے نازلی کی بہکی ہوئی مدھم سی آواز سنی۔

''جمیل۔ میرے قریب آ جاؤ۔ دور دور کیوں ہو؟''

نازلی کی آواز کے ساتھ ہی مجھے اس کے گداز اور گرم جسم کا لمس بھی محسوس ہوا۔ میں نے آہستہ سے کروٹ بدلی اور پھر...... پھر میری اور نازلی کی بہکی بہکی سانسیں ایک دوسرے میں غلط ملط ہونے لگیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی بہت ہی سہانا خواب دیکھ رہا ہوں مگر بجلی کا کوندا ہوا تو میں نے ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول دیں اور پھر جو منظر میں نے دیکھا اسے دیکھ کر میں خود بھی ششدر رہ گیا۔ اب تک جن باتوں کو میں خواب سمجھ رہا تھا وہ خواب نہیں بلکہ ایک تلخ اور گھناؤنی حقیقت تھی۔ نازلی اس وقت میرے بستر پر میری آغوش میں برہنہ حالت میں موجود تھی۔ میری اپنی حالت بھی نازلی سے مختلف نہ تھی اور میری نظروں کے سامنے خواب گاہ کے دروازے پر اصفہانی صاحب ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس سینہ تانے کھڑے مجھے غضب ناک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نرگس اپنے بستر پر موجود نہیں تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو جیسے مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے پھر دوسرے ہی لمحے میں نے گھبرا کر پیروں کے قریب پڑی ہوئی چادر کو اپنے جسم پر کھینچ لیا۔ نازلی دونوں ہاتھوں سے اپنے جسم کی ستر پوشی کرتی ہوئی تیزی سے اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ ابھی میں حیرت و استعجاب کی تصویر بنا حالات کی نوعیت کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اصفہانی صاحب کی کڑکتی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''بے غیرت' ننگ خاندان! تیری اتنی جرأت کہ تو میری ہی چھت کے نیچے میری بیٹی کے سہاگ پر ڈاکا مار رہا ہے۔''

میں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن مجھ سے کوئی بات نہ کی جا سکی۔

''کمینے' رذیل! اسی وقت نکل جا میرے گھر سے اور اگر پھر تو نے کبھی ادھر کا رخ کیا یا میری معصوم بچی کا نام زبان تک لایا تو میں تجھے شوٹ کر دوں گا۔''

اصفہانی صاحب غصے میں دانت پیستے کمرے سے باہر گئے تو میں نے جلدی سے اٹھ کر کپڑے

بدلے پھر باہر جانے کے ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ نازلی لباس پہن کر دوسرے کمرے سے برآمد ہوئی۔ میں نے نازلی کو دیکھا تو میرے سر پر خون سوار ہو گیا۔ میں نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

''سچ بتا کہ تو یہاں کس کے ایما پر آئی تھی؟ اگر تو نے غلط بیانی سے کام لیا تو میں اسی وقت تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔''

''ہوش میں آؤ جمیل! تم خود ہی مجھے ساتھ لے کر آئے تھے...... اور اب......''

''کمینی عورت...... میں سمجھ رہا ہوں کہ تو میرے ساتھ کیا فریب کر رہی ہے لیکن اب میں تجھے اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تو آئندہ کبھی کسی اور کو اپنی بدقماشیوں کا نشانہ بنا سکے۔''

میں نے جھپٹ کر نازلی کو اپنے آہنی بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اگر میرے دونوں ہاتھ ٹھیک ہوتے تو شاید مجھے اسے قابو کرنے میں زیادہ دقت پیش نہ آتی پھر بھی میں نے اسے ایک ہاتھ سے اپنی گرفت میں لیا اور پاؤں کا سہارا لے کر اسے اٹھا کر نیچے گرا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور ایک ہی ہاتھ سے اس کے گلے کو دبانے لگا۔ نازلی کا گداز جسم میرے بوجھ تلے تڑپ رہا تھا۔ خود کو نجات دلانے کی خاطر وہ پوری جدوجہد کر رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے موت کا تصور پھوٹ رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ قبل اس کے کہ نازلی کسی کو اپنے انجام سے چیخ پکار کر کے باخبر کرے' میں اس کا کام تمام کر دوں لیکن ایک بار جو وہ نیچے تڑپی تو میرے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے ہذیانی انداز میں چلانا شروع کر دیا۔

''بچ...... بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ۔''

میں نے بڑی پھرتی سے اسے دوبارہ بے بس کر کے اس کے گلے پر اپنی گرفت جما لی لیکن افسوس کہ میں اس ذلیل عورت کو موت کے گھاٹ نہ اتار سکا۔ اس کی کرب ناک چیخ کی آواز سن کر اصفہانی صاحب مع اپنے دو ملازموں کے خواب گاہ میں گھس آئے۔ پھر نرگس کے باپ کے اشارے پر دونوں ملازموں نے مجھے گھسیٹ کر نازلی سے علیحدہ کر دیا۔ نازلی چھٹکارا پاتے ہی جلدی سے اٹھی اور مجھے وحشت ناک نظروں سے گھورتی ہوئی باہر کی طرف بھاگ گئی۔ میں نے ملازموں کی گرفت سے نجات پانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن سوائے اچھل کود کے اور کچھ نہ کر سکا۔

''اس حرام زادے کو جوتے مار کر میرے گھر سے باہر پھینک آؤ اور اگر یہ اندر آنے کی کوشش کرے تو اسے اتنا مارو کہ اس کا دم نکل جائے۔''

اگر میرے بس میں ہوتا تو شاید میں نرگس کے والد کو بھی جان سے مار ڈالتا لیکن دو ہٹے کٹے ملازموں نے مجھے بالکل بے بس کر رکھا تھا۔ اصفہانی صاحب کے حکم پر ملازموں نے اسی وقت مجھے دھکے مار کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



نرگس کی کوٹھی سے باہر پھینک دیا۔ میں نے مزید ذلیل ہونے سے بہتر یہی سمجھا کہ خاموشی سے چلا جاؤں۔ میں اسی وقت اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ حسن اتفاق سے میں نے جو کپڑے پہنے تھے اس میں وہ ٹکٹ بھی موجود تھے جو میں نے صبح حاصل کیے تھے۔ نقدی کی صورت میں بمشکل ستر روپے میرے پاس موجود تھے۔

وہ رات میں نے اسٹیشن پر ہی گزاری اور دوسرے روز تنہا بمبئی کے لیے روانہ ہو گیا۔ مجھے اگر افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ مجھے نرگس سے دو باتیں کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ حالات نے جس تیزی سے رخ بدلا تھا اس نے میری عقل خبط کر دی تھی۔ یہ سب پے در پے ہوا تھا۔ میرے ہوش و حواس گم ہوئے جاتے تھے۔ رہ رہ کر میرے ذہن میں بس یہی خیال ابھرتا تھا کہ یہ سب کچھ اصفہانی صاحب کا کیا دھرا ہے۔ ممکن ہے نازلی نے انہیں اس بات سے آگاہ کر دیا ہو کہ میں ایک بار اس سے آلودہ ہو چکا ہوں اور اصفہانی صاحب نے انتقامی جذبے کے تحت مجھے نازلی ہی کے ذریعے رسوا کرنے کی ٹھان لی ہو، لیکن یہ بات میری سمجھ میں کسی طرح نہ آسکی کہ انہوں نے اپنے انتقام کی خاطر نرگس کی زندگی کیوں کر برباد کرنا گوارا کر لیا؟ اور اگر کوئی بات ہے تو وہ کیا ہے؟

☆==========☆==========☆

بمبئی آئے مجھے ایک ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ میرا کاروبار بخوبی چل رہا تھا۔ میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اصفہانی صاحب کے جو کارندے یہاں موجود تھے انہیں نکال باہر کیا اور خود ہر کام کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ میرا بزنس منیجر میری واپسی پر بے حد خوش ہوا لیکن ذاتی طور پر میں نرگس کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ میں اس سے مل کر یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ آئندہ کے لیے اس نے کیا سوچا ہے۔ کیا وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے گی یا حالات کے پیش نظر علیحدگی اختیار کرے گی مگر مجھے ابھی تک نرگس سے بات کرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آئی تھی۔ خط کے ذریعے میں نے ان باتوں کا تصفیہ کرنا کچھ مناسب خیال نہیں کیا کہ کہیں میری تحریر اصفہانی صاحب کے کسی کام نہ آجائے۔

بہر حال میں نرگس کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ بمبئی آنے کے بعد متعدد بار مجھے اس کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ اکثر مجھے اس کا پیار اور اس کی بے لوث خدمت یاد آتی تو میں بے چین ہو جاتا۔ وہ صحیح معنوں میں ایک وفا شعار اور خدمت گزار عورت تھی لیکن حالات کی ستم ظریفی نے ہم دونوں کو الگ کر دیا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس بات کا مکمل یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن نرگس اچانک میرے پاس آجائے گی لیکن میرا یقین اس روز کانچ کے برتن کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا جس روز نرگس کی طرف سے مجھے اس کے وکیل کا نوٹس ملا تھا۔ نوٹس میں میرے اوپر بے شمار گھناؤنے الزامات عائد کیے گئے تھے اور ان الزامات کے پیش نظر اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ یا تو میں شرافت سے حق مہر ادا کر کے

نرگس کو طلاق نامہ روانہ کر دوں یا پھر عدالت کے سامنے پیش ہونے کے لیے تیار ہو جاؤں۔

نرگس کی طرف سے ملنے والے نوٹس نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ دوسرے دن ہمت کر کے میں نے نرگس کو فون کیا۔ دوپہر کا وقت تھا اس لیے مجھے امید تھی کہ فون نرگس ریسیو کرے گی۔ میرا خیال درست ثابت ہوا۔ دوسری سمت سے کچھ دیر بعد نرگس کی جانی پہچانی مترنم آواز سنائی دی تو میں تڑپ اٹھا' ہمت کر کے بولا۔

"نرگس۔ میں جمیل بول رہا ہوں۔"

"فرمایئے کیا کام ہے؟" نرگس نے بڑی رکھائی سے دریافت کیا۔ میں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"نرگس۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"کہیے میں سن رہی ہوں۔"

"نرگس۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "آخر تم بھی بدل گئیں۔ میری جان یقین کرو، نازلی کے ضمن میں جو باتیں سامنے آئی ہیں وہ مجھ پر سراسر الزام ہیں۔ میرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے مگر کیا میں دریافت کر سکتی ہوں کہ نازلی کو آخر اچانک آپ سے کیا پرخاش ہو گئی جو اس نے آپ کی ذات پر اتنے ڈھیر سارے الزامات عائد کر دیئے۔"

"میں اس سلسلے میں خود بھی حیران ہوں کہ آخر یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا۔"

"کیا آپ نے محض اتنی سی بات کہنے کے لیے مجھے فون کرنے کی زحمت گوارا کی تھی؟"

"نرگس۔" میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم ان تمام باتوں کو بھول کر میرے پاس چلی آؤ۔ تمہارے بغیر مجھے ایک پل بھی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ نرگس اگر تمہارا رویہ ایسا رہا تو پھر میں موت کو کیوں نہ ترجیح دوں۔"

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے اور پھر ایسے موقع پر انکا بھی ساتھ نہیں ہے ورنہ وہ ضرور آپ کا دل بہلاتی رہتی اور آپ کو میری جدائی یا کمی کا احساس نہ ہوتا۔"

نرگس کے لہجے میں اتنا گہرا طنز تھا کہ میں تڑپ اٹھا۔ اس نے انکا کے تذکرے کو درمیان میں لا کر میرے رستے ہوئے زخموں پر نمک پاشی کی تھی۔ میں نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے مجھ سے واقعی علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہے نرگس؟ کیا تم واقعی مجھ پر یقین نہیں کرتیں۔ میں بہت برا سہی مگر میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔"

"جمیل صاحب۔ آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میں ایک عورت ہوں۔ عورت جو مرد کے تمام ظلم و ستم

لونڈی خوشی جھیل سکتی ہے' فاقے کر سکتی ہے' دنیا کی تمام مصیبتوں کو برداشت کر سکتی ہے مگر یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر اس کی موجودگی میں کسی عورت کے ساتھ رنگ رلیاں منائے۔'' نرگس غصے میں بھری کہتی رہی۔ ''ہوسکتا تھا کہ میں نازلی کے سلسلے میں آپ کی باتوں کو درست تسلیم کر لیتی لیکن اس رات میں نے خود اپنی گناہ گار آنکھوں سے نازلی اور آپ کو اپنی خواب گاہ میں کھل کھیلتے دیکھا تھا۔ یہ میری برداشت کی انتہا تھی۔ میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ مجھے آپ سے علیحدگی اختیار کر لینی ہوگی۔ یہ فیصلہ میں نے دل پر پتھر رکھ کر کیا ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ یہی میرے حق میں بہتر ہے۔ اب مجھے آئندہ فون نہ کیجیے۔''

''اگر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو میں کل ہی تمہارے مہر کی رقم اور طلاق نامہ تحریر کر کے روانہ کر دوں گا مگر کیا تم ان باتوں سے پیشتر ...... آخری بار مجھ سے دو گھڑی کے لیے ملنا پسند کرو گی۔ مجھے اپنی صفائی کا موقع دو۔ تم اتنی بے رحم کیسے ہو گئیں۔ آخر تم نے میرے ساتھ بڑے اچھے دن گزارے ہیں۔ کبھی سنجیدگی سے تو غور کیا ہوتا۔ ایک تم ہی تو میرا سہارا تھیں۔ کیا تم مجھ سے نہیں ملو گی؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مجھ سے زیادہ مت کہیے' جو ہو چکا وہ بہت ہے بس اب یہ سلسلہ ختم کیجیے۔ میرے اندر زیادہ حوصلہ نہیں ہے۔''

''نرگس۔'' میں تڑپ اٹھا۔ ''کیا تمہیں اب مجھ سے ذرا بھی لگاؤ باقی نہیں رہا۔''

''کس کو کس سے لگاؤ تھا جمیل صاحب، اس کا ثبوت مل چکا ہے اب اور آزمائش مت کیجیے۔ ہم علیحدہ رہیں اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔'' نرگس نے تلخ آواز میں کہا پھر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

نرگس کی بےرخی سے میرے دل پر جو چوٹ لگی اس کا اندازہ کچھ میرا دل ہی کر سکتا ہے بہر حال میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسی روز طلاق نامہ تحریر کر دیا اور اگلے روز مہر کی رقم کے ساتھ اسے نرگس کے پتے پر روانہ کر دیا۔ تیسرے روز مجھے اس کی رسید مل گئی۔

نرگس سے مستقل علیحدگی کے بعد میری زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا جسے پُر کرنا مشکل تھا۔ میں نے اپنے غم کو بھلانے کی خاطر ایک بار پھر شراب اور بازاری عورتوں کا سہارا لیا لیکن مجھے وہ سکون نہ مل سکا جو نرگس کی آغوش میں میسر تھا۔ میں اپنے ذہن کو معطل رکھنے کی غرض سے ہر وقت شراب کے نشے میں چور رہتا تھا۔

انکا گئی پھر نرگس بھی گئی اب میری زندگی میں کیا رہ گیا تھا۔ میرا نہ کاروبار میں جی لگتا تھا اور نہ زندگی میں۔ میں سوچتا تھا کیا ایسا ممکن ہے کہ نرگس جیسی وفا شعار بیوی بھی بدل جائے۔ مجھے کسی بات کا یقین نہیں آتا تھا مگر سب کچھ ہو چکا تھا۔ انکا مجھ سے چھین لی گئی تھی اور نرگس نے بھی مجھ سے علیحدگی اختیار

لی تھی۔ ایسے شخص کی محرومیوں کا اندازہ کیجیے' جسے شروع سے اب تک عجیب و غریب حالات و حادثات پیش آئے ہوں۔

قسمت نے میرے ساتھ کیسے ہولناک مذاق کیے تھے۔ اب میرے اندر زندہ رہنے کی امنگ ختم ہو چلی تھی اور اس کے بعد ہوا یہ کہ میں نے خود کو حالات پر چھوڑ دیا۔ میں نے چاہا کہ مجھ پر اور تباہیاں آئیں۔ میں اپنی داستان غم مختصر کرتا ہوں۔ میں صرف ان پے در پے حادثات کا ذکر کروں گا جنہوں نے رہے سہے اوسان بھی مجھ سے چھین لیے۔ میرا کاروبار جو روز بروز ترقی کر رہا تھا اب میری بے پروائیوں اور بے نیازیوں کے سبب گرنے لگا پھر اچانک یہ افتاد آ پڑی کہ اس بینک میں آگ لگ گئی جہاں میرا زیادہ پیسہ جمع تھا۔ آگ اتنی شدید تھی کہ بینک کی اینٹیں تک جل کے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئیں۔ ابھی میں اس حادثے سے پوری طرح سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ میرا کیشئر جو شروع سے میرے پاس تھا اور نہایت قابل اعتماد شخص تھا' پانچ لاکھ کی رقم دوسرے بینک سے نکلوا کر فرار ہو گیا۔ مجھے اس کا علم تین روز بعد ہوا تھا اس لیے پولیس بھی میری شکایت پر اسے فوری طور پر گرفتار نہ کر سکی۔

میں نے اپنے اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے خود کو داؤ پر لگا دیا۔ میں نے اپنا زیادہ تر وقت ریس کورس میں صرف کیا اور جو کچھ میرے پاس باقی رہ گیا تھا وہ بھی میں گنواتا گیا۔ جتنا میں ہارتا جاتا اتنی ہی شدت میرے اندر سوا ہو جاتی۔ دفتر کا کاروبار ٹھپ ہوتا گیا۔ ملازمین کی تعداد کم ہوتی گئی۔ مجھے چاروں طرف سے محرومیوں نے گھیر لیا۔ انکا گئی' نرگس گئی' دفتر گیا' روپیہ چوری ہوا' کاروبار گیا تو عزت بھی گئی۔ صرف ایک مکان رہ گیا تھا جو میری ہوس کی بھینٹ چڑھ گیا۔ میں نے اسے ریس کے میدان پر قربان کر دیا۔ میں نے شرابوں میں خود کو غرق کیا اور میری بصارت میں ضعف آ گیا۔ سب کچھ راکھ ہو گیا۔ وہ لڑکیاں بھی رخصت ہوئیں جو کل تک میری محبت کا دم بھرتی تھیں۔ وہ لوگ بھی جدا ہو گئے جو میرے اشاروں کے منتظر رہتے۔ اب کوئی حادثہ میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا میں بری سے بری خبر سننے کے لیے تیار رہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تباہیوں نے مجھے پہچان لیا ہے۔ باہر سب جل چکا تھا اور میں اندر سے جل رہا تھا' میرے سینے میں ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ کاش انکا نہ آئی ہوتی اور آئی تھی تو جانے کا نام نہ لیا ہوتا۔ اسی نے یہ چمک دمک دکھا کر تو میری آنکھوں کی روشنی چھین لی۔ میں اس کے سہارے خود کس قدر بے سہارا ہو گیا تھا۔ میری انکا کہاں ہے؟ میں تر بینی کی تلاش میں نہ جانے کتنے شہروں، مندروں' ویرانوں اور مرگھٹوں میں گیا اور میں نے اس امید میں کہ شاید انکا کو میں دوبارہ حاصل کر لوں جو کچھ میرے پاس رہ گیا تھا' اسے بے دریغ خرچ کر دیا پھر جب میں ناکام و نامراد واپس آیا تو میرے پاس کچھ نہ تھا۔ نہ مکان' نہ دفتر اور نہ بیوی۔ میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا۔ میں مکمل طور پر بھکاری بن کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے ملازموں کے آگے ہاتھ پھیلایا تو وہ بھی ایک ایک کر کے کنی کاٹ گئے۔ میرے منیجر

نے میرے حالات پر ترس کھا کر مجھے صرف ایک سو روپے بطور قرض دیے تھے جو میری جیب میں پڑے تھے۔ ان سو روپوں سے میں نے ہوٹل کا دو روز کا بل ادا کیا پھر اسے چھوڑ کر ایک دوسرے سستے ہوٹل میں منتقل ہو گیا جہاں عام حالات میں شاید ایک پیالی چائے پینا بھی گوارا نہ کرتا۔ میرے جسم پر جو کپڑے تھے بس وہی میرا آخری سرمایہ تھے۔

اس رات جب میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا اور اپنی حرماں نصیبیوں پر غور کر رہا تھا کہ پھر مجھ پر انکا کا تصور غالب آ گیا۔ میں نے اسے ذہن سے نکال دینا چاہا اور نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کرنے کا عزم پیدا کرنے کی کوشش کی مگر جو شخص دولت میں کھیل چکا ہو اور جس کے ہاتھوں کو فیاضی کی عادت پڑ گئی ہو اسے دوسرے حالات میں گزر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ روپیہ آتا ہے تو مزاج اور ذہن بدل جاتا ہے۔ روپیہ جاتا ہے تو بدلے ہوئے مزاج اور ذہن کو بدلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر فیصلے کی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لے دے کر میں ایک ہی نتیجے اور فیصلے پر پہنچا تھا کہ انکا کسی طور مجھے دوبارہ مل جائے۔ انکا جس نے مجھے فرش سے عرش پر بٹھایا تھا۔ جس نے میری عادتیں بگاڑ دی تھیں۔ جس نے مجھ سے محبت کی تھی اور جسے مجھ سے تربینی نے چھین لیا تھا۔ اس انکا کے چلے جانے کے بعد میں اب بھکاری بن گیا۔ انکا کے ساتھ مجھے تربینی یاد آیا اور ایک خیال بجلی بن کر میرے ذہن میں کوندا۔ کہیں یہ سب کچھ تربینی کی شرارت تو نہیں؟ میں نے اس سوال پر جتنا غور کیا اتنا یہ خیال مستحکم ہوتا گیا۔

اس رات میں خاصی دیر تک انکا اور تربینی کے خیال میں پیچ و تاب کھاتا رہا پھر سو گیا لیکن کچھ ہی دیر بعد میں دوبارہ ہڑبڑا کر جاگ اٹھا۔ کوئی میرے بازو کو زور زور سے ہلا کر مجھے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک حسین و جمیل عورت زرق برق کپڑوں میں ملبوس قیامت بنی ہوئی میرے پاس بیٹھی تھی۔ میں چند ثانیے تک اسے غور سے دیکھتا رہا پھر میں نے اسے شناخت کر لیا۔ وہ ایک مقامی ہندو ڈاکٹر کی عیاش طبع لڑکی شکنتلا تھی۔ میں اسے متعدد بار اپنے دل بہلاوے کو استعمال کر چکا تھا لیکن اس وقت اتنی رات گئے اسے اپنے پاس دیکھ کر مجھے بے حد حیرت ہوئی۔ اس بات کا احساس مجھے ستا رہا تھا کہ میں اس وقت ایک گھٹیا قسم کے ہوٹل میں مقیم ہوں۔ کچھ دیر تک میں شکنتلا کو یونہی دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اتنی رات گئے تم یہاں کیسے آ گئیں اور میرا پتا تمہیں کیسے چلا؟"

"جمیل ڈیئر۔ میں بڑی بھاگوان ہوں جو تم اس سمے یہاں نظر آ گئے ورنہ مجھے کسی اور کی سہائتا لینی پڑتی۔" شکنتلا نے تیزی سے کہا پھر میرے قریب ہو کر بولی۔ "ڈیئر اگر تم مجھے اس سمے پونا تک چھوڑ آؤ تو میں سارا جیون تمہارا احسان نہیں بھولوں گی۔"

"لیکن میں تو......"

"مجھے سب کچھ پتا چل گیا ہے جمیل۔" شکنتلا نے میری بات درمیان سے اچکتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "دھن دولت تم جو چاہو گے میں تمہیں دوں گی۔ بس تم میری اتنی سہائتا کرو کہ مجھے پونا تک ساتھ چل کر چھوڑ آؤ۔ اس چھوٹے سے کام کے لیے میں تمہیں دو ہزار روپے تک دینے کو تیار ہوں۔"

شکنتلا کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے تاثرات دیکھ کر میں نے یہ اندازہ تو کر لیا تھا کہ وہ اس وقت کسی خاص وجہ سے بہت گھبرائی ہوئی ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آ سکی کہ اس جیسی موڈرن لڑکی جو دنیا جہان میں تن تنہا گھومتی پھرتی تھی اس وقت پونا تک جانے کے لیے میری مدد کیوں مانگ رہی ہے چنانچہ میں نے پوچھ ہی لیا۔

"کیا تمہارے اوپر کوئی خاص بپتا آن پڑی ہے؟"

"ہاں جمیل۔ میرے پتا جی میرا دواہ ایک ایسے لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں جو مجھے بالکل پسند نہیں۔ یوں بھی میں شادی کر کے خود کو قید نہیں کرنا چاہتی۔ اس کارن میں گھر سے بھاگ آئی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ رات اسی ہوٹل میں گزاروں پھر کل کی گاڑی سے پونا چلی جاؤں۔ اتفاق سے تم مجھے نظر آ گئے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم اسی سمے مجھے پونا چھوڑ آؤ۔"

"مگر تم اس وقت پونا کیسے جاؤ گی؟" میں نے کہا۔ "اس وقت تو کوئی گاڑی پونا نہیں جاتی۔"

"ہم ٹیکسی سے چلیں گے جمیل۔ اگر گاڑی سے جانا ہوتا تو پھر مجھے تمہاری سہائتا کی کیا ضرورت تھی۔" شکنتلا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا پھر میری گردن میں اپنی مرمریں بانہیں ڈال کر بولی۔ "بولو جمیل ڈیئر۔ کیا تم تیار ہو؟"

"تنہا جانے میں تمہیں کس بات کا خطرہ ہے؟" میں نے شکنتلا کو لپٹاتے ہوئے پیار سے کہا۔ "کیا تمہیں ڈر ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور تمہیں پونا کے بجائے کہیں اور لے جائے گا۔"

"ہاں...... اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے بھائی یا پتا مجھے دیکھ لیں۔"

"اور اگر تمہارے ڈیڈی نے تمہیں میرے ساتھ دیکھ لیا تو کیا وہ چپ ہو جائیں گے۔"

"تم سمجھتے کیوں نہیں جمیل۔" شکنتلا اٹھلا کر بولی پھر اس نے زمین سے ایک پوٹلی اٹھا کر اسے کھولتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو یہ برقع میں اپنی ایک سہیلی سے مانگ کر لائی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ برقع میں ہوں گی اس لیے کوئی بھی شبہ نہیں کر سکتا۔"

میں تھوڑے سے پس و پیش کے بعد شکنتلا کو پونا لے جانے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس آمادگی کی ایک وجہ تو خود شکنتلا کی ذات تھی۔ دوسرے یہ کہ مجھے پیسوں کی بھی ضرورت تھی۔ شکنتلا نے مجھے رضامند پایا تو خوشی سے مجھ سے لپٹ گئی۔ ہر چند کہ اب میری حیثیت اس مالدار لڑکی کے سامنے ایک بھکاری سے زیادہ نہ تھی لیکن اس وقت حالات نے شکنتلا کو میرے رحم و کرم پر لا ڈالا تھا۔ چنانچہ پہلے تو میں نے موقع

سے پورا پورا فائدہ اٹھایا پھر اسی وقت جا کر ایک ٹیکسی لے آیا اور شکنتلا کو ساتھ لے کر پونا کے لیے روانہ ہو گیا۔ شکنتلا پچھلی سیٹ پر برقع میں ملبوس میرے ساتھ لگی بیٹھی تھی اور ٹیکسی سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو ہم دونوں خاموش رہے پھر میں نے اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے دباتے ہوئے پوچھا۔

"پونا میں تمہارا قیام کہاں ہوگا۔ کیا وہاں کوئی تمہارا واقف کار موجود ہے؟"

"شش۔" شکنتلا نے برقع کا نقاب پلٹتے ہوئے مجھے خاموش رہنے کی تلقین کی پھر قدرے اونچی آواز میں بولی۔ "اگر میری بہن کی حالت خراب نہ ہوتی تو میں اس وقت پونا چلنے کے لیے کبھی ضد نہ کرتی۔ آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟"

میں سمجھ گیا کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور کو سنانے کی خاطر بات بتا رہی ہے۔ چنانچہ میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر واپس آجاؤں گا۔ تم کچھ دنوں بعد چلی آنا۔"

"کیا آپ دو ایک دن بھی قیام نہیں کریں گے؟"

"نہیں۔ مجھے یہاں بمبئی میں کچھ ضروری کام ہیں۔"

شکنتلا مجھ سے یوں بات کر رہی تھی جیسے وہ میری شریک حیات ہو۔ ٹیکسی ڈرائیور کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر تک میں شکنتلا کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر ایک بار میں نے اسے گھسیٹ کر اپنی آغوش میں گرا لیا اور اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر پوچھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ پونا میں تمہارا کون چاہنے والا موجود ہے۔ کیا ہمیں بھی نہیں بتاؤ گی۔"

"میں فی الحال اپنے ایک فلم ایکٹر دوست کے ساتھ قیام کروں گی' اس نے ایک بار مجھے فلم میں کام کرنے کا آفر بھی دیا تھا۔" شکنتلا نے سرگوشی کی پھر اس نے کسما کر میری آغوش سے نکلنا چاہا تو میں نے اپنی گرفت اور سخت کر لی۔

شکنتلا کے حسین قرب نے میرے جذبات کو ہوا دے دی تھی۔ میں اس سے چھیڑ خانی کرتا رہا اور وہ مجبوراً میری ہر شرارت کو برداشت کرتی رہی شاید اس لیے کہ اس وقت وہ میرے رحم و کرم پر تھی۔ میں اس کے قرب کے نشے سے کچھ ایسا سرشار ہوا کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ وقت برق رفتاری سے گزرتا رہا پھر ہم دونوں اسی وقت چونک کر علیحدہ ہوئے جب ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ رکی۔ میں نے باہر کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹیکسی پونا کی ایک پولیس چوکی کے احاطے میں کھڑی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ میں ٹیکسی ڈرائیور سے کچھ پوچھتا' وہ خود ہی پلٹ کر مجھ سے مخاطب ہوا اور بڑے بازاری لہجے میں بولا۔

"تم سالا دنیا کی آنکھ میں دھول جھونک رہا تھا' ابھی تم کو پتا پڑ جائے گا کہ یہ چھوکری کون ہے؟"

ن ڈرائیور نے آخری جملہ شکنتلا کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا پھر قبل اس کے کہ میں صورت حال ۔ پاتا' ٹیکسی ڈرائیور نیچے اتر گیا۔ پولیس چوکی کے اندر جانے سے پہلے اس نے دروازے پر کھڑے ۔ سنتری سے کچھ گفتگو بھی کی تھی لیکن دوری کی وجہ سے میں ان دونوں کی بات نہ سن سکا۔ شکنتلا نے ی کو ٹیکسی کی طرف آتے دیکھا تو گھبرا کر بولی۔

"جمیل۔ اب کیا ہوگا؟"

"فی الحال خاموش رہو۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے آہستگی سے جواب دیا پھر اپنی جگہ بھال کر بیٹھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر شکنتلا نے ہمت سے کام لیا تو پولیس والے ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے مگر میرا یہ اندازہ کچھ دیر بعد ہی ریت کی دیوار کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا۔

پولیس چوکی کے ڈیوٹی آفیسر نے شکنتلا کو پہلی ہی نظر میں شناخت کر لیا پھر جب اس نے یہ بتایا کہ تمام پولیس چوکیوں کو شکنتلا کے فرار ہونے کی اطلاع مل چکی ہے تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی بھی میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے ڈیوٹی آفیسر کو مخاطب کر کے کہا۔

"شکنتلا بالغ ہے اور اپنی مرضی سے میرے ساتھ جا رہی ہے۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"کیوں محترمہ۔ کیا یہ ٹنڈا درست کہہ رہا ہے۔؟" ڈیوٹی آفیسر نے مجھے نفرت سے گھورتے ہوئے شکنتلا سے دریافت کیا۔ وہ یک لخت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اس مکار عورت نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

"آفیسر۔ یہی وہ کمینہ ہے جو مجھے زبردستی اغوا کر کے نہ جانے کہاں لئے جا رہا تھا۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے شور مچایا تو مجھے جان سے مار دے گا۔ مجھے میرے پتا جی کے پاس پہنچا دو آفیسر۔"

شکنتلا کا بیان مجھے پھنسوا دینے کے لیے کافی تھا۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لیے ڈیوٹی آفیسر کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی بہتیری کوشش کی لیکن میری ایک نہ چلی اور مجھے بری طرح مار پیٹ کر آہنی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ عدالت میں پیشی ہوئی تو وہاں بھی میری کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ شکنتلا کے بیان اور اس کے باپ کی شہرت نے میری رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ دوسری ہی پیشی پر مجسٹریٹ نے مجھے چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنا دی۔

پونا جیل میں چار ماہ تک مجھے جن اذیت ناک تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا وہ تحریر میں لانا میرے بس میں نہیں۔ جیل کے ہٹے کٹے سنتریوں نے مجھے مار ڈالنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور سب کچھ شکنتلا کے باپ کے ایما پر ہو رہا تھا۔ اس کی یہی کوشش تھی کہ میں سزا پوری ہونے سے پہلے ہی مار ڈالا جاؤں لیکن میری قسمت میں چونکہ در بدر کی ٹھوکریں کھانا لکھا تھا اس لیے زندہ رہا۔ چار ماہ کی

Downloaded from Paksociety.com

صعوبتیں جھیلنے کے بعد جب مجھے رہائی ملی تو میری حالت اتنی ابتر تھی کہ اگر میرا باپ بھی مجھے دیکھتا تو شاید نہ پہچان سکتا۔ میرا ایک ایک جوڑ پھوڑے کے مانند دکھ رہا تھا۔ میری داڑھی بے تحاشا بڑھی ہوئی تھی۔ جیل کے سنتری چونکہ مجھے دو دو وقت کھانا نہیں دیتے تھے اس لیے میں بے حد لاغر اور کمزور ہوگیا تھا۔ میرے جسم پر چار ماہ کی جمی ہوئی میل سے شدید بدبو پھوٹ رہی تھی۔ رہائی کے وقت مجھے وہ پندرہ روپے بھی واپس نہیں دیے گئے جو گرفتاری کے وقت میری جیب سے برآمد ہوئے تھے۔ چنانچہ اب میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگوں اور اپنا پیٹ بھروں۔

بھیک مانگنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کرلی جائے۔ میں ایک فٹ پاتھ پر بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا' بھوک سے میری حالت خراب تھی۔ میری انتڑیاں باہر نکلنے کو تھیں۔ میں نے خود کو موت کے لیے آمادہ کرلیا مگر اسی لمحے ایک راہ گیر میرے پاس آیا اور میری شکستہ حالت دیکھ کر اس نے میرے سامنے ایک چونی ڈال دی۔ اس چونی کو دیکھ کر میرا جی متلانے لگا۔ میں نے اسے دیر تک نہیں اٹھایا۔ کاش میں اسے نہ اٹھاتا اور مر جاتا مگر میرے معدے نے میرے ضمیر کے خلاف فیصلہ دیا۔ میں نے وہ چار آنے اٹھا لیے اور دوڑ کر ایک قریبی ہوٹل میں پہنچ گیا۔ پھر میرے لیے بھیک مانگنا کوئی مسئلہ نہ رہا۔

میں دس بارہ روز تک متواتر پونا کی سڑکوں پر بھکاریوں کی طرح گھومتا رہا۔ ایک دو روپے مل جاتے تو پیٹ بھر روٹی کھاتا اور جہاں رات ہوتی وہیں کسی پیڑ کے سائے میں یا فٹ پاتھ پر لیٹ رہتا اور رات بھر اپنی بربادی پر خون کے آنسو بہاتا رہتا۔ میں ہاتھ نہیں پھیلاتا تھا۔ شاید میں کسی قدر ضمیر والا بھکاری تھا۔ کبھی میرا یہ حال تھا کہ میں بازاری عورتوں کی ایک حقیر سی مسکراہٹ پر سو سو کے نوٹ ان پر سے نچھاور کردیا کرتا تھا۔ ہوٹل کے بیروں کو دس بیس روپے ٹپ دے دینا میرے لیے معمولی بات تھی لیکن آج وہی میں تھا کہ میرے پاس سر چھپانے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ میں دوسروں کی گالیاں اور جھڑکیاں سننے کے بعد بھی ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور تھا اور یہ سب تباہیاں میرے اوپر اسی روز سے نازل ہونا شروع ہوگئی تھیں جس روز انکا مجھ سے رخصت ہوئی تھی۔ انکا۔ کاش تربینی مجھے مل جائے۔ میں سوچتا رہتا۔

میرے حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے لیکن میں صرف اس امید پر خود کو زندہ رکھے ہوئے تھا کہ ہوسکتا ہے میں انکا کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں جس کا واحد طریقہ تربینی کی موت تھی لیکن تربینی انکا کو لے کر نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ میرے ذہن پر سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے ہر وقت انکا کی دھن سوار رہتی۔

ایک روز میں بھیک مانگتا ہوا پونا کے ریس کورس تک چلا گیا جہاں میرے علاوہ اور بھی بہت سارے

فقیر موجود تھے اور سیٹھ ساہوکاروں کو ریس جیتنے کی دعا دے کر ان کے آگے ہاتھ پھیلا رہے تھے۔ میں بھی ان فقیروں میں شامل ہوگیا۔ ریس شروع ہونے میں چونکہ ایک گھنٹا باقی تھا اس لیے ریس کورس کے باہر بھی لوگوں کا خاصا ہجوم موجود تھا۔ میں ہجوم سے پرے ہٹ کر اس طرف آگیا جہاں گاڑیاں آکر ٹھہرتی تھیں۔ جیسے ہی کوئی نئی گاڑی آکر رکتی' میں لپک کر قریب جاتا اور گاڑی سے اترنے والے سیٹھ کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا۔ اگر کسی کو میرے حال پر ترس آتا تو وہ آٹھ آنے یا روپیہ میرے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ کسی کو میری صورت سے گھن آتی تو وہ مجھے دو چار گالیاں سنا کر آگے نکل جاتا۔

میں اپنے دھندے میں لگا ہوا تھا کہ ایک لمبی سی کار آکر گیٹ کے سامنے رکی۔ ڈرائیور نے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو کار سے پہلے ایک دراز قد اور گٹھے ہوئے جسم کا خوب صورت آدمی نکلا پھر اس کے پیچھے ایک نوجوان عورت باہر آئی جو صورت شکل ہی سے عیاش طبع لگ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر نووارد کے آگے ہاتھ پھیلا دیے۔ دراز قد آدمی نے ایک بار تو مجھے بڑی نفرت سے دیکھا پھر یک لخت وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ میری توقع کے خلاف اس نے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر میری طرف بڑھایا تو میں نے اسے یوں جھپٹ لیا جیسے قارون کا خزانہ میرے ہاتھ آگیا ہو۔ میں نے نوٹ کر اپنی مٹھی میں دبا کر تشکرانہ نظروں سے اس دیالو شخص کی طرف دیکھا تو وہ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔

''دفع ہوجاؤ میرے سامنے سے' جو کچھ میں نے تجھے دان کیا ہے وہ تیری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔''

نووارد مجھے گھورتا ہوا عورت کا ہاتھ تھام کر آگے چلا گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ اس کی بڑی بڑی اور سرخ آنکھیں مجھے کچھ مانوس سی لگ رہی تھیں۔ میں نے اپنے ذہن کو کریدنا شروع کردیا لیکن قبل اس کے کہ میں کسی نتیجے پر پہنچتا ایک لنگڑے فقیر نے میرے قریب آکر کہا۔

''تم قسمت کے دھنی ہو میرے بھائی جو لالہ تربینی نے تمہیں دس کا نوٹ دان کردیا ورنہ یہ تو ہم جیسے فقیروں کو ٹھوکر مارنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ جانتے ہو...... یہ کون ہے؟ ایک زمانے میں سالا پنڈت تھا اب لالہ تربینی داس بن گیا۔ بھگوان کی لیلا ہے۔''

تربینی کا نام سن کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مجھے یاد آگیا کہ میں نے اس کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔ پہلی نظر میں، میں نے اسے اس لیے نہیں پہچانا کہ اس نے اپنی داڑھی مونچھیں صاف کردی تھیں لیکن لنگڑے فقیر نے اس کا نام لے کر مجھے سب کچھ یاد دلایا تھا۔ میرے زخموں کو اتنی شدت سے کچوکا لگا دیا تھا کہ میں تڑپ اٹھا۔ مٹھی میں دبا ہوا نوٹ اب مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی زہریلا سانپ ہو جو میرے وجود کو کسی لمحے بھی ڈس لے گا۔ میں نے غصے کی حالت میں دس کے نوٹ کو حقارت سے دیکھا پھر اسے

اتنی بار پھاڑا کہ نوٹ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ میرے رگ و پے میں بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔ میرے سینے میں انتقام کی آگ کسی خطرناک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑنے کو بے چین تھی۔ میں نے لنگڑے فقیر کو بھی کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر ایک طرف مجمع سے دور جا کر کھڑا ہوگیا۔ میری نگاہیں اب ریس کورس کے دروازے پر مرکوز تھیں۔ میرا خون کھولتے ہوئے لاوے کے مانند ابل رہا تھا۔ مجھے تربینی کی واپسی کا انتظار تھا۔

تربینی نے جس انداز میں مجھے بھیک دینے کے بعد ذلیل کیا تھا وہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس کے بجائے کسی دوسرے سیٹھ ساہوکار نے مجھے گالی دی ہوتی تو شاید میں اپنے ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر برداشت کر لیتا لیکن تربینی داس میرا دشمن تھا۔ دشمن نمبر ایک...... وہی میری بربادی اور تباہی کا ذمے دار تھا۔ اسی کی وجہ سے آج میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے اور لوگوں کے سامنے جھولی پھیلانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ میں اس کا توہین آمیز رویہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے تربینی کی دی ہوئی بھیک کو پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیا پھر ریس کورس کے دروازے سے تھوڑے فاصلے پر جا کر یوں کھڑا ہوگیا کہ میری قہر آلود نظریں برابر دروازے پر مرکوز تھیں۔ ہر چند کہ اب میں ایک بھکاری تھا' میری گزر اوقات بڑی کسمپرسی کے عالم میں ہو رہی تھی اور اپنا ایک ہاتھ میں حادثات کی نذر کر چکا تھا لیکن اس کے باوجود میرے سینے میں ایک طوفان برپا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ آج میں تربینی کی زندگی کا خاتمہ کر کے ہی دم لوں گا۔ ماضی کی حسین یادیں میرے جذبۂ انتقام کو برابر ہوا دے رہی تھیں اور میں ریس کورس کے دروازے پر نظریں جمائے کھڑا غصے کی حالت میں اپنے نچلے ہونٹ کو چبا رہا تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا' میرا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ میں بہت بے چین تھا۔ ریس کورس کے باہر وکٹوریا اور ٹیکسی والوں کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ لوگ گھوڑوں کے جیتنے اور ہارنے پر قیاس آرائیاں کر رہے تھے۔ ان کے درمیان گرما گرم بحث ہو رہی تھی لیکن میں ان تمام باتوں اور ہنگاموں سے بے نیاز اس وقت کا منتظر تھا جب تربینی میرا دشمن مجھے نظر آتا اور میں اسے قتل کر کے اس کے خون سے اپنے انتقام کی آگ کو سرد کر سکتا۔

ٹھیک پانچ بجے آخری ریس چھوٹی تو ریس کورس کے دروازے کے قریب ٹیکسی والوں اور پرائیویٹ کاروں کا ہجوم لگ گیا۔ دوسرے فقیر جو کچھ دیر پہلے تک بھیک دینے والوں کی شان میں قصیدے پڑھ کر اپنی رقمیں گننے اور گالم گلوچ کرنے میں مصروف تھے' ایک بار پھر مسکین صورتیں بنا کر ریس کورس کے دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ میں نے موقع دیکھ کر ایک وزنی اور تکونا پتھر اٹھا لیا اور سرکتا ہوا دروازے کے قریب آ گیا مجھے قوی امید تھی کہ میں تربینی کو ٹھکانے لگانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر انکا

دوبارہ میرے سر پر آ جائے گی اور جب انکا آ جائے گی تو میں بڑی آسانی سے خود کو قانون کی گرفت سے بچا بھی لوں گا۔

انکا کا تصور میرے ذہن میں ابھرا تو مجھے گزری ہوئی باتیں یاد آ گئیں اور حسین یادوں کے ہجوم سے نرگس کا معصوم چہرہ ابھر کر میرے سامنے آ گیا۔ میرا دل تڑپ اٹھا اور زخم دوبارہ ہرے ہو گئے۔ میری انکا مجھ سے بچھڑ گئی تھی۔ میری نرگس نے مجھ سے منہ موڑ لیا تھا۔ سب لوگوں کی نظریں پھر گئی تھیں۔ انکا کیا گئی۔ سب کچھ چلا گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کچھ نہیں تھا۔ میں جو کچھ تھا انکا کے سبب تھا۔ انکا میری عادت بن گئی تھی۔ مجھے انکا بہت شدت سے یاد آئی۔ وہ مجھ سے بہت قریب تھی مگر کتنی دور۔ میں نے ماضی کی ان تڑپا دینے والی یادوں کو ذہن سے جھٹکنا چاہا اور دروازے پر نظریں جما دیں جہاں سے اب لوگوں کا ریلا آنا شروع ہو گیا تھا۔ ہنستے مسکراتے اور روتے بسورتے چہرے یکے بعد دیگرے میرے سامنے سے گزر رہے تھے۔ میرے ساتھی فقیروں نے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے شروع کر دیے تھے لیکن مجھے بھیک سے زیادہ اس وقت تربینی کی تلاش تھی۔ چنانچہ میں بڑی توجہ سے باہر آنے والے ایک ایک فرد کو دیکھتا رہا۔ تکونے وزنی پتھر پر میری گرفت مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی تھی۔ میں بڑی بے چینی کے ساتھ تربینی کی واپسی کا منتظر تھا اور پھر اچانک میری نگاہیں چمک اٹھیں۔ تربینی مجھے ہجوم میں نظر آ گیا۔ وہ اپنی ساتھی خوبصورت عورت کا ہاتھ تھامے مسکراتا ہوا دروازے کے قریب آ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی بشاشت دیکھ کر میرا خون کھولنے لگا۔ میں محتاط انداز میں کھسکتا کھسکتا دروازے کے کچھ اور قریب ہو گیا۔ میرے اور دروازے کے درمیان اب بمشکل آٹھ نو گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ میری نظریں برابر تربینی کے چہرے پر مرکوز تھیں پھر وہ جیسے ہی گیٹ سے باہر نکلا' میں نے اپنا پتھر والا ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے نکیلے پتھر کو تربینی کے سر کا نشانہ لے کر کھینچ مارا۔ فاصلہ اس قدر مختصر تھا کہ میرا نشانہ خطا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن میرا نشانہ حیرت انگیز طور پر خطا ہو گیا۔ پتھر تربینی کے بجائے اس کی پشت پر آنے والے ایک پارسی کے سر سے ٹکرا گیا اور خون کا فوارہ ابلنے لگا۔ وہ غریب کراہ کے زمین پر گرا تو میں جان بچانے کی خاطر بھاگنے کے ارادے سے پلٹا مگر دو چار آدمیوں نے جنہوں نے مجھے پتھر مارتے ہوئے دیکھ لیا تھا' مجھے لپک کر تھام لیا۔

"یہی ہے سالا لنگڑا۔ مارو سالے کو۔" ایک شخص نے حقارت سے کہا۔

"سالا صورت سے ہی حرامی دکھائی پڑتا ہے۔" دوسرے نے ہانک لگائی۔

"کلجگ ہے کلجگ۔" ایک ہندو نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ "اگر بھکشا نہ دو تو یہ بھکاری مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں۔"

غرضیکہ جتنی زبانیں میرے خلاف زہر اگل سکتی تھیں' اگلتی رہیں۔ کچھ لوگوں نے مجھ پر لاتوں اور

گھونسوں کی بارش شروع کردی۔ میں اپنے بچاؤ کی خاطر زمین پر پڑا ادھر اُدھر قلابازیاں کھاتا رہا اور میرے اوپر ٹھوکروں کی یلغار ہوتی رہی پھر پولیس مجمع ہٹا کر میرے قریب آگئی۔ میں ایک بار پھر پولیس کے چنگل میں پھنس گیا۔ لوگوں نے مجھے اس قدر بے دردی اور بے رحمی سے مارا تھا کہ میرا جوڑ جوڑ پھوڑے کی مانند دکھنے لگا۔ مجھے پوری طرح سانس لینا بھی دشوار محسوس ہو رہا تھا لیکن جب ایک پولیس والے نے مجھے گندی سی گالی دے کر اٹھنے کا حکم دیا تو میں مجبوراً کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

پولیس والوں نے دھکے مار کر رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اس کے بعد مجھے پولیس کی لاری میں ٹھونس دیا گیا۔ لاری روانہ ہوئی تو میں نے مجمع پر نظر ڈالی لیکن تربینی یا اس کی ساتھی عورت مجھے کہیں نظر نہ آئی۔ میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس کے سوا اس وقت اور میں کر بھی کیا سکتا تھا۔

پولیس چوکی پر جا کر جو میری درگت بنائی گئی' وہ کچھ میرا دل ہی جانتا ہے۔ پولیس والے جب کوٹ پیٹ کر تھک گئے تو مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ میں تن بہ تقدیر ٹھنڈے فرش پر کراہتا رہا اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتا رہا۔ رات کو مجھے روکھی سوکھی کھانے کو ملی تو میں نے بمشکل ایک دو نوالے زہر مار کیے اور ایک گھونٹ پانی پی کر لیٹ رہا۔ رات مجھے کب نیند آئی' مجھے کچھ یاد نہیں لیکن صبح جب اٹھا تو میرے بدن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ مجھے ہلکا ہلکا بخار بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن کوئی میرا پُرسان حال نہ تھا۔ میں آنکھیں بند کئے لیٹا کراہتا رہا کہ دیکھیں اب قسمت کیا گل کھلاتی ہیں۔

کچھ دیر بعد آہنی پھاٹک کا قفل کھلنے کی آواز سنائی دی تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک سنگین بردار سپاہی نے اندر داخل ہو کر مجھے نفرت بھری نظروں سے دیکھا پھر ایک بھرپور ٹھوکر میری کمر پر رسید کر کے بولا۔

''چل اٹھ۔ تھانے دار صاحب تجھے بلا رہے ہیں۔''

میں ہمت کر کے اٹھا اور سپاہی کے ساتھ تھانے دار کے کمرے میں آ گیا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہی میرے قدم اچانک رک گئے تھانے دار کے ساتھ تربینی داس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے تربینی کو دیکھا تو میرا خون پھر جوش مارنے لگا لیکن مصلحت کی بنا پر میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور تربینی سے نظریں ہٹا کر تھانے دار کو دیکھنے لگا۔

''تمہارا نام جمیل احمد خان ہے۔ کیوں؟'' تھانے دار نے مجھے گھور کر پوچھا تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پہلے کیا کام کرتے تھے؟'' تھانے دار نے دوسرا سوال کیا۔

''پہلے......'' میں صرف اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ تربینی درمیان میں بول پڑا۔

''میں اسے بہت عرصے سے جانتا ہوں۔'' تربینی نے تھانے دار کو مخاطب کر کے کہا۔ ''مجھے وشواش

ہے اس بار رہائی مل جانے کے بعد یہ ابھاگی پھر کوئی حماقت نہیں کرے گا۔''

''کیا آپ اس کی ضمانت لینے کو تیار ہیں؟''

''جی ہاں۔'' تربینی مجھے نفرت انگیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔ ''اگر میں نے اس کی مدد نہیں کی تو یہ بے چارہ تمام جیون جیل میں ایڑیاں رگڑتا رہے گا۔''

''اگر آپ ضمانت لے رہے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' تھانے دار نے سنجیدگی سے کہا پھر وہ رجسٹر کھولنے لگا تو تربینی نے اسے تیزی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا کیس عدالت تک جانے کے بجائے یہیں ختم ہو جائے۔''

''یہ ذرا مشکل ہے تربینی جی۔ اگر بیرام جی نے اوپر شکایت کر دی تو مجھے ملازمت بچانی بھی مشکل ہو جائے گی۔'' تھانے دار نے جواب دیا۔ ''اس غریب کے سر پر خاصا گہرا زخم آیا ہے۔''

''آپ بیرام جی کی فکر نہ کریں۔ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کرے گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے تربینی جی لیکن......''

تھانے دار اس سے آگے کچھ نہ بول سکا اور بولتا بھی کیسے جب کہ تربینی نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر خاموشی سے اس کی گود میں ڈال دی تھی۔ تھانے دار نے ایک نظر تربینی پر ڈالی پھر ان نوٹوں کو سنبھال کر میز کی دراز میں ڈال کر نرم ہو کر بولا۔

''آپ اسے ساتھ لے جا سکتے ہیں تربینی جی' لیکن بیرام جی کو سنبھالنا بھی آپ کا کام ہے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں شریمان جی۔''

میں اپنی جگہ خاموش کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ تربینی میری ضمانت لے گا' یہ کبھی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اس میں بھی ضرور اس کی چال رہی ہو گی۔ میں نے ایک لمحے سوچا کہ تربینی کے قریب رہ کر میں اسے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ چنانچہ جب تربینی نے مجھے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تو میں کسی زر خرید غلام کی طرح خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔ باہر اس کی جھلملاتی ہوئی گاڑی موجود تھی۔ ڈرائیور نے تربینی کو دیکھتے ہی جلدی سے سلام کیا پھر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ تربینی نے زہر خند سے مجھے دیکھا پھر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ میں گاڑی کے قریب کھڑا رہا تو تربینی نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''تم آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔''

اب میں' میں نے ایک نظر تربینی پر ڈالی پھر کچھ سوچ کر خاموشی سے دروازہ کھول کر ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آ گئی۔ میں چپ چاپ بیٹھا تربینی کو ختم کرنے کے منصوبے بناتا رہا۔ کچھ دیر بعد گاڑی ایک عالی شان کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو کر پورٹیکو میں رکی تو ڈرائیور نے جلدی سے نیچے اتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ تربینی بڑے پُر وقار انداز میں

نیچے اترا پھر ایک نفرت بھری نظر مجھ پر ڈال کر ڈرائیور سے بولا۔

"شیام لال سے کہو کہ اسے ملازموں والے کوارٹر کا ایک کمرا دے دے۔"

"بہتر ہے صاحب۔" ڈرائیور نے دست بستہ کہا۔

"منشی سے کہہ کر اس کے لیے نئے کپڑوں کا بندوبست بھی کرادو۔"

"جی حضور۔" ڈرائیور نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ایک بات کا خاص خیال رہے۔" اس بار تربینی نے بڑے خشک لہجے میں ہدایت دی۔ "میری مرضی کے بغیر اسے کوٹھی سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو میں تم سب کو نرک میں جھونک دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"سمجھ گیا سرکار۔" ڈرائیور نے خوف زدہ آواز میں جواب دیا۔

تربینی کی ہدایت کے مطابق مجھے کوٹھی کے مشرقی حصے میں بنے ہوئے ملازموں کے کوارٹر کا ایک کمرا دے دیا گیا۔ میرے لیے نئے کپڑے بھی بازار سے آ گئے۔ مجھے کھانے پینے کی بھی تکلیف نہیں تھی لیکن میں اپنے کمرے سے زیادہ دور نہیں جا سکتا تھا۔ تربینی کا ایک خاص ملازم سندر لال ہر وقت میری چوکی داری پر تعینات رہتا۔ مجھے حیرت تھی کہ تربینی نے مجھے ضمانت پر کیوں رہا کرادیا اور اب وہ مجھے ہر طرح کا آرام دینے کے باوجود مجھ پر اس قدر سخت پہرا کیوں بٹھائے ہوئے ہے؟ اگر وہ میری طرف سے کوئی خطرہ محسوس کر رہا تھا تو بڑی آسانی سے چند روپوں کے عوض اپنے کسی آدمی سے مجھے ٹھکانے بھی لگوا سکتا تھا۔ ایک ننھے فقیر کی موت یوں بھی پولیس والوں کے لیے کسی خاص توجہ کا سبب نہیں بن سکتی تھی۔

ایک ہفتے تک میں اس گتھی کو سلجھانے کی کوششوں میں مصروف رہا پھر تھک ہار کر میں نے اس مسئلے پر غور کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ جب بھی مجھے موقع ملا، میں تربینی سے اپنا انتقام ضرور لوں گا۔ آٹھویں روز مجھے ایک خوب صورت موقع مل گیا۔

اس رات میں اپنے کمرے میں محو خواب تھا کہ سندر لال نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں بوکھلا کر اٹھا سندر لال بولا۔

"اٹھو اٹھ صاحب کی اولاد۔ بڑے سرکار تمہیں بلا رہے ہیں۔"

اس وقت رات کا کوئی ایک دو کا عمل رہا ہوگا۔ میں نے اٹھ کر بالٹی کے پانی سے منہ پر ایک چھپاکا مارا پھر تولیے سے منہ خشک کر کے باہر آ گیا۔ سندر لال میرے ساتھ تھا۔ میں کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف جانے لگا تو سندر لال دانت پیس کر بولا۔

"ادھر کہاں جا رہا ہے۔ بے باہر چل، بڑے سرکار گاڑی میں بیٹھے ہیں۔"

میں خاموشی سے صدر پھاٹک کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ باہر تربینی کی لمبی کار موجود تھی۔ تربینی،

لڑکی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ سندر لال نے قریب جا کر تربینی سے کچھ بات کی پھر مجھے اگلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ گاڑی میرے بیٹھتے ہی حرکت میں آ گئی۔ کچھ دیر تک پچھلی نشست پر خاموشی طاری رہی پھر ایک نسوانی آواز ابھری۔

"ڈارلنگ تم واقعی گریٹ ہو۔ ویری گریٹ۔"

"میری سندر مورتی۔ تم مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔" تربینی کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔ "میں تمہارا ایک معمولی سیوک ہوں۔"

"مجھے اُلو بنا رہے ہو۔ کیوں؟" لڑکی نے بناوٹی غصے کا اظہار کیا پھر وہ دونوں قہقہے لگانے لگے۔ کچھ دیر بعد لڑکی نے پوچھا۔

"یہ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو ڈارلنگ؟"

"کیوں؟ کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔"

لڑکی بولی۔ "رات زیادہ ہو گئی ہے۔ اگر ڈیڈی کو شبہ ہو گیا تو وہ مجھے گولی مار دیں گے۔"

"گھبراؤ نہیں میری جان۔ صرف آدھا گھنٹہ اور...... اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"ایز یو وش ڈارلنگ۔"

اتنا تو میں بخوبی سمجھ گیا تھا کہ اس لڑکی کا تربینی سے کیا تعلق ہوگا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آ سکی کہ اتنی رات گئے تربینی نے مجھے کس مقصد سے اپنے ساتھ لیا ہے۔ میں اسی الجھن میں گرفتار تھا کہ گاڑی ایک ویران اور سنسان سڑک پر پہنچ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں لیکن گاڑی کا انجن بدستور چل رہا تھا۔ قبل اس کے کہ میں گاڑی رکنے کی وجہ جان سکتا، تربینی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ پھر اس نے مجھے بھی نیچے اترنے کا حکم دیا اور خود گاڑی سے دس پندرہ قدم دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں خیالوں میں مستغرق قدم اٹھاتا تربینی کے قریب پہنچا تو یکلخت میری نظروں کے سامنے اندھیرا اچھل گیا۔ میرا دل موت کے تصور سے لرز اٹھا۔ تربینی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی ایک خیال ابھرا کہ تربینی مجھے اس ویرانے میں موت کے گھاٹ اتارنے کی غرض سے لایا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ میری اکڑی ہوئی لاش کو سڑک کے کنارے پھینک کر لوٹ جائے گا۔ میرا دل خوف کے احساس سے دھڑک رہا تھا کہ تربینی کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکارا۔

"جمیل خان۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں اس وقت یہاں تمہیں کس مقصد سے لایا ہوں۔"

"ہاں۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا پھر اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بولا "میں تمہارا مقصد بھانپ چکا ہوں لیکن کیا تم ریوالور کو درمیان سے ہٹا کر کوئی آخری فیصلہ کرنے کی ہمت کر سکتے ہو۔"

"بکواس بند کرو۔" تربینی کرخت آواز میں بولا۔ "اگر تجھے مارنا ہوتا تو میں اس مقصد کے لیے اپنے

کسی ملازم کو بھی اشارہ کر سکتا تھا۔"

"پھر اس وقت مجھے یہاں لانے سے تمہارا کیا مقصد حل ہو سکتا ہے۔؟"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔" تربینی سرد لہجے میں بولا۔ "گاڑی میں جو لڑکی بیٹھی ہے میں اسے آواز دے کر یہاں بلاتا ہوں۔ تمہیں اسے گولی مارنی ہوگی۔ یہ میرا حکم ہے سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "گویا تم انکا کے وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر اس لڑکی کا خون فراہم کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں...... اور اس خدمت کے لیے میں نے تمہیں اپنی کوٹھی میں پناہ دی ہے۔ اب بات تمہاری سمجھ میں آئی خان صاحب۔"

تربینی کے لہجے میں چھپے طنز کو محسوس کر کے میرا خون کھول اٹھا مگر معاً ایک نئے خیال نے میرے ذہن میں جنم لیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے تربینی کو مخاطب کر کے بڑی ملائمت سے کہا۔

"تربینی داس۔ اگر تم نے انکا کی خاطر مجھے پناہ دی ہے تو میں اس کی خدمت ضرور کروں گا۔"

جواب میں تربینی نے مجھے ایسی معنی خیز نظروں سے گھورا کہ میں گھبرا گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ میرا ارادہ بھانپ نہ لے۔ ایسی صورت میں میرا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا۔ میں ابھی اسی تذبذب کی کیفیت سے دوچار تھا کہ تربینی کی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور تربینی کی محبوبہ نیچے اتر کر ہمارے قریب آ گئی۔ میں نے پہلی ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ وہ اس وقت شراب کے نشے میں ہے۔ اس کی چال میں معمولی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ۔ تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟"

"ایک بہت ضروری کام انجام دینا ہے۔" تربینی کا لہجہ معنی خیز تھا۔ لڑکی کے قریب آتے ہی اس نے بڑی خوب صورتی سے اپنا ریوالور والا ہاتھ اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں اپنے تیز تنفس پر بڑی مشکل سے قابو پا رہا تھا کہ تربینی نے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریوالور قریب آ کر میرے حوالے کر دیا اور بڑے سرد لہجے میں دبی زبان سے بولا۔

"جمیل احمد خان۔ اگر تم نے کسی حماقت کا ثبوت دیا تو ممکن ہے اس لڑکی کے بجائے مجھے انکا کے لیے تمہارا خون فراہم کرنا پڑے۔"

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی تربینی۔ میں خوب جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" میں نے ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت جمائی۔

ریوالور ہاتھ میں آتے ہی میری رگوں میں خون کی بجائے بجلی دوڑنے لگی تھی۔ چنانچہ اپنا جملہ مکمل

کر کے میں تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر اپنے منصوبے پر عمل کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے چار فائر تربینی پر جھونک مارے ریوالور کی نال سے تربینی کے کشادہ سینے کا فاصلہ بمشکل تین گز ہوگا۔ ریوالور کا استعمال بھی میں بار بار کر چکا تھا لیکن میرا ہر وار خالی گیا۔ میں نے تربینی کو اس جگہ پر اطمینان سے کھڑا پایا۔ لڑکی البتہ فائرنگ کی آواز سن کر سٹپٹا گئی۔ کیا ہوا؟...... میں سوچنے لگا۔ یقیناً تربینی نے مجھے آزمانے کی خاطر نقلی گولیاں رکھیں اگر اس نے واقعی ایسا کیا ہے تو میں پوری طرح اس کے جال میں پھنس گیا ہوں۔ میں نے بہت برا کیا۔ اس قدر عجلت ٹھیک نہیں تھی۔

میں نے ایک لمحے میں یہ باتیں سوچیں پھر میری نظر لڑکی پر پڑی جو پلٹ کر گاڑی کی سمت بھاگنا چاہتی تھی۔ میں نے فوری طور پر ریوالور کا رخ اس کی جانب کر کے لبلبی دبا دی۔ میں اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ تربینی نے مجھے پھانسنے کے لیے کیا جال بچھایا ہے لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ میں نے بھاگتی ہوئی لڑکی کو کربناک چیخ مار کر سڑک پر گرتے دیکھا۔

انکا...... یقیناً انکا...... یقیناً انکا کی پُراسرار قوت ہی کا کرشمہ تھا کہ تربینی میرے ہاتھ سے بچ گیا۔ انکا کی حیرت انگیز قوتوں کا تماشہ میں دیکھ چکا تھا۔ وہ ریوالور کی گولیوں کے علاوہ توپ کے گولوں کا رخ بھی بدل دینے کی طاقت رکھتی تھی۔

میں گنگ سا کھڑا حالات کی نزاکت پر غور کر رہا تھا۔ میرا ذہن چکرانے لگا۔ میری نظریں اس لڑکی پر جم کر رہ گئی تھیں جو سڑک پر پڑی موت اور زندگی کا فاصلہ طے کرنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ پھر میں اس وقت چونکا جب تربینی نے ریوالور میرے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور بڑی خونخوار آواز میں بولا۔

"میں تمہیں خارش زدہ کتوں سے بدتر حالات سے دوچار کر دوں گا۔ جمیل احمد خان۔"

مجھے معلوم تھا کہ تربینی جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کر گزرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر ڈالا کہ جب مرنا ہی ہے تو کیوں نہ آخری وقت میں تربینی سے دو دو ہاتھ کر لوں اور دل کی حسرت نکال لوں۔ اس خیال کے تحت میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر تربینی پر چھلانگ لگا دی لیکن تربینی پھرتی سے ایک سمت ہو گیا پھر اس نے پشت سے میرے سر پر ریوالور کے دستے کی اتنی کاری ضرب لگائی کہ میری آنکھوں کے سامنے سینکڑوں سورج طلوع ہو کر غروب ہوتے چلے گئے۔ میں نے اپنے ڈوبتے ہوئے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن مایوسی میرا مقدر بن چکی تھی۔ میں لڑکھڑایا اور پھر شاید بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

☆===========☆===========☆

صبح ہوئی تو میں نے خود کو سرونٹ کوارٹر میں اپنے کمرے میں پایا۔ سورج کی روشنی نے میرے کمرے کو روشن کر رکھا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی میں نے سب سے پہلے جس شخص کو دیکھا وہ سندر لال تھا جسے تربینی نے

میری چوکیداری پر تعینات کر رکھا تھا۔ میرے سامنے سینہ تانے کھڑا وہ مجھے بڑی خطرناک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے تیور بے حد خطرناک تھے۔

”پانی......“ میں نے سندر لال کے خطرناک تیور کو نظر انداز کر کے پانی کی درخواست کی تو وہ دانت پیس کر بولا۔

”تو نے مالک کے ساتھ غداری کی تھی۔ کیا یہ سچ ہے؟“

”میرا حلق خشک ہو رہا ہے سندر لال۔ مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“ میں نے نقاہت سے کہا۔

”پانی کے بچے۔ میں تیرے حلق میں پیشاب کا قطرہ بھی نہیں ٹپکاؤں گا۔“ سندر لال گرج کر بولا پھر اس نے کمر سے بندھی ہوئی پٹی سے اپنا خنجر نکالا اور اپنی آنکھوں میں خونخواریاں لیے میرے سامنے آ گیا۔

”نہیں۔ نہیں۔“ میں آنے والے لمحات کے تصور سے خوف زدہ ہو کر چلایا۔ ”مجھے مت مارو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی تربینی کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔“

سندر لال میری بات کا جواب دینے کے بجائے مجھے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنا خنجر والا ہاتھ یوں لہراتا جاتا تھا جیسے وہ مجھے ایک ہی وار میں ختم کر دینا چاہتا ہو۔ اس کی آنکھوں کی سرخی ہر لمحے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی موت کو اپنے اوپر منڈلاتا دیکھ رہا تھا کہ اچانک سندر لال نے پینترا بدلا اور مجھ پر خنجر کا بھرپور وار کیا۔ مجھے صرف اس قدر یاد ہے کہ مجھے اپنی داہنی ران میں شدید جلن کا احساس ہوا تھا پھر میری چیخ کی آواز میرے حلق کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی تھی۔

پندرہ بیس روز تک میں جن اذیت ناک حالات سے دوچار رہا اس کا ذکر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کچھ ایسی اذیتیں تھیں جنہیں لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سندر لال کسی اندھے بہرے جلاد کی طرح مجھے ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ میں نے بار بار سچے دل سے اپنی موت کی دعائیں مانگیں لیکن قدرت نے بھی جیسے میری طرف سے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

بیس روز بعد ایک دن میں موت اور زیست کی کشمکش سے...... دوچار پڑا اپنے کمرے میں کراہ رہا تھا کہ تربینی وہاں آیا۔ مجھے شدت تکلیف میں مبتلا دیکھ کر اس کے گندے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی۔ چند ثانئے تک وہ خاموش کھڑا میری حالت سے محظوظ ہوتا رہا پھر زہرخند سے بولا۔

”اب تمہارا کیا حال ہے جمیل احمد خان۔ مزاج درست ہو گئے۔“

”تربینی۔“ میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تم مجھ پر اتنی دیا (رحم) نہیں کر سکتے کہ مجھے ایک

ہی بار جان سے مار ڈالو۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو۔ تم ..... جو کسی زمانے میں زمین پر پاؤں رکھنا بھی بے عزتی سمجھتے تھے۔“ تربینی نے سرد لہجے میں جواب دیا پھر بولا۔ ”سنو جمیل احمد خان۔ میں تم کو ایک موقع اور دیتا ہوں۔ اگر تم پالتو کتوں کی طرح میرے اشارے پر چلتے رہے تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارا جو انجام ہوگا تم اسے سوچ بھی نہیں سکتے۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کہو گے وہی کروں گا۔“

”مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔“ تربینی کی آنکھوں میں شیطانی چمک ابھر آئی۔ ”میں سندر لال سے کہے دیتا ہوں کہ وہ اب تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔“

تربینی کی ہدایت پر سندر لال نے مجھ پر سختیاں بند کر دیں۔ میرے زخم مندمل ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا پھر رفتہ رفتہ میری حالت معمول پر آ گئی۔ اب میں آزادی کے ساتھ کوٹھی میں گھوم پھر سکتا تھا لیکن کوٹھی کے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سندر لال نے اب میری چوکی داری میں بھی کچھ نرمی برتنی شروع کر دی تھی۔

میرے لیے اب سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ ہر قدم دیکھ بھال کر اٹھاؤں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ تربینی نے جو رعایت میرے ساتھ کی ہے اس کی پشت پر یقیناً کوئی خطرناک اسکیم ہوگی۔ بظاہر میں نے خود کو حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تھا لیکن میرے سینے میں تربینی کے خلاف نفرت اور انتقام کی چنگاریاں بدستور سلگ رہی تھیں۔ میں ہمہ وقت اسی فکر میں ڈوبا رہتا کہ کسی طرح تربینی کو ختم کر کے انکا کو دوبارہ حاصل کر لوں۔ انکا جس کے چلے جانے کے بعد میرا سب کچھ برباد ہو گیا۔ میں تو لٹ ہی گیا تھا۔

بہت دنوں تک میں مختلف منصوبے بناتا اور رد کرتا رہا۔ اپنی جگہ میں اب بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا لیکن ایک دن پھر میرے سینے میں کھولن ہونے لگی۔ اس روز صبح سے میں نے سندر لال کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک دوسرے ملازم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تربینی نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے ملازمت سے برطرف کر دیا ہے۔ سندر لال کی برطرفی کے معانی میں نے یہی لیے کہ اب تربینی کو مجھ پر یا تو اعتماد ہو گیا ہے یا پھر وہ میری چوکی داری کرانے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا چنانچہ میں نے ایک بار پھر تربینی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے۔

ایک رات میں اپنے کمرے میں لیٹا ان ہی خیالات میں مستغرق تھا کہ ایک ملازم نے آ کر مجھے بتایا کہ تربینی مجھے کوٹھی میں بلا رہا ہے۔ میں مضطرب قدموں سے اٹھا اور ملازم کے ساتھ ہو لیا۔ کوٹھی میں میرے داخلے کا وہ پہلا دن تھا اس لیے میں ملازم کی رہبری میں آگے بڑھتا رہا۔ کچھ دیر بعد ملازم مجھے ایک کمرے کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں آواز دے کر اندر چلا

جاؤں۔ ملازم کے جانے کے بعد میں چند ثانیوں تک دروازے کے ساتھ کھڑا اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتا رہا پھر میں نے ہمت کر کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

"کون؟" اندر سے تربینی کی ٹھوس آواز ابھری۔

"میں جمیل احمد خان ہوں۔" میں نے اونچی آواز میں جواب دیا۔

"اندر آ جاؤ۔"

میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ تربینی شب خوابی کے قیمتی لباس میں ملبوس بیٹھا شراب پینے میں مصروف ہے۔ میں نے اس کے کمرے پر سرسری نظر ڈالی جو قیمتی فرنیچر اور اعلیٰ ساز و سامان سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے اپنا ماضی یاد آ گیا۔ میرے دل کو شدید دھچکا لگا لیکن ابھی میں اس دھچکے کو برداشت بھی نہ کر پایا تھا کہ تربینی کی آواز سن کر چونک اٹھا۔

"اپنے ماضی کو اب بھول ہی جاؤ جمیل احمد خان ...... یہ سمجھو کہ وہ سب ایک خواب تھا۔"

تربینی کا طنز میرے دل و دماغ میں تیر نشتر بن کر چبھ رہا تھا لیکن میں خون کا گھونٹ پی کر چپ ہو گیا۔ کسی جلد بازی کا مظاہرہ کر کے میں خود کو پھر کسی اذیت سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب تربینی پر جو وار بھی کروں گا وہ بھرپور اور آخری وار ہو گا۔

"آپ نے مجھے یاد کیا تھا۔" میں نے دل پہ جبر کر کے ایک زر خرید غلام کے لہجے میں کہا۔

"خوب۔ اب تم اپنی اوقات سمجھتے جا رہے ہو۔"

میں جواب دینے کے بجائے خاموش رہا تو تربینی نے سنجیدگی اختیار کر کے کہا۔

"شکنتلا یاد ہے تمہیں ...... وہی بمبئی والی۔ جو تمہارے ساتھ پونا سے آئی تھی۔ ان دنوں وہ پھر پونا میں ہے۔"

"اچھا۔ اسی مکار عورت کی وجہ سے مجھے اس مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا ہے۔" میں جذباتی بن گیا۔

"مگر آپ کو میرے اس کے تعلقات کا کیسے علم ہے۔"

"مجھے سب معلوم رہتا ہے اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ شکنتلا سے تمہارا انتقام لوں۔" تربینی نے گلاس میں بچی ہوئی شراب کو ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات میں اسی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ تم اسے میرے پاس لاؤ گے۔"

"میں ......؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں نے شکنتلا کو اپنے آدمیوں کے ذریعے اٹھوا کر ایک اور جگہ پہنچا دیا ہے۔ وہاں سے تم اسے لے کر آؤ گے۔" تربینی نے کہا پھر حقارت سے بولا۔ "دلالوں کے مقابلے میں تم زیادہ مناسب رہو گے۔"

کاش میرے دونوں ہاتھ سلامت ہوتے اور مجھے انکا کی پُراسرار اور بے پناہ شیطانی قوتوں کا خطرہ نہ ہوتا تو شاید میں اسی وقت تربینی کا سانس بند کر دیتا۔ اپنی یا اس کی جان ایک کر دیتا لیکن میں اپنے حالات کا غلام تھا۔ اگر تربینی اس سے بھی زیادہ گھٹیا کام میرے سپرد کرتا تو میں اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں تربینی کے حکم پر ڈرائیور کے ساتھ گیا اور اس جگہ سے جہاں تربینی کے ...... زر خرید غنڈوں نے شکنتلا کو قید کر رکھا تھا گاڑی میں بٹھا کر تربینی کی خواب گاہ میں لے آیا۔ راستے میں شکنتلا نے میری بہتیری منت سماجت کی اور ہاتھ پاؤں جوڑے لیکن میں نے اس کی آہ و زاری کی طرف سے اپنے کان بند کر رکھے تھے۔ شاید اس لیے کہ ایک بار اس نے مجھے میری ہمدردی کے باوجود پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔

تربینی نے شکنتلا کو دیکھا تو مسکرا دیا۔ کچھ دیر تک وہ شکنتلا کے جسمانی نشیب و فراز کو کسی ماہر شکاری کی طرح دیکھتا رہا پھر مجھے مخاطب کر کے بولا۔

"جمیل احمد خان! مجھے خوشی ہے کہ اب تم راہِ راست پر آتے جا رہے ہو۔"

میں چپ رہا تو تربینی نے کہا۔

"اب اس چھوکری کو شراب بھی تم پلاؤ گے اور باہر دروازے پر کھڑے ہو کر چوکی داری کرو گے۔ کیا سمجھے؟"

جو احکام مجھے دیے گئے تھے انہیں پورا کرنا میرے لیے مشکل تھا مگر حالات نے مجھے اس گھناؤنے فرض کو سرانجام دینے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ جس طرح سندر لال میرے لیے جلاد ثابت ہوا تھا اسی طرح میں شکنتلا کے لیے جلاد بن گیا۔ پہلے اس نے ہاتھ پاؤں مارے اور چیخنے چلانے کی کوشش کی لیکن جب میں نے اسے بے رحمی سے مارا اور اپنے ایک ہاتھ کا پھندا بنا کر اس کے گلے کو گھونٹنا چاہا تو وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ موت کے خوفناک چنگل سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے ہاتھ جوڑ کر تربینی کے سامنے جھکنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہا۔ میرے سینے میں انتقام کا جذبہ مچلتا رہا لیکن میں خود کو قابو میں کیے رہا۔ جتنی دیر تک شکنتلا نشے میں بدمست نہ ہو گئی میں وہاں موجود رہا پھر جب میں نے دیکھا کہ وہ نشے کی حالت میں اپنی اصلیت کو اجاگر کیے تربینی کے ساتھ ہم آغوش ہو رہی ہے تو میں جانے کے لیے پلٹا۔

"جمیل۔ تم باہر ہی موجود رہو گے۔ مجھے کچھ دیر بعد تمہاری ضرورت پیش آئے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مختصراً کہا پھر دوبارہ قدم بڑھائے تو شکنتلا کی آواز میرے کانوں میں کھولتے ہوئے سیسے کی طرح اترتی چلی گئی۔ اس نے تربینی کی گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈارلنگ۔ یہ غنڈا ایک نمبر کا حرامی ہے۔ ایک بار اس ...... کے خصم نے میری عزت پر ڈاکا ڈالنا چاہا تھا مگر بھگوان کی کرپا نے مجھے بچا لیا۔"

جواب میں تربینی نے کیا کہا' میں ٹھیک طور پر سن نہ سکا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ رہی تھی۔ جس شکنتلا کی خاطر میں نے جیل کی سختیاں برداشت کی تھیں وہ مجھے آج گالیاں دے رہی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر آیا اور دروازہ بند کر کے باہر راہداری میں ٹہلنے لگا۔ مجھے اپنے اوپر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ میرے خون کی گردش اور حدت ہر لمحے تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ میں راہداری میں ٹہلتا اور غصے میں اپنے ہونٹ چباتا رہا۔ اندر تربینی شکنتلا کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں مصروف تھا۔

وقت جیسے جیسے گزرتا جاتا تھا' میری کھولن میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ مجھے راہداری میں ٹہلتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹے سے اوپر ہو چکے تھے۔ میں جو فرض انجام دے رہا تھا وہ انتہائی مکروہ اور کراہت آمیز تھا۔ میں سوچتا رہا۔ میرا ذہن چونے کی بھٹی کے مانند پک رہا تھا اور پھر...... پھر میں تیزی سے پلٹ کر تربینی کی خواب گاہ کے قریب آ گیا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میں نے چابی والے سوراخ سے اندر جھانکا۔ اندر وہی شیطانی کھیل جاری تھا جو ایک زمانے میں میرا بھی سب سے دلچسپ مشغلہ رہ چکا تھا۔ شکنتلا اور تربینی دونوں اندھے ہو رہے تھے۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر دروازے کو آہستہ سے اندر کی سمت دھکیلا اور دبے قدموں اندر داخل ہو گیا۔ بائیں جانب دیوار پر تلواروں کا جوڑا لٹکا ہوا تھا جسے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میں نے آہستہ سے ایک تلوار میان سے کھینچ لی اور گھوم کر پنجوں کے بل تربینی کی طرف بڑھنے لگا جو میری طرف پشت کیے کسی بھوکے درندے کے مانند اپنے حسین شکار کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ شکنتلا آنکھیں بند کیے نشے میں ڈوبی اسے داد عیش دے رہی تھی۔

میں ایک ایک قدم پھونک کر اٹھا رہا تھا۔ مبادا کہیں کوئی معمولی سی آہٹ بھی تربینی کو آنے والے خطرے سے آگاہ کر دے۔ میرا اور تربینی کا درمیانی فاصلہ ہر لحہ کم ہوتا جا رہا تھا اور کم...... اور کم اور پھر میں عین تربینی کے اوپر پہنچ کر رک گیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے تلوار والا ہاتھ فضا میں بلند کیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر جلد میں کوئی تیز نشتر چبھو رہا ہے۔ تکلیف اتنی شدید تھی کہ میں تڑپ اٹھا۔ میرا ذہن ماؤف سا ہونے لگا۔ پھر میرے کانوں میں ایک نسوانی آواز ابھری۔

"کمرے سے باہر نکلو۔ نہیں تو میں تمہیں پلک جھپکتے میں ختم کر دوں گی۔"

"انکا۔ میری انکا...... یہ تم ہو۔ کیا واقعی تم ہو؟" میں نے دل میں سوچا اور خوشی سے سرشار تیزی سے باہر آ گیا۔ تلوار اتنی ہی خاموشی سے دوبارہ میان میں رکھ دی جتنی خاموشی سے میں نے اسے باہر نکالا تھا۔ اب مجھے تربینی کی موت یا زندگی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ مجھے میری انکا واپس مل گئی تھی۔ وہ اس وقت میرے سر پر موجود تھی۔ میں اس کے پنجوں کی جانی پہچانی چبھن کو بدستور محسوس کر رہا تھا۔

باہر راہداری میں آ کر میں نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند کیا اور تربینی کی خواب گاہ سے دور نکل آیا۔ پھر میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی تو انکا وہاں موجود تھی۔ وہی انکا جس نے مجھے سارے

جہان کی مسرتوں سے سرفراز کیا تھا اور نرگس جیسے گوہر نایاب کو میری جھولی میں لا ڈالا تھا۔ وہی میری انکا میرے سر پر موجود تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ انکا کی حسین آنکھوں میں میرے لیے پیار اور ہمدردی کا کوئی جذبہ نہ تھا بلکہ وہ انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں کھڑی مجھے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس کے پنجے ابھی تک میری جلد میں پیوست تھے۔ میں ششدر سا رہ گیا۔ پھر قبل اس کے کہ میں اسے مخاطب کرتا' انکا نے بھری ہوئی آواز اور اجنبی لہجے میں کہا۔

"جمیل احمد خان۔ تم نے میرے آقا پر حملہ کرنے کی جرأت کیسے کی؟"

"انکا۔" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "تمہیں حاصل کرنے کے لیے...... انکا یہ میں ہوں جمیل۔ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"بکواس مت کرو۔" انکا نے چمک کر کہا۔ "میں اپنے آقا کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔"

"تو کیا اب تمہیں مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں رہی۔ وہ سب فریب تھا؟ انکا میری جان، ایسے اجنبی لہجے میں بات نہ کرو۔ میری حالت دیکھو۔ دیکھو میں کیا سے کیا ہو گیا۔ دیکھو زمانے نے مجھ پر کیسے ستم توڑے ہیں۔ اب تو میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اتنے دنوں کی جستجو کے بعد تم آئی ہو تو ایسی باتیں کر رہی ہو جیسے ہماری کبھی کوئی شناسائی نہ ہو۔" میں نے روتے ہوئے اس سے کہا۔

"حماقت کی باتیں مت کرنا جمیل احمد خان۔" انکا نے تیکھے لہجے میں جواب دیا۔ "تم جو کچھ تھے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تمہارا ماضی فریب تھا یا حقیقت، میرے آقا نے مجھے حاصل کیا ہے اور میں اسی کی داسی ہوں۔ جو بیت گیا اسے بھول جاؤ اور نہیں بھولتے تو مت بھولو۔"

انکا کی اس بے رخی سے میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ میرا شیشۂ دل چور چور ہو گیا۔ میں نے انکا کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "کیا واقعی تمہیں کچھ یاد نہیں آتا۔ تم جو میرے لیے روتی تھیں' کیا تم میری بربادی پر خوش ہو۔"

"سنو جمیل احمد خان۔ اب اس بات کو خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ میرے آقا نے بھی تمہیں یہی ہدایت کی تھی۔" انکا انتہائی خشک آواز میں بولی۔ "عورتوں کی طرح رونا دھونا چھوڑ دو اور مرد بن کر حالات کا مقابلہ کرو۔ اتنا ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر تم نے میرے آقا کی طرف غلط نظروں سے دیکھا تو میں تمہیں عبرت ناک حالات سے دوچار کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔ میری طرف سے کبھی ہمدردی کی توقع مت کرنا۔"

میرا جی چاہا کہ انکا کے پُراسرار وجود کو اپنے پیروں تلے کچل کر سرمہ بنا دوں۔ کل تک میں اسی انکا کے پُراسرار وجود کو برقرار رکھنے کی خاطر بے گناہ مردوعورتوں کا خون بہاتا رہا تھا لیکن آج وہی انکا مجھ سے یوں اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہی تھی جیسے ہمارے درمیان کبھی شناسائی ہی نہ رہی ہو۔ میں دل ہی دل میں

پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ انکا بولی۔

"ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو...... جو آقا کا حکم ہو اس پر کسی جھجک کے بغیر عمل کرتے رہو۔ انکار کی کوشش کی تو موت بھی تم سے روٹھ جائے گی۔"

"انکا" میں نے بسورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم واقعی پُراسرار قوتوں کی مالک ہو اور موت اور زندگی تمہارے اختیار میں ہے تو مجھ پر ایک احسان اور کردو۔ مجھے موت سے ہمکنار کردو۔"

"یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے میرے آقا کا اشارہ ضروری ہے۔" انکا نے حقارت سے جواب دیا پھر پھدک کر میرے سر سے ایک ہی جست میں اتر گئی۔

میرا دماغ بوجھل بوجھل سا ہو رہا تھا۔ میری حالت کسی ایسے جواری جیسی ہو رہی تھی جو جیتنے کی تمنا میں اپنی آخری پونجی بھی ہار بیٹھا ہو۔ انکا کے روکھے رویے نے میرے دل پر ایسی چوٹ لگائی تھی کہ میں گنگ سا ہو گیا۔ میرے لیے اب صرف ایک ہی راستہ تھا کہ میں انکا کے وجود کو اور اپنے ماضی کو دیدہ دانستہ ایک سنہری خواب سمجھ کر فراموش کردوں لیکن تربینی! بھلا تربینی کو کیسے بھول سکتا تھا جس نے نہ جانے کون سا جاپ کر کے انکا کے ساتھ ساتھ میرا سب کچھ مجھ سے چھین لیا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ تربینی کی کرخت آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ خوابگاہ کے دروازے پر کھڑا مجھے آواز دے رہا تھا۔ میں کسی غلام کی طرح اس کی آواز سن کر بھاگا۔ قریب پہنچا تو تربینی نے مجھے نفرت اور غصے بھری نظروں سے سرتاپا گھورتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی اوقات بھولتے جا رہے ہو۔"

"میں معافی کا خواستگار ہوں جناب۔" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"میں نے شکنتلا کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اب تمہیں اس کے ناپاک وجود کو خاک میں ملانا ہے۔ باہر میری گاڑی موجود ہے۔ تم شکنتلا کو ڈرائیور کے ساتھ لے جاؤ۔ ڈرائیور جہاں گاڑی روک دے وہی تمہاری امتحان گاہ ہوگی۔ کیا تم سمجھ رہے ہو کہ تمہیں اس کے بعد کیا کرنا ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے مردہ آواز میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے جناب۔" تربینی کوئی جواب دیے بغیر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ شکنتلا کو لیے ہوئے باہر آیا۔ شکنتلا کے قدم اب بھی لڑکھڑا رہے تھے۔

تربینی نے اسے میرے ساتھ جانے کو کہا تو وہ ہچکی لے کر بولی۔

"پلیز ڈارلنگ۔ مجھے کسی اور کے ساتھ بھیج دو۔ میں اس ننھے کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"ارے نہیں پیاری۔" تربینی نے میری موجودگی میں شکنتلا کو اپنے سینے سے لگا کر ہونٹوں پر پیار کیا پھر بولا۔ "یہ میرا غلام ہے اگر اس نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو اسے میں گولی مار دوں گا۔"

شکنتلا نے میری طرف دیکھا پھر مسکرادی۔ تربینی اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔ شکنتلا ڈرائیور

کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گئی تو میں خاموشی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"دیکھو ننھے۔ اگر تم نے میرے احکام کی خلاف ورزی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" تربینی نے مجھے مخاطب کر کے کہا پھر شکنتلا کے شانے دبا کر گاڑی سے دور ہو گیا۔

گاڑی تربینی کے دور ہٹتے ہی حرکت میں آ گئی۔ باہر سڑک پر ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ رات نصف سے زیادہ بھیگ چکی تھی۔ شکنتلا اپنی سیٹ پر پشت گاہ سے سر ٹیکے آنکھیں بند کیے گنگنانے میں مصروف تھی۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا اس بات کا منتظر تھا کہ کہاں گاڑی رکے اور میں شکنتلا کو باہر گھسیٹ کر موت کے گھاٹ اتار دوں۔ یوں بھی انکا کے روٹھ جانے کے بعد مجھے زندگی اور زندگی کے ہنگاموں سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

آدھے گھنٹے تک برق رفتار گاڑی مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی پھر ایک میدانی حصے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ شکنتلا نے جو ابھی تک آنکھیں بند کیے گنگنانے میں مصروف تھی، گاڑی رکتے ہی آنکھیں کھول دیں لیکن قرب وجوار پر نظر ڈالی تو چونک کر بولی۔

"ایڈیٹ۔ یہ تم مجھے کہاں لے آئے؟"

قبل اس کے کہ ڈرائیور کوئی جواب دیتا میں پچھلا دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اترا اور شکنتلا کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جب میں اس ذلیل عورت سے اپنا انتقام لے سکتا تھا۔ تربینی کا حکم بھی یہی تھا کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں تاکہ انکا کا پُراسرار وجود اس کے خون سے اپنی زندگی کو سیراب کر سکے۔

"شکنتلا دیوی۔ نیچے اتر آؤ۔ یہی تمہاری منزل ہے۔" میں نے سرد لہجے میں شکنتلا کو مخاطب کیا تو وہ بڑی تیزی سے میری سمت پلٹی اور غصے سے کانپتے ہوئے بولی۔

"ننھے۔ اپنی کھال میں رہ۔ اگر تربینی کو پتا چل گیا تو وہ تیری چمڑی ادھیڑ ڈالے گا۔"

"جو کچھ ہوگا بعد میں ہوگا۔ اس سے پہلے میں ذرا جی بھر کر تمہارے درشن تو کرلوں شکنتلا دیوی۔" میں نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا پھر دروازہ کھولا اور شکنتلا کا ہاتھ تھام کر باہر کی سمت گھسیٹ لیا۔ وہ خوف زدہ آواز میں کراہتے ہوئے گاڑی سے نیچے آ گری پھر وہ تیزی سے اٹھی اور بولی۔

"میں تربینی سے تیری شکایت ضرور کروں گی۔"

جواب میں میرا الٹا ہاتھ گھوم گیا۔ شکنتلا تیورا کر نیچے گری تھی۔ میں نے اس بار اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اچھل کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور ہاتھ کی انگلیاں اس کی صراحی دار گردن پر جما دیں۔ شکنتلا کا نرم و نازک جسم میرے بوجھ تلے پھڑپھڑانے لگا۔ اس کی نشیلی آنکھوں سے اب موت کا خوف جھانک رہا تھا۔ اس نے اچانک سہمی ہوئی آواز میں گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"میں تربینی سے کچھ نہیں کہوں گی۔ تم جو چاہتے ہو لے لو۔ میرا وچن ہے کہ میں اپنی زبان بند رکھوں گی۔ بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ دو۔"

اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ممکن تھا کہ میں ایک حسین عورت کی سہمی ہوئی درخواست کو ضرور قبول کر لیتا لیکن اس وقت انتقام کی آگ مجھے اندھا کیے دے رہی تھی۔ میں نے اپنا پورا بوجھ جو ابھی تک میں اپنی ٹانگوں پر اٹھائے ہوئے تھا' شکنتلا کے سینے پر ڈال دیا۔ وہ جال میں پھنسی ہوئی کسی معصوم فاختہ کی طرح پھڑپھڑائی تھی۔ اس نے مجھ سے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن میں نے اتنی زور سے اس کا گلا دبایا کہ اس کے کھلے ہوئے ہونٹ بھینچ کر رہ گئے اور آنکھیں پلک جھپکتے میں ابل کر حلقوں سے باہر آ گئیں۔ میرے نیچے اس کے جسم نے دو چار شدید جھٹکے کھائے پھر اس کا جسم ہمیشہ کے لیے ساکت پڑ گیا۔ شکنتلا کو مارنے کے بعد میں خاموشی سے اٹھا اور ہانپتا ہوا گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا تمہیں اس بات کا وشواش ہے کہ لڑکی مر چکی ہے؟" ڈرائیور نے دریافت کیا۔

"ہاں۔" میں نے مختصر جواب دیا پھر خود کو پُرسکون رکھنے کے لیے اپنا سر سیٹ سے ٹکا دیا۔

گاڑی دوبارہ حرکت میں آ گئی۔ میں نشست سے سر ٹکائے نیم دراز رہا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا اس وقت شکنتلا کے خون سے اپنے وجود کو سیراب کر رہی ہوگی اور صبح جب پولیس کو شکنتلا کی لاش ملے گی تو اس میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔

میں سوچتا رہا۔ پھر یک لخت میں یوں چونک کر اٹھا جیسے گھپ اندھیرے میں روشنی کی کوئی تیز کرن نظر آ گئی ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میرا تنفس تیز ہو گیا۔ میں بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگا کہ یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر میں تمام زندگی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکوں گا۔

مجھے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ انکا کا پُراسرار وجود جب انسانی خون پینے میں مصروف ہوتا ہے تو اسے اس وقت تک کسی اور بات کا دھیان نہیں رہتا جب تک وہ جی بھر کر خون نہ پی لے۔ مجھے اس بات کا تجربہ بھی ہو چکا تھا کہ انکا انسانی خون پینے میں تین چار گھنٹے ضرور صرف کرتی ہے۔ گویا میرے پاس ابھی تین گھنٹوں کی مہلت تھی۔ اس مہلت میں انکا کا پُراسرار وجود تربینی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میں اس عرصے میں تربینی کو موت کے گھاٹ اتار کر دوبارہ انکا کو حاصل کر سکتا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ تربینی کی موت کے بعد انکا آزاد ہو جائے گی اور مجھے دوبارہ مل جائے گی۔

میں اپنی نشست پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میرے خون کی گردش تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

میرے پاس صرف تین گھنٹوں کی مہلت تھی۔ تین گھنٹے جو میری زندگی کا رخ پلٹ سکتے تھے۔ میں کامیابی کی صورت میں پھر بڑا آدمی بن سکتا تھا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ انکا شکنتلا کا خون پینے میں کم از کم تین گھنٹے ضرور صرف کرے گی۔ میں اس عرصے میں

تربینی کو موت کے گھاٹ اتار کر انکا کو دوبارہ حاصل کر سکتا تھا۔

میں اپنی نشست پر بیٹھا خود کو آنے والے حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ میری نظریں سامنے ویران اور سنسان سڑک پر مرکوز تھیں۔ تربینی کا ڈرائیور بدستور خاموش تھا۔ میں ابھی اپنے منصوبے کو تمام پہلوؤں سے جانچنے میں مصروف تھا کہ یکلخت ڈرائیور نے گاڑی کو بائیں جانب تیزی سے موڑا اور کچھ دور جا کر اسے ایک چار منزلہ عمارت کے سامنے روک دیا۔

"کیوں؟" میں نے ڈرائیور کو پریشان نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے گاڑی یوں کیوں روک دی؟"

"تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں اپنی پتنی سے ایک ضروری بات کر کے آتا ہوں۔"

"کیا تم اسی عمارت میں رہتے ہو؟"

"ہاں۔" ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا پھر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اسے بازو سے تھام کر روکتے ہوئے کہا۔

"تربینی نے ہمیں فوری واپسی کا حکم دیا تھا۔ اسے ہمارا انتظار ہوگا۔ تم اپنی پتنی سے پھر مل لینا۔"

"فکر مت کرو۔ میں دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لوں گا۔"

"نہیں۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میری بات مانو...... جو میں کہتا ہوں اسے سنو۔ تمہیں پہلے تربینی کی کوٹھی چلنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟" ڈرائیور نے میرا ہاتھ بڑی نفرت سے جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔ "خبردار جو تو نے پھر کبھی اپنا گندا ہاتھ میرے شریر کو لگایا' ننھے کہیں کے۔"

میرے ذہن میں اس وقت صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔ "مجھے جلد از جلد کوٹھی پہنچ کر تربینی کو ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔"

ایسی صورت میں ڈرائیور کا اپنی دھرم پتنی کے پاس جانا وقت کی بربادی کا باعث بن سکتا تھا۔ میں اس سنہری موقع کو کسی قیمت پر گنوانے کے لیے تیار نہیں تھا پھر جس انداز میں ڈرائیور نے مجھے ننھا کہا تھا وہ بھی انتہائی تضحیک آمیز تھا۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے بگڑتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"سنو مہاشے! اگر تمہیں اپنا جیون پیارا ہے تو پہلے مجھے کوٹھی پہنچا دو اس کے بعد تم جہاں مرضی آئے جا سکتے ہو۔"

"ابے جا۔" ڈرائیور نے مجھے ایک گندی گالی دی پھر پلٹ کر گاڑی سے اترنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔ میرا واحد ہاتھ آنِ واحد میں اس کی گردن میں پھانسی کے پھندے کی طرح پہنچ گیا پھر اس کا حلقہ تنگ ہونے لگا۔ ظاہر ہے میں انکا کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرنے

Downloaded from Paksociety.com

کے لیے تیار تھا۔

"بھگوان کے لیے مجھے شما کر دو۔تم جو کہو گے میں وہی کروں گا۔"

ڈرائیور کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز ابھری تو میرا خون اور کھول اٹھا۔موت کو سامنے دیکھ کر میں نے بڑے بڑے سورماؤں کو زندگی کی بھیک مانگتے دیکھا تھا لیکن اس وقت میں موت اور زندگی کے فلسفے پر غور کرنے سے زیادہ اس بات کا متمنی تھا کہ جلد از جلد ڈرائیور کو ٹھکانے لگا کر تربینی تک پہنچ جاؤ۔چنانچہ میں نے اپنی ساری قوت سمیٹ کر ہاتھ کے حلقے کو اور تنگ کر دیا۔ڈرائیور نے چھٹکارا پانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن کچھ دیر بعد ہی وہ بے دم ہو کر میرے اوپر جھول گیا۔میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ مر گیا ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے۔بہر حال میں نے اسے بڑی پھرتی سے گھسیٹ کر پچھلی نشست پر ڈالا اور خود اس کی جگہ سنبھال لی۔ایک ہاتھ سے گاڑی چلانا بہت مشکل کام تھا۔مجھے گاڑی چلائے دن بھی خاصے ہو چکے تھے مگر اس وقت میں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کو مجتمع کیا اور اسٹیئرنگ کو اپنے ایک ہاتھ سے قابو میں کیا۔گاڑی بڑی تیزی سے گھوم کر دوبارہ اسی سڑک پر آگئی جو تربینی کی کوٹھی کی سمت جاتی تھی۔

مجھے کوٹھی تک پہنچنے میں بمشکل دس منٹ صرف ہوئے۔میرے ذہن پر اس وقت جنون سوار تھا۔میں نے گاڑی کو پورٹیکو میں روکا اور نیچے اتر کر تیز تیز قدموں سے کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا۔تربینی کی خواب گاہ تک پہنچنے میں بھی میں نے غیر معمولی عجلت سے کام لیا تھا۔خواب گاہ کے دروازے پر ٹھہر کر میں نے چابی والے سوراخ سے اندر جھانکا لیکن اندھیرے کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکا۔غالباً تربینی سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔میں نے دروازے کے ہینڈل کو آزمایا مگر وہ اندر سے بند ہونے کے سبب نہ کھل سکا۔دوسرے ہی لمحے میں نے کچھ سوچ کر دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔مجھے اپنے ارادے میں ناکامی نہیں ہوئی۔چند ثانیے بعد اندر سے تربینی کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں سرکار۔جمیل احمد خان۔" میں اونچی آواز میں بولا۔"جلدی دروازہ کھولیے۔پولیس نے ڈرائیور کو گرفتار کر لیا ہے۔"

چابی والے سوراخ سے روشنی پھوٹی تو میں سمجھ گیا کہ تیر ٹھیک نشانے پر لگا ہے۔میرے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں۔میں دروازے کے قریب ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔اندر سے آہٹ ابھر کر دروازے کے قریب آئی۔بولٹ کھلنے کی آواز ابھری اور پھر تربینی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس میرے سامنے موجود تھا۔

"کیا بات ہے۔پولیس نے ڈرائیور کو کیوں گرفتار کیا؟" تربینی نے بے پروائی سے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم سرکار۔" میں نے بمشکل اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"شکنتلا کو ٹھکانے لگانے کے بعد جب میں واپس آیا تو پولیس والے ڈرائیور سے بازپرس کر رہے تھے۔میں وہاں رکنے کے بجائے بھاگ کر آپ کو اطلاع دینے آگیا۔"

"شکنتلا کو تم نے گاڑی سے کتنی دور لے جا کر ٹھکانے لگایا تھا؟"

"میں اسے خاصی دور لے گیا تھا سرکار لیکن ہو سکتا ہے کہ ڈرائیور پولیس والوں سے خائف ہو کر زبان کھول دے۔۔۔۔۔"

تربینی کی آنکھوں میں تشویش کے تاثرات ایک لمحے کے لیے ابھر کر غائب ہو گئے۔وہ میری پریشان حالت پر ایک نظر ڈالنے کے بعد بولا۔

"تم یہیں رکو۔میں ابھی فون کے ذریعے سب معلوم کر لیتا ہوں۔"

میں نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی لیکن میں پوری طرح اپنے سوچے سمجھے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیار تھا۔چنانچہ تربینی جیسے ہی واپسی کے ارادے سے گھوما میں نے کسی ہوشیار چیتے کی طرح جست لگائی اور تربینی کے سر پر پہنچ گیا۔پھر میں نے بڑی پھرتی سے اپنا ہاتھ تربینی کی گردن میں اس طرح پھنسایا جیسے کچھ دیر پیشتر میں ڈرائیور کے گلے میں پھنسایا تھا۔تربینی دراز قد ہونے کی وجہ سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔جب وہ پشت کی جانب قدموں سے لڑکھڑایا تو اس کی گردن پر میری گرفت کمزور پڑ گئی مگر میں نے اسے جلدی سے دوسرا پینترا بدل کر پھر قابو کر لیا۔

"کمینے۔" تربینی کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔"میں تجھے نرک میں جھونک دوں گا۔"

میں نے تربینی کی بات کا جواب دینے کے بجائے اپنا کام اور تیز کر دیا۔مجھ پر خون سوار تھا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت میرے اندر اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔میں کس قدر تڑپا تھا پھر جب میں نے جھٹکا دے کر اسے گھسیٹا تو وہ اس طرح معلق ہو گیا کہ اس کی کمر میری کمر پر تھی اور اس کے دونوں پیر ہوا میں تھے اپنے دونوں ہاتھوں سے وہ میرا ہاتھ تھامے ہوئے خود کو بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔دوسری طرف میری ساری قوت اس کی گردن پر صرف ہو رہی تھی۔میں اپنے ہاتھ کا حلقہ تنگ کرتا جا رہا تھا۔۔۔۔ اور تنگ۔۔۔۔ اور تنگ۔۔۔۔ مجھے قوی امید تھی کہ اب تربینی کچھ دیر کا مہمان ہے اور اس کی موت سے میں اس عذاب ناک زندگی سے نجات پا لوں گا اور انکا کو دوبارہ حاصل کر لوں گا۔انکا جس کے بغیر میری زندگی ادھوری تھی۔اسی نے مجھ سے علیحدہ ہو کر مجھے سڑکوں پر بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔تربینی نے اسے مجھ سے چھین لیا تھا مگر تربینی کا خاتمہ اور میری زندگی کا حسین ترین لمحہ مجھ سے بہت قریب تھا۔۔۔۔ میری انکا میرے پاس آنے والی تھی۔تربینی کا ہولناک انجام میرے سامنے تھا۔

میرا ذہن انکا کے تصور میں گم تھا اور اس نئے خیال سے میرے اندر بلا کی طاقت آگئی تھی۔میرا ہاتھ برابر تربینی کی گردن پر اپنا حلقہ تنگ کرتا جا رہا تھا۔تربینی کے حلق سے اکھڑی اکھڑی اور گھٹی گھٹی آوازیں

نکل رہی تھی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا پھر اچانک اس نے اکھڑی اکھڑی آواز میں کہا۔

’’ان......کا......انکا......‘‘ ترینی نے گھٹی گھٹی آواز میں دوبارہ چلانے کی کوشش کی۔

مجھے ترینی کی بے بسی پر رحم آنے کی بجائے خوشی ہو رہی تھی۔ اس کی تڑپ کا تماشا دیکھ کر مجھے سکون مل رہا تھا پھر اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے ہاتھ کا حلقہ تنگ ہونے کے بجائے ڈھیلا پڑ رہا ہو۔ جیسے کوئی غیر مرئی طاقت میرے ہاتھ کو ترینی کی گردن سے علیحدہ کر رہی ہو۔ میں اس اچانک تبدیل ہونے والی حالت پر تلملا اٹھا۔ میں نے بوکھلا کر دوبارہ اپنی گرفت مضبوط کرنی چاہی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے بازو میں نشتر اتار دیا ہو۔ ابھی میں بازو میں ہونے والی شدید تکلیف اور جلن پر غور بھی نہ کر پایا تھا کہ مجھے سر پر ننھے ننھے سے نشتر چبھتے ہوئے محسوس ہوئے۔

’’انکا۔‘‘ میرے ذہن میں انکا کا نام ابھرا تو مجھے جھرجھری آ گئی۔ میرا ہاتھ مشینی انداز میں ترینی کی گردن سے علیحدہ ہوا تو وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح قالین پر ڈھیر ہو گیا۔

میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی تو مارے دہشت کے سر تا پا لرز اٹھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ میرے سر پر انکا کا پُراسرار وجود موجود تھا۔ انکا اس وقت بڑی بھیانک نظر آ رہی تھی۔ اس کا تمام تر چہرہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں جو کبھی مجھے زندگی کی حسین ترین مسرتوں کا پیغام دیا کرتی تھیں اس وقت بڑی خوفناک نظر آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر سخت گیری کے تاثرات موجود تھے۔ اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی خون آلود اور خوفناک آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ چند ثانیے تک وہ مجھے گھورتی رہی پھر حقارت سے بھرے لہجے میں مخاطب ہوئی۔

’’جمیل احمد خان۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ میرے آقا کی طرف کبھی غلط نظروں سے مت دیکھنا مگر تم نہیں مانے۔‘‘

’’انکا۔ یہ سب میں نے تمہارے لیے کیا ہے۔‘‘ میں نے بے چین ہو کر کہا۔ ’’میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہیں دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

’’تم بے وقوف ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے آقا پر حملہ کرنے کی جرأت کیسے کی۔‘‘ انکا نے اپنے ہونٹوں کے اوپر جمے ہوئے خون کو زبان سے چاٹتے ہوئے کہا۔

’’میں ایسا کرنے پر مجبور تھا انکا۔ اب صرف یہ ایک طریقہ رہ گیا تھا۔‘‘ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ’’اب مزید ذلت مجھے منظور نہیں یا تو میں تمہیں حاصل کر لوں گا یا پھر تمہاری خاطر اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔‘‘

’’تم بہت معمولی آدمی ہو جمیل احمد خان۔‘‘ انکا تیوری چڑھا کر بولی۔ ’’تم نے اس وقت مجھے چھیڑ کر

اچھا نہیں کیا۔ تمہیں معلوم تھا کہ میں اس وقت شکنتلا کے خون سے اپنے وجود کو تقویت دے رہی تھی۔ تم نے مجھے میرے شکار سے علیحدہ کر کے بہت برا کیا ہے۔ تم نے میرے آقا پر قاتلانہ حملہ کرتے وقت شاید یہ سوچا تھا کہ میں خون کے چٹخارے سے منہ موڑ کر یہاں نہ آؤں گی مگر تم یہ کیوں بھول گئے تھے کہ ترینی میرا آقا ہے اور میں اس کی داسی ہوں۔ اس نے مجھے حاصل کرنے کے لیے کٹھن جاپ کیا ہے۔ اس کے اوپر جب بھی کوئی ایسی بپتا آئے گی' میں آ جاؤں گی۔ اگر اس کے پکارنے پر میں نہ آتی تو دیوتا مجھ سے ناراض ہو جاتے اور خود میرا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم نے میرے آقا کی طرف غلط نظروں سے دیکھا تو میں تمہیں عبرتناک حالات سے دوچار کر دوں گی جمیل احمد خان۔ تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔‘‘

انکا کی بے وفائی اور اس کی بے مروتی دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا پھر بھی میں نے اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

’’انکا تمہارے پُراسرار وجود میں انسانی جذبوں کو محسوس کرنے کی کوئی قوت نہیں ہے۔ اگر تم کو میری حالت پر رحم نہیں آتا تو مجھے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالو۔ میں اف تک نہیں کروں گا۔ تمہارے ہاتھوں جو موت مجھے نصیب ہو گی وہ بھی مجھے عزیز ہے۔‘‘

’’مجھ سے کسی ہمدردی کی توقع مت کرو جمیل احمد خان۔ انکا چمک کر نفرت سے بولی۔ ’’تم نے میرے آقا کو دکھ دیا ہے۔ تمہاری سزا موت بھی ہو سکتی ہے مگر میں تمہیں ایک ایسی سزا دوں گی جسے تم ہمیشہ یاد رکھو گے اور پھر کبھی انکا کے آقا کو زیر کرنے کی جرأت نہیں کر سکو گے۔‘‘

میں گنگ سا کھڑا انکا کو تصویر حیرت بنا دیکھتا رہا۔ اس وقت انکا کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ وہ غیظ و غضب کے عالم میں میرے سر پر کھڑی مجھے خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے پنجوں کی چبھن میرے سر کی جلد میں شدید ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں تک وہ اسی نفرت بھرے انداز سے مجھے تکتی رہی پھر بڑے ناگوار اور توہین آمیز لہجے میں بولی۔

’’جمیل احمد خان۔ تم اپنا ایک ہاتھ پہلے ہی کھو چکے ہو۔ اب میں تمہیں ایک آنکھ کی نعمت سے محروم کر دوں گی۔ سمجھے۔ میں تمہاری ایک آنکھ کی بینائی چھین لوں گی۔ یہ کم سے کم سزا ہے جو تمہیں دی جاتی ہے۔‘‘

’’نہیں انکا نہیں۔‘‘ میں گڑگڑانے لگا۔ ’’میری طرف غور سے دیکھو انکا۔ یہ میں ہوں۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں نے تمہاری خاطر متعدد بے گناہوں کا خون بہایا ہے۔ کیا تمہیں مجھ پر بالکل بھی ترس نہیں آتا۔ میں تمہارے لیے اپنا سب کچھ لٹا چکا ہوں۔‘‘ میں نے بہت کچھ کہا۔ گزری باتوں کو یاد دلایا۔ میں نے منتیں کیں مگر انکا حقارت سے بولی۔

"جمیل احمد خان۔ گزری باتوں کو بھول جاؤ۔ میں ایک داسی ہوں اور داسیاں سوائے اپنے آقا کے اور کسی کو محبت کی نگاہ سے دیکھنا گناہ سمجھتی ہیں۔ میں تمہیں سزا دے کر آئندہ کے لئے تنبیہ کر دینا چاہتی ہوں کہ میرے آقا سے ہمیشہ وفادار رہو ورنہ........"

"انکا۔ تم مجھے ایک بار ہی جان سے کیوں نہیں مار ڈالتیں۔" میں نے انکا کا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے کہا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

"وہ بہادر ہوتے ہیں جمیل احمد خان صاحب جو صرف ایک بار ہی مرتے ہیں۔ تم بزدل ہو' احمق ہو' خودغرض ہو۔ ایسے لوگ تو ہر روز مرتے ہیں۔"

میں ہاتھ جوڑ کر انکا کی منت و خوشامد کرتا رہا لیکن اس پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہوا۔ اس کے نفرت انگیز لہجے میں شدت آ گئی۔ وہ سر سے پھدک کر میرے شانوں پر آ گئی۔ میں سہمی نظروں سے اس کو دیکھتا رہا۔ اس کی خونخوار نظروں سے انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے پھر اس نے اپنا نازک ہاتھ اٹھایا۔ اس کی انگلیوں کے ناخن نکیلے نشتر کی طرح تھے۔ اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ میری سیدھی آنکھ کی طرف دراز ہوتا رہا۔ میں اس پُر اسرار منظر کو کسی خاموش تماشائی کی طرح دیکھتا رہا۔ یوں جیسے میں عمل تنویم کے زیر اثر تھا۔ اس کے ہاتھ کی لمبائی پُراسرار طور پر بڑھتی رہی۔ اس کی انگلیاں اور ناخن بھی بتدریج بڑے ہوتے گئے۔ مجھے شریانوں میں اپنا خون منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا لیکن میں کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ نہ جانے وہ کون سی غیر مرئی قوت تھی جس نے میرے اعصاب کو جکڑ کر مضمحل کر دیا تھا پھر میں اس وقت اپنی کربناک چیخ کو ضبط نہ کر سکا جب میں نے اپنے سر پر کوئی چٹان گرتی ہوئی محسوس کی۔ یہ انکا کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی ضرب تھی۔ مجھے شدید تکلیف کے ساتھ ایسا لگا جیسے میری آنکھ ابل پڑی ہو۔ اس کے بعد میرے ذہن نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے بس اس قدر یاد ہے کہ میں لڑکھڑا کر نیچے کی طرف جھکتا گیا تھا۔

☆==========☆==========☆

مجھے یاد نہیں کہ میں کتنے دن بے ہوش رہا۔ بہر حال مجھے اتنا یاد ہے کہ جب میرا ذہن جاگا تو میں اسپتال کے ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو در و دیوار دھندلے دھندلے نظر آئے۔ میں نے گھبرا کے اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھا۔ کیا واقعی میری ایک آنکھ جاتی رہی۔ میں نے عالم وحشت میں دوسری آنکھ کی پٹیوں کو نوچنا شروع کر دیا۔ میری اس دیوانگی کو دیکھ کر سفید لباس میں ملبوس ایک خوب صورت نرس جو میرے سرہانے تھی۔ میرے ہاتھ کو نرمی سے روکتے ہوئے وہ شیریں لہجے میں بولی۔

"نہیں نہیں جمیل صاحب! ایسا نہ کیجئے۔ خدا کا شکر ہے آپ ہوش میں آ گئے۔ ڈاکٹروں نے آپ کیلئے جی جان سے کوشش کی ہے۔ یقیناً آپ کو دوسری زندگی ملی ہے۔ اب ہم آپ سے مٹھائی کھائیں

گے۔ واقعی بڑا خطرناک حادثہ تھا۔"

میں نے نرس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اپنا ہونٹ دانتوں تلے بھینچ لیا۔ میں اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔ میری ایک آنکھ بھی جاتی رہی۔ نرس مجھے نئی زندگی کی نوید دے رہی ہے۔ کاش وہ میرے مرنے کا اعلان کرتی۔ انکا نے میرا ہاتھ مجھ سے چھین لیا۔ سب کچھ میرے پاس سے چلا گیا۔ اب یہ نرس بھی مجھے زندگی کے طعنے دے رہی ہے۔ مجھ سے یہ مذاق برداشت نہ ہو سکا۔ میری آنکھ میں آنسو آ گئے۔ شفیق نرس کو مجھ پر شاید ترس آ گیا۔ وہ اپنے رومال سے میرے آنسوؤں کو پونچھنے لگی۔

"جمیل صاحب! دل چھوٹا نہ کیجئے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی ایک آنکھ روشنی سے محروم ہو گئی مگر آپ کی ایک آنکھ تو بچ گئی۔ یہ بھی غنیمت ہے۔ زندگی بچ گئی۔ یہی بہت ہے ایک آنکھ سہی' آپ اس سے سب کچھ دیکھ تو سکتے ہیں۔"

"ن... رس... نرس۔" میرے منہ سے بمشکل نکلا۔ اس کے شفقت بھرے لہجے پر مجھے نرگس یاد آ گئی۔ کاش وہ اس وقت میرے پاس ہوتی۔ میرا تو کوئی بھی نہ رہا۔ نرس کے اس مشفقانہ انداز پر میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ میں بہت دیر تک ہچکیوں سے روتا رہا۔

نرس میری آہ و زاری سے بہت متاثر ہوئی۔ وہ ایک معصوم اور مغموم لڑکی تھی۔ شاید اس پر بھی کچھ غم ٹوٹے تھے اس نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس وقت تک رونے دیا جب تک میرے پاس رونے کے لیے آنسو بھی نہ رہے۔

جب میں اپنے دل کا غبار اس کی گداز آغوش میں نکال چکا تو میں نے اس سے دبی زبان میں پوچھا۔

"مجھے یہاں کون لایا تھا؟"

"تربینی جی۔" نرس نے نہ جانے کیوں شرمیلے انداز میں نظریں نیچے کرتے ہوئے کہا۔ "بڑے اچھے آدمی ہیں۔ آپ کے علاج پر انہوں نے پانی کی طرح پیسہ بہایا ہے۔ وہ آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔"

میں نے تربینی کا نام سنا تو نفرت سے منہ دوسری سمت کر لیا۔ نرس ہمدردیوں کا اظہار کر کے کچھ دیر بعد چلی گئی تو میں تربینی کے بارے میں سوچنے لگا۔ ایک بار وہ مجھے پولیس کے چنگل سے بھی نجات دلا چکا تھا اور اب پھر وہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے کوشاں تھا آخر کیوں؟ وہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے؟ کیا اسے یہ علم نہیں کہ مجھے جب بھی موقع ملا' میں اسے موت سے ہمکنار کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ وہ مجھ پر ترس کس لیے کھا رہا ہے؟ کیا انکا نے اس سے میری سفارش کی ہوگی۔ مگر کیوں؟

میرا ذہن ان گتھیوں کو سلجھانے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ میں کسی آخری نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ بہر حال

میں نے اپنے طور پر یہ طے کرلیا تھا کہ تربینی کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش میں لگا رہوں گا یا پھر خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کو ختم کرلوں گا۔ میرے لیے اب اس دنیا میں کیا کشش باقی رہ گئی تھی۔ اپنی زندگی کی قیمتی چیزوں کے جانے کے بعد اس دنیا سے کیا واسطہ رہ گیا تھا اور پھر جس شخص نے مرنے کی ٹھان لی ہو اس کے آگے خطرے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

ہوش میں آنے کے بعد ایک ہفتے تک میں اسپتال میں رہا۔ اس عرصے میں ڈیوٹی پر تعینات نرس اور دوسرے ڈاکٹر مجھ سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے لیکن ابھی تک میں نے تربینی کو ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ ممکن ہے وہ اس وقت آتا ہو جب میں سو رہا ہوتا ہوں۔ بہرحال میں نے نرس سے بھی اس بارے میں کچھ دریافت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر وہ کبھی از خود تربینی کا تذکرہ کرتی تو میں خوب صورتی سے بات بنا دیتا۔

چوتھے روز شام کی چائے پینے کے بعد میں نرس کے فراہم کردہ رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے یہ سوچ کر کہ نرس دوا پلانے آئی ہوگی' اس طرف کوئی توجہ نہیں دی لیکن دوسرے ہی لمحے جب تربینی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ میرے قریب کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''اب تمہارے مزاج کیسے ہیں' جمیل احمد خان! میرا خیال ہے اب تم تندرست ہوگئے ہو۔''

میں نے تربینی پر نظر ڈالی اور اسے اپنی سمت تحقیر آمیز نظروں سے گھورتا دیکھ کر مجھے بستر پر لیٹنا بھاری ہوگیا۔ کاش میرے بس میں ہوتا اور میں اسی وقت اٹھ کر تربینی داس کا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام کردیتا۔ میں نے تربینی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تو وہ زہر خند سے بولا۔

''خان صاحب۔ آپ کو اسپتال میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

میں اس بار بھی تربینی کی بات کو خون کے گھونٹ پی کر طرح دے گیا۔

''کیا بات ہے خان صاحب۔ آپ بہت خاموش ہیں۔ جواب دیجئے نا۔ ایسی بھی کیا ناراضگی۔''

تربینی کے اس طنز کو میں برداشت نہ کرسکا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں چار کرتے ہوئے خونخوار لہجے میں پوچھا۔ ''تربینی... تم آخر مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''

''فی الحال تو میں آپ کی خیریت بھگوان سے نیک چاہتا ہوں۔'' تربینی مجھ پر الفاظ کے نشتر چبھوتے ہوئے بولا۔ ''پرمیشور کی بڑی کرپا ہے جو آپ کی ایک آنکھ باقی بچ گئی۔''

''تربینی۔'' میں نے اضطراب سے کہا۔ ''تم انسان نہیں بلکہ راکشش ہو۔''

''جمیل احمد خان... برداشت کی حد ہوتی ہے۔'' اچانک تربینی کے چہرے کے تیور کرخت ہوگئے۔ وہ مجھے حقارت سے گھور کر بولا۔ ''آنکھ اور ہاتھ چلا گیا ہے۔ اب اپنی ایک ٹانگ بھی کٹوانا

چاہتے ہو۔ سوچ لو۔ اب اس کا نمبر ہے۔''

''حالات نے مجھے بے بس ضرور کردیا ہے تربینی داس مگر اتنا یاد رکھو کہ میرے اندر تھوڑی بہت غیرت ضرور ہے۔ میں تمہارا دشمن نمبر ایک ہوں اور جب بھی موقع ملے گا تمہارا قصہ اس دنیا سے پاک کرنے کی کوشش کروں گا۔ تمہارے ساتھ انکا ہے۔ تربینی۔ یہ مت بھولو' تم خواہ کسی شکتی سے کام لو مگر مجھے تم اپنا غلام نہیں بنا سکتے۔ میں تمہیں مرا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ سمجھے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کڑک کر جواب دیا تو تربینی مجھے یوں گھورنے لگا جیسے اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو رہا ہو۔ کچھ دیر اس کی یہی حالت رہی پھر بولا۔

''جمیل احمد خان۔ دھیرج رکھو۔ ذرا شانتی سے کام لو۔ اس بات کو من سے نکال پھینکو کہ تم مجھ سے کبھی نجات پالو گے۔ اب ہمارا تمہارا ساتھ جنم جنم کا ہے۔ جب تک میں نہیں چاہوں گا' تم مر بھی نہیں سکتے۔ آنے والا سمے تمہیں بتائے گا کہ میں کتنی مہان شکتی کا مالک ہوں۔''

''انکا کو درمیان سے ہٹا دو پھر میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔'' میں نے بھی بگڑے ہوئے تیور سے جواب دیا۔ ''انکا کی شکتی کے ساتھ تم میرا مقابلہ کیوں کرتے ہو۔ بہرحال یہ خیال رکھو کہ جب انسان کو زندگی سے کوئی لگاؤ نہ رہے تو پھر اسے موت کی بھی کوئی فکر نہیں رہتی۔ مجھے انکا کی بھی پروا نہیں ہے۔''

''یہ اسپتال ہے خان صاحب' میں تم سے اپنی کوٹھی پر باتیں کروں گا۔'' تربینی نے حقارت سے کہا۔

''میں اب تمہاری کوٹھی پر پیشاب بھی کرنا پسند نہیں کروں گا۔''

تربینی کے چہرے پر خون کی تمازت پھیل کر گہری ہوتی چلی گئی۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس وقت شدید غصے کے عالم میں ہے۔ چند لمحات وہ اسی کیفیت سے دوچار رہا پھر دانت پیس کر بولا۔

''میں دیکھوں گا کہ تم کتنے مرد ہو۔'' پھر اس سے پیشتر کہ میں اس کی بات کا کوئی جواب دیتا' وہ مجھ پر نفرت انگیز نظریں ڈالتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے اپنے ذہن کو جھٹک کر رسالہ دوبارہ اٹھایا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ آٹھ بجے کے بعد دوسری ڈیوٹی والی نرس آگئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ مجھے کب تک اسپتال سے رخصت ملے گی۔ نرس پتا کرنے باہر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے واپس آکر مجھے بتایا کہ میری چھٹی کل صبح کردی جائے گی۔ میں نے نرس کا جواب سن کر ایک سرد آہ بھری تو اس نے تعجب سے دریافت کیا۔

''کیوں۔ کیا آپ کو یہاں سے جانے کی خوشی نہیں ہے۔؟''

''تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی۔ نرس۔ جاؤ' اپنا کام کرو۔''

نرس چلی گئی تو میری بے چینی اور بڑھ گئی۔ میں سوچنے لگا کہ اسپتال سے رخصت ہو کر کہاں جاؤں گا۔ میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ تربینی کے پاس جانے سے پیشتر میری گزر اوقات بھیک پر تھی۔ میں اب بھی بھیک مانگ کر زندگی گزارنے کی ہمت رکھتا تھا لیکن میری پہلی خواہش یہ تھی کہ میں پونا سے فوری طور پر رخصت ہو جاؤں اور کچھ عرصے باہر رہ کر حالات کو سدھارنے کی کوشش کروں اور اس کے بعد پھر تربینی کے مقابلے پر آؤں' میری سوچوں کے زاویے ہر لمحے بدلتے رہے۔ کبھی میں سوچتا کہ کیوں نہ انکا کے تصور کو ہمیشہ کے لیے ذہن سے نکال پھینکوں۔ کبھی میرا دل مجھے مشورہ دیتا کہ میں اسپتال سے زہر چرا کر پی لوں اور ابدی نیند سو جاؤں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا اور یہ یقین کرانے کی کوشش کرتا کہ میں عورت نہیں' مرد ہوں۔ مرد! جو آہنی چٹانوں سے بھی ٹکرا جانے کی ہمت رکھتا ہے' کبھی میرا ذہن مجھے مشورہ دیتا۔ ''جمیل' ذہانت اور دوراندیشی سے کام لیے بغیر تم کچھ نہیں کر سکو گے اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو تین باتوں کا خیال رکھو' تمہاری نظر عقاب جیسی ہونی چاہیے تاکہ تم زمین کی گہرائیوں کا سینہ بھی چیر سکو..... تمہارا حوصلہ کسی شیر کی طرح بلند ہونا چاہیے اور سوچنے کا انداز لومڑیوں جیسا ہونا ضروری ہے۔ ان باتوں کے بغیر تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔''

میں نے ذہن کے اس مشورے کو قبول کر لیا۔ میرے لیے ضروری تھا کہ اب میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھاؤں لیکن ایک مسئلہ ابھی تک مجھے پریشان کر رہا تھا کہ میں اسپتال سے رخصت ہو کر کہاں جاؤں۔ میں بہت دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہ کر سکا۔ تھکے ہوئے اعصاب کو دھوکا دینے کی خاطر میں نے سرہانے رکھے ہوئے رسالے کو اٹھا کر یونہی الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ میرا جی رسالے میں نہیں لگ رہا تھا۔ اپنی کہانی مجھے یاد آ رہی تھی۔ میرا پورا ماضی میرے سامنے تھا۔ میرے سامنے میرے اوپر گزرے ہوئے واقعات کا ایک بھیانک سلسلہ تھا۔ میں نے ماضی میں جھانک کر دیکھا تو مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے کن عجیب و غریب واقعات و حالات سے دوچار ہوا تھا اور اپنی زندگی کے نازک لمحے کے عتاب میں تھا۔ کچھ دیر پہلے اپنے ذہن میں اپنی نظر کو عقاب کی نظر' اپنے حوصلے کو شیر کا حوصلہ اور اپنے دماغ کو لومڑی کے دماغ کی مثال دے کر زندہ رہنے کا عزم پیدا کر رہا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ غیر معمولی قوتوں کے مقابلے میں میرا یہ عزم بے کار ہے۔ یہ خود فریبی ہے' میں کیوں زندہ رہوں' کس کے لیے زندہ رہوں' انکا میرے پاس آنے سے رہی۔ میں مر کیوں نہ جاؤں ہاں اب یہی بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔

مرنا کس قدر مشکل ہے' اس کا اندازہ مجھے پہلی بار ہوا۔ جب اسپتال میں روشنیاں کم ہو گئیں اور نرس مجھے شب بخیر کہہ کر رخصت ہو گئی تو میں نے خود کو موت کے لیے آمادہ کرنا چاہا۔ میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ بیرونی راہداری میں سناٹا تھا۔ میں نے اپنے اوپر ایک چادر ڈالی اور

آہستہ سے دروازہ کھول کر چوروں کی طرح اسے بند کرتا ہوا باہر آ گیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ دواؤں کا کمرا کون سا ہے لیکن اسپتال میں اسے تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں نے تین چار کمرے آہستگی سے عبور کر لیے مگر چھٹے یا ساتویں کمرے کے دروازے پر اچانک میرے قدم جیسے من من بھر کے ہو گئے۔ میں ٹھٹک کر رک گیا۔

''کون ہے؟'' ایک ڈاکٹر نے مجھے آواز دی۔ ''کہاں جا رہے ہو؟''

''میں..... میں ایک مریض' کمرا نمبر 9 کا مریض جناب' جمیل احمد خان جناب۔'' میں نے گھگیاتے ہوئے اس طرح جواب دیا جیسے مجھے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا ہو۔

''جمیل احمد خان' اوہ!'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے خان صاحب' کیا کچھ تکلیف ہے؟''

''جی' جی! ڈاکٹر صاحب' میرے پیٹ میں اچانک درد اٹھا ہے۔ نرس سامنے نہیں تھی اس لیے میں کمرے سے باہر چلا آیا۔ ڈاکٹر صاحب' ازراہ کرم مجھے کوئی دوائی دے دیں' شدت درد سے میں مرا جا رہا ہوں۔'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''یہ نرس کہاں گئی۔ کم بخت سو جاتی ہے۔'' ڈاکٹر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔ کیا تکلیف زیادہ ہے؟''

''جی بہت زیادہ۔ بس دم نکلا جا رہا ہے۔''

''اوہ۔ خیر ادھر آؤ۔'' اس کا نام رام دیال تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک نیک آدمی ہے۔ ڈاکٹر نے سامنے کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ میں اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں نے سراسیمگی سے کمرے کے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ خوش قسمتی سے وہاں میری مطلوبہ دوا مجھے نظر آ گئی۔ اب صرف اتنی بات رہ جاتی تھی کہ میں ڈاکٹر کی نظروں سے بچ کر کسی طرح اسے حاصل کر لوں۔ ڈاکٹر نے مجھے ایک بڑی میز پر لٹا کر میرے پیٹ کی حالت کو دیکھا۔ وہ مجھ سے درد کے بارے میں استفسار کرتا رہا اور میں جوابات دیتا رہا۔ میں اسے جواب دے رہا تھا لیکن میری نظر دواؤں کی الماری کی طرف تھی۔ بالآخر اس نے مرض کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے مجھے ایک مکسچر بنا کر پلا دیا۔ میں نے بغیر کسی جھجک کے اسے پی لیا۔ میں تو اس سے زیادہ خطرناک شے پینے والا تھا' یہ کیا چیز تھی۔ جب ڈاکٹر رام دیال ہاتھ دھونے بیسن کی طرف مڑا تو میں نے اس کی الماری سے زہریلی دوا کی شیشی بہت سرعت اور مہارت سے اٹھا لی اور اسے چادر میں چھپا کر ڈاکٹر کو شب بخیر کہا اور دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ اپنے کمرے میں آ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے ایک زبردست مہم سر کی ہے۔ میں نے سکون کے ساتھ دوا کی شیشی نکالی اور کھڑکی کو بند کیا۔ بڑے بلب کو آف کیا۔ ایک لمحے

میں مجھے بہت سے لوگ یاد آئے۔ میری ماں' نرگس، انکا۔ تربینی اور میری پوری زندگی لمحوں میں میرے سامنے سے گزر گئی۔ میں نے اپنے پلنگ کے قریب رکھی ہوئی الماری سے آئینہ نکالا اور اپنی صورت دیکھی۔ میرے چہرے پر بلا کا عزم تھا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر میں مسکرا دیا۔ ''جمیل احمد خان!'' میں نے آئینے میں اپنا عکس کو مخاطب کیا۔ ''لو اب تمہارا اختتام قریب ہے' بہت دنیا دیکھ لی' موت تمہیں ایک دن ضرور آنی تھی۔ چلو کچھ دن پہلے سہی۔ اب ہنس کر موت کا جام پیو۔'' اپنے عکس سے گفتگو کر کے میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ کبھی میرے اوپر رقت طاری ہوئی۔ کبھی میں شدید اداس ہو گیا۔ کبھی میں نے حقارت سے کھڑکی کے دروازے کو دیکھا پھر اچانک مجھ پر قبر کا خوف غالب آ گیا۔ اندھیرا۔ میں نے زہر کی شیشی کو خود سے دور کیا۔

مگر یہ اندھیرا۔ قبر کا یہ اندھیرا تو ہر شخص کا مقدر ہے۔ اس سے کیسی گھبراہٹ، کیسا خوف' نہیں نہیں' میرے لیے موت بہتر ہے۔ میں نے آخری بار آئینے میں اپنی شکل دیکھی' جمیل احمد خان کا بدنما چہرہ میرے سامنے تھا پھر میں نے شیشی کا ڈھکن کھول دیا۔ ''میری موت کے بعد کیا ہو گا۔ اسپتال والوں سے پوچھ گچھ ہو گی مگر میں نہیں ہوں گا۔ میں تو مر جاؤں گا۔ ٹھیک ہے' مجھے مر ہی جانا چاہیے مگر میں ایک طرح تربینی کو پھنسا سکتا ہوں۔'' اچانک ایک خیال میرے ذہن میں آندھی کی طرح آیا۔ میرے پاس قلم نہیں تھا۔ باہر جا کر میں نے ڈاکٹر رام دیال سے قلم حاصل کیا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ تربینی کے سیاہ کارنامے' انکا کے وجود کے بارے میں مکمل تفصیل اور اپنی جبریہ خودکشی کا احوال۔ رات کے دو بجے تک میں جو کچھ مجھے یاد آیا حوالوں کے ساتھ لکھتا رہا۔ انکا کے پُراسرار وجود کے حیرت انگیز واقعات اور وہ سب کچھ جو میں اس مختصر عرصے میں لکھ سکتا تھا۔ جب میں نے ایک طویل خط مکمل کر لیا تو اس پر ایک نظر ڈال کر اطمینان کا سانس لیا۔ اسے اپنے سرہانے رکھا اور زہر کی شیشی اپنے ہونٹوں سے لگا لی۔

مگر عین اس وقت جب میں زہر آلود شیشی انڈیل کر اس دنیا سے اپنا رشتہ منقطع کرنا چاہتا تھا' میرے سر پر ایک دھماکہ ہوا۔ انکا کے مانوس پنجوں کی چبھن تیز ہو گئی۔ شیشی میرے ہاتھ سے گر گئی اور دوائی فرش پر پھیل گئی۔ میں نے چیخنا چاہا مگر میری آواز میرے حلق میں دب گئی۔ میں نے بدقت تمام کہا۔

''انکا مجھے مرنے دو میں موت چاہتا ہوں۔''

جواب میں انکا نے میرے سر کو اپنے پنجوں سے اتنی تیزی سے نوچا کہ میں اپنے حواس کھو بیٹھا۔ آخری الفاظ جو میں سن سکا وہ یہ تھے۔ انکا کہہ رہی تھی۔ ''جمیل احمد خان! تم آقا کی مرضی کے بغیر نہیں مر سکتے۔''

دوسری صبح جب میری آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میری نظر جس پر پڑی وہ تربینی داس تھا۔ تربینی کو دیکھتے ہی میں نے یہ سوچ کر کہ غالباً وہ اسپتال سے مجھے اپنے گھر لے جانے کے لیے آیا ہے' بڑی نحیف

سے سرد لہجے میں کہا۔

''تربینی جی۔ تم نے یہاں آ کر بیکار زحمت کی' میں نے کل ہی تم سے کہہ چکا تھا کہ میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا۔''

''اور میں نے بھی کہا تھا کہ میں دیکھوں گا کہ تم کتنے مرد ہو۔'' تربینی نے غصیلی آواز میں جواب دیا پھر نفرت سے کہا۔ ''تم میرے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے اس وقت دوبارہ میرے قدموں میں پڑے ہو۔ تم نے خود اسپتال کے عملے سے اس بات کی درخواست کی تھی کہ تمہیں میری عالی شان کوٹھی تک پہنچا دیا جائے۔''

''انکا۔'' میرے ذہن میں ایک بار پھر انکا کا خوفناک تصور ابھر آیا۔ انکا پُراسرار اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک ہے جس کے لیے ہر ناممکن کو ممکن بنا دینا بہت آسان بات ہے' یقیناً انکا ہی نے میرے سر پر مسلط ہو کر مجھے وہ بیان دینے پر اکسایا ہو گا۔ میری کیفیت اس وقت کسی ایسے شکاری سے مختلف نہ تھی جس نے شکار کو پھانسنے کی خاطر کوئی جال بچھایا ہو اور اندھیرے میں خود ہی اس میں پھنس گیا ہو۔ میں نے نظریں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا تو تربینی کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ میں اس وقت اس کی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اپنی بے بسی اور بے کسی کا احساس مجھے اتنی شدت سے ہوا کہ غیر اختیاری طور پر میری آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ''کیا سوچ رہے ہو خان صاحب! کیا پھر مجھے مارنے کا کوئی خطرناک منصوبہ بنا رہے ہو؟'' تربینی نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ میں تربینی کو رحم طلب نظروں سے دیکھنے کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکا۔

''تربینی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے راستے سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو جائیں۔''

''یہ دھیان تمہیں بہت دیر میں آیا ہے جمیل احمد خان۔ ویسے مجھے وشواش ہے کہ اب تم ایسی صورت اختیار کر چکے ہو کہ دیالو لوگ تمہیں بھکشا دینے سے منہ نہیں موڑیں گے۔ کیسی رہے اگر تم لنگڑے بھی ہو جاؤ۔ ہر منش تم پر دیا کرنے کو تیار ہو جائے گا۔''

''تربینی تم!''

''تربینی نہیں آقا یا سرکار کہو مخنثے واحد نور۔'' تربینی گرج کر بولا۔ ''اگر تم نے پھر گستاخی کی تو زبان کھینچ لوں گا۔'' میں نے بہت ضبط کیا اور آنکھیں بھینچ کر اور مٹھیاں بند کر کے خود کو قابو میں کیا۔ اس کے سوا اور میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ تربینی جی بھر کر مجھے برا بھلا کہتا رہا اور میں دل پر جبر کیے سب کچھ سنتا رہا۔ تربینی چلا گیا تو میری آنکھوں کے پیمانے چھلک اٹھے۔ میں اس روز دہاڑیں مار مار کر رویا لیکن کسی نے میری خبر نہ لی۔

☆==========☆==========☆

مجھے تربینی کی کوٹھی پر آئے اٹھائیس روز گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں میری صحت بھی خاصی ٹھیک ہو چکی تھی۔ مجھ پر سوائے کوٹھی سے باہر جانے کے اور کسی بات کی پابندی نہ تھی لیکن میں تمام دن اپنے کمرے میں چھپا بیٹھا رہتا۔ شام کو محض چند منٹوں کے لیے باہر نکلتا اور پھر اپنے کمرے میں آ کر بند ہو جاتا۔ ایک آنکھ کھنڈر کی صورت میں تبدیل ہو جانے سے میری صورت بے حد مکروہ اور بھیانک معلوم ہوتی تھی' آئینے میں اپنا عکس دیکھ لیتا تو ڈر جاتا۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر ڈال دیا تھا۔ بس کسی نہ کسی طرح زندگی کے دن پورے ہو رہے تھے۔ تربینی کے ملازموں کو میری حالت پر افسوس ضرور تھا لیکن اتنی ہمت کس میں تھی جو کھل کر اس کا اظہار کرتا۔ تربینی کی سخت گیر طبیعت کا اندازہ سب ہی کو تھا۔ میری کیفیت دیکھ کر انہیں عبرت بھی ہو گئی تھی۔

اکثر میں تنہا بیٹھا اپنے حالات پر غور کرتا تو دل مسوس کر رہ جاتا۔ ماضی یاد آتا تو میں بے اختیار رو پڑتا۔ خاص طور پر ان دنوں مجھے نرگس بہت زیادہ یاد آتی تھی۔ ایک دن شام کو میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا ان خیالات میں مستغرق تھا کہ پٹیل نامی ایک ملازم نے اندر آ کر کہا۔

''جمیل خان۔ تمہیں سرکار کوٹھی میں بلا رہے ہیں۔''

میں پٹیل کو کوئی جواب دیے بغیر خاموشی سے اٹھا اور اس خیال سے کہ دیکھیں قسمت اب کیا گل کھلاتی ہے' کمرے سے باہر آ گیا۔ لان عبور کر کے کوٹھی کے اندر داخل ہوا۔ اپنے خیال میں کھویا کھویا تربینی کی خواب گاہ کے دروازے تک پہنچ کر میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ مجھے یقین تھا کہ کوئی ہنگامہ ضرور ہونے والا ہے۔ کوئی واقعہ۔

''کون؟'' اندر سے تربینی کی بہکی ہوئی آواز سنائی دی۔

''سرکار۔ میں ہوں جمیل احمد خان۔'' میں نے کہا۔

''اندر آ جاؤ۔''

میں نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کا ہنڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گیا لیکن دوسرے ہی ثانیے میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ مجھے کمرے کی ہر چیز گھومتی نظر آ رہی تھی۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو تربینی کی گردن میں بانہیں ڈالے بیٹھی تھی۔ سامنے گول میز پر شراب کے بھرے ہوئے جام اور بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ تربینی کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی مگر میری توجہ کا مرکز وہ عورت تھی جو نیم عریاں لباس میں تربینی سے لپٹی بیٹھی اس کے وجود میں گھل مل جانے کی کوشش کر رہی تھی' وہ عورت نازلی تھی۔ نازلی جو کبھی میری منظور نظر رہ چکی تھی اور جس نے نرگس کو مجھ سے چھڑایا تھا۔ اس نے میرے ساتھ ایک شرمناک ڈراما کھیلا تھا۔ وہ اس وقت میرے سب سے بڑے دشمن کو داد

عیش دینے میں مصروف تھی۔ خیر یہ تو اس کا کام تھا مگر نہ جانے اسے دیکھ کر مجھے دکھ سا کیوں ہوا۔

''نازلی۔ ادھر دیکھو میری جان۔ دیکھو وہ تمہارے سامنے کون موجود ہے۔'' تربینی نے نازلی سے کہا۔

نازلی نے پلٹ کر میری سمت دیکھا تو سہم کر وہ تربینی سے کچھ اور قریب ہو گئی پھر مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرا خیال ہے کہ میں اس مکروہ شخص کو پہلے بھی دیکھ چکی ہوں۔ کیوں تربینی جی۔''

''ان مہاشے کا شبھ نام جمیل احمد خان ہے۔ کبھی یہ تمہارے اوپر لٹو بھی ہو چکے ہیں۔'' تربینی نے نازلی سے میرا تعارف کراتے ہوئے زہر خند سے کہا پھر براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''دیکھ تم نے نازلی کو۔ انہیں بہت دور سے بلایا گیا ہے۔ تمہاری پسند بہت اچھی تھی خان صاحب۔'' اس نے مست آنکھوں سے نازلی کی طرف دیکھ کر مجھ سے کہا اور مجھے ہدایت کی۔ ''تم باہر ٹھہرو میں تمہیں ابھی ایک خدمت کا موقع دوں گا۔ مجھے وشواش ہے کہ تم آج اس خدمت کو خوشی خوشی پورا کرو گے۔''

میں سمجھ چکا تھا کہ تربینی کس خدمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وہ نازلی کو روندنے کے بعد میرے حوالے کرنے کا اشارہ کر رہا تھا تاکہ میں اسے جان سے مار کر اس کا خون انکا کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے فراہم کر سکوں۔ تربینی کی بات سن کر میں خاموشی سے پلٹ کر باہر آ گیا۔ جس وقت میں دروازے سے باہر نکل رہا تھا اس وقت نازلی کی کہی ہوئی ایک بات میرے کانوں سے ٹکرائی اور پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے دل کی گہرائیوں تک اترتی چلی گئی۔ اس نے تربینی سے کہا تھا۔

''تربینی جی! تم نے اس مکروہ شکل والے کو اندر بلا کر موڈ خراب کر دیا۔ کیسا منحوس اور بھیانک لگ رہا تھا۔ توبہ' توبہ۔''

میں نے باہر آ کر دروازہ بند کیا اور راہداری میں ٹہلنے لگا۔ میرے خون کی حدت آج پھر تیز ہو رہی تھی۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ آج میں نازلی کو بڑی اذیت ناک موت ماروں گا۔ مجھے بڑی شدت سے اس لمحے کا انتظار تھا جب تربینی اسے میرے حوالے کر دے گا۔ اسی نازلی کی وجہ سے میرا گھر برباد ہوا تھا اور نرگس غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد تربینی نے مجھے آواز دی تو میں لپک کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر جو منظر مجھے نظر آیا وہ میرے جوش کو مزید بھڑکانے کے لیے بہت تھا۔ تربینی صوفے پر نیم دراز تھا لیکن نازلی اس کے قدموں کے قریب فرش پر پڑی واہی تباہی بک رہی تھی۔ اس کا لباس تار تار تھا اور وہ اس کی ستر پوشی کے لیے قطعی ناکافی تھا۔ نازلی کی نظر مجھ پر پڑی تو اس بار خائف ہونے کی بجائے پاگلوں جیسے انداز میں ہنس کر بولی۔ ''تم ... وہی ہو نا جو کبھی میرے عاشق ہوا کرتے تھے لیکن آج ..... آج تم حقیر ہو۔ ایک دم حقیر

اور ذلیل، تم نے مجھے ایک بار پھنسایا تھا۔ اب تمہاری حالت عبرت ناک ہے۔"

"جمیل احمد خان۔" تربینی نے مجھے مخاطب کر کے بولا۔ "کیا تم آج اپنے انتقام کی آگ کو اس کے خون سے ٹھنڈا کرتے ہوئے خوشی نہیں محسوس کرو گے چلو...... اٹھا لے جاؤ اسے۔"

نازلی بری طرح نشے میں دھت تھی لیکن تربینی کی بات سن کر اس نے نظریں گھما کر اسے نفرت سے گھورا پھر وہ لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی لیکن قبل اس کے کہ وہ تربینی سے کچھ کہتی، میں نے آگے بڑھ کر اسے بالوں سے پکڑ لیا اور گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ نازلی کرب ناک انداز میں چلا چلا کر مجھے گالیاں دے رہی تھی لیکن میرے کان جیسے بہرے ہو چکے تھے۔ میں نے اسے باہر لا کر گاڑی میں ٹھونس دیا اور ڈرائیور سے گاڑی چلانے کو کہا۔ اس خیال سے کہ اس کے شور وغل کی آواز گاڑی سے باہر نہ نکلنے پائے، میں نے نازلی کے منہ پر اپنی گرفت مضبوطی سے جما دی تھی۔ میرا ڈرائیور وہی تھا جسے میں نے ایک بار موت کے قریب کر دیا تھا۔ اب وہ میرے اشاروں کا غلام تھا۔ وہ سہا ہوا خاموش بیٹھا تھا۔ غالباً میری جلاد صفتی سے مرعوب ہو چکا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد گاڑی ایک ویرانے میں جا کر رکی تو میں نے نازلی کو بے دردی سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔ اس کے بعد میں نے جس سفاکانہ طریقے سے اس کے جسم پر ضربیں لگائیں اس کا تصور آج بھی میرے جسم کے تمام تر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اس کی کربناک چیخیں آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہیں تو مجھے اپنا خون جمتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔ وہ میرے سامنے زندگی کی آخری سانسوں تک ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگتی رہی لیکن میں اس وقت تک اس کے جسم پر خنجر برساتا رہا جب تک کہ اس کا جسم چھلنی کی صورت میں تبدیل نہیں ہو گیا۔ میرا اپنا تمام لباس بھی خون سے تربتر ہو رہا تھا۔ مجھ پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ نازلی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد میں اس پر نفرت کی نگاہ ڈالتا ہوا واپس آ گیا۔ تربینی کی کوٹھی پہنچ کر میں نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ ان کپڑوں کو نذر آتش کیا جن پر نازلی کے خون کے دھبے موجود تھے پھر اپنے پلنگ پر بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ اس روز مجھے اپنا ذہن بڑا ہلکا ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں جیسے میرے سر سے کوئی وزنی بوجھ اتر گیا ہو۔

☆============☆============☆

حالات کی ستم ظریفیوں نے مجھے اس قدر بے دست و پا کر دیا تھا کہ وقت کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ میں نے خود کو اسی سانچے میں ڈھال لیا جس میں تربینی چاہتا تھا۔ پے در پے ناکامیوں نے میرے ذہن کو مفلوج کر دیا تھا۔ انکا کے پراسرار وجود کی موجودگی میں میرے لیے فرار مایوس کن ثابت ہوئی۔ چنانچہ میں تربینی کا غلام بنا ہوا تھا۔ جب بھی تربینی مجھے حکم دیتا، میں بلا چون و چرا اس پر عمل کرتا۔ اس طرح تین ماہ اور گزر گئے۔ ان تین مہینوں میں مجھے نازلی کے علاوہ تین اور

ایسی عورتوں کو ٹھکانے لگانا پڑا جو پہلے تربینی کی ہوس کا نشانہ بنیں پھر مجھے انکا کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ان عورتوں کا خون فراہم کرنا پڑا۔

پونا میں ہونے والے قتل کے واقعات نے پولیس کے عملے کو بھی پریشان کر دیا تھا۔ ایک دو وارداتوں میں پولیس کے ماہر دماغ تربینی تک بھی پہنچے لیکن بے نیل مرام واپس لوٹ گئے۔ انکا کی پُراسرار قوت نے تربینی کو ہر موقع پر حیرت انگیز طور پر بچا لیا اور پولیس کو مجبوراً کاغذات کی خانہ پُری کرنے کے لیے کسی بے گناہ کو تختۂ دار تک لے جانا پڑا۔ میں جب بھی اخبارات میں اس قسم کی اطلاع پڑھتا، خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جاتا تھا کہ جب تک انکا کا وجود تربینی کے قبضے میں تھا، دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی تھی۔ میرا یہ حال تھا کہ میں تو اپنے دن گن گن کر پورے کر رہا تھا لیکن حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ دوبارہ انکا کو قبضے میں کرنے کے خواب دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ تربینی ہر وقت کسی سوچ میں گم رہتا ہے۔ وہ تربینی جو کبھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہ کرتا تھا اب مجھ سے ملنے کے لیے ملازموں کے کوارٹر تک آ جاتا تھا۔ میں تربینی سے ہمیشہ جھکی نظروں سے ملتا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے جس کی وجہ سے وہ میرے پاس آتا تھا لیکن کوئی رکاوٹ ایسی ضرور تھی جس کی بنا پر وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر واپس چلا جاتا تھا۔ میں نے کبھی تربینی سے اس کی بے چینی کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

ان ہی دنوں ایک بار تربینی نے شوبھا نامی ایک خوب صورت لڑکی کو میرے حوالے کیا۔ میں حسب معمول اسے ایک نئے ویرانے میں لے گیا اور ایک سنگ دل جلاد کی طرح اسے ٹھکانے لگا دیا لیکن جب شوبھا کو موت کے گھاٹ اتار کر میں واپسی کے ارادے سے پلٹا تو ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر آ گئی ہو۔ میں نے عالم تصور میں سر کی جانب دیکھا تو میرا اندازہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ انکا حقیقتاً میرے سر پر موجود تھی۔ بظاہر وہ اس وقت اچھے موڈ میں نظر آ رہی تھی لیکن میں نے دیدہ دانستہ اس سے کوئی بات نہیں کی، گردن جھکا کر گاڑی کی سمت قدم اٹھایا تو انکا کی مترنم آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔

جمیل۔ اب تم واقعی راہ راست پر آ گئے ہو۔ اگر اسی طرح تم میرے آقا کے اشارے پر چلتے رہے تو تمہیں کوئی مصیبت درپیش نہیں ہوگی۔"

"تمہارا شکار تمہارا منتظر ہے انکا۔ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہی ہو؟ جاؤ اور شوبھا کے خون سے اپنے وجود کو تقویت دو، دیکھو تمہارا آقا میرے سر پر آ جانے کی خبر سن کر کہیں تم سے ناراض نہ ہو جائے۔"

"جمیل، میرا آقا ناراض نہیں ہوگا اور سمجھ لو کہ میں اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی۔ ویسے میں تم سے خوش ہوں کہ تم میرے آقا کی بڑی خدمت کر رہے ہو اور میرے لیے غذا فراہم کرتے ہو جس کی میرے وجود کو سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ میری مانو پریشان رہنے کے بجائے ہنسا بولا کرو، اب ایسا

بھی کیا۔"

"میں نے خود کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے انکا۔" میں نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "بہتر ہے کہ تم خوش رہنے اور ہنسنے بولنے کا مشورہ اپنے آقا تربینی داس کو دو جو آج کل اداس اداس اور کھویا کھویا رہتا ہے۔ مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں؟"

"خوب۔" انکا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اچھا تو اب تمہیں آقا سے ہمدردی بھی ہوتی جا رہی ہے۔"

"تربینی کو مجھ سے زیادہ تمہاری ہمدردی کی ضرورت ہے۔" اس بار میں نے جل کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم آج کل اس کے لیے زیادہ جاندار لڑکیاں نہیں فراہم کر رہی ہو۔"

"میں اپنے آقا کو دنیا کی ہر نعمت سے نواز سکتی ہوں جمیل۔" انکا نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "آج کل اس کی پریشانی کی وجہ خوب صورت لڑکیاں نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ ایک بار تم بھی ایسے حالات سے دوچار ہو چکے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں تمہارا اشارہ۔" میں نے انکا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا تو وہ بدستور سنجیدگی سے بولی۔

"وقت آنے دو۔ تم خود ہی سب کچھ جان جاؤ گے۔"

انکا مبہم الفاظ میں اپنا جملہ ادا کر کے میرے سر سے اتر گئی۔ میں کچھ دیر گم صم کھڑا اس کے جملے کا مطلب اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا پھر تھکے ہوئے انداز میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا گاڑی تک گیا اور گھر واپس آ گیا۔ اس رات سونے سے پہلے میں نے ایک بار پھر انکا کے جملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر کوئی رائے نہ قائم کر سکا اور تھک ہار کر سو گیا۔

تین چار روز تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ میں حسب معمول دن بھر اپنے کوارٹر میں بند پڑا رہتا۔ شام کو طبیعت الجھنے لگتی تو تھوڑی دیر کے لیے کوارٹر سے باہر نکل آتا۔ ایک روز میں شام کو اپنے کوارٹر کے سامنے ٹہل رہا تھا کہ تربینی آ گیا۔ اس روز وہ مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہا تھا۔ مجھے کوارٹر میں چلنے کو کہا تو میں چپ چاپ اس کے ہمراہ اندر آ گیا۔ کچھ دیر تک ہمارے درمیان بالکل خاموشی طاری رہی پھر تربینی نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جمیل احمد خان، مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ میرے کارن تمہیں بہت سی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔"

میں نے تربینی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ جو کچھ اس نے مجھ سے کہا، مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ شاید اس لیے کہ مجھے اپنے بدترین دشمن سے اس قسم کے جملے کی توقع نہیں تھی۔ تربینی نے میرے

چہرے پر حیرت کے تاثرات دیکھے تو بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"میں تم سے غلط نہیں کہہ رہا جمیل۔ کیا تمہیں میری بات پر وشواش نہیں ہے، اور وشواش بھی کیسے ہوگا......"

"میرے لیے کیا حکم ہے سرکار۔" میں نے کسی زرخرید غلام کی طرح کہا...... "میں آپ کی ہر سیوا کرنے کو تیار ہوں۔"

تربینی نے فوراً ہی میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیے تک وہ میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھتا رہا پھر اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات ہر لحہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ میں کن انکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ ٹہلتے ٹہلتے میرے قریب آ کر رکا اور بڑی اداسی سے بولا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے انکا کو کتنی کٹھن پریکشا اور جاپ کے بعد حاصل کیا تھا۔"

"میں ان باتوں کو بھول جانا چاہتا ہوں سرکار۔ سب مقدر کا کھیل ہے۔" میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا تو تربینی نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ میرے کاندھوں پر رکھ دیے پھر بڑے دوستانہ انداز میں گویا ہوا۔

"جمیل احمد خان۔ آج کے بعد سے ہم دونوں متروں (دوستوں) کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ مجھ پر وشواش کرو۔"

مجھے ایک بار پھر اپنی قوت سماعت پر شبہ ہوا۔ تربینی کے رویے کی اس اچانک اور حیرت انگیز تبدیلی نے مجھے حیران کر دیا۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن تھا کہ جو شخص میرا سب سے بڑا دشمن ہو، جس نے میری ایک آنکھ کو اپنی طاقت کی بھینٹ چڑھا دیا ہو وہ مجھے دوست کہہ کر مخاطب کرے۔ ابھی میں ان باتوں پر غور کر ہی رہا تھا کہ تربینی دوبارہ بولا۔

"میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہہ رہا ہوں جمیل کہ آج کے بعد سے میں تم کو اپنا متر سمجھوں گا۔ تم سگے بھائیوں کے سمان میرے ساتھ رہو گے لیکن......"

لیکن کہہ کر تربینی خاموش ہو گیا تو میں سمجھ گیا کہ ضرور کوئی ایسی ہی افتادہ اس پر آن پڑی ہے جو وہ میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے ورنہ اس سے پہلے بھی میں اس کا برتاؤ دیکھ چکا تھا۔ تربینی کافی دیر تک خاموش رہا تو میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"آپ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئے۔ کیا کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟"

"آپ مت کہو جمیل احمد خان، تم اب میرے متر ہو۔" تربینی اپنا نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے پُرخیال انداز میں بولا۔ "جس طرح میں نے انکا کو حاصل کرنے کے لیے پریکشا کا جاپ کیا تھا اسی طرح آج

کل ایک اور پنڈت جاپ کر رہا ہے۔ اسے اپنا جاپ کرتے ہوئے پچیس دن سے زیادہ بیت چکے ہیں۔ اگر پندرہ دن کے اندر میں نے اس کا کوئی حل نہ تلاش کیا تو انکا میرے قبضے سے بھی نکل جائے گی۔"

تربینی کی بات سن کر میری نبض کی رفتار تیز ہوگئی۔ اب میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ تربینی نے میری طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھایا تھا۔ وہ غالباً مجھے اس پنڈت سے ٹکرانے کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا تاکہ انکا کو حاصل کرنے کے لئے اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ میں نے تربینی کی بے چینی کو محسوس کیا تو ایک عرصے بعد مجھے مسرت کا احساس ہوا۔ میں دل ہی دل میں مسکراتا رہا پھر تربینی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ وہ پنڈت کون ہے اور کہاں بیٹھا جاپ کر رہا ہے؟"

"اس منحوس کا نام شیو چرن ہے۔" تربینی نے تلملا کر کہا۔ "وہ وندھیا چل کی پہاڑی کے نیچے نمربدا ندی کے کنارے پر ایک پرانے مندر میں بیٹھا اپنا جاپ کرنے میں مگن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اس کا جاپ پورا ہونے سے پہلے مار ڈالو۔ میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ اگر تم سپھل (کامیاب) ہوگئے تو میرے متر بن کے رہو گے۔ میں سارا جیون تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔"

"میں تیار ہوں تربینی داس جی۔" میں نے فوری طور پر اپنی آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا پھر پوچھا "مگر کیا آپ نے انکا سے دریافت نہیں کیا کہ ہم اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے یا نہیں؟"

"پوچھا تھا پرنتو انکا اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتی جب تک پنڈت شیو چرن اپنے منڈل کے اندر ہے، انکا کی شکتی بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

"ایسی صورت میں بھلا میں کیا کر سکوں گا۔" میں نے دبی زبان میں کہا تو تربینی صاف گوئی سے بولا۔

"سنو جمیل احمد خان۔ تم جن حالات میں جیون بتا رہے ہو وہ موت سے بھی بدتر ہے۔ ایسی صورت میں تمہارے لیے شیو چرن سے ٹکرانا کوئی دشوار بات نہیں۔ اگر تم سپھل ہوگئے تو تمہارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ ناکام ہونے کی شکل میں تم اپنی موجود کٹھنائیوں سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پا جاؤ گے۔ بولو...... کیا یہ سودا تمہیں منظور ہے۔"

ہر چند کہ تربینی داس کی باتوں سے خود غرضی اور مکاری کی بو آ رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے جو مشورہ دیا تھا وہ غلط نہ تھا۔ میری زندگی واقعی مُردوں سے بدتر تھی۔ میں کچھ دنوں کھلی فضا میں سانس لینے کو بھی ترس گیا تھا۔ ایسی صورت میں اپنی زندگی کو تربینی کے بتائے ہوئے داؤ پر لگا دینا میرے لیے ایسا مسئلہ نہیں تھا جس پر میں غور و خوض کرتا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ تربینی میرا جواب سن کر یوں کھل اٹھا جیسے اس کی دلی مراد پوری ہوگئی ہو۔ وہ مجھے بڑی دیر تک پنڈت شیو چرن کے

بارے میں حالات سے آگاہ کرتا رہا پھر یہ کہہ کر چلا گیا کہ مجھے اگلے دن اپنے اس خطرناک سفر پر روانہ ہو جانا پڑے گا۔

تربینی کے جانے کے بعد میں تھکے ہوئے انداز میں اپنے پلنگ پر بیٹھ کر حالات پر غور کرنے لگا۔ میرا ذہن بری طرح ماؤف ہو رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب میری زندگی کے دن عنقریب پورے ہونے والے ہیں۔ مجھے اس بات کی مطلق توقع نہ تھی کہ میں منڈل میں بیٹھے ہوئے پنڈت شیو چرن کے مقابلے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکوں گا۔ میں تربینی کے سلسلے میں ایک بار پہلے بھی اس وقت اپنی قسمت کو آزما چکا تھا جب تربینی انکا کے حصول کے لیے جاپ میں مگن تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیو چرن سے ٹکرانا میرے لیے موت کے مترادف ہوگا پھر بھی میں نے تربینی کی بات ماننے سے انکار نہیں کیا اس لیے کہ میں کھلی فضا میں آزادی کی موت مرنا چاہتا تھا۔

میں سوچتا رہا۔ سوچتا رہا اور میرا ذہن چکراتا رہا۔ موت کا بھیانک تصور میرے اعصاب پر بتدریج اپنا قبضہ جماتا رہا لیکن پھر اچانک اندھیرے میں امید کی ایک ہلکی سی کرن ایسی پھوٹی کہ میں تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں کسی طرح عین اس وقت پنڈت شیو چرن کو مارنے میں کامیاب ہو جاؤں جب انکا تربینی داس کے قبضے سے نکل کر شیو چرن کے قبضے میں جا رہی ہو تو یقیناً میری کایا پلٹ سکتی ہے۔ میں ایک بار پھر انکا کو حاصل کر سکتا ہوں۔

میں اس روز تمام رات جاگتا رہا اور مختلف منصوبے بناتا رہا اور دوسرے دن تربینی کی ہدایت پر سورت (SURAT) کے لیے روانہ ہو گیا جہاں سے مجھے پنڈت شیو چرن کے ٹھکانے تک پہنچنا تھا۔

☆==========☆==========☆

شیو چرن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا وعدہ کر کے میں پونا سے سورت (SURAT) کے لیے روانہ ہو گیا۔ ایک عرصے بعد میں نے کھلی ہوا میں آزادی کا سانس لیا تھا۔ میں اپنی آزادی کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ تربینی داس نے کون سے ظلم تھے جو مجھ پر نہیں توڑے۔ میری جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو کب کا اس جہاں سے رخصت ہو جاتا لیکن یہ میں تھا۔ جمیل احمد خان۔ جو ظلم و ستم برداشت کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ جو اپنی ایک آنکھ کی بینائی اور ایک ہاتھ سے پہلے ہی محروم ہو چکا تھا۔ زندگی میرے لئے مُردوں سے بھی بدتر تھی۔ میں اسیری کی ان زنجیروں کو توڑنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب تربینی نے شیو چرن کا ذکر کیا اور حالات سے آگاہ کرتے ہوئے وندھیا چل جا کر موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کو کہا تو میں نے بے دھڑک اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید اسی طرح میری بگڑی تقدیر سنور جائے۔

تربینی نے پونا سے روانگی کے وقت اچھی خاصی رقم میرے حوالے کی تھی اور مجھے یقین دلایا تھا کہ اگر

میں شیو چرن کو مارنے میں کامیاب ہو گیا تو وہ مجھے آئندہ ہمیشہ اپنا دوست سمجھے گا اور ہر قسم کی آسائش بہم پہنچائے گا۔ مجھے تربینی کی باتوں کا کچھ زیادہ یقین نہ تھا مگر یہی ایک بہتر صورت تھی کہ میں تربینی کی اس پیشکش کو اس صورت پر ترجیح دوں کہ انکا شیو چرن کے قبضے میں چلی جائے۔

میں اب زندگی کے ایک ایسے دوراہے پر تھا جہاں ایک طرف موت اپنا بھیانک منہ کھولے مجھے ہڑپ کر جانے کے لیے بے چین تھی اور دوسری سمت تربینی کے خیال میں زندگی کی مسرتیں اپنا دامن وا کیے میری منتظر تھیں۔ مجھے زندگی کی مسرتوں سے زیادہ اپنی بھیانک موت کا یقین تھا اس لیے کہ منڈل میں بیٹھے ہوئے کسی پجاری کو مارنے کا تجربہ میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ اگر میں اس وقت کامیاب ہو گیا ہوتا تو آج اس حالت کو کبھی نہ پہنچتا۔ انکا تربینی کے بجائے میری ہی رہتی۔ وہ مجھ سے جدا نہ ہوتی۔

سورت پہنچ کر میں نے رات ایک معمولی درجے کے ہوٹل میں گزاری پھر صبح ہوتے ہی نربداندی کی سمت روانہ ہو گیا۔ اگلے روز میں نربدا کے کنارے پہنچ گیا۔ اس سفر میں جن جان لیوا تکالیف سے دوچار ہونا پڑا وہ کچھ میرا ہی دل بہتر جانتا ہے۔ اگر میں تفصیل سے ان حالات کا ذکر کروں تو ایک علیحدہ کہانی بن سکتی ہے لیکن میں اصل موضوع سے ہٹ کر قارئین کو الجھانا نہیں چاہتا۔

میں کسی نہ کسی طرح ویران مقامات اور گنجان آبادیوں سے گزرتا نربدا کے کنارے پہنچ کر اس پرانے مندر کی تلاش میں لگ گیا جہاں مجھے شیو چرن سے دو دو ہاتھ کرنے تھے۔ دو روز تک میں نے شب و روز اپنا سفر جاری رکھا۔ جہاں بھی مجھے کوئی نیا پرانا مندر نظر آیا' دھڑکتے ہوئے دل سے اس کے اندر جا کر دیکھتا مگر مایوس ہو کر آ جاتا۔ پیدل سفر کرتے کرتے میرے قویٰ جواب دینے لگے تھے' میں ایک ایک دن کا حساب کر رہا تھا۔ تربینی نے مجھے جو حساب بتایا تھا اس کے اعتبار سے صرف گیارہ دن شیو چرن کی کامیابی میں اور باقی رہ گئے تھے۔

دوسرے روز جب میں دن بھر پیدل سفر کرنے کے بعد رات کو ایک درخت کے نیچے سونے کے ارادے سے لیٹا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ رات میری زندگی کی آخری رات ثابت ہو گی۔ میرا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ مچھروں نے کاٹ کاٹ کر میرا سارا جسم داغ دار بنا دیا تھا۔ مجھے ہلکا ہلکا بخار بھی ہو چلا تھا۔ سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا لیکن ان تمام مصائب کے باوجود مجھے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ اگر میں اس ویرانے میں مر بھی گیا تو یہ موت آزادی کی موت ہو گی۔

دن بھر کی تکان کی وجہ سے مجھے لیٹتے ہی نیند آ گئی اور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔ بہت دیر بعد جب میں ہڑبڑا کر جاگا اس وقت قرب و جوار کا تمام علاقہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دور سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ میری آنکھ کیونکر کھلی کہ اچانک میرے سر پر تیز پنجوں کی چبھن شروع ہو گئی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں ان پنجوں کی چبھن سے بخوبی واقف تھا۔ میں

نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں اور عالم تصور میں اپنے سر کی جانب توجہ کی تو مجھے اپنے حواس پر یقین نہیں آیا۔ انکا میرے سر پر موجود تھی۔ میرا دل چاہا کہ اس بے وفا سے کوئی بات نہ کروں لیکن اس وقت اس کے چہرے پر کچھ ایسی سوگواری طاری تھی کہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں چاہنے کے باوجود انکا سے اپنی نفرت کا اظہار نہ کر سکا اور ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آمد پر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اپنے کسی بچھڑے ہوئے عزیز سے مل رہا ہوں یا اپنی محبوبہ سے جسے مجھ سے کسی نے چھین لیا ہو اور جو حالات کے ستم سے مجبور اپنے گم گشتہ محبوب کے پاس آئی ہو۔ میں نے رقت آمیز آواز میں آہستگی سے کہا۔

''انکا۔ کیا یہ تم ہو؟''

''ہاں یہ میں ہوں جمیل احمد خان۔'' انکا نے اداسی سے مختصر سا جواب دیا۔

''تم یہاں کیسے آ گئیں۔ آخر تمہیں میرا خیال کیونکر آ گیا؟'' میں نے محسوس کیا کہ انکا کی آنکھوں میں غم کی پرچھائیاں تیر رہی ہیں۔

وہ کسی نوجوان بیوہ کی طرح لٹی لٹی اور سوگوار سی نظر آ رہی تھی۔ چپ چپ اور خاموش خاموش سی۔ کچھ دیر تک میری بات کا جواب دیے بغیر وہ اپنے پنجوں کو اضطراب کی حالت میں میرے سر پر مارتی رہی پھر اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''جمیل احمد خان' میں اپنے آقا کے حکم پر تمہاری مدد کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔''

''آقا۔'' میں جھنجھلا کر بولا۔ ''کیا تمہیں واقعی اب مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں رہی۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس کبھی نہیں ستاتا کہ میں اس حالت تک محض تمہاری وجہ سے پہنچا ہوں۔ تمہاری محبت کی وجہ سے۔''

''یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔'' انکا ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ ''محبت کی باتیں تھیں جمیل احمد خان۔ ان کی یاد سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تمہیں کتنی بار بتاؤں۔ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ میں اب تمہاری نہیں رہی۔ میں تو تربینی داس کی غلام ہوں اور اس کے حکم کے بغیر کوئی قدم اٹھانا میرے بس میں نہیں۔''

انکا کے لہجے میں جو کسک تھی اسے محسوس کر کے میری حالت اور غیر ہو گئی لیکن میں نے انکا سے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں جانتا تھا کہ میری آہ و زاری بے سود ہو گی اس لیے کہ انکا صرف اور صرف تربینی داس کی تابع تھی۔ مجھ سے اس کی جدائی میں پُراسرار طاقتیں شامل تھیں۔ میں بس انکا کو حسرت بھری نظروں سے تکتا رہا۔ میرا جی چاہا کہ میں اس قدر روؤں' اس قدر چیخوں کہ مجھے موت آ جائے۔ میں پاگل ہو جاؤں۔

''جمیل احمد خان تم اپنی راہ سے بھٹک چکے ہو۔ تمہیں جس پرانے مندر کی تلاش ہے وہ ندی کے

دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ صبح ہوتے ہی تم کشتی کے ذریعے دوسرے کنارے پر پہنچو۔ دوسرے کنارے پر اتر کر تمہیں بائیں جانب چلنا ہوگا اور اس راستے پر جو پہلا مندر آئے گا وہی تمہاری منزل ہوگی۔ شیو چرن تمہیں اسی مندر میں ملے گا۔"

میں خاموشی سے انکا کی ہدایت سنتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔

"انکا۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ میں شیو چرن کو مارنے میں کامیاب ہو جاؤں گا؟"

"جب تک شیو چرن منڈل میں ہے' میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" انکا کے لہجے سے مایوسی مترشح تھی۔

"مجھے خوشی ہے انکا کہ تم نے میری رہنمائی کی زحمت مول لی لیکن کیا تم ایک دو روز میرے پاس نہیں کر سکتیں۔ میرا مطلب ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مجھے پھر تمہارے مشورے کی ضرورت پیش آ جائے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے انکا کو مخاطب کیا۔ میری شدید خواہش تھی کہ وہ کسی طور پر میری بات مان لے۔ اس کی موجودگی میں میرے حوصلے بلند رہ سکتے تھے لیکن انکا نے بڑی بے زخی سے میری خواہش کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مشکل ہے جمیل احمد خان۔ میرے آقا نے مجھے صرف اتنا حکم دیا تھا کہ میں تمہاری رہنمائی کر دوں پھر واپس چلی آؤں۔ چنانچہ اب میں جا رہی ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا دھیان رکھنا۔"

"انکا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم مجبور اور بے بس ہو لیکن کیا تم مجھے اتنا بھی نہیں بتا سکتیں کہ آنے والے حالات میری زندگی میں اور کیا گل کھلانے والے ہیں۔"

"میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی جمیل احمد خان۔ مجھ سے کچھ مت پوچھو۔" انکا نے جواب دیا۔

"یہ تم میرا پورا نام کیوں لیتی ہو انکا۔ اس میں مجھے بڑی اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میں تم سے بہت دور ہوں۔ کم از کم میرے اس احساس کو مجھ سے دور نہ کرو کہ تم کسی اور کے پاس رہ کر بھی میری ہمدرد ہو۔ تم مجھے جمیل کیوں نہیں کہتیں۔ اسی لہجے میں مخاطب کیوں نہیں کرتیں جس کی شیرینی کا میں عادی رہا ہوں۔ کیا تمہارے لہجے پر بھی پابندی عائد ہے۔ میں یہ سب کچھ تمہارے لیے ہی تو کر رہا ہوں۔" میں نے جذبات میں نہ جانے کیا کچھ کہا مگر انکا میری کرب انگیز گفتگو سے متاثر نہیں ہوئی۔ اس کا لہجہ اب بھی وہی تھا۔

"جمیل احمد خان' میرا سارا وجود تر بینی کا تابع ہے۔ تم میرے لیے اجنبی ہو۔ ہاں' میں تمہیں صرف ایک مشورہ دے سکتی ہوں کہ مجھے مت یاد کیا کرو۔ مجھے حاصل کرنے کے لئے جو کچھ تم کر رہے ہو' کئے جاؤ یا نہ کئے جاؤ' مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

"مجھے تمہاری یاد بہت ستاتی ہے۔ اتنی دور جانا تھا تو میرے پاس کیوں آئی تھیں۔" میں نے تقریباً رو

دینے والے انداز میں کہا۔

جواب میں انکا نے ایک لمحے کے لیے مجھے نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھا پھر اس کی نظروں میں بے بسی کا احساس جھلک اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے محبت سمٹ آئی مگر پھر اچانک پھدک کر وہ میرے سر سے اتر گئی۔ میں اسے آوازیں دیتا رہا لیکن بے سود۔ انکا تر بینی کے حکم سے واپس جا چکی تھی۔ وہ رات میں نے بڑے کرب کی حالت میں کاٹی۔ انکا کا تصور رہ رہ کر مجھے بے چین کر رہا تھا۔ میں ساری رات انکا کے بارے میں سوچتا رہا اور اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خاطر مختلف منصوبے بناتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں ہمت کر کے اٹھا اور ندی کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ کچھ دور جا کر مجھے وہ گھاٹ مل گیا جہاں سے یاتری اور دوسرے مسافر کشتیوں کے ذریعے دوسرے کنارے تک جاتے تھے۔ میں نے ایک کشتی لی اور اپنے سفر آگے کی سمت بڑھنے لگا۔

ندی کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر میں نے ایک طویل سانس لی۔ قرب و جوار کے علاقے پر ایک نظر ڈالی پھر انکا کی ہدایت کے مطابق بائیں جانب قدم اٹھانے لگا۔ دوپہر تک میں نے گرتے پڑتے تین کوس کی مسافت طے کی لیکن کوئی مندر نظر نہیں آیا۔ تھک ہار کر میں نے ندی کے پانی سے منہ دھویا۔ بھوک کی شدت سے میرا برا حال تھا لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں کسی درخت پر چڑھ کر پھل توڑ سکتا۔ قرب و جوار میں کوئی ایسی سرائے بھی نظر نہیں آتی تھی جہاں سے میں خوراک حاصل کر سکتا۔ چنانچہ میں نے چند گھونٹ پانی کے پیئے اور اپنے مضمحل اعصاب کو تازہ کرنے کے لیے وہیں پڑا رہا۔ تازہ ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے مجھ پر غنودگی کی کیفیت طاری کی تو میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ میری آنکھ کھلی تو دن ڈھل چکا تھا اور درختوں کے سائے لمبے ہونے لگے تھے۔ نیلے آسمان پر دودھیا بگلے قطار در قطار اپنے بسیروں کی طرف محو پرواز تھے۔ میں جلدی سے اٹھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ ابھی میں نے بمشکل ایک کوس کی مسافت اور طے کی تھی کہ مجھے ایک پرانا مندر نظر آنے لگا جو کنارے سے کچھ دور ایک اور ٹیلے پر واقع تھا۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ مندر کے قریب پہنچ کر میں نے اطراف کا جائزہ لیا تو ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ دور دور تک نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد۔ ایک لمحے تک میں گنگ سا کھڑا ماحول کا جائزہ لیتا رہا پھر لرزتے قدموں سے مندر کے شکستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اندر جھانکا تو میرے تنفس کی رفتار دوچند ہو گئی۔ مندر کے اندر ملگجا اندھیرا طاری تھا لیکن میں اس نیم تاریکی میں پجاری کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جو ٹوٹے پھوٹے فرش پر درمیان میں آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ صندلی دانوں والی مالا پر بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ میں ٹھیک طور سے پجاری کی صورت تو نہ دیکھ سکا لیکن اتنا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہی پجاری شیو چرن ہوگا۔ انکا کی رہبری غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ میں دروازے پر ساکت و جامد کھڑا کچھ دیر تک دیکھتا رہا پھر الٹے قدموں لوٹ آیا۔ میں نے اندھیرے کے

بجائے اجالے میں اس سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔

رات میں نے پرانے مندر سے ایک فرلانگ دور ایک کھلی چٹان پر گزاری۔ صبح ہوئی تو میں نے اٹھ کر ندی پر غسل کیا۔ درختوں سے کچھ پھل توڑ کر کھائے پھر اسی مندر کی سمت چل پڑا جس میں رات، شیو چرن کو جاپ میں مگن دیکھ چکا تھا۔ ہر چند کہ میں بری طرح تھک چکا تھا لیکن اس وقت غسل اور شکم سیری کے بعد میں اپنے اندر توانائی محسوس کر رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنی منزل پر تھکا دینے والے سفر کے بعد پہنچ چکا تھا۔ کچھ اور نہیں تو مجھے یہ یقین تو تھا کہ اگر میں شیو چرن کو کسی طرح مارنے میں کامیاب ہو گیا تو میری زندگی بدل جائے گی۔ تربنی داس نے چونکہ انکا کی موجودگی میں مجھے متر (دوست) بنانے کا وچن دیا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے۔

پونا سے روانگی کے وقت میں نے طے کیا تھا کہ شیو چرن کو عین اس وقت ماروں گا جب انکا تربنی داس کے قبضے سے نکل کر شیو چرن کے پاس جا رہی ہو لیکن رات کو اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد میں نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اول تو میرے لیے شیو چرن کو مارنا ہی مشکل تھا پھر وقت کا تعین میرے بس سے باہر تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شیو چرن کا جاپ پورا ہونے کے کتنی دیر بعد انکا تربنی کے سر سے اس کے سر پر آ جائے گی۔ جب کہ انکا ایک چھلاوا تھی۔ فاصلے اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ شیو چرن کے جاپ مکمل کرنے کے بعد ایک مقررہ وقت انکا کو اس کے سر پر آنے میں لگے گا تو میں خطرہ مول لے لیتا مگر مجھے اس کا کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔ میں نے ہر پہلو پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر انکا شیو چرن کے قبضے میں چلی گئی تو نہ جانے اور کیا خطرناک حالات پیش آئیں۔ چنانچہ میں نے تربنی داس کے دیے ہوئے وچن پر بھروسا کر لیا اور یہی فیصلہ کیا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے گا' شیو چرن کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ تربنی اگر وعدے سے پھر بھی جائے تو میرے حالات میں کیا فرق آئے گا۔

پرانے مندر میں اس وقت اچھی خاصی روشنی تھی اس لیے میں اس پجاری کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہٹا کٹا پجاری سرتاپا الف ننگا تھا۔ اس نے اپنے کشادہ سینے پر صندل مل رکھا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال خودرو جھاڑیوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں موندے وہ مالا پر جاپ میں مگن تھا۔ جس جگہ وہ بیٹھا تھا اس کے اطراف میں سفید دائرہ سا بنا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہی وہ منڈل ہے جس کے اندر انکا کی پُراسرار قوت بھی بیکار ہے۔

چند لمحے تک میں مبہوت کھڑا شیو چرن کو دیکھتا رہا پھر قدم اٹھاتا سفید لکیر کے قریب گیا اور بلند آواز میں شیو چرن کو مخاطب کر کے بولا۔

"ارے او مورکھ! تو جو تپسیا کر رہا ہے اس میں تیرا سپھل ہونا ناممکن ہے۔ اگر تجھے اپنا جیون پیارا ہے

تو اپنا جاپ چھوڑ کر منڈل سے باہر آ جا' نہیں تو میں تجھے ایسا کشٹ دوں گا کہ سارا جیون بیاکل رہے گا۔"

میں نے محض ہوا میں تیر چھوڑا تھا لیکن اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ شیو چرن کی انگلیاں مالا پر چلتے چلتے تھم گئیں۔ اس نے آنکھیں کھول کر میری سمت حیرت سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دہکتے شعلے دیکھ کر میں ایک پل کے لیے لرز اٹھا لیکن پھر ہمت کر کے بولا۔

"شیو چرن۔ میں تیرے من کی آشا کو پڑھ چکا ہوں۔ تو انکا کی پُراسرار شکتی کو قبضے میں کرنے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔ پرنتو تیرا یہ سپنا پورا نہیں ہو سکتا۔ میری مان اور منڈل سے باہر آ جا۔ جان بچانے کا تیرے لیے کیول یہی ایک طریقہ ہے۔ یاد رکھ اگر تو نے میری اچھا کا پالن نہ کیا تو تجھے سارا جیون کٹھنائیوں میں بتانا ہو گا۔"

شیو چرن بدستور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میرا دل باہر آ رہا تھا۔ میں نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ ابھی پوری طرح نشانے پر نہیں لگا تھا۔ شیو چرن کچھ دیر تک مجھے یوں گھورتا رہا جیسے وہ میری باتوں کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہو پھر اچانک اس کی آنکھوں میں شعلے سے رقص کرنے لگے۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر زور سے مجھے دھتکار دیا اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کر کے اپنے جاپ میں مگن ہو گیا۔ صندلی دانوں کی مالا پر اس کی انگلیاں دوبارہ چلنے لگیں۔ میری پہلی کوشش رائیگاں گئی۔ میں نے دو تین بار ہمت کر کے اور دیوی دیوتاؤں کے الٹے سیدھے نام لے کر اسے ڈرانا چاہا لیکن نتیجہ صفر رہا۔ شیو چرن نے نہ تو میری باتوں پر کوئی دھیان دیا اور نہ آنکھیں ہی کھولیں۔ پوری توجہ سے اپنے جاپ میں مگن رہا۔ میں تلملا کر مندر سے باہر آیا اور چٹان سے ایک وزنی پتھر بمشکل اٹھا کر دوبارہ اندر گیا۔ منڈل کے قریب پہنچ کر میں نے وزنی پتھر کو اپنے ہاتھ سے بلند کیا اور جسم کی پوری قوت جمع کر کے اسے شیون چرن کی سمت اچھال دیا۔ پتھر اگر شیو چرن کے سر سے ٹکراتا تو وہ یقیناً مرتا لیکن جو کچھ ہوا وہ میرے اوسطان خطا کر دینے کے لیے کافی تھا۔ میرا پھینکا ہوا پتھر شیو چرن کے سر پر پہنچ کر ہوا میں معلق ہو گیا پھر تیزی سے میری سمت واپس پلٹا۔ میں نے بوکھلا کر ایک طرف ہو کر خود کو بچانا چاہا لیکن اس کے باوجود پتھر میرے بائیں شانے سے اس زور سے ٹکرایا کہ میں کراہ کر فرش پر الٹ گیا۔ شیو چرن کی محویت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بدستور اپنے جاپ میں مگن تھا۔ میں نے اپنے شانے پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ خون ابل ابل کر میرے جسم کو لہولہان کر رہا ہے۔ تکلیف کی شدت نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو کراہ کر دوبارہ فرش پر آ رہا۔ موت کا بھیانک تصور میرے اعصاب پر پوری طرح حاوی تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر میں کچھ دیر اور اسی طرح پرانے مندر کے اندر رہا تو میرا دم گھٹ جائے گا۔ میں نے اٹھنے کے بجائے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ دروازے سے باہر تک جانے میں کتنا وقت صرف ہوا مجھے کچھ یاد نہیں البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ دروازے سے باہر آتے

ہی میری ہمت جواب دے چکی تھی اور میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر میں نے خود کو نیم مردہ حالت میں اسی پرانے مندر کے دروازے پر پڑا پایا۔ میرا شانہ پیپ بھرے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ ہر سو اندھیرا پھیلا دیکھ کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں پورے دن بے ہوش رہا ہوں۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے میرے حلق کے اندر کانٹے پڑ گئے تھے۔ غالباً وہ بخار کی شدت ہی تھی جس کے باعث میرا جسم پھنکا جا رہا تھا۔ موت کا تصور جاگا تو گھٹن کا احساس اور شدید ہو گیا۔ میں نے خوف زدہ نظروں سے پرانے مندر کی طرف دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے پرانا مندر مجھے کچل ڈالنے کے لیے میری سمت بڑھ رہا ہے۔ خوف اور دہشت کے بارے میں میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میں نے ہمت کر کے رینگنا چاہا لیکن توازن نہ رکھ سکا اور پتھریلی چٹان سے نشیب کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ میرا ذہن ایک بار پھر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ میں ایک بار پھر بے ہوش ہو گیا تھا۔

دوسری بار کی بے ہوشی کتنی طویل ثابت ہوئی' یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ جب میری نگاہوں کے سامنے سے تاریکی کا پردہ ہٹا تو میں نے خود کو ایک کٹیا میں پایا جہاں ایک پنڈت نما سادھو موجود تھا۔ جب میری نگاہ اس سادھو پر پڑی تو میں سمجھا کہ وہ شیو چرن ہے جو اپنا انتقام لے گا۔ سادھو نے مجھے حیرت سے دوچار دیکھا تو اس نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر میرے اوپر پھونکا اور آہستہ سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں ہکا بکا ہر چیز کو معنی خیز نظروں سے گھور رہا تھا کہ وہی سادھو دوبارہ کٹیا میں داخل ہوا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں پیتل کی ایک لٹیا سی تھی جس سے بھاپ نکل رہی تھی۔ میرے قریب آ کر سادھو بیٹھا پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''لو اٹھو...... اور یہ گرما گرم دودھ پی لو۔''

''مم...... میں...... کہاں ہوں؟'' میں نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے کٹیا میں اپنی موجودگی نہ جانے کیوں عجیب پُراسرار لگ رہی تھی۔ کچھ حواس بجا ہوئے تو مجھے یاد آ گیا کہ میں پرانے مندر سے باہر نکل کر کن حالات سے دوچار ہوا تھا۔ میرے شانے سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا اور اسی غنودگی اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں' میں نے پرانے مندر سے دور بھاگ جانے کی کوشش کی تھی لیکن توازن کھو کر نشیب میں لڑھکتا چلا گیا تھا۔ اب ہوش میں آنے پر میں کسی سادھو کی کٹیا میں تھا جو مجھے دودھ پلانے کی سعی کر رہا تھا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟ میں اس کٹیا تک کیونکر پہنچا؟ مجھ سے ہمدردی جتانے والا سادھو آخر کون تھا؟ میں ان تمام باتوں کو جاننے کے لیے مضطرب تھا۔ سادھو نما پنڈت نے مجھے بے چین دیکھا تو زیر لب مسکرا کر بڑے میٹھے لہجے میں بولا۔

''میں تمہارا دشمن نہیں۔ اس قدر خوف سے مجھے مت دیکھو۔ اگر میں تمہارا دشمن ہوتا تو تمہیں کٹیا تک

لانے کے بجائے اسی جگہ چھوڑ آتا جہاں تم خون میں لت پت پڑے تھے۔ اگر میں اس سے تمہاری سہائتا نہ کرتا تو اب تک تم مرکھپ چکے ہوتے۔ اٹھو بالک اور مجھ پر وشواش کر کے دودھ کو پی لو۔''

سادھو کی باتوں میں نہ جانے کیسا جادو تھا کہ میں نے بے اختیار اس کا کہا مان لیا۔ دودھ حلق سے نیچے اترا اور جسم کو گرمائی پہنچی تو مجھے یوں لگا جیسے مجھ میں نئی روح سرایت کر گئی ہو۔ سادھو کی نظریں بدستور مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ ان نظروں میں میرے لیے نفرت کے بجائے اپنائیت کا احساس جھلک رہا تھا۔ میں نے دودھ پی کر اطمینان کا سانس لیا پھر اس مہربان شخص کو مخاطب کر کے بولا۔

''سادھو مہاراج۔ میں نے تمہارا کہا مان لیا۔ اب کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور کس طرح تم نے مجھے موت کے چنگل سے نجات دلائی؟ اس وقت میں کہاں ہوں؟ میں کتنے دنوں تک بے ہوش رہا؟''

میں نے سادھو پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھا میرا منہ تکتا رہا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

''بھگوان کی لیلا بڑی نیاری ہے بالک۔ جو وہ کرتا ہے پتا نہیں کیوں کرتا ہے۔ وہ جو چاہے کر دیتا ہے' منش کی کیا مجال جو اس کے کاموں میں دخل دے سکے۔ اس نے جو بھاگ میں لکھ دیا ہے وہ پورا ہوتا ہے۔''

سادھو اتنا کہہ کر ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اسی نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''جمیل احمد خان، میں سادھو نہیں پنڈت ہوں۔ پنڈت بدری نرائن۔ وندھیا چل کے دامن میں کچھ دنوں سکون سے رام رام کرنے کے کارن آیا تھا' پرنتو اب مجھے ایسا جان پڑتا ہے جیسے بھگوان نے مجھے یہاں تمہاری سہائتا کے لیے بھیجا ہے۔ جے بھگوان۔'' اس نے عجز سے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''پر تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟'' میں نے تعجب سے پنڈت بدری نرائن سے پوچھا تو وہ معنی خیز مسکراہٹ اپنے لبوں پر بکھیر کر بولا۔

''جمیل احمد خان' تم نام کی بات کرتے ہو' مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس پرانے مندر میں کس کام سے گئے تھے اور پھر اس حال تک کیسے پہنچے؟ کہو تو سنا ڈالوں تمہیں پوری جیون کہانی؟''

پنڈت کے لہجے کا سحر مجھے مسحور کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے بدری نرائن کو پہلے بھی کہیں بہت قریب سے دیکھا ہے لیکن کہاں؟ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ بہر حال مجھے اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اسے مجھ سے ہمدردی ہے۔ ہاں یہ بات میرے لیے حیران کن ضرور تھی کہ وہ میرے دل کے راز سے کیسے واقف ہو گیا۔ یقیناً وہ کوئی گیانی پنڈت تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔

"پنڈت مہاراج' جب تم جانتے ہو کہ میں اس ویرانے میں کس کارن ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں اور پرانے مندر تک جانے کی وجہ کیا تھی تو تم میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھے بتاؤ مہاراج۔ کیا میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں گا؟ کیا میری آشائیں پوری ہوں گی؟"

"شانتی سے کام لو بالک۔" پنڈت بدری نرائن نے بڑے پُروقار لہجے میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں تمہارے من کا سارا حال پڑھ چکا ہوں۔ میں اوش تمہاری سہائتا کرتا۔ پرنتو سمے بہت کم رہ گیا ہے۔"

"پنڈت مہاراج۔" مجھے اچانک شیو چرن کا خیال آیا تو میں نے تڑپ کر پوچھا۔ "کیا پرانے مندر میں بیٹھا پجاری اپنا جاپ پورا کر چکا ہے؟"

"نہیں۔ ابھی اس کا جاپ پورا ہونے میں تین دن باقی ہیں۔" پنڈت بدری نرائن نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اگر اتنے دنوں بے سدھ نہ ہوتے تو کچھ کیا جا سکتا تھا۔ پرنتو اب تمہارے من کی آشا پوری ہونے میں کٹھنائیاں ہیں۔ مجھے سوچنے دو بالک' مجھے سوچنے دو۔ تم جس شکتی کو نیچا دکھانے کی کوشش کر رہے ہو اس کے سامنے بڑی بڑی شکتیاں بھی ہیچ ہیں۔ مجھے سوچنے دو۔"

بدری نرائن کافی دیر تک کسی گہری سوچ میں غرق رہا۔ میں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے میں منہمک تھا۔ کبھی اس کی آنکھوں میں ایسی اداسی پھیل جاتی جیسے وہ مایوسیوں کا شکار ہو گیا ہو اور کبھی اس کی رنگت یوں کھل اٹھتی جیسے وہ کسی آخری نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔ دیر تک بدری نرائن ان متضاد کیفیتوں سے دوچار رہا۔ پھر یک لخت وہ میری سمت متوجہ ہوا۔

"جمیل احمد خان میری مانو تو اس ارادے سے باز آ جاؤ۔ اس میں تمہاری جان کا خطرہ ہے۔"

"پنڈت جی۔" میں نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "پنڈت جی' مجھے اپنی جان کی پروا نہیں۔ میں تو کئی بار مر چکا ہوں۔ میں اس سمے بھی خود کو مرا ہوا سمجھتا ہوں۔ مجھے بتاؤ مہاراج' میں کس طرح اسے زیر کر سکتا ہوں۔"

"بیاکل نہ ہو۔ بیاکل نہ ہو۔" پنڈت نے مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "پر میں شیو چرن کو اس کے جاپ سے ہٹانے میں تمہاری سہائتا کیوں کروں۔ شیو چرن نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔"

"پنڈت جی۔ تم نے مجھے دوسری زندگی دی ہے۔ اب جب زندگی دی ہے تو اسے برقرار بھی رکھو اگر تم نے میری سہائتا نہ کی تو میں اسی کٹیا میں اپنا سر پھوڑ کر مر جاؤں گا۔ میں نے بہت مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ پنڈت جی۔ بھگوان کے لیے میری سہائتا کرو۔ مجھے وشواش ہے تم سب کچھ کر سکتے ہو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا تو پنڈت بدری نرائن کا دل پسیجا۔ وہ بہت خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"جمیل احمد خان' تم شیو چرن سے پنجہ کر سکتے ہو۔ پرنتو اس کے لیے تمہیں بھی کشٹ اٹھانا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں مہاراج۔" میں خوشی سے تقریباً چیخ اٹھا۔ "انکا کی خاطر میں کالی مائی کے چرنوں میں

اپنا جیون بھی بھینٹ دینے کو تیار ہوں۔ تم میرے شریر کا جتنا گوشت چاہو لے سکتے ہو۔"

"تمہیں کل تک اور انتظار کرنا ہو گا۔" بدری نرائن نے جواب دیا۔ "آج کی رات مجھے نربدا کے کنارے گزارنی ہو گی۔ میں کالی مائی کو تمہارے لیے رام کرنے کی کوشش کروں گا۔ پرنتو اتنا دھیان رکھو کہ جب تک میں پلٹ کر نہ آؤں' تم اس کٹیا سے باہر نہیں نکلو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا۔"

"تم اس کی چنتا نہ کرو مہاراج۔ میں تمہارا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔"

بدری نرائن میرا جواب سن کر جانے کے ارادے سے اٹھا تو میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوچھ ہی لیا۔

"مہاراج کیا انکا مجھے واپس مل جائے گی؟"

"اتنی جلدی اتنی باتیں۔ پہلے شیو چرن کو تو نیچا دکھاؤ۔ پھر انکا کی چنتا کرتے رہنا۔" بدری نرائن نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر کٹیا سے باہر چلا گیا۔

وہ رات میری زندگی کی قیامت خیز راتوں میں سے ایک تھی' ایک اہم فیصلہ ہونے والا تھا۔ منزل مجھ سے بہت قریب تھی اور بہت دور بھی۔ میں عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ وہ رات میں نے بڑی بے چینی اور کرب کی حالت میں گزاری۔ بدری نرائن کے بارے میں' میں نے بہت غور و غوض کیا لیکن یہ یاد نہ آ سکا کہ میں نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ جس طرح میری مدد پر آمادہ ہو گیا تھا وہ مجھے حیرت زدہ کیے دیتا تھا۔ اب مجھے پورا یقین تھا کہ وہ یقیناً کوئی بہت پہنچا ہوا پنڈت ہے جو دوسروں کے دلوں کا حال پڑھنے کی طاقت بھی رکھتا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ سے بالاتر تھی۔ اگر بدری نرائن انکا کی پُراسرار اور لامحدود قوتوں سے واقف تھا اور اسے یہ بھی علم تھا کہ انکا کو کس طرح شیو چرن کے ہاتھوں بچایا جا سکتا ہے تو اس نے میری مدد کرنے کے بجائے خود انکا کے پراسرار وجود کو قبضے میں کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ کیا وہ انکا کی قوتوں سے زیادہ شکتی رکھتا تھا۔ عجیب عجیب خیالات مجھے گھیرے ہوئے تھے۔ میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ رہا تھا۔

رات بھر میں اسی ادھیڑ بن میں رہا اور تشویش میں مبتلا رہا۔ متعدد بار میرا دل چاہا کہ کٹیا سے باہر نکل کر دیکھوں کہ میں اس وقت کہاں ہوں اور بدری نرائن میرے لیے کیا کر رہا ہے لیکن بدری نرائن کی ہدایت کا خیال کرتے ہوئے میں نے باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ رات میں نے اپنی جسمانی کیفیت کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ میرے شانے پر زخم کا بہت معمولی نشان باقی ہے۔ غالباً یہ بدری نرائن کی قوتوں کا کرشمہ تھا۔ میں جس قدر اس کے متعلق سوچتا اتنا ہی اس سے متاثر ہوتا جاتا۔

صبح ہوئی تو میری بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا۔ میں بڑی شدت سے بدری نرائن کا منتظر تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' میری پریشانی بھی بڑھتی گئی۔ دن جب خاصا چڑھ آیا تو بدری نرائن کٹیا میں داخل ہوا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے۔ نیند کا خمار اس کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''مہاراج' مجھے یقین ہے کہ تم کامیاب لوٹے ہو۔ تم نے کالی مائی کو میرے سلسلے میں رام کر لیا ہے۔ بتاؤ مہاراج' کیا یہ سچ ہے۔''

''شانتی۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''دھنیہ ہو جمیل احمد خان۔ کالی مائی نے تمہاری بھینٹ کو سویکار کرنے کا وچن دیا ہے۔''

''پھر۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے۔۔؟''

''تمہارے لیے حکم۔ تم اب ایک سب سے مشکل کام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب مجھے تمہارے شریر کا گوشت لے کر اس پر ایک منتر کا جاپ کرنا ہوگا۔'' بدری نرائن نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ ''جاپ مکمل ہو جانے کے بعد تم اپنے شریر کے اس ٹکڑے کو لے کر پرانے مندر جاؤ گے اور کالی کا شبھ نام لے کر اسے شیو چرن کی اور (سمت) اچھالو گے۔ آگے کیا ہوگا۔ یہ تم خود دیکھ لینا۔ بتاؤ کیا تم تیار ہو؟''

بدری نرائن کی باتوں سے مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو چلا تھا چنانچہ میں فوراً ہی اپنے بدن کا گوشت دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ کام چھوٹے موٹے دل گردے والے آدمی کا نہیں۔ بات کہہ دینا بہت آسان ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ دانستہ اپنے جسم سے اپنے کسی حصے کو علیحدہ کرنے کے لیے کتنی قوت برداشت کی ضرورت ہے۔ بدری نرائن نے جس وقت ایک تیز دھار چھری سے میری بائیں ران کا گوشت کاٹا اس وقت میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے لیکن انکا کے خوب صورت تصور نے مجھے حوصلہ بخش دیا تھا۔ میں نے اپنا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا تا کہ چیخ کی آواز میرے حلق سے نہ نکلنے پائے۔ گوشت کا ٹکڑا حاصل کرنے کے بعد بدری نرائن نے جب کھلے زخم پر ایک سیاہ رنگ کا سفوف بھرا تو میں اپنی چیخ نہ روک سکا لیکن بدری نرائن میری چیخ کی طرف کوئی توجہ دیے بغیر گوشت کا ٹکڑا لیے باہر چلا گیا۔ کٹیا سے نکلتے ہوئے اس نے ایک بار پھر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں اس کی واپسی تک باہر نکلنے کی کوشش نہ کروں۔

چنانچہ میں ایک بار پھر شدید ترین کرب سے دوچار ہو گیا۔ تکلیف کی بے انتہا شدت کی وجہ سے میں یہ بھی دریافت نہ کر سکا کہ اس کو اپنا جاپ مکمل کرنے میں کتنی دیر لگے گی لیکن مجھے اس بار زیادہ دیر تک بدری نرائن کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ دوبارہ کٹیا میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں شعلہ بار نظر آ رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ شدید غصے کے عالم میں ہو۔ قبل اس کے کہ میں اس سے کوئی سوال کرتا' اس نے میرے قریب آ کر گوشت کا ٹکڑا میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''اٹھو بالک۔ اب وہ سمے آ گیا ہے جب تم شیو چرن کے منڈل کو نشٹ کر سکتے ہو۔ اپنے شریر کے اس بے جان ٹکڑے کو لے کر تم سیدھے پرانے مندر جاؤ گے لیکن خبردار! راستے میں پلٹ کر دیکھنے کی کوشش مت کرنا۔ مندر میں تم ٹھیک اس سمے داخل ہو گے جب سورج غروب ہو رہا ہو۔ منڈل کے قریب جا کر تم کالی کا شبھ نام لے کر اس ٹکڑے کو شیو چرن کی طرف اچھال دینا اور اس وقت تک موجود رہنا جب تک تمہیں منڈال میں آگ کے شعلے نظر نہ آئیں۔ اس کے بعد تم الٹے قدموں واپس آ جانا۔ اگر تم نے میری باتوں کا دھیان رکھا تو اوش کامیاب ہو گے۔''

میں بڑی توجہ سے بدری نرائن کی ہدایت ذہن نشین کر رہا تھا۔ جب وہ کہہ چکا تو میں نے کہا۔

''مہاراج' جو کچھ تم میرے لیے کر رہے ہو میں اس کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں لیکن میرے بدن میں اتنی طاقت نہیں کہ اپنے پیروں پر اٹھ کر کھڑا ہو سکوں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ پرانا مندر یہاں سے کتنی دور ہے۔''

بدری نرائن نے میری ہمت بڑھائی۔ ''جمیل احمد خان' کسی طرح اپنے اندر اتنی ہمت پیدا کرو کہ تم اس کام کو کر سکو۔ تمہیں اپنی اسی حالت میں یہ کام انجام دینا ہے۔'' یہ کہہ کر اس کے ہونٹوں کو جنبش شروع ہو گئی تھی۔ غالباً وہ پھر کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ میں امید و بیم کی کیفیت سے دوچار اس کا چہرہ تکتا رہا۔ بیس پچیس منٹ تک کٹیا میں مکمل سکوت رہا پھر جب بدری نرائن نے اپنا منتر پورا کر کے مجھ پر پھونک ماری تو مجھے ایسا لگا جیسے میری تکلیف میں کمی آ گئی ہو۔ مجھے اپنے رگ و پے میں کسی قدر توانائی کا احساس ہو رہا تھا۔ بدری نرائن کے اشارے پر گرتا پڑتا اٹھ گیا اور اپنی تمام طاقت کو مجتمع کر کے خود کو کھڑا ہی رکھا۔

''سنو بالک۔'' بدری نرائن مجھے مخاطب کر کے بولا۔ ''کٹیا سے باہر نکل کر تم پچھم کی اور (سمت) چل پڑنا۔ پرانا مندر یہاں سے ایک کوس کے فاصلے پر ہے۔''

میں نے آگے بڑھ کر بدری نرائن کے ہاتھوں سے گوشت کا ٹکڑا لیا پھر کٹیا کے دروازے کے قریب جا کر بولا۔

''مہاراج' مجھے دھیان پڑتا ہے کہ میں پہلے بھی تم سے کہیں مل چکا ہوں۔ کیا تم......''

''ابھی ان باتوں کی چنتا مت کرو جمیل احمد خان۔ ایک سمے ایسا آئے گا جب تم کو سب کچھ یاد آ جائے گا۔ جاؤ اب سدھارو۔'' میں نے تشکرانہ نظروں سے بدری نرائن کے چہرے پر ایک آخری نظر ڈالی اور ایک مغرور آدمی کی طرح باہر آ گیا۔ باہر نکل کر میں پچھم کی سمت چل پڑا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی میرے اندازے کے مطابق ڈیڑھ گھنٹا باقی تھا پھر بھی میں الٹے سیدھے قدم مارتا آگے بڑھتا رہا۔ میری زندگی کا یہ مختصر سفر سب سے زیادہ اذیت ناک اور تکلیف دہ تھا۔ میری ران دکھ رہی تھی۔ میں کسی طرح بھی چلنے کے قابل نہ تھا۔ صرف ایک عزم تھا۔ ایک جوش تھا' انکا کا بے پناہ جذبہ تھا جو میں

آگے چلتا رہا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد میں اپنی منزل مقصود کے سامنے تھا۔ ٹیلے کے اوپر بنا ہوا شکستہ مندر اب مجھ سے بمشکل پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے سورج پر نظر ڈالی جو پہاڑیوں کے بہت قریب جا چکا تھا۔ میں کچھ دیر تک نیچے کھڑا سستاتا رہا۔ پھر جب سورج غروب ہونے کا وقت قریب آیا تو میں تیزی سے ٹیلے کے اوپر چڑھنے لگا۔ میرے دل کی کیفیت رقم کرنا مشکل ہے۔ اس تمام عرصے میں میں نے ایک بار بھی پلٹ کر پیچھے کی سمت نہیں دیکھا تھا۔ مندر کے دروازے پر پہنچ کر میں ایک پل کے لیے رکا پھر دل کڑا کر کے اندر داخل ہو گیا۔ شیو چرن اس وقت بھی منڈل میں بیٹھا اپنے جاپ میں مگن تھا۔ اس کی انگلیاں بڑی تیزی سے صندلی دانوں والی مالا پر چل رہی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا منڈل کے کنارے تک گیا پھر میں نے دل میں کالی مائی کا نام لیا اور گوشت کے ٹکڑے کو شیو چرن کی طرف اچھال دیا۔ ٹھیک اسی وقت پورا مندر ایسے خطرناک شور وغل کی آواز سے گونجنے لگا جیسے بے شمار جنگلی درندے غرا رہے ہوں۔ خوف کے مارے میرے جسم کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن میری نظر بدستور اس گوشت کے ٹکڑے پر جمی تھی جو شیو چرن کے سر پر پہنچ کر فضا میں معلق ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا۔ جیسے وہ اپنا حجم پھیلا رہا ہو۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے گوشت کے ٹکڑے نے منڈل کے اندر ایک ہیبت ناک انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ سب آناً فاناً ہوا۔ شیو چرن بدستور اپنے جاپ میں مگن تھا مگر جب جنگلی درندوں کی نادیدہ آوازیں شدت اختیار کر گئیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر چونک کر اوپر کی سمت دیکھا تو بوکھلا گیا اور صندلی دانوں والی مالا کو گھما کر اس دیو قامت عفریت کو مارا۔ مالا کا اس عفریت نما شخص سے ٹکرانا تھا کہ فضا میں بڑی بھیانک گڑگڑاہٹ کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ اس پُراسرار عفریت کے جسم میں آگ لگ گئی ہے۔ دوسرے ہی لمحے وہ آگ کے شعلے شیو چرن پر ٹوٹ پڑا۔ شیو چرن کے حلق سے اب کرب ناک چیخیں نکل رہی تھیں۔ پھر میں نے اس کے جسم سے بھی آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ میں چاہتا تھا کہ شیو چرن کے انجام کو اپنی نظروں سے دیکھوں لیکن مجھے فوراً ہی بدری نرائن کی ہدایت یاد آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں تیزی سے پلٹا۔ میرے اندر بھاگنے کی سکت نہ تھی مگر میں بھاگا۔ پتا نہیں کس طرح میں لڑھکتا...... ڈگمگاتا، لنگڑاتا تیز قدموں سے بھاگتا ہوا مندر سے باہر آ گیا۔ زندہ گوشت کے چلنے کی چراند نے خاصی دور تک میرا تعاقب کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ شیو چرن آگ کے شعلوں میں جل بھن کر کوئلہ بن چکا ہو گا۔

جب میں پنڈت بدری نرائن کی کٹیا پر پہنچا تو کٹیا خالی تھی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ میں اپنے لرزاں قدموں سے اسے آس پاس کے تمام علاقوں میں ڈھونڈتا رہا مگر وہ کہیں نہ ملا۔ نہ جانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ جب میں اس کی حصولیابی میں ناکام ہو گیا تو مجبوراً پونا کی راہ لی۔ تین چار دن میں میری حالت

کچھ ٹھیک ہو چکی تھی اور میں جلد از جلد تربینی سے ملنا چاہتا تھا۔

شیو چرن کو ٹھکانے لگانے کے بعد جب میں پونا واپس آیا تو تربینی نے میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ مجھے اپنے گلے لگا کر اور بھینچ کر کہا۔

''جمیل احمد خان، تم نے شیو چرن کے سلسلے میں جس دلیری اور بہادری کا ثبوت دیا ہے وہ کسی اور کے بس کا نہیں تھا۔ میں تا زندگی تمہارا احسان نہیں بھول سکتا۔ اب تم میرے متر بن چکے ہو۔ میرے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ اب تم میرے ساتھ زندگی کے مزے لوٹو۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نے برے دن گزارے لیکن جمیل احمد خان، حالات کچھ ایسی صورت اختیار کر گئے تھے کہ تم اپنی جگہ اور میں اپنی جگہ دونوں مجبور تھے۔''

''تربینی داس، کیا انکا نے تمہیں میرے سفر کی تفصیل بتا دی ہے؟'' میں نے پوچھا تو تربینی نے دبی زبان میں کہا۔

''ہاں۔ انکا نے مجھے بتایا ہے کہ شیو چرن اب اس دھرتی پر موجود نہیں۔ کالی مائی کے عتاب نے اسے جلا کر بھسم کر دیا ہے۔ مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تم نے منڈل میں بیٹھے ہوئے پجاری پر وار کیسے کیا جبکہ انکا کی شکتی بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔''

تربینی کی بات سن کر مجھے تعجب ہوا۔ میرا خیال تھا کہ انکا نے اسے پوری تفصیل بتا دی ہو گی لیکن اب مجھے اپنی رائے بدلنی پڑی۔ تربینی کو بدری نرائن کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ میں نے بھی اس کے تذکرے کو درمیان سے حذف کرتے ہوئے کہا۔

''تربینی جی، انسان اگر حوصلے سے کام لے تو ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ میں نے جو کامیابی شیو چرن کے مقابلے میں حاصل کی ہے۔ اس میں میری بلند ہمتی سے زیادہ میرے اعتقاد کو دخل تھا۔''

''جمیل احمد خان، میں تمہیں تمہاری کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں انکا سے سفارش کروں گا کہ وہ تمہاری ایک آنکھ کی وہ بینائی بھی واپس کر دے جو انکا نے چھین لی تھی۔'' تربینی نے کس قدر نجل ہو کہا۔

''تربینی، کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ کیا واقعی میری آنکھ ٹھیک ہو سکتی ہے۔'' میں نے وفور جذبات میں اس کا کاندھا پکڑ لیا۔

''کیوں نہیں...... انکا کوئی معمولی شکتی نہیں۔ تمہاری قسمت اب بدلنے والی ہے۔ تمہاری بینائی تمہیں واپس ملے گی اور روٹھی ہوئی خوشیاں بھی۔''

''کیا واقعی تربینی داس جی۔ کیا ایسا ممکن ہے؟'' میں نے اس سے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔

''جمیل احمد خان۔ تم تربینی کو اب تک نہیں سمجھے۔ تربینی وعدہ خلاف نہیں۔ میں انکا کو حکم دیتا ہوں کہ

وہ تمہاری آنکھ کی روشنی واپس کر دے۔تم نے میرے اوپر جو احسان کیا ہے یہ اس کا انعام ہے۔" تربینی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر تربینی داس' انکا سے کہو کہ وہ سب سے پہلے میری بینائی واپس کر دے۔اس کے بغیر میں خود کو بہت بدقسمت سمجھتا ہوں۔" میں نے تربینی سے بچوں کی طرح ضد کی۔

"بہت جلدی ہے کیا۔" تربینی کے لبوں پر بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔وہ اس وقت بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت محسوس کی تو اطمینان کا سانس لیا۔

"ہاں تربینی داس انکا سے کہو کہ وہ مجھ پر مہربانی کرے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"خوب۔ارے انکا! یہ جمیل احمد خان کیا چاہتے ہیں؟" تربینی نے اپنے سر کی طرف آنکھیں گھماتے ہوئے کہا۔انکا کو اس اپنائیت سے مخاطب کرنے پر میرے دل میں اک ہوک سی اٹھی لیکن میں نے اپنے چہرے پر کوئی تاثر پیدا نہیں ہونے دیا۔

تربینی کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ مجھے اپنے سر پر انکا کے ننھے منے وجود کی سرسراہٹ محسوس ہوئی میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھا تو وہ بھی تربینی کی طرح خوش نظر آتی تھی۔اسے اپنے سر پر محسوس کر کے بے اختیار میرے ہاتھ اپنے سر کی طرف اٹھ گئے مگر فوراً مجھے خیال آیا کہ انکا تو ایک غیر مرئی شے ہے۔اسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔تربینی چونکہ سامنے موجود تھا اس لیے میں نے انکا سے التفات کا اظہار نہیں کیا حالانکہ میرا دل اس سے بہت سی باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔تربینی کے سر پر جانے کے بعد جب بھی انکا گاہے گاہے میرے سر پر آئی' میری تشنگی اور بڑھ گئی۔اب وہ اس وقت میرے سر پر بیٹھی اپنی خاص ادا اور خاص انداز سے مسکرا رہی تھی۔میں نے اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر ملکوتی حسن تھا پھر اس کا نرم و نازک ہاتھ میری اس آنکھ کی طرف بڑھا جسے اس نے روشنی سے محروم کر دیا تھا۔میری آنکھ پر اس کا چھونا سا ہاتھ لگنا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری آنکھ کے سامنے پھیلا ہوا اندھیرا چھٹ گیا ہو۔لمحوں میں میری بے نور آنکھ کے سامنے روشنیاں کوند پڑیں۔میں نے جلدی جلدی آنکھ پٹ پٹائی اور جب مجھے مکمل یقین ہو گیا کہ میری آنکھ ٹھیک ہو گئی ہے تو میں نے وارفتگی سے تربینی کو گلے لگا لیا۔مجھے نہیں معلوم کہ تربینی کے سارے گناہ کس جذبے کے تحت میں نے اچانک معاف کر دیے۔میں نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"تربینی داس جی میں دونوں آنکھوں سے دیکھ سکتا ہوں۔میری بینائی واپس مل گئی ہے۔میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔تم میرے دوست ہو سچے دوست۔"

"ہاں جمیل احمد خان۔" تربینی نے مجھے اپنے گلے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔"تم اب میرے دوست ہو۔اب تمہیں کسی بات کی چنتا نہیں کرنی چاہیے۔میں ہر بات کے لیے موجود ہوں۔"

تربینی کے اس رویے کو دیکھ کر میں نے اپنی پچھلی زیادتیوں کی معذرت چاہی۔میری باتیں سن کر تربینی مسکراتا رہا۔اس نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔اسی دن میں علیحدہ کوٹھی میں ملازموں کی ایک فوج ظفر موج کے ساتھ مقیم ہو گیا۔وہاں آرام و آسائش کی ہر چیز مہیا کی گئی تھی۔شام کو غسل کر کے میں نے عمدہ لباس زیب تن کیا۔مجھے یاد ہے کہ وہ شام میری زندگی کی خوب صورت شاموں میں سے ایک تھی۔اس دن مجھے عجیب شادمانی کا احساس ہوا۔کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں دوبارہ زندہ ہو گیا ہوں' میری روح آزاد' میری سانسیں اور میں سر بسر آزاد' غموں سے بے نیاز ایک شخص تھا۔شام کو میں تربینی کے خاص کمرے میں مدعو کیا گیا۔عیاشی اور عیش و عشرت کے لیے عیاش طبع لوگوں کو ہمیشہ مصاحبوں کی ضرورت پڑتی ہے۔تربینی کا کوئی دوست نہیں تھا۔میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ میں تربینی کی رفاقت بہت حسن و خوبی سے انجام دے سکوں گا۔اس شام میں اور تربینی راجا اندر کی طرح پری جمال لڑکیوں میں بیٹھے تھے۔وہاں میرے ہزار انکا کے باوجود تربینی نے مجھے آب سرمستگان میں غرق کر دیا۔اس رات ایک جشن ہوا' چمکتے ہوئے بدنوں کا رقص۔مہ وشوں نے اپنی اداؤں کے کیسے کیسے تیر نہ چلائے۔حسن تربینی کے کمرے میں سمٹ آیا تھا۔نغمہ سرائی اور رقص و موسیقی کی یہ محفل رات گئے جمی رہی۔

دنیا کی حسین ترین لڑکیاں تربینی کی جلوہ گاہ میں عقل و ہوش پر بجلیاں گرا رہی تھیں۔ایسی بزم آرائیاں میں نے اس وقت کی تھیں جب انکا میرے قبضے میں تھی مگر یہ حقیقت ہے کہ تربینی کا انتخاب حسن کے معاملے میں مجھ سے زیادہ ہوش مند تھا۔اس کا انتخاب ہر اعتبار سے اعلیٰ جواب تھا۔اس نے انکا کو اپنے قبضے میں کرنے کے بعد اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھایا تھا۔جبکہ انکا اپنی مرضی سے میرے سر پر براجمان تھی اور مجھ سے محبت کرتی تھی۔بہر حال یہ وقت ماضی کی تلخ یادوں کو سوچنے کا نہ تھا۔جسم و جان کی راحت کے لیے حسن بے بہا کا اجتماع اور میں ایک عرصے سے تشنہ تھا۔میں نے اس طرب گاہ کے سمندر حسن میں خود کو غرق کر دیا۔میری اس مدہوشی کو دیکھ کر چند حسین لڑکیاں میرے پاس آئیں۔وہ حسین لڑکیاں جن کی ایک جنبش ابرو کے لیے جنگیں لڑی جا سکتی ہیں۔انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنی نشست سے اٹھا لیا۔وہ مجھے کمرے کے وسط میں لے گئیں اور اپنے ساتھ لے کر ناچنے لگیں۔ان میں سے کوئی ایک مجھے پکڑتی تو دوسری اس کی طرف دوڑتی' بس جسم تھرک رہے تھے' بے ہنگم رقص' ہاؤ ہو اور شور تھا۔تربینی کے قہقہوں نے اس محفل میں اور جوش پیدا کر دیا تھا۔شب بھر یہی ہنگامہ ہوا۔وہ ساری رات اس جشن کیف و مستی میں گزری۔

☆==========☆==========☆

دن گزرتے رہے۔

میرے اندر انقلاب آ گیا تھا۔تربینی کی عنایتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔وہ اپنے وعدے پر قائم تھا۔اس

نے میری خزاں زدہ زندگی میں بہار ہی بہار بکھیر دی تھی۔ میرے برے دن رخصت ہو گئے تھے اور میری گرتی ہوئی جسمانی حالت میں غیر معمولی فرق آ رہا تھا۔ اس زمانے میں اپنی سرمستی کا حال لکھنے بیٹھوں تو یہ داستان کبھی ختم نہ ہو۔ بس یوں سمجھئے کہ دن انہی ہنگاموں میں بیت جاتا۔ رات حسن و جمال کی قربتوں میں گزرتی۔ کل کی بات تھی جب میں اس شہر کی سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اب مسرتوں نے مجھے ایسا گھیرا کہ ہر طرف روشنی ہی روشنی نظر آنے لگی اور میں پھر انہی راہوں پر چل پڑا جن پر انسان کو خود کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ بزرگوں کا یہ قول غلط نہیں کہ دولت کا نشہ سب سے تیز ہوتا ہے۔ میں نے پھر سب کچھ بھلا دیا۔ دولت بھی کیا خوب چیز ہے۔ کل تک جو لڑکیاں مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا کرتی تھیں' آج وہ میری رفاقت کو ترسنے لگی تھیں۔ نوکر چاکر' محل نما کوٹھی' خوش رنگ ملبوسات' کار' مجھے سب کچھ میسر تھا۔ میری کیفیت اس فاقہ زدہ انسان کی سی تھی جسے کئی دنوں کے فاقوں کے بعد خوان نعمت مل گیا ہو اور وہ ندیدوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ اب احتیاط کے کیا معنی تھے۔ میں نے سب کچھ لوٹنا چاہا' مجھے اندازہ تھا کہ یہ بہاریں کس قدر انمول ہیں۔ کچھ پتا نہیں کب کیا ہو جائے۔ زندگی بڑی بے اعتبار چیز ہے۔ حالات لمحوں میں بدل جاتے ہیں۔ جو سامنے ہے اسے سمیٹا جائے سو میں نے آب نشاط میں خود کو غرق کیا۔ آوارگی کو شیوہ بنا لیا۔ صرف لذتیں میرا مقصد ٹھہریں۔ ہر رات میرے جسم کی راحت کے لیے ایک نوخیز و شاداب لڑکی میرے پہلو میں ہوتی۔ میں نے کلیوں کو پھول بنانے کا وتیرہ اختیار کیا اور خوب صورت پھولوں کا رس چرانے کو شعار بنایا۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے نہ صرف مطمئن تھا بلکہ اسے برقرار رکھنے پر ہر قسم کی مفاہمت پر آمادہ تھا۔ وہ نام مجھے یاد نہیں۔ وہ چہرے میں بھول گیا جو کبھی راتوں میں چاندنی بن کر چمکا کرتے تھے۔ تربینی اور میں لذتوں کے نت نئے تجربے کرتے۔ ہم دونوں ہی دوشیزاؤں میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک کے بعد ایک لڑکی۔

اور پھر انہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میری سوچوں کے زاویے بدل دیے۔ وہ لڑکی کیا آئی' میری زندگی میں ایک طوفان مچا گئی۔ وہ مجھے میرا حسین ماضی یاد دلا گئی۔ اس نے بھرے ہوئے زخم پھر تازہ کر دیے۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سراب ہے' دھوکا ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس روز جب میرے ملازمین نے میری شب بسری کے لیے ایک نئی لڑکی فراہم کی تو میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ نہ جانے کب سے میں بدمست تھا۔ میں نے تربینی کے ساتھ بوتلوں سے غسل کیا تھا۔ روز مرہ کے معمول کے مطابق جب میں لڑکھڑاتے قدموں سے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا تو اس نوخیز لڑکی کو دیکھ کر میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ مجھے خواب گاہ کے در و دیوار گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ جیسے حالات نے میرا مذاق اڑانے

کے لیے ایک لڑکی کی شکل اختیار کر لی ہو۔ اس لڑکی کا رنگ و روپ اور خدوخال نرگس سے حیرت انگیز طور پر مطابقت رکھتے تھے۔ میں دروازے پر ساکت و جامد اسے دیکھتا رہا۔ کیا واقعی وہ نرگس ہے؟ میری نرگس جو سہمی سہمی میری نظروں کے سامنے کھڑی ہے۔ میں لڑکھڑا کر ایک قدم آگے بڑھا تو وہ چیخ اٹھی۔

''بھگوان کے لیے مجھ پر دیا کرو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتی ہوں۔ میرا جیون برباد نہ کرو۔ یہ کمینے مجھے اٹھا لائے ہیں' انہوں نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ دو روز بعد میرا بیاہ ہونے والا ہے۔ اگر تم نے مجھے لوٹ لیا تو میں اپنے ہونے والے پتی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ میں تمہیں بھگوان کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھے میرے گھر واپس پہنچا دو۔''

لڑکی کی آہ و زاری نشتر بن کر میرے دل میں چبھ رہی تھی' اس کی آہ و زاری میں بڑا اثر تھا۔ مجھ سے کچھ بولا نہ گیا۔ میں حیرت زدہ اسے کھڑا دیکھتا رہا۔ اسے نہیں بلکہ اس غیر معمولی مشابہت کو' جس نے ایک عرصے بعد پھر میرے دل میں نرگس کی سوئی ہوئی محبت کو گدگدا کر بیدار کر دیا تھا۔ میری نرگس جو میری زندگی تھی جسے دنیا میں مجھ سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ گردش زمانہ کی ستم ظریفیوں نے اسے مجھ سے چھین لیا تھا۔ میرے اور نرگس کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی تھی۔ میں نرگس سے دور ہوتا گیا لیکن آج نرگس کی یادیں میرے دل و دماغ میں ہلچل مچانے لگیں۔ اپنی نرگس کو اس حال میں دیکھ کر میرے سارے خوابیدہ احساسات جاگ اٹھے۔ میں نے اس لڑکی کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ اس قدر آہستہ جیسے میں خود سے مخاطب ہوں۔

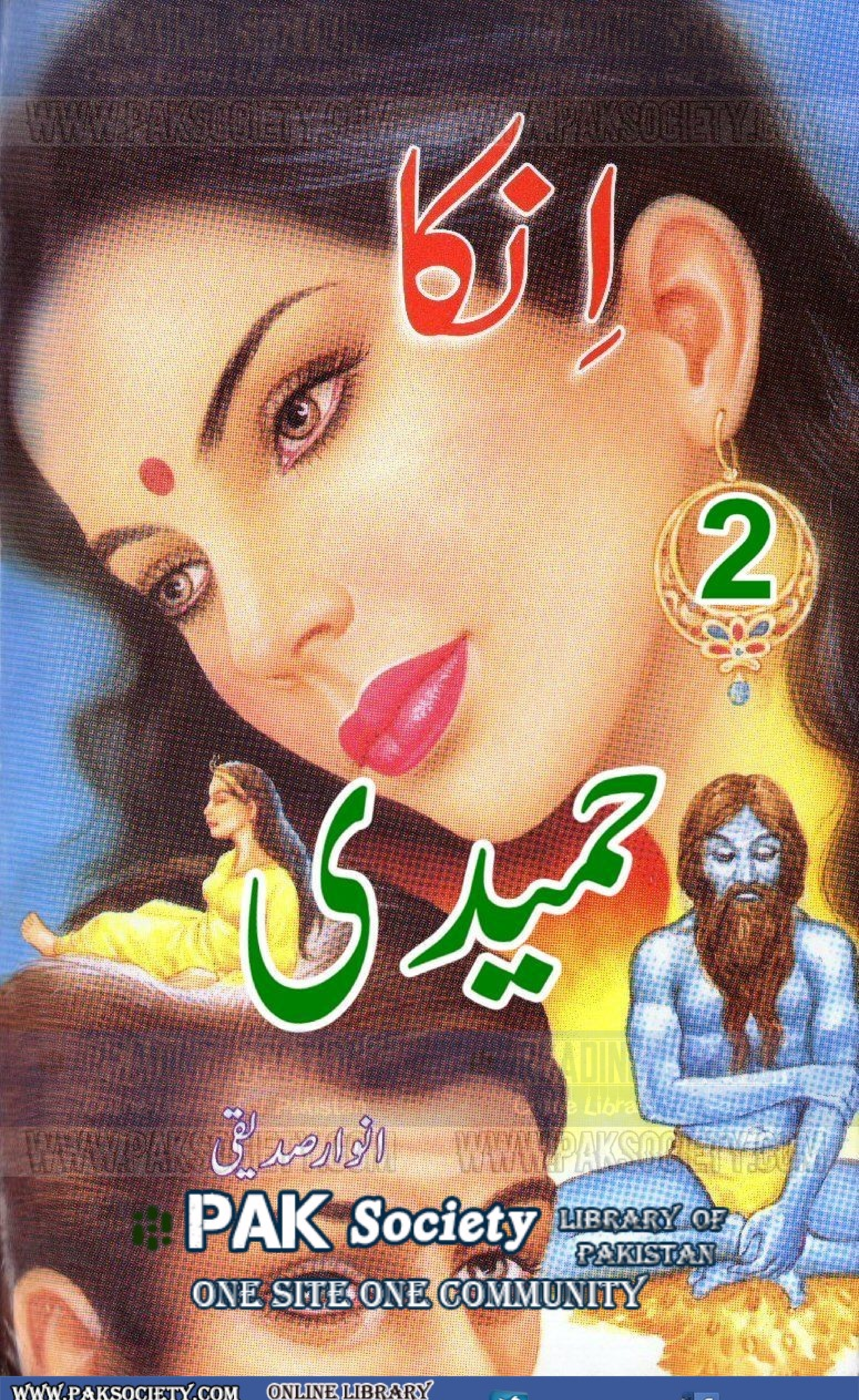
''نرگس' میری نرگس' میری جان تم کہاں ہو؟''

مگر لڑکی نے میری سرگوشی سن لی۔ وہ لرزتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخی۔ ''م...... میں نرگس نہیں بملا ہوں۔ تمہارے آدمیوں کو دھوکا ہوا ہے۔ مجھے جانے دو۔ کیا میں چلی جاؤں' بھگوان کے لیے مجھے جانے دو۔''

''جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔'' میں نشے میں بری طرح اس پر گرجا۔ ''جاؤ' تم بھی نرگس کی طرح میری زندگی سے دور چلی جاؤ۔ جاؤ' ہمیشہ کے لیے۔''

لڑکی سہمی سہمی نظروں سے مجھے گھورتی رہی۔ میرے قریب آ کر اس نے نمسکار کیا پھر برق رفتاری سے کھلے دروازے سے باہر نکل گئی۔

نرگس کے تصور سے میرے ذہن کو جو جھٹکا پہنچا اس نے مجھے ساری رات کرب میں مبتلا کیے رکھا۔ ساری رات میں نرگس کے بارے میں سوچتا رہا۔ نرگس کے ساتھ گزارے ہوئے خوش گوار لمحے اور حسین یادیں مجھے تڑپاتی رہیں۔ میں نے نرگس کی یاد کو ذہن سے محو کرنے کی بہت کوشش کی۔ میں نے بوتلیں توڑ دیں۔ گراموفون ریکارڈ کی کئی دھنیں بجائیں مگر میری خواب گاہ سے نرگس کی پرچھائیاں نہ گئیں۔


اِنکا
2
حمیدی
انوار صدیقی
PAK Society
LIBRARY OF PAKISTAN
ONE SITE ONE COMMUNITY
WWW.PAKSOCIETY.COM

نرگس کتنی بے قصور تھی۔ یہ تو سب انکا کے پُراسرار وجود کا کیا دھرا تھا۔ نرگس بے چاری نے کیا غلطی کی تھی۔ اس نے تو صبر آزما لمحات میں میرا جس طرح ساتھ دیا وہ کوئی وفا شعار بیوی بھی نہیں دے سکتی۔ میرا دل نرگس کو دوبارہ پا لینے کے لیے مچلنے لگا۔ میں ایسا کر سکتا تھا۔ اب ہر چیز میرے پاس تھی صرف نرگس کی کمی محسوس ہوتی تھی اور انکا کی دسترس سے کوئی بات باہر نہ تھی۔ وہ نرگس کے سر پر جا کر اسے میرے حق میں دوبارہ ہموار کر سکتی تھی۔ اس خیال نے مجھے تقویت بخشی تو مجھے قدرے سکون آ گیا۔ میں نے عزم کر لیا۔ میں نرگس کو ضرور منا لوں گا۔

دوسرے دن میں تربینی داس سے ملا۔ پہلے کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر میں نے دبی زبان میں کہا۔

''تربینی داس، تم نے میرے ساتھ بہت ساری مہربانیاں کی ہیں لیکن آج میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔''

''کہو جمیل احمد خان، میں تمہیں متر کہہ چکا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ آخر وہ کون سی چتا ہے جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے۔'' تربینی نے اپنی دوستی کا اظہار کیا تو میں ہمت کر کے بولا۔

''تربینی جی، میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم دوستی کے وعدے پر قائم ہو۔ میں بھی ہمیشہ وعدہ نبھاتا رہوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک دو روز کے لیے انکا کو میرے حوالے کر دو۔''

تربینی داس جو کچھ دیر تک بڑی بے تکلفی سے بیٹھا مجھ سے گفتگو کر رہا تھا، انکا کے سلسلے میں میری خواہش جان کر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ چند ثانئے تک وہ مجھے خشمگیں نظروں سے گھورتا رہا پھر قدرے روکھے لہجے میں بولا۔

''جمیل احمد خان۔ میں نے تم کو یہ وچن ضرور دیا تھا کہ شیو چرن کو مارنے کے بعد تم میرے متر بن جاؤ گے اور میں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھوں گا پرنتو انکا کے سلسلے میں، میں نے کوئی وچن نہیں دیا تھا۔''

''خفا مت ہو تربینی داس۔'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''انکا کو میں دو دن سے زیادہ اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے ایک ذاتی کام کے سوا اور کوئی کام نہیں لوں گا۔''

''تم وہی کام انکا سے میرے ذریعے بھی لے سکتے ہو۔'' تربینی نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو میرے دل کو دھچکا لگا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ مجھے اتنے اعتماد کے باوجود ٹکا سا جواب دے کر مایوس کر دے گا۔

مجھے اس وقت اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر میں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر شیو چرن کو موت کے گھاٹ نہ اتارا ہوتا تو انکا یقیناً تربینی کے قبضے سے نکل گئی ہوتی اور آج اسے مجھے مایوس کرنے

کی ہمت نہ ہوتی۔ میں اپنی جگہ خاموش بیٹھا دل ہی دل میں کھولتا رہا۔ تربینی داس نے مجھے مسلسل خاموش دیکھا تو بولا۔

''کہاں کھو گئے جمیل احمد خان۔ یہ تو بتاؤ کہ ایسی ضرورت کیا آ پڑی جو میرے متر کو پریشان کر رہی ہے؟''

''کچھ نہیں تربینی جی۔ کچھ نہیں۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''میں دو چار روز میں سوچ کر تم سے بات کروں گا۔''

تربینی میرے جواب سے خاموش ہو گیا اور دو تین روز میری طبیعت پریشان رہی۔ میں نے تربینی کے ساتھ شام کا وقت بھی یونہی بے دلی سے گزارا۔ رات کو کوئی نئی لڑکی بھی میرے پاس نہیں آئی۔ میں یونہی کروٹیں بدلتا رہا۔ نرگس کی یاد میرے ذہن پر چھائی رہی۔ میں نرگس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے سخت بے چین تھا۔ انکا میری اس بے چینی کو دور کر سکتی تھی۔ تربینی نے جس انداز سے مجھے مایوس کر دیا تھا اس نے میرا دل کھٹا کر دیا۔ میں نے طے کر لیا خواہ کچھ بھی ہو، میں تربینی سے نرگس کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں لوں گا، خود ہی مجھے کوئی راہ نکالنی پڑے گی۔

نرگس کی یاد نے کچھ ایسا پریشان کیا کہ ہر چیز سے میری دلچسپی کم ہوتی گئی۔ میرا دل تمام رنگینیوں سے اچاٹ ہو گیا۔ میرے ملازمین میری اس حالت پر متحیر تھے۔ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرتے لیکن میں تمام باتوں سے بے نیاز ہمہ وقت نرگس میں ڈوبا رہتا، کھویا کھویا رہتا، نرگس کے بغیر اب مجھے گھٹن کا احساس کچھ سوا ہی ہو چلا تھا۔

میری حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ یہاں سب کچھ ہے، پر کچھ بھی نہیں۔ میرا کام اب سوچنا رہ گیا تھا۔ یہ دولت، یہ ملازمین، یہ کوٹھی، تربینی کی عنایتیں ہیں مگر انکا نہیں تو کچھ نہیں، میں تربینی کا ایک طرح سے اب بھی غلام ہوں۔ میرا جی چاہا کہ اس کوٹھی سے کہیں بھاگ جاؤں مگر کہاں۔ میں خود کچھ بھی تو نہیں پھر ساری چیزیں چھن جائیں گی۔ مجھے بھیک مانگ کر زندگی گزارنا ہو گی، جو ہے اس پر قناعت کی جائے۔ اس طرح زندگی گزر جائے گی۔ یہ بھی بہت ہے کہ تربینی اپنا وعدہ نبھا رہا ہے۔ مجھے نرگس کو بھلا دینا چاہیے مگر نرگس کو کس طرح بھلا دوں۔ نرگس کا تصور میری زندگی سے گھن کی طرح لگ گیا تھا۔ ایک دن میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں اپنی نرگس کے شہر کا رخ کروں۔ کیا عجب کہ نرگس مجھے دیکھ کر پسیج جائے اور میری زبوں حالی سے متاثر ہو کر مجھے معاف کر دے...... ہم ایک دوسرے کے ہو جائیں۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنا مختصر سا اسباب باندھا اور نرگس کے پاس جانے کو تیار ہو گیا۔ تربینی کو میری کیفیت کی خبر برابر ملتی رہتی تھی لیکن جب اسے میرے جانے کی اطلاع ملی تو وہ چپ نہ رہ سکا۔ مجھ سے ملنے کے لیے آیا اور میرے چہرے پر چھائی اداسی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد بولا۔

"جمیل احمد خان۔ کیا بات ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم آج کل بہت بیاکل رہتے ہو۔ کسی چھوری کی نظر لگ گئی؟ کیا ہو گیا میرے متر کو؟ کیا تم مجھے اپنے من کا حال نہیں بتاؤ گے۔"

"تربینی جی۔ میں اس یکسانی سے اکتا گیا ہوں اور کچھ دنوں تفریح کی غرض سے باہر جانا چاہتا ہوں۔" میں نے خوب صورتی سے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "نہ جانے کیوں میرا دل اب گھومنے پھرنے کو چاہتا ہے۔"

"پر کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"پہلے میں بمبئی جاؤں گا۔ اگر وہاں دل نہیں بہلا تو واپس چلا آؤں گا ورنہ پھر کہیں اور چلا جاؤں گا۔" میں نے بدستور سنجیدگی سے کہا تو تربینی نے مجھے ٹٹولنے کی خاطر پوچھا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو کر تو نہیں جا رہے؟"

"نہیں تربینی داس۔ تمہارے بہت سے احسان مجھ پر ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ کوئی اپنے متر سے بھی راض ہوتا ہے' بدگمانی نہ کرو۔"

تربینی دیر تک مجھے سمجھاتا رہا اور ٹٹولتا رہا لیکن میں نے اضطراب کو اس پر عیاں ہونے نہ دیا۔ کچھ دیر بعد وہ جانے کے لیے اٹھا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن تربینی دروازے پر جا کر رکا پھر پلٹ کر مجھے مخاطب کر کے بولا۔

"جمیل احمد خان! ہر معاملے میں تمہارا دوست ثابت ہوں گا۔ میری مانو تو کہیں نہ جاؤ۔ یہاں تمہارے دل بہلانے کے لیے بہت کچھ ہے اور تم جانا ہی چاہتے ہو تو جو چاہو مجھ سے مانگ سکتے ہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کر سکتا ہوں۔ پرنتو انکا کے معاملے میں ہمارا تمہارا ساجھا ممکن نہیں۔"

تربینی نے انکا کا ذکر چھیڑ کر ایک بار پھر مجھے غصہ دلا دیا لیکن میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور ہنس کر بات ٹال دی۔ تربینی کے جانے کے بعد میں نے ملازم سے سامان گاڑی پر رکھنے کو کہا اور کپڑے تبدیل کر کے آدھ گھنٹے بعد اسٹیشن کے لیے روانہ ہو گیا۔

میں نے ملازم کے ذریعے ریل میں جو سیٹ بک کرائی تھی وہ صرف بمبئی کی تھی لیکن میں نے ارادہ بدل دیا۔ بمبئی رکے بغیر میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ میری منزل قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے خون کی گردش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ سفر مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ عیش و عشرت کے اس ماحول میں مجھے بڑی تنہائی محسوس ہونے لگی۔ میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اداسی محسوس کر رہا تھا۔ اچھا ہوا جو میں وہاں سے چلا آیا۔ نرگس کے خیال نے بڑی مقصدیت میری زندگی میں پیدا کر دی تھی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔

ٹرین چل رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا' دیکھیں نرگس کا رویہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنے جمیل کو

پہچانتی بھی ہے یا نہیں۔ نہ جانے وہ کس حال میں ہو مجھ سے بات بھی کرنا گوارا کرے یا نہیں؟ کاش میں اسے دوبارہ حاصل کر سکوں۔

نرگس کا شہر قریب آیا تو بہت سی یادیں ابھر آئیں۔ یہیں سے میری عجیب و غریب سرگزشت کا آغاز ہوا تھا۔ مجھے حیرت انگیز پراسرار واقعات سے واسطہ پڑا تھا۔ بہت سی یادیں اس کوچے سے وابستہ تھیں۔ مجھے اپنا دوست رام دیال یاد آ گیا۔ اس کی ماں جس نے سب سے پہلے ڈھکے چھپے الفاظ میں کہا تھا کہ اگر میں ایک جاپ مکمل کر لوں تو انکا کو اپنے قبضے میں کر سکتا ہوں لیکن اب وہ دیوی اس دنیا میں نہیں تھی۔ اگر وہ ہوتی تو ضرور انکا کو حاصل کرنے کے لیے وہ جاپ دریافت کرتا اور انکا کو ہمیشہ کے لیے اپنا لیتا۔ کاش وہ زندہ ہو جاتی۔ گاڑی اسٹیشن پر ٹھہر چکی تھی۔ قلی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میری منزل آ چکی تھی۔ میں قلی کے ذریعے اپنا اسباب لے کر اسٹیشن سے باہر آیا۔ میرے جانے پہچانے اس شہر کے در و دیوار بہت عجیب لگ رہے تھے۔ میرا دل دھڑک رہا تھا اور قدم بہک رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اسٹیشن پر قدم رکھتے ہی میں نے اپنے اندر بے پناہ عزم محسوس کیا۔ ایک نئی توانائی کا احساس میرے جسم میں جاگزیں ہوا۔ اسٹیشن سے باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور نرگس کے گھر کی سمت روانہ ہو گیا۔ کسی ہوٹل میں قیام کرنے سے پہلے میں اپنی محبوب نرگس کے آشیانے کا طواف کرنا چاہتا تھا۔ شاید اس طرح مجھے اس کی کوئی جھلک نظر آ جاتی۔ جیسے جیسے نرگس کا مکان قریب آتا جا رہا تھا مجھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا پھر سامنے اس کی کوٹھی نظر آنے لگی۔

سامنے نرگس کی کوٹھی نظر آنے لگی تو مجھے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ میں نے ٹیکسی کو نرگس کی کوٹھی سے تھوڑے فاصلے پر رکوا دیا پھر ڈرائیور کو انتظار کا کہہ کر نرگس کے کوچے کی سمت قدم اٹھانے لگا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اڑ کر نرگس کے پاس پہنچ جاؤں اور اسے اپنے سینے میں سمو کر دنیا کے تمام دکھ بھول جاؤں' میں نرگس میں ڈوب جاؤں۔

کوٹھی کے بڑے پھاٹک کے قریب پہنچ کر میں رکا۔ پھر میں نے اندر نگاہ ڈالی تو میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ نرگس لان میں میری نظروں کے سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ وہ تنہا تھی' میں نے اسے بغور دیکھا تو میرے دل کو دھچکا لگا۔ نرگس کسی خزاں زدہ درخت کی مانند اجڑی اجڑی اور اداس نظر آ رہی تھی۔ میں محو حیرت کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ میرا دل چاہا کہ اسے آواز دوں لیکن میری ہمت نہ پڑی۔ ابھی میں اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ معاً اس کی نظریں میری طرف اٹھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ چونکی جیسے اسے اپنی نظروں پر یقین نہ آیا ہو۔ دوسرے ہی لمحے وہ پیالی رکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھی اور تیر کی طرح پھاٹک کی سمت آئی۔ میں ڈرا کہ کہیں وہ مجھ پر برہم نہ ہو' اسی خیال سے میں ایک قدم پیچھے ہو گیا لیکن میری نگاہ بدستور اس پر جمی ہوئی تھی۔ پھاٹک کے قریب آ کر نرگس نے بھی

نظروں سے پلٹ کر ادھر ادھر کچھ دیکھا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''جمیل' آپ...... یہ آپ ہی ہیں۔ اب آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''مم...... میں۔'' میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ میں جمیل ہوں تمہارا بدنصیب شوہر۔ میں تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ کیا تمہیں ناگوار گزرا ہے۔ مجھ سے تمہاری جدائی برداشت نہیں ہو سکی نرگس۔''

''جمیل۔'' نرگس تڑپ اٹھی۔ ''مجھے اور آپ کا آنا گوارا گزرے گا۔ آپ کی وجہ سے تو میں نے خود کو موت کے حوالے کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ آپ کیا جانیں کہ مجھ پر کیا بیت گئی۔''

''نرگس۔'' میں وفور جذبات سے مغلوب ہو کر بولا۔ ''مجھے معاف کر دو نرگس۔ خدا کے لیے میرے گناہوں کو بخش دو۔''

''مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں لیکن......''

نرگس نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر نظریں جھکائیں تو میں نے تڑپ کر پوچھا۔

''تم چپ کیوں ہو گئیں؟ تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ سب کچھ کہہ ڈالو۔ میں واقعی بہت کمینہ ہوں۔''

''جمیل۔'' نرگس سسکتے ہوئے بولی۔ ''آپ مجھے بھول جائیں۔ میں اب آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ زمانے نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔'' نرگس کی آواز لرز رہی تھی۔ اس کی دراز دراز پلکوں پر شبنمی قطرے جھلملا رہے تھے۔ اس کے لہجے میں بے پناہ درد تھا۔ وہ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں بے بسی' دکھ اور مجبوریوں کی ہزار داستانیں پنہاں تھیں۔ میں نے بے چینی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''نرگس۔'' تمہارا گناہگار ہوں مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارے سلسلے میں جو فیصلہ کیا تھا وہ بہت جذباتی تھا۔ میں اس پر شرمندہ ہوں۔ نرگس! مجھے معاف کر دو۔'' میں نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

نرگس نے ایک بار پھر پلٹ کر عمارت کی سمت دیکھا پھر پوچھا۔ ''جمیل۔ آپ یہاں کب آئے؟ کہاں ٹھہرے ہیں ...... یہ آپ نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟''

''اسٹیشن سے سیدھا ادھر آ رہا ہوں۔ ابھی تک رہائش کا بندوبست نہیں کیا۔ میرے اوپر جو بیتی ہے اسے تم سنو گی تو برداشت نہیں کر پاؤ گی۔''

''اب کہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟'' نرگس نے تیزی سے سوال کیا۔ وہ بری طرح مضطرب اور منتشر نظر آ رہی تھی۔ بوکھلائی ہوئی اور سراسیمہ تھی۔

''کسی ہوٹل میں قیام کروں گا۔'' میں نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا تو نرگس پھر جلدی سے

بولی۔

''جمیل' مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں لیکن یہ جگہ مناسب نہیں۔ تم ہوٹل پہنچ کر مجھے فون کر دینا۔''

''نرگس' کیا اب بھی حالات وہی ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت گھبرائی گھبرائی سی ہو' کیا تمہیں میرا یہاں آنا......''

''خدا کے لیے جمیل ایسی باتیں نہ کرو کہ میرا دل پھٹ جائے۔'' نرگس روتے ہوئے بولی پھر وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹی جیسے اس نے جاگتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ لیا ہو۔

میں نرگس کے اس رویے پر حیران تھا لیکن جب ایک جھلملاتی ہوئی کار میرے قریب آ کر رکی اور میں نے پلٹ کر اسے دیکھا تو میرا بھی وہی حال ہوا جو نرگس کا تھا۔ آنے والی کار نرگس کے باپ اصفہانی صاحب کی تھی۔ میں نے غیر اختیاری طور پر سلام کے لیے ہاتھ اٹھا دیا۔ اصفہانی صاحب نے مجھے غور سے دیکھا۔ پہلی نظر میں شاید وہ مجھے نہیں پہچان سکے تھے لیکن پھر جب انہوں نے مجھے پہچانا تو ان کی تیوری پر بل آ گئے۔ بجلی کی سی تیزی سے چمک کر کار سے نیچے آئے اور بگڑتے ہوئے تیور سے کڑک کر بولے۔

''حرام زادے کمینے۔ تجھے پھر یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی! اسی وقت اپنی منحوس صورت لے کر میری نظروں سے دور ہو جا اور اگر پھر کبھی تو نے ادھر کا رخ کیا تو کھال ادھیڑ ڈالوں گا۔''

نرگس کے والد کا لہجہ بے حد تحقیر آمیز تھا لیکن میں نے نرگس کی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔ کوئی جواب دینے کے بجائے میں اظہار افسوس اور شرمندگی کے طور پر ان کے قدم چھونے کے لیے جھکا تو وہ پیچھے ہو کر گرجے۔

''کمینے۔ ذلیل' میں کہتا ہوں دفع ہو جا یہاں سے ورنہ زندہ درگور کرا دوں گا۔''

''میں آپ سے معافی......''

''معافی کا بچہ۔'' نرگس کے والد نے اتنا کہہ کر ایک بھرپور طمانچہ میرے گال پر مارا تو میں چکرا کر رہ گیا۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ڈرائیور نے جو ابھی تک دور کھڑا تھا' لپک کر مجھے گریبان سے پکڑ لیا اور دو تین مکے اتنے شدید رسید کیے کہ میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ میرے ہونٹوں سے خون کی ایک پتلی سی لکیر پھوٹ نکلی۔

''رہنے دو بختاور۔'' اصفہانی صاحب نے ڈرائیور کو روکتے ہوئے حقارت سے کہا پھر دوبارہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔ ''زندگی چاہتا ہے تو فوراً چلا جا یہاں سے ورنہ تیری لاش کا پتا بھی نہ چلے گا۔''

حالات کے پیشِ نظر میرا وہاں رکنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں نے جیب سے رومال نکال کر ہونٹوں پر رکھا اور خاموشی سے سر جھکا کر ٹیکسی کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ ٹیکسی کے قریب پہنچا تو ڈرائیور نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہنے لگا۔

"کیا بات ہے صاحب...... یہ خون کیسا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ گر پڑا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں ایسے حادثے ہوتے رہتے ہیں۔" میں نے جلدی سے اندر بیٹھتے ہوئے کہا اور اسے کسی مناسب ہوٹل تک چلنے کی ہدایت کر کے سیٹ سے ٹک گیا۔ ٹیکسی میں نے چونکہ نرگس کی کوٹھی سے کچھ دور ایک سائڈ لین میں رکوائی تھی اس لیے ٹیکسی ڈرائیور اصل معاملے سے ناواقف ہی رہا۔

راستے بھر میرا ذہن نرگس اور اس کے باپ کے متضاد رویے سے الجھتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ نرگس کے برتاؤ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے بلکہ وہ میرے لیے بہت مضطرب رہی ہے۔ اس کا انداز والہانہ تھا۔ یقیناً وہ مجھ سے بہت ساری باتیں کرنے کی خواہش مند تھی۔ نہ جانے وہ باتیں کیا تھیں؟ اس نے مجھ سے شدید محبت کا اظہار بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ میں اسے بھول جاؤں۔ آخر اس کے ساتھ کون سا ایسا حادثہ پیش آیا تھا جو وہ مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں تھی۔ میں نہ جانے کب تک نرگس کے بارے میں سوچتا رہا اور جب مجھے اس کے باپ کا جارحانہ طرز عمل یاد آیا تو میرے جسم میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ اگر وہ نرگس کا باپ نہ ہوتا تو میں ایک ہاتھ کے باوجود یقیناً اس سے الجھ پڑتا' اس کا خون کر دیتا۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے گرم پانی سے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کر کے ہلکا سا ناشتہ کیا پھر دوبارہ نرگس کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہوٹل پہنچ کر اسے فون کر دوں لیکن...... فی الحال میرا یہ اقدام نامناسب تھا۔ رات گئے تک میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ نرگس کو فون کروں اور پوچھوں کہ اس کے باپ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے لیکن میں اپنے دل پر جبر کرتا رہا۔ جب طبیعت بہت پریشان ہوئی تو میں ہوٹل سے باہر نکل آیا لیکن جلد ہی واپس لوٹ آیا۔ رات میں نے کسی نہ کسی طرح کاٹ دی۔ اگر نرگس نے مجھے دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا ہوتا یا دھتکار دیا ہوتا تو مجھے صبر آ جاتا لیکن نرگس تو وہی میری پرانی نرگس تھی۔ اس سے مل کر تو میرے اضطراب میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

دوسرے دن میں نے کوئی دس بجے کے قریب نرگس کو فون کیا۔ دوسری سمت سے نرگس کی آواز سنائی دی۔ میرا دل ہولتا رہا لیکن جب نرگس کی آواز ریسیور پر سنائی دی تو میں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہا۔

"نرگس۔ میں جمیل بول رہا ہوں۔"

"ڈیڈی دفتر جا چکے ہیں۔" نرگس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی مصلحت کی بنا پر اس وقت گفتگو سے پرہیز کر رہی ہے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے اسے ہوٹل کا نام اور اپنے کمرے کا نمبر بتایا اور بولا۔

"نرگس۔ میں بڑی شدت سے تمہارا انتظار کروں گا۔ ایک ایک لمحہ عذاب ہو رہا ہے۔"

"بہتر ہے۔ ڈیڈی آئیں گے تو میں آپ کا پیغام پہنچا دوں گی۔" اس بار بھی نرگس نے رسمی طور پر جواب دیا۔

میں نے ریسیور بڑی بے دلی سے کریڈل پر رکھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ نرگس یا تو مجھے فون کرے گی یا موقع نکال کر مجھ سے ملنے ضرور آئے گی۔ انتظار کی شدت نے مجھے اور الجھا دیا۔ میں متواتر دو گھنٹے تک فون کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ دروازے کے باہر قدموں کی ایک معمولی سی آہٹ بھی مجھے چونکا دیتی تھی لیکن دوپہر تک نہ تو نرگس کا فون آیا نہ وہ خود آئی۔

میں نے دوپہر کا کھانا اپنے کمرے میں ہی کھایا پھر بستر پر لیٹ کر فون کو تکتا رہا۔ میرا ذہن معطل ہو رہا تھا اس لیے کچھ دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میرے سر میں ہلکا ہلکا درد شروع ہو گیا تھا۔ میں نے بیرے سے کافی منگوائی تاکہ وقت کاٹنے کا کوئی تو مشغلہ ہو لیکن دوسرے لمحے دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا دل دھڑک اٹھا۔ میں نے جلدی سے لپک کر دروازہ کھولا۔ میرا خیال تھا کہ وہ نرگس ہو گی لیکن دروازہ کھولنے پر مجھے مایوسی ہوئی۔ نرگس کی بجائے وہاں ایک دوسری خوبصورت سی لڑکی کو دیکھ کر میرا ذہن جھنجھلا اٹھا۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو عین ممکن تھا کہ میں اس حسین لڑکی کی اچانک آمد پر اسے خوش آمدید کہتا لیکن اس وقت نرگس میرے اعصاب پر سوار تھی۔ میں اسے دیکھ کر الجھ گیا اور اس خیال سے ممکن ہے وہ لڑکی کسی غلط ارادے سے آئی ہو' میں نے بڑی رکھائی سے کہا۔

"فرمائیے۔"

"مجھے مسٹر جمیل احمد خان سے ملنا ہے۔" لڑکی نے میرا نام لیا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی پھر فوراً ہی میں نے بڑے مہذب لہجے میں کہا......

"میں ہی جمیل احمد خان ہوں۔ تشریف لائیے۔"

لڑکی ایک لمحے کے لیے جھجکی پھر اندر آ گئی۔

"مجھے نرگس نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" وہ کمرے میں آ کر بولی۔

"نرگس نے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ "مگر وہ خود کیوں نہیں آئی؟"

جواب میں نرگس کی اس سہیلی نے جس کا نام نشاط تھا' مجھے تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ میرے جانے کے بعد نرگس کے باپ نے اسے سخت سرزنش کی۔ مجھ سے ملنے پر برا بھلا کہا اور اس پر گھر

سے باہر آنے جانے پر پابندی بھی عائد کردی۔اس کے علاوہ نشاط نے نرگس سے متعلق مجھے جو حالات بتائے اسے سن کر میں کچھ اور پریشان ہوگیا۔نشاط نے بتایا کہ اصفہانی صاحب نے میرا طلاق نامہ ملنے کے تین ماہ بعد نرگس کی گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر اس کی شادی ایک اور شخص سے کردی۔ان کا خیال تھا کہ شادی نرگس کے حق میں پیام صحت ہوگی لیکن نرگس کی صحت شادی کے بعد اور خراب ہوگئی۔اس کے علاوہ روز اول ہی سے نرگس اور اس کے دوسرے شوہر کے مابین ان بن ہوگئی تھی جو بعد میں اس قدر بڑھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔نرگس دوسرے شوہر کے ساتھ ایک دن سکھ کا نہ گزار سکی۔

"آپ کو شاید یقین نہ آئے جمیل صاحب لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ شروع سے اب تک صرف آپ کے نام کا کلمہ پڑھتی چلی آئی ہے۔اس نے بہت برے دن گزارے ہیں۔دوسرے شوہر کے عذاب سے چھٹکارا پانے کے بعد اس نے آپ کو بمبئی کے پتے پر متعدد خطوط لکھے لیکن آپ کا کوئی جواب نہ آیا۔اس نے میرے ذریعے ایک شخص کو بمبئی بھیجا جس نے واپس آ کر بتایا کہ آپ کا کاروبار تباہ ہو چکا ہے اور یہ کہ آپ کا بمبئی میں کہیں پتا نہیں۔اس اطلاع کے بعد نرگس آپ کی طرف سے بالکل مایوس ہو چکی تھی اور جب کل اس نے آپ کو دیکھا تو اس کی حالت اور غیر ہوگئی۔" نشاط نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔"نرگس میری بڑی عزیز سہیلی ہے جمیل صاحب۔اس کا کوئی راز مجھ سے پوشیدہ نہیں۔مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسے دوبارہ مل جائیں تو اس کی زندگی پھر سے سنور سکتی ہے۔بصورت دیگر ہو سکتا ہے کہ کوئی مہلک مرض اس کی زندگی سے چھٹ کر اس کا خاتمہ کردے۔"

"نہیں نشاط۔نہیں۔" میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔"خدا کے لیے ایسی بد فال منہ سے نہ نکالیے۔میں نے نرگس کے ساتھ جو کچھ کیا اور جو کچھ ہوا' میں اس پر شرمندہ ہوں اور ان ہی غلطیوں کا تدارک کرنے کے لیے آیا ہوں۔نرگس اگر دوبارہ مجھے مل گئی تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔میں اسے ہر قیمت پر اپنانے کو تیار ہوں نشاط۔کیا آپ اس سلسلے میں میری معاونت کر سکتی ہیں؟"

"نرگس کا خیال تھا کہ آپ اس کی دوسری شادی کی خبر سننے کے بعد اس سے نفرت کرنے لگیں گے۔"

"ان باتوں کی ذمہ داری بھی مجھ بدنصیب پر عائد ہوتی ہے۔" میں بڑی سنجیدگی سے بولا۔"قدرت کو جو منظور تھا وہ ہو چکا۔افسوس صرف اس بات کا ہے کہ جو سزا مجھے ملنی چاہیے تھی وہ نرگس بے چاری کو ملی۔بہر حال اگر نرگس مجھے مل گئی تو اب دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکے گی۔"

نشاط کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہوگئی۔جاتے جاتے اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں از خود نہ تو نرگس کی کوٹھی کی طرف جاؤں اور نہ اسے فون کروں۔اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جیسے ہی دو چار روز میں حالات سازگار ہوئے وہ نرگس کو کسی بہانے میرے پاس ضرور لے آئے گی۔میں نے نشاط کو ہر طرح کا یقین دلایا کہ وہ جس طرح کہے گی میں اسی طرح کروں گا۔

نشاط کے جانے کے بعد اور نرگس کی آمد کے انتظار میں چار روز گزر گئے۔یہ دن عجب کرب میں گزرے۔اس عرصے میں، میں ایک لمحے کے لیے بھی ہوٹل سے باہر نہیں گیا کہ شاید نشاط نرگس کو ساتھ لے کر آ جائے اور میں اس کی دید سے محروم رہ جاؤں۔چار روز گزر گئے تو میری تشویش بڑھ گئی۔اس عرصے میں نہ تو نرگس نے مجھے فون کیا نہ ہی نشاط نے مجھے حالات سے آگاہ کیا۔میرے صبر اور انتظار کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔چنانچہ پانچویں روز میں نے مجبور ہو کر نرگس کے فون نمبر پر ایک بار پھر قسمت آزمائی لیکن فون پر کسی مرد کی آواز سن کر میں نے فوراً ہی ریسیور رکھ دیا۔مجھے اپنی حماقت پر بھی شدید غصہ آ رہا تھا۔اگر میں نے نشاط کا پتا معلوم کر لیا ہوتا تو اس بے چینی کا شکار کبھی نہ ہوتا۔

چھ روز تک میری کیفیت ماہی بے آب جیسی رہی۔اس دوران میں نے دو تین بار نرگس کو فون کیا لیکن شومئی قسمت کہ ایک بار بھی اس سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔فون یا کوئی مرد اٹھاتا یا پھر نرگس کی والدہ کی آواز ابھرتی مگر ساتویں روز اچانک مجھے ایک ایسا پیغام ملا کہ پھر میرے مایوس دل میں کامیابی کی لطیف ہوائیں چلنے لگیں۔

اس روز شام کے کوئی پانچ کا عمل رہا ہوگا جب ایک اٹھارہ سالہ لڑکا ہوٹل کے ایک بیرے کے ہمراہ میرے کمرے میں داخل ہوا۔میں اس لڑکے سے واقف نہ تھا اس لیے پہلے تو مجھے اس کی آمد پر تعجب ہوا لیکن جب اس نے مجھے بتایا کہ وہ نشاط کا کوئی عزیز ہے اور میرے لیے ایک اہم پیغام لے کر آیا ہے تو میرا دل دھڑکنے لگا۔میں نے وارفتگی شوق سے مغلوب ہو کر اس کے آنے کا سبب پوچھا تو وہ بڑی راز داری سے بولا۔

"آج رات نشاط باجی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"کہاں؟" میں نے آہستگی سے پوچھا تو لڑکے نے کہا۔

"آپ ٹھیک دس بجے نشاط باجی کے مکان پر آ جائیں۔" لڑکے نے مجھے نشاط کا پتا سمجھاتے ہوئے کہا۔"عقبی دروازے پر خود نشاط باجی آپ کا انتظار کریں گی۔آپ بے دھڑک اندر چلے جائیں۔"

"کیا نرگس بھی وہاں آئے گی؟" میں نے بے صبری سے دریافت کیا تو لڑکا بولا۔

"مجھے اس سلسلے میں کسی بات کا علم نہیں البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آج صبح نشاط باجی اصفہانی صاحب کے گھر گئی تھیں۔"

میں نے لڑکے کو جو میری بے قراریوں کو کم کرنے کے لیے کسی مسیحا سے کم ثابت نہیں ہوا تھا' روکنا چاہا اور اس کی خاطر مدارت کرنی چاہی لیکن وہ جلدی میں تھا اس لیے مجھے وقت کی پابندی کی تاکید کر کے رخصت ہو گیا۔اس کے جانے کے بعد میری بے تابی میں ایک بار پھر اضافہ ہو گیا۔میرا دل چاہ رہا تھا کہ وقت کی رفتار تیز ہو جائے اور جلد از جلد رات آ جائے تاکہ میں نشاط کے گھر پہنچ کر اپنا گوہر مقصود پاؤں

Downloaded from Paksociety.com

اور اسے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں یوں پوشیدہ کرلوں کہ پھر کوئی اسے مجھ سے جدا نہ کر سکے۔ پھر ہم کہیں دور چلے جائیں۔ کہیں دور اور نئے سرے سے زندگی کا آغاز کریں۔

خدا خدا کر کے دس بجے تو میں تیار ہو کر ہوٹل سے باہر نکلا اور اپنی منزل کی سمت چل پڑا۔ میرے سینے میں ایک طوفان اٹھا ہوا تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ نرگس کو دوبارہ پالینے کے حسین تصور سے سرشار میں اس مکان تک جا پہنچا جس کا پتا مجھے بتایا گیا تھا۔ یہ ایک دو منزلہ مکان تھا جس کے اطراف میں خاصا لمبا چوڑا لان پھیلا ہوا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر مکان کے عقبی حصے کی سمت چلا گیا جہاں ایک چھوٹا سا پھاٹک موجود تھا۔ پھاٹک کھلا دیکھ کر مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے میری آمد کی وجہ سے ہی کھلا رکھا گیا ہوگا۔ میں کسی جھجک کے بغیر اندر داخل ہو گیا اور لان عبور کر کے اس عقبی دروازے تک جا پہنچا جس کا حوالہ مجھے ہوٹل میں دیا گیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر میں ایک ثانیے کو رکا پھر میں نے لرزتے قدموں اور رعشہ زدہ ہاتھوں سے دروازے پر تین بار ہلکے ہلکے دستک دی۔ مجھے یقین تھا کہ نشاط طے شدہ پروگرام کے تحت قریب ہی کہیں موجود ہوگی اور دستک کی آواز سن کر فوراً مجھے خوش آمدید کہنے آئے گی۔ خدا کرے نرگس بھی میری منتظر ہو! نرگس۔ میرا سرمایہ حیات' میری روح۔ میں جس سے بچھڑ گیا تھا اور اب وہ لمحہ ایک مدت کے شدید ترین مصائب کے بعد آنے والا تھا کہ میں دوبارہ اپنی گزشتہ زندگی کے سب سے بڑے رفیق سے ملنے کی سعادت حاصل کر سکوں۔ نرگس کو دیکھنے کے لیے میرا دل باہر آنے کے لیے بے تاب تھا۔ میں اپنی شدت کا احوال کس طرح لکھوں۔ میری نظریں دروازے پر جمی تھیں۔ میرے دستک دینے کے کوئی ایک منٹ بعد دوسری جانب سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی پھر دروازہ کھلا لیکن نشاط کے بجائے ایک ملازمہ نما عورت نظر آئی۔ قبل اس کے کہ میں کوئی سوال کرتا' عورت نے از خود پوچھا۔

"کیا آپ جمیل صاحب ہیں؟"

"ہاں......!" میں نے بے اختیار کہا۔

"تشریف لایئے۔"

میں ملازمہ کے ساتھ ایک راہداری میں ہولیا۔ اس وقت ہی میرا جی چاہا تھا کہ اس سے نرگس کے بارے میں دریافت کروں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ ملازمہ مجھے ساتھ لیے ایک کمرے کے سامنے جا کر رکی پھر بھاری بھرکم آواز میں بولی۔

"آپ اندر چلے جائیں۔"

"کیا نشاط اور نرگس اسی کمرے میں موجود ہیں؟" میں نے بے صبری سے کہا۔

ملازمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے تاب انتظار نہ تھی اس لیے میں نے اس کے سوال کے جواب'

انتظار کیے بغیر دروازہ کھولا اور تیزی سے اندر داخل ہو گیا مگر پھر دوسرے ہی لمحے میں یوں سہم کر رک گیا جیسے میرا پاؤں بجلی کے ننگے تاروں سے چھو گیا ہو۔ میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ سکتے کی حالت سے دوچار میں دم بخود کھڑا اصفہانی صاحب کو دیکھ رہا تھا جو سامنے صوفے پر بیٹھے مجھے غضب ناک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں ان کے علاوہ چار دوسرے ہٹے کٹے افراد بھی تھے جو صورت ہی سے شورہ پشت بدمعاش نظر آتے تھے۔ ابھی میں تصویر حیرت بنا کھڑا تھا کہ اصفہانی صاحب کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پوری رعونت کے ساتھ ابھری۔

"آیئے جمیل صاحب! تشریف لائیں' کہئے آپ کی کیا خدمت کی جائے۔"

"جی۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔ "آ...... آپ......" میں سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اصفہانی صاحب نے کوئی اور موقع نہیں دیا۔ وہ بری طرح دہاڑے۔

"حرام زادے۔ تو اپنی کمینگی سے باز نہیں آیا۔"

"جج...... جی...... مم...... میں......" میں کچھ بھی نہ کہہ سکا' ہکلا کر رہ گیا۔

"میں نے تجھ سے کہا تھا کہ نرگس کا خیال دل سے نکال دے پھر تو نے میرے گھر فون کیوں کیا؟" اصفہانی صاحب کا لہجہ اس قدر کرخت اور خطرناک تھا کہ میں لرز اٹھا' بمشکل اتنا کہہ پایا۔

"مم...... میرا خیال ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی کے بچے۔ یہاں کیا تو اپنے باپ سے ملنے آیا تھا۔" اصفہانی صاحب اس بار گرج کر اٹھے اور ایسا بھرپور ہاتھ میرے منہ پر مارا کہ میں چکرا گیا' پہلے میں تجھ سے نمٹ لوں پھر نشاط کا بندوبست بھی ضرور کیا جائے گا۔"

"مجھ...... مجھے معاف کر دیجئے۔ میں......"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا لیکن قبل اس کے کہ میں اپنا جملہ مکمل کر پاتا' اصفہانی صاحب کے جوتے کی ٹھوکر میرے گھٹنے پر اس زور سے پڑی کہ میں بلبلا اٹھا' ٹھیک اسی وقت اصفہانی صاحب نے اپنے گرگوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"اس صورت حرام کی خبر لو۔ اس قدر کہ سال بھر تک یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہے اور آئندہ شرفا کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔"

اس حکم کے بعد میرے اوپر جو بیتی وہ کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ ان چاروں ہٹے کٹے لفنگوں نے اس حکم کے ملتے ہی مجھے گھیرے میں لے کر مارنا شروع کر دیا اور اس بری طرح مارا کہ آج بھی جب مجھے وہ سماں یاد آتا ہے تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ایک ہاتھ سے خود کو بچانے کی ناکام کوشش کرتا رہا لیکن وہ چار تھے اور میں زیادہ دیر تک خود کو ان کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رکھ سکا۔

جب تک قوت گویائی سلامت رہی' چیختا چلاتا رہا۔

مجھے کچھ یاد نہیں' صرف اتنا یاد ہے کہ ہوش میں آنے پر میں نے خود کو کوڑے کرکٹ کے ایک ایسے ڈھیر پر پڑا پایا جہاں ہر طرف تعفن پھوٹ رہا تھا۔ یہ ایک میدانی اور غیر آباد علاقہ تھا جہاں دنیا جہاں کی غلاظت پڑی ہوئی تھی۔ غالباً وہ مجھے مردہ سمجھ کر وہاں پھینک گئے تھے۔ کاش میں مر گیا ہوتا لیکن اس موقع پر بھی میری سخت جانی کام آئی اور میں دنیا میں مزید دکھ جھیلنے کے لیے زندہ بچ گیا۔

جس وقت میرے حواس کچھ بجا ہوئے' وہ جھٹپٹے کا وقت تھا۔ میرا جوڑ جوڑ ناسور کی طرح دکھ رہا تھا۔ زخموں میں شدید ٹیسیں محسوس ہو رہی تھیں۔ بدن پر جو کپڑے تھے وہ خون میں لت پت ہو رہے تھے۔ مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اپنے پیروں پر اٹھ کھڑا ہو سکتا مگر زندگی بڑی شے ہے۔ زندہ رہنے کے لیے آدمی کیا نہیں کرتا۔ میں نے بھی کسی نہ کسی طرح اپنے اوسان بحال رکھے اور کراہتا لڑکھڑاتا اٹھ کھڑا ہوا اور ایک سمت چل پڑا۔ اندھیرے کے سائے اپنا دامن وسیع کرتے جا رہے تھے۔ میں کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا آبادی کے قریب پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ ہوٹل جاؤں اور حلیہ درست کروں لیکن راستے میں میرا اپنا محلہ آیا تو ماضی کی بہت سی یادوں کے ساتھ ساتھ مجھے رام دیال یاد آ گیا۔ وہی رام دیال جو میرا جگری دوست تھا جس کی ماں نے مجھے سب سے پہلے انکا کی پراسرار قوتوں کے بارے میں بتایا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ میں ایک جاپ مکمل کر کے اس طاقت کو اپنے قبضے میں کر لوں لیکن اس وقت میں نے ان باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا' نہ ہی وہ جاپ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی جو انکا کو قبضے میں کرنے میں میرا معاون ثابت ہوتا۔

میرا پورا ماضی میرے سامنے تھے۔ میں نے ہوٹل جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں اس حال میں وہاں گیا تو پولیس مجھ سے ضرور باز پرس کرے گی۔ میں اپنی بدنامی کے ساتھ ساتھ نرگس کی بدنامی کا سبب بھی بن سکتا تھا اور ظاہر ہے یہ بات مجھے قطعاً گوارا نہ ہوتی۔ چنانچہ میں نے طے کیا کہ پہلے رام دیال سے ملوں اپنی حال درست کروں اور پھر ہوٹل کا رخ کرو۔ اس خیال کو ذہن میں پختہ کرنے کے بعد میں رام دیال کے گھر کی سمت قدم اٹھانے لگا۔ اندھیرے میں لوگوں کی نظروں سے بچتا بچتا میں کسی طرح رام دیال کے گھر پہنچ گیا۔ دروازے پر رک کر پہلے میں نے اپنی اکھڑی اکھڑی سانسوں پر قابو پایا پھر بڑی حیرت اور مایوسی کے ملے جلے جذبے کے ساتھ دروازے پر دستک دی۔ مجھے اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ رام دیال مجھے اس حال میں دیکھ کر پہچانتا بھی ہے یا نہیں۔

چند لمحوں بعد دروازے کی چٹخنی کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلنے پر میرا دوست رام دیال میرے سامنے آ گیا لیکن اس کی نظروں نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔ وہ سرتاپا قہر بنا ہوا تھا۔ قبل اس کے کہ میں آگے بڑھ کر اپنے دوست سے بغل گیر ہوتا' اس نے بڑی نفرت سے کہا۔

''کون ہو تم؟''

''میں......تمہارا......

''دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' رام دیال نے میرا پورا جملہ سنے بغیر غصیلے لہجے میں کہا۔ ''بھیک منگے۔ اب اس طرح دروازوں پر دستک دے کر بھیک مانگنے لگے۔''

رام دیال کے اس رویے پر میرا دل ٹوٹ گیا مگر مجھ پر وقت ہی ایسا پڑا تھا۔ میں اس کے دل آزاد برتاؤں کو نظر انداز کر گیا۔ اس وقت مجھے اس کی مدد کی شدید ضرورت تھی اس لیے میں نے ڈوبی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

''رام دیال۔ میرے دوست اس قدر سخت دل نہ بنو۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم مجھے اس حلیے میں دیکھ کر پہچاننے سے انکار کر دو گے مگر دوست لباس اور میرے حلیئے پر کیوں جاتے ہو۔''

''تم مجھے کیسے جانتے ہو؟ کون ہو تم؟'' اس بار رام دیال نے قدرے نرمی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں ..... جمیل احمد خان ہوں۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''تمہارا دوست۔ آہ جسے تم بھول گئے۔''

رام دیال میرا نام سن کر چونکا۔ چند ثانئے تک مجھے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر ایک دم آگے بڑھ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ مجھے لپٹاتے ہوئے اندر لے گیا پھر ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

''جمیل میرے متر۔ تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ بھگوان کی سوگند میں تم کو بالکل نہیں پہچان سکا تھا مجھے شما کر دو۔''

میں نے رام دیال کے لہجے کی مٹھاس محسوس کی تو میرا دل بھر آیا۔ میں نے اسے مختصراً اپنے حالات سے آگاہ کیا لیکن انکا کے تذکرے کو دیدہ دانستہ گول کر دیا۔ رام دیال نے تمام تر خلوص سے میرا احوال سنا پھر بڑی اپنائیت سے بولا۔

''میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی بات کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے۔ چین سے رہو۔ تمہارا سامان ہوٹل سے جا کر اٹھائے لاتا ہوں۔''

میرے پاس رام دیال کے مشورے پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ رام دیال نے اپنی بیوی شیاما کو بلا کر اس سے میرا تعارف کرایا پھر میرے کپڑے تبدیل کرائے اور کھانا وغیرہ کھلا کر ہوٹل چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں شیاما میرے پاس رہی اور حتیٰ الامکان میری دل جوئی کرتی رہی۔

ایک گھنٹے بعد رام دیال واپس آیا تو ایک ڈاکٹر اس کے ساتھ تھا جس نے میرے زخم دھوئے اور ضروری دوائیں لکھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جب میں نے رام دیال سے ہوٹل کے بارے میں

دریافت کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ ہوٹل سے میرے کمرے کا تالا توڑ کر میرا سامان بھی چوری کرالیا گیا تھا۔ رام دیال کا مشورہ تھا کہ میں اس واقعے کی اطلاع پولیس کو کروں اور اصفہانی صاحب کے خلاف رپورٹ درج کراؤں لیکن میں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ نرگس کی بدنامی مجھے کسی طور منظور نہیں تھی۔

تقریباً پندرہ روز تک میں بستر سے لگا پڑا رہا۔ اس عرصے میں رام دیال اور شیاما نے میری تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جب میری حالت سنبھلی تو ایک روز میں نے رام دیال سے باتوں باتوں میں انکا کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ رام دیال نے میری باتیں سنیں تو سپاٹ لہجے میں بولا۔

''ماتا جی کو پنڈت پجاریوں سے ملنے جلنے کا شوق دیوانگی کی حد تک تھا لیکن میں نے کبھی ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ جب منش خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی شکتی رکھتا ہو تو ان فضولیات میں نہیں الجھنا چاہیے۔''

''مجھے خود پہلے ان باتوں پر اعتقاد نہیں تھا لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ ان پنڈت اور پجاریوں سے ملوں جو تمہاری سورگ باشی ماتا جی کے پاس آتے جاتے تھے ہوسکتا ہے کہ وہ میری پریشانیوں کا کوئی حل بتادیں۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے کہا۔ ''کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی رہنمائی کرسکتے ہو۔ کوئی ایسا گیانی دھیانی پنڈت تمہاری نظر میں ہے جو میری سہائتا کرسکے؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ پنڈت اور پجاری ماتا جی کے مرنے کے بعد کہاں گم ہوگئے جو ان کی زندگی میں دن رات یہاں دھرنا جمائے رہتے تھے البتہ ایک پجاری ایسا ضرور ہے جس کا پتا مجھے معلوم ہے۔ تم اگر چاہو تو اس سے مل لو' ویسے مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے اپنے قوت بازو پر بڑا اعتماد ہے۔''

میں نے رام دیال سے اس پجاری کا پتا معلوم کیا اور اگلے روز اس کے گھر جا پہنچا۔ ملاقات کے دوران میں نے اس سے اپنے مطلب کی بات معلوم کرنی چاہی لیکن مجھے مایوسی کا شکار ہونا پڑا مگر اتنا ضرور ہوا کہ اس پجاری کے ذریعے مجھے ان دوسرے پنڈتوں پجاریوں کا پتہ مل گیا جو رام دیال کی ماں سے ملا کرتے تھے۔ میں ان سب سے بھی ملا لیکن انکا کے سلسلے میں انہیں کچھ علم نہ تھا۔ میرے پاس پجاریوں کے ناموں کی جو فہرست تھی ان میں سے ایک پجاری مجھے نہ مل سکا اس لیے کہ وہ تیرتھ یاترا کے لیے گیا ہوا تھا۔ ہرچند کہ میں مایوس ہوچکا تھا اور میرا خیال تھا کہ واپس پونا چلا جاؤں لیکن اس امید پر کہ شاید وہ پجاری میری کوئی مدد کرسکے' میں رام دیال کے ہاں ٹکا رہا۔ خود رام دیال بھی مجھے جانے کی اجازت دینے پر کسی طرح تیار نہ تھا۔ شیاما کا اصرار بھی یہی تھا کہ میں کچھ دن اور رکوں' لہٰذا میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔

رام دیال کے یہاں رہتے ہوئے مجھے ایک ماہ گزر گیا۔ اس عرصے میں متعدد بار میں اس آخری

پجاری کے گھر گیا لیکن ہر بار اس کے پڑوسیوں سے یہی معلوم ہوا کہ ابھی وہ تیرتھ یاترا سے واپس نہیں لوٹا۔ انکا کو حاصل کرنا تو خیر بڑا کام تھا۔ میں اب صرف یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح کسی مہان پجاری سے مل کر اپنی نرگس کو پانے اور اپنی بگڑی کو بنانے کی کوئی صورت پیدا کرسکوں۔ میں نے اپنی جیسی ہر کوشش کرلی تھی لیکن مجھے ہر مرحلے پر مایوسی ہوئی تھی۔ اب کوئی غیر معمولی طاقت ہی میرے بگڑے کام بناسکتی تھی اور میں چونکہ عرصے سے عجیب وغریب حالات سے دوچار رہا تھا اس لیے بہت زیادہ توہم پرست اور بزدل ہوگیا تھا۔ میں شدید مایوسی کا شکار تھا۔ اب میرا دل اس شہر میں رہنے سے اچاٹ ہوتا جارہا تھا۔ مجھے ہر لمحے یہی خیال ستاتا رہتا کہ نہ جانے نرگس غریب پر کیا گزری ہوگی۔ اصفہانی صاحب نے جو مجھے مروا ڈالنے کے درپے تھے' یقیناً نرگس پر کون سے ظلم نہ توڑے ہوں گے۔

ایسے مایوس کن حالات کے پیش نظر میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی دن خاموشی سے رام دیال یا شیاما سے کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا جاؤں گا۔ اس عرصے میں جب ایک روز میں آخری پجاری سے ملنے اس کے مکان پر گیا تو وہاں بیرونی دروازے پر تالے کو موجود نہ پاکر مجھے یہی گمان ہوا کہ میرا مطلوبہ پجاری تیرتھ یاترا سے واپس آچکا ہے۔ میرا گمان غلط نہیں ثابت ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب میں نے اس پجاری کی شکل دیکھی تو حیرت سے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یہ پجاری وہی پنڈت بدری نرائن تھا جس نے شیو چرن کو مارنے کے سلسلے میں میری مدد کی تھی۔ مجھے اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر بدری نرائن معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر مجھے ہاتھ تھام کر اندر لے گیا اور ایک تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''جمیل احمد خان۔ مجھے وشواش تھا کہ تم ضرور مجھ سے ملوگے۔''

''لیکن مہاراج۔'' میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے تو مجھے اپنا شبھ نام پنڈت بدری نرائن بتایا تھا لیکن آپ کے ساتھیوں نے مجھے آپ کا پجاری دیوناتھ بتایا ہے۔''

''ناموں کے الٹ پھیر سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' پنڈت بدری نرائن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر بولا۔ ''یہ کہو کہ تم میرے پاس کس کارن آئے ہو؟''

''مہاراج' آپ مہان ہیں۔ میں آپ کے پاس ہر طرف سے مایوس ہوکر آیا ہوں۔ اگر آپ نے میری سہائتا کرنے سے انکار کردیا تو پھر میرے پاس خودکشی کے سوا کوئی اور علاج نہیں ہوگا۔''

میری بات سن کر بدری نرائن یا دیوناتھ نے مجھے تیز نظروں سے گھورا پھر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''بالک۔ منش کی شکتی کو جب تک بھگوان کی سہائتا حاصل نہ ہو وہ کسی میدان میں بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ آتم ہتیا (خودکشی) کرنا مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بزدلی سے دکھ ہوا ہے۔''

''پھر آپ ہی بتایئے مہاراج کہ میں کیا کروں؟''

''میں سب جانتا ہوں جمیل احمد خان کہ تم یہاں کس کارن آئے ہو؟'' اس بار پنڈت نے کچھ تامل

کے بعد کہا۔ ''تربینی داس نے تمہارے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے' میں وہ بھی جانتا ہوں۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تمہارے اوپر یہاں کیا گزری ہے۔ کیوں؟ کیا یہ سب غلط ہے۔''

''آپ جو کہہ رہے ہیں وہ سب ٹھیک ہے مہاراج۔'' میں نے پنڈت کی باتوں سے مرعوب ہوتے ہوئے جواب دیا پھر اس کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج' اب میں نرگس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس بے چاری پر میری وجہ سے نہ جانے کیا ظلم ہو رہے ہوں گے۔ مہاراج' میں اب اپنی موجودہ زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''اوش۔'' پجاری نے تیزی سے کہا۔ ''پرنتو نرگس کو پا لینے کے لیے تم کو انکا کی پراسرار شکتی کو قبضے میں کرنا ہوگا۔''

''اگر آپ ایسی کوئی صورت پیدا کر دیں مہاراج تو میں تاعمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ ''کیا ایسا ممکن ہے؟''

''سب کچھ ممکن ہے۔ منش جو چاہے ممکن ہے۔'' پنڈت نے کہا۔

''تو مہاراج۔ میری سہائتا کیجئے' میں بڑی امیدوں سے آپ کے پاس آیا ہوں۔'' میں نے منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔

''مہاراج' مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔ نہیں تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔'' میں پنڈت کو ہر قیمت پر رام کر لینا چاہتا تھا۔ اس کی طاقت کا تماشا میں شیو چرن کے سلسلے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ اگر پنڈت چاہے تو میری بھرپور مدد کر سکتا ہے۔ وہ میرے لیے امید کی آخری کرن تھا۔

پنڈت نے میری بات کا فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحے تک وہ یونہی خاموش کچھ سوچتا رہا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گردن جھکا لی۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا اور اس کے مثبت جواب کا منتظر تھا۔ آدھے گھنٹے تک پنڈت اسی حالت سے دوچار رہا پھر اس نے گردن اٹھا کر آنکھیں کھولیں تو مجھے یوں لگا جیسے اس کے چہرے پر آنکھوں کے بجائے دو دہکتے ہوئے سرخ انگارے روشن ہوں۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور کرختگی کے تاثرات لیے ہوئے تھا۔ آنکھیں کھولنے کے بعد بھی وہ چند ثانئے تک مہر بلب رہا پھر مجھے مخاطب کر کے بولا۔

''سنو بالک۔ انکا کے سلسلے میں دیوی کا جواب تمہارے حق میں نہیں آ رہا ہے۔''

پنڈت کا جواب سن کر مجھے یوں لگا جیسے میرے دل کی حرکت اچانک بند ہو جائے گی۔ مایوسی کے تصور ہی نے مجھے نڈھال کر دیا۔ چند ثانئے میں گنگ سا بیٹھا پنڈت کے چہرے کو تکتا رہا پھر بولا۔

''مہاراج۔ کیا آپ مجھے نراش (مایوس) کر دیں گے۔ کیا کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟''

''دیوی دیوتاؤں کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں جمیل احمد میری شکتی کا جو تماشا تم نے دیکھا تھا' اس میں

دیوی کی مرضی شامل تھی مگر اب مجھے سوچنا پڑے گا...... مجھے سوچنے دو کہ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

پنڈت نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں امید و بیم کی حالت سے دوچار بیٹھا رہا۔ دس پندرہ منٹ بعد پنڈت نے دوبارہ آنکھیں کھولیں۔ اس بار اس کی آنکھیں روشن تھیں۔

''بالک۔ ایک ایسا راستہ ہے جس پر چل کر شاید تم اپنی منزل تک پہنچ سکو۔''

''مجھے بتائیے مہاراج۔'' میں نے جلدی سے کہا۔ ''میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔''

''دھیرج سے کام لو جمیل احمد خان۔'' پنڈت نے میری بے چینی کو محسوس کر کے جواب دیا۔ ''انکا کے سلسلے میں میری شکتی تمہارے کسی کام نہیں آ سکتی۔ پرنتو میں تمہیں ایک ایسے شخص کا پتا بتا سکتا ہوں جسے اگر تم راضی کر لو تو تمہارا کام بن سکتا ہے۔ کامیابی اور ناکامی تمہارے اپنے ہاتھ میں ہوگی۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ وہ شخص بہت کچھ کر سکتا ہے۔''

میں پنڈت کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کی باتوں سے ایک بار پھر مجھے ڈھارس ہو چلی تھی لیکن وہ گفتگو کرتے کرتے اچانک خاموش ہو جاتا تھا اور اس کی خاموشی مجھے بہت گراں گزر رہی تھی۔ میں جلد از جلد اس کا واضح جواب سننا چاہتا تھا۔

''وہ کون ہے مہاراج؟'' میں نے پوچھا۔

''سنو میاں جمیل۔'' آخر پنڈت نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اپنے کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے ایک دھرماتما سے ملنا ہوگا۔ وہ اگر چاہے تو تم اوش سپھل ہو گے۔''

''مہاراج' آپ مجھے صرف ان کا نام اور پتا دیں۔ میں ان بزرگ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں۔''

اس کا نام برکاتی شاہ ہے۔'' پنڈت نے کہا۔ ''تمہیں اس سے ملنے کے لیے رام پور جانا پڑے گا۔ رہا پتا تو وہ تلاش کرنا تمہارا کام ہے۔ میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ برکاتی شاہ تمہیں سڑکوں اور گلیوں پر کہیں نظر آ جائے گا۔ پرنتو ایک بات دھیان میں رکھنا یوگی لوگ دھرتی کے اصولوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں برا بھلا کہے تب بھی تم اس کی سیوا کرتے رہنا۔''

''مگر پنڈت جی' تربینی کو یقیناً میری اس کوشش کا پتا چل جائے گا کہ میں نے انکا کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی ہے اور وہ انکا کے ذریعے میرا کام تمام کر دے گا۔ کیا کوئی ایسا اُپائے نہیں ہو سکتا کہ تربینی میرے بارے میں قطعاً لاعلم رہے۔'' میں نے پنڈت سے کہا۔

''انکا ایک ایسی شکتی ہے جسے کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے جمیل احمد خان مگر یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تربینی کو اس کا پتا چل جائے تو وہ تمہیں شیو چرن کی طرح مروانے کی کوشش ضرور کرے گا۔''

''تو پھر پنڈت جی' میں تو کہیں کا نہیں رہوں گا۔اس کا تو کوئی آپائے کیجیے۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''اس کا کیول یہی اپائے ہے کہ تم تربینی کو کسی طرح مطمئن رکھو اور جلد از جلد رام پور پہنچ جاؤ۔'' پنڈت نے بے نیازی سے جواب دیا۔

''لیکن اگر برکاتی شاہ کو ڈھونڈنے میں دیر لگی اور اس عرصے میں تربینی کو علم ہو گیا تو کیا ہوگا؟'' میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔ ''پنڈت جی! آپ ہی کچھ کیجیے۔''

پنڈت میری ضد پر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا۔وہ بہت مضطرب نظر آنے لگا۔ ''جمیل احمد خان۔'' آخر وہ بولا۔ ''تم نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔اب مجھے تمہارے لیے ایک جاپ کرنا ہوگا اور اس جاپ تک تم یہیں ٹھہرے رہو گے۔اس کے بعد تم آسانی سے کہیں بھی جا سکو گے۔ پرنتو میں یہ سب تمہارے لیے کیوں کروں۔''

''پنڈت جی' یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔آپ نے جہاں میری اتنی مدد کی ہے وہاں میرا ایک کام اور کر دیجیے''۔ میں نے پنڈت کا موڈ بگڑتے ہوئے دیکھا تو اس کی منتیں کیں۔

''اچھا اچھا جمیل احمد خان' تم دو دن یہیں رہو۔دو دن کے بعد تم یہاں سے جانا اور سنو تمہیں ایک وچن دینا ہوگا۔''

''کیا پنڈت جی' مجھے بتائیے میں ہر قسم کا وچن دینے کو تیار ہوں۔''

''فرض کرو انکا تمہارے سر پر آ جائے تو تم میرے لیے کیا کرو گے؟''

''جو آپ فرمائیں۔''

''تم جب میں چاہوں گا' عارضی طور پر انکا کو میرے حوالے کر دو گے؟''

میں نے کہا۔ ''منظور ہے۔''

چنانچہ مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر پنڈت سے غیر مشروط وعدہ کر کے اس کا جاپ ختم ہونے کے دو روز بعد میں سیدھا گھر آیا اور رام دیال سے اجازت لے کر رام پور کے لیے روانہ ہو گیا۔رام دیال اور شیاما نے مجھے روکنے کی بہتری کوشش کی لیکن میں نے رام دیال سے ایک اشد ضروری کام کا بہانہ کر کے اس سے اجازت لے لی۔ چلتے وقت رام دیال نے زبردستی دو سو روپے میری جیب میں ڈال دیے جسے مجھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔

رام پور پہنچ کر میں نے ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں قیام کیا اور برکاتی شاہ کی تلاش شدومد سے شروع کر دی۔ دو ہفتے تک میں ایک ایک سڑک اور گلیوں کی خاک چھانتا پھرا۔ بے شمار آدمیوں سے برکاتی شاہ کے بارے میں دریافت کیا لیکن کوئی بھی مجھے ان کے بارے میں نہ بتا سکا۔ متعدد آدمیوں سے

تو یہ سن کر میرا مذاق اڑایا جسے میں خون کے گھونٹ پی کر برداشت کر گیا۔

دو ہفتے کی تگ و دو کے بعد میں مایوس ہونے لگا۔میرے دل میں ایک خیال یہ بھی ابھرا کہ کہیں پنڈت نے مجھے ٹالنے کے لیے تو غلط راہ پر نہیں ڈال دیا۔میں نے ایک بار یہ بھی سوچا کہ دوبارہ جا کر پنڈت سے ملوں اور اس سے برکاتی شاہ کے بارے میں پھر سے دریافت کروں لیکن اس خیال کو میں نے یہ سوچ کر ترک کر دیا کہ اگر پنڈت مجھے ٹالنا ہی چاہتا تھا تو پھر کسی غلط راستے پر ڈال دیتا۔اس کے لیے کچھ دشوار نہ ہوتا۔

پے در پے ناکامیوں نے مجھے شکستہ دل کر دیا تھا۔میرے پاس رام دیال کے دیے ہوئے جو پیسے تھے وہ بھی ختم ہو چلے تھے۔میں اگر چاہتا تو تربینی داس کو خط لکھ کر اس سے رقم منگوا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ناکامیوں اور مایوسیوں کے سوا اور کچھ نہیں رہا تھا۔میرے اندر اب اتنی طاقت نہیں تھی کہ میں پریشانیوں کا مقابلہ کر سکتا۔چنانچہ ایک روز میں نے اچانک فیصلہ کر لیا کہ ان محرومیوں سے چھٹکارا پا لینے کے لیے مجھے اپنی زندگی کا چراغ خود اپنے ہی ہاتھو بجھا دینا چاہیے۔نرگس سے جدائی میرے لیے اب بڑی جاں گسل تھی۔

خودکشی کے ارادے کو ذہن میں پختہ کر کے ایک روز میں ہوٹل سے نکلا اور سامنے واقع ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیا۔میں نے طے کیا تھا کہ کسی ریل کے سامنے آ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا۔ نرگس کے تصور کو ذہن میں اجاگر کیے اور اپنے خیالات میں محو میں ایک سڑک کے کنارے سے گزر رہا تھا کہ اچانک کسی شے سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔چونک کر دیکھا تو ایک شکستہ حال فقیر کو سڑک کے کنارے پر پڑا پایا جس نے اپنی ایک ٹانگ پھیلا رکھی تھی۔میں نے فقیر کی حالت کا جائزہ لیا تو مجھے جھرجھری سی آ گئی۔اس کے جسم پر کوڑھ کے دھبے موجود تھے اور جابجا زخموں سے پیپ بہہ رہی تھی جس سے شدید بو پھوٹ رہی تھی۔اس کے جسم پر میل اور غلاظت کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔کپڑے تار تار ہو کر جھول رہے تھے۔سر اور داڑھی کے الجھے ہوئے بال بری طرح چکٹ رہے تھے۔اپنے جسم پر اس نے ایک پھٹا پرانا کمبل ڈال رکھا تھا جس پر لاکھوں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔اس کا چہرہ میل کی وجہ سے سیاہ ہو رہا تھا اور سیاہ چہرے پر اس کی بڑی بڑی سفید آنکھیں بڑی ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔وہ انہی خطرناک نظروں سے مجھے بڑی حقارت سے گھور رہا تھا۔میں نے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر گزر جانا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے مجھے سخت لہجے میں مخاطب کر کے کہا۔

''اندھے مردود' کیا دماغ کی طرح تیری آنکھیں بھی چلی گئیں۔''

''معاف کر دو بابا۔'' میں نے شرمساری سے کہا پھر پلٹا ہی تھا کہ ایک بار پھر اس کی کڑک دار آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"حرام زادے لفنگے۔ ٹھوکریں کھا کر بھی نہیں سنبھلا۔ جا دفع ہو جا۔"

فقیر کے یہ جملے میرے ذہن پر بجلی بن کر گرے۔ نہ جانے ان جملوں میں کیا سحر تھا کہ میں یک لخت رک گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو فقیر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو اس نے بڑی نفرت سے بلغم زمین پر تھوک کر کہا۔

"رک کیوں گیا او شریف زادے! تو زندہ کیوں ہے۔ جا اور اپنی ذلیل زندگی کو موت کے کنوئیں میں جھونک دے۔"

اس بار میرے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر مجذوب میرے بارے میں کیسی حقیقتیں بیان کر رہا ہے۔

اس وقت میرے دل میں ایک خیال تیزی سے ابھرا۔ کہیں یہی تو وہ برکاتی شاہ نہیں جس کی تلاش میں دو ہفتے تک میں سڑکوں اور گلیوں کی خاک چھانتا پھرا ہوں۔ پنڈت نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ یوگی لوگ دنیا کے ضابطوں اور اصولوں سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس نے مجھے یہ مشورہ بھی دیا تھا' اگر برکاتی شاہ برا بھلا کہے تب بھی میں اس کی خدمت سے منہ نہ موڑوں۔ ان خیالات کے ذہن میں ابھرتے ہی میں تیزی سے چلتا ہوا فقیر کے پاس گیا اور اس کے برابر زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بابا۔ اگر آپ کو میری وجہ سے تکلیف پہنچی ہے تو میں اس کی معافی مانگتا ہوں۔"

"معافی مانگ رہا ہے مجھ سے۔ سور کے بچے۔" فقیر نے بڑے تعجب سے کہا پھر دیوانوں کی طرح قہقہے لگانے لگا پھر اچانک بڑی سنجیدگی اختیار کر کے راز داری سے بولا۔ "کتنی معافیاں اور مانگے گا۔ بھاگ جا۔ کیا سٹا کھیلتا ہے۔ جا بمبئی جا۔ تین سے سات پر داؤ لگا دے۔ پو بارہ ہے۔"

فقیر بڑی دیر تک واہی تباہی بکتا رہا۔ بات بات پر نشتر چلاتا رہا لیکن میں سب کچھ خاموشی سے سنتا رہا پھر میں نے اس کے پیر تھام لیے اور گڑگڑا کر کہا۔

"بابا' میں بہت دور سے تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"میرے پاس۔" فقیر نے مجھے پاگلوں جیسے انداز میں گھورا پھر مدھم آواز میں بولا۔ "جتنی رقم تیرے پاس ہے' سب بازاری عورتوں پر لٹا دے۔ زندگی ہنسنے کھیلنے کے لیے بنی ہے' کیا سمجھا؟ خود کو پہچان گندے کیڑے۔"

"تم چاہے جو کہو بابا لیکن میں تمہارے قدموں کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم میری پوری بات نہ سن لو۔"

"کتا۔ بھوں بھوں...... بھوں۔" فقیر نے باقاعدہ بھونکنا شروع کر دیا پھر اس نے اپنے بازو کے زخم سے بہتی ہوئی پیپ کو انگلیوں سے لیپنا شروع کر دیا۔

کوئی اور موقع ہوتا تو میں اس فقیر کے پاس ایک پل ٹھہرنا بھی گوارا نہ کرتا لیکن اس وقت جبکہ میں موت اور زندگی کے دوراہے پر پہنچ چکا تھا' مجھے سب کچھ گوارا تھا۔ میں نے فقیر کی بری بھلی اور سخت باتوں کو نظر انداز کر کے اس کی منت سماجت شروع کر دی۔ راہ گیر قریب سے گزرتے تو میرے اوپر پھبتیاں کستے۔ میرا مذاق اڑاتے اور نازیبا الفاظ کہتے لیکن مجھے یہ سب کچھ بھی گوارا تھا۔

فقیر دیوانوں جیسی حرکتیں کرتے کرتے ایک دم بھلے مانسوں جیسی گفتگو شروع کر دیتا اور کچھ دیر میں پھر بہکی بہکی باتیں شروع کر دیتا۔ کبھی وہ اول جلول حرکتیں کرتا اور کبھی مجھے دھتکارنا شروع کر دیتا لیکن میں برابر اس کی خوشامدیں کرتا رہا حتیٰ کہ اندھیرا پھیل گیا۔ سڑک کی چہل پہل تاریکی میں سمٹ گئی پھر رات آئی تو فقیر نے لمبی تان لی اور لمبے لمبے خراٹے لینے لگا مگر میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا اور برابر اس کے پاس بیٹھا اس کے پاؤں دباتا رہا۔ نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہی فقیر دراصل برکاتی شاہ ہے جس سے ملنے کا مشورہ مجھے پنڈت نے دیا تھا۔

نصف رات گزری ہو گی کہ اچانک فقیر جاگ کر اٹھ بیٹھا اور...... یوں دونوں ہاتھ تیزی سے چلانے لگا جیسے وہ کسی چیز کو بھگانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں اس کی حرکت کو خاموشی سے دیکھتا رہا۔ خاصی دیر تک وہ دونوں ہاتھوں کو فضا میں لہراتا رہا پھر یوں پرسکون ہو کر دیوار سے ٹک کر ایک لمبی سانس لی جیسے کوئی بہت بڑا خطرہ ٹل گیا ہو۔ اندھیرے کے باوجود اس کی آنکھیں مجھے روشن نظر آ رہی تھیں۔ میرا دل چاہا کہ پھر اس سے باتیں کروں لیکن قبل اس کے کہ میں اپنے ارادے کو تکمیل کا جامہ پہناتا' اس نے اچانک مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ میں نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور پاؤں دبانے کے عمل کو تیز کر دیا۔ تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"کیوں تنگ کرتا ہے کتے۔ دفع کیوں نہیں ہو جاتا۔ کوئی اور گھر دیکھ۔"

"مجھے مایوس نہ کرو بابا۔" میں نے جواب دیا پھر دبی آواز میں بولا۔ "میں جانتا ہوں بابا کہ تم کون ہو؟"

"تو کیا خاک جانتا ہے۔" فقیر نے چڑچڑے پن سے جواب دیا۔ "یہ سب اسی ہندو کافر کی حرام زدگی ہے۔ اسی ولد الحرام بندر کی اولاد نے تجھے میرا پتا دیا ہے۔ اب اس کی بھی خیر نہیں۔"

فقیر کی زبانی یہ جملے سن کر میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔ وہ یقیناً برکاتی شاہ تھا۔ میرے دل کا عجیب عالم تھا۔ میری منزل قریب تھی۔ میں اس کے کچھ اور قریب ہو کر بڑی عقیدت مندی سے اس کے پاؤں دبانے لگا۔ میرے کان اس کی سمت لگے ہوئے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ اور کہے' مجھے اور گالیاں دے' مجھے مارے پیٹے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک وہ منہ ہی منہ میں نہ جانے اپنے آپ سے کیا باتیں کرتا رہا پھر پاؤں سکیڑ کر دوبارہ مجھے مخاطب کر کے

بولا۔

''ہوس کے غلام! تیری خدمت کے پیچھے خود غرضی ہے۔ میں کہتا ہوں چلا جا یہاں سے۔''

''یہ ناممکن ہے بابا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''میں تمہارے قدموں میں جان دے دوں گا لیکن تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔''

''تو نہیں جائے گا تو میں خود چلا جاؤں گا۔'' فقیر نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا اور پھٹا ہوا کمبل جسم سے لپیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''بابا خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔'' میں گڑگڑا کر بولا اور خود بھی اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔

فقیر نے میری منت سماجت کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ کہے بغیر منہ اٹھائے آگے بڑھتا رہا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ میری پریشانیوں کا کوئی حل نہیں بتا دیتا۔

میں واقعات کی تفصیل میں نہیں جا رہا۔ نہ یہ تفصیل قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔ میں فقیر مذوب برکاتی شاہ اور اپنے درمیان کے معاملات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ میں مختصراً اتنا بتا دوں کہ تین ماہ یا ساڑھے تین ماہ تک متواتر برکاتی شاہ کے پیچھے سائے کی طرح لگا رہا۔ اس تمام عرصے میں برکاتی شاہ نے مجھے متعدد بار گالیاں دیں' دھتکارا' صلواتیں سنائیں۔ دو ایک بار انہوں نے مجھے مارا بھی مگر میں اور کہاں جاتا۔ زندگی میں اس قدر نشیب و فراز آئے تھے' ایسے دردناک حالات سے واسطہ پڑا تھا کہ اب کوئی اور منزل نظر نہیں آتی تھی۔ میں ایک سچے عقیدت مند کی طرح ان کی خدمت میں لگا رہا۔ پنڈت نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ برکاتی شاہ کو راضی کرنا مشکل کام ہے اور مجھے یہ کارنامہ سرانجام دینا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میری خدمت رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ایک نہ ایک دن برکاتی شاہ سے میری عقیدت اور خدمت رنگ لا کر رہے گی اور نہیں بھی لائی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ برکاتی شاہ کے ساتھ سڑکوں پر رہنا' ساری دنیا کی طرز رہائش سے اعلیٰ طرز ہے۔ مجھے اس میں بڑا سکون ملتا تھا۔ یہ بے نیازی' یہ قلندرانہ اوصاف اور دنیا سے بیزاری کا یہ انداز دنیا کے ستائے ہوئے لوگوں کے لیے سب سے مجرب نسخہ ہے۔ اس میں پناہ ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ میں کس طرح سڑکوں پر رہا۔ گلی کوچے بدلتا رہا۔ میری داڑھی بڑھ گئی تھی۔ میرا لباس شکستہ ہو گیا تھا۔ میں تین چار ماہ تک نہیں نہایا میرے بال خاک و دھول میں اٹے ہوئے رہتے۔ کھانے پینے کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ لوگ ہمارے آگے جو ڈال جاتے اسی پر ہم دونوں قناعت کرتے۔ جگہ جگہ پھرتے۔ یہ زندگی بڑی عجیب تھی میں اس کا عادی ہوتا جا رہا تھا۔ اس تمام عرصے میں برکاتی شاہ نے میرے مطلب کی بات نہ چھیڑی۔ میں نے بھی خود سے کچھ نہیں کہا مگر ایک دن وہ پسیج گئے۔ ایک روز میں حسب معمول برکاتی شاہ کی خدمت کی مصروف تھا کہ انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا۔ ''دنیا

فانی ہے او جمیل کے بچے! تو جو سوچ رہا ہے وہ سب ختم ہو جائے گا۔ فانی چیزوں سے دل نہ لگاؤ۔ یہاں سے بھاگ جا۔ بجز خدا کے ہر شے مٹنے کے لیے ہے۔''

میں نے عجز و نیاز مندی سے سر جھکا لیا۔

''کیا سوچ رہا ہے۔'' برکاتی شاہ نے میری خاموشی سے جھنجھلا کر کہا۔ ''جا اب تیرا کام ختم ہوا۔ مجھے چھوڑ' اپنی اصلاح کر' ٹھوکریں مت کھا۔''

میں نے سر جھکا دیا۔ ''بابا' میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ اس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ مجھے خود سے جدا نہ کیجیے اور کیجیے تو میرے دل کی مراد پوری کیجیے۔''

''تو ایسے نہیں مانے گا کم بخت۔'' برکاتی شاہ نے غصے میں لکڑی اٹھا لی اور مجھے بے طرح مارنے لگے۔ جب مارتے مارتے ہانپ گئے تو کہنے لگے۔ ''جمیل' مجھے مت ستا' یہاں سے چلا جا۔ مجھے تنہا چھوڑ دے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر برکاتی شاہ کو نہ جانے اچانک کیا ہوا' اٹھ کر مجھے گلے لگا لیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور لہجہ بدل گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھے نصیحتیں کرتے رہے اور زمانے کی اونچ نیچ سرد و گرم سے آگاہ کرتے رہے۔

ان کا یہ برتاؤ آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں بھی بھرا ہوا تھا۔ ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ نہ جانے کب تک میں رویا۔ میں نے اتنے آنسو اپنی زندگی میں کبھی نہیں بہائے تھے۔ بس آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو امڈا چلا آ رہا تھا۔

''سر اٹھا جمیل احمد۔'' برکاتی شاہ نے شفقت سے کہا۔ ''خدا کو یہی منظور ہے۔ جا میرے پاس سے اب چلا جا۔''

میں نے مایوسی سے کہا۔ ''کہاں جاؤ۔ کدھر جاؤں؟''

برکاتی شاہ کا لہجہ غضب ناک ہو گیا۔ ''قبرستان جا۔''

''قبرستان۔ بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں قبرستان جا۔'' برکاتی شاہ نے اسی لہجے میں کہا۔ ''تیرے نصیب میں اور ٹھوکریں لکھی ہیں۔ اپنے من کو اجلا کر۔''

میں خاموش رہا تو برکاتی شاہ اچانک بولے۔ ''آنکھیں بند کر۔'' میں نے حکم کی تعمیل کی پھر انہوں نے مجھے ایک وظیفہ بتایا اور کہا۔ ''چالیس روز کسی پرانے قبرستان میں جا اور یہ پڑھتا رہ اور سن۔ بہتر ہے کہ اپنی زندگی بدلنے کی کوشش کر بد اطوار۔''

میں نے خوشی سے بے اختیار ہو کر بابا کے ہاتھ چوم لیے۔ برکاتی شاہ نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''بتا میں

Downloaded from Paksociety.com

نے کیا بتایا ہے؟'' میں نے وظیفہ دہرا دیا۔

'' آنکھیں بند کرو اور اس مرتبہ اسے پھر دہرا...... اور ہاں سن...... مجھے پھر کبھی تلاش نہ کرنا۔ میرا تذکرہ بھی کسی سے نہ کرنا۔'' برکاتی شاہ نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑی سعادت مندی سے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر ان کے بتائے ہوئے وظیفے کو دہرانے لگا۔ دس بار وظیفے کا ورد کرنے کے بعد جب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ برکاتی شاہ وہاں موجود نہیں تھے۔ میں نے انہیں قرب و جوار میں دوڑ بھاگ کر دیکھا لیکن دور دور تک ان کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ میں نے تھک ہار کر ان کی تلاش ختم کر دی اور دریائے کوسی کے پانی سے اپنے شکستہ کپڑے دھوئے اور غسل کیا پھر میں نے قریب ہی ایک پرانے قبرستان میں جا کر' جو آبادی سے تین میل دور تھا اور اب وہاں ویرانی ہی ویرانی تھی' ایک پرسکون گوشے کا انتخاب کیا اور دل کو پوری طرح آلودگیوں سے صاف کر کے برکاتی شاہ کے بتائے ہوئے وظیفے کا ورد کرنے لگا۔

مجھے یقین تھا کہ میری زندگی میں ایک بڑا انقلاب جلد رونما ہوگا۔ اس اعتقاد اور یقین کے ساتھ میں نے پورے انہماک سے اپنا وظیفہ شروع کیا۔ میرا ذہن آنے والے سنہری دنوں کی مسرتوں کے خواب دیکھ رہا تھا۔ میں ایک عجیب نشے کی کیفیت محسوس کر رہا تھا اور آپ کو معلوم ہے پھر کیا ہوا؟

☆=============☆=============☆

میں نے برکاتی شاہ کی ہدایت پر دریا کوسی کے قریب ایک پرانے قبرستان میں جو آبادی سے دور اور ویران حالت میں تھا' ایک پرسکون گوشہ تلاش کیا اور وظیفے کا ورد شروع کر دیا جو مجھے برکاتی شاہ جیسے صاحب کرامت بزرگ نے بتایا تھا۔ مجھے قوی امید تھی کہ میں اس عمل کو پورا کرنے کے بعد ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی مسرتوں کو حاصل کر سکوں گا۔ میرا ذہن آنے والے سنہری دنوں کے تصورات سے سرشار تھا۔ مجھے اعتماد تھا کہ وظیفہ پورا ہو جانے کے بعد میری زندگی میں ایک بڑا انقلاب رونما ہوگا۔ مجھے انکا مل جائے گی اور پھر میری نرگس میرے قریب آ جائے گی۔ سب کچھ بدل جائے گا' دولت' عزت' نرگس' انکا۔ میں ایک نئی زندگی کے خیال میں مست شب و روز وظیفے میں منہمک تھا۔

ایک دور تک قبرستان کی ویرانی اور پراسرار ماحول نے میری محویت میں خلل ڈالا۔ آپ ذرا تصور کیجئے کہ شکستہ قبروں کے درمیان میں تنہا بیٹھا ہوں۔ دن تو کسی طرح گزر جاتا ہے لیکن رات آتی ہے اندھیری رات...... دور دور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان نہیں۔ سردی کا موسم ہے مگر کچھ ایسی زیادہ سردی نہیں۔ نہ میرے پاس کھانے کو کچھ ہے نہ پہننے کو۔ صرف ایک اعتقاد ہے کہ برکاتی شاہ کے ساتھ میں کتنے دن گزار چکا تھا اور اس کے بعض حیرت انگیز واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ مجھے اس وظیفے میں اپنی نجات نظر آئی تھی۔ جو شخص میری طرح اتنے برے دن گزار چکا ہو' اتنے نشیب و فراز دیکھ چکا ہو'

زندگی نے اس کے ساتھ ہولناک مذاق کئے ہوں' اس کے لیے پر ہیبت جگہ کیا حیثیت رکھتی ہے۔ شروع شروع میں تو میرے قدم ڈگمگائے' ایسا محسوس ہوتا جیسے بے شمار بدروحوں نے میرے اوپر یلغار کر دی ہو۔ کبھی یوں لگتا کہ ابھی مردہ ہڈیوں کے پنجر انسانی شکل میں اپنی منہدم قبر سے باہر نکل کر مجھے دبوچ لیں گے۔ دن بھر میرا ذہن ان پراگندہ خیالات سے آزاد رہتا لیکن اندھیرا پھیلتے ہی قبرستان کا ماحول خوفناک اور پراسرار ہو جاتا۔ اگر کوئی پتا بھی کھڑکتا تو کسی بدروح کا تصور میرے جسم کے رونگٹے کھڑے کر دیتا اور اس وقت میں آنکھیں بند کر کے اپنے وظیفے میں اور مستغرق ہو جاتا لیکن میری یہ کیفیت محض ایک دو دن ہی رہی اس کے بعد میں جیسے اس ویرانی کا' ہیبت کا جزو بن گیا۔ میری محویت کا یہ عالم ہو گیا کہ مجھے شب و روز کی کوئی فکر نہ رہی۔ میرے اندر غیر معمولی قوت مدافعت پیدا ہو گئی تھی۔ میں دن اور رات میں چند ہی بار اپنی اس محویت کو ختم کرتا۔ دریائے کوسی پر وضو کرتا۔ مجھے نہیں معلوم کس طرح تیسرے دن ایک شخص قبرستان میں آیا۔ اس نے ایک قبر پر فاتحہ پڑھی۔ مجھے دیکھا اور میرے انہماک کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ میں اس سے کچھ نہیں بولا تو وہ وہاں سے چلا گیا اور شام کو پھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک سینی تھی جس میں معمولی کھانا تھا۔ وہ میرے قریب رکھ کر چلا گیا۔ میں نے دو دن بعد بہت معمولی سا کچھ کھایا اور کوسی کا پانی پی کر پھر وظیفے میں غرق ہو گیا پھر اس شخص کا یہ معمول ہو گیا کہ ہر دوسرے تیسرے روز شام کو اسی طرح کھانا رکھ جاتا اور چلا جاتا۔ میری اس سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ شکل وصورت سے وہ دیہات کا کوئی ادھیڑ عمر کا شخص تھا جس نے میرے اوپر ترس کھا کر اپنا یہ معمول بنا لیا تھا۔ اصل میں بھوک پیاس کا مجھے خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر وہ شخص مہربانی نہ کرتا تب بھی میں چالیس دن تک کسی نہ کسی طرح بھوکا رہ لیتا۔ برکاتی شاہ کے وظیفے میں ہی کوئی ایسی صلاحیت تھی کہ مادی دنیا کی ہر ضرورت سے بے نیازی خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔

شروع شروع میں تو دن مجھے یاد رہے لیکن بعد میں' میں انہیں نہ گن سکا۔ میں اپنے ورد میں اس قدر محو رہا کہ مجھے دن بھی یاد نہیں رہے۔ مجھے یہ ضرور احساس تھا کہ خاصے دن گزر چکے ہیں لیکن کتنے' اس کا کسے ہوش تھا پھر ایک دن دوپہر کے وقت مجھے اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سامنے کوئی کھڑا ہے اور وہ برکاتی شاہ ہیں۔ اس پیر مرد کی موجودگی محسوس کر کے میری زبان آپ ہی آپ بند ہو گئی۔ میرے لبوں کی مسلسل حرکت ساکت ہو گئی۔ میرے کانوں میں عین اس وقت ایک مدھم آواز گونجی۔

''تمہارا کام ختم ہوا۔ اب یہاں سے جاؤ۔''

جواب میں' میں نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی نہ تھا۔ میں نے کچھ بولنا چاہا مگر میرے ہونٹوں کو جنبش کا یارا نہ ہوا۔ وہ سب مجھے ایک خواب سا محسوس ہوا۔ میں لمحوں اسی کیفیت سے دوچار رہا پھر اسے وہم سمجھ کر میں نے دوبارہ وظیفہ شروع کر دیا مگر ایک ثانئے بعد وہی آواز مجھے سنائی دی اور پھر مجھے محسوس ہوا جیسے

برکاتی شاہ یہیں کہیں موجود ہیں جیسے کہ کہہ رہے ہوں۔

''اٹھو۔ تمہارا کام ختم ہوا۔ اپنی منزل تلاش کرو۔''

اس آواز کے ساتھ مجھے ''حق اللہ' حق اللہ'' کی صدائیں گونجتی محسوس ہوئیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے برکاتی شاہ واپس جا رہے ہوں۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں لیکن وہاں میرے سوا کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھا مگر دور دور تک قبرستان کی خاموشی اور ٹوٹی پھوٹی قبروں کی ویرانی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

یہ کیسا اسرار تھا' یہ آواز کس کی تھی۔ کیا یہ میرا وہم تو نہیں' کیا میں نے چالیس دن مکمل کر لیے؟ خاصی دیر تک میں اپنی جگہ ساکت و جامد بیٹھا غور کرتا رہا پھر میرے جی میں کیا آئی کہ میں ایک عزم کے ساتھ اٹھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ برکاتی شاہ تھے جو میرے وظیفے کی مدت ختم ہونے کا اشارہ کر کے واپس چلے گئے۔ گویا میرا وظیفہ ختم ہو گیا۔ گویا میں کامیاب ہو گیا۔ میں ایک عجیب لذت محسوس کر رہا تھا۔ چالیس روز تک ایک جگہ بیٹھے بیٹھے میری حالت بہت مضحکہ خیز ہو چکی تھی۔ جلد سردی کے سبب سے کچھ کھردری ہو گئی تھی۔ داڑھی اور سر کے بال بہت بڑھ گئے تھے' میری جلد کی رنگت بھی تبدیل ہو چکی تھی لیکن مجھے ان تبدیلیوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ میں اپنی دھن میں مست آبادی کی طرف قدم اٹھا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا ابھرا اٹھتا ہوا قدم مجھے کامیابی کی طرف لے جائے گا۔ وہ نرگس کے قریب لے جائے گا۔

نرگس اف۔ میری نرگس' اس کا خیال آیا تو نہ جانے کہاں سے بے تحاشا پیار امڈ آیا۔ میں جس کیفیت سے دوچار تھا اس کا اظہار الفاظ کی زبانی کرنا ممکن نہیں۔ ایسی باتیں' ایسی کیفیتیں تو صرف محسوس کی جا سکتی ہیں۔ انہیں لکھا نہیں جا سکتا لیکن پھر اچانک میں ٹھٹک کر یوں رک گیا جیسے کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آ گئی ہو۔ میں نے عالم تصور میں ڈرتے ڈرتے اپنے سر پر نظر ڈالی لیکن وہاں بڑھے ہوئے الجھے ہوئے بالوں کے سوا مجھے کچھ اور نظر نہ آیا۔

''انکا۔''

میری روح سے ایک کرب ناک چیخ بلند ہو کر میرے وجود پر چھا گئی۔ انکا نہیں آئی۔ میں نے کئی آوازیں دیں ''انکا۔ انکا' انکا۔ اب تم آ جاؤ۔ دیکھو میں نے وظیفہ مکمل کر لیا ہے'' ''انکا۔'' مگر میرا سر خالی ہی رہا۔ میں نے جھنجھلا کر اپنے سر کو جھٹکا۔ وحشت میں اپنے سر کو پیٹا۔ میں نے اپنے منہ پر بے تحاشا تھپڑ مارے ''انکا' انکا تم آئی کیوں نہیں؟'' کیا میرے برے دن ختم نہیں ہوئے۔ پھر انکا کس طرح آئے گی۔ میں نے تو وظیفہ بھی ختم کر لیا۔ میں نے تو برکاتی شاہ کے کہنے پر چالیس دن بھی گزار دیے۔ پھر یہ کیا ہوا؟ کیا میرے ساتھ قسمت پھر کوئی مذاق کر رہی ہے؟ اتنی سرعت کے ساتھ متضاد خیالات میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے کہ میں پاگل ہونے کے قریب تھا۔ اب کیا ہو' میں کیا کروں۔ کدھر جاؤں۔ کیا

میں اب تک سراب کے پیچھے بھاگتا رہا ہوں۔ مجھے ایسا لگا جیسے دن دہاڑے کسی نے میری جیب کاٹ کر زندگی کی تمام جمع پونجی سے محروم کر دیا ہو۔ اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جسے زندگی نے اس طرح تماشا بنایا ہو۔ بہت سے مرحلے آئے۔ بہت خطرناک' بڑے جان لیوا مگر پہلی بار مجھے محسوس ہوا جیسے میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ پہلی بار شدت سے مجھے تھکن کا احساس ہوا۔ میں تھک ہار کر سڑک کے ایک کنارے پر بیٹھ گیا اور گھٹنوں میں منہ دے کر زار و قطار رونے لگا۔ کوئی شخص بھی میرے اس گریے اور آہ و بکا کا سبب پوچھنے نہیں آیا۔ جب میں بہت رو چکا تو نیم دلی کے ساتھ اٹھا۔ برکاتی شاہ وہ بوڑھا شخص' اسے شاید میرے حال پر رحم نہیں آیا۔ میں نے یہ وظیفہ خلوص دل اور تمام تر توجہ اور استغراق سے مکمل کیا تھا۔ وظیفے کے دوران میری نیت میں کوئی بھی کھوٹ نہیں تھی پھر مجھے خیال آیا۔ ممکن ہے میں مدت سے پہلے اٹھ گیا ہوں' شاید وہ آواز جو میں نے قبرستان میں سنی تھی کہ میں وظیفہ ختم کر دوں' فریب تھی۔ مجھے دوبارہ وظیفہ پڑھنا چاہیے۔ اچانک میرے قدم قبرستان کی سمت اٹھ گئے مگر میں دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ رک گیا۔ اب کون یہ چالیس دن گزارے۔ جو ہو گیا وہ ہو گیا۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ دوبارہ وظیفے کے بعد قسمت کچھ بدل جائے۔ بربادی مقدر میں لکھی ہے تو یہی سہی۔ پر اب میں جاؤں کہاں۔ وظیفے کی کامیابی کی خوشی کے بعد اس مایوسی نے میرے ذہن کو جو دھچکا پہنچایا اس نے میرے ہوش و حواس معطل کر دیے اور ایک بار پھر کئی بار کی طرح مجھے خودکشی کے سوا کوئی اور راستہ کہیں نظر آیا۔ یہ زندگی کس کام کی۔ اب اسے ختم ہو جانا چاہیے' نہ جانے کب تک میں بے یار و مددگار کھڑا سڑک پر آنسو بہاتا رہا۔ سسکتا رہا' بسورتا رہا۔ وہ تنہائی جسے اس دنیا میں میرا کوئی نہیں۔ وہ ہولناک تنہائی مجھے پہلی بار شدت سے محسوس ہوئی۔ میں چاہتا تھا کہ برکاتی شاہ کو خوب برا بھلا کہوں۔ وہ کہیں مل جائے تو اس کا گریبان پکڑ لوں لیکن پھر میں خود کو سمجھاتا۔ اس میں برکاتی شاہ کا کیا قصور ہے۔ انہوں نے مجھے ٹالنے کی بڑی کوشش کی تھی۔ میں خود نہیں مانا اور ان سے اصرار کئے گیا۔ ٹالنے کے لیے انہوں نے مجھے یہ طریقہ بتا دیا تھا اور جب میں واقعی وظیفے میں منہمک ہو گیا تو انہوں نے آ کر مجھے اٹھا دیا۔

خودکشی۔ بس یہی آخری طریقہ نجات کا ہے۔ پھر معاً میرے ذہن میں دیوناتھ پجاری کا نام ابھرا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ میری مدد کر سکتا ہے لیکن کسی دیوی نے میرے خلاف فیصلہ دے کر اسے میری مدد سے روک دیا تھا۔ اس اندھیرے میں پنڈت بدری نرائن کا نام کسی ٹمٹماتے دیے کی طرح میرے ذہن میں روشن ہوا۔ میں نے سوچا کیوں نہ میں ایک بار پھر پنڈت سے ملوں اور اس کے سامنے جھولی پھیلا کر مدد کی بھیک مانگوں۔ اس نے ہی تو برکاتی شاہ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں اس سے جا کر پوچھوں گا کہ میں نے وظیفہ مکمل کر لیا پھر میرے دل کی مراد کیوں بر نہیں آئی۔

ہر چند کہ یہ خیال کچھ زیادہ دل خوش کن نہ تھا تاہم مجھے یہ خودکشی سے بہتر لگا۔ میں نے پنڈت بدری

نرائن سے ملنے کا فیصلہ کر لیا اور گرتے پڑتے قدموں سے شہر کی طرف بڑھنے لگا۔ میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی اس لیے آبادی پہنچ کر مجھے بھیک مانگنی پڑی۔ لوگ میری حالت پر ترس کھا کر مجھے کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے۔ میں نے ان کی نگاہوں میں ہمیشہ اپنے لیے نفرت اور حقارت کا جذبہ ہی محسوس کیا تھا لیکن میں اب ستم سہنے اور ہر چیز برداشت کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ رام پوری کی سڑکوں' بازاروں اور محلوں میں ڈیڑھ دو ماہ تک میں اپنا ہاتھ دراز کیے رہا اور کوڑی کوڑی جمع کرتا رہا۔ جب میرے پاس پنڈت بدری نرائن کے پاس پہنچنے کا کرایہ اکٹھا ہو گیا تو ایک روز میں اسٹیشن جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سفر کے دوران میرے دل و دماغ پر میرا ماضی چھایا رہا۔ مجھے پنڈت سے کوئی بڑی امید نہیں تھی بس یونہی میں اس کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے ڈیڑھ ماہ رام پور شہر میں جس بے بسی سے گزارا' اس کی تفصیل سے میں نے گریز کیا ہے۔

نرگس کے شہر پہنچ کر میرے قدم خود بخود اس کے گھر کی طرف اٹھے اور میں نے بڑی مشکل سے انہیں رام دیال کے مکان کی طرف ڈالا۔ رام دیال نے حسب معمول میری خاطر مدارت کی۔ مجھے کپڑے دیے۔ اس نے میری شکستہ حالت دیکھ کر مجھ سے پوچھا۔

''جمیل احمد' تمہیں کیا روگ لگ گیا ہے؟''

''میں مرنا چاہتا ہوں۔ پر مر نہیں سکتا۔ یہی میری زندگی کا غم ہے۔'' میں نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

رام دیال نے مجھے بڑے دلاسے دیے۔ میری ہمت بندھائی۔ میں اس کی بات خاموشی سے سنتا رہا اور پہلی فرصت میں پنڈت بدری نرائن کے مکان پر پہنچ گیا۔ اس وقت میری کیفیت اس مجرم کی سی تھی جس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہو اور وہ اپنا آخری فیصلہ سننے کے لیے مضطرب ہو۔ میں نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں سے اس کے دروازے پر دستک دی۔ اتفاق سے پنڈت گھر پر موجود تھا۔ ایک عرصے بعد مجھے اپنے دروازے پر اس طرح کھڑا دیکھ کر وہ کچھ حیرت زدہ سا ہوا پھر خاموشی سے میرا ہاتھ تھام کر اندر لے گیا اور ایک تخت پر بٹھا دیا۔ میں امید و بیم کی کیفیت سے دوچار پنڈت کے بولنے کا منتظر تھا۔ پنڈت نے جب مجھے سکون سے بٹھا دیا تو بڑے اطمینان سے بولا۔

''کیا بات ہے میاں جمیل احمد۔ تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔''

''پنڈت جی۔'' میں رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ کے پاس کوئی زہر ہے؟''

''کیا مطلب مجھے بتاؤ کہ آخر تمہارے اوپر کیا بیتی؟'' پنڈت نے حیرت سے پوچھا۔

''جو بیتنا تھی بیت گئی اب اور کیا بیتے گی۔ اب صرف ایک اذیت اور سہنی ہے پنڈت جی۔ موت کی اذیت اور میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔ موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ مجھے بتاؤ میرے بچے' تمہیں کیا ہوا ہے۔''

پنڈت کے مشفقانہ رویے سے میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے میں رونے لگا۔

''پنڈت جی۔ اپنی جیسی ہر کوشش کر لی لیکن قسمت خراب لے کر آیا ہوں۔''

''ایسی کیا بات ہو گئی ہے اتنے نراش کیوں ہوتے ہو؟''

''پنڈت جی۔ اب بہت ہو گیا۔''

''کیا بہت ہو گیا۔ کچھ کہو تو سہی۔ منہ سے تو کچھ بولو۔'' پنڈت بدری نرائن نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آ رہے ہو۔ کیا تمہیں برکاتی شاہ نہیں ملے؟''

''ملے تھے۔ میں نے مختصراً جواب دیا۔

''پھر کیا ہوا؟''

''اس دیوانے نے پہلے تو میری کوئی بات نہیں سنی۔ مجھے پاس تک پھٹکنے نہیں دیا۔ میں اس کے پیچھے لگا رہا سڑکوں پر غلاظت کے ڈھیر میں پڑا رہا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' پنڈت نے اشتیاق سے پوچھا۔

''اس کی گالیاں سہتا اور اس کی خدمت کرتا رہا مگر اس نے بھی دھوکا دیا۔''

''کیا بکتے ہو میاں جمیل احمد۔'' پنڈت نے ناراضگی سے کہا۔ ''برکاتی شاہ ایک مہاپرش ہے۔ میں تمہیں اس بات کی آگیا نہیں دے سکتا کہ تم اس کے متعلق ایسی باتیں کرو۔''

میں نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔ ''مہاپرش۔ اس مہاپرش نے کئی مہینے کی خدمت کے بعد مجھے ایک وظیفہ بتایا جو میں نے ایک ویران قبرستان میں چالیس روز بیٹھ کر کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ جانتے ہو پنڈت جی۔''

''کیا ہوا؟'' پنڈت نے تیزی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''یہی کہ کچھ نہیں ہوا۔''

''تم نے کوئی بھول تو نہیں کی؟''

''اپنی دانست میں تو نہیں کی۔''

''تم نے دن پورے کر لیے تھے؟''

''میں یہی سمجھتا ہوں۔''

''پھر تم نے کیا کیا؟''

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"پھر میں نے بڑی آرزوں' امیدوں اور تمناؤں کے ساتھ انکا کو آواز دی۔"

"اور انکا نہیں آئی۔ بس بس جمیل احمد خان' میں سب کچھ سمجھ گیا۔" پنڈت نے اتنا کہہ کر کوئی اور سوال نہیں کیا اور وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ اسے بہت دیر سوچتے سوچتے ہو گئی تو میں نے روکھے انداز میں کہا۔

"کچھ بولو۔ مہاراج۔ خاموش کیوں ہو گئے' کس سوچ میں پڑ گئے۔"

پنڈت ایک دم چونکا اور کہنے لگا۔ "مورکھ' دھرماتما کبھی کسی منش کو دھوکا نہیں دیتے۔ برکاتی شاہ کو میں جانتا ہوں۔"

"ممکن ہے جو کچھ آپ کہہ رہے ہوں ٹھیک ہو لیکن میرے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب بتائیے میں کیا کروں؟" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "اب تو دنیا سے جی اکتا گیا ہے۔"

"آتم ہتیا پاپ ہے بالک۔" پنڈت نے میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے متاثر ہو کر کہا۔ "اتنی جلد تمہیں نراش نہیں ہونا چاہیے۔ لگن سچی ہو تو بھگوان منش کو سب کچھ دے دیتا ہے۔"

"میری لگن سچی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مجھ سے کچھ مت کہو۔ اب مجھے کچھ دیر سوچ لینے دو۔"

بدری نرائن خاموش کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ وہ میری آنکھوں میں نہ جانے کیا پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر اس نے کوئی جواب نہیں دیا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے اس عجیب وغریب تیور سے مجھے الجھن ہونے لگی۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ وہ میرے چہرے کو اور میں اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔

"سنو میاں جمیل۔" اچانک پنڈت آنکھیں گھماتے ہوئے بولا۔ "تم کامیاب ہو سکتے ہو۔"

"وہ کیسے؟ کیا اب بھی کوئی صورت ہے؟" میں نے خود پر قابو نہ پاتے ہوئے پوچھا۔

"تم سے کوئی بھول ہوئی ہے۔ تم نے برکاتی شاہ سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ اس وظیفے کے بعد تمہیں کیا کرنا چاہیے؟"

"اس کا موقع ہی کہاں ملا۔ برکاتی شاہ وظیفہ بتلا کر اچانک میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے انہیں تلاش کیا مگر وہ نظر نہیں آئے۔"

"ہونہہ۔" پنڈت نے گردن ہلائی۔ "ٹھیک ہے۔ اب سنو میاں جی۔ تمہیں واپس تربینی کے پاس جانا ہو گا۔ وہیں کوئی صورت نکل پائے گی۔ اتنی بات یاد رکھو کہ وظیفے اور جاپ میں بہت فرق ہوتا ہے۔ انکا کے لیے جاپ کیا جا سکتا ہے اس کے لیے وظیفہ نہیں پڑھا جا سکتا۔"

"پھر برکاتی شاہ نے مجھے یہ کیوں بتایا تھا؟"

"اس نے صحیح بتایا تھا۔ وہ غلط نہیں کہتا۔ زیادہ مت سوچو۔ تم ان باتوں کو نہیں جانتے۔ تم واپس پونا جاؤ۔" پنڈت بدری نرائن نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

"کیا وہاں مجھے انکا مل جائے گی؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"سمے کا انتظار کرو اور مہاپرشوں پر شبہ کرنا چھوڑ دو۔" پنڈت نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میں تربینی کے پاس جانے کو تیار ہوں لیکن مجھے وہاں کیا کرنا ہے' مجھے کچھ بتا دیجئے تو۔"

"تمہارا وہاں جانا ضروری ہے اور میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ وہیں میرا خیال ہے ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ میں برکاتی شاہ کو اچھی طرح جانتا ہوں بالک' اچھی طرح۔" پنڈت نے زور دے کر کہا۔ "سمے کا انتظار کرو۔"

"مہاراج' مجھے ذرا سا دلاسا دے دو کہ میں کامیاب ہو جاؤں۔ مجھے میری نرگس مل جائے اور اب مزید غم مجھے نہیں سہنے پڑیں۔"

"میرا آشیرباد تمہارے ساتھ ہے۔ تم وہاں جاؤ اور ہاں وہ بات یاد ہے؟"

"کون سی بات؟" مجھے کوئی بات یاد نہ تھی اس لیے میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہیں کاہے کو یاد رہے گی میاں جی۔ یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم انکا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو جب میں چاہوں گا' عارضی طور پر تم انکا کو میرے حوالے کر دو گے۔"

"مجھے یاد ہے مہاراج۔ مجھے یاد ہے۔" میں نے کھلے دل سے کہا۔

"تو جاؤ۔ ترنت یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔"

پنڈت سے رخصت ہو کر اور ایک بار پھر پرامید ہو کر میں بھاگا بھاگا رام دیال کے پاس آیا۔ میں نے اس سے دو سو روپے مانگے جو اس نے مجھے فوراً دے دیے۔ بازار میں جا کر میں نے اپنے کچھ ریڈی میڈ کپڑے خریدے۔ ایک اٹیچی اور ایک بستر بند تیار کر کے میں رام دیال اور اس کی بیوی سے اسی دن اجازت لے کر پونا کے لیے روانہ ہو گیا۔ اسٹیشن کے راستے میں غیر اختیاری طور پر میں نے ٹیکسی کا رخ نرگس کے مکان کی طرف کر دیا۔ میری کوشش ناکام ہوئی۔ نرگس مجھے نظر نہیں آئی اور چاروناچار میں اسٹیشن پہنچ کر پونا کے لیے روانہ ہو گیا۔ یہ سفر بہت اضطراری حالت میں گزرا۔ میں جلد سے جلد پونا پہنچنا چاہتا تھا۔ بدقسمتی سے راستے میں گاڑی چار گھنٹے لیٹ ہو گئی۔ میری کیفیت عجیب تھی۔ گو پنڈت نے انکا کے حصول کے لیے مجھے کوئی فارمولا یا طریقہ کار نہیں بتایا تاہم اس کے انداز سے یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ وہ اس سلسلے میں خاصا پرامید ہے۔ غیر یقینی حالات اب بھی تھے' بہرحال میں یہ ارادہ کر کے کہ ایک کوشش اور کر لی جائے تو کیا حرج ہے' پہلے کی طرح مایوس اور اداس نہیں تھا۔ پونا اسٹیشن سے تربینی کا بنگلہ

کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ ٹرین کو پونا سات بجے پہنچنا تھا۔ چار گھنٹے لیٹ ہو جانے کی وجہ سے رات کو گیارہ بجے گاڑی وہاں پہنچی۔ میں اسی وقت تربینی سے ملنا چاہتا تھا۔ تربینی کے بنگلے پر پہنچا تو ایک نئے ملازم نے مجھے اندر جانے سے منع کر دیا۔ وہ مجھے نہیں جانتا تھا اس نے کہا کہ وہ اس وقت سو رہا ہے۔ میں نے اسے تربینی سے اپنے تعلقات خاص کے کوئی حوالے دیے مگر وہ نہیں مانا۔ آخر میں وہاں سے چلا آیا۔ مجھے علم تھا کہ یہ وقت تربینی کے سونے کا نہیں' وہ یقیناً اپنی خواب گاہ میں کسی لڑکی کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہوگا۔ اس کے معمولات سے میں واقف نہ ہوتا تو اور کون ہوتا میں خاموشی سے اس وقت واپس آ گیا۔ وہ رات میں نے بڑی بے چینی سے گزاری۔ پونا سے روانگی کے وقت مجھے تربینی نے ہدایت کی تھی کہ میں اسے اپنی خیر خبر سے مطلع کرتا رہوں۔ مجھے اس کی مہلت ہی نہ ملی اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے اس کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی ہو۔ تمام رات میں خیالات میں الجھا رہا۔ وہی انکا' نرگس' بدری نرائن' برکاتی شاہ' تربینی کے خیالات' میں ان کا ذکر بار بار نہیں کروں گا۔ میں رات بھر نہیں سو سکا۔ ایسے عالم میں کون سو سکتا تھا۔ مجھ پر تو ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے کوئی طریقہ یا ذریعہ میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ جب میری آنکھ کھلی تو دن خاصا نکل آیا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہوا پھر تربینی کے بنگلے کی طرف چل دیا۔ اس بار مجھے اس کے پاس پہنچنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تربینی نے اطلاع ملتے ہی مجھے فوراً اندر بلا لیا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ تربینی کے سامنے گیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی' اس نے میرا استقبال اس انداز سے نہیں کیا جس کی توقع میں کر سکتا تھا۔ جن نظروں سے اس نے مجھے دیکھا ان میں دوستی کا کوئی جذبہ موجود نہ تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے شدید طور پر ناراض ہے۔ میں خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا تو تربینی نے پہل کرتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کب آئے؟"

میں نے مفاہمت کے انداز میں جواب دیا۔ "کل رات...... مگر تمہارے ملازم نے کل رات مجھے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔"

"اتنے دن کہاں رہے؟" اس نے میرے مفاہمت کے رویے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

"یونہی ذرا گھومنے میں لگا ہوا تھا۔" میں نے سرسری طور پر کہا۔

کہاں کہاں گھومے۔ کس کس جگہ ٹھہرے؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"بس ایسے ہی ادھر ادھر آوارہ گردی کرتا رہا۔"

"تم نے اپنے متر کو خیر خبر سے بھی مطلع نہیں کیا۔ حالانکہ میں نے تاکید کی تھی۔" تربینی نے خشک لہجے

میں کہا۔

"مصروفیات نے مہلت ہی نہ دی ورنہ...... !"

"جمیل احمد خان۔ اچانک تربینی میرا جملہ کاٹ کر بولا۔ "میں نے تمہیں اپنا متر کہا تھا' پرنتو ہو سکتا ہے مجھے اپنا یہ فیصلہ بدلنا پڑے۔"

"تربینی۔ میں جانتا ہوں' تم مجھ سے ناراض ہو لیکن اگر میں تم سے ناراض ہوتا تو دوبارہ تمہارے سامنے نہ آتا۔" میں نے نرمی اور یقین دلانے والے انداز میں کہا۔ "لیکن یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ میں نے تمہیں اپنی خیریت سے مطلع کیوں نہیں کیا۔ ویسے مجھے تسلیم ہے یہ میری غلطی تھی۔"

تربینی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے کچھ ٹٹولنے والی نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ اس وقت وہ کسی شدید الجھن کا شکار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس تھا اور ماتھے پر شکنیں۔ میں نے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کیں لیکن وہ بدستور میرا اسی تجسس آمیز انداز سے جائزہ لیتا رہا۔ میری نرم گفتگو نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر اس کیفیت میں مبتلا رہنے کے بعد وہ میرے قریب آیا اور ٹھوس آواز میں بولا۔ "جمیل احد خان' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اتنے عرصے کہاں رہے اور کیا کرتے رہے۔ تمہیں معلوم ہے میرے سامنے جھوٹ نہیں بولا جا سکتا' انکا مجھے سب کچھ صحیح صحیح بتا دے گی۔ وہ تمہارے بارے میں مجھے ایک ایک پل کی خبر دے سکتی ہے۔"

انکا کا نام سن کر میں سنبھلا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ انکا کی موجودگی میں دروغ گوئی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تربینی کو کیا جواب دوں۔ کیا اسے صاف صاف سب کچھ بتا دوں۔ پھر اسے کیسے مطمئن کروں۔ اسی لمحے مجھے پنڈت بدری نرائن کا خیال آیا جس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ اپنی شکتی کے زور سے انکا کے حصول کے سلسلے میں میرے اور انکا کے درمیان پردہ رکھے گا۔ اس کام کے عوض اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ اگر میں انکا کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں بخوشی عارضی طور پر انکا کو اس کے پاس بھیج دیا کروں گا۔ میں کوئی مناسب جواب دینے والا تھا کہ تربینی کی خشک آواز نے مجھے گڑبڑا دیا۔ "جمیل احمد خان' تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "تربینی جی تم انکا کی لامحدود قوت کے ذریعے میرے بارے میں سب کچھ جان سکتے ہو تو اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ طویل سفر نے ویسے ہی مجھے بہت تھکا دیا ہے۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتے۔" تربینی نے خشک آواز میں کہا۔ اس کے تیور بتدریج خراب ہوتے جا رہے تھے۔

Downloaded from Paksociety.com

میں عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔ اگر حالات نے مجھے مجبور نہ کیا ہوتا اور پنڈت بدری نرائن نے مجھے تربینی کے پاس واپس پہنچنے کو نہ کہا ہوتا تو میں اس کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا۔ مجھے اس سے شدید نفرت تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح ٹالوں۔ تربینی نے مجھے خاموش دیکھا تو ایک دم پھٹ پڑا۔

''جمیل احمد خان' تم بھول رہے ہو کہ اس سے تم کس شکتی کے سامنے موجود ہو۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ میں کون ہوں؟''

''تربینی' تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' میں نے ایک اور کوشش کی۔ ''اگر تمہیں میرا یہاں آنا گوارا گزر رہا ہے تو میں آج ہی چلا جاتا ہوں۔''

اس جملے کو ادا کرنے کے بعد میں جانے کے بہانے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے اس شکتی کی دھمکی دے رہا تھا جسے میں نے جان پر کھیل کر اس کے لیے فراہم کیا تھا۔ اگر میں نے شیو چرن کو نہ مارا ہوتا تو تربینی در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہوتا۔ میں نے اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے لیے باہر جانا چاہا۔ میں اٹھ کر چند قدم آگے ہی بڑھا تھا کہ تربینی کسی زخمی شیر کی طرح میرے سامنے آ گیا اور اپنی انگارا آنکھوں سے مجھے گھور کر کرخت لہجے میں بولا۔

''تم اپنی اوقات بھول رہے ہو جمیل احمد خان۔ میں تمہیں دوبارہ پونا کی سڑکوں پر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر سکتا ہوں۔ تمہاری آنکھوں کی روشنی بھی ختم ہو سکتی ہے۔''

''تربینی تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہارے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ تم میرے دوست ہو۔ یہ بتاؤ کہ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم اس قدر بگڑ رہے ہو۔ مجھے میری خطا تو بتاؤ۔'' میں نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''کیا دوست کہنے کے بعد تم مجھے بربادی اور رسوائی کے راستے پر ڈال دو گے۔''

''کون کس کا دوست ہے' یہ بھی معلوم ہو جائے گا مورکھ۔ میرا سمے مت برباد کر' مجھے بتاؤ کہ اتنے دنوں تم کیا کرتے رہے؟'' اس کی آواز لحظہ بہ لحظہ مشتعل ہوتی جا رہی تھی۔ ''اگر تم نے کچھ غلط کہا تو مجھے مجبوراً تمہیں راہ راست پر لانا پڑے گا۔''

''حیرت ہے بھئی۔'' میں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ ''تم عجیب آدمی ہو۔ اپنے دوست پر شک کر رہے ہو۔ میں بدنصیب کیا کر سکتا ہوں۔ کہا نا کہ گھوم پھر کر واپس آیا ہوں۔ تم مانتے نہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی جلدی آنکھیں بدل لو گے۔ حیرت ہے' افسوس ہے تربینی۔'' میں نے اصل موضوع سے ہٹنے کی کوشش کی۔ ''اگر میں شیو چرن کو مارنے میں اپنی جان کی بازی نہ لگاتا تو تم آج مجھے انکا کی قوت کی دھونس نہیں دے سکتے تھے۔ تم بدعہدی کر رہے ہو۔''

''ننٹے۔'' تربینی غضب ناک آواز میں چلایا۔ ''تو مجھے الو بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اتنا یاد رکھ کہ اگر میں نے کشت دینے کا ارادہ کیا تو دھرتی کی کوئی شکتی تجھے نہیں بچا سکتی۔''

''مجھے علم ہے کہ تم میری طرف سے بدگمان ہو۔'' میں نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''بدگمانی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ میری طویل غیر حاضری نے تمہیں خواہ مخواہ شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم انکا سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ میں نے ان دنوں کیا کیا ہے۔''

''کمینے' میں تجھ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ تو بتا کہ تو کہاں تھا؟''

''میں نے تو بتا دیا اب تم انکا سے پوچھ لو۔'' میں نے الجھ کر کہا۔

''کیا میری زبان سے کہلوانا چاہتا ہے۔ کم بخت بھول رہا ہے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا تو اپنی پتنی سے ملنے نہیں گیا تھا۔ وہ پتنی جو تجھ سے چھین لی گئی تھی۔ اس کے باپ نے تجھے مارا پیٹا۔ تو اپنے دوست رام دیال کے پاس رہا۔ تو نے نرگس کو حاصل کرنے کے لیے پجاریوں کی تلاش کی اور پھر تو ایک پجاری سے ملا اور وہاں تو نے انکا کے سلسلے میں بات کی اور بتاؤں' اور سننا چاہتا ہے۔ مجھے ایک ایک پل کی خبر ہے۔''

تربینی نے نرگس کے شہر میں پیش آنے والا پورا واقعہ اس طرح سنایا جیسے وہ میرے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ جیسے یہ سب کچھ اس پر گزرا تھا۔ اس نے رام دیال اور پجاریوں سے ملنے تک کی ایک ایک بات پوری تفصیل سے مجھے بتائی۔ میں اسے سن کر سہم گیا اور میرے قدم لرزنے لگے۔ تربینی کو سب معلوم ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی گردن نیچی کر لی جیسے میں اس کا مجرم ہوں۔ خوف سے اس وقت میرا برا حال تھا۔ مجھے اپنی موت سامنے نظر آئی۔

''کیا مجھے نہیں معلوم۔ ننٹے۔ کمینے۔ تو سمجھتا ہے کہ میں بے خبر تھا۔ اب اس سے آگے تو بتا دے۔'' تربینی نے آگ بگولا ہو کر کہا۔

''اب میں کیا بتاؤں۔'' میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں آگے تو بتا۔ میں اس کے بعد کے حالات تیرے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' تربینی نے بدتمیزی سے کہا۔

''کیوں بات بڑھاتے ہو۔ جب تمہیں سب معلوم ہے تو یہ تماشہ کیوں کرتے ہو۔'' میں نے اس بار چڑ کر کہا۔

''میری بات سن کم ظرف۔ پنڈت بدری نارائن تک میں نے تجھے بتا دیا۔ اس کے بعد کے حالات میں تیرے منہ سے سننا پسند کروں گا۔'' تربینی نے پیر زمین پر مارتے ہوئے کہا۔

معاً اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ تربینی کو شاید اس کے بعد کے حالات معلوم نہیں ہیں اس لیے وہ مجھ سے چالاکی سے اگلوا رہا ہے۔ مجھے پنڈت بدری نارائن کا وعدہ یاد آ گیا۔ اس نے انکا سے میری تمام

جہدوجہد کی پردہ پوشی رکھنے کو کہا تھا۔ میں لمحوں میں سمجھ گیا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ تربینی کے سامنے وہ مدت نہیں جس میں پنڈت نے میرے اصرار پر پردہ پوشی کا کوئی منتر پڑھا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے اندر توانائی سمٹ آئی۔ یقیناً تربینی کو بعد کے حالات کا علم نہیں اس لیے وہ کرید کرید کر پوچھ رہا ہے اور اس سلسلے میں وہ متوحش ہے۔ اس خیال سے مجھے کچھ اطمینان حاصل ہوا۔

میں نے اسے ٹالنا چاہا۔ اس نے مجھے بدستور دھمکیاں دیں۔ یہی سلسلہ چلتا رہا۔ نہ میں کچھ بتا سکا نہ وہ کچھ اگلوا سکا۔ میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ تربینی کو اصل حالات سے آگاہ کر دیتا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اسے ٹال سکوں لیکن مجھے مایوسی ہوئی۔ تربینی کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ میں بہر حال ایک انسان تھا۔ مسلسل ناکامیوں اور مایوسیوں نے مجھے چڑچڑا بھی کر دیا تھا۔ پھر تربینی نے مجھے نفرت اور حقارت سے دھتکارتے ہوئے ایک تھپڑ میرے گال پر مارا تو میں برداشت نہ کر سکا۔ ایک لمحہ میں میرا دل چاہا کہ تربینی کا گلہ گھونٹ کا سے موت کی نیند سلا دوں لیکن میں اس ہٹے کٹے آدمی سے لڑ نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے انکا کی پراسرار قوتوں کا بخوبی اندازہ تھا۔ تربینی کا ایک اشارہ انکا کو مجھے موت کے گھاٹ اتارنے پر اکسا سکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس وقت تک تربینی نے انکا سے باز پرس کیوں نہیں کی۔ جب تربینی نے میرے گال پر تھپڑ مارا تو میں تلملا گیا۔ جواب میں میں نے پلٹ کر اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن میرا مقصد اسے زدوکوب کرنے کی بجائے صرف اتنا تھا کہ میں اسے کچھ دیر غافل کر کے وہاں سے راہ فرار اختیار کر سکوں۔ تربینی کو جوابی حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑا کر ایک کرسی سے ٹکرایا پھر کرسی سمیت فرش پر الٹ گیا۔ مجھے بس اتنی مہلت درکار تھی۔ تربینی کو نیچے گرتے دیکھ کر میں تیزی سے پلٹا اور بھاگتا ہوا اس کے بنگلے سے باہر آ گیا۔ بیرونی پھاٹک پر کھڑے ہوئے ملازم نے مجھ سے اس طرح بھاگنے کی وجہ دریافت کرنا چاہی لیکن میں اس کی کہی ان سنی کر کے بھاگتا ہوا باہر نکل آیا۔ قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو اشارے سے روکا اور جلدی سے اس میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور کو میں نے ایک ایسے ہوٹل کا نام بتایا جو پونا کے ساحلی علاقے میں واقع تھا۔ ٹیکسی فوراً حرکت میں آ گئی۔ میں نے نظر گھما کر تربینی کے بنگلے کی سمت دیکھا تو لرز گیا۔ تربینی مجھے بڑی غضب ناک اور شعلہ فشاں حالت میں احاطے کی روش پر کھڑا ہوا نظر آیا تھا۔

راستے بھر میری حالت خراب رہی۔ موت میرا پیچھا کر رہی تھی۔ مجھے ہر لمحے یہ خطرہ لاحق تھا کہ اب انکا کی پراسرار قوت میرے سر پر نازل ہو گی اور مجھے کسی حقیر کیچوے کے مانند کچل کر رکھ دے گی۔ اب تمام امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ ٹیکسی چل رہی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمارتیں متحرک ہو گئی ہوں اور اب وہ ایک پل میں ٹیکسی پر گرنے والی ہوں۔ اس وقت مجھے نرگس کی یاد آئی۔ یہ خوفناک خیال بھی تھا کہ اب میں دوبارہ اس کی صورت نہیں دیکھ سکوں گا۔

مجھے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا۔ میں نے تربینی سے الجھ کر دور اندیشی کا ثبوت نہیں دیا۔ اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں بڑے سے بڑے حادثے کا منتظر تھا اور اس سے فرار بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر میں نے اپنے لیے ایک کمرا بک کرا لیا لیکن مجھے یقین تھا کہ میں وہاں بھی محفوظ نہیں رہ سکوں گا۔ میں دنیا کے کسی بھی خطے میں پہنچ جاؤں' انکا مجھے ڈھونڈ نکالے گی۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے ایک سرد آہ بھری۔ دروازوں کو اچھی طرح بند کیا۔ میری حماقت دیکھئے' انکا کے لیے دروازے اور کھڑکیاں کیا اہمیت رکھتے تھے۔ بستر پر لیٹتے ہی میں بگڑے ہوئے حالات پر غور کرنے لگا۔ باہر ذرا بھی آہٹ ہوتی تو میں انکا کے خوفناک تصور سے کانپ جاتا۔

وقت جیسے جیسے گزرتا گیا' میری پریشانیاں بڑھتی گئیں۔ دن بھر میں تذبذب میں مبتلا رہا۔ میرے اندر اتنی جرات بھی نہ تھی کہ میں کھانے کے لیے کمرے سے باہر نکل سکتا۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ آخر اب تک تربینی کی طرف سے کوئی انتقامی کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔ کیا تربینی نے محض مجھے دور رکھنے کی خاطر ڈرایا دھمکایا تھا۔ کیا وہ مجھ سے اپنا تعلق ختم کر دینا چاہتا تھا؟ لیکن ایک بات طے تھی کہ انکا پنڈت بدری نرائن کے کہنے کے مطابق میرے حالات سے ناواقف رہی تھی۔ دوسری صورت میں اتنی آسانی سے نہ تو میں برکاتی شاہ تک پہنچ سکتا تھا اور نہ وظیفہ مکمل کر سکتا تھا مگر یہ وظیفہ کیسا تھا جس میں مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ میں نے کیا حاصل کیا اور کیا نقصان اٹھایا۔ اس وظیفے کے اچھے اثرات مرتب ہوئے یا برے۔ اس کشمکش نے مجھے ہلکان کر دیا تھا۔

دن بھر میں خود سے الجھتا رہا۔ آپ یقین کریں گے میرے اندر اتنی طاقت نہیں تھی کہ میں اٹھ کر بتی جلا سکتا۔ اسی شش و پنج کی حالت میں نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں بھی میں انہی الجھنوں میں گھرا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا اور جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی۔ ابھی میں جاگنے کے سبب پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ میں نے سہمتے ہوئے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی تو خوف و دہشت سے میری چیخ نکل گئی۔ انکا وہاں موجود تھی۔ اس لمحے مجھے سانپ سونگھ گیا۔ موت کے تصور سے میرا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ دیر تک میری یہی کیفیت رہی۔ اس عرصے میں انکا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ مسکراتی رہی۔ مجھے اس کی مسکراہٹ سے شدید نفرت اور خوف محسوس ہوا۔ بہر حال میں نے کسی نہ کسی طرح اپنے حواس مجتمع کیے اور دوبارہ مسکراتی ہوئی انکا پر نظر ڈالی جو میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی' مجھے تیکھی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

"تت...... تم...... تم انکا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ہاں میں۔" انکا نے شرارت سے کہا۔ "کیا میں تمہیں تلاش نہیں کر سکتی تھی؟"

"اتنی حیرت سے کیوں گھور رہے ہو۔ کیا مجھے پہلے نہیں دیکھا؟" انکا کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"تمہارے بہت سے روپ دیکھے ہیں لیکن آج مجھے تم سب سے زیادہ خطرناک نظر آ رہی ہو۔" میں نے ہمت کر کے جواب دیا۔

"کیوں کیا میں بری نظر آ رہی ہوں۔" انکا نے اٹھلا کر کہا۔

"نہیں تم سدا بہار ہو۔ تم اتنی ہی حسین ہو جتنی پہلے تھیں۔" میں نے خوشامدی انداز میں کہا۔

"جھوٹ کہتے ہو۔" انکا نے خالص نسوانی انداز میں کہا۔ "خوشامد کرتے ہو۔"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے تمہاری خوشامد سے مجھے کیا حاصل ہو جائے گا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

انکا کا لہجہ پہلے سے بدلا ہوا تھا۔ مجھے اس کی طنزیہ گفتگو زہر میں بجھے ہوئے کسی نشتر سے کم نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے تنگ آ کر کہا۔

"کام کی بات کرو۔ میں اپنی قسمت کا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اب زیادہ برداشت کی قوت نہیں رہی۔ جو کرنا ہے کرو۔"

"کیا کروں۔ تم ہی بتا دو کہ میں تمہاری قسمت کا کیا فیصلہ کروں۔" انکا نے اپنی روایتی شوخی سے کہا۔

"جو تمہیں تربینی نے بتایا ہو' تمہارے آقا نے' میں اب ہر فیصلہ سننے کو تیار تھا۔

"تربینی نے تو بہت کچھ کہا ہے۔" انکا سنجیدگی سے بولی۔

"تو جو کچھ کہا ہے اسے کرو۔" میں نے بگڑ کر کہا۔

"جی نہیں چاہتا۔"

"تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم تو تربینی کی غلام ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے پر مجھے تم سے بھی تو محبت ہے۔" انکا نے کہا۔

"انکا وہ گھاؤ نہ لگاؤ' جو اب تک ہو چکا ہے وہی بہت ہے۔"

"کیا تمہیں بھی وہ دن یاد ہیں؟"

"وہ باتیں اب خواب بن چکی ہیں انکا۔" میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا تو انکا مسکرا دی۔

"ماضی ہمیشہ خواب ہوتا ہے اسے بھول جانا چاہیے۔ مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے۔"

"لیکن جس کا مستقبل روٹھ گیا ہو وہ غریب کیا کرے۔ مجھ سے میرے دن روٹھ گئے۔"

"مشکل باتیں یاد کر رہے ہو۔ کہاں سے آ گیا اتنا غم تمہاری باتوں میں۔"

"حالات انسانوں کے لہجے متعین کرتے ہیں مگر تم آج اس قدر لگاوٹ کی باتیں کیوں کر رہی ہو" میں نے انکا کے انداز میں بہت تبدیلی محسوس کی تو پوچھا۔

"حالات حالات کی بات ہے۔" انکا نے معنی خیز لہجے میں کہا، پھر بولی۔ "کیا تمہیں میرا بولنا ناگوار لگ رہا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے کہ اس شیریں گفتگو کے بعد تم مجھ سے کس طرح پیش آؤ گی اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا کام کرو۔ مجھے حکم دو کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ تم مجھے حکم دو۔"

"میرے اندر مذاق سہنے کی صلاحیت بھی ختم ہو گئی ہے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"اچھا۔ اتنے دکھی ہو۔"

جواب میں' میں خاموش رہا۔ مجھے انکا کی طول کلامی سے گھٹن ہو رہی تھی۔ انکا دیر تک یونہی دلچسپ انداز میں گفتگو کرتی رہی، اس کے تیور عجیب تھے۔ وہ مسکرا مسکرا کر' اٹھلا اٹھلا کر بڑی اپنائیت کی باتیں کرتی اور کبھی اس کے چہرے پر نفرت اور حقارت کے ملے جلے جذبوں کا کھنچاؤ پیدا ہو جاتا۔ اس کی حسین آنکھیں اچانک شعلہ بار ہو جاتیں۔

"جانتے ہو جمیل۔ میں اس وقت تمہارے پاس کیوں آئی ہوں؟" کچھ دیر بعد وہ بولی۔

"ہاں۔" میرا دل ڈوبنے لگا۔ "تمہیں تربینی داس نے بھیجا ہے۔" میں نے بچوں کی طرح کہا۔

"خاصے سمجھدار ہوتے جا رہے ہو۔" انکا نے بدستور سنجیدگی سے کہا پھر اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "اور جانتے ہو تربینی داس مہاراج نے تمہارے حق میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"انکا۔" میرا دل بھر آیا۔ میں نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔ "میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم تربینی داس کے اشارے پر سنگلاخ پہاڑوں کو بھی روئی کے گالوں کی طرح اڑا دینے کی طاقت رکھتی ہو لیکن انکا......" میں کہتے کہتے رک گیا تو انکا بولی۔

"مرنے سے پہلے نرگس سے ایک بار ملنا چاہتے ہو۔ کیا نرگس یاد ہے تمہیں اب تک؟"

انکا نے میرے منہ کی بات چھین لی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں تو تمہیں بھی نہیں بھولا۔ تم تو دلوں کا حال پڑھنا جانتی ہو۔ تم نے میرے دل کو پڑھ لیا ہوگا۔"

"رہنے دو جمیل۔ بس کرو۔"

"میرے اوپر شک نہ کرو۔"

"اچھا۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟" میں نے خوف زدگی سے کہا۔

"تربینی داس نے مجھے تمہیں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ وہ ہماری راہ دیکھ رہا ہوگا۔" انکا اچانک بڑی سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔

"ہمارے درمیان بھی دوستانہ مراسم بھی رہ چکے ہیں۔ تمہیں میری محبوبہ کا درجہ حاصل ہے۔ میں تمہیں اس ربط خاص کا واسطہ دیتا ہوں کہ نرگس کو آخری بار......"

"وقت ضائع مت کرو جمیل۔" انکا نے کسی الھڑ دوشیزہ کی طرح کہا۔ "سنو میں ہمیشہ اپنے مالک سے وفادار رہنے پر مجبور ہوں۔ اپنے آقا کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ اب تم چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"چلو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔ "جو تمہاری مرضی۔"

راستے بھر میں انکا کے چہرے پر ابھرنے والے متضاد تاثرات بھانپتا رہا۔ بلاشبہ اس کے رویے میں غیر معمولی فرق تھا۔ اس سے قبل میں نے اسے ایسی مختلف کیفیتوں سے دوچار نہیں دیکھا تھا۔ مجھے تربینی سے کسی خوش گوار سلوک کی توقع نہ تھی اور میں نے خود کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ میں اب مقتل کی طرف جا رہا ہوں۔ مقتل کی طرف جاتے ہوئے کسی شخص کی جو حالت ہو سکتی ہے وہی میری تھی۔

"کس خیال میں الجھے ہوئے ہو جمیل!" انکا کی آواز اچانک میرے کانوں سے ٹکرائی تو میرے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں نے انکا پر نظر ڈالی جو میرے سر پر کھڑی بڑی دل نواز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس وقت مجھے انکا کا یہ انداز بہت ظالمانہ محسوس ہوا۔ میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے اور انکا کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں۔

"اے جمیل صاحب' اتنی نفرت کچھ تو میری پرانی مہربانیوں کا خیال کیا ہوتا۔ سچ ہے مرد بڑے بے مروت ہوتے ہیں۔"

"انکا' خدا کے لیے میرے زخموں پر نمک پاشی نہ کرو۔ میں بڑا مجبور اور بے بس ہوں۔"

"جب تک زندہ ہو ہنستے بولتے رہو۔ موت سے کیا ڈرنا۔ تربینی کو دیکھو' اس کے سینے میں تمہارے خلاف انتقام کا جوالا مکھی روشن ہے لیکن جانتے ہو وہ اس وقت کیا کر رہا ہے۔ بمبئی کی ایک حسین ترین ساحرہ اس کی خواب گاہ میں موجود ہے۔ وہ اس وقت بمبئی کی سب سے حسین لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا ہے۔ عیش' بالکل اسی طرح جس طرح تم رنگ رلیاں منایا کرتے تھے۔ کیوں یاد ہیں نا تمہیں وہ باتیں۔"

انکا کی طنز بھری باتوں کا سوائے خاموشی کے میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اس وقت عجیب حرکتیں کر رہی تھی۔ تمام راستے وہ مجھے ستاتی رہی۔ مجھ پر طنز کے نشتر چلاتی رہی۔ میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی جو کچھ وہ کہتی جا رہی تھی' میں سنتا جا رہا تھا۔ اس نے مجھے کملا نامی لڑکی کو یاد دلایا جسے بمبئی میں میں نے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ کملا کے شباب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نشہ سا بھر گیا پھر اچانک اس کے تیور بدل گئے۔ میری خاموشی سے وہ بگڑ گئی۔ "ہاں تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تربینی نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

میں نے اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

"تربینی نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمہیں اس حسین ساحرہ کے سامنے ذلیل کرے گا۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں زندہ آگ میں بھی جلا دے اور اس لڑکی کو اپنی غیر معمولی قوت سے متاثر کرے۔"

"میں جانتا ہوں تربینی کو پراسرار قوتوں کا سہارا حاصل ہے۔" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔

"اور میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں اس کی تابع ہوں۔ اپنے آقا کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔" انکا نے روکھے لہجے میں کہا اور پھر اس کے بعد خاموش ہو گئی اس لیے کہ تربینی کا بنگلہ آ گیا تھا۔

انکا نے غلط نہیں کہا تھا۔ تربینی اپنے خاص کمرے میں اس وقت ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ مصروف عیش تھا۔ میری نظروں سے اتنی حسین صورت شاذ و نادر ہی گزری تھی۔ وہ بے حد خوب صورت تھی۔ نیم عریاں لباس میں اس کا کندن کے مانند دمکتا ہوا جسم جھلک رہا تھا۔ شراب کے نشے نے اس کی آنکھوں کو کچھ زیادہ ہی نشیلا بنا دیا تھا۔ تربینی کی گردن میں بانہیں ڈالے وہ حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ غالباً تربینی نے اسے میرے بارے میں کچھ بتا دیا تھا۔

"کیوں جمیل' کیسی ہے لڑکی! شرمیلی' نازک' گداز' سرخ ہے نا حسین لڑکی۔" انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی لیکن مجھے یہ سب سوچنے کی فرصت کہاں تھی۔ میرے اوپر تو خوف مسلط تھا۔ میں تربینی کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"آ گئے۔" اس نے حلق میں گلاس کی باقی ماندہ شراب انڈیلتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔ "ننھے' کیا تو نہیں جانتا تھا کہ میں تجھے سمندر کی تہوں سے بھی ڈھونڈ نکالنے کی شکتی رکھتا ہوں۔"

میں نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔ انکا بدستور میرے سر پر براجمان تھی۔

"کچھ بولو جمیل احمد خان' چپ کیوں ہو۔" تربینی نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا لیکن میں بدستور مہر بلب رہا۔ خاموشی کے سوا میں اور کیا کر سکتا تھا۔

"ڈارلنگ! کیا یہی وہ مورکھ ہے جس نے تم سے ٹکرانے کی حماقت کی تھی۔" تربینی کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی نے پہلی بار کہا۔ اس کی آواز بھی اس کے خوب صورت جسم کی طرح لوچ دار تھی۔

"ہاں کوشلیا' یہی وہ سورما ہے جو اپنی اوقات بھول گیا ہے۔" تربینی نے مجھے غضب ناک نظروں سے گھورتے ہوئے اور پھر اسے اور قریب کرتے ہوئے کہا۔ "بتاؤ تم اس کے لیے کیا سزا تجویز کرو گی۔ میرے اپمان کی کیا سزا ہو سکتی ہے' کوشلی؟"

"تمہارے اپمان کی سزا۔" کوشلیا شرماتے ہوئے بولی۔ "اس کی کم سے کم سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔"

"تم حسین ہونے کے ساتھ ذہین بھی بہت ہو۔ اٹھاؤ اپنا پستول اور مار دو اسے گولی۔" تربینی نے

بھکتے ہوئے کہا۔

''مم...... میں۔'' کوشلیا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔تم ماردو اس حرام زادے کو۔'' تربینی غصے سے بولا۔

''تمہارے کارن تو میں خود کو بھی شوٹ کر سکتی ہوں۔'' کوشلیا نے اٹھتے ہوئے کہا پھر اس نے میز پر رکھے ہوئے پرس سے اپنا لیڈیز آٹو میٹک پستول نکالا اور لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی۔ ڈھیلے ڈھالے باریک لباس نے بے ترتیب ہو کر اسے اور عریاں کر دیا تھا لیکن میں اس کے جسمانی نشیب و فراز سے زیادہ اپنے انجام پر غور کر رہا تھا۔ میرے قریب آ کر کوشلیا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے سرتاپا دیکھا پھر بھویں چڑھا کر بولی۔ ''کوئی آخری اچھا ہے تمہاری۔''

قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا۔ انکا میرے سر سے رینگ کر میرے بائیں کاندھے پر آ گئی اور سرگوشی کرتے ہوئے بولی۔ ''جمیل' ہمت کرو۔ دیکھو کتنی حسین لڑکی سامنے ہے۔ اس کے ہاتھوں مرنا بھی کتنا اچھا ہے۔ میری مانو تو مرنے سے پہلے کوشلیا سے اس کا شریر مانگ لو۔ اس کے بعد کوشلیا کے ہاتھوں مرنے میں تمہیں زیادہ لطف آئے گا۔''

کوشلیا نے مجھے خاموش پایا تو بڑی نخوت سے بولی۔ ''بولتا کیوں نہیں' ارے میں کیا پوچھتی ہوں کمینے۔ بتا تیری آخری اچھا کیا ہے؟''

میں نے کوشلیا کی انگلیوں کی گرفت پستول پر مضبوطی سے جمتے دیکھی تو میرے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ اب اس کی ٹریگر پر رکھی ہوئی ایک انگلی کی حرکت کی دیر تھی جو میری شمع حیات گل کر دیتی۔ میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ آنکھیں دھندلانے لگیں۔ میں نے کسمپرسی سے پہلو بدلا تو انکا نے تیزی سے کہا۔ ''ارے تم تو بہت خوف زدہ ہو گئے۔ تمہارا جھگڑا تربینی سے ہے' تم اس نازک لڑکی سے کیوں ڈر رہے ہو۔ یہ تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔''

انکا کا آخری جملہ سن کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ جس انداز میں اور لہجے میں اس نے وہ جملہ کہا تھا اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوشلیا کے مقابلے میں میری مدد کرے گی۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ مجھے انکا کی حسین آنکھوں میں اپنے لیے ہمدردی کا وہی جذبہ نظر آیا جو میں بارہا اس وقت دیکھ چکا تھا جب وہ میرے سر پر سوار تھی پھر بھی مجھے یقین نہیں آیا۔ تربینی کی موجوگی میں انکا کا میرے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا تعجب خیز ہی تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ انکا بھی تربینی اور کوشلیا کی طرح میری بے بسی کا مذاق اڑا رہی ہو۔ وہ موت کے اس ڈرامے سے لطف لے رہی ہو۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ انکا کی آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔

''یہ مذاق نہیں ہے جمیل۔ تم قطعاً نہ گھبراؤ۔ جب تک میں تمہارے سر پر موجود ہوں' کوشلیا تمہارا بال

بیکا نہیں کر سکتی۔ آگے بڑھو اور اس خوب صورت لڑکی سے دو باتیں ضرور کر لو۔''

''کیا تم جو کچھ کہہ رہی ہو' سچ ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا۔

''ہاں۔ میرے اوپر اعتماد کرو۔'' انکا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

انکا کے جملوں نے جیسے میرے جسم میں برقی لہر دوڑا دی۔ یک لخت مجھے ایسا لگا جیسے میرے اندر بے پناہ طاقت آ گئی ہو۔ کچھ دیر قبل میں جس بے چارگی اور بے بسی کا شکار تھا' وہ اچانک جاتی رہی۔ میں نے کوشلیا کے خوب صورت چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے دبنگ لہجے میں کہا۔

''کیا تم میری آخری خواہش پوری کرنے کا وعدہ کرتی ہو۔''

''بول! کیا چاہتا ہے۔'' کوشلیا نے شہزادیوں کی طرح کہا تو میں بڑی بے باکی سے بولا۔

''اگر تم اپنی بات کی پکی ہو تو میری یہ آخری خواہش پوری کر دو۔ میں چاہتا ہوں تم میری موجودگی میں تربینی کے منہ پر تھوک دو۔''

''نٹنے۔ حرامی۔'' تربینی شعلے کے مانند میری طرف لپکا۔ ''میں تجھے بتاؤں گا کمینے میں تیرے منہ پر پیشاب کرواتا ہوں۔''

کوشلیا کو بھی میرے اچانک بدلتے ہوئے طرز عمل پر حیرت ہوئی تھی پھر جب تربینی داس کسی زخمی درندے کی طرح جھپٹ کر آگے بڑھا تو وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ایک ثانئے کے لیے میں بھی خوف زدہ ہو گیا مگر اسی وقت انکا نے مجھے اپنی سمت متوجہ کر کے کسی قدر جوشیلے انداز میں کہا۔ ''جمیل' اس ڈرامے کو اور خوب صورت بناؤ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے برکاتی شاہ کے بتائے ہوئے وظیفے پر عمل کر کے کیسی طاقت حاصل کر لی ہے۔ سنو تربینی کے سر سے اترتے ہی میں تمہاری ہو چکی ہوں۔ صرف اس بات کی دیر تھی کہ کب تربینی مجھے خود سے جدا کرے اور میں تمہارے سر پر پہنچ جاؤں۔ اب میں تمہاری ہر خواہش پوری کرنے پر مجبور ہوں۔ صرف تمہاری' تمہارے لیے۔''

انکا کی باتوں نے مجھے نئی زندگی کا پیغام دیا اور میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ میری آنکھوں میں مسرت کے ہزاروں دیپ روشن ہو گئے۔ میں نے ایک بار انکا کو بڑی اپنائیت سے دیکھا۔ مجھے اس وقت وہ بہت بھولی بھالی' معصوم اور دلکش نظر آئی۔ وہ مجھے اس وقت اپنے تمام خوابوں کی حسین تعبیر نظر آ رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں اسے سر سے اتار کر اپنے دل میں رکھ لوں۔ ابھی میں انکا کی غزالی آنکھوں میں جھانک رہا تھا کہ تربینی کی کرخت آواز کمرے میں گونجی۔ وہ کوشلیا سے مخاطب تھا۔

''کوشلی۔ لاؤ یہ پستول مجھے دو۔ اس حرامزادے کو میں ابھی تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ تم دیکھو ابھی کیسا تماشا ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں اس کھیل میں بہت لطف آئے گا۔''

کوشلیا اب بری طرح سہم چکی تھی۔ اس نے پستول تربینی کو تھما دیا۔ میں اب قطعاً خوف زدہ نہیں تھا۔

میرے جی میں اس صورت حال سے لطیف لینے کا خیال آیا۔ میں نے تربینی کو جو انکا کے پراسرار وجود کے میرے سر پر منتقل ہو جانے کی حقیقت سے ناواقف تھا' سنجیدگی سے دیکھا اور بھاری بھرکم لہجے میں کہا۔ ''تربینی داس' تم نے مجھے متر کہا تھا لیکن افسوس تم اپنا وچن بھول گئے' کیا تمہارے دھرم نے یہی سکھایا ہے کہ دوست بنا کر پیچھے اس کی کمر میں چھرا گھونپ دو۔''

''دھرم کے بچے۔'' تربینی غراتے ہوئے بولا۔ ''میں تجھے ابھی کیڑے کی طرح مسل دوں گا۔''

''تم کچھ اور زیادہ بڑھ رہے ہو تربینی داس۔'' میں نے بہت نرمی سے کہا۔ ''میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم مجھ سے معافی مانگ لو۔ میں تمہیں شما بھی کر سکتا ہوں۔''

''تو اور مجھے شما کرے گا۔'' تربینی حیرت سے فلک شگاف قہقہے لگانے لگا۔ اسے میری صحیح الدماغی پر غالباً شبہ ہو رہا تھا۔ چند ثانئے تک وہ جھوم جھوم کر قہقہے لگاتا رہا پھر یک لخت اس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اس نے پستول کا رخ میری جانب کر کے لبلبی دبا دی۔ اسی وقت انکا نے مجھے مشورے دینے شروع کر دیے کہ میں کس سمت مڑ جاؤں۔ پہلا وار خالی گیا۔ میں وہیں کھڑے کھڑے پہلو بچا گیا۔ میں تربینی کی بوکھلاہٹ پر مسکرایا تو اس پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ یکے بعد دیگرے اس نے پستول کی باقی ماندہ گولیاں بھی میرے اوپر داغ دیں۔ انکا لمحوں میں مجھے نشانے سے بچا دیتی تھی۔ میری حالت تربینی کی گولیوں کے درمیان کسی ناچنے والی کی سی رہی۔ تربینی کا ہر نشانہ خطا گیا۔ وہ میرا بال بیکا بھی نہ کر سکا پھر اچانک میں نے تربینی کو یوں چونکتے ہوئے دیکھا جیسے اسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ اس نے براہ راست میرے سر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''انکا' میری آگیا ہے کہ تو اس حرام زادے ملنچھ کو بے بس کر کے میرے چرنوں میں ڈال دے۔ آج میں تیرے لیے اسی مشٹنڈے کا خون فراہم کروں گا۔''

''خوب۔'' میں نے آنکھیں نچا کر کہا۔ مجھے تربینی کے چہرے پر وحشت کے آثار دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ انکا بول پڑی۔

''جمیل! تم یہاں سے خاموشی سے چلے جاؤ۔ کوشلیا کو دیکھ کر میرا برا حال ہو رہا ہے۔'' انکا نے اپنے گلابی ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''کوشلیا کے جسم کو دیکھو۔ کیسا انار کی طرح سرخ ہو رہا ہے۔''

میں سمجھ گیا کہ انکا کا مقصد کیا ہے۔ وہ کوشلیا پر ریجھ گئی تھی اور اس کا خون پینے کی خواہش مند تھی۔ مجھے بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا لیکن جانے سے پہلے میں تربینی کو کوئی سبق دینا چاہتا تھا۔ مجھے ان مظالم کا حساب چکانا تھا جو تربینی نے میرے اوپر توڑے تھے مگر انکا سے کچھ کہنے سے پیشتر ہی تربینی نے پھر انکا کو آواز دی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس کے سر کے بال بکھر گئے تھے اور وہ وحشت زدہ نظر آتا تھا۔ کوشلیا ابھی دور کھڑی تھی اور اس نے ایک کوٹ سے اپنے جسم کو چھپانا شروع کر دیا تھا۔

''جمیل! مجھے اجازت دو کہ میں کوشلیا کے تازہ خون سے اپنے وجود کو سیراب کروں۔'' انکا نے

کہا۔ ''میں وعدہ کرتی ہوں کہ کل صبح تک دوبارہ تمہارے پاس آ جاؤں گی۔ تربینی سے اپنا حساب تم بعد میں چکا لینا جمیل۔ میری بات غور سے سنو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔''

انکا نے کچھ ایسے ملتجیانہ انداز میں یہ درخواست کی تھی کہ میں اسے رد نہ کر سکا مگر جانے سے پہلے میں نے اس سے دل ہی دل میں کہا۔ ''تربینی کو ایسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور یہ کوشلیا جو لباس پہن رہی ہے' اس سے کچھ نمٹنے کو دل کہتا ہے۔''

''دل جو کچھ کہتا ہے وہ اب خوب پورا کر لینا۔ کوشلیا جیسی ہزاروں لڑکیاں تمہیں ملیں گی۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تربینی سے کوشلیا کو ختم کراؤں گی اور تربینی کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے گا۔ تمہارے انتقام کا یہ طریقہ کیسا رہے گا۔'' انکا نے کسی سمجھ دار بوڑھی عورت کی طرح کہا۔

''تم بہت ذہین ہو مگر مجھے اجازت دو کہ میں دو دو ہاتھ تربینی سے ضرور کر لوں ورنہ مجھے رات کو نیند نہیں آئے گی۔'' انکا سے یہ بات میں نے زبان سے نہیں کہی اس لیے کہ زبانی کہتا تو تربینی کو پتا چل جاتا۔ میں دل میں اس بات کا تصور کرتا اور مجھے معلوم تھا کہ انکا دل کا احوال پڑھنے کی طاقت رکھتی ہے۔

''ٹھیک ہے مگر جلدی کرو تاکہ کوشلیا کی یہاں موجودگی تربینی کا نشے میں ہونا اور پھر ایک قتل۔ یہ موقع نکل جائے گا۔ جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔'' انکا نے مجھے سمجھایا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں انکا سے کہہ کر بہت آہستگی سے تربینی کی طرف بڑھا جو مجھے بری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ مجھے قریب آتا دیکھ کر اس کی گالیوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ دوسری طرف مجھے کوشلیا دروازے کی طرف بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے تربینی کی طرف بڑھنے کے بجائے لپک کر اسے پکڑا۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ میں نے پوری طاقت سے ایک زوردار طمانچہ اس کے رخسار پر رسید کیا۔ میرے اوپر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔

میں نے اس کا لباس کھینچا تو وہ فرش پر لڑھک گئی۔ اس عرصے میں تربینی داس میرے اوپر کود چکا تھا۔ اس نے میری پیٹھ پر گھونسے مارنے شروع کر دیے۔ ادھر کوشلیا نے موقع غنیمت دیکھ کر اپنے شکستہ لباس کی پروا کیے بغیر میری ٹانگ میں دانت گاڑ دیے۔ تکلیف کی شدت سے میں بلبلا اٹھا۔ عین اسی لمحے انکا میرے سر سے اتر گئی اور میں نے تربینی کو چیختے ہوئے فرش پر لوٹتے دیکھا۔ انکا تربینی کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ تربینی کو اس عالم میں دیکھ کر میں پھر کوشلیا کی طرف بڑھا اور نہ جانے مجھے کیا ہوا' میں نے جنون میں اس کا لباس نوچنا شروع کر دیا۔ جب وہ تقریباً برہنہ ہو گئی اور اس نے مزاحمت ترک کر دی تو میں نے ایک لات اس کے چہرے پر ماری۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ خون کو دیکھ کر میں سنبھلا حالانکہ میں کوشلیا کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مجھے انکا کی ہدایت یاد آ گئی اور میں نے تڑپتے ہوئے تربینی داس کو مخاطب کیا۔

"تربینی داس! میں جارہا ہوں۔ تم نے آج جو سزا میرے لیے تجویز کی تھی اس کا میں خیال رکھوں گا۔ ہماری دوسری ملاقات جلد ہوگی۔"

پھر میں نے کوشلیا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔ میں اسے حقارت کی نظروں سے گھورتا ہوا باہر آ گیا اور تاریکی میں ملازموں کی نظروں سے بچتا بچاتا تربینی کے بنگلے سے باہر نکل گیا۔ ہوٹل پہنچ کر جب میں اپنے بستر پر دراز ہوا تو میرے سامنے ایک طویل پروگرام تھا۔ میں اپنے اندر غیر معمولی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ میرا پورا ماضی میرے سامنے تھا۔ چہرے میری نظروں کے سامنے ابھر رہے تھے۔ ایک طویل مشقت کے بعد کہیں یہ دن آیا تھا۔ اس رات میں بہت دنوں بعد سکون کی نیند سویا۔ صرف مجھے انکا کا انتظار تھا۔ دیکھیں وہ کب میرے پاس آتی ہے۔ آنے والا کل میرے لیے بہت اہم تھا۔

☆============☆============☆

اب میری قسمت کا ستارہ چمکنے کے لیے کسی آنے والے کل کی دیر نہیں تھی۔ صبح جب میں سو کر اٹھا تو ایک فرحت بخش احساس تھا۔ ایک ایسی لذت جو میں نے بہت دنوں بعد محسوس کی۔ انکا آ رہی تھی۔ وہ ننھی منی حسین وجمیل پراسرار عورت، جس نے مجھے عجیب وغریب حالات سے دوچار کر دیا تھا۔ بہت کم لوگ ہوں گے جن کی زندگی میں اتنے نشیب وفراز آئے ہوں گے۔ ایک عرصے سے میں انکا کی نوازشوں، اس کے ستم، اس کے عتاب اور اس کی محبتوں کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ اب انکا کے وہ الفاظ میرے کانوں میں رس انڈیل رہے تھے کہ میں نے برکاتی شاہ کا وظیفہ پڑھ کر تربینی سے اسے چھین لینے کی قوت حاصل کر لی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ تربینی کے سر سے اترتے ہی وہ میری ہو چکی ہے۔ صرف اس بات کی دیر تھی کہ کب تربینی اسے خود سے جدا کرے اور کب وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ میری ہر خواہش پوری کرنے پر مجبور تھی۔ مجھے اس کا ایک ایک جملہ یاد آ رہا تھا۔ جب وہ کہہ رہی تھی۔

"یہ مذاق نہیں جمیل۔ یقین کرو اب میں صرف تمہاری ہوں۔ صرف تمہاری۔"

انکا اب میری ہے۔ جن حضرات نے میری یہ داستان پڑھی ہے ان سے یہ اظہار کرنے کی ضرورت نہیں کہ انکا کی آمد کا مژدہ سن کر میرے دل کا کیا عالم ہوا۔ میں نے انکا کی پراسرار طاقت دیکھی تھی۔ انکا کی وجہ سے زندگی کے سب سے خوب صورت دن میرے ساتھ وابستہ رہے۔ اس دن ناشتہ کرنے کے بعد لان پر ایک آرام کرسی پر دراز دھوپ کا لطف اٹھا رہا تھا اور مستقبل کے پروگرام بنا رہا تھا۔ اس بار انکا آئے گی تو میں کیا کروں گا۔ میں اس انمول ہیرے کو تمام تر حفاظت سے رکھوں گا۔ برکاتی شاہ اور بدری نرائن نے میرے اوپر احسان کیا ہے۔ اب میں لہو ولعب سے پرہیز کروں گا اور ایک نئی زندگی کی ابتدا کروں گا۔ ایک ایسی زندگی جو برائیوں سے دور ہو۔ مجھے گزشتہ سالوں میں انکا کو صحیح طور پر استعمال نہ

کرنے کا غم تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اب میں سب کچھ بدل دوں گا۔ میری نرگس میرے پاس آ جائے گی۔ جب نرگس کا خیال آیا تو اصفہانی صاحب کا رویہ بھی مجھے یاد آ گیا اور میری مٹھیاں خود بخود بھنچ گئیں۔ میں نے اس وقت اصفہانی صاحب کے خیال کو دل سے نکال دینا چاہا مگر وہ تو ایک طویل فہرست تھی ان لوگوں کی جن سے انتقام لینے کو جی چاہتا تھا۔ وہ تمام لوگ جنہوں نے میری حالت بگڑتے دیکھ کر مجھ سے منہ پھیر لیا تھا۔ میرے کاروبار کے ساتھی، لڑکیاں، تربینی اور اصفہانی صاحب وہ تمام لوگ جو مجھے بھیک دیتے ہوئے ٹھوکر مار کر چلے جاتے تھے۔ وہ مردم آزار نظریں، وہ شرمناک رویے۔ میں نے خود کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ میں ان سب کو بھلا دوں۔ اب انتقام لینے سے کیا حاصل، اور میں اس کوشش میں کامیاب ہو گیا لیکن تربینی اور اصفہانی کے سلسلے میں خود پر قابو نہ پا سکا۔

بہر حال انکا کی آمد میرے لیے کوئی معمولی واقعہ نہ تھی۔ میں دن میں اپنے سنہری مستقبل کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ صبح میرے لیے ایک نیا پیغام لے کر طلوع ہوئی تھی۔ جب میں ناشتہ کر چکا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرا سر بھاری ہو گیا ہے وہ آ گئی تھی۔ وہی انکا۔ میری زندگی، وہ واقعی آ گئی تھی۔ اب کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں بوجھل تھیں، غنودہ، اس نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ مستی سے بھرپور ایک نگاہ پھر اس نے ایک انگڑائی لی، اور میرا جی چاہا کہ میں اس کے حسین وجود کو اپنے دل میں رکھ لوں۔ میں اس سے آج بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آمد پر اپنی بے پناہ مسرت اور اس سے اپنی شدید وابستگی کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ وہ رات بھر کوشلیا سے مصروف رہی ہوگی۔ اس لیے اس کی آنکھوں میں خمار تھا۔ میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

"تم آ گئیں۔ میں تمہارا شدت سے منتظر تھا۔"

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔" اس نے تمام تر شیرینی سے جواب دیا۔

"تمہاری آنکھوں میں نیند ہے۔ تم کچھ دیر کے لیے سو جاؤ۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں جمیل۔" وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"سو جاؤ میری جان۔" میں نے اصرار کیا۔

"ارے اتنی محبت کا اظہار نہ کرو۔ میں ایک آنی جانی چیز ہوں۔"

"اچھا باتیں بند کرو..... اور اطمینان سے سو جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اس وقت میرے احساسات کیا ہیں؟"

"مجھے معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟"

"یہی کہ تم اس وقت میرے عشق میں بری طرح مبتلا ہو۔"

"ہاں انکا' انکا۔ بہت دنوں بعد یہ دن آیا ہے۔ میں نے تمہیں حاصل کرنے کے لیے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اب میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ کوئی عزیز شے اتنے دکھوں کے بعد ملے تو کیا کیا خوشیاں محسوس نہ ہوتی ہوں گی۔ یہی حال میرا ہے۔"

"مگر تم نے میرے متعلق بڑی بدگمانی کی۔"

"تم نے بھی کچھ کم ظلم میرے اوپر نہیں توڑے۔"

"میں مجبور تھی۔ بتاؤ میں کیا کرتی۔"

"کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ انکا' کیا تمہیں میرے اوپر ظلم کرتے ہوئے واقعی کوئی دکھ نہیں ہوتا تھا۔"

"یقین کرو' ہوتا تھا۔" انکا نے اداسی سے کہا۔

"پھر تم اتنی سنگ دل کیسے بن جاتی تھیں۔ تم نے پچھلے تعلقات کی کی کوئی رعایت بھی مجھے نہیں دی۔" میں نے شکایتاً کہا۔

"جمیل' تربینی نے مجھے جاپ کر کے حاصل کیا تھا تم تو جانتے ہو کہ جو میرا جاپ کر لیتا ہے' میں اس کی تابع رہتی ہوں۔ میں اس کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"بہر حال گزری ہوئی باتوں کو بھول جاؤ۔ اب میں کسی اور کو جاپ کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔ تم نظر رکھنا کہ کون تمہارے اوپر للچائی ہوئی نظریں رکھتا ہے' میں اس کا کام وقت سے پہلے تمام کر دوں گا۔" میں نے جوش سے کہا۔

"آگے کیا ہوگا اس پر توجہ نہ کرو۔ جو لمحے ملے ہیں' انہیں سرمستی سے گزار دو۔"

"کیا مطلب۔ کیا اب بھی کوئی امکان رہ گیا ہے؟"

"ارے نہیں۔ نہیں جمیل' میرا مطلب ہے تمہیں اپنے الجھے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔"

"وہ تو میں کروں گا لیکن تم کچھ اداس باتیں کر رہی ہو۔"

"نہیں' ایسا نہیں ہے۔ ویسے تم نے پچھلے دنوں بہت بے وقوفیاں کیں۔ حالات اتنے خراب نہ ہوتے جتنے ہو گئے۔"

میں دوپہر تک انکا سے گفتگو کرتا رہا۔ وہ میرے سر پر بانہیں کروٹ لیٹی تھیں۔ اپنے نازک ہاتھوں کو اس نے بطور تکیہ استعمال کیا تھا۔ تنفس کے ساتھ اس کے جسمانی نشیب و فراز کے زیر و بم مجھ پر نشے کی کیفیت طاری کر رہے تھے۔ میں نے اسے والہانہ نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی مست آنکھوں میں مجھے اپنا تابناک مستقبل نظر آ رہا تھا۔ انکا نے جماہی لی اور بڑے ناز و ادا سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو انکا کے ہونٹوں پر ایک دلکش تبسم جاگ اٹھا۔ میری آنکھوں میں وہ شوخی سے جھانکنے

لگی تو میں نے پوچھا۔

"رات کیسی گزری۔ کوشلیا کیسی تھی؟"

"مت پوچھو جمیل۔ بہت عرصے بعد کوشلیا جیسا کوئی جسم ملا۔ تم نے دیکھا تھا کہ اس کی رنگت کتنی سرخ تھی۔ اس میں خون ہی خون تھا۔ مجھ پر تو نشہ طاری ہو گیا۔"

"اچھا۔ بہت اچھی لگی وہ تمہیں؟"

"ہاں۔ وہ بڑی خوش ذائقہ نکلی۔"

انکا نے کوشلیا کا قصہ بڑی دلچسپی سے سنایا۔ انکا کے گفتگو کرنے کا اپنا ایک مخصوص انداز تھا۔ میں دیر تک اس کی بھولی بھالی باتوں سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر معاً مجھے تربینی کا خیال آ گیا۔ میں نے پوچھا۔

"تم نے مجھے تربینی کے بارے میں نہیں بتایا؟ اس کا کیا ہوا؟"

"تمہارا دشمن اس وقت پولیس کے قبضے میں ہے۔ پولیس نے وہ پستول بھی قبضے میں کر لیا ہے جس سے تربینی نے کوشلیا کو مارا تھا۔ تربینی کی حویلی کو سربمہر کر دیا گیا ہے۔ اب بڑے بڑے رازوں سے پردہ اٹھے گا۔"

"جس وقت کوشلیا قتل ہوئی' اس وقت پولیس موجود تھی؟"

"نہیں۔ پولیس کوئی آواز سنتی تو اندر آتی۔ پھر جیسے ہی فائر کی آواز آئی' پولیس نے اندر داخل ہو کر تربینی کو گرفتار کر لیا۔ وہ پولیس کی آمد پر کوٹھی میں چھپا چھپا پھر رہا تھا اور ملازموں سے پناہ مانگ رہا تھا۔"

"مگر یہ برا ہوا۔" میں نے اپنا نچلا ہونٹ دباتے ہوئے کہا۔ "اگر تربینی کو لمبی سزا ہو گئی تو میرا انتقام ادھورا رہ جائے گا۔ میں اسے اتنی آسان سزا نہیں دینا چاہتا۔ انکا اس نے مجھ پر بڑے ظلم توڑے ہیں۔ بڑی اذیتیں پہنچائی ہیں۔ میں اپنی مرضی کے مطابق اسے سزا دینا چاہتا ہوں۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔" انکا نے اپنے گھنیرے بالوں کو سر کی جنبش سے پیچھے کرتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تم میرے آقا ہو' میں تمہاری باندی۔ مجھے حکم دو کہ میں کیا کروں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تربینی کو اپنے ہاتھوں سزا دو تو وہ پولیس کے شکنجے سے نکل سکتا ہے۔"

"مگر کس طرح؟ پولیس نے اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا تو انکا بے اختیار ہنس پڑی اور شوخ نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

"اپنی انکا کے بارے میں تم ابھی کچھ نہیں جانتے۔ ابھی کیا دیکھا ہے تم نے تو ابھی کچھ نہیں دیکھا۔ مجھے یہ شکایت ہی رہی کہ کسی نے مجھ سے وہ کام نہیں لیا جو میں کر سکتی ہوں۔ تربینی بھی بس عورت' پیسے اور شراب کا رسیا تھا اور معمولی کام مجھ سے لیتا تھا۔ تم نے بھی یہی کیا۔ حالانکہ یہ کام تو نہایت معمولی ہیں سچی

بات تو یہ ہے میں جو کسی شخص کے لیے کر سکتی ہوں وہ کسی کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ میری صلاحیتیں اور طاقتیں اپنے دائرے میں رہ کر بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ میری کچھ حدود ہیں لیکن میں اپنی حدود میں رہ کر بھی بڑے بڑے کام کر سکتی ہوں۔ میں کسی کو قتل نہیں کر سکتی لیکن میں یہ کام بڑی آسانی سے کروا سکتی ہوں۔ میں اپنے حصول کے لیے جاپ کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر میں بتا سکتی ہوں کہ کون کب اور کہاں جاپ کر رہا ہے۔ میں خون خود نہیں حاصل نہیں کر سکتی لیکن اپنے لیے خون فراہم کروانا میرے لیے مشکل نہیں۔ میں ذہنوں کو پلٹ دیتی ہوں لیکن اس کے لیے وہاں میری موجودگی ضروری ہے۔ میں انکا ہوں جمیل احمد صاحب۔ میرا نام انکا ہے اور اب میں تمہاری باندی ہوں۔ تربینی کو پولیس کے چنگل سے نجات دلانا کون سا مشکل کام ہے۔ اگر تربینی کا ملازم کوشلیا کے قتل کا الزام اپنے سر لے لے تو کیسا رہے؟ اس طرح تربینی بچ جائیگا اور پھر تم تربینی کے ساتھ جو چاہے کر لینا۔"

"مگر......" میں کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ میں انکا سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ پستول پر ثبت تربینی کے ہاتھ اور انگلیوں کے نشانات کا کیا بنے گا لیکن مجھے فوراً انکا کی پراسرار قوتوں کا خیال آ گیا۔ وہ ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ چنانچہ میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "میں یہی چاہتا ہوں کہ تربینی کوشلیا کے قتل کے الزام سے چھوٹ جائے۔"

"تمہارا اشارہ کافی ہے۔" انکا نے اپنی دراز پلکوں اور سر کو ایک طرف جھکاتے ہوئے پیار سے کہا اور پھر کھڑے ہو کر بولی۔ "میں چلتی ہوں۔ میرا وہاں جانا یوں ضروری ہے کہ ملازم کو اقبال جرم کرانے، کیس کو الجھانے، پستول پر ملازم کے نشانات بنانے اور پولیس افسران کے ذہن کو قلابازیاں کھلانے میں وقت صرف کرنا پڑے گا۔ اجازت دو مجھے۔"

"جگر تم تو ابھی سونا چاہو گی۔ رات بھر تم کوشلیا سے معروف رہی ہوگی۔" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"میں اطمینان سے سولوں گی۔ اس وقت میرا جانا ضروری ہے۔" انکا نے نیاز مندانہ لہجے میں کہا۔

میں نے بھی اسے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اجازت ہے میری خوب صورت کنیز۔ تم جاؤ لیکن خیال رہے جتنی دیر تم میری نظروں سے دور رہو گی میرا حال برا رہے گا۔ واپسی میں دیر ہوگی تو میں تم سے باقاعدہ ناراض بھی ہو سکتا ہوں۔"

"کنیز کوشش کرے گی کہ وہ حضور کی دل جوئی کی خاطر جلد سے جلد واپس ہو۔" انکا نے شوخی سے کہا۔ کچھ دیر بعد وہ میرے سر سے چلی گئی۔ اب میرے سامنے ایک طویل پروگرام تھا۔ میں نے تیزی سے اپنے ذہن کو نئے حالات سے نپٹنے کے لیے تیار کیا۔ تربینی سے نپٹ کر مجھے نرگس کے پاس پہنچنا تھا اور وہاں اصفہانی صاحب سے ملنا تھا۔ میں نے ایک پروگرام تیار کیا۔ انکا کے واپس آ جانے کے بعد اب

کوئی کام مشکل معلوم نہیں ہوتا تھا۔

دوپہر تک میں انکا کی راہ دیکھتا رہا پھر کھانا کھا کر کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹا تو آنکھ لگ گئی۔ شام کو آنکھ کھلی تو میں نے عالم تصور میں انکا کی جانب دیکھا مگر انکا ابھی واپس نہیں آئی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اسے اتنی دیر کہاں لگ گئی پھر میں نے بیرے کو بلا کر چائے لانے کو کہا اور اٹھ کر بالکونی میں آ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے مجھے فرحت بخشی۔ بیرا چائے لے کر آیا تو میں نے اپنے لیے ایک کپ تیار کیا۔ ابھی پہلا گھونٹ حلق سے اتار رہا تھا کہ مجھے احساس ہوا کہ انکا واپس آ گئی ہے۔ میں نے سر کی جانب دیکھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ انکا حقیقتاً میرے سر پر موجود تھی۔ قبل اس کے کہ میں اسے مخاطب کرتا وہ از خود بولی۔

"جمیل میں نے تمام حالات ٹھیک کر دیے ہیں۔ کل صبح تربینی کے مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے میں نے اس کے ملازم رام پرشاد سے پولیس کے سامنے اقرار جرم کرا لیا ہے وہ کل مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہو کر اقبال جرم کرے گا۔ پستول پر سے کسی کی انگلیوں کے نشانات دستیاب نہیں ہو سکیں گے کیونکہ انہیں صاف کر دیا گیا ہے۔"

"گویا مجھے اب ایک روز اور اس شہر میں رہنا پڑے گا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو انکا مسکرا کر بولی۔ "نرگس بہت زیادہ یاد آ رہی ہے۔ کیوں جمیل؟"

"ہاں انکا۔ سچ نرگس بہت یاد آ رہی ہے، بہت زیادہ۔"

"اس نے تمہاری خاطر بہت دکھ جھیلے اور ظلم سہے ہیں۔"

"یہی احساس مجھے ستاتا ہے انکا۔ میں اب اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اب تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا پھر معنی خیز لہجے میں بولی۔ "نازلی یاد ہے تمہیں جمیل؟ کہو تو اصفہانی صاحب کو پھر کسی عورت کے چکر میں پھنسا دیا جائے۔ بڑا لطف رہے گا۔"

"ان باتوں کا فیصلہ نرگس کرے گی۔" میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کمینہ نرگس کا باپ نہ ہوتا تو میں یقیناً اسے عبرتناک حالات سے دوچار کرا دیتا۔"

نرگس کے ذکر سے میری بے بسی بڑھ گئی۔ انکا جو دل کا حال پڑھنے میں کمال رکھتی تھی، مجھے افسردہ دیکھ کر چند ثانیے کے لیے خود بھی سنجیدہ ہو گئی پھر بڑی خوب صورتی سے باتوں کا رخ بدل کر بولی۔

"جمیل تربینی داس نے میرے بل بوتے پر بڑے بڑے گل کھلائے ہیں۔ اس کے گناہوں کی فہرست طویل ہے، مگر مجھے ایک بات کی خوشی ہے کہ وہ کلدیپ کو حاصل نہیں کر سکا۔"

"یہ کلدیپ کون ہے انکا؟ میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"کلدیپ۔" انکا نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔ "کلدیپ تو ایک پری ہے۔ تم نے اتنی حسین لڑکی

شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔''

''کون ہے وہ۔ کیا نرگس سے بھی زیادہ حسین ہے؟''

''نرگس کی بات اور ہے اس کی اور۔ نرگس ایک گھریلو عورت ہے۔ کلدیپ کے ہاں جو ادائیں اور تیور ہے وہ نرگس میں کہاں۔ کلدیپ تو جمیل وہ لڑکی ہے کہ اس کی ایک ایک ادا پر لوگ جانیں قربان کر دیں۔

''اسی لیے تو میرا ارادہ ہے کہ تمہیں اس کلب میں لے چلو' جہاں کلدیپ بیٹھتی ہے۔ وہاں ہم دونوں جشن منائے گے۔'' انکا نے مسرت سے کہا۔

''خوب۔ تم بھی آج موڈ میں ہو' چلو جہاں چاہو لے چلو' جہنم میں لے چلو...... لیکن انکا اب ہمیں اعتدال کی زندگی اختیار کرنی چاہیے۔'' میں نے اسے نصیحت کی پھر مجھے اچانک خیال آیا۔'' انکا میرے پاس کلب میں جانے کے لیے روپے نہیں۔ کپڑے بھی کلب جیسے نہیں۔''

''یہ کوئی گھبرانے کی بات ہے' میں تمہیں روپے تو فراہم نہیں کر سکتی' لیکن ایک ترکیب میرے ذہن میں آ رہی ہے۔''

''وہ کیا؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''سنو میں ہوٹل کے منیجر کے سر پر جاتی ہوں۔ اسے اپنے ساتھ کچھ نقدی لانے پر مجبور کرتی ہو۔ وہ نقدی میں نیچے کے حال سے ملحق باتھ روم میں رکھوادو گی۔ تم فوراً وہاں چلے آنا اور نقدی اٹھا کر لے آنا۔ منیجر کے سر پر جانے کے بعد یہ کام کرانا میرے لیے کچھ مشکل نہیں' ریس کا وقت نہیں رہا۔ اس کے بعد تم بازار سے لے کر اعلیٰ درجے کے کپڑے پہننا اور کلب چلنا۔''

''یہ تو بہت عمدہ ترکیب ہے۔ تم جاؤ۔ میں کلدیپ کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہا ہوں۔'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

''خوب۔ ابھی تم نرگس کے بارے میں بے چین ہو رہے تھے؟'' انکا نے طنزاً کہا۔

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ نرگس کی بات اور ہے کلدیپ کی اور۔''

''تم بہت شریر ہو۔'' یہ کہہ کر انکا میرے سر سے اتر گئی۔ چند لمحوں بعد میں نے ہوٹل کے منیجر کو لان کے باتھ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ جب وہ واپس آیا تو میں باتھ روم میں چلا گیا۔ وہاں کوئی ڈھائی ہزار روپے بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے جیسے وہ میرے ہوں۔ میں نے انہیں گنے بغیر اٹھا لیا اور فوراً باہر نکل آیا۔ جب میں اوپر اپنے کمرے میں پہنچا تو کچھ دیر بعد انکا واپس آ گئی۔ میں نے جلدی جلدی لباس درست کیا اور ہوٹل سے رخصت ہو گیا۔ باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ایک بڑی دکان سے اپنے لیے ایک سوٹ' قمیص' جوتے موزے اور دیگر چیزیں خریدیں۔ میں نے اپنا لباس وہی چھوڑ دیا جو میں پھر

کبھی واپس لے کر نہیں آیا۔ راستے میں انکا مجھے کلدیپ کے بارے میں اور کچھ بتاتی رہی۔ میں کبھی اس کے جواب میں سر ہلا دیتا اور کبھی مسکرا دیتا۔ میرے مسکرانے پر کئی بار ٹیکسی والے نے مجھے مڑ کر دیکھا اور حیرت سے خاموش ہو گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی موجودگی میں انکا سے کھل کر بات کرنا مناسب نہ تھا۔

کلب میں عام آدمیوں کا داخلہ بند تھا۔ صرف ممبر اندر جا سکتے تھے' دروازے پر پہنچ کر یہ مشکل پیش آ گئی۔ میں تمکنت اور ایک عجیب خسروانہ انداز کے ساتھ اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نہایت ادب کے ساتھ مجھ سے گویا ہوا۔'' مجھے معاف کر دیجئے۔ اگر میں یہ پوچھنے کی جسارت کروں کہ کیا آپ نے آج ہی کلب کی ممبر شپ حاصل کی ہے؟''

میں نے جواب میں اسے اعتماد کے ساتھ دیکھا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا دیا پھر میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اسے سو روپے کے دو نوٹ تھما دیے۔

''بخدا۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ جناب والا۔ اس کلب کا دستور ہے کہ......''

وہ اپنی بات پوری بھی نہیں کر پایا تھا کہ میں آگے بڑھ گیا۔ وہاں کے دوسرے ملازمین کی نظروں میں اجنبیت اور حیرت موجود تھی لیکن میرے پاس آنے اور مجھ سے استفسار کرنے کی جرات کسی میں نہ ہوئی۔ انکا نے یہ اجنبیت محسوس کی تو وہ ایک شخص کو میری میز پر لے آئی جو مجھے دیکھتے ہی بغل گیر ہو گیا۔'' آخاہ نواب صاحب آف جمیل نگر۔ حضور والا آپ کب تشریف لائے؟''

میں اس شخص سے بالکل واقف نہیں تھا لیکن انکا چونکہ میرے سر پر نہیں تھی اس لیے یقیناً اس کے سر پر چلی گئی ہو گی۔ میں نے بے نیازی سے کہا'' کل صبح۔''

وہ بھاگا بھاگا منیجر کے پاس گیا اور تھوڑی دیر میں منیجر اپنے سٹاف کے ساتھ میری میز کے گرد ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اس شخص نے جس کا نام رمیش چندر تھا' مجھے سب سے بڑے القاب و آداب کے ساتھ ملوایا۔ ہر شخص جھکا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر میں رمیش چندر کی تیز کلامی اور شیریں بیانی کے سبب میں اس شام وہاں کی سب سے اہم شخصیت بن گیا۔ منیجر نے مجھے اعزازی ممبر شپ فارم پیش کیا جنے میں نے دیکھے بغیر دستخط کر دیے۔ میری آمد کے بعد کلب کے تین چار پرانے ممبروں سے رمیش چندر نے میرا تعارف کرایا۔ رمیش خود بھی کلب کا سرکردہ ممبر تھا۔ مجھے انکا کا یہ انتخاب بہت پسند آیا۔ رمیش کا یہ حال تھا کہ بچھا بچھا جاتا تھا۔ ادھر میری نظریں کلدیپ کو تلاش کر رہی تھیں۔ میں لوگوں کے پُرتپاک استقبال پر کسی قدر مسکراتا۔ گردن ہلاتا اور مختصر سا جملہ کہہ کر خاموش ہو جاتا۔ کلب میں خاصی عورتیں تھیں۔ حسین جمیل تندرست و توانا عورتیں۔ منیجر نے میرے سامنے دنیا بھر کے مشروبات رکھ دیے تھے۔ رمیش چندر نے اعلیٰ درجے کی اسکاچ کا پیگ بنا کر مجھے دیا۔ میں اب شراب نہیں پینا چاہتا تھا' لیکن کلب کے اس ماڈرن ماحول میں یہ بالکل ممکن نہیں تھا کہ میں اسکاچ سے انکار کر دوں میں نے طے کیا کہ بادہ نوشی احتیاط سے

کی جائے گی۔ اس شام منیجر نے میرا جام صحت تجویز کیا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی جو جمیل نگر کے بارے میں کچھ پوچھتا پھر ایک صاحب بولے۔ ''ریاست کا کیا حال ہے؟ آپ کی ریاست کے تو دور دور تک تذکرے ہیں۔ یہ سب آپ کی اقبال مندی کے سبب سے ہے' جمیل نگر کے لوگ خوش قسمت ہیں کہ انہیں آپ جیسا نواب ملا۔''

ایک صاحب نے تو یہاں تک کہا۔ ''میں ایک دفعہ جمیل نگر گیا تھا۔ آپ کی نیاز حاصل کرنے کو بہت دل چاہا تھا لیکن مجھے کسی نے ملنے نہیں دیا۔ آج یہاں قسمت دیکھیے کہ کیسے ملاقات ہوگئی۔''

اس وقت کلب کی صورت یہ تھی کہ میں میر محفل تھا۔ سب کی نظریں مجھ پر تھیں' اب مشکل یہ تھی کہ رمیش چندر ہی مسلسل بولے جا رہا تھا' انکا کا اس کے سر پر سوار رہنا ضروری تھا۔ ادھر مجھے انکا کی ضرورت تھی۔ میں نے سامنے بیٹھی ہوئی پری وش کو دیکھ لیا تھا جو یقیناً کلدیپ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس کلب کی بلکہ یوں کہیے پونا کی اور اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ اور کہنے کی جرأت کروں کہ کئی شہروں کی حسین لڑکیوں کے مقابلے میں وہ ایک حسین لڑکی تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شوخی' لبوں پر سحر انگیز مسکراہٹ اور انداز میں دلربائی تھی۔ اس کا لباس شاہانہ تھا۔ وہ مجھے ایک مشکل لڑکی نظر آئی۔ ان تمام حشر سامانیوں کے باوجود وہ بڑی پُر وقار' بردبار لڑکی نظر آئی تھی۔ میں نے اس کی طرف اچٹتی نظروں سے دیکھا۔ میرا ذہن اس سے ہمکلامی کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ رمیش چندر اس بات کو تاڑ گیا۔ وہ فوراً اٹھا اور بولا۔ ''حضور نواب صاحب' آیئے میں آپ کو اس کلب کی سب سے حسین اور معزز خاتون مس رتنا کلدیپ سے ملواؤں۔''

اس نے کلدیپ کو اشارہ کیا۔ میں اس کے آنے سے پہلے کھڑا ہو گیا۔ جب وہ ادھر آئی تو رمیش چندر نے تمام تر فصاحت کے ساتھ کہا۔ ''نواب جمیل احمد خان صاحب۔ نواب آف جمیل نگر۔'' میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''اور یہ ہیں مس رتنا کلدیپ۔ اس کلب کی سب سے حسین' سب سے معزز خاتون۔''

''تم بہت شریر ہو رمی۔'' کلدیپ نے مسکراتے ہوئے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''نواب صاحب آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔''

وہ میز پر بیٹھ گئی اور جمیل نگر کے بارے میں پوچھنے لگی۔ میں نے سرسری طور پر اس سے جمیل نگر کی خوش حالی اور اپنی ریاست کی عظمت کا تذکرہ کیا۔ میں کچھ بے نیاز سا شخص تھا۔ میری بات پوری نہ ہو پاتی تھی کہ رمیش چندر باقی باتیں کہہ دیتا تھا۔ جمیل نگر کے بارے میں اس کا نواب ہونے کے باوجود میری معلومات صفر کے برابر تھیں۔ رمیش کی شیریں بیانی اور تاثر انگیز انداز بیان سے کلدیپ یقیناً متاثر ہو رہی تھی۔ ہم دونوں کو جلد ہی رمیش نے بے تکلف کر دیا۔ اتنا کہ کلدیپ لطیف قہقہے لگانے لگی پھر

میرے اشارے پر ہم تینوں کلب کے ایک نسبتاً سنسان گوشے میں آ بیٹھے اور رمیش کچھ دیر ہمارے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد اچانک معذرت کر کے رخصت ہو گیا۔ جب میں اور کلدیپ تنہا رہ گئے تو میں نے اس شام کی رنگینی کے متعلق ادھر ادھر کی باتیں کر کے کلدیپ کو اکسانا چاہا۔ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ وہ تھی ہی ایسی' میں نے اس کے لیے ایک اور پیگ بنایا پھر رمیش نہیں آیا اور میں کوئی ساڑھے دس بجے تک کلدیپ کو شیشے میں اتارتا رہا۔ وہ خاصی خوش ذوق تھی۔ میں نے باتوں باتوں میں اسے یہ بھی بتا دیا کہ میں ایک تنہا شخص ہوں۔ ایک بڑی ریاست کا مالک مگر بہت اداس۔ میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کوئی امکان ایسا نہیں رہنے دیا جس سے میں کلدیپ کو اپنی جانب متوجہ نہ کر پاتا۔ وہ کئی پیگ چڑھانے کے بعد بھی بہت سنبھلی سنبھلی نظر آتی تھی۔ اس نے میری باتیں توجہ سے سنیں۔ وہ بار بار مسکرائی لیکن اس نے اپنے کسی تیور سے میری جانب التفات کا اظہار نہیں کیا۔ اس کے اس انداز سے میری آتش شوق اور بھڑک اٹھی۔ جب گیارہ بج گئے تو منیجر نے رقص کا اعلان کیا۔ مجھے ایک عرصہ رقص کیے ہوئے ہو گیا تھا۔ بمبئی میں قیام کے دوران جب میرا واسطہ کلدیپ جیسی لڑکیوں سے عموماً رہتا تھا' میں رقص بھی کرتا تھا۔ منیجر کے اعلان کے بعد میں نے کلدیپ کی طرف بڑی آرزو کے ساتھ دیکھا۔ وہ ایک ادا سے اٹھی اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہال میں رقص شروع ہو چکا تھا۔ رمیش چندر وہاں موجود نہیں تھا۔ میں انکا کا منتظر تھا۔ اب اس کے بغیر کام مشکل نظر آتا تھا۔ سجے سجائے ہال میں رقص شروع ہوا اور مجھے محسوس ہوا جیسے میں شداد کے باغ ارم میں آ گیا ہوں۔ شراب اور شباب کی آمیزش نے اس ماحول کو بڑا سحر آگیں بنا دیا تھا۔ مجھ پر تو کلدیپ کے قرب سے جادو سا ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی بانہہ کلدیپ کے لیے وا کر دی تھی اور اس نے میرا بازو پکڑ کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ کلدیپ کے ساتھ رقص اف۔ کوئی اس خوش بختی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور پھر میرے جیسا آدمی' جو اسی شہر کی سڑکوں پر بھیک مانگا کرتا تھا۔ جو کل رات ہی ذلت کی موت مرنے والا تھا۔ یہ انکا کی آمد کا سحر تھا۔ یہ سب انکا کا اعجاز تھا' ورنہ میں کیا تھا' رقص کے تین چار راؤنڈ ہم نے لیے تھے کہ انکا میرے سر پر آ گئی اور آتے ہی بولی۔ ''خوب تم نے تو رنگ جما دیا۔''

میں خاموش رہا تو انکا بولی۔ ''کیا خیال ہے؟''

جواب میں' میں نے کلدیپ کو کسی قدر قریب کر لیا اتنا کہ وہ کسمانے لگی۔

''ٹھیک ہے۔ مگر بڑی سخت مزاج لڑکی ہے۔''

میں جواب دے ہی نہیں سکتا تھا۔ اپنے دل میں' میں نے انکا سے کہا۔ ''تم سفارش کر دو۔''

''میں اس کے سر پر کیوں نہ چلی جاؤں۔ رمیش چندر کی طرح۔''

''پھر اسے فتح کرنے میں کیا مزہ آئے گا۔''

"پھر تمہیں بہت دن لگیں گے اور نتیجہ کچھ برآمد نہیں ہوگا۔"

"اچھا۔ تو پھر جو چاہو کرو۔"

"میں اس کے سر پر جا رہی ہوں۔ دیکھو کیا لطف آتا ہے۔" یہ کہہ کر انکا میرا سر خالی کر گئی اور ایک لمحے میں کلدیپ کی حالت بدل گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھجک کے بجائے وارفتگی آ گئی۔ میں نے اسے اور قریب کر لیا۔ رقص ختم ہوتے ہی ہم رقص گاہ سے نکل کر لان میں بچھی کرسیوں پر آ گئے۔ لان میں اس وقت کوئی نہیں تھا پھر مدھم روشنیوں کو چھوڑ کر ہم دونوں درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔ میرے اوپر جنونی کیفیت طاری تھی۔ خود کلدیپ کا بھی یہی حال تھا۔ جب سے انکا اس کے سر پر گئی تھی اس کی بردباری اور احتیاط پسندی رخصت ہو گئی تھی۔ میں نے بے تابانہ اپنا بازو اس کی کمر میں حمائل کر دیا۔ اس کا انداز قرب، میں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا محسوس کر رہا تھا لیکن مجھے ابھی چند ہی لمحے ملے تھے کہ میں نے اچانک کلدیپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے محسوس کیا۔ میں حیران تھا کہ اچانک اسے کیا ہو گیا۔ عین اس وقت انکا واپس نے اپنے سر پر محسوس کیا۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے مجھ سے کہا۔ "جمیل! کلدیپ کو فوراً چھوڑ دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ تربینی کے ایک ملازم نے تمہیں کل رات اس کے بنگلے سے باہر نکلتے دیکھ لیا ہے، معاملہ بہت الجھ گیا ہے یہاں سے فوراً بھاگ چلو۔ پولیس کو ملازم نے تمہاری آمد اور تربینی سے تمہارے تعلقات کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ تم ہوٹل پہنچو وہاں پولیس تمہاری منتظر ہوگی۔ ادھر میں اس ملازم کو سنبھالتی ہوں۔"

"مگر یہ کیسے ہو گیا؟" کلدیپ کی موجودگی کے بارے میں میرے منہ سے نکل گیا۔

"جب ملازم رام پرشاد نے تھانے میں آ کر اقرار جرم کر لیا تو اس کا ایک دوست ملازم بنسی اس کی مدد کو آیا۔ اس نے پولیس کو بھگوان کی سوگند کھا کر یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ رام پرشاد کا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ وہ رات بھر اس کے ساتھ رہا ہے، اس نے تمہارے بارے میں بتایا کہ تم تربینی سے ملنے آئے تھے اور اچانک غائب ہو گئے۔ نہ جانے اس نے تمہیں کیسے دیکھ لیا۔"

"اب کیا ہوگا؟" میں نے کلدیپ کی موجودگی میں پوچھا جو مجھے بڑی متوحش نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اپنی ساڑی درست کر رہی تھی۔

"میں حالات درست کرنے جا رہی ہوں۔ اس کام میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔ اگر تمہارے پاس پولیس آئے تو تم لاعلمی کا اظہار کرنا کہ قتل کے وقت تم موجود نہیں تھے۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے انکا سے کہا اور وہ فوراً چلی گئی۔ کلدیپ مجھے اب بھی گمبھیر نظروں سے گھور رہی تھی۔ میں نے آخری بار اسے قریب کرنا چاہا مگر اس نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ ہم دونوں ہال میں آ گئے۔ وہاں سب رقص کر رہے تھے، میں لوگوں کی نظروں سے چھپتا چھپاتا وہاں سے واپس آ گیا۔ مجھے

اس موقع پر کلدیپ کو چھوڑنے کا بڑا غم تھا۔

ہوٹل میں پولیس میرا انتظار کر رہی تھی۔ رات کے اس وقت باہر سے پولیس کی جیپ کو کھڑا دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ معاملہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے اور مجھے احتیاط سے اس سے نمٹنا ہوگا۔ میں نے دل کو مضبوط کیا اور تیزی سے ہوٹل کی نچلی عمارت عبور کر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر ایک انسپکٹر اور دو سپاہی موجود تھے۔ ان کے چہروں پر خشونت تھی۔ میں نے جاتے ہی انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں جمیل صاحب۔" انسپکٹر کے لہجے میں طنز اور تحکم تھا۔

"میرا؟ بھلا مجھ سے کون سا قصور سرزد ہو گیا۔" انسپکٹر میرے اطمینان پر یقیناً پریشان ہوا ہوگا۔

"قصور کا شبہ ہے جناب والا۔" انسپکٹر نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"فرمائیے بات کیا ہے؟" میں نے مجسم سوال بن کر معصومیت سے پوچھا۔

"مجھے ہی بتانا پڑے گا۔ سنئے کل رات بمبئی کے ایک تاجر کی لڑکی مس کوشلیا کا قتل ہو گیا ہے۔ پولیس نے اس سلسلے میں تربینی داس کو گرفتار کیا تھا۔ چونکہ یہ قتل اس کی کوٹھی پر پیش آیا تھا۔ تربینی نے اس قتل سے انکار کیا ہے مگر آج تربینی داس کے ایک ملازم رام پرشاد نے حیرت انگیز طور پر جرم کا اقرار کر لیا ہے کہ اس نے کوشلیا کا خون کیا ہے۔ پولیس کو اس معاملے میں مزید وضاحتوں اور شہادتوں کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟" میں نے درمیان میں لقمہ دیا۔

"پہلے میری بات سن لیجئے مسٹر جمیل۔" انسپکٹر نے روکتے ہوئے کہا۔

"کہیے۔" میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "مگر انسپکٹر صاحب میں پولیس کے معاملوں سے ذرا گھبراتا ہوں۔ بہتر ہوگا پہلے یہ یقین کر لیں کہ آپ نے تفتیش کے لیے صحیح آدمی منتخب کیا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے پولیس کی مدد کر کے خوشی ہوگی۔"

انسپکٹر نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہ دی۔ "ہمیں معلوم ہے کہ کل رات حادثے سے کچھ دیر پہلے آپ تربینی کے ہاں گئے تھے، یہ بات تربینی کے دوسرے ملازم نے بتائی ہے۔"

"ہاں۔ میں کل رات وہاں موجود تھا مگر یہ واقعہ کس وقت پیش آیا؟"

"کوئی نو بجے شب۔"

"نو بجے۔ خدا کا شکر ہے میں وہاں سے آٹھ بجے یا اس کے کچھ منٹ بعد چلا آیا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "اے خدا تیرا شکر ہے۔"

"آپ نے وہاں کس کس کو دیکھا تھا؟" انسپکٹر نے تحکم سے پوچھا۔

انسپکٹر میرے برتاؤ سے کس قدر بوکھلا سا گیا تھا۔ میں بڑے سکون اور اعتماد سے اس کے ہر سوال کا جواب دے رہا تھا۔ پولیس' قانون اور شہادتیں۔ یہ معاملات میرے لیے نئے نہ تھے۔ میں نے بڑی سرد مہری سے انسپکٹر کو بتایا۔ ''تربینی میرا دوست ہے۔ میں ایک عرصے بعد جب واپس آیا تو تربینی سے ملنے گیا۔ تربینی موجود نہیں تھا' شام کو پھر وہاں گیا۔ اس وقت وہ حسب معمول ایک لڑکی کے ساتھ شراب میں مصروف تھا۔ میری اس سے رسمی بات چیت ہوئی۔ وہ بری طرح بہکا ہوا تھا اور لڑکی اس سے کچھ خوف زدہ معلوم ہوتی تھی' میں نے یہ موقع مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے چلا آیا۔ یوں بھی تربینی کی خلوت میں زیادہ ٹھہر کر میں اسے بور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے آنے کے بعد اتنا بڑا حادثہ ہو جائے گا۔ اب تربینی کہاں ہے جناب والا؟''

''اسے ہم نے ملازم کے اقرار کرنے پر چھوڑ دیا تھا مگر وہ ہماری نگرانی میں ہے۔'' انسپکٹر نے کہا۔

انسپکٹر نے میرے کاروبار' تربینی سے میرے تعلقات اور تربینی کے معمولات کے متعلق کرید کرید کر سوالات کیے۔ میں نے جو جوابات دیے اس سے کیس اور الجھتا تھا۔ کیس الجھانے میں ہی میرا فائدہ تھا۔ میں نے اپنی پوزیشن صاف کر کے تربینی اور اس کے ملازمین کو آپس میں الجھا دیا اور اس واقعے سے اپنی قطعی لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے کہا۔ ''ہوٹل کا منیجر گواہ ہے کہ میں کل رات آٹھ بجے آ گیا تھا۔''

پستول پر میرے نشانات بھی نہیں تھے اور میرے پاس انکا موجود تھی۔ تاہم شہر میں پیش آنے والے گزشتہ واقعات سر اٹھا سکتے تھے' جن میں میں شریک تھا' اس لیے میں نے پولیس کی ساری توجہ موجودہ واقعے کی سنگینی پر مرکوز کر رکھی۔ انسپکٹر میرے بے باک جوابات اور بلا کی حاضر جوابی سے کچھ نہ سمجھ پایا۔ چلتے چلتے اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں ایک ڈیڑھ مہینے کے لیے مزید یہاں ٹھہرا رہوں۔ یہاں مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا لیکن اگر میں پونا میں ٹھہرنے نہ ٹھہرنے پر انسپکٹر اسے اڑ جاتا تو معاملہ اور نازک ہو سکتا تھا۔ میں نے اس سے ہنس کر کہا۔ ''انسپکٹر صاحب' میرے کوچ میں تو ابھی بہت دن پڑے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ میں یہ ہوٹل چھوڑ کر دوسرے میں منتقل ہو جاؤں۔ مجھے اختلاج کی شکایت ہے اور یہاں آرام دہ کمرے نہیں ہیں۔'' پھر میں نے اسے اپنی طرف سے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ انسپکٹر رخصت ہوا تو اس کے چہرے پر اطمینان تھا مگر اس کے جاتے ہی میں مضطرب ہو گیا۔ اب میرا یہاں ٹھہرنا ضروری تھا جبکہ نرگس کی یاد مجھے بے چین کیے دیتی تھی۔

ساری رات میں خود سے الجھا رہا۔ انکا صبح تک واپس نہیں آئی اور جب آئی تو سورج چڑھ آیا تھا۔ میں نے عالم تصور میں اس کے سراپا پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ وہ بہت مضمحل ہے۔ جب میں نے انکا سے اس کی اضطرابی کیفیت کا حال معلوم کیا تو وہ بڑے پژمردہ انداز میں بولی۔ ''جمیل' رات بھر میں مختلف سروں پر جاتی رہی ہوں۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ کیس کس قدر الجھ گیا ہے۔ اس شہر میں تم نئے نہیں ہو۔

گزشتہ کئی وارداتوں میں تمہیں ملوث کیا جا سکتا تھا۔ کلب میں جس وقت میں کلدیپ کے سر پر سوار تھی' مجھے معلوم ہوا کہ بنسی نے اپنے دوست رام پرشاد کے اقرار جرم پر تھانے جا کر بتایا ہے کہ رام پرشاد بے گناہ ہے کیونکہ وہ رات بھر اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس نے اپنے مالک تربینی پر بھی شبے کا اظہار نہیں کیا بلکہ پولیس کو دوسری طرف بہکانے کے لیے تمہارا نام لے دیا کہ تم کل رات تربینی سے ملنے آئے تھے۔ اس نے آتے ہوئے تمہیں دیکھا تھا' جاتے ہوئے نہیں۔ اس کا یہ بیان تمہیں خاصی پریشانیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ ادھر رام پرشاد نے میرے سر سے اترتے ہی حوالات میں جا کر ہذیان بکنا شروع کر دیا۔ وہ رونے پیٹنے اور چیخنے چلانے لگا کہ اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ اس نے تھوڑی دیر پہلے کوشلیا کے قتل کا اعتراف کیا ہے تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے چیخ چیخ کر سارا تھانہ سر پر اٹھا لیا لیکن اس کی اس حرکت سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ پولیس نے اسے پاگل قرار دے کر اسے قاتل سمجھنے کے یقین کو اور مستحکم کر لیا۔ بنسی نے آ کر یہ سارا کھیل بگاڑ دیا۔ اب میرے لیے ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ میں دوبارہ رام پرشاد کے سر پر جاؤں اور اس کی زبان سے دوبارہ قتل کا اعتراف کراؤں۔ میں نے یہی کیا۔ اس نے ایک بار پھر میرے سر پر پہنچنے کے بعد جرم کا اقرار کر لیا۔ اس طرح پولیس کو اسے پاگل قرار دینے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ تربینی اپنی کوٹھی میں پولیس کی نگرانی میں ہے۔ اسے صبح اس کے مرتبے کا خیال کر کے' لے دے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ شہر میں اس قتل کی خبر عام ہو گئی ہے اور بڑی کشیدگی پائی جاتی ہے۔ جمیل۔ یہ سب جب میں نے کر لیا تو مجھے خیال آیا کیوں نہ میں رام پرشاد کو جیل سے فرار کرا دوں۔ میں کوئی تین بجے رات کو جب تھانے کے پہریدار اونگھ رہے تھے' اس پہریدار کے سر پر پہنچ گئی جس کے پاس حوالات کی کنجیاں تھیں' بس پھر یہ ہوا کہ پہریدار نے بغیر کسی چون و چرا کے دروازہ کھولا۔ رام پرشاد بری طرح سٹپٹا گیا اور پہریدار کی ایک ٹھوکر سے مشتعل ہو گیا۔ دونوں میں معمولی سی کشمکش ہوئی اور میں نے پہریدار کے سر پر اپنے پنجوں کی چبھن سے اسے بے ہوش کر دیا۔ جیسے ہی پہریدار بے ہوش ہوا' میں رام پرشاد کے سر پر پہنچ گئی اور اسے دوسرے پہریداروں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے' تھانے کی دیوار پھلانگ کر ریلوے اسٹیشن لے گئی۔ بمبئی کی ٹرین جانے میں دیر تھی۔ رام پرشاد کو میں نے اسٹیشن پر چھپائے رکھا۔ کوئی پانچ بجے ٹرین روانہ ہوئی اور جب وہ سوار ہو گیا تو میں اس کے سر سے چلی آئی اور سیدھی تھانے پہنچی جہاں رام پرشاد کے فرار سے ایک ہنگامہ برپا تھا۔ اس وقت میں انسپکٹر کے سر پر چلی گئی جس نے اس موقع کی نزاکت کے خلاف بے سروپا فیصلے صادر کیے۔ اب یہ سارا معاملہ الجھ گیا ہے۔ رام پرشاد کے اچانک فرار سے تربینی کے بچنے کے امکانات قوی ہو گئے ہیں۔ پولیس کی ساری توجہ اس کی تلاش میں صرف ہوگی' دیکھو تم نے میں نے تمہارے لیے کیا کیا ہے۔'' انکا نے یہ طویل خبر سنا کر اطمینان کا سانس لیا۔

''واقعی تم نے کمال کر دیا۔'' میں نے اسے تحسین کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مگر جمیل' اب تم اپنی نرگس کے پاس نہیں جا سکو گے۔ کچھ دنوں تک تمہارا یہاں ٹھہرنا ضروری ہے' اچھا ہے کچھ شامیں تم کلدیپ کے ساتھ گزار لو۔'' انکا نے اپنی روایتی شوخی سے کہا۔

''تم مجھے پھر خراب کر کے رہو گی۔ کل میں نے توبہ کر لی تھی لیکن سچ تو یہ ہے کہ کلدیپ نے ایسا جادو کیا ہے کہ اب اسے پائے بغیر چارہ بھی نہیں۔ میں اس ہوٹل سے آج منتقل ہو رہا ہوں۔ کلدیپ کے لیے ضروری ہے کہ ہم اچھے ہوٹل میں قیام کریں۔''

اسی دن میں نے ... ہوٹل چھوڑ دیا اور شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔ صبح کے اخبارات نے تفصیل کے ساتھ کوشیا کے قتل کی خبر شائع کی تھی۔ تربینی کی گرفتاری اور اس کے ملازم کے ڈرامائی اقرار جرم کی خبر کو اخبار نے صفحہ اول پر جگہ دی تھی۔ ایک جگہ سرسری میرا ذکر بھی آیا تھا لیکن میری حیثیت چونکہ مشکوک تھی اس لیے میرا نام شائع نہیں کیا گیا۔ اخبار میں رام پرشاد کے فرار کی خبر نہیں تھی۔ اس دن کے اخبارات کی اشاعت کے بعد رام پرشاد کو انکا نے فرار کرایا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ میں رشوت کے ذریعے بھی پولیس کو اپنی بے گناہی کا ثبوت نہیں دے سکتا تھا۔ وہ دن خیریت سے گزر گیا۔ شام کو ریس تھی۔ انکا نے مجھے جس گھوڑے پر رقم لگانے کو کہا تھا اس نے مجھے چند گھنٹوں میں ہزاروں کا آدمی بنا دیا۔ ریس کے میدان میں میری ملاقات کلدیپ سے بھی ہو گئی۔ وہ مجھ سے وہاں اس تپاک سے نہیں ملی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رات کی باتیں وہ بھول گئی ہو۔ میں ڈھٹائی سے اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ جن گھوڑوں کو منتخب کر رہی تھی' انکا نے انہیں مسترد کر دیا تھا۔ جب میں نے کلدیپ سے ایک ایسے گھوڑے پر کھیلنے کو کہا جس کے جیتنے کی امید قطعاً نہیں تھی تو اس نے میرا مذاق اڑایا اور کہنے لگی۔

''نواب صاحب' یہ ریس کا میدان ہے۔ جمیل نگر اسٹیٹ نہیں۔''

مجھے اس کی یہ بات بری لگی۔ میں نے کہا۔ ''تم نہیں مانتیں تو ٹھیک ہے۔ بعد میں پچھتاؤ گی۔''

اور یہی ہوا۔ میرا گھوڑا جیت گیا اور مجھے اس پر پچیس ہزار کا فائدہ ہوا۔ کلدیپ حیرت سے میرا منہ تکنے لگی۔ سات آٹھ گھوڑوں تک میں ریس مسلسل جیتتا رہا اور کلدیپ ہارتی رہی۔ یقیناً یہ انکا کی شرارت تھی۔

ریس کے خاتمے پر کلدیپ ہزاروں روپے ہار کر اور میں جیت کر اٹھا۔ چلتے ہوئے کلدیپ نے اپنی بدکلامی کی معافی مانگی اور میں نے اس سے رات کو کلب میں ملنے کا وعدہ لے لیا۔ ریس سے واپسی پر میں ایک جوہری کی دکان پر گیا۔ ایک قیمتی ہار اور اپنے لیے لباس خرید کر میں کوئی نو بجے کلب روانہ ہو گیا۔ اس عرصے میں انکا مجھ سے خوب صورت باتیں کرتی رہی۔ ہوٹل میں اپنا اثر و رسوخ جمانے کے لیے میں نے بیروں کو لمبی لمبی رقمیں ٹپ میں دینی شروع کر دیں۔ لمحوں میں' میں نے نہ جانے کتنی رقم گنوائی۔ جو فقیر

سامنے آتا' میں اس پر نوٹ نچھاور کر دیتا۔ انکا میرے جوش و خروش کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ کلب میں جیسے ہی میں اندر داخل ہوا' رمیش چندر کو میں نے دور سے دیکھ لیا تھا لیکن آج وہ میرے استقبال کے لیے نہیں آیا۔ وہ مجھے اجنبی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ منیجر اور دوسرے اسٹاف نے میری پذیرائی کے لیے آج خاص اہتمام کیا تھا۔ کلدیپ اس وقت تک نہیں آئی تھی۔ میری نظریں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ رمیش چندر کے سوا دوسرے تمام لوگوں نے جن سے کل میرا تعارف رمیش نے کرایا تھا' میری خیریت پوچھنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان میں کئی لوگ ایسے بھی تھے جو آج کی ریس میں شریک تھے اور جنہوں نے مجھے مسلسل جیتتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے بیٹھتے ہی وہاں کئی لوگوں کو اپنی میز پر مدعو کر لیا اور ریس کے متعلق اپنی زبردست معلومات کے بارے میں دلچسپ باتیں کرتا رہا۔ ریس کے موضوع پر میرے تجربات سننے کے لیے میرے گرد بہت سی خواتین بھی جمع ہو گئی تھیں جو ناز و ادا کے ساتھ میری باتیں سن رہی تھیں۔ اسی دوران میں نے دیکھا' لوگوں کی توجہ میری طرف سے ہٹ گئی اور وہ دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''کلدیپ... کلدیپ۔'' میں نے مردوں اور عورتوں کی سرگوشیاں سنیں۔

''آج بے چاری بہت پریشان ہو گی۔ مستقل ہارتی رہی ہے۔'' ایک عورت نے کہا۔

کلدیپ کے آنے کے بعد مجمع میرے گرد سے چھٹ گیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ کلدیپ کے دم سے اس کلب کی رونق کس قدر قائم ہے۔ ہر شخص اسے اپنی میز کی جانب لے جانے کی پیش کش آنکھوں آنکھوں میں کر رہا تھا لیکن وہ عجب شاہانہ انداز کے ساتھ میری میز پر آئی اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھے کچھ دیر ہو گئی۔ ایکسیوز می۔''

''حسین عورتیں عموماً دیر سے آیا کرتی ہیں۔'' میں نے یہ کہا تو چاروں طرف قہقہے ابل پڑے۔ کلدیپ کچھ شرما سی گئی۔ اس بے ساختہ جواب کی اسے توقع ہرگز نہ تھی۔ اس نے دوبارہ مجھ سے معذرت چاہی اور میری میز پر بیٹھ گئی۔

''کیا پیو گی؟'' میں نے بے نیازی سے کہا۔

''جو آپ پلائیں۔ آج ہم آپ کے مہمان ہیں۔'' اس نے ادا سے کہا۔

''زہے نصیب۔'' میں نے جواب دیا اور منیجر کو آرڈر دیا جو سامنے مودب کھڑا تھا۔ ''وکٹوریا کے زمانے کی کوئی شراب ہو تو پیش کی جائے۔'' منیجر مسکرا کر چلا گیا۔

''یہ آپ کے گرد بھیڑ کیسی تھی؟'' کلدیپ نے حیرت سے پوچھا۔

''ریس کے متعلق لوگ کچھ جاننا چاہتے تھے۔''

''اچھا۔ واقعی آج تو ہم بھی قائل ہیں۔ حیرت ہے آپ کیسے کیسے مریل گھوڑوں پر جیت گئے۔''

"میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا مگر تم نہ مانیں۔"

"بہر حال کل بھی ریس ہے۔ کل میں آپ کے سوا کسی اور کی بات نہیں مانوں گی۔"

"تو پھر جیت یقینی ہے۔"

"کیا اس قدر یقین ہے آپ کو؟"

"ہاں۔" میں نے اختصار سے جواب دیا۔

"وہ کس طرح؟"

"تم سے ہماری گفتگو ہی کہاں ہوئی' اب اس بھیڑ میں کیا بتائیں کہ ریس کے متعلق ہمارا تجربہ کتنا وسیع ہے۔ یقین کرو گھوڑوں اور جاکی کی نفسیات پر ہم نے انگلینڈ میں بہت پڑھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" کلدیپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "آپ کو کیا پتا ہم جمیل نگر کے نواب ہونے کے علاوہ اور کیا کیا ہیں۔"

کلدیپ کو میری باتیں عجیب لگیں۔ میں نے جب اسے اپنی طرف مائل پایا تو انکا کو مستعد رہنے کا اشارہ کیا۔ اس عرصے میں ہماری میز پر صرف میں اور کلدیپ رہ گئے تھے۔

جب سب لوگ ہٹ گئے تو میں نے کلدیپ سے پوچھا۔ "مس کلدیپ تمہیں ایک راز کی بات بتائیں۔ سنو گی؟"

"سنائیے نا۔" کلدیپ نے بچوں کی طرح کہا۔

"تم نے آنکھ کی نفسیات اور اس کی حیرت انگیز قوتوں کے بارے میں کچھ پڑھا ہے؟"

"بالکل نہیں۔ میں نے نفسیات پڑھی ہی نہیں۔"

"اب میں تمہیں کیا بتاؤں جب تم نے پڑھا ہی نہیں' مگر سنو انسانی ذہن میں جتنی صلاحیت ہے اتنا اس سے کام نہیں لیا جاتا۔ میں نے اپنے ذہن کو زیادہ کارآمد بنانے کے لیے باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ میرا ذہن بہت سی باتوں کو پہلے سے سونگھ لیتا ہے بشرطیکہ میں ذہن پر مکمل طور پر اپنی توجہ مرکوز کر دوں۔ یہی حال میری آنکھوں کا ہے۔ میں نے سالوں کی مشق کے بعد اپنی آنکھوں میں وہ طاقت پیدا کر لی ہے کہ عام لوگوں سے میں جو کام چاہوں کسی حد تک کرا سکتا ہوں۔"

"آپ عجیب و غریب باتیں کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"اور میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"واقعی۔ یقین نہیں آتا۔"

"دیکھو۔ میں تمہیں ایک کرشمہ دکھاتا ہوں۔" سامنے ایک بیرا ٹرے لے کر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور کلدیپ سے کہا۔ "یہ شخص دس قدم بعد گر جائے گا اور ٹرے اس کے ہاتھ سے

چھوٹ جائے گی۔" ساتھ ہی میں نے انکا کو اشارہ کیا جو ایک لمحے میں میرے سر سے اتر گئی۔ ٹھیک دس قدم چلنے کے بعد بیرا ٹرے لے کر دھڑام سے فرش پر گر پڑا اور بہت سے لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے۔ اور انکا چند لمحے بعد میرے سر پر آ گئی۔

"دیکھا تم نے؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"حیرت ہے۔ کیا واقعی؟ مجھے تو آپ سے ڈر لگنے لگا ہے۔" "نہیں نہیں۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ صرف مشق اور ریاضت کی بات ہے۔ یہ تو ایک معمولی کرشمہ ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی خاتون تم سے حسد رکھتی ہے؟"

کلدیپ نے بہت دیر بعد جھجک کر کہا۔ "وہ۔ دور بیٹھی ہوئی مس شرما مجھے پسند نہیں۔ بہت بری عورت ہے۔"

میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ مسز شرما کے سر پر چلی گئی اور چند لمحوں بعد ہی مسز شرما میرے قریب آئی اور میری گردن میں بے اختیار بانہیں ڈال دیں۔ میں نے اسے الگ کرنا چاہا لیکن اس نے میرے بوسے لینے شروع کر دیے۔ میں نے اسے بری طرح دھتکارا لیکن وہ میری گود میں بیٹھ گئی۔ صورت حال دیکھ کر کلب کے منیجر نے مسز شرما کے شوہر کو متوجہ کیا اور اس نے بڑی خفت کے ساتھ مسز شرما کو مجھ سے علیحدہ کیا۔ یہ بات مسز شرما کے لیے باعث شرم تھی۔ آج تک کلب میں ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت نے اتنی پی ہو اور وہ بہکتے ہوئے اس قسم کے ردعمل کا اظہار کرے' مسز شرما فوراً ہال سے اپنی بیوی کے ساتھ نکل گئے اور انکا میرے سر پر آ گئی۔ منیجر اور دوسرے معززین نے مجھ سے بڑی معذرت کی۔ کلدیپ اس مظاہرے کو دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

"کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نہیں۔ تم میرے سامنے ہو۔ یہ کوئی جادو نہیں تھا۔ صرف میرے ذہن اور آنکھ کا بھرپور عمل تھا۔" میں نے اعتماد سے کہا۔

"آپ تو کمال کے آدمی ہیں نواب صاحب۔" کلدیپ حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

اس کے بعد میں نے اسے متاثر کرنے کے لیے دو چار تماشے اور دکھائے۔ میں کلدیپ پر ایک گھنٹے کے بعد اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ اس سے دور لان پر چلنے کی درخواست کروں اور وہ مسترد نہ کرے۔

میں اس دلچسپ واقعے کو مختصر کرتا ہوں۔ کلدیپ کو لان پر لے جا کر میں نے اس کے گلے میں وہ ہار ڈال دیا جو میں نے آج رات ہی خریدا تھا۔ کلدیپ میں اب انکار کی جرأت نہیں تھی۔ وہ ابھی تک سہمی ہوئی تھی۔ اس کے قرب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ نہایت نفیس عادات و اطوار کی لڑکی ہے۔ اس کے ہاں اب کوئی طمطراق نہیں تھا' کوئی ادا نہیں تھی۔ وہ مکمل طور پر ایک شرمیلی' خوف زدہ سی دوشیزہ نظر آتی تھی۔

شدت شوق میں' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نہ جانے کہاں سے مجھ سنگدل شخص میں محبت سمٹ آئی تھی۔
ہم دونوں لان میں بیٹھے ادھر ادھر کی گپیں ہانکتے رہے' کئی بار میں نے اس کی کمر میں اپنا بازو حمائل کر دیا لیکن اس قدر قربت کے باوجود اس کے ہاں ایک جھجک تھی۔ انکا کے ذریعے رام کر سکتا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں کلدیپ کے اندر اپنے لیے خود بخود ایک جگہ دیکھنے کا خواہش مند تھا اس لیے میں نے آج رات اسی پر اکتفا کیا۔ ہم لان سے نکل کر رقص گاہ میں آ گئے اور دیر تک رقص کرتے رہے۔

دوسرے دن صبح میں ذرا دیر سے اٹھا۔ صبح کے اخبارات نے کوشلیا کے قتل کی خبر آج بھی نمایاں طور پر شائع کی تھی۔ رام پرشاد کے فرار کا پورا واقعہ بھی درج تھا۔ اخبارات کی خبروں سے پتا چلتا تھا کہ پولیس اب بالکل رام پرشاد کو قاتل سمجھتی ہے۔ ممکن ہے تربینی نے کچھ رقم دے دلا کر اپنی گلو خلاصی کرا لی ہو۔ تربینی کا ایک بیان بھی اس قتل کے ضمن میں شائع ہوا جس میں اس نے کہا تھا کہ کوشلیا اس سے رخصت ہو چکی تھی' اوپر والے کمرے میں جب اس نے فائر کی آواز سنی تو وہ بھاگتا ہوا نچلی منزل پر چلا آیا جہاں کوشلیا خون میں لت پت پڑی تھی اور قاتل کا نام و نشان نہ تھا۔ تربینی نے کہا تھا کہ وہ صورت حال دیکھ کر سہم گیا اور اس نے ملازموں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اس عرصے میں پولیس آ گئی' اس نے ے پکڑ لیا۔ تربینی نے رام پرشاد پر قتل کا شبہ ظاہر کیا تھا۔ غرضیکہ تربینی خود کو صاف طور پر بچا لے گیا تھا یا یوں کہیے کہ انکا نے وہ تمام مواقع فراہم کر دیے تھے جن سے وہ بچ سکے۔ تربینی کا نام اخبار میں پڑھ کر ایک بار پھر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"وہ حرام زادہ تربینی اس وقت کہاں ہے؟"

"اپنی کوٹھی میں۔ پولیس نے چند ضروری چیزوں کو تحویل میں لینے کے بعد اسے آزاد کر دیا ہے لیکن وہ پولیس کی نگرانی میں ضرور ہے۔" انکا نے میرے چہرے پر غصے کے تاثرات محسوس کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"کیا تم اسے یہاں لا سکتی ہو؟"

"کیا یہ تمہارے لیے مناسب ہوگا؟"

"انکا۔ دنیا میں سب سے زیادہ میں جس شخص سے نفرت کرتا ہوں' وہ تربینی ہے۔ میرے اندر تاب انتظار نہیں۔ اسے طویل سزا ملنی چاہیے۔ وہ ایک چالاک' بدعہد اور بدطینت شخص ہے۔"

انکا کے جواب کا انتظار کیے بغیر میں کپڑے بدل کر ہوٹل سے روانہ ہو گیا۔ میرے قدم تربینی کی کوٹھی کی طرف اٹھ رہے تھے۔ میں نے پولیس کے دو آدمیوں کو دیکھا لیکن انہوں نے مجھے اندر جانے سے نہیں روکا۔ میں اطلاع دیے بغیر تربینی کے مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔ غالباً وہ حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے راہ فرار اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ تربینی

کے منحوس وجود کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں' لیکن میں نے فوراً ارادہ ترک کر دیا۔ میں تربینی کا قرض ان انداز میں چکانا چاہتا تھا جس انداز میں اس نے مجھ پر ظلم توڑے تھے۔ چند لمحات خاموشی سے گزر گئے۔ تربینی اپنے کام میں اس قدر منہمک تھا کہ اسے میری موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا پھر وہ پلٹا اور مجھے اپنے قریب دیکھا تو خوف اور حیرت سے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"مہاراج' اتنے اچنبھے سے کیا دیکھ رہے ہو۔ پہچانا نہیں؟" میں نے زہر خند سے پوچھا تو تربینی کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ گنگ سا کھڑا ایک ٹک مجھے دیکھا کیا تو میں نے دوبارہ کہا۔

"تربینی داس جی۔ میں تمہارا پرانا سیوک ہوں۔ جمیل احمد خان جسے تم نے اپنی کرپا سے بھی اپنا متر بنایا تھا۔ کچھ یاد ہے تمہیں یا اپنے سیوک کو بھول گئے؟"

"جمیل خان صاحب۔" تربینی نے ہکلاتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔ "میں اب بھی آپ کو اپنا متر سمجھتا ہوں۔"

"بڑی دیا ہے آپ کی مہاراج۔ میں بھلا کس قابل ہوں۔" میں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"پدھارو خان صاحب۔ آؤ بیٹھو۔ تم کھڑے کیوں ہو...... خان صاحب۔ یہ سب بھاگ کے کھیل ہیں۔ مجھے معلوم ہے تم یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ہاں تربینی داس جی' بہتر ہے تمہیں معلوم ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں نے تمہیں کوشلیا کے قتل کے الزام سے بچایا ہے۔ میں نے پستول پر سے تمہارے ہاتھ کے نشانات مٹوائے ہیں۔ میں نے رام پرشاد سے اقبال جرم کرایا اور اسے فرار کروا دیا ہے۔ مہاراج کو اس کا احساس ہے؟"

"جمیل احمد خان صاحب' مجھے معلوم ہے' آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ جب آپ نے اتنا کیا ہے تو آپ مجھے شما نہیں کر سکتے؟" تربینی نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"شما۔ خوب تربینی داس جی۔ جب کہ تم نے میرے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ مجھے گھر سے بے گھر کر دیا۔ انکا اور نرگس کو مجھ سے چھین لیا۔ میری آنکھ چھینی' تربینی داس' تمہارا نامہ اعمال بڑا سیاہ ہے' شما اتنی آسانی سے نہیں دی جاتی۔"

"بھول منش سے ہوتی ہے خان صاحب' اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں' مجھے شما کر دیجیے۔ میری آدھی دولت لے لیجیے۔ سب لے لیجیے پر مجھے شما کر دیجیے۔"

"تم جیسے کٹھور دل پاپی کو شما۔ تربینی داس ناممکن۔"

"میں آپ کو آپ کے خدا اور رسول کا واسطہ دیتا ہوں خان صاحب مجھ پر دیا کیجیے' میں سارا جیون آپ کے پوتر چرن دھو کر پینے کو تیار رہوں۔"

تربینی کی عبرت انگیز حالت سے دیر تک میں لطف لیتا رہا۔ اس کا عالم برا تھا۔ میرے طنزیہ فقروں نے یہ اثر کرلیا کہ وہ میرے سامنے ہاتھ باندھے گڑگڑاتا رہا۔ وہ سچ مچ میرے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر رحم کی بھیک مانگنے لگا لیکن وہ جس قدر بھی گڑگڑاتا' میرا دل اور پتھر بن جاتا۔ دو قدم پیچھے ہٹ کر میں نے کرخت آواز میں کہا۔ ''مرد بنو تربینی داس۔ مرد۔ میں نے بھی تمہارے مظالم کو برداشت کیا تھا۔ اب تم بدترین سزائیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب تک میں تمہیں ان مظالم کی سزائیں نہیں دے لوں گا جو تم نے مجھ پر توڑے تھے' اس وقت تک مجھے سکون نصیب نہیں ہوگا۔ تربینی تم نے مجھے انسان سے جانور بنا دیا تھا۔ تمہارے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ اب کچھ مت کہو ورنہ میرا غصہ اور شدید ہو جائے گا اور یاد رکھنا میری سزا ذرا مختلف ہوگی۔ اس کا عرصہ طویل ہوگا۔''

تربینی گڑگڑاتا رہ گیا لیکن میں وہاں سے چلا آیا۔ میں اس وقت اسے کوئی اذیت نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ باہر پولیس کا پہرا تھا۔ یقیناً میری حاضری پولیس نے نوٹ کی ہوگی۔ مجھے اطمینان تھا' شام تک تربینی کی سزا کا پہلا مرحلہ مکمل ہو جائے گا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ تربینی انکا کو حاصل کرنے سے پہلے چھوٹا موٹا پجاری ضرور تھا اور اسے خود کو محفوظ کرنے کے دو چار داؤ پیچ آتے ہیں لیکن انکا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آج رات وہ مجھے تربینی کے متعلق کوئی دل خوش کن خبر سنائے گی۔

شام کو میں ریس کھیلنے گیا کیونکہ مجھے تیزی کے ساتھ اپنی دولت بڑھانی تھی۔ اس شام کلدیپ میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ رقم لگائی اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم دونوں مسلسل جیتتے رہے۔ میری وجہ سے کلدیپ نے اس شام اسی ہزار روپے جیتے اور میں نے کوئی سوا لاکھ۔ کلدیپ حیرت سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ریس ختم ہونے کے بعد وہ میرے ساتھ ہوٹل میں آ گئی۔ اس نے اسی ہزار روپوں میں سے نصف میرے حوالے کرنا چاہیے کیونکہ یہ میری ٹپ پر اس نے جیتے تھے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مجھے کلدیپ کی یہ دریا دلی بہت بھائی۔ جس قدر بھی وہ میرے قریب آتی جا رہی تھی' اس کے اندر کے جوہر کھل رہے تھے۔ وہ اپنے باطن میں بھی حسین لڑکی تھی اور نرگس کے بعد وہ پہلی لڑکی تھی جس کے متعلق میں اپنے دل میں کچھ مختلف جذبہ محسوس کر رہا تھا۔ اس کی باتیں دل نشین تھیں۔ ہوٹل سے رخصت ہو کر وہ مجھ سے یہ وعدہ کر کے چلی گئی کہ رات کو کلب میں ملے گی۔ انکا اس وقت موجود نہیں تھی۔

میں نے رات کا کھانا ہوٹل میں کھایا اور رات کو حسب معمول کلب روانہ ہو گیا جہاں کلدیپ میری منتظر تھی۔ یہاں مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ مجھ سے متاثر ہونے کے علاوہ اور دوسرے احساسات نے بھی اسے آ گھیرا ہے۔ وہی ہنگامے کلب میں رہے۔ رقص' موسیقی' کلدیپ کا قرب۔ رات کو اس نے مجھے میرے ہوٹل چھوڑا' جہاں میں بے سدھ سو گیا۔

صبح ہوتے ہی انکا میرے سر پر تھی لیکن انکا کے کچھ بتانے سے پہلے میں نے اخبارات میں یہ خبر پڑھ

لی تھی کہ تربینی کا گھر جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ تربینی نے وحشت کے عالم میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کوٹھی کو آگ لگا دی۔ میں نے یہ خبر پڑھ کر انکا کو جگایا تو اس نے تفصیل سے مجھے بتایا کہ تربینی کو اذیت ناک سزائیں دینے سے پہلے ضروری تھا کہ اس کی دولت اور گھر ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ اس نے تربینی کے سر پر پہنچ کر اس کے ہاتھوں خود اس کے گھر کو آگ لگا دی۔ اس بھیانک آگ میں تربینی کا چہرہ مسخ ہو گیا اور پولیس اور فائر بریگیڈ کے عملے نے اسے بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچا دیا۔ تربینی کی لاکھوں روپے کی جائیداد جل گئی تھی لیکن یہ کچھ بھی نہ تھا میں جو کچھ چاہتا تھا یہ اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ انکا بولی۔

''جمیل' اتنے بے صبرے نہ بنو۔ ابھی تو ابتدا ہے۔''

تربینی کے مکان کی آتشزدگی سے کوشلیا کے قتل کا واقعہ دب گیا۔ اخبارات ان دونوں واقعات کا تانا بانا عجب انداز میں غیر متوقع جوڑ رہے تھے۔ تربینی کے جسم کو آگ نے اس طرح لپیٹ دیا تھا کہ مہینوں اس کے اچھے ہونے میں لگتے۔ پونا میں میرے قیام کا اب کوئی جواز نہیں تھا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ پولیس میری نگرانی پر مامور ہے۔ کوشلیا کے قتل کا معاملہ ابھی تازہ تھا۔ میں کوئی دس دن پونا میں ٹھہرا رہا اور ریس میں ہر بار جیتنے کی وجہ سے مختصر عرصے میں لاکھوں کا آدمی بن گیا۔ میرے پاس بیش قیمت ملبوسات کا ڈھیر لگ گیا۔ کلدیپ کو بھی میں ریس میں جتاتا رہا۔ دس دن کے اندر میں کلب کی سب سے مقبول شخصیت بن گیا تھا اور کلدیپ کے ساتھ میرا نام رشک اور حسد سے لیا جانے لگا تھا۔ کلدیپ نے مجھ سے باقاعدہ محبت شروع کر دی تھی۔ یہ محبت اس وجہ سے یقیناً نہیں تھی کہ میں نے اپنی دولت اور کرشموں سے متاثر کر دیا تھا بلکہ اس کے ہاں کچھ سچے جذبے واقعی بیدار ہو گئے تھے اور یہی سبب تھا کہ انتہائی قربت کے باوجود میں دوسری عورتوں کی طرح اسے نہ برت سکا۔ نرگس کے بعد ایک دوسری لڑکی بہت چپکے سے میرے اندر داخل ہو رہی تھی۔ انکا نے مجھے کئی بار ٹوکا کہ میں کلدیپ کے دریائے حسن سے اپنی تشنگی کیوں نہیں دور کرتا۔ میں اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔ کلدیپ تو ایک پھول تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے احتیاط نہ کی تو وہ مرجھا جائے گا۔

جانے سے آخری دن پہلے میں اس انسپکٹر کے پاس گیا جو تربینی کے سلسلے میں تفتیش کرنے میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں پونا چھوڑ رہا ہوں۔ جلدی واپس آ جاؤں گا۔ اس عرصے میں اگر اسے میری ضرورت پڑے تو وہ مجھے بمبئی میں تاج ہوٹل کے پتے پر خط لکھ سکتا ہے۔ انسپکٹر میری اس غیر متوقع آمد سے خاصا مرعوب ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے ایک نیک شخص تو کیا سمجھا ہوگا' کسی بڑے گروہ کا سرغنہ ضرور تصور کیا ہوگا۔ شکریے کے ساتھ اس نے مجھے اجازت دے دی کہ اب میں پونا چھوڑ سکتا ہوں لیکن وہ شہر چھوڑنا کوئی ایسا آسان کام نہیں تھا۔ اس شہر سے میری بڑی تلخ اور شیریں یادیں وابستہ تھیں

اور گزشتہ دس بارہ دن تو میری زندگی کے یادگار دن تھے۔ اس میں مجھے انکا ملی تھی، کلدیپ ملی تھی، دولت ملی تھی۔ آخری دن کلدیپ نے مجھے رقت انگیز انداز میں رخصت کیا اور مجھ سے کئی بار جلد آنے کا وعدہ لیا۔ میں نے چلتے چلتے جب اسے یہ بتایا کہ جمیل نگر نامی کوئی ریاست ہی اس ملک میں موجود نہیں تو وہ انگشت بدنداں رہ گئی۔ مجھے خدشہ تھا کہ وہ اس انکشاف پر مجھ سے ناراض ہو جائے گی لیکن وہ جمیل نگر اسٹیٹ کے نواب سے نہیں، جمیل احمد خان سے محبت کرنے لگی تھی۔ جمیل احمد خان کو اس پر جتنا بھی ناز ہوتا کم تھا۔

پونا سے میں سیدھا بمبئی آیا اور بمبئی میں ایک ہفتے قیام کرنے کے بعد میں نے انکا کی بدولت بہت سا سرمایہ جمع کر لیا۔ ایک خاصی معقول کوٹھی خرید لی۔ بمبئی میں مجھے کلدیپ کا خیال آتا رہا۔ عجیب بات یہ تھی کہ نرگس کی یاد کے ساتھ کلدیپ اور کلدیپ کی یاد کے ساتھ نرگس میرے ذہن میں ابھر آتی تھی۔ میں نے اپنی نرگس کے لیے کلدیپ کو ذہن سے نکالنا چاہا لیکن کلدیپ نے پونا سے مجھے فون کر کے اور بے چین کر دیا۔ بمبئی میں انکا نے بڑے تماشے کیے۔ ایک ہفتے کے اندر اس نے میری ساکھ کو بڑی حد تک بحال کرا دیا۔ بمبئی میں ایک بار پھر پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ میں اپنی کئی شناسا عورتوں سے ملا...... یہی وہ عورتیں تھیں جنہوں نے میرے برے دنوں میں منہ پھیر لیا تھا۔ اب پھر وہ میرے قریب جمع ہونے لگی تھیں۔ زمانے کی نیرنگی بھی کیا چیز ہے۔ یہاں کسی شے کو ثبات نہیں۔ ثبات اس وقت تک قائم رہتا ہے جب سلسلے مربوط ہوں۔ جب کوئی سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو سب کچھ بکھر جاتا ہے۔ میں نے بہت، اچھے اور بہت برے دن دیکھے تھے۔ میری دعا ہے کہ کوئی اچھے دنوں کے بعد برے دن نہ دیکھے اور برے دن دیکھے تو پھر اس کے اچھے دن بھی آئیں۔ پھر قسمت نے ایک بار پھر مجھے موقع دیا تھا۔ میں پہلے سے بہت زیادہ محتاط تھا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اب روپے کو کسی ایک کاروبار میں مرکوز نہیں رکھوں گا اور اعتدال کو شیوہ بناؤں گا۔ ہر چند کہ اعتدال ہی کی ایک کمی میرے ہاں ہمیشہ رہی۔

اب میری منزل نرگس کے شہر کی طرف تھی۔ نرگس کے شہر میں اس بار میں بڑے اعتماد کے ساتھ جا رہا تھا۔ اصفہانی صاحب سے انتقام لینے کے کئی منصوبے میرے ذہن میں تھے۔ جب گاڑی منزل مقصود پر پہنچی تو میں دھڑکتے ہوئے دل سے نیچے اترا۔ قلی کے ذریعے اپنا اسباب ایک ٹیکسی میں رکھوایا اور شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں اپنا کمرا مخصوص کرا لیا۔ دیار نرگس میں آنے کے بعد میری بے چینی بڑھ گئی۔ ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا۔ میں اڑ کر نرگس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے بتانا چاہتا تھا کہ جو کچھ کھو گیا تھا، مل گیا۔ میں نے بہ عجلت ممکن نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ گرم کافی نے مجھے بڑی فرحت اور تازگی بخش دی تھی۔ انکا جو سوئی ہوئی تھی، اب بیدار ہو چکی تھی اور میری بے چینی محسوس کر کے معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ جب میں جانے کے لیے اٹھا تو انکا سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''جمیل میری مانو تو ابھی نرگس سے نہ

ملو۔''

''نرگس سے نہ ملوں؟'' میں نے حیرت سے انکا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ انکا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔؟''

''تمہاری بے چینی اپنی جگہ ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ پہلے تم اصفہانی صاحب سے نمٹ لو۔ وہ سرمایہ دار ہے اور دولت نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ کم درجے کے انسانوں سے ملنا وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔ پہلے اسے ذرا زمانے کے نرم و گرم کا اندازہ ہو جانے دو۔ سمجھ رہے ہو کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔''

''ہاں...... مگر یہ تو بہت مدت کی بات ہو گی۔'' میں نے کہا۔

''میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ دو ایک دن میں تماشا دکھا دوں گی۔''

انکا کا مشورہ معقول تھا۔ اصفہانی، تربینی سے کوئی کم درجے کا ذلیل شخص نہیں تھا۔ اپنی امارت کے سامنے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور اصفہانی کا غرور توڑنے کا عہد کر لیا۔ میں نے سوچا جہاں نرگس سے اتنی دوریاں وہاں کچھ دن اور سہی۔ اصفہانی سے اگر اس کے زوال کے وقت ملا جائے تو مزہ آ جائے گا۔ اسی لمحے میں نے انکا سے اصفہانی کی کمزوریاں پوچھیں۔ بڑے ٹھیکے اس کی تجارت اور عورت اس کی کمزوری تھی۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ جلد از جلد اصفہانی کے کاروبار کے متعلق تمام تفصیل مہیا کرے۔ چند لمحوں میں پتا چل گیا کہ اصفہانی کے پاس اس وقت چار بڑے بڑے ٹھیکے ہیں جو سب کے سب رشوت دے کر حاصل کیے گئے ہیں۔ بڑے بڑے افسروں کو روپیہ اور عیش و عشرت مہیا کرنا اصفہانی کا کام تھا۔ میں نے انکا سے کہا کہ جو کام بھی ہو، جلد ہو اور یہ دوسرے دن کی بات ہے کہ اصفہانی کے چاروں ٹھیکے مسترد کر دیے گئے۔ انکا نے نہ جانے کیا جادو کیا تھا کہ رشوت لینے والے کئی حکام رشوت ستانی میں ملوث ہو گئے۔ انکا نے ایک اخبار کے رپورٹر کے سر پہنچ کر اس کو وہ تمام اہم دستاویزات دیں اور رشوت کی تصدیق کرا دی جو ان ٹھیکوں سے متعلق تھی۔ رپورٹر نے سیاہ حاشیے کے ساتھ یہ خبر پورے اہتمام سے شائع کی۔ ایک دن میں اصفہانی صاحب کی رسوائی کا سامان پیدا ہو گیا۔ رشوت کی بات چونکہ بالکل صحیح تھی اس لیے محکمہ رشوت ستانی حرکت میں آ گیا۔ شام کے اخباروں نے اس خبر کو اور اچھالا اور رات گئے تک کئی افسران نے رشوت لینے کا تحریری اقرار کر لیا، وہ یہ کیسے نہ کرتے۔ انکا کے لیے کون سا کام مشکل تھا۔ چار بجے صبح مجھے انکا نے جگا کر بتایا کہ اصفہانی کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انکا مجھے پل پل کی خبر دے رہی تھی۔ گزشتہ دن وہ بڑی سرگرم رہی۔ دوسرے دن صبح کے اخبارات اصفہانی کے متعلق کچھ اور حیرت انگیز خبریں لے کر آئے۔ اصفہانی کی نجی زندگی سے بہت سے رپورٹروں نے پردہ اٹھایا تھا۔ صابر علی مجسٹریٹ اور اصفہانی کے تعلقات پر نکتہ چینی کی گئی۔ غرضیکہ کون سا ایسا پہلو تھا جو اخبارات کے کھوجی رپورٹروں نے چھوڑ دیا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ ایک دو دن کے

اندر اندر اصفہانی کی ساکھ برباد ہو گئی تھی۔ بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ وزارت تجارت کے ایک عہدیدار کی بیوی نے اصفہانی کو ضمانت پر چھڑوا لیا ہے۔ شہر میں ہر طرف اس خبر کا چرچا تھا۔ شام کو شائع ہونے والے اخبارات نے میری خوشیوں کو اور بڑھا دیا۔ اصفہانی کے پاس پہلے جو ٹھیکے موجود تھے ان کام بھی روک لیا گیا تھا۔ انکا نے مجھے بتایا۔ ''جمیل، تمہارے سسر اب سنجیدگی سے خودکشی پر غور کر رہے ہیں۔ اگر انہیں کشور بیگم نے سہارا نہ دیا ہوتا تو شاید اب تک وہ خود کو گولی مار چکے ہوتے۔''

''یہ کشور بیگم کون ذات بد ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ وزارت تجارت کے ایک عہدیدار شاہ زمان کی بیوی ہے۔ اسی نے تمہارے سسر کی ضمانت لی ہے۔ بڑی خوب صورت اور منچلی عورت ہے۔ تمہارے سسر کی بڑی گرویدہ ہے۔ چوری چھپے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی ہے۔ شاہ زمان کی ترقی میں کشور بیگم کا بڑا ہاتھ ہے۔ اسی وجہ سے وہ خاموش رہتا ہے۔''

''گویا کشور بیگم کا بھی علاج کرنا ہوگا۔''

''کشور بیگم اور تمہارے سسر کے درمیان پوشیدہ خط و کتابت بھی ہوتی رہتی ہے۔ بڑے رومان انگیز خطوط لکھے جاتے رہے ہیں۔ کہو تو ان خطوط کو اڑا کر اخبارات والوں تک پہنچا دیا جائے۔''

مجھے انکا کا مشورہ بے حد پسند آیا۔ اس طرح اصفہانی کا آخری سہارا بھی ختم ہو جاتا۔ میں نے انکا کی بات پر صاد کیا تو وہ خوشی سے مسکرا کر بولی۔

''جمیل! ملو گے کشور بیگم سے؟''

میں نے انکا کی بات کو ہنس کر ٹال دیا۔ فی الحال میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے میری بدنامی کا احتمال ہوتا۔ اسی شام جب اصفہانی صاحب کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو میں رام دیال سے ملنے اس کے گھر پہنچا۔ رام دیال گھر پر موجود نہیں تھا لیکن وہاں ایک ناقابل یقین واقعہ پیش آیا۔ اس کی بیوی شیاما نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بڑی آؤ بھگت کی۔ پہلے کی طرح وہ آج بھی مجھ سے بڑی بے تکلفی سے پیش آ رہی تھی۔ انکا میرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہماری گفتگو سن رہی تھی۔ کچھ دیر بعد شیاما کسی کام سے اٹھ کر اندر گئی تو انکا نے مجھ سے ایک عجیب بات کہی۔

''جمیل! شیاما کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونکتے ہوئے انکا کے چہرے پر نظر ڈالی۔

''سنو شیاما کی نیت تمہارے سلسلے میں اچھی نہیں ہے۔ رام دیال آج کل ایک دوسری عورت کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ شیاما نے انتقامی جذبے کے تحت دوسرے لوگوں سے تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔''

''چپ ہو جاؤ انکا۔'' میں قدرے برہمی سے بولا۔ ''شیاما میرے دوست کی بیوی ہے، وہ میری بہن کے برابر ہے۔ رام دیال کے کچھ احسان بھی ہیں مجھ پر۔''

''جمیل! جاؤ چپکے سے اندر جا کر دیکھ لو۔ اس وقت بھی شیاما کے کمرے میں ایک شخص موجود ہے۔''

نہ جانے کیوں مجھے انکا کی بات پر اعتبار نہیں آیا۔ تلملا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ انکا میری رہنمائی کرنے لگی۔ راہداری سے نکل کر جب میں شیاما کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچا اور کھڑکی سے جھری سے اندر جھانکا تو مجھے شدید حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ انکا نے شیاما کے بارے میں غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اس وقت شیاما حقیقتاً ایک غیر مرد کے ساتھ ہم آغوش تھی۔ میں خاموش کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد شیاما نے نوجوان سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''سندر لال، تم اب پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔ رام دیال کا ایک مترباہر ڈرائنگ روم میں موجود ہے۔''

سندر لال شیاما کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''دوبارہ دیوی کے درشن کب ہوں گے؟''

''کل رات۔'' شیاما نے شوخی سے جواب دیا۔

''اور اگر تمہارے پتی دیو موجود ہوئے تو؟''

''ارے اسے کامنی سے فرصت کہاں ملے گی۔'' شیاما تڑخ کر بولی۔ ''وہ دو روز سے پہلے نہیں آئے گا۔''

میں دبے قدموں واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ شیاما کو اس نئے رنگ میں دیکھ کر مجھے شدید تعجب ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شیاما آئی تو مجھے خاموش پا کر بولی۔

''شما کیجئے گا جمیل صاحب۔ میں ذرا رسوئی میں ہانڈی دیکھنے گئی تھی۔''

''رام دیال کب تک واپس آ جائے گا؟'' میں نے پوچھا شیاما کے جھوٹ پر مجھے سخت تاؤ آ رہا تھا۔

''کاروبار کے سلسلے میں کہیں باہر گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دو روز بعد واپسی ہو۔'' شیاما نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا پھر اچانک مسکرا کر بولی۔ ''آپ کب یہاں آئے اور کہاں ٹھہرے ہیں۔ میں تو پوچھنا ہی بھول گئی۔''

''میرا قیام ہوٹل میں ہے۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ اپنا گھر ہوتے ہوئے آپ ہوٹل میں نہیں رہ سکتے۔ جایئے اور ابھی سامان اٹھا لایئے۔'' شیاما کے لہجے میں اپنائیت اور سپردگی کا انداز تھا۔ میں چپ نہ رہ سکا۔ غیر اختیاری طور پر میرے منہ سے نکلا۔

''رام دیال کا گھر ہمیشہ سے میرا اپنا رہا ہے لیکن اگر میں یہاں آ گیا تو سندر لال کی آمد و رفت میں دشواری ہوگی۔ شیاما میں کوئی اور عذر نہیں سنوں گا۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔''

شیاما نے میری زبان سے سندر لال کا نام سنا تو اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ کچھ دیر مجھے متعجب انداز سے گھورتی رہی پھر تڑپ کر اٹھی اور بے اختیار مجھ سے لپٹ کر رونے لگی۔ ایک خوب صورت اور جوان جسم کے لمس نے میرے احساسات اور جذبات میں ارتعاش سا پیدا کیا۔ میں نے شیاما کو ہٹانا چاہا تو وہ مجھ سے اور قریب ہو کر بولی۔

"جمیل صاحب' آپ نے جو کچھ دیکھا ہے' میں اس سے انکار نہیں کروں گی۔ پرنتو آپ رام دیال کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اس نرموہی نے آج کل ایک عورت سے تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ دو دو تین تین دن گھر کا رخ نہیں کرتا۔"

میرے تن بدن میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں' میری کنپٹی سائیں سائیں کر رہی تھی۔ میں خاموش رہا تو شیاما ہاتھ باندھ کر بولی۔

"جمیل صاحب میں بنتی کرتی ہوں کہ آپ رام دیال سے کچھ نہ کہیں۔ میرا گھر برباد نہ کریں۔ ویسے مجھے وشواش ہے کہ اب اسے میری ضرورت نہیں۔ کامنی اس کا من بہلانے کے لیے کافی ہے۔"

شیاما کی حالت قابل رحم تھی۔ رام دیال نے واقعی اس کے ساتھ ناانصافی کی تھی لیکن میں اس عجیب مخمصے میں گرفتار تھا۔ شیاما میرے دوست کی بیوی تھی اور خود سپردگی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ میں خاموشی سے اس کا منہ تکتا رہا۔ شیاما نے میری خاموشی سے نہ جانے کیا نتیجہ اخذ کیا اور ایک بار پھر دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گئی۔

میری قوت برداشت جواب دے رہی تھی۔ میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔ تنفس پر میرا قابو نہیں تھا۔ دل تھا کہ ایک قیامت خیز قرب سے بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اسی لمحے انکا نے کیف و مستی میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"سنو جمیل! اس وقت یہ تمہیں رام کرنے کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار ہے' ہر قیمت پر تمہارے اوپر اپنا شریر دان کرنے کو تیار ہے۔"

میں نے عالم تصور میں انکا کی سمت دیکھا تو اس کی نشیلی آنکھوں میں خمار و مستی کے ڈورے تیر رہے تھے' انکا کو اس عالم میں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میرا ہاتھ شیاما کی کمر کے گرد حلقہ بن گیا۔ اس کی خود سپردگی میں بڑی کشش تھی۔ میں کسی مقناطیسی قوت کے تحت اس کی جانب کھنچنے لگا' لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے دوست رام دیال کا خیال آ گیا۔

رام دیال جو میرا دوست تھا۔ میری غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں اپنے دوست کی بیوی کو بری نظر سے دیکھوں۔ حالانکہ اس کی بیوی پہلے سے آلودہ تھی اور مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے اس کی پیشکش کو رد کر دیا تو سندر لال موجود ہے۔ رام دیال کی شیاما ہر حالت میں اس کے لیے غیر ہو چکی تھی۔ میں نے اسے نفرت سے دھکیل دیا۔ وہ دور جا گری اور میں فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ میں نے درشت لہجے میں کہا۔

"شیاما تم میرے دوست کی بیوی ہو۔ آئندہ میں سندر لال کو اس گھر میں نہ دیکھوں۔ نہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" میری اس دھمکی پر وہ میرے پیروں میں پڑ گئی اور میں اسے دھتکارتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد مجھے غیر معمولی سکون ملا۔ میرا ضمیر مطمئن تھا' کسی بات سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس واقعے سے ہوئی تھی۔ میں نے طے کر لیا جب رام دیال آئے گا تو میں اس سے اس سلسلے میں کھل کر بات کروں گا۔

دوسری صبح میرے لیے بڑی ہنگامہ خیز ثابت ہوئی' تازہ اخبارات کی سرخیوں نے یقیناً پورے شہر میں تہلکہ مچا دیا ہوگا۔ بیشتر اخبارات نے ان خطوط کو پہلے صفحے کی زینت بنایا تھا جو اصفہانی اور کشور کی مکروہ سازشوں اور گھناؤنی طبیعتوں کو بے نقاب کرنے کے لیے کافی تھے۔ میں نے ان خطوط پر نظر ڈالنے کے بعد دوسری سرخی کو دیکھا تو چونک اٹھا۔ یہ خبر میرے لیے حیرت انگیز تھی کہ پولیس نے مختلف بینکوں سے اصفہانی کا اثاثہ دریافت کرنے کے بعد انہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ جب تک اوپر سے کوئی دوسرا حکم نہ ملے' اصفہانی کی طرف سے موصول ہونے والا کوئی چیک یا ڈرافٹ کیش نہ کیا جائے۔ میں دیر تک ان خبروں پر غور کرتا رہا پھر ضروریات سے جلدی جلدی فراغت پا کر کپڑے تبدیل کیے اور نرگس کے مکان کی طرف چل دیا۔ انکا بیدار ہو چکی تھی اور میرے سر پر صبح کی چہل قدمی میں مصروف تھی۔

جیسے جیسے نرگس کا مکان نزدیک آتا جا رہا تھا' میری حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد میری منزل مقصود میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ نرگس کا بنگلہ میرے ارمانوں کا مسکن تھا لیکن صدر دروازے پر پولیس کا پہرا دیکھ کر میرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"کیوں جمیل' تم رک کیوں گئے؟ گھبراؤ نہیں جمیل۔ جب تک تمہاری کنیز تمہارے ساتھ ہے' تمہیں کسی بات سے خوف نہیں کھانا چاہیے' بے دھڑک آگے بڑھو۔"

انکا کے پہلے جملے نے مجھے تقویت بخشی۔ میں نے قدم آگے اٹھائے' صدر دروازے پر کھڑے ہوئے ایک پولیس افسر نے مجھ سے چند سوالات کیے پھر مجھے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ عمارت میں داخل ہو کر میں سیدھا اس حصے کی طرف گیا جہاں اصفہانی صاحب کی موجودگی متوقع تھی۔ جس وقت میں نے ان کے کمرے میں قدم رکھا' میری ساس اور سسر دونوں علیحدہ علیحدہ صوفوں پر بیٹھے اپنے اپنے خیالات میں گم تھے۔ اصفہانی صاحب کے چہرے سے وحشت اور پریشانی مترشح تھی۔ ان کے چہرے کی تمام شگفتگی اور کرختگی غائب ہو چکی تھی۔ میں ایک لمحے دروازے پر کھڑا دونوں میاں بیوی کو گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر میں نے اپنی ساس کو سلام کیا تو وہ جیسے کسی خواب سے چونک کر اچانک بیدار ہو گئیں۔ مجھے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگیں' اصفہانی صاحب کی حالت مختلف تھی۔ مجھے اپنے روبرو

Downloaded from Paksociety.com

دیکھ کران کی خشونت واپس لوٹ آئی۔

''تو کیوں آیا ہے یہاں؟میں نے تجھے منع کیا تھا پھر کبھی اپنی منحوس صورت مجھے نہ دکھانا حرام زادے! تجھے اس عمارت میں قدم رکھنے کی جرات کیسے ہوئی۔میں تجھے گولی ماردوں گا۔''

انکا برق رفتاری سے میرے سر سے اتر گئی۔اصفہانی صاحب نے اپنا جملہ مکمل کرتے ہی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا اعشاریہ دو پانچ کا آٹو میٹک پستول نکال لیا جسے غالباً انہوں نے اپنا آخری نجات دہندہ سمجھ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا تھا۔

''کمینے......ذلیل۔تو ہمارا مذاق اڑانے کی خاطر آیا ہے'میں تیرا جسم چھلنی کر ڈالوں گا۔''پستول کا رخ میری سمت کر کے اصفہانی صاحب دوبارہ گرجے مگر قبل اس کے کچھ وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتے' میری خوش دامن نے لپک کر شوہر کے ہاتھوں سے پستول اچک لیا اور تیزی سے بولیں۔

''کیا بالکل ہی دیوانے ہوگئے ہو؟ کیوں اپنی بگڑی ہوئی ساکھ اور ڈوبتی ہوئی عزت کا جنازہ اٹھوانے کے درپے ہو' پہلے ہی کیا کم پریشانیاں ہیں جو ایک اور مصیبت کا اضافہ کر رہے ہو۔''

اصفہانی صاحب پیچ وتاب کھا کر رہ گئے' بیگم سے کچھ نہ بولے' میری جانب گھور کر سرد لہجے میں کہا۔

''جمیل احمد خان۔خیریت چاہتے ہو تو چلے جاؤ میرے سامنے سے' ورنہ نہ جانے کیا ہو جائے گا۔''

قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا' میری خوش دامن جلدی سے بولیں۔

''جمیل میاں' جب ہمارے تمہارے رشتے ٹوٹ چکے ہیں تو کیوں بلاوجہ ہمیں پریشان کرنے آجاتے ہو۔خدا کے لیے ہماری پریشانیوں میں اضافہ نہ کرو۔''

''میں ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے آیا ہوں امی حضور۔''میں نے اپنی ساس کو بڑے ادب سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''نرگس کے ساتھ جو گزر چکی ہے' مجھے اس کا علم ہے۔میں اپنی سابقہ جلد بازیوں پر نادم ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ نرگس کو دوبارہ میرے عقد میں دے کر مجھے اپنی غلطی کی تلافی کا موقع دیں۔''

''بیگم......''اصفہانی صاحب میری بات سن کر حلق کے بل چیخے۔''اس ننگ خاندان سے کہو کہ اپنی زبان بند کرلے۔میرے سامنے اگر اس نے دوبارہ نرگس کا نام لیا تو میں اس کی زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔''

''خدا کے لیے چلے جاؤ جمیل میاں۔میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔''میری خوش دامن نے گڑگڑاتے ہوئے مجھ سے کہا۔''نرگس کو اس کی قسمت پر چھوڑ دو۔اب تم جو چاہتے ہو وہ ناممکن ہے۔''

نرگس کے ضمن میں ناممکن کا لفظ سن کر میرے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں۔میرا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔میں پلٹ کر اپنی ساس کو کوئی سخت جواب دینا چاہتا تھا کہ پشت سے نرگس کی نحیف آواز سن کر

چونک اٹھا۔

''جمیل اگر آپ مجھے لینے آئے ہیں تو میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔''

میں نے گھوم کر نرگس کے چہرے پر نظر ڈالی تو تڑپ اٹھا۔کتنی اجاڑ اجاڑ نظر آرہی تھی نرگس۔اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے' گال کی ابھری ہوئی ہڈیاں چیخ چیخ کر زبان حال سے ان مظالم کی داستان سنا رہی تھی جو مجھ سے محبت کرنے کے عوض اس پر توڑے گئے تھے' وہ مجھے برسوں کی بیمار نظر آرہی تھی۔بڑی نحیف اور کمزور کمزور سی۔میں نے وارفتگی شوق میں آگے بڑھ کر نرگس کے ہاتھ تھام لیے اور سسک کر بولا۔''نرگس میری روح۔میں تمہیں صدق دل سے دوبارہ اپنے عقد میں لینے کو تیار ہوں۔''

''بے حیا' بے شرم۔اگر تو نے اس گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالا تو میں تجھے عاق کر دوں گا۔''اصفہانی صاحب تلملا کر چیخ پڑے۔ان کی قہر آلود نظریں نرگس کے مظلوم چہرے پر مرکوز تھیں۔میری خوش دامن گنگ سی کھڑی نرگس کو تک رہی تھی۔مجھے اصفہانی پر تاؤ آگیا۔میں نے سرد آواز میں کہا۔

''اصفہانی صاحب کیا' کیا ابھی اور رسوائی کے منتظر ہیں آپ۔''

''خاموش۔''جواب میں اصفہانی صاحب حلق کے بل اتنی زور سے چیخے کہ ان پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔میری ساس پریشان ہو کر شوہر کی جانب بڑھیں۔میں نے سوچا تھا کہ اصفہانی صاحب کو جی بھر کے سناؤں گا لیکن نرگس نے مجھے اتنا موقع نہ دیا۔میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

''چلیے جمیل۔اب جو قسمت کو منظور ہو۔''

میں نرگس کو ساتھ لیے باہر آگیا۔میرا خیال تھا کہ اصفہانی صاحب ضرور میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کریں گے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔غالباً انکا نے انہیں ٹھنڈا کر دیا تھا۔میں نرگس کو ساتھ لیے صدر دروازے پر پہنچا تو پولیس افسر نے نرگس سے سرسری طور پر دو ایک سوال کیے پھر اسے میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔میں نے سڑک پر آکر ایک ٹیکسی پکڑی اور نرگس کو لے کر ہوٹل آگیا۔

نرگس کو دوبارہ اپنے قریب دیکھ کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی' اس کا اظہار الفاظ کی زبانی ممکن نہیں' مجھے قوی امید تھی کہ نرگس بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی صحت اور مسرتیں واپس پالے گی۔میں نے فوری طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ نرگس کو اپنے ہمراہ کسی صحت افزا پہاڑی پر لے جاؤں گا' جہاں نرگس کی بیماری کا خاطر خواہ علاج ہو سکے۔

نرگس کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی۔وہ اپنے والدین کی موجودہ حالت سے پریشان نظر آتی تھی مگر وہ اتنی پریشان ہو چکی تھی کہ اپنے ماضی اور اس کی تلخ یادوں کو یکسر فراموش کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کی خواہشمند تھی۔ہم بڑی دیر تک ایک دوسرے کو اپنے اپنے ماضی کے تکلیف دہ حالات کی

جھلکیاں سناتے رہے۔ میں نے خاص طور پر نرگس کو بڑی تفصیل سے اپنے بارے میں بتایا۔ جب آخر میں میں نے نرگس کو انکا کی واپسی کے بارے میں بتایا تو وہ بے حد خوش ہوئی پھر مسکرا کر بولی۔

''ذرا انکا سے دریافت کیجئے کہیں وہ دوبارہ تو آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ دے گی؟''

''اب ایسا نہیں ہوگا میری زندگی۔'' میں نے نرگس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔ ''انکا اب ہمیشہ ہمارے ساتھ اور ہماری خوشیوں میں برابر کی شریک رہے گی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' نرگس نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔

انکا میرے سر پر واپس آ چکی تھی اور بار بار پہلو بدل کر میری اور نرگس کی باتیں سن رہی تھی۔ خاص طور پر وہ نرگس کی باتوں کو زیادہ غور سے سن رہی تھی۔ شاید اسے اپنی ہم جنس سے زیادہ ہمدردی تھی میں ابھی نرگس سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ نہ جانے کیوں میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے نرگس کو آرام کرنے کو کہا اور خود اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ اتنی دیر میں آنے والے نے دوبارہ دروازے پر زوردار دوہتڑ مارے۔ مجھے دستک دینے کے اس انداز پر طیش آنے لگا۔ لپک کر میں نے دروازہ کھولا لیکن دوسرے ہی لمحے چونک پڑا۔ باہر پنڈت بدری نرائن میرا منتظر تھا۔ مجھے بدری نرائن کو دیکھ کر یکلخت اس کے ساتھ کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا۔ انکا کے حصول کے سلسلے میں میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب وہ چاہے گا' بلا کسی حیل وحجت انکا کو اس کے حوالے کردوں گا۔ بدری نرائن کی بڑی بڑی اور سرخ آنکھیں معنی خیز انداز میں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

نہ جانے کیوں مجھے سینے میں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی تو میری پریشانی دوچند ہوگئی۔ انکا مجھے اس وقت کچھ سہمی سہمی سی نظر آئی تھی۔ اس کی نظریں بدری نرائن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے دل کی گہرائیوں سے ایک سوال ابھرا۔

''جمیل احمد خان۔ اگر پنڈت بدری نرائن نے حسب وعدہ انکا کو تم سے مانگا تو تم کیا جواب دو گے؟''

میں خود کو کوئی جواب نہ دے سکا۔ ادھر بدری نرائن کی مسکراتی نظریں مجھے اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

☆==========☆==========☆

انکا کے سلسلے میں میں نے بدری نرائن سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جب چاہے گا' میں کسی حیل وحجت کے بغیر انکا کو اس کے حوالے کردوں گا اور اب جب کہ میں انکا کے حصول میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ کچھ بہترین وقت گزار چکا تھا تو اس وقت بدری نرائن کو اچانک اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر میں چونک پڑا۔ انکا مجھے توقع کے خلاف کچھ سہمی سہمی سی نظر آ رہی تھی۔ مجھے انکا کی یہ حالت دیکھ کر بڑی حیرت

ہوئی۔ ادھر بدری نرائن کی مسکراتی نظریں مجھے اپنے جسم میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ چند ثانیے ہم ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے پھر بدری نرائن طنزیہ انداز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔

''جمیل احمد خان! پہچانا مجھے؟ میں بدری نرائن ہوں...... کیا اتنی جلدی بھول گئے میاں جی۔''

''ہاں...... ہاں...... پنڈت جی۔'' میں نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ ''آیئے تشریف رکھیے' میں بھلا آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ آیئے ریستوران میں بیٹھتے ہیں۔''

میں بدری نرائن کی آمد سے خاصا بوکھلا گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس بلائے بے درماں سے کیسے جان چھڑاؤں۔ میں اسے لے کر ہوٹل کے بڑے ہال کی طرف بڑھا۔ پنڈت بڑے اعتماد سے مسکراتا ہوا میرے ساتھ چل رہا تھا۔ ہم ہوٹل کے گوشے میں ایک ایسی میز پر بیٹھ گئے جہاں ہماری آواز کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ میز پر بیٹھ کر جب ذرا اوسان بحال ہوئے تو میں نے پنڈت سے پوچھا۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں میں خود آپ کی طرف آنے والا تھا۔''

''ارے جمیل احمد خان۔ اب بھلا تم کیوں آتے' مجھے ڈر تھا کہ تم مجھے بھول نہ جاؤ اور جہاں تک تمہاری یہاں موجودگی کے بارے میں مجھے معلوم ہونے کا تعلق ہے تو بھلا تم سے غافل کب رہا۔ مجھے ساری باتیں معلوم ہیں۔ بہرحال دھنیہ باد۔ تم سپھل ہو گئے۔'' پنڈت کے لہجے میں ابھی تک تیکھا پن تھا۔

''ہاں پنڈت جی۔ میں سپھل ہو گیا لیکن ان دنوں میں بہت پریشان رہا۔ مجھے کچھ الجھنیں درپیش تھیں۔ اب بھی میں انہی میں گھرا ہوا ہوں۔'' میں نے اپنائیت سے کہا۔ ''آپ یہ بتایئے آپ کیا پئیں گے' کیا کھائیں گے؟''

''نہیں نہیں جمیل احمد خان۔ میں ہوٹلوں سے کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ میں صرف دودھ پیتا ہوں اور کچی سبزیاں کھاتا ہوں۔ پنڈت پجاری لوگوں کو کھانے پینے سے کیا واسطہ۔''

میں نے کوشش کی کہ پنڈت کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھائے رہوں مگر اس کے تیور نہیں بدلے۔ لوٹ پھیر کر وہ انہی باتوں پر آ جاتا جو میں سننی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں یاد دہانی کروائی کہ اس نے شیو چرن کو مارنے میں میری مدد کی تھی' برکاتی شاہ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا اور انکا کی واپسی کے بارے میں گر کی باتیں بتائی تھیں۔ اس کی ساری باتیں سچی تھیں۔ واقعی اگر وہ میری مدد نہ کرتا تو میں انکا کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ جب وہ اپنے تمام احسانات جتا چکا تو اچانک کہنے لگا۔ ''یہ ساری باتیں یاد ہیں نا تمہیں؟''

''مجھے یاد ہیں پنڈت جی۔'' میں نے اس سے خوف زدہ ہو کر کہا۔ ''مجھے ہر بات یاد ہے۔ ایسی باتیں کون بھول سکتا ہے۔''

پنڈت نے اپنی ایک آنکھ میچتے ہوئے کہا۔ ”اور میاں جی! تمھیں اپنا وچن یاد ہے؟“

”مجھے اپنا وعدہ بھی یاد ہے۔“ میں نے مری سی آواز میں جواب دیا۔

”بھلے مانس ہو خان صاحب۔“ بدری نرائن نے مسکرا کر کہا پھر اچانک سنجیدگی سے بولا۔ ”سنو میاں جی۔ میرے اس سمے آنے کا کارن یہی تھا۔ اب وہ سمے آ گیا ہے جب تمھیں اپنا وچن پورا کرنا ہے۔ مجھے انکا کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ تم اسے کچھ دنوں کے لیے میرے حوالے کر دو۔“

”آپ کے حوالے؟“ میں گھبرا گیا اور پھر مصنوعی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”تو یہ بات ہے! آخر ایسی کیا ضرورت پڑ گئی آپ جیسے مہان پنڈت کو انکا کی؟“

”بس خان صاحب۔ یہ بات نہ پوچھو۔ میں انکا سے وہ کام لینا چاہتا ہوں جو تم کبھی نہیں لے سکتے۔“

”لے جایئے گا انکا کو۔ آخر ایسی جلدی بھی کیا ہے۔“

”نہیں خان صاحب، مجھے انہی دنوں اس کی ضرورت ہے۔“

”بات یہ ہے پنڈت بدری نرائن جی۔“ میں نے انتہائی تحمل سے جواب دیا۔ ”میں انکا کے ذریعے ان دنوں اپنے بگڑے ہوئے حالات سدھارنے میں مصروف ہوں۔ مجھے خود قدم قدم پر اس کی ضرورت ہے، اب میرا اس کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔ میں اپنا وعدہ ضرور نبھاؤں گا لیکن آپ مجھے کچھ دنوں کی مہلت دے دیں پھر انکا آپ کی ہے۔ آپ چاہیں تو اسے زیادہ دنوں کے لیے بھی رکھ سکتے ہیں۔“

میرے تحمل کا پنڈت پر کچھ اثر نہ ہوا۔ جتنا میں نے اسے ٹالنے کی کوشش کی اتنا ہی اس کا اصرار بڑھتا گیا۔ آخر مجبور ہو کر میں نے اپنے سر کی طرف کسی مدد کی امید میں انکا کو دیکھا۔ انکا کا حال بھی مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ وہ ابھی تک سہمی سہمی نظر آ رہی تھی۔ اس کی نظریں بدری نرائن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ انکا کو بدری نرائن کے حوالے کرنے کا تصور میرے لیے بڑا جان لیوا تھا۔ وعدہ اپنی جگہ پر تھا مگر اب میں اب کوئی خطرہ لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجھے بدری نرائن جیسے چالاک پنڈت سے کوئی اچھی توقع نہیں تھی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ انکا بھی متوحش نظر آ رہی تھی۔ ویسے بھی نرگس کے سلسلے میں اس وقت مجھے انکا کے سہارے کی ضرورت تھی۔ مجھے پونا جا کر ترینی سے نمٹنا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس وقت کس طرح بدری نرائن کو مطمئن کر کے رخصت کر دوں، میں سوچ میں پڑ گیا۔ مجھے تذبذب میں دیکھ کر بدری نرائن اچانک بدل گیا اور نہایت خشک لہجے میں بولا۔

”من کا کھوٹ دور کرو جمیل احمد خان۔ میں نے تمھاری بہت سی باتیں سن لیں۔ میں دل کے بھید بھی پڑھ سکتا ہوں۔ تم کئی بار میری شکتی دیکھ چکے ہو۔“

”ارے ارے پنڈت جی۔ آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ یقین کیجئے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ نے تو مجھ پر بڑے احسانات کئے ہیں لیکن......“ میں نے پنڈت کو بگڑتے ہوئے دیکھ کر اسے پرسکون کرنے کی ناکام کوشش کی۔

”چھل کپٹ سے کام نہ لو میاں جی۔“ بدری نرائن نے میرا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ ”مجھے اس بات کے لیے مجبور نہ کرو کہ تمھیں اپنی شکتی کے دو چار چمتکار اور دکھاؤں۔ میں تمھیں صاف صاف بتا دوں کہ تمھاری مکتی کا کیول ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنا وچن پورا کرو۔ یہ ایک شریفانہ بات ہے۔“

نہ جانے بدری نرائن کے لہجے میں کیا جادو تھا کہ میں انکا کی موجودگی کے باوجود اس وقت خود کو بڑا بے یار و مددگار محسوس کر رہا تھا۔ میں گنگ سا کھڑا بدری نرائن کو دیکھتا رہا۔

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو جمیل احمد خاں۔“ پنڈت نے دھمکی آمیز سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”آج سے تیسرے دن پورن ماشی کی رات ہے تم رات کو ٹھیک بارہ بجے اسٹیشن پار والے مرگھٹ پر انکا کے ساتھ آ جاؤ۔ میں وہیں تمھارا انتظار کروں گا پرنتو اتنا یاد رکھنا کہ تم اس رات نہ آئے اور تم نے اپنے دیے ہوئے وچن سے پھرنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔ یاد رکھو کہیں مجھے ایک بار پھر یہ نہ بتانا پڑے کہ میں کون ہوں۔“

مجھ پر اس وقت ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری قوت گویائی سلب ہو گئی ہے۔ میں نے بدری نرائن کو حالات کی نزاکت سے آگاہ کرنا چاہا لیکن اس نے میری کسی بات پر توجہ نہ دی۔ وہ اچانک اٹھ گیا اور چند ثانئے تک سینہ تانے مجھے قہر بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے پلٹا اور بڑی بے پروائی کے ساتھ ریستوران سے باہر جانے لگا۔ میں نے اسے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکا اور میں کسی سحر زدہ معمول کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اسی وقت انکا نے مجھے چونکا کر پوچھا۔ ”یہ بدری نرائن کو تم کب سے جانتے ہو؟“

انکا کے چونکانے پر میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر بدری نرائن کے بارے میں اسے تفصیل سے بتانے لگا۔ انکا بہت غور سے میری باتیں سنتی رہی۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ”جمیل، تم اس پنڈت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ کوئی معمولی شخص نہیں ہے۔ اس نے ایک عمر تپسیا میں گزاری ہے لیکن اس کی زیادہ شکتی کی ہوس کم نہیں ہوتی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اس نے ایک بار مجھے حاصل کرنے کے لیے دیوتاؤں سے بنتی کی تھی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ بہت دنوں سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ جس وقت اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ شیو چرن منڈل میں بیٹھ گیا ہے اور تم اسے مارنے آ رہے ہو اسی سمے سے یہ تمھارے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے فریب سے

یہ وعدہ لے لیا کہ تم عارضی طور پر مجھے اس کے حوالے کر دیا کرو گے۔ اس کے دل میں کینہ ہے' یہ ہر اس شخص کا دشمن ہے جس کے پاس میں ہوں۔ اس نے تمہارے ساتھ مکر و فریب سے کام لیا ہے۔ برکاتی شاہ نے جو عمل تمہیں بتایا تھا وہ ہی میری واپسی کے لیے بہت تھا۔ اس پنڈت نے تمہاری پریشانی سے فائدہ اٹھا کر وقتاً فوقتاً مجھے حاصل کرنے کا وعدہ لے لیا اور اب تم اس کے جال میں پھنس چکے ہو۔''

''پھر۔ پھر اب کیا ہوگا؟'' میں نے انکا سے پوچھا تو وہ بولی۔

''مجھے سوچنے دو جمیل۔ پنڈت بدری نرائن جہاں ایک چالاک اور کینہ پرور شخص ہے وہیں اس کے پاس طاقت بھی ہے۔ اس کے پاس بے شمار غیر مرئی قوتیں ہیں۔ اسے کالی مائی کی آشیرباد بھی حاصل ہے۔ سفلی علم میں بھی وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ یہ بہت ذہین پنڈت ہے۔ عام پنڈت پجاریوں سے مختلف' مجھے سوچنا پڑے گا کہ تمہیں اس کے چنگل سے کیسے نجات مل سکتی ہے۔''

''انکا۔'' میں نے ڈوبتے ہوئے دل سے کہا۔ ''کیا تمہاری لامحدود قوتیں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کیا واقعی تم بھی اس سے خائف ہو؟''

''میری بات دوسری ہے جمیل۔ میں اپنے آقا کے سوا کسی کی تابع نہیں۔ مجھے دیوتا ہی پریشان کر سکتے ہیں لیکن جمیل جس طرح انسانوں میں درجہ بندیاں ہوتی ہیں اسی طرح پراسرار شکتیوں میں بھی درجے ہوتے ہیں۔ پراسرار شکتیاں بھی کچھ اصولوں کی پابند ہوتی ہیں اور اس وقت تک ایک دوسرے سے ٹکرانے سے گریز کرتی ہیں جب پانی سر سے اونچا نہ ہو جائے۔''

میں انکا سے باتیں کرتا ہوا اپنے کمرے میں آیا تو وہاں نرگس ٹہل رہی تھی۔ آتے ہی اس نے مجھ سے دریافت کیا۔

''کہاں گئے تھے؟ اور یہ شخص کون تھا جو اتنی بے ہودگی سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ میں تو بہت گھبرا گئی تھی۔''

''اسی ہوٹل میں میرا ایک پرانا واقف کار بھی مقیم تھا۔ میں ریستوران میں اسے چائے پلانے لے گیا تھا۔'' میں نے نرگس کو مطمئن کر کے موضوع بدل دیا اور اس کی صحت کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ انکا اس دوران برابر کسی سوچ میں ڈوبی رہی۔ خود میرا ذہن بھی بدری نرائن کی پراسرار شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔

چنانچہ جب نرگس سو گئی تو میں آہستہ سے اٹھ کر برابر والے کمرے میں آ گیا۔ میں نے اپنی ٹانگیں میز پر ٹکا دیں اور انکا کی طرف مایوسی کے عالم میں دیکھا۔ وہ بہت فکر مند نظر آتی تھی۔ ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''انکا' کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ بدری نرائن نے مجھ سے تمہارے سلسلے میں کیوں وعدہ لیا تھا؟''

''ابھی مجھے کچھ نہیں معلوم لیکن میں اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی بہت اہم کام لے گا۔ کوئی

ایسا کام جو اس کی قوت سے باہر ہو۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ میں اس منحوس کو جان سے مار کر ہمیشہ کے لیے اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے دل کی بات کہی تو انکا تیزی سے بولی۔

''یہ خیال ذہن سے نکال دو میرے پیارے جمیل۔ تم تنہا اس پنڈت کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے بے بسی سے پوچھا۔

''جلدی نہ کرو جمیل۔'' انکا نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''تم آرام کرو۔ جب تک میں تمہارے سر پر ہوں' تمہیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ مجھے تو ایک بات پریشان کیے دیتی ہے کہ بدری نرائن تمہاری طرف سے مایوس ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جو تمہارے لیے تشویش کا باعث ہو۔''

''انکا۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تمہارا اشارہ نرگس کی طرف تو نہیں ہے؟''

''اس عیار پنڈت سے کچھ بعید نہیں جمیل۔ وہ کسی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔'' انکا نے کہا' پھر مجھے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

''اتنی جلدی مایوس مت ہو۔ اب ایسا بھی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تین روز کی مہلت باقی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس عرصے میں' میں یہ معلوم کر لوں گی کہ بدری نرائن کیا چاہتا ہے۔ ویسے نرگس کا خیال مجھے بھی تم سے کچھ کم نہیں ہے۔ وہ تمہیں عزیز ہے اس لیے مجھے بھی عزیز ہے۔ اب تم نرگس کے پاس جاؤ۔ ہو سکتا ہے میں آج ہی رات بدری نرائن کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لوں۔''

''انکا تم جانتی ہو۔ میں ساری دنیا کے لیے برا ہو سکتا ہوں یوں بھی میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں لیکن نرگس کے سلسلے میں' میرے دل میں ہمیشہ سچے جذبے بیدار ہوئے ہیں۔ میں اس سے اپنے آپ سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ میں نے بڑی ٹھوکریں کھانے کے بعد نرگس کو حاصل کیا ہے۔ چاہے میری جان ہی چلی جائے مگر میری نرگس کو کچھ نہ ہو۔ میں اس کی خاطر اپنی زندگی کی بھینٹ دینے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ تمہیں ہر صورت میں نرگس کا خیال مجھ سے زیادہ رکھنا ہوگا۔''

''یہ تم مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔'' اس بار انکا نے سر کو خم دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا اشارہ بہت ہے جمیل۔ اچھا اب تم جاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ نرگس ہر طرح محفوظ رہے گی۔''

انکا نے نرگس کے سلسلے میں اطمینان دلایا تو مجھے کسی قدر سکون آ گیا۔ میں نے انکا کو زیادہ نہیں کریدا اور چپ چاپ بتی بجھا کر لیٹ رہا۔ وہ رات بہت بری گزری۔ میں بار بار سوتے سے چونک پڑتا۔ پراگندہ خیالات رات بھر مجھے پریشان کرتے رہے' جب بھی میری آنکھ کھلتی' میں انکا کو غور و فکر میں ڈوبا ہوا پاتا۔ ایک دو بار میں نے اٹھ کر نرگس کے کمرے میں بھی جھانکا لیکن وہ بڑے اطمینان سے سو رہی تھی۔

صبح میری جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے میں نے انکا پر نظر ڈالی' وہ اس وقت میرے سر پر ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے لیکن اس کے چہرے پر مجھے الجھن کے بجائے گہری سرخی نظر آرہی تھی جو یقیناً کسی جذباتی شدت کا ردعمل تھی۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اسے مخاطب کیا۔ ''کہو کیا رات بھر جاگتی رہی ہو؟''

''ہاں ساری رات۔'' انکا نے مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''جمیل۔ میں نے ساری رات بدری نرائن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں بتادی۔ اب میں نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ پنڈت بدری نرائن کیا چاہتا ہے۔''

''وہ آخر کیا چاہتا ہے؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔ میری تمام تر توجہ انکا پر مرکوز تھی اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''اس کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں۔ وہ میرے ذریعے کچھ نادیدہ قوتوں کا راز جان کر انہیں اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم نے مجھے اس کے سر پر چلے جانے کا حکم دے دیا تو میں اس کی خواہش پوری کرنے پر مجبور ہو جاؤں گی اور وہ مزید طاقت ور ہو جائے گا پھر ممکن ہے وہ تمہیں کچھ اور پریشان کرے۔''

''یہ ناممکن ہے انکا۔ جب تک نرگس صحت یاب نہیں ہو جاتی اور ترینی سے میں نمٹ نہیں لیتا' میں تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی دور نہیں کروں گا۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور تم خود بھی کہہ رہی ہو کہ اس کے ارادے ٹھیک نہیں۔''

''ہاں بہتری اسی میں ہے کہ تم مجھے کبھی بدری نرائن کے حوالے نہ کرو۔ اس طرح وہ اور شیر ہو جائے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ میں کسی ایسے شخص کے حکم پر چلنے کے لیے مجبور ہو جاؤں جو بعد میں خود میرے لیے وبال جان بن جائے۔ میں اس کے سر پر جانا نہیں چاہتی جمیل۔''

''تمہیں جانے کون دے رہا ہے؟ میں تو اس کمینے سے پہلے ہی خار کھائے ہوتے ہوں مگر پھر اس شریر پنڈت سے کیسے نمٹا جائے؟'' میں نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہی بات تو مجھے بھی پریشان کر رہی ہے۔ کوئی معمولی آدمی ہوتا تو میرے لیے وہ چند لمحوں کا تھا مگر یہ تو پنڈت بدری نرائن ہے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے۔ مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ اس کے کہنے کے مطابق پورن کی ماشی کی رات مرگھٹ پر جانا ہی پڑے گا اور کوئی صورت تو نظر نہیں آتی۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''ہاں جمیل۔'' انکا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ تم وہاں ضرور جاؤ۔''

''کیا مطلب' یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یعنی مجھے مرگھٹ جانا ہوگا اور پھر تمہیں گویا اس کے حوالے کرنا

ہوگا۔ طشتری میں رکھ کر' لیجئے انکا حاضر ہے۔ پنڈت جی۔ یہ آپ کے حکم کی تابع رہے گی۔ آپ اس کے ساتھ جو جی چاہے کریں۔''

''تمہیں بھی۔ تم وہاں جانا اور اس سے کہنا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ تمہارے ذریعے مجھ سے کہے' مجھے یقین ہے کہ وہ یہ شرط ماننے پر کبھی آمادہ نہ ہوگا۔'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس طرح تو ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جائے گی۔'' میں نے پر خیال لہجے میں جواب دیا۔

''اور میں چاہتی بھی یہی ہوں کہ وہ منحوس پنڈت تم سے ٹکرا جائے۔ جانتے ہو جمیل' اس صورت حال کے بعد کیا ہوگا؟ مجھ پر سے وہ پابندی ختم ہو جائے گی' جس کے تحت میں دوسری پراسرار قوتوں سے جنگ کرنے سے گریزاں ہوں۔ میں ظاہر ہے بے وجہ بدری نرائن سے نہیں ٹکرا سکتی۔ دیوتا اس بات سے ناراض ہو جائیں گے' میں ٹکراؤ کا کوئی جواز پیدا کرنا چاہتی ہوں۔ تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے' پر میری بات مان جاؤ۔''

میں دیر تک پس و پیش کرتا رہا اور انکا مجھے بدری نرائن سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں سمجھاتی رہی۔ چار و ناچار میں نے اس کی تمام ہدایتیں ذہن نشین کیں' پھر موضوع بدل کر کہا۔

''نرگس کی صحت کے بارے میں مجھے سخت تشویش ہے' دیکھو نا وہ کس قدر لاغر نظر آتی ہے۔ میں اسے تندرست و توانا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نے نرگس کی بیماری کے لیے بھی کچھ سوچا؟''

''تین روز کی بات اور ہے جمیل! اس کے بعد نرگس کو کسی اچھے پہاڑی مقام پر لے چلیں گے جہاں اس کا علاج بہتر اور مناسب طور پر ہو سکے گا اور تم بھی کچھ دن سکون کے ساتھ گزارو گے۔ میں نے اس کا انتظام کرلیا ہے۔ تم دیکھو گے کہ نرگس کھوئی ہوئی تندرستی دوبارہ حاصل کرلے گی۔ اس پہاڑی مقام پر تمہاری دلچسپی کی اور بہت سی چیزیں ہوں گی۔'' انکا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

میں نے وضاحت نہیں چاہی کہ اس نے میری دلچسپی کا کیا خاص انتظام کیا ہے' بہرحال اس کے مشورے پر مجھے مجبوراً تین روز نرگس کے شہر میں رکنا پڑا۔ ہر چند کہ میں نرگس کی بیماری کے پیش نظر ایک دن بھی اسے اس شہر میں نہیں رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس شہر سے نرگس کی تلخ یادیں وابستہ تھیں لیکن انکا کے مشورے پر مجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ بدری نرائن کا پریشان کن مسئلہ بھی حل کرنا ضروری تھا۔ نرگس نے متعدد بار مجھ سے شہر چھوڑنے کے لیے کہا لیکن میں اسے الٹے سیدھے بہانے کرکے ٹالتا رہا۔ میں نے اسے بدری نرائن کے بارے میں کوئی بات بتانی مناسب نہ سمجھی۔ ادھر میری الجھنیں تھیں کہ بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ میں پنڈت بدری نرائن سے بہت خوف زدہ ہو گیا تھا۔ کوئی اندرونی بات ایسی ضرور تھی جو انکا کی پراسرار قوتوں کی موجودگی کے باوجود مجھے وسوسوں میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ نہ جانے کیوں میرا دل بار بار اس خیال سے کانپ اٹھتا تھا کہ بدری نرائن اتنی آسانی سے قابو میں آنے والا نہیں ہے وہ مجھے کوئی بھاری

نقصان ضرور پہنچائے گا۔ میں اس نقصان کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ میں نے اپنے دل کی یہ کیفیتیں صرف نرگس ہی سے نہیں بلکہ انکا سے بھی پوشیدہ رکھیں۔ یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی جس کا خمیازہ مجھے بعد میں اٹھانا پڑا۔

ان تین دنوں میں بہت سے ہنگامہ خیز واقعات پیش آئے جو عام حالات میں میرے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہوتے' لیکن اس وقت مجھے کسی بات میں لطف نہیں آ رہا تھا۔ اصفہانی صاحب گرفتار کر لیے گئے تھے اور اخبارات میں ان کے متعلق بڑی عجیب و غریب خبریں چھپ رہی تھیں۔ ان کے ساتھ کشور بیگم کے شوہر پر بھی عتاب آ چکا تھا۔ مجسٹریٹ صابر علی بھی معطل ہو چکے تھے۔ میں نے یہ سب خبریں نرگس سے چھپائیں' اسے اخبار ہی نہیں پڑھنے دیا۔ میں اس کے باپ کے شرمناک کرتوت' کچھ حقائق پر مبنی اور کچھ مبالغہ آمیز خبریں پڑھوا کر اس کی صحت کو مزید خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بہر صورت اصفہانی صاحب اپنی زندگی کے اس بدترین انجام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ادھر رام دیال سے ملنے کو میرا دل مضطرب رہا لیکن ایسی صورت میں جب بدری نرائن نے میرا جینا حرام کر رکھا ہو' مجھے کوئی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ میں تین دن تک قیاس آرائیں کرتا رہا اور خود سے الجھتا رہا۔ تین دن بہت ہوتے ہیں یہ پہاڑ جیسے تین دن میں نے بہت بدمزگی اور بے بسی میں گزارے۔

جس دن مجھے بدری نرائن سے ملنے جانا تھا اس روز صبح ہی سے میں خاموش خاموش سا تھا۔ انکا تمام دن مجھے بار بار تاکید کرتی رہی کہ میں بدری نرائن کے سامنے کسی بزدلی کا ثبوت نہ دوں اور ڈٹ کر اس کا مقابلہ کروں' شام تک میں بجھا بجھا سا رہا لیکن اس کے بعد میں نے طے کر لیا کہ حالات خواہ کچھ ہی ہوں' میں بدری نرائن سے خائف نہیں ہوں گا۔ کچھ بھی ہو فی الحال تو انکا کا پراسرار وجود میرے تابع تھا' انکا جو بے پناہ پراسرار قوتوں کی مالک تھی جو صرف ایک اشارے پر میرے قدموں پر دولت نچھاور کر سکتی تھی۔ اس کی قوت کے کرشمے میرے لیے نئے نہیں تھے۔ میں اس کی حیرت انگیز طاقت کے ہزاروں مظاہرے دیکھ چکا تھا۔ میں کسی ٹھوس چٹان کی طرح اپنی جگہ اٹل ہو گیا۔

رات کو ساڑھے گیارہ بجے میں پوری طرح مستعد ہو کر ہوٹل سے نکلا۔ نرگس اس وقت محو خواب تھی۔ میں نے دروازے کو باہر سے قفل لگایا اور ایک بیرے کو چند سکوں کے عوض اس بات پر رضامند کر لیا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں' وہ میرے کمرے کا خاص طور پر خیال رکھے۔

مرگھٹ کا راستہ میرے لیے نیا نہ تھا۔ ایک بار پہلے بھی رام دیال کی ماں کی ارتھی جلانے کے لیے میں اس طرف آ چکا تھا۔ انکا نے پورے راستے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور غور و فکر کے آثار بدستور موجود تھے۔ میں نے اس کی محویت میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ ہر چند کہ میں نے بدری نرائن سے ٹکرانے کا ٹھوس ارادہ کر لیا تھا اس کے باوجود نہ جانے وہ کیا بات تھی جو مجھے مستقبل میں

آنے والے بہت سے نقصانوں کا احساس دلا رہی تھی۔

پورن ماشی کا چاند نیلے آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا لیکن اس وقت میں اس کے حسن سے متاثر نہ ہو سکا۔ شاید اس لیے کہ مرگھٹ کی پراسرار اور ہولناک ویرانی نے چاندنی کو بھی اپنے خوفناک ماحول میں ضم کر لیا تھا۔ ہر طرف بڑا ہولناک سناٹا طاری تھا۔ میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کوئی پتا بھی کھڑکتا تو میں چونک پڑتا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی ہندو مردے کی گندی آتما میرا تعاقب کر رہی ہو۔ میری دستی گھڑی اس وقت پورے بارہ کے عمل کا اعلان کر رہی تھی۔ میں نے اندھیرے میں چاروں سمتوں کا بغور جائزہ لیا لیکن دور دور تک کسی ذی روح کا کوئی نشان نہ تھا۔ انکا کا عالم وہی تھا' وہ اب بھی اپنے خیالات میں گم تھی۔ میں ایک جگہ رک گیا اور اس جانب نظریں جما دیں جہاں سے بدری نرائن کی آمد متوقع تھی۔

ابھی مجھے وہاں کھڑے ہوئے مشکل سے ایک منٹ گزرا تھا کہ پشت سے بدری نرائن کی آواز سن کر میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا' بدری نرائن مجھ سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑا مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تاریکی کے باوجود مجھے اس کی آنکھیں روشن نظر آ رہی تھیں۔ دو دہکتے ہوئے سرخ انگاروں کے مانند' مجھے بدری نرائن کی اچانک آمد پر حیرت تھی لیکن پھر میں نے اس خیال سے اپنے آپ کو تسلی دے لی کہ ممکن ہے وہ پہلے ہی سے یہیں کہیں چھپا بیٹھا ہو اور مجھے محض خوف زدہ کرنے کی خاطر اس نے یہ ڈرامائی انداز اختیار کیا ہو۔ اس خیال نے میرے دل میں بدری نرائن سے نفرت اور پھیلا دی۔ میں خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا رہا۔ کچھ دیر تک مکمل سکوت طاری رہا پھر بدری نرائن کی خشک آواز سناٹے کا سینہ چیرتی ہوئی ابھری۔

''جمیل احمد خان۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ٹھیک وقت پر آ گئے' کیا انکا اس سے تمہارے سر پر موجود ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے دیدہ دانستہ اختصار سے کام لیا۔

''اور انکا کے سلسلے میں تمہیں اپنا وچن یاد ہے؟''

''ہاں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں اس سے تم سے زیادہ باتیں نہیں کروں گا' اپنے دیے ہوئے وچن کے انوسار اب تم انکا کو اپنے حکم سے میرے حوالے کر دو۔ میں تمہیں اپنے دیوی دیوتاؤں کی سوگند کھا کر وچن دیتا ہوں کہ انکا چار روز بعد واپس کر دوں گا۔'' بدری نرائن نے ایک ایک لفظ بہت جما کر کہا۔ اب میرے لیے پینترا بدلنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے بڑے خشک لہجے میں اس سے کہا۔

''بدری نرائن' تم اس خواہش کا اظہار ہوٹل میں بھی کر سکتے تھے۔ مجھے آدھی رات کو مرگھٹ تک

بلانے کی کیا ضروری تھی؟ کیا میں اس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟"

"تمہیں یہاں بلانے کا کارن کیا تھا' یہ میں بہتر سمجھتا ہوں۔ تمہیں ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔" بدری نرائن نے مجھے کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں جواب دیا۔ "تمہاری باتوں سے مجھے فریب کی بو آ رہی ہے' پنڈت بدری نرائن۔"

"جمیل احمد خان۔" یک لخت بدری نرائن گرج پڑا۔ "تمہاری یاداشت بہت کمزور ہے۔ تم اپنے پرانے دن جلدی بھولنے کے عادی ہو گئے ہو۔ کیا میں تمہیں یاد دلاؤں کہ اس سمے تم کس سے بات کر رہے ہو؟ کیا مجھے پھر بتانا پڑے گا کہ تم اس سمے کس کے سامنے کھڑے ہو۔"

"تیور بگاڑ کر باتیں نہ کرو۔ اس طرح تم مجھے مرعوب نہیں کر سکو گے بدری نرائن۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "اگر معاملے کی بات کرنی ہے تو اپنی کھوپڑی ٹھنڈی رکھو۔ یہ بات بھی دھیان میں رکھو کہ جب تک تم مجھے مرگھٹ بلانے کا کارن نہیں بتاؤ گے میں انکا کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔"

"تم مورکھ ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تم کس کا اپمان کر رہے ہو۔" بدری نرائن کسی سانپ کی طرح بل کھا کر بولا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بتدریج گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"پنڈت جی' میں پہلے تمہیں نہیں جانتا تھا لیکن اب خوب پہچان گیا ہوں اس لیے اب تم آنکھیں نیلی پیلی کرنے کی کوشش نہ کرو اور مجھے بتاؤ کہ انکا کو حاصل کرنے کی خاطر تم نے شمشان بھومی کا انتخاب کیوں کیا ہے۔" میں نے انکا کے اشارے پر پھر اسے بے پروائی سے جواب دیا۔ "وعدہ اپنی جگہ ہے لیکن ایک مشکوک شخص سے وعدہ نبھانا میرے نزدیک حماقت ہے۔"

بدری نرائن میرا جواب سن کر غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ تم سے تو پر اتر آیا۔

"پاپی۔ تو اپنے وچن سے پھر کر گھور پاپ کر رہا ہے۔ اگر بھگتی چاہتا ہے تو اب بھی وقت ہے' سیدھی طرح انکا کو میرے حوالے کر دے' پرنتو اگر تو نے انکار کیا تو پھر نہ کہنا کہ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا۔"

ٹھیک اسی وقت انکا پھدک کر میرے سر سے نیچے اتر گئی' ایک لمحے کے لیے میں گھبرا گیا۔ انکا کا اچانک کچھ کہے بغیر سر سے نیچے اتر جانا میرے لیے تشویش ناک تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے خود پر قابو پا کر کہا۔

"پنڈت۔ برداشت کی حد ہوتی ہے۔ تم بہت بڑھ رہے ہو' مجھے مجبور نہ کرو کہ میں تمہارے ساتھ بدکلامی کروں۔"

"مورکھ۔ انکا کی شکتی پر تجھے اتنا گھمنڈ ہے؟ لے اپنی آنکھ سے دیکھ۔" بدری نرائن پیچ و تاب کھا کر بولا پھر اس کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگے' غالباً وہ کسی منتر کا جاپ شروع کر چکا تھا۔

میرے لیے یہ صورت حال بڑی پریشان کن تھی۔ مجھے اس وقت انکا کے مشورے کی شدید ضرورت تھی مگر وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ مجھے انکا پر غصہ آ رہا تھا۔ میری نظریں مسلسل بدری نرائن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کے ہونٹ بڑی تیزی سے ہلتے رہے پھر وہ اچانک اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹا اور گرجدار آواز میں بولا۔

"میاں جی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں یہ بچوں کا کھیل دکھاؤں' ذرا اپنے بائیں ہاتھ کی جانب دیکھو۔" میں نے بائیں ہاتھ کی طرف نظر ڈالی تو دل دھک سے رہ گیا' آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انکا مجسم عورت کے روپ میں میرے سامنے کھڑی قہر آلود نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا پھر معاً میری نظر اس کے پیروں پر پڑی اور مجھے احساس ہو گیا کہ انکا نے بدری نرائن کی شخصیت کے بارے میں کیا کچھ بتایا تھا۔ اس وقت بھی بدری نرائن نے مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے ایک فرضی انکا کو اپنی طاقت کے زور سے تخلیق کیا تھا۔ مجھے اس دھوکے کا یقین سامنے کھڑی ہوئی فرضی انکا کے پاؤ دیکھ کر ہوا تھا جہاں انکا جیسے نکیلے پنجوں کے بجائے عورتوں جیسے پیر نظر آ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' بدری نرائن دوبارہ گرجا۔ "پہچان یہ کون ہے' اگر نہیں پہچانتا اب میں تجھے انکا کا وہ روپ دکھاتا ہوں' جو تو نے ہمیشہ دیکھا ہے۔"

بدری نرائن کے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی میری نگاہوں نے جو منظر دیکھا اسے میں آج بھی یاد کرتا ہوں تو دہشت کے مارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مجھے اس بات کا مکمل یقین تھا کہ میرے سامنے کھڑی ہوئی عورت انکا نہیں ہے' بلکہ کسی بدروح کی مادی صورت ہے پھر بھی وہ منظر میرے لیے ناقابل یقین تھا۔ عورت کا جسم بتدریج چھوٹا ہو رہا تھا۔ اعضا بھی اسی مناسبت سے چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اس کا قد مشکل سے چھ انچ ہو گیا۔ بالکل ویسا ہی جیسا انکا کا تھا۔ ابھی میں یہ خوفناک منظر سہمی سہمی نظروں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ بدری نرائن نے مجھے مخاطب کر کے کرخت آواز میں کہا۔ "میاں جی۔ کیا اب بھی تم وچن پورا کرنے سے انکا کرو گے؟"

"بدری نرائن۔" میں نے انکا کی غیر موجودگی میں محتاط رہنا مناسب سمجھا۔ "میں تمہاری شکتی کے بہت سے چمتکار پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ شیو چرن کے سلسلے میں تم نے میری مدد کی تھی' برکاتی شاہ کا راستہ بھی مجھے تمہی نے دکھایا تھا لیکن......"

"زیادہ باتیں نہ بنا۔ میں کیول ایک شبد تیری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" بدری نرائن نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے گرجدار آواز میں کہا۔ "انکا کو میرے حوالے کرنے کے سلسلے میں تیرا کیا جواب ہے؟ ہاں......یا......نہیں؟"

میرے لیے وہ لمحات بڑے صبر آزما تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس موذی پنڈت کو کیا جواب

دوں۔ انکا نے میرے سر سے اتر کر میرے حوصلے پست کر دیے تھے' اب میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ بدری نرائن مجھے ایک دیو کی شکل میں نظر آیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میرا مقابلہ ایک غیر معمولی شخص سے ہے جو حیرت انگیز پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔

"کیا سوچ رہا ہے۔ کیا اب بھی تیری سمجھ میں نہیں آیا؟"

بدری نرائن کا جملہ سن کر مجھے جھرجھری آ گئی۔ مجھے انکا پر شدید غصہ آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ کہے بغیر کیوں چلی گئی۔ میں گم صم کھڑا ہوا تھا۔ بدری نرائن کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ وہ چھ انچ کی پراسرار عورت کو مخاطب کر کے بولا۔

"سندری میں تجھے کالی مائی کے شبھ نام پر حکم دیتا ہوں کہ تو اس مورکھ کو ایسا کشٹ دے کہ یہ سارا جیون بیاکل رہے' اس اپرادھی کی یہی سزا ہے' دیوی اس کی بھینٹ کو اوش سویکار کرے گی۔"

میرے لیے اس وقت پائے رفتن نہ جائے ماندن والا حاملہ تھا۔ بدری نرائن کا جملہ سن کر میں نے اپنی توجہ اس پراسرار عورت کی طرف مبذول کر لی۔ اس نے منمناتا ہوا قہقہہ لگایا پھر پلک جھپکتے ہی وہ دراز قد ہو گئی اور مجھے خوف ناک نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

میں اس کے آگے بڑھنے پر سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گیا۔ خوف و دہشت سے میرا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ موت میرے سامنے تھی کہ اچانک انکا کی سرگوشی میرے کانوں میں گونجی۔

"جمیل، گھبراؤ نہیں۔ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ میں تمہارے قریب ہی ہوں۔"

انکا کی آواز سن کر میں پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ میرے جسم میں بجلی کی لہر دوڑ گئی اور ایک لمحہ میں مجھے اپنی بزدلی پر غصہ آنے لگا کہ جب مجھے انکا کی حمایت حاصل تھی تو پھر بھلا کس بات کا خوف تھا۔ انکا کا اشارہ پا کر میں نے بگڑے ہوئے انداز سے سندری کو گھورا اور سرد لہجے میں کہا۔

"سندری تو کون ہے۔ یہ میں نہیں جانتا لیکن تجھے اتنا بتا دوں کہ اگر تو نے مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کی' تیرا انجام خراب ہو گا۔"

سندری نے میرا جواب سن کر پھر ایک منمناتا ہوا قہقہہ لگایا۔ طیش اور غصے کی شدت سے اس کا خوب صورت چہرہ بالکل مکروہ گیا تھا۔

ایک لمحے تک وہ مجھے خوں خوار نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر اس نے زمین سے مٹی اٹھائی اور ہاتھ بلند کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مٹی مجھ پر اچھالتی' میں نے اسے ایک بڑی کربناک چیخ بلند کرتے ہوئے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے بدن سے آگ کے شعلے بلند ہوئے اور منٹوں میں جلا کر خاکستر کر گئے۔

میں نے گھوم کر بدری نرائن کو دیکھا جس کے چہرے پر غور و فکر کے اثرات تھے۔ وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا جہاں انکا نے سندری کا کریا کرم کیا تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بدری نرائن کو مخاطب

کیا۔

"کیوں پنڈت جی' دیکھ لیا تم نے اپنی سندری کا انجام؟ کوئی اور کھیل دکھاؤ تاکہ جواب میں مجھے بھی کھیل دکھانے کا موقع ملے۔"

بدری نرائن نے زہریلی نظروں سے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر دوبارہ نظر گھما کر کسی نادیدہ قوت کو مخاطب کر کے بولا۔ "تو نے اچھا نہیں کیا' سندری کی موت مجھے ہمیشہ یاد رہے گی' تو نے کالی مائی کی داسی کو کشٹ دیا ہے' دیوی دیوتاؤں کی شکتی سے ٹکرا کے تو نے اچھا نہیں کیا۔ شیو شنکر مہاراج کا سراپ تجھے کبھی شما نہیں کرے گا۔"

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے بدری نرائن کو دیکھ رہا تھا کہ آخر وہ کس سے مخاطب ہے۔ اتنا اندازہ میں نے ضرور کر لیا تھا کہ بدری نرائن کے کس بل ڈھیلے پڑ چکے ہیں۔

"میں جا رہا ہوں۔" بدری نرائن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "پر تو یاد رکھنا کہ بھول چوک صرف منش ہی سے نہیں دیوی دیوتاؤں سے بھی ہو جاتی ہے۔ وقت تجھے بتائے گا کہ میں کیا ہوں۔"

بدری نرائن کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھاتا میری جانب پلٹا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں سخت ترین انتقامی جذبے کی جھلکیاں دیکھی تھیں لیکن اب مجھے اس کی مطلق بھر پرواہ نہیں تھی۔ میرا حریف اپنی شکست تسلیم کر کے جا چکا تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور تصور کی مدد سے سر کی جانب دیکھا تو انکا وہاں موجود تھی۔ توقع کے خلاف وہ اس وقت بڑی خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔ اس کی معصوم معصوم سی آنکھیں خوشی کے جذبے سے چمک رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر بولی۔ "دیکھا جمیل میرے آقا۔ میں نے اس پنڈت کی سندری کا کیا حشر کیا؟"

"کون تھی وہ؟" میں نے واپسی کے راستے پر قدم اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ایک گندی روح تھی جسے پنڈت نے اپنے قبضے میں کر رکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب بدری نرائن کبھی تمہاری طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"

"کیا سندری کی موت کے بعد وہ تمہی سے مخاطب تھا؟"

"ہاں۔" انکا بڑی شوخی سے اپنے دیدے مٹکا کر بولی۔ "ناکامی نے اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔ وہ مجھے زرخرید لونڈی کی طرح اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ کوئی جاپ کیے بغیر' کوئی تپسیا کیے بغیر۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میرا حصول صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں خود کسی کے سر پر چلی جاؤں یا میرے لیے کوئی جاپ کرے۔ وہ تو بڑی آسانی سے مجھے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بے وقوف کہیں کا۔"

"انکا" میں نے کچھ سوچتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "یہ تو صحیح ہے مگر میں نے بدری نرائن کی آنکھوں میں ایک انتقامی جذبے کی تڑپ دیکھی تھی مجھے ڈر ہے کہ وہ ہم سے اپنا بدلہ ضرور لے گا۔ تم نے خود کہا تھا

کہ وہ کوئی معمولی پنڈت پجاری نہیں ہے۔"

"اب وہ ایسا کرنے کی حماقت ذرا مشکل ہی سے کرے گا۔"

انکا نے اپنی روایتی بے نیازی سے کہا۔ "جب تک اس نے سندری کے ذریعے تم پر حملہ نہیں کر دیا میں خاموش تھی لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا تم دیکھ ہی چکے ہو۔ اگر بدری نرائن پہلے ہی خاموشی سے چلا جاتا تو ٹھیک تھا مگر اس نے مجھے دھمکیاں دیں۔"

"میرا خیال ہے آئندہ وہ محتاط رہے گا کیونکہ جب بھی وہ تمہیں چھیڑنے کا خیال دل میں لائے گا' اسے معلوم ہوگا کہ اس کا حشر بھی سندری جیسا ہو سکتا ہے۔"

کوئی ایک بجے کا عمل ہوگا۔ چاند اپنی پوری رعنائی سے چمک رہا تھا۔ ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ مجھے واپسی کا راستہ کچھ تکلیف دہ نہ لگا۔ مرگھٹ دور نکل گیا اور میں نے اسٹیشن پار کر لیا تو انکا نے اپنی شیریں بیانی کا جادو جگایا۔ وہ اس وقت کچھ زیادہ ہی شوخ و شنگ لگ رہی تھی۔ وہ بڑے انداز سے میرے سر پر بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ میرا سر نہ ہو' کسی سوئمنگ پول کے کنارے رکھی ہوئی لمبی کرسی ہو جس پر حسینائیں غسل کرنے سے پہلے اور غسل کرنے کے بعد آرام کرتی ہیں۔ راستے بھر وہ مجھ سے بدری نرائن کی گفتگو کرتی رہی۔ مٹک مٹک کر اس کے لہجے کی نقل اتارتی رہی۔ وہ اس وقت بڑی ترنگ میں تھی۔ کچھ دیر پہلے میرے ذہن پر خوف کا جو غلبہ تھا وہ اب دور ہو چکا تھا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ میری زندگی بھی کیا ہے۔ وہ نشیب و فراز سے پُر ہے۔ زندگی میں جتنے ہولناک اور عبرتناک واقعات سے میں دوچار ہوا ہوں' بہت کم لوگ ہوئے ہوں گے۔ اسی وقت میرے ذہن میں آیا کہ اگر میری سرگزشت لکھی جائے تو وہ دنیا کی چند دلچسپ اور حیرت انگیز سرگزشتوں میں سے ایک ہوگی۔ کون یقین کرے گا کہ میرے سر پر ایک ننھی منی سی خوب صورت دوشیزہ قیام کرتی تھی۔ اس کا نام انکا تھا۔ انکا جو رفتہ رفتہ میری ضرورت بن گئی تھی۔ میں انکا کے خیالوں میں گم تھا کہ وہ بڑی شوخی سے مخاطب ہوئی۔

"جمیل' کہو دل کا کیا حال ہے؟"

"دل بہت ٹھیک ہے۔ اپنی جگہ موجود ہے۔"

"دھڑک تو نہیں رہا؟"

"نہیں۔ اب بالکل پرسکون ہے۔"

"بالکل پرسکون؟"

"ہاں۔ مگر یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"کچھ نہیں۔ کلد یپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"کلدیپ۔ وہ اس وقت تمہیں کیسے یاد آ گئی؟"

"اب ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔"

"رکھ لیا۔ کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے۔"

"جھوٹ۔ کیسا تیز دھڑکنے لگا ہے۔"

"ارے انکا' تم تو بہت شریر ہو۔ کلدیپ کا ذکر تم نے خوب چھیڑا۔" انکا کی زبان سے اس وقت کلدیپ کا نام سن کر مجھے وہ سحر انگیز ساعتیں یاد آ گئیں جو میں نے کلدیپ کے ساتھ گزاری تھیں۔ میرا دل لطیف احساسات سے دھڑکنے لگا۔ جیسے کلدیپ وہاں پہلے سے چھپی بیٹھی ہو اور اپنا نام سن کر کسمانے لگی ہو۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "انکا کلدیپ تو ایک لہر تھی جو ساحل سے آ کر ٹکرائی اور پلٹ گئی۔ اب اسے بھول جاؤ انکا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو جمیل؟ اور مجھ سے؟" انکا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا کلدیپ کا نام سن کر تم نے اپنے پہلو میں میٹھا میٹھا درد محسوس نہیں کیا۔"

"نرگس کی موجودگی میں کسی اور کے بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کچھ بھی ہو۔ نرگس کی بات الگ ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ کلدیپ بھی اب تم سے دل کی گہرائیوں سے پریم کرنے لگی ہے' میں اس کے بارے میں معلوم کر چکی ہوں۔ وہ تم سے بے حد قریب ہو گئی ہے' وہ تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ نہ جانے تم نے کیا جادو کر دیا ہے۔ یقین کرو اب وہ تمہارے ایک اشارے پر اپنے ماضی کے سارے رشتے توڑ سکتی ہے۔"

"کیا بات ہے۔ تم کلدیپ کی بڑی حمایت کر رہی ہو' کہیں اس پر تمہارا اپنا دل تو نہیں آ گیا؟ میرا خیال ہے تم نے اس کا سرخ و سفید رنگ پسند کر کے اسے اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا جمیل۔" انکا اٹھلا کر بولی۔ "جس لڑکی کے دل میں میرے محبوب' میرے آقا' میرے پیارے جمیل کی محبت رچ بس گئی ہو' میں اس کا خون پینے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتی۔"

"خوب۔ بعض اوقات تو تم اتنی محبت کی' ایسی دلنشیں باتیں کرتی ہو کہ تمہیں پیار کرنے اور بانہوں کے شکنجے میں جکڑ کر مسل دینے کو جی چاہتا ہے۔ کاش تم گاہے گاہے ایک مجسم دوشیزہ کا روپ دھار لیا کرتیں تو میں پھر صرف تمہیں سے محبت کرتا۔"

"اب تم بے شرمی کی باتیں کرنے لگے' دیکھا کلدیپ کے ذکر سے تمہاری گفتگو پر کیسا شباب آ گیا ہے۔" انکا شرما کر بولی۔

"کلدیپ کا ذکر تم نے بے وقت چھیڑا۔"

"پریشان ہو گئے۔ ہو گئے نا۔ سچ بتاؤ؟"

"گویا۔"

"جی۔" انکا نے بڑے دلبرانہ انداز میں "جی" کھینچ کر ادا کیا۔

ہوٹل قریب آ گیا تھا۔ میں سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ نرگس بے خبر سو رہی تھی۔ میں خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلا آیا اور لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا مجھے بڑی گہری نیند آئی۔ پنڈت بدری نرائن کی آمد سے میری سنورتی ہوئی زندگی میں جو طوفان آ گیا تھا وہ جلد گزر گیا۔ اب مجھے اطمینان تھا کہ ایک عرصے تک بدری نرائن مجھے زک پہنچانے سے باز رہے گا اور میں اس کی دسترس سے نکل چکا ہوں گا۔ انکا کی یقین دہانی کے باوجود ابھی ایک خدشہ میرے دل میں موجود تھا کہ بدری نرائن کبھی نہ کبھی مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ صبح کے اخبارات نے معمول کے مطابق اصفہانی صاحب کے بارے میں سنسنی خیز خبریں شائع کی تھیں۔ ایک بار میرا دل چاہا کہ میں اصفہانی صاحب کو بچالوں لیکن پھر مجھے نرگس کی ابتر حالت دیکھ کر اپنا یہ خیال ترک کرنا پڑا۔

میں صبح ہی صبح رام دیال کے مکان پر پہنچا۔ اس کی بیوی کا رنگ زرد ہو چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کانپنے لگی۔ جھجکتے جھجکتے اس نے میری پذیرائی کی۔ اس کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور میں نے طے کر لیا کہ میں رام دیال سے شیاما کے آشنا سندر لال کا کوئی تذکرہ نہیں کروں گا۔ رام دیال اپنی بیوی سے کچھ کھنچا کھنچا سا تھا۔ میں جو کچھ سوچ کر گیا تھا' شیاما کی التجا آمیز نظروں کے سامنے وہ بھول گیا پھر میں نے شیاما کے سامنے اس سے کامنی کی بات کی اور سارا الزام اس پر دھر دیا۔ میں نے کہا۔

"رام دیال میرے دوست' تمہارے گھر میں شیاما جیسی سندر ناری موجود ہے' پھر تم کامنی کے پاس کیوں جاتے ہو۔"

رام دیال میری زبان سے کامنی کا نام سن کر دنگ رہ گیا۔ میں نے اسے حیران دیکھ کر کہا۔ "رام دیال' مجھے بہت سی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اب میرے دن پھر گئے ہیں۔ میں پرانا جمیل احمد نہیں رہا۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تمہارے احسانات کا بدلہ چکا سکوں۔ میرے دوست مجھے بتاؤ کہ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

"بھگوان کا دیا سب کچھ ہے جمیل۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر بھگوان کے لیے شرمندہ تو نہ کرو۔ رہا کامنی کا معاملہ تو وہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ شیاما نے نہ جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔" رام دیال جھینپتے ہوئے بولا۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ اب میں تمہاری زبان سے کامنی کا نام نہ سنوں۔" میں نے اسے تنبیہہ کی۔

"کیا تم کامنی کو جانتے ہو؟ یقیناً تمہیں شیاما ہی نے اس کے بارے میں بتایا ہوگا۔" رام دیال نے

تشویش سے پوچھا۔

"میں نے کہا رام دیال مجھے سب معلوم ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان دنوں تم بہت پریشان ہو' تمہیں روپے کی ضرورت ہے۔ تم ایک سودا کرنا چاہتے ہو اور تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں' دوسری طرف تم عشق میں گرفتار ہو۔" جو باتیں انکا مجھے بتا رہی تھیں' میں رام دیال کو اپنی زبان سے منتقل کر رہا تھا۔ میں نے اس کی تمام پریشانیاں اس کے سامنے آئینے کی طرح رکھ دیں۔

رام دیال کو اب میری بات رد کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھورتا رہا۔ شیاما اب تک خوف زدہ تھی۔ میں نے اپنے دوست کو اسی وقت پچیس ہزار روپے دیے' رام دیال بڑے ظرف کا آدمی تھا۔ اس نے ڈھکا منع کیا مگر میں روپے اس کے قدموں میں ڈال کر چلا آیا۔ اسی گھر سے مجھے انکا ملی تھی۔ رام دیال نے برے وقت میں میری ہمیشہ مدد کی تھی۔ چلتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے' اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کامنی کا خیال دل سے نکال دے گا۔ شیاما مجھے احسان مندانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں وہ عقیدت اور محبت دیکھی جو پہلے میں نے اپنے لیے کبھی کسی کی آنکھ میں نہیں پائی تھی۔ وہ الفاظ میں اس کی کیفیت کا اظہار مشکل ہے۔ میں نے شیاما کے بارے میں رام دیال سے کچھ بھی نہیں کہا اور ان دونوں کو بمبئی مدعو کر کے چلا آیا۔ میں نے ان سے کہا۔ "جب میں تمہیں خط لکھوں تو تم فوراً آ جانا۔" مجھ پر رام دیال کے احسانات کا بوجھ تھا جو میں اس وقت پوری طرح نہ اتار سکا۔ میرا دل فیاضی پر آمادہ تھا۔ میں نے خود کو سمجھایا۔ "جمیل احمد خان' تم بہت برے آدمی ہو۔ کچھ کام ایسے کرتے رہو جن سے تمہاری برائیوں کی کچھ نہ کچھ تلافی ہوتی رہے۔" مجھے یقین تھا یہ رقم ان دنوں میاں بیوی کے تعلقات پھر سے استوار کرنے میں بڑی معاون ثابت ہوگی۔

اسی دن دوپہر کو ہم لوگ کشمیر جنت نظیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں کشمیر کے اس مقام کا نام نہیں لکھ رہا ہوں جو اپنے خوب صورت مناظر کے لیے دور دور تک مشہور ہے۔ انکا نے اسی جگہ پر آنے کا اصرار کیا تھا۔ وہاں ہم نے ایک بڑا سا خوب صورت بنگلا کرائے پر لے لیا اور چند مقامی لوگوں کو ملازم رکھ لیا۔

کشمیر کی سرد اور لطیف آب و ہوا نے نرگس کی صحت پر خاطر خواہ اثر ڈالا۔ میں نے نرگس کے علاج کے لیے بمبئی سے ایک ڈاکٹر اور دو نرسوں کو بلوا لیا تھا۔ یہ لوگ ہر وقت اس کا خیال رکھتے تھے۔ میں خود بھی اپنا زیادہ وقت نرگس کے قریب گزارتا تھا۔ البتہ انکا سیر و تفریح کی غرض سے مجھے کبھی کبھی گھر سے باہر لے جایا کرتی تھی۔ کوئی دس دن بعد انکا کو غذا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں اس زمانے میں نرگس کی بیماری کی وجہ سے بے کیفی کے دن گزار رہا تھا۔ اس لیے میں نے انکا کو اجازت دے دی کہ وہ ایک دو دن کے لیے کسی اور کے سر پر چلی جائے اور اپنی غذائی ضرورت پوری کر کے واپس آ جائے۔ مجھے نہیں معلوم کہ انکا نے اپنے لیے کیا انتظام کیا تھا' ڈیڑھ ماہ تک تو میری انکا سے بات چیت بھی بہت کم ہوئی مگر

ڈیڑھ ماہ تک میری توجہ اور ڈاکٹر کی تیمارداری نے نرگس کو صحت مند بنا دیا۔ وہ اب پوری طرح تندرست ہو گئی تھی' بالکل ویسی ہی جیسی شادی سے پہلے تھی۔ اس کے رخساروں پر سرخی آ گئی تو میں نے نرگس کے غسل صحت کے سلسلے میں اس مقام پر ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا اور دل کھول کر نرگس کا جشن صحت منایا۔ دن بھر غربا میں روپے اور کپڑے تقسیم ہوتے رہے' نرگس کی مرضی یہی تھی۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے خیرات کرتی رہی۔ شام کو میں نے دعوت کا انتظام کیا تھا۔ دعوت میں علاقے کی تقریباً نصف آبادی شریک ہوئی۔ رات کو ناچ رنگ کی محفل منعقد کی گئی۔ یہ اصل میں ایک طرح سے انکا کی بازیابی کا جشن بھی تھا۔ رقص کی محفل میں لکھنؤ اور بمبئی کی نامور رقاصاؤں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ رقص و سرور کے اس ہنگامے میں' صرف مخصوص افراد مدعو کیے گئے تھے۔ مقامی افسران کے علاوہ مضافات کے افسر بھی شریک تھے۔ اس دعوت کا پورا انتظام نرگس کی تیمارداری کے لیے بمبئی سے آئے ہوئے ایک نوجوان ڈاکٹر شرما نے کیا تھا۔ وہ ایک منچلا شخص تھا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے دعوت نامے لکھے اور تقسیم کیے' مجھے پیسے خرچ کرنے میں کوئی عذر نہیں تھا۔ پیسہ کمانے میں اتنا مزہ نہیں جتنا خرچ کرنے میں ہے۔ اس فیاضی اور شاہ خرچی سے میری انا کی تسکین ہوتی تھی میرے زخم بھرتے تھے۔ میں خود اپنی نظر میں بلند ہوتا تھا اور مجھے ویسے بھی پیسے کی طرف سے فکر کی ضرورت نہیں تھی' انکا جو موجود تھی۔

رقص و سرور کا اہتمام ایک ایسے میدان میں کیا گیا تھا جو پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس وسیع و عریض لان پر شامیانے نصب کیے گئے اور انہیں قمقموں سے آراستہ کیا گیا۔ رات ہوئی تو یہ راجا اندر کا دربار بن گیا۔ محفل میں مشروبات کا دور چل رہا تھا۔ نرگس آج بڑی خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔ میں اس کے ساتھ اگلی صف میں بیٹھا ایک مغنیہ کی نغمہ سرائی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ عجب دلکش منظر تھا کہ انکا میرے سر سے رینگ کر میرے بائیں کاندھے پر آئی اور بولی۔

''جمیل۔ وہ دیکھو ڈپٹی کمشنر کے برابر سیدھے ہاتھ پر جو نوجوان بیٹھا ہے' اسے جانتے ہو؟''

مجھے اس وقت انکا کی مداخلت گراں گزری پھر بھی میں نے آہستہ سے نظر گھما کر اس شخص کو دیکھا جو ڈپٹی کمشنر کے سیدھے ہاتھ پر بیٹھا تھا۔ صورت و شکل سے وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد نظر آتا تھا۔ بے حد خوب صورت اور خوش باش تھا۔ میں نے آج اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ میں نے جن افراد کو مدعو کیا تھا' وہ ان میں سے نہیں تھا۔ ممکن ہے ڈاکٹر شرما نے اسے مدعو کیا ہو یا شاید وہ ڈپٹی کمشنر کا مہمان ہو۔ میں نے خصوصاً ڈپٹی کمشنر کو اور بعض دوسرے افسروں کو کچھ دعوت نامے بھی بھیجے تھے تاکہ وہ اپنے ملنے جلنے والوں کو ساتھ لا سکیں۔ وہ شخص انہی میں سے کوئی معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے انکا کے سوال پر نفی میں سر ہلایا۔

''اس کا نام راج کمار ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے دور کے عزیزوں میں سے ہے۔ بمبئی اور دہلی میں اس کا

وسیع کاروبار ہے' لاکھوں میں کھیلتا ہے' کل ہی کشمیر آیا ہے۔ ڈاکٹر شرما بھی اسے جانتا ہے۔''

انکا مجھے اس نوجوان کے بارے میں بتاتی رہی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر انکا کو اس میں دلچسپی کا کون سا پہلو نظر آ گیا۔ معاً میں نے سوچا کہ کہیں وہ اس نوجوان کے خون سے اپنا پراسرار وجود سیراب کرنے کا منصوبہ تو نہیں بنا رہی ہے؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ انکا نے چونکا دیا۔

''راج کمار تمہارا رقیب ہے۔''

''میرا رقیب۔ وہ کیسے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کلدیپ تمہاری محبوبہ ہے۔ یہ بھی اس کا امیدوار ہے۔''

''ہو گا مجھے کیا۔'' میں نے بظاہر بے نیازی سے کہا۔

''کھلبلی مچ گئی تمہارے دل میں۔'' انکا نے شرارت سے کہا۔

''میرے پاس نرگس موجود ہے۔''

''سوچ لو پھر بعد میں کچھ نہ کہنا۔ یہ نوجوان آج کل کلدیپ کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے والدین نے کلدیپ کے والدین سے مل کر رشتے کی بات پکی کر لی ہے لیکن کلدیپ اس سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے اور راج کمار سے شادی کرنے پر موت کو ترجیح دیتی ہے جانتے ہو کیوں؟''

''کیوں؟''

''وہ پگلی تمہاری محبت میں دیوانی ہو رہی ہے۔ ایک ہفتے بعد اسی مقام پر کلدیپ اور راج کمار کی منگنی ہونے والی ہے۔ سارا پروگرام طے ہو چکا ہے۔ دو روز بعد کلدیپ کے گھر والے یہاں آ جائیں گے لیکن اس کے بعد کیا ہو گا' یہ میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

''اوہو۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ تم نے یہ مقام کیوں منتخب کیا تھا۔'' میں نے انکا سے کہا۔ ''تم آفت کی پرکالہ ہو۔''

لکھنؤ سے آئی ہوئی ایک طوائف نے رقص شروع کر دیا۔ انکا سے میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ مجھے مہمانوں کا خیال رکھنا تھا لیکن دل میں ایک پھانس اٹک گئی۔ کلدیپ کا بار بار ذکر کر کے انکا نے میرے اشتیاق کو ہوا دے دی تھی۔ سامنے ایک گل اندام طوائف اپنے بدن کے لوچ کا ہوشربا مظاہرہ کر رہی تھی مگر مجھے کلدیپ یاد آ رہی تھی۔ راج کمار کے تصور سے بچنے کی کوشش کے باوجود میری نظریں بار بار جا کر اس پر جم جاتی تھیں۔ کئی مرتبہ ہم دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور ہر مرتبہ کچھ جھینپ کر رقص کی

طرف مڑ گئیں۔ کلدیپ ایک نفیس اور حسین لڑکی اس نوجوان کے پہلو کی زینت بنے گی۔ مجھے پونا میں کلدیپ کے ساتھ گزاری ہوئی شامیں اور وہ خوشبوئیں یاد آ گئیں جو کلدیپ اپنے لباس پر لگایا کرتی تھی۔ اسے میں نے محض تفریح اور تفنن کے لیے شیشے میں اتارا تھا مگر الٹا میں خود اس کے دل میں اتر گیا تھا۔ اس نے مجھے بمبئی فون کیا تھا۔ رخصت کرتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ مجھ سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔ بڑے دبے قدموں سے نہ جانے کس چور راستے سے جمیل احمد خان کے آوارہ ذہن میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کی بہت سی عادتیں اور ادائیں نرگس سے مشابہ تھیں۔ میں نے اسے کیوں چھوڑ دیا تھا' ہاں میں نے جسم و جان کی تمام راحتوں کے حصول کے یقین کے باوجود اسے چھوڑ دیا تھا پھر بھی زیاں کا کوئی احساس نہیں تھا شاید اس لیے کہ کلدیپ میں اپنی دوشیزگی برقرار رکھنے کی تمام اعلیٰ صفات موجود تھیں۔ وہ ان قدروں پر دل سے یقین رکھتی تھی جن کی رو سے عصمت و عفت عورت کی سب سے بڑی پونجی ہوتی ہے۔ وہ ان لڑکیوں سے مختلف تھی جن سے میں مل چکا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ مجھے گزشتہ دنوں بالکل یاد نہیں آئی۔

اب جب کہ انکا نے مجھے بتایا کہ وہ راج کمار کے ساتھ منسوب ہو چکی ہے تو مجھے ایسا لگا جیسے میری کوئی قیمتی شے مجھ سے چھینی جا رہی ہے۔ میں رقص کے اس ہنگامہ طرف میں اپنا دل نہ لگا سکا اور پہلو بدلنے لگا۔ انکا میری دلی کیفیت بھانپ کر بولی۔ ''جمیل' کیا خیال ہے اگر راج کمار کو ٹھکانے لگا دیا جائے؟ اس طرح تمہاری کلدیپ محفوظ ہو جائے گی۔ پھر وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''ذرا غور سے دیکھو۔ راج کمار کی رگوں میں کیسا گاڑھا اور سرخ سرخ خون جوش مار رہا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے اپنا ذہن رقص اور نرگس میں لگانا چاہا لیکن انکا مداخلت سے باز نہیں آئی۔ کچھ وقفے بعد بولی۔ ''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''میرے پاس نرگس موجود ہے انکا۔ کلدیپ کی شادی ہو جائے تو اچھا ہے، اس کی موجودگی میں' میں نرگس سے وفا نہیں رہ سکوں گا۔'' میں نے انکا کی پیشکش مسترد کر دی۔

''مگر کلدیپ راج کمار سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''تو میں کیا کروں۔''

''وہ تمہاری محبت کا دم بھرتی ہے اور تم اس کے دل میں آگ لگا کر خاموش بیٹھے ہو؟ یہ تو بڑی سنگ دلی ہے۔'' انکا نے طنزاً کہا۔

''میری بات چھوڑو۔ ہاں یہ کہو کہ راج کمار کے سرخ و سفید رنگ پر تمہارا دل آ گیا ہے۔'' میں نے چٹکی لی۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں تو راج کمار کو صرف تمہارے اور کلدیپ کے لیے راستے سے ہٹانا

چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں کلدیپ کی زندگی پیاری ہے تو راج کمار کو ختم کر دو ورنہ وہ ایسی لڑکی ہے کہ جان دے دے گی مگر راج کمار سے شادی نہیں کرے گی۔''

''ایسی بات ہے تو پھر میں تمہیں راج کمار کا خون فراہم کر دوں گا مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہی نہ کہ میری الجھنیں بڑھ جائیں گی۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''تمہاری اجازت ہو تو میں ابھی راج کمار کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کر دوں؟'' انکا نے جلد بازی کی۔

''ابھی نہیں۔ کلدیپ کو کشمیر آ لینے دو۔ میرے ایثار کا مظاہرہ اسی کے سامنے ہو تو خوب رہے گا۔''

''تو تم تیار ہو گئے؟'' انکا نے مزاحیہ انداز میں یہ جملہ کہا اور میرے کاندھے سے ہٹ کر میرے سر پر چلی گئی۔ جتنی دیر محفل منعقد رہی' انکا کی نظریں برابر راج کمار کے چہرے پر مرکوز رہیں۔ میرا دل' ہی اب رقص و سرور سے اکتا چکا تھا۔ صرف نرگس کی خاطر میں وہاں بیٹھا رہا اور بظاہر ہنستا بولتا رہا۔ محفل کے اختتام پر راج کمار مجھ سے الوداعی مصافحہ کرنے آیا اور ڈپٹی کمشنر نے اس کا تعارف کرایا تو میں نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ سے ایک باقاعدہ ملاقات کو دل چاہتا ہے۔''

''یہ بڑے جامہ زیب نوجوان ہیں۔ ہر شخص اس سے ملنے کا مشتاق ہے۔'' ڈپٹی کمشنر نے لقمہ دیا۔

''میں آپ سے ضرور ملوں گا۔ ویسے آج کی تقریب دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ آپ کا ذوق کس قدر لطیف ہے۔'' راج کمار نے بڑی شائستگی سے کہا۔

جب یہ تقریب ختم ہو گئی تو میں تھکا ہارا اپنے کمرے میں گیا۔ نرگس گلابی لباس میں سراپا بہار معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ایک بہت ہی حسین و جمیل عورت کے روپ میں میرے سامنے کھڑی تھی' میری قلوپطرہ' میرا دل' میری زندگی۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''جمیل۔ میرے سرتاج' آج میں بہت خوش ہوں۔ میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔ اگر آپ نے سہارا نہ دیا ہوتا تو میں اب تک منوں مٹی کے.........''

میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو اور پھر شکر گزاری' سہارا' یہ تم آج کیسی باتیں کرنے لگیں۔ یقین کرو اگر مجھے تمہارا خیال نہ ہوتا تو میں کب کا مر چکا ہوتا۔ تمہاری یاد نے ہمیشہ مجھے پستی سے اٹھایا' میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ایک تم تھیں سو تم بھی بچھڑ گئی تھیں۔ اب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا نرگس۔''

''سچ؟'' نرگس نے شوخی سے کہا۔

''اچھا۔'' میں نے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ''واقعی تم صحت مند ہو گئی ہو۔'' پھر میں نے

اسے اپنی پیاسی بانہوں میں سمیٹ لیا۔اس کے قرب سے مجھے روحانی مسرت حاصل ہوئی۔

''نہیں۔کیا کرتے ہیں آپ۔'' نرگس شرما کر بولی۔''انکا دیکھ رہی ہوگی۔''

''انکا بہت بے غیرت ہے۔آج ایک عرصے بعد۔۔۔۔۔نہ جانے کتنے صدموں اور کتنی قیامتوں کے بعد تمہارا قرب نصیب ہوا ہے۔آج انکا کا بہانہ نہ کرو۔آج تو تم مجھے اپنے اندر سمیٹ لو۔میں رونا چاہتا ہوں۔میں نے جذبات سے مغلوب ہوکر کہا۔

''کیوں؟ خدانخواستہ!'' پھر وہ چھوئی موئی کے پودے کی طرح شرما کر اپنے وجود میں سمٹ گئی۔انکا نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''جمیل میں کمرے سے باہر جارہی ہوں۔صبح ملاقات ہوگی' تم نرگس کو بتادو کہ میں مخل نہیں ہوگی۔میں ذرا اِدھر اُدھر کی خبریں لے آؤں۔''

میں نے نرگس کو انکا کا پیغام سنایا تو اس نے شرم کے مارے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔انکا حقیقتاً جاچکی تھی۔میں نے خواب گاہ کا دروازہ بند کرلیا۔

نرگس مل گئی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب کچھ مل گیا ہے پھر مجھے کہیں کا ہوش نہ رہا۔میں نرگس میں گم ہوگیا۔دوتین روز تک میں نے انکا کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی لیکن چوتھے روز انکا نے از خود مجھے بتایا کہ کلدیپ اپنے خاندان والوں کے ساتھ کشمیر آچکی ہے تو مجھے پہلی بار خاصی سنجیدگی سے اس مسئلے پر سوچنا پڑا۔میرے ذہن میں ایک شدید کشمکش پیدا ہوگئی۔کیا میں نرگس کی موجودگی میں کلدیپ کا تصور کر کے نرگس کو دھوکا دے رہا ہوں؟ نہیں! میں نے خود کو جواب دیا۔نرگس مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا پھر کلدیپ کی طرف یہ جھکاؤ کیوں؟ اس لیے کہ نرگس کے بعد کلدیپ ہی وہ لڑکی ہے جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔کیا ایک شخص بیک وقت دولڑکیوں سے محبت نہیں کرسکتا؟ کرتو سکتا ہے مگر پھر وہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی خوش نہیں رکھ سکتا۔حالانکہ محبت ایک فطری جذبہ ہے۔کلدیپ کا ذکر سن کر اور اس کی سمت میری وارفتگی دیکھ کر نرگس پر ایک قیامت گزر جائے گی۔یہی حال کلدیپ کا ہوگا۔میں دونوں کو مطمئن نہ کرسکوں گا پھر مجھے کلدیپ کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔یہی ٹھیک ہے کہ وہ راج کمار سے وابستہ رہے مگر وہ راج کمار سے محبت نہیں کرتی۔وہ تو مجھے چاہتی ہے اور میں بھی، جب یہ خیال کرتا ہوں کہ وہ راج کمار کے پاس چلی جائے گی تو سینے میں آندھیاں سی چلنے لگتی ہیں۔مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔آگے کچھ بھی ہو۔اس وقت مجھے کلدیپ کو بچانا ہوگا۔مجھے راج کمار کو راستے سے ہٹا دینا چاہیے۔اس کے بعد ممکن ہے خود بخود کوئی صورت نکل آئے۔میرے ذہن نے تمام اندیشوں پر غور کیا اور آخر میرا دماغ میرے دل کے ہاتھوں مجبور ہوگیا۔میں نے طے کرلیا کہ راج کمار کا خون انکا کو فراہم کروں گا۔راج کمار کو ختم کرانے کے لیے میرا ایک اشارہ کافی

تھا لیکن میں کسی ایسے موقع کا منتظر تھا کہ راج کمار بھی مرجائے اور کلدیپ کو بھی اس بات کا احساس ہوجائے کہ میں نے اس کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے، کیسا خطرہ مول لیا ہے۔کیا قربانی دی ہے۔

انکا میری ہدایت پر کلدیپ اور راج کمار کی معروفیات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔اگلے دو روز تک مجھے کوئی سنہری موقع ہاتھ نہ آیا لیکن تیسرے روز جب میں دوپہر کو نرگس کے ساتھ محو خواب تھا تو اپنے سر پر انکا کے تیز پنجوں کی چبھن سے جاگ گیا۔میں نے اسے ہڑبڑا کر دیکھا تو وہ تیزی سے بولی''جلدی اٹھو جمیل۔ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔کلدیپ راج کمار کے ساتھ بادل ناخواستہ ترائی کی سمت گئی ہے۔راج کمار اسے شیشے میں اتارنے کے لیے بضد ہے۔یہ موقع غنیمت ہے۔میں تمہیں اس جگہ لے چلتی ہوں جہاں وہ دونوں گئے ہیں۔''

انکا کی زبانی یہ خبر سن کر میں جلدی سے اٹھا' لباس تبدیل کیا اور ایک نظر نرگس پر ڈال کر آندھی اور طوفان کی طرح اس طرف چل دیا جہاں انکا نے رہنمائی کی تھی۔وہ جگہ کچھ زیادہ دور نہیں تھی۔میں دوتین فرلانگ کی پختہ سڑک کے کنارے بھاگتا ہوا اس مقام کی طرف چل پڑا، جہاں کلدیپ اور راج کمار کے ملنے کا امکان تھا۔میرا ذہن بہت تیزی سے منصوبے بنا رہا تھا۔ترائی کا راستہ ہر چند کہ مخدوش تھا اور اندازے کی ایک معمولی غلطی مجھے سینکڑوں فٹ نیچے گرا سکتی تھی لیکن ایک تو انکا میرے ساتھ تھی' دوسرے کلدیپ کا خیال مجھے بے چین کیے ہوئے تھا۔میں تیز رفتاری سے بڑھتا رہا پھر ایک جگہ انکا نے ٹوک کر مجھے روک دیا۔میں نے ایک درخت کی آڑ لے لی۔سامنے والے درخت کے قریب کلدیپ اور راج کمار موجود تھے۔ان دونوں کی جوڑی۔یقیناً ایک مناسب جوڑی تھی۔کلدیپ کو ایک بار پھر سامنے دیکھ کر پونا میں گزارے ہوئے سہانے دن یاد آگئے۔میں ایک ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں فاصلہ زیادہ نہ تھا اور میں ان کی گفتگو آسانی سے سن سکتا تھا۔

میں وہ گفتگو یہاں نہیں لکھ رہا ہوں۔وہ کسی پرانی فلم یا تھیٹر کا کوئی منظر تھا جس میں کوئی مضطرب عاشق اپنی سنگدل محبوبہ کو رام کرنے کے لیے ڈرامائی مکالمے بولتا ہے۔راج کمار بھی اسی انداز کے مکالمے ادا کررہا تھا۔کلدیپ نے شروع شروع میں تو اسے ٹالنا چاہا لیکن آخر صاف لفظوں میں انکار کردیا کہ اس کا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔راج کمار اپنے دھن دولت کا ذکر اور محبت کے بڑے بڑے دعوے کررہا تھا اور جس قدر بھی وہ مصر ہوتا' اسی قدر کلدیپ اسے مایوس کردیتی۔آخر راج کمار نے اس سے اس بے نیازی اور بے رخی کا سبب پوچھا اور کہا'' کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اپنے من مندر میں کسی اور پریمی کو بسا چکی ہو؟'' اس سوال پر کلدیپ نے اسے درشت انداز میں جھڑک دیا۔ان دونوں کی گفتگو انکار اصرار اور اصرار انکار کے بعد تلخ ہوگئی اور آخر راج کمار سے برداشت نہ ہوسکا۔اس نے طیش میں نہ جانے کیا کہا جو میں صاف نہیں سن سکا۔کلدیپ اس پر شدید برہم ہوگئی اور اس نے راج کمار کے گال پر

ایک زوردار طمانچہ جڑ دیا۔ انکا بار بار میرے سر سے اتر جاتی تھی اور میرا خیال ہے کہ اس ڈرامے کی سنسنی خیزی میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

راج کمار اس توہین آمیز رویے کی توقع نہیں کرتا تھا۔ اس نے جلال کے عالم میں کلدیپ کی کلائی پکڑ لی۔ کلدیپ نے سخت سست کہہ کر اس سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ یہ صورت بہت جلد دھینگا مشتی اور گالم گلوچ میں تبدیل ہوگئی۔ اس موقع پر مجھے دخل دینا تھا۔ انکا نے اشارہ کیا اور میں راج کمار کی دست درازی اور کلدیپ کی بے بسی دیکھ کر غصے کی حالت میں سامنے آگیا۔ اس وقت اس مقام پر سناٹا تھا۔ شاید راج کمار نے کلدیپ سے دوٹوک گفتگو کرنے کے لیے یہ جگہ خاص طور پر منتخب کی تھی۔ میں نے سامنے آتے ہی راج کمار کو للکارا "کمینے ایک عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ اگر مرد ہے تو مجھ سے مقابلہ کر۔"

راج کمار نے میری آواز سن کر کلدیپ کو چھوڑ دیا اور مجھے سخت وحشت ناک نظروں سے دیکھنے لگا۔ کلدیپ آزاد ہوتے ہی دیوانہ وار بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور آتے ہی میرے پہلو سے لگ گئی۔
"جمیل تم یہاں کیسے؟ بھگوان کی کرپا ہے کہ اس نے تمہیں میری مدد کو بھیج دیا۔ مجھے اس جنونی شخص سے بچاؤ۔"

"بہت خوب۔" راج کمار نے موقع کی نزاکت سے حالات کی اصلیت بھانپتے ہوئے زہرخند سے کہا "خوب! تو یہ ہے وہ مُنڈا مسلا' جو تجھ سے پریم کرتا ہے۔ میں ابھی اسے دیکھتا ہوں۔" پھر اس نے مجھے مخاطب کیا "جمیل احمد خان۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم سے دوبارہ اس طرح ملاقات ہو رہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤ۔ اپنا راستہ ناپو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

میں نے کہا "نادانی کی باتیں نہ کر۔ اپنی اوقات میں رہ۔ تو مجھے نہیں جانتا۔ بکواس بند کر۔"

راج کمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا "جمیل احمد خان۔ تو جانتا ہے کہ میں ڈپٹی کمشنر کا کون ہوں۔ اپنی حرکتوں سے باز آجا نہیں تو تباہ و برباد ہو جائے گا۔"

"ڈپٹی کمشنر کیا بیچتا ہے۔ الو کے پٹھے۔ اس کا حوالہ دے رہا ہے۔ سور کی اولاد۔" میں گالیاں بہت کم بکتا تھا لیکن نہ جانے اس وقت کون کون سی گالیاں میری زبان پر آرہی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت انکا نے مجھے مخاطب کیا "جمیل، راج کمار کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ تمہیں اتنی ڈھیل نہیں دینی چاہیے۔ اس کی جیب میں ریوالور بھی موجود ہے۔ تم اس کی گولی سے بچ سکتے ہو لیکن تمہارے پہلو میں کلدیپ ہے۔"

میں نے انکا کے جواب پر اثبات میں سر ہلایا لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی قدم اٹھاتا یا سوچتا، راج کمار نے پھرتی سے ریوالور نکال لیا اور اس کا رخ میری طرف کرتے ہوئے بولا "جمیل احمد خان، تم نے

ایک ہندو ناری کو ورغلا کر ہمارے دھرم کا اپمان کیا ہے۔ میرا اپمان کیا ہے۔ میں اس کی سزا صرف اور صرف یہی دے سکتا ہوں کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں۔"

اسی لمحے کلدیپ چلائی "نہیں نہیں۔ تم انہیں نہ مارو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم سے شادی کرلوں گی۔"

"تجھ ویشیا سے کون شادی کرے گا۔" راج کمار دھاڑا "ہٹ جا سامنے سے نہیں تو اس کے ساتھ ساتھ تجھے بھی ختم کرنا پڑے گا۔"

انکا پھرتی سے میرے سر سے رینگ کر اتر گئی۔ کلدیپ نے مجھے خطرے میں محسوس کیا تو میرے جسم کی آڑ لے لی اور راج کمار سے بولی۔ "کٹھور، شیطان۔ اگر تجھے گولی مارنی ہے تو پہلے مجھے مار۔ جب تک میں زندہ ہوں، تو جمیل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

کلدیپ کے اس جذبے نے مجھے بے پناہ متاثر کیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اسے ہٹانے کی کوشش کی اور کہا "بچہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ دیکھتی رہو یہ کس طرح اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔" میں راج کمار کو حقارت کی نظروں سے گھور رہا تھا۔ انکا میرا اشارہ پا چکی تھی۔ چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور کلدیپ پر اپنی روحانی قوتوں کا سکہ جمانے کی خاطر میں نے تحکمانہ لہجے میں راج کمار کو مخاطب کیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"احمق نوجوان۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی سے لگا کر گولی داغ دے۔"

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کلدیپ کے لیے یقیناً حیرت انگیز تھا۔ راج کمار نے کسی فرماں بردار شاگرد کی طرح اپنا ہاتھ بلند کیا اور ریوالور کی نال اپنی کنپٹی سے لگالی اور بے جھجک لبلبی دبا دی۔ خوفناک دھماکے کے ساتھ ہی وہ کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین پر گرا اور ٹھنڈا ہوگیا۔ انکا فوراً میرے سر پر آکر بولی "جمیل، تم جلدی سے کلدیپ کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ جب اس کی لاش دریافت ہوگی تو اس کی جیب سے اس کی اپنی تحریر میں ایک خط بھی برآمد ہوگا جس میں خودکشی کرنے کا سبب موجود ہوگا۔ میں اب اپنی پیاس بجھانے جا رہی ہوں۔ جمیل تمہارے دشمن کا خون مجھے بہت لذت بخشے گا۔"

اب میرا وہاں رکنا مصلحت کے خلاف تھا۔ کلدیپ کو لے کر اوپر آگیا اور جمیل کی طرف چلنے لگا۔ جمیل میرے بنگلے سے تین چار میل کے فاصلے پر تھی۔ راج کمار کی پراسرار اور حیرت انگیز موت نے کلدیپ کو گونگ کر دیا تھا۔ راستے بھر وہ چپ رہی۔ ہاں کبھی کبھی کن انکھیوں سے مجھے دیکھنے لگتی تھی۔ جمیل پر پہنچ کر میں اسے ایک ویران حصے کی طرف لے گیا۔ کچھ دیر بعد کلدیپ کا خوف دور ہوا تو وہ میرے سینے سے سر ٹکا کر بولی "جمیل، تم مجھے کیوں چھوڑ گئے تھے۔ میں بمبئی بھی گئی تھی لیکن وہاں تمہارا پتا نہ چلا۔ میں تمہیں ہر جگہ ڈھونڈتی رہی۔"

میں دیر تک کلدیپ کو اِدھر اُدھر کی باتوں سے بہلاتا رہا۔ میں نے اس سے شدید محبت کا اظہار کیا

لیکن رہ رہ کر ایک خیال آڑے آ رہا تھا۔ اس شدید محبت کا انجام بڑا ہولناک ہو گا۔ نرگس کلدیپ کو کیسے برداشت کرے گی اور خود کلدیپ' نرگس کا نام سنے گی تو کتنی بھپرے گی۔ میرے ذہن میں کشمکش جاری تھی۔ کلدیپ کو دوبارہ اپنے قریب دیکھ کر میرے ہوش و حواس معطل ہو گئے تھے۔ وہ خوف کے باوجود اتنی ہی حسین تھی جتنی پونا کے کلب میں نظر آتی تھی۔ کیا میں کلدیپ کو سب کچھ بتا دوں؟ اس طرح تو میں اس حسین لڑکی سے محروم ہو جاؤں گا مگر نرگس کو میں کسی قیمت پر دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سرمستی کے عالم میں' ایک حسین و جمیل لڑکی کی دلنشین صحبت کے باوجود' دل پر جبر کر کے فیصلہ کر لیا کہ کلدیپ کو نرگس کے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔ میں نے باتوں باتوں میں اس سے کہہ دیا کہ میری شادی ہو گئی ہے لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ کلدیپ نے بڑے تحمل سے یہ بری خبر سن لی اور توقع کے خلاف میرے قدم چھو کر کہنے لگی "جمیل' مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے۔ تم صرف اتنا کرو کہ مجھے خود سے الگ نہ کرو۔ میں تمہارے قدموں میں اپنا سارا جیون بتا دوں گی۔ میں تمہاری بیوی نرگس کی بھی سیوا کروں گی۔"

کلدیپ نے کچھ دیر پہلے مجھے بچانے کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی اور اب وہ میری کنیز تک بننے کے لیے تیار تھی۔ میں نے اس کی محبت کی شدت کا اندازہ لگایا تو بے اختیار اس کی جانب کھنچنے لگا۔ کلدیپ کے سوگوار سے چہرے پر اس وقت بھی سارے جہان کا حسن سمٹ آیا تھا' میں نے آہستہ سے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور پہلی بار اس کے ہونٹوں پر محبت کی مہر ثبت کی۔ کلدیپ کے انداز میں خود سپردگی تھی۔ میں نے اسے گھاس کے نرم بستر پر گھسیٹ لیا اور اپنی آغوش میں لے کر وعدہ کیا کہ میں اس سے قریب رہوں گا۔

کلدیپ کا حسین قرب اس پر فضا مقام کی رنگینیاں دوبالا کر رہا تھا۔ میں اس کی زلفوں سے کھیل رہا تھا کہ یک لخت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر آ گئی ہو۔ مجھے حیرت ہوئی۔ گزشتہ تجربوں کی بنا پر مجھے یقین تھا کہ وہ چھ سات گھنٹوں سے پہلے واپس نہیں لوٹے گی۔ انسانی خون سے اپنا وجود سیراب کرنے میں وہ عموماً اتنا ہی وقت لیتی تھی۔ میں نے سر پر نظر ڈالی تو انکا واقعی موجود تھی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے ابل رہے تھے۔ چہرہ غیظ و غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر گاڑھا گاڑھا تازہ خون جما ہوا تھا۔ انکا کو اس کیفیت میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کسی نامعلوم خطرے کے احساس سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔

"کیا بات ہے انکا؟ کیا راج کمار کا خون پسند نہیں آیا؟"

"جمیل' میرے جمیل۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔" انکا نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"خیریت تو ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

"جمیل۔" انکا سسک پڑی "انسانی خون میری واحد غذا ہے' میں خون پیتے وقت دنیا کی تمام باتوں سے بے نیاز ہو جاتی ہوں' یہی وجہ تھی جو پنڈت بدری نرائن اپنا وار کر گیا۔"

انکا کے آخری الفاظ کسی خطرناک آتش گیر مادے کی طرح میرے ذہن میں پھٹے۔ میں کلدیپ کو جھٹک کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک لمحے میں ہزاروں وسوسے میرے دماغ میں گھوم گئے۔ میرا دل اچھلنے لگا۔ میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

"جلدی بتاؤ۔ انکا۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ بدری نرائن کیا وار کر گیا؟"

"تم فوراً گھر پہنچو جمیل۔ میں اس نابکار پنڈت کو گھیرنے جا رہی ہوں' نرگس مجھے بھی بہت عزیز تھی مرے آقا۔"

انکا اس جملے کے اختتام کے ساتھ ہی میرے سر سے اتر گئی' نرگس کا نام سن کر میرا دماغ چکرا گیا۔ میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں کلدیپ سے کچھ کہے بغیر دیوانوں کی طرح طوفانی رفتار سے گھر کی طرف بھاگا۔ گھر پہنچ کر میں پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا لیکن دروازے پر ہی ایک جھٹکے سے رک گیا۔ نرگس کی حالت دیکھ کر جیسے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ میں پتھر کی بے جان مورتی کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا نرگس کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتا رہا۔ مجھے اپنی نگاہوں پر شبہ ہو رہا تھا۔ میرا دل سینے میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

نرگس کی نیم برہنہ لاش میری نگاہوں کے سامنے قالین پر پڑی تھی۔ اس کے بدن کے ایک ایک حصے پر چھوٹے چھوٹے بے شمار خنجر دستے تک پیوست نظر آ رہے تھے۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ موت کے اذیت ناک لمحوں میں اسے میرا انتظار تھا۔ میں بدنصیب اس وقت پہنچا' جب وہ اس دنیا سے' سب سے' مجھ سے اپنے تمام رشتے منقطع کر چکی تھی۔ اس نے ان مصائب سے نجات حاصل کر لی تھی جو میرے ساتھ رہ کر اس پر ٹوٹے تھے۔ وہ ختم ہو چکی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے میری روح بھی کھنچ رہی ہے۔ میں بھی زمین میں دھنس رہا ہوں۔ میری آنکھیں نرگس کی موت کا وہ ہولناک منظر دیکھ رہی تھیں' جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا تھا' یقین نہیں آتا تھا کہ اس وقت جو کچھ سامنے ہے یہ حقیقت ہے۔ یہ میری نظر کا دھوکا ہے یا کوئی طلسم ہے۔ میں پاگل ہو گیا ہوں یا کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں' مگر یہ تو حقیقت تھی۔ میری نرگس کا خون قالین سے نکل کر زمین پر جم چکا تھا۔ میں سہمی ہوئی نظروں سے وہ خون دیکھنے لگا اور میں نے اس میں اپنا ہاتھ رنگ کر زور زور سے طمانچے اپنے گال پر لگانے شروع کر دیئے اور بری طرح چیخنا شروع کر دیا۔ اس طرح بھی مجھے کچھ سکون نہ ملا تو میں نے دیوار سے اپنا سر پھوڑنا شروع کر دیا۔ میرا ماتھا لہولہان ہو گیا۔

اس نرگس کے لیے میں نے کیسی کیسی رسوائیاں نہ مول لی تھیں' کہاں کہاں مارا مارا نہ پھرا تھا۔ وہ آئی تو اس نے میری ویران زندگی میں بہار بکھیر دی تھی۔ ابھی چند ہی دن ہوئے تھے کہ میں نے اس کا جشن صحت دھوم دھام سے منایا تھا۔ وہ اس وقت بڑی مسرور تھی لیکن یہ جشن تو بڑا منحوس ثابت ہوا۔ میں نے اپنا پراگندہ اور گھناؤنا ماضی بھلانے کا ارادہ کر لیا تھا اور نرگس کے ساتھ نئے سرے سے زندگی گزارنے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب مجھے ساری دنیا تاریک نظر آرہی تھی' میں پھر تنہا ہو گیا تھا 'اب سب کچھ لٹ چکا تھا۔'' ''ہائے نرگس'' میری چیخ میرا ہی دل لرزا گئی۔ میں اسے پکارتا ہوا اس کی لاش پر گر پڑا اور دیوانہ وار اس سے لپٹ گیا۔ دل پھٹ جانے کے لیے بے تاب تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان ابل پڑا۔ میں نے اس کا سر اٹھا کر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا اور پاگلوں کی طرح اس سے باتیں کرنے لگا۔ لمحے گزر گئے۔ میری دیوانگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ میرے گھر میں موت جو ہو گئی تھی۔ میں اپنی موت پر رو رہا تھا۔ میں نے اس کے بدن میں پیوست خنجر ایک ایک کر کے نکالے اور اس کی لاش سے ایک عہد کیا۔ میں نے کہا ''نرگس میری زندگی! اب تمہارے بغیر زندگی کیسی۔ مجھے تمہارے ساتھ مر جانا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں میری جان لیکن مجھے کچھ دن کیلئے اجازت دے دو۔ خدا کی قسم! میں یہی خنجر تمہارے دشمنوں پر آزماؤں گا۔ میں دنیا کے تمام پنڈت پجاریوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ بدری نرائن کی موت اتنی دردناک ہو گی کہ زمین اور آسمان کانپ اٹھیں گے۔ میں اسے بتاؤں گا کہ نرگس کی زندگی کی کیا قیمت ہے۔ نرگس یہ چند دنوں کی دوری ہے۔ میں جلد ہی تم سے آملوں گا۔''

میں اپنا حال خود کیا لکھوں۔ کون لکھ سکتا ہے۔ خوشی کی روداد لکھنا آسان ہے' غم کا اظہار مشکل ہے جب وہ لمحہ یاد کرتا ہوں تو لرز جاتا ہوں۔ جس پر کوئی ایسا غم پڑا ہو وہی میری شدت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ میں تو اتنا بدنصیب تھا کہ میرا کوئی شریک غم بھی نہ تھا۔ میں کسی کے گلے لگ کر اپنے دل کا غبار بھی نہیں نکال سکتا تھا۔ دو ایک ملازم آئے تو یہ منظر دیکھ کر مجھ سے کچھ پوچھنے اور میری تسلی کرنے کے بجائے بھاگ گئے۔ مجھے اپنا ہوش ہی کہاں تھا۔ نہ جانے میں نرگس سے کیا کیا عہد و پیماں باندھتا رہا۔ شام کے دھندلکے پھیل کر گہرے ہو گئے۔ کمرے میں تاریکی بڑھ چکی تھی' میری زندگی کی سب سے سیاہ رات سر پر تھی۔ تاریکی بڑھی تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ میں نے اپنا سر نرگس کے سر پر رکھ دیا۔ میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک کمرے کی تاریکی روشنی میں تبدیل ہو گئی۔ میں چونکا اور پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا تو پولیس کے دس بارہ سپاہی باقاعدہ رائفل تانے کھڑے تھے۔ سب سے آگے مقامی ایس پی مہتا سینہ تانے کھڑا مجھے بے رحم نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں نے نرگس کا سر آہستہ سے قالین پر رکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک نظر میں نے اپنے ہاتھوں اور جسم پر ڈالی تو مجھے احساس ہوا کہ میرا لباس' ہاتھ اور بازو خون

سے رنگے ہوئے ہیں۔ ایس پی نے میری حالت اور لاش پر غور کیا تو چونک کر بولا' ''اور..... آئی سی۔ ایک قتل یہاں بھی ہوا ہے۔''

میرا ذہن پہلے ہی الجھا ہوا تھا' اب نرگس کی موت کو کوئی دوسرا رنگ دیے جانے کے خیال سے اور الجھ گیا۔ پولیس کی بے وقت آمد نے میرے رہے سہے اوسان بھی معطل کر دیے۔ انکا بھی سر پر موجود نہیں تھی۔ میں نے ایس پی مہتا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ وہ مجھ سے بخوبی واقف تھا لیکن اس کے تیور خطرناک تھے۔ وہ رعونت سے بولا۔

''خوب مسٹر جمیل احمد خان۔ میں تمہیں ایک شریف اور مہذب آدمی سمجھتا تھا' تم تو چھپے رستم نکلے۔ اس بار اچھی ملاقات ہوئی۔''

''مہتا صاحب! یہ کس جمیل احمد خان کا نام لے رہے ہو جمیل احمد خان تو مر گیا۔ تمہارے سامنے تو اس کی لاش ہے۔'' میں نے گریہ کرتے ہوئے کہا۔

''عادی مجرم معلوم ہوتے ہو' اچھی گفتگو کرتے ہو' اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ' سیدھی طرح میرے ساتھ چلو۔'' مہتا کے لہجے میں گرج چمک تھی۔

''کہاں لے چلو گے پیارے۔'' میں نے طنزیہ کہا۔ ''اب میرا کیا کرو گے مہتا جی۔''

''زیادہ باتیں نہ بناؤ۔'' مہتا گرجدار آواز میں بولا پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ''گرفتار کر لو اسے بہت چرب زبان معلوم ہوتا ہے۔''

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ رائفل بردار سپاہیوں نے لپک کر مجھے گھیر لیا۔ ایک سپاہی نے جھپٹ کر میری کلائی پر گرفت مضبوط کی پھر ہتھکڑی ڈال دی۔ میں نے جدوجہد کی کوشش کی لیکن جلد ہی بے بس ہو گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میں ایک بڑے خطرے میں گھر گیا ہوں۔ ایک لمحے میں ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے مہتا کو قہر آلود نظروں سے گھور کر کہا۔

''تم انسان نہیں درندے ہو۔ ذرا اتنا تو خیال کرو کہ میری بیوی کی لاش گھر میں موجود ہے یہ وقت تم پر بھی آسکتا ہے۔ تم نے مجھے میرا جرم بتائے بغیر گرفتار کیا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' مہتا غرایا۔ ''ڈپٹی کمشنر کے بس میں ہوتا تو وہ تمہیں سنگسار کرانے کا حکم دے دیتے۔ تم نے راج کمار کو قتل کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے۔''

''میں کسی راج کمار کو نہیں جانتا۔'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''تمہارے ڈپٹی کمشنر کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''کلدیپ کو جانتے ہو۔'' ایس پی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''اس سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔''

"کلدیپ سے۔ہاں میں اسے جانتا ہوں مگر میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کس راج کمار کے قتل کی بات کر رہے ہو۔"

"سمجھ جاؤ گے۔بہت اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔" مہتا کے تیور غضب ناک تھے۔"تھرڈ ڈگری کا استعمال تمہیں بڑی آسانی سے زبان کھولنے پر مجبور کر دے گا۔بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے سنگین جرم کا اقبال کر لو۔قانون کے پاس تمہارے خلاف بہت سارے ثبوت موجود ہیں۔سب سے بڑا ثبوت کلدیپ ہے جس کو ورغلا کر تم نے راج کمار کو راستے سے ہٹایا ہے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے۔تم میرے خلاف یہ باتیں کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔" میں نے کسی قدر اطمینان سے جواب دیا۔

مہتا نے معنی خیز انداز میں نرگس کی لاش پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔

"صرف ایک لڑکی کلدیپ کی خاطر تم نے دہرے قتل کا ارتکاب کیا ہے۔ایک طرف تم نے راج کمار کو ختم کیا پھر اپنا راستہ صاف کرنے کی خاطر اپنی بیوی کو بھی قتل کر دیا۔تمہارے عشق کے ہم قائل ہو گئے۔"

"زبان کو لگام دو مہتا! ورنہ پچھتانا پڑے گا۔تم مجھے نہیں جانتے۔" غصے سے میری زبان لکنت کر رہی تھی۔

"میں تو تمہیں جان ہی گیا ہوں لیکن اب تم بھی پولیس اور قانون کو جان لو گے' سب کچھ تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔"

نرگس کے قتل کا الزام لگا کر مہتا نے میرا خون کھولا دیا تھا۔میں اسے گالیاں دینے لگا لیکن میرے اس ہذیان کا نتیجہ خراب نکلا۔مہتا کا اشارہ پا کر اس کے سپاہیوں نے مجھے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔میرے پاس بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔دو سپاہیوں نے مجھے سختی سے جکڑ رکھا تھا اور بیک وقت چار ہٹے کٹے سپاہی مجھے لاتوں' گھونسوں اور بندوق کے بٹ سے مار رہے تھے۔میرے دل و دماغ پہلے ہی پریشان تھے۔جب تک میرے اوسان بحال رہے' میں جو منہ میں آیا کہتا رہا اور اسے خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیتا رہا لیکن پھر جلد ہی میری ہمت جواب دے گئی۔

میں نے چہرے پر پانی کی نمی محسوس کی تو ہوش میں آ گیا۔اس وقت میں حوالات کے پختہ فرش پر پڑا تھا۔مہتا اور چار سپاہی میرے اردگرد موجود تھے۔صبح کا اجالا دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں نے ساری رات بے ہوشی کے عالم میں گزاری ہے۔جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور درد کی شدت مجھے بے چین کر رہی تھی لیکن آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے مجھے نرگس کا خیال آیا۔میں دل پکڑ کر رہ گیا۔میں نے ایک سسکاری بھری اور حوالات میں بری طرح رونے لگا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ نرگس کی لاش کا کیا بنا' ان ظالموں نے

اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر مہتا کرخت لہجے میں مخاطب ہوا۔

"کیوں دماغ کچھ ٹھکانے پر آیا یا اور ٹھکانے لگانے کی ضرورت ہے؟"

"مہتا جی۔" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔"کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ میری بیوی کی لاش کا کیا بنا؟ اسے دفنایا گیا یا نہیں؟"

"بکو مت۔" مہتا غرایا۔"سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دو۔تم نے راج کمار کو کیوں ہلاک کیا؟"

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔تصور کے عالم میں سر پر نظر ڈالی تو انکا ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی۔اپنی بے بسی کے احساس سے اور انکا کی غیر موجودگی کے سلسلے میں کوئی واضح جواب نہ پا کر میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔مہتا نے مجھے خاموش پایا تو ایک زوردار ٹھوکر میری پسلیوں پر مار کر کہا۔"حرام زادے! تو نے سنا نہیں کہ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟ کیا سیدھی طرح نہیں قبول کرے گا کہ تو نے ہی راج کمار کو قتل کیا ہے۔میں کہتا ہوں مان لے ورنہ یہاں بڑے بڑوں کے دماغ ٹھیک کر دیئے جاتے ہیں۔"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ راج کمار کو میں نے قتل نہیں کیا۔" میں نے کراہ کر جواب دیا۔

"نرگس کی موت کے بارے میں تجھے کیا بکواس کرنی ہے۔کیا اسے بھی تو نے نہیں بلکہ کسی اور نے ٹھکانے لگایا ہے؟" مہتا نے دانت پیس کر سرد لہجے میں سوال کیا۔اس کا انداز بڑا جارحانہ تھا۔

"نرگس میری زندگی تھی مہتا جی۔بھلا کوئی شخص خود اپنی زندگی کیسے ختم کر سکتا ہے۔" لیکن مہتا کو مجھ پر کوئی ترس نہ آیا۔وہ ایک اور ٹھوکر مار کر بولا۔

"شاعری کر رہا ہے کمینے۔مہتا کو الو بنانے کی کوشش کرتا ہے' میں نے بڑے بڑے سورماؤں کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دی ہے۔میرے سامنے تو کیا بچتا ہے۔"

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مہتا کی باتوں کا کیا جواب دوں' نرگس کی جدائی کے غم اور اپنی بربادی کے احساس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔انکا کی غیر موجودگی نے حالات اور خراب کر دیے تھے۔یہ کیسا وقت آ پڑا تھا۔انکا نے مجھے کلدیپ کو واردات کی جگہ سے ہٹنے کا مشورہ دیتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ راج کمار کی موت کے سلسلے میں پولیس میرا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی۔انکا نے مجھے یہ بھی باور کرایا تھا کہ راج کمار کے مرنے کے بعد اس کی جیب سے ایک ایسا خط ضرور برآمد ہوگا جس میں خود راج کمار کی تحریر میں یہ بات درج ہوگی کہ وہ کلدیپ کی محبت میں ناکام ہو جانے کے بعد خودکشی کر رہا ہے۔خدا جانے وہ خط برآمد بھی ہوا تھا یا نہیں۔میں نے جتنا حالات پر غور کیا اتنا ہی مجھے مایوسیوں نے گھیر لیا۔نرگس کی اچانک موت نے میری شخصیت کو پولیس کی نظروں میں مشتبہ کرنے کا خاصا معقول جواز پیدا کر دیا تھا۔کلدیپ نے پولیس کو کیا بیان دیا اور پولیس مجھے گرفتار کرنے کیوں پہنچ گئی' میرا ذہن ان پے در پے واقعات سے

بری طرح پریشان ہو رہا تھا۔ مہتا نے اپنے سوالوں کا جواب نہ پا کر چار پانچ ٹھوکریں ماریں اور زور سے گرجا۔ ''میں آخری بار تجھ سے کہہ رہا ہوں کہ اپنے جرم کا اقبال کر لے ورنہ یاد رکھ' تجھ پر بہت برا وقت آنے والا ہے۔''

''ہاں' ہم...... میں نے راج کمار کو قتل کیا تھا۔ میں اقرار کرتا ہوں۔'' میں نے ناچار خود کو مہتا کے عتاب سے بچانے کے لیے جلدی سے کہا۔

''قتل کا سبب کیا تھا؟'' مہتا نے مسکراتی ہوئی خوفناک نظروں سے گھور کر پوچھا۔

''کلدیپ اس سے شادی کرنے پر تیار نہیں تھی۔'' یہ کہتے کہتے میرا حلق خشک ہو گیا۔ ''اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں راج کمار کو راستے سے ہٹا دوں۔''

''تو کلدیپ کو کب سے جانتا ہے؟''

''میری اس کی ملاقات پونا میں ہوئی تھی۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیا یہ صحیح ہے کہ تو نے کلدیپ کے ساتھ ناجائز تعلقات استوار کر رکھے تھے؟'' مہتا نے بدستور غراتے ہوئے دریافت کیا۔

''صحیح ہے!'' میں نے مختصراً کہا۔

''ہم۔'' مہتا نے فخر سے سینہ تان کر جواب دیا۔ ''گویا میرا اندازہ درست تھا۔ تو نے کلدیپ کی خاطر پہلے راج کمار کو قتل کیا پھر اپنی بیوی......''

''یہ غلط ہے۔'' میں چیخ پڑا۔ ''نرگس کو میں نے نہیں بلکہ کسی اور نے قتل کیا ہے۔''

''پھر شروع کر دی تو نے بکواس۔''

مہتا میری بات سن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ میں نرگس کے قتل کا الزام اپنے سر لے لوں لیکن میرے مسلسل انکار نے اسے اور خونخوار بنا دیا۔ حوالات میں موجود سپاہیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''مارو اس حرام زادے کو' اس وقت تک مارتے رہو جب تک یہ جرم کا اقرار نہیں کر لیتا۔''

مہتا نے سپاہیوں کو حکم دے کر مجھ پر حقارت کی نظر ڈالی' پھر پیر پٹختا ہوا حوالات سے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حوالات میں موجود چاروں سپاہی مجھ پر پل پڑے اور انہوں نے بے دردی سے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی آنکھیں میچ لیں اور اپنا سر گھٹنوں کے درمیان چھپا لیا۔ مجھ میں جب تک برداشت کی ہمت رہی برداشت کرتا رہا۔ میں ایک بار پھر ان انسانیت سوز مظالم کی تاب نہ لا کر اپنے اوسان کھو بیٹھا تھا۔ اس بار بھی میری بے ہوشی کا وقفہ طویل ثابت ہوا۔

میں ہوش میں آیا تو حوالات کے باہر والی گیلری میں روشنی ہو رہی تھی' میں نے خود کو حوالات کے گھپ اندھیرے میں تنہا پایا۔ باہر تین سنگین بردار سپاہی پہرے دار موجود تھے۔ میرے جسم کا ہر عضو دکھ رہا

تھا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو کراہ کر رہ گیا۔ بھوک پیاس کی شدت نے مجھے اور ناتواں کر دیا تھا۔ ایسی نقاہت تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا میں نے ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن سہم کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ باہر پہرے پر موجود ایک سپاہی دوسرے سے کہہ رہا تھا' میرا خیال ہے کہ اب یہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گا۔''

''سالا مر جائے تو اچھا ہے۔'' دوسرے نے نفرت سے کہا۔ ''مجھے اس سے زیادہ اس کلنکنی پر غصہ آتا ہے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو اس ویشیا کو بھی مار ڈالتا جس نے اس ننٹے مسلے کے ساتھ اپنا منہ کالا کر کے دھرم کو بٹا لگا دیا۔''

''ایس پی صاحب نے نو بجے آنے کو کہا تھا۔'' تیسرا سپاہی دستی گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ ''دعا کرو کہ یہ ڈھیٹ ان کے آنے سے پہلے مر جائے' ورنہ ایس پی صاحب اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دیں گے۔''

''ڈپٹی کمشنر کے عزیز کا معاملہ ہے۔'' پہلا بولا۔ ''اگر یہ مر گیا تو ایس پی صاحب پر بھی آفت آ جائے گی۔''

تینوں سپاہی میرے ہی متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ میں خاموش پڑا ان کی باتیں سنتا رہا پھر یکلخت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر آ گئی ہے۔ میں نے دھڑکتے دل سے سر کی جانب نظر ڈالی تو انکا واقعی وہاں موجود تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی' اور اس کی آنکھوں میں غصے اور ناکامی کے ملے جلے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ بڑی تھکی تھکی' اداس اور متفکر نظر آ رہی تھی' کسی بیوہ کی طرح اجاڑ اجاڑ سی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔ میں نے کانپتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''انکا۔ ناکام واپس آئی ہو نا؟۔ وہ ہاتھ نہیں آیا نا؟''

''مجھے جواب کیوں نہیں دیتیں انکا۔'' میں نے دل گرفتہ انداز میں کہا۔ ''کیا وہ نابکار پنڈت تمہارے ہاتھ سے بچ نکلنے میں بھی کامیاب ہو گیا؟''

''جمیل۔'' انکا ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ ''نرگس کی موت کا غم مجھے بھی تم سے کم نہیں ہے لیکن......''

''میں بدری نرائن کے بارے میں دریافت کر رہا ہوں انکا۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے بتاؤ کہ تم اب تک کہاں غائب تھیں اور وہ مردود پنڈت کہاں ہے؟ کیا تم میری حالت نہیں دیکھ رہی ہو' میں اپنی نرگس کے خون میں لت پت ہوں۔ دیکھو میں رنگا ہوا ہوں۔ میں کتنا اچھا لگ رہا ہوں۔ ہائے مجھے یہ دن بھی دیکھنا تھا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ میں اسی کے پیچھے لگی ہوئی تھی جمیل' میرے آقا لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے موت کے شکنجے میں دبوچ سکتی' وہ کلکتے پہنچ کر کالی کے مندر میں چلا گیا۔ میں ابھی تک اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی جمیل۔''

"تم نے اس کے باہر آنے کا انتظار کیوں کیا؟ کیا تم مندر میں داخل ہو کر اس کمینے بذات کے جسم کو ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی تھیں؟"

"میں ایسا نہیں کر سکتی جمیل۔ ایسا کر سکتی تو یوں واپس نہ آتی۔" انکا نے تلملا کر جواب دیا۔ "کالی کی مہان شکتی میرے راستے کی دیوار بن رہی تھی' میں وہ دیوار ڈھانے سے قاصر تھی۔"

"تم بھی اپنی مجبوری کا اظہار کر رہی ہو؟ تمہاری وہ پراسرار اور لامحدود قوتیں کہاں گئیں جنہیں قبضے میں لینے کے لیے بہت سے لوگ دیوانے ہیں۔" میں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھا اس موقع پر تم بھی ناکام ہو گئیں۔"

"جمیل۔ تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو۔" انکا نے حسرت سے کہا۔ "تمہیں میری طاقت کا اندازہ ہے لیکن کالی مائی کے مندر میں گھس کر خون خرابا کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یقین رکھو جس روز بھی بدری نرائن مندر سے باہر آیا' وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔ میں اس سے نرگس کی موت کا اتنا بھیانک انتقام لوں گی کی دھرتی کانپ اٹھے گی مجھے بھی نرگس سے تم سے کم محبت نہیں تھی۔"

انکا کی بات سن کر میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں نے بے زاری سے کہا۔ "اب کیا سوچ ہے۔ کیا میں اسی طرح یہاں پڑا رہوں گا۔ کیا اب تمہیں مجھے حوالات سے باہر نکالنے کی طاقت نہیں ہے؟"

"اس کی فکر کیوں کرتے ہو۔ میں آ گئی ہوں۔ انکا نے جلدی سے جواب دیا۔ "مہتا نے تمہیں محض ڈپٹی کمشنر کے عتاب سے بچنے کے لیے گرفتار کیا ہے' ورنہ اسے وہ خط مل گیا تھا جس میں راج کمار نے خودکشی کا اعتراف کیا تھا۔ ان بدمعاشوں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ تم وقوعے کے بعد کلدیپ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے زبردستی کلدیپ سے اگلوا لیا کہ تم اس کے ساتھ تھے۔ وہ ان پولیس والوں کے چکر میں آ گئی اور نہ جانے اس نے کیا کیا کہہ دیا۔"

"حرام زادوں نے مجھے نرگس کا آخری دیدار بھی نہیں کرنے دیا۔" میں نے رقت بھری آواز میں کہا۔ "نہ جانے ان سنگ دلوں نے اس غریب کی لاش کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔"

"تم فکر نہ کرو جمیل۔ میں اس ظلم کے لیے مہتا اور اس کے گرگوں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ ڈپٹی کمشنر کو بھی اختیارات کے ناجائز استعمال کے سلسلے میں پچھتانا پڑے گا۔"

"مجھے نرگس کے بارے میں بتاؤ' اس کی لاش کا کیا بنا؟"

"جمیل۔" انکا مدھم آواز میں بولی۔ "مہتا نے نرگس کا پوسٹ مارٹم کرانے کے بعد رسم و رواج کے مطابق اسے یہیں کے ایک پرانے قبرستان میں دفنا دیا ہے۔"

"میرے معبود۔" میں نے سر کے بال نوچتے ہوئے سرد آہ بھر کر کہا۔ "نرگس کے بجائے مجھے موت

کیوں نہ آ گئی۔"

ابھی میں نرگس کی یاد میں آنسو بہا ہی رہا تھا کہ پہرے پر موجود سنتری اٹینشن ہو گئے۔ میں نے راہ داری میں نظر ڈالی۔ ایس پی مہتا' چمڑے کی ایک بید لیے حوالات کے دروازے کی سمت آ رہا تھا۔ مہتا نے آہنی سلاخوں کے قریب پہنچ کر سر کی جنبش سے سنتریوں کے سلام کا جواب دیا' پھر بھاری گرج دار آواز میں انچارج سے پوچھا۔ "اس مردود کو ہوش آ گیا؟"

"پندرہ منٹ پہلے میں نے راؤنڈ لیا تھا۔ اس وقت تک بے ہوش ہی تھا سر۔" انچارج نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی۔

مہتا کے اشارے پر حوالات کا دروازہ کھولا گیا اور باہر سے بتی روشن کر دی گئی۔ اندھیرے کے بعد اچانک تیز روشنی ہوئی تو میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ بھاری قدموں کی آہٹیں میرے قریب آ کر تھم گئیں۔ انکا کے آ جانے سے میرا خوف ختم ہو چکا تھا اس لیے میں نے فوراً ہی دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔ ایس پی نے مجھے ہوش میں دیکھا تو نفرت کے لہجے میں مخاطب ہوا۔ "اب کیا ارادے ہیں تیرے؟ کیا مجھے مزید سختی پر مجبور کرے گا۔"

"مہتا جی۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "تم ڈپٹی کمشنر کے کہنے پر کیوں اپنا دھرم نشٹ کرتے ہو۔ کیا تم بھگوان کی سوگند کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم مجھے راج کمار کا قاتل سمجھ رہے ہو۔ شہادتیں وقتی طور پر چھپائی جا سکتی ہیں لیکن دنیا کا کوئی قانون کسی کو زبردستی پھانسی کے تختے پر نہیں پہنچا سکتا۔"

مہتا میرا جواب سن کر چونکا۔ اسے میری بات پر یقیناً تعجب ہوا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نفرت سے بولا۔ "کس کی شہادت کی بات کر رہا ہے تو؟ میں خوب سمجھتا ہوں۔ تو نے تھرڈ ڈگری سے بچنے کی خاطر بہکی بہکی باتیں شروع کر دی ہیں۔"

"میں اس خط کی بات کر رہا ہوں مہتا جی جو تمہیں راج کمار کی جیب سے ملا ہو گا۔" میں نے یہ کہہ تو دیا تھا لیکن جلد ہی مجھے بات نبھانا پڑی۔ "تمہارے مخبروں نے یقیناً مجھے موقع واردات پر دیکھا ہو گا لیکن انہوں نے تمہیں یہ ضرور بتایا ہو گا کہ راج کمار نے خودکشی کی تھی۔ اس نے وہ خط میرے سامنے ہی تحریر کیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے اس کے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا اس نے ریوالور کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دی۔ کلدیپ بھی اس بات کی گواہ ہے۔"

"شٹ اپ۔" مہتا حلق کے بل چلایا۔ اس کے چہرے پر ایک ثانیے کے لیے الجھن ابھری پھر غائب ہو گئی۔ وہ گرج کر بولا۔ "تو جو بکواس کر رہا ہے اس کا کوئی ثبوت تیرے پاس موجود نہیں ہے۔ مجھے مقتول کی جیب سے کوئی خط نہیں ملا۔"

"اچھا۔" میں زہرخند سے بولا۔ "تو ڈپٹی کمشنر کے رعب نے تمہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"بکواس بند کر' نہیں تو چمڑی ادھیڑ ڈالوں گا۔" حوالات کے انچارج نے ایس پی کی خوشنودی کے لیے مجھے دھمکی دی۔

ٹھیک اسی وقت انکا میرے سر سے اتر گئی۔ ایس پی بدستور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر سرد آواز میں بولا۔ "میں تجھے کھلی عدالت میں پیش کرنے کے بجائے کسی ویرانے میں لے جا کر خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکو گے مہتا جی۔ ڈپٹی کمشنر تمہیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "مجھے پھانسی کے پھندے تک لے جانے کے لیے تمہیں زبردست جھوٹ کا سہارا لینا ہوگا۔ تم اس کے لیے مجبور ہو۔ اگر صرف مجھے مار ڈالنا تمہارا مقصد ہوتا تو تم اس وقت حوالات میں موجود ہونے کے بجائے کسی کلب میں بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہوتے۔"

"گویا تو سیدھی طرح نہیں مانے گا۔" مہتا کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ کسی خون آشام درندے کی طرح دہاڑا۔ "میں اب تجھے اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گا کہ تو عدالت کے سامنے اپنی گندی زبان کھول سکے۔"

میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ مہتا نے مجھے جو دھمکی دی ہے وہ اسے پوری کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ انگارا ہو رہا تھا۔ اس نے انچارج کی طرف دیکھ کر سرد آواز میں کہا۔ "پرمود۔ اب جو ہدایت دی جا رہی ہے' اسے تم پوری کرو گے۔ اس نے یقیناً اور بھی قتل کیے ہیں ورنہ اس طرح چرب زبانی نہ کرتا۔"

"یس سر۔" انچارج گھبرا کر اٹینشن ہو گیا۔

"الیکٹرک شاکس۔" مہتا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "جب تک یہ اپنا ذہنی توازن نہ کھو بیٹھے۔"

انچارج پرمود نے اس بار بھی بڑی فرماں برداری سے اثبات میں سر ہلایا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی نظریں بدل گئیں اور اس نے مہتا کو عجیب سی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ "کیا آپ مجھے تحریری حکم عنایت کریں گے سر۔" انچارج نے کہا۔

"نان سنس۔" مہتا سر تا پا لرز کر بولا۔ "پرمود' تم اس وقت ایس پی مہتا سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"جانتا ہوں سر۔ لیکن تحریری حکم کے بغیر میں اتنا خطرناک قدم نہیں اٹھا سکوں گا۔" پرمود نے صاف گوئی اور قدرے بے پروائی سے جواب دیا۔ "آپ کے تحریری احکام پر میں اس کا جسم دھجیوں میں تبدیل کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔"

"گٹ آؤٹ فرام ہیئر۔" (یہاں سے باہر نکل جاؤ) ایس پی اتنی زور سے چلایا کہ حوالات میں موجود سپاہی بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ "میں تمہیں جوتے مار کر ملازمت سے برطرف کرا دوں

گا۔ تمہیں اتنی جرات کیسے ہوئی۔"

"مہتا ہوش میں آؤ۔" حوالات کا انچارج اچانک آپے سے باہر ہو گیا۔ ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکال کر اس کا رخ مہتا کی سمت کر کے کہنے لگا۔ "تم نے میرے عملے کے سامنے میری بے عزتی کی ہے۔ تمہیں ان سب کی موجودگی میں مجھ سے معافی مانگنی پڑے گی' ابھی اسی وقت ورنہ ملزم کے بجائے میں تمہارا جسم چھلنی کر دوں گا۔ تم مجھے نہیں جانتے مہتا صاحب۔"

"او ہ یو سن آف اے بچ۔" مہتا کے ہاتھوں میں دبی ہوئی بید لہرا کر بھرپور قوت سے مود کے گال پر پڑی اور عین اسی وقت اس کے ریوالور سے دو دھماکے ہوئے۔ گولی صحیح نشانے پر نہ لگ سکی۔ ایس پی کے ہاتھ اور پاؤں سے خون نکلا اور وہ چند لمحے کے لیے کسی خزاں رسیدہ درخت کے مانند ویران ہو کر رہ گیا پھر وہ منہ کے بل فرش پر گر کر ڈھیر ہو گیا۔ یہ سب کچھ اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ حوالات میں موجود سپاہیوں کو کچھ سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایس پی مرا نہیں ہے بلکہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ ریوالور پھینک کر پرمود نے سہمی ہوئی نظروں سے سپاہیوں کو دیکھا اور پھر جھک کر مہتا کے جسم کا معائنہ کرنے لگا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ رنگت خوف و دہشت کے مارے زرد پڑ چکی تھی۔ سپاہی دور کھڑے پھٹی پھٹی نظروں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ کچھ توقف کے بعد سپاہیوں میں سے ایک نے ایک قدم آگے بڑھ کے پرمود سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے جناب کہ میں آپ کو گرفتار کر رہا ہوں۔"

"تم...... لیکن یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ یہ میں نے کیا کر دیا؟" پرمود سراسیمہ لہجے میں بولا۔

"اس کا جواب قانون دے گا جناب! فی الحال آپ خود کو حراست میں سمجھیں۔"

سپاہی نے اکھڑی ہوئی آواز میں جواب دیا پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ خیال رکھنا۔ میں ڈپٹی کمشنر صاحب کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

سپاہی ابھی باہر کی سمت بڑھا ہی تھا کہ جو کچھ ہوا' اس نے مجھے بھی حیرت میں ڈال دیا۔ دروازے کے قریب کھڑے ایک سپاہی نے اچانک رائفل سیدھی کی اور اس سپاہی کے سر پر پوری قوت طاقت سے سنگین ماری جو فون کرنے جا رہا تھا۔ سپاہی پلک جھپکتے ہی لہرا کر گر پڑا۔ وہ کرب ناک آواز میں چیختا ہوا اوندھے منہ فرش پر الٹ گیا۔ اس کے بعد سپاہیوں میں بھی آپس میں ٹھن گئی۔ میں ابھی حیران ہی ہو رہا تھا کہ انکا میرے سر پر آ گئی اور بولی۔ "جمیل' جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔ اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا۔"

میں آہستہ سے اٹھا اور چھپتے چھپاتے باہر کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ میں انکا کا یہ کرشمہ پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا تھا انکا کے سر پر آتے ہی نقاہت اور درد کی شدت حیرت انگیز طور پر ختم ہو چکی تھی۔ میں' ایک

دوسرے سے دست و گریباں سپاہیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا حوالات سے باہر نکل گیا۔ کھلی سڑک پر آ کر میں نے تیزی سے اپنی کوٹھی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ راستے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ رات کی تاریکی نے مجھے اپنے دامن میں سمیٹ رکھا تھا۔ میں سب سے پہلے نرگس کی قبر پر جانا چاہتا تھا اور اس کی قبر پر پھول نچھاور کرنا چاہتا تھا مگر میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ انکا نے مجھے کسی بات کا موقع نہیں دیا۔ اس نے کہا اگر اس وقت اس علاقے میں دیر لگائی تو دوبارہ گرفتار ہونے کا خدشہ ہے۔ چنانچہ میں نرگس کو اس ویران قبرستان میں تنہا چھوڑ کر ہی روانہ ہوا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔

میں نے جلدی جلدی نقدی' زیورات' نرگس کے کپڑے اور کچھ ضروری سامان باندھا۔ باہر آ کر گیراج سے گاڑی نکالی اور اسے برق رفتاری سے ویران ڈھلوان کی طرف دوڑانے لگا۔ میں ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ میں خاصا مشاق ہو گیا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میں قانون کی گرفت سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔ انکا میرے سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ کچھ دیر تک میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ بدری نرائن کے سلسلے میں اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کر کے مجھے برگشتہ کر دیا تھا۔ وہ اس شخص کو سزا دینے میں ناکام رہی جو میری نرگس کا قاتل تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ گاڑی کی رفتار ہر لمحے تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ گو ایک ہاتھ سے برق رفتاری کا مظاہرہ میرے لیے مخدوش تھا لیکن اس وقت میں ہر قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھا۔ پہاڑی راستوں اور ڈھلوانوں پر میں کسی خوف کے بغیر تیز گاڑی چلائی۔ راستے میں ٹرکوں اور چھوٹی موٹی گاڑیوں سے کئی بار حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

''جمیل اتنی تیز نہ چلاؤ۔'' انکا نے کچھ سوچتے ہوئے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم اپنا سفر جاری رکھو۔ میں ذرا ڈپٹی کمشنر کی خبر لے کر آتی ہوں۔ اس کے علاوہ بھی میرا وہاں جانا ضروری ہے تاکہ اگر نرگس اور راج کمار کی موت کا مسئلہ دوبارہ کھڑا ہو تو تم پر کوئی آنچ نہ آ سکے۔''

''جاؤ۔ جہنم میں جاؤ۔'' میں نے دل برداشتہ ہو کر جواب دیا۔ انکا نے عجیب حسرت کی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے جانے پہنچانے تھے۔ میری نظریں ویران اور سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن نرگس کی موت کے بارے میں الجھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں بار بار بدری کا چہرہ گھوم جاتا تھا اور ایکسی لیٹر پر میرے پاؤں کا دباؤ ہر لمحے بڑھتا جا رہا تھا۔

میں نے امرتسر تک کار میں سفر کیا پھر ریل کے ذریعے دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ دہلی کے سفر کے دوران انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اس نے مجھے تفصیل سے بتایا کہ وہ میرے بچاؤ کے سارے انتظامات کر آئی ہے' لیکن مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں تو صرف بدری نرائن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں جتنا آگے بڑھ رہا تھا' بدری نرائن اسے بھیانک انتقام اور تمام پنڈتوں پجاریوں کو

جو بھی میرے راستے میں آئیں' چن چن کر ختم کرنے کا جذبہ پوری شدت سے مجھ پر طاری تھا۔ انکا کی باتیں سن کر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انکا نے مجھے اِدھر اُدھر کی تفصیلات میں الجھانا چاہا لیکن جب میں کچھ نہ بولا تو اس نے کلدیپ کا ذکر چھیڑ دیا۔ ''کلدیپ نے تمہاری خاطر بڑی پریشانیوں کا مقابلہ کیا ہے جمیل! وہ اپنے والدین کا گھر چھوڑنے پر آمادہ ہو گئی اور اب تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اس نے پولیس والوں کے سامنے بھی یہ جرأت مندانہ بیان دیا تھا کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔''

''خاموش ہو جاؤ انکا۔'' میں جھلا کر بولا۔ ''نرگس کی موت کے بعد اب کسی کا ذکر اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اب میرے لیے زندگی بے معنی ہو کر رہ گئی ہے' اب محبت اور عشق کا کوئی جذبہ مجھے متاثر نہیں کر سکتا۔ مجھے اب کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ ایسی باتیں کیوں کرتی ہو جن کا کوئی موقع نہیں۔''

انکا نے مجھے اداس نظروں سے دیکھا۔ وہ اس وقت بھی نہ جانے کس سوچ میں غرق تھی' کچھ توقف کے بعد سراسیمگی سے بولی۔ ''جمیل۔ میرے مالک! تم مجھ سے ناراض ہو؟''

''مجھے پریشان نہ کرو انکا۔'' میں نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ ''تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ جو کچھ ہوا ہے اس میں تمہاری کوتاہی کا کتنا بڑا دخل ہے۔ سن لو جب تک میں بدری نرائن کا خون نہیں پی لیتا' اس وقت تک مجھے قرار نہیں آئے گا۔''

''جمیل۔ مجھے بھی نرگس کی جدائی کا انتہائی صدمہ ہے۔ اگر بدری نرائن نے کالی کے مندر میں پناہ نہ لی ہوتی تو اس وقت وہ تمہارے قدموں میں پڑا موت کی آخری ہچکیاں لے رہا ہوتا۔ بہرحال اب وہ اپنے آپ کو زیادہ دنوں تک محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔''

''کالی کا مندر۔'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔ ''تم کالی کے مندر سے ایک پراسرار قوت ہونے کے باوجود خوف زدہ ہو مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ میں اس نابکار پنڈت کو دیوی دیوتاؤں کے سامنے بھی موت کے گھاٹ اتارنے سے دریغ نہیں کروں گا۔ مجھے دیکھنا ہے کہ دنیا کی کون سی طاقت مجھے اس ارادے سے باز رکھتی ہے' میں دنیا کے تمام پنڈتوں' پجاریوں کو روند ڈالوں گا۔ میں ان مندروں کو ڈھا دوں گا جو میرے راستے کی دیوار بنیں گے۔ انکا آخر تم میرے اشتعال کا اندازہ کیوں نہیں کر رہی ہو۔''

انکا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہو گئی۔ وہ مجھے خاموش کرنے میں پہلی بار بے بس نظر آئی۔ ہم دونوں ہی غم زدہ تھے' ہم دونوں کو نرگس سے محبت تھی۔ انکا بھی اس سے عشق کرتی تھی۔ اس کا مجھے اندازہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت ہم دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔ کاش انکا کا بھی میری طرح کوئی جسمانی وجود ہوتا تو ہم دونوں گلے مل کر خوب روتے اور اپنا غم کسی قدر ہلکا کر لیتے۔

دہلی پہنچ کر میں نے گاڑی تبدیل کی اور کلکتہ [illegible] لیے روانہ ہو گیا۔ تمام [illegible] خاموشی سے گزر گیا۔

میں نے انکا سے کوئی بات کی نہ اس نے مجھ سے۔ البتہ میں دیکھ رہا تھا کہ جیسے جیسے میری منزل قریب آتی جارہی ہے' انکا کی پریشانی بڑھتی جارہی ہے۔ میں نے اس کی وجہ دریافت نہیں کی۔

کلکتے پہنچ کر میں نے ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں کمرا لے کر سامان رکھا اور اسی وقت کالی کے مندر کی طرف چل پڑا۔ اب انکا کی پریشانی شباب پر پہنچ چکی تھی۔ وہ میرے سر پر اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ کبھی چلتے چلتے اچانک رکتی اور مجھ سے کچھ کہنا چاہتی مگر ہونٹ چبا کر رہ جاتی۔ دیر تک اس کی یہی کیفیت رہی پھر کالی کا مندر قریب آنے لگا تو انکا نے پریشان لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "جمیل! میری بات سنو' کالی کے مندر میں کسی خطرناک ارادے سے داخل ہونے والے پریشانیوں میں گھر جاتے ہیں۔ میری بات سنو میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے سنو۔ جب تک بدری نرائن مندر کے اندر ہے' تم یا میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہمیں بدری نرائن کا باہر آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"میرے سر پر خون سوار ہے انکا! تم مجھے مندر میں داخل ہونے سے مت روکو۔ میں اپنے آپے میں نہیں ہوں۔" میں نے انکا کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"مگر جمیل' تمہیں صحیح بات بتانا میرا فرض ہے۔ تمہیں اپنا ارادہ ہر قیمت پر بدلنا ہوگا۔" انکا کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نرگس کے قاتل کو زندہ رہنے دوں۔ اس شخص کو زندہ رہنے دوں جس نے مجھے زندہ درگور کر دیا ہے؟" میں نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ میں اس پنڈت پر زندگی حرام کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ نتائج کی مجھے پروا نہیں ہے' جب نرگس ہی نہ رہی تو پھر مجھے اپنی موت کا بھی غم نہیں ہے۔"

"جذباتی نہ بنو۔ جمیل! تم بہک رہے ہو۔" انکا نے تیزی سے کہا۔ "اگر تم اسی پاگل پن میں مر گئے تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ نرگس کی بے چین روح تم سے شاکی رہے گی۔ ذرا سکون سے کام لو۔ تمہیں کوئی اور تدبیر اختیار کرنی ہوگی۔ کالی کے مندر کے کسی چھوٹے پجاری کو اپنے اعتماد میں لے کر بدری نرائن کو مندر کی حدود سے باہر بلایا جا سکتا ہے۔ اس قدر نہ بہکو کہ خود اپنے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی کر لو۔"

"انکا! میں بہک رہا ہوں؟" میں نے انکا کی طرف سوالی نظروں سے دیکھا اور درشت لہجے میں جواب دیا۔ "اگر تم خائف ہو تو میرے سر سے اتر جاؤ۔ مجھے تمہاری بھی پروا نہیں ہے۔ میں بدری نرائن کو سزا دیے بغیر ایک پل چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ میں مر جاؤں گا چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔"

انکا نے مجھے مایوسی سے دیکھا اور بے بسی سے گردن جھٹک دی۔ میں مندر کی سمت کچھ سوچے سمجھے بغیر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ جس وقت میں مندر سے پچیس گز کے فاصلے پر رہ گیا تو انکا نے ایک بار پھر مجھے سمجھانے کی کوشش کی' جمیل! میرے مالک' میری جان! میری بات مان لو۔ مندر کی حدود میں داخل ہو کر تم مصیبتوں کا شکار ہو جاؤ گے۔ تمہیں بدری نرائن کو مارنے کے لیے بڑی ہوشیاری اور دور اندیشی

سے کام لینا ہوگا۔ جلد بازی سارا کام خراب کر دے گی۔"

میں نے انکا کو دیکھا لیکن اس بار اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ میں خاموشی سے قدم بڑھاتا رہا۔ کالی کے بڑے مندر کے باہر پنڈتوں اور پجاریوں کا ہجوم ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ مندر کی گھنٹیوں کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی' جوگنیں اور پجارنیں بڑی عقیدت و احترام سے مندر سے آ جا رہی تھیں۔ میں نے انکا کا چہرہ دیکھا جو دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ کسی شدید ذہنی الجھن نے اس کا چہرہ ویران کر رکھا تھا۔ میں مندر کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لیے رک گیا۔ معاً میری نظر ایک پجاری پر پڑی جو مندر سے باہر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے پجاری بھی تھے۔ چہرے بشرے سے وہ کوئی بڑا پجاری دکھائی دیتا تھا' پجارنیں اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ڈنڈوت کر رہی تھیں۔ میں نے کچھ سوچ کر انکا سے دریافت کیا۔ "یہ مردود کون ہے؟"

"اس کا نام بنسی لال ہے' مندر کا چھوٹا پجاری۔" انکا تیزی سے بولی۔ "جمیل اگر تم کوشش کرو تو اس کے ذریعے اپنا کام کر سکتے ہو' بدری نرائن اس کی بات مشکل سے ٹال سکے گا۔"

میں کسی بھیڑیے کی طرح چھوٹے پجاری کو گھور رہا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ مندر کی ساری عمارت جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دوں اور تمام پنڈتوں پجاریوں کا قتل عام شروع کر دوں۔ چھوٹا پجاری دوسرے پجاری اور چیلوں کے ساتھ میرے قریب سے گزرا پھر میں نے اسے ایک کٹیا میں جاتے دیکھا جو سیڑھیوں کے بائیں جانب ذرا ہٹ کر بنی ہوئی تھی اور دوسری جھونپڑیوں کے مقابلے میں قدرے بڑی تھی۔

"جمیل......! انکا نے سرگوشی میں کہا۔ "اس وقت بنسی لال اپنی کٹیا میں تنہا ہے۔ تم ذرا سی دور اندیشی سے کام لے کر اسے شیشے میں اتار سکتے ہو' مجھے دیکھو! اگر تم نے صبر و تحمل اور عقل مندی سے کام لیا تو بنسی لال تمہارے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوگا' یوں بھی وہ دل کا بڑا نرم اور نیک انسان ہے۔"

"پنڈت پجاری اور نیک انسان؟" میں نے طنز کیا۔

"نہیں' تمہارا خیال غلط ہے۔ ان میں بہت اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ بنسی نیک آدمی ہے۔" انکا نے کہا۔

میں نے انکا کو کوئی جواب نہیں دیا اور گھوم کر اس کٹیا کی سمت ہو لیا جس میں بنسی لال گیا تھا۔ انکا کی اطلاع درست نکلی۔ جس وقت میں کٹیا میں داخل ہوا' بنسی لال وہاں تنہا تھا اور مرگ چھالے پر بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ مجھے کٹیا میں دیکھ کر اس نے اشارے سے رکنے کو کہا پھر چند لمحوں بعد مرگ چھالے سے اٹھ کر میرے قریب آیا۔ "تم مسلمان دکھائی دیتے ہو۔ ادھر کیسے آ نکلے۔ ارے تم تو بڑے بیاکل نظر آتے ہو۔ کہو کیا بات ہے بالک' تم میری کٹی میں کس کارن آئے ہو؟ بیٹھ جاؤ۔"

''بنسی لال!'' میں نے روکھی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ ''کالی کے مندر میں اس وقت میری بیوی کا قاتل موجود ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اسے کسی طرح باہر لے آؤ۔''

انکا نے مجھے روکنے کی کوشش کی' اس نے مجھے سمجھایا کہ بنسی لال سے مجھے اس انداز میں بات نہیں کرنی چاہیے لیکن مجھے خود پر قابو نہیں تھا۔ میں انکا کے مشورے کو نظر انداز کرتا رہا۔ بنسی لال حقیقتاً نیک دل واقع ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھے سمجھاتا رہا پھر بھی جب میں نے اپنا لہجہ نہ بدلا تو وہ شائستگی سے بولا۔ ''بالک! تم نے ابھی تک مجھے اس اپرادھی کا نام نہیں بتایا جس نے تمہاری استری کو قتل کیا ہے۔''

''اس کمینے کا نام بدری نرائن ہے۔'' میں نے حقارت اور نفرت سے جواب دیا۔

''بدری نرائن۔ بنسی لال نے چونک کر کہا۔ ''کیا تمہیں وشواش ہے کہ پنڈت بدری نرائن ہی نے تمہاری استری کو مارا ہے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟''

''ہاں بنسی لال! اور اب میں اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اور اس کے ناپاک خون سے اپنے سینے کی آگ ٹھنڈی کرنے آیا ہوں۔ بولو' کیا تم اسے مندر سے باہر لا سکتے ہو؟''

''دھیرج سے کام لو بالک۔'' بنسی لال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''پنڈت بدری نرائن کو شما کر دو' بھگوان کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں' دیوی دیوتا بھی انیائے کو پسند نہیں کرتے۔ اگر بدری نرائن نے پاپ کیا ہے تو کالی دیوی اسے ضرور کشٹ دے گی۔''

''دیوی کے بچے۔'' میں کرخت آواز میں بولا۔ ''میں یہاں تجھ سے دیوی دیوتاؤں کی باتیں سننے نہیں آیا...... میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں سیدھی طرح اس کا جواب دے۔ تو اس نابکار پنڈت کو مندر سے باہر لا سکتا ہے یا نہیں؟''

''بالک۔ یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے۔'' بنسی لال نے قدرے برہمی کا مظاہرہ کیا۔ ''جا۔ چلا جا یہاں سے۔ تو پاگل معلوم ہوتا ہے' جا! میں نے بہت برداشت کر لیا۔''

انکا نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن اس وقت مجھ پر خون سوار تھا۔ میں نے جھپٹ کر بنسی لال کے ننگے پیٹ پر اتنی زور سے گھونسا مارا کہ وہ بلبلا اٹھا اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتا' میں نے ایک ہاتھ اس کی گدی پر رسید کیا۔ حملہ اچانک تھا اس لیے بنسی لال سنبھل نہیں سکا اور منہ کے بل زمین پر آ گیا۔ میں نے اس کی کنپٹی پر ایک بھرپور ٹھوکر ماری پھر اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ میں نے ایک ہی ہاتھ سے جھک کر مرگ چھالا کے قریب رکھی ہوئی پیتل کی وزنی لٹیا اٹھائی اور اتنی زور سے بنسی لال کے گھٹے ہوئے سر پر ماری کہ خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی' اس کا جسم میرے نیچے پھڑک رہا تھا لیکن میں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ اس وقت تک پیتل کی لٹیا سے اس کے سر پر ضربات لگاتا رہا جب تک وہ بے حال ہو کر مدافعت نہ ختم کر بیٹھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ بنسی لال اب موت کے قریب ہے تو

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں چلتے چلتے اس کے خون میں لتھڑے ہوئے جسم کو ٹھوکر مار کر آگے بڑھا تو انکا تشویش ناک لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''جمیل' یہ تم نے کیا کر دیا۔ رک جاؤ جمیل۔ اس وقت تم پر خون سوار ہے۔ اگر پجاریوں کو علم ہو گیا کہ تم نے بنسی لال کو مار مار کر ادھ موا کر دیا ہے تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''تم بھی دفع ہو جاؤ انکا۔ مذاق بہت ہو چکا۔'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''اگر تم اس معاملے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں تو پھر مجھے تمہارے مشوروں اور پُراسرار قوتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب تک میں بدری نرائن سے نمٹ نہیں لوں گا' مجھے سکون نہیں مل سکتا۔ میری نرگس کا قاتل مجھ سے اس قدر قریب ہو اور میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں؟ خبردار جو اب تم نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔''

''جمیل' تم دیوانگی کی باتیں کر رہے ہو' تم سچ مچ پاگل ہو جاؤ گے۔'' انکا کے انداز میں اب تلخی آ گئی تھی پھر اچانک وہ فیصلہ کن آواز میں بولی۔ ''میں نے تمہارے ساتھ بہت رعایت کی ہے مگر یاد رکھو میں تمہیں اس وقت کٹیا سے باہر نہیں جانے دوں گی۔''

''تم۔'' میں حقارت آمیز لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔ ''تم مجھے روکو گی' اتنی ہمت ہے تم میں؟ تم بھول رہی ہو کہ میں نے تمہیں حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ وظیفہ کیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ لیکن میں تمہاری بھلائی کے لیے مجبور ہوں۔ میرے آقا' مجھے معاف کر دو۔ میں اب خاموش نہیں رہ سکتی۔''

انکا نے یہ کہہ کر حسرت کی ایک نظر میرے چہرے پر ڈالی پھر مزید کچھ کہنے سے پہلے میں نے انکا کے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس کی۔ چبھن اتنی شدید تھی کہ میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیل گیا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن انکا کے پنجوں کی چبھن میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہوں' نیچے بہت نیچے۔ مجھے پتا نہیں پھر کیا ہوا۔ پھر میں کہاں گیا' کدھر رہا؟

مجھے اپنے گالوں پر نمی کا احساس ہوا تو میں غنودگی کی کیفیت سے بیدار ہوا۔ میں نے اپنی بوجھل آنکھیں کھول دیں اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ کلدیپ میرے سرہانے بیٹھی تھی۔ اس کا حسین چہرہ کملایا ہوا تھا اور پلکوں پر آنسو رقصاں تھے۔ ''یہ میں کہاں آ گیا ہوں۔'' میں نے ہڑبڑا کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں کسی خوب صورت کمرے میں تھا۔ ذہن پر زور دینے سے بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کمرا کہاں ہے۔ میں آنکھیں پٹ پٹاتا رہا۔ کلدیپ نے یہ کیفیت دیکھ کر میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں کہاں ہوں۔ یہ کون سی جگہ ہے' تم میرے پاس کب آئیں؟'' میں نے کلدیپ سے ایک ساتھ بے شمار سوال کیے۔

''کیا مطلب کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم کہاں ہو؟'' کلدیپ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ میں کلکتے میں ہوں مگر میں اس جگہ کیسے آ گیا اور تم یہاں کس طرح آ گئیں۔ تمہیں میرا پتا کس طرح چلا؟" میں نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اف صدمے نے تمہیں کس حالت پر پہنچا دیا ہے۔ یہ کلکتہ نہیں' پونا ہے۔ میں نے بڑی مشکلوں سے تمہیں تلاش کیا ہے۔ تمہیں پانے کے لیے مجھے پورے ایک سال نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننا پڑی ہے۔" کلدیپ کی آنکھوں سے کچھ اور آنسو بہہ نکلے۔

"ایک سال؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ کیا بھول گئیں' ابھی چند ہی روز پہلے تو تم کشمیر میں ملی تھیں' جہاں میری نرگس مجھ سے چھین لی گئی۔ میں برباد کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں کلکتے چلا گیا تاکہ اپنی بیوی کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچا سکوں۔ اس بات کو ایک ہفتہ بھی تو نہیں ہوا پھر میں کلکتے سے پونا کیسے آ گیا؟"

"تمہارے دماغ پر بڑا گہرا اثر ہے۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم یہاں ہو۔ میں تو مستقل اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھی کہ بھگوان کی کرپا سے تم آج مجھے مل گئے۔ میں ہوٹلوں ہوٹلوں تمہیں تلاش کر رہی تھی۔ جب تم کہیں نہ ملے تو میں پونا چلی آئی اور کل رات تم پر اچانک نظر پڑ گئی۔ رات سے میں یہیں ہوں۔ تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔" کلدیپ نے اشتیاق کی نظروں سے مجھے دیکھا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ میں نے منتشر ذہن پر زور دیا تو یاد آیا کہ اس بے ہوشی سے پہلے میں بنسی لال کی کٹیا میں تھا' انکا نے مجھے انتقام لینے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی' میں بنسی لال سے جھگڑ پڑا تھا۔ پھر کیا ہوا؟ میں نے تصور کے عالم میں سر پر نظر ڈالی تو انکا وہاں موجود تھی۔ اس کی نگاہوں میں معذرت اور خوف کے ملے جلے اثرات دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالا۔ اس لیے کہ کلدیپ سامنے بیٹھی تھی مگر انکا میرے دل میں ابھرنے والے سوالات تاڑ گئی اور گلوگیر لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"مجھے معاف کر دو جمیل۔ میں نے اوروں کی طرح ایک عرصے کے لیے تمہارے ذہن پر مکمل تسلط جما لیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو خدشہ تھا کہ تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے۔ تم نے بنسی لال کے ساتھ بڑا شرمناک اور جارحانہ سلوک کیا تھا۔ کلدیپ نے جو کچھ کہا ہے وہ ٹھیک ہے۔ تم ایک عرصے تک چلتے پھرتے رہے ہو' خوش و خرم رہے ہو' مگر اس تمام عرصے میں تمہارا جسم تمہارے پاس رہا ہے' تمہارے دماغ پر میرا قبضہ تھا۔"

"یعنی بنسی لال کے واقعے کو ایک لمبا عرصہ گزر گیا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو' مجھے تفصیل سے بتاؤ۔"

"ہاں۔ ایک سال کے قریب۔" انکا نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ تم کالی کے مندر میں اپنے اوسان کھو بیٹھے ہو اور اب کوئی طاقت تمہیں تمہارے خطرناک ارادے سے نہیں

روک سکتی تو مجھے ایک ہی صورت نظر آئی کہ میں تمہارا دماغ مکمل طور پر اپنے قابو میں کر لوں ورنہ کالی کے مندر سے تم بچ کر نہیں نکل سکتے تھے۔ اس کے بعد میں تمہیں مختلف شہروں میں لے گئی۔ بمبئی' الہ آباد' پہاڑوں پر' کھیل کے میدانوں میں' ریس کلب میں' تم اس پورے عرصے میں بہت مسرور اور شاداں رہے ہو۔ میں نے تمہیں ہر طرح خوش رکھا' راتوں کو جب تم گہری نیند میں ہوتے تھے تو میں تمہاری گہری نیند کا یقین کر کے گاہے گاہے تم سے جدا ہو جاتی تھی اور کسی نہ کسی طرح اپنی غذا حاصل کر تی تھی۔ بہرحال اب مجھے امید ہے کہ تم تحمل سے کام لو گے۔ کلدیپ تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہی ہے۔ میں نے بمبئی میں اسے پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ شروع شروع میں' میں درگزر کرتی رہی لیکن جب کلدیپ کی تلاش اور طلب میں کوئی فرق نہ آیا تو میں تمہیں پونا لے آئی اور اسے بھی پونا آنے پر مجبور کیا اور خود دیکھ لو کہ اب وہ تمہارے سامنے بیٹھی ہے۔"

"ہونہہ۔ تم نے اچھا نہیں کیا انکا۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ وقت مجھ سے نرگس کا غم چھین لے گا۔ یہ غم تو دائمی ہے۔ تم نے مجھے مار ہی کیوں نہ دیا۔ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ نرگس کے بغیر زندگی کیسی؟"

"وقت کے مرہم سے ہر زخم مندمل ہو جاتا ہے جمیل۔ صبر کرو اور وقت کے انتظار میں رہو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب تک بدری نرائن کالی کے مندر سے باہر نہیں آ جاتا۔"

"تو کیا وہ شیطان اب تک مندر ہی میں ہے؟"

"ہاں...... اور اسے یقین ہے کہ اگر اس نے باہر قدم نکالا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"یہ انتظار کتنا طویل ہو گا؟"

"کون کہہ سکتا ہے۔ بہرحال اسے کسی نہ کسی دن تو ضرور باہر آنا ہے۔"

اور اس وقت تک میں اس کے انتظار میں دیوانہ بنا رہوں؟ کیوں؟"

"تم کلدیپ کی طرف دیکھو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ایک بڑی پراسرار قوت جسے حاصل کرنے کے لیے لوگ کٹھن تپسیا کرتے ہیں اور اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔" انکا نے تمکنت سے کہا۔

"میں مانتا ہوں کہ تم ایک پُراسرار قوت ہو لیکن اس معاملے میں تم نے کیا تیر مار لیا۔ تم بھی تو مایوسی کی باتیں کر رہی ہو۔"

"میں تمہیں اس کا جواب دینا نہیں چاہتی۔"

میں دل ہی دل میں انکا سے باتیں کر رہا تھا اور کلدیپ میرے قریب بیٹھی ٹکٹکی باندھ کر مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ مجھے دیر تک خاموش پا کر اس نے دبی زبان میں کہا۔ "جمیل' جو کچھ تم پر گزری ہے اس کا مجھے بھی بہت دکھ ہے۔ بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ اگر نرگس زندہ ہوتی تو میں سارا جیون اس کے چرن دھو دھو کر پیتی پرنتو اس کا حق کبھی نہ چھینتی۔"

"کلدیپ۔" میں نے مضمحل آواز میں کہا "تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن میری خاطر تم نے اپنی زندگی برباد کر کے اچھا نہیں کیا۔ میں ایک زندہ لاش ہوں اور تمہیں ایک زندہ لاش سے کچھ حاصل نہیں ہوگا' بہتر ہوگا کہ تم اپنے ماں باپ کے پاس واپس چلی جاؤ۔"

"بھگوان کے لیے ایسا نہ کہو جمیل۔" کلدیپ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔ "تمہارے بنا میرا جیون بے کار ہے۔ میں تمہاری داسی ہوں' مجھے اپنے چرنوں میں رہنے دو جمیل' میں اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ تمہارے سینے میں دل ہے تو مجھے محسوس کرو۔"

کلدیپ میرے سینے پر سر رکھ کر روتی رہی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا' لیکن وہ کسی طرح مجھ سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہ ہوئی۔ انکا خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ کلدیپ کی آہ وزاری دیکھ کر بولی۔ "جمیل' یہ ایک شریف اور عزت دار لڑکی ہے' اس غریب کو کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔"

"تم اس کی اتنی سفارش کیوں کر رہی ہو۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ وہ تم سے محبت کرتی ہے۔ میری طرح' نرگس کی طرح اور یوں بھی اب تمہیں کسی سہارے کی ضرورت ہے۔"

"میرا دل اب کسی چیز میں نہیں لگتا انکا۔" میں نے آزردگی سے کہا۔

"کلدیپ کا جی بھی تمہارے سوا کسی میں نہیں لگتا۔" میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ اس کی قربانیاں دیکھ کر میرے دل میں اس کے لیے بے اختیار پیار کا جذبہ اُمڈ آیا۔ میں اس کے الجھے الجھے بالوں میں اپنی انگلیوں سے کنگھی کرنے لگا۔ اس نے میری خاطر اپنے والدین تک کو چھوڑ دیا تھا۔

تین بے کیف دن گزر گئے۔ ہوٹل میں پڑے پڑے میرا دل اکتا گیا تھا۔ انکا بدری نرائن پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ میں بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا جیسے سر پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ چوتھے روز میں انکا سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک مجھے تربینی داس یاد آ گیا۔ میں نے سوچا' لگے ہاتھوں اس کا حساب بھی بے باق کر دوں۔ چنانچہ میں نے اسی شام تربینی سے ملنے کا پروگرام بنا لیا۔ انکا کو میں نے اس ضمن میں قبل از وقت کچھ نہیں بتایا تھا۔ کلدیپ نے مجھے باہر جانے سے روکنے کی بہت کوشش کی۔ اسے ابھی تک غالباً میری ذہنی کیفیت پر شبہ تھا لیکن میں نے اسے سمجھا دیا تھا اور ہوٹل سے باہر آ گیا۔ ٹیکسی پر بیٹھ کر جب میں تربینی کی طرف روانہ ہوا تو انکا نے از خود کہا۔ "تربینی آج کل بڑے ٹھاٹ کی زندگی بسر کر رہا ہے جمیل' اس نے پونا کے ایک اور پجاری سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے' کچھ منتر جنتر پہلے سے جانتا تھا' کام چلا رہا ہے اپنا۔"

"ہو سکتا ہے تربینی کے لیے یہ شام زندگی کی آخری شام ثابت ہو۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ "مجھے یاد ہے کہ اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔"

"اسے ضرور سزا دو جمیل' وہ بڑا عیار شخص ہے۔ مجھ سے زیادہ اسے کون جانے گا۔"

ٹیکسی جب تربینی کے مکان کے سامنے رکی تو میں حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ جو حویلی میں نے انکا کے ذریعے جلا کر راکھ کرادی تھی اور اب پہلے سے بھی زیادہ شاندار عمارت کی صورت میں میری نظروں کے سامنے موجود تھی۔ میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اترا اور ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے تربینی کی حویلی میں بے دھڑک داخل ہو گیا۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے دربان کو انکا نے رام کر لیا تھا اس لیے اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حویلی کے اندرونی حصے کا نقشہ پہلے ہی جیسا تھا۔ میں سیدھا تربینی کی خواب گاہ کی طرف چلا' اندر داخل ہوا تو تربینی کے پاس حسب معمول دو تین حسین لڑکیاں بیٹھی ہوئی نظر آئیں۔ میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ جس تربینی کو میں بدترین حالات میں دیکھنے کا خواہش مند تھا وہ میری نظروں کے سامنے بہترین حالت میں موجود تھا۔ اس کا چہرہ کسی قدر مسخ ہو گیا تھا لیکن اس کے انداز میں اب بھی وہی جلال اور وہی وقار تھا۔

تربینی کی نظریں مجھ سے چار ہوئیں تو وہ دم بخود رہ گیا۔ شاید اسے اپنی بینائی پر شبہ ہو رہا تھا۔ وہ حیرت سے مجھے تکتا رہا پھر ایک لڑکی کو اپنے پہلو سے ہٹا کر تیزی سے اٹھا اور میرے قریب آ کر ہاتھ باندھ کر بولا۔ "میرے بھاگ خان صاحب' جو آپ نے مجھے یاد رکھا۔"

لڑکیاں اپنا بے ترتیب لباس سنبھالتی ہوئی دوسرے کمرے میں جا چکی تھیں۔ میں نے تربینی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نفرت سے جواب دیا۔ "تربینی' تم نے یہ کیسے سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ تم نے تو مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں' آج تک مجھے تمہارا سلوک اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ تمہیں تو مر جانا چاہیے تھا یا اگر اپنے ڈھیٹ پن کی وجہ سے زندہ بھی ہو تو تمہیں فٹ پاتھوں پر بھیک مانگتا ہوا نظر آنا چاہیے تھا۔"

"پدھاریے خان صاحب۔" تربینی نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔ "گزری ہوئی باتیں بھول جائیے۔"

"چاپلوسی بند کرو تربینی داس' تم خوب سمجھ رہے ہو کہ میں کس ارادے سے آیا ہوں۔" میں نے درشت لہجے میں کہا۔ "گزشتہ مرتبہ میں جلدی میں تھا اس لیے تمہارے احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکا تھا لیکن آج میں اگلے پچھلے تمام حساب بے باق کرنے کا پکا ارادہ لے کر آیا ہوں۔"

تربینی نے میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھے اور میری تلخ و ترش باتوں کا مفہوم سمجھا تو سرتاپا لرز اٹھا' ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"خان صاحب' مجھے شما کر دیجیے میں ہاتھ باندھ کر بنتی کرتا ہوں۔"

"شما کر دوں اور تمہیں؟" پہلی بار میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "پچھلی باتیں یاد کرو

تربینی داس، تم نے بھی کبھی مجھے شما کرنے کی کوشش کی تھی؟"

جواب میں تربینی داس نے جھک کر میرے پیر پکڑ لیے اور گڑگڑا کر بولا۔ "خان صاحب، میں جانتا ہوں کہ میں نے آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ پرنتو پہلے میری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا، میں اندھا ہو گیا تھا۔ مجھے شما کر دیجئے خان صاحب۔"

میں نے غصے سے تربینی کے سر کے بال پکڑے اور اسے اٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے حقارت سے کہا۔ "تربینی داس، تم نے انکا کو مجھ سے چھین کر میری زندگی برباد کر دی تھی۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ تمہاری اس حرکت سے مجھے کتنے بھاری نقصان اٹھانے پڑے ہیں۔ سنو تربینی، میں یہاں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں۔ تم نے بہت دن آرام سے گزارے۔ آج سے تمہارے برے دنوں کا آغاز ہو رہا ہے۔ میں تمہیں اپاہج کر کے سڑکوں پر بھیک مانگنے کے لیے مجبور کر دوں گا۔ تم آوارہ کتوں کی طرح گندی نالیوں میں پڑے رہو گے اور کوئی شخص تم پر ترس نہیں کھائے گا۔ میں تمہیں سسکا سسکا کر اور تڑپا تڑپا کر بڑی اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور کر دوں گا۔ اطمینان رکھو میں تمہیں ہلاک نہیں کروں گا۔"

تربینی سر سے پاؤں تک اس طرح لرز رہا تھا جیسے اس نے کڑکڑاتی سردی میں ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں موت کے سائے کانپ رہے تھے۔ چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ مجھے رحم طلب نظروں سے دیکھ کر ہلکلاتے ہوئے بولا۔

"خان صاحب۔ آپ کی دھرم پتنی پر جو کچھ بیتی ہے اس نے آپ کو بیاکل کر دیا ہے۔ پرنتو اب آپ مجھے اپنا متر سمجھیں، شاید میں آپ کے کسی کام آ جاؤں۔ اگر آپ میری بات سنیں تو میں آپ کو ایک ایسا اپائے بتا سکتا ہوں جو پنڈت بدری نرائن کو کالی کے مندر سے باہر نکلنے پر مجبور کر دے گا۔"

"تربینی۔" بدری نرائن کا نام سن کر میں نے تربینی کے بال چھوڑ دیے اور اسے زہر بھری نگاہوں سے گھور کر بولا۔

"جلدی بتاؤ، کیا تم اس کمینے پنڈت کو مندر سے باہر نکالنے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہو۔"

"بدری نرائن مہان شکتی کا مالک ہے خان صاحب۔ میں اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ پرنتو میں ایک ایسے دھرماتما کو جانتا ہوں جو آپ کی سہائتا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو بدری نرائن آپ کے چرنوں میں لوٹنے پر بھی تیار ہو سکتا ہے۔ مجھے وشواش ہے کہ آپ اوشل سپھل ہوں گے خان صاحب، مجھ پر اعتماد کریں۔ ایک بار آزما کر تو دیکھیں۔"

"خوشامدی کتے، جلدی بتا کہ وہ کون ہے اور مجھے کہاں مل سکتا ہے۔ یاد رکھ اگر تو نے غلط بیانی سے کام لیا تو اچھا نہ ہو گا۔"

انکا بدستور میرے سر پر موجود تھی۔ وہ بھی تربینی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ تربینی لرزتے ہوئے

بولا۔

"میں آپ سے دھوکا نہیں کروں گا خان صاحب! میسور کی پہاڑیوں پر ایک دھرماتما ہیں، ان کا شبھ نام پریتم لال ہے۔ وہ نہ جانے کتنے برسوں سے گیان دھیان میں مگن ہیں، ان کی شکتی ہنومان کی شکتی سے بھی زیادہ ہے۔ ان کا کہا دیوی دیوتا بھی نہیں ٹالتے خان صاحب اگر آپ نے پریتم مہاراج کو رام کر لیا تو بدری نرائن کالی کے مندر سے نکلنے پر مجبور ہو جائے گا۔ آپ انکا دیوی سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔"

"جمیل۔" انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "تربینی بالکل سچ کہہ رہا ہے لیکن پریتم لال تک تمہاری رسائی مشکل سے ہو گی کیونکہ وہ کسی شخص سے ملتا نہیں ہے۔ ملاقات کرنے سے گریز کرتا ہے۔"

"میں بدری نرائن کے لیے پریتم لال سے ضرور ملوں گا۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا پھر تربینی کو مخاطب کر کے میں نے پوچھا۔ "نرگس کی موت کا علم تجھے کیسے ہوا؟"

"آپ کی کرپا ہے خان صاحب۔" تربینی نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔ "پنڈت پجاریوں کی سیوا کر کے دو چار گر سیکھ لیے ہیں۔ انکا کے آنے سے پہلے تھوڑا بہت آتا جاتا تو تھا ہی۔"

"کچھ دن اور چین کی بنسری بجا لو تربینی۔ میں بدری نرائن کو ٹھکانے لگانے کے بعد تم سے پھر ملوں گا۔" میں نے نفرت سے کہا پھر تیزی سے پلٹ کر حویلی سے باہر نکل آیا۔

"اگر میرا کہا سچ نکلے تو مجھے شما ضرور کر دیجئے گا خان صاحب۔" چلتے وقت تربینی کی آواز میرے کانوں میں گونجی تھی مگر میں کوئی جواب دیے بغیر چلا آیا تھا۔

انکا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، ادھر میں پریتم لال سے ملنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر تمام رات میں نے اسی بات پر غور کیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت پونا سے میسور روانہ ہو جاؤں لیکن انکا کی خاموشی دیکھ کر میں نے بات دوسرے دن پر ٹال دی۔ انکا حیرت انگیز طور پر خاموش سی تھی۔

میں دوسرے ہی دن میسور کے لیے روانہ ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کلدیپ رک جائے لیکن وہ نہ مانی۔ انکا نے بھی اسے ساتھ لے چلنے کی سفارش کی۔ آخر میں نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔ اس رفاقت کے باوجود مجھے کلدیپ کے لیے اپنے دل میں کوئی کسک محسوس نہ ہوتی تھی۔ مجھے کلدیپ سے اب کوئی محبت نہ تھی لیکن اس کے طور طریقے چونکہ نرگس کی عادتوں سے ملتے جلتے تھے اس لیے کبھی کبھی سنجیدگی سے میں اس کے بارے میں سوچنے لگتا اور پھر اسے ذہن سے جھٹک دیتا۔ پھر بھی کلدیپ کی شب و روز خدمت نے مجھے خاصا متاثر کیا تھا۔ وہ کس قسم کی لڑکی تھی جو مجھ سے اتنی متاثر ہو گئی تھی۔ میسور کے سفر کے دوران میں بھی میری اور کلدیپ کی زیادہ بات چیت نہیں ہوئی۔ ایک دو بار انکا نے مجھے کلدیپ کے سلسلے میں ہموار کرنے کی کوشش بھی کی لیکن میں ٹال گیا اور پھر غالباً انکا نے اس

سلسلے میں زیادہ اصرار مناسب نہیں سمجھا۔

میسور پہنچ کر میں نے پہاڑی سلسلوں کا رخ کیا۔ میں دس روز تک اِدھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ جس سے بھی پریتم لال کا پتا پوچھتا وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتا۔ انکا بھی اس عرصے میں اپنی سی کوشش کر چکی تھی لیکن اس کی پراسرار قوتیں بھی پریتم لال کا پتا معلوم کرنے میں ناکام رہیں۔ میں گیارہویں روز دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے ایک جگہ رکا تو انکا پھر میرے سر سے اتر گئی۔ وہ دو گھنٹے بعد واپس لوٹی تو اس کے چہرے پر کامیابی کی طمانیت موجود تھی۔ میرے دریافت کرنے سے پہلے ہی اس نے کہا۔ ”جمیل! میرے آقا میں نے معلوم کرلیا ہے کہ پریتم لال کہاں ہے۔“

”سچ......!“ میرا دل دھڑکنے لگا۔

”ہاں جمیل، وہ یہاں سے مشرق کی جانب دس کوس کے فاصلے پر ایک غار میں بیٹھا دیوتاؤں کے جاپ میں مگن ہے۔ ہم کل تک وہاں پہنچ جائیں گے۔“

”تمہیں یہ سب کچھ معلوم کرنے میں اس سے پہلے دشواری درپیش تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”پریتم لال نے ایسا حصار کھینچ رکھا ہے جس کے اندر کی بات کوئی نہیں جان سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ آج تک مجھے مایوسی ہوئی لیکن آج اتفاق سے مجھے پہاڑی پر ایک پجارن نظر آگئی۔ میرا ماتھا ٹھنکا، میں نے اس پر اپنی قوت آزمائی تو اس نے مجھے سب کچھ بتادیا۔ وہ پجارن دو سال سے پریتم لال کی خدمت کر رہی ہے۔ حیرت ہے جمیل کہ اتنی خوب صورت اور حسین لڑکی پہاڑی کی ویرانی میں بھی خوش ہے۔ بمبئی والی آشا یاد ہے تمہیں، اس سے لاکھ درجے حسین ہے وہ۔“ میں نے پجارن کے بارے میں اظہار خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اٹھا اور مشرق کی سمت چل پڑا۔ کلدیپ بھی میرے ساتھ تھی۔ اس نے ابھی تک مجھ سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔ وہ ایک سچی خدمت گزار کی طرح میری خدمت میں مگن رہی تھی۔ وہ عجیب وغریب طور پر بدل گئی تھی۔ ایک ماڈرن اور اپٹوڈیٹ لڑکی کی زندگی میں کیا انقلاب آگیا تھا۔

انکا کے اندازے کے مطابق دوسرے روز میں اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں پریتم لال کسی غار میں بیٹھا جاپ کررہا تھا۔ پہاڑی علاقے کا یہ حصہ گھنے درختوں کے درمیان واقع تھا اور ایسی ڈھلان پر تھا کہ عام لوگ مشکل ہی سے اِدھر کا رُخ کرسکتے تھے۔ یہ بڑی پُراسرار جگہ تھی۔ پریتم لال نے واقعی کچھ سوچ سمجھ کر ہی اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ میں درختوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ انکا نے کہا۔

”جمیل، تم اور کلدیپ یہیں ٹھہرو، میں کوشش کرتی ہوں کہ پریتم لال کی مصروفیات کا اندازہ لگاسکوں۔“

”کیا مطلب؟“

”دیوی دیوتاؤں کا جاپ کرتے وقت پجاری مختلف کیفیتوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ اگر پریتم لال اس وقت مدہوشی کی حالت میں ہوا تو پھر ہمیں انتظار کرنا پڑے گا، جلد بازی سے کام بگڑ جائے گا۔“

انکا کو گئے ہوئے کافی دیر ہوگئی۔ جتنی دیر ہوتی جارہی تھی میری بے چینی بڑھتی جارہی تھی۔ میں ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا انکا کا منتظر تھا۔ جس جگہ میں بیٹھا تھا وہ قدرے ہموار تھی۔ دور کسی جھرنے کی آواز ابھر رہی تھی، اِدھر تھکن سے میرا جسم چور چور ہورہا تھا۔ پہاڑی پر چڑھنے سے سانس پھولا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اگر میں غسل کرلوں تو تھکن کا احساس ختم ہوجائے گا۔ آنے والے لمحات سے نمٹنے کے لیے میرا پوری طرح تیار ہونا ضروری تھا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کلدیپ سے کہا۔

”کلدیپ، تم یہیں ٹھہرو، میں ذرا نہا کر آتا ہوں۔“

”یہاں پانی کہاں ملے گا جمیل؟“ کلدیپ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہیں قریب ہی پہاڑی جھرنا موجود ہے، کیا تم پانی گرنے کی آواز نہیں سن رہی ہو۔“

کلدیپ نے ایک لمحے کے لیے غور کیا پھر بولی۔ ”مجھے تو ایسی کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔“

”تعجب ہے، مجھے تو وہ آواز صاف آرہی ہے بلکہ کسی لڑکی کے بھجن گانے کی آواز بھی آرہی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔“ میں نے کلدیپ سے کہا پھر درختوں کے درمیان راستہ بناتا نشیب کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ کچھ فاصلے کے بعد میں ایک کھلی جگہ پہنچ گیا۔ قرب و جوار پر نظر ڈالی تو جھرنا کہیں نظر نہیں آیا البتہ بھجن اور جھرنے کی آواز بڑھ گئی تھی۔ میں دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ ابھی میں سو قدم ہی آگے گیا ہوں گا کہ مجھے درختوں کی آڑ میں ایک جھرنا نظر آگیا۔ بڑا دلکش منظر تھا۔ میں نے ایک بہترین قدرتی نظارے کے ساتھ ایک ہوشربا جلوہ دیکھا۔ وہاں ایک حسین وجمیل لڑکی سرتاپا عریاں نہا رہی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی جتنی کوئی بھی لڑکی ہوسکتی ہے۔ اس کا بدن دیکھ کر میں سب کچھ بھول گیا۔ میں یہ بھول گیا کہ میں جمیل احمد خان ہوں، میری عزیز بیوی نرگس کا انتقال ہوچکا ہے اور میں ایک مقصد سے یہاں آیا ہوں۔ یہ تنہائی، یہ سبزہ زار، یہ جھرنے اور بھجن کی سریلی آوازیں، خرمن عقل و ہوش پر بجلی گرا رہی تھیں۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا حسین نظارہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کوئی زاہد خشک بھی ہوتا تو ڈگمگانے لگتا۔ میں اس کے بدن کے جادو میں کھویا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ میری محویت کے دوران اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے ایک چیخ مار کر ہاتھوں سے اپنا بدن چھپانا چاہا، مگر وہ ناکام ہوگئی، پھر وہ بیٹھ گئی۔ اس کی بے بسی دیکھ کر مجھے یک گونہ لطف آیا۔ میں نے اسے چھیڑنے کے لیے کہا۔ ”ارے تم تو گھبرا گئیں خوب صورت لڑکی۔ میں تو صرف تمہیں دیکھ رہا ہوں۔“

”جاؤ یہاں سے۔ تم کون ہو؟“ وہ اس حالت میں تھی کہ نہ بھاگ سکتی تھی اور نہ اٹھ کر کپڑے اٹھا سکتی

تھی۔ مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں اور آگے بڑھ گیا۔ وہ چیخ پڑی۔ "دور ہٹو یہاں سے۔ دیکھو میری طرف نہ آنا۔" پھر وہ چیخنے لگی۔ "مہاراج۔ مہاراج۔"

اس کی معصومانہ وحشت سے مجھ پر جنون سوار ہو گیا اور میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اور زور سے چیخنے لگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ تلملا کر بولی۔ "میرے کپڑے اٹھادو۔ ناری سمجھ کر میری بے بسی کا فائدہ اٹھا رہا ہے اپرادھی۔ ابھی مہاراج آ جائیں گے تو پتا چل جائے گا۔"

"مہاراج کیا کر لیں گے؟" میں نے شوخی سے کہا۔

"وہ تجھے بھسم کر دیں گے۔"

"میں ان سے کہوں گا کہ اتنی سندر ناری کو جنگل میں تنہا کیوں چھوڑ رکھا ہے۔"

"تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟" اس نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "کیا تجھے نہیں معلوم کہ یہاں کوئی نہیں آ سکتا۔ یہ مہاراج پریتم لال کا استھان ہے۔"

"میں مہاراج پریتم لال ہی سے ملنے آیا ہوں۔"

"وہ کسی سے نہیں ملتے۔ چلا جا یہاں سے۔"

"اور اگر نہ جاؤں؟"

"تو اپنی موت کو خود آواز دے رہا ہے۔"

"پیاری لڑکی! مجھے بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کرتی ہو۔"

"میں ایک پجارن ہو پاپی۔ دیکھ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ بھگوان کے لیے یہاں سے چلا جا۔"

پجارن' پجارن اور پنڈت ان لفظوں سے مجھے چڑ تھی۔ میرے ہاتھ میں سختی آ گئی۔ میں یہ واقعہ مختصر کرتا ہوں۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی چوک تھی۔ بات تو بہت لمبی ہو گئی تھی مگر یہاں اس کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس دوشیزہ کی تلخ نوائی بڑھتی گئی اس قدر کہ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے پتھر اٹھا کر میرے سر پر مارنے کی کوشش کی۔ میں اس سے صرف مذاق کر رہا تھا۔ پہلے پتھر کا وار تو میں بچا گیا مگر جب دوسری بار پتھر اٹھانے کے لیے جھکی تو میں نے اس کا ہاتھ مروڑ دیا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگانا شروع کر دیا۔ میں پہلے تو اس کی مزاحمت ٹالتا رہا مگر جب وہ حد سے بڑھ گئی تو میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں سندری۔ کیا میں تمہیں کوئی برا آدمی دکھائی دیتا ہوں۔ سنو۔ میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تم کسی طرح مجھے مہاراج تک پہنچا دو۔" میں نے اسے چھوڑنے کے لیے ایک عذر تلاش کیا۔

"مم...... میں تم جیسے پاپی اور نیچ آدمی کو مہاراج سے نہیں ملوا سکتی۔ مجھے چھوڑ دو۔" پھر وہ مہاراج 'مہاراج پکارنے لگی۔

میں اسے چھوڑ دیتا لیکن میں اسے کیسے چھوڑ دیتا اور کیوں چھوڑ دیتا۔ کون اس دلکش منظر' تنہائی اور لڑکی کے بے پناہ حسن سے متاثر نہ ہوتا۔ وہ ایک سرکش لڑکی تھی' وہ ایک خوب صورت لڑکی تھی' میں نے چاہا کہ اسے چھوڑ دوں۔ مجھ پر پھر خوف کا غلبہ بھی ہوا لیکن میں نے اس کے حسن جہاں سوز کا نظارہ کرنے کے لیے اسے کچھ دیر اور روک لیا۔ وہ چیختی چلاتی اور فریاد کرتی رہی۔ میں کچھ اور بے رحم ہو گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اس سے دست درازی شروع کر دی۔ میں کچھ اور آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ اس نے رونا شروع کر دیا۔ مجھ پر اس وقت شیطان غالب تھا۔ وہ پریتم لال کی پجارن تھی اور میرے دل میں پجاریوں سے جو ایک نفرت بیٹھ گئی تھی اس نے مجھے تشدد پر اکسایا۔ وہ کچھ ایسی ہی لڑکی تھی کہ اس پر ستم ڈھانے میں لطف آ رہا تھا۔ ابھی میں دست درازی کی منزل سے آگے بڑھا ہی تھا کہ وحشت زدہ انداز میں انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "جمیل اس پجارن کو چھوڑ دو۔ تم یہ اچھا نہیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔"

"یہ بہت سرکش' مغرور اور حسین ہے۔ میں اسے چھوڑ دیتا لیکن اب مشکل ہے۔ گھبراؤ نہیں میں اسے ماروں گا نہیں۔ آخر تم کیوں اس کی طرف داری کر رہی ہو؟" میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

"تم اس وقت جو کچھ کر رہے ہو وہ بہت بُرا ہے۔ پریتم لال تک اس کی آواز پہنچ گئی ہیں۔ وہ ابھی ابھی اپنا جاپ چھوڑ کر اس منڈل سے باہر نکلا ہے اور جب پجاری اپنا جاپ چھوڑ دیتے ہیں تو مجسم قہر بن جاتے ہیں۔ تم نے ایک مہان شکتی والے دھرماتما کی پجارن پر ہاتھ اٹھا کر زبردست خطرہ مول لے لیا ہے۔ پریتم لال عظیم قوتوں کا مالک ہے۔ تم نے بنا بنایا کھیل بگاڑ لیا ہے۔ اگر تم اس وقت پریتم لال کے چکر میں پھنس گئے تو سنو میں بھی بے بس ہو جاؤں گی۔ سنو جمیل میں کیا کہہ رہی ہوں۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہاں سے بھاگ چلو۔"

انکا کی بات سن کر میں نے بادل نخواستہ پجارن کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے جذبات پر بڑی دقت سے قابو پایا۔ میں پجارن کی طرف ہوس اور غضب کی ایک نظر ڈال کر ابھی درختوں کے جھنڈ سے باہر آیا ہی تھا کہ انکا نے مجھ سے کہا۔ "لو وہ آ رہا ہے۔"

میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ ہڈیوں کا ایک پنجر پہاڑی سے نشیب کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گوشت برائے نام تھا۔ چہرے پر بلا کا تاثر تھا۔ اس کی نظروں سے شعلے لپک رہے تھے۔ وہ میرے پاس آ رہا تھا اور بڑی تیزی سے لڑکھڑاتا ہوا کسی خطرناک جادوگر کی طرح میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے مایوسی سے انکا کی طرف دیکھا تو وہ افسوس سے ہاتھ مل کر بولی۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا جمیل۔ تم خطرات میں پوری طرح گھر چکے ہو۔ پریتم لال تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ تم نے غصہ میں بے قابو ہو کر

اور جذبات میں بہہ کر پھر اپنے لیے تباہی کے اسباب فراہم کر لیے ہیں۔ غور سے سن لو کہ پریتم لال کے سامنے مجھے بے بس ہونا پڑے گا۔"

میں نے انکا کی زبان سے بے بسی کا لفظ سنا تو گھبرا کر رہ گیا۔ میں نے نظریں اٹھا کر پریتم لال کو دیکھا جو غیظ و غضب کے ساتھ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے پیر کپکپانے لگے اور حلق خشک ہو گیا۔

مجھ پر دہشت طاری ہو گئی۔ میں نے فرار ہو جانا چاہا لیکن فرار کے لیے کوئی بھی راستہ نہیں تھا۔ ہڈیوں کا وہ پنجر پہاڑی سے نشیب کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں میں ایسا سحر تھا کہ میرے قدم جیسے زمین سے چپک گئے۔ آنے والے شخص کی نظروں میں شعلے لپک رہے تھے۔ وہ غیظ و غضب کے عالم میں لڑھکتا ہوا میری سمت آ رہا تھا۔ میرے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے مایوسی سے انکا کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی اور ٹکٹکی باندھے پریتم لال کی جانب دیکھ رہی تھی۔ میں نے ڈوبتی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ "انکا جلدی سے میرے بچاؤ کے لیے کوئی صورت پیدا کرو میں اس ویرانے میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تم نے جلد بازی میں سارا کھیل چوپٹ کر دیا۔" انکا نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ "تم پریتم لال کی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اسے دیوتاؤں کی آشیرباد حاصل ہے۔ پاربتی کے اس حصار میں میری شکتی کیا کر سکتی ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"اب کیا ہوگا۔ اب وہی ہوگا جو پریتم لال چاہتا ہے۔ یہ اس کا علاقہ ہے۔" انکا بولی۔ "بس اپنی حالت سنبھالو۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو حالات اور بگڑ جائیں گے۔ میری بات غور سے سنو۔ کوشش کرنا کہ پریتم لال کے سامنے تمہیں غصہ نہ آنے پائے۔ نہایت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس بار تم سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو پھر تمہارے بچاؤ کے سارے راستے مسدود ہو جائیں گے۔"

پریتم لال مجھ سے کوئی دس قدم کے فاصلے پر پہنچ کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر برائے نام ہی گوشت تھا۔ اس ہیبت ناک شکل و صورت کے شخص کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے طیش اور جلال کی ایک نظر میرے کانپتے ہوئے جسم پر ڈالی اور اس کی پتلیاں سکڑ گئیں۔ وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا جیسے میرے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسی وقت حسین پجارن درختوں کی اوٹ سے باہر نکلی۔ پریتم لال کو میرے سامنے دیکھ کر وہ ایک لمحے ٹھٹھکی اور پھر دوڑ کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی اور منہ بسورتے ہوئے بولی۔ "بابا۔ اس پاپی نے اپنے ناپاک ہاتھ میرے شریر کو لگائے ہیں۔ اگر تم نہ آتے بابا تو یہ راکشش میرا دھرم نشٹ کر چکا ہوتا۔ اسے ایسا سراپ (سزا) دو کہ پھر یہ کسی مجبور ناری کی اور (سمت) بری نظر نہ ڈال سکے۔"

پریتم لال نے بڑے پیار سے اپنا استخوانی ہاتھ پجارن کے سر پر پھیرا لیکن اس کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ شاید میرے لیے کسی مناسب سزا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی ان ناسازگار حالات سے نمٹنے کی کشمکش سے دوچار تھی۔ اس کی مایوسی نے میری وحشت میں اور اضافہ کر دیا۔ پریتم لال نے سسکیاں لیتی ہوئی پجارن کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور میری سمت اشارہ کیا۔ پجارن نے حقارت سے دیکھتے ہوئے اسی سمت جانے لگی جہاں سے پریتم نیچے آیا تھا۔ اچانک اس کی کڑک دار آواز ابھری۔ ایک ناتواں جسم رکھنے کے باوجود اس کی آواز میں بڑی گرج چمک تھی۔ "پاپی مالا نے جو کچھ کہا وہ تو نے سنا۔"

اس کی آواز سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس علاقے کی ہر چوٹی اور ہر درخت سے یہی آواز ابھر رہی ہو جیسے بہت سی بدروحیں گرج اٹھی ہوں۔ میں نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے رحم طلب نظروں سے پریتم لال کی جانب دیکھا۔ زبان ہلانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"جانتا ہے تو نے کس لڑکی پر ہاتھ اٹھایا ہے؟" پریتم لال غرایا۔

"مہاراج مجھے شما کر دو۔" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔"

"بھول ہو گئی تھی۔" پریتم لال سرد لہجے میں بولا۔ "اگر میں یہاں نہ آ گیا ہوتا تو تیری بھول ایک پوتر پجارن کا جیون برباد کر دیتی۔"

"مہاراج۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔ "مجھے شما کر دو مہاراج چونکہ پجارن نے مجھے تمہارے چرنوں تک لے جانے سے منع کیا تھا' اس لیے مجھے غصہ آ گیا تھا۔ میں دیوانہ ہو گیا تھا مہاراج۔ میرے من میں پاپ نہیں تھا۔ میں تو یونہی......"

"تیرے من میں کیا تھا' میں بتاتا ہوں۔" پریتم لال نے خون اگلتی ہوئی نظریں میرے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔ "تیرے من میں پاپ آ گیا تھا۔ مجھ سے باتیں نہ بنا۔ تو یہاں جس کام سے آیا تھا اسے کیوں بھول گیا۔ تو اتنی جلدی اپنی استری کو بھول گیا؟ پاپی۔ تو تو اپنی استری کی موت کے لیے بیاکل تھا' جو کالی کے مندر کے اندر جان بچائے بیٹھا ہے۔ میرے پاس آنے کا مشورہ تجھے اس دشٹ تربینی داس نے دیا تھا۔ پرنتو تو سب بھول گیا اور بتاؤں کہ تیرے من میں کیا ہے؟"

"سچ ہے مہاراج۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ میں اسی لیے آپ کے چرنوں تک آیا تھا کہ آپ کی آشیرباد حاصل کر سکوں اور بدری نرائن کو موت کے گھاٹ اتار سکوں۔ اس پاپی نے میری نرگس کو بڑی بے دردی سے مارا ہے مہاراج۔ جب تک میں اس کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ نہیں لوں گا' مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"بند کر اپنی زبان۔" پریتم لال نے کرخت آواز میں کہا۔ "پنڈتوں پجاریوں کے لیے ایسے شبد

زبان سے نکالتے تجھے شرم نہیں آتی؟ تو نے بدری نرائن سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں کیا......اور تو......تو اپنی استری کی موت پر دیوانہ ہو رہا ہے۔ پرنتو تو نے کبھی یہ بھی سوچا کہ خود تیرے کارن کتنے گھروں کے دیپ بجھے ہیں؟ تو نے کتنے جیون برباد کیے ہیں؟ تو نے اپنا جیون سدھارنے کے لیے کتنے ہنستے مسکراتے چہرے کملا دیئے۔ تو نے دیکھ لیا تیری شکتی اب کتنی بے بس ہے' بڑا گھمنڈ تھا تجھے اس ڈیڑھ بالشت کی سندر دیوی پر۔"

پریتم لال کا اشارہ یقیناً انکا کی طرف تھا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کی سمت دیکھا تو وہ مجھے بے چین نظر آئی۔ مجھے سینے میں دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ میں نے مجرموں کی طرح پریتم لال کے سامنے سر جھکا دیا۔

"مالا کا اپمان کر کے تو نے میرا اپمان کیا ہے۔" پریتم لال نے ایک ثانئے کے بعد کہا۔ "تجھے اس کی سزا اوش ملے گی۔ میں تجھے ایسا کشٹ دوں گا کہ تو سارا جیون یاد رکھے گا۔"

میں کوئی جواب دینے کے لیے اپنے میں ہمت پیدا کر رہی رہا تھا کہ کلدیپ مجھے تلاش کرتی ہوئی آ گئی۔ اس نے بڑی سراسیمگی سے یہ منظر دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے پریتم لال کی توجہ کلدیپ کی طرف مبذول ہوئی تو انکا نے تیزی سے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ "جمیل' آگے بڑھ کر پریتم لال کے پیر تھام لو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں معاف کر دے۔ یہ شخص عام پنڈتوں پجاریوں سے مختلف ہے۔ غیر معمولی شکتی کا مالک ہونے کے باوجود یہ دل کا بڑا نیک ہے۔ شاید اسے تم پر رحم آ جائے۔"

میں نے انکا کے مشورے پر عمل کیا اور لپک کر پریتم لال کے پیر تھام لیے جو برف کی طرح سرد ہو رہے تھے۔ میں نے گڑگڑا کر اس سے معافی مانگنی چاہی لیکن پریتم لال پاؤں جھٹک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور گرج کر مخاطب ہوا۔ "مورکھ! یہ وچار من سے نکال دے کہ میں تجھے شما کر دوں گا۔ تو نے میری آتما کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ تجھے اس پاپ کی سزا اوش ملے گی۔ یہ انکا دیوی تجھ سے جو کچھ کہہ رہی ہے وہ میں سن رہا ہوں۔ اس سے کہہ دے کہ یہ درمیان میں نہ بولے۔"

اتنا کہہ کر پریتم لال نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے ہونٹ ہلنے شروع ہوئے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور خوف زدگی سے اسے گھورنے لگا۔ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میری کوئی فریاد نہیں سنی جائے گی۔ جمیل احمد خان کی قسمت میں سکھ کے دن بہت کم لکھے ہیں۔ نہ جانے ابھی اور کیا کیا ہوگا۔ انکا کی بے بسی نے میرے اوسان خطا کر دیے۔ اب پریتم لال سے کسی رحم و کرم کی امید نہیں تھی۔ وہ ایک لمحہ بڑا جاں گسل گزرا اور دوسرے لمحے میں نڈھال ہو گیا۔ میں نے حالات کے آگے سپر ڈال دی۔ اب جو کچھ ہونا ہے' ہو جائے۔ نرگس کے بعد زندگی ویسے بھی بے معنی تھی۔ پریتم لال نے مجھے زیادہ سے زیادہ موت کی سزا دے گا۔ اب میں' اس کے لیے بھی تیار ہوں لیکن اس نے مجھے ملعونت کی سزا نہیں دی۔ ابھی میرا دل

آنے والے اذیت ناک لمحوں سے دوچار ہونے کے لیے آمادہ ہو رہا تھا کہ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے رفتہ رفتہ میرے جسم کی تمام طاقت زائل ہو رہی ہو۔ میں نے گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ان گنت ہاتھوں نے میرے پاؤں پکڑ لیے ہوں' میں خود کو بڑا ناتواں محسوس کرنے لگا پھر مجھے ایسا لگا جیسے جسم میں آگ لگ رہی ہو۔ میں تیورا کر ناہموار پہاڑی پر گرا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ میں زندگی اور موت کی اس کربناک کشمکش میں اتنی دیر تک مبتلا رہا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بیکار ہو گئیں اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب ذہن پر سے یہ دھند چھٹی تو میں نے خود کو ایک دوسری جگہ پایا۔ یہ پریتم لال کی کٹیا کا فرش تھا۔ کٹیا میں پریتم لال کے علاوہ مالا اور کلدیپ بھی موجود تھیں۔ میری نقاہت کا یہ عالم تھا کہ مجھ میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ تھی۔ جسم کے ہر حصے سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے آنکھوں کو جنبش دی تو سارا ماحول چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ پریتم لال ایک بوسیدہ سی چٹائی پر چت لیٹا تھا اور دونوں اس کے پیر دبا رہی تھیں۔ میں نے انکا کو دیکھنا چاہا لیکن اس وقت وہ میرے سر پر موجود نہیں تھی۔ آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ میں رو بھی نہیں سکتا تھا۔ بس خوف سے کٹیا کی پتھر کی دیواریں تکتا رہا۔ ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا تھا' ایسے دردانگیز حالات میں آدمی کو اپنا ماضی' اپنے عزیز اور دوست یاد آتے ہیں۔ میں بھی اپنے ماضی میں گم تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ سزائیں تو بہت کم ہیں' مجھے تو اس سے زیادہ عبرتناک حالات سے دوچار ہونا چاہیے۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ پریتم لال کی سخت آواز میری نحیف سماعت سے ٹکرائی۔ وہ طنزیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "اب کیا سوچ رہا ہے' بہت دیر بعد خیال آیا تجھے؟"

میں نے بمشکل سر کو جنبش دے کر نظر اٹھائی تو پریتم لال کو بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے عقب میں کلدیپ اور مالا بتوں کی طرح خاموش کھڑی تھیں۔ کلدیپ کی نگاہوں میں حسرت ہی حسرت تھی لیکن مالا کے چہرے سے اب بھی تناؤ اور تنفر عیاں تھا۔ میں نے بے کسی کے احساس سے پریتم لال کو دیکھا۔ وہ سرد لہجے میں مخاطب ہوا۔ "کہاں گئی وہ تیری سہائتا کرنے والی سندر دیوی؟ تو اسے آواز کیوں نہیں دیتا؟ تو نے تو اسے حاصل کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے تھے' بڑی کٹھنائیاں اٹھائی تھیں؟ پرنتو بھگوان کا یہ کھیل تیری نظر میں نہیں رہا کہ اس نے ہر شکتی سے بڑی شکتی پیدا کی ہے۔ اگر سب لوگوں کو ایک سمان شکتی دان کر دی جائے تو یہ سنسار نرک بن جائے' جے بھگوان۔ کیا لیلا ہے اس کی۔"

میں نے پریتم لال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھ میں اتنی طاقت ہی کہاں تھی کہ زبان ہلا سکتا۔ لاچاری سے پریتم لال کی باتیں سنتا رہا۔ پیاس کی شدت سے میرے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے۔ میں بڑا سخت جان تھا جو اس عذاب میں زندہ رہ گیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو کب کا مر کھپ چکا ہوتا۔

"دیکھ لے' تیرے شریر کی شکتی کا کیا ہوا۔ تو بدری نرائن سے انتقام لینے کے سپنے دیکھ رہا تھا۔ کہاں گئی

Downloaded from Paksociety.com

وہ تیری شکتی؟ تیرے وہ خوفناک ارادے۔"

پریتم لال دیر تک بڑبڑاتا رہا۔ وہ ایک بہت بڑا جوگی، مہان پنڈت اور پجاری تھا۔ اس کے باوجود بے حد سادہ زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے انداز میں سادگی اور نرمی تھی اور اس کی گفتگو عام طرز کی تھی۔ اس میں وہ ظاہری کروفر نہیں تھا جو میں اس سے پہلے دوسرے پجاریوں میں دیکھ چکا تھا مگر اس وقت اس کی ہر بات نشتر بن کر میرے دل میں اتر رہی تھی۔ وہ اپنی سرخ آنکھیں گھما کر پھر کہنے لگا۔ "جس شکتی پر تجھے اتنا گھمنڈ تھا، اسے آج پھر خون کی ضرورت ہے۔ اگر اسے کسی منش کا خون نہ ملا تو اس کا پراسرار وجود خاک میں مل جائے گا، تو اس کا پریمی ہے، وہ تیرے پاس خود چل کر آئی تھی۔ میری اچھا ہے کہ آج تو اسے اپنے خون کی بھینٹ دے۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اٹھ کر بیٹھ جا۔"

پریتم لال نے آخری جملہ بہت غصیلے لہجے میں کہا تھا۔ ادھر میں اپنے ہاتھ پیروں کو جنبش تک نہیں دے سکتا تھا لیکن پریتم لال کے حکم سے سرتابی کی سزا مجھے معلوم تھی۔ میں نے اپنے مضمحل اعصاب اور جاتی ہوئی توانائی بحال کرنے کی کوشش کی۔ مجھے حیرت تھی کہ میں کس طرح اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یوں جیسے کسی نادیدہ طاقت نے مجھے اٹھا کر بیٹھا دیا ہو۔ پریتم لال کے چہرے پر اب بھی غضب تھا۔ میں اس کی نظریں نکیلے کانٹوں کی طرح اپنے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ان نگاہوں کی تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں۔ اسی لمحے مجھے ایسا لگا جیسے میرا سر بھاری ہو گیا ہو۔ وحشت زدہ انکا اب میرے سر پر موجود تھی۔ لیکن وہ کچھ بدلی ہوئی انکا تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں سے بیزاری مترشح تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو یاسیت سے دیکھا۔ اسی لمحے پریتم لال نے پراسرار لہجے میں انکا کو مخاطب کیا۔ "دیوی! اپنے آقا کی سیوا کرنا اور اس کے اشاروں پر ناچنا تیرا دھرم ہے لیکن تو اس سمے پاربتی کے ایک سیوک کے پاس ہے۔ کوئی پچیس برس ہوئے مجھ سے ایک سادھو نے تیرے بارے میں کہا تھا کہ میں تجھ پراپت کرنے کے لیے جاپ کروں۔ میں نے تیرے حصول کے لیے کوئی جاپ نہیں کیا کیونکہ تیرے اندر ہوس، غرض اور مکر ہے۔ تو تمام منشوں کی نہیں صرف اپنے مالک کی دوست ہے۔ میں نے پھر پاربتی سے رشتہ جوڑا اور اتنی بھگتی کی کہ آج تو میرے سامنے اس منش کے سر پر کھڑی ہے لیکن اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ انکا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو آج اپنے آقا کا خون پی۔"

"پریتم لال۔" کٹیا میں انکا کی حسین ترین آواز گونجی۔ "تو پاربتی کا سیوک ہے اور مجھے معلوم ہے تو نے اس کے لیے بڑی بھگتی کی ہے۔ اگر پاربتی دیوی تیرے اور میرے درمیان نہ ہوتی تو، تو مجھے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دے سکتا تھا۔ میں تجھ سے بنتی کرتی ہوں کہ مجھ سے کسی ایسے کام کے لیے نہ کہہ جو میں نہیں کر سکتی ہوں۔ میں کم سے کم اس منش کا خون نہیں پی سکتی۔ مجھے مجبور نہ کر۔"

"اس انکار کی سزا تجھے معلوم ہے؟ تو پریتم لال، پاربتی کے سیوک کا اپمان کر رہی ہے۔ تو جو پاربتی

کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔"

"پریتم لال۔ مجھے مجبور نہ کر۔ میں اپنی بھوک کہیں اور بھی مٹا سکتی ہوں۔ تو بڑا دیالو ہے۔ منش سے بھول چوک ہوتی ہے۔ کٹھور نہ بن۔ دیا کر۔" انکا کی آواز ابھر رہی تھی۔

"دیا؟ تو نے اس منش کو دیا نہیں سکھائی؟" پریتم لال گرجتے ہوئے بولا۔ مالا اور کلدیپ گم صم کھڑی پریتم لال کو کسی نسوانی آواز سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ انکا انہیں نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن اس کی آواز ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ دونوں بری طرح سہمی ہوئی تھیں۔ پریتم لال اور انکا میں تلخ و ترش لہجوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔

انکا پھر منت سماجت پر اتر آئی مگر جب پریتم لال نے اسے جلا کر خاک کر دینے کی دھمکی دی تو انکا کو مجبوراً پریتم لال کے حکم کے آگے سر جھکانا پڑا۔ پریتم لال کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے پاربتی کا نام لے کر ایک نعرہ مستانہ لگایا اور ڈنڈوت کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مجھے سراپ دینے سے زیادہ انکا کو زیر کرنے پر سرشار نظر آتا تھا۔ اس نے میری طرف فخر کے انداز سے دیکھا اور سنجیدگی سے کہنے لگا۔ "تیری مکتی اسی میں ہے کہ آج تو دیوتاؤں کے نام اپنے شریر کے خون کی بھینٹ دے۔ یہ پاربتی کے ایک سیوک کا حکم ہے۔"

پریتم لال کا جملہ پورا ہوتے ہی مجھے زور کی ابکائی آئی اور خون کی قے شروع ہو گئی۔ میرا کلیجا الٹنے لگا۔ مالا اور کلدیپ نے یہ خونیں منظر دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیے۔ میری آنکھوں میں اندھیرا پھیلنے لگا۔ خون تھا کہ برابر منہ سے جاری تھا۔ میں نے انکا کو دیکھا۔ وہ غمزدہ سی میرے منہ سے بہتے ہوئے خون کا ایک ایک قطرہ اپنے وجود میں منتقل کر رہی تھی۔ پریتم لال نے اسے اس کے آقا کا خون پینے پر مجبور کر دیا تھا۔ مالا اور کلدیپ نے پھر اپنی وحشت ناک نظریں میرے زرد جسم پر مرکوز کر دیں۔ مالا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔ خون میرے منہ سے نکلتا تھا اور کہیں غائب ہو جاتا تھا۔ اس کی بہت کم مقدار زمین پر گر رہی تھی۔ کلدیپ زیادہ دیر تک اس دلدوز اور دلخراش منظر کی تاب نہ لا سکی۔ اس نے بڑھ کر پریتم لال کے چرن تھام لیے اور گڑگڑا کر بولی۔ "مہاراج ...... دیا کرو ...... مہاراج۔ تمہاری داسی تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر بنتی کرتی ہے۔ مجھے جو چاہو سزا دے لو لیکن اسے اب شما کر دو۔"

"لڑکی۔ ہٹ جا۔ ہٹ جا۔" پریتم لال کے لہجے میں کسی طوفان کی گھن گرج تھی۔ "جانتی ہے تو کس پاپی کے لیے مجھ سے دیا مانگ رہی ہے؟"

"مہاراج۔" کلدیپ مجسم التجا بن گئی۔ "اسے شما کر دو مہاراج۔ اس کے بدلے تم مجھے حکم دو، میں اپنا جیون تک بھینٹ کرنے کو تیار ہوں مہاراج لیکن میرے کارن تم اسے شما کر دو۔"

کلدیپ جھولی پھیلائے پریتم لال سے میری زندگی کی بھیک مانگتی رہی لیکن پریتم لال کسی سنگلاخ

Downloaded from Paksociety.com

چٹان کی طرح اپنی جگہ اٹل رہا۔ انکا نظریں جھکائے میرے حلق سے ابلنے والے خون سے اپنا وجود سیراب کرتی رہی۔ کٹیا میں کلدیپ کی دردناک فریاد گونج رہی تھی۔ وہ بار بار پریتم لال کے پیر تھام کر گڑگڑانے لگتی تھی۔ اس کا چہرہ گردن تک آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ مالا تصویر حیرت بنی کھڑی تھی۔ کلدیپ کی آہ وزاری نے اسے بھی چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بھی آگے بڑھی...... اور پریتم لال کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے داسیوں کے انداز میں بولی۔ "بابا۔ اب اس ملنش کو شما کر دو۔ مجھے وشواش ہے کہ یہ اب کسی استری کو بری نظر سے نہیں دیکھے گا۔"

پریتم لال نے تعجب کے ساتھ مالا کی سمت دیکھا پھر ہاتھ بلند کر دیا۔ اچانک میری ابکائیاں بند ہو گئیں اور انکا نے میرا خون پینا بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر ندامت اور پشیمانی چھائی ہوئی تھی۔ وہ نظریں جھکائے غالباً پریتم لال کے دوسرے حکم کی منتظر تھی۔ میری نقاہت کا کچھ وہی لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں جن کے جسم سے کبھی سیروں خون نکل چکا ہو۔ چند لمحے سناٹا طاری رہا، پھر پریتم لال نے حقارت سے انکا کی طرف دیکھ کر ہاتھ جھٹکا اور انکا تیزی سے کٹی سے باہر نکل گئی۔ مالا بڑے لاڈ سے چٹائی کے قریب بیٹھ گئی۔ کلدیپ کی بھیگی پلکوں پر اب بھی آنسوؤں کے قطرے چمک رہے تھے۔

"پاپی۔ میں مالا کے کہنے پر تجھے چھوڑتا ہوں۔ پرنتو ابھی تیرے کشٹ کا سمے ختم نہیں ہوا۔ جب تک میری آگیا نہ ہو تو یہاں سے کہیں نہیں جا سکے گا۔"

میں نے تشکر کی نظروں سے مالا کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا' لیکن زبان لڑکھڑا کر رہ گئی۔ ان حالات میں مجھے مالا کی ذات فرشتہ رحمت محسوس ہو رہی تھی۔ پریتم لال کے چہرے سے جھلاہٹ کے آثار کسی قدر معدوم ہو گئے تھے۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں مجھ سے کہنے لگا۔ "جا۔ میری کٹی سے باہر نکل جا۔ پرنتو اتنا دھیان رکھنا کہ اگر تو نے میری آگیا کے بغیر بھاگنے کی کوشش کی تو تیرا انجام خراب ہو گا۔

میں کراہتا اور لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ مجھے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ ایک ایسے شخص کے لیے اٹھ کر چلنا ناممکن سا کام ہے جس کا خون نچوڑا جا چکا ہو مگر یہ پریتم لال کا حکم تھا۔ میں بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتا ہوا آگے بڑھا اور کٹی سے باہر نکلتے ہی تیورا کر گر پڑا۔ ٹھیک اسی وقت انکا میرے سر پر آ گئی اور بولی۔

"... مجھے افسوس ہے تمہاری یہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی لیکن میرے مالک' میں اس علاقے میں بالکل بے بس ہو کر رہ گئی ہوں۔ تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے۔"

مجھ میں جواب دینے کی ہمت نہ تھی۔ میں خاموش پڑا رہا۔

انکا نے کہا "مجھے یقین تھا کہ پریتم لال تمہیں شما کر دے گا اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے لیکن بتا نہیں سکتی کیونکہ اگر پریتم لال کو پتا چل گیا تو وہ مجھ پر برس پڑے گا۔ بس ذرا ہمت سے کام لو جمیل۔ تم نے وہ بات تو سنی ہو گی کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ملتی ہے۔"

میرا جی قہقہے لگانے کو چاہا مگر اس وقت میں اشارے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اشارے سے حلق کی جانب انگلی اٹھائی تو انکا نے پیچ و تاب کھا کر کٹی کی طرف دیکھا پھر بولی۔ "گھبراؤ نہیں جمیل۔ حوصلہ رکھو۔ میں تمہارے کھانے پینے کے لیے کچھ بندوبست کرتی ہوں۔"

میں اپنی بے بسی اور معذوری کی سرگزشت کہاں تک سناؤں۔ اب بھی ان اذیتوں کا تصور کر کے دل کانپ جاتا ہے۔ اگر میں پریتم لال کی ان سزاؤں کا احوال سنانے بیٹھ جاؤں جو مجھے دی گئی تھیں تو یہ سرگزشت طویل تر ہو جائے گی اور شاید کبھی ختم نہ ہو۔ چنانچہ میں درمیانی واقعات حذف کر رہا ہوں۔ نہ تو قلم میں اتنی طاقت ہے کہ یہ وہ بھیانک اور روح فرسا واقعات قلم بند کر سکے اور نہ سننے والے اس کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ سخت اور ہولناک سزائیں انسانی ذہن میں نہیں آ سکتیں' جمیل احمد خان کو انکا پر تصرف حاصل کرنے کے لیے غیر معمولی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ سانس کی نازک ڈوری ٹوٹی کیوں نہیں۔ میں نے کئی بار مرنا چاہا لیکن مر نہ سکا۔ شاید قسمت کو کچھ اور رنگینیاں دکھانا مقصود تھا۔

پریتم لال کے اس سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑی علاقے میں مجھے گیارہ ماہ گزر گئے۔ انکا میرے ساتھ ہی رہی مگر سر پر ایک بوجھ کی طرح۔ وہ اس عرصے میں کئی بار ایک رات کے لیے مجھ سے دور ہوئی تھی۔ مالا کی سفارش سے مجھ پر سختیاں تو کم کر دی گئیں لیکن میری بربادی کے دن ختم نہیں ہوئے۔ میں دن رات کٹی کے قرب و جوار میں بھٹکتا رہتا۔ بظاہر میں آزاد تھا لیکن یہ ایسی آزادی تھی کہ میں اپنی مرضی سے کوئی اقدام کرنے سے قاصر تھا۔ مجھے اس دلکش سبزہ زار پر گھٹن کا شدید احساس تھا۔ کوئی مجھ سے بات چیت کرنے والا بھی نہ تھا۔ بس انکا سے کبھی کبھی مایوسی کی باتیں ہو جاتی تھیں۔

ایک دو بار میں نے فرار ہونے کے امکانات پر بھی غور کیا لیکن انکا نے سختی سے منع کر دیا۔ کئی موسم آئے اور گزر گئے۔ میرے لیے ناہموار پہاڑیوں پر دن بھر بھٹکنے کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا۔ رات آتی تو میں پریتم لال کی کٹی کے باہر ایک سمت آ کر پڑا رہتا۔ جنگلی مچھروں' دوسرے جانوروں اور سانپوں سے میری آشنائی ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی دکھ بھری زندگی ختم کر لینے کے لیے کئی بار اپنے آپ کو جان بوجھ کر خطرے میں ڈالا مگر وہاں کے موذی جانور بھی جیسے پریتم لال کے پابند تھے۔ سانپ میرے سامنے سے گزر جاتے تھے' پسو میرے جسم سے کھیل کر واپس ہو جاتے تھے' کوئی جونک مجھ سے نہیں چمٹتی تھی۔ انکا میرے لیے خوراک کا بندوبست کرتی رہتی۔ مزید دو ماہ بعد میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن بے بسی اب بھی میرا مقدر تھی۔ ایک روز تنگ آ کر میں نے انکا سے پوچھا۔ "کیا پریتم لال مجھے کبھی آزاد نہیں کرے گا؟"

"جمیل' کاش میں تمہیں اس بارے میں کچھ بتا سکتی۔" انکا بے چارگی سے بولی۔ "ہاں اتنا کہہ سکتی

ہوں کہ اب تم کسی عجلت اور حماقت کا مظاہرہ نہ کرنا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ اس مقام پر صرف اور صرف پریتم لال کا حکم چلتا ہے۔ جمیل! میں اس سے پہلے اتنی مجبور کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے معاف کر دو۔ میں پریتم لال کا حکم ماننے سے انکار کر دیتی تو وہ پاربتی سے کہہ کر مجھے راکھ میں تبدیل کر سکتا تھا۔ اسے پاربتی نے مہان شکتیاں دان کی ہیں' اس کی پیشانی کا بل دیوتاؤں تک کو ان کا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے دیوتاؤں کے دلوں میں جگہ بنالی ہے۔ پریتم لال نے آج تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ دنیا کی ترغیب اور لالچ سے بچتے رہنے اور دیوتاؤں کے گیان دھیان میں مگن رہنے کے باعث اس نے اس مقام پر اپنا آسن جمایا ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ وہ کوئی معمولی پنڈت پجاری نہیں ہے۔ وہ پریتم لال ہے۔"

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں انکا" میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "مگر اب دھرماتما کیا چاہتا ہے؟"

"دیکھتے جاؤ۔ جو کچھ ہو رہا ہے فی الحال وہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

"بہتر ہے؟" میں نے زہر خند سے دہرایا۔ "تم بھی میری بے بسی کا مضحکہ اڑا رہی ہو؟"

"کیا تم مجھ سے بدظن ہونے لگے جمیل؟" انکا نے بے تابی سے کہا۔ "مجھ پر بھروسا رکھو' وقت کا انتظار کرو۔ یہ دن گزر جائیں گے' اس وقت میں اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتی۔ میں بھی تمہاری ہی طرح بے بس ہوں۔"

چند مہینے اور گزر گئے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس لمبی مدت میں پریتم لال ایک بار بھی کٹی سے باہر نہیں آیا تھا۔ انکا نے مجھے اندر جانے سے منع کر دیا تھا۔ کلدیپ دن میں دو تین بار آتی لیکن وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کا تسلط روز بروز گہرا ہوتا جارہا تھا۔ شاید پریتم لال نے کلدیپ پر بھی کچھ بندشیں عائد کر دی تھیں۔ وہ میرے قریب سے گزرتے وقت حسرت و یاس سے مجھے دیکھتی۔ اسے جھرجھری آجاتی اور وہ خاموشی سے اپنے راستے پر چل دیتی۔ اس کی آنکھوں میں ایک تقدس پیدا ہو گیا تھا۔ مالا بھی کئی بار کٹی سے باہر نکلتی لیکن وہ مجھ سے بے نیاز ہی رہتی۔ اس نے میری خواہش اور کوشش کے باوجود کبھی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ جب میں اس عجیب قید سے بہت بیزار ہونے لگتا اور مجھ پر جنون طاری ہو جاتا تو انکا مجھے ہوش میں لے آتی۔ پریتم لال آخر کیا چاہتا ہے۔ میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا لیکن کوئی بات میرے پلے نہ پڑتی۔ مالا اور کلدیپ دونوں اور نکھر گئی تھیں۔ مالا کی سحر طرازی قیامت ہو گئی تھی۔ اس کے شاہکار حسن نے مجھے اس نوبت کو پہنچایا تھا۔ اس کے کٹی سے باہر آنے پر میرے دل میں ایک کسک پیدا ہوتی' میں گداز محسوس کرتا' التجا آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھتا۔ ایک دو بار میں نے اسے مخاطب کرنا چاہا لیکن انکا نے میرے ہونٹوں کو جیسے سی دیا۔ میں تلملا کر رہ

جاتا' بات کرنے کے لیے زبان ترس جاتی۔

اسی امید و بیم کی کیفیت میں دن گزر رہے تھے' ایک روز صبح جب میں بیدار ہوا تو نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ ہونے والا ہے' ادھر انکا کی جاں فزا آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "جمیل' تمہیں پریشانی کے دن اب ختم ہونے والے ہیں۔"

میں نے چونک کر انکا کی طرف دیکھا۔ وہ آج خلاف توقع ہشاش بشاش نظر آرہی تھی۔ اس کی خوشی سے مجھ میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا بلکہ مجھے کچھ جھلاہٹ سی ہوئی۔ میں انکا سے کوئی طنز بھری بات کہنے والا تھا کہ کٹی کے اندر سے مالا کی سسکیاں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ میں اس دن کے بدلے ہوئے حالات کو سونگھ کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے انکا سے مالا کے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کٹی کی طرف دیکھ کر بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "قبل از وقت کوئی بات نہ پوچھو۔ میں اس وقت بہت اداس ہوں۔ کچھ صبر کرو۔"

میں انکا کی مصلحت نہ جان سکا۔ میں نے تشویش سے اسے دیکھا۔ اس کی خاموشی اور مصلحت اندیشی نے مجھے متردد کر دیا تھا۔ اسی دوران کلدیپ حواس باختہ سی کٹی سے باہر نکلی اور ایک عرصے بعد مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "اندر چلو جمیل' مہاراج تمہیں بلا رہے ہیں۔"

یہ "کیوں اور کیا" کا محل نہیں تھا۔ کلدیپ کے چہرے کی اداسی اور خزاں زدگی بتا رہی تھی کہ معاملہ گھمبیر ہے۔ میں کھڑا ہو گیا اور آگے بڑھا۔ جب میں نے کٹی کے اندر قدم رکھا تو دیکھا کہ پریتم لال آنکھیں بند کیے چٹائی پر پڑا ہے۔ اس کے جسم کی ہڈیاں اور ابھر آئی تھیں' چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی' وہاں وہ وقار اور جلال نہ تھا جو میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ مالا پریتم لال کے سر پر سر رکھے بچوں کی طرح سسک رہی تھی۔ میں ایک لمحے میں حالات کی نوعیت سمجھ گیا۔ آہستہ آہستہ پریتم لال نے آنکھیں کھولیں۔ آج اس کی آنکھیں بے نور اور پتھرائی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ یونہی آنکھیں نچاتا رہا' غور سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ پھر مدھم آواز میں بولا۔ "بالک میرے قریب آجاؤ۔"

میں نے پھرتی سے قدم آگے بڑھائے اور پریتم لال کے قریب جا کر رکا۔ اس نے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔" میں سعادت مندی سے بیٹھ گیا اور اس کے لب پھر ہلنے لگے' اس نے کہا۔ "میں نے جس کارن تمہیں روکا تھا' آج وہ سمے آگیا ہے۔ میں آج تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"مہاراج" میرا دل بھر آیا۔ "تم پراسرار اور بے اندازہ قوتوں کے مالک ہو۔ میری کیا مجال جو تمہاری کسی بات سے انکار کر سکوں۔"

میرا جواب سن کر پریتم لال کی آنکھوں میں سرخی آگئی لیکن فوراً ہی غائب ہو گئی۔ انکا نے مجھے سنبھل کر بات کرنے کے لیے ٹہوکا دیا۔ پریتم لال کے ہونٹ سکڑنے لگے۔ "بالک نراش نہ ہو' میں جانتا ہوں

کہ تمہارا من میری طرف سے میلا ہو گیا ہے' پرنتو میں نے تمہیں جو کشٹ دیا تھا وہ ٹھیک تھا۔ انکا دیوی نے بتایا ہو گا کہ دھرتی کے...... کسی منش کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی۔ میں منشوں سے بھاگ کر یہاں چلا آیا تھا اور گیان دھیان میں اپنا جیون بتا دینا چاہتا تھا۔ پرنتو یہ مالا میری بچی میرے درمیان آ گئی۔ اس مورکھ نے جب مجھے دیکھا تو اپنے جیون کی تمام خوشیوں سے منہ موڑ کر میرے چرنوں میں اپنی زندگی بتانے کی ٹھان لی۔ تم نے اس کے شریر کو ہاتھ لگا کر مجھے دکھ پہنچایا تھا۔ یہ ایک دیوی کی طرح پوتر ناری ہے' میرے اوپر اس کا بڑا بوجھ ہے' یہ آنے کو تو آ گئی مگر جو میں چاہتا تھا وہ نہ بن سکی۔ اپنے من کا میل دور کرو بالک' میں تمہیں آج کچھ دان کرنا چاہتا ہوں۔''

پریتم لال کا بدلا ہوا رویہ اور نرم لہجہ میرے لیے حیرت انگیز تھا۔ وہ مجھ سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کر رہا تھا۔ اب میرا دل آپ ہی آپ اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔ میں نے سوچا ممکن ہے مجھ میں یہ کیفیت اس کی مافوق الفطرت قوتوں کے اثر سے پیدا ہو گئی ہو۔ میں متضاد خیالات سے دوچار تھا کہ پریتم لال بولا۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اسے دھیان سے سنو بالک' میرے پاس سمے کم ہے' تمہارے سامنے یہ جو مالا کھڑی ہے' یہ بڑی سندر چھوکری ہے' یہ کوئی پجارن نہیں ہے' یہ ایک دھن وان باپ کی بیٹی ہے۔ اس کا باپ آج سے چار سال پہلے اپنی ایک چتا لے کر اس کے ساتھ میرے پاس آیا تھا۔ اس مورکھ کو یہ جگہ اتنی پسند آئی کہ پھر اپنے پتا کے ساتھ واپس نہیں گئی۔ میری سیوا کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے ماتا پتا نے اسے یہاں سے لے جانے کی بہت کوشش کی مگر یہ ہرنی اس جنگل میں ایسی آئی کہ واپسی کو اس کا جی نہ چاہا۔''

پریتم لال کی زبانی مالا کے بارے میں یہ انکشافات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی لیکن میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا' ہمہ تن گوش ہو کر اس کی جانب متوجہ رہا۔ وہ کہنے لگا۔ ''میں نے اسے بیٹی سمان دیکھا اور سمجھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ میری اچھا ہے بالک کہ تم اس کا ہاتھ تھام لو۔ مجھے وشواش ہے' یہ تمہاری ساتھ بڑی سکھی رہے گی اور تمہیں بھی سکھی رکھے گی۔ میرے جانے کے بعد اس پہاڑی علاقے میں اس کا جی نہیں لگے گا۔''

پریتم لال کی اس پیش کش پر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے اسے اس طرح دیکھا جیسے مجھے اس کی بات کا یقین نہ ہو۔ جیسے نزع کی کیفیت میں اس کے منہ سے کوئی بات نکل گئی ہو۔ میں نے متذبذب سے پوچھا۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ مالا کی قسمت میں یہی لکھا ہے۔'' پریتم لال نے یقین سے جواب دیا۔

''مگر میں...... میں' میں مہاراج۔ میں تو ایک بہت برا آدمی ہوں۔ مالا کے لیے مجھ سے اچھا بر مل سکتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میرا ماضی کتنا تاریک اور بھیانک ہے۔ تم میرے ساتھ......'' میں نے جز بز

ہو کر کہا۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مالا کو تجھ سے اچھا بر مل سکتا ہے پرنتو تو نے اس کے شریر کو ہاتھ لگا دیا ہے۔ اب وہ تیری ہے' کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔'' پریتم لال نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''مگر مہاراج' میرا نام جمیل احمد خان ہے اور اس کا نام مالا۔ تم نے یہ بھی سوچا؟'' میں نے پریشانی سے کہا۔

''ہونہہ۔'' پریتم لال مسکرایا۔ ''مجھے معلوم ہے تو کیا ہے۔ دھرم کی بات تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے کیا؟ مالا اپنے دھرم پر قائم رہے گی' تو اپنے دھرم پر قائم رہنا۔ اگر تیرا کوئی دھرم ہے۔''

''مہاراج۔'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں۔ پریتم لال نے اچانک ایک عجیب سی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ کلدیپ میرے سامنے کھڑی تھی۔ وہ لڑکی جس نے میری خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ گھربار' ماں باپ' وہ میری محبت میں کہاں سے کہاں آ گئی تھی۔ میں اسے کیسے نظر انداز کر دیتا۔ اس نے میرے لیے کتنے دکھ جھیلے تھے' اسیری کی زندگی گزاری تھی۔ میری وجہ سے اس نے پریتم لال کی داسی بن کر شب و روز اس کی خدمت کی تھی۔ میں محض چند لمحوں میں اس عظیم محسنہ کے احسانات کیسے فراموش کر سکتا تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہنے لگا۔ ''کس وچار میں ہے بالک؟ کیا مالا رانی کو سوئیکار کرنے میں تجھے کوئی جھجک ہے؟''

''مہاراج۔'' میں نے کن انکھیوں سے کلدیپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہاری قید میں ہوں۔ تم عظیم قوتوں کے ذریعے مجھے ہر بات ماننے کے لیے مجبور کر سکتے ہو۔''

مالا کو حاصل کرنے کا خیال میں دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ وہ حسین و جمیل لڑکی مجھے نذر کی جا رہی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا یہ صرف ایک خواب ہے' بھلا مالا بھی میری زندگی میں آ سکتی ہے؟ وہ مالا جو پریوں کو شرماتی ہو اور جسے دیکھ کر پھول مسکرانے پر مجبور ہو جاتے ہوں۔ ایک طرف خوشی تھی تو دوسری طرف حسین کلدیپ سے جدائی کا خیال مانع تھا۔ رواداری اور مروت کے جذبات دل میں موجزن تھے۔ کلدیپ بھی کچھ کم حسین نہیں تھی۔ میں عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔

''اس سمے جو وچار تجھے پریشان کر رہا ہے اسے دھیان سے نکال دے۔'' پریتم لال پھر بولنے لگا۔ ''کلدیپ کو من سے نکال دے۔ جسے ایک بار سچے دل سے دیوتاؤں کے گیان دھیان کا سواد آ جائے اس کے لیے منش کیا چیز ہیں۔ وہ سنسار کی جھوٹی خوشیوں کا بھید جان چکی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ تجھ سے پریم کرتی ہے۔ اس کا پریم سچا ہے' پر تو سمجھ لے کر تو نے اسے کھو دیا۔ میں نے مالا کے بدلے اسے تجھ سے مانگ لیا۔ وہ تجھ کو اپنے ہردے کے مندر میں سجائے سارا جیون تیری پوجا کرتی رہے گی۔ پر میری کٹی چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ وہ ایک بڑی پجارن بنے گی۔ اسے پاربتی نے پسند کر لیا ہے۔ دیکھنا وہ اس سنسار میں

نام پیدا کرے گی۔"

میں نے کلدیپ کی سمت نظر اٹھائی۔ اس کے چہرے پر تقدس جھلک رہا تھا۔ وہ حوصلہ مند اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ پریتم لال کی اس تجویز اور پیشکش پر ناراض نہیں ہے' وہ مجھے الجھا ہوا دیکھ کر متانت سے بولی۔ "جمیل۔ میں مہاراج کو وچن دے چکی ہوں کہ اپنا باقی جیون اسی کٹی میں بتا دوں گی۔ مجھے یہاں جو سکون ملا ہے وہ کہیں نصیب نہیں ہوا تھا۔ میں تم سے پریم کرتی ہوں اور اس ناتے تم سے بنتی کرتی ہوں کہ مہاراج کی اچھا کا پالن کرو اور مالا رانی کا ہاتھ تھام لو۔ نرگس کے بعد بھی تمہیں ایک ناری کی ضرورت ہے۔" یہ کلدیپ بول رہی ہے؟ میں گنگ اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت کسی عظیم دیوی کے روپ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ دیوی جس کی پرستش پر دل خود بخود آمادہ ہو۔ اس نے میری ساری مشکلیں حل کر دیں۔ میرے پاس وہ جملے نہیں تھے جو اس کی قربانی پر اظہار تشکر کے طور پر ادا کیے جائیں۔ میرا دل چاہا کہ آگے بڑھوں اور محبت و قربانی کی اس دیوی کے سامنے سرنگوں ہو جاؤں۔ اس کے چہرے پر ملال یا سوگواری کی کوئی علامت نہیں تھی۔ میں اپنے دل میں اس کی عظمت و برتری کا احساس پا رہا تھا۔

"بالک' میرے جیون کا آخری سمے قریب آ رہا ہے۔" پریتم لال نے مجھے مخاطب کیا۔ "میں مالا رانی کے ساتھ جہیز میں تمہیں کچھ نہیں دے رہا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے دیوی دیوتاؤں کے ہزاروں جاپ کیے ہیں۔ پورا جیون اسی میں گزار دیا ہے۔ میں تمہیں مالا رانی کے علاوہ کچھ اور بھی دان کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس انکا کی شکتی ہے' لیکن انکا آنی جانی چیز ہے۔ میں اپنی کچھ اور شکتی بھی تمہیں دان کر رہا ہوں۔"

پریتم لال نے اتنا کہہ کر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس نے چٹائی پر رکھے ہوئے تھیلے سے سفید کھریا مٹی جیسی کوئی چیز نکال کر اس پر دس بار نہ جانے کیا جنتر منتر پڑھ کر پھونکا پھر وہ سفید ٹکڑا میری طرف بڑھا کر کہا۔ "لو بالک۔ اسے کھا لو۔ کنیا دان کے ساتھ کوئی ایسا جہیز بھی ہونا چاہیے تھا جو کوئی باپ اپنی بیٹی کو دے کر فخر محسوس کر سکے۔ میں نے جو چیز تمہیں دان کی ہے وہ پنڈتوں پجاریوں کو ورشوں پوجا پاٹ کرنے کے بعد بھی نہیں ملتی۔ اسے کھانے کے بعد تمہارے شریر میں ایک نئی شکتی پیدا ہو گی۔ تم بلوان ہو جاؤ گے اور پھر بلائیں قریب آنے کی ہمت نہ کر سکیں گی۔ تم سچے من سے میرا نام لے کر جو چاہو گے وہ اوش پورا ہو گا۔ پر ایک بات ہمیشہ دھیان میں رکھنا۔ اگر تم نے میری بیٹی مالا رانی کو دکھ دینے کی کوشش کی تو میری آتما بیاکل ہو جائے گی اور وہ یہ شکتی تم سے واپس لے لے گی جو میں تمہیں دان کر رہا ہوں۔"

"مہاراج۔ تمہارا حکم سر آنکھوں پر۔" میں نے سفید کھریا مٹی نما شے جلدی سے دانتوں تلے دبا کر حلق سے نیچے اتار لی۔ اس کا ذائقہ بے حد کڑوا تھا۔ میں نے کہا۔ "مجھے پرشواش رکھو۔ میں مالا رانی کو

کبھی کوئی دکھ نہیں دوں گا۔" میرے اقرار سے پریتم لال کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس نے میرا ہاتھ تھامنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا پھر مالا کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔ "بھگوان تم دونوں کو سکھی رکھے۔ جو اس کی اچھا تھی میں نے وہی کیا۔"

میں نے کن انکھیوں سے مالا کو دیکھا۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں اور بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کسی طور کٹی سے باہر نکل جائے' حیا کی سرخی نے اس کا دلکش چہرہ گلنار بنا دیا تھا۔ اس کے لمس کی گرمی اتنی لذت آمیز تھی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مالا مجھے مل سکتی ہے' ایک الھڑ لڑکی' سراپا حسن' تازہ شگفتہ' بہار کا پہلا پھول' اس کے بدن کی خوشبو میرے اعصاب پر چھا گئی اور میں وہ تمام اذیتیں بھول گیا جو پریتم لال نے مجھے دی تھیں۔ کلدیپ سے ایک لگاؤ' اس کی وفا شعاریوں کے احساس اور اس کی موجودگی کے باوجود میں مالا کے ساتھ سنہرے دن گزارنے اور اس سے بڑے بڑے وعدے کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ میں اپنی قسمت پر نازاں تھا اور آنے والے دنوں میں مالا کے ساتھ رہنے کا نشہ مجھ پر چھایا ہوا تھا کہ کلدیپ کی ایک چیخ میرے خوابوں کا شیرازہ منتشر کر گئی۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ کلدیپ پریتم لال کے اکڑے ہوئے جسم سے لپٹی سسک رہی تھی۔ مالا کو حقیقت حال کا علم ہوا تو وہ بھی بین کرنے لگی۔ پریتم لال کو جدا ہوئے چند لمحے گزرے تھے کہ اس کا جسم بری طرح اکڑ گیا۔ کٹی اب ماتم کدے میں تبدیل ہو گئی تھی۔

میں نے انکا کی طرف نظر کی۔ پریتم لال کی موت نے اس کے پراسرار وجود کو بھی مغموم کر دیا تھا۔

اور پھر ایک ہفتے تک میں اسی پہاڑی پر رہا۔ پریتم لال کا کریا کرم مجھی کو کرنا پڑا۔ میرے لیے یہ عجیب سا کام تھا مگر انکا ہدایت کے لیے موجود تھی۔ کلدیپ نے چتا کی راکھ اپنے بدن پر مل کر کٹی سنبھال لی۔ وہ ہر وقت چٹائی پر بیٹھی نہ جانے کیا جاپ کرتی رہتی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر دل بہت کڑھتا تھا مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نئے منصب پر وہ بہت خوش ہو۔ اس کے چہرے کی پاکیزگی اور تقدس اس بات کا پتا دیتے تھے۔ ایک ہفتے بعد جب میں رخصت ہونے لگا تو کلدیپ نے گلوگیر لہجے کے ساتھ مالا کو رخصت کیا اور خلوص سے دعائیں دیں۔ اس نے کہا۔ "جمیل' تمہیں نیا جیون مبارک ہو۔ مالا نرگس کی کمی دور کر دے گی۔ کبھی کبھی مجھے بھی یاد کر لیا کرنا۔"

میں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ آج بہت روؤں اور مالا کو چھوڑ کر کلدیپ کو ساتھ لے جاؤں۔ وہ کچھ ایسے رقت انگیز انداز سے ہمیں رخصت کر رہی تھی کہ فولاد بھی نرم پڑ جاتا۔ میں نے اس کے مرمریں ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ رخصت کے وہ لمحات بڑے کرب ناک تھے' کلدیپ سے جدا ہو کر اس کی یاد میں تڑپتی رہی لیکن پھر محبت نے اسے سکون پہنچایا۔ اس کے چہرے کا نکھار واپس لوٹ آیا۔ شہر واپس آ کر میں اس ہوٹل میں گیا' جہاں میرا سامان اور نقدی موجود تھی۔ مینجر اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ میرے کپڑے تار تار ہو چکے تھے۔ میں نے اس

سے اپنا سامان طلب کیا تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ نتیجتاً مجھے انکا کو اشارہ کرنا پڑا اور اسی دن شام تک میں پھر اعلیٰ درجے کے لباس پہننے اور عمدہ کمرے میں ٹھہرنے کے قابل ہو گیا۔ جب انکا ساتھ ہوتی تو روپے پیسے کی کبھی کمی نہیں ہوتی تھی۔ مالا کو قیمتی ساڑیاں پہنائی گئیں۔ میں نے اس کا عروسی جوڑا سلوایا۔ جب اس نے وہ جوڑا پہنا تو اسے دیکھ کر میں آنکھیں پٹ پٹانے لگا۔ وہ اتنی دلکش اور نازک لگ رہی تھی کہ صرف دیکھنے اور گفتگو کرنے کو جی چاہتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ مکمل تنہائی اور تمام تر شدتوں کے باوجود میرا دل کہتا تھا کہ ابھی اور انتظار کرو۔ ابھی اور ٹھہرو۔ اس کلی کی بہار دیکھو۔ اس نوخیز شباب کو پہلے جی بھر کر دیکھ لو۔ وہ کلی ہی رہی۔ وہ میری حیرانی دیکھ کر پوچھتی۔ ''یہ تم مجھے سامنے بٹھا کر کیا تکتے رہتے ہو۔؟ میں جواب دیتا۔ میں قدرت کی حسین صناعی کی داد دے رہا ہوں۔'' سوچتا تھا کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں۔ اسے سر کرنے کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں یہ پھول اپنے سینے پر آویزاں کر لوں تو کہیں اس کی دلکشی ماند نہ پڑ جائے' سو میں نے بہت ضبط کیا۔ وہ دوشیزہ تھی' دوشیزہ ہی رہی لیکن پھر ایک شب ضبط کہ یہ بندھن آخر ٹوٹ گئے۔ دل اس کے حسن کے وار برداشت نہ کر سکا۔ وہ میرے وجود پر چھا گئی۔

میں وہ لذت آفرین اور حیات پرور دن کبھی نہیں بھول سکتا۔ انکا کی تیزی و طراری بھی واپس آ چکی تھی۔ ایک روز جب مالا غسل کر رہی تھی تو اس نے مجھ سے کہا۔ ''جمیل' تم تو مالا میں ایسے کھو گئے کہ ہماری پوچھ گچھ بھی گئی۔''

میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''تم کیا مجھ سے علیحدہ چیز ہو؟ میں تو سمجھتا ہوں تم میرا احساس ہو' جب میں محسوس کرتا ہوں تو تم بھی محسوس کرتی ہو گی۔''

''یہ تو ٹالنے والی بات ہو گئی۔'' انکا نے شگفتگی سے کہا۔

''انکا۔ مالا نے زندگی ہی بدل دی ہے' واقعی میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔'' میں نے جذباتی ہو کر کہا۔

''جمیل مالا کے ساتھ ساتھ پریتم لال نے جو قوت تمہیں دان کی ہے اس کے مقابلے میں بڑے بڑے بلوانوں کی شکتی بھی ہیچ ہے۔ اگر تم نے مالا کا ہاتھ تھامنے سے انکار کر دیا ہوتا تو پریتم لال مرنے سے پہلے تمہیں جلا کر بھسم کر دیتا۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنا کہ مالا کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ورنہ حالات خراب ہو سکتے ہیں۔''

''مالا کو کون کافر دکھ دے سکتا ہے۔ تم تو بعض اوقات پاگل پنے کی باتیں کرنے لگتی ہو۔ میں تم سے خود کہہ رہا تھا کہ مالا کو کوئی شکایت نہ ہونے پائے۔ مالا تو انکا' بہار ہے۔ بہار کی کون طلب نہیں کرے گا۔ میں سوچتا ہوں میں نے زندگی اب شروع کی ہے۔''

''تم نرگس کو اتنی جلدی بھول گئے؟ یہ مرد بھی بڑے ہرجائی ہوتے ہیں۔ ہر حسین عورت کے بارے

میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔''

''انکا' نرگس کا ذکر تم نے بے وقت چھیڑ دیا۔'' نرگس کا نام سن کر میں تڑپ گیا اور دل مسوس کر بولا۔

''نرگس کی بات اور تھی' مالا کی بات اور ہے۔ تم نے اچھا کیا جو مجھے چونکا دیا۔ اری پگلی۔ نرگس کو کون بھول سکتا ہے۔ مالا نے کچھ ایسا جادو کر دیا ہے کہ میں خود کو بھول گیا ہوں۔ یہ بھی بھول گیا ہوں کہ ابھی مجھے بدری نرائن سے انتقام لینا ہے۔ وہ بدری نرائن جس نے میری معصوم نرگس کو مجھ سے چھین لیا تھا۔ چلو انکا۔ سامان باندھتے ہیں۔ یہاں سے چلتے ہیں اور اس کمینے پنڈت کو ٹھکانے لگاتے ہیں۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

انکا میری سنجیدگی اور جھلاہٹ پر ایک سرد آہ بھر کر پھر بولی۔ ''جمیل' بہتر ہے کہ بدری نرائن سے پہلے تم اپنے ایک اور دشمن سے مل لو' وہی تربینی داس۔ وہ بڑا مکار اور فریبی ہے۔ اس نے تمہیں پریتم لال کا پتا اسی لیے دیا تھا کہ تم مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ اور وہ چین کی بنسری بجاتا رہے۔ پہلے تمہیں اس کمینے کا حساب چکانا ہو گا۔''

''تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتایا تھا انکا؟'' میں غصے ۔۔۔ پیچ و تاب کھا کر بولا۔ ''میں اسی دن حرام زادے کا ٹیٹوا دبا دیتا۔''

''مجھے اس کا خیال اس وقت آیا تھا جمیل' جب تم مالا سے دست درازی میں مصروف تھے۔ میں تمہیں حالات سے باخبر کرنا چاہتی تھی لیکن موقع نہیں مل سکا تھا۔ حالات اچانک ہمارے خلاف ہو گئے تھے۔ ویسے اگر مالا کا واقعہ درمیان میں نہ ہوتا تو شاید پریتم لال ہماری درخواست رد نہ کرتا۔''

مالا کے آ جانے سے باتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔ مالا نے میری کیفیت دیکھی تو گھبرا گئی۔ تربینی داس اور بدری نرائن کے ذکر نے طبیعت بہت مکدر کر دی تھی۔ مالا نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے ٹال دیا اور کہا آج شام ہم میسور سے روانہ ہو رہے ہیں۔

اسی شام کو پہلی گاڑی سے میں پونا روانہ ہو گیا۔ مالا سے کوئی تذکرہ کرنا مناسب نہیں تھا۔ پونا پہنچ کر میں نے ایک بار پھر اسی ہوٹل میں قیام کیا جہاں پہلے بھی دو بار رہ چکا تھا۔ ہوٹل والے میری فراخ دلی سے واقف تھے۔ انہوں نے بڑے تپاک سے مجھے خوش آمدید کہا۔ مالا کو دیکھ کر وہ چونکے مگر امراء سے اس قسم کی بازپرس مناسب تصور نہیں کی جاتی ہے۔ مالا کو ہوٹل میں چھوڑ کر میں نے اس سے ایک پرانے دوست سے ملنے کا عذر کیا اور تربینی کی حویلی کی سمت چل پڑا۔

اس وقت رات کے نو بجے ہوں گے' جب میں تربینی کی حویلی پر پہنچا۔ انکا نے میرے سر سے اتر کر حویلی کے چوکیدار کو غافل کر دیا تھا اس لیے مجھے اندر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ میں سیدھا تربینی کی خواب گاہ میں گیا۔ وہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے چابی والے سوراخ سے اندر

جھانکا تو میرا خون کھول اٹھا۔ اس کا وہی انداز تھا' وہی ٹھسا تھا۔ ایک حسین لڑکی اس کے پہلو میں بیٹھی تھی اور میز گلاسوں اور بوتلوں سے بھری ہوئی تھی۔ لڑکی بے حیائی سے تربینی کے گلے میں بانہیں ڈالے التفات کی باتوں میں مصروف تھی۔ تربینی کی یہ نشاط گاہ گویا اب بھی روز سجتی تھی۔ اپنے اس بدترین دشمن کے باعث مجھے ڈیڑھ سال تک میسور کی پہاڑیوں میں اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور میرے برے دنوں کا آغاز بھی اسی کے سبب سے ہوا تھا۔ اسے عیش وعشرت میں دیکھ کر میرا دماغ الٹ گیا۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' کھڑے ہو کر پوری قوت سے دروازے پر لات ماری۔

''کون بدتمیز ہے؟'' تربینی کی آواز آئی۔

''میں ہوں تیرا باپ جمیل احمد خان۔ دروازہ کھول۔''

میری گرج دار آواز سن کر ضرور تربینی کی سٹی گم ہو گئی ہوگی' چند لمحوں تک دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ میں لپک کر اندر داخل ہوا تو غصے کے بجائے مجھے ہنسی آ گئی۔ میز پر رکھی ہوئی شراب اور گلاسوں کی جگہ اس وقت کوئی کتاب رکھی ہوئی تھی۔ لڑکی یقیناً ملحق کمرے میں چلی گئی ہوگی کیونکہ اس کا دروازہ نیم وا تھا۔ تربینی نے میری آواز سن کر یہ ڈھونگ رچا لیا تھا۔ ابھی میں کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ تربینی ممکنہ عجلت سے میرے پاس آیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''پرنام خان صاحب۔ آیئے پدھاریے۔''

میں نے تربینی کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے حیرت اور بوکھلاہٹ مترشح تھی۔ چہرہ اس وقت زرد پڑ گیا تھا۔ جب اس نے دروازے پر میری صورت دیکھی تھی۔ میں دل ہی دل میں تاؤ کھاتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''سناؤ تربینی داس جی۔ کیا حال چال ہیں تمہارے؟ کیسی گزر رہی ہے آج کل؟''

''آپ کی کرپا ہے خان صاحب۔'' تربینی داس نے لجاجت سے جواب دیا۔ ''بس گزر رہی ہے۔''

''بہت بدلے بدلے نظر آ رہے ہو تربینی جی۔ آج تو یہ خواب گاہ بھی سونی پڑی ہے۔ کوئی تتلی نظر نہیں آ رہی ہے۔ پنچھی کہاں اڑ گئے۔''

''رام' رام خان صاحب۔'' تربینی نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ''وہ سب کس بل نکل گئے۔ اب توبہ کر لی ہے۔ بس بھگوت گیتا اور رامائن پڑھتا رہتا ہوں۔''

''جمیل۔'' انکا نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''برابر والے کمرے میں ایک سندر لڑکی موجود ہے۔ تمہاری آواز سن کر اس نے اسے چھپا دیا تھا۔''

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر تربینی سے کہا۔ ''میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آیا تھا تربینی۔ تم نے پریتم لال کا پتا بتا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس نے میری بڑی مدد کی۔''

تربینی میری بات سن کر چونکا پھر کھسیانی ہنسی ہنس کر بولا۔ ''خان صاحب' میں آپ کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔ جو کچھ میرے پاس ہے' سب آپ کا دیا ہوا ہے۔ یہ بتایئے کہ آپ کیا پئیں گے۔ چائے' کافی یا ٹھنڈا؟''

''میں یہاں کچھ اور ہی پینے کے ارادے سے آیا ہوں۔'' میں نے طنزاً کہا۔

''اچھا اچھا' میں سمجھا۔'' تربینی بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا۔

''تربینی۔ تمہارا خون پیا جائے تو کیسا رہے گا؟'' میں نے اطمینان سے پوچھا۔

''کھی کھی کھی۔ آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔'' تربینی جھینپ کر بولا۔

''اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم اپنے لیے کون سی سزا پسند کرو گے؟''

''جی۔ جی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خان صاحب؟'' وہ بوکھلا کر بولا۔

میں نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ ''کمینے' کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ ایک دن تیرا جھوٹ کھل جائے گا۔ تو اپنی موت کو بھول گیا؟''

''خ..... خ خان صاحب۔'' تربینی پر رعشہ طاری ہو گیا۔ ''م م میں آپ سے فریب نہیں کیا تھا' خان صاحب وشواش کیجیے۔ میں آپ کا متر ہوں۔''

''کمینے۔ میری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتا ہے' میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں۔''

میں غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تربینی کے بال پکڑ کر اسے جھٹکا دیتے ہوئے میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تو سمجھتا تھا کہ مجھے خطروں میں پھنسا کر تو آرام سے زندگی بسر کرے گا؟ اور یہاں تو اب بھی میرے زندہ ہوتے ہوئے رنگ رلیاں منا رہا ہے؟ میری آواز سنی تو اپنی بہن کو دوسرے کمرے میں چھپا دیا؟ سن او مکار پنڈت۔ آج میں یہاں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں۔'' میرے ذہن میں پریتم لال کی دی ہوئی تمام اذیتیں تازہ ہو گئیں اور غیظ کی شدت سے میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ''آج تیری عیاری کا آخری دن ہے۔ میں تجھے معذور کر کے سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کر دوں گا۔ تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر غلاظتوں میں مر جائے گا۔ وہی تیرے لیے مناسب جگہ ہے۔''

''خان صاحب' مجھے شما کر دیجیے۔'' تربینی میرے پاؤں پکڑ کر باقاعدہ رونے لگا۔

''پچھلی باتیں یاد کر فریبی!'' میں نے انتہائی حقارت سے جواب دیا۔ ''کم بخت تو نے بھی کبھی میرے حال پر کوئی ترس کھایا تھا؟ تو نے مجھے برباد کرنے میں کون سی کسر چھوڑی تھی؟''

''وہ میری بھول تھی خان صاحب۔'' تربینی نے میرے قدموں پر سر پھوڑنا شروع کر دیا۔ ''اب میں توبہ کرتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیجیے۔''

اس کی گڑگڑاہٹ سے میرا غصہ اور شدید ہو گیا تھا۔ تربینی کے خلاف میرے دل میں جو نفرت تھی وہ

اس التجا اور عاجزی سے کیسے دور ہوسکتی تھی۔ میں نے ٹھوکر مار کر تربینی کو فرش پر دھکیلا اور اچھل کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ تربینی نے سر پر موت منڈلاتے دیکھی تو بلبلانے لگا لیکن میں جیسے بہرا ہو چکا تھا۔ میں نے پہلے پوری قوت سے دس بارہ تھپڑ اس کے منہ پر مارے پھر انگلیاں اس کی دائیں آنکھ میں گڑو دیں۔ تربینی کسی ذبح کیے ہوئے بکرے کی طرح میرے نیچے پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن مجھ میں اس وقت بلا کی قوت آچکی تھی۔ میں نے انگلیاں اس کی آنکھ کے حلقے میں گڑو کر باہر کھینچیں تو اس کی آنکھ حلقے سے باہر نکل آئی۔ اس کا چہرہ خون سے تر ہو گیا۔ اس کی کرب ناک چیخیں در و دیوار ہلا رہی تھیں۔

مجھے اس پر مطلق رحم نہیں آیا۔ اسے فرش پر تڑپتا چھوڑ کر میں تیزی سے اٹھا۔ مجھ پر جنون سوار تھا۔ میں نے آتش دان کے قریب رکھی ہوئی لوہے کی وہ سلاخ اٹھائی جس سے آتش دان کی راکھ کریدی جاتی ہے‘ پھر پلٹ کر تربینی کے قریب آیا اور دیوانوں کی طرح وہ چھڑ اس کے گھٹنوں پر مارنے لگا۔ تربینی درد کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گیا لیکن سلاخ اس پر اس وقت تک برستی رہی جب تک تربینی کے دونوں گھٹنے چور چور نہ ہو گئے۔ تربینی کو خون میں لت پت چھوڑ کر میں نے سلاخ پھینکی اور واپسی کے ارادے سے پلٹا۔ انکا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”جمیل‘ دوسرے کمرے میں ان واقعات کا ایک عینی شاہد موجود ہے۔ ایک حسین اور صحت مند لڑکی۔ میں بہت دنوں سے پیاسی ہوں میرے مالک۔“

انکا کے اس انداز کا مطلب مجھے معلوم تھا۔ اس لڑکی کو میں بالکل فراموش کر بیٹھا تھا جسے تربینی نے میری آواز سن کر دوسرے کمرے میں چھپا دیا تھا۔ انکا کے ٹوکنے پر مجھے خیال ہوا کہ وہ میرے لیے خواہ مخواہ خطرے کا باعث بن سکتی ہے۔ ممکن ہے اس نے دوسرے کمرے میں چھپ کر مجھے دیکھ بھی لیا ہو۔

میں نے بڑھ کر دوسرے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا سارا بدن پسینے میں نہایا ہوا تھا اور کپڑے بدن سے چپک گئے تھے۔ مجھے سامنے دیکھ کر وہ گھگیانے لگی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”بھگوان کے لیے مجھے مت مارو۔ میں بے قصور ہوں۔ میں تمہاری ہر آشا پوری کرنے کو تیار ہوں۔“

”شادی شدہ ہو؟“ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”نہیں۔ البتہ میری منگنی ہو چکی ہے۔ اگلے ماہ میرا بیاہ ہونے والا ہے۔“ لڑکی نے گڑگڑا کر جواب دیا۔ ”بھگوان کے لیے مجھے مت مارو۔ میں وچن دیتی ہوں کہ تمہارا راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گی۔“

”اس کی باتوں میں نہ آنا جمیل۔“ انکا نے جلدی سے کہا۔ ”یہ کوئی معمولی فاحشہ نہیں ہے۔ اس کی شناسائی یہاں کے پولیس افسروں سے بھی ہے۔ اگر اس وقت تم نے اسے چھوڑ دیا تو تم خطروں میں گھر جاؤ گے...... پھر میرے سنگ میں کانٹے بھی تو پڑ رہے ہیں۔ میں مری جا رہی ہو جمیل۔ اپنی انکا کا خیال کرو۔“

میں انکا کا مشورہ مان کر آگے بڑھا تو لڑکی کمرے میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخنے

چلانے لگی لیکن وہ جاتی کہاں‘ جلد ہی میں نے اسے جا لیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کی آنکھیں جیسے حلقوں سے باہر نکل پڑیں۔ پھر یکایک اسے نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ شاید وہ میری توجہ اپنے سڈول بدن کی جانب مبذول کرانا چاہتی تھی لیکن اس کے اس عمل سے میرا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اسی چیخ و پکار میں دروازے پر دستک ہونے لگی۔ دربان زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لڑکی نے اور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ اسی لمحے انکا نے مجھ سے کہا۔ ”جمیل۔ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں دربان کے سر پر جا کر تمام کام سنبھالتی ہوں۔“

قریب تھا کہ دربان دروازہ توڑ دیتا‘ میں نے انکا سے کہا۔ ”اب تم اسے سنبھالو۔ دربان اور اس لڑکی کو خاموش کرنا تمہارا کام ہے۔“

انکا ایک لمحے میں میرے سر سے غائب ہو گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکا دربان کے سر پر گئی ہو گی۔ جیسے ہی دروازہ کھلا‘ خوف زدہ لڑکی بے تحاشا دروازے کی طرف بھاگی اور دربان کے پہلو سے چپک گئی۔ دربان نے میری طرف نہیں دیکھا۔ اس نے از خود رفتہ ہو کر لڑکی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے بعد کیا ہو گا اب میرا وہاں رکنا بے سود تھا چنانچہ میں دبے قدموں وہاں سے چلا آیا۔

اب یہ واقعہ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرے دن اخباروں نے تربینی کے گھر ہونے والے اس خونی حادثے کے بارے میں کیسی دلچسپ اور ہنگامہ خیز خبریں شائع کیں۔ میں کوئی چار روز اور پونا میں رہا۔ پونا میں کلدیپ کی یاد رہ رہ کر آئی۔ یوں پونا میں صرف ایک مرتبہ اور آنے کا اشتیاق تھا تا کہ میں تربینی کو بھی اپنی طرح‘ یہاں کی سڑکوں پر بھیک مانگتے دیکھوں۔ انکا کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ تربینی کی تمام دولت وغیرہ پر نگاہ رکھے اور جب وہ اسپتال سے واپس آئے تو اس کے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اطمینان کرنے کے بعد میں کلکتے روانہ ہو گیا۔ مالا کو اس کا علم نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ راستے میں جب میں نے اسے اپنی منزل بتائی تو وہ اداسی سے بولی۔ ”بھگوان کے لیے کلکتے کے بجائے کہیں اور چلو۔“

”کیوں؟“ میں نے اسے اداس دیکھ کر پہلو میں سمیٹ لیا۔

”بابا نے تمہیں شاید یہ نہیں بتایا تھا کہ میرے ماتا پتا اور کنبے کے دوسرے لوگ کلکتے میں رہتے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو بہت برا ہو گا۔ میرا سکھ چین غارت ہو جائے گا۔“ مالا نے میرے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اسے سمجھایا۔ ”تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو‘ تمہارے لیے تو میں جان پر کھیل جاؤں گا۔“

"تم نہیں جانتے۔ تمہیں ساتھ دیکھ کر وہ لوگ ایک طوفان برپا کردیں گے۔ وہ بہت ظالم لوگ ہیں جمیل۔"

مالا برابر اصرار کرتی رہی کہ میں کلکتے کا سفر ترک کردوں لیکن میں نے کسی نہ کسی طرح اسے سمجھا بجھالیا۔ اگر وہ نہ مانتی تو بھی میں کسی قیمت پر یہ سفر ترک نہ کرتا۔ میرے سامنے اب ایک سنہری زندگی بانہیں پھیلائے کھڑی تھی۔ انکا، پریتم لال کی دان کی ہوئی مالا اس کی شکتیاں، بمبئی میں کوٹھی، مال و دولت لیکن ان سب چیزوں سے مکمل لطف اٹھانے کے لیے ضروری تھا کہ میں سینے کا وہ بوجھ اتار دوں جو نرگس کی ظالمانہ موت کے بعد بدری نرائن نے مجھ پر لاد دیا تھا۔ میں اس روز پنڈت سے انتقام لینا چاہتا تھا جس نے میری زندگی کی سب سے قیمتی چیز مجھ سے چھین لی تھی۔ پریتم لال کی دی ہوئی شکتی اور انکا کی پراسرار قوتوں کی وجہ سے مجھے قوی امید تھی کہ اب میں کالی کے مندر میں داخل ہو کر بدری نرائن کو مار سکتا ہوں۔

گاڑی کلکتے کی طرف رواں دواں تھی۔ رات کا وقت تھا۔ ڈبے میں میرے اور مالا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی۔ فرسٹ کلاس کے ڈبے میں رات کے وقت مسافروں کو زحمت نہیں دی جاتی مگر میرے ڈبے کا دروازہ زور زور سے پیٹنے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے جھلا کر دروازہ کھولا تو تین مسافر کھڑے دیکھے۔ انہوں نے میرے دروازے پر نمودار ہوتے ہی معذرت خواہانہ اور التجائی لہجے میں کہا۔ "جناب ہمیں اگلے اسٹیشن پر اترنا ہے، گاڑی چلنے والی ہے۔ اس وقت کوئی شخص ہمیں جگہ نہیں دے گا، ازراہ کرم آپ ہمیں اجازت دے دیجیے۔"

میں نے تامل کیا۔ "لیکن جناب میرے ساتھ ایک خاتون بھی ہے۔"

ان میں سے ایک نے بڑے شائستہ لہجے میں کہا۔ "محترم خاتون ہماری بہن کی جگہ ہیں، یقین کیجیے ہم انہیں کوئی زحمت نہیں دیں گے۔"

ان کی درخواست جاری تھی کہ ٹرین چلنے لگی۔ اب یہ ناممکن تھا کہ میں انہیں منع کر دیتا۔ مجبوراً انہیں اندر آنے کی اجازت دینی پڑی۔ میں خود مالا کی سیٹ پر چلا گیا۔ اگلے اسٹیشن تک کوئی ایک گھنٹے کا فاصلہ تھا۔ وہ تینوں بہت ندامت سے سامنے والی نشست پر بیٹھ گئے اور بار بار معذرت طلب کرنے لگے۔ انکا اس وقت سوئی ہوئی تھی۔

گاڑی چلے ہوئے ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ مالا نے مجھ سے کہا۔ "تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو؟ یہ بار بار مجھ پر الٹی سیدھی آنکھیں ڈالنے لگتا ہے۔ صورت ہی سے بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے مالا کے اشارے پر اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ مسلسل مالا کو تکے جا رہا تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ انکا ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ میں نے دل ہی دل میں اس سے کہا۔ "ذرا اس

سامنے والے نوجوان پر نگاہ رکھو۔"

"ارے جمیل، یہ تم نے کیا کیا۔" انکا تیزی سے بولی "یہ تینوں بدمعاش بری نیت سے اس ڈبے میں داخل ہوئے ہیں پہلے ان کا ارادہ تمہیں لوٹنے کا تھا مگر مالا کو دیکھ کر ان کے دلوں میں کچھ فتور آگیا ہے۔ تم نے انہیں اندر آنے کیوں دیا؟"

"ان کے تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔" میں نے غصے سے کہا "میں ان تینوں سے نمٹ لوں گا۔"

"ان کے پاس ریوالور اور چھرے ہیں۔ احتیاط سے کام کرنا ہوگا۔ عجلت میں کوئی کام نہ کرنا۔ میں صرف ایک کے سر پر جا سکتی ہوں۔ باقی دو کو سنبھالنا میرے لیے ذرا دشوار ہوگا۔" انکا نے تشویش سے کہا۔

ان تینوں میں سے دو آدمی نوجوان تھے اور ایک ادھیڑ عمر کا تھا۔ میں نے انہیں پہلی بار توجہ سے دیکھا۔ ان تینوں کے پاس ریوالور بھی تھے۔ وہ یقیناً یہ سمجھے ہوں گے کہ میں کچھ سہم گیا ہوں۔ وہ تینوں میری طرف دیکھ کر بیک وقت مسکرائے اور ان تینوں نے جیبوں میں ہاتھ ڈال دیے اور جب فوراً ہی ان کے ہاتھ جیبوں سے برآمد ہوئے تو ریوالوروں سے لیس تھے۔ ان کی مسکراہٹ معنی خیز ہوگئی تھی۔ انہوں نے کمال پھرتی سے اپنے ریوالور مجھ پر تان لیے۔

میں نے اطمینان کی نظر سے انہیں دیکھا۔ "خوب!" میں نے کہا۔ "خاصے اسمارٹ نظر آتے ہیں آپ حضرات۔"

یقیناً انہیں اس سے پہلے کسی ایسے مسافر سے واسطہ نہیں پڑا ہوگا جو اتنے اطمینان اور سکون سے انہیں جواب دے۔ ادھیڑ عمر کا آدمی ہنسنے لگا۔ مالا سہم کر مجھ سے چپک گئی۔ وہ رعونت کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مسٹر! یہ کھلونے نہیں ہیں، اصلی ریوالور ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں ان کے اصل ہونے کا پتا چل جائے گا۔ ہمیں اگلے اسٹیشن پر اتر جانا ہے لہٰذا جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فوراً نکال کر سامنے رکھ دو ورنہ تم جانتے ہو کہ پھر کیا ہوگا۔ شاباش اچھے بچوں کی طرح ہمارا کہنا مانو۔" اس نے چمکارتے ہوئے کہا۔

"ورنہ، ورنہ۔ تمہیں قتل کر کے ڈبے سے باہر پھینک دیا جائے گا اور تمہاری چھوکری ہماری آغوش کی زینت بن جائے گی، ہمیں یقین ہے یہ ہمارے بہت کام آئے گی۔ اچھے پیسے دے جائے گی۔"

اسی وقت انکا میرے سر سے سرک گئی۔ میں غصے سے بے قابو ہوا جا رہا تھا لیکن سنبھل کر بولا۔ "آج ہماری آپ کی اچھی ملاقات ہوئی۔ تین اچھے آدمی ایک ایسے شخص کے سامنے ہیں جس کے لیے قتل و خونریزی بائیں ہاتھ کا کھیل رہا ہے، جس کی پولیس اور جیل خانوں سے پرانی دوستی ہے۔ دوستو! کسی اور شخص کو تلاش کیا ہوتا۔ یہاں تو شاید تمہاری موت تمہیں کھینچ لائی ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے میں عرض کروں کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔"

"زبان دراز اور گستاخ بھی ہے۔" ان میں سے ایک نوجوان آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچاتا' ادھیڑ عمر کے شخص نے اسے جالیا اور اس کے چہرے پر ایک زوردار مکا رسید کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دوسرا نوجوان بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور حیرت انگیز طور پر ادھیڑ عمر کے شخص کو روکنے لگا جو پہلے والے نوجوان کو مسلسل مکے مار رہا تھا۔ میں ڈبے میں کوئی قتل نہیں چاہتا تھا۔ ادھر وہ تینوں مجھے بھول کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ ان میں سے کوئی شخص گولی نہ چلا دے۔ پھر یہ خون آلود ڈبا خوامخواہ سفر کا لطف غارت کر دیتا۔ اچانک مجھے پریتم لال کا خیال آ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب بھی میں کسی جائز کام کے لیے سچے دل سے اس کا نام لے کر کسی خواہش کا اظہار کروں گا وہ ضرور پوری ہو گی۔ میں نے اس موقع پر پریتم لال کی بات آزمانی چاہی۔ میں نے دل میں اس کا نام لے کر سوچا۔ "یہ تینوں مسافر مستقل بے ہودگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور مالا کے لیے تکلیف کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ کاش یہ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دیں۔"

میرے دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ ادھیڑ عمر کے آدمی نے' جو سخت مشتعل نظر آ رہا تھا' دروازہ کھولا اور اپنے ایک نوجوان ساتھی کو چلتی ٹرین سے دھکا دے دیا۔ دوسرے نوجوان کے چہرے پر خفگی کے آثار نمایاں ہوئے اور وہ اس طرح چیخنے لگا جیسے کوئی خونخوار درندہ اسے کاٹ رہا ہو پھر وہ وحشت میں خود بخود ڈبے سے کود گیا اور اس کی دیکھا دیکھی ادھیڑ عمر کے آدمی نے بھی چھلانگ لگا دی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ رات کا وقت تھا اس لیے ان مسافروں کی دیوانگی میرے لیے کسی دشواری کا سبب نہیں بن سکتی تھی لیکن مالا نے اس واقعے کا بہت گہرا اثر لیا۔ وہ بہت دیر تک سہمی ہوئی مجھ سے چمٹی رہی اور خوف زدہ آواز میں کہنے لگی۔ "انہوں نے اپنے آپ گاڑی سے چھلانگ کیوں لگا دی؟ کچھ دیر پہلے تک وہ ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے تھے۔"

"تمہاری طرف جو بھی غلط نظروں سے دیکھے گا اس کا یہی انجام ہو گا۔" میں نے مالا کو قریب کر کے کہا مگر اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔

"حیرت ہے یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو گیا۔ کیا وہ تینوں مسافر ذہنی مریض تھے؟"

میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اسے ٹالنا چاہا۔ وہ بار بار کرید کرید کر مجھ سے پوچھتی رہی کہ آخر یہ سب کیسے ہو گیا۔ میں اسے بتانا نہیں چاہتا تھا کہ سارا تماشا انکا اور پریتم لال کی شکتی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس کے بعد میں نے گفتگو کا رخ بدل دیا لیکن مالا بہت دیر تک اس اندیشے میں مبتلا رہی کہ کہیں وہ لٹیرے دوبارہ ڈبے میں نہ آ جائیں۔ انکا میرے سر پر آ گئی تھی اور آتے ہی پھر سو گئی تھی جیسے یہ حادثہ اس کی نظر میں کوئی حیثیت ہی نہ رکھتا ہو۔

سفر کے دوران مالا کے ذہن پر یہ ہیبت ناک واقعہ برابر طاری رہا پھر جب کلکتہ قریب آنے لگا تو اس

کی حالت کچھ بدلی اور وہ اپنے رشتے داروں کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ باتیں کرتے کرتے اس نے مجھ سے پوچھا۔ "جمیل! تمہارے بھی تو کچھ رشتے دار ہوں گے۔ کہاں رہتے ہیں وہ؟"

میں نے سرد آہ بھری اور کہا۔ "سب مر چکے ہیں۔ اب میں اس دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔"

"میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔" اس نے پیار سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

گاڑی جب پٹنہ اسٹیشن پر ٹھہری تو میں اسٹیشن کا نظارہ کرنے کے لیے ڈبے سے باہر آ گیا۔ پلیٹ فارم پر صبح کا وقت تھا۔ میں نے ایک بوڑھے داڑھی والے شخص کو شیروانی میں ملبوس اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھا۔

وہ تیسرے درجے کے ڈبے میں جگہ حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن کسی ڈبے کے لوگ اسے اندر نہیں گھسنے دے رہے تھے' پھر وہ تیسرے درجے کے دھوکے میں میرے ڈبے کی طرف دوڑا اور یہ دیکھ کر افسردہ ہو گیا کہ وہ ایک پہلے درجے کے ڈبے کے سامنے کھڑا ہے۔ اس اثنا میں گاڑی نے وسل دے دی تھی۔ مجھ سے اس کی بے چارگی نہ دیکھی گئی۔ اس بڑھاپے میں جگہ حاصل کرنے کے لیے اس شخص کی بھاگ دوڑ سے میں بہت متاثر ہوا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ میرا دل اس کی طرف کھنچتا چلا گیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ "آئیے آپ اس ڈبے میں بیٹھ جائیے۔"

انہوں نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "مگر بیٹے میرے پاس تو تھرڈ کلاس کا ٹکٹ ہے۔"

میں نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ آپ اندر تشریف لے آئیے۔"

"نہیں بیٹے' تمہارا شکریہ' میں جگہ تلاش کر لوں گا۔" انہوں نے بزرگی سے جواب دیا۔

"نہیں' نہیں آپ اندر آ جائیے۔" میں نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اوپر کھینچ لیا۔

وہ اندر آ گئے اور ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ وہ بار بار شکریہ ادا کرتے رہے۔ ٹرین آگے بڑھی تو ہمارے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہوں نے مالا کے بارے میں پوچھا اور اسے دعائیں دیتے رہے۔ جب ہم آمنے سامنے بیٹھے تھے تو بہت دیر تک ایک دوسرے کو تکتے رہے تھے۔ وہ میرے چہرے اور میں ان کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ میرے سامنے میرے سگے چچا بیٹھے ہیں۔ ایک عرصے سے اپنے کسی عزیز سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ والد کا انتقال پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں کبھی اپنے آبائی شہر نہیں گیا۔ اس رشتے کا انکشاف اس وقت ہوا جب انہوں نے مجھ سے میرے بارے میں کچھ جاننا چاہا اور میں نے اپنا نام وغیرہ بتایا۔ اپنے چچا کو خستہ حالت میں دیکھ کر مجھے افسوس ہوا اور خوشی بھی ہوئی کہ بہت دنوں بعد ایک رشتہ دار دیکھنے کو ملا۔

جب ہم ایک دوسرے کو پہچان گئے تو گلے مل کر خوب روئے۔ انہوں نے اپنے گھر کے بارے میں بتایا کہ ان کی مالی حالت تباہ ہے اور اب وہ لکھنؤ میں ایک ہندو بنیے کے ہاں حساب کتاب کا کام کرتے

ہیں اور اس وقت وہ اسی بیٹنے کے کسی کام سے کلکتے جا رہے تھے۔ راستے بھر ہم دونوں ایک دوسرے کے متعلق تفصیلات پوچھتے رہے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ مجھے کلکتے سے واپسی پر لکھنو پہنچنا ہوگا۔ وہاں میری چچا زاد بہنیں اور بھائی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ میرا ایک ہاتھ ضائع ہو جانے پر انہیں گہرا رنج ہوا۔ وہ مالا سے بھی بڑی خوش خلقی سے پیش آ رہے تھے۔ احتیاط کے پیش نظر میں نے مالا کا نام نرگس رکھ دیا تھا۔

کلکتے پہنچ کر میں نے اپنے چچا خورشید احمد خان کو اپنے ساتھ ٹھہرایا۔ ہم دھرم تلا کے علاقے میں واقع ایک شاندار ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔ چونکہ جھٹپٹے کا وقت تھا اس لیے میں نے کالی کے مندر کا رخ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ رات چچا اور مالا سے گفتگو کرنے میں گزر گئی لیکن میرا دل بدری نرائن میں لگا رہا۔ تمام رات میں بدری نرائن کو موت کے گھاٹ اتارنے کے منصوبے بناتا رہا۔ بدری نرائن ایک بڑا پنڈت تھا۔ تربینی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مجھے پوری طرح احساس تھا کہ بدری نرائن کو زیر کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ صبح ہوئی تو میری بے چینی بڑھ گئی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے مالا سے جلد آنے کا وعدہ کیا اور نکل کھڑا ہوا۔ چچا جان اپنے کام پر جانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ ہوٹل سے باہر نکل کر میں کالی کے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ مندر قریب آ رہا تھا جہاں نرگس کا کمینہ خصلت قاتل بدری نرائن چھپا بیٹھا تھا۔ جیسے جیسے کالی کا مندر قریب آ رہا تھا' میرے سینے میں دبی ہوئی آگ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

انکا میرے سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔

مجھے یقین تھا کہ اس بار بدری نرائن خود کو میرے عتاب سے نہیں بچا سکے گا۔ میرے پاس ایک طرف میری عزیز انکا تھی اور دوسری طرف پریتم لال کی دان کی ہوئی شکتی۔ کسی زمانے میں تربینی نے انکا کو مجھ سے چھین کر مجھے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب بدری نرائن نے میری زندگی' نرگس کو چھین کر میرا قرار سکون بھی چھین لیا ہے۔ انکا مجھے واپس مل گئی۔ کھوئی ہوئی عزت و دولت بھی لیکن نرگس کی واپسی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ وہ ایسی جگہ پہنچ گئی تھی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ تربینی سے میں بخوبی نمٹ چکا تھا اب بدری نرائن کی باری تھی' جسے میں نے پہلے بھی ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام ہو گیا تھا۔ وہ بدمعاش کالی کے مندر میں چھپ کر بیٹھ گیا تھا اور میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد اسے وہاں سے نکالنا اور اپنی آتش انتقام سرد کرنا رہ گیا تھا۔ سامنے کالی کا مندر تھا جہاں میں پہلے بھی آ چکا تھا۔ جیسے جیسے مندر کا فاصلہ گھٹ رہا تھا' میرے خون کی حدت تیز ہوتی جا رہی تھی۔ انکا میرے سر پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ میں مندر کے قریب پہنچا تو انکا اپنے خیالات سے چونک کر بولی۔ ''جمیل' میں کالی کے مندر میں نہیں جا سکتی۔ یہیں رک کر تمہارا انتظار کروں گی۔ تم ہر قدم محتاط ہو کر اٹھانا۔ بس کسی طرح

اسے باہر لانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ یاد رکھنا اندر داخل ہونے سے بہتر ہے کہ تم اسے باہر لے آؤ۔ کاش میں تمہارے ساتھ چل سکتی۔''

''تم مطمئن رہو انکا۔ اس بار پریتم کی آتما میرے ساتھ ہے۔ مجھے اس کی آشیرباد حاصل ہے۔ میرا خیال ہے میں مندر میں داخل ہو جاؤں گا۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔

''نہیں۔ نہیں تم مندر میں صرف مجبور ہو کر داخل ہو گے' یہ کالی کا مندر ہے اور بدری نرائن کالی کا سیوک ہے۔'' انکا نے اضطراب سے کہا۔

جب میں مندر کی عمارت کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو انکا چپ چاپ میرے سر سے اتر گئی اور چلتے چلتے مجھے محتاط رہنے کی تلقین کرتی گئی۔ میں خود کو پوری طرح تیار کر کے آگے بڑھنے لگا۔ کچھ سینہ کشادہ کیے' کچھ نتھنے پھلائے جیسے کوئی پہلوان اکھاڑے میں داخل ہو۔ اس وقت میرے بدن پر ایک دھوتی اور کرتہ تھا۔ مندر میں آنے جانے والے پجاری اور پجارنیں میری جانب کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں ان کے درمیان سے ہو کر آگے بڑھتا رہا۔ میں نے کسی کو کوئی اہمیت نہیں دی اور دیتا بھی کیسے جبکہ میرے ارادے کسی بگڑے ہوئے شیر کے سے تھے۔

سیڑھیاں عبور کر کے میں اندرونی حصے میں داخل ہو گیا جہاں ایک کشادہ احاطہ تھا۔ احاطے کے درمیان سبزہ تھا جہاں پنڈت پجاری اور خوب صورت پجارنیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سامنے ایک محرابی دروازے کے اندر سے گھنٹیوں اور بھجن گانے کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے احاطے کے چاروں طرف دیکھا لیکن بدری نرائن کہیں نظر نہیں آیا۔ میں اس جانب بڑھا جہاں سے بھجن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ محرابی دروازے کے قریب ایک دلکش داسی نے ہاتھ باندھ کر مجھے پرنام کیا۔ وہ نظریں نیچے کیے کترا کر جانے لگی تو میں نے بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھام لی۔ وہ سٹپٹائی لیکن میری آنکھوں میں سنجیدگی دیکھ کر سوالی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''مندر کا بڑا پجاری اس سمے کہاں ملے گا؟''

''تلسی داس مہاراج اس سمے اپنی کٹیا میں ہوں گے۔'' داسی نے ڈنڈوت کرتے ہوئے جواب دیا پھر میرے اصرار پر بڑے پجاری کی کٹیا تک میری رہنمائی بھی کر دی جو احاطے کے مغربی حصے میں واقع تھی۔ کٹیا کے اندر سے گیان دھیان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تلسی داس اس وقت دوسرے پنڈتوں' پجاریوں کو درس دے رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ داسی مجھے کٹیا کے قریب چھوڑ کر جانے لگی تو میں نے کچھ سوچ کر لگاوٹ بھری نظروں سے اس کے حسین سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''سندری' تم نے مجھے اپنا شبھ نام نہیں بتایا؟''

"میرا نام بسنتی ہے۔" داسی نے میری آنکھوں کی گرمی سے پگھلتے ہوئے شرما کر جواب دیا۔ میرا ذہن اس وقت صرف بدری نرائن میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے داسی کے شوخی اور شرم کے دلفریب انداز سے مصنوعی طور پر متاثر ہو کر کہا۔ "تمہارا نام بھی تمہاری طرح سندر ہے۔"

"کیوں بناتے ہو مہاراج۔" داسی چھوئی موئی کی طرح اپنے وجود میں سمٹتے ہوئے بولی۔

"بسنتی۔ تم یہاں کب سے ہو؟" میں نے سرگوشی کی۔

"مجھے چار سال ہو گئے۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"چار سال؟" میں نے متعجب ہو کر کہا۔ "اور تمہارا یہاں دل لگ گیا؟"

"ہاں۔" اس نے کسی قدر اداسی سے کہا۔ "یہاں من شانت رہتا ہے۔"

"خاک رہتا ہے۔ تمہاری جگہ یہ مندر نہیں۔ تمہیں تو کسی محل میں ہونا چاہیے۔"

"میں یہاں بہت ٹھیک ہوں۔ سنسار بہت برا ہے مہاراج۔"

میں سمجھ گیا کہ وہ دکھی ہے اور یہاں خوش نہیں ہے۔ میں نے اس سے محبت بھری باتیں کیں تو وہ مجھ سے خاصی متاثر ہو گئی۔ اب موقع تھا کہ میں اس سے اپنے مطلب کی بات کروں۔ میں نے راز داری سے کہا۔ "اے بسنتی۔ سنو۔ کیا تم میرا کوئی کام کرو گی؟"

"کہو مہاراج۔" بسنتی نے اپنی دراز پلکیں اٹھا کر نگاہیں میرے چہرے کی طرف جما دیں۔ بسنتی حقیقتاً توجہ کے لائق تھی مگر میں جذباتی طور پر اس کی جانب مائل نہ ہو سکا۔ سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے بدری نرائن مہاراج سے ملنا ہے۔ ایک پجاری نے مجھے بتایا تھا کہ بدری نرائن مجھے کالی کے مندر میں مل سکتا ہے۔ کیا تم بدری نرائن کو جانتی ہو؟ میں صرف اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

جواب میں بسنتی نے مجھے حیرت زدہ نظروں سے دیکھا۔ میری باتیں سن کر اس کا چہرہ اچانک زرد ہو گیا۔ اس کی ساری شوخی ایک پل میں غائب ہو گئی۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں اپنے دائیں بائیں دیکھا پھر خوف زدہ لہجے میں بولی۔ "تمہارا نام جمیل احمد خان تو نہیں؟"

میں جواب دیتے ہوئے جھجکا مگر میں نے ہمت سے جواب دیا۔ "میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا مگر بسنتی پہلے سے زیادہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ترنت بھاگ جاؤ یہاں سے کسی نے تمہیں پہچان لیا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی شامت آ جائے گی۔"

"تم کوئی چنتا نہ کرو بسنتی۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہاری اور (سمت) نظر نہیں اٹھا سکتا۔ یہ میرا وچن ہے۔" میں نے بسنتی کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ بسنتی بدری نرائن کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہے اور وہ اسے بہانے سے باہر لا سکتی ہے۔ میں نے اسے دوبارہ آمادہ کرنا چاہا۔

"بسنتی اگر تم کسی طرح بدری نرائن کو باہر لے آؤ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھے اس کے پاس پہنچا دو پھر میں

تمہاری ہر آشا پوری کروں گا۔ تم شاید نہیں جانتیں کہ میں مہان شکتی کا مالک ہوں۔ انکا دیوی بھی میرے پاس ہے، میں تمہاری رکشا کروں گا۔"

بسنتی کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح مجھے پلکیں جھپکا جھپکا کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کی خاطر اپنے ہونٹ کھولے پھر تیزی سے پلٹ کر بھاگی اور میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کا یوں اچانک بوکھلا کر بھاگ جانا بلاوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ گویا مندر میں میرے نام کی خاصی دھوم تھی۔ سب کو سارا قصہ معلوم تھا۔ اس سے پہلے میں ایک پجاری کو موت کے منہ میں دھکیل چکا تھا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے رابطہ قائم کروں۔ میں نے پلٹ کر ادھر ادھر دیکھا۔ تلسی داس کی کوٹھری کے باہر ایک دیو قامت پجاری کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے انکا کی نصیحت یاد آئی۔ اس نے مجھے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ بسنتی کا خوف زدہ ہو کر بھاگنا اور اس بھاری تن و توش کے پجاری کا مجھے یوں نفرت انگیز نظروں سے گھورنا خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا۔ یقیناً میرے بارے میں کالی کے مندر کے پنڈتوں پجاریوں نے اپنے چیلوں اور پجارنوں کو بہت کچھ بتا رکھا تھا۔ غالباً انہیں توقع تھی کہ میں دوبارہ بھی ضرور آؤں گا۔ یہ باتیں سوچ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ بدری نرائن، نرگس کا کمینہ قاتل مندر میں کسی جگہ روپوش ہے جہاں تک میری رسائی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے۔ اب اسے میرے عتاب سے بچانے کے لیے ہر شخص تیار تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا مقابلہ صرف بدری نرائن سے نہیں، پورے مندر سے ہے۔ ادھر میں اب باز آنے والا نہیں تھا تو پھر جو کچھ ہونا ہے، آج ہی ہو جائے۔ میں یہ طے کر کے نکلا تھا۔ جمیل احمد خان کی زندگی میں بہت انقلابات آئے۔ ایک معرکہ یہ بھی سہی۔ مندر کے پجاری شاید نہیں جانتے تھے کہ ان کے سامنے اب وہ پرانا جمیل احمد خان نہیں۔ میں چاہتا تھا کہ وہ سیدھی طرح بدری نرائن کو میرے حوالے کر دیں۔ میں نے خود کو تیار کر کے گھورنے والے پنڈت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ میرے قریب آیا اور خشک آواز میں بولا۔ "مہاشے۔ تم کوئی نئے پجاری دکھائی دیتے ہو۔ تمہارا شبھ نام؟"

"کیوں، کیا اس مندر میں کسی نئے پجاری کا آنا بند ہے؟" میں نے خالص کسی بڑے پنڈت کے لہجے میں کہا۔ "مجھے دکھائی دیتا ہے کہ اس سے تم کچھ بیاکل بھی ہو۔ کارن؟"

"زیادہ چتر بننے کی کوشش نہ کرو۔ میں نے تمہارا نام پوچھا تھا۔" پجاری کی کشادہ پیشانی پر بے شمار آڑی ترچھی سلوٹیں ابھر آئیں۔

"جاؤ اپنا کام کرو۔ مجھے تم سے کوئی غرض نہیں۔ میں ہر پجاری کو نہیں چھیڑنا چاہتا۔" میں نے اس بار بھی بگڑ کر کہا۔

"تم مجھے چال ڈھال سے کوئی پجاری نہیں دکھائی دیتے۔" پجاری نے مشتبہ نظروں سے میری طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کالی کے چرنوں میں تمہیں آنے کی جرات کیسے ہوئی۔ یہاں کیول وہی منش آ سکتا ہے جس کے من میں کوئی کھوٹ نہ ہو۔تم شاید غلط راستے پر آ گئے ہو۔ تمہیں اپنا نام بتانا ہی پڑے گا مہاشے۔تم تلسی داس کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔“

”اوہ۔تو تم ہو تلسی داس۔اس مندر کے سب سے بڑے پجاری۔“ میں نے سانس کھینچ کر بے نیازی سے کہا۔ ”حیرت ہے اتنا بڑا پجاری میرا نام نہیں جان سکا۔بہر حال تلسی داس سنو۔میں یہاں جس مقصد سے آیا ہوں‘ تم اس سے اچھی طرح واقف ہو۔میں سے برباد نہیں کروں گا۔میری زبان سے میرا نام سننا چاہتے ہو تو سنو‘ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔یہاں میں اس پاپی اور اپرادھی بدری نرائن کی تلاش میں آیا ہوں جسے تم لوگوں نے چھپا رکھا ہے‘ بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اتنا دھیان میں رکھنا کہ اب کوئی شکتی اس کمینے بدری نرائن کو میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی۔تم بھی نہیں۔حالانکہ تم مجھے کچھ شکتی والے دکھائی دیتے ہو۔میں تم سے کہتا ہوں کہ تم سیدھی طرح اسے میرے حوالے کر دو۔“

”مورکھ۔“ تلسی داس کسی گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر کرخت لہجے میں بولا۔ ”یہ کالی کا مندر ہے۔ یہاں کیول (صرف) دیوی کی شکتی کا راج ہے۔اس پوتر استھان پر آ کر تو نے دیوی کا اپمان کیا ہے۔ کالی کے مندر میں آج تک کوئی مسلا نہیں آ سکا۔تو نے گھور پاپ کیا ہے۔چلا جا یہاں سے چلا جا۔اگر مندر کے دوسرے پنڈت پجاریوں کو تیری جات کا پتا چل گیا تو وہ تجھے بھسم کر دیں گے۔میں تجھے اوسر (موقع) دیتا ہوں‘ جا یہاں سے چلا جا۔“

”تلسی داس۔“ میں نے سرد آواز میں کہا۔ ”مجھے تعجب ہے کہ تم اس بڑے مندر کے مہان پجاری کیسے ہو گئے۔تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میں تنہا نہیں آیا۔میرے ساتھ نہ جانے کتنے بیر ہیں اور کتنی شکتی ہے۔اگر تمہیں اپنا جیون پیارا ہے تو سیدھی طرح بتا دو کہ تم لوگوں نے بدری نرائن کو کہاں چھپایا ہے؟ انکار کیا تو تمہارا انجام بھی خراب ہوگا۔تم دیکھ چکے ہو کہ اس سے پہلے میں یہاں کے ایک پجاری کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔“

”تو......تو......کالی مائی کے مندر کے مہان پجاری تلسی داس کو دھمکا رہا ہے پاپی۔ٹھہر جا۔میں ابھی تجھے مزہ چکھاتا ہوں۔“ تلسی داس نے کانپتے ہوئے کہا۔

”میں بدری نرائن کو چاہتا ہوں‘ اسے میرے حوالے کر دو۔میں پھر تم سے کہتا ہوں۔بات زیادہ نہ بڑھاؤ۔“

”میں اسے تیرے حوالے نہیں کر سکتا۔وہ کالی کی شرن (پناہ) میں ہے۔“

”پھر تم مجھے اس کا پتا بتاؤ۔میں خود اس سے مل لوں گا۔“

”میں تجھے نرک کا پتا بتا سکتا ہوں پاپی۔“ پجاری نے کہا۔

تلسی داس کے تیور اچانک خراب ہو گئے۔انکا مندر کے باہر تھی۔مجھے معلوم تھا کہ تلسی داس کی صرف ایک آواز مندر کے اندر موجود پنڈتوں پجاریوں سے میری تکا بوٹی کرا سکتی تھی۔تلسی داس صرف ایک منتر سے مجھے بھسم کر سکتا تھا لیکن وہ کسی جاپ‘ منتر یا عمل سے باز رہا۔اب مجھے فوراً کوئی تدارک کرنا تھا۔تلسی داس کسی وقت بھی خطرہ بن سکتا تھا۔معاً مجھے پریتم لال کا خیال آیا۔میں نے دل ہی دل میں اس کا نام لے کر کہا۔ ”مہاراج‘ اس سمے مجھے تمہاری مہان شکتی کی سخت ضرورت ہے۔تلسی داس کو قابو میں کرو اور اس سے کہو کہ مجھے بدری نرائن کا پتا بتا دے۔“

ادھر تلسی داس غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔اس کی لال انگارا آنکھوں میں میرے لیے شدید نفرت موجود تھی۔وہ کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن نہ کر سکا۔اچانک اس کے تیور بدلنے لگے۔چہرے پر الجھن کے تاثرات نمایاں ہوئے۔اس نے اس طرح بار بار سر جھٹکا جیسے کسی بات سے انکار کر رہا ہو۔دیر تک اس کی یہی کیفیت رہی پھر وہ بڑی مدھم آواز میں رازداری کے ساتھ بولا۔ ”تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔آؤ وہ نیچے ہے۔دیوی کے چرنوں کے نیچے تہہ خانے میں‘ میرے ساتھ آؤ۔“

یکا یک اس کے اس طرح بدل جانے اور نرم لہجے میں بات کرنے پر مجھے تعجب ہوا۔میں خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیا۔اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جبراً قہراً میرے ساتھ چل رہا ہے۔چلنے کا انداز بتا رہا تھا جیسے اس میں اس کی مرضی کو دخل نہ ہو۔آنکھیں خوابیدہ خوابیدہ‘ قدم آہستہ آہستہ‘ اس کے دل و دماغ پر کسی اور قوت کی حکومت تھی۔

یہ پراسرار قوت یقیناً پریتم لال کی تھی جو اس نے مجھے مالا کے ساتھ دان کی تھی۔اب میں برسوں کی کوششوں اور کشمکش کے بعد اپنی نرگس کے قاتل کے پاس جا رہا تھا۔میرا کیا عالم ہوگا‘ تصور کیجئے‘ چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور طیش سے تمتما رہا تھا۔خون تیزی سے گردش کر رہا تھا اور مٹھیاں بھنچی جاتی تھیں۔بدری نرائن کا ذلیل وجود ایک عرصے کی جستجو کے بعد اب کسی لمحے بھی میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ سکتا تھا۔ راستے میں مجھے بسنتی داسی ملی۔اس نے تلسی داس کے ساتھ مجھے دیکھ کر دانتوں میں انگلی دبالی‘ میں مسکراتا ہوا فاتح مندی کے ساتھ اس کے قریب سے گزر گیا۔تلسی داس مجھے محرابی دروازے کی دوسری سمت لے گیا جہاں کالی کی قد آدم مورتی کھڑی تھی۔مورتی کی پشت پر ایک دروازہ تھا ہم دونوں اس دروازے سے اندر داخل ہوئے۔یہاں کالی کے مختلف زاویوں کی بے شمار چھوٹی بڑے مورتیاں موجود تھیں جو شاید فروخت کی جاتی تھیں۔تلسی داس مورتیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ایک الماری کے قریب جا کر رکا جو دیوار میں پیوست تھی۔ایک بار پھر تلسی داس نے اطراف کا جائزہ لیا اور دھوتی سے چابیوں کا گچھا نکالا پھر اس نے الماری کا قفل کھول کر ایک پٹ اندر دھکیلا تو میں ششدر رہ گیا۔بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں نیچے کی سمت دور تک چلی گئی تھیں۔وہ سیڑھیاں دیکھ کر اور اندر کا جائزہ لے کر مجھے یک بارگی یہ احساس ہوا

کہ اگر تلسی داس پیچھے سے دروازہ بند کر کے چلا جائے تو میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔ ہلکی روشنی کی شعاعیں نیچے سے سیڑھیوں پر پڑ رہی تھیں اور پانی کی شر شر آواز آ رہی تھی۔ تلسی داس مجھے وہاں تک پہنچا کر الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”بدری نرائن نیچے موجود ہے۔ پرنتو مہاشے اس پوتر استھان پر تم کوئی دنگا فساد نہیں کرو گے‘ سمجھے؟ دیوی کی شکتی مہان ہے۔ وہ اپنے پجاریوں کو کشٹ دینا برداشت نہیں کرے گی۔ جاؤ اسے یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔“

میں نے تلسی داس کے کہے ہوئے جملے تولنے کے لیے ایک نظر اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ مجھے اعتماد ہو گیا کہ تلسی داس کسی شرارت کا مظاہرہ نہیں کرے گا پھر میں زینے سے نیچے اترنے لگا۔ پشت سے دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی تو میں چونکا لیکن کوئی دھیان دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ میں ایک جذباتی شخص‘ اپنی محبوب بیوی کے قاتل بدری نرائن سے انتقام لینے کے شدید جذبے سے اتنا مغلوب ہوا کہ مجھ سے احتیاط کا دامن چھوٹ گیا۔ سیڑھیاں عبور کر کے میں نیچے پہنچا تو وہاں بھی بے شمار مورتیاں اور پوجا پاٹ کا بہت سا سامان جمع تھا۔ وہ سارا ماحول پراسرار تھا لیکن جمیل احمد خان نہ جانے کتنے مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ کوئی نیا شخص جاتا تو سیڑھیاں دیکھ کر ہی اس کے اوسان خطا ہو جاتے۔ یہاں دو بڑے کمرے تھے۔ میں نے پہلا کمرا دیکھا جو بالکل خالی تھا اور ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ میں دوسرے کمرے میں داخل ہوا تو آنکھوں میں خون اتر آیا۔ جی میں تو آیا کہ اچانک اس کے سر پر چڑھ جاؤں اور نرخرا دبا دوں یا پیچھے سے چھرا گھونپ دوں مگر مارنے سے پہلے میں اسے ذلیل و مطعون کر کے دل کا غبار ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ میں خاموشی سے کمرے کی ایک دیوار سے چپک گیا۔ میرے اطراف میں ان گنت مورتیاں تھیں۔ میں نے بڑے تحمل سے کہا۔ ”آخر کار میں آ گیا۔“

بدری نرائن یہ سن کر یوں اچھلا جیسے کسی بچھو نے اسے اندھیرے میں ڈنگ مار دیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی پھر وہ سنبھل کر بولا۔ ”جمیل احمد خان۔ تم...... تم...... یہاں؟“

”ہاں۔ میں‘ غور سے دیکھ لو۔ میرے ساتھ انکا بھی نہیں ہے۔“

”تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے گھبراہٹ میں یہ دلچسپ سوال کیا۔

”خوب تم یہ بھی نہیں جانتے بھولے بادشاہ‘ سنو۔ میں اپنی پیاری انکا کو تمہارا خون پلانا چاہتا ہوں۔ اسے تمہارا خون پینے کی بڑی آرزو ہے۔“ میں نے طنزیہ کہا۔

”تم نے وعدہ خلافی کی تھی۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔“

”میں تم سے وضاحت نہیں مانگ رہا ہوں۔ نرگس مر چکی ہے مگر اس کی آتما بیاکل ہے۔ میں اسے شانت کرنے کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔“

”جمیل احمد خان‘ مجھ سے غلط ہو گئی ہے‘ کیا تم مجھے شما نہیں کر سکتے؟ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ میں تمہارے

بہت کام آ سکتا ہوں۔

”کمینے۔ بس کر بس کر۔“ میں نے اچانک گرجتے ہوئے کہا۔ ”زیادہ باتیں نہ بنا۔ ہوشیار ہو جا۔ آج تیری موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ آج میں تیرے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے آیا ہوں۔ خود کو میرے حوالے کر دے اور مندر سے باہر آ جا۔“

بدری نرائن کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ اس پر مردنی چھائی ہوئی تھی‘ میں پہلے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا تھا۔ میں نے منہ بنا کر کہا۔

”بزدل۔ حرام زادے۔ تو نے بڑی کمینگی کا ثبوت دیا ہے‘ اب سیدھی طرح میرے ساتھ چل۔“

”میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ میں دیوی کی شرن میں ہوں۔“ بدری نرائن نے جھجکتے جھجکتے کہا۔

”تو پھر مجھے یہیں تیرا کام تمام کرنا ہوگا۔“ میں خطرناک ارادے سے آگے بڑھنے لگا۔ بدری نرائن خوف زدہ انداز میں پشت کی طرف کھسک رہا تھا۔ پجارن بھی لرز رہی تھی۔ وہ وہاں سے بھاگ گئی لیکن اس سے قبل کہ میں بدری نرائن کے قریب پہنچتا‘ تہہ خانے میں دیواروں کی طرف سے ایک بھرائی ہوئی نسوانی آواز گونجی۔ ”جمیل احمد خان! رک جاؤ۔ یہ میرا پوتر استھان ہے۔ یہاں خون خرابا نہیں ہوتا۔ میرے سیوک تلسی داس نے بھی تم سے یہی کہا تھا پرنتو شاید تم بھول گئے۔“

”دیوی۔ دیوی اپنے سیوک کی رکشا کر۔“ بدری ایک بڑی مورتی کے چرن پکڑ کر گڑگڑایا‘ پھر ڈنڈوت کرنے لگا۔

میں نے مورتی کی جانب نظر اٹھائی۔ پتھر کی اس مورتی کی آنکھیں مجھے خون آلود نظر آئیں۔ بالکل زندہ انسانوں کی طرح۔ اچانک گھنٹیاں بجنے لگیں اور ایسا شور ہوا کہ میرا سر چکرا گیا۔ میں ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ساری مورتیاں حرکت میں آ گئی ہوں‘ جیسے وہ سب ایک ساتھ بولنے لگی ہوں لیکن میں نے سر جھٹک کر یہ پراگندہ خیالات ذہن سے نکالنے چاہیے۔ میں پھر آگے بڑھا مگر بدری نرائن پہلو بچا کر نکل گیا۔ اسی لمحے وہ آواز پھر گونجی۔

”پریتم لال نے جو شکتی تمہیں دان کی ہے وہ اس نے میری سیوا کرنے کے بعد پراپت کی تھی۔ اسی کارن میں تمہیں شما کرتی ہوں۔ پرنتو اب تم ترنت اس استھان سے چلے جاؤ۔ اگر تم یہاں سے نہیں گئے تو تمہیں ایسا کشٹ دیا جائے گا کہ سارا جیون بیاکل رہو گے۔ جاؤ اس پوتر استھان سے نکل جاؤ۔“

اس پراسرار آواز نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔ میں حیرت زدہ ہو کر چاروں طرف استادہ مورتیاں دیکھ رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ ان میں سے ایک بڑی مورتی کی آنکھوں میں چمک نظر آ رہی تھی۔ اس کی پتلیوں میں حرکت ہوئی اور اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ میں نے آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا تو وہ مجھے ساکت نظر آئی۔ پریتم لال کے حوالے پر بھی میں حیران تھا۔ بدری نرائن اب مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا

تھا۔ اس کے ہونٹ تیزی سے ہل رہے تھے۔ میں نے ان طلسمات کی کوئی پروانہ کی تھی۔ نرگس کے قاتل کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے اس عالم میں دیکھ کر میرا جوش انتقام بھڑک اٹھا۔ میں نے گرج دار آواز میں کہا۔ "بدری نرائن کوئی آخری خواہش کرنی ہو تو کر لے' آج تجھے میرے ہاتھوں سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ میں تیرا خون پئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میں نے بہت صبر کر لیا۔"

میں نے سوچا مجھے اب دیر نہیں کرنی چاہیے' بدری نرائن کسی صورت میں روبرو مقابلے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ حالانکہ جی چاہتا تھا کہ میں بہادر لوگوں کی طرح اسے شکست دے دوں لیکن وہ تو گھگیا رہا تھا اور مورتی کے آگے گڑگڑا کر فریاد کر رہا تھا۔ میں اس بار اس کے سینے پر چڑھ جانے کے ارادے سے آگے بڑھا تو وہی نسوانی آواز تھرتھرائی ہوئی کمرے میں گونجی۔ "جمیل احمد خان رک جاؤ۔ رک جاؤ۔ میرا حکم ہے تم جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔"

میں نے جس ظالم شخص کو اتنے دنوں تک زندہ رہنے دیا ہو' اب اسے ان آوازوں کے فریب میں آ کر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ جب نرگس کا چہرہ میرے تصور میں ابھرا اور اس کی خون آلود لاش یاد آئی تو میں اور مشتعل ہو گیا۔ میں نے اس پراسرار آواز کی کوئی پروانہ کی۔ بدری نرائن کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ میں پھر آگے بڑھا لیکن اسی وقت گھنٹیوں کی پرشور آواز تیز ہو گئی۔ اتنی تیز کہ عام آدمی چکرا کر گر جائے۔ میں نے زمین پر مضبوطی سے قدم جمائے اور لپک کر بدری نرائن پر ٹوٹ پڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ٹھیک اسی وقت کمرے میں روشنی ہوئی اور کمرے میں ہر طرف آگ کے بڑھتے ہوئے شعلے نظر آنے لگے۔ کمرے کے تمام در و دیوار آگ کی لپیٹ میں تھے' میں مجبوراً درمیان میں کھڑا ہو گیا۔ آگ کے ان شعلوں میں کوئی فوری فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ باہر سے دروازہ بند ہے۔ کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ گویا یہ سازش تھی۔ یہ خیال آتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ میرا آخری وقت آ چکا ہے۔ میں پھر ان کے دام میں آ گیا ہوں۔ اس بار رہائی مشکل ہے اس لیے کہ انکا بھی موجود نہیں ہے' رہی پریتم لال کی شکتی تو کالی کے مندر میں اس کی اوقات ہی کیا ہے؟ میں نے یہ سوچ کر بدری نرائن پر چھلانگ لگا دی کہ مرنے سے پہلے اس کا کام تمام کر جاؤں۔ وہ پہلو بچا کر کمرے میں ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ میں نے آگ کے شعلے خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک بار پھر بدری نرائن کو پکڑنا چاہا۔ یہ چوہے بلی کا کھیل تھا۔ اس وقت میرے ہاتھ میں اس کی دھوتی آ گئی۔ میں نے دھوتی کا سرا پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔ وہ پھر بھاگنے لگا تو میں نے اسے آگ کی طرف دھکیل دیا۔ میرے لیے تعجب کی بات یہ تھی کہ وہ آگ میں جھلسنے کے بجائے صاف نکل آیا۔ اسے کوئی موقع دیے بغیر میں نے پھر ایک کوشش کی۔ وہ ایک بڑی مورتی کی پشت پر چھپنے لگا۔ وہاں بھی آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے مورتی کے پہلو سے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا لیکن کالی کی وہ بڑی مورتی جو میرے بائیں جانب ایک چبوترے پر نصب تھی' تیزی سے میرے اوپر

آ گری۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن بچ نہ سکا۔ مجھے اپنے شانے پر شدید چوٹ کا احساس ہوا۔ میری نظروں کے سامنے اندھیرا اچھل گیا اور میں تیورا کر زمین پر گر پڑا اور تمام حواس ساتھ چھوڑ گئے اور دل ڈوبنے لگا۔ یہ محسوس ہوا جیسے میری روح جسم سے جدا ہوا چاہتی ہے۔

مگر سخت جان جمیل احمد خان یہ وار بھی سہہ گیا۔ وہ کالی کے مندر سے کوئی ایک فرلانگ دور کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر غلاظتوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ جب دل کچھ قابو میں آیا اور حواس بجا ہوئے تو سارا واقعہ ذہن میں گھوم گیا۔ کالی کی قوت نے مجھے اپنے پوتر استھان سے اٹھا کر یہاں لا پھینکا تھا۔ بات صاف تھی کہ آخر کالی نے اپنے سیوک بدری نرائن کو میرے ہاتھوں سے بچا لیا تھا۔ میں بے چین ہو کر وہاں سے اٹھا اور تیزی سے جوش کے عالم میں دوبارہ مندر کی طرف بڑھا۔ میں اس آگ میں کہیں بھی نہ جھلسا تھا اور نہ مجھے اپنے شانے پر چوٹ کا کوئی شدید احساس تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد میں نے اپنے جذبات کے سرکش گھوڑے کی لگام کھینچی۔ میں انکا سے دریافت کرنا چاہتا تھا کہ پریتم لال کی شکتی کے باوجود اس ناکامی کا سبب کیا ہے اور میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ انکا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مندر سے واپسی پر میرے سر پر آ جائے گی مگر وہ غائب تھی۔ میں نے اسے بے تحاشا آوازیں دیں لیکن بے سود۔ غصے نے مجھ پر دیوانگی طاری کر دی' یہ انکا کہاں چلی گئی۔ اسی لمحے میرے ذہن میں ایک پریشان کن خیال ابھرا۔ کہیں کالی کی مہان شکتی نے انکا کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچایا ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں تو لٹ گیا۔ انکا کی غیر موجودگی نے مجھے اتنا الجھایا کہ میں پاگلوں کی طرح سڑک پر دوڑنے لگا جیسے انکا مجھے سڑک پر کہیں کھڑی ہوئی نظر آ جائے گی۔ چار و ناچار تھک کر مندر میں دوبارہ جانے کا ارادہ ترک کر کے میں اپنے ہوٹل کی طرف چل دیا۔

دن چڑھ آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں زیادہ دیر تک کوڑا کرکٹ پر بے ہوش نہیں پڑا رہا۔ ہوٹل میں اپنے کمرے پر پہنچا تو میرے ذہن کو دوسرا جھٹکا لگا۔ کمرا باہر سے مقفل تھا جس کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ کلکتے میں مالا رانی کا تنہا باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں پھر وہ لوگ کہاں چلے گئے۔ کیا کہیں مالا رانی کو بھی؟ میں اس سے آگے کچھ نہ سوچ سکا۔ تیزی سے ہوٹل کے منیجر کے کمرے تک گیا۔ میں اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مالا کہاں گئی؟ منیجر مسلمان تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پیچھے سے اپنے دفتر کا دروازہ بند کیا پھر خوف زدہ لہجے میں کہنے لگا۔

"جمیل صاحب...... آپ۔"

"جلدی بتاؤ۔ منیجر۔" میں نے منیجر کا جملہ درمیان سے اچکتے ہوئے کہا۔ "میرے کمرے میں قفل کیوں پڑا ہے؟ جن لوگوں کو میں کمرے میں چھوڑ گیا تھا وہ کہاں ہیں؟ کیا کہہ گئے ہیں؟ کب آئیں گے؟" میں نے ایک ہی سانس میں منیجر سے نہ جانے کتنے سوال کر ڈالے۔

وہ بے چارہ مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ مجھے بیٹھنے کے لیے اس نے کرسی پیش کی اور راز داری سے کہنے لگا۔ ''خان صاحب' جن لوگوں کو آپ کمرے میں چھوڑ گئے تھے انہیں پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ نے جس لڑکی کو اپنی بیوی بتایا تھا در اصل ایک ہندو لڑکی تھی اور اسے آپ اغوا کر کے لائے تھے۔ پولیس نے جس وقت چھاپا مارا اور اس وقت لڑکی کے رشتے دار بھی ساتھ تھے۔''

''منیجر!'' میں صدمے سے چکرا کر بولا۔ ''یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو گیا؟''

''خان صاحب' آپ مسلمان ہونے کے رشتے سے میرے بھائی ہیں۔'' منیجر نے قریب آ کر دبی زبان میں کہا۔ ''یہاں کے بنگالی ہندو بہت متعصب ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ تو آپ کلکتے سے فوراً فرار ہو جائیے۔ یہ ہنگامہ کسی وقت بھی بڑھ کر فرقہ وارانہ فساد کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ پولیس آپ کی تلاش میں ہے۔ لڑکی کا باپ کلکتے کا بہت بڑا بزنس مین ہے۔ اگر آپ ایک بار اس کے چنگل میں پھنس گئے تو بچنا محال ہو جائے گا۔ یوں بھی یہ ہندو مسلم فساد کا معاملہ ہے۔ لڑکیوں کا چکر ہمیشہ [illegible] ہے۔ اس لڑکی پر لعنت بھیجئے' جتنی جلدی ممکن ہو...... یہ ہوٹل کی بدنامی کا معاملہ بھی ہے۔ معاف کیجئے میں ایسی حرکتیں پسند نہیں کرتا۔''

''منیجر۔ بکواس بند کرو۔'' میں نے غصے سے اٹھ کر منیجر کے گال پر اس زور کا طمانچہ رسید کیا کہ وہ لڑکھڑا کر کرسی سے ٹکرایا اور کرسی سمیت فرش پر الٹ گیا۔ مجھ پر خون سوار تھا۔ بدری نرائن کے معاملے میں ناکامی کے بعد اس دوسرے صدمے نے میرا ذہنی توازن بگاڑ دیا۔ نہ جانے مجھے کیا ہوا۔ میں اچھل کر منیجر کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور اپنے واحد ہاتھ سے اس کا گلا دبانے لگا۔ منیجر اس صورت حال کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں ایک ذرا سی بات پر اس قدر مشتعل ہو جاؤں گا۔ وہ خود کو بچانے کی خاطر میرے جسم کے نیچے مچل رہا تھا۔ اسے مارنے کی کوئی تک نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ منیجر کا دم نکل جاتا' انکا میرے سر پر آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے انکا کی گھبرائی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''جمیل' ہوش میں آؤ۔ اس غریب نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ یہ تو تمہارا ہمدرد ہے۔''

انکا کی آواز سن کر میرے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میں منیجر کو چھوڑ کر اسے دھتکارتے ہوئے اٹھا اور بڑے بیزار لہجے میں انکا سے اس کی عدم موجودگی کا سبب پوچھا۔ انکا خود بھی اس وقت بہت پریشان نظر آ رہی تھی وہ جلدی سے بولی۔ ''معلوم ہے جمیل۔ تم مجھ سے ناراض ہو' لیکن بات ہی کچھ ایسی تھی کہ مجھے کالی کے مندر سے یہاں آنا پڑا۔ تمہارے چچا اور مالا رانی کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ مالا رانی کو تو اس کے والد اور بھائی اپنے گھر لے گئے۔ تمہارے چچا حوالات میں بند ہیں۔ پولیس [illegible] نے انہیں بڑی بے رحمی سے مارا ہے۔ وہ ان سے تمہارا پتہ دریافت کر رہے ہیں۔ جمیل تمہاری قسمت بڑی خراب

ہے۔ جب حالات ذرا سدھرنے لگتے ہیں' کوئی نہ کوئی مصیبت آ جاتی ہے۔''

''لیکن اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟'' میں نے تلملا کر سوال کیا۔

''بھاگ کے کھیل ہیں جمیل۔'' انکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''اسٹیشن سے آتے وقت مالا رانی کے کسی رشتے دار نے اسے دیکھ لیا تھا۔ پولیس کے سامنے مالا رانی نے یہی بیان دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ اپنی مرضی سے آئی ہے لیکن تمہارے بااثر مالدار سسر نے پولیس والوں کی مٹھی گرم کر رکھی تھی۔ مالا رانی کی ایک نہ چل سکی۔ باپ اور بھائی زبردستی اسے پکڑ کر لے گئے۔''

''اور تم نے کیا کیا؟'' میں نے انکا سے پوچھا۔

''یہ واقعہ دوپہر کا ہے۔ جب میں پہنچی تو سارا کھیل بگڑ چکا تھا۔ میں مالا رانی کے سر پر گئی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ میں نے اسے پریشانی سے بچانے کے لیے اس کا ذہن ماؤف کر دیا۔ وہ سارے وقت میرے اشاروں کی تابع رہی پھر میں وہاں سے چلی آئی۔ ابھی میں اکیلی کچھ سوچ رہی تھی کہ تمہارے پاس آنے کی ضرورت پڑ گئی۔''

''اب کیا کیا جائے۔ کبھی زندگی میں سکون بھی نصیب ہو گا انکا؟''

''ایک شرط پر سکون مل سکتا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''تم یہ جذباتی حرکتیں' ضدی پن اور جلد مشتعل ہو جانا چھوڑ دو۔ ابھی میں نہ آتی تو تم ایک اور جرم میں پھنس جاتے۔''

''انکا۔ ایسے حالات میں کون شخص خود کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ تمہاری زبان سے نصیحتیں اچھی نہیں لگتیں۔''

''جمیل۔ تم بعض اوقات اجنبیت کی باتیں کرنے لگتے ہو۔'' انکا اداسی سے بولی۔

''اچھا اچھا۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ اب یہ بتاؤ کہ مالا رانی اور چچا جان کو کس طرح اس مصیبت سے نجات دلائی جائے۔'' میں نے جز بز ہو کر کہا۔

''چلو اپنے کمرے میں چلو۔ غسل کر کے کپڑے تبدیل کرو۔ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔''

میں نے انکا کی زبانی پوری تفصیل دوبارہ معلوم کر کے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ کپڑے تبدیل کیے اور ٹیکسی پکڑ کر تھانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ میری ذہنی حالت بڑی ابتر تھی۔ پے در پے صدمات نے مجھے کہیں کا نہ رکھا تھا۔ راستے میں انکا کے پوچھنے پر میں نے کالی کے مندر میں پیش آنے والی ساری روداد اسے سنائی تو انکا غور و فکر میں ڈوب گئی۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولی۔ ''تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ

دھوکا ہے جمیل۔ بدری نرائن کوئی معمولی پنڈت تو ہے نہیں۔ اس نے خود کو تم سے بچانے اور تمہیں موت کے منہ میں دھکیلنے کے لیے یہ سارا بہروپ بھرا تھا۔ پریتم لال کی پراسرار قوت نے اگر تمہاری مدد نہ کی ہوتی تو شاید......"

"مگر میں نے دیوی کی آنکھیں اور ہونٹ متحرک دیکھے تھے۔ کمرے میں ایک نسوانی آواز گونج رہی تھی۔ وہ مجھے بار بار وہاں سے بھاگ جانے کی تلقین کر رہی تھی پھر وہاں اچانک خوفناک آگ لگ گئی اور ایک مورتی میرے سر پر آ گری۔"

"یہ تو معمولی کرتب ہے جمیل۔ بدری نرائن نے ایک مدت تک دیوی اور دیوتاؤں کے لیے بڑے بڑے جاپ کیے ہیں۔ اس کے لیے یہ معمولی قسم کے چمتکار دکھانا کوئی مشکل نہیں۔ کچھ شکتیاں اس کے قبضے میں بھی ہیں۔ شاید تمہیں پریتم لال کی شکتی سے صحیح طور پر کام لینا نہیں آیا لیکن اس کا بندوبست ہمیں بعد میں کرنا پڑے گا۔ پہلے ہمیں مالا رانی اور تمہارے چچا جان کے بارے میں کچھ کرنا ہے۔"

"انکا۔ کیا کم بخت بدری نرائن ہمیشہ مندر ہی میں رہے گا؟"

"ہاں۔ اسے مجھ سے ڈر ہے۔ وہ جب تک پریتم لال جیسی شکتی حاصل نہیں کر لیتا اور ایک خاص علاقے میں گیان دھیان کے لیے کالی اسے آگیا نہیں دیتی' اس وقت تک وہ مندر میں مقید رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک بار ضرور باہر آئے گا۔ مجھے اس کے باہر آنے ہی کا انتظار ہے۔"

"جب تک میری موت واقع ہو جائے گی۔" میں نے زہر خند سے کہا۔

"ارے جمیل۔ تم بہت مایوسی کی باتیں کر رہے ہو۔ ابھی تو تمہیں نہ جانے کیا کیا دیکھنا ہے۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔" انکا نے اٹھلا کر اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

"بس کرو انکا۔ اب اعصاب میں دم نہیں رہا۔ خاموش ہو جاؤ۔"

راستے بھر انکا حسب معمول مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کرتی رہی۔ میرا ذہن کئی حصوں میں بٹ چکا تھا۔ نرگس کا قاتل اپنی قوت کی وجہ سے میری آنکھوں میں دھول جھونک کر صاف بچ نکلا تھا۔ اگر میں پریتم لال کی شکتی کا غلاف نہ اوڑھے ہوتا تو عین ممکن تھا کہ نرگس کے پاس دوسری دنیا میں پہنچا دیا جاتا۔ ایک طرف مالا رانی کی فکر لاحق تھی اور دوسری طرف اپنے چچا جان خورشید احمد خان کی گرفتاری کا غم تھا۔ ایک عرصے بعد ان سے ملاقات ہوئی تھی اور میری وجہ سے کتنے شرمناک واقعات میں ملوث ہو کر پریشانیوں کا شکار ہو گئے تھے۔

تھانے پہنچ کر میں سیدھا انسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ انسپکٹر نے غالباً میری خوش پوشی سے متاثر ہو کر مجھے کرسی پیش کی لیکن جب میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میں خورشید احمد خان کی ضمانت لینے آیا ہوں تو انسپکٹر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ مجھے فاتحانہ انداز میں قہر آلود نظروں سے گھور کر کہنے لگا ہوں۔ "تو تم ہو' وہ

جمیل احمد خان' اچھا ہوا تم خود آ گئے۔ ہمیں تمہاری ہی تلاش تھی۔"

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا انسپکٹر۔" میں نے دبنگ آواز میں کہا۔ "مالا مجھے ایک مہان پجاری پریتم لال نے سورگباش ہوتے وقت دان کی تھی۔ کنیادان کے ساتھ اس نے جہیز میں کچھ شکتی بھی دی تھی۔"

"اچھا۔ بڑی دلچسپ باتیں کر رہے ہو۔" انسپکٹر نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا پھر گرج کر بولا۔ "دو چار روز حوالات میں رہو گے تو تمہارا ذہنی توازن خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ ہمیں بڑے بڑوں کے دماغ ٹھکانے لگانا آتا ہے۔"

"انسپکٹر تم گستاخی کر رہے ہو۔ شاید تم نے جمیل احمد خان کا نام نہیں سنا؟" میں نے بھی لہجہ بدلا۔

"بکواس بند کر مسلے' یہ تھانہ ہے۔ تیرے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے۔" انسپکٹر ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"تم اوقات سے بڑھ رہے ہو انسپکٹر۔ کھال میں رہنے کی کوشش کرو ورنہ یہ پورا تھانہ کھنڈر میں تبدیل کر دوں گا۔" میں نے بگڑتے ہوئے تیور سے کہا۔

انسپکٹر نے میری جرات اور بے باکی دیکھ کر شاید حفظ ماتقدم کے طور پر جھٹ اپنا پستول نکال لیا اور میری طرف تان کر اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

"اس معمولی کھلونے سے تو آپ واقف ہوں گے جمیل احمد خان۔ کیا اب پھر آپ کچھ بکواس کرنے کی زحمت کریں گے؟"

"انسپکٹر۔ یہ کھلونا اپنے پاس رکھو۔ بچوں کی باتیں ہیں۔ یہ کھیل میں بہت دن ہوئے چھوڑ چکا ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خوب خان صاحب! آپ خاصے کھائے کھیلے معلوم ہوتے ہیں' بہرحال اب آپ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔" انسپکٹر نے سرد لہجے میں کہا۔

"شاید تم بھول گئے ہو۔ میں اپنے چچا جان کی ضمانت لینے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں وہ تو جناب نے پہلے بتا دیا تھا مگر میری عرض بھی سنیں۔ آپ کو معلوم ہو گا خان صاحب کہ یہ اغوا کا کیس ہے۔ اس میں گرفتار شدہ شخص کی ضمانت صرف عدالت قبول کر سکتی ہے۔ مجھے یہ اختیار نہیں ہے البتہ مجھے اور اختیارات ضرور حاصل ہیں۔"

"تم بکواس کرتے ہو۔" میں آپے سے باہر ہو گیا۔ "یہ اغوا کا کیس ہرگز نہیں ہے۔ میرے خلاف جھوٹا اور خواہ مخواہ کا مقدمہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس سلسلے میں عدالت وغیرہ سے رجوع کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ہوں۔ تمہیں میرے چچا کی ضمانت قبول کرنی ہی پڑے گی۔"

انسپکٹر مسکرایا۔ "فی الحال تو میں آپ کو گرفتار کر رہا ہوں۔ یقیناً یہ بات میرے اختیار میں ہے۔"

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ تم وہ کام کرنا چاہتے ہو جو تمہارے امکان سے باہر ہے۔"

"میں بھی آپ کو بتاؤں گا خان صاحب کہ میرے امکان میں کیا ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے اٹھ کر پستول کا رخ میری طرف کیا۔ انکا اسی موقع کی منتظر تھی۔ وہ اسی وقت میرے سر سے رینگ کر اتر گئی۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر کا رویہ نرم پڑ گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر دیر تک تذبذت کی کیفیت سے دو چار رہا پھر بولا۔ "معاملہ بے حد سنگین صورت اختیار کر گیا ہے خان صاحب' لیکن میں اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کر کے خورشید احمد خان کے سلسلے میں آپ کی ضمانت قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

میں سمجھ گیا کہ انکا انسپکٹر کے سر پر چلی گئی ہے۔ میں نے بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ خاموشی سے ضمانت کے کاغذات الٹے سیدھے پر کیے اور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیے۔ البتہ میں نے اس دوران 'اس بے مالا کے باپ کنور پرتاپ کے بارے میں ضروری تفصیلات حاصل کر لیں۔ انسپکٹر کے بیان کے مطابق کنور پرتاپ کا شمار بہت بڑے جاگیرداروں میں ہوتا تھا۔ اس کا لمبا چوڑا کاروبار دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ تفصیلات معلوم کرنے کے بعد میں انسپکٹر کے ساتھ حوالات کے اندر گیا جہاں میرے چچا نہایت خستہ حالت میں پختہ زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ پولیس والوں نے انہیں حقیقتاً بڑی بے دردی اور بے رحمی سے مارا تھا' ان کا لباس شکستہ ہو گیا تھا۔ جلد جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال خون میں لت پت تھے۔ ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

اپنے چچا کو اس اذیت ناک حالت میں دیکھ کر میں کھول اٹھا۔ جی میں آئی کہ ڈیوٹی پر تعینات تمام پولیس والوں کو ان کے سنگ دل افسروں سمیت موت کے گھاٹ اتار دوں مگر اس وقت کوئی ہنگامہ مناسب نہیں تھا۔ مجھے مالا کی خبر لینی تھی۔ میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو رہا۔ پولیس والوں کو جب خورشید احمد خان کی ضمانت کا علم ہوا تو ان کی حیرتوں کی انتہا نہ رہی۔ شاید انہیں یقین نہیں تھا کہ میرے چچا ان کے شکنجے سے زندہ بچ سکیں گے لیکن چونکہ انسپکٹر میرے ہمراہ تھا اس لیے کسی نے زبان نہیں کھولی۔ میں نے ایک پولیس والے کے ذریعے ٹیکسی منگوائی۔ انسپکٹر کی مدد سے اپنے بے ہوش چچا کو اٹھا کر ٹیکسی میں ڈالا اور تھانے سے روانہ ہو گیا۔

ٹیکسی ابھی کچھ ہی دور گئی تھی کہ انکا دوبارہ میرے سر پر آ گئی۔ اس نے مجھے ایک ایسے ہسپتال کا پتا بتا دیا جو شہر سے خاصی دور تھا۔ میں نے مصلحت کے تحت راستے میں دو ٹیکسیاں بدلیں اور چچا کو سیدھا وہاں پہنچایا اور انہیں اسپیشل وارڈ کے ایک پرائیویٹ روم میں داخل کرا دیا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ ان کی حالت مخدوش ہے۔ میری آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ انکا نے مجھے اداس دیکھا تو میری ڈھارس بندھاتے ہوئے بولی۔

"اتنی پریشانی کی کیا بات ہے۔ تمہارے چچا ایک ہفتے میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا اور ڈاکٹر سے گفتگو کرنے لگا۔

چچا جان کو ڈاکٹر کے حوالے کر کے میں وارڈ سے باہر کوریڈور میں آ گیا۔ اب مجھے مالا کے سلسلے میں کچھ سوچنا تھا۔ میں ہر صورت میں کنور پرتاب کے گھر جا کر مالا کو اس کی قید سے آزاد کرانا چاہتا تھا لیکن انکا میری رائے سے متفق نہیں تھی۔ کچھ دیر ہمارے درمیان گرم و تلخ بحث ہوئی پھر انکا نے مشورہ دیا۔ "تم چچا جان کے پاس ٹھہرو۔ میں مالا رانی کے پاس جا کر حالات کا جائزہ لیتی ہوں۔ اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ ممکن ہے میں اسے کنور پرتاپ کے قبضے سے باہر نکال لانے میں اسی وقت کامیاب ہو جاؤں۔"

"نہیں انکا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔ "مالا کو مزید الجھنوں میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ وہ بہت معصوم ہے' اس کے دل و دماغ پر ان غیر متوقع حادثات کا گہرا اثر پڑے گا۔ وہ برسوں سے پریتم لال کی صحبت میں زندگی گزار رہی تھی اس لیے شہر کے لوگوں کی عیاریوں سے واقف نہیں ہوگی۔ اگر وہ کلکتے میں رہی تو اس کے باپ بھائی اسے پھر تلاش کر لیں گے۔ چچا جان کی طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں مالا کو لے کر لکھنو چلا جاتا۔ وہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں کسی طرح حالات اپنے حق میں ہموار کر کے مالا کو لکھنو پہنچا سکتی ہوں لیکن ....."

"لیکن کیا؟" میں نے انکا کی خاموشی سے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "تم کہنا کیا چاہتی ہو انکا۔ کیا مجھے مالا سے بھی دستبردار ہونا پڑے گا؟ تم خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"میں سوچ رہی ہو جمیل۔" انکا سنجیدگی سے بولی۔ "کلکتے میں تمہارا تنہا رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ مالا کے رشتے داروں کو جب تمہارے چچا جان کی ضمانت کا علم ہوگا تو وہ دنگے فساد پر اتر آئیں گے یہاں تمہارا روپوش رہنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے ڈر ہے جمیل کہ تم پھر کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ مجھے تم پر اعتبار نہیں رہا۔"

"کیا اعتبار نہیں رہا؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"یہی کہ تم اپنی حفاظت تنہا نہیں کر سکتے ہو۔ تم اتنی جلدی بر ہم جو ہو جاتے ہو۔"

"انکا تمہارے سوا بھی تو میری کوئی ذات ہے۔"

"لیکن تم ایسے خطرات میں گھر جاتے ہو جو عام آدمیوں کو پیش نہیں آتے اسی لیے تمہیں میری ضرورت پڑتی ہے۔" پھر انکا بہت اداسی سے کہنے لگی۔ "یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے کاش میں تمہارے سر پر نہ آتی تو تم عام آدمیوں کی طرح خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ میری وجہ سے تم پر

کیسے کیسے غم ٹوٹے۔"

"انکا' مجھ بدنصیب کے لیے تو تم نے بہت کچھ کیا ہے۔" میں نے خجالت سے کہا۔

"کیا کیا۔ یہی کہ تمہارا ہاتھ چھنوا دیا۔ تمہارا خون مجھے پینا پڑا۔ تمہیں میری وجہ سے سڑکوں پر بھیک مانگنی پڑی۔"

"چھوڑو انکا۔ ماضی کی باتیں نہ کرو۔ دل کڑھتا ہے۔" میں نے سوچا انکا نے تو مجھے زندگی کے اصل رنگ دکھائے ہیں۔ میں نے یہ موضوع بدل دیا اور اصرار کرنے لگا۔ "تم میری فکر نہ کرو۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ مالا کی خبر لو۔"

انکا نے مجھے حالات کے تاریک پہلوؤں پر بہت سمجھایا لیکن میں نے اسے یہی حکم دیا کہ وہ میری فکر نہ کرے اور جتنی جلد ممکن ہو' مالا کو اس کے باپ کے قبضے سے نکال کر لکھنؤ پہنچا دے۔ انکا میرے حکم کے آگے بے بس ہو گئی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں نے تصور کے عالم میں سر پر نگاہ کی تو اسے متذبذب دیکھا۔ میں نے کہا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟ وقت مت ضائع کرو انکا۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے' نہ جانے مالا کے باپ بھائی اب تک اس پر کتنے ظلم کر چکے ہوں گے' تم مالا کو بچاؤ۔ میرے لیے پریشان نہ ہو۔ میرے پاس پریتم لال کی شکتی ہے۔ میں اپنے دشمنوں سے نمٹ لوں گا۔"

انکا نے سراسیمگی سے ایک نظر مجھے دیکھا پھر خاموشی سے رینگ کر میرے سر سے اتر گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں دوبارہ اپنے چچا کے کمرے میں چلا گیا۔ میں رات گئے تک ان کے پاس رہا۔ ان کی بے ہوشی برقرار تھی۔ میں خود کو ملامت کر رہا تھا۔ ساری ذمے داری مجھ پر عائد ہوتی تھی۔ اب میں انہیں ہر قیمت پر موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے ڈاکٹروں کو ایک لمبی رقم دے کر ان کی تمام تر توجہ خرید لی تھی لیکن میرا دل ابھی تک مطمئن نہیں تھا۔ کبھی میں اٹھ کر کوریڈور میں ٹہلنے لگتا۔ کبھی دوبارہ چچا کے سرہانے جا بیٹھتا۔ دل کا کیا کرتا جو قابو میں نہیں آتا تھا۔

اگلی صبح کہیں چچا جان ہوش میں آئے اور ڈاکٹروں نے یہ مژدہ سنایا کہ اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے' میری جان میں جان آئی۔ میں نے گزشتہ روز سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا اس لیے اسپتال سے نکل کر درمیانے درجے کے ایک قریبی ہوٹل میں گیا اور شکم سیر ہو کر ناشتہ کیا تو حالت ذرا درست ہوئی لیکن اب مالا کی فکر دامن گیر تھی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے یونہی وقت گزاری کے لیے ایک اخبار اٹھا لیا۔ مجھے پہلے ہی صفحے پر جو سرخی نظر آئی وہ میرے لیے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ میں تمام تر انہماک سے وہ اہم خبر پڑھنے لگا جس میں ہوٹل پر پولیس کے چھاپے سے لے کر مالا کے دوبارہ پراسرار طور پر اغوا ہو جانے کی تفصیل درج تھی۔ اس انسپکٹر کو ملازمت سے معطل کر دیا گیا تھا جس نے میرے چچا کی ضمانت

قبول کی تھی۔ مجھے یہ پڑھ کر یک گونہ سکون ہوا کہ مالا دوبارہ اغوا کر لی گئی ہے۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ اسے انکا کی پراسرار قوت لے اڑی ہے۔ اخبار میں میرے بارے میں صرف اتنا درج تھا کہ خورشید احمد خان کی ضمانت لینے والے شخص کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور پولیس اس کی تلاش میں ہے۔ میں نے ہوٹل میں موجود افراد کو غور سے دیکھا۔ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف تھا۔ بل ادا کر کے میں باہر آیا اور کم آباد علاقوں کے درمیان سے گزرتا ہوا بازار گیا جہاں سے میں نے کامدار چادر خرید لی اور اسے فوراً اس طرح شانوں پر ڈال لیا کہ کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہ ہو اور میرا کٹا ہوا ہاتھ بھی چھپا رہے۔ ہندوؤں میں اس قسم کی چادر شانوں پر ڈال کر باہر نکلنا عام بات ہے۔ مجھے اب صرف اس بات کی فکر تھی کہ چچا ٹھیک ہو جائیں اور میں انہیں ساتھ لے کر کلکتے سے دور چلا جاؤں۔ میں بدری نرائن کا معاملہ فی الوقت ذہن سے نکالنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اپنے خیالات میں محو میں اسپتال کے قریب پہنچا تو دروازے کے باہر پولیس کی گاڑی دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ چنانچہ صدر دروازے سے اسپتال میں داخل ہونے کے بجائے میں ایک لمبا چکر کاٹ کر پشت کی جانب پہنچا اور احاطے کی دیوار کے قریب رک کر اندر دیکھا تو میرا شبہ یقین میں بدل گیا۔ یہاں سے مجھے پرائیویٹ وارڈ کا برآمد نظر آ رہا تھا۔ برآمدے میں چار پانچ پولیس افسر موجود تھے۔ ان کے ساتھ ایک موٹا تازہ آدمی بھی سوٹ بوٹ میں کھڑا تھا اور منہ بنا بنا کر پولیس افسر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میں ان کے درمیان ہونے والی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ البتہ میں نے اتنا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ شخص کنور پرتاپ ہی ہو سکتا ہے' برآمدے کے ساتھ ہی ایک شاندار گاڑی کھڑی تھی جو میرے اندازے کی تصدیق کر رہی تھی۔

میں دیوار کے قریب سے ہٹ کر سڑک پر آ گیا۔ اب میرا وہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر پولیس کو میرے چچا کے بارے میں کس ذریعے سے معلومات حاصل ہو گئیں۔ اسپتال میں پولیس کی موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ میں وہاں چلا جاتا تو گرفتاری یقینی تھی۔ مجھے اس بات کی فکر ستانے لگی کہ نہ جانے پولیس والے میرے چچا کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہوں۔ اگر انکا میرے سر پر ہوتی تو بہت کچھ کر سکتا تھا لیکن وہ اس وقت مالا کے پاس تھی اور اس کی فوری واپسی ممکن نہیں تھی۔

میں نے اسپتال سے کوئی چار میل دور ایک معمولی درجے کے ہوٹل میں کمرا لیا اور گوشہ نشین ہو گیا۔ انکا کی واپسی سے قبل میرا آزاد گھومنا پھرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ اس روز سارا دن اور تمام رات میں چچا کی خیریت نہ معلوم کرنے کے سبب مضطرب رہا۔ دوسری صبح اخبار کے ذریعے مجھے بس اتنا پتا چل سکا کہ خورشید احمد خان کو پولیس نے دوبارہ برآمد کر لیا ہے لیکن ابھی ان کی حالت مخدوش ہے' اس لیے پولیس ان سے کوئی بیان نہیں لے سکی ہے۔ نامہ نگار نے پولیس کے حوالے سے یہ بھی لکھا تھا کہ جس شخص نے خورشید احمد خان کی ضمانت کرائی تھی' وہ بھی عن قریب گرفتار کر لیا جائے گا۔ میں نے اخبار اٹھا کر زمین پر

پھینک دیا پھر دن بھر چچا جان کے بارے میں سوچتا رہا۔ شام ہوئی تو میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں' میں رات کے وقت اسپتال ضرور جاؤں گا۔ نہ جانے چچا میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔

رات ہونے تک میں اپنے کمرے ہی میں بند رہا۔ جب رات کا اندھیرا ہوا تو میں نے کمرے سے نکلنے کی ٹھانی۔ مجھے اس وقت پریتم لال یاد آیا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ دنیا کی کوئی قوت مجھے گزند نہیں پہنچا سکتی۔ میں اس کی طاقت ایک بار ریل میں آزما چکا تھا' دوسری بار کالی کے مندر میں مجھے پریتم لال کی پراسرار شکتی کا اندازہ ہوا۔ میرا بے ہوش ہو جانے کے بعد زندہ سلامت مندر سے باہر آ جانا یقیناً کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ اب ایک ایسا موقع پھر آ گیا تھا۔ میں نے چادر اٹھا کر کندھے پر ڈالی اور باہر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دستک کی آواز سن کر چونکا پھر اس خیال سے کہ ہوٹل کا بیرا برتن واپس لینے آیا ہوگا۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے پیچھے ہٹنا پڑا۔

دروازے پر ہوٹل کے کسی بیرے کے بجائے ایک دبلا پتلا سادھو کھڑا ہوا تھا جسم پر گیروے رنگ کی ایک دھوتی لپیٹے ہوئے تھا۔ پاؤں میں کھڑاؤں تھے۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی لیکن بے حد ڈراؤنی تھیں۔ میں نے سادھو کو سرتاپا غور سے دیکھنے کے بعد بے پروا ہو کر پوچھا۔ ''کس سے ملنا ہے؟''

جواب میں سادھو نے مجھے کچھ سمجھنے اور جائزہ لینے والی نگاہوں سے دیکھا پھر ہاتھ کے دھکے سے مجھے پیچھے ہٹا کر اندر آ گیا۔ اس کے جسم میں بلا کی طاقت تھی۔ مجھے اس کے اس گستاخانہ رویے پر غصہ آ گیا لیکن میری کسی جوابی کارروائی سے پہلے ہی سادھو نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور میری طرف متوجہ ہو کر سپاٹ آواز میں بولا۔ ''بالک' کیا تیری مت ماری گئی ہے جو باہر جانے کی کوشش کر رہا ہے؟'' اس کی چمکتی نظریں میرے سارے جسم کا احاطہ کر رہی تھیں۔

''تم کون ہو اور اس قسم کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' میں نے زچ ہو کر کہا۔ نہ جانے سادھو کے چہرے پر وہ کون سا تاثر تھا کہ میں اس کے خلاف کوئی جارحانہ قدم نہیں اٹھا سکا۔

''میری چنتا مت کر۔ اپنا من ٹٹول۔ اس لمحے اپنے چچا کے پاس تیرا جانا ٹھیک نہیں۔'' سادھو نے حکمیہ لہجے میں مجھ سے کہا پھر اس سے پیشتر کہ میں کسی حیرت کا اظہار کرتا یا کوئی جواب دیتا' سادھو نے مجھے حکم دیا۔ ''اب تو یہاں سے باہر قدم نہیں نکالے گا۔''

''مہاراج۔'' میں نے سادھو کے شفقت آمیز حکم سے متاثر ہو کر جواب دیا۔ ''میرے چچا پر جو بپتا پڑی ہے اس کی ذمے داری مجھ پر ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنے چچا کو بچانا چاہتا ہوں۔''

''آگے بات نہ کر۔ باہر پگ دھرا تو پکڑا جائے گا۔'' سادھو نے خشک آواز میں کہا پھر کچھ توقف کے

بعد بولا۔ ''تیرے من میں جو ہے وہ کھلا ہوا ہے' تو اپنے چچا کو لے کر یہاں سے جانا چاہتا ہے' پرنتو پولیس کی نظروں سے کیسے بچے گا؟ اس کی آنکھ میں دھول جھونکنا تیرے بس کی بات نہیں۔ کوئی اور اپائے کرنا ہوگا۔ تو چاروں طرف سے گھر گیا ہے۔''

اتنا کہہ کر سادھو نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ میں بڑی صاف گوئی سے اعتراف کرتا ہوں کہ سادھو کی سحر انگیز شخصیت' اس کے لہجے اور اس کے رویے نے مجھے دم بخود کر دیا تھا۔ پتہ نہیں اسے میرا راز کس طرح معلوم ہو گیا۔ آخر اس کا اس طرح میرے پاس آنے سے کیا مقصد تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی بیرے نے میرا کٹا ہوا ہاتھ دیکھ لیا ہو اور پولیس نے اس کی مخبری کی تصدیق کے لیے اپنے کسی آدمی کو سادھو کے روپ میں میرا کھوج نکالنے بھیجا ہو؟ اس خیال نے مجھے چونکا دیا لیکن ٹھیک اسی لمحے سادھو نے آنکھیں کھول کر مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ''تیرے پاس منش کو پرکھنے والی نظر کی کمی ہے۔ تیرے من میں جو کھوٹ ہے اسے دور کر۔ میں تیری سہائتا کے کارن یہاں آیا ہوں اور تو مجھ پر شک کرتا ہے اپرادھی۔''

سادھو کی بات سن کر میں اور حیرت زدہ ہو گیا۔ میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میرے دل میں جو شبہ ابھرا تھا وہ جاتا رہا۔ میں نے عقیدت مندانہ نظروں سے سادھو کی طرف تکتے ہوئے کہا۔ ''بگڑے ہوئے حالات منش کو اپنے سائے سے بھی خوف کھانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مجھے شما کر دو مہاراج۔''

''سن۔ تو صبح والی گاڑی سے بنارس چلا جا۔ اس کے لیے تجھے چنتا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے' کوئی شکتی تجھے راستے میں پریشان نہیں کرسکتی۔''

''مگر میرے چچا کیا کیا ہوگا مہاراج۔ میں انہیں چھوڑ کر کیسے جاؤں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تو اس کی چنتا نہ کر مورکھ۔ اسے مجھ پر چھوڑ دے۔ میں تجھے وچن دیتا ہوں کہ سب کچھ تیری آشا کے انوسار ہوگا۔'' سادھو نے ترشی سے کہا۔ ''پرنتو یہ دھیان میں رکھنا کہ کہیں اور نہ بھٹکنا' ورنہ پچھتائے گا۔''

میں جواب دینے میں ہچکچا رہا تھا۔ سادھو نے اس کی مطلق پروا نہ کی اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ کئی لمحوں تک میں سوچتا رہا اور پھر ایسے عالم میں کیا فیصلہ ہوتا۔ چچا جان کو اس حالت میں چھوڑ کر جانا مناسب نہیں تھا لیکن اب سادھو کا حکم ٹالنا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی۔ کوئی میرے اندر سے مجھے بار بار اکسا رہا تھا کہ میں سادھو کی ہدایت پر بے چون و چرا عمل کروں۔ رات بھر میں اپنی ادھیڑ بن میں مبتلا رہا۔ بنارس کی گاڑی صبح ساڑھے پانچ بجے جاتی تھی۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں نے رات ہی منیجر کو بلا کر بل ادا کیا اور ڈرتا جھجکتا اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ میں نے اس وقت بھی اپنا ہاتھ چادر میں چھپا رکھا تھا۔ اسٹیشن پر میرے اندیشے کے عین مطابق پولیس والے موجود تھے۔ کچھ سادہ لباس

والے بھی تھے جو ایک ایک مسافر کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دوسرے درجے کا ٹکٹ لیا اور انتظار گاہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ جب تک گاڑی نہ آ گئی اور میں اس پر بیٹھ کر اسٹیشن کی حدود سے باہر نہیں نکل گیا' مجھے برابر اس بات کا خدشہ لاحق رہا کہ کہیں کسی مشکوک نظر کی زد میں نہ آ جاؤں لیکن سادھو کا کہا ٹھیک ثابت ہوا۔ پولیس والوں اور سادہ لباس والوں نے مجھے دوسرے مسافروں کی طرح ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا تو ضرور' لیکن کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سفر کے دوران مجھے برابر چچا کی فکر لاحق رہی اور ساتھ ہی مالا کی یاد بھی ستاتی رہی۔

بنارس پہنچ کر میں گاڑی سے اترا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ کلکتے کے ہوٹل کے کمرے میں ملنے والا سادھو وہاں پہلے سے میرا منتظر تھا۔ مجھ پر حیرتوں نے یلغار کر دی۔ یہ یہاں کس طرح پہنچا؟ متعدد سوالات ذہن میں کلبلانے لگے۔ میں ابھی اس بات پر حیران ہو ہی رہا تھا کہ سادھو خاموشی سے میرا ہاتھ پکڑ کر پہلے درجے کی انتظار گاہ کی جانب چلنے لگا۔ میں چپ نہ رہ سکا۔ بے چینی سے پوچھ بیٹھا۔ ''مہاراج۔ میرے چچا کا کیا حال ہے؟''

''دھیرج سے کام لے بالک۔'' سادھو نے میرے سوال پر کوئی توجہ نہ دی۔

انتظار گاہ کے دروازے پر پہنچ کر سادھو نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور گمبھیر لہجے میں کہنے لگا۔ ''بالک' اندر جا کر بیٹھ جا۔''

سادھو کا لب و لہجہ اور انداز ناقابل فہم تھا۔ اس کی شخصیت میرے لیے معمہ تھی۔ پہلے اس نے مجھے کلکتے سے روانہ کیا پھر خود بھی بنارس آ گیا۔ وہ اچانک میری مدد کو کس طرح آ گیا۔ آخر یہ سب کیسے اسرار ہیں' میں خاموشی سے اس کی ہدایت پر انتظار گاہ میں داخل ہوا مگر اندر قدم رکھتے ہی میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ میرے چچا سامنے ایک صوفے پر لیٹے سو رہے تھے۔ میں تیزی سے باہر نکلا' سادھو کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض تھا لیکن سادھو مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے اسٹیشن کا کونا کھونا چھان مارا لیکن وہ نہ جانے کہاں چلا گیا تھا پھر میں نے انتظار گاہ کی طرف لوٹتے ہوئے ایک قلی سے سادھو کے بارے میں پوچھا۔ قلی نے سادھو کا ذکر سنا تو مجھے حیران کن نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ''کس سادھو کی بات کرتے ہو صاحب۔ تم تو تنہا تھے۔ میں نے خود تمہیں ویٹنگ روم میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''میرے ساتھ ایک سادھو بھی تھا۔'' میں نے قلی کو باور کرانے کی کوشش کی۔ ''اس کے جسم پر گیروے رنگ کی دھوتی بھی تھی۔''

''کیوں مذاق کرتے ہو صاحب' میری آنکھیں ابھی ٹھیک ہیں' تم اپنے ڈبے سے اتر کر سیدھے ادھر آئے تھے' تمہارے ساتھ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ تمہیں دھوکا ہوا ہے صاحب' زیادہ تھک گئے ہو؟''

قلی سے مزید استفسار بے سود تھا۔ قلی کو سادھو کا نظر نہ آنا حیرت انگیز تھا جبکہ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ

اس قلی نے مجھے سادھو کے ساتھ انتظار گاہ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ نہ جانے یہ سب کیسے ہو گیا تھا۔ ذہن پر بہت زور دیا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا پھر میں دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔ میرے چچا بدستور آنکھیں بند کیے پڑے تھے۔ ان کے چہرے پر نقاہت تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے سادھو کے بارے میں ضرور کچھ بتا سکیں گے' بنارس تک یقیناً وہی پراسرار سادھو انہیں لایا ہوگا۔ میں نے چچا جان کے قریب جا کر انہیں غور سے دیکھا۔ سونے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ گہری نیند میں ہیں' مجھے ایک بات پر اور بھی حیران ہونا پڑا۔ چچا کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے سرتاپا زخمی دیکھا تھا۔ اسپتال میں انہیں دو دن رہنا پڑا تھا محض دو دنوں میں زخموں کے نشانات کا اس طرح غائب ہو جانا کہ کہیں نشان تک نہ رہے' بڑی تعجب خیز بات تھی پھر یہ کہ چچا کے پاس صرف ایک شیروانی تھی جسے پولیس والوں نے تار تار کر ڈالا تھا' اس وقت وہ ایک نئی شیروانی میں ملبوس تھے۔

اب مجھے یہ فکر تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد جب وہ مالا کے بارے میں باز پرس کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا۔ مالا کا نام میں نے انہیں نرگس بتایا تھا میں سوچ سوچ کر الجھ رہا تھا کہ یکلخت میرے بالوں میں جنبش ہوئی۔ میں نے چونک کر تصور کے عالم میں سر کی جانب دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ میری انکا میرے سر پر موجود تھی۔ اس کے چہرے پر شوخی اور مسکراہٹ تھی۔ میں نے سب سے پہلے اس سے مالا کے بارے میں دریافت کیا جس کے جواب میں انکا نے بتایا کہ وہ میرے حکم کے مطابق اسے میرے چچا کے مکان پر لکھنؤ چھوڑ آئی ہے۔ حالات کے تحت اس نے اپنا پراسرار وجود مالا پر ظاہر بھی کر دیا تھا اور اسے کچھ ضروری ہدایتیں بھی دے آئی تھی تاکہ چچا کے لڑکے اور لڑکیاں اس پر سوالات کی بوچھاڑ کریں تو وہ انہیں خاطر خواہ جواب دے سکے۔ مالا کے بارے میں جان لینے کے بعد میں نے انکا کو اپنے چچا کے بارے میں تفصیل بتائی تو اس نے انکشاف کیا۔ ''جمیل' جس شخص کی تم بات کر رہے ہو' وہ دراصل پریتم لال کا ایک دوست تھا۔ شاید پریتم لال نے مرنے سے پہلے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتایا ہو یا اس کی آتما نے تمہاری سفارش کی ہو بہرحال پریتم لال کی شکتی نے پھر تمہاری مدد کی ہے۔ یہ سادھو اپنی عظیم طاقت کے نشے میں ایک بار پریتم لال سے بھی ٹکرا چکا ہے لیکن اسے منہ کی کھانی پڑی۔ پھر یہ سچے دل سے پریتم لال کا دوست بن گیا۔ یہ کوئی چالیس سال پہلے کی بات ہے۔ اس کا نام جگ دیو ہے۔ یہ بوڑھا بھی پہاڑیوں کی کھوہ میں تنہا رہتا ہے۔''

اگر سادھو کی حقیقت کا مجھے علم ہو جاتا تو میں یقیناً دل کھول کر اس کی پذیرائی کرتا اور اس سے دوستی کرتا۔ اب وہ ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ انکا نے اس کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا اور میں کف افسوس ملتا رہا پھر انکا کے مشورے پر میں نے چچا جان کو بیدار کیا۔ چھ سات بار آوازیں دینے کے بعد بازو سے ہلایا تو انہوں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے دیر تک یہ بدلی ہوئی جگہ دیکھتے رہے پھر

بولے۔"نرگس کہاں ہے اور ہم لوگ اس وقت کہاں بیٹھے ہیں؟"

"ہم لوگ اس وقت بنارس ریلوے اسٹیشن پر ہیں۔ نرگس کو میں نے لکھنؤ بھجوادیا ہے۔ اس وقت وہ آپ کے بچوں کے ساتھ ہوگی۔" میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"لکھنؤ بھجوادیا۔ کیوں؟" چچا جان نے حیرت سے پوچھا پھر کچھ یاد کر کے بولے۔"ہم لوگ کلکتے کے کسی ہوٹل میں مقیم تھے۔ ایکا ایکی بنارس کیسے آ گئے؟"

"آپ اپنے ذہن پر زور نہ دیجیے۔" انکا کی ہدایت پر میں نے ایک مختصر فرضی داستان سنا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا۔"چچا جان' کلکتے میں آپ کی طبیعت اچانک ایسی خراب ہوگئی تھی کہ آپ کوئی چار روز اسپتال میں بے ہوش پڑے رہے چنانچہ میں نے نرگس کو لکھنؤ بھجوادیا اور خود آپ کی دیکھ بھال کے لیے رک گیا۔ اب ڈاکٹروں کے مشورے پر آپ کو لکھنؤ لے جارہا ہوں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ جلد صحت یاب ہوگئے۔"

چچا نے میری تخلیق کی ہوئی سرگزشت سنی تو تشویش میں پڑ گئے۔ وہ بار بار کرید کرید کر مجھ سے سوالات کرتے اور میں انہیں اپنی دانست میں اطمینان بخش جواب دے دیتا پھر بھی وہ مضطرب ہی رہے۔ الٹے سیدھے منہ بناتے رہے اور کہنے لگے۔"مجھے کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ نہ جانے مجھے کیا ہوگیا۔ دماغ کچھ بوجھل سا معلوم ہوتا ہے۔ اب تم یہاں کیوں رک گئے۔ لکھنؤ کب چلو گے؟"

میں نے انہیں تسلی دی اور خود اٹھ کر باہر آگیا۔ لکھنؤ جانے کے لیے ہمیں ابھی دو گھنٹے انتظار کرنا تھا۔ میں نے دو ٹکٹ خریدے اور دوبارہ انتظار گاہ میں آگیا۔ چچا جان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ دیوانگی کی حالت میں اپنی شیروانی کی اندر کی جیب باہر نکالے اس پر بار بار ہاتھ مار رہے تھے۔ مجھے دیکھا تو رندھی ہوئی آواز میں بولے۔"جمیل بیٹے' میری رقم کیا ہوئی۔ تم نے تو نہیں نکالی؟"

"جی نہیں۔" میں جلدی میں کہہ گیا۔

"میں برباد ہوگیا بیٹے۔ مہاجن نے مجھے ایک لمبی رقم دی تھی۔ میں نے تم سے تذکرہ بھی کیا تھا۔ وہ رقم اب میری جیب میں نہیں ہے۔ یہ شیروانی بھی میری نہیں ہے۔ اب کیا ہوگا۔ وہ ظالم بنیا تو مجھے زندہ درگور کردے گا۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ دنیا کیا سمجھے گی۔ ساتھ میں تمہاری جوان جوان بہنیں ہیں' بیٹے یہ سب کیا ہوا؟ مجھے اپنا سامان بھی نظر نہیں آرہا ہے۔"

مجھے غلطی کا احساس ہوا۔ انکا نے فوراً مجھے بتایا کہ جو رقم مہاجن نے چچا جان کو اعتماد سے دی تھی وہ پولیس والوں نے اڑالی۔ میں نے چچا جان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔"آپ کسی بات کی فکر نہ کیجیے۔ آپ کے ساتھ آپ کا بھتیجا جو موجود ہے۔ ہم سب کا سامان چوری ہوگیا ہے اس لیے کہ میں آپ کے ساتھ اسپتال میں رہا اور میری عدم موجودگی میں کوئی بدنیت سارا سامان لے گیا۔ لکھنؤ پہنچتے ہی جتنی رقم آپ

کہیں گے' میں فراہم کردوں گا۔ رہا مہاجن کا مسئلہ تو آپ اسے بھول جائیں۔ میں اب آپ کو ملازمت بھی نہیں کرنے دوں گا۔ خدا نے آپ کی دعا سے بہت دے رکھا ہے۔"

چچا جان بہت تلملائے مگر کیا کرتے۔ سرد سرد آہیں بھر کر خاموش ہوگئے۔ چپ چاپ بیٹھے ہاتھ ملتے رہے۔ ان کی غیرت مند آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ میں نے یہ موضوع مزید جاری رکھنے سے گریز کیا اور دوسری باتیں چھیڑ دیں۔ انہیں ہر طرح کا اعتماد دلایا۔ دو گھنٹے بعد گاڑی آئی تو میں چچا جان کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہوا۔ چچا جان اب تک ملول نظر آرہے تھے۔ راستے میں ہمارے درمیان زیادہ باتیں نہ ہوئیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ لڑکا زیر تعلیم ہے اور لڑکیاں گھر کی ذمے داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ ابھی تک ان تینوں کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ انکا بھی چچا جان کی پریشانی سے دل گرفتہ تھی۔

ہم اول درجے کے ڈبے میں تھے۔ ڈبے میں ہمارے سوا کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا لیکن الہ آباد کے اسٹیشن سے ایک ایسی سراپا ناز میرے ڈبے میں آئی کہ میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اس حسین و جمیل لڑکی کی عمر مشکل سے اٹھارہ سال ہوگی۔ اس کے خدوخال بہت نظر فریب اور بہت ہی دلکش تھے۔ وہ ناک میں ایک بڑی سی نتھ اور آسمانی رنگ کا دوپٹا پہنے ہوئے تھی۔ غرارے' جمپر اور زیورات سے لدی پھندی چمن کا نوشگفتہ نومیدہ پھول معلوم ہو رہی تھی۔ لانبا قد' متوازن بدن' آنکھیں ہرنیوں جیسی' انداز میں تمکنت۔ گفتگو سے کلیاں مہکیں۔ دو افراد اسے چھوڑنے آئے تھے۔ ساتھ میں ادھیڑ عمر کی ایک عورت بھی تھی۔ میں چچا جان کی موجودگی کے باعث صرف کن انکھیوں سے لڑکی کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں قدرت کی صناعی کی داد دیتا رہا۔ دل تھا کہ اس طرف کھنچا جارہا تھا۔ نظر تھی کہ اس کی جانب مسلسل دیکھنے کو بے قرار تھی۔ جب لڑکی اپنی ماں کے ساتھ جم کر بیٹھ گئی اور گاڑی الہ آباد سے روانہ ہوئی تو چچا جان نے اوپر کی نشست پر جا کر خراٹے لینے شروع کردیے۔ لڑکی میری بائیں جانب اپنی نشست پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے خیال افروز نظارے میں گم تھا کہ انکا رینگ کر میرے شانے پر اتر آئی اور بہت دنوں بعد اٹھلاتے ہوئے بولی۔"کیوں جی مچل رہا ہے نا؟"

"ہاں۔" میں نے شرما کر کہا۔

"بہت اچھی ہے نا؟ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"بہت خوب صورت ہے۔"

"تم بڑے ندیدے ہو۔" وہ شوخی سے بولی۔

"کون ہے یہ؟ کچھ بتاؤ تو۔" میں نے کریدا۔

"بتادوں؟ سچ مچ؟"

”بتاؤ نا۔تم تو تڑپاتی ہو۔“

”تو دل پر ہاتھ رکھ کر سنو۔اس کا نام تزئین ہے۔لکھنؤ کی ایک مشہور طوائف کی اکلوتی لڑکی‘ اس کے ساتھ جو عورت ہے وہ اس کی ماں کی معتمد خادمہ ہے۔الہ آباد میں اپنے پہلے مجرے کی غرض سے آئی تھی۔ ابھی اس کی نتھ نہیں اتری۔لکھنؤ کے بڑے بڑے رئیس بڑھ چڑھ کر بولیاں لگا رہے ہیں لیکن تجربہ کار ماں نے ابھی تک کسی بولی پر ہامی نہیں بھری وہ ایک زمانہ شناس اور فتنہ پرواز عورت ہے۔لڑکی کے ذریعے پہلے ہی وار میں اتنی رقم اینٹھ لے گی کہ باقی زندگی آرام سے گزر جائے۔“

”انکا! تزئین تو بہت خوب صورت اور بہت معصوم معلوم ہوتی ہے اسے تو کسی محل میں ہونا چاہیے۔ اگر یہ برباد ہوگئی تو مجھے افسوس ہوگا۔“

”تمہیں کیوں افسوس ہوگا۔تمہارا اس سے کیا واسطہ؟“

”نہ معلوم کیوں میں اس کے لیے اپنے دل میں شدید انسیت اور اپنائیت محسوس کر رہا ہوں۔میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ یہ کسی معزز گھرانے سے وابستہ ہو۔اس کی شادی شریفانہ طریقے سے ہو۔“

”یہ تم کہہ رہے ہو جمیل؟ میں تو تمہاری دلچسپی کا مقصد کچھ اور یہ سمجھی تھی۔“

”دیکھو نا انکا۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔”اس کے چہرے کی معصومیت اور اس کا حرص و ہوس کی ہوا دینے والا شباب دیکھ کر کون ظالم اس کی بھلائی نہیں سوچے گا۔“ میں نے لڑکی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

”سوچ لو جمیل۔اس کی ماں بڑی ظالم عورت ہے۔تم جو کچھ سوچ رہے ہو۔وہ قریب قریب ناممکن ہے۔تمہاری دال مشکل سے گلے گی۔نہ جانے کون کون امید لگائے بیٹھا ہے۔“ انکا سنجیدہ ہو کر بولی۔
”لکھنؤ پہنچ کر دیکھا جائے گا۔لکھنؤ میں کچھ دن آرام سے گزارے جائیں گے۔میں تھک بھی تو بہت گیا ہوں۔“

وہ حسین لڑکی تزئین کچھ دیر تک باہر کے بھاگتے ہوئے مناظر کا نظارہ کرتی رہی پھر اس نے مجھ پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور اپنے بستر پر نیم دراز ہو کر کسی کتاب کی ورق گردانی کرنے لگی۔میں دلچسپ نظروں سے اس کی جانب خوب صورتی اور معصومیت سے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا‘ اس کی خادمہ اور نگراں غنودگی کی حالت میں تھی اور چچا جان بھی گہری نیند سو رہے تھے۔

نیند آتی تھی پر نہیں آتی تھی۔جب طبیعت بہت مضطرب ہوئی تو میں نے کچھ سوچ کر انکا کو حکم دیا کہ وہ اس کی خادمہ کے سر پر چلی جائے انکا میرے سر سے اتر گئی۔

☆==========☆==========☆

وہ شوخ ادا اپنے بستر پر نیم دراز کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھی اور میں تھا کہ میری آنکھیں اس کے حسن کی تجلیوں سے خیرہ ہوئی جا رہی تھیں۔اس کے لئے بہت خوبصورت الفاظ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔وہ چمنستان حسن و شباب کی ایک نوخیز کلی، چہرہ اس کا شاداب، خدوخال اس کے تیکھے، نگاہ اس کی سرشار، عمر اس کی بالی، قد سرو جیسا، انداز کافرانہ، زلفیں اس کی گہری گھٹائیں۔میں ایک حسن پرست شخص، وہ ایک حسین شاہکار۔وہ سراپا فتنہ، میں فتنوں کا جویا۔اس کا حصول ایک مہم اور میری عادت مہم جوئی۔میں نے اپنے متعلق صاف صاف کہہ دیا ہے۔طاقت اور دولت کی یکجائی کے سبب ان حسین و جمیل لڑکیوں کی تعداد بے شمار تھی جن سے میں مل چکا تھا مگر حسن ہر جگہ تھا اور ہر جگہ سیرابی حسن کے باوجود تشنگی کا احساس ہوتا۔میرا تجربہ ہے کہ وہاں حسن کی افراط ہوتی ہے جہاں دولت اور طاقت ہوتی ہے۔حسن کی پذیرائی کے لئے انہی اوصاف دینوی کی ضرورت پڑتی ہے۔دولت ایک نشیب ہے، جہاں آ کر دریائے حسن گرتا ہے اور اپنا راستہ بناتا ہے۔میرے پاس اس وقت کیا نہیں تھا۔انکا موجود تھی، پریتم لال کی پُراسرار شکتی تھی۔مالا رانی جیسی حسین و جمیل لڑکی میرے ساتھ تھی مگر دولت و طاقت کو قرار پسند نہیں۔تزئین کو دیکھ کر میرے دل میں یہی کسک پیدا ہوئی جو ایک نادر شے کے حصول کے لئے کسی باہمت شخص کے دل میں ہو سکتی ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ قتالۂ عالم الہ آباد کے اسٹیشن سے میرے ڈبے میں داخل ہوئی تھی۔دوسرے لمحے میں جذبے ذرا مختلف ہو گئے۔میں اس جذبے کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں۔یوں کہیئے کہ وہ لمحۂ آوارہ گزر گیا۔اس کے بعد میرے دل میں اس کے لئے کوئی آلودہ خیال نہیں ابھرا۔اس کے سراپا میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ میں اس کی جانب کھنچتا جا رہا تھا جیسے وہ میری بہت قریب کی عزیز ہو، جیسے میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں نرگس سے مشابہ ہیں۔تزئین کے اندر نرگس کے کتنے عکس مجھے نظر آئے۔وہ نرگس کی ہم شکل نہیں تھی لیکن نرگس کی پرچھائیاں اس کے نازک خدوخال میں ہر جگہ موجود تھیں۔

انکا میرے حکم پر تزئین کی ادھیڑ عمر خادمہ کے سر پر جا چکی تھی، چچا جان اوپر کی سیٹ پر لیٹے خراٹے لے رہے تھے۔سامنے تزئین تھی جو اعلیٰ درجے کے لباس اور زیورات میں لدی پھندی کبھی کبھی نظریں چرا کر مجھے دیکھ لیتی تھی۔میں نے اپنے طور پر ارادہ کر لیا تھا کہ حالات چاہے کچھ بھی ہوں، کتنے ہی خطرناک اور سنگین ہوں، میں تزئین کو غلط راستوں اور غلط ہاتھوں سے محفوظ رکھوں گا۔

میرے دل میں پہلی بار ایک عجیب سی خواہش ابھری کہ اٹھوں اور اٹھ کر تزئین کی پیشانی کو بوسہ دوں۔میں اسے کبھی نرگس کی کوئی نشانی سمجھتا تھا، کبھی مجھے اس کے معصوم چہرے پر بے انتہا پیار آتا تھا۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ نرگس کی کوئی بہن یا اولاد ہوتی تو وہ تزئین سے مختلف نہ ہوتی۔اگر وہ

دونوں ایک ساتھ کھڑی ہوتیں تو لوگوں کو ان کا باہمی رشتہ طے کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ جمیل احمد خان نے بہت کھیل کھیلے تھے مگر جمیل احمد خان بھی تو ایک انسان تھا۔ کبھی کبھی کسی اور طرح محسوس کرنے کو بھی جی چاہتا تھا۔ میں نرگس کے تعلق سے شاید اپنے مختلف قسم کے جذبوں کے لئے کوئی جواز ڈھونڈ رہا ہوں۔ نرگس کا خیال نہ آتا تو بھی بہت ممکن ہے، میں تزئین کے چہرے پر پھیلی ہوئی معصومیت دیکھ کر اسی طرح محسوس کرتا۔

گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اور میرے لطیف احساسات اور نکھر رہے تھے۔ میں اس کے متعلق سوچ رہا تھا، میں اسے دیکھ رہا تھا اور یہ خیال دل جلائے دیتا تھا کہ وہ ایک طوائف ہے۔ اس کا نیلام ہوگا۔ وہ لوگوں کے سامنے رقص کرتی ہے۔ اس کے پیروں میں گھنگرو بندھتے ہیں اور اسے لوگ صرف ایک نظر، ایک احساس سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ میں اپنے خیالات میں محو تھا کہ تزئین نے کتاب سے نظریں ہٹا کر میری طرف دیکھا۔ مجھے سراپا اشتیاق دیکھ کر اس کا چہرہ گلنار ہوگیا۔ اس نے اپنی دراز پلکیں جلدی جلدی جھپکا کر نظریں پھیر لینی چاہیں، پھر اس نے کتاب چہرے کے سامنے کرلی تو میں اور مضطرب ہوگیا۔ اسے کس طرح مخاطب کروں۔ مجھے شرم آرہی تھی۔ میں عجیب کیفیتوں سے مغلوب ہوگیا تھا۔ کچھ دیر میں خود سے الجھتا رہا پھر میں نے جسارت کی۔ میں نے اسے بہت ہلکے سے آواز دی۔

''تزئین۔''

جواب میں اس نے کتاب ایک جھٹکے سے بند کردی اور تیوری پر بل ڈال کر بڑی ادا سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے انداز میں جنگلی بلیوں جیسی خونخواری تھی۔ چہرے پر درشتی تھی۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ وہ مجھے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا آپ نے میرا نام لیا تھا؟''

''ہاں۔'' میری آواز میں ارتعاش تھا۔

''کیوں؟'' بگڑے تیوروں سے اس نے کہا۔

''تم سے کچھ باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔'' میں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

''باتیں کرنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟ اچھا!'' وہ جیسے کچھ سمجھ کر بولی۔ ''خوب، زہے نصیب، جو آپ نے کنیز کو کسی قابل سمجھا۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جسارت کرسکتی ہوں کنیز کو آپ کب سے اور کہاں سے جانتے ہیں؟ اس کا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

میں ایک لمحے کو سٹپٹا گیا۔ تزئین کے لہجے کی تلخی مجھے پسند نہیں آئی۔ میں خود کو سنبھال کر نہایت محتاط لہجے میں بولا۔ ''تمہارا نام الہ آباد میں سنا تھا۔ جس جگہ تم مجرے میں شریک ہوئی تھیں، تم نے وہاں بڑی دھوم مچائی۔ وہاں میں بھی مدعو تھا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ آج ہم شریک سفر ہیں۔ میری منزل بھی لکھنؤ ہے۔ میں وہاں تم سے بہت متاثر ہوا تھا۔ آج تم سے خوب ملاقات ہوئی۔''

''زہے نصیب۔ کنیز کس لائق ہے۔'' تزئین زہرخند سے بولی۔ ''فرمایئے کنیز کیا خدمت کرسکتی ہے۔''

مجھے تزئین کا یہ پیشہ ورانہ انداز سخت ناگوار گزرا۔ میں اسے سرزنش کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔ میرے دل نے مجھے ٹوکا۔ ''سنبھلو جمیل صاحب، کانٹوں کو گلے لگانے کے لئے زخم سہنے کا ظرف پیدا کرنا پڑتا ہے۔ شاید تمہارے چہرے پر ماضی کی سیاہ کاریوں کے تمام نقوش دھندلا گئے ہیں اور یہ طوائف زادیاں تو ویسے بھی بڑی مردم شناس ہوتی ہیں۔''

میں نے پھر لہجے میں نرمی پیدا کی۔ ''خدمت کیا۔ بس خود تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور کیجئے۔ شوق سے کہئے۔ آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ بندی کو حسن سماعت کی تعلیم سے آراستہ کیا گیا ہے لیکن خیال رہے حضور ہم ہمیشہ خوش خبریاں سننے کے منتظر رہتے ہیں۔'' تزئین نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا۔

''تزئین۔'' میں غیراختیاری طور پر برہم ہوگیا لیکن اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ میں نے مضطرب ہوکر اس کے چہرے پر نگاہ کی، وہ میری تلخ نوائی سے قدرے خائف ہوگئی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے معاف کردو۔ تزئین مجھے غلط نہ سمجھو۔'' نہ جانے کیوں میری آواز رندھ گئی۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی پھر بدلے ہوئے انداز میں کہنے لگی۔ ''اگر آپ کو میری کسی بات سے دکھ پہنچا ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔''

''کیا تم ہر شخص سے اسی انداز کی گفتگو کرتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اجنبیوں سے گفتگو کرنے کا ہمیں یہی طریقہ سکھایا گیا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تزئین۔ اجنبی تو ہم بے شک ہیں لیکن تم سے گفتگو کرنے کا خیال مجھے یوں پریشان کررہا تھا کہ تم میری بچھڑی ہوئی ایک عزیزہ سے مشابہ ہو۔ تمہارے چہرے پر ایسی معصومیت ہے جو میں اپنی کسی قریبی عزیزہ کے چہرے پر دیکھنا پسند کرتا مگر.....'' میں نے رقت انگیز لہجے میں کہا اور کہتے کہتے رک گیا۔

''میں معافی چاہتی ہوں۔ کہاں ہیں وہ؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ کہیں نہیں ہے۔'' میں نے حسرت سے جواب دیا۔

''مجھے افسوس ہے۔ کیا نام تھا ان کا؟''

''میں اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکا تھا۔'' میرا خیال تھا کہ میں اسے اپنی بچی کے بارے میں بتاؤں۔ نرگس کو لڑکی کی بڑی تمنا تھی اس کی یہ تمنا دل ہی میں رہی۔ ہماری کوئی اولاد نہیں ہوسکی تھی۔ اگر ہوتی تو اچھی خاصی ہوشیار ہوتی۔ تزئین کے برابر نہیں تو اس سے کچھ چھوٹی ہوتی۔ میں اس سے مزید کچھ نہیں کہہ سکا لیکن وہ اپنے طور پر بہت کچھ سمجھ گئی۔ میں نے یہ موضوع چھوڑ دیا۔ ابھی میں اس سے زیادہ توقعات

وابستہ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ مجھے خوشی تھی کہ میری گفتگو بے اثر نہیں رہی۔ میں نے جلد ہی اسے متاثر کرلیا۔ میں محتاط انداز میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے دل میں اپنے لئے کوئی جگہ پیدا کرنے کی خاطر من گھڑت قصے کہانیاں سناتا رہا۔ وہ ہمہ تن گوش میری روداد الم سنتی رہی۔ جب میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ ملول ہوگئی، اداس لہجے میں بولی۔

''میرے بارے میں کیا پوچھتے ہیں آپ؟ میں تو ایک کھلی کتاب ہوں اور قدرت کی ستم ظریفیوں کا ایک بے مثل نمونہ ہوں۔ اس سے زیادہ اپنے بارے میں کیا کہوں۔ ایک طوائف زادی اپنے بارے میں کیا کہہ سکتی ہے، کچھ باتیں آپ کو الہ آباد میں معلوم ہو چکی ہوں گی۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص کسی طوائف سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے تو وہ اس پر یقین نہیں کرتی، شک کرتی ہے اور یہ شک اس کے لئے بہت درست ہوتا ہے۔'' آخری جملہ ادا کرتے وقت تزئین کی دراز اور گھنیری پلکیں اس کی آنکھوں پر چلمن بن گئیں۔

''تم سچ کہتی ہو۔'' میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ تمہیں اپنی موجودہ زندگی پسند نہیں ہے۔ تمہاری گفتگو میں شائستگی ہے اور تم زیور تعلیم سے پوری طرح آراستہ معلوم ہوتی ہو۔ مجھے پتا نہیں کہ تم اپنے ماحول سے کس قدر مانوس ہو۔''

''جب اٹھنے، بیٹھنے، سوچنے اور سمجھنے پر پہرے ہوں' ہر قدم پر بندشیں ہوں، جہاں آنکھ کھلتی ہے تو سکے جھنجھناتے ہیں، شام ہوتی ہے تو گھنگرو مسکراتے ہیں۔ جہاں ہر وقت سر تال، بھاؤ اور راگ الاپ ہی کا ذکر ہوا کرتا ہے، وہاں انسیت و مغائرت، پسند ناپسند کا کیا سوال ہے؟ وہاں انتخاب کون کرنے دیتا ہے اور اس کا موقع کہاں ملتا ہے؟ وہاں تو ایک ہی راستہ ہے۔'' تزئین کے لہجے میں بڑا درد تھا۔ ''قدرت نے مجھے میرے ماحول کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور کر رکھا ہے۔ جناب! اور میں اسی پر قانع ہوں۔''

''یہ ظلم ہے۔ قناعت نہیں ہے تزئین۔'' میں نے جذباتی ہو کر کہا۔ ''تم ہوش مندی کی سلجھی ہوئی باتیں کر رہی ہو۔ تم چاہو تو طوفانوں کا رخ بدل سکتی ہو۔ تم اپنی تقدیر بدل سکتی ہو۔ تم چاہو تو اپنا مستقبل تابناک بنا سکتی ہو۔''

''آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں نے تنہائیوں میں اپنے متعلق بہت سوچا ہے لیکن ہر بار مایوسی نے مجھے گھیر لیا پھر میں نے سوچنا ہی بند کر دیا اور اپنے مقدر پر شاکر ہوگئی۔'' تزئین نے رندھے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میرے گرد اوّل تو بندشوں کی دیوار اتنی مضبوط ہے کہ میں اسے ڈھانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتی اور اگر میں یہ دیوار پھلانگ بھی جاؤں تو مجھے کون سہارا دے گا۔ کون مجھ سے اور میری سیاہ بختیوں سے نباہ کرے گا۔ سنا ہے کئی لڑکیاں آبرو اور خوشی کے لئے اس چار دیواری سے باہر گئیں مگر ناکام و نامراد

واپس آگئیں۔ یہ دنیا بڑی ظالم ہے جمیل صاحب، میں مسرت کی تلاش میں دربدر رسوا ہونے کے بجائے ایک ہی چوکھٹ پر برباد ہو جانا زیادہ پسند کروں گی اور دیکھا جائے تو یہ سب کیا ہے؟ دیواروں کا فرق ہے۔ اگر ذہن میں یہ بٹھا لیا جائے کہ یہی مسرت ہے تو یہی مسرت ہے۔ سنا ہے طبلوں، گھنگروؤں اور نگاہوں کی گرم بازاری سے بعد میں سکون ملنے لگتا ہے۔ میں خود کو اسی کی عادی بنانا چاہتی ہوں۔''

تزئین نے اپنی عمر سے بڑھ کر باتیں کیں۔ جیسے جیسے گفتگو بڑھتی جاتی تھی، میرے دل میں یہ عزم پختہ ہوتا جاتا تھا کہ مجھے اس لڑکی کو کوچۂ ننگ سے نکالنا ہے۔ ''نہیں تزئین۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔ ''میں تمہیں برباد نہیں ہونے دوں گا۔ میں تمہارا مستقبل سدھارنے کی قسم کھاتا ہوں۔ میں تمہارے معصوم خواب شرمندۂ تعبیر دیکھنے کی خاطر جان کی بازی لگا دوں گا۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تمہیں بھی میرے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا۔''

''آپ نے اسے آسان سمجھ رکھا ہے؟ یہ بہت مشکل کام ہے، آپ تھک جائیں گے اور مایوس ہو جائیں گے۔'' تزئین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں اپنا تعارف ایک شریف آدمی کی حیثیت سے کرا چکا ہوں لیکن تم سے اب جو شخص مخاطب ہے، وہ کچھ سمجھ کر اور کچھ سوچ کر ہی یہ بات کہہ رہا ہے۔ اب جبکہ میں نے یہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو دیکھنا، تم مجھے ہر مرحلے پر ثابت قدم پاؤ گی۔ فی الوقت میں اپنے متعلق اور زیادہ کچھ نہیں کہتا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔''

میں اسے تسلیاں دیتا اور سمجھاتا رہا۔ اسے اس کوچے سے باہر کی دنیا کی مسرتیں بتاتا رہا۔ تزئین نے میری باتوں اور خلوص کو شبے کی نظر سے نہیں دیکھا۔ میرے عزم کی پختگی اور جوش دیکھ کر اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنا دامن داغ لگنے سے حتی الامکان بچائے گی اور اگر میں نے اس کی زندگی خوشگوار بنانے کے لئے کوئی راستہ اسے دکھایا تو وہ اس پر بخوشی گامزن ہو جائے گی۔ اس نے اپنے بارے میں تمام تفصیلات سے مجھے آگاہ کر دیا۔ میں نے یہاں وہ تمام طویل باتیں اختصار سے بیان کی ہیں جو دوران سفر میرے اور تزئین کے درمیان ہوئی تھیں۔ ہم دیر تک ایک دوسرے میں گم رہے، میں اس کی نشست پر جا بیٹھا تھا۔ جب چچا جان نے کروٹیں بدلنا شروع کیں تو میں اپنے بستر پر آگیا۔ آج مجھے ایک انجانی مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔ ابھی میں اپنے بستر پر لیٹا تزئین کے بارے میں منصوبے بنا رہا تھا کہ انکا میرے سر پر سوار ہوگئی اور کسی الھڑ نازنین کی طرح اپنے مخصوص لب و لہجے میں سرگوشیاں کرنے لگی۔ ''جمیل، یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟''

''کیا؟ تمہیں کوئی خاص بات نظر آئی؟'' میں نے بے نیازی سے پوچھا۔

''ارے آج تو تم بالکل بدلے ہوئے نظر آئے۔ یہ تم اس سے کیا کہہ رہے تھے؟'' انکا نے شوخی سے پوچھا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟ کیا تمہیں نہیں معلوم۔'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''مجھے سب معلوم ہے، مگر میں تو کچھ اور سمجھی تھی۔''

''تم ہمیشہ غلط سمجھتی ہو۔ تم ہی نے مجھے خراب کیا ورنہ میں کبھی ایک عام آدمی بھی تھا۔''

''تم طعنہ دے رہے ہو۔ تمہاری یہ بات اچھی نہیں لگتی۔'' انکا نے ناراضی سے کہا۔

''میں تو ایک معصوم آدمی تھا۔ تم نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا۔''

''اب میں تمہارے کسی معاملے میں نہیں بولوں گی۔'' انکا کے لہجے میں خفگی بڑھ گئی۔

''اب کیا ہوتا ہے، میرا رواں رواں گنہگار ہو چکا ہے۔ اس کا ازالہ کیسے ہوگا۔''

''اس طرح کہ اب تم نیکیاں کرتے رہو اور میرے متعلق یہ سمجھ لو کہ میرا کوئی وجود نہیں ہے۔''

''نیکیاں کرنے کے لئے بھی اب مجھے تمہاری ضرورت پڑے گی میری جان۔ ناراض ہو گئیں؟ تمہیں ستانے میں کچھ مزہ آتا ہے، ارے تم تو میرا سہارا ہو۔'' میں نے اسے مناتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ بولتے ہو۔ اب تم مجھ سے اکتانے لگے ہو؟'' انکا تیوری چڑھا کر بولی۔

''اگر تم میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہارا بوسہ لے لیتا۔ تمہارے منہ سے یہ جلی کٹی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے عالم تصور میں سر کی جانب دیکھا تو انکا کے چہرے پر سرخی آ گئی تھی۔

''تم بعض اوقات دل جلا دیتے ہو۔''

''تم نے مجھے کچھ کم جلایا ہے؟ اپنی باتیں بھول جاتی ہو۔''

''کیا لڑنے کا ارادہ ہے آج؟''

''ارے تم نے اسے دیکھا؟'' میں نے تزئین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''کتنی اچھی لڑکی ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟''

''پہلے یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟''

''ارے تم سے کون کافر ناراض ہو سکتا ہے۔ ہاں تو کچھ تزئین کے بارے میں بتاؤ۔ تم نے کیا محسوس کیا ہے؟''

''جمیل، کبھی کبھی تم بہت عجیب اور پیارے لگتے ہو لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچ لو۔ تم نے تزئین سے جو عہد کیا ہے وہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تمہیں بے حد خطرناک حالات سے مقابلہ کرنا ہوگا۔''

''مگر یہ ایک نیا کام ہے۔ زندگی میں کبھی کبھی نیک کام کرنے کو بھی جی چاہتا ہے انکا۔''

''اور اسی لئے انجھے تم پر پیار آتا ہے مگر نیکی ایک مشکل شے ہوتی ہے۔ تمہارا دل گھبرا جائے گا۔''

''تنگ نہ کرو انکا۔ اب مجھے سونے دو۔ لکھنؤ پہنچ کر دیکھا جائے گا۔'' میں نے انکا کو خاموش کرنے کے لئے یونہی ایک بے ربط سا جملہ کہہ دیا اور پھر کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

انکا کا کیا تھا۔ وہ تو اسی طرح مجھ سے لڑتی جھگڑتی روٹھتی منتی رہتی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ میرے جسم کا کوئی حصہ ہو۔ لکھنؤ قریب آ رہا تھا۔ باقی سفر کے دوران تزئین مجھ سے بہت قریب ہو گئی۔ جب تک چچا جان اور تزئین کی خادمہ بیدار رہتی، ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی رہتے۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ سچ مچ مجھے اپنا بزرگ اور ہمدرد سمجھ رہی ہے۔

لکھنؤ اسٹیشن پر اس نے مجھے خدا حافظ کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اسے جدا کرتے ہوئے میرے دل پر بھی اثر ہوا مگر جدا تو ہونا ہی تھا۔ میں چچا جان کے ساتھ ایک تانگے پر بیٹھ کر ان کے گھر کی طرف چل دیا۔ راستے میں اچانک چچا جان نے پوچھا۔ ''جمیل میاں۔ تم نے کہا تھا کہ نرگس کو تم پہلے ہی لکھنؤ بھیج چکے ہو۔''

''جی ہاں۔''

''لیکن تمہیں گھر کا پتا کس طرح معلوم ہوا؟''

''جی؟'' چچا جان نے بڑے کانٹے کی بات پوچھی تھی۔ میں نے ٹپٹا کر جواب دیا۔ ''کلکتے میں قیام کے دوران آپ ہی نے مجھے تفصیل بتائی تھی۔''

چچا جان نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا پھر کسی سوچ میں غرق ہو گئے۔ کچھ وقفے کے بعد تانگا لکھنؤ کے بازاروں سے گزر کر گلیوں میں داخل ہوا۔ گلیاں کیا تھیں۔ بھول بھلیاں تھیں، ایک گلی میں پہنچ کر پرانے طرز کے ایک شکستہ مکان پر چچا جان نے تانگا رکوایا۔ چچا جان نیچے اترے تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں اپنے چچا کے بچوں اور مالا رانی سے ملنے کے لئے بے قرار تھا۔ انکا نے میرے دل کی کیفیت بھانپتے ہوئے کہا۔ ''کیوں؟ مالا رانی سے ملنے کے لئے بے چین ہو؟ لیکن اندر اور بھی لڑکیاں ہیں۔ تمہارے چچا کی منجھلی لڑکی رخسانہ تو خاصی شوخ اور آزاد خیال واقع ہوئی ہے، ذرا احتیاط رہنا۔ یہ لکھنؤ ہے جمیل صاحب! یہاں حسن و عشق کے تذکرے عام ہیں۔ فرزانہ اور شبانہ تو واجبی شکل و صورت کی لڑکیاں ہیں لیکن رخسانہ......''

''گھر میں تو داخل ہونے دو۔ تم نے تو پہلے ہی مجھے گڑبڑانا شروع کر دیا۔ ذرا دم لو۔ اندر پہنچ کر تمام باتوں سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔''

''میں اگر پہلے سے تمہیں کوئی بات بتا دوں تو کیا حرج ہے؟ ہاں اگر میری باتوں سے الجھن ہو رہی ہے تو میں چپ ہو جاتی ہوں۔'' انکا نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

چچا جان کا گھر تین کمروں پر مشتمل تھا۔ ممکن ہے پہلے اس میں رہن سہن کی ترتیب کچھ اور ہو، لیکن اب کمرے میں چچا جان اور ان کے صاحب زادے ارشد علی خان کا اور میرا سامان رکھا تھا۔ دوسرا کمرا تینوں لڑکیوں کے تصرف میں تھا اور تیسرا کمرا مالا رانی کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ کمروں کے سامنے

Downloaded from Paksociety.com

چھوٹا سا سائبان اور خاصا کشادہ صحن تھا۔ صحن کے دوسری طرف باورچی خانہ اور غسل خانہ تھا۔ مکان کے عقبی دروازے کے قریب کھپریل کے ایک چھپر کے نیچے دنیا بھر کا ساز و سامان بھرا ہوا تھا۔ مکان کی حالت چچا جان کی مالی حالت کے مطابق تھی۔ جب میں اندر داخل ہوا تو ایک اجنبیت مگر خوشی سی محسوس ہوئی۔ ایک عرصے بعد نہ جانے کتنے ہولناک، پراسرار اور عجیب و غریب واقعات سے گزر کر میں اپنے عزیزوں کے ہاں پہنچا تھا۔ یہاں پہنچ کر مجھے اندازہ ہوا کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔ دل میں ان لوگوں کے لئے شدید محبت پیدا ہوئی۔ میرا جی چاہا کہ ایک لمحے میں یہ اجڑا، شکستہ مکان بڑے اور خوبصورت مکان میں تبدیل کر دوں۔ چچا کی بچیوں کی نظروں میں محبت اور جھجک تھی۔ میں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنے سینے سے چمٹایا۔ بڑی لڑکی تو رونے لگی۔ مالا رانی بھی ان کے ساتھ کھڑی مسکراتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس عرصے میں ان بچیوں سے خوب مانوس ہو گئی ہو۔ وہ انہی کے ساتھ کھڑی یہ جذباتی منظر دیکھ رہی تھی، چچا جان نے شروع سے آخر تک سفر کی پوری تفصیل بچیوں کو سنانا شروع کر دی۔ ہمارے جاتے ہی گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سب ایک دوسرے سے واقف تھے لیکن انکا سے کوئی واقف نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھی بچھڑ کر ملنے والوں کے تاثرات سے محظوظ ہوتی رہی۔ انکا کے کہنے کے بموجب رخسانہ واقعی بڑی تیز و طرار، شوخ اور حسین لڑکی نکلی۔ چچا جان کی چہیتی ہونے کے سبب وہ گھر کے کام کاج میں دوسری بہنوں کا ہاتھ کم ہی بٹاتی تھی۔ شبانہ بڑی لڑکی تھی۔ خاموش، سنجیدہ اور شرمیلی لڑکی۔ فرزانہ سب سے چھوٹی تھی۔ یہ دونوں شکل و صورت کے اعتبار سے خاصی تھیں لیکن ان کا بیشتر وقت جھاڑو برتن میں گزرتا۔ ارشد کی عمر انیس بیس سال کے قریب تھی۔ چچا جان نے اس کا تعارف کراتے وقت زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے لیکن میں اس کے بارے میں کوئی اچھا تاثر قائم نہ کر سکا۔ میری بہنیں اور بھائی میری خاطر مدارت میں اس تندہی اور اشتیاق سے لگ گئے جیسے ان کی زندگی کا واحد مقصد یہی ہو۔ چچا جان اور ان کی غربت دیکھ کر، انکا کے تعاون سے کوئی انقلاب لانے کو دل مچلتا تھا لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ بہت جلد مناسب طریقوں سے ان کی حالت درست کرنے کی کوشش کروں گا۔

رات کو ہنگاموں سے نجات پا کر میں اپنے کمرے میں گیا تو مالا نے بے اختیار میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور سسکنے لگی۔ پریتم لال نے جب سے مجھے مالا دان کی تھی، چند ہی دن آرام کے گزرے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی میرے اور اس کے درمیان تلخ واقعات نے ایک دوری برقرار رکھی تھی۔ میں نے اسے اتنی زور سے اپنی آغوش میں بھینچا کہ اس کی ہڈیاں چرمرا گئیں۔ مالا جیسی حسین لڑکیاں خوش قسمت لوگوں ہی کو ملتی ہیں۔ پریتم لال نے مجھے مالا رانی عطا کر کے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا۔ جب میں مالا کو دیکھتا تو اپنی خوش بختی پر بڑا نازاں ہوتا۔ مالا تو ایک انمول ہیرا تھی۔ وہ میری بیوی تھی۔

شکل و صورت کی بے پناہ خوبیوں کے علاوہ دل کی بڑی نیک اور پاکیزہ اطوار تھی۔ اس کے لئے دنیا میں سب کچھ میں تھا۔ حیرت ہوتی تھی کہ ایک مسلمان گھرانے میں وہ ہندو لڑکی اس طرح مانوس ہو گئی تھی جیسے یہ اسی کا گھر ہو حالانکہ یہ لڑکی جاپ اور گیان دھیان میں مگن رہی تھی اور پہاڑیوں میں خشک و خاردار زندگی گزار چکی تھی۔ اس نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا، دولت و عزت کو ٹھوکر مار دی تھی اور یہاں ایک شکستہ مکان میں اپنے شوہر کے انتظار میں سارے جہان کی امیدیں لگائے بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ بے نتہا مسرور تھی۔ میں نے اس سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی چاہی تو اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ جس شخص کو مالا جیسی لڑکی مل جائے اسے بھلا کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے۔ مالا کے لئے اس وقت میرے دل میں محبت اور پیار کا ایک طوفان برپا تھا۔ ساری رات باتوں میں گزر گئی۔ والہانہ باتیں، الہانہ نظریں، دلربانہ انداز۔ مالا از خود رفتگی میں میرے سینے کے اندر سمائی جا رہی تھی۔ میں جوش محبت میں اس کی آنکھیں چوم چوم لیتا تھا۔ اس رات ہم دونوں کا علیحدہ کوئی وجود نہیں تھا۔ ہمارا دل ایک، دھڑکنیں ایک، ہم اپنی ذاتیں ختم کر کے ایک ذات بن گئے تھے۔

صبح کے قریب اس نے مجھ سے کہا۔ ”آپ نے مجھے انکا کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ وہ تو بڑی سندر اور موہنی ہے۔“

”تم سے زیادہ تو نہیں ہے۔“ میں نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

”ہونہہ۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟“

”وہ کہاں جاتی۔ سب کچھ دیکھ رہی ہے اور سن رہی ہے۔“

مالا شرما گئی۔ ”وہ سب دیکھ رہی ہے کیا؟“

”اور کیا؟ اس سے کوئی بات چھپی تھوڑی رہتی ہے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ یہ تو بہت بری بات ہے۔ مجھے بڑی شرم آ رہی ہے۔“

”اری پگلی۔ انکا سے کیا پردہ؟ دیکھو میں اسے تمہارے سر پر بھیجتا ہوں۔“

”میں اس کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔“ مالا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اسی لمحے انکا بولی۔ ”جمیل۔ مالا بے چاری تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ اس کی خلوت میں کوئی موجود ہے۔ اس سے کہہ دو کہ میں سو رہی تھی حالانکہ میں ایک ایک بات دیکھ رہی ہوں۔“

”کچھ رقابت بھی محسوس ہوئی تمہیں؟“ میں نے انکا کو مخاطب کیا۔

”تم بہت بے حیا ہوتے جا رہے ہو جمیل۔ میں مالا کے سر پر جا رہی ہوں۔“ انکا نے اپنے پنجے میرے سر پر چبھوتے ہوئے کہا۔

انکا مالا رانی کے پاس چلی گئی۔ مجھے نہیں معلوم ہوا کہ ان دونوں کی کیا باتیں ہوئیں۔ نیند نے مجھے

اپنی آغوش میں لے لیا۔ جب میں سو کر اٹھا تو مالا اَدھ کھلے گلاب کے مانند بستر پر مدہوش پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر نکھار اور تقدس تھا۔ فرشتوں جیسی معصومیت، میں اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا۔ فرزانہ اور شبانہ باورچی خانے میں تھیں۔ رخسانہ ابھی تک اپنے بستر پر دراز تھی۔ ارشد غالباً سکول جا چکا تھا۔ بچیوں نے مجھے دیکھ کر سلام کیا۔ یہ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں چچا جان کے کمرے میں سلام کرنے کی غرض سے داخل ہوا لیکن وہ موجود نہیں تھے۔ کمرے سے باہر نکلا تو دروازے پر کسی کی تخت کھردری آواز سنائی دی۔

"میاں جی۔ یوں ہاتھ باندھنے اور رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا۔ میں دو دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ اب سیدھی طرح میرے پیسے ڈھیلے کر دو۔ جب تم نے پرانے تعلقات کا خیال نہیں کیا تو میں کیوں کروں۔ تم نے میرے بھروسے کا خیال نہیں کیا۔ لالہ چرونجی مل کا پیسہ ہضم کرنا اتنا آسان نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ سن لو میاں جی۔ اب شرافت کی کوئی توقع مجھ سے مت کرنا۔ تھانہ کچہری ایک کر دوں گا۔"

"آہستہ بولو لالہ جی۔" چچا جان کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ "میں تم سے قسم کھاتا ہوں کہ رقم مجھ سے کھو گئی ہے۔ تم مجھے عرصے سے جانتے ہو۔ میں بے ایمان آدمی نہیں ہوں۔ ذرا آہستہ بولو۔ میرا بھتیجا ایک مدت کے بعد اپنی دلہن کے ساتھ آیا ہے۔ وہ سنے گا تو کیا سوچے گا؟ تم فکر نہ کرو۔ میں تمہاری پائی پائی ادا کر دوں گا۔"

"کہاں سے ادا کرو گے؟ پھر کوئی چوری کرو گے؟ ڈکیتی کرو گے؟ دیکھو میاں جی، مجھے تمہاری زبان پر وشواش نہیں۔ بات سو دو سو کی ہوتی تو میں تمہاری تنخواہ سے برابر کر لیتا۔ پورے پانچ ہزار کی بات ہے۔ [illegible] چرونجی مل دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں سانجھ سے پہلے ہتھکڑی لگوا دوں گا۔"

[illegible] دیر تک تو میں لالہ چرونجی مل کی دھمکیاں، بے ہودگیاں اور چچا جان کی فریادیں سنتا رہا لیکن جب وہ کسی طرح خاموش نہ ہوا تو غصے میں تلملا کر باہر آ گیا۔ چچا جان نے مجھے دیکھ کر شرمندگی سے گردن جھکا لی۔ لالہ [illegible] مجھے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔ وہ صورت شکل سے پورا یہودی لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر میرے لئے نفرت تھی۔ میں نے اس کی توقع کے خلاف یک بیک اسے مشتعل اور خون خوار نظروں سے دیکھا تو وہ منہ پھیر کر چچا جان سے کہنے لگا۔ "سن لیا میاں جی تم نے؟ اگر سانجھ تک میری پائی پائی ادا نہ کی تو بات تھانے چوکی تک پہنچ جائے گی، پہلے سے بتائے دیتا ہوں۔ ہاں......"

میں چچا جان کی نم ناک آنکھیں دیکھ کر اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔ براہ راست لالہ کو مخاطب کر کے میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔ "کتنی رقم درکار ہے تمہیں؟"

"تم اندر جاؤ جمیل میاں۔ میں لالہ جی کو منا لوں گا۔" چچا جان گھبرا کر بولے۔

"میں دان نہیں مانگ رہا ہوں مہاشے۔" لالہ نے غصے سے کہا پھر چچا جان کی طرف اشارہ کر کے

بولا۔ "اس بگلا بھگت نے میرے پانچ ہزار روپے ہضم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر تو میرا نام بھی......"

"بکواس مت کر لالہ۔" میں نے گرج کر کہا۔ "دفع ہو جا یہاں سے الو کا پٹھا۔" چچا جان کے سامنے میری زبان سے نکل گیا۔ اب نرمی فضول تھی۔ میں نے گرجتے ہوئے کہا۔ "جا سیدھی طرح یہاں سے چلا جا۔ شام تک تیری رقم پہنچ جائے گی۔"

لالہ میری دھمکی کی تاب نہ لا سکا۔ وہ ایک بزدل قسم کا آدمی تھا۔ میرے تیور خراب دیکھے تو آنکھیں لال پیلی کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے چچا جان سے کہا۔ "آپ مطلق فکر نہ کریں۔ میں شام سے پہلے پہلے لالہ کی رقم ادا کر دوں گا۔"

"جمیل بیٹے! ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ آج تو میری عزت خاک میں مل گئی۔ پاس پڑوس والے نہ جانے کیا سوچیں گے۔" چچا جان کی آواز میں تڑپ تھی۔ ان کی غیرت مند آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ میں انہیں سمجھا بجھا کر اندر لے آیا۔ ناشتے کے دوران بھی وہ چپ چپ رہے۔ میں نے انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ میں نے طے کر لیا تھا کہ لالہ چرونجی مل کو ایسا سبق دوں گا کہ آئندہ وہ کسی شریف آدمی کی عزت سے کھیلنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

لالہ چرونجی سے تلخ گفتگو کے بعد طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔ چچا جان پر یہ مصیبت میری ہی وجہ سے نازل ہوئی تھی اور میں ہی اس کا تدارک کر سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ مجھے یہاں آئے ہوئے صرف ایک دن ہوا تھا۔ ایک دن میں کوئی ہنگامہ کرنا مناسب نہیں تھا لیکن لالہ کی گستاخی اور اس کی بے ہودگی نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ میں کوئی بڑا اقدام اٹھانے سے گریز کر رہا تھا ورنہ یہ لالہ حیثیت ہی کیا رکھتا تھا؟ ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور باہر نکل گیا۔ انکا میرے سر پر موجود تھی۔ اس لئے مجھے لالہ چرونجی مل کی دکان تلاش کرنے میں کوئی زحمت نہیں اٹھانا پڑی۔ لالہ نے مجھے دیکھا تو کڑک کر بولا۔

"سنو مہاشے۔ تم نے اپنے گھر میرا ایمان کیا تھا۔ میں خون کے گھونٹ پی کر چلا آیا۔ پرنتو یہاں تمہاری دال نہیں گلے گی۔ اگر عزت چاہتے ہو تو میاں جی سے کہہ کر میری رقم واپس کرا دو۔"

میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ "فرض کرو اگر تمہاری رقم واپس نہیں ملی تو تم کیا کرو گے۔ شریمان جی مہاراج۔"

"میں۔ میں انہیں جیل بھجوا دوں گا۔ میرے پاس ثبوت موجود ہیں۔ میں کوئی کچا کام نہیں کرتا۔ میاں جی پانچ ہزار کا معاملہ ہے۔ کوئی چھوٹی موٹی رقم نہیں ہے۔"

"تم مجھے جانتے ہو؟ شاید نہیں جانتے۔ میں تم جیسے آدمی کو الٹا لٹکا دیتا ہوں۔ سمجھے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

لالہ چرونجی مل جھجکتے ہوئے بولا۔ "دیکھو جی۔ معاملہ میرے اور میاں جی کے درمیان ہے۔ تم بیچ میں

ٹانگ نہ اڑاؤ۔"

اسی لمحے انکا نے مجھے شہ دی۔ "جمیل، یہ لالہ بڑا کنجوس آدمی ہے۔ چمڑی سے زیادہ دمڑی پر مرتا ہے۔ اس نے اپنے گھر کے صحن میں لاکھوں روپے ہانڈیوں میں بند کر کے دبا رکھے ہیں۔ ابھی تک کنوارا ہے۔ کیا خیال ہے کہو تو ٹھکانے لگا دوں؟ اس نے لوگوں کے بہت دل دکھائے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا پھر لالہ کو مخاطب کیا۔ "لالہ چرونجی مل، تم چنتا نہ کرو۔ میں نے جو وچن دیا ہے وہ ضرور پورا کروں گا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے تمہاری رقم تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

"پھر اس سمے یہاں کس کارن آئے ہو؟" لالہ نے نفرت سے سوال کیا۔

"میں یہ دریافت کرنے آیا تھا کہ اگر شام تک تم زندہ نہ رہے تو رقم کسے دی جائے؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"مسلے، کمینے، ملیچھ۔ لالہ چرونجی مل کو دھمکانے آیا ہے!" لالہ غضب ناک آواز میں منمنایا۔ "لالہ کو آنکھیں دکھانے والا اس شہر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں نے بہت سے طرم باز خان دیکھے ہیں۔ خوب سمجھ لے کہ پورے تھانے کو یہاں سے بھیک دی جاتی ہے۔ میں تجھ جیسے کئی سورماؤں کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔ کیا سمجھا؟ جا راستہ ناپ۔ بڑا آیا رستم کا بچہ۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

میرے دل میں آیا کہ اسی لمحے لالہ کو ایک اشارے سے دو ٹکڑے کر دوں لیکن میں خود کو اتنی جلد مشہور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ صرف ایک ہی دن تو آئے ہوئے ہوا تھا۔ لالہ کا رویّہ اس حد تک جارحانہ تھا کہ درگزر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے انکا کو کچھ ہدایتیں دیں اور پوچھا، کیا خیال ہے؟ انکا نے کہا۔ "نہ جانے یہ اب تک زندہ کیوں ہے۔ اسے تو کب کا مر جانا چاہئے تھا جمیل۔ اس نے بے شمار گھر ویران کئے ہیں۔ تم خاموش رہو۔ میں اسے سزا دیئے بغیر نہیں مانوں گی۔"

"مگر انکا، یہ معاملہ احتیاط سے ہونا چاہئے۔ میں یہاں پولیس وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"تم بے فکر رہو۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ مجھے اب جانے دو۔ شام سے پہلے کئی کام نمٹانے ہیں۔"

دکان سے میرے ہٹتے ہی لالہ اٹھ کر تیزی سے مکان کے اندر چلا گیا۔ انکا میری ہدایت پر عمل شروع کر چکی تھی۔ میں وقت گزارنے کے لئے قریبی ہوٹل میں جا بیٹھا۔ یہاں سے لالہ کا مکان صاف نظر آ رہا تھا۔ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے مجھے ایک گھنٹہ گزرا ہوگا کہ میں نے لالہ کو گھر سے نکلتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا وزنی تھیلا تھا۔ لالہ نے تھیلا مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا اٹھا اور کچھ فاصلے سے لالہ کے تعاقب میں چلنے لگا۔ مجھے بخوبی علم تھا کہ تھیلے میں کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد لالہ

ایک مقامی بینک میں داخل ہوا۔ میں باہر ہی رک گیا۔ میں لالہ کے تعاقب میں کسی احتیاط کا خیال نہیں کر رہا تھا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لئے کہ اسے اپنا ہوش کہاں تھا۔ جب لالہ بینک سے واپس نکلا تو میں پھر اس کے پیچھے ہو لیا۔ بینک سے لالہ ایک وکیل کے دفتر پہنچا۔ دفتر کے دروازے پر روی شنکر ایڈووکیٹ کی تختی آویزاں تھی۔ وکیل کے دفتر سے لالہ کی واپسی میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہوئے۔ اس دوران ایک مرتبہ وکیل اور لالہ دونوں دفتر سے نکل کر کچہری تک بھی گئے۔ کچہری سے واپسی پر لالہ کا رخ چچا جان کے مکان کی طرف ہو گیا۔ میں نے احتیاطاً تعاقب کا سلسلہ ختم کیا اور ایک تانگا پکڑ کر شہر کے بے مقصد چکر لگانے لگا۔

دو گھنٹے بعد میں نے تانگا اسی جگہ چھوڑا جہاں سے پکڑا تھا اور گھر کی طرف چل دیا۔ انکا ابھی تک میرے سر پر نہیں آئی تھی۔ اب اس سلسلے میں تشویش شروع ہو گئی لیکن جیسے ہی میں گلی میں داخل ہوا، سارا عقدہ حل ہو گیا۔ وہاں لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم تھا۔ چند پولیس والے بھی نظر آئے۔ میں نے چچا جان کو دیکھا۔ وہ بڑی سراسیمگی اور تحیر کے عالم میں وہاں کھڑے تھے۔ میں ہجوم میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ لالہ چرونجی مل خون میں لت پت گلی کے بیچوں بیچ پڑا ہے اور پولیس نے ادھیڑ عمر کے ایک تنومند شخص کو حراست میں لے رکھا ہے۔ وہ صورت سے کوئی اٹھائی گیرا معلوم ہوتا تھا۔ میں خاموش کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ عورتیں مکان کے دروازوں اور بالائی منزلوں سے جھانک رہی تھیں۔ لوگ بچوں کو ڈرا دھمکا کر واپس بھیج رہے تھے۔ عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک پولیس محلے والوں کے بیانات لیتی رہی پھر لاش اٹھوا دی گئی اور اس شخص کو گرفتار کر کے لے گئی۔ اس نے لالہ کے قتل کا اعتراف کر لیا تھا۔ چچا جان کی حالت قابل رحم تھی۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آنکھوں سے الجھن اور خوف نمایاں تھا مجھ پر نظر پڑی تو وہ لپک کر میرے پاس آئے اور بازو تھام کر دور گلی کے ایک کونے میں لے گئے۔

"خیریت تو ہے چچا جان؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "لالہ کو کس نے قتل کیا ہے؟ آپ اس قدر بوکھلائے ہوئے کیوں ہیں؟ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں ہوا؟"

میں نے ایک ہی سانس میں متعدد سوال کر ڈالے۔ چچا جان کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی۔ وہ کچھ دیر تک اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے پھر لرزتی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا "جمیل بیٹے! آج تو غضب ہو گیا۔ میری عقل حیران ہے کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ تمہیں معلوم ہے کہ لالہ صبح مجھ سے اپنے پیسوں کا مطالبہ کرنے آیا تھا۔ اس نے مجھے سخت سست بھی کہا تھا۔ اب یکایک حالات کس طرح بدل گئے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری نیت ہمیشہ صاف رہی ہے۔"

"کچھ تو فرمائیں چچا جان! آخر معاملہ کیا ہے؟" میں نے سعادت مندی اور سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"عقل کام نہیں کر رہی ہے جمیل میاں۔" چچا جان نے الجھتے ہوئے کہا پھر میرے اصرار پر بولے۔

"ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے کہ لالہ میرے پاس دوبارہ آیا تھا۔ اس نے مجھے بینک کی کتاب اور ایک وصیت نامہ دیا۔ وصیت نامے کی رو سے لالہ نے مجھے میری سابقہ خدمات اور نیک نیتی کے پیش نظر ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کی نقد رقم کا حق دار قرار دیا ہے اور بقول اس کے یہ خطیر رقم میرے نام سے بینک میں جمع کرائی جا چکی ہے۔ لالہ نے مجھ سے اپنے صبح والے رویئے کی معافی بھی مانگی تھی۔ میں نے رقم لینے سے بہتیرا انکار کیا لیکن اس نے میری ایک نہ سنی۔ وصیت نامہ اور بینک کی کتاب زبردستی میرے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔ میں حیران و پریشان گھر میں گیا۔ وصیت نامہ اور بینک کی کتاب الماری میں رکھی اور کپڑے تبدیل کر کے دوبارہ لالہ کی دکان پر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ باہر سے گولیاں داغنے کی پے در پے آوازیں آئیں۔ میں بوکھلا کر باہر نکلا تو لالہ غریب گلی کے نکڑ پر خون میں لت پت پڑا تھا اور راگی پستول تانے کھڑا تھا۔ میرے خدا! تم میری حالت کا اندازہ نہیں لگا سکتے جمیل میاں! لالہ کو خون میں نہایا ہوا دیکھ کر میں گھر واپس چلا آیا۔ کچھ دیر بعد اوسان ٹھیک ہوئے تو دوبارہ باہر پہنچا۔ پولیس آ چکی تھی۔ راگی قتل کر کے فرار ہونا چاہتا تھا، مگر فرار نہ ہو سکا۔ اس نے پستول پھینک دیا تھا۔ اس لئے محلے والوں کو اسے پکڑنے میں آسانی ہو گئی۔ محلے والے اس سے پہلے ہی بہت تنگ تھے۔ وہ بہت شورہ پشت اور بدنام مجرم ہے۔ کئی بار جیل کی ہوا کھا چکا ہے۔ بڑے سنگین سنگین معاملوں میں پکڑا گیا مگر ہر مرتبہ چھوٹ گیا۔ تمام محلہ اس سے ڈرتا تھا لیکن اب اس کا چھوٹنا مشکل ہے۔ مجھے لالہ کی موت کا افسوس ہے مگر راگی کے پکڑے جانے پر میں بہت خوش ہوں۔ اب یہ محلہ خطرناک بدمعاش سے پاک ہو گیا۔ راگی نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ وہ لالہ کا مقروض تھا۔ لالہ اسے آئے دن سخت سست کہا کرتا تھا اور آج بھی میرے ہاں سے واپسی پر اس کے پاس گیا تھا اور آج لالہ نے راگی کو بلا کر پولیس وغیرہ کی دھمکی بھی دی تھی۔ گالیاں بکی تھیں اور رقم کا مطالبہ کیا تھا۔ لالہ کے بدلے ہوئے غیر معمولی رویئے پر راگی کو غصہ آ گیا۔ وہ غنڈا یہ توہین برداشت نہیں کر سکا۔ رقم لانے کے لئے کہہ کر اندر گیا لیکن واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور اس سے پہلے کہ محلے والے کچھ کہتے یا درمیان میں پڑتے، راگی نے لالہ کے سینے میں دو گولیاں اتار دیں۔"

میں خاموشی سے چچا جان کی باتیں سنتا رہا۔ انکا نے بڑی خوبصورتی سے اپنا کردار ادا کیا تھا۔ ایک برا آدمی مارا گیا، دوسرے برے آدمی کو جیل نصیب ہوئی۔ واقعات کے تسلسل اور ترتیب میں کوئی جھول نہیں تھا۔ محلے والوں کی شہادتیں موجود تھیں۔ راگی کی غنڈا گردیوں کی مکمل رپورٹ پولیس کے پاس محفوظ تھی۔ وہ پہلے بھی کئی بار سنگین الزامات کے تحت جیل جا چکا تھا۔ انکا نے اس کار خیر کے لئے اس کا انتخاب خوب کیا۔ پورا محلہ یہ بات بھی جانتا تھا کہ چچا جان اور مقتول کے تعلقات بڑے اچھے تھے۔ میں

نے تمام تفصیل پر غور کیا اور دل ہی دل میں انکا کی ذہانت اور طاقت کی داد دیتے ہوئے چچا جان سے مخاطب ہوا۔ "آپ کیوں ہلکان ہوتے ہیں چچا جان۔ راگی بقول آپ کے کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ اس کے اقبال جرم اور محلے کے عینی شاہدوں کی موجودگی میں آپ کی پوزیشن بالکل صاف ہے۔"

"یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں جمیل میاں! لیکن تم لالہ کو نہیں جانتے۔ وہ سنگ دلی اور ظلم کی حد تک کنجوس شخص تھا۔ کسی کو ایک پیسے کی رعایت دینا اس کے کاروباری اصول کے خلاف تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پڑوس میں موت ہو گئی۔ لوگ غریب تھے۔ انہوں نے لالہ سے کریا کرم کے لئے کچھ رقم مانگی لیکن اس ظالم نے ہمسائیگی تک کا خیال نہ کیا۔ صاف منع کر دیا۔ ایسی صورت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کی خطیر رقم میرے نام بینک میں جمع کرا دینا اور پھر وصیت نامہ...... میری عقل دنگ ہے، کیا وہ پاگل ہو گیا تھا؟ بیٹے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار ہی کیوں؟ اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں؟ وہ تو بہت امیر و کبیر آدمی تھا۔ مجھے تو سب کچھ معلوم ہے۔ شہر میں اس کی بہت بڑی جائیداد ہے۔ ایک بینک میں روپیہ ہو تو بتاؤں۔ سوچتا ہوں کہ اس نے ایک مخصوص رقم ہی کیوں جمع کرائی؟ بس خدا سے یہ دعا ہے کہ وہ مجھے اور میرے بچوں کو اپنی امان میں رکھے۔ بری گھڑی آتے دیر نہیں لگتی۔"

"آپ کی تشویش ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ اپنے صبح کے رویئے پر پشیمان ہو گیا ہو، کوئی بات اس کے دل میں آ گئی ہو۔ بہر حال سمجھ میں نہیں آتا۔ میں خود حیران ہوں۔ میرا تو یہ مشورہ ہے کہ آپ ان باتوں کی تشہیر نہ کریں، انہیں راز ہی رہنے دیں۔ جب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔"

☆==========☆==========☆

اس واقعے کے بعد میں نے انکا سے خود اپنے لئے رقم کی فراہمی کا مطالبہ کیا۔ چچا جان کی رقم میں سے کچھ لینے کی بات مناسب نہیں تھی۔ انکا نے حسب معمول مختلف ذرائع سے میرے لئے خاصی معقول رقم فراہم کر دی۔ میں نے لکھنؤ کی بود و باش کے لحاظ سے اپنے اور مالا کے لئے نفیس اور قیمتی ملبوسات تیار کرائے۔ مالا رانی غرارے، کرتے، جمپر شلوار اور تنگ موری کے پانجامے میں خوب خوب جچی۔ چچا جان کو جلد ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بھتیجا دولت میں کوئی کم رتبے کا آدمی نہیں ہے۔ ایک ہفتے تک تو مجھے چچا جان کے تسلی دلاسے، شبانہ، فرزانہ، رخسانہ اور ارشد سے مانوس ہونے اور گھر کی حالت سدھارنے میں کسی اور بات کا ہوش نہیں رہا۔ چچا جان کے ملاقاتیوں میں کئی جگہ میری دعوتیں ہوئیں۔ عورتیں مالا رانی کا حسن دیکھ کر چٹاچٹ اس کی بلائیں لیتی تھیں اور شبانہ ہر دعوت سے واپسی پر مرچوں سے اس کی نذر اتارا کرتی تھی۔ رخسانہ تو میری شاہ خرچیوں سے مرعوب ہو کر مجھ پر واری ہوئی جاتی تھی۔

چند ہی دن میں ہم سب لوگ گھل مل گئے۔ انکا بھی مزے لے لے کر دلچسپ ہنگامے کرتی رہتی۔ وہ بہنوں کے سر پر جا کر انہیں آپس میں لڑواتی اور پھر صلح کروا دیتی۔ مجھ سے ضبط نہ ہوا تو میں نے بھی انہیں حیرت زدہ کرنے کے لئے چھوٹے موٹے تماشے دکھائے اور ان کی دلچسپی کا سامان مہیا کیا۔

اس عرصے میں مجھے تزئین یاد آئی۔ مجھے لکھنؤ کا مشہور زمانہ بازار دیکھنے کی تمنا تھی جو نوابین اودھ کے خصوصی التفات کا مرکز تھا۔ تزئین کے بالا خانے پر جانے کو جی چاہتا تھا مگر جب یہ خیال آتا کہ پیروں میں گھنگرو باندھے رقص و سرود کے ہنگاموں میں مصروف ہو گی اور بازارِ حسن میرے سامنے گرم ہو گا تو قدم رک جاتے لیکن ایک دن میں ہمت کر کے وہاں پہنچ ہی گیا۔ انکا میری رہبری کر رہی تھی۔ میں سب سے پہلے تزئین کے بالا خانے پر گیا۔ وہاں کوئی لڑکی آتش کی غزل گا رہی تھی۔ اس کی آواز بھی آتشیں تھی۔ کوٹھے پر قدم رکھتے ہی میرا دل دھڑکنے لگا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں شرفا کا اجتماع تھا۔ ادھیڑ عمر کی ایک حسین و جمیل عورت نے بڑھ کر میرا استقبال کیا۔ انکا نے مجھے بتایا کہ یہ تزئین کی ماں ہے۔ وہاں ایک اور خوبصورت رقاصہ ساز و آواز کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ وہ اپنے شباب کے دور میں تھی۔ مجھے اس نے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ انکا نے بتایا کہ اسے تزئین کی ماں نے خرید کر پالا ہے۔ گانے میں ماہر ہے اور رقص میں اسے کمال حاصل ہے۔ حسن میں بے نظیر اور اپنی اداؤں سے مکمل طوائف ہے۔ رجھانے اور دل لبھانے میں یکتا ہے۔ تزئین کی ماں نے اپنا بالا خانہ ایک اچھا خاصا نگار خانہ بنا رکھا تھا۔ یہ کمرا شیشے کے نادر کام سے آراستہ تھا اور کسی شاہی محل کے خاص ایوان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ رنگ برنگے پردے، ہار پھول، جھاڑ فانوس، بے شمار روشن شمعیں، ملی جلی خوشبوئیں اور پاندان کھلا ہوا تھا اور گلوریاں پیش کی جا رہی تھیں۔ طبلے کی تھاپ، تاک دھنا دھن، گھنگروؤں کی جھنکار، جھن جھنا جھن، میں کسی زمانے میں ایسی خوبصورت محفلیں بمبئی میں آباد کرتا تھا اور تریبنی پونا میں مگر یہاں کی بات اور تھی۔ تزئین وہاں نہیں تھی۔ جب میں نے انکا سے پوچھا تو اس نے بتایا۔ ''وہ سب سے آخر میں آتی ہے۔ تزئین کی ماں نے اپنی لڑکی کے حسن، گانے اور رقص کی دھاک بٹھا رکھی ہے۔ یہ تمام شرفا اس کا رقص شروع ہونے تک بیٹھے رہیں گے۔ تزئین کی ماں اشرفی بیگم نے اس کے رقص کے لئے رات ڈھلنے کا وقت طے کر دیا ہے۔ اس عرصے میں وہ اپنی ان شوخ نازنینوں کے ذریعے پیسے بٹورتی ہے جس وقت تزئین آتی ہے تو یہ محفل شباب پر ہوتی ہے۔''

میں بھی اس کے انتظار میں بیٹھا رہا اور غزلیں سنتا رہا۔ مجھے ایک لڑکی نے وہاں بہت متاثر کیا۔ اس کا نام شمیم تھا۔ شمیم جب رقص کرنے آئی تو میں نے اس پر نوٹ نچھاور کرنے شروع کر دیئے جو نوابین پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے وہ شروع شروع میں تو میرا ساتھ دیتے رہے مگر جمیل احمد خان سے مقابلہ کرنا ان کے لئے مشکل تھا۔ میں روپیہ لٹاتا رہا۔ وہ میرے پاس بیٹھی مجھے شوخ نظروں سے غزلیں سناتی رہی۔

اشرفی بیگم نے جب میری فراخ دلی کا یہ عالم دیکھا تو اس کی توجہ بھی میری ہی جانب مبذول ہو گئی۔ اس نے مجھے گلوریاں پیش کیں اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ میری مزاج پرسی کرنے لگی۔ اس کے لہجے میں بلا کی شائستگی اور مٹھاس تھی۔ میں نے اسے انکسار سے بتایا۔ ''میں بمبئی سے آیا ہوں۔ وہاں میری چھوٹی موٹی تجارت ہے۔ کام چل جاتا ہے۔ آپ کے ہاں کا ذکر بمبئی میں ایک دوست سے سنا تھا۔ جی تڑپ گیا اور ادھر چلا آیا۔ گیت سنگیت میری جان ہیں۔ حسین چہرے میری کمزوری ہیں۔ ذکر سنتا ہوں تو تمام کام چھوڑ کر ادھر کا رخ کرتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ انہی کے سہارے جیتا ہوں ورنہ زندگی میں جی نہیں لگتا۔''

''خوب!'' وہ دلربائی سے بولی۔ ''آپ انکسار برت رہے ہیں۔ مجھے صاحب ذوق نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی قدر دانی سے یہ گھر روشن ہے۔ میرے ہاں شرفا آتے ہیں، یہ ان کی کرم گستری ہے۔ میں نے تمام زندگی فن کی خدمت میں گزاری ہے اور اپنی لڑکیوں کو فن سکھانے میں جگہ جگہ کی خاک چھانی ہے۔ کڑی ریاضت کے بعد کہیں جا کر انہیں دو چار مصرعے ادا کرنے اور زمین پر صحیح پیر ڈالنے آئے ہیں۔ آپ ابھی جائیے گا نہیں۔ تشریف رکھیے گا۔ میں اپنی لڑکی تزئین کو آپ کے ذوقِ لطیف کے لئے پیش کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے۔''

''ہاں ان کا تذکرہ تو میں نے خوب سنا ہے۔ اسی لئے تو کشاں کشاں چلا آیا مگر آپ کی یہ لڑکیاں بھی کچھ کم اچھا نہیں گاتیں۔ انہیں آپ نے کمال تربیت دی ہے۔'' میں نے مہذب انداز میں کہا۔

''آپ تزئین کو بھی پسند کریں گے۔ وہ میرا شاہکار ہے۔'' وہ اعتماد سے بولی۔

میں نے شمیم کے گانے پر اس کی موجودگی میں فیاضی کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ انکا بھی اس ہنگامے میں دلچسپی لے رہی تھی۔ ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی اور مجھے بتا رہی تھی کہ کون شخص مجھے کن نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ میں محظوظ ہوتا رہا۔ شمیم کے بعد ایک اور قتالہ، گل بدن رقص پیش کرنے لگی۔ شمیم میرے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بڑی لطافت سے میرے بارے میں مختلف سوالات کرنے لگی۔

تزئین سے جلد ملاقات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ایک بڑی رقم دانستہ لٹائی تھی تاکہ اشرفی بیگم کی نظریں چکا چوند ہو جائیں۔ آخر خاصے انتظار کے بعد تزئین کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ سب لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے ہیں۔ اشرفی بیگم میرے پاس دوبارہ آئی اور کہنے لگی۔ ''لیجئے وہ آ رہی ہے، ملاحظہ کیجئے گا۔''

میں نے کہا۔ ''منتظر ہوں، سراپا اشتیاق۔ اب انتظار کی تاب نہیں۔''

آخر سامنے کے دروازے سے تزئین برآمد ہوئی۔ ٹرین میں اس کا رنگ کچھ اور تھا، یہاں کچھ اور۔ اس نے مسکرا کر بعض امرا کو آداب کہا لیکن جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک گئی۔ اچانک مجھے

Downloaded from Paksociety.com

احساس ہوا کہ اس کی غلط فہمی دور کر دینی چاہئے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ میرے سر سے چلی گئی اور جلد ہی واپس آ گئی۔ اس نے تزئین کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اس سے ملاقات کے لئے مجھے مجبوراً اس محفل رقص و موسیقی میں آنا پڑا ہے کیونکہ اس سے ملنے کا کوئی اور ذریعہ ممکن نہیں تھا۔ انکا نے اس کے دل سے میرے متعلق بدگمانی دور کر دی۔ مجھے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ اور شاداب ہو گیا ہے۔ اس نے پیروں میں گھنگرو باندھے، طبلچی نے طبلہ کسنا شروع کیا اور ہارمونیم والے نے مختلف طریقوں سے اسے پرکھا۔ اشرفی بیگم نے مجھے اشارہ کیا۔ جیسے پوچھ رہی ہو، کہو کیا خیال ہے؟ میں نے بھی اشاروں ہی میں اپنے شدید تاثر کا اظہار کر دیا پھر رقص شروع ہوا۔ میں اس کی تفصیل نہیں لکھ رہا ہوں اس لئے کہ میں نے تزئین کے متعلق کچھ اور سوچ رکھا تھا۔ مجھے تزئین کی حد تک اس ہنگامے سے دلچسپی تھی لیکن میں مجبوراً روپے برسا رہا تھا کیونکہ میں اسی ترکیب سے اشرفی بیگم کے دروازے اپنے لئے کھلوا سکتا تھا۔ اشرفی بیگم نے کئی مرتبہ تزئین کو اشارہ کیا کہ وہ میرے سامنے آ کر گائے اور رقص کرے لیکن وہ میرے پاس نہیں آئی۔ وہاں اس وقت مقابلے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک شخص تزئین میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے اپنے گلے کا ہار تک تزئین کو پیش کر دیا پھر بھی وہ میرا مقابلہ نہ کر سکا۔ میں پہلے سے تیار ہو کر گیا تھا۔ بے دریغ اور بے تحاشا روپے لٹا کر میں نے اشرفی بیگم اور اس کے تمام طائفے کے دلوں میں اپنا گہرا اثر جما دیا۔ جب شمعیں ماند پڑنے لگیں تو رقص ختم ہو گیا۔ نوابین اور امرا ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے۔ صرف میں بیٹھا رہا۔ اشرفی بیگم تزئین کو میرے پاس لے آئی۔ میں نے اس کے حسن، رقص اور سریلی آواز کی بہت تعریف کی اور کھڑا ہو کر رخصت چاہنے لگا۔ اشرفی بیگم نے مجھ سے دوبارہ آنے کی پرزور درخواست کی۔

مجھے لکھنؤ میں دو ماہ گزر گئے۔ اس مدت میں تزئین سے میری کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے زیورات اور نقدی سے اشرفی بیگم کا منہ بھر دیا تھا۔ اب میں دن کے وقت بھی اس کے پاس جا سکتا تھا۔ وہاں میری حیثیت ایک تماشائی سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ اشرفی بیگم دانستہ موقع دیتی تھی کہ میں اور تزئین تنہائی میں گفتگو کریں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے تزئین کو ہموار کر لیا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں لکھنؤ سے رخصت ہوتے وقت تزئین کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کوئی جال پھیلاؤں گا لیکن اس سلسلے میں اگر کوئی ہنگامہ ہوتا تو میرے لئے خواہ مخواہ کی مشکلات پیدا کر دیتا۔ اس لئے کہ تزئین میں لکھنؤ کے کئی با اثر افراد دلچسپی لے رہے تھے اور مجھے وہ لوگ بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ میں کسی موقع کا منتظر تھا۔

☆==========☆==========☆

چچا جان کے گھر کے اور ان کے بگڑے ہوئے حالات درست کرنے کا خیال بھی میرے ذہن میں تھا۔ ادھر شبانہ کی شادی کی خبریں تھیں۔ لالہ چرونجی مل کے قتل کے ایک ماہ بعد، میرے سمجھانے بجھانے پر

چچا جان نے وہ رقم استعمال کرنی شروع کی جو ان کے نام سے بینک میں محفوظ تھی۔ چنانچہ اب ان کی حالت ٹھیک ہو چکی تھی۔ مکان کی از سر نو مرمت ہوئی اور اس میں دو کمروں کا اضافہ بھی ہو گیا۔ چچا چونکہ کاروباری آدمی تھے اس لئے انہوں نے ایک جنرل سٹور کھول لیا۔ اس سے خاصی معقول آمدنی ہونے لگی۔ اس عرصے میں شبانہ کی شادی ہو گئی۔ لڑکا ایک مقامی کالج میں لیکچرار تھا۔ ارشد میاں، سکول میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ چچا جان کا ہاتھ بھی بٹانے لگے۔ میری خاطر مدارت میں اب بھی وہی روزِ اول والی سرگرمی تھی۔ غرضیکہ چچا جان کی حالت کافی سدھر گئی تھی لیکن میں بار بار پریشان ہو جایا کرتا تھا جب بھی بدری نرائن کا خیال آتا تھا، میرے سینے میں انتقام کی چنگاریاں بھڑک اٹھتی تھیں۔ میں ابھی تک نرگس کی بے چین روح کو قرار پہنچانے کے لئے بدری نرائن کے گندے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگ سکا تھا۔ انکا بار بار مجھے روک دیتی تھی۔ بدری نرائن ابھی تک کالی کے مندر میں تھا اور کسی بڑے دیوتا کا جاپ کر کے مہان شکتی پراپت کرنے کی دھن میں مگن تھا۔ میں نے ایک دو بار کلکتے جانے کی ٹھانی لیکن انکا آڑے آ گئی۔

بہت عرصے بعد ایسے سکون کے دن نصیب ہوئے تھے۔ میں مالا رانی کو لکھنؤ کی سیر کراتا رہا۔ اس کی محبت نے مجھے سارے جہان سے بے نیاز کر دیا تھا لیکن پھر اس یکسانی سے جی اکتا گیا۔ میں ہنگاموں کا عادی تھا۔ تزئین کے ہاں ابھی کوئی ہنگامہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ زندگی کے اس جمود سے جی گھبرانے لگا۔ ابھی تک چچا جان یا لکھنؤ والوں کو اصل جمیل احمد خان کا علم نہیں تھا۔ میں خود بھی لئے دیئے رہتا تھا۔ حالانکہ بعض اوقات دل چاہتا تھا کہ بعض لوگوں کو ان کے ناگوار جملوں اور نازیبا رویوں پر سزائیں دوں۔ ایک روز ایسا واقعہ پیش آیا جس نے کسی حد تک میری شخصیت چچا پر اجاگر کر دی۔ چچا جان کے پڑوس میں ایک نیا خاندان آ کر آباد ہوا تھا۔ اس میں ایک شاہ صاحب بھی تھے۔ انہوں نے محلے میں آتے ہی خود کو کوئی پہنچا ہوا بزرگ مشہور کر دیا۔ لالہ چرونجی مل کے حیرت انگیز واقعے سے متاثر ہو کر چچا جان نے پیروں، فقیروں اور بزرگوں کے پاس اور مزاروں وغیرہ پر آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر جمعرات کی رات کو کھانا بھی تقسیم کرتے تھے۔ جب انہیں اس پہنچے ہوئے بزرگ کے بارے میں اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً وہاں حاضری دی اور اس کے بعد روزانہ ان کی خدمت میں جا کر سلام پیش کرنا ان کا معمول ہو گیا۔ ان بزرگ نے دیکھتے ہی دیکھتے محلے کے ضعیف الاعتقاد افراد کو اپنا معتقد بنا لیا۔ کئی بار میرے جی میں آئی کہ ذرا میں بھی ان کے دیدار کروں اور اصلیت کا پتا چلاؤں لیکن میرا ارادہ دل ہی دل میں رہا۔ چچا جان سے ان کی خاصی یاد اللہ ہو گئی تھی اور وہ اکثر ان کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔ اتفاق سے انہی دنوں فرزانہ پر ہسٹریا کے دورے پڑنے لگے۔ یہ دورے وہاں کی خواتین میں ایک عام بات تھی۔ چچا جان کوئی سایہ وغیرہ سمجھے۔ فوراً اسے شاہ صاحب کے پاس لے گئے۔ مجھے اس کا علم

نہیں تھا لیکن بعد میں مالا نے مجھے بتایا کہ شاہ صاحب نے فرزانہ کو کسی سائے سے محفوظ کرنے کے لئے اپنے عملیات کے خاص کمرے میں لے جا کر اس کے ساتھ عجیب وغریب باتیں کیں، جن سے ان کی بری نیت کا پتا چلتا تھا۔ انہوں نے فرزانہ کے ساتھ دست درازی بھی کی۔ فرزانہ نے اس کا ذکر مالا سے کر دیا۔ مجھے حالات کا علم ہوا تو میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے انکا سے اس صورتِ حال کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کچھ دلچسپ انکشافات کئے۔ اس نے بتایا کہ شاہ صاحب دراصل رنگے سیار ہیں۔ ایک زمانے سے یہ کام کرتے ہیں۔ یہ صاحب بمبئی میں بھی بھولی بھالی لڑکیوں کو ورغلا کر تماشے والوں کی بھینٹ کر دیا کرتے تھے۔ وہاں سے نکالے گئے تو بنارس پہنچے اور شاہ صاحب کا چولا بدل لیا۔ انکا نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ان کے گھر میں جو عورتیں ہیں، انہیں شاہ صاحب نے بنارس سے اغوا کیا تھا۔ کچھ دنوں تک ان کی کمائی سے مونچھوں پر تاؤ دیتے رہے۔ پھر بھانڈا پھوٹا تو لکھنؤ آ گئے اور یہاں تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا کام شروع کر دیا۔ مجھے جب اس شرمناک حقیقت کا علم ہوا تو میں نے شاہ صاحب کو سرزنش کرنے کی ٹھان لی۔ شاہ صاحب نے میری چچا زاد بہن فرزانہ پر بری نگاہ ڈالی تھی۔ مالا نے مجھے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن میں اسی وقت غصے میں بھرا ہوا شاہ صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ وہ اپنے بیرونی کمرے میں مسند نشین تھے۔ کمرے میں اگربتیوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ ان سے عجز کے ساتھ فریادیں کر رہے تھے۔ اتفاق سے چچا جان بھی وہاں موجود تھے لیکن وہ کسی کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس لئے میں انہیں دیکھ نہیں سکا تھا۔ شاہ صاحب نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ اس وقت وہ کسی پیر کامل کی طرح مسند پر جلوہ افروز تھے۔ چہرہ پر سنجیدگی اور آنکھوں میں مستی تھی۔ گلے میں تسبیحیں تھیں اور سر پر دوپلی ٹوپی تھی۔ مجھے تاؤ آ گیا۔ میں نے کڑک کر کہا۔ ”میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔ تم سے کچھ باتیں کرنے آیا ہوں۔“

شاہ صاحب نے غور سے میری طرف دیکھا اور قلندرانہ شان سے بولے۔ ”بیٹھ جا، بیٹھ جا۔ تجھے بھی سمجھ لیتا ہوں۔ میں تیرے ہی انتظار میں تھا۔“

عقیدت مند میری طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ”ناہنجار، تیرے دن پورے ہو گئے ہیں۔ میں اب ان معصوم لوگوں کو تیرے دام میں نہیں پھنسنے دوں گا۔“

☆==========☆==========☆

شاہ صاحب نے ہاتھ میں دبی ہوئی تسبیح ہلاتے ہوئے جلالی لہجے میں کہا۔ ”گستاخ! بزرگوں سے بے ادبی کر رہا ہے؟ چلا جا! مجھے مشتعل نہ کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بددعا تجھے تہس نہس کر دے، جا کسی کنوئیں میں ڈوب مر۔ بے غیرت! تباہی تیرے پر منڈلا رہی ہے کمینے!“

”بکواس بند کر بڈھے!“ میں گرج کر بولا۔ ”تو ان سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن میری

آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا تو اگر روشن ضمیر ہوتا تو مجھے دیکھتے ہی سمجھ جاتا کہ میں کون ہوں؟“

”بے ادب، گستاخ، بے ہودہ!“ شاہ صاحب کی آنکھوں میں سرخی آ گئی، بپھر کر بولے۔ ”جا چلا جا، کیوں اپنی موت کو آواز دے رہا ہے۔ تو نے ایک بزرگ کا مذاق اڑایا ہے۔ خدا تجھے دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دے گا۔ حق اللہ“

شاہ صاحب نے حق اللہ کا زوردار نعرہ بلند کیا تو کمرے میں بیٹھے ہوئے عقیدت مندوں کی نظروں میں میرے لئے نفرت کا احساس ابھرا۔ میں نے حالات بھانپتے ہوئے جلدی سے کہا۔ ”او نمائشی شاہ! میں تجھے بتاؤں گا کہ تیرا اصل روپ کیا ہے، کیا تو سیدھی طرح یہ محلہ نہیں چھوڑے گا؟ کیا کچھ تماشا دیکھ کر اور بے عزت ہو کر ہی یہاں سے جانا پسند کرے گا؟“

”تو...... تو مجھ سے ٹکرا رہا ہے؟“ شاہ صاحب مسند سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”اتنی دیر سے کوئی بات تیری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، کمینے میرے آنے کا مقصد جان۔ میں تیری بربادی ہوں۔“ میں نے طیش میں آ کر کہا۔

”جا، اب بھی چلا جا۔ میں تجھے ایک موقع اور دیتا ہوں، ورنہ بہت برا ہو گا دیوانے، سنبھل جا، میں درگزر کرتا ہوں۔“

ٹھیک اسی لمحے انکا میرے سر سے رینگ کر اتر گئی۔ شاہ صاحب کی جلالی کیفیت بدستور قائم تھی۔ غرا کر بولا۔ ”تجھے آخری بار حکم دیتا ہوں بے مروت! جا، چلا جا۔ دفع ہو جا۔“

”زبان کو لگام دے او مردود۔ مجھے بے مروت وغیرہ کہنے سے تو ان لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ تجھے معلوم نہیں ہے کہ تیرے سامنے کون شخص کھڑا ہے“ میں نے دہاڑتے ہوئے کہا۔ پھر دل میں پریتم لال کو یاد کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ ”کیا کوئی کرشمہ دیکھنے کا منتظر ہے؟“

میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ شاہ صاحب کے ہاتھ میں دبی ہوئی تسبیح حیرت انگیز طور پر ایک سیاہ رنگ کے سانپ میں تبدیل ہو گئی۔ عقیدت مندوں نے جب یہ خوفناک صورتِ حال دیکھی تو اٹھ کر باہر کی طرف بھاگے۔ خود شاہ کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ اس نے خوفناک چیخ مار کر ہاتھ جھٹکا لیکن سانپ نے اس کے ہاتھ کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر لیا۔ جو کچھ ہوا وہ میری مرضی کے عین مطابق تھا۔ سانپ کے کاٹنے سے شاہ کا جسم بڑی تیزی سے نیلا پڑنے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہو گیا۔ ابھی وہ زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا کہ اندر سے ایک خوبصورت عورت باہر آئی اور اس نے مرتے ہوئے شاہ پر لعن طعن شروع کر دی۔ اس نے جو کچھ کہا وہ انکا کے زیر اثر کہا۔ میرا اب وہاں رکنا بے سود تھا۔ میں پلٹا تو دفعتاً چچا جان پر میری نظر پڑی۔ وہ بڑی حیرت اور پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے گھور رہے تھے، میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور باہر آ گیا۔

"جم..... جمی..... جمیل میاں ..... یہ سب کیا تھا؟" چچا جان نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "چچا جان! مجھے اس نمائش کی کبھی ضرورت نہ پڑتی۔ میں خود نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو مگر شاہ کی بعض باتیں ناگوار گزر گئیں۔ آپ کا بھتیجا اس عرصے میں بے کار نہیں بیٹھا۔ اس نے دردر کی ٹھوکریں کھائی ہیں، بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے سے دو چار گر مجھے بھی آ گئے ہیں لیکن براہ کرم آپ میری اس صفت کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔"

میں نے چچا جان کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا مگر محلے میں افراتفری پھیل چکی تھی۔ ظاہر ہے یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جو لوگ شاہ صاحب کے کمرے میں موجود تھے۔ ان کے بیانات نے دور دور تک میری شہرت پھیلا دی۔ انکا دو روز تک مجھ سے دور رہی۔ تیسرے روز واپس آئی تو اس کے چہرے سے تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ مجھ سے کچھ ناراض ناراض نظر آ رہی تھی۔ میں نے وجہ دریافت کی تو وہ تنک کر بولی۔ "جمیل! بعض اوقات تم مجھے بہت پریشان کرتے ہو۔ خود سوچو، مسلسل دو روز تک تم سے دور رہوں گی تو میری کیا حالت ہوگی؟ تم اب بہت جلد جذباتی بن جاتے ہو۔ میں نے شاہ صاحب کا معاملہ ٹھنڈا کر دیا ہے لیکن اگر تمہارے تیور ایسے ہی رہے تو مصیبتوں سے کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔ کسی روز بری طرح گھر جاؤ گے۔"

"تمہاری پرورش پھر کس مصلحت سے کی جا رہی ہے؟" میں نے اسے چھیڑنے کے لئے کہا۔

"نہیں جمیل! ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔ تمہیں اب اپنے جذبات پر قابو پانا چاہئے۔ جلد بازی کے نتائج تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تمہارا مشورہ سر آنکھوں پر..... مگر ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔" انکا بگڑ کر بولی۔

"تم ایک مجسم عورت کے روپ میں ظاہر ہو جاؤ۔ میں ہمیشہ کے لئے تمہارا پرستار بن جاؤں گا۔ تمہارا بندہ بے دام۔"

انکا میرا جواب سن کر اپنی سنجیدگی برقرار نہ رکھ سکی۔ شوخ نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنے پنجے چبھونے لگی۔ میں بھی سرشار ہو گیا اور اسی عالم میں سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا جہاں مالا رانی میرا انتظار کر رہی تھی۔

شاہ صاحب کے واقعے کی شہرت اتنی پھیلی کہ دور دور سے لوگ میرے پاس آنے لگے۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی دروازے پر موجود ہے۔ میں نے یہ مصیبت ٹالنے کی خاطر لوگوں کو نظر انداز کرنا اور ان سے چھپنا شروع کر دیا۔ دستک ہوتی تو میں خود دروازے پر پہنچتا اور کہتا کہ جمیل احمد خاں شہر سے چلے گئے

ہیں۔ چچا جان کو میں نے سمجھا دیا تھا کہ بے کار لوگوں کو وہ بھی ٹالتے رہیں اور صرف ان لوگوں کو روکیں جو حقیقتاً توجہ اور امداد کے مستحق ہوں اور اسی دوران ایک روز کچھ ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے لکھنؤ میں بہت محتاط کر دیا، اس وقت انکا، مالا رانی کے سر پر تھی۔

شام کا وقت تھا۔ گھر والے صحن میں چھڑکاؤ کر کے اطمینان سے بیٹھے ہوئے محو گفتگو تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ارشد میاں اٹھ کر باہر گئے، واپس آ کر بولے۔ "کوئی برقع پوش خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

گھر والوں کو ابھی تک میرے پُر اسرار واقعات کا علم نہیں تھا چنانچہ عورت کے نام پر سب چونکے البتہ مالا کو میں حالات سے باخبر کر چکا تھا۔ میں اٹھا، باہر آ کر دیکھا تو ایک عورت دروازے پر موجود تھی۔ چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا لیکن اس کے ہاتھ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ایک قبول صورت اور کم عمر لڑکی ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر مترنم مگر رندھی ہوئی آواز میں میرا نام لے کر مجھے پوچھا۔

"جی ہاں! میرا ہی نام جمیل احمد خاں ہے" میں نے جواب دیا۔

"بھائی۔ میں بڑی مشکلوں سے آپ کا پتا دریافت کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہوں۔ اگر آپ نے مدد نہ کی تو موت کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا۔"

عورت کی آواز میں درد تھا، میں نے پوچھا۔ "فرمائیے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"خدا کے لئے میرے ساتھ چلئے۔" اس نے اپنے شوہر پر کسی آسیب کے آ جانے کی شکایت کی اور رو رو کر کہنے لگی۔ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کوئی تین ماہ سے میرے شوہر پاگل ہو گئے ہیں۔"

یہ بات اس نے کچھ اس طرح دل سوزی سے کہی کہ میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا اور فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں نے گلی سے باہر نکل کر تانگا پکڑا اور عورت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ راستے میں ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ سخت مضطرب تھی اور تانگے والے کو بار بار تیز چلنے کی ہدایت کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد تانگا نخاس کے علاقے سے گزر کر ایک بڑی حویلی کے سامنے رک گیا۔ لڑکی نے جلدی سے نیچے اتر کر کرایہ ادا کیا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کر کے حویلی میں داخل ہو گئی۔ ابھی ہم حویلی کے صدر دروازے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ آتے ہی کہنے لگی۔ "جمیل تم خطرے میں ہو۔ یہ لڑکی انتہائی چالاک اور عیار ہے۔ اسے نواب محسن علی خاں نے تمہیں پھانسنے پر مامور کیا تھا۔ جیسے ہی مجھے یہ اندازہ ہوا، میں مالا رانی کو چھوڑ کر تمہارے سر پر آ گئی۔"

☆==========☆==========☆

انکا کی آواز سن کر میں چونکا پھر مسکراتا ہوا خاموشی سے لڑکی کے ساتھ ایک خوب صورت کمرے میں داخل ہوا جو اعلیٰ معیار کے ساز و سامان سے سجا ہوا تھا۔ وہاں سامنے کے تخت پر ادھیڑ عمر کا ایک وجیہہ،

Downloaded from Paksociety.com

سرخ و سپید شخص، چوڑی دار پانجامے اور انگر کھے میں ملبوس، گاؤ تکیے سے لگا حقہ پی رہا تھا اور معنی خیز نظروں سے مجھے تول رہا تھا۔ لڑکی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی برقع اتار دیا۔ مجھے وہ صورت سے ہی بدقماش لگی۔ اس نے نظروں ہی نظروں میں مسند نشین شخص کو کچھ اشارہ کیا پھر تیزی سے پلٹی اور میری طرف مسکراہٹ کی ایک نظر ڈالتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ انکا نے مجھے بتایا کہ بن خاں یہی ہے۔

"ماشاء اللہ۔ تو تم ہو جمیل احمد خاں ...... بیٹھو۔" نواب نے طنزیہ انداز میں کہا۔ میں بے پروائی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ کچھ توقف کے بعد نواب نے دوبارہ کہا۔ "تم سے ملاقات کو بڑا جی چاہتا تھا۔ کیا تمہیں یہاں اپنے بلائے جانے کا مدعا معلوم ہے؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ جناب والا کو مجھے یہاں بلانے کے لئے ایک بدقماش عورت کا سہارا لینا پڑا ہے۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آدمی سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں۔" نواب نے گاؤ تکیہ کچھ اور قریب کھینچتے ہوئے کہا۔ "کیا کرتے ہو؟"

"کوئی ضروری نہیں کہ میں جناب کے ہر سوال کا جواب دوں۔" میں نے طنزاً کہا۔ "میں نے تو سنا ہے کہ نوابین اور وہ بڑے مہذب ہوتے ہیں......"

"اور بڑے ضدی، جذباتی اور خودسر بھی ہوتے ہیں۔ یہ تم نے نہیں سنا تھا؟" نواب نے لقمہ دیا۔

"عموماً ان کا واسطہ خوشامدیوں اور غریبوں سے پڑتا ہے لیکن ہر جگہ یہ بات نہیں ہوتی قبلہ! میرا خیال ہے جناب کو میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"خدا کی قسم! تم ہمیں پسند آئے، تم دلیر آدمی ہو۔"

"عزت افزائی ہے، میں جناب والا کا ممنون ہوں۔" میں نے کہا۔

"خوب۔ خدا کی قسم، بہت خوب ہو۔ تم ہمیں اور پسند آئے۔"

"مجھے بھی آپ کچھ کم اچھے نہیں لگ رہے ہیں، صرف ایک بات کی کمی ہے...... کہ جناب والا مردم شناس نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟ کیا ہم نے صحیح شخص کو طلب نہیں کیا؟"

"بے شک کیا ہے۔ میرا ہی نام جمیل احمد خاں ہے۔"

"اور سنا ہے تم ہماری مطلوب نشاط، تزئین کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو؟ ہمیں اشرفی بیگم نے یہی بتایا تھا کہ تزئین کے سلسلے میں تم خاصے سنجیدہ ہو۔"

بات کچھ اور دلچسپ ہوتی لیکن تزئین کا نام آیا تو دل و دماغ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ نواب بن علی نے جس انداز میں مجھے بلایا تھا، وہ کم ہتک آمیز نہیں تھا تاہم میں نے سرد مہری سے کہا۔ "نواب بن علی،

میرے پاس تمہاری فضول باتیں سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔ مطلب کی بات کرو۔"

"میں نے سنا ہے تم تعویذ گنڈوں میں بھی کچھ دخل رکھتے ہو۔ کیا یہ درست ہے؟" نواب کے لہجے میں اب بھی تحکم تھا۔

"اسے جانے دو کہ میں کیا کرتا ہوں، کس چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں، کس میں نہیں۔ تم مطلب کی بات کرو۔" میں بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا انکا میرے سر پر بیٹھی میرے مخاطب کی قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھی۔

"سنو خاں صاحب! تزئین ہماری منظور نظر ہے اور جسے نواب بن علی پسند کر لیتے ہیں، وہ اسے حاصل بھی کرتے ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ تمہیں تزئین سے دست بردار ہونا ہوگا۔" بن علی نے بازاری لہجے میں کہا۔ "تعاون کرنے کی صورت میں تم ہمارے دوست و بصورت دیگر ہمیں تزئین کو حاصل کرنے کے لئے تمہیں مجبوراً راستے سے ہٹانا پڑے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم خود بخود مان جاؤ ورنہ نواب بن علی خاں کے ہاں خدام کی ایک فوج ظفر موج ہے، وہ تمہارا موثر علاج کرنے میں بڑی مہارت کا ثبوت دے گی۔"

اب میرے لیے برداشت کرنا مشکل تھا۔ میں نے حقارت سے کہا۔ "بن علی! تم نے جو کہا، وہ میں نے سن لیا۔ اب میری شرط بھی سن لو۔ اگر تم اپنی کسی ہمشیرہ کو شب باشی کے لئے میرے حوالے کر دو تو میں تزئین کے سلسلے میں دست برداری کے لئے تیار ہوں۔"

میرا جواب سن کر بن علی نے کسی گرگٹ کی طرح رنگ بدلا اور تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ خون کی حدت اور غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر انکا نے میرا سر چھوڑ دیا۔ بن علی نے آگ بگولا ہو کر تالی بجائی۔ اس طرح غالباً وہ اپنے خدام کو طلب کر رہا تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر چنداں حیرت نہیں ہوئی کہ تالی کی آواز ابھر ہی نہ سکی۔ اس نے جھلا کر متعدد بار تالی بجانی چاہی، آوازیں دیں لیکن آواز اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ اب اس کے چہرے کی رنگت خوف سے پیلی پڑ چکی تھی۔ میرے طیش کا وہی عالم تھا۔ میں نے نواب کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیوں بن علی؟ کیا خیال ہے تمہارا، میرے تعویذ گنڈوں کے بارے میں؟ تم نے میری خاطر تواضع کے لئے اپنے جن گرگوں کو حویلی میں جمع کر رکھا تھا، وہ کہاں گئے؟ آنکھیں اٹھاؤ، ادھر دیکھو اور میری ہدایت غور سے سنو، تمہیں میرے موکل کے لئے اس حسین فتنے کا خون فراہم کرنا ہوگا جسے تم نے میرے پھانسنے کے لئے بھیجا تھا۔ اگر تمہیں یہ کام ابھی نہیں کرنا پڑے گا۔ آج اتنا ہی سبق کافی ہے۔ بہرحال یاد رکھو کہ تمہیں اس گستاخی کی شدید سزا ضرور ملے گی۔ میں اس وقت بھی تمہیں اپنا ہر حکم ماننے پر مجبور کر سکتا ہوں لیکن جاؤ، ایک موقع اور دیتا ہوں۔"

میں نے حویلی میں خوں ریزی سے گریز کیا۔ کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ بن علی کے مکان میں داخل

ہوتے وقت مجھے کسی نے دیکھ نہ لیا ہو۔ ظاہر ہے اس نے میرے لیے پورا انتظام کر رکھا ہوگا۔ ہر چند کہ انکا کے اس کارنامے پر میں اسے خوش رکھنا اور خوش کرنا چاہتا تھا لیکن سردست ضبط وتحمل کی ضرورت تھی۔

نواب بن علی ایک بت کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا تھا۔ میں نے آخری بار اسے زہریلی نگاہوں سے دیکھا پھر حویلی سے باہر آ گیا۔ میرا اندازہ صحیح تھا۔ حویلی کے اردگرد بن علی کے غنڈے منڈلا رہے تھے۔ گویا میری توقع کے عین مطابق، نواب نے مجھے زچ کرنے کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ حویلی سے نکل کر میں نے سڑک پار کی۔ اسی وقت انکا شوخی سے میرے سر پر سوار ہو گئی۔ میں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور انکا راستے بھر مجھے ستاتی رہی۔

☆==========☆==========☆

ترزئین کے سلسلے میں مجھے لکھنؤ کے بانکوں، نوابوں اور منچلے رئیسوں سے جو مخالفت مول لینی پڑی، اس کی داستان بہت طویل اور بہت دلچسپ ہے۔ مجھ پر آئے دن قاتلانہ حملے ہوتے، مجھے سنہرے اور رنگین جالوں میں پھنسانے کی کوشش کی جاتی بعض اعلیٰ افسران اور معزز عہدے داران بھی میری مخالفت پر اتر آئے تھے، اصل میں اشرفی بیگم اس طرح کی کشمکش پیدا کر کے ترزئین کا بازار گرم کر رہی تھی۔ وہ لوگوں کو بھڑکاتی تھی، یہ سب کچھ اسی کے ایما پر ہو رہا تھا۔ اس جہاں دیدہ عورت کی تیز نظروں نے شاید یہ راز بھی بھانپ لیا تھا کہ میرے اور ترزئین کے مراسم بالا خانے کے آداب سے تجاوز کر گئے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ جب تک میرا اور ترزئین کا میل جول ختم نہیں ہوتا، اس وقت تک ترزئین دوسرے طالبان جلوہ کے سامنے خاطر خواہ دل ربائی سے نہیں آ سکتی۔ پھر ایسا ہوا کہ متعدد بار اس نے شہر کے نوابوں سے ترزئین کی نتھ اتروائی کے لئے منہ مانگے دام بھی وصول کر لیے لیکن میری مداخلت کی وجہ سے ہر بار اسے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ ایسے موقعوں پر انکا اور پریتم لال کی پراسرار شکتی ہر طرح میری معاون ہوتی۔

اشرفی بیگم مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے جب تمام ہتھکنڈے آزما چکی تو اس نے اوچھے ہتھیار استعمال کرنے شروع کر دئیے۔ اس نے لکھنؤ کے کسی پنڈت سے میرے گھر والوں پر جنتر منتر کرائے لیکن اس مرتبہ بھی اسے مایوسی ہوئی۔ آخر اس نے تنگ آ کر ترزئین پر سختیاں شروع کر دیں۔ مجھے خبر ملی تو بڑا غصہ آیا اور میں سختیوں کے سدباب کا انتظام کرنے کے لئے پر تولنے لگا لیکن انکا پھر درمیان میں بول پڑی۔ "جمیل! تم نے پھر وہی جلد بازی کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے؟ ترزئین کو اگر تم نے اشرفی بیگم کے بالا خانے سے نکال لیا تو اسے رکھو گے کہاں؟ مالا رانی کو کیسے سمجھاؤ گے، یہ بھی سوچا ہے تم نے؟ ایسے عالم میں ترزئین کا اغوا تمہارے حق میں ہرگز مناسب نہیں ہوگا۔"

"انکا! میں نے ترزئین سے کچھ وعدہ کیے ہیں۔ انہیں پورا کرنا میرا فرض ہے۔"

"صبر سے کام لو۔ تمہارے ساتھ انکا ہے۔ پریشان نہ ہو۔" انکا کے پیہم اصرار پر میں نے کوئی

جارحانہ اقدام کرنے سے گریز کیا۔ وہ مجھے ترزئین کے بارے میں ایک ایک پل کی خبروں سے آگاہ کرتی رہی۔ کچھ دن سکون سے گزر گئے لیکن پھر انکا نے مجھے ایک ایسی خبر سنائی جس نے میرے صبر کا پیمانہ چھلکا دیا۔ "جمیل، آج تمہیں میرے ساتھ ترزئین کے پاس چلنا ہوگا۔"

"خیریت تو ہے انکا!" انکا کی الجھن دیکھ کر میں نے پوچھا۔

"میں آج ایک بری خبر لائی ہوں جمیل!" انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔ "اشرفی بیگم نے ترزئین کے سلسلے میں حکومت کے ایک اعلیٰ افسر یاور مرزا سے سودا کر لیا ہے۔ یاور مرزا ابھی ایک ہفتے قبل دلی سے تبادلے کے بعد یہاں آیا ہے۔ وہ بڑا رشوت خور، عیاش اور کمینہ خصلت شخص ہے۔ اشرفی بیگم نے اسے شیشے میں اتار لیا ہے۔ آج ترزئین کو یاور مرزا کے بنگلے پر پہنچا دیا جائے گا۔"

یہاں میں مصلحت کی بنا پر اس بڑے افسر کا اصل نام اور اس کا صحیح عہدہ نہیں بتا رہا ہوں بہرحال یہ خبر سن کر دن کس طرح گزرا، کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ جیسے جیسے رات کے سائے گہرے ہوتے گئے، میرے خون کی گردش تیز ہوتی رہی، انکا سر پر نہیں تھی، اسے میں نے ترزئین کے بالا خانے پر بھیجا تھا تاکہ اس کی رخصتی اور دیگر حالات کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ رات کے ساڑھے گیارہ کا عمل تھا کہ انکا پریشان پریشان واپس آئی۔ میں فوراً مالا رانی کو سوتا چھوڑ کر آہستہ سے اٹھا اور انکا کے ساتھ ترزئین کے بالا خانے کی سمت چل دیا۔ راستے میں انکا نے مجھے بتایا کہ اشرفی بیگم نے ترزئین کو بے ہوش کر دیا ہے کیونکہ اسے توقع نہیں تھی کہ ترزئین اپنے بدن کا سودا کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ ٹھیک بارہ بجے یاور مرزا کی کار ترزئین کو لینے آئے گی۔ اس کام کیلئے اس نے کچھ بااثر لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا ہے اور مسلح غنڈے تعینات کر رکھے ہیں تاکہ راستے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو سکے۔ یہ احتیاط اشرفی بیگم کی درخواست پر کی گئی ہے۔"

میں آنے والے سنگین حالات کے بارے میں سوچتا رہا۔ ترزئین کے بالا خانے والی سڑک سے کچھ فاصلے پر میں نے تانگا چھوڑا اور پیدل آگے چل دیا۔ انکا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جب میں اپنی منزل پر پہنچا تو انکا نے حسب دستور مجھے جذبات پر قابو رکھنے، جلد بازی نہ کرنے اور برداشت سے کام لینے کی تلقین کی۔ میں نے اس سے ان باتوں پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا حالانکہ یہ سب کچھ حالات پر منحصر تھا۔ ترزئین کی عزت پر حرف آتا تو میں اس شہر کو تباہ کر دیتا۔ یہ بات شاید انکا جانتی تھی۔ اسی لیے بار بار مجھ سے پُرسکون رہنے کی درخواستیں اور منتیں کر رہی تھی۔

بالا خانے تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ انکا نے بالا خانے کے دربان کو حسب معمول اپنی پراسرار قوت بروئے کار لا کر میرے سلسلے میں غافل کر دیا تھا۔ میں اوپر پہنچا تو بیرونی کمرے میں اشرفی بیگم کسی گرانڈیل شخص کے ساتھ دل بستگی کی باتوں میں مصروف تھی۔ میں نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ یہ یاور مرزا کا بھیجا ہوا کوئی آدمی ہے۔ ان دونوں نے مجھے دیکھا تو چونک اٹھے، خاص طور

پر اشرفی بیگم کی نظریں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے غالباً اس وقت میری آمد کی توقع نہیں تھی، وہ چند ثانیے حیرت زدہ کھڑی رہی پھر اس نے آنکھوں کے اشاروں سے کمرے میں موجود شخص سے میرے بارے میں کچھ کہا اس کے بعد براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر سرد آواز میں بولی۔ ''خاں صاحب، آپ اور اس وقت؟ خیریت تو ہے؟''

''میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں تزئین سے ملنے آیا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اتنی رات گئے بھلا کون سا ضروری کام یاد آ گیا آپ کو؟'' اشرفی بیگم کے لہجے میں حیرت تھی۔

''کیا تزئین جاگ رہی ہے؟'' میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

''نہیں ......'' اشرفی بیگم کی تیوری پر بل آ گئے۔ ''اس کی طبیعت ناساز ہے، اسے اس وقت نہیں جگایا جا سکتا۔''

''کیا میری خاطر بھی نہیں؟''

''دیکھئے خاں صاحب! بالا خانے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔'' اشرفی بیگم ہاتھ نچا کر قدرے برہمی سے بولی۔ ''کہہ جو دیا کہ بچی کی طبیعت خراب ہے۔''

قریب تھا کہ میں اس کے رخسار پر ایک طمانچہ رسید کر دیتا مگر انکا نے بروقت مجھے ٹوکا۔ ''جمیل! میں یہاں کچھ پراسرار حالات کی بو سونگھ رہی ہوں۔ تمہیں ہر حال میں تزئین کے کمرے تک پہنچنا چاہیے لیکن غصے پر قابو رکھو تو بہتر ہے۔''

''یہ شخص کون ہے؟'' میں نے دل ہی دل میں انکا سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جو مجھے تیکھی نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

''یہ یاور مرزا کا کرائے کا پٹھو ہے۔ اس کا نام ناظم علی ہے، یہ بھی کچھ کم دل جلا نہیں ہے۔ یاور مرزا نے اسے اشرفی بیگم کی درخواست پر یہاں تعینات کیا ہے۔ مزاج کا ظالم اور دل کا سخت ہے۔ خاصا بدنام آدمی ہے۔''

''تم نے ابھی پراسرار حالات کے بارے میں کچھ کہا تھا؟''

''ہاں۔'' انکا نے معنی خیز نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے حیرت ہے جمیل کہ میری نظریں تزئین کے کمرے تک نہیں پہنچ رہی ہیں۔ راستے میں دھند ہے، کہر کی دبیز چادر۔''

انکا کی بات میرے لیے تشویش ناک تھی، اس کے چہرے کی الجھن اس بات کی غمازی کر رہی تھی، وہ کسی غیر متوقع اور سنگین معاملے کے متعلق غور کر رہی ہے۔ میں انکا سے اس کی وجہ دریافت کرنا ہی چاہتا تھا کہ اشرفی بیگم نے کہا۔ ''اپنا وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں خاں صاحب، تزئین اس وقت کسی سے نہیں مل سکتی۔''

''میں ایک نظر اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اشرفی بیگم ہتھے سے اکھڑ گئی۔ ''ان خیالوں میں نہ رہئے خاں صاحب، بہت ہو چکا۔ اب میں یہ حرکتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ تزئین آپ کی جاگیر نہیں ہے کہ جب جی چاہا منہ اٹھائے چلے آئے۔''

اشرفی اپنی اوقات سے بڑھ کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ اس وقت ناظم علی کے بل بوتے پر اچھل رہی تھی، پہلے اس نے کبھی مجھ سے اتنی تلخ گفتگو نہیں کی تھی۔ میں ابھی اپنے اگلے اقدام کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ناظم علی بڑی رعونت سے بولا۔ ''کیا تم ہی جمیل احمد خاں ہو؟''

''تم درمیان میں مت بولو۔'' میں نے ڈپٹ کر کہا۔ ''گفتگو میری اور اشرفی بیگم کی ہو رہی ہے۔''

''اچھا!'' ناظم علی کے تیور یکلخت بدل گئے۔ ''کیا مجھے اپنا تعارف کرانا پڑے گا؟''

''اوقات میں رہو ناظم علی!'' میں نے کرخت آواز میں جواب دیا۔ ''تم کون ہو اور اس وقت یہاں کن فرائض کی بجا آوری پر مامور ہو، یہ بات میرے علم میں ہے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو مجھ سے الجھنے کی حماقت نہ کرو۔ اگر میں نے بھی تم سے اپنا تعارف کرا دیا تو لکھنؤ کا آسمان تم پر بھاری ہو جائے گا۔''

ناظم علی ایسے جملوں کا عادی نہیں تھا، وہ جیب سے ریوالور نکال کر گرجا۔ ''کمینے، تیرا وقت آ گیا ہے۔''

بات زیادہ بڑھتی دیکھ کر انکا تیزی کے ساتھ میرے سر سے رینگ گئی، دوسرے ہی لمحے میں نے ناظم علی کی پلکیں تیزی سے کھلتی اور بند ہوتی دیکھیں جیسے اس پر غشی کی کیفیت طاری ہو رہی ہو۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دو تین بار آگے پیچھے جھولے کھائے پھر تیورا کر صوفے پر الٹ گیا۔ اشرفی بیگم نے حالات بدلتے دیکھے تو اس کا سارا کس بل نکل گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ اٹھی، وہ سرتاپا کانپنے لگی جیسے لرزہ دے کر بخار چڑھ آیا ہو، اسی لمحے انکا دوبارہ میرے سر پر آئی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''جمیل! وقت ضائع نہ کرو، فوراً تزئین کی خواب گاہ کی طرف بڑھو۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

میں اشرفی بیگم کو خوں خوار نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا، اس نے میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ کرتی بھی کیسے؟ انکا کی پراسرار قوت کے ایک ادنیٰ کرشمے نے اس کی عقل گنگ کر دی تھی، حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

میں لپک کر تزئین کی خواب گاہ میں داخل ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے ٹھٹک کر رک گیا۔ تزئین کا بستر خالی تھا۔ بستر کی شکنیں بتا رہی تھیں کہ وہ یقیناً کچھ دیر پہلے وہاں موجود تھی، پھر ...... کیا میں نے اس تک پہنچنے میں دیر کی تھی؟ کیا یاور مرزا کے آدمی اسے لے گئے؟ کیا انکا نے مجھے غلط معلومات فراہم کی تھیں؟ میرا ذہن قلابازیاں کھانے لگا۔ میں نے دیوانگی کی حالت میں مکان کا ایک ایک کونا چھان مارا لیکن

تزئین کا کہیں پتا نہ تھا۔

میں نے غصیلی نظروں سے انکا کی طرف دیکھا، اس کے چہرے پر بھی گہری الجھن اور پریشانی مسلط تھی۔ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

اس قدیم و جدید طرز کے مکان کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں میں نے تزئین کی تلاش نہ کی ہو۔ میں نے پلنگ الٹ دیئے، صندوق کھول دیئے، الماریاں کھنگال ڈالیں۔ مچان اور چھوٹے سے تہہ خانے کا کونا کونا دیکھ مارا۔ تزئین کو غائب پا کر جمیل احمد خاں کے اندر کا وحشی انسان جاگ اٹھا تھا۔ میں دیوانوں کی طرح مکان کی تلاشی لے کر باہر آیا تو ناظم علی ابھی تک صوفے پر بے سدھ پڑا تھا۔ اشرفی بیگم کی حالت عجیب تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے بیزاری سے منہ پھیرلیا۔ انکا کے چہرے پر بھی گہری الجھن اور پریشانی مسلط تھی۔ وہ کوئی بات نہیں بتا پا رہی تھی۔ یہ غیر متوقع صورت حال دیکھ کر میرا جی چاہا کہ اشرفی بیگم کو نوچ کھسوٹ کر لہولہان کردوں۔ میں نے اس کے قریب جا کر سرد لہجے میں دریافت کیا۔ ''دیکھو، مجھے تزئین کے بارے میں صحیح صحیح بتا دو۔''

''کیا مطلب؟'' اشرفی بیگم کی آنکھوں میں خوف تھا مگر وہ تیوری پر بل ڈال کر گھومی۔ مگر جب اس نے میرے چہرے پر وحشت اور الجھن کے تاثرات دیکھے تو کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کر بیٹھی۔ گردن جھٹک کر بڑے نخرے سے بولی۔ ''خان صاحب، کسی فریب میں مبتلا نہ رہیے گا۔ تزئین اسی ماحول کی پروردہ ہے، وہ اس ماحول سے غداری نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گی اور یہی ہوا۔ اس نے آپ کو مایوس کر دیا نا؟ اب کان کھول کر سنیئے کہ وہی ہو کر رہے گا جو میں چاہوں گی، جو میں سوچوں گی۔ تزئین میری زندگی کا سہارا ہے۔ آپ اتنی آسانی کے ساتھ اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتے۔''

''تم غلط سمجھ رہی ہو! اشرفی بیگم، میں......''

''بس کیجئے خان صاحب!'' اشرفی بیگم نے چمک کر کہا۔ ''اس بالا خانے پر وفا کی آس مت لگائیے۔ آپ نے لڑکی کو بہت تگنی کا ناچ نچا لیا۔ میں خاموش دیکھتی رہی لیکن اب اس نے آپ کو جواب دے دیا ہے۔ اس لیے میں آپ سے کوئی دعا سلام رکھنا نہیں چاہتی۔ اپنے یہ شعبدے کسی اور کام کے لئے اٹھا رکھیے۔ بالا خانے پر بیٹھنے والے بڑے دل گردے کے لوگ ہوتے ہیں۔ سنیئے آئندہ اس دہلیز پر قدم نہ رکھیے گا۔ اس طرف بھٹکیے گا بھی نہیں۔''

''ہوش کی بات کرو اشرفی بیگم! اپنی زبان قابو میں رکھو۔ میں ایسی باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''یہ محض تمہارا وہم ہے کہ تزئین نے مجھے مایوس کر دیا ہے۔ اگر وہ موجود ہوتی تو اسی وقت تم اس پر اپنی تربیت کا اثر دیکھ لیتیں۔ وہ یقیناً اس گندے ماحول کو خیر باد کہہ کر میرے ساتھ چلی

جاتی۔ خیر اس سے قبل کہ میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں، تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ مجھے تزئین کے متعلق بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟''

''کیا!'' اشرفی بیگم نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''کیا تزئین کمرے میں نہیں ہے؟''

''مکار عورت! میرے ساتھ عیاری؟'' میں نے تلملا کر اتنے زور کا طمانچہ مارا کہ اشرفی بیگم کراہ کر فرش پر بچھے ہوئے دبیز قالین پر الٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ اسے اس جارحانہ رویے کی بالکل توقع نہیں تھی۔ اس کے منہ سے خون کی ایک باریک لکیر بہہ نکلی۔ میں نے گرج کر پوچھا۔ ''اشرفی بیگم! تیرا واسطہ مجھ سے پڑا ہے، جمیل احمد خاں سے۔ تجھے بتانا پڑے گا کہ تزئین کہاں ہے؟''

انکا ابھی تک خاموش تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ میں اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اشرفی بیگم کے جواب کا منتظر تھا۔ ''میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا اشرفی بیگم، جلدی بتا تزئین کہاں ہے؟''

''خان صاحب! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ خدا کی قسم آپ جس وقت آئے تھے اس وقت تزئین اپنی خواب گاہ میں تھی۔'' اشرفی بیگم نے ہانپتے ہوئے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔

''یقین کیجئے، میں آپ سے جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ ہائے میری بچی، اسے کون لے گیا؟'' اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر رونا اور بین کرنا شروع کر دیا۔

''اچھا؟ طوائفیں بھی اپنی اولاد سے محبت کرتی ہیں۔ ٹسوے نہ بہاؤ، مکاری کے آنسو پونچھ لو۔ میں نے ایک دنیا دیکھی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تو نے وقت سے پہلے اسے یاور مرزا کے حوالے کر دیا ہو؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

یاور مرزا کا نام سن کر اشرفی بیگم کا رنگ فق ہو گیا۔ کچھ جھجک کر بولی۔ ''میں آپ سے انکار نہیں کروں گی۔ مجھ بدنصیب نے یاور مرزا سے بات طے کر لی تھی لیکن تزئین کہاں گئی؟ خدا کی قسم! اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں خاں صاحب!''

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ اس عورت کو موت کے گھاٹ اتار دوں یا اس مکان کو آگ لگا دوں۔ اشرفی بیگم جیسی جہاندیدہ اور مکار عورت کی بات پر اعتبار کرنے کو دل آمادہ نہیں تھا۔ میری سخت کلامی اور اس کی فریاد، میری ضربیں اور اس کی سسکیاں اور چیخیں سن کر خوب صورت نوجوان رقاصائیں غزالہ، شمیم، گلبدن اور ناہید وغیرہ بھی اسی کمرے...... میں بھاگی ہوئی آ گئیں۔ رفتہ رفتہ خادمائیں اور ملازمین بھی وہیں جمع ہو گئے۔ وہ سب حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں افراتفری مچ گئی۔ انہوں نے آتے ہی اشرفی بیگم کی زبوں حالی دیکھی۔ اس کے چہرے پر خون دیکھا۔ ناظم علی کو صوفے پر بے سدھ پڑا پایا اور میری دہاڑ سن کر تو لڑکیاں سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئیں۔ طبلچی اور

سازندے آگے بڑھ آئے۔ میں نے ان سب سے تزئین کے بارے میں پوچھا۔ انہیں ڈرایا دھمکایا۔ شمیم اور گلبدن جو نہایت حسین تھیں انہوں نے سسکیوں سے رونا شروع کر دیا۔ غزالہ ان سب میں تیز طرار تھی۔ اس نے قینچی کی طرح زبان چلانی شروع کر دی تو میں خطرناک ارادے سے اس کی طرف بڑھا تاکہ اس فتنے کی زبان گدی سے کھینچ لوں۔ انکا نے جلدی سے مجھے مخاطب کیا۔ ''یہاں وقت ضائع نہ کرو جمیل۔ ان میں سے کوئی بھی تزئین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اصل بات ہی کچھ اور ہے۔''

''کیا بات ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتی۔'' انکا نے مایوسی سے جواب دیا۔

میں نے انکا کو غصے کی نظروں سے دیکھا۔ غزالہ کی طرف بڑھتے ہوئے میر قدم رک گئے۔ مجھے اب یقین آ گیا کہ یہ سارا طائفہ تزئین کی اچانک گمشدگی سے خود حیرت زدہ ہے اور اصل حالات سے بے خبر ہے۔ جب انکا اس راز سے واقف نہیں ہے تو پھر انہیں کیا علم ہوگا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ تزئین کے سلسلے میں مجھے کون بتائے؟ اسے کون لے گیا؟ یا اگر وہ خود چلی گئی ہے تو کہاں گئی ہے۔ انکا نے یہاں داخل ہونے کے بعد مجھ سے کہا تھا کہ میں تزئین کے کمرے میں فوراً پہنچوں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ انکا نے تشویشناک انداز میں یہ بھی کہا تھا کہ اس کی نظریں تزئین کے کمرے تک نہیں پہنچ رہی ہیں۔ دھند اور کہر کی دبیز چادر نے اس کی غیر معمولی قوت بینائی معدوم کر دی تھی۔ انکا نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ یہاں کچھ پراسرار حالات کی بو سونگھ رہی ہے۔ وہ عجیب و غریب حالات کیا تھے؟ وہ کون سی قوت تھی جس نے انکا کے پراسرار وجود کو بھی تزئین کے سلسلے میں کچھ سوچنے اور جاننے سے روک دیا تھا؟

میرے دل و دماغ میں ہیجان برپا تھا۔ اسی لمحے مجھے اس طرح پریتم لال کا خیال آیا جیسے اندھیرے میں امید کی کرن چمکی ہو۔ میں نے پریتم لال کو دل کی گہرائیوں سے یاد کر کے تزئین کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی خواہش کی لیکن میری اس شدید خواہش پر بھی کوئی ردِعمل ظاہر نہیں ہوا۔ میرا اضطراب دوچند ہو گیا۔ انکا افسردہ لہجے میں بولی۔

''جمیل، مجھے حیرت ہے کہ آج میں خود کو بے بس محسوس کر رہی ہوں۔ یقین کرو ابھی تک میں تزئین کے بارے میں اس حقیقت سے لاعلم ہوں کہ وہ اچانک کہاں غائب ہو گئی؟ مگر ایک بات ضرور ہے، تزئین کسی خطرے کا شکار نہیں ہوئی، وہ پوری طرح محفوظ ہے۔''

''خوب، تم بھی اب مجھے بہلانے لگیں۔'' میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا جو میرے سر پر مضطرب انداز میں بیٹھی آنکھیں پٹ پٹا رہی تھی۔ ''تمہاری وہ پراسرار قوت کہاں گئی جس پر تمہیں بڑا ناز تھا؟ سن لو انکا، تم میرے دل کے خال سے واقف ہو۔ جب تک میں تزئین کو اپنی آنکھوں سے دوبارہ نہیں دیکھ لوں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔ اب مجھے کسی پر اعتبار نہیں رہا۔''

''کیا مجھ پر بھی نہیں جمیل!'' انکا نے تعجب سے دریافت کیا۔ ''ابھی چار دن تزئین کی ملاقات کو ہوئے ہیں، اس مختصر مدت میں تم اتنے سنجیدہ ہو گئے کہ اپنوں اور غیروں کی تمیز سے بے بہرہ ہو گئے۔''

اسے میرے جواب سے دکھ پہنچا تھا لیکن میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ یہ انکا سے تلخی پیدا کرنے کا موقع نہیں تھا۔ میرے سامنے اشرفی بیگم دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ غزالہ اور گلبدن اسے سنبھالے ہوئے تھیں۔ ان سب کی نظروں میں میرے لیے خشونت تھی۔ میں نے حقارت سے اشرفی بیگم کو مخاطب کیا۔

''سنو اشرفی بیگم، مگر مچھ کے آنسو بند کرو۔ تمہیں اگر تزئین سے ہمدردی ہوتی تو تم اس طرح اس کا سودا نہ کرتیں۔ اصل میں تمہیں تزئین کا غم نہیں ہے بلکہ اس رقم کا افسوس ہے جو تمہیں اس کے جسم کے عوض ملنے والی تھی۔ فی الحال میں یہاں سے جا رہا ہوں مگر اتنا یاد رکھنا کہ اگر تم نے غلط بیانی سے کام لیا تو تمہارا حشر بڑا خراب ہوگا۔ میرے بارے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ اور ان تتلیوں کو بھی تاکید کر دینا ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ ان کا بھی کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ ان کی کوئی ادا، ان کا کوئی نخرا جمیل احمد خاں کے ارادوں میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، خیال رکھنا۔''

''ارے جاؤ جاؤ، تم جیسے بہت سے دیکھے ہیں سکتر خان۔'' غزالہ نے پھر زبان چلائی۔ اشرفی بیگم نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تم بہت بولتی ہو، تم برا کر رہی ہو۔ میں تم سے ضرور نمٹوں گا۔'' میں نے مشتعل ہو کر کہا۔

''میں تمہارے منہ پر تھوکتی ہوں۔ لکھنؤ میں تم جیسے وحشی نہ جانے کیسے آ جاتے ہیں۔'' غزالہ نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

اشرفی بیگم نے پھر اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ گستاخ لڑکی زبان درازی سے باز نہیں آئی۔ میں نے غصے میں ایک گلدان سے وہ قیمتی فانوس توڑ دیا جو کمرے کے وسط میں لگا ہوا تھا۔ چاروں طرف شیشے بکھر گئے۔ آگے بڑھ کر میں نے غزالہ کی چوٹی پکڑ لی۔ وہ چیخنے چلانے لگی۔ دوسری لڑکیوں نے مجھ سے منت کی کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ انکا نے بھی مجھے منع کیا کہ غزالہ سے کسی اور موقع پر نمٹ لیا جائے گا۔ غزالہ میری اس جسارت پر سہم سی گئی اور اشرفی بیگم میرے پیروں میں گر گئی۔ میں قہر آلود نظروں سے ان سب کو گھورتا ہوا بالا خانے سے اتر آیا۔

اس وقت میں عجیب کرب میں مبتلا تھا۔ اس وسیع و عریض شہر میں تزئین کو کہاں تلاش کروں؟ انکا اور پریتم لال کی بے پناہ پراسرار قوتیں بھی تزئین کے سلسلے میں میرے کسی کام نہیں آئی تھیں۔ میں خود کو بہت مجبور اور ناتواں محسوس کر رہا تھا۔ انکا میرے سر کی پشت پر ہاتھ باندھے خیالی انداز میں ٹہل رہی تھی۔ اس روز بہت دنوں بعد میں نے انکا کے چہرے پر مایوسی اور بے چارگی کے سائے منڈلاتے دیکھے۔ وہ بھی

سوچ رہی تھی، میں بھی فکروں میں گم تھا۔ خالی الذہن سا ہو کر فٹ پاتھ پر بے مقصد اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ اچانک ایک نئے خیال نے بڑی تیزی سے سر ابھارا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یاور مرزا نے اشرفی بیگم کے ساتھ دہری چال چلی ہو۔ ممکن ہے اس نے اشرفی بیگم کو ناظم علی کے ساتھ الجھا کر اپنے دوسرے گرگوں کے ذریعے تزئین کو غائب کرا دیا ہو۔ اس نئے خیال نے مجھے اور بے چین کر دیا لیکن یہ خیال زیادہ دیر تک میرے ذہن پر حاوی نہ رہ سکا کیونکہ میں جانتا تھا کہ یاور مرزا اتنی مافوق الفطرت قوتوں کا مالک نہیں ہو سکتا کہ انکا اور پریتم لال اس راز تک نہ پہنچ پائیں۔ پھر تزئین کہاں ہے؟ طرح طرح کے قیاس ذہن میں گھر کرنے لگے۔ عجیب عجیب خیالات نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ کیا تزئین کے سلسلے میں میرے نیک عزائم دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ آج کی رات نہ جانے اس پر کیسی گزر رہی ہوگی، کون ظالم ہیں جو اسے اٹھا لے گئے ہیں۔ نہ جانے اس وقت وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہوں گے۔ خیال کی کوئی ایک رو نہیں تھی۔ ذہن بھٹک رہا تھا کہ انکا چونکی۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے مجھے مخاطب کیا۔ ”جمیل، اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے جو چیز تمہیں عزیز ہے وہ مجھے بھی پیاری ہے۔ اب میں کچھ دیر کے لیے تم سے رخصت ہوتی ہوں اور اس کا پتا چلانے کی کوشش کرتی ہوں۔“

”جاؤ جہنم میں جاؤ۔“ میں نے الجھ کر جواب دیا۔

انکا کے چہرے پر درشتی آ گئی۔ ”مجھ سے ناراض ہو گئے کیا؟ تم اتنی جلدی کیسے بدل جاتے ہو۔ کیا سب کچھ بھول گئے؟ کیا انکا کو بھول گئے جمیل!“

”احسانات پھر کسی وقت گنوانا۔“ میں نے جذباتی ہو کر جواب دیا۔ ”اس وقت تمہیں معلوم ہے مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔“

انکا نے پھر مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ حسرت کی ایک نظر مجھ پر ڈالتی ہوئی مضمحل انداز میں میرے سر سے رینگ گئی۔ بے بسی کے احساس کی شدت نے میرے اعصاب منجمد کر دیئے۔ مجھے نہ گھر کی فکر تھی نہ مالا رانی کی، نہ یہ معلوم تھا کہ اشرفی بیگم کے اس واقعے سے کیسے کیسے ہنگامے سر اٹھائیں گے۔ میں تو تزئین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میرا دل بے قابو تھا۔ اوسان خطا تھے۔ ذہن پراگندہ تھا۔ صرف ایک سوال ذہن میں بار بار گونجتا تھا کہ تزئین جس کے لئے میں نے بڑے خوب صورت خواب دیکھے تھے۔ میں اسے کھو بیٹھا ہوں۔ میں اپنے آپ سے الجھتا ہوا سڑکوں پر نہ جانے کہاں سے کہاں چلا جا رہا تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے عالم تصور میں اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو میرا دل بجھ سا گیا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ ناکام لوٹی ہے۔ انکا کی ناکامی پر نہ جانے کیوں قہقہے لگانے کو جی چاہا۔ میں نے زہر خند سے کہا۔ ”چہرہ کیوں ستا ہوا ہے انکا دیوی! اسے زمین کھا گئی یا آسمان لے اڑا؟“

”ہاں میں ناکام واپس آئی ہوں۔“ انکا نے الجھے الجھے انداز اور مدہم آواز میں کہا۔ ”میں نواب بن

علی، یاور مرزا اور اشرفی بیگم تینوں کے سر پر گئی مگر کسی کو تزئین کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔“

”تو تمہاری قوتیں بھی بیکار ہو گئیں۔ انکا بہت دنوں سے تم نے انسانی خون نہیں پیا ہے۔ ممکن ہے پیاس کی شدت نے تمہارے حواس معطل کر رکھے ہوں، شاید تمہیں اپنی غذا کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم میرا خون پی لو اور میرا قصہ تمام کرو۔“

”جمیل!“ انکا میرے طنز پر بپھر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی طاقتوں کا رقص شروع ہو گیا۔ اس کی آنکھیں دہکتے انگاروں کے مانند سرخ ہو گئیں مگر غیظ و غضب کی یہ کیفیت زیدہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ اگر آج بھی وہ زمانہ ہوتا تو وہ اپنے نکیلے پنجے میرے سر پر اتنے زور سے گاڑتی کہ میں ہوش و حواس گم کر بیٹھتا لیکن یہ زمانہ اور تھا۔ اب انکا کو میں نے اپنی ریاضت سے حاصل کیا تھا چنانچہ جلد ہی وہ موم کی طرح پگھل گئی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں نے تمہیں ایک بار بتایا تھا کہ میں کیا کیا کر سکتی ہوں۔ میرے امکان میں کیا کیا ہے۔ تم میری طاقت سے بخوبی واقف ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ تزئین کے معاملے میں کسی نے یقیناً برتر و اعلیٰ ماورائی قوت سے مدد لی ہے۔ میری جان حوصلہ نہ ہارو، یہ دنیا جو تمہیں نظر آ رہی ہے، اس کے باہر بھی ایک دنیا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی۔ اس دنیا میں مختلف قوتیں موجود ہیں۔ وہ قوتیں ایک دوسرے کے معاملات میں حتی الامکان دخل انداز نہیں ہوتیں لیکن اس دنیا کا کوئی فرد ان سے کوئی مدد چاہتا ہے اور یہ چاہنے والے پر منحصر ہے کہ وہ کس درجے کا آدمی ہے، تو ان دیکھی قوتیں ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس طاقت کے سراغ میں ہوں جس نے اس معاملے میں میری نگاہوں تک یہ پردہ ڈال دیا ہے۔ ویسے اگر تم میری طاقت آزمانا چاہو تو ابھی آزما سکتے ہو۔ تم اشارہ کرو، میں لکھنؤ کے بڑے سے بڑے آدمی اور حسین سے حسین لڑکی کو تمہارے قدموں پر لا کے ڈال دوں گی۔“ پھر انکا مایوس لہجے میں کہنے لگی۔ ”بے جا طنز کے نشتروں سے میرا دل چھلنی نہ کیا کرو جمیل۔ تم میری محبت کو جانتے ہو پھر بھی ایسی باتیں کرتے ہو؟ یہ تمہیں بار بار کیا ہو جاتا ہے؟“

”انکا۔ تمہارے یہ تمام عذر، اظہار محبت، مجھے بے وقت کی راگنی معلوم ہو رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ خاموش رہو یا کام کی بات کرو۔“

انکا ایک سرد آہ بھر کر چپ ہو گئی۔ میں نے بھی اس سے مزید الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ تھکن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ گھر پہنچا تو چچا جان نے دروازہ کھولا۔ مالا سوئی ہوئی تھی۔ میں کسی آہٹ کے بغیر خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ سونے کی کوشش کی لیکن نیند آنکھوں سے دور تھی۔ کسی کروٹ چین نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ تزئین بری طرح یاد آ رہی تھی۔ اس کا وہ معصوم چہرہ۔ اس کی ذہین آنکھیں، اس کی خوب صورت باتیں، اس کی محبتیں اس کی لگاوٹیں، انکا بھی جاگ رہی تھی۔ میری دل آزار باتوں

نے اسے کچھ اور رنجیدہ کر دیا تھا۔ رات کے آخری پہر جب محلے کے تمام مرغوں نے بانگ دینی شروع کی تو میری آنکھ لگ گئی اور پھر اس وقت کھلی جب انکا بڑی شدت سے میرے سر میں اپنے نکیلے پنجے چبھو رہی تھی۔ میں ہڑبڑا کر جھلاتا ہوا اٹھا۔ صبح کے آٹھ کا عمل ہوگا، مالا باورچی خانے میں میری بہنوں کے ساتھ ناشتے کی تیاری میں مصروف تھی۔ میں نے انکا سے سر میں پنجے چبھونے کی وجہ ذرا درشتی کے ساتھ دریافت کی۔ انکا نے تشویش سے جواب دیا۔ "جمیل۔ اشرفی بیگم نے تمہاری رات والی دھمکی اور تنبیہہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے راتوں رات یاور مرزا کو حالات سے باخبر کر دیا ہے۔ وہ تمہارے جانے کے بعد ساری رات سرگرم عمل رہی ہے اور اس نے اس معاملے میں یہاں کے بااثر افراد سے پوری طرح رابطہ قائم کر لیا ہے۔ سادہ لباس والے بس لمحوں میں یہاں پہنچ رہے ہوں گے۔"

"تو کیا وہ فاحشہ باز نہیں آئی۔ رات اس کو معاف کر دینے کا نتیجہ دیکھ لیا تم نے۔" میں نے طیش میں کہا۔ "بڑی حماقت ہوگئی مجھ سے مگر یہ سادہ لباس والے میرے گھر کیوں آ رہے ہیں۔"

"وہ تمہاری مزاج پرسی کے لئے آ رہے ہیں۔ آخر پولیس سے تمہارا پرانا یارانہ ہے میرے معصوم آقا! اشرفی بیگم نے یاور مرزا کے سامنے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ تزئین کو تمہی نے غائب کرا کے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ یاور مرزا نے تمہاری فوری گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے ہیں۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔ چچا جان تو اس خبر سے بوکھلا جائیں گے۔ اچھی خاصی نیک نامی پر بٹا لگ جائے گا۔ تم بتاؤ، تم نے کیا سوچا ہے۔"

"اس وقت تو تمہارا ان کے ساتھ جانا ہی مناسب رہے گا۔"

انکا کی اس اطلاع نے مجھے وحشت میں مبتلا کر دیا۔ میرے لیے اگر پولیس کی پوری فورس بھی تعینات ہوتی تو مجھے کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ میں تنہا ان پر بھاری پڑ سکتا تھا لیکن چچا جان کے مکان میں مالا رانی اور بہنوں کے سامنے کوئی ہنگامہ کرنا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں تھا۔ اس میں چچا جان کے گھر کی بدنامی کے علاوہ محلے میں میری نیک نامی بھی داغدار ہونے کا خدشہ تھا۔ اس سے میں بہرحال گریز کرنا چاہتا تھا۔ یہ لکھنؤ تھا جہاں میں اپنی عجیب و غریب زندگی سے تھک کر کچھ دن سکون سے گزارنے آیا تھا مگر یہاں بھی مجھے سکون نصیب نہیں ہوا۔ گردشوں کا سلسلہ کہیں نہ رکا۔

"کس سوچ میں گم ہو؟ مجھے کوئی حکم دو۔" انکا نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں اس محلے میں خون خرابا پسند نہیں کروں گا۔" میں نے بے دلی سے کہا۔ "اشرفی بیگم نے اپنے اور یاور مرزا کے حق میں کانٹے بوئے ہیں۔ اب یہ معاملہ اور طول پکڑے گا اور اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوگا۔ میں ان دونوں کو کہیں کا نہ رکھوں گا مگر انکا کیا تم سادہ لباس والوں کو روک نہیں سکتیں؟"

"اگر روک بھی لوں تو آج نہ سہی، وہ کل آئیں گے۔ پرسوں آئیں گے پھر زیادہ تعداد میں آئیں

گے اور اگر تم یہاں سے فرار بھی ہو گئے تو وہ تمہارے چچا جان کو تنگ کریں گے اور تمہاری تلاش میں دور دور تک جائیں گے۔ اس سے تو معاملہ مشکوک ہو جائے گا جمیل صاحب۔"

میں کچھ دیر سوچتا اور خود کو تیار کرتا رہا۔ انکا بولی۔ "دیر مت کرو جمیل، وہ بس آنے ہی والے ہیں، مجھے حکم دو۔"

انکا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی اور میں کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے ذہن پر زور دے رہا تھا، اتنے میں چچا جان بوکھلائے بوکھلائے کمرے میں داخل ہوئے۔ دبی ہوئی آواز اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ "جمیل میاں، دروازے پر چند لوگ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے پولیس کے لوگ ہیں، سادہ لباس میں آئے ہیں، تمہیں پوچھ رہے تھے۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے روکا ہے ورنہ وہ تو اندر گھس آتے۔ آخر قصہ کیا ہے؟ خدانخواستہ کہیں تم نے......"

"آپ نے ان لوگوں کو میرے بارے میں کیا بتایا ہے؟" میں نے چچا جان کا جملہ کاٹتے ہوئے بڑے اعتماد سے پوچھا۔

"میں انہیں بتا چکا ہوں کہ تم گھر میں موجود ہو لیکن کیا، کیا میں نے غلطی کی؟" چچا جان نے سہم کر پوچھا۔ وہ اس افتاد پر بری طرح خوف زدہ نظر آ رہے تھے۔ میں نے فوراً ایک فیصلہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ چچا جان کی تشفی کے لئے میں ان سے یہ بہانہ کیا کہ ایک بڑا پولیس افسر مجھ سے ایک کام لینا چاہتا تھا مگر میرے انکار پر برہم ہو گیا۔ انتقامی کارروائی پر اتر آیا ہے۔ میں نے احتیاطاً چچا جان سے یہ بھی کہہ دیا کہ ممکن ہے میری واپسی میں کچھ وقت لگ جائے اس لیے آپ پریشان نہ ہوں اور مالا اور دوسرے گھر والوں سے کچھ نہ کہیں ورنہ وہ مفت میں پریشان ہوں گے۔ چچا جان نے گھبرائے ہوئے انداز میں ہامی بھر لی۔ وہ کچھ اور بھی دریافت کرنا چاہتے تھے لیکن میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مالا کو سمجھانے میں دیر لگتی اس لیے میں اس سے ملے بغیر جس لباس میں تھا، اسی میں باہر چلا آیا۔

باہر سادہ لباس والے موجود تھے۔ میں نے بمشکل غصے پر قابو پایا اور تلخ کلامی کی نوبت سے بچنے کے لئے میں نے ازخود اپنا تعارف کرا دیا۔ میں نے ان سے کوئی بات نہیں پوچھی۔ بس خاموشی سے ان کے ساتھ ہو لیا۔ ان لوگوں کو بھی میرے رویے پر حیرت ہوئی لیکن ابھی ہم دوسری گلی کے نکڑ پر پہنچے ہی تھے کہ پارٹی کے بڑے افسر نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔ "جمیل احمد، کیا تزئین نامی لڑکی کو تم نے کہیں اور رکھا ہے یا وہ اسی مکان میں ہے جہاں سے تم برآمد ہوئے تھے؟"

میں نے اسے غور سے دیکھا۔ "میں کسی تزئین کو نہیں جانتا۔" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

افسر نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا اور بھویں سکیڑ کر سرد لہجے میں کہنے لگا۔ "جمیل احمد خان بہتر ہے کھل جاؤ ورنہ تم نے پولیس کے دوسرے طریقوں کے بارے میں ضرور کچھ سنا

ہوگا۔شاید تمہیں حالات کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔"

"غلط فہمی کا میرے پاس کیا علاج ہے۔" میں نے بے پروائی سے شانے اچکا کر کہا۔ "تم لوگ تو حکم کے غلام ہو، دوسرے طریقے بھی آزما دیکھو، شاید کچھ مایوسیوں کے بعد تمہاری تسلی ہو جائے۔"

"عقل سے کام لو خاں صاحب!" ڈپٹی نے سختی سے کہا۔ "پولیس والوں سے شاید تمہاری کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔منٹوں میں بنی بنائی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

میرے خون میں ابال آیا۔میں ڈپٹی کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ کس شخص سے دشمنی مول لے رہے ہیں لیکن اس سے پہلے کہ میں کوئی جارحانہ قدم اٹھاتا، انکا نے مجھے ٹوکا۔ "جمیل اس وقت جلد بازی سے کام نہ لینا۔تم ابھی نہ کسی طرح ڈپٹی کو یہاں سے لے کر چلے جاؤ۔مجھے ایک گھنٹے کی مہلت درکار ہوگی، میں آ کر سب ٹھیک کر لوں گی۔"

میں نے انکا کی بات مان لی۔خود پر قابو پا کر سپاٹ لہجے میں ڈپٹی سے کہا۔ "میں تمہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دوں گا لیکن تمہارے دفتر پہنچنے کے بعد۔"

"تزئین کے بارے میں تمہارا کیا جواب ہے؟" ڈپٹی نے اپنی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔

"وہ یہاں نہیں ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر؟"

"اس کا جواب میں تمہارے دفتر چل کر دوں گا۔" میں نے بہت برداشت کرتے ہوئے جواب دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ میری بات آسانی سے مان لے گا۔مگر بادل ناخواستہ وہ آمادہ ہو گیا۔وہ اپنے کچھ دوسرے ماتحتوں کو چچا کے مکان کی نگرانی پر تعینات کر کے میرے ساتھ ہو لیا۔دفتر تک ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

اب میں اپنے آئندہ اقدام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ڈپٹی بار بار کن انکھیوں سے مجھے گھور رہا تھا جیسے وہ میرے چہرے پر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔بہرحال میری بے نیازی اور بے پروائی سے وہ کچھ متاثر ضرور نظر آتا تھا۔دفتر پہنچ کر ڈپٹی نے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ "خان صاحب۔بات ابھی ہمارے بس میں ہے۔اگر تم تزئین کو ہمارے حوالے کر دو تو معاملہ آگے نہیں بڑھے گا اور ہم بھی زحمت سے بچ جائیں گے۔"

میں نے کرسی پر بیٹھ کر پہلو بدلا اور نہایت اطمینان سے پوچھا۔

"تزئین کی گمشدگی کی اطلاع تم تک کس طرح پہنچی؟ میں اس محترم شخص کا نام جاننا ضرور چاہوں گا جس نے مجھ پر شبہ ظاہر کیا ہے۔"

"کیا تم یہی معلومات حاصل کرنے یہاں آئے ہو؟" ڈپٹی کے تیور بدلنے لگے۔ انکا اس وقت

میرے سر پر موجود نہیں تھی۔مجھے اس کی واپسی تک ڈپٹی کو الجھائے رکھنا تھا۔مجھے خود اس بات کا علم نہیں تھا کہ انکا کسی ارادے سے اور کہاں گئی ہے۔میں نے کچھ تامل کے بعد کہا۔ "یقین کرو تزئین کے بارے میں مجھے خود تشویش ہے کہ وہ اچانک کہاں غائب ہو گئی۔"

"تشویش کے بچے......" ڈپٹی غرا کر بولا۔ "کیا تم سیدھی طرح نہیں مانو گے؟"

"مجھے تمہارا یہ اندازِ گفتگو کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔لکھنو کی شائستگی اور شیرینی کی تو شہر شہر دھوم ہے۔یہاں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"میرا اندازہ غلط تھا۔تم تو خاصے مشاق مجرم ہو۔" ڈپٹی نے طنزاً کہا۔

"تمہارے اور اندازے بھی غلط ثابت ہوں گے۔مشکل یہ ہے کہ لوگ میرے بارے میں ہمیشہ غلط اندازے لگاتے ہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"شاید تم نے میرا نام نہیں سنا؟ میں خاصا مشہور آدمی ہوں۔"

"اور شاید میرے بارے میں رپورٹ کرنے والے نے بھی تفصیل سے میرا تعارف نہیں کرایا۔" میں نے ڈپٹی کو حقارت سے جواب دیا۔

"جس جگہ تم بیٹھے ہو یہ تھانہ ہے اور میں ڈی ایس پی ہوں۔یہاں بکواس کرنے والوں کی چمڑی ادھیڑ دی جاتی ہے۔اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیے جاتے ہیں۔تم ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے ہو جو میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں؟" ڈپٹی نے زچ ہو کر ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔وہ لوگ آستینیں اوپر چڑھا رہے تھے۔

"میں بھی آخر بار...... جواب دے رہا ہوں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

میرے اس اطمینان اور پُرسکون لہجے سے ڈپٹی کشمکش میں پڑ گیا۔ایک بار پھر اس نے پیار محبت کے انداز میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں یہ راز چھپا کر بڑی سنگین غلطی کر رہا ہوں اور اپنی موت کو دعوت دے رہا ہوں۔میں مسکرا کر اس کی باتیں سنتا رہا۔اس رویے کی وجہ سے وہ چڑ گیا اور اس نے چار مشٹنڈوں کو اشارہ کیا۔

وہ ڈپٹی سے زیادہ برافروختہ نظر آ رہے تھے۔میرے نہ چاہنے کے باوجود گفتگو ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گئی جہاں مفر کا کوئی راستہ نہیں تھا۔انکا ابھی تک غائب تھی۔ایسے چھوٹے سے معاملے میں پریتم لال کی شکتی سے کام لینا اچھا نہیں لگتا تھا۔رات تزئین کے معاملے میں پریتم لال کی شکتی نے بھی مجھے مایوس کیا تھا چنانچہ میں نے اسے پکارنا مناسب نہ سمجھا۔مجھے یقین تھا کہ انکا آئے گی لیکن اس کے آنے میں دیر ہو گئی اور جو میں نہیں چاہتا تھا وہ ہوا۔ڈپٹی کے چاروں سپاہی میرے پاس آ گئے اور ان میں سے ایک نے میرے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ابھی میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ دوسرے شخص نے

میرے دوسرے گال پر بھرپور ضرب لگائی۔ مجھے طیش تو بہت آیا لیکن میں کسی آنے والے وقت کا خیال کر کے مسکراتا رہا۔ میری مسکراہٹ پر وہ اور مشتعل ہو گئے۔ پھر شدید قسم کے چار پانچ تھپڑ میرے گال پر پڑے اور میرا چہرہ خون کی حدت اور غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ ڈپٹی نے انہیں اشارے سے روک دیا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''کیا خیال ہے خان صاحب؟ یہ مطلع اور حسن مطلع تھا۔''

''مگر مقطع تک پہنچتے پہنچتے سخن گسترانہ بات آپڑے گی۔'' مجھے حیرت ہے کہ میں نے اپنے آپ کو کیسے قابو میں رکھا اور کس طرح مسکرا مسکرا کر جواب دیتا رہا۔

''تو گویا تم نہیں مانو گے؟'' ڈپٹی نے میری مسکراہٹ پر جل کے زہرخند سے کہا اور پھر ایک شخص کو اشارہ کیا۔ ''ذرا وہ گھوڑوں والا چابک تو خاں صاحب کو دکھاؤ، شاید کچھ عقل آجائے۔''

''کیوں اپنے برے دن بلا رہے ہو ڈپٹی!'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''اب تمہارا ریٹائرمنٹ کا وقت قریب ہے، کچھ تو اپنے بڑھاپے کا خیال کرو۔'' یہ کہہ کر میں اچانک کھڑا ہو گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ڈپٹی کو اس گستاخی کی کوئی سزا دوں یا فی الحال سزا ملتوی رکھوں۔ یکا یک دو تین آدمیوں نے مجھے قابو میں کر لیا۔ جو شخص چابک لینے گیا تھا وہ ہاتھ میں ایک ہنٹر لہراتا ہوا واپس آیا مگر اسے دل کی حسرت نکالنے کا موقع نہیں ملا۔ باہر اچانک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ ڈپٹی نے ایک شخص کو باہر بھیجا کہ وہ اس افراتفری کا سبب دریافت کرے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چونک کر اٹینشن پوزیشن میں آگیا۔ کمرے میں موجود دوسرے مسٹنڈوں کا بھی یہی حال ہوا۔ میں نے گھوم کر دروازے کی جانب دیکھا۔ سوٹ بوٹ میں ملبوس ایک خوب صورت اور ادھیڑ عمر شخص ڈپٹی کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''مسٹر مراد! تم اس شخص کو یہاں کس مقصد سے لائے ہو؟'' آنے والے نے میری جانب اشارہ کر کے ڈپٹی سے پوچھا۔

''حضور! ابھی تو ہمارا مقصد پورا نہیں ہوا۔ یہ بڑا ڈھیٹ اور ماہر مجرم معلوم ہوتا ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں جناب کہ شام تک لڑکی برآمد کر لی جائے گی۔'' ڈپٹی نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''ایڈیٹ!'' نووارد گرج کر بولا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ اشرفی بیگم کو گرفتار کرو۔ اس فاحشہ عورت نے اپنی لڑکی روپوش کر کے اس شریف آدمی کو پھنسوانے کی کوشش کی ہے۔''

''جی حضور!'' ڈپٹی نے چونکتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور حیرت نمایاں تھی۔ اس نے بولنا چاہا ''مگر......''

''آنکھیں کھول کر کام کرنا سیکھو مسٹر مراد!'' نووارد نے اسے کچھ بولنے نہیں دیا۔ ''مجھے تمہاری بہت شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔''

''معافی چاہتا ہوں حضور، یہ میری کوتاہی ہے۔ حکم سننے میں غلطی ہو گئی۔'' ڈپٹی کی آواز میں لرزش

تھی۔

''مجھ سے نہیں، جمیل احمد خان صاحب سے معافی مانگو اور میرے احکام کی تکمیل فوری طور پر کرو۔ میں اشرفی بیگم کو ایک گھنٹے کے اندر اندر حوالات میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یس سر۔ ایسا ہی ہوگا۔''

پھر نووارد نے جیب سے کوئی کاغذ نکال کر ڈپٹی کی جانب اچھال کر کہا۔ ''یہ ہے وارنٹ، سنبھالو۔''

اس کے بعد وہ شخص جس تیزی اور طنطنے سے آیا تھا، اسی تیزی اور شان سے واپس چلا گیا۔ ڈپٹی حیرت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ دیکھنے کے قابل تھی۔ نووارد کے جاتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو باہر جانے کا حکم دے دیا پھر میرے قریب آکر بڑی لجاجت سے بولا۔ ''جمیل صاحب، میری عقل گم ہو گئی ہے۔ بہرحال میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا اس کے لئے میں بے حد شرمندہ ہوں۔''

''مسٹر مراد! تم میرے گالوں پر انگلیوں کے یہ نشانات دیکھ رہے ہو؟ انہیں مقطع نہ سمجھنا، یہ نشانات مجھے اس تھانے کے افراد کی ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے۔ جو باتیں میں بھول جاتا ہوں انہی سے لوگ امان میں رہتے ہیں۔''

ڈپٹی کے انداز میں ندامت تھی۔ صورت حال لمحوں میں بدل گئی تھی۔ ''میں معذرت خواہ ہوں جناب، مجھے امید ہے آپ وسیع القلبی کا ثبوت دیں گے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ کے اور یاور مرزا صاحب کے درمیان اتنے گہرے تعلقات ہیں اور آپ ان پر اس حد تک اثر ڈال سکتے ہیں کہ وہ بنفس نفیس یہاں تشریف لائیں۔ یقین کیجئے میرے کان دھوکا کھا گئے۔ میں فرض کی ادائیگی میں مصروف تھا۔'' ڈپٹی نے رحم طلب لہجے میں کہا۔

''یاور مرزا نے تمہیں کیا احکام دیئے تھے؟'' میں نے یاور مرزا کا نام سن کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا، بس جناب غلطی میری ہے، اب اسے جانے دیجئے۔'' ڈپٹی بہت سراسیمہ اور متفکر نظر آرہا تھا۔

''مجھے اجازت ہے؟'' میں نے طنزاً پوچھا۔

''ارے رے خان صاحب! اب اس قدر شرمندہ نہ کیجئے۔ آپ بصد شوق تشریف لے جاسکتے ہیں۔'' ڈپٹی نے عجز سے کہا۔

''مگر جانے سے پہلے میں ان چار مسٹنڈوں کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں جنہوں نے تمہارے اشارے پر گستاخی کی تھی۔''

''جناب، وہ حکم کے غلام ہیں، انہیں بھی معاف کر دیجئے۔''

’’نہیں، انہیں اندر بلاؤ۔‘‘ میں نے حکیمہ لہجے میں کہا۔

ڈپٹی نے مجبوراً گھنٹی بجائی اور ان چاروں کو بلایا۔ وہ چاروں جب ایک ساتھ برابر برابر کھڑے ہو گئے تو میں نے زہریلی نگاہوں سے انہیں گھورا اور جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ ڈپٹی کو ریشہ خطمی دیکھ کر انہوں نے مجرموں کی طرح گردن جھکا لی۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کا نام پوچھا جیسے میں ان کا کوئی افسر ہوں۔ انہوں نے نیاز مندانہ اپنا اپنا نام بتایا۔ پھر میں یہ دلچسپ اور لذت انگیز کام انجام دے کر فوراً وہاں سے چلا آیا۔ ڈپٹی مجھے چھوڑنے باہر تک آیا۔ اس نے اپنے ماتحت کو میرے ہمراہ گھر تک روانہ کیا تا کہ وہ چچا جان کے گھر پر نگرانی کرنے والے آدمیوں کو ہٹا دے۔

☆==========☆==========☆

انکا نے بڑی ذہانت اور خوب صورتی سے حالات قابو میں کر کے ایک ہی وقت میں میری ساری مشکلیں حل کر دی تھیں۔ چچا جان سے باہر گلی ہی میں ملاقات ہو گئی۔ وہ میرے انتظار میں بہت بے تاب تھے۔ انہیں مطمئن کرنے کے لئے ایک بار پھر میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ ڈپٹی کے ماتحت نے جاتے وقت ادب سے سلام کیا تو چچا جان پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ اس روز میں دن بھر گھر میں رہا۔ یہ سب کچھ تو ہو گیا تھا مگر تزئین کہاں تھی۔ یہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ رخسانہ اور مالا دن بھر میری پریشانی کا سبب پوچھتی رہیں اور میں ٹالتا رہا۔ رخسانہ تو کسی طور مان گئی لیکن مالا کا اصرار بڑھتا گیا۔ میں اسے کچھ بتا کر پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بہانے جوڑتا، عذر تراشتا اور پہلو بچاتا رہا۔ انکا کے مشورے کے بغیر تزئین کے سلسلے میں کوئی اقدام اٹھانے سے میں نے جبراً وقہراً احتراز کیا اور یہ کرب ناک دن گزار دیا۔ مجھے کسی پہلو چین نہیں تھا۔ چہرے سے لاکھ چھپاتا تھا۔ لیکن دل کا حال چھپتا نہیں تھا۔ مالا کچھ سمجھی، کچھ نہیں سمجھی۔ میں اسے گدگداتا اور بہلاتا رہا اور وہ میری آغوش میں روٹھتی منتی رہی۔

دوسری صبح ایک اخبار نے تزئین کی گمشدگی، اشرفی بیگم کی گرفتاری اور یاور مرزا کی طرف سے جاری کیے جانے والے وارنٹ کی تفصیل شائع کر دی۔ تزئین کی گمشدگی کی خبر نے لکھنؤ کے منچلے نوابین میں کھلبلی مچا دی۔ نہ جانے کون کون اس درِ نایاب کو سینے سے لگانے کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ میرے اضطراب کا جو حال تھا وہ میں کیا بیان کروں۔ اخبار کے مطالعے نے میری حالت دگرگوں کر دی۔ مالا کل سے مجھے پریشان کر رہی تھی اور میرے چہرے کی ویرانی دیکھ دیکھ کر کڑھ رہی تھی۔ اس نے مجھے سوچوں میں غرق پایا تو میرے قریب آ کر بولی۔ ’’کیا آپ مجھے بھی نہیں بتائیں گے؟‘‘

’’کل سے یوں ہی طبیعت پر ذرا گرانی ہے، کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تم فکر مت کرو۔‘‘ میں یہ جملہ کئی بار کہہ چکا تھا۔

’’نہیں۔ آپ ضرور مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں۔‘‘ مالا روہانسی ہو گئی۔

’’نہیں میری رانی ایسی کوئی بات نہیں ہے‘‘ میں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

’’آپ میری قسم کھائیے۔‘‘

یہ مجھ سے ممکن نہیں تھا کہ مالا کے سامنے، اس کی جھوٹی قسم کھاؤں۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ مجھے قسم وغیرہ پر اعتبار تھا یا نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ مالا مجھے بہت عزیز تھی۔ کچھ سوچ کر میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔ ’’تمہاری موجودگی میں بھی میں پریشان رہ سکتا ہوں بھلا، پگلی!‘‘

’’آپ مجھے بہلا رہے ہیں۔ جب تک آپ کچھ بتائیں گے نہیں، میرا من شانت نہیں ہوگا۔‘‘ مالا نے روٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے ہر چند مالا کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن اس کا اصرار بڑھتا گیا۔ مالا مجھ سے انکا کے بارے میں پوچھنے لگی کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اس کی توجہ منعطف کرنا چاہی لیکن میری صبح کی غیر حاضری اور میرے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھ کر وہ خاصی مشکوک ہو گئی تھی۔ میری ٹال مٹول پر وہ دل گرفتہ لہجے میں کہنے لگی کہ اس نے رات ایک بھیانک خواب دیکھا ہے۔ خواب کی تفصیل سن کر میں دنگ رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے واقعات مالا رانی کے سامنے ہوئے ہوں۔ تزئین سے میری ہمدردی، اشرفی بیگم سے چپقلش، تھانے میں معرکہ آرائی اور میری پریشانیوں کا سارا احوال اس نے من و عن سنا دیا۔ یہ خواب اتنی تفصیل اور جزئیات کے ساتھ اس نے سنایا کہ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا منہ تکنے لگا۔ یہ سب اس کی پریشان خیالی یقیناً نہیں تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ پریتم لال کی آتما یا اس کے دوست جگدیو نے مالا کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب کچھ چھپانا بیکار تھا۔ پریتم لال کی غیر معمولی قوت مالا پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ میں نے تزئین کے سلسلے میں شروع سے آخر تک کے کوائف اسے سنا دیے۔ میں تزئین کو غلاظت کے گڑھے سے نکال کر ایک عمدہ اور پاکباز زندگی کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مالا کو اس نیک کام میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ تزئین کی گمشدگی کا پتا چلانے میں پریتم لال کی شکتی نے بھی میری مدد نہیں کی تو اس کی آنکھوں میں سرخی آ گئی۔ میں نے سوچا کہ اگر مالا پریتم لال سے کچھ طلب کرنے کی آرزو کرے تو پریتم لال کی آتما اسے مایوس نہیں کرے گی اس لیے میں نے مالا سے اصرار کیا۔ ’’تم اپنے طور پر پریتم لال کو یاد کرو شاید مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے جس کی بنا پر میں تمہارے بابا کی توجہ سے محروم ہوں لیکن تمہاری بات پریتم لال کی شکتی کسی طرح نہیں ٹال سکتی۔‘‘ مالا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح پریتم لال سے مدد لے سکتی ہے۔ میں نے کہا ’’صرف خواہش کرو، صرف آرزو کرو کہ تمہارے شوہر کی مراد بر آئے۔‘‘

وہ بڑے پیار اور گداز سے کہنے لگی۔ ’’میری تو ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ آپ ہر دکھ سے بچے رہیں۔ آپ پر کوئی آنچ نہ آئے۔‘‘

ہم دونوں گفتگو کر رہے تھے۔ مالا مجھ سے اپنی شدید محبت کے اظہار میں پیش پیش تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ چچا جان گھر میں موجود نہیں تھے۔ اس سے قبل کہ رخسانہ یا کوئی اور شخص دروازے پر جاتا، میں خود ہی مالا کو اپنی آغوش سے علیحدہ کر کے دروازے کی طرف لپکا۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو حیرت سے اچھل پڑے۔ میرے سامنے وہی لمبی داڑھی والا سادھو جگد یو موجود تھا جس نے کلکتے سے میرے فرار اور چچا جان کی بازیابی میں پراسرار طور پر میری مدد کی تھی۔ اسے دیکھ کر میرا سانس رک گیا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ جگد یو ایک بڑا گیانی دھیانی سادھو ہے۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے جگد یو سادھو کو دیکھنے لگا۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ جگد یو مجھے خوف زدہ دیکھ کر کہنے لگا۔ ”کیا دیکھ رہا ہے مورکھ؟ کیا تجھے کم دکھائی دیتا ہے؟ ہاں تیرے نین بھٹکتے ہیں؟“

”مہاراج! تم؟“ میں وفورِ مسرت سے بولا۔ ”پدھاریئے۔“

”زیادہ بات نہ کر۔“ جگد یو رکھائی سے بولا۔ ”دیکھ رے میرے متر پریتم لال کی بیٹی کا دل مت دکھانا۔“

”مہاراج! میں...... میں تو اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔“ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا کیونکہ جگد یو آج کچھ ناراض معلوم ہوتا تھا۔

”باتیں مت بنا۔“ جگد یو ڈپٹ کر بولا۔ ”اپنے گھر کی فکر کر۔ ناری کا چکر برا ہوتا ہے۔ تو گھن چکر بن گیا ہے پرنتو اتنا یاد رکھنا کہ مالا کو تجھے پریتم لال نے دان کیا تھا۔“

”مالا میری جان ہے مہاراج!“ میں نے جلدی سے کہا۔ ”کیا مہاراج اندر نہیں پدھاریں گے؟ کیا مالا سے نہیں ملیں گے؟“

مگر جگد یو سادھو نے میری بات پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ اسے اپنے دروازے پر دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ بہت کچھ کہنے کو جی چاہتا تھا لیکن میں کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ نرگس کا قاتل بدری نرائن کالی کے مندر میں پناہ گزین ہو کر کسی جاپ میں مگن تھا۔ میں اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ تزئین کے متعلق جاننے کا خواہش مند تھا جو انکا کی دسترس سے بھی دور ہو گئی تھی۔ میں جگد یو سے بہت سے سوال کرنے اور دستِ طلب بڑھانے کے لئے مضطرب تھا لیکن ہمت نہیں پڑ رہی تھی اس لیے میں خاموش رہا۔ سادھو نے کہا۔ ”تجھے ویشیا کی پتری ستا رہی ہے؟“

”ہاں مہاراج۔“ میں بے اختیار ہو گیا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔ ”تزئین سے میرا پیار گنگا جل کی طرح پوتر ہے مہاراج۔ میرے من میں کوئی پاپ نہیں ہے۔“

”مجھے اپنے من کا حال بتاتا ہے پاگل؟“ سادھو جگد یو نے نفرت سے کہا۔ ”تو جس چھوکری کے

لئے بیاکل ہے اسے ایک مہان شکتی نے اس نگر سے ہٹا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا جیون نشٹ ہو جاتا۔ وہ برباد ہو جاتی اور پھر تو بھی خون کے دریا میں نہانے سے باز نہ آتا۔“

”اب وہ کہاں ہے مہاراج؟ اس کی سہائتا کس نے کی تھی؟“ میں نے بے قراری سے پوچھا۔

”جلدی نہ کر۔ شانت رہ، سمے کا انتظار کر۔“ سادھو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”جس مہان شکتی نے لڑکی کی سہائتا کی ہے اس کا گیان دھیان اپرم پار ہے۔ تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکتا۔“

جگد یو۔ سادھو کی زبانی تزئین کی خیریت سن کر مجھے قدرے سکون آ گیا لیکن میں تو اس سے کچھ اور بھی معولم کرنا چاہتا تھا بڑی مشکل اور انتظار کے بعد اس نے درشن دیے تھے۔ میں یہ موقع بھی ہاتھ سے کھو بیٹھتا تو پھر نہ جانے کب اس سے ملاقات ہوتی مگر جگد یو سادھو میرے مزید استفسار سے قبل ہی ایک پل میں میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں اندر پہنچا تو مالا بے تابانہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے جاتے ہی اسے وارفتگی سے گلے لگا لیا اور جگد یو سادھو سے ملاقات کا پورا قصہ اسے سنا دیا۔

کوئی دو دن بعد ذرا سکون محسوس ہوا تھا جیسے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ جیسے شدید حبس کے بعد لطیف ہوائیں چلنے لگی ہوں۔

تقریباً چار دن تک لکھنؤ کے ان نوابوں کے ہاں ہلچل مچی رہی جو تزئین کی نتھ اتارنے کے نیلام میں بڑھ چڑھ کر بولی لگانے کے لئے کمر بستہ تھے۔ یوں تو لکھنؤ کے بازارِ حسن میں ایک سے ایک حسین لڑکی موجود تھی۔ نوابین کی دلبستگی کے لئے سارے ہندوستان سے پری چہرہ دوشیزائیں لکھنؤ لائی جاتی تھیں لیکن تزئین جیسی لڑکیاں بازارِ نشاط میں شاذ و نادر ہی آتی ہیں اور جب آتی ہیں تو قیامت مچا دیتی ہیں۔ میں جگد یو سادھو کی آمد اور اس کی یقین دہانی کے بعد پوری طرح مطمئن ہو گیا تھا لیکن بااثر، باذوق اور زندہ دل نوابین نے انتظامیہ کو ایک پل چین نہیں لینے دیا۔ پولیس نے کئی مرتبہ بازارِ حسن پر چھاپے مارے، جہاں جہاں ممکن تھا۔ انہوں نے تلاشی لی۔ جیسے جیسے دن گزر رہے تھے، تزئین کی پراسرار گمشدگی کا سراغ ملنا دشوار ہو رہا تھا۔ معاملہ پیچیدہ اور نازک ہوتا جا رہا تھا۔ اب اس کیس میں اغوا کے بجائے قتل کے شبہے نے جڑ پکڑ لی تھی، قیاس آرائیوں کا ایک سلسلہ تھا جو ختم نہیں ہو رہا تھا۔ انکا چار روز سے غائب تھی۔ دوسری طرف اشرفی بیگم یہ سن کر ششدر رہ گئی کہ یاور مرزا نے اس کی گرفتاری کے پروانے پر دستخط کیے ہیں اور خود اپنے زبان سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مراد کو اس کی گرفتاری کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔ کوچہ حسن کی اس زمانہ ساز عورت نے پولیس کو بیان دیتے وقت کمال ہوشیاری سے تزئین کے غائب ہونے کا ذمے دار یاور مرزا کو ٹھہرایا۔ اس نے اپنے بیان میں ایک ایسی من گھڑت کہانی سنائی کہ عالی جناب یاور مرزا بھی چکرا گئے۔ بات جب تحقیق و تفتیش تک پہنچی تو یاور مرزا کی اور بہت سی بدعنوانیوں سے پردہ اٹھا اور عجیب عجیب شرم ناک انکشافات ہوئے اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کوئی قدم

اٹھاتا یا صفائی پیش کرتا، اسے اوپر سے آنے والے ایک ہنگامی حکم کے تحت فوری طور پر معطل کر دیا گیا۔ تزئین کے اغوا کے سلسلے میں اس سے باز پرس ہوئی۔ یاور مرزا کو اپنا ہوش کہاں تھا، اس کے دل و دماغ پر تو کسی اور کا قبضہ تھا۔ اس کے فرشتوں کو بھی حقیقت حال کا علم نہیں تھا۔ اگرچہ وہ اس معاملے میں بے قصور تھا مگر اشرفی بیگم کے پرانے شناساؤں اور نمک خواروں نے یاور مرزا کے خلاف ایسی ایسی شہادتیں پیش کیں کہ وہ گلے گلے تک پھنس گیا۔ لکھنؤ میں بعض نوابین کے غنڈوں اور پالتو مسٹنڈوں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ انہوں نے یاور مرزا کے خلاف محاذ بنا لیا۔ ہر شخص ایک دوسرے پر الزام دھر رہا تھا۔ یہ مسئلہ سب کے لیے خاصا تشویشناک ہو گیا تھا کہ اس پری وش کو آخر کون صاحب نظر اٹھا لے گیا ہے۔ میرے لیے اب اس واقعے نے بڑی دلچسپ صورت اختیار کر لی تھی۔ میں قیاس آرائیوں کی سن گن لینے کے لئے گھر سے باہر نکلتا اور لطف اٹھا کر گھر چلا آتا، عموماً میرا زیادہ وقت گھر پر ہی گزرتا اس عرصے میں محلے کے کئی مصیبت زدہ لوگ مجھ سے اپنے دکھوں کا مداوا چاہنے آئے مگر میرے پاس انکا نہیں تھی۔ میں نے کسی نہ کسی طرح انہیں ایک ہفتے بعد آنے کی تلقین کر کے جان چھڑائی۔ غرض ایک عجب تماشا ہو رہا تھا۔ روزانہ نئی نئی چونکا دینے والی خبریں سننے کو ملتی تھیں۔ یاور مرزا تو معطل ہو ہی چکا تھا۔ کچھ اور افسران لکھنؤ سے تبادلہ کر کے دور دراز شہروں میں بھیج دیے گئے تھے۔ انہی میں ناظم علی بھی شامل تھا۔

پانچویں روز انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ یاور مرزا کی معطلی کے بعد انکا کا کام بڑی حد تک ختم ہو چکا تھا۔ چار پانچ روز کی جدائی نے مجھے بھی خالی خالی سا کر دیا تھا۔ جب وہ آئی تو اس کے چہرے پر تھکن اور اضمحلال کے آثار تھے۔ آنکھیں خوابیدہ سی تھیں، وہ کچھ ناراض سی تھی، میں نے اسے منانے کے لئے اس کی ذہانت اور بروقت اقدام کی تعریف کی اور اپنے سابقہ رویے پر ندامت کا اظہار کیا۔ انکا خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی کچھ بولی نہیں۔ غرضیکہ میں نے شدت اختیار کی اور اسے اپنی محبت کا ہر طرح یقین دلایا اور کہا کہ مجھ پر اس کی جدائی بڑی شاق گزر رہی تھی، اسے کچھ یقین آیا اور وہ راضی ہوئی، سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ''جمیل، تم بہت دکھ پہنچاتے ہو، جانتے ہو میں مسلسل پانچ روز اس بد دماغ یاور مرزا کے سر پر رہی ہوں اور اس دوران میں ایک پل سکون نہیں ملا۔ اب میں اس کا ذہن اس قدر مفلوج کر آئی ہوں کہ وہ ہفتے ڈیڑھ ہفتے تک اس معاملے کے بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔''

''تمہاری انہی اداؤں پر تو ہم نثار ہیں؟'' میں نے اسے چھیڑا۔

''مگر دیکھ لینا۔ وہ وقت قریب آ رہا ہے جب یہ ادائیں بھی کام نہیں آئیں گی۔ تمہاری جذباتی پن اور تمہارے اندر بیٹھا ہوا شریر بچہ کسی دن ضرور کوئی بڑا ستم ڈھائے گا۔''

''اس شریر بچے کی ساری شرارتیں تمہارے دم سے ہیں۔ جب تک تم موجود ہو، یہ شریر بچہ اور شرارتیں کرتا رہے گا۔'' میں نے اس کی طرف ناز سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ایک آنی جانی چیز ہوں، ایک چھلاوا ہوں۔''

''مگر تمہارا اور میرا ساتھ عمر بھر کا ہے۔ میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

''بہتر ہے کہ ابھی سے میرے بغیر زندگی گزارنے کی عادت ڈالو۔ کل کا کوئی بھروسا نہیں۔ کسے پتا ہے کل کیا ہو جائے؟'' انکا اداسی سے بولی۔

''انکا اداس باتیں نہ کرو، بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ تمہارے بغیر میں کیا ہوں؟ تمہیں مجھ سے علیحدہ کر دیا جائے تو میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ تم میرے وجود اور میری شخصیت کا ایک حصہ بن گئی ہو۔ تم سے وابستگی برقرار نہ رہے تو جمیل احمد خاں کی اپنی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ تمہارے بغیر یہ صاحب کس کھیت کی مولی ہیں؟''

''تمہیں قسمت بار بار سکھ کے دن گزارنے کا موقع دیتی ہے مگر تمہاری ہنگامہ ساز طبیعت باز ہی نہیں آتی۔''

''اب مجھ سے عام آدمیوں کی طرح زندگی نہیں گزاری جاتی۔''

''تو پھر زندگی بھر یہی ہوتا رہے گا۔ تم زندگی بھر مجھے پریشان کرتے رہو گے اور خود بھی پریشان ہوتے رہو گے۔''

''یہ سب کچھ تمہارے ہی دم سے ہے انکا تم جو میرے وجود کا ایک حصہ ہو۔''

''مجھ پر اتنا تکیہ نہ کرو جمیل۔ تم پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکے ہو۔''

میرے اس شدید جذباتی رویے اور گرم جوش باتوں نے انکا کی ناراضی دور کر دی۔ وہ چہکنے لگی اور اس کے چہرے پر شادابی آ گئی۔ پھر وہ مجھے اپنی کارکردگی کی تفصیل بتاتی رہی۔ اس نے صورت حال کچھ اس طرح قابو میں کی تھی کہ میں کس طرح زد پر نہیں آتا تھا۔ اس کا تھکا ہوا چہرہ دیکھ کر میں نے اسے تاکید کی کہ وہ اب باتیں کرنا بند کرے، ایک عمر پڑی ہے باتیں کرنے کیلئے۔ ''جان! اب تم سکون سے کچھ دیر آرام کر لو۔'' میں نے بڑے پیار سے کہا۔

جلد ہی وہ میرے سر پر خراٹے لینے لگی اور مجھے احساس ہوا کہ وہ کتنی تھکی ہوئی تھی۔ میں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر جیسے انکا کو پیار سے تھپکیاں دیں۔ کاش میری پیاسی اور مرتعش انگلیاں اس کا لمس چکھ سکتیں، میں سینہ چیر کر اسے دل میں بٹھا لیتا۔

چھٹے دن گھر میں پڑے پڑے طبیعت اکتا گئی۔ میں نے مالا نے اجازت لی۔ اس عرصے میں اس نے مجھے تنہا بہت کم گھر سے باہر نکلنے دیا تھا۔ جب انکا آ گئی تو وہ میری طرف سے مطمئن ہو گئی۔ اس شام طبیعت بہت گھبرا رہی تھی۔ جی چاہا کہ ذرا بازار حسن چلنا چاہیے اور اشرفی بیگم کے بالا خانے پر رنگ جمانا چاہیے۔ انکا نے بتایا کہ اشرفی بیگم نواب حسن علی خاں کے ایک ملازم کی ضمانت پر رہا کر دی گئی ہے۔ چنا

Downloaded from Paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



نچہ مجھے اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ عام حالات میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر جانے کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ میرا معاملہ تھا۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر جانے سے پہلے میں تفریح طبع کے لئے یونہی ایک اور طوائف ناز کے ہاں گیا۔ میں نے اس کے بڑے چرچے سنے تھے۔ معلوم ہوا تھا کہ تزئین کی گمشدگی کے بعد اس کا کاروبار چمک گیا ہے۔ میں جب وہاں پہنچا تو شروع شروع میں تو میری آمد پر کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن جب میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ پر سازندوں کی نظر پڑی تو ان کے چہروں کا رنگ بدل گیا۔ انہوں نے اشاروں اشاروں میں رقاصہ ناز کی سب سے قیمتی لڑکی ماہ پارہ کو بتایا کہ ان کے ہاں کون آیا ہے؟ مجھے دیکھ کر مہ پارہ کے گھنگھرو اور کنگن بڑی تیزی سے چھن چھنانے لگے اور اس کے رقص میں گرمی آ گئی۔ مجھے وہ بہت اچھی لگی اور میں نے اس کا نام اپنے دل کی اس ڈائری میں لکھ لیا جس میں میری منتخب لڑکیوں کے نام مندرج تھے۔ ماہ پارہ نے ناز و ادا سے مجھے رجھانے کی کوشش کی۔ میں روپے لٹاتا رہا۔ دوسرے تماش بین متاثر ہوتے رہے۔ کوئی ایک دو غزلیں سننے کے بعد میں نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نازک ادا مہ پارہ نے بجلی کی طرح میری طرف لپک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا آپ ابھی سے جا رہے ہیں؟" اس نے کمال عشوے سے کہا۔ "ابھی تو رات بھیگی بھی نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے ماہ پارہ، مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ جلد ہی پھر آؤں گا۔ تمہارے جمال افروز نظارے تو راحت جاں ہیں۔" میں نے ایک ماہر اور تجربہ کار شکاری کی طرح کہا۔

"ابھی اور ٹھہر جائیے۔" ماہ پارہ نے اس طرح کہا جیسے برسوں سے میری شناسا ہو۔

میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر کھولی۔ جب گڈی کے نوٹ بھر بھرائے تو میں نے وہ اس کے سر پر نچھاور کر دیے۔ وہ شرما گئی اور بہت خوب صورت معلوم ہوئی۔ اسے آغوش میں لینے کو جی تڑپا مگر یہاں یہ بات زیب نہیں دیتی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کے بغیر بھی تشریف لا سکتے ہیں۔" ماہ پارہ نے خالص گھریلو لڑکیوں کے انداز میں کہا۔

"یہ میرے جذبات کا اظہار ہے۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"دوبارہ آنے کا وعدہ کیجئے۔" اس نے اصرار کیا۔

"وعدہ!" میں نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا۔

"میں منتظر رہوں گی۔" وہ اشتیاق سے بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ مہ پارہ کے دلنشین انداز سے طبیعت خوش گوار ہو گئی تھی۔ انکا بھی موڈ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ مجھے مہ پارہ کے متعلق بتانے لگی کہ تمام اونچے درجے کی طوائفوں میں تزئین کی گمشدگی اور اشرفی بیگم کی گرفتاری کی خبر عام ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی تزئین سے

تمہارے گہرے تعلق کا بھی سب کو علم ہے۔ تمہاری دلیری اور شجاعت کے بھی خوب چرچے ہوتے ہیں۔ مہ پارہ اسی وجہ سے تم پر سب سے زیادہ ملتفت ہوئی۔" ویسے ان غیر معمولی واقعات اور زمانے کے سرد و گرم میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد بھی میری ظاہری شخصیت کے شکوہ و جاہت اور وقار میں کوئی خاص فرق نہیں آیا تھا۔ ہاں مجھے اپنے ایک ہاتھ کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ میں سمجھتا تھا، اس ہاتھ کے بدلے میرے پاس انکا، مالا اور پریتم لال کی شکتی موجود ہے۔ میرا خیال تھا یہ سودا مہنگا نہیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ قریب آ گیا۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے ایک کرتہ پوش شخص نے مجھے گھور کر دیکھا لیکن روکنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اشرفی بیگم کے ہاں حسن کی دکان گزشتہ روز سے دوبارہ لگنا شروع ہوئی تھی۔ نہ جانے اس نے تزئین کا صدمہ کس طرح برداشت کیا ہوگا؟ اس نے بالا خانے کی رونق قائم رکھنے اور اپنے نام پر حرف نہ آنے دینے کے لئے کاروبار ساز و آہنگ پھر سے شروع کر دیا تھا۔ اوپر پہنچتے پہنچتے مست و لطیف خوشبوؤں نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اندر غزالہ بڑی دلکش لے میں کوئی غزل گا رہی تھی۔ جب میں پہنچا تو طبلچی کے ہاتھ اچانک ٹھہر گئے۔ ہارمونیم سرد پڑ گیا اور گھنگھرو خاموش ہو گئے۔ اس اچانک سکوت پر سب نے دروازے کی طرف دیکھا، جہاں میں کھڑا تھا۔ گھنگھروؤں کے وقفے دار چھناکے سے مجھے غزالہ کے پاؤں میں لرزش کا احساس ہوا۔

اشرفی بیگم وہاں موجود نہیں تھی۔ میں ایک گاؤ تکیے کا سہارا لے کر اطمینان سے بیٹھ گیا اور اس بات کے انتظار میں رہا کہ رقص شروع ہو۔ یکایک غزالہ کچھ سوچ کر متحرک ہوئی اور اس کے پیر چھنچھنائے اور غزل دوبارہ چھڑ گئی۔ مگر اب اس کی آواز میں وہ بات نہیں تھی جو پہلے تھی۔ وہ نغمگی نہ جانے کہاں رخصت ہو گئی تھی۔ وہ رقص کے دوران کبھی کبھی مجھ پر نفرت کی ایک نظر ڈال لیتی تھی اور میں مسکرا دیتا تھا۔ جب وہ کافی دیر تک میرے قریب نہ پھٹکی تو میں نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکالا اور اپنے ہاتھ میں پکڑے رہا اور یہ سوچا کہ غزالہ کو چار و ناچار اس طرف آنا ہوگا لیکن وہ میری جانب آنے سے جھجکتی رہی۔ میں نوٹ تھامے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے نظریں پھیر لیں، اس کی یہ گستاخی دوسرے لوگوں نے بھی محسوس کی۔ سازندے نے اسے اشارہ کیا اور دور بیٹھی ہوئی گلبدن نے بھی مجبور کیا کہ وہ میرے پاس آئے۔ نتیجتاً وہ میرے پاس آ گئی۔ مگر اس طرح کہ اس کی آنکھیں خون برسا رہی تھیں۔ میرے قریب آ کر اس نے میر کی غزل کا یہ شعر پڑھا۔

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

جیسے ہی وہ اٹھنے لگی، میں نے دوسرا نوٹ نکال لیا۔ وہ بپھر اٹھی۔ میں نے بھی اپنا عمل دہرایا۔ آخر وہ چڑ سی گئی۔ اس کے تیکھے اور نفرت زدہ انداز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ میں دس منٹ میں کوئی ایک ہزار

روپے لٹا چکا تھا اور مزید پیسے لٹانے پر بھی آمادہ تھا لیکن وہ بیزاری سے اٹھ گئی۔ اس نے میرا نوٹ اپنی نازک دودھیا ہتھیلی پر مسل کر میرے منہ پر مار دیا۔ اس کی اس حرکت پر برہم ہو کر میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ ادھر انکا میرے سر سے رینگی اور ادھر غزالہ کی حالت میں فرق آگیا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے اپنے بال نوچنا شروع کر دیے اور دیوانی عورتوں کی طرح اودھم مچانے لگی۔ گلبدن نے اسے پکڑا اور سازندوں کی مدد سے اسے اندر بھجوا دیا۔ کسی نے اندر جا کر اشرفی بیگم کو خبر کر دی تھی کہ میں آیا ہوا ہوں۔

غزالہ کی جگہ شمیم نے سنبھال لی تھی اور غزل سرا تھی۔ میں اس طرح بے نیاز اور پُرسکون بیٹھا ہوا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہیں ہوں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ شمیم ان سب سے زیادہ دلکش تھی۔ اس نے آتے ہی میرے طرف توجہ دی۔ اس کافر ادا دوشیزہ سے میں پہلے ہی متاثر تھا۔ تھوڑی دیر بعد اشرفی بیگم ویران ویران سی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ مجھے دیکھ کر سیدھی میرے پاس آئی اور سرگوشی میں کہنے لگی۔

''خان صاحب! اب آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ یہ محفل تو اجڑ چکی۔''

میں نے افسوس بھرے لہجے میں پوچھا۔ ''تزئین کا کچھ پتا چلا؟''

''خدا ہی بہتر جانتا ہے۔'' اشرفی بیگم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''مگر اس کے اغوا کے مجرم بہت جلد کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے۔ میری رسائی بھی دور دور تک ہے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا۔

''بلاشبہ اس میں کیا شک ہے۔'' میں نے اس کے لہجے کی گرمی محسوس کر کے کہا۔

''اگر تزئین نہیں ملی تو کشت و خون تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ میں ایک طوائف ضرور ہوں لیکن میرے بھی کچھ سماجی حقوق ہیں۔'' اس نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

''اشرفی بیگم تمہیں بھی شہری حقوق حاصل ہیں۔ مگر تم پہلے ہی اپنی غلط سوچوں اور غلط فیصلوں سے کافی زک اٹھا چکی ہو۔ اس بارے ذرا احتیاط سے کام لینا۔'' میں نے طنزاً کہا۔

''احتیاط......'' وہ زہرخند سے بولی۔ ''احتیاط سے آپ کی کیا مراد ہے خان صاحب!''

ہمارے درمیان تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تزئین کے اغوا کا ذمے دار مجھے سمجھتی ہے اور میرے خلاف شدید انتقام کا جذبہ رکھتی ہے۔ اس نے بڑی بڑی باتیں کیں۔ بالواسطہ طور پر دھمکیاں دیں۔ میں بھی اسے چھیڑتا رہا لیکن شمیم پر برابر نظر کیے رہا۔ اس بات سے وہ اور بھی برا فروختہ ہوگئی۔ میرے بے تحاشا روپے لٹانے کو اس نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور اشاروں کنایوں میں مجھے بتا دیا کہ وہ میرا یہاں آنا پسند نہیں کرتی۔ میں نے اسے مزید چھیڑنے کے لئے کہا۔ ''تزئین کے بعد یہاں آنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا مگر شمیم کی یاد کھینچ لائی۔ اس دن کی تلخی مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر کیا کروں، جی نہ مانا۔ ویسے بھی یہ ایک شارع عام ہے، ایک بازار ہے۔ یہاں کے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔''

''مگر اس بازار میں کچھ ایسے لوگ بھی رہتے ہیں، جن کے کچھ محسوسات ہیں، جن کا کوئی معیار ہے، کوئی سطح ہے۔'' اس نے تنک کر کہا۔ ''یہاں گوشت پوست کے انسان رہتے ہیں۔''

''میں مانتا ہوں مگر اشرفی بیگم! اس حقیقت سے تمہیں بھی تو انکار نہ ہوگا کہ یہاں کے باسی عام شہریوں سے کچھ مختلف نہ ہوتے تو جسموں کا یہ تماشا نہ کرتے۔ یہاں احساس ہی کی تو کمی ہے۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے اندر بڑا زہر ہوتا ہے، ہمارے کاٹے کا علاج ممکن نہیں۔ جب ہم بپھر جاتے ہیں تو بھونچال آ جاتا ہے۔''

''اور کمزور لوگ اس بھونچال میں خس و خاشاک کے مانند تہ و بالا ہو جاتے ہیں لیکن وہ لوگ...... فرض کیجئے وہ لوگ جو میری طرح مضبوط اعصاب رکھتے ہیں......'' میں نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''دیکھئے خان صاحب! بات یہ ہے کہ مجھے یہ لگی لپٹی باتیں پسند نہیں ہیں۔ براہ کرم آپ یہاں تشریف لانے کی زحمت نہ کریں۔'' اس بار اشرفی بیگم نے ذرا کھل کر کہا۔

''اشرفی بیگم!'' میں نے ایک لمبا سانس لے کر کہا۔ ''سوچ لو، تم کس سے یہ بات کہہ رہی ہو۔''

''بات نہ بڑھائیے خان صاحب، بس کہہ دیا کہ یہاں نہ آیا کیجئے۔'' وہ غصے میں آگئی۔

میں اطمینان سے بیٹھا رہا۔ شمیم کے بعد گلبدن رقص و سرور کا جادو جگانے لگی۔ شمیم میرے پاس آکر بیٹھ گئی۔ میں نے تمام احتیاط بالا طاق رکھ کر اس کا نرم و مرمریں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ خوف زدہ انداز میں شرمانے لگی۔ جب میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھ سے دن کے وقت کہیں ملے تو وہ دلہنوں کی طرح شرما کر بھاگ گئی اور میں اس سے یہ کہہ کر چلا آیا کہ تزئین کی طرح تم بھی غائب نہ ہو جانا۔ ہماری نظر بڑی کاری ہے۔

''کل آیئے گا؟'' اس نے اچٹتے اچٹتے پوچھا۔ ''ضرور، ضرور۔'' چلتے چلتے میں نے وعدہ کیا۔

☆==========☆==========☆

شمیم نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی تھی کہ میں نہ چاہنے کے باوجود بھی دوسرے دن اشرفی بیگم کے بالا خانے پر پہنچ گیا۔ آج میرا ارادہ تھا کہ میں انکا کے ذریعے شمیم کو لے کر کسی سنسان تفریحی مقام پر چلا جاؤں گا۔ جب میں وہاں پہنچا تو اشرفی بیگم موجود نہیں تھیں۔ میں نے شمیم کو اپنے پاس بلا لیا اور پوچھا۔ ''چلتی ہو؟''

اس نے بڑی جان لیوا مسکراہٹ سے دریافت کیا۔ ''کہاں؟''

''جہاں میں کہوں۔''

''نہیں نہیں۔ مجھے ابھی یہاں گانا ہے، یہ کس طرح ممکن ہے؟''

''گانا تو تم روز گاتی ہو، آج ہم تمہیں ضرور لے جائیں گے۔''

''میں ابھی نہیں جا سکتی۔''

''کیوں؟ کیا ہم برے لگتے ہیں؟''

''نہیں نہیں، ابھی ہم گانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔'' وہ اٹھلائی۔

''اچھا اچھا، میں سمجھا۔'' میں نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں یہ نتھ تو بھول ہی گیا تھا۔''

وہ شرما گئی۔ اس کے گالوں میں گڑھے پڑ گئے۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ جب شمیم کی ہوش ربا ادائیں مجھ سے برداشت نہ ہوئیں اور جذبات مجھ پر غلبہ پانے لگے تو میں نے انکا سے حال دل کہا اور بچوں کی طرح مچلنے لگا۔ انکا کسی طرح تیار نہیں تھی مگر میری ضد سے مجبور ہو گئی۔ جب چراغ بجھے تو میں انکا کو اشارہ کر کے چلا آیا اور بازار کے اختتامی سرے پر کھڑا ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے کے زبردست اضطراب اور سخت انتظار کے بعد مجھے شمیم نظر آئی۔ وہ میری ہی طرف آ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے تانگا لیا اور دریائے گومتی کے ایک سنسان اور پر فضا ساحل پر جا پہنچا۔ یہاں انکا شمیم کے سر سے اتر کر میرے سر پر آ گئی۔ شمیم خود کو اس مقام پر دیکھ کر وحشت زدہ ہونے لگی لیکن میرے اس دلاسے پر کچھ خاموش ہوئی کہ وہ جلد ہی صبح ہونے سے پہلے واپس پہنچا دی جائے گی۔ دریا کے کنارے دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ رات کافی گزر چکی تھی۔ شمیم سراسیمہ تھی اور واپس جانے کے لئے مسلسل اصرار کر رہی تھی، میں اسے سمجھا رہا تھا، بہلا رہا تھا اور محظوظ ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی گھبراہٹ، مزاحمت اور گریز دیکھ کر اسے یقین دلایا کہ میں صرف باتیں کرنا چاہتا ہوں، کچھ اور نہیں چاہتا۔ جب وہ میرے شریفانہ رویے اور حسن سلوک سے مطمئن ہو گئی تو ڈرتے ڈرتے مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ وہ اپنی زندگی کے قصے سناتی رہی۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ اشرفی بیگم کے ہتھے کیسے چڑھی تھی، اعتماد بحال ہو جانے کے بعد اس نے مجھے اشرفی بیگم کے متعلق بہت کچھ بتایا۔ اس کی باتیں اتنی دلچسپ تھیں کہ رات گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔ ہم دونوں ریت پر لیٹ گئے اور میں نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ اس سرد فضا میں اس کی گرم آغوش کی لپک نے مجھے بدمست تو خوب کیا لیکن میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ وہ بھی بہت محتاط تھی۔ میں نے اس قربت اور تخلیے کے باوجود اسے پریشان نہیں کیا۔ اس کی یہ دلنشین صحبت ہی بہت تھی۔ باتیں تھیں کہ ختم ہی نہیں ہونے پاتی تھیں۔ پھر انکا نے مجھے ٹوکا کہ اب اٹھ جانا چاہئے۔ میں بادل ناخواستہ اٹھا۔ رات گئے تانگے والے کی تلاش کرنا مشکل تھا مگر انکا کے ذریعے یہ کام بھی آسان ہو گیا۔ میں بازار حسن کے ایک کونے پر ٹھہر گیا۔ انکا، شمیم کے سر پر چلی گئی اور اسے بالا خانے پر پہنچا دیا۔ اشرفی بیگم جاگ رہی تھی۔ اس نے شمیم کی واپسی پر سخت حیرت کا اظہار کیا۔ وہ بڑی جز بز ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا مگر اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ یہ بات مجھے انکا نے بتائی۔

سورج طلوع ہونے کا وقت قریب تھا۔ مالا نے دروازے کھولا۔ وہ اس قدر ناراض تھی کہ مجھ سے مخاطب تک نہیں ہوئی۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ میں اسے مناتا ہوا بستر پر آ گیا اور جلد ہی سو گیا۔ لیکن چچا جان کی غیر متوقع چیخ پکار سے مجھے علی الصباح جاگنا پڑا۔ چچا جان کمرے کا دروازہ بری طرح پیٹ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ میں لباس درست کر کے باہر آیا تو انہوں نے سسکیوں بھرے لہجے میں کہا۔ ''جمیل، غضب ہو گیا بیٹے، رخسانہ گھر میں نہیں ہے۔''

یہ خبر بم کی طرح مجھ پر گری۔ ایک لمحے کے لئے میں سن ہو گیا۔ میری بہن، میری ناموس، میری عزت کو کون گھر سے لے گیا؟ میں نے اپنے سر پر نظر ڈالی۔ انکا کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ کسی سوچ میں مستغرق تھی۔ میں نے چچا جان کو سنبھالا دیا۔ وہ میرے سینے سے لگ کر ہچکیوں سے رونے لگے۔ مجھ سے یہ آہ و بکا نہ دیکھی گئی، میں نے انہیں مطمئن کرنا چاہا لیکن میں تو خود پریشان تھا۔ چند لمحے سکوت میں گزر گئے۔ پھر انکا نے مجھ سے کہا۔ ''جمیل، تم چچا جان کو سنبھالو، میں ابھی آتی ہوں۔''

میں نے چچا جان کی ڈھارس بندھائی کہ وہ اپنے اوسان نہ کھوئیں، میں نے کہا۔ ''میرے ہوتے ہوئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بہرحال ...... گھر میں اس کا چرچا نہ کریں۔ بچوں کو رخسانہ کی بابت کسی طرح سمجھا بجھا دیں۔ ابھی کچھ دیر میں پتا چل جائے گا کہ وہ کہاں ہے۔''

چچا جان کو مطمئن کرنا آسان کام نہیں تھا، وہ چلے گئے تو میں نے اندر آ کر مالا کو صورت حال سمجھائی اور کپڑے تبدیل کر کے انکا کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ انکا جلد ہی واپس آ جائے گی اور مجھے اس کے ساتھ کہیں جانا پڑے گا۔ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ مٹھیاں غصے سے بار بار بھینچ جاتی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج میرے ہاتھوں نہ جانے کس کا خون ہونا ہے۔ نہ معلوم کون بدنصیب ہے جس نے اپنی موت کو پکارا ہے۔ جس نے جمیل احمد خان کی غیرت و حمیت کو للکارا ہے۔ وہ کون نامراد ہے جس نے اتنی جرات کی۔ کہیں رخسانہ خود تو نہیں بھاگ گئی؟ ہو سکتا ہے پگلی کہیں دل لگا بیٹھی ہو، آس پاس کے کسی نوجوان سے محبت کرنے لگی ہو۔ پھر اچانک مجھے ایک اور خیال آیا کہ یہ حرکت کہیں اس مصنوعی پیر نے نہ کی ہو جسے میں نے ذلیل کیا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یادرہ زرا اور اشرفی بیگم نے انتقاماً مجھ پر حملہ کیا ہو۔ یہ سانحہ رات کو میرے گھر سے غائب رہنے کی وجہ سے ہوا۔ اگر میں شمیم سے ملاقات کسی اور دن کے لئے اٹھا رکھتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ یہ سوچ کر میں خود اپنی نظر میں مجرم بن گیا۔

☆============☆============☆

انکا تقریباً دس منٹ کی الجھن اور بے تابی کے بعد آ گئی۔ اس کے آتے ہی میں نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔ ''رخسانہ کا پتا چل گیا؟''

''وہ ترئین نہیں ہے جمیل جس کے سراغ میں میری تمام قوتیں زنگ آلود معلوم ہوں۔ میں نے

رخسانہ کا پتا چلالیا ہے۔" انکا کے لہجے میں اشتعال تھا۔

"پھر جلدی سے بتاؤ کون بدبخت اسے لے گیا ہے؟ مجھے کس کا خون کرنا ہے؟ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں آج کا ناشتا اس کے خون ہی سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"جمیل۔ خود کو قابو میں رکھو۔ رخسانہ نواب ببن علی کی محل نما حویلی کے تہ خانے میں ہے۔ اشرفی بیگم نے ببن علی سے ساز باز کر کے اسے اغوا کروایا ہے۔ ببن علی کے بارے میں تم جانتے ہو، وہ بڑا ہی کمینہ اور شورہ پشت شخص ہے۔ اس نے کچھ رشوت خور پولیس والوں کی مٹھیاں گرم کر کے انہیں اعتماد میں لے لیا ہے۔ ببن علی کے گرگے اس موقع کی تاک میں تھے کہ تم کسی رات گھر سے باہر رہو تو وہ رخسانہ یا مالا پر ہاتھ ڈال دیں۔ رات انہیں اس کا موقع مل گیا۔ تم شمیم کے ساتھ خوش فعلیوں میں مصروف تھے اور ادھر انہوں نے تمہارے گھر کی راہ لی۔ مالا کی طرف وہ آ ہی نہیں سکتے تھے۔ سامنے رخسانہ موجود تھی۔ وہ اسے اٹھا کر لے گئے۔ نواب ببن علی نے اشرفی بیگم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح رخسانہ کو اغوا کر کے تم سے تزئین کی گمشدگی اور اپنی توہین کا انتقام لے گا اور اسے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا کر اشرفی بیگم کے حوالے کر دے گا تاکہ اس کے طائفے میں ایک اور خوب صورت نوجوان لڑکی کا اضافہ ہو جائے۔"

"بس کرو انکا! بس کرو۔" میں نے اپنے ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ "مجھ میں اور کچھ سننے کی تاب نہیں ہے۔ مجھے ہر طرف خون ہی خون نظر آ رہا ہے۔" میں نے سامنے رکھی ہوئی سلفچی کو بے اختیار ٹھوکر ماری۔

"آؤ چلیں، مجھے یہ بتاؤ کہ رخسانہ کا حال کیا ہے؟"

"وہ بے ہوش ہے اور ابھی تک پوری طرح محفوظ ہے۔"

"آؤ چلیں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جلدی کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے پوری طرح منصوبہ بناؤ۔ کسی بڑے خطرے میں پڑنے سے پہلے بہتر ہے کہ ہم ہر پہلو پر غور کر لیں۔" انکا نے مشورہ دیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اسی لمحے مالا نے پوچھا۔

میں اسے جواب دینے والا تھا کہ چچا جان بھی کمرے میں آ گئے، میں نے ان دونوں کو سمجھایا کہ وہ بچوں سے کہہ دیں کہ رخسانہ میرے ساتھ کسی بزرگ کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ میں جلد ہی اسے واپس لے آؤں گا۔ جب تک رخسانہ مجھے نہیں مل جائے گی، میں واپس نہیں آؤں گا۔ چچا جان بہت بوکھلائے ہوئے اور پریشان تھے اور مجھے تنہا جانے سے منع کر رہے تھے۔ مالا الگ بضد تھی۔ ان لوگوں کو تسلیاں دینے میں خاصا وقت لگ گیا۔ بہر حال اترے ہوئے چہروں اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ انہوں نے مجھے رخصت کیا۔ چچا جان نے کچھ پڑھ کر پھونکا۔ میں جتنی دیر رکتا، اتنا ہی انہیں سمجھانے بجھانے میں وقت لگتا۔ اس لیے فوراً باہر آ گیا۔ گلی خاموش تھی، سڑکیں ابھی آباد نہیں ہوئی تھیں۔ راستے میں انکا مجھے ساری

روداد بتاتی رہی کہ ببن علی نے میرے خلاف ایک خطرناک سازش مرتب کی ہے۔ میں مشتعل ہوتا رہا۔ انکا مجھے قابو میں رکھنے کے لئے کبھی کبھی کوئی شگوفہ چھوڑ دیتی لیکن مجھے اس کی ہر بات بری لگ رہی تھی۔ ببن علی کی حویلی کے قریب انکا نے مجھے روکا اور کہنے لگی۔

"دیکھو جمیل۔ میں یہ معاملہ خود بھی نمٹا سکتی تھی مگر تمہاری ضد کے آگے مجبور ہو گئی ہوں۔ اب تم میرے اشاروں پر چلو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔

"ببن علی اس وقت خواب گاہ میں ہے۔ دروازے پر اس کے شہدے موجود ہیں تاکہ تمہاری جوابی کارروائی کا مقابلہ کر سکیں لیکن میں تمہیں لے جاؤں گی۔ اندر جا کر گردوپیش سونگھ کر ببن علی سے ذرا دلچسپ باتیں کرنا۔ تم نے بہت دنوں سے میرے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ مجھے وہ لڑکی پسند ہے جو ایک بار تمہیں ورغلا کر ببن علی کے پاس لے گئی تھی۔ اس کا نام زمرد ہے جمیل، اس کا خون خاصا قوت بخش ہوگا۔"

"یہ بتاؤ کہ ببن علی کی بہنیں کتنی ہیں؟"

"اوہ جمیل۔ تم تو بہت دور کی بات سوچ رہے ہو۔ ببن علی کی دو بہنیں ہیں۔ درخشاں اور زرفشاں۔ دونوں میں سارے اودھ کا حسن سمٹ آیا ہے۔ درخشاں بیوہ ہے۔ اس کی شادی کے ایک سال بعد اس کے شوہر نواب مظہر علی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس کے بعد سے وہ اپنے بھائی ببن علی کے ساتھ ہے۔ زرافشاں کی ایک جگہ بات چل رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے، بتاتی چلو۔"

"مگر تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"تم جانتی ہو۔"

ببن علی کی خواب گاہ تک پہنچنا ایک دشوار گزار مرحلہ تھا۔ راستے میں پاسبان، دربانوں اور ملازموں کی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ ہر چند کہ میرے ساتھ انکا بھی تھی لیکن یہاں اپنی آمد کا کوئی نشان چھوڑنا میرے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ حویلی کے عقبی حصے سے ایک تنگ راستہ ملازموں کے کوارٹر کی طرف جاتا تھا۔ انکا مجھے وہیں لے گئی۔ میں دیواروں اور گوشوں کی آڑ لیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

انکا مجھے ایک ایسے زینے کی طرف لے گئی، جہاں سے ببن علی کی خواہ گاہ کا راستہ آسان تھا، میں زینے سے چھت پر پہنچا اور پھر ایک دوسرے زینے سے حویلی کے اندر داخل ہو گیا۔ ببن علی دیر سے اٹھنے کا عادی تھا۔ اس کی خواب گاہ کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دھکا دیا تو کھل گیا۔ سامنے ایک شاندار مسہری پر وہ نواب کا بچہ، سور کا بچہ، خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے میں نے ببن علی کو آواز دی۔ "اٹھو ببن علی...... اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی۔"

Downloaded from Paksociety.com

اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور یہ دیکھ کر آنکھیں مسلنے لگا کہ اس کے سامنے میں کھڑا ہوں۔ پھر وہ ایک دم کسی شکاری کتے کی طرح اچھل کر مسہری سے نیچے آ گیا۔ اس کا چہرہ مجھے دیکھتے ہی زرد پڑ گیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی آنکھوں میں آدم خور شیر جیسی خطرناک چمک موجود تھی۔

''تم یہاں؟ تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' اس نے گھبرا کر سوال کیا۔

''خوب۔ تو تم نے مجھے پہچان لیا۔ ایک بار پہلے بھی ملاقات ہو چکی ہے۔ تمہاری یادداشت خاصی اچھی ہے۔''

''تمہیں ہمارے خلوت کدے میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟''

''موت کے لئے سارے راستے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ میں تمہاری موت ہوں۔''

''تمیز سے بات کرو، کیا چاہتے ہو؟''

''تمہارا خون۔''

''تم اس وقت ہماری حویلی میں ہو۔ شاید یہاں تمہارے سر پر تمہاری اپنی موت منڈلا رہی ہے۔ ہمارے ہاں گستاخی کی سزا بڑی سخت اور کڑی ہے۔ یہ پالتو جانور ہم نے یونہی نہیں پالے ہیں۔'' ہبن علی نے اپنے گرگوں کے بارے میں اشارہ کیا۔

''سیدھی طرح وہ لڑکی میرے حوالے کر دو جو تمہارے غنڈے گزشتہ رات اٹھا لائے ہیں۔ ہبن علی، یاد رکھو اب تمہاری بہن کوٹھے کی زینت بنے گی۔ میرا نام جمیل احمد خاں ہے۔ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے اب درخشاں اور زرافشاں کے پیروں میں جب تک گھنگھرو نہیں بندھیں گے، مجھے چین نہیں آئے گا۔ تم نے میری بہن پر ہاتھ ڈال کر آتش فشاں کو چھیڑا ہے۔ تم نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ کسی اور کا گریبان نہیں۔ میرا ہے۔ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' میں نے گرجتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کر ذلیل کتے۔ میں تجھے شوٹ کر دوں گا ناہنجار!'' ہبن علی بھڑک اٹھا۔ اور بندوق اٹھانے کے لئے دوڑا۔

میں نے اسے آگے بڑھنے سے پہلے ہی دبوچ لیا۔ وہ ایک تنومند اور کسرتی جسم کا آدمی تھا۔ اس نے مجھے زور کا دھکا دیا لیکن میں جلد ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''ہبن علی!'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''تو نے دو ٹکے کی عورت اشرفی بیگم سے ساز باز کر کے میری بہن کو اغوا کیا ہے۔ میں تیری بہنوں کے ساتھ بھی یہی عمل دہراؤں گا۔ اطمینان رکھ۔''

''گستاخ، حرام زادے، چپ رہ۔'' وہ آگ بگولا ہو گیا۔

''میری بہن میرے حوالے کر دے۔''

''تو تزئین میرے حوالے کر دے۔ یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔'' ہبن علی نے اطمینان سے کہا۔

عین اسی وقت انکا نے میرے سر پر پنجے چبھو کر کہا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ اس طرح ہبن علی سے تلخ کلامی کر کے مجھے کچھ حاصل نہ ہو گا لیکن میں اسے ذلیل کر کے اپنے دل کو سکون پہنچانا چاہتا تھا۔ میں خود اس سے نمٹنا چاہتا تھا۔ مگر سورج کی روشنی کمرے میں آنے لگی تھی۔ زیادہ دیر ٹھہرنے کا یہ مطلب تھا کہ میری آمد کے بارے میں اس بڑی حویلی کے لوگوں کو علم ہو جاتا۔ میں نے ہبن علی کو ایک غلیظ قسم کی گالی دی۔ جواباً اس نے بھی مجھے کوسا۔ پھر میں نے موقع پا کر اس کے گال پر ایک بھرپور طمانچہ رسید کیا۔ وہ دہاڑتا ہوا میرے جسم سے لپٹ گیا۔ ہم دونوں کے درمیان مغلظات کا آزادانہ تبادلہ ہونے لگا۔ انکا مجھے منع کرتی رہی اور آخر وہ میرے انکار کے باوجود میرے سر سے اتر گئی۔

اس کے سر سے اترتے ہی ہبن علی کے انداز اچانک بدل گئے۔ اس نے ایک معمول کی طرح میری انگلی پکڑی اور اپنی خواب گاہ ... ملحق ایک الماری کی طرف بڑھا۔ جب اس نے الماری کو گھمایا تو نیچے تہ خانے کا زینہ تھا۔ تہ خانے میں رخسانہ بے سدھ پڑی تھی۔ میں نے اسے آہستہ سے اٹھایا اور اپنے کاندھے پر ڈال کر واپس ہبن علی کے کمرے میں آ گیا۔ وہاں میں نے گلاب پاش سے عرقِ گلاب اس کے چہرے پر چھڑکا۔ ہبن علی خاموشی سے بالکل گم صم یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رخسانہ ہوش میں آ گئی اور پریشان نظروں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ وہ فوراً اٹھی اور اس نے بستر پر پڑی ہوئی ایک چادر سے اپنا جسم ڈھانپ لیا۔ وہ کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن میں نے یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیا کہ تم کوئی بات نہ کرو۔ چپ چاپ میرے ساتھ چلی آؤ۔ میرے اشارے پر ہبن علی ...... نے مجھے حویلی کے خفیہ راستے سے باہر کر دیا اور میں نے رخسانہ کی موجودگی میں انکا سے کہا۔ ''یاد رکھنا، تمہیں آج زمرد کا خون پینا ہے۔ اس لڑکی کو مت بھولنا جو ایک بار مجھے یہاں ورغلا کر لائی تھی اور یہ کام اس منحوس ہبن علی سے انجام دلوانا۔ کاش میں خود یہ منظر دیکھ سکتا۔ اب اندر جاؤ اور اس فاحشہ زمرد کا خون پیو۔ میں رخسانہ کو لے کر گھر پہنچتا ہوں۔''

ہبن علی نے مسکرا کر سر ہلایا اور مجھے ہاتھ ملا کر رخصت کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب کیا ہو گا۔ دوپہر تک اس محل میں پولیس ہو گی، مجھے دوپہر ہی کو پتا چل جائے گا کہ نواب ہبن علی اپنی ایک نوجوان داشتہ زمرد کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میری انکا اس کے سر پر موجود تھی۔

☆==========☆==========☆

کچھ دور جا کر مجھے ایک تانگا مل گیا۔ رخسانہ نے اپنا چہرہ چادر سے چھپا رکھا تھا۔ میں نے راستے میں اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ گھر جا کر یہی کہے کہ میں اسے ایک بزرگ کے ہاں لے گیا تھا۔ وہ چادر سے منہ ڈھانپے رو رہی تھی۔ اسے دلاسا دیتے ہوئے میرے آنسو نکل آئے۔ میں نے اس کا ہاتھ دبا کر کہا۔ ''مجھے معلوم ہے رخسانہ کہ تم بے قصور ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ رہ گئیں۔ گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ رات تمہارے ساتھ یہ المناک حادثہ پیش آیا ہے۔ اب ہم وہ مکان ہی چھوڑ دیں گے اور کسی اچھی جگہ

چل کر رہیں گے۔"

دروازے پر چچا جان مضطرب کھڑے تھے، مجھے رخسانہ کے ساتھ دیکھ کر ان پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ انہوں نے اندر لے جا کر اسے خوب زور سے چمٹا لیا۔ ویران گھر میں پھر سے بہار آگئی۔ اس سارے عمل میں مجھے کوئی دو گھنٹے لگے ہوں گے، دونوں بچوں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا گیا تھا کہ رخسانہ ایک بزرگ کے ہاں گئی تھی۔ محلے میں رسوائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ مالا نے مجھے فوراً چائے کی پیالی پیش کی اور ہم سب نے خوب سیر ہو کر ناشتا کیا۔ رخسانہ کی حالت غیر تھی۔ ظاہر ہے، اس حادثے کا اسے جس قدر بھی صدمہ ہوتا وہ کم تھا۔

سہ پہر کو میں نے ہبن علی کو حویلی کا رخ کیا۔ وہاں سادے لباس والے ٹہل رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ نواب ہبن علی نے اپنی ایک کنیز کی پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ میں یہ خبر سن کر سیدھا گھر آگیا۔ باقی تفصیلات کے لئے مجھے انکا کا انتظار تھا۔

اس وقت تک ہبن علی اقبال جرم کر چکا تھا اور عینی شاہدوں کے بیانات قلمبند ہو چکے تھے۔ ہبن علی نے یہ قتل اپنے کئی ملازموں کے سامنے کیا تھا۔ ایک ملازم کا بیان تھا۔ "ہبن علی نے بے دردی اور دیوانگی سے چھرا زمرد کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ جس سے اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور اس کے بعد وہ اسکے جسم پر وار کرتا ہی چلا گیا۔ بڑی مشکل سے ملازموں نے اسے پکڑا اور اس کے ہاتھ سے چھرا چھین لیا۔" یہ قتل چھپانے کی بہت کوشش کی گئی مگر بات چھپنی نہ رہ سکی۔ دو روز بعد رات کو جب میں سویا ہوا تھا۔ انکا میرے سر پر آگئی۔ اس نے اپنے نکیلے پنجے گاڑ کر مجھے جگا دیا۔ اس کے چہرے پر شادابی کے بجائے زردی تھی۔ میں نے مسکراہٹ کے ساتھ اس کی پذیرائی کی۔ "کیوں، اداس کیوں ہو؟ کیا زمرد کا خون تمہارے لیے لذت بخش ثابت نہیں ہوا؟"

"جمیل۔ مجھے ابھی ہبن علی کے سر پر ہی رہنا چاہیے۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر آئی ہوں اور تمہارے لیے ایک پریشان کن خبر لائی ہوں۔" انکا نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے فوری طور پر اس پر توجہ نہ دی تو......"

"تو کیا ہوگا؟" میں نے اطمینان سے کہا۔

"جمیل۔ اب بات بالکل دوسری ہے۔ میری محبوب! میرے آقا! اب شاید ایک بار پھر ہمارا ساتھ چھوٹنے والا ہے۔ بدری نرائن نے کالی کے مندر سے باہر آنے کے بجائے وہیں منڈل میں بیٹھ کر مجھے حاصل کرنے کا جاپ شروع کر دیا ہے۔ کالی کے مندروں کے تمام پجاریوں نے اسے اس بات پر مجبور کیا ہے۔ اس طرح وہ مندر میں ہونے والے خون خرابے کا تم سے انتقام لیں گے۔"

"نہیں انکا، میں بے چین ہو کر بولا۔ "اب تمہاری جدائی کا تصور بھی میرے لیے ناممکن ہے۔ ایسا

نہیں ہو سکتا۔ میں بدری نرائن سے بھیانک انتقام لوں گا۔"

"اس نے یہ جاپ کل ہی شروع کیا ہے۔ ہمارے پاس ابھی کافی مہلت ہے۔ کالی کے مندر میں بدری نرائن کو چھیڑنے کا نتیجہ تم خود دیکھ چکے ہو۔" انکا نے اپنا ہونٹ چباتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"اگر سادھو جگدیو تمہاری مدد کو تیار ہو جائے تو شاید کچھ ہو سکتا ہے لیکن تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟"

اور قبل اس کے کہ میں اسے کوئی جواب دیتا، مالا نے سوتے میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "دور رہو۔ دور رہو۔ خبردار میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔ بابا کی آتما میری رکھشا کرے گی۔ تم بھسم ہو جاؤ گے۔ مور کھ میرا کہا مان لے۔ دور ہٹ، دور ہٹ۔ بابا مہاراج!"

مالا کے چہرے پر خوف و دہشت کے اثرات گہرے ہونے لگے۔ اس نے سوتے میں بابا، بابا اور مہاراج کے الفاظ کئی بار چیخ کر ادا کیے۔ دوسرے ہی لمحے عین اس کے سر پر کسی غیر مرئی طاقت کے سبب فضا میں لال پیلے اور نیلے شعلوں کا ٹکراؤ ہوا اور گوشت جلنے کی چراند ابھر کر دور ہوتی گئی۔ شعلوں کے غائب ہوتے ہی مالا رانی ایک بھیانک چیخ مار کر بیدار ہوگئی۔ اس کی گہری سرخ آنکھیں اسی مقام پر کچھ دیکھ رہی تھیں جہاں شعلے لپکے تھے۔ انکا حیران نظروں سے مالا کو دیکھنے لگی۔

میری کیفیت بھی انکا سے مختلف نہیں تھی۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں بتدریج تیز ہونے لگیں۔ انکا کے جملے میرے ذہن میں بازگشت کر رہے تھے۔

ادھر انکا کا غمزدہ چہرہ، اُدھر مالا کی دل دہلا دینے والی چیخیں، مالا ایک بھیانک چیخ مار کر بیدار ہوگئی تھی۔ اس کی سرخ تپیدہ آنکھیں اسی مقام پر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں جہاں شعلوں کا تصادم ہوا تھا۔ مالا کے چہرے پر خوف کا تسلط تھا۔ وہ چند لمحے سکتے کی حالت میں چھت کی طرف دیکھتی رہی جیسے وہاں اسے کچھ نظر آ رہا ہو۔ پھر دوڑ کر میرے کشادہ سینے سے یوں چمٹ گئی جیسے میرا سینہ اس کے بچاؤ کے لئے کوئی بہتر پناہ گاہ ہو۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تمہیں کیا ہو گیا مالا؟ ذرا آنکھیں کھولو۔ دیکھو یہ تمہارے سامنے میں ہوں۔ تمہارا جمیل!"

"آ......آپ؟" وہ میرے سینے میں سماتی ہوئی گہرا سانس لے کر بولی۔ "بھگوان نے مجھے آپ سے دور نہیں کیا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تم اس وقت بہت ہراساں اور خوف زدہ معلوم ہوتی ہو۔ سوتے میں تمہاری چیخوں کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ نہ جانے تم کیا کہہ رہی تھیں۔ غالباً تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟"

"خواب......نہیں وہ خواب نہیں تھا۔ حقیقت تھی۔"

"کیسی حقیقت؟ بھول جاؤ کہ تم نے کیا دیکھا ہے۔" میں نے اپنا تجسس دباتے ہوئے مالا کو تسلی دی۔ "سوتے میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔"

''نہیں نہیں۔'' مالا نے اپنی بڑی آنکھیں اوپر اٹھا کر کہا۔ ''اگر بابا اور مہاراج نے میری سہائتا نہ کی ہوتی تو آج مالا رانی آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دی جاتی۔''

''پھر وہی باتیں؟'' میں نے بے اختیار اس کا چہرہ اٹھا کر اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''جب تک میں زندہ ہو، کوئی تمہاری طرف نگاہ کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔ تم میری زندگی ہو تمہارے بغیر زندگی کی کیا وقعت ہے۔''

میری تسلی آمیز گفتگو اور محبت انگیز رویے کی بنا پر مالا کے حسین چہرے سے خوف کے اثرات کسی حد تک دور ہو گئے۔ اس کی آنکھوں کی وہ سرخی بھی چھٹ گئی جو بیدار ہوتے وقت موجود تھی۔ وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ کوئی بات ایسی ضرورت ہے جو اب بھی اسے ذہنی طور پر الجھائے ہوئے ہے۔ میری طرح انکا بھی مالا رانی کو اداسی اور مایوسی سے دیکھ رہی تھی۔ مالا کو میں نے خاموش کر دیا تو انکا کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پہلے ہی تھکی ہوئی اور مضمحل بیٹھی تھی، میرے استفسار پر اس نے مہر سکوت توڑی اور دل پر نشتر چلانے والے لہجے میں بولی۔ ''بہت برداشت سے سننا جمیل۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اس موقع پر تمہیں اپنے صدموں سے آگاہ کر دوں مگر اب تمہارے لیے تمام باتوں کا جاننا ضروری ہو گیا ہے۔''

''کہو، کہو، تمہاری کمان میں کون سا تیر رہ گیا ہے۔ پھینک دو میری طرف۔ مجھے سناؤ کہ میں ایک بے سہارا آدمی غصے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔''

''یہ سب کچھ بدری نرائن نے کیا تھا۔'' انکا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

بدری نرائن کا نام سن کر میرے جسم میں آگ سی لگ گئی۔ ''کیا وہ کمینہ نرگس کی طرح مالا کو بھی......؟'' اس سے آگے میں کچھ نہ کہہ سکا۔

''ہاں جمیل! وہ اب تم دونوں کے لئے خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اب باہر آنے کے لئے بے تاب ہے۔ اسے ختم کرنا ضروری ہے۔''

''مجھے تفصیل سے بتاؤ انکا۔ کیا مالا نے کوئی خواب دیکھا تھا؟ وہ شعلے کیسے تھے جن کا تصادم میں نے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کمینے کا کیا سوجھی؟ آخر بدری نرائن مالا کے پیچھے کیوں پڑ گیا؟'' میں نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔

''وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ مالا کو بھی اس کا علم ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس پر کس نے وار کیا تھا۔ بدری نرائن مالا کو ختم کر کے تمہارے ہوش و حواس معطل کرنا چاہتا ہے۔ اس کا خیال ہے جس دن مالا ختم ہو گئی اس دن تمہارے اندر پریتم لال کی دان کی ہوئی شکتی بھی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ مجھے حاصل کرنے کے لئے اس نے جاپ شروع کر دیا ہے۔ جب میں چلی جاؤں گی اور تم سے پریتم لال کی شکتی بھی چھن

جائے گی تو تم پر قابو پانے میں اسے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ اس اپرادھی نے تمہیں کشٹ دینے کے لئے سوتے میں اپنے بیروں سے خطرناک حملہ کرانے کی کوشش کی تھی۔ اگر پریتم لال اور جگ دیو نے بروقت مداخلت نہ کی ہوتی اور میں اس وقت موجود نہ ہوتی تو بدری نرائن کے بیر مالا کو مار ڈالنے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ پریتم لال اور جگدیو کے بیر مالا کی مدد کو آ چکے ہیں تو میں خاموشی سے یہ لڑائی دیکھتی رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں ختم کرنا میرے لیے بھی کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ لیکن میرا وقت پر موجود رہنا شرط تھا۔'' انکا مجھے تفصیل بتا رہی تھی اور میرا جسم اشتعال و انتقام سے لرزنے لگا تھا۔ مالا نے جب میرے اعصاب میں تناؤ محسوس کیا تو میرے سینے سے ہٹ گئی اور کہنے لگی۔ ''کیا انکا، آپ کے سر پر موجود ہے؟''

''ہاں......'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''آپ اس سے کچھ باتیں کر رہے ہیں تھے کیا؟''

''ہاں۔ وہ مجھے واقعے کی تفصیل بتا رہی تھی۔''

''تو میرے سامنے باتیں کیجئے۔ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے۔''

''انکا بدری نرائن کے متعلق بتا رہی تھی کہ اس نیچ ذات پنڈت نے اس بار تمہیں نشانہ بنایا ہے۔ وہ مردود کالی کے مندر میں چھپا بیٹھا ہے اور وہیں سے مجھ پر اوچھے وار کر رہا ہے۔ میں ابھی تک اس عیار پنڈت کو پیوند زمین کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ جب تک وہ کالی کے مندر میں پناہ گزیں ہے۔ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' میں نے تلملا کر کہا۔ ''کاش وہ کچھ دیر کے لئے مندر سے باہر آ سکتا۔''

''آپ پریشان نہ ہوں۔ میں جگدیو مہاراج سے بنتی کروں گی کہ وہ آپ کی سہائتا کریں۔ مجھے وشواش ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔'' مالا نے مجھے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

''اور یہ ناممکن ہے۔ ایسا نہ ہوا مالا تو میں برباد ہو جاؤں گا انکا کی جدائی کے بعد میرا دوسرا بازو بھی کٹ جائے گا۔ میں ایک بار دیکھ چکا ہوں کہ انکا کے جانے کے بعد مجھ پر کیا آفتیں نازل ہوئی تھیں۔ یقین کرو مالا، میں بالکل اپاہج ہو جاؤں گا۔ انکا کو حاصل کرنے کے بعد بدری نرائن مجھ سے زبردست انتقام لے گا اور وہ میری حالت اتنی بدتر کر سکتا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ انکا کو کس طرح بدری نرائن کے قبضے میں نہیں جانا چاہیے۔ اگر ہم بابا پریتم لال کی شکتی اور جگدیو مہاراج کی مدد کے باوجود انکا کو نہیں روک سکتے تو پھر ہم بدری نرائن کے قبضے میں انکا کے جانے کے بعد اس کے قہر و غضب کا کس طرح دفاع کریں گے؟ پھر تو وہ اور زیادہ شیطان اور ظالم ہو جائے گا۔ مالا، انکا میرا اور تمہارا سہارا ہے۔ میں اسے بچانے کے لئے جان پر کھیل جاؤں گا۔''

''آپ میرا خیال کیے بغیر ہر بات آسانی سے کہہ دیتے ہیں۔ میرا جیون آپ کے دم سے ہے۔

آپ میں ہیں تو میں آپ ہوں۔ ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے۔'' مالا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''مگر ہمیں مرنا نہیں چاہیے۔ ہمیں زندہ رہنے کے لئے اپنی تمام کوششیں کرنی چاہئیں۔''

''ہم زندہ رہیں گے۔ میں بابا اور جگدیو مہاراج سے بنتی کروں گی۔''

''تم کر کے دیکھ لو اگر تم انہیں کسی طور آمادہ کر لو تو وہ بدری نرائن کے جاپ میں رخنہ پیدا کر سکتے ہیں۔ بدری نرائن کالی کے مندر میں ہے جہاں کے تقدس کا خیال یقیناً ان کے ارادے میں مانع ہوگا اور یہی سب سے بڑی مشکل ہے۔ مالا، ہم الجھنوں میں چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔

وہ لمحے بڑے کربناک تھے۔ انکا خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی میری اور مالا کی باتیں سن رہی تھی۔ مالا بار بار میرے سینے سے لگ کر اشکبار ہو جاتی تھی۔ ہم تینوں بہت دل شکستہ باتیں کر رہے تھے۔ ذہن گنگ تھا۔ جمیل احمد خاں کو پھر خطروں نے گھیر لیا تھا۔ اشرفی بیگم اور لکھنؤ کے نوابین اس کے خلاف سازشوں کا جال بُن رہے تھے۔ بن علی خاں سے انتقام لینے کے بعد بھی حالات اس کے حق میں نہیں تھے۔ تزئین کا کوئی پتا نہ تھا۔ پریتم لال کی شکتی خاص خاص مواقع پر کام آ رہی تھی۔ جگدیو ایک ہٹیلا سادھو تھا جو تمام فیصلے اپنے اختیار میں رکھتا تھا۔ یہ جمیل احمد خان بھی خوب شخص تھا۔ اس کو کب کا مرکھپ جانا چاہئے تھا مگر اس کی قسمت میں نہ جانے کتنی گردشیں لکھی تھیں۔ شاید اس لیے لکھی تھیں کہ اسے اپنی طویل سرگزشت سنانے کا موقع ملے گا اور دنیا اس سے عبرت حاصل کرے گی۔ میں اپنے متعلق جتنا سوچتا اتنا ہی دماغ پریشان ہو جاتا۔ کل تک لکھنؤ کی سڑکوں پر سینہ تانے گھومتا تھا۔ لکھنؤ کے بازار حسن میں جہاں بڑے لوگ بھی من مانی نہیں کر سکتے تھے، وہاں میری دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آج میں خود سے نظریں چرا رہا تھا۔ ''کیا یہ میں ہوں؟'' میرے اندر سے کسی شخص نے پوچھا اور میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ ہاں یہ میں تھا۔ ایک سیاہ بخت اور قسمت زدہ شخص جمیل احمد خاں۔''

مجھے اپنے آپ پر ہنسی آ گئی۔ انکا نے میری کیفیت بھانپ لی اور مجھے برگشتہ خیالوں سے نکالا۔

''جمیل! میں اب چلتی ہوں بن علی کے سر پر رہنا ضروری ہے۔ جب تک اسے باقاعدہ سزا نہیں ہو جاتی۔ مجھے اس کا ذہن اپنے قبضے میں رکھنا ہوگا۔ مجبوری ہے۔ ایسے وقت تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''جاؤ انکا۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس قدر پریشان نہ ہو۔ ابھی بدری نرائن کا جاپ پورا ہونے میں انتالیس دن باقی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں کوئی بہتر صورت نکل آئے۔ مردوں کی طرح حالات کا مقابلہ کرو۔ مالا جیسی بیوی تمہارے ساتھ ہے۔ تمہیں اتنا فکر مند ہونے میں کیا ضرورت ہے؟''

''جاؤ انکا۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔ ''مجھ پر جو گزر رہی ہے، تم اسے کیا محسوس کر سکو گی؟ احساسات کی بات تمہاری سمجھ میں کہاں آئے گی؟ دل ٹوٹنے کی آواز وہی سن سکتا ہے

جس کا اپنا دل بھی کبھی ٹوٹا ہو۔ تم ایک عظیم طاقت ہو مگر تم تو ایک مشین کی طرح ہو۔ مشین جس کے بھی تصرف میں چلی جائے، اسی کے اشاروں پر چلتی ہے۔ تمہیں ایک نیا آقا مل جائے گا اور تم اس کے اشاروں پر ناچنا شروع کر دو گی۔ جمیل احمد خان نہ سہی، بدری نرائن سہی، تمہاری صحت پر کیا فرق پڑے گا؟''

''جمیل۔ میرے پاس تمہارے طنز کے جواب میں کچھ نہیں ہے۔ صرف ایک خاموشی ہے اور سرد آہیں ہیں۔'' انکا کی آنکھیں لبریز ہو گئیں۔ اس کی نظروں میں شکایت، محبت اور اپنائیت تھی لیکن مجھے معلوم تھا کہ اس کے جذبات کے یہ مظاہرے وقتی ہیں۔ مجھے گزرا ہوا زمانہ یاد آ رہا تھا۔ انکا کا میری مرضی سے سر پر آنا پھر تربینی کے قبضے میں چلے جانے کے بعد اس کے حکم کا غلام ہو جانا۔ کل وہ بدری نرائن کے حکم پر میرا خون بھی پی سکتی ہے۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں انکا۔ قسمت نے ہم دونوں کو حالات کا غلام بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ کل کیا ہوگا؟ کون جانے تم میری باتوں کا اثر نہ لو۔ میں تو انسان ہوں، اتنے طوفانوں کی یلغار ہو تو آہنی چٹانیں بھی لرز جاتی ہیں۔''

''جب تم جانتے ہو کہ میری طاقت کیا ہے۔ میں کس حد تک تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں تو پھر تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ اپنی انکا سے ایسی باتیں کرتے ہو؟ تمہیں کچھ خیال نہیں آتا؟'' انکا نے بھیگی پلکیں اٹھا کر مجھ سے نظریں چار کرتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے بے وفا سمجھتے ہو، کیا تمہارے سر پر رہنے کے بعد میں نے تم سے کوئی بے وفائی کی؟''

''چھوڑو انکا۔ جاؤ تمہارا دیر تک یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔'' میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ ''اگر بن علی کو ہوش آ گیا تو عرصہ حیات مجھ پر تنگ ہو جائے گا۔''

انکا کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ وہ ڈبڈبائی نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی سر سے رخصت ہو گئی۔ میں نے مالا کے معصوم سراپا پر نظر ڈالی۔ بادِ مخالف کے ایک ہی جھونکے نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ وہ مجھ سے چمٹی ہوئی تھی جیسے اسے ایک لمحے کے لئے بھی میری جدائی منظور نہ ہو۔ میں اسے بازوؤں میں سمیٹ لیتا لیکن بدری نرائن کے منحوس تصور نے مجھے اپنے آپ میں کہاں رکھا تھا؟ میں نے فوری طور پر ایک اہم فیصلہ کر ڈالا۔ میں نے اس سے کہا۔ ''میں کل ہی کلکتے جانا چاہتا ہوں۔ اس بات کا اب فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ جیت کس کی ہوگی، میری یا بدری نرائن کی۔ اس کی مجھے پروا نہیں ہے۔ سمجھ لینا کہ میں محاذ پر جا رہا ہوں۔ اب ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ مجھے اپنی زندگی کا بہت کم یقین ہے لیکن اس خوف اور ذلت کی زندگی سے مر جانا بہتر ہے۔''

مالا میرے اس جذباتی فیصلے پر ششدر رہ گئی اور ہچکیوں سے رونے لگی۔ کالی کے مندر میں بیٹھے ہوئے کسی پجاری کو زیر کرنا مجھ جیسے شخص کے لئے قطعاً ناممکن تھا۔ مالا نے مجھے سمجھایا کہ یہ ایک بچکانا ارادہ

ہے لیکن میں اپنی ضد پر اڑا رہا۔ میں نے کہا۔ ”میں انکا کو کسی حالت میں اس کے قبضے میں نہیں جانے دوں گا۔“ آخر میری ضد سے مجبور ہو کر مالا نے اصرار کیا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے گی۔ اگر موت ہی لکھی ہے تو دونوں ساتھ مریں گے۔ چچا جان کو ایسے حالات میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا تھا چنانچہ میں نے مالا سے کہا۔

”تمہارا چچا جان کے پاس رہنا ضروری ہے۔ میری غیر موجودگی میں کسی بھی وقت تمہاری ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ان بے چاروں پر کوئی بھی مصیبت آئے۔“

مالا مجھے تنہا جانے سے روکتی رہی۔ میں اسے سمجھاتا رہا کہ وہ ضد چھوڑ دے۔ میری ذہنی حالت تو پہلے ہی دگرگوں تھی۔ مالا سے بھی تلخی ہو گئی۔ وہ میرے رویے پر روتے ہوئے بولی۔ ”اگر آپ کی یہی ضد ہے تو میں اپنے دل پر جبر کر کے آپ کے فیصلے کا احترام کروں گی لیکن میری ایک بات مان لیجئے۔“ مالا نے حسرت بھرے لہجے میں درخواست کی۔ ”آپ صرف ایک ہفتے کے لئے اپنی روانگی ملتوی کر دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ سے کسی بات کے لئے نہیں کہوں گی۔“

”مالا۔ تم ایک ہفتے کے لئے کہہ رہی ہو؟ مجھے ایک ایک لمحہ بھاری معلوم ہو رہا ہے۔ میں بدری نرائن کو ایک پل کی بھی مہلت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جب تک میں اسے ختم نہیں کر لوں گا۔ یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ نرگس کی بے قرار روح مجھے مضطرب کیے ہوئے ہے۔ تم میرے راستے میں رکاوٹ پیدا نہ کرو۔“

”میری خاطر صرف ایک ہفتے کے لیے۔“

مالا نے سسکتے ہوئے ملتجی نظروں سے منت کی تو میں اس کی درخواست رد نہ کر سکا۔ وہ میری زندگی، میری روشنی تھی۔ مجھے اس کی حسرت بھری نظروں پر رحم آ گیا اور میں نے تڑپ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆===========☆===========☆

ایک طرح سے یہ بہت اچھا ہوا۔ مجھے موقع مل گیا کہ میں سکون سے بدری نرائن کو زچ کرنے کے لئے کوئی عمدہ منصوبہ ترتیب دے سکوں۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب میں مندر میں داخل ہوں گا تو وہاں اسی طرح میری پذیرائی ہو گی جس طرح پہلے ہوئی تھی۔ میں پھر کوڑے کرکٹ کے کسی ڈھیر پر غلاظت میں لتھڑا ہوا ہوش میں آؤں گا۔ اتنے مہان پجاریوں کی موجودگی اور کالی کے پراسرار مندر میں میری حیثیت ہی کیا ہو گی؟ انکا میرے ساتھ حسبِ سابق نہیں جا سکتی۔ پریتم لال کی شکتی سے مجھے پہلے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میں آگ کے دریا میں جا رہا ہوں؟ اپنے دیوانے پن میں خود اپنی ہلاکت کا سبب بن رہا ہوں؟ مگر میں یہاں غیر معمولی واقعات کا منتظر رہا تو دن گزرتے چلے جائیں گے اور بدری نرائن کو ختم کرنا میرے لیے اور بھی ناممکن ہو جائے گا۔ مجھے بہر صورت کلکتے جانا ہو گا اور

ایک بار اپنی جیسی کوشش کرنی ہو گی۔ ارادے، اندیشے اور مستقبل کا خوف، عجب عجب خیالات ذہن پر طاری تھے۔ ایک لمحے ایک فیصلہ کرتا تھا تو دوسرے لمحے دوسرا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں پریتم لال کی شکتی کے زیرِ سایہ ہوں اور جگدیو کی بھی مجھ پر خصوصی نگاہ ہے۔ مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو مالا کی وجہ سے وہ میری مدد ضرور کریں گے۔ یہ سوچ کر ذرا ہمت بندھی اور میں نے طے کر لیا کہ میں تمام رکاوٹوں کے باوجود وہاں جاؤں گا اور بدری نرائن کو اس کے ارادوں سے باز رکھوں گا۔ مجھے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہو گا۔ مجھے پامردی سے ان مصائب کا مقابلہ کرنا چاہیے ورنہ بدری نرائن سر پر چڑھ آئے گا۔ اسی لمحے مجھے برکاتی شاہ یاد آئے جنہوں نے ایک بار انکا کے حصول میں میری مدد کی تھی۔ نہ جانے وہ مجذوب کہاں ہوں؟ کیا میں انہیں تلاش کروں؟ ہاں مگر کہاں تلاش کروں اور تلاش بھی کر لوں تو ان کا مدد کے لیے آمادہ ہونا آسان کام نہیں ہے۔

☆===========☆===========☆

لکھنؤ میں دو روز میرے لیے دو سال کے برابر ثابت ہوئے، مالا ان دو دنوں میں بڑی کھوئی کھوئی سی رہی۔ انکا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی میں اپنے کمرے میں بڑا منصوبے بنا رہا تھا۔ ہبن علی نے پولیس اور مجسٹریٹ کے سامنے اقبال جرم کر لیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے عہد کیا تھا کہ ہبن علی کی دونوں بہنوں درخشاں اور زرافشاں کو اپنی بہن رخسانہ کے اغوا کی پاداش میں کوٹھے کی زینت بناؤں گا لیکن حالات نے اتنی تیزی سے رخ بدلا کہ مجھے مجبوراً یہ عہد کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھنا پڑا۔ ادھر اشرفی بیگم سے بھی مجھے نمٹنا تھا۔ دو دن میں کئی بار ارادہ کیا کہ اس فتنہ طراز عورت کا مزاج درست کر آؤں لیکن شاید ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا اور لکھنؤ کے ان بگڑے دل نوابین کا بھی قرض چکانے کو جی چاہتا تھا جو اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے مجھے لکھنؤ بدر کرنے کی فکر میں تھے۔ مگر فی الحال میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ میں انکا میں الجھا ہوا تھا۔ دو روز اسی ادھیڑ بن میں گزر گئے۔ کوئی موثر تدبیر ذہن میں نہیں آتی تھی، بس خون کھول رہا تھا۔

☆===========☆===========☆

تیسری رات میں جاگ رہا تھا کہ انکا میرے سر پر آئی اور اس نے بتایا کہ ہبن علی خاں کے اقبال جرم کے باوجود پولیس کا رویہ اس کے ساتھ ہمدردانہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہبن علی کے تمام اعزا اور اس کے واقف کار امراء نے اس کا مقدمہ پیچیدہ بنانے اور کمزور کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی ہے۔ انہوں نے اسے اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے اور بے تحاشا دولت لٹا رہے ہیں۔ ہبن علی کے گرگوں اور درباری غنڈوں نے اشارتاً تمام واقعہ امرا کے گوش گزار کر دیا تھا کہ انہوں نے کس طرح ہبن علی کے ایما پر رخسانہ کو اغوا کیا تھا۔ انکا نے بتایا۔ ”یقیناً چند آدمیوں نے اس گھر کی نشان دہی بھی کی ہو گی حالانکہ تم

Downloaded from Paksociety.com

یہاں موجود نہیں تھے مگر جب انہیں اس حادثے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ رخسانہ غائب ہے اور بن علی ایک سنگین جرم کا مرتکب ہو چکا ہے تو انہیں تم تک پہنچنے کے لئے کڑیاں ملانے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ اب تک وہ تمہیں گرفتار کرا چکے ہوتے لیکن ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ بن علی نے اپنی محبوب داشتہ زمرد کو کیسے قتل کر دیا؟ اور وہ بار بار اقبال جرم کیوں کر رہا ہے؟ بن علی کے چند عزیزوں نے حوالات میں اس سے ملاقات بھی کی۔

وہ اسے کچھ سمجھانا اور اس سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے لیکن وہ اس سے کچھ پوچھ نہیں سکے، وہ بے چارہ اپنے ہوش میں کہاں تھا؟ انکا اس کی زبانی اپنے مطلب کے جوابات دلوا رہی تھی، کئی بار وہ مایوس ہو کر چلے گئے۔ پولیس خواہ مخواہ حوالات میں بن علی کو روکے ہوئے ہے لیکن کب تک۔ انہیں ایک نہ ایک دن یہ معاملہ عدالت کے سپرد کرنا ہی ہوگا اور اس وقت تک مجھے بن علی کے سر پر رہنا ہوگا۔ انکا نے آتے ہی مجھے گزشتہ دو دنوں کا ماجرا سنایا۔

"کیا پولیس میرے پاس بھی آ سکتی ہے؟ مگر کیوں؟ اس زمانے میں پولیس وغیرہ کے چکر سے دور رہنا ہی میرے لیے بہتر ہے۔" میں نے وحشت سے کہا۔

"پولیس تمہارے پاس کیوں نہیں آ سکتی۔ وہ کسی وقت بھی تمہیں پکڑ سکتے ہیں تا کہ بن علی کا جرم مشتبہ اور مشکوک بنا دیں۔"

"تو پھر مجھے فوراً لکھنؤ سے چلا جانا چاہئے۔ میں کسی تاخیر کے بغیر کلکتے جانے والا تھا لیکن مالا نے ایک ہفتے کے لئے مجھے روک لیا۔"

"خوب۔ اگر تم اس زمانے میں لکھنؤ سے چلے گئے تو گویا تم اپنے شبے کو اور تقویت پہنچاؤ گے اور اپنے خلاف خود ہی شہادت مہیا کرو گے جان انکا......"

"کیا تم مذاق کر رہی ہو انکا؟ یہ تو بڑی سنگ دلی کی بات ہے۔ خصوصاً ایسے وقت......" میں نے ناراضگی سے کہا۔ "کمال ہے بھئی۔ تم بھی خوب ہو۔ جب بھی آتی ہو کوئی چرکا لگا کے جاتی ہو۔"

"تو میں تمہیں سچی باتیں نہ بتایا کروں؟ ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے کیا، اب بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

"تم سننا ہی نہیں چاہتے، مجھ پر شک کرتے ہو۔"

"تم تو ایسے لہجے میں باتیں کر رہی ہو جیسے تمہیں کوئی فکر ہی نہیں۔ اب صرف ۲۷ دن رہ گئے ہیں، کچھ خبر ہے؟"

"ہاں جمیل!" انکا نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ "تم سچ کہتے ہو۔ مگر تم کلکتے کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"پھر میرے پاس کیا تدارک ہے۔ میں بدری نرائن کو من مانی کرنے کے لئے اسی طرح چھوڑ

دوں؟ یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں؟"

"مگر جمیل تم وہاں کیا کر سکتے ہو، جانے کو تو تم پہلے بھی وہاں جا چکے ہو۔"

"دیکھو انکا۔ جب تک میں خطروں میں کود نہیں پڑوں گا۔ اس وقت تک مالا کی خاطر مجبوراً جگدیو میری مدد کو نہیں آئے گا۔"

"یہ تمہارا خیال ہے...... فرض کرو اگر وہ تمہاری مدد نہ کر سکا۔"

"تو میں مر ہی تو جاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا۔"

"تم بار بار نادیدہ طاقتوں کے کرشمے دیکھ چکے ہو اور بار بار غلطیاں کرتے ہو۔"

"میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ہاں، تمہارے پاس کوئی ترکیب ہو تو بتاؤ۔" میں نے طنزاً کہا۔

"میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے دکھ ہی دکھ ہیں۔ تم اس کا فیصلہ بعد میں کرنا۔ پہلے تمہیں لکھنؤ کے سر پھرے رؤسا کو روکنا ہے جو ممکن ہے کلکتے کے لئے تمہاری روانگی ناممکن بنا دیں۔ اشرفی بیگم تزئین کی بازیابی اور تمہیں زک پہنچانے کے لئے لکھنؤ کے تمام جادوگروں کے گھر گئی ہے۔ اس کے کوٹھے کے ایک کمرے میں پنڈت دھونی رمائے بیٹھا ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں وہیں بلا کر ایسا سبق دے گا کہ تم عمر بھر اسے یاد رکھو گے۔"

"اچھا۔ اس حرافہ کے اتنے پر نکل آئے؟ کیا تم اس وقت بن علی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتیں؟"

"میں اس نواب کے بچے کو سلا کر آ سکتی ہوں۔ اس سے پہلے نہیں۔ تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔"

"تو پھر ابھی میرے ساتھ اشرفی بیگم کے ہاں چلو۔ میں اس پنڈت سے ملتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

"چھوٹا موٹا آدمی ہے۔ تھوڑا بہت جانتا ہے۔ ہاتھ پاؤں چلا لیتا ہے مگر اس کے علاوہ تمہیں ان دو چار دنوں میں کھل کر لکھنؤ کی سڑکوں پر آنا ہوگا اور اپنی کچھ دھاک بٹھانی ہوگی تا کہ وہ تمہیں اس معاملے میں ملوث نہ کر سکیں۔ باز رہیں۔ گھر بیٹھے رہنے سے کچھ نہ ہوگا۔"

انکا کی بات سچ تھی۔ اگر مجھے کسی طور پر پولیس کے نرغے سے بچے رہنا تھا تو یہ تمام احتیاطیں لازم تھیں۔ انکا تھوڑی دیر میں آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔ میں نے دو دن سے گھر کے معاملات میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اب کمرے سے باہر گیا اور بباطن بے دلی سے اور بظاہر خوش دلی سے بہنوں، چچا جان اور مالا سے گفتگو میں مصروف رہا پھر لباس تبدیل کر کے میں انکا کا منتظر تھا کہ مالا نے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ میں نے اسے بہلایا، پھسلایا اور جب بہت دیر ہو گئی اور انکا نہیں آئی تو میں خود ہی گھر سے باہر نکل گیا۔ راستے میں انکا میرے سر پر جلوہ گر ہو گئی۔ میں عمدہ لباس میں تھا اور خوب جچ رہا تھا۔ انکا نے

آتے ہی چھیڑ خانی شروع کر دی۔ اشرفی بیگم کی جلوہ گاہ میں جانے سے پہلے میں اپنی شناخت کرانے کے لئے پہلے دو چار مشہور طوائفوں کے ہاں گیا لیکن یہ وقت لطف لینے کا نہیں تھا۔ جہاں جہاں میں جاتا رہا۔ گھنگھرو میرے رعب سے تھرتھراتے رہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ وہ سب لوگ تزئین کے اغوا میں صد فی صد مجھے مجرم سمجھتے ہیں۔ میں بے دریغ دولت لٹاتا اور ایک آدھ مصرع سن کر ان کی طرف بے نیازی سے ایک نظر دیکھتا، سیڑھیاں چڑھتا اترتا رہا۔ یہاں یہ ذکر کچھ دلچسپی کا باعث نہ ہوگا کہ اس وقت بالا خانوں پر کس بلا کی رونق ہوا کرتی تھی۔ کس غضب کی ناچنے گانے والیاں تھیں وہاں۔ شباب کا ذکر کیا کیجئے۔ شباب تو وہاں بہتا تھا۔ خوش گفتاری اور شائستگی کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر انہی دل کش لطیف باتوں میں گزارنے کو جی مچلتا تھا، جہاں جہاں جایئے۔ خدا کی اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی صورتیں، اہل دل پر ستم ڈھاتی گزر جاتی تھیں۔ کس کس چہرے کا ذکر کیجئے، کس کس بدن کا نقشہ کھینچے، کس کس کی آنکھوں کا احوال لکھئے، کیا کہیے کیا نہ کہیے۔ بس جو اس کوچہ ستم گراں میں نہیں گیا، وہ امان میں رہا۔ جو ایک بار بہک گیا اس کے قدم پھر خود بخود اسی مرکز جاناں کی طرف اٹھ جاتے ہیں۔ یہ طوفان روکے نہیں رکتا۔

میرا حال یہ تھا کہ نظر ٹھہرتی نہ تھی لیکن میرا مقصد ہی کچھ اور تھا۔ میں نے دیکھا کہ خواتین کی آنکھوں میں میرے لیے جستجو، طنز اور قہر تھا۔ میں ہر جگہ نازنینوں کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتا اور جب وہ سراسیمگی کے عالم میں میرے پاس آتیں تو میں کسی ماہر اور مشاق شورہ پشت غنڈے کی طرح روپے لٹاتا۔ ایک جگہ میں نے بھری محفل میں رقاصہ کو غزل سرائی کے دوران روک کر اپنی پسند کی غزل سنانے کو کہا۔ یہ بدتہذیبی کی بات تھی کہ کسی کی فرمائش پر شروع کی ہوئی غزل ابھی اس نے ختم نہیں کی تھی کہ میں نے اسے نیا حکم دے دیا۔ نتیجتاً اسے میرے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور میں دو شعر سن کر اکتاہٹ کے انداز میں وہاں سے اٹھ گیا۔ مجھے روکنے کی کوشش کی گئی مگر میں نے حقارت سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اس غل غپاڑے اور ہاؤ ہو کے بعد میں اشرفی بیگم کے کوٹھے پر پہنچا۔ اشرفی بیگم جیسے میری منتظر ہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر طنزاً میرا استقبال کیا۔ میں نے بھی دو چار چبھتے ہوئے جملے چھوڑ دیئے۔ انکا نے مجھے بتایا کہ دور ایک کمرے میں بند ہو کر پنڈت میرے خلاف کوئی جنتر منتر آزما رہا ہے۔ اس نے اشرفی بیگم کو یقین دلایا تھا کہ وہ مجھے ہر حالت میں یہاں کھینچ لائے گا۔ میری آمد سے اشرفی بیگم یہی سمجھی کہ یہ اس کے خریدے ہوئے پنڈت کے جادو کا اثر ہے کہ میں کشاں کشاں یہاں چلا آیا ہوں۔ میں مسکرا کر بیٹھ گیا۔

شمیم میرے پاس آئی۔ اس کی نظروں میں ایک بے چینی تھی۔ وہ میرے پہلو سے الگ کر بیٹھ گئی اور مجھ سے تنہائی میں رازدارانہ باتیں کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ انکا نے اس کی بے چینی کی وجہ بتائی تو مجھے اس پر بڑا پیار آیا۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ میں فوراً یہاں سے چلا جاؤں۔ یہ بات اس نے اٹکتے اٹکتے کہہ دی اور گھبرا کر اشرفی بیگم کی طرف دیکھا۔ اشرفی بیگم نے اسے مجھ سے اتنے قریب دیکھ کر اپنے پاس بلایا اور وہ

سہمی سہمی میرے پاس سے اٹھ کر اس طرح چلی گئی جیسے اس کی کوئی چوری پکڑ لی گئی ہو۔ اشرفی بیگم نے اس کے کان میں کچھ کہا، اس نے ہامی بھری اور دوبارہ میرے پاس چلی آئی۔ آتے ہی خوش باش انداز میں وہ مجھ سے باتیں کرنے لگی۔ اس نے باتوں باتوں میں اشارتاً ایک بار پھر بتایا کہ اشرفی بیگم نے اسے ہدایت کی ہے کہ وہ مجھے رجھا کر اندر ایک کمرے میں لے چلے جہاں ایک پنڈت بیٹھا ہوا جادو کر رہا ہے۔ یہ سن کر میں مسکرا دیا۔ میرا اعتماد دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی اور مجھ سے دوبارہ وہاں سے بھاگ جانے کے لئے کہنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ”تم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھولوں گا۔ تم یقیناً طوائف زادی نہیں ہو۔ تمہاری رگوں میں کوئی شریف خون دوڑ رہا ہے۔“

”مگر آپ یہاں سے چلے جایئے۔ وہ پنڈت سنا ہے بہت پہنچا ہوا آدمی ہے۔“ شمیم نے کہا۔

”چل کے دیکھتے ہیں، وہاں کیا تماشا ہوتا ہے۔“

”آپ شاید میری بات پر یقین نہیں کر رہے ہیں۔“ شمیم نے حسرت سے کہا۔

”میں تمہاری باتیں دل میں اتار رہا ہوں۔ تزئین کی طرح تم نے بھی مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ میں اس احسان کا بدلہ ضرور چکاؤں گا کہ تم نے مجھے خطرے سے آگاہ کر دیا۔“

”اشرفی بیگم یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ سے الفت و رغبت کی باتیں کر رہی ہوں، آپ سمجھ گئے نا۔“

”ہاں۔ اور میں تمہاری محبت کے جواب میں اندر کمرے میں جانا بھی چاہتا ہوں۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ واقعی وہاں جانا چاہتے ہیں؟ وہ بہت ظالم ہے، صورت سے ہی کریہہ نظر آتا ہے۔“

”ارے چل کے تو دیکھو میری گڑیا، گھبراتی کیوں ہو؟“

شمیم مجھے منع کرتی رہی اور میں ہنس کر ٹالتا رہا۔ آخر میرے اشارے پر کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے مجھے اٹھایا اور راہداری میں لے گئی۔ اشرفی بیگم بھی وہیں چلی آئی اور بڑے ٹھسے سے کہنے لگی۔ ”اری شمیم، یہ خان صاحب کو کہاں لیے جا رہی ہے؟“

”خان صاحب تخلیے میں مجھ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“ شمیم کی آواز میں لرزش تھی۔

”زہے نصیب۔ خدا خیر کرے۔“ اشرفی بیگم نے مکاری سے کہا۔

شمیم میرا ہاتھ پکڑے مکان کے آخری سرے پر لے گئی۔ پیچھے اشرفی بیگم بھی خراماں خراماں چلی آ رہی تھی۔ میں نہایت بے پروائی سے شمیم کی انگلی پکڑے اس سے کچھ شگفتہ کچھ دل نشیں باتیں کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

”اس کمرے میں چلی جاؤ نا۔“ عقب سے اشرفی بیگم کی آواز آئی۔

شمیم مجھے ایک بڑے کمرے میں لے گئی۔ جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں میں نے ایک پنڈت کو

Downloaded from Paksociety.com

آلتی پالتی مارے بیٹھا دیکھا۔ مجھے دیکھ کر وہ چونکا اور میرا اشتیاق دو چند ہو گیا۔ پیچھے اشرفی بیگم تھی۔ اس نے پیچھے ہی سے غالباً کوئی اشارہ کیا، پنڈت جیسے سمجھ گیا اور اس نے اپنے دانت نکال دیئے۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔ ”تم مجھے کہاں لے آئیں شمیم! یہ کون شخص ہے؟“

شمیم کی زبان میں لکنت پیدا ہوئی۔ اس کے بجائے اشرفی بیگم نے جواب دیا۔ ”چلتے چلتے ان سے بھی ملاقات کر لیجئے خان صاحب۔ یہ پنڈت مرلی دھر ہیں۔ پنڈت جی نے کہا تھا کہ وہ آپ کو میرے غریب خانے پر اپنی طاقت سے کھینچ لائیں گے؟“

”میری ایسی کیا ضرورت پڑ گئی اشرفی بیگم!“ میں نے مصنوعی لہجے میں کہا۔ ”کیا آپ کے دماغ میں پھر کچھ سما گیا ہے؟“

”ضرورت تو مہاراج کو پڑی ہے۔ وہی آپ سے بات کریں گے۔“

شمیم سکڑی سمٹی کھڑی تھی۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی پنڈت کو گھورے جا رہی تھی۔ اشرفی بیگم کے انداز میں سرخروئی اور فتح جھلک رہی تھی۔ میں نے عمداً شمیم کا ہاتھ چھوڑا اور وہاں سے اس طرح کھسکنے لگا جیسے میں خوف زدہ ہو گیا ہوں۔

”کہاں جا رہا ہے مورکھ!“ اس بار مہاراج مرلی دھر کی آواز آئی۔ ”تجھے ہم نے بلایا ہے۔“

”آپ نے؟ آپ نے مہاراج اس سیوک کو کیوں یاد کیا ہے؟“ میں نے اس قدر عاجزی سے کہا کہ انکا کو ہنسی آ گئی۔

”تو بڑا پاپی ہے۔ تو نے جو ایک دو جنتر منتر سیکھ لیے ہیں ان سے ان بچوں کو ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے۔“ مہاراج نے کٹھور لہجے میں کہا۔ ”بتا تو نے اس کی پتری کہاں چھپا رکھی ہے۔“

”مہاراج۔ میں تو کچھ نہیں جانتا۔ مجھے پتا نہیں کہ اس کی پتری کہاں ہے؟“ میں نے اشرفی بیگم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ شخص بہت کمینہ، سازشی اور بدمعاش ہے۔“ اشرفی بیگم نے ایک دم طیش میں آ کر کہا۔

”شانت۔ شانت۔“ پنڈت نے ہاتھ اٹھا کر اشرفی بیگم سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”بالک! بتا دے تزئین کہاں ہے؟“

”میں کچھ نہیں جانتا مہاراج ہے۔ میں نے سچ سچ کہہ دیا۔ آپ وشواش کیوں نہیں کرتے۔“

”تو ہمیں دوسرے طریقے بھی آتے ہیں، تو اس سمے اس شہر کے سب سے بڑے پنڈت کے سامنے کھڑا ہے۔“

میں نے عاجزی سے پھر منع کر دیا۔ شمیم کا برا حال تھا۔ اشرفی بیگم جز بز نظر آتی تھی۔ میرے مسلسل

انکار پر پنڈت کو غصہ آ گیا۔ اس نے پھر کر اپنا کشکول اٹھایا اور اس میں کچھ پڑھ کر پھونکا۔ کشکول دیکھتے ہی دیکھتے انگاروں سے بھر گیا۔ پنڈت نے غصے میں مجھ سے ایک بار پھر تزئین کا پتا دریافت کیا۔ میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ میں نے حسب سابق انکار کر دیا۔ اس پر اس نے انگاروں سے بھرا ہوا کشکول میری طرف اچھال دیا۔ ادھر انکا میرا اشارہ پاتے ہی حرکت میں آ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ کشکول میں جلتے ہوئے کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔ اپنے منتر کا یہ حشر دیکھ کر پنڈت کی تیوری پر بل آ گئے۔ اس نے پینترا بدل کر اپنا چمٹا اٹھا لیا اور زور زور سے وحشت زدہ انداز میں زمین پر مارنے لگا...... میں کسی تاثر کا اظہار کیے بغیر اسے گھور رہا تھا۔ چمٹے کی آواز جیسے جیسے تیز ہوئی، ایک سیاہ بلی مکروہ اور خوف ناک آنکھوں والی نہ جانے کس طرف سے نمودار ہوئی اور آناً فاناً میرے چہرے کی طرف جھپٹی۔ اس کے ایک ہی وار میں چہرے کی اوپری تہہ علیحدہ ہو سکتی تھی۔ انکا کے اشارے پر میں نے اپنی ایک انگلی کو جنبش دی۔ بلی بھیانک چیخ مارتی ہوئی پیچھے کی طرف بھاگی اور لمحوں میں زمین پر لوٹنے پوٹنے لگی۔ پنڈت نے اس کی یہ حالت دیکھ کر اسے اٹھایا اور تیزی سے تڑپتی ہوئی بلی کو اپنے جھولے میں ڈال لیا۔ اشرفی بیگم کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور شمیم کی نگاہوں میں طمانیت جھلکتی تھی۔ پنڈت نے اپنا یہ وار بھی ناکام دیکھ کر مجھ سے کہا۔

”تو بھی کچھ جانتا ہے۔“

”اور آزما لے اُلو کے پٹھے!“ میں نے ایک دم اپنا لہجہ بدل دیا۔

”تو مجھے نہیں جانتا۔ اپنی زبان سنبھال۔“ پنڈت گرجا۔

”تو بھی مجھے نہیں جانتا کمینے۔ جا یہاں سے دفع ہو جا۔“

”ٹھہر، میں تجھے دیکھتا ہوں۔“ پنڈت نے دانت پیس کر کہا اور اس کے بعد اس نے مختلف قسم کے شعبدے اور تماشے مجھے زک پہنچانے کے لئے کیے لیکن وہ میرے لیے بہت معمولی کھیل تھے، ان کا ذکر کیا کروں۔ تکرار ہو گی۔ میں ان سے زیادہ ہولناک مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ القصہ بمختصر مسلسل ناکامی دیکھ کر پنڈت کو پسینہ آ گیا۔ میں نے اس سے گرج کر کہا۔

”اب کچھ میرے ہاتھ بھی دیکھ لے، دیکھ لے کہ میں کیا ہوں؟“

میرا یہ کہنا تھا کہ پنڈت کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اس نے کچھ پڑھ کر اپنے اوپر پھونکا اور مجھے گھورنے لگا۔ دفعتاً وہ گھبرا کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”میں سمجھ گیا۔ مجھے شما کر دو مہاراج۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔ آپ کے پاس انکا دیوی ہے۔“ پنڈت نے گڑگڑا کر کہا۔

”انکا دیوی کے علاوہ تجھے اور کچھ نظر نہیں آتا سؤر کی اولاد؟ لے میں تیرے پاس انکا کو بھیجتا ہوں اور پھر بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں؟“

انکا میرا جملہ پورا ہوتے ہی اس کے سر پر چلی گئی اور وہ میرے پاؤں پڑ گیا۔ ”دھنیہ ہو مہاراج

دھنیہ۔ آپ نے انکا دیوی کا درشن کرا کے مجھ پر بڑا احسان کیا۔" وہ میری خوشامد پر اتر آیا لیکن میں نے اسے معاف نہیں کیا اور دل ہی دل میں پریتم لال کی شکتی سے مدد لینے کا ارادہ کیا۔ اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرے سامنے پنڈت فرش پر لوٹنے اور چیخنے چلانے لگا۔ انکا اس کے سر سے فوراً چلی آئی۔ پنڈت مرلی دھر کا یہ حشر دیکھ کر اشرفی بیگم بھی میرے پاؤں پر گر گئی۔ شمیم آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو میرے قدموں پر لوٹتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اشرفی بیگم نے معاملے کی نزاکت سمجھ کر اپنا رویہ فوراً تبدیل کر لیا تھا۔ میں نے ان دونوں کو علیحدہ کیا اور شمیم کے ہاتھ کا بوسہ لے کر اشرفی بیگم سے کہا۔ "سنو اشرفی بیگم، اتنی نصیحت تمہارے لیے غالباً کافی ہوگی کہ آئندہ کبھی تم نے میرے خلاف کوئی سازش کی تو عبرت ناک انجام کے لئے تیار رہنا۔ اپنے عشاق نوابین کو سمجھا دو کہ وہ میرے آڑے نہ آئیں۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں خاں صاحب۔" اشرفی بیگم نے گریہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے اب کوئی لغزش نہیں ہوگی۔"

یہ واقع بہت اہم تھا، اشرفی بیگم اور پنڈت ریشہ خطمی ہو گئے تھے۔ وہ لمحوں میں بدل کر میری بری طرح خوشامد کر رہے تھے۔ شمیم بھی حیرت اور خوف سے لیکن ایک اپنائیت کے ساتھ میرے پہلو میں دبکی ہوئی تھی، اتنا بہت تھا۔ میں وہاں اپنی شخصیت کے کچھ ایسے گہرے نقوش چھوڑے جا رہا تھا جنہیں اشرفی بیگم اور پنڈت کبھی بھول نہیں سکتے تھے۔ رخصت کے وقت اشرفی بیگم کی حالت عجیب تھی۔ وہ مجھ پر وارفتہ، فریفتہ ہوئی جا رہی تھی۔ اس کا سارا کس بل نکل گیا تھا۔ میں جلد ہی آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے چلا آیا اور گھر آ کر بے سدھ پڑ گیا۔ انکا واپس بہن علی کے سر پر چلی گئی اور میں پانچ روز تک لکھنؤ کے خاص علاقوں میں گھومتا رہا، پولیس کی نظروں میں خود کو لاتا رہا اور یہ مشہور کرتا رہا کہ میں چند دنوں کے لیے شہر سے جا رہا ہوں، اس کے بعد اشرفی بیگم کے ہاں جانے کا موقع نہیں ملا اور نہ ہی کسی دوسری طوائف کے ہاں۔ البتہ اس بازار سے ضرور گزر رہا۔ ایک ہفتے میں میری خاصی دھوم مچ گئی تھی۔ اس عرصے میں جو مقصد میں حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ میں نے کسی حد تک حاصل کر لیا تھا، ویسے ایک ایک پل وحشت میں گزر رہا تھا۔ اپنے دل کا حال تو خود مجھے معلوم تھا، کسے معلوم تھا کہ سڑکوں پر دندناتا ہوا یہ سرکش شخص اندر سے کتنا غم زدہ اور دکھی ہے۔ شب و روز مجھ پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔ میرا سورج غروب ہو رہا تھا۔ میں غروب ہو رہا تھا۔

☆==========☆==========☆

آخر وہ دن آ گیا جب مجھے کلکتے جانا تھا، سات روز بیت گئے تھے۔ ساتویں روز صبح جب میں سو کر اٹھا تو دیکھا کہ مالا ایک کونے میں مرگ چھالا پر بیٹھی منہ ہی منہ میں نہ جانے کیا پڑھ رہی ہے۔ مجھے اس کی معصومیت پر ترس آ گیا۔ وہ اتنی منہمک تھی کہ مجھے نہ دیکھ سکی اور وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ میں اسے

دیر تک دیکھا کیا۔ میں نے خود سے کہا۔ "جمیل احمد خاں۔ مالا رانی کو خوب جی بھر کے دیکھ لو۔ قسمت کا پانسا پھر تمہارے خلاف پڑا ہے۔ نہ جانے پھر اسے دوبارہ دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔" مالا نے اپنا جاپ ختم کر کے نظر اٹھائی تو مجھے محوِ نظارہ دیکھا۔ وہ مرگ چھالا سے اٹھ کر میرے قریب آئی اور اس نے بڑے والہانہ انداز میں میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اس نے ایک بار پھر دبے دبے لفظوں میں مجھے روکنا چاہا لیکن اب شدید اصرار کی اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میں اس کی قلبی کیفیت سے واقف تھا۔ اس کا دل رو رہا تھا مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ میں نے اسے سمجھایا تو اس سے ضبط نہ ہوا، رو پڑی۔ میرے لیے دعائیں مانگنے لگی۔ مجھے کامیابی کا یقین دلاتی رہی...... میں اس سے جدا ہو کر چچا جان کے پاس گیا اور اپنی اچانک روانگی کے سلسلے میں بڑی مشکل سے ان کی حیرت دور کی۔ چچا جان سے اجازت لے کر میں باری باری تمام بہنوں سے ملا، ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔ پھر مالا کے پاس آیا جو سفری سامان تیار کر رہی تھی۔ مالا سے جدائی کے آخری لمحات بہت رقت انگیز تھے۔ ہم دونوں جذباتی باتیں کرتے، روتے اور مسکراتے رہے پھر میں نے مالا سے چچا جان اور بہنوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور کہا اگر حالات میرے حق میں ناسازگار ہوئے تو وہ اسی چوکھٹ پر زندگی گزار دے۔ میری اس دل خراش وصیت سے مالا تڑپنے لگی اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں نے بابا اور جگدیو مہاراج سے پرارتھنا کی ہے، مجھے وشواش ہے کہ وہ آپ کی سہائتا کریں گے۔ بابا نے اپنے ہاتھوں سے میری مانگ میں سیندور بھرا تھا۔ آپ دل چھوٹا کیوں کرتے ہیں؟"

"نہیں، نہیں۔" میں نے آنسو پونچھ کر کہا۔ "مالا، مجھے وچن دو کہ جب تک میں واپس نہ آؤں، تم یہاں کا خیال رکھو گی؟"

"آپ کے چچا جان میرے پتا سمان ہیں۔ میں وچن دیتی ہوں کہ کوئی مصیبت آئے گی تو پہلے مجھ پر آئے گی۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا پھر مالا سے اجازت لے کر سامان اٹھایا اور گھر والوں سے دوبارہ مل کر باہر آ گیا۔ مکان پر آخری نظر ڈالی اور قدم آگے بڑھا دیئے۔

میں جا رہا تھا لیکن ایسی منزل کی طرف جہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ چلتے وقت قدم ڈگمگائے۔ ان لوگوں کو، اپنے پیاروں کو میں کہیں آخری بار تو نہیں دیکھ رہا ہوں؟ میں ٹھٹک کر رک گیا پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھنے لگا۔ میرے پاس اور کیا تدبیر ہے...... کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں۔ مجھے تزئین، نرگس اور کلدیپ بے اختیار یاد آئیں۔ کیسے کیسے لوگ بچھڑ گئے اور کیسے کیسے لوگ اب بچھڑ رہے ہیں۔ مالا کی حسرت ناک نظریں ابھی تک میرے جسم میں چبھی جا رہی تھیں، دل ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ بدری نرائن کو اس طرح چھوڑ دیا جاتا تو زندگی کی کوئی ہلکی سی امید بھی باقی نہیں رہتی۔ یہ سفر تو زندگی برقرار رکھنے کے لئے تھا۔ میں اپنے

خیالات میں اس قدر محو تھا کہ مجھے خبر نہ ہوسکی کہ کب اسٹیشن آگیا۔ تانگے والے نے مجھے مخاطب کیا تو میں چونکا۔ اسے کرایہ دے کر میں اسٹیشن کی حدود میں داخل ہوا۔ گاڑی کی روانگی میں ابھی بیس منٹ باقی تھے۔ ڈبے میں میرے سوا کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا۔ ڈبے میں جا کر میں سیٹ پر دھڑام سے گر گیا۔ اچانک کسی نے میرا نام لے کر آواز دی۔ میں نے چونک کر دیکھا تو آنکھیں چمک اٹھیں۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ سادھو جگدیو میرے قریب کھڑا گہری، سنجیدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ "پرنام مہاراج!" میں نے بڑی عقیدت سے کہا۔

"کہاں جا رہا ہے تو؟" جگدیو نے روکھی آواز میں مجھ سے دریافت کیا۔

"کلکتہ۔" میں نے اس کی الجھن اور بے رخی سے سہم کر کہا۔

"باز آ جا۔ اب بھی سمے ہے۔ اپنی ضد سے باز آ جا۔ کالی کے مندر میں تیرا کوئی جنتر منتر، کوئی داؤ سپھل نہیں ہوگا!" جگدیو نے خشک لہجے مں کہا۔ "تو مصیبتوں میں پھنس جائے گا۔"

"اب کوئی راستہ بھی نہیں ہے مہاراج۔ پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔" میں نے کسی قدر جرات سے کہا۔ "بدری نرائن نے بڑے زخم لگائے ہیں، پہلے اس نے نرگس کو چھینا پھر مالا رانی پر حملہ کیا اور اب..... اب وہ انکا کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے کیا بتاتا ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔ پرنتو تیرا کالی کے مندر میں جانا ٹھیک نہیں۔ دیوی بدری نرائن کی رکشا اس سمے تک کرے گی جب تک بدری نرائن اس کے چرنوں میں ہے۔ تو اور تیری انکا مل کر بھی دیوی اور بدری نرائن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" تمہارا کیا حکم ہے مہاراج؟"

"سمے کا انتظار کر بالک، اپنی ضد چھوڑ۔ لکھنؤ سے تیرا باہر جانا ٹھیک نہیں۔"

"پر سوچو مہاراج۔ اگر بدری نرائن انکا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو میں تو برباد ہو جاؤں گا۔ میرے پاس کیا بچے گا؟"

"انکا پر تجھے بڑا گھمنڈ ہے؟" جگدیو نے تیز آواز میں کہا۔ "کیا وہ بتا سکتی ہے کہ اس ویشیا کی چھوکری (تزئین) پر کیا بیتی؟"

"نہ سہی مہاراج۔ پرنتو میں بدری نرائن کو اس کے جاپ میں سپھل نہیں ہونے دوں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"مورکھ۔ اپرادھی، کیا تو کالی کے ساتھ یدھ لڑے گا؟" جگدیو نے کانپتے ہوئے کہا۔ "پاپی، تیری یہ مجال؟"

"مہاراج، یا تو میری مدد کرو یا...... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ اگر میری قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو تمہاری شکتی بھی اسے نہیں ٹال سکتی۔" میں بیزاری سے بولا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ جگدیو میری مدد کے

لئے آیا ہے مگر اس کے رویے نے مجھے دل برداشتہ کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اسی قسم کی گفتگو کرتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ مالا رانی کی وجہ سے وہ میری مدد کرے گا اور ہمت بڑھائے گا لیکن اس کے مایوس کن انداز گفتگو نے مجھے اور جھنجلا دیا۔

"بھاگ کا لکھا بھی ٹل سکتا ہے۔ پرنتو منش کو سمے کا دھیان ہونا چاہیے۔" جگدیو غصے میں بولا۔ "تیری آنکھوں پر پٹی پڑ چکی ہے۔ تو کالے اور سفید کی تمیز کھو چکا ہے۔ تو نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے۔ تو نہیں جانتا کہ اگر مجھے مالا کے سورگ باشی بابا اور اپنے متر کا خیال نہ ہوتا تو میں تجھے بتاتا۔"

میں جواب میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ گاڑی کی روانگی میں سات آٹھ منٹ باقی تھے۔ میں نے جگدیو سے نظریں چرا لیں۔ میں بڑی مشکل سے خود پر قابو پا رہا تھا۔ جگدیو ہی بزرگی کا خیال تھا۔ خواہ میرا انجام کچھ بھی ہوتا۔ ادھر مجھے ناز تھا کہ میری ضد سے مجبور ہو کر وہ میری مدد کو مجبوراً آمادہ ہو جائے گا۔

"کیا سوچ رہا ہے؟" جگدیو نے مجھے خاموش دیکھ کر کرخت آواز میں کہا۔ "مورکھ میں کہتا ہوں، میرا کہا مان لے۔ نہیں تو سر تھام کر روئے گا۔"

"مہاراج۔ کیا تم بھی مجھے بد دعائیں دینے آئے ہو؟" میں نے تلملا کر کہا۔ "کیا تم بھی غیر ہو گئے؟"

"بکواس مت کر۔ میری بات کا جواب دے۔"

"میں نے کلکتے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "مجھے تمہارا لحاظ ہے اس لیے میں کھل کر بات نہیں کر رہا۔ تمہارے متر بابا پریتم لال نے مالا مجھے دان کرتے سمے کچھ شکتی بھی دان کی تھی، یہ کیسی شکتی ہے جو میرے برے وقت کام نہیں آسکتی؟ بابا کی بیٹی مالا کا سہاگ اجڑنے کو ہے۔ میرا ایک دشمن کالی کے مندر میں چھپ کر گھات لگا رہا ہے اور تم کہتے ہو، میں خاموش بیٹھا رہوں۔ میں پہلے بھی ایک بار انکا کے جانے کے بعد مصیبتوں میں گھر چکا ہوں۔ اب اور کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ مجھے معلوم ہے کہ کالی کے مندر میں میرا جانا ٹھیک نہیں مگر مجھے وشواش ہے کہ تم اور بابا پریتم لال مالا کو ودھوا نہیں ہونے دو گے۔ تم آخر میں بہرحال میری مدد کرو گے۔ تمہیں آنا پڑے گا اور تم نہیں آئے تو میں مر جاؤں گا۔ میں ایسی موت کو گلے لگا لوں گا جو ذلت کی زندگی سے یقیناً بہتر ہوگی لیکن تمہاری بیٹی ودھوا ہو جائے گی۔" میں پھٹ پڑا اور کھل کر سب کچھ کہہ دیا۔

"تو مورکھ ہے۔ تو کچھ نہیں جانتا۔ تیری مدد کو وہاں کوئی نہیں آسکتا اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو اپنے ارادے سے کلکتے چلا جائے گا؟" جگدیو نے شدید غصے میں کہا۔ میری باتوں سے وہ بہت ناراض ہوگیا تھا۔

"میں کلکتے ضرور جاؤں گا۔ میں جا رہا ہوں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اچھا!" جگدیو نے برا سے منہ بنا کر کہا۔ "تیرا فیصلہ اٹل ہے؟"

Downloaded from Paksociety.com

"ہاں۔" میں نے کچھ بگڑ کر کہا۔ "میں تمہیں سب بتا چکا ہوں۔"

"سن، تو نہیں جا سکتا۔ تو ہر جگہ من مانی کرتا ہے۔ اپنی اوقات سے بڑھ کر باتیں کرتا ہے۔ تو نے میرے سامنے زبان کھولی ہے۔"

جگد یو کی آنکھیں خون برسا رہی تھیں اور زبان آگ اگل رہی تھی۔ "تو کلکتے کی بات کرتا ہے۔ لکھنؤ کا اسٹیشن ہی تجھ پر بھاری ہو جائے گا۔ تو نے میری بات نہیں مانی۔ جگد یو کی بات نہیں مانی۔ تجھے اس بھول کی اوش سزا ملے گی۔ سادھو کا کہا یاد رکھنا۔"

سادھو جگد یو نے ایک نہ سمجھ میں آنے والا خوفناک نعرہ بلند کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میری کیفیت عجب گومگو کی تھی۔ شدید غصہ بھی تھا اور خوف بھی۔ جگد یو کے چلے جانے کے بعد مجھے اس پر اور طیش آیا اور پریتم لال پر بھی کہ میری مدد کرنے کے بجائے وہ مجھے بددعائیں اور گالیاں دیتا چلا گیا۔ میں نے اسٹیشن کی گھڑی دیکھی۔ روانگی میں بمشکل تین منٹ تھے۔ میں نے اس شخص کو سرسری نظر سے دیکھا جو ڈبے میں داخل ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی مسافر ہو گا لیکن وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا اور ٹکٹکی باندھ کر گھورنے لگا۔ اسی سے مجھے کچھ شبہ ہوا۔ میں نے توجہ ہٹانی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ زہر خند سے بولا۔ "لکھنؤ سے بڑی جلدی دل اچاٹ ہو گیا تمہارا؟"

"کون ہو تم؟" میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"پرنتو میں تم کو خوب جانتا ہوں جمیل احمد خان۔ تمہاری تلاش میں یہاں تک آنا پڑا۔" نو وارد نے مردانگی سے جواب دیا پھر کڑک کر بولا۔ "اپنا سامان اٹھاؤ اور شرافت سے گاڑی سے نیچے اتر آؤ۔ تھانے چل کر تم سے تفصیلی گفتگو ہو گی۔"

"دیکھو مہاشے۔ اپنا راستہ لو، مجھے تنگ نہ کرو۔ اگر تمہیں میری تلاش تھی تو تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں کون ہوں اور تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ مکتی چاہتے ہو تو دُم دبا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اپنی غفلت پر پچھتانا پڑے۔" میں نے اسے جھڑک دیا۔

نو وارد کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ چھا گئی پھر جو کچھ ہوا وہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اچانک ڈبے میں مسلح سپاہیوں کا دستہ گھس آیا اور مجھے جکڑ لیا گیا۔ میں گھسیٹ کر نیچے اتارا گیا اور دھکے مار کر اسٹیشن سے باہر لایا گیا۔ پولیس کی بند گاڑی پہلے سے موجود تھی۔ کوئی احتجاج، کوئی فریاد کارگر نہ ہوئی۔ میں نے جرم کی نوعیت دریافت کی تو جواب میں میرے گالوں پر زوردار تھپڑ لگائے گئے پھر مجھے کسی جانور کی طرح گاڑی کے پچھلے حصے میں ٹھونس دیا گیا۔ چار مسلح سپاہی میرے ساتھ اندر آئے۔ دروازہ بند ہوتے ہی وہ حصہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے کس جرم کی پاداش میں مجھے گرفتار کیا ہے۔ میرا خیال تھا انکا میری تمام

مشکلات ختم کر چکی ہے۔ اشرفی بیگم کی جرأت نہیں تھی کہ وہ اب کوئی انتقامی کارروائی کرے، بہن علی کے سر پر انکا موجود تھی پھر یہ افتاد کیسے پڑی؟ خلاف توقع پکڑے جانے اور پکڑنے والوں کے جارحانہ سلوک نے مجھے بوکھلا دیا تھا۔ معاً مجھے جگد یو سادھو کا خیال آیا اور میرا خون کھول اٹھا۔ یقیناً جگد یو کی کارستانی تھی۔ اس کے آخری الفاظ مجھے یاد آئے کہ لکھنؤ اسٹیشن مجھ پر بھاری ہو جائے گا۔ مالا نے چلتے وقت کہا تھا کہ پریتم لال اور سادھو جگد یو میری مدد کریں گے لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ مجھے شبہ ہوا کہ کہیں مالا نے جگد یو کو خبردار کر کے مجھے رکوانے کی تاکید نہ کی ہو۔ اب تو مجھے اپنے آپ پر بھی شبہ ہو رہا تھا۔ گاڑی کے اندھیرے میں گم، میں پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ جس انکا کے لئے میں موت کے منہ میں جا رہا تھا وہی اس وقت غائب ہے۔ وہ مجھ سے بے خبر تھی۔ نہ جانے کہاں مری ہوئی تھی۔

پولیس کی بند گاڑی مختلف راستوں پر گھومتی رہی، بیس پچیس منٹ بعد گاڑی رکی۔ پچھلا دروازہ کھولا گیا تو میں نے خود کو ایک تھانے کے احاطے میں پایا۔ قبل اس کے کہ میں اس تھانے کے محل وقوع کے بارے میں کچھ غور کر سکتا، دو مسلح سپاہیوں نے مجھے دھکا دے کر آگے چلنے کی ہدایت کی۔ جب میں تھانے کے دفتر میں داخل ہوا تو میری حیرت دوچند ہو گئی کہ وہاں ناظم علی کھڑا تھا۔ وہی ناظم علی جسے میں نے اشرفی بیگم کے کوٹھے پر تزئین کو یاور مرزا کے تصرف میں جانے سے روکنے کے لئے سزا دی تھی۔ ناظم خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتا رہا پھر مضحکہ اڑاتے ہوئے بولا۔ "خان صاحب، پہچانا مجھے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی کو مصلحت جان کر زبان بند رکھی، ناظم علی نے دوبارہ کہا۔ "میرا نام ناظم علی ہے۔ ہماری ملاقات اشرفی بیگم کے بالا خانے پر ہوئی تھی، کچھ یاد آیا تمہیں؟"

"ہاں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"شکر ہے کچھ یاد تو آیا۔ اس روز مسلسل جاگتے رہنے کی وجہ سے میں غالباً بے ہوش ہو گیا تھا۔" ناظم علی نے نفرت سے کہا۔ "تمہاری قسمت نے یاوری کی مگر آج تم میرے سامنے ہو۔ آج تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔"

"مجھے کس جرم کی پاداش میں گرفتار کیا گیا ہے؟" میں نے ہمت کر کے دریافت کیا تو ناظم علی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"کسی ایک جرم کی پاداش میں؟" ناظم علی مسکراتا ہوا میرے قریب آیا۔ "گھبراؤ نہیں خان صاحب۔ ہم تمہیں یہاں عزت سے لائے ہیں۔ تمہارے احترام کرنا میرے فرائض میں داخل ہے لیکن کیا بات ہے، آج تمہارے لہجے میں وہ گھن گرج نہیں ہے جو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر محسوس ہوئی تھی۔ خدانخواستہ کہیں دشمنوں کی طبیعت تو ناساز نہیں۔"

مجھے ڈر تھا کہ اگر بات طول پکڑ گئی تو معاملات بگڑ جائیں گے اور بدری نرائن کا معاملہ کھٹائی میں پڑ

جائے گا لیکن جب ناظم علی نے مسلسل میری عزت پر وار کیے اور میری خاموشی کو میری بزدلی پر محمول کر کے بے ہودہ انداز میں میرا مذاق اڑایا تو میں ضبط نہ کر سکا۔ میں نے کہا" ناظم علی، میری زبان نہ کھلواؤ تو بہتر ہے۔"

"گویا تمہارے منہ میں زبان موجود ہے۔" ناظم علی نے مسکرا کر کہا پھر یکلخت اتنی زور کا تھپڑ مارا کہ میں چکرا گیا۔ "کمینے!" وہ غرایا۔ "پہلے تو نے تزئین کو اغوا کرایا پھر اشرفی بیگم کے بالا خانے کی دوسری لڑکی غزالہ کو بھی غائب کرا دیا؟"

"یہ غلط ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔ "اشرفی بیگم نے میرے خلاف کوئی جال بُنا ہے۔"

"بکواس مت کر ننھے......" ناظم علی نے میری مرحوم ماں کے ساتھ گستاخی کی۔ "میرے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہیں اور عینی شاہد بھی۔ تجھے یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی جمیل احمد خان۔"

"قبل از وقت کوئی بات اتنے یقین سے نہ کہو ناظم علی۔" میں نے جھلا کر جواب دیا۔ "آنے والا وقت ہی اس بات کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون خسارے میں رہا ہے اور کون فائدے میں؟"

ناظم علی نے اشارہ کیا تو مسلح سپاہی مجھ پر خون آشام درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رائفل کے کندوں نے دس منٹ کے اندر اندر میرا جوڑ جوڑ ڈھیلا کر دیا۔ میں فرش پر پڑا کراہ رہا تھا اور ناظم علی نخوت اور حقارت سے مجھے گھور رہا تھا پھر اس کے اشارے پر سپاہی دور ہو گئے۔ "عقل سے کام لو خان صاحب۔ پولیس کی مار کے آگے شیطان بھی نہیں ٹکتا تم تو انسان ہو۔ تزئین کے سلسلے میں اب بھی کھل جاؤ ورنہ ممکن ہے آٹھ دس روز تک تم اپنا بیان دینے کے قابل بھی نہ رہو۔"

بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ میرے خلاف گویا ایک محاذ بنا لیا گیا تھا۔ اشرفی بیگم سے ساز باز کر کے غزالہ کو غائب کرا کے انہوں نے انتقاماً یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ انکا کی غیر موجودگی میں میرے پاس بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے کچھ سوچ کر کراہتے ہوئے ناظم علی سے کہا۔ "اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تزئین کا پتا بتا دینے کے بعد قانون کی گرفت مجھ پر سست پڑ جائے گی۔"

"تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا ہوگا۔" ناظم علی نے جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تزئین کی بازیابی کے بعد فوراً تمہیں رہا کر دیا جائے گا۔"

ناظم علی کے جواب سے میرے شبہات کی تصدیق ہو گئی۔ اس بات کا امکان نہیں تھا کہ اشرفی بیگم از خود اس قسم کی جرات کرتی۔ یقیناً نوابین اور پولیس کے افسروں نے اسے اس امر پر مجبور کیا ہوگا۔ ناظم علی بھی اپنے بے عزتی اور یاور مرزا کی معزولی کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ گویا مجھے پھانسنے کے لئے جو جال بُنا گیا تھا وہ خاصا مضبوط تھا۔ ناظم علی کی نگاہوں میں عیارانہ چمک تھی۔ ظاہر ہے اگر میں تزئین کا کوئی فرضی پتا بتا بھی دیتا تو اپنا مطلب پورا ہو جانے کے بعد وہ کبھی اپنا وعدہ وفا نہ کرتا۔ ناظم علی نے میری خاموشی سے اکتا

کر کہا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" میں سنجیدگی سے بولا۔

"میں مرا نہیں ہوں خان صاحب۔" ناظم علی غرا کر بولا۔ "کیا تم سیدھی طرح زبان نہیں کھولو گے؟"

"میں ذات کا پٹھان ہوں ناظم علی۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "تمہیں میری بات کا اعتبار کرنا چاہیے۔"

"اعتبار کے بچے۔ تیری ذات کیا ہے۔ یہ میں تجھے بتاؤں گا۔ میں تیری ہڈیوں کا سرمہ بنا سکتا ہوں۔"

ناظم علی کا غصہ شباب پر تھا۔ میرے پاس مفر کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بے بسی کا احساس شدت سے غالب تھا۔ انکا ابھی تک غائب تھی۔ سادھو جگدیو کی ناراضی کے بعد پریتم لال کی شکتی کو آواز دینا بھی فضول تھا۔ گھر والوں کو بھی اطلاع نہیں مل سکتی تھی کہ میں کس حال میں ہوں۔ میں نے خود کو سنبھالا اور کہا۔ "تیار ہو جاؤ جمیل احمد۔ گمنامی کی موت تمہارے مقدر میں لکھی ہے۔"

"میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔" ناظم علی نے بگڑے تیور سے کہا۔ "پھر سوچ لو جمیل احمد خان۔"

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی ہے۔ وہ واقعی موجود تھی۔ ان کربناک لمحوں میں اس کی آمد سے ایسا معلوم ہوا جیسے تن مُردہ میں جان پڑ گئی ہو۔ میں ہمت کر کے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا اور ناظم علی سے کہا۔ "ناظم علی برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ تم اپنی من مانی کر چکے۔ اب میری باری ہے۔ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ جو برتاؤ تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اسے میں بھول جاؤں گا۔"

"مردود۔ تو نے ابھی تک صرف میرا نام سنا ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ بڑے بڑے مجرم میرے سائے سے ڈرتے ہیں۔" ناظم علی دہاڑنے لگا۔

"اشرفی بیگم کے چکر میں مت پڑو میرے دوست۔ وہ آبرو باختہ لڑکیوں کے سوا تمہیں کیا دے سکتی ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

ناظم علی میرے بدلے ہوئے رویے سے کشمکش میں پڑ گیا۔ وہ مجھ سے نتیجہ اگلوا نہیں سکا۔ میرے پاس کچھ ہوتا تو وہ اگلواتا۔ اس کا جارحانہ انداز بڑھتا رہا اور میں پُرسکون ہو کر جواب دیتا رہا پھر اس نے جھلا کر مسلح سپاہیوں کو مجھے زدوکوب کرنے کا اشارہ کیا۔ ٹھیک اسی وقت انکا رینگ کر میرے سر سے اتر گئی۔ وہ سپاہی جو آدم خور بھیڑیوں کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ انہیں ایک سپاہی نے روکا اور کان میں کچھ کہا۔ اچانک ان سب نے ناظم علی کی ہدایت پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ ناظم علی کی جھلاہٹ قابل دید تھی۔ اس نے اس سب کو دوبارہ حکم دیا۔ "اس ننھے کو اتنا مارو کہ یہ پھر اٹھ نہ سکے۔" مگر آگے بڑھنے والے سپاہی نے انکار کر دیا کہ وہ کوئی خلاف قانون قدم نہیں اٹھائے گا۔

ناظم علی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اسے سپاہیوں سے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ میں اپنی جگہ خاموش کھڑا اس کی بوکھلاہٹ پر مسکرا رہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کچھ دیر بعد چاروں سپاہی آپس میں دست و گریباں ہو جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ناظم علی کے چہرے کا تناؤ بتدریج کم ہوگیا۔ اس نے خلاف توقع سپاہیوں کا مشورہ قبول کرلیا اور اپنے ماتحت سب انسپکٹر کو بلا کر حکم جاری کیا کہ مجھے حوالات میں بند کر دیا جائے اور اتنی کڑی نگرانی رکھی جائے کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ پھر مجھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب رہائی ملنے میں بس کچھ دیر باقی ہے۔ میری غمگسار انکا، میری محبوب انکا میرے ساتھ تھی۔ کچھ دیر بعد جب ناظم علی آکر مجھے حوالات سے نکالنے کے لئے آئے گا تو تھانے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔

حوالات کے اندر پہنچ کر میں نے انکا کو یاد کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ میرے سر پر آگئی۔ اس وقت وہ بے حد سنجیدہ اور کھوئی کھوئی نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ’’میں تم سے سخت ناراض ہوں انکا مگر تم بروقت واپس آگئیں اس لیے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ جاؤ تم ناظم علی کے سر پر جاؤ اور اسے حکم دو کہ مجھے باعزت طور پر نہ صرف رہا کرے بلکہ اسٹیشن تک لے جانے کا بندوبست بھی کرے۔‘‘

انکا سعادت مندی سے چلی گئی۔ میں پُرخیال انداز میں حوالات کے اندر ٹہلنے لگا اور پہلی گاڑی سے کلکتے پہنچنے کا پروگرام بنانے لگا۔ میرے ارادوں میں ناظم علی کی رخنہ اندازی اور جگدیو کی مداخلت کے باوجود کوئی لچک پیدا نہ ہوسکی۔ انکا تھوڑی دیر میں واپس آگئی [illegible] کے چہرے سے الجھن مترشح تھی۔ آنکھوں میں ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی ذہنی خلفشار سے دوچار ہے۔ میں ایک لمحے تک اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ مجھے اس کے رویے پر حیرت ہوئی۔ ’’کیا بات ہے انکا؟‘‘ میں نے دریافت کیا۔

’’جمیل!‘‘ انکا نے بے چین ہو کر کہا۔ ’’ناظم علی نے میری بات نہیں مانی۔ وہ تمہیں رہا کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔‘‘

’’انکا!‘‘ میں نے چونک کر کہا۔ ’’یہ تم کہہ رہی ہو...... تم؟‘‘

’’ہاں جمیل۔‘‘ انکا نے جھلا کر کہا۔ ’’ناظم علی کے سر پر جانا کچھ سودمند ثابت نہیں ہوا۔ وہ تمہیں سزا دلوانے کی خاطر قانونی دستاویز کو آخری شکل دے رہا ہے۔ میں کچھ نہیں کرسکی۔‘‘

’’مذاق بند کرو انکا۔ تمہیں ہر حال میں مجھے رہائی دلوانی ہوگی یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔‘‘

’’میں مذاق نہیں کر رہی ہوں جمیل۔‘‘ انکا نے مایوسی سے کہا۔

’’مجھے خود حیرت ہے کہ ناظم علی نے میری بات کیوں نہیں مانی؟ میرا خیال ہے شاید پھر وہی شکتی

آڑے آرہی ہے جس نے ترئین والے معاملے میں میری نگاہوں کے سامنے پردہ حائل کر دیا تھا۔‘‘

’’دفع ہو جاؤ انکا۔ تم بھی مجھ سے دور چلی جاؤ۔ جاؤ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ میں نے چیخ کر کہا۔ ’’مجھے مر جانے دو چلی جاؤ انکا دور ہٹو۔ میں اب مرنا چاہتا ہوں۔‘‘

مجھ پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ میں دیوانگی کی حالت میں بال نوچنے لگا۔ میں دیوار سے ٹکرا کر اپنا سر پاش پاش کر لیتا مگر مجھے اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ انکا کے نکیلے پنجوں کی شدید چبھن نے میرا ذہن ماؤف کر دیا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر غنودگی کا حملہ اتنا شدید تھا کہ سنبھل نہ سکا۔

☆===========☆===========☆

میری بدبختی کا وہ زمانہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ ذکر کرتے ہوئے خوف آتا ہے۔ ان دنوں کا ایک ایک لمحہ میرے دل پر نقش ہے۔ حوالات میں مجھے خلاف قانون دس روز تک رکھا گیا۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ میں نے اس غیر قانونی نظر بندی کے خلاف احتجاج کیا تو مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ کاغذات میں میری گرفتاری ایک روز قبل کی تاریخ میں درج تھی۔ جس مجسٹریٹ کے سامنے پیشی ہوئی وہ خریدا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اشرفی بیگم عدالت میں منہ چھپائے بیٹھی گواہ پر گواہ پیش کر رہی تھی۔

انکا کی تمام تر قوتیں میری رہائی کے سلسلے میں بے کار گئیں۔ اس نے مجسٹریٹ کے سر پر جانے کی بھی کوشش کی لیکن معاملہ مایوس کن رہا۔ بارہ روز تک مجھے عدالتوں میں گھسیٹا گیا پھر دو ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ میں نے اپنی بے گناہی کے سلسلے میں بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن ایک نہ چلی۔ جس روز مجھے سزا سنائی گئی اور میں عدالت سے باہر نکلا اس روز اشرفی بیگم کے چہرے پر زردی تھی۔ وہ مجھ سے ابھی تک خوف کھا رہی تھی۔ اسے مجبوراً عدالت میں پیش کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی مایوس نگاہوں سے مجھے یہ تاثر دیا جس وقت میں جیل والی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔ اس وقت ناظم علی نے میرے قریب آکر مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ ’’گھبراؤ نہیں جمیل، میں جیل کے اندر بھی تمہارا پورا پورا خیال رکھوں گا۔‘‘

میں نے ناظم علی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دل مسوس کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ یہ کیسی بدنصیبی تھی کہ لکھنؤ میں میرا کیس چلا جہاں مالا اور میرے رشتے دار موجود تھے۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ انکا میرے سر پر موجود تھی لیکن وہ بھی میری طرح بے بس ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے کی تازگی اور گفتار کی شوخی اسی روز رخصت ہوگئی تھی جس روز اس نے ناظم علی کے معاملے میں مایوسی کا سامنا کیا تھا۔ اس کا رنگ اڑ گیا تھا، ہر وقت نڈھال سر پر پڑی کسی گہری سوچ میں مستغرق رہتی۔ میں نے متعدد بار اسے نفرت سے دھتکارا مگر اس نے کوئی اثر نہیں لیا۔ البتہ میری لعن طعن سن کر وہ میری سمت دیکھتی تو مجھے اس کی بے نور آنکھوں میں حسرت و یاس کے ہزاروں افسانے تڑپتے محسوس ہوتے۔ نہ جانے اس کی پُراسرار قوتوں کا اثر کیوں زائل ہوگیا تھا۔ میں اسے سادھو جگدیو کا کرشمہ سمجھ رہا تھا۔ جیل میں بدترین

صعوبتوں کے سبب مجھے اس سادھو سے نفرت ہوگئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے پریتم لال نے میرے ساتھ فریب کیا ہے۔ مالا کو میرے سر چیپٹ دیا ہے۔ مجھے پریتم لال اور جگدیو کا خیال آتے ہی مالا سے بھی دوری محسوس ہوئی۔ انکا کلیجا پکڑے ہوئے یہ دردناک سانحے دیکھ رہی تھی۔ مجھے جیل جانے کا غم نہ تھا۔ جیل تو میں جاتا رہا تھا افسوس اس بات کا تھا کہ مالا نے میری خبر کیوں نہیں لی۔ اسے جگدیو سے پوچھنا چاہیے تھا کہ میں کس حالت میں ہوں؟ اور صدمہ اس بات کا تھا کہ اتنیس دن گزر چکے تھے اور میں بدری نرائن کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکا تھا۔ میرا دشمن ہر طرح آزاد تھا۔ میرے لیے یہ تصور ہی سوہان روح تھا کہ نرگس کا قاتل نہ صرف یہ کہ زندہ ہے بلکہ اب گیارہ روز بعد وہ انکا کو بھی ہتھیا لے گا۔ جیل میں اٹھتے بیٹھتے ٹھوکروں لاتوں اور جوتوں سے میری پذیرائی کی جاتی۔ دو وقت کے بجائے ایک وقت خوراک دی جاتی اور وہ بھی اتنی ناکافی کہ پیٹ بمشکل بھر سکے لیکن میں ہر مشکل جھیل گیا۔ یہ توہین آمیز برتاؤ یہ وحشیانہ سلوک، سب برداشت کر گیا۔ میں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی اور ناکام ہو کر سزائیں جھیلنی پڑیں۔ سخت گیر جیلر انسان نہیں تھا۔ درندہ تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا، میری بے چینی بڑھتی جاتی۔ انکا مُردوں سے بدتر حالت کو پہنچ چکی تھی اور اس رات جب بدری نرائن کا جاپ مکمل ہونے میں ایک روز باقی رہ گیا تھا۔ میں جیل میں کوٹھری کے ننگے فرش پر لیٹا آنے والے بھیانک لمحوں کا خیال کر کے خوفزدہ تھا کہ انکا نے نقاہت بھری آواز میں اپنی گزشتہ تمام غلطیوں کی معافی مانگی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس کی وجہ سے مجھ پر آفتیں نازل ہوئیں، میں نے اسے دل شکن باتیں کرنے سے منع کیا۔ ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ دل توڑنے والی باتیں کر رہی تھی۔

''اس مرتبہ مجھے جگدیو کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ وہی ان تمام حالات کا ذمہ دار ہے۔'' انکا نے ڈوبتے ہوئے دل سے کہا۔

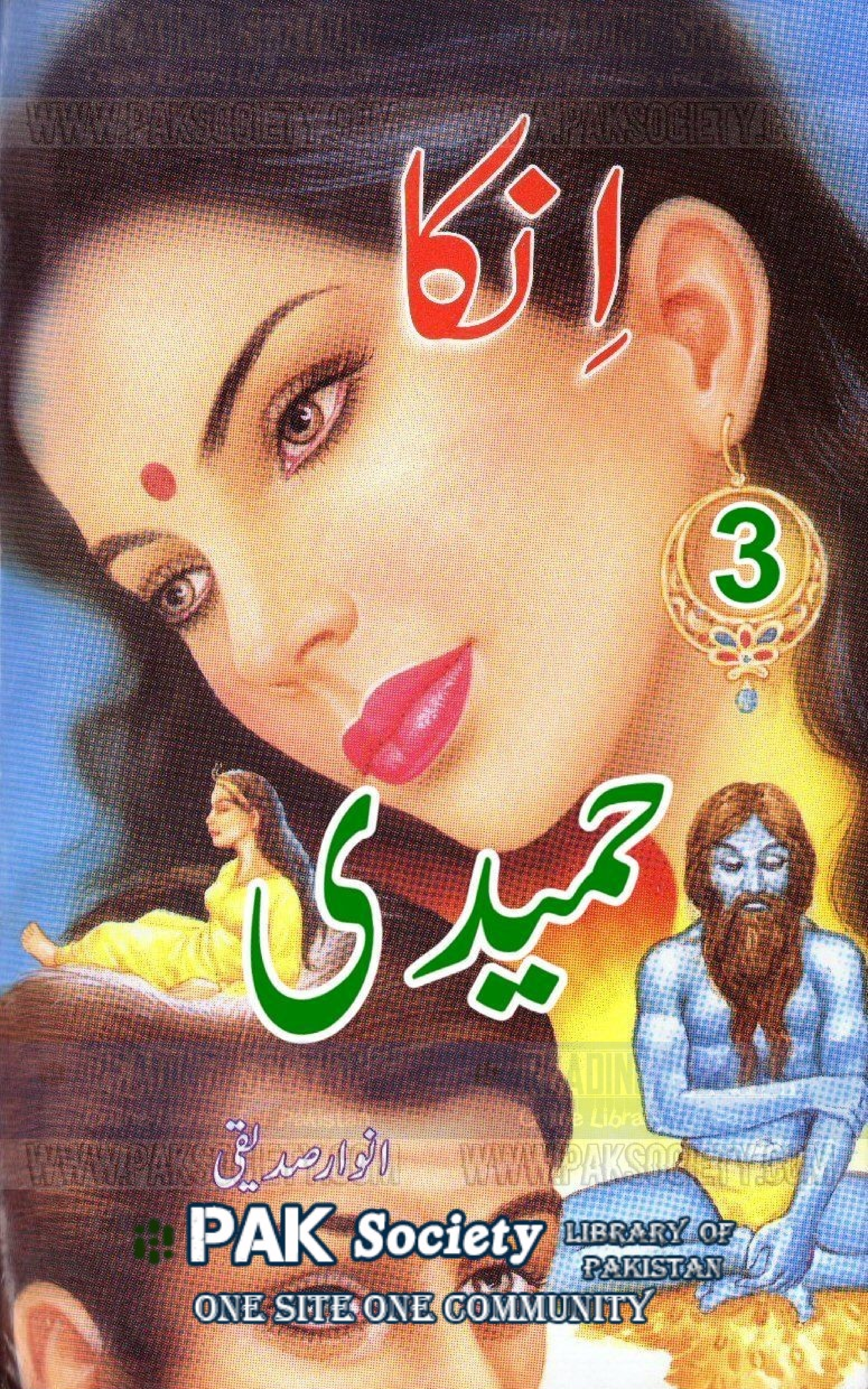
''کیا تمہاری پراسرار قوتوں کو بھی جگدیو سے نقصان پہنچا ہے؟'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا جمیل؟'' انکا نے اعتماد سے جواب دیا۔

''جگدیو مہان شکتی کا مالک ضرور ہے لیکن اتنا بھی نہیں کہ وہ میرے راستے میں حائل ہو سکے۔''

''پھر وہ کون سی طاقت ہے جو تمہارے آڑے آ رہی ہے؟'' میں نے اداسی سے پوچھا۔

''وہ کوئی غیر معمولی طاقت ہو سکتی ہے، جسے دیوی کی حمایت حاصل ہے۔'' انکا کی آواز میں بے بسی تھی۔ ''میں نے اس پراسرار قوت کے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ نہ جان سکی۔ یہ تمام پنڈت پجاری میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے لیکن جب انہیں کسی معاملے میں دیوی کی حمایت حاصل ہوتی ہے تو میں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میری شکتی صرف تمہارے معاملے میں بے اثر ثابت ہو رہی ہے۔ ویسے میری شکتی کون چھین سکتا ہے؟''


اِنکا
3
حمیدی
انوار صدیقی

انکا

(حصہ دوئم)

انوار صدیقی

Downloaded from Paksociety.com

''کل بدری نرائن جاپ میں کامیاب ہو جائے گا۔'' میں نے کچھ توقف کے بعد بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہی نظر آتا ہے مگر جمیل۔ تم سے بچھڑ کر مجھے شدید صدمہ ہوگا۔'' انکا نے بسورتے ہوئے کہا۔
''اگر میں اپنے وجود پر قادر ہوتی تو خودکشی کر لیتی لیکن تمہاری جدائی گوارا نہ کرتی۔''

''وقت کا کھیل ہے انکا۔ ہم سب بے بس ہیں۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا جو پورا ہوا۔''

''جمیل۔ تم خوش قسمت ہو کہ مالا رانی تمہیں مل گئی۔ تم اپنی دلبستگی کا سامان کر سکتے ہو۔ میں کس سے بات کروں گی؟ میری زندگی صرف اس کے لئے وقف ہے جو میرا مالک ہو۔ مجھے خود پر کوئی اختیار نہیں، ان پنڈتوں میں بہت کم مرتے ہیں کہ میں آزاد ہوتی ہوں۔''

''انکا میری جان۔ کیا تم میرا ایک آخری کام کر سکتی ہو؟'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کہو جمیل۔ کاش میں تم پر اپنا وجود نچھاور کر سکتی۔ اگر تمہاری انکا کے بس میں ہوا تو ضرور پورا ہوگا۔''

''مجھے مار ڈالو انکا۔ اپنے پنجے اتنی زور سے میرے سر میں چبھاؤ کہ ہر احساس فنا ہو جائے۔ یہ زندگی تمہارے بغیر بیکار ہے۔''

''میں یہ نہیں کر سکتی۔ مایوس کیوں ہوتے ہو؟'' انکا تڑپ کر بولی۔ ''تم نے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ وقت کا انتظار کرو۔ مجھے یقین ہے تم ضرور کامیاب ہو گے۔''

آہ وہ دلخراش گفتگو، وہ جدائی کے لمحے، انکا مجھے بچوں کی طرح دلاسے دیتی رہی۔ میری آنکھوں کے پیچھے چھپا ہوا آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ میری انکا جا رہی تھی۔ ان کربناک لمحات کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ لمحہ آ گیا جب انکا نے مجھ سے اجازت مانگی، الوداع کہا اور مجھے بدری نرائن کی کامیابی کا

مژدہ سنا کر حسرت و یاس سے میرے سر سے رینگ گئی۔ وہ کیا گئی میرا دل پہلو سے نکلنے کو بے تاب ہوا۔ اس روز میں کن کن کیفیتوں سے دو چار ہوا۔ کیسے کیسے دیوانگی کے دورے پڑے، اس کا احوال مجھے ان ملازمین سے معلوم ہوا جو میری نگرانی پر مامور تھے۔ میں انکا کی جدائی کے غم میں دیوانہ ہو گیا۔ میں نے اپنا سر دیواروں سے ٹکرایا۔ اگر اس جنون کے عالم میں محافظ دستے کے سپاہی مجھے جیل سے بروقت نہ نکالتے یا انہیں کچھ دیر ہو جاتی تو یہ تاریک کوٹھری مجھے اندھیروں میں ایسے سمیٹ لیتی کہ پھر کبھی میں روشنی میں نہ آ سکتا۔ جیل کے ہسپتال میں مجھے ہوش آیا تو انکا کی یاد بے تابانہ آئی۔ مجبوراً ڈاکٹروں کو مجھے بے ہوشی کا انجکشن لگانا پڑا۔

ہسپتال میں میری حالت سنبھلتے سنبھلتے پندرہ دن لگ گئے۔ اس دوران ڈاکٹر اور نرسوں نے کئی بار مجھ سے میرے عزیز و اقارب کے بارے میں دریافت کیا مگر میں ہر بار ایک سرد آہ بھر کر چپ ہو گیا۔ اب کسی سے ملنے اور کسی کو دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ میں تنہا ہوں۔ ایک ماہ بعد مجھے ہسپتال سے جیل بھیج دیا گیا لیکن اس بار ڈاکٹر کی سفارش پر مجھ سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیا گیا۔ میں دن رات اپنے انجام کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سادھو جگد یو کی ناراضی نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پنڈت بدری نرائن اب مجھ سے گن گن کر بدلے لے گا۔ اب ہر سو اندھیرا تھا۔

میری رہائی میں پانچ روز رہ گئے۔ مجھے اپنی بربادی صاف نظر آنے لگی۔ آزادی میری بربادی کی ابتدا ہو گی۔ ویرانیاں، مایوسیاں، ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ چار روز قبل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک سپاہی نے مجھے آ کر بتایا کہ جیلر نے بلایا ہے۔ میں خاموشی سے اٹھا اور محافظ کے ساتھ ہو لیا۔ جب میں جیلر کے کمرے میں پہنچا تو برقع میں چھپی ہوئی مالا کو دیکھ کر میرے قدم لرزنے لگے اور مالا نے میری ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو دہائی دینے لگی۔ نہ جانے کیوں مجھے مالا کی آمد ناگوار گزری۔ میں نے نگاہیں پھیر لیں۔ جیلر کی موجودگی میں مالا سے کوئی گفتگو مناسب نہیں تھی۔ البتہ اسے دیکھ کر جگد یو اور پریتم لال کا ایک معاملہ یاد آ گیا۔ ان لوگوں سے مجھے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ میں کچھ دیر چپ کھڑا رہا۔ جیلر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی بیوی سے اسی کمرے میں بات کر سکتے ہو۔ میں تمہیں دس منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔"

جیلر اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تو مالا بڑی تیزی سے میرے قریب آئی اور گلوگیر آواز میں بولی۔ "آپ کی یہ کیا حالت ہو گئی؟ ہم لوگوں کو اطلاع تک نہ دی؟"

"اب کیوں آئی ہو؟ جاؤ چلی جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ تمہارے جگد یو مہاراج نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے اور تمہیں [illegible] کی اطلاع تک نہ دی۔" میں نے [illegible] کہا۔

"بھگوان کی سوگند، مجھے آ [illegible]

بنتی کر کے آپ کو بلوایا۔" وہ آنسوؤں سے بولی۔

"اور کون آیا ہے تمہارے ساتھ؟" میں نے بے رخی سے پوچھا۔

"میں اکیلی آئی ہوں۔ ابھی تک چچا جان یا کسی اور کو کوئی خبر نہیں۔" مالا نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "جیلر کہہ رہا تھا۔ آپ چار روز میں رہا ہونے والے ہیں۔"

"اب رہائی میں کیا رکھا ہے؟ جگد یو مہاراج کی کرپا سے انکا میرے دشمن بدری نرائن کے قبضے میں جا چکی ہے۔ تمہارے بابا کی آتما نے بھی میری کوئی مدد نہیں کی۔ جو کچھ مجھ پر گزر رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ تم نے روانگی کے وقت غلط توقع قائم کی تھی کہ یہ گیانی دھیانی لوگ میری مدد کریں گے۔ اب کیا لینے آئی ہو؟ میں برباد ہو گیا ہوں۔ تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہیے تھا۔ جاؤ گھر جا کر میری بربادی کا سوگ مناؤ۔ سمجھ لو کہ میں ختم ہو گیا ہوں۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔" مالا نے حیرت سے دریافت کیا۔ مجھے اور غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ "آپ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں؟ بھگوان کی سوگند میں آپ کے کارن جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"انکا کی جدائی سے میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم میرے پاس سے چلی جاؤ۔ میرا کسی سے کوئی سمبندھ نہیں۔ گھر جاؤ۔ اب جو بھی مجھ سے اپنائیت کی باتیں کرتا ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ تم اس وقت یہاں نہ ٹھہرو ورنہ میرے منہ سے کچھ نکل جائے گا۔"

مالا کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس کا نقاب گیلا ہو گیا مگر میں خود سے بیزار تھا۔ مالا کی اشکباری سے کیا متاثر ہوتا۔ مجھے در و دیوار سے نفرت محسوس ہو رہی تھی، اپنے وجود سے گھن آ رہی تھی۔ ہر رشتہ بے اعتبار معلوم ہو رہا تھا۔ جیلر جب کمرے میں داخل ہوا تو روتی ہوئی مالا حسرت ناک نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی رخصت ہو گئی۔ مالا کے آنے سے میرے زخم دوبارہ ہرے ہو گئے۔ چار روز محض وحشت، جنون اور کرب میں گزرے، جب رہائی کا فیصلہ سنایا گیا تو میری آنکھیں جلنے لگیں۔ جیلر نے باہر نکلتے وقت مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے وشواش ہے کہ اب تم اپنی اوقات پہچان چکے ہو۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہو گا کہ لکھنؤ سے باہر چلے جاؤ۔"

میں نمناک آنکھوں پر پلکوں کا پردہ ڈالے جیل کے بڑے پھاٹک سے باہر نکلا۔ باہر کی دنیا مجھے اجنبی لگ رہی تھی۔ کھلی فضا میں حبس کی کیفیت تھی۔ ایک موہوم سی امید تھی کہ مالا مجھے لینے آئے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مالا کی غیر موجودگی سے دل پر اور چوٹ لگی۔ میں کدھر جاؤں؟ میری کوئی بھی منزل نہیں تھی۔ ہر جگہ مقتل ہر جگہ مذبح نظر آتی تھی۔ خاموشی سے ایک ایک طرف قدم بڑھانے لگا۔ بے سمت، بے ارادہ کہ اچانک کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ سادھو جگد یو میری پشت پر کھڑا معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرائی اور چمک دیکھ کر میرا جسم غصے اور نفرت سے مرتعش ہونے لگا۔ اسے دیکھ کر سارا جسم درد کرنے لگا اور جیل کی تمام مشقتیں، صعوبتیں نظروں میں گھوم گئیں۔ اب وہ پھر سنجیدگی، ٹھہراؤ اور سکون سے میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے ایک خطرناک فیصلہ کیا اور اپنی مٹھیاں بھینچتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ میرا اور اس کا درمیانی فیصلہ زیادہ نہیں تھا۔

میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اب جب کہ سب کچھ لٹ چکا تھا۔ ہر مسرت میرے لیے ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور میرے چاروں طرف تاریکیوں کا تسلط تھا میں کب تک زندگی کی آس لگائے بیٹھا رہتا۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے لمحات آئے جب میں نے اپنا وجود ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میرا خیال ہے، زندگی میں کئی بار آدمی موت کے فیصلے کرتا ہے پھر جب وہ لمحۂ مرگ آ جاتا ہے تو آدمی کو احساس ہوتا ہے کہ زندگی کس قدر قیمتی اور دلفریب ہے۔ جس شخص کی زندگی بار بار سخت حوادث سے دوچار ہوئی ہو اور قسمت نے اس کے ساتھ ہولناک مذاق کئے ہوں، وہ تو بار بار موت کی آرزو کرے گا۔ میں اپنی زندگی میں نہ جانے کتنی مرتبہ مر چکا تھا اور جب میں عرصہ مرگ میں ہوتا تھا تو سامنے کی کوئی چیز مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اس وقت سادھو جگدیو بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے اس کے وجود میں اپنے سامنے ایک شیطان، ایک عفریت کھڑا ہوا دیکھا۔ میں نے سوچ لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے اس شخص سے ضرور انتقام لینا ہے جس نے انکا کو مجھ سے چھنوا دیا ہے، میں آگے بڑھا میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہو گیا لیکن اس سے قبل کہ میرا ہاتھ جگدیو کے گریبان تک پہنچتا اور میں اس بوڑھے کے ٹینٹوے سے خون پیتا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے قدم زمین میں گڑ گئے ہوں۔ میں نے آگے بڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ بظاہر میں آزاد نظر آ رہا تھا لیکن بباطن مجھے بہت سے ہاتھوں اور بہت سے جسموں نے جکڑ رکھا تھا۔ میری بے بسی دیکھ کر سادھو جگدیو کے چہرے پر حقارت کے آثار نمودار ہوئے۔ ”پاپی! تیرے من کا کھوٹ تجھے نشٹ کر دے گا۔ دیوتا تجھے کبھی شما نہیں کریں گے۔ تو نے جگدیو پر ہاتھ اٹھانے کا خیال کر کے اپنے لیے اور دکھ سمیٹ لیے ہیں۔“

”ہونہہ“ میں نے زمین پر تھوک کر کہا۔ ”جمیل احمد خان کو اب کسی دیوی دیوتا کی پروا نہیں، اگر تو پتھو میرے لئے اپنے پلید بیروں کو مجھ سے دور کر دے تو میں تجھے بتاؤں کہ میں کتنی دیر میں تجھے نشٹ کر سکتا ہوں۔“

”تو پاگل ہو گیا ہے۔“ جگدیو نے غضب ناک آواز میں کہا۔ ”تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ میں کہتا ہوں سنبھل جا۔ اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اب تیرے پاس کون سی شکتی ہے، جس پر تو گھمنڈ کرتا ہے؟“

”تو سمجھتا ہے کہ شکتی وکتی کا نام لے کر اب مجھے مرعوب کر سکے گا کمینے۔ جس نے اس زندگی کا راز پا لیا ہو اور جو موت کے لیے تیار بیٹھا ہو، وہ تیری گیدڑ بھبکیوں میں کیوں آئے گا؟ میرے پاس ابھی تک میرے شریر کی شکتی ہے جو تیرا جیون مٹی میں ملانے کے لئے بہت کافی ہے۔“ میں نے شرربار لہجے میں کہا۔ ”میں اگر زندہ رہا تو تجھے تیزی عیاری و مکاری کی سزا ضرور دوں گا۔“

”تو...... تو......“ یک لخت جگدیو کی آنکھوں سے شعلے پھوٹنے لگے۔ ”اپرادھی! تو نے بہت زبان چلا لی۔ اگر مجھے مالا اور سورگباشی پریتم لال کا دھیان نہ ہوتا تو میں تجھے بتاتا کہ جگدیو کی نظروں سے نظریں ملا کر بات کرنے والے کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ تیرے من کے کھوٹ نے تیرے وچار بھی پلید کر دیے ہیں، تو کالے اور سفید کی پہچان کھو چکا ہے۔ تو نے مالا کا من دکھا کر پریتم لال کی آتما کو بھی دکھ دیا ہے۔ تو نے سادھو جگدیو کو ابھی تک نہیں پہچانا۔ تو نے انکا کو دیوی دیوتاؤں سے زیادہ مہان سمجھ کر بھول کی ہے۔ تجھے اس بھول کی سزا اوش بھگتنا پڑے گی۔“

”میں اب ہر بربادی برداشت کر سکتا ہوں جگدیو، میں ایک پٹھان بھی تو ہوں۔ چاہے حالات اور قسمت نے مجھے کتنا ہی بگاڑ دیا ہو لیکن میں ایک آدمی بھی تو ہوں۔“ میں نے جگدیو کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”تو مجھے بددعائیں دے رہا ہے۔ دے لے مجھے اس کی پروا نہیں ہے بدبخت، یہ کیوں نہیں سوچتا کہ میرے پاس اب باقی کیا بچا ہے؟ اور جو کچھ ہے۔ میں اسے بھی ختم کرنے کے درپے ہوں۔ میں تیری شکتی سے اب کیا خوفزدہ ہوں گا؟ اب تو میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے اور جس طرح تو میرے راستے کا پتھر بنا ہے اسی طرح میں تجھے موت کے گھاٹ اتار کر تیری لاش پر قہقہے لگاؤں۔ میری گردن اب تیرے سامنے نہیں جھکے گی۔ تو اگر مہان شکتی کا مالک ہے تو اپنے بیروں کو حکم دے وہ مجھے جلا کر بھسم کر دیں لیکن اگر میں زندہ رہا تو تیرا کریا کرم اپنے ہاتھ سے کروں گا۔“

میں جو منہ میں آیا، بکتا رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اور کیا کچھ کہا۔ بہرحال جتنا غبار میں نکال سکتا تھا، نکال لیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آتش نوائی سادھو جگدیو کی برداشت سے تجاوز کر گئی تو اس کی خوفناک آنکھوں میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ نہ جانے کیوں، وہ اب تک صبر و تحمل سے میرا ہذیان سنتا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہے۔ آخر اس نے قہر اگلتے ہوئے کہا۔ ”پاپی! کیا تیری انکا نے تجھے میرے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟ تو کس سے بات کر رہا ہے، یہ تو نہیں جانتا۔“

”انکا نے مجھے تیرے بارے میں جو بتایا تھا وہ مجھے یاد ہے لیکن اب میں تجھے اس سے زیادہ سمجھ چکا ہوں۔ تم سادھو پنڈت لوگ اپنے لوگوں سے کیسے جھگڑا کر سکتے ہو؟ تو نے بدری نرائن کا ساتھ دیا اور اپنے متر پریتم لال کی آتما کا بھی خیال نہ کیا“ میں نے تلملا کر کہا۔ ”تو نے بگلا بھگت بن کر مجھے فریب دیا ہے۔ اگر تو کلکتے جاتے وقت میرے درمیان نہ آ جاتا تو [illegible] ہوتے۔ نہ میں جیل میں صعوبتیں

جھیلتا، نہ انکا بدری نرائن کے قبضے میں جاتی یا تو میں بدری نرائن کو مار دیتا یا خود مر جاتا مگر مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ تو نے میرے ساتھ دغا کی ہے۔''

''بکواس مت کر مورکھ، اپنی اوقات پہچان۔'' جگدیو گرج کر بولا۔ اس بار اس کی آواز میں کچھ ایسی گھن گرج تھی کہ تمام ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کے باوجود میں سرتاپا مرتعش ہو گیا۔ میرا دل کسی اداس شام کی طرح اندھیرے میں ڈوبنے لگا۔ جگدیو کا قہر آلود لہجہ شعلے اگل رہا تھا۔ ''تو نے خود کو کھو دیا، اپرادھی! تو نہیں جانتا کہ میں اس سے تیرے پاس کیوں آیا تھا۔ تو کبھی نہیں جان سکتا۔ تو آدمی نہیں، جانور ہے۔ تیری آنکھیں اندھی، تیرے کان بہرے اور تیرا دماغ بے گودے کا ہے۔ میں جارہا ہوں مورکھ، تجھے ابھی اور سزا ملنی چاہئے۔ سمے تجھے خود بتادے گا کہ تو نے سادھو جگدیو کا اپمان کر کے کتنا برا کیا تھا۔ تو نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مالا رانی کا دھیان مجھے روک رہا ہے۔ نہیں تو میرا ایک اشارہ تجھے نشٹ کر سکتا ہے۔ جا میری نظروں سے دور ہو جا۔''

جگدیو اپنا جملہ مکمل کر کے خود کسی چھلاوے کی طرح میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرا جکڑا ہوا جسم آزاد ہو گیا۔ کسی نے مجھے شکنجے سے آزاد کر دیا۔ میں اپنی جگہ گم صم کھڑا خلاؤں میں گھو رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ جگدیو کے غضب ناک جملے میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہے تھے۔ انکا نے مجھے کئی بار بتایا تھا کہ جگدیو بے پناہ پر اسرار طاقتوں کا مالک ہے۔ میں خود اس کے کچھ کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ جب مجھے ایک جگہ کھڑے کھڑے خاصی دیر ہو گئی اور میرے حواس واپس آئے اور میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو میں نے قدم آگے بڑھائے۔ میری کوئی منزل نہیں تھی۔ ذہن الجھ رہا تھا۔ آخر جگدیو نے مجھے گستاخی کی سزا کیوں نہیں دی؟ اس نے مجھے مار کیوں نہیں دیا؟ وہ اگر چاہتا تو مجھے اپنے پیروں کی مدد سے کسی چیونٹی کی طرح مسل سکتا تھا پھر بھی اس نے مجھے چھوڑ دیا؟ اور اس نے یہ تماشا کیوں کیا کہ ایک طرف مجھے کلکتے جانے سے روک کر پولیس کے مظالم کا نشانہ بنایا، دوسری طرف انکا کو بڑی آسانی سے میرے تصرف سے نکل جانے دیا اور مالا رانی کی طرف سے میرا دل میلا کر دیا۔ پریتم لال کی مہان شکتی کا بھی اس نے خیال نہیں کیا؟ پھر وہ جیل کے باہر میری بے بسی کا مذاق اڑانے چلا آیا۔ آخر ان باتوں کا کیا مقصد ہے؟ جگدیو نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ شاید اس لیے کہ اس نے مجھے دل سے مالا رانی کا شوہر تسلیم نہیں کیا ہے۔ بھلا ایک ہندو لڑکی میرے گھر میں کیوں ہے، شاید وہ در پردہ میری بربادی کے در پے ہے ورنہ وہ میری مدد ضرور کرتا۔

مگر ان باتوں پر غور کرنے سے کیا حاصل ہے؟ سادھو جگدیو کے جانے کے بعد بھی میرے ذہن کی سرکشی میں کمی نہیں آئی۔ میں اپنے دل میں اسے جتنا برا بھلا کہہ سکتا تھا، کہتا رہا اور اپنی قسمت پر آنسو [illegible] بہاتا کسی نامعلوم منزل کی طرف

رہا۔ قدم بار بار چچا جان کے گھر کی طرف اٹھ جاتے تھے لیکن اب مجھ میں وہاں جانے کی ہمت نہیں تھی۔ مالا کی یاد آئی تو سینے پر ایک گھونسا سا لگا۔ میری حالت ایسی ابتر تھی کہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ میں خود اپنے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کسی نے مجھے پہچانا نہیں ورنہ وہاں میرا جینا دوبھر ہو جاتا۔ جیب میں ایک پیسہ نہیں تھا۔ دن بھر گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا۔ کوئی ترس کھا کر چند پیسے دے دیتا تو میری آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگتے۔ بعض رحم دل لوگ کچھ زیادہ ہی غم زدہ جان کر میرے پاس کچھ اور پیسے پھینک جاتے۔ کیا ستم ظریفی تھی۔ انہی شاہراہوں پر جو شخص کل تک شان و شوکت اور جاہ و جلال سے گامزن ہوتا تھا، آج وہ مفلس تھا۔ اب یہی گلیاں اس کے لئے تنگ ہو گئی تھیں۔ رات آتی تو کسی فٹ پاتھ پر یا کسی دکان کے تختے پر پڑ رہتا۔ دل ہی بجھ گیا تو آرام و تکلیف کا کیا احساس ہوتا؟ صرف سانس باقی تھی۔ ہر چیز بے رونق، ہر شے بے جان نظر آتی تھی۔ انسان چلتے پھرتے لاشے تھے۔ کوئی میرا پرسان حال نہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ پولیس والوں کی دوستی اچھی نہیں ہوتی۔ اس سے کبھی نہ کبھی ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ ماورائی طاقتوں کے چکر، یہ نادیدہ قوتوں کے حصول کی طمع، ان معاملات میں پڑ کر آدمی کہیں کا نہیں رہتا۔ راحتیں جتنی تیزی سے آتی ہیں، اسی تیزی سے رخصت ہو جاتی ہیں اور جب رخصت ہو جاتی ہیں تو بڑا کرب ہوتا ہے۔ سادہ زندگی بڑی نعمت ہے۔ یہ لہو و لعب، خود غرضی، ہوس، اس دلدل میں جب کوئی پھنستا ہے تو پھر اس کا نکلنا محال ہو جاتا ہے۔ میری حالت پر غور کیجئے۔ میں زندگی سے فرار چاہتا تھا مگر میرے لیے فرار کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔

تیسرے روز میں نے فیصلہ کیا کہ لکھنؤ چھوڑ کر کسی اور طرف منہ کالا کروں۔ لکھنؤ میں رہ کر چچا جان، بہنوں اور مالا رانی کی یادیں پریشان کرتی تھیں۔ اتنے قریب رہ کر میں ان سے کتنا دور تھا۔ تیسرے روز میں نے رات اسٹیشن پر گزاری۔ میرا خیال تھا کہ صبح پہلی گاڑی سے روانہ ہو جاؤں گا اور جہاں قسمت لے جائے گی، چلا جاؤں گا۔ اس روز میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے میرا برا حال تھا۔ بار بار چکر آ رہے تھے۔ پیٹ ہاتھ پھیلانے پر مجبور کرتا تھا۔ ضمیر اس سے روکتا تھا۔ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر ایک سائبان کے نیچے اندھیرے میں پڑ رہا۔ کچھ دیر تک بھوک کی شدت نے پریشان کیا پھر میری آنکھ لگ گئی۔

میں سوتا رہا کیونکہ میری قسمت سو رہی تھی۔ اٹھا اس وقت، جب میرے پاؤں پر کسی نے زور سے ٹھوکر ماری۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا، کوئی شخص میرے قریب کھڑا تھا۔ اندھیرے اور غنودگی کے باعث میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا لیکن اس کے جسم پر محض ایک دھوتی دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید وہ بھی میری طرح [illegible] ممکن ہے میں نے اس کی جگہ پر قبضہ

Downloaded from Paksociety.com

جمالیا ہو۔ اس خیال سے میں آہستہ سے اٹھا اور سائبان کے باہر چلا گیا لیکن ابھی میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ تعاقب کرتے ہوئے قدموں کی آہٹ نے پھر مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہی شخص میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ میں رک گیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ میرا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟ نو وارد میرے قریب آ کر دو قدم کے فاصلے پر رکا تو مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے بیزاری اور درشتی سے اسے مخاطب کیا۔

''کون ہو تم؟ اور کیوں میرے پیچھے لگے ہو؟''

''تمہیں پہچاننے میں ذرا دیر لگے گی۔ میں تمہارا پرانا واقف کار ہوں، جمیل احمد خان! بہت پرانا۔'' نو وارد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اس کی آواز کچھ مانوس ضرور تھی لیکن اس وقت میں چونکہ کچی نیند سے بیدار ہوا تھا اس لیے اسے پہچاننے سے قاصر تھا۔ یوں بھی میں اس حالت میں اپنی شناخت کرانے پر تیار نہیں تھا۔ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھائی۔ میرا نام جمیل احمد خان نہیں ہے۔''

''اچھا، تو پھر کیا نام ہے تمہارا؟'' نو وارد نے ڈھٹائی سے پوچھا۔ مجھے بے چینی محسوس ہوئی۔ میں نے بگڑ کر کہا۔

''اپنی راہ لو، میاں! کیوں مجھے غریب کو تنگ کرتے ہو؟''

''خان صاحب! اپنے پرانے متروں کو بھی نہیں پہچانتے؟ بہت دنوں کے بعد آج تمہارے درشن ہوئے ہیں مگر تم کچھ بیاکل نظر آتے ہو، کہو تو کچھ سہائتا کروں۔ میں تمہارا متر ہوں خان صاحب!'' نو وارد کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ وہ میری باتیں یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔

''میں کہتا ہوں، میں تمہیں نہیں جانتا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''میرا کوئی دوست نہیں۔ مجھے کسی کی مدد نہیں چاہیے۔ جاؤ دفع ہو جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''کیا کہتے ہو خان صاحب! تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت دنوں کے بعد تو یہ دن آیا ہے مہاراج!'' اس بار اجنبی نے تلخی سے کہا۔ ''تم نے بھی تو مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑا تھا۔ تم نے کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔''

''تم ...... تم؟'' الفاظ میرے حلق میں پھنسنے لگے۔ مجھے وہ آواز بدری نرائن کی لگی۔ بدری نرائن جو میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ جس نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔ وہ اب ایک عرصے کی تگ و دو کے بعد فتح مند ہو کر میرے سامنے کھڑا تھا اور مجھے تضحیک آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے حیرت سے سر اٹھایا پھر خوفزدہ لہجے میں اپنے شبہے کی تصدیق کے لئے پوچھا۔ ''کیا پنڈت بدری نرائن ہو؟''

''بڑی کرپا ہے تمہاری جمیل احمد خان! جو تم نے مجھ ابھاگی کو پہچان لیا۔'' بدری نرائن نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''میرا تو خیال تھا کہ مجھے خود کو پہچنوانے کے لئے کچھ بیتی کہانیاں دہرانی پڑیں گی۔''

بدری نرائن کا جواب سن کر مجھ پر ایک لمحے کے لئے دہشت کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے تمام حسابات چکانے کے لئے آخر میرے پاس آ گیا تھا۔ میرا دشمن میرے سامنے کھڑا تھا لیکن میں اس پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ انکا اس کے قبضے میں تھی۔ میں ایک بے دست و پا مجرم کی طرح اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا۔ اس یقین سے مجھے کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ اب صرف یہ اندیشہ لاحق تھا کہ وہ کم بخت مجھے ایک اشارے میں ہلاک کرتا ہے یا اذیتیں دے دے کر مارنا چاہتا ہے؟ بدری نرائن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں آنے والے لمحوں کے بارے میں تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اچانک بدری نرائن نے کہا۔ ''کس وچار میں گم ہو جمیل احمد خان؟ کچھ بولو، کچھ چہکو، خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میرے پاس اب کہنے سننے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا بدری نرائن!'' میں نے شکست خوردگی سے کہا۔ ''قسمت کا پانسا اب تمہارے حق میں پلٹا ہے۔ آج اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے۔ دیر نہ کرو، چلو اپنی حسرتیں پوری کر لو۔''

''چچ۔ چچ ......'' بدری نرائن نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ ''بہت نراش ہو گئے خان صاحب؟ ٹوٹ سے گئے ہو۔ وہ تمہاری تیزی، وہ سینہ تان کر چلنے والی ادا کہاں گئی؟ تم تو بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے، ایک بار تم نے کالی کے پوتر مندر کے تہ خانے میں گھس کر مجھے بھسم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تمہیں بھی یاد ہو گا۔ کیوں؟''

بدری نرائن کے تیر و نشتر برداشت کرنے اور خون کے گھونٹ پی کر چپ ہو جانے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے گردن جھکا کر اسے زبان کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالنے کا خوب موقع دیا۔ وہ مجھے مطعون و ذلیل کرتا رہا۔ میں خود کو ایک ایسا بوڑھا شخص لگ رہا تھا، جس کی ساری توانائی زائل ہو چکی ہو۔

''تم نے بڑی مہان شکتی حاصل کی تھی جمیل احمد خان۔ مالا رانی جیسی سندر ناری تمہارے پاس تھی اور ہاں ...... وہ انکا بھی تو تھی، یاد ہے تمہیں؟ تم نے مجھے وچن دیا تھا کہ اگر میں بنتی کروں گا تو تم انکا کی شکتی میرے حوالے کر دو گے، پرنتو تمہیں اپنے وچن کا پاس نہیں رہا تھا۔ تم مکر گئے تھے۔'' بدری نرائن نے گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے دہرانی شروع کر دیں۔ ''تمہاری انکا دیوی آج کل کہاں ہے؟ جس پہ تمہیں بڑا ناز تھا۔''

''انکا کے بارے میں پوچھ کر کیوں میرا مذاق اڑاتے ہو بدری نرائن؟'' میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"نراش مت ہو بالک، انکا کا کیا ہے، وہ آج یہاں، کل وہاں، کہو تو میں ابھی اسے کچھ دیر کے لئے تمہارے سر پر بھیج دوں۔" بدری نرائن زہر خند سے بولا۔ "مجھے تمہاری حالت دیکھ کر دکھ ہو رہا ہے۔"

بدری نرائن شاید طے کر کے آیا تھا کہ وہ مدتوں کا سارا کینہ آج ہی نکال کر رہے گا۔ کافی دیر تک تو میں اس کی زہریلی باتیں برداشت کرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ جمیل احمد خان! یہ کمینہ اپنے ارادوں سے باز نہیں آئے گا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ خوف کے بجائے ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ چنانچہ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں نے بدری نرائن کو قہر آلود نظروں سے گھورا اور گرج کر کہا۔ "بدری نرائن! تم انکا کی شکتی پر اپت کر کے اور مہان شکتی کے مالک بن چکے ہو لیکن تمہارے اندر شکتی پوروک لوگوں کا انداز نہیں آیا۔ جن کم ظرفوں کو تھوڑی بہت چیز مل جاتی ہے، وہ اپنے آپے میں نہیں رہتے۔ یہ لونڈھیار پنے کی باتیں بند کرو۔ تم بھول رہے ہو کہ اس سے تم جمیل احمد خان سے بات کر رہے ہو جس کی زندگی میں بڑے نشیب و فراز آئے ہیں۔ میں ان باتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ سب کچھ چلا گیا تو کیا ہوا؟ غیرت تو ابھی باقی ہے۔ اس زنانہ پن سے باز آؤ۔ جو کرنا ہے کرو۔ بیکار وقت ضائع نہ کرو۔"

"ارے مہاراج! ناراض ہو گئے؟ شما کر دو۔ میں بھول گیا تھا کہ تم ایک بیوقوف آدمی بھی ہو۔" بدری نرائن نے ہنس کر کہا۔

"او کمینے پنڈت، اپنی زبان کو لگام دے۔ نہیں تو میں تیری چٹیا پکڑ کر تیرا سر زمین سے رگڑ دوں گا۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ جس کی زندگی کا چراغ ٹمٹما رہا ہو، وہ ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ میں نے سوچا، اس آخری وقت میں ذلت کی موت کیوں مرا جائے۔

بدری نرائن میرا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک لمحے کو پٹ پٹائیں، پھر ان میں غصے کی سرخی چھا گئی۔ اس نے حقارت سے مجھے دیکھا اور سرد آواز میں بولا۔ "جمیل احمد خان! میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر کتوں سے بدتر موت ماروں گا۔ ابھی تمہارا ایک ہاتھ ٹوٹا ہے۔ میں دوسرا بھی توڑ ڈالوں گا پھر تم لنگڑے ہو گے اس کے بعد تمہاری آنکھوں کی روشنی بھی اندھیاروں میں بدل دوں گا۔ تم دربدر کی خاک چھانتے پھرو گے۔ گندی نالیوں میں لوٹ لگاتے نظر آؤ گے۔ دیوی دیوتاؤں کی یہی اچھا (مرضی) ہے۔"

"میں تیرے دیوی دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا۔" میں اس کی طرف کسی پاگل کتے کی طرح لپکا اور ... گالیاں اسے دے سکتا تھا، میں نے دے ڈالیں۔ میں نے جنون کی حالت میں اس کے گلے میں ... اپنی انگلیاں پیوست کر دی لیکن میرے ہاتھ اچانک رک گئے۔ اس سے پہلے کہ میں ... کچھ سمجھتا میرے سر پر شدید چبھن ہوئی۔ وہی مانوس چبھن۔ میرے قدم منجمد ... جیسے کسی نے میرے خون کی گردش روک دی ہو۔ میں نے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ

دیئے اور میرا ذہن بتدریج پرسکون ہونے لگا۔ میں نے عالم تصور میں اپنے سر پر نظر ڈالی، وہاں انکا موجود تھی۔ انکا کے انداز میں اجنبیت تھی۔ جیسے وہ مجھے بالکل نہ جانتی ہو۔ وہ انکا جو کبھی میرے اشارے پر اپنا خون بہا دیتی تھی۔ اس وقت مجھے بڑی خطرناک اور کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں نفرت اور انتقام کے جذبے نمایاں تھے۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے میرے سر میں اپنے نکیلے پنجے پوری شدت سے گڑو رکھے تھے۔ میں نے جو انکا کو اس عالم میں دیکھا تو سابقہ تعلق کی رعایت چاہی۔ میں نے دل ہی دل میں حسرت سے کہا۔ "انکا۔ تم؟" انکا نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"انکا! مجھے اس کمینے سے بچاؤ۔" میں نے اس سے التجا کی۔

وہ قہر بھرے لہجے میں بولی۔ "تو نے میرے آقا بدری نرائن کا اپمان کیا ہے۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی، اگر مکتی چاہتا ہے تو ہاتھ باندھ کر شما کی بھکشا مانگ۔"

"انکا! یہ تم کہہ رہی ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آگے بڑھ اور میرے آقا کو ڈنڈوت کر۔"

انکا کا لہجہ اس قدر خوفناک تھا کہ میں اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ اب انکا سے کوئی امید رکھنا حماقت ہے۔ ایک بار پہلے بھی میں اس منزل سے گزر چکا تھا۔ اس بار بھی انکا میرے لیے بالکل اجنبی ہو گئی تھی پھر بھی اس وقت مجھے انکا کا رویہ بہت جارحانہ لگا۔ میں پھٹی پھٹی نظروں سے یکسر بدلی ہوئی انکا کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اپنے جملے دہرائے اور میں نے غیر ارادی طور پر بدری نرائن کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔ بدری نرائن کے مکروہ چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ وہ حقارت سے بولا۔ "ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔ جمیل احمد خان! پر تو تمہاری بدھی (عقل) میں جلدی بات آ گئی۔ تم نے اپنے آپ کو پہچان لیا کہ تم کتنے حقیر ہو۔"

اس کے بعد بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات زیادہ تیکھے اور خوفناک ہو گئے۔ اس نے میرے سر کی جانب دیکھ کر ہونٹ ہلائے۔ اس کی آواز مطلق بلند نہیں ہوئی لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ میرے بارے میں انکا کو کچھ ہدایت دے رہا ہے۔ میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ ادھر بدری کے ہونٹ ہلنے بند ہوئے ادھر انکا کے نکیلے پنجوں کی چبھن پہلے سے کہیں شدید ہو گئی پھر انکا کا تلخ لہجہ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کے مانند اترتا چلا گیا۔ "جمیل احمد خان! میرے مہان شکتی کے مالک، آقا بدری نرائن کی اچھا ہے کہ تم اس سے پرانے قبرستان کی طرف چلو۔"

میں نے انکا کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کے تلخ لہجے اور دل آزار رویے کی شکایت کرنا چاہی لیکن قوت گویائی نے ساتھ نہیں دیا۔ میرے قدم خود بخود پرانے قبرستان کی جانب اٹھنے

لگے۔ میرے ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ انکا کی پُراسرار قوت مجھے قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔ میری رفتار آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بدری نرائن کسی فاتح کی طرح میرے ساتھ سینہ تانے چل رہا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد میں پرانے قبرستان کے ویران اور سنسان علاقے میں تھا۔ انکا کے پنجوں کی چبھن کم ہوئی تو میں رک گیا۔

اس اندھیری رات میں قبرستان کا منظر ایک عام آدمی کے دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھا۔ تاحد نظر قبریں اور گہرا سناٹا۔ درختوں کے کسی جھنڈ میں رات کو بولنے والے جانور۔

''جمیل احمد خان! کیا تم جانتے ہو کہ میں یہاں تمہیں کیوں لایا ہوں؟'' بدری نرائن نے نفرت سے دریافت کیا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم، تم نہ جانے کیا چاہتے ہو۔ تم مہربانی کر کے میرا کام جلد از جلد تمام کر دو۔'' میں نے غیر اختیاری طور پر جواب دیا۔

''کیا تم جانتے ہو کہ یہاں ایک پرانا کنواں ہے جو جیو دھاری کے نام سے مشہور ہے؟''

''ہاں۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''تم میرے حکم پر ایک اچھے سیوک کی طرح اس کنوئیں میں چھلانگ لگاؤ گے۔'' بدری نرائن کے لہجے میں حقارت اور نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ''میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ تمہارے پلید شریر کا بوجھ اس پوتر دھرتی پر زیادہ دیر کچھ اچھا نہیں رہے گا۔ اس کنوئیں سے تم باہر نہیں آسکو گے اور جلد مر بھی نہیں سکو گے۔ اس کنوئیں کی بلائیں تمہیں سراپ دے کر، ایسا سراپ دے کر جس سے تمہاری آتما بھی بیاکل رہے۔ تمہیں مار دیں گی۔''

بدری نرائن نے جو کچھ کہا، مجھ پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ غالباً انکا کی پُراسرار قوت نے میرے سوچنے سمجھنے کی قوت سلب کر دی تھی۔ میری کسی حرکت یا جنبش میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ میں گنگ سا کھڑا بدری نرائن کو دیکھ رہا تھا کہ میرے اوپر ایک بار پھر انکا خون اگلتی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو انکا نے سرد آواز میں کہا۔

''بائیں جانب گھوم کر آگے بڑھو۔ جیو دھاری کنواں تمہاری زندگی کا قصہ تمام کرنے کا منتظر ہے۔''

میں نے کسی فرماں بردار بچے کی طرح اپنا رخ بائیں جانب کیا اور آگے قدم بڑھا دیے، ابھی مشکل سے دو قدم ہی گیا تھا کہ اس کنوئیں کے نزدیک پہنچ گیا جس کے بارے میں بدری نرائن نے حکم دیا تھا۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران بھی میں نے چچا جان سے اس کنوئیں کے بارے میں سن رکھا تھا۔ اگر میں عام حالات میں یہاں آتا تو اس کنوئیں کے اسرار جاننے کی کوشش ضرور کرتا لیکن اس وقت تو میں خود اسرار میں گرفتار ہو چکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اس فتنہ ساماں انکا کے ننھے مگر بھیانک وجود کو فریادی نظروں

سے دیکھا مگر اس نے میری کسی التجا، کسی آہ کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ کرختگی سے بولی۔ ''جمیل احمد خان! آگے بڑھو اور اس کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

میں انکا کے حکم پر خاموشی سے آگے بڑھا اور کنوئیں کے قریب پہنچ کر اس کی منڈیر پر چڑھ گیا۔ کنوئیں میں اتنی تاریکی تھی کہ اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یوں بھی باہر ہر طرف گہرا اندھیرا تھا۔ میں نے کنوئیں کے گھپ اندھیروں میں اپنی موت کی پرچھائیاں دیکھیں اور انکا کے حکم پر اپنا جسم آگے کی جانب جھکانا چاہا بس ایک لمحے کی دیر تھی کہ اچانک کسی نادیدہ طاقت نے میرے شانے پکڑ لیے۔ منڈیر پر اس طرح میرا جسم متحرک ہونے سے میرا توازن بگڑ گیا لیکن میں جلد سنبھل گیا۔ ایک مدھم مترنم نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''جمیل کیا کرتے ہو؟ آگے موت ہے، رک جاؤ۔''

اس آواز میں معلوم نہیں کیا جادو تھا کہ میں دفعتاً ہوش میں آ گیا۔ وہ کس کی آواز تھی؟ مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن میرے اعصاب پر انکا اور بدری نرائن کا جو سحر طاری تھا وہ ضرور ٹوٹ گیا۔ میں نے بوکھلا کر چھلانگ لگائی اور کنوئیں کی منڈیر سے نیچے آ گیا۔ اسی وقت انکا نے سفاکانہ انداز میں مجھے دوبارہ حکم دیا۔

''جمیل! میرے آقا کے حکم کی تعمیل کرنا تمہارے لیے لازمی ہے اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہارے جسم کا سارا خون پی جاؤں گی۔ تمہارا جسم دیکھتے ہی دیکھتے ہڈیوں کے پنجر میں بدل جائے گا۔''

میں انکا کی آواز بخوبی سن رہا تھا لیکن اس پر عمل کرنا نہ کرنا اب میرے امکان میں تھا۔ اس بار مجھے انکا کی آواز سے خوف نہیں آیا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ نزع کے اس عالم میں کوئی غیر معمولی قوت میری مدد کر رہی ہے۔ بدری نرائن مجھے کنوئیں کی منڈیر سے اترتا دیکھ کر بری طرح جھلا گیا تھا۔ اس نے بیزاری سے میرے سر کی جانب دیکھا پھر طنزاً بولا۔ ''انکا! کیا ابھی تک تیرے من میں پرانے آقا کا پریم باقی ہے؟''

''نہیں مہاراج'' انکا نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر؟ یہ ننھا جگت سے نیچے کیوں آ گیا۔'' بدری نرائن غرا کر بولا۔ ''کیا اس کے لئے مجھے کچھ اور اپائے کرنا ہوگا؟''

انکا کوئی جواب دینے کے بجائے مجھے حقارت سے گھورتی ہوئی میرے سر سے رینگ گئی۔ میں نے اس کے چہرے کے متغیر تاثرات سے یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ کسی وجہ سے بے بس ہو گئی ہے، اب میں بدری نرائن کے کسی دوسرے عمل کا منتظر تھا۔ انکا کے میرے سر سے اترنے کے بعد وہ بری طرح بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بار بار ہلنے لگے۔ وہ انکا سے مخاطب تھا لیکن میں اس کی آواز سننے سے قاصر تھا۔ کچھ دیر تک وہ غصے میں کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا پھر اس نے اپنی شیطانی نظریں میرے چہرے پر جما دیں اور وہ شدت [illegible]

رحرکت اور دیوانے پن کا جائزہ

Downloaded from Paksociety.com

لیتا رہا۔ غالباً وہ میرے لیے کوئی جاپ کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی وحشت اور سر ہلانے کا یہی عالم رہا پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر زور سے تالی بجائی۔ تاریک فضا میں اونگے بونگے انسان نما جانور شور مچاتے ہوئے میرے سامنے اچھل کود کرنے لگے۔ ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسی مخلوق نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ابھی وہ نمودار ہی ہوئے تھے کہ اچانک غائب ہو گئے۔ میں بری طرح سہما کھڑا تھا۔ بدری نرائن نے اپنا پہلا وار خالی جاتے محسوس کیا تو جھنجلا کر رہ گیا۔ اس بار میری نظروں نے جو منظر دیکھا وہ انتہائی بھیانک تھا۔ جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں چاروں طرف روشن آگ کی لپٹیں میرا جسم چھونے لگیں۔ شدید گرمی اور دھوئیں نے میری سانس روکنی شروع کر دی۔ دہشت کے مارے میں پسینے پسینے ہو گیا۔ زندگی کی جو امید ابھی قائم ہوئی تھی۔ وہ دم توڑنے لگی۔ میں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر طرف آگ کے شعلے نظر آرہے تھے، میرے حلق سے ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں لیکن پھر جب میری آنکھ کھلی تو وہاں آگ یا شعلے کا نام و نشان نہ تھا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ جو کچھ پیش آرہا تھا وہ میری فہم سے بالاتر تھا۔ بدری نرائن کا طیش قابل دید تھا۔ اس کا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔ اس کے ہونٹ پھر تیزی سے بدبدا رہے تھے۔ وہ مردود پھر کوئی خطرناک حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور ستم توڑتا' میرے کانوں میں اس نسوانی آواز نے سرگوشی کی جس نے مجھے انکا کے قہر سے بچایا تھا۔ ''جمیل، اب تمہارے لیے بچاؤ کا ایک ہی راستہ ہے، آگے بڑھو اور اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دو۔''

اس آواز میں ایسی کشش تھی، ایسا سحر تھا کہ میرا ذہن دوبارہ غنودگی کا شکار ہو گیا۔ میں کچھ غور کئے بغیر کنوئیں کی سمت قدم بڑھانے لگا۔ ہاں مجھے احساس تھا کہ کنوئیں کے اندر اذیت ناک موت میرے انتظار میں ہے۔ اس کے باوجود میں اس ہمدرد آواز کے ایما پر اپنی موت کو خوش دلی سے گلے لگانے کے لئے بے چین ہونے لگا۔

''جمیل احمد خان! رک جا۔'' بدری نرائن نے مجھے کنوئیں کی سمت جاتا ہوا دیکھ کر اپنا منتر ادھورا چھوڑ دیا۔ ''تو نے جب میری مرضی کا پالن نہیں کیا تو اب تو اپنی مرضی سے نہیں مر سکتا۔ میں تجھے زندہ رکھوں گا اور آہستہ آہستہ تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

بدری کے رعب دار حکمیہ لہجے کا مجھے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں خاموشی سے کنوئیں کے قریب آگیا اور اچھل کر منڈیر پر چڑھ گیا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر میں نے گہری تاریکی میں اپنا جسم دوسری طرف گرا دیا۔ میرا جسم فضا میں تیرتا ہوا تیزی سے نیچے کی سمت جا رہا تھا۔ نہ جانے موت کا وہ اعصاب شکن تصور تھا یا کسی طاقت کا کرشمہ؟ یا خوف یا کوئی اعصابی دباؤ کہ میں بے ہوش ہو گیا۔ میرے سارے احساسات اور تمام جذبے تاریکیوں میں ضم ہو [illegible]

سمت کتنی دور تک سفر کیا۔ میں اپنے حواس کھو چکا تھا۔ ہاں اس وقت مجھے ایک آخری کربناک خیال آیا تھا کہ میں مر رہا ہوں۔

☆......☆......☆

مگر میں نہیں مرا۔ میں وہ سخت جان شخص ہوں جو اس پُراسرار کنوئیں، اندھیری رات اور قبرستان کے ہولناک ماحول میں بھی سانس کی ڈوری قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ موت جس شخص کے اتنے قریب سے گزری ہو اور جس کی زندگی میں ایسے جاں گسل لمحے آئے ہوں، وہی اس تحریر کا تاثر محسوس کر سکے گا۔ مجھے خوب یاد تھا کہ میں نے اس اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی جس کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ ہر سال نہ جانے کتنی جانیں نگل جاتا ہے، مجھے سکھایا گیا تھا اور یہ میرا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد جسم خاک میں مل جاتا ہے لیکن روح روز قیامت تک زندہ رہتی ہے۔ چنانچہ جب ایک حسین آواز میرے تار سماعت سے ہم کنار ہوئی تو میں سمجھا کہ کوئی حور مجھ سے مخاطب ہے۔ مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ عجیب کیفیت طاری ہو گئی، آہ، وہ کیا نظارہ تھا کہ ایک گل بدن، سیمیں بدن، ایک گل رعنا، سراپا تمکنت اور سراپا عشق میرے پہلو میں ہے۔ اس کے زانو پر میرا سر رکھا ہے، اس کی سانسوں کی خوشگوار مہک، میری روح کے دروازے میں در آئی اور مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیات کا وہ لطیف، وہ سب سے خوب صورت گوہر پا لیا ہے جس کے لئے حیات سرگرداں رہتی ہے، کیا میں زندہ ہوں؟ اسے دیکھا تو زندگی پر اعتبار آیا۔ جمیل احمد خان بدبخت مرا نہیں تھا، زندہ تھا۔ آہ اس کے مقدر میں ابھی اور تماشے لکھے تھے۔

میں بت کی طرح ساکت ہو کر اس کے گداز پہلو میں لیٹا رہا۔ میری نظریں اس کے حسین و جمیل چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھ پر اپنی دراز زلفیں بکھرائے اپنی شبنمی آنکھیں وا کئے مجھے معصومانہ انداز سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار حسین چہرے دیکھے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ان چند حسین لڑکیوں میں ایک اضافہ تھی جنہیں میری حسن شناس نگاہوں نے سند حسن دی تھی۔ اس کا ایک ایک انداز زندگی کی سرمستیوں سے معمور تھا۔ میں اس کے نظارے میں کھویا رہا اور میرا ذہن گزشتہ واقعات کی کڑیاں ملانے لگا۔ بدری نرائن انکا کے ذریعے مجھے پرانے قبرستان میں لے گیا تھا۔ اس نے مجھ پر جان لیوا حملے کئے تھے لیکن کوئی اَن دیکھی قوت مجھے بچاتی رہی، پھر اس کے اشارے پر میں نے خود کو اندھے کنوئیں کی نذر کر دیا تھا اور بیدار بختی کی بنا پر اب میں ایک حسین لڑکی کی آغوش میں موجود تھا۔ میں زندہ تھا اور اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ میری سانس اس کی زلفیں اڑا رہی تھی مگر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ممکن ہوا؟ یہ راز عجیب اور حیرت انگیز تھا۔ میں ابھی انہی پریشان خیالیوں میں الجھا ہوا تھا کہ اس نے اپنے شیریں لبوں کو جنبش دی۔

''بھگوان کی بڑی کرپا ہے جو تم بچ گئے ورنہ جیودھاری کنواں اب تک نہ جانے کتنے منشوں کی بھینٹ لے چکا ہے۔''

''تم کون ہو؟'' میں نے لڑکی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بارے میں نہ پوچھو، اپنا جی ہلکان نہ کرو۔ دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ تم ابھی زندہ رہو۔'' اس نے کہا۔ میں نے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ اس وقت میں پرانے قبرستان کے قریب ہی ایک غیر آباد حصے میں پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایک شکستہ جھونپڑی موجود تھی، اس کے سوا دور و نزدیک کوئی دوسری عمارت نہیں تھی، میں نے لڑکی کے بارے میں سوچا۔ تعجب ہے میں اس پُر اسرار اندھے کنوئیں سے کیوں کر نکل آیا؟ میرے جسم پر ایک معمولی خراش تک نہیں تھی، نہ ہی میرے کپڑے بھیگے ہوئے یا گرد آلود تھے، یہ لڑکی کون ہے جو اس ویرانے میں دھرنا دیئے بیٹھی ہے۔ بظاہر وہ بھولی بھالی معصوم سی لڑکی نظر آ رہی تھی۔

''وہ تمہاری جان کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ وہ کون تھا؟'' لڑکی نے معصومیت سے سوال کیا۔

''مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ پر وہ میرا دشمن تھا۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا پھر پوچھا۔ ''کیا تم اسی جھونپڑی میں رہتی ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''اور کون رہتا ہے تمہارے ساتھ؟''

''میرے ساتھ؟'' لڑکی نے چونک کر دیکھا، پھر مسکرا کر بولی۔ ''میں اکیلی رہتی ہو بابو!''

''کیا تم نے تنہا مجھے کنوئیں سے نکالا تھا؟''

''نہیں بابو! بھلا میں اکیلی تمہیں کیسے نکال سکتی تھی؟'' اس نے میرا تجسس محسوس کر کے سادگی سے جواب دیا۔ ''تمہاری قسمت اچھی تھی کہ ایک یاتری ادھر آ نکلا۔ میں نے اس سے بنتی کی تھی، وہی تمہیں کنوئیں سے نکال کر میری جھونپڑی تک پہنچا گیا تھا۔''

''یعنی تم تنہا اس جھونپڑی میں رہتی ہو؟'' میں نے اپنا سوال دہرایا۔ یہ لڑکی مجھے بہت پُر اسرار نظر آ رہی تھی۔ ایک جوان اور حسین لڑکی کا کسی ویرانے میں تن تنہا رہنا بڑی تعجب خیز بات تھی۔

''ہاں بابو۔'' لڑکی نے اپنی خوب صورت آنکھیں چمکاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اچنبھا کیوں ہو رہا ہے؟''

''یوں ہی۔'' میں نے کہا اور خلا میں گھورنے لگا، بیتی ہوئی رات کے بھیانک لمحات اب پریشان کرنے لگے تھے۔

میری خاموشی پر لڑکی بھی خاموش رہی، پھر اس نے سکوت توڑا۔

''بابو۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔''

''سندر نام۔'' لڑکی نے شوخی سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ جھونپڑی کے اندر گئی اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کچھ تازہ پھل تھے۔ میں کئی دنوں کا بھوکا تھا اس لیے ندیدوں کی طرح پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔ لڑکی میرے قریب بیٹھی دلچسپی سے مجھے دیکھتی رہی۔ جب میں سیر ہو کر پھل کھا چکا اور کچھ جان آئی تو میں نے لڑکی سے اس کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟''

''میرا نام کلپنا ہے۔'' لڑکی نے شرما کر جواب دیا۔

میں موت کے منہ سے بچ آیا تھا لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ سکون، یہ زندگی عارضی ہے۔ بدری نرائن کو انکا کے ذریعے کسی وقت بھی یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ میں زندہ ہوں، ایسی صورت میں ظاہر ہے وہ مجھ پر ظلم توڑنے کے لئے دوبارہ آمادہ ہو جائے گا۔ پیٹ میں کچھ غذا پڑی تو مجھے اپنے پیچیدہ حالات پر سنجیدگی اور سکون سے غور کرنے کا سلیقہ آیا۔ جگدیو کی یاد آئی، مالا یاد آئی اور انکا کا خیال آیا۔ انکا نے گزشتہ رات جس ذہنائی اور بے وفائی کا برتاؤ کیا تھا، وہ یاد آیا تو کلیجا پھٹنے لگا پھر اس نسوانی آواز کا خیال آیا جو اندھیروں میں میری نجات دہندہ بنی تھی، وہ آواز کس کی تھی؟ معاً میرے ذہن میں ایک خیال تیر کی طرح پیوست ہو گیا کہ کہیں کلپنا ہی تو وہ عورت نہیں ہے؟ میں نے گھبرا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ معصومانہ اور والہانہ انداز سے میرے چہرے کے ادلتے بدلتے رنگ دیکھ رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں ملیں تو وہ سمٹ کر بولی۔ ''کیا سوچ رہے ہو بابو؟ بہت دکھی معلوم ہوتے ہو؟ کیا بپتا آ پڑی ہے؟''

''ہاں کلپنا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''ایک بپتا ہو تو کہوں، سارا جیون کٹھنائیوں میں گزر رہا ہے۔''

''جس بھگوان نے تمہیں جیوت (زندہ) رکھا ہے وہی تمہاری کٹھنائیوں کا بھی کوئی اپائے پیدا کر دے گا۔'' کلپنا نے اپنائیت سے جواب دیا پھر مجھے سہارا دے کر کٹیا کے اندر لے گئی۔ یہاں دو ایک برتنوں اور چٹائی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ میں کچھ دیر کلپنا سے باتیں کرتا رہا پھر مجھے نیند آنے لگی اور میری آنکھ لگ گئی۔

کہیں شام کو میری آنکھ کھلی، کٹی میں ایک چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ میں نے اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھا۔ کلپنا وہاں نہیں تھی، اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی کام سے باہر گئی ہوگی میں اٹھ کر کٹی سے باہر آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگدیو تمام قہر سامانیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس کے تیور [illegible] ے پر وہی کھینچاؤ تھا، وہی بیزاری تھی،

اسے دیکھ کر میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ شخص پھر رعونت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا جس نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، اس پر بھروسا کر کے میں نے نقصان ہی اٹھایا تھا لیکن میں اس کا کیا کر سکتا تھا؟

''مجھے وشواش تھا اپرادھی کہ تو بدری نرائن کے ہاتھوں نہیں مر سکتا۔'' جگدیو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تمہیں تو مجھے زندہ دیکھ کر دکھ ہوا ہوگا جگدیو؟''

''تیرے من کا کھوٹ ابھی دور نہیں ہوا؟ بدری نرائن نے تجھے کوئی سراپ نہیں دیا۔'' جگدیو تیزی سے بولا۔ ''مجھے دشمن سمجھتا ہے ابھاگی؟''

''اور تم مجھے کیا سمجھانے آئے ہو؟ کیا میں تمہیں اپنا متر سمجھوں؟'' میں نے تلخ آواز میں کہا۔

جگدیو کا چہرہ گمبھیر ہو گیا۔ ''تجھے تیری بساط سے زیادہ مل گیا ہے۔'' وہ نفرت سے بولا۔ ''پر تو نے ابھی جیون میں دیکھا کیا ہے؟ تو ابھی تک بالک ہے۔ ایک انکا کو اپنا کر تو یہ سمجھا تھا کہ مہان شکتی کا مالک بن گیا، تو سنسار میں سب سے زیادہ بلوان ہے۔''

''اب تم کیا کہنے آئے ہو، سادھو جگدیو؟'' میں نے چڑ کر کہا۔

''میں تجھ سے پہلے بھی کچھ کہنے آیا تھا لیکن تو نے میری بات سننے کے بجائے مجھ پر شبہ کیا۔ میں اپنے متر پریتم لال اور اس کی بیٹی مالا رانی کے کارن مجبور ہوں جو تیرے پاس دوبارہ آنا پڑا۔'' جگدیو نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اپرادھی میں تجھے کیول یہ بتانے آیا ہوں کہ ابھی تیرے برے دن سماپت نہیں ہوئے۔ جب تک تو اپنا من صاف نہیں کرے گا، دیوی دیوتا تجھ سے ناراض رہیں گے۔ تو کچھ نہیں کر پائے گا۔''

''تم سدا برے دن کی پیش گوئیاں کرنے آتے ہو۔''

''تو اپنی ہٹ، بچپن سے اپنے لیے خود کانٹے بوتا ہے۔''

سادھو جگدیو کی باتیں بڑی تلخ اور زہر میں بجھی ہوئی تھیں لیکن اب میرے ذہن کی وہ حالت نہیں تھی جو قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے جھیلتے ہو گئی تھی۔ میں یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوا کہ سادھو جگدیو اگر میرا دشمن ہے تو میرا قصہ تمام کیوں نہیں کر دیتا۔ وہ بدری نرائن سے زیادہ بڑا اپچاری، بڑا سادھو ہے۔ وہ پریتم لال کے مقابلے کا آدمی ہے، پھر یہ کیوں بار بار آتا ہے، مجھے تنبیہ کرتا ہے۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے پھر دھیمے لہجے میں کہا۔ ''مہاراج! حالات نے مجھے بزدل بنا دیا ہے، میری عقل خبط ہو چکی ہے۔ مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔''

''ابھی سے پاگل ہو [illegible]

ہوئی۔ ''آگے آگے دیکھ کیا ہوتا ہے اور تجھ پر کیا گزرتی ہے۔''

''مہاراج، میں سمجھتا ہوں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے، سب میرے دشمن ہیں، مجھے شما کر دو مہاراج!'' نہ جانے کس جذبے کے تحت میں آگے بڑھ کر اس کے سینے سے لگ گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میں نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ ''میرا سب کچھ چھن چکا ہے مہاراج! مالا رانی بھی مجھ سے جدا ہو گئی۔ میں گھر سے بے گھر ہو گیا اور در بدر کی خاک چھان رہا ہوں۔ میرا دشمن بدری نرائن میرے تعاقب میں ہے، میں ایک سادہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں لیکن مجھے چین نہیں ملتا۔ تم میری سہائتا کرو مہاراج یا پھر میرا گلا گھونٹ دو، کچھ تو کرو۔''

جگدیو میری ندامت اور رقت سے متاثر ہوا۔ ''اب تیرے لیے کیول ایک ہی راستہ ہے، مرد بن کر حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔'' جگدیو نے رکھائی سے کہا۔ ''اگر تو نے پہلے میرا کہا مان لیا ہوتا تو میں تیری سہائتا کر سکتا تھا۔ پرنتو اب بات آگے بڑھ چکی ہے، اب میری شکتی بھی آڑے نہیں آ سکتی۔''

''ایسا نہ کہو مہاراج! میں ہاتھ جوڑ کر تمہارے آگے پرارتھنا کرتا ہوں، مجھے شما کر دو، میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔''

''پاگل، جانور!'' جگدیو تلملا کر بولا۔ ''کیا تجھے اس بات کا پتا نہیں تھا کہ جب تک بدری نرائن کالی کے مندر میں اس کے چرنوں میں بیٹھا ہے۔ کوئی شکتی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تیری اچھا یہی تھی کہ تو بدری نرائن کا کریا کرم کرے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ مندر سے باہر آئے، مالا رانی نے مجھ سے بنتی کی تھی مورکھ کہ میں تیری سہائتا کروں۔ میں نے تجھے کلکتے جانے سے اس کارن روکا تھا کہ اگر تو کالی کے مندر میں دوبارہ جاتا تو دیوی کا سراپ تجھے نشٹ کر دیتا۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کی شکتی تیرے سر سے چلی جائے کیونکہ مجھے وشواش تھا کہ بدری نرائن انکا کی شکتی پراپت کر کے گھمنڈ میں کالی کے مندر سے باہر آ جائے گا۔ اس کے بعد تو اسے مار سکتا تھا۔ پرنتو تو اندھا ہو رہا تھا۔ تو نے میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ تو نے انکا کی شکتی کے آگے میری باتوں میں بھی کھوٹ سمجھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں تیری کوئی سہائتا نہیں کر سکتا۔ تو نے صرف میرا ہی نہیں، دیوی دیوتاؤں کا بھی اپمان کیا ہے۔ اب تو کوئی اور ہی شکتی تیری سہائتا کر سکتی ہے۔''

''مجھے راستہ دکھاؤ مہاراج!'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''مجھ سے بھول ہو گئی تھی، میرا ذہن پلٹ گیا تھا۔ مجھے شما کر دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مہان شکتی کے مالک ہو، تم ضرور کوئی اپائے کر سکتے ہو۔''

''میں اس سمے اسی کارن آیا ہوں۔'' جگدیو نے اکھڑی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''میری باتیں دھیان سے سن، کل رات تجھے بدری نرائن کے کشٹ سے بھی کسی مہان شکتی نے بچایا تھا۔ وہی اب تیری سہائتا کرے گی، میں تجھے اس شکتی کا شبھ نام نہیں بتا سکتا، پرنتو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر اب بھی تو نے اپنی

Downloaded from Paksociety.com

بُدھی (عقل) استعمال نہیں کی تو سارا جیون روتا رہے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے مجھ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کھڑے کھڑے کہیں غائب ہوگیا۔ جگدیو چلا گیا لیکن مجھے اپنی بدقسمتی پر اور آنسو بہانے کے لئے چھوڑ گیا۔ اس کا ایک ایک لفظ آہنی ہتھوڑے کے مانند میرے دماغ پر ضربیں لگا رہا تھا۔ مجھے اپنی ضد، اپنی نادانی اور عجلت پر افسوس ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں پر شک کر کے اپنے لیے خود مصیبتیں بوئی تھیں، مجھے یہ خیال بھی نہ رہا تھا کہ جگدیو اور پریتم لال میرے دوست ہیں۔ انہوں نے دنیا چھوڑ کر ویرانوں میں عرصے تک تپسیا کی ہے، ان کے آگے انکا کی شکتی بے بس ہو جاتی ہے۔ میں پریتم لال کے استھان پر انکا کی بے بسی کا واقعہ بھول گیا تھا۔ میں نے تزئین کے معاملے میں انکا کی طاقت معدوم ہوتے دیکھی تھی اور ناظم علی کے سر پر جا کر وہ بے اثر ہوگئی تھی۔ گزشتہ رات بھی انکا کی پُراسرار قوت مجھے اپنے اشاروں پر نہیں چلا سکی تھی۔ یقیناً کوئی بہت بڑی طاقت میری پشت پناہی کر رہی تھی۔ جگدیو کا منصوبہ کس قدر سیدھا اور صاف تھا کہ وہ کسی صورت سے بدری نرائن کو کالی کے مندر سے باہر نکالنا چاہتا تھا اور یہ اسی وقت ممکن تھا کہ انکا اس کے سر پر چلی جائے اور وہ طاقت کے نشے میں سرشار ہو کر کالی کے مندر سے باہر نکل آئے، اس کے بعد بازی میرے حق میں ہوتی کیوں کہ پریتم لال اور جگدیو میرے ساتھ تھے لیکن میں نے اپنی حماقتوں سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ اب پچھتاوے کے سوا اور کیا باقی رہ گیا تھا۔

اسی شدید جھنجلاہٹ اور کرب کے عالم میں کلپنا کی آواز آئی۔ "بابو! کیا سوچ رہے ہو؟" وہ سامنے سے میری طرف آ رہی تھی۔

اس کی آواز پر میرے خیالوں کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ وہ مجھے اور پُراسرار لگی۔ جگدیو نے کہیں اسی عورت کے بارے میں تو اشارہ نہیں کیا تھا؟ یہ سوچ کر میرے جسم میں سنسنی پیدا ہوئی۔ میں نے لرزتے ہوئے اس ماہ جبیں کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصومیت تھی اور وہ سچ مچ کوئی دیوی نظر آ رہی تھی۔

"کلپنا۔" میں نے بڑی عقیدت سے اسے مخاطب کیا۔ "تم نے میرے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا ہے۔ اگر رات مجھے اس اندھے کنوئیں سے نہ نکلواتیں تو کسی کو میری موت پر دو آنسو بہانے کا خیال بھی نہ آتا۔"

"نہیں بابو۔ مجھے شرمندہ نہ کرو۔" کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر دیوتاؤں کو منظور نہ ہوتا تو تم رات ہی مر چکے ہوتے۔"

"دیوتاؤں کی کرپا اپنی جگہ ہے مگر تم نے مجھ پر جو دیا کی ہے میں اسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"میں تو تمہاری داسی ہوں...

نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے میں اسے برسوں سے جانتا ہوں۔ اس خیال نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ میں نے ٹوہ لینے کی غرض سے کہا۔ "کلپنا، میرے کچھ دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ میرے تعاقب میں یہاں بھی آ جائیں اور میری وجہ سے تمہیں بھی پریشان ہونا پڑے۔"

"میری چنتا مت کرو جمیل بابو، مجھ ابھاگن کو بھلا کون پریشان کرے گا۔" کلپنا نے درد بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تم میرے حالات سے ناواقف ہو، جو ایسی باتیں کر رہی ہو۔ میرا یہاں سے چلا جانا ہی مناسب ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یوں بھی مجھے تم پر بوجھ بن کے رہنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

ایک لمحے کے لئے کلپنا کی آنکھوں کا رنگ بدلا پھر وہ سادگی سے بولی۔ "اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں منع نہیں کروں گی۔"

ایک اور سخت اور کربناک رات گزر گئی۔ اس رات کسی نے مجھے نہیں چھیڑا۔ میں کٹی کے فرش پر اوندھا پڑا اپنی عقل اور قسمت کا ماتم کرتا رہا۔ دوسری صبح جب بیدار ہوا تو کلپنا نے میرے آگے پھل لا کر رکھ دیے تھے۔ کلپنا رات کو دیر تک میرے پاس بیٹھی رہی تھی۔ میں اپنی محسنہ کے ساتھ کسی قسم کے ہوسناک جذبے کو اپنے دل میں محسوس نہیں کر سکا۔ رات کو وہ کٹی کے باہر سوئی۔ میں نے اس سے لاکھ کہا کہ تم اندر آ جاؤ، میں کٹی کے باہر سو جاتا ہوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اب صبح ہی صبح وہ ایک طرف خاموش بیٹھی مجھے پھل کھاتے دیکھ رہی تھی، اس کی اس بات کا غماز تھا کہ صرف ایک دن میں وہ مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی ہے۔ ناشتے سے فراغت پا کر میں نے کلپنا سے اجازت چاہی اور کٹی سے باہر آیا تو وہ میرے ساتھ تھی۔ مجھے اس سے دور ہوتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی قریبی عزیز چھوٹ رہا ہو، دل اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔ میں نے الوداعی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرانے لگی اور میں گردن جھکائے عجیب کیفیتوں میں اس سے رخصت ہوگیا۔ میں نے کلپنا کو کریدنے کے لئے طرح طرح کی گفتگو کی تھی لیکن وہ مجھے ایک حسین اور معصوم لڑکی سے زیادہ کچھ نظر نہیں آئی۔ میں نے اس سے جانے کی اجازت بھی طلب کی تھی کہ اگر سادھو جگدیو کے کہنے کے مطابق کلپنا ہی وہ پُراسرار قوت ہوتی جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا تو یقیناً مجھے روکنے کی کوشش ضرور کرتی اور باور کراتی کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جب اس نے سادگی سے مجھے جانے کی اجازت دے دی تو میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں دل پر جبر کر کے کٹی سے باہر نکلا۔ ہر چند کہ میری کوئی منزل نہیں تھی اور اندھیروں میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی تاہم میری رفتار ہر لمحے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کل رات جگدیو سے گفتگو کے بعد اب احساس شکست اتنا نہیں تھا جتنا پہلے تھا۔ یہ صبح کچھ بھلی لگ رہی تھی۔

آبادی کے قریب پہنچ کر میں نے سوچا کیوں نہ مالا رانی کے پاس جاؤں اور اس کے سامنے اپنی غلط کاریوں کا اعتراف کرلوں۔ میں نے غلط فہمی میں اسے سخت سست کہہ ڈالا تھا۔ مالا رانی کے خیال سے دل کو کچھ سکون سا ملا۔ میں نے عجیب وغریب ہئیت کے باوجود طے کرلیا تھا کہ اسی وقت چچا جان کے گھر جاؤں گا۔ وہ جب میرا یہ حلیہ دیکھیں گے تو حیران ہوں گے لیکن میں کوئی بہانہ بنادوں گا۔ میں روٹھی ہوئی مالا کی گداز آغوش میں گم ہوجاؤں گا۔

میں نے اپنا رخ چچا جان کے گھر کی طرف موڑ دیا لیکن ابھی میں چند قدم ہی آگے گیا تھا کہ پشت سے کسی نے آواز دے کر پکارا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ بدری نرائن کسی درندے کی طرح خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ''اتنے تیز تیز کہاں جارہے ہو جمیل احمد خان!'' بدری نرائن نے تلخی سے کہا۔ ''کیا مالا رانی کے خیال نے تمہیں بیاکل کردیا ہے؟ لیکن جانے سے پہلے میرا حساب تو چکاتے جاؤ۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ جگدیو کی ملاقات نے میرے حوصلوں کو توانائی بخش دی تھی۔ اس اعتماد میں کہ کوئی پُراسرار قوت میری مدد پر کمر بستہ ہے، میرا بدری نرائن سے خوف زدہ ہونا حماقت تھی۔

''میرا نام بدری نرائن ہے۔ تم نے مجھے شاید پہچانا نہیں؟ میں نے تم جیسے دشٹوں کو اس سنسار سے ختم کرنے کے لئے کالی کے مندر میں برسوں جاپ کیا ہے۔ میں نے اپنے جیون کا بڑا حصہ اس کام میں گزارا ہے۔ میں نے تمہاری چھوکری انکا پر ادھیکار حاصل کرنے کے لئے چالیس دن کڑی تپسیا کی ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' بدری نرائن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''تم اب بھی اپنا وقت ضائع کر رہے ہو پنڈت! میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں لیکن تم نے مجھے پہچاننے میں غلطی سے کام لیا ہے۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''کیا تم بھول گئے کہ میں نے رات تمہارے سامنے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادی تھی لیکن وہ جیو دھاری کنواں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میری راہ سے ہٹ جاؤ، نہیں تو یہ سارا گیان دھیان، یہ تپسیا نشٹ ہوجائے گی۔''

''میں دیکھ چکا ہوں مسلے ننٹے۔ تو مجھے کیا سمجھاتا ہے۔'' بدری نرائن گرج کر بولا۔ ''اس رات میرے بیروں سے چوک ہوگئی لیکن اب کوئی شکتی تجھے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتی۔ یاد رکھ میں کالی کا سیوک ہوں۔''

''سنو بدری نرائن! تم نے نرگس کو مارا، میں خون کے گھونٹ پی کر چپ ہوگیا۔ تم اپنی بزدلی سے کالی کے مندر میں چھپ کر جا بیٹھے۔ تم نے مالا رانی پر اپنے گندے بیروں سے حملہ کرایا، میں چپ رہا۔ تم نے انکا کو حاصل کرایا، تم نے شروع سے اب تک مجھ پر ظلم توڑے، میرے ساتھ زیادتیاں کیں، جب کہ

میں تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکا لیکن اب شاید تمہیں کوئی سبق دینا پڑے۔ اپنی اوقات مت بھولو پنڈت۔ تم حد سے گزر چکے ہو۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔'' میں نے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بدری نرائن پر اس طرح اثر ڈالنے کی کوشش کی۔

''اچ...... چھا؟'' بدری نرائن زہر خند سے بولا۔ ''کیا تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے ننٹے؟''

''سمے کی قدر کرو بدری نرائن اور پلٹ جاؤ۔ جاؤ میں نے تمہیں شما کیا، اگر مجھے جلال آگیا تو تمہیں بھاگنے کو بھی راستہ نہ ملے گا۔'' میں نے دل کڑا کر کے دبنگ لہجے میں کہا۔

بدری نرائن مسکرا دیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے تیور اچانک خطرناک ہوگئے۔ اس کی سرخ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ ''کمینے! موت سے پہلے تجھے کم از کم اتنی آگیا دے رہا ہوں کہ تو جو منہ میں آئے بک سکتا ہے، یہ زبان ابھی بند ہوئی جاتی ہے۔ اپنا من پرسن کرلے۔'' بدری نرائن کی آواز میں غصے کے سبب لرزش تھی پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ بدری نرائن نے منتر ختم کر کے اپنا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند کیا مگر اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔ وہ اپنا معلق ہاتھ میری جانب جھٹکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس کے چہرے پر شدید قسم کی الجھن نمودار ہوئی۔ ماتھے پر شکنیں پڑگئیں پھر اس نے چونک کر میری پشت پر کسی چیز کو حیرت سے گھورنا شروع کردیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی غیر متوقع حادثے سے بوکھلا گیا ہو۔

اس کا اٹھا ہوا ہاتھ فضا میں جیسے جکڑ کر رہ گیا۔ جس انداز سے اس کینہ پرور شخص پنڈت بدری نرائن نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا تھا، اس سے مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس بار کوئی خطرناک اور آخری وار کر رہا ہے۔ میرے قدم زمین پر لرزنے لگے تھے کہ میری محسنہ کلپنا نمودار ہوئی، وہی کلپنا جس نے مجھے جیو دھاری کنوئیں سے نکال کر نئی زندگی بخشی تھی، وہ اب بدری نرائن کے سامنے سنجیدگی سے کھڑی اس کی کشمکش اور جنوں خیزیاں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ اس وقت کوئی معصوم، نوخیز دوشیزہ کے روپ میں نہیں تھی۔

مجھے اس کے حسن کی تمام رعنائیوں کے باوجود اس کا وجود بہت بھیانک لگا۔ وقت کی رفتار اس قدر مدھم پڑگئی تھی کہ مجھے سینے میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ کلپنا کا اچانک وہاں نمودار ہوجانا کسی بڑے ہنگامے کا پیش خیمہ تھا۔ بدری نرائن کا اٹھا ہوا ہاتھ کلپنا کو دیکھ کر کیوں رک گیا؟ میں اس شش و پنج میں چند لمحے ساکت و جامد کھڑا اپنے دل کی دھڑکنیں شمار کرتا رہا پھر مجھے خیال آیا کہ یہ خوب صورت لڑکی کوئی بڑی غلطی کر رہی ہے۔ شاید یہ بدری نرائن سے واقف نہیں ہے۔ بدری نرائن کے سامنے کلپنا کا نرم و نازک بدن ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ بدری نرائن کا ایک اشارہ اس کے گرد موت کا جال بُن سکتا

ہے۔ یہ آگ کی نذر ہو سکتی ہے۔ بدری نرائن کے بیرا سے لمحوں میں ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ وہ میرے لیے اس وقت زبردست ایثار کر رہی ہے اور شاید یہ نہیں جانتی کہ وہ کس موذی کے سامنے کھڑی ہے۔ میرا دل دکھنے لگا اور ضمیر نے مجھے ملامت کی کہ میں نے کلپنا اور بدری نرائن کے درمیان سے ہٹ کر بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے خود بدری نرائن سے نمٹنا چاہیے۔ اگر میں زندہ رہا تو کلپنا کی قبل از وقت موت ہمیشہ مجھے ملامت کے آنسو رلاتی رہے گی۔ مجھے اسے ہر قیمت پر بدری نرائن کے شر سے بچانا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ بدری نرائن کی آواز سے فضا کا سکوت متزلزل ہو گیا۔ وہ کلپنا سے مخاطب تھا۔ ''سندری! تو کون ہے؟ یہاں اس سمے کیا کر رہی ہے؟''

کلپنا نے کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اس کے قہر و غضب کے انداز میں کوئی فرق آیا۔

بدری نرائن جز بز سا ہوا اور پہلو بدل کر بولا۔ ''میں کیا پوچھتا ہوں سندر ناری! تو کون ہے؟ تیری آنکھوں میں پریم کے بجائے نفرت کیوں ہے۔ کہیں تیرا سمبندھ اس نٹھنے اپرادھی سے تو نہیں جو اپنا جیون بچانے کے کارن میرے سامنے سے بھاگ رہا ہے؟''

بدری نرائن کا لہجہ سنبھلا ہوا تھا لیکن بے حد تلخ تھا۔ اس کا اٹھا ہوا ہاتھ اب نیچے آ گیا تھا۔ کلپنا کے بدن نے ایک جھرجھری سی لی اور وہ پُرسکون نظر آنے لگی پھر اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی اور وہ نرم و دلکش لہجے میں بولی۔ ''مہاراج! تم نے اس بے چارے کو پہلے بھی موت کے قریب کر دیا تھا۔ کیا بگاڑا ہے اس کمزور اور غریب منش نے؟''

''کمزور اور غریب!'' بدری نرائن زہرخند سے بولا۔ ''میرے پاس اتنا سمے نہیں سندری کہ تجھے اس مُسلے کے کرموں کی کتھا سناؤں..... پر تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ تو کون ہے اور کیا تو اسے جانتی ہے؟''

''ہاں مہاراج!'' کلپنا نے سادگی اور معصومیت سے کہا۔ ''میں جمیل احمد خان کو جانتی ہوں۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔''

''ہاں ہاں۔ سندر ناریاں جمیل احمد خان کو سدا قریب سے دیکھتی ہیں۔'' بدی نرائن نے طنز سے کہا۔ ''پر اب سمے گیا۔ کیا تو اسے میرے چنگل سے بچانے کے لئے آئی ہے، کیوں؟''

''ہاں مہاراج! میں تم سے بنتی کرنے آئی ہوں کہ تم اسے شما کر دو۔'' کلپنا نے انکسار سے کہا۔

''شما اور اس اپرادھی کو؟'' بدری نرائن گرج کر بولا۔ ''پر تو کون ہے اور تجھے یہ ادھیکار کس نے دیا [illegible] سامنے اس جرأت سے آئی ہے؟''

''یہ [illegible] نام کلپنا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حالات نے جمیل احمد خان کے ساتھ بڑا مذاق کیا ہے۔ پر [illegible] اس میں اس [illegible] دوش کم ہے اور حالات کا زیادہ دوش ہے۔ یہ کوئی برا آدمی نہیں ہے۔ تم اسے

شما کر دو گے تو یہ تمہاری بڑائی ہو گی۔'' کلپنا نے جسارت سے کہا۔

''سندری۔ مجھے تیرے کومل شریر اور تیری عمر پر رحم آتا ہے۔ اس منش نے مجھے بہت دکھ دیے ہیں۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اس کا خیال چھوڑ دے۔ یہ بہت بڑا دشٹ ہے، دھرتی کو ایسے منشوں سے پاک کر دینا ہی پُن ہے۔ جا تو اپنی راہ لے۔'' بدری نرائن نے نخوت سے کہا۔

''مہاراج، یہ انیائے ہے، کسی پر انیائے کرنا پُن نہیں ہے۔'' کلپنا کے لہجے میں اب تلخی آ گئی تھی۔ ''اگر تم مہان شکتی کے مالک ہو تو تمہیں سب کچھ بھول کر اسے شما کر دینا چاہیے۔''

''میں اس پاپی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ ناممکن۔'' بدری نرائن نے غصے سے کہا۔ ''سندری! جا، میری نظروں سے دور ہو جا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تیرے لیے بھی کوئی اپائے کرنا پڑے۔ یہ مسلمان ہے اور تو ایک ہندو ناری، تیرا دھرم یہ نہیں، جا اپنے گھر جا کر رام رام کر۔''

کلپنا کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ایک نظر میری سمت دیکھا پھر دوبارہ بدری نرائن کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''مہاراج! میں اس سمے تک نہیں جاؤں گی جب تک تم اسے شما نہیں کر دو گے۔ میں وچن دیتی ہوں کہ یہ پھر کبھی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔''

''پاپن...... '' بدری نرائن غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''تو ایک ہندو استری ہو کر کسی مُسلے کے لیے ہاتھ باندھ رہی ہے۔ تجھے لاج نہیں آتی؟ اس شخص کے پاس اب کیا رکھا ہے، جو تو آس لگائے ہوئے ہے۔ اسے تو کوئی اب بھیک دینا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

''شاید تم نے کبھی کسی سے پریم نہیں کیا پنڈت! پریم ذات پات اور دھرم سے اونچا ہوتا ہے۔'' کلپنا نے بے باکی سے کہا۔ ''پریم کا سمبندھ من سے ہوتا ہے اور من اگر پوتر ہو تو کوئی چیز پاپ نہیں ہوتی۔''

''کلپنا، تو میرے سامنے اتنی ڈھٹائی سے باتیں کر رہی ہے۔ کیا مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ میں کیا ہوں؟'' بدری نرائن تلملا کر بولا۔ ''میں تجھ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ مجھے ایک استری پر ہاتھ اٹھانے کے پاپ پر مجبور نہ کر...... نہیں تو میرا اکشٹ تیرا جیون بھی نشٹ کر دے گا۔''

''پریم پر تو دیوی دیوتاؤں کا بھی بس نہیں۔ تم بھلا اسے کیا نشٹ کرو گے؟ پریم امر ہوتا ہے مہاراج! تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔'' کلپنا نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔

''اب بہت ہو گیا۔'' بدری نرائن کسمسا کر بولا پھر مزید کچھ کہے بغیر اس کے قدم حرکت میں آ گئے۔ وہ خبیث کلپنا کی سمت کسی خطرناک ارادے سے آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر رعونت اور غضب تھا۔ میں دخل دینا چاہتا تھا لیکن میرے قدم جواب دے گئے تھے۔ بدری نرائن ایک مہان پجاری تھا جسے کالی نے پناہ دے رکھی تھی اور جس نے انکا کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور جو پہلے ہی ایک بڑے

پنڈت کی حیثیت سے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ جس نے شیو چرن کو مارنے کے لئے میری سہائتا کی تھی اور مجھے برکاتی شاہ کا پتا بتایا تھا۔ مجھے وحشت ہو رہی تھی کہ اب کلپنا کا انجام کیا ہوگا؟ یہ خوب صورت لڑکی جو میرے پریم میں اتنی بے باکی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بدری نرائن جیسے کمینے اور عیار شخص کی زد میں آ گئی ہے۔ وہ کلپنا کو اپنی ایک جنبش لب سے تہس نہس کر سکتا ہے۔ میرا دل چاہا کہ لپک کر بدری نرائن سے الجھ پڑوں لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی جنبش کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے کلپنا کی جانب گھبرا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر بدستور معصومیت طاری تھی۔ ایک سکون تھا جسے میں اس کی نادانی پر محمول کر رہا تھا۔ بدری نرائن لحہ بہ لحہ اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا لیکن وہ اس کے قریب پہنچ کر اچانک ٹھٹک کر رک گیا جیسے کسی تیز رفتار گاڑی کو اچانک بریک لگا جائیں۔ اس کے ساتھ ہی بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات حیرت انگیز طور پر بدل گئے۔ آنکھوں میں الجھن اور انداز میں جھنجلاہٹ نظر آنے لگی۔ وہ کلپنا کو گھور کر دیکھنے لگا۔

"رک کیوں گئے مہاراج!" کلپنا نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "کیا تم نے مجھ پاپن کو کشٹ دینے کا خیال اتنی جلدی من سے نکال دیا ہے؟"

بدری نرائن نے اس طنزیہ جملے کے جواب میں غیر معمولی ردِعمل کا اظہار کیا۔ اس نے بڑی بے چینی سے ہاتھ پاؤں چلانے شروع کر دیے جیسے وہ خود کو کسی مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہو اور جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ یہ نظارہ میرے لیے ناقابل فہم تھا۔ میں کلپنا کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ اچانک مجھے سادھو جگدیو کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ کوئی اور طاقت میری پشت پناہی کر رہی ہے، تو کیا وہ طاقت کلپنا ہے؟ میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا کہ کلپنا نے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

"مہاراج! تم نے میری بنتی کو ٹھکرا دیا، بھول کی۔ کس نے کس کو غلط سمجھا، یہ اب تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا۔ تم اس سے کتنے بیاکل نظر آ رہے ہو حالانکہ تم نے ابھی کہا تھا کہ تم مہان شکتی والے ہو۔ کہیں مجھے نشٹ کرنے کے لئے تو یہ انوکھا ناٹک نہیں رچا رہے؟"

"مورکھ نار، تو بہت پچھتائے گی۔" بدری نرائن تڑپ کر بولا۔ "مجھے کالی کا آشیرباد پراپت ہوا ہے، دیوی تجھے جلا کر بھسم کر دے گی۔" وہ عجیب مضحکہ خیز انداز میں اپنے جسم کو حرکت دے رہا تھا۔

"یہ بھی تمہاری بھول ہے مہاراج! کالی صرف تمہارے ساتھ نہیں ہے، اوروں کو بھی اس کا آشیرباد پراپت ہوا ہے۔ تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ صرف تمہی اس کے قریب ہو گئے ہو۔ کالی کو معلوم ہے کہ اسے کس کس کی سہائتا کرنی چاہیے۔ من کا کالا پن دور کرو بدری نرائن!" کلپنا سرد آواز میں بولی۔ اس کا لہجہ بہت بدل گیا تھا اور [illegible]

بدری نرائن نے جھلا کر جواب دینا چاہا۔ اس کے اور کلپنا کے درمیان چند تلخ و ترش جملوں کا تبادلہ بھی ہوا لیکن وہ ہونٹ ہلا کر رہ گیا۔ اس کی آواز نہیں نکل سکی پھر میں نے اسے تیزی سے پلٹتے دیکھا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا واپس جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس امر کی غمازی کر رہے تھے کہ اس وقت وہ شدید ذہنی الجھن اور کرب سے دوچار ہے۔ میری نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو میں نے پلٹ کر کلپنا کی سمت نظر ڈالی لیکن وہ مجھے قرب و جوار میں کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے اضطرابی کیفیت میں اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا لیکن نہ جانے وہ کس کھوہ میں غائب ہو گئی تھی۔ میرا شبہ اب یقین میں بدل گیا۔ اب کلپنا کے بارے میں ساری باتیں خود بخود صاف ہو گئی تھیں، کلپنا یقیناً وہی طاقت تھی جس کی نشان دہی سادھو جگدیو نے کی تھی۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔ میں تیزی سے گھوما اور بے تحاشا پرانے قبرستان کی جانب دوڑنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ کلپنا کو اس کی کٹیا میں پالوں گا۔ رفتار کے ساتھ ساتھ میرا ذہن بھی بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں نے کلپنا کو زندگی میں دوسری بار دیکھا تھا۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھی۔ اس کے باوجود اس نے میری غیر معمولی مدد کی۔ آخر کیوں؟ مجھ بد نصیب کا اتنا بڑا ہمدرد کہاں سے پیدا ہو گیا؟

میری رفتار اتنی تیز تھی کہ بھاگنے کا گمان ہوتا تھا۔ میں جلد ہی پرانے قبرستان کی اس جھونپڑی تک پہنچ گیا جہاں پہلی بار میں نے کلپنا کو دیکھا تھا۔ میرا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ میں تیزی سے جھونپڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا لیکن وہاں ویرانی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوٹھری بھائیں بھائیں کر رہی تھی، اس کے اندر ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی بو جو ایک عرصے تک ویران پڑے رہنے والے مکانوں میں ہوا کرتی ہے۔ کلپنا کو میں کہاں تلاش کروں؟ وہ تو ایک چھلاوا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ اس کا مسکن یہی جھونپڑی ہو۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ مجھ سے کہاں ملے، کب ملے یا نہ ملے۔ اس لیے کہ وہ کوئی عام عورت نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا۔ جمیل احمد خان! تم اسے کہاں تلاش کرو گے؟ مگر میں اب کہاں جاؤں؟ چچا جان کے گھر جاتا ہوں تو اس حالت میں کون مجھے پہچانے گا؟ وہ جمیل احمد خان جو ہمیشہ خوش پوش رہتا تھا اور جس نے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا، وہ اب ان پھٹے پرانے کپڑوں میں بڑھی ہوئی داڑھی شکستہ حالی کے ساتھ کیسے چچا جان کے گھر میں داخل ہوگا۔ نہ جیب میں کھانے کو کچھ تھا، نہ کوئی شخص دور دور تک ہمدرد نظر آتا تھا۔ زندگی میں جب کوئی امید نہ ہو اور شب و روز مقصد سے عاری ہوں تو جسم میں اینٹھن ہونے لگتی ہے۔ میں نڈھال ہو کر قبرستان میں گر گیا۔ اب صرف ایک امید تھی کہ اس پُراسرار عورت کلپنا کو جب میرا حال معلوم ہوگا تو وہ یقیناً اس طرف کا رخ کرے گی۔ جگدیو بھی کسی لمحے آ سکتا ہے۔ پیروں نے آگے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں خود کو ایک نحیف و ناتواں شخص محسوس کر رہا تھا۔ عجب عجب حادثے پیش آ رہے تھے۔ ایک رات میں نے اسی قبرستان میں گزار

دی۔ نہ جگدیو آیا نہ کلپنا۔ بھوک نے بے حال کر رکھا تھا۔ صبح ہونے سے پہلے میں بیدار ہو گیا۔ اب مزید بھوکا رہنا میرے بس میں نہیں تھا۔ میں کھانے کی تلاش میں قبرستان سے نیم مردہ انداز میں اٹھا۔ بار بار یہ بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میں نے کس طرح اپنے پیٹ کا جہنم سرد کیا۔ پیٹ میں کچھ پڑا تو آنکھوں میں روشنی پیدا ہو گئی اور میں پھر قبرستان کی جانب ہو لیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو دوپہر کا وقت تھا۔ جھونپڑی میں اب بھی کوئی نہیں تھا، جب میں نامراد واپس جا رہا تھا تو قبرستان سے ہٹ کر ایک کھلی زمین پر میں نے ایک شخص کو منڈل میں آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن دیکھا۔ وہ مجھے کوئی شناسا چہرہ لگا۔ میں تیزی سے اس کی طرف گیا اور اگلے چند قدم چلنے کے بعد ٹھٹک کر رک گیا۔ سادھو جگدیو آنکھیں بند کیے اپنے جاپ میں بڑی طرح منہمک تھا۔ اس کے اردگرد چونے سے ایک دائرہ بنا ہوا تھا۔

میں حیرت سے دور کھڑا اس کا انہماک دیکھتا رہا۔ کچھ توقف کے بعد میں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن میری آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ گئی۔ جگدیو نے میری چیخ پکار کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے نرم و گرم لہجے میں اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے گلا پھاڑ پھاڑ کر آوازیں دیں لیکن بے سود۔ جگدیو کے استغراق میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا پھر میں نے سوچا کہ قریب جا کر اسے جھنجوڑوں لیکن میری نظروں میں چونے کی لکیر کسی دیوار کی طرح پھر گئی۔ یہ منڈل، یہ گیان دھیان، یہ جاپ اور یہ پُر اسرار منظر میرے لیے نیا نہیں تھا۔ پہلے بھی دو بار میں تربینی داس اور شیو چرن کو اسی طرح کے منڈل میں بیٹھا ہوا دیکھ چکا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر جگدیو کسی جاپ میں مصروف ہے تو میرا منڈل میں گھسنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ میں آگے بڑھنے سے باز رہا اور تھک ہار کر منڈل کے باہر بیٹھ گیا کہ شاید جگدیو اپنا جاپ ختم کر لے۔ شاید اس کی مدت بہت کم ہو۔ ممکن ہے وہ شام تک منڈل سے باہر آ جائے۔

بہر حال اب یہی جگہ سب سے زیادہ عافیت کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب دھوپ میں آ کر لیٹ گیا۔ ان واقعات نے میری عقل خبط کر دی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، آخر جگدیو کس قسم کے جاپ میں مصروف ہو گیا؟ کلپنا کہیں جگدیو ہی کا تو دوسرا روپ نہیں ہے؟ کوئی بھی بات ممکن ہے۔ میں جگدیو سے حالات معلوم کرنے کے لئے بے حد مضطرب تھا۔ اس کی ہدایت کے مطابق ہی میں کوئی قدم اٹھا سکتا تھا۔ وہ رات گزر گئی پھر دوسرا دن گزر گیا پھر تیسرا دن گزر گیا۔ میں جھونپڑی میں پڑا رہتا۔ کبھی منڈل کے قریب جگدیو کو تکنے لگتا، کبھی کھانے کے لئے قبرستان سے باہر چلا جاتا اور چند روٹیاں زہر مار کر کے پھر واپس آ جاتا۔ جگدیو کا جاپ ختم نہیں ہوا۔

چوتھے روز تنگ آ کر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ مجھے اسی شکستہ حال کے ساتھ چچا جان کے گھر چلنا چاہیے۔ وہ گھر میرا اپنا گھر ہے اور اپنے گھر میں یہ جھجک کیسی؟ چنانچہ جگدیو سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر کے

میں اس راستے پر ہو لیا جو چچا جان کے گھر جاتا تھا۔ لکھنؤ کی شناسا سڑکوں پر میں کسی اجنبی کی طرح سر جھکائے چل رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی پہچان نہیں پائے گا۔ جب محلے کی گلیاں آئیں تو میں نے لوگوں سے کترا کر نکلنا چاہا۔ میں حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے جس قدر سلجھانے کی کوشش کرتا۔ وہ اسی قدر الجھ جاتے۔ جب اس گلی میں داخل ہوا جہاں چچا جان کا گھر تھا تو دل کا عجب عالم ہو گیا۔ قدم لڑکھڑانے لگے۔ جی چاہا کہ واپس ہو جاؤں۔ بدن پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں، سر اور داڑھی کے بال جھاڑ جھنکاڑ کی طرح اگے ہوئے تھے۔ جسم کے سارے کپڑے پھٹ رہے تھے اور سیاہ ہو گئے تھے۔ گھر کے قریب پہنچ کر گزری ہوئی باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں، میں ابھی گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ یکلخت مجھے اپنے سر پر چبھن محسوس ہوئی۔ وہی مانوس چبھن جو انکا کی آمد کا اعلان تھی۔ میں نے گھر جانے کے بجائے اچانک واپس ہونے کا ارادہ کیا اور تیزی سے دوسری گلی میں چلا آیا پھر میں نے بے چینی سے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو انکا میرے سر پر موجود تھی۔ اس کی نظروں میں بے گانگی اور بیزاری تھی۔ انکا کو اس حالت میں دیکھ کر میرے دل کو ہمیشہ گہرا صدمہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر اس سے پوچھا۔

"اب کیا حکم دینے آئی ہو؟"

"جمیل احمد خان۔" انکا نے سرد لہجے میں کہا "تم مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟"

"انکا!" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "دل پر نشتر مت چلاؤ۔ صاف صاف بات کرو، کیا کہنا ہے؟"

"تم میری طاقت سے واقف ہو؟" انکا نے رعونت سے کہا۔

"میں تمہارے ہر روپ سے واقف ہوں، کاش تمہیں مرنا بھی آتا، کاش تم محسوس بھی کر سکتیں۔"

"باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے آقا پنڈت بدری نرائن کو بھی خوب جانتے ہو۔ وہ ایک مہان پنڈت ہے۔ اس کی شکتی سے ٹکرانے والے کا حشر بہت برا ہوتا ہے۔ تم کبھی پنڈت بدری نرائن کے کشٹ سے نہیں بچ سکتے۔" انکا نے اجنبیت سے کہا۔

"مجھے معلوم ہے مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"تم بدری نرائن کے کشٹ سے بچ سکتے ہو لیکن ایک شرط پر۔" انکا نے درشتی سے کہا۔

"وہ کیا ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"تمہیں مجھے کلپنا کی حیثیت سے آگاہ کرنا ہوگا۔"

"کلپنا......" میں نے دہرایا۔ "میں نہیں جانتا وہ کون ہے؟"

"مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی۔ یہ بات تم جانتے ہو۔" انکا نے غضب ناک آواز میں

Downloaded from Paksociety.com

کہا۔ ’’اگر زندگی عزیز ہے تو کلپنا کی حیثیت اور اس کے ٹھکانے سے آگاہ کردو ورنہ مجھے اپنے آقا کو خوش کرنے کیلئے تمہارے خون سے اپناوجود سیراب کرنا پڑے گا۔‘‘

’’خوب......‘‘ میں نے سنبھل کر کہا۔ ’’جب تم سے کوئی بات نہیں چھپائی جاسکتی تو پھر تم اپنی طاقت سے معلوم کیوں نہیں کرلیتیں۔ میں تمہاری دھمکیوں کی تاب نہ لاسکوں گا، تمہیں جو کرنا ہے کرلو۔‘‘

’’جمیل احمد خان۔‘‘ انکا نے تیز لہجے میں کہا۔ ’’مجھے بتاؤ کہ کلپنا کون ہے؟ وقت ضائع مت کرو۔‘‘

’’میں نے کہہ دیا کہ مجھے نہیں معلوم لیکن انکا؟ کیا تمہاری پُراسرار قوت کلپنا کا راز معلوم کرنے میں ناکام ہوگئی ہے؟ کیا اس مردود پنڈت کی مہان شکتی بھی کلپنا کے سامنے بے بس ہو رہی ہے؟‘‘ میں نے جرأت سے کہا۔ ’’میری جان انکا! اب تمہاری کوئی دھمکی کارگر نہیں ہوگی۔ ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔ مجھے تمہاری بے بسی سے پہلی بار بہت خوشی ہوئی۔ تم کلپنا کو کبھی نہیں جان سکتیں کیونکہ اسے بدری نرائن سے بڑی شکتی پراپت ہے۔‘‘

اب میرے کچھ کہنے کا وقت تھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ انکا مایوس ہوکر مجھ سے کلپنا کا راز جاننے آئی ہے اور میں بالکل محفوظ ہوں لیکن انکا نے چلتے چلتے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے بے حال کردیا۔ میرے اعصاب متزلزل ہوگئے۔ ظاہر ہے میرے پاس کلپنا کا کوئی راز نہیں تھا۔ اس لیے اس نے اپنی تمام تر کوشش کی کہ مجھے کسی طرح بے بس کردے مگر اچانک وہ خود ہی پھدک کر خوف زدہ انداز میں میرے سر سے اتر گئی۔ انکا کے اس اچانک رویے پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ جگدیو کی ہر بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ کوئی پُراسرار قوت بدبخت جمیل احمد خان کی پشت پناہ تھی۔ کوئی ایسی عظیم طاقت جس کے آگے انکا کی شیطانی قوتیں بھی بے اثر ہوگئی تھیں۔ بہرحال مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اب کچھ دنوں کے لئے بدری نرائن سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔ وہ میرے سامنے آنے سے کترا رہا تھا لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے انتقام لینے کے خیال سے اتنی آسانی سے دستبردار ہوگیا ہے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ذلیل و ظالم شخص اپنے اتنے پرانے دشمن سے یوں سرسری گزر جاتا۔

اس آنکھ مچولی کے دن ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ انکا کو اس نے اسی غرض سے میرے سر پر بھیجا تھا کہ وہ کلپنا کی حقیقت دریافت کرسکے۔

میں اپنے مکان کی پچھلی گلی میں اس واقعے سے سہما کھڑا تھا اور اپنے ہوش و حواس درست کر رہا تھا پھر میں کسی قدر حوصلے کے ساتھ چچا جان کے مکان والی گلی میں آیا اور مکان کے دروازے پر پہنچ کر دوبارہ رک گیا۔ مجھے اندر جاتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔ پتا نہیں مجھے اس حلیے میں دیکھ کر میرے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہوگا؟ میں چند لمحے دروازے پر خود سے الجھتا رہا اور اپنے اندر ہمت پیدا کرتا رہا پھر میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ فرزانہ، میری بہن نے دروازے کی آڑ سے مجھے دیکھ کر تیزی

سے دروازہ بند کرلیا۔ وہ یقیناً مجھے نہیں پہچانی تھی۔

’’ٹھہرو۔‘‘ اندر سے اس کی سہمی ہوئی آواز آئی۔

میرے اندر کے غیرت مند انسان نے کہا واپس چلو لیکن ذرا دیر بعد جب میں واپس جانے نہ جانے کے تذبذب میں دروازے پر کھڑا تھا کہ فرزانہ کا ہاتھ دروازے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں روٹی اور اس پر سالن رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے جسم پر رعشہ طاری ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے واپس چلا جانا چاہیے۔ اب اگر میں اندر گیا تو فرزانہ شرمندگی سے آنکھ نہ اٹھا سکے گی۔ میں نے فرزانہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے روٹی لے لی اور واپس ہونا چاہا لیکن دروازے پر آکر اور گھر کے اندر سے آنے والی مانوس آوازیں سن کر واپسی کے لئے قدم نہیں اٹھے۔ فرزانہ چلی گئی تھی۔ میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار مالا نے دروازہ کھولا اور مجھ پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر اندر ہی سے بولی۔ ’’اب کیا چاہیے؟‘‘

’’مالا۔ یہ میں ہوں جمیل۔ دروازہ کھولو۔‘‘

’’آپ......آپ ......‘‘ مالا ایک دم سامنے آگئی۔ ’’آ......آپ؟‘‘

’’ہاں میں، میں آگیا ہوں۔‘‘ میں نے آہستگی سے کہا۔

مالا نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا پھر جھٹ دروازہ کھول دیا اور ڈیوڑھی میں وہ بے تابانہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ میں اسے سنبھالا دیتا ہوا اندر لے گیا۔ وہاں دونوں بہنیں تھیں اور بھائی موجود تھا۔ انہوں نے سراسیمگی کی نظروں سے مجھے دیکھا کہ یہ کون پاگل مالا کے کاندھے پر ہاتھ رکھے درانہ گھر میں گھسا چلا آرہا ہے۔ میں نے فرزانہ کی ندامت دور کرنے کے لئے سب سے پہلے اسے گلے لگایا۔ انہیں مجھے پہچاننے میں دیر نہیں لگی اور پھر ان پر رقت طاری ہوگئی اور انہوں نے مجھ سے طرح طرح کے سوال کرنے شروع کردیے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوگیا تھا اور یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کسی وقت سن لینا۔ میرے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ قوت گویائی جیسے سلب ہوگئی تھی۔ صرف آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سب مجھ سے لپٹے ہوئے تھے اور میں انہیں دلاسے دے رہا تھا۔ اب میں آگیا ہوں، برے دن گزر گئے۔ میرے امتحان کا وقت گزر گیا۔

مالا رانی نے اسی وقت میرے چچازاد بھائی کو دوڑایا تاکہ وہ چچا جان کو بلا لائے۔ غرضیکہ میری واپسی پر گھر میں خوشیوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ مالا نے اسی وقت میرے غسل کا اہتمام کیا۔ میں نے نہا دھو کر حلیہ درست کیا اور شیو بنایا تو ایسا معلوم ہوا جیسے میرا جسم بے وزن ہوگیا ہے۔

دن بھر چچا جان، بھائی اور بہنوں میں گھرا رہا اور انہیں اپنی خود ساختہ روداد سناتا رہا۔ دن میں انہوں نے طرح طرح کے پکوان بنائے۔ فرزانہ نے کوئی دس بار میرے آگے ہاتھ جوڑے کہ اس نے مجھے کوئی فقیر سمجھ کر روٹی دے دی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

رات آئی اور آخر تنہائی کا موقع ملا تو میں نے مالا کا سراپا اپنی آغوش میں پوری طاقت سے سمیٹ لیا۔ میرے دل میں اس وقت اس کے لئے شدید محبت پیدا ہوئی اور میں نے اس سے اپنے جیل کے رویے کی معافی مانگی۔ ساری رات ہم دونوں جاگتے رہے۔ ہمارے جذبات نے کچھ ایسا زور باندھا جیسے ہم پہلی بار ملے ہوں۔ مجھے مالا ایسی تازہ نظر آئی جیسے وہ پریتم لال کے استھان پر ایک جھرنے میں غسل کرتے وقت نظر آئی تھی اور جس طرح پہلی رات کو اس کا حسین ترین چہرہ میرے لیے نیا تھا، اسی طرح اس وقت بھی کھلا ہوا تھا۔ وہ رات میں نے اس کی پلکوں کے سائے میں گزار دی اور اس نے میرے بازوؤں میں۔ جب اتنی مشقتوں اور مصیبتوں کے بعد مالا کی قربت کا یہ دل نشیں موقع ملا تھا تو پھر میرے جذبات کا کیا عالم ہوگا؟ ہم دونوں ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے، جیسے ہم کوئی علیحدہ جسم نہ رکھتے ہو۔ ہماری سانسیں ایک، ہماری روحیں ایک، ہمارے جذبے ایک۔ ہمارے ردِ عمل ایک جیسے، ہم ایسی اکائی ہوں جو دو جسموں کے ارتباط کے بعد وجود میں آئی ہو۔ یہ اکائی زبردست شدتوں کے بعد کہیں پیدا ہوئی ہے۔ مالا نے محسوس کر لیا تھا کہ میں نے چچا جان کو جو روداد سنائی ہے، وہ غلط ہے۔ چنانچہ اس نے اصلیت معلوم کرنے کے لئے ضد شروع کر دی۔ میں نے تھکن کا بہانہ کر کے اسے ٹال دیا اور علی الصباح اس کی آغوش میں سمٹ کر سو گیا۔

چار روز تک میں نے باہر قدم نہیں نکالا۔ مالا نے ان چار دنوں میں متعدد بار مجھ سے واقعات معلوم کرنے کی خاطر اصرار کیا لیکن میں اسے ٹالتا رہا مگر پانچویں دن جب مالا کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا تو میں نے شروع سے آخر تک تمام حالات سے اسے باخبر کر دیا۔ البتہ کلپنا کا ذکر میں دانستہ درمیان میں نہیں لایا۔ مالا بڑی توجہ سے یہ الم ناک روداد سنتی رہی۔ جب میں خاموش ہوا تو بولی۔ ''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' میں نے مایوسی سے کہا۔ ''جب تک بدری نرائن زندہ ہے، میری زندگی کو ہر لمحے خطرہ لاحق ہے۔ جگدیو مہاراج اگر جاپ میں مصروف نہ ہوتے تو میں ان سے کوئی مشورہ کرتا۔''

مالا میرے حالات سن کر آبدیدہ ہو گئی۔ اسے فکرمند دیکھ کر خود میرا دل بھی ڈوبنے لگتا تھا۔ کچھ دیر خاموشی مسلط رہی پھر مالا چونک کر بولی۔ ''ایک بات سمجھ میں آتی ہے، اگر آپ میرا مشورہ مانیں تو میسور کی پہاڑیوں میں جا کر کلدیپ کو تلاش کریں۔ بابا نے اسے اپنی داسی بنایا تھا۔ مجھے وشواش ہے کہ کلدیپ آپ کی مدد ضرور کرے گی۔ بابا نے اسے بہت کچھ دان کیا تھا۔''

''کلدیپ!'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ ایک عرصے بعد کلدیپ کا نام سن کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور خود پر غصہ بھی آیا۔ کلدیپ کو میں کتنی جلدی بھول گیا تھا۔ اس کلدیپ کو جس نے مجھ سے شدید محبت کی تھی۔ جس نے قدم قدم پر مجھے سہارا دیا تھا اور بدترین مصائب میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

میری خاطر خود جوگن بن گئی تھی اور مالا کو میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میں اسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا؟ نہ جانے وہ کس عالم میں ہوگی؟ وہ اتنے مضبوط ارادے کی لڑکی تھی کہ اس نے میری خاطر اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ یقیناً وہ اب بھی پریتم لال کے استھان پر اس کی ہدایت کے مطابق تنہا رہ رہی ہوگی اور اس نے اب تک بہت کچھ حاصل کر لیا ہوگا۔ کلدیپ کے نام سے دل کو ایک ڈھارس سی بندھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟'' مالا نے مجھے سوچوں میں مستغرق دیکھ کر پوچھا، پھر بولی۔ ''میرا من گواہی دیتا ہے کہ کلدیپ نے بابا کے استھان سے بہت کچھ پا لیا ہوگا۔ آپ اس سے ملیں، مجھے وشواش ہے کہ دکھ کے دن بیت جائیں گے۔ ہو سکتا ہے بدری نرائن کے سلسلے میں کلدیپ کوئی اپائے ڈھونڈ نکالے۔ یوں بھی وہ ایک محفوظ جگہ ہے، وہاں بدری نرائن کے گندے بیر نہیں پہنچ سکتے۔''

مالا نے اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن دکھائی تھی۔ اس کے بعد میں کلدیپ ہی کے بارے میں سوچتا رہا۔ پونا کلب میں اس سے ملاقات، ہوٹل میں اس کا ایثار، کشمیر میں اس کا اضطراب۔ وہ سر تا پا عشق تھی۔ اب یاد آئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں کتنا کمینہ، خود غرض اور مادہ پرست شخص ہوں۔ میں اسے بھول گیا جس نے اپنی زندگی مجھ پر، اپنے محبوب پر قربان کر دی تھی۔ میں نے اس سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

لیکن رات کو مجھے تزئین کی یاد آئی۔ اس کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے جا کر تحقیق کرنے میں اندیشے تھے پھر بھی رات کو سیاہ شیروانی پہن کر گھر سے نکلا اور چپ چاپ بازار حسن میں داخل ہو گیا۔ وہاں وہی رونقیں، وہی جھمگھٹے، وہی آوازیں اور خوشبوئیں تھیں۔ میں ان سب سے بے نیاز ایک اوسط درجے کے بالا خانے کے قریب جا کر رک گیا۔ اندر سے نغمہ سرائی کی آوازیں آ رہی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ یہاں لکھنؤ کے نوابین اور اعلیٰ افسران نہیں پھٹکیں گے۔ ایک زمانہ تھا، جب میں یہاں انکا کی معیت میں دندناتا ہوا آیا کرتا تھا۔ اندر داخل ہوا تو میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ مغنیہ نے میرے روپے کی دھن پر خوب گایا اور سماں باندھ دیا لیکن اس دن مجھے عیش و طرب، نغمہ و سرور کے ان ہنگاموں سے زیادہ تزئین کی فکر تھی۔ رات کو جب محفل کا رنگ اڑنے لگا اور فانوسوں کی روشنی جھلملانے لگی اور سب لوگ آنکھوں میں موسیقی اور حسن و مستی اور رندی کا سرور لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو میں بیٹھا رہا۔ اس عرصے میں، میں اپنی شخصیت کا اظہار بخوبی کر چکا تھا۔ جب دیوان عام برخاست ہو گیا تو میرے لیے ایک خاص محفل سجی۔ میں نے اسی لمحے باتوں باتوں میں اشرفی بیگم کا تذکرہ چھیڑ دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ تزئین اب تک لاپتا ہے اور نواب جبن علی خان اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے رہا ہو گیا ہے اور اشرفی بیگم کے بالا خانے کا اب وہ رنگ نہیں رہا جو تزئین کے زمانے میں تھا۔ تزئین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اب وہاں میرے رکنے کا کوئی

محل نہ تھا۔ میں رات گئے وہاں سے چلا آیا اور دوسرے دن میسور کے سفر کی تیاری کرنے لگا۔ مالا کے مشورے پر یہ بات میں نے چچا جان کو نہیں بتائی۔ ان سے یہ بہانہ کیا کہ میں اپنے کاروبار کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ دن کے دورے پر لکھنؤ سے باہر جا رہا ہوں۔

جانے سے پہلے میں نے جیودھاری کنوئیں والے قبرستان میں ایک بار پھر جگدیو سے ملنے کا ارادہ کیا لیکن آٹھ روز گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح اپنے منڈل میں دھونی رمائے بیٹھا جاپ میں منہمک تھا۔ میں مایوس ہو کر واپس ہو گیا۔ چلتے وقت میں نے مالا کو اور مالا نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ مالا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں تھا۔ چلتے وقت اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ پگلی! میں جلد واپس آ جاؤں گا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ خود میرا دل بھی میرے قابو میں نہیں تھا۔ مالا کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر سفر ضروری تھا۔ قسمت میں ابھی اور گردشیں لکھی تھیں۔ بے بس انسان اپنے حالات کا غلام ہے، آخر اسے اشک بار چھوڑ کر لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور میرا دل دھڑکتا رہا۔

☆......☆......☆

میسور کی پہاڑیوں تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی البتہ جب میں اس خاص مقام تک پہنچ گیا جہاں پریتم لال کا استھان ملنے کی توقع تھی تو راستہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کئی روز تک میں پہاڑیوں پر بھٹکتا رہا۔ جس جگہ بھی جاتا وہاں کوئی کٹیا نظر نہیں آتی تھی، کوئی جھرنا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس سے یہ گمان بھی گزرا کہ کہیں اس ویرانی اور تنہائی سے اکتا کر کلدیپ واپس شہروں کی فضا میں نہ چلی گئی ہو۔ حالانکہ کلدیپ جیسی مستقل مزاج لڑکی سے اس بات کی امید نہیں تھی لیکن دور دور تک اس کا نام ونشان نہ تھا۔ میری آس دم توڑ رہی تھی۔ شک اور وسوسوں میں یہ کرب ناک خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کلدیپ زندہ نہ ہو۔ جتنے دن گزرتے جاتے تھے، امید ٹمٹمائے جاتی تھی۔ ان دشوار گزار راستوں پر اس کا مسکن تلاش کرتے ہوئے مجھے آٹھ روز گزر گئے لیکن میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ نویں روز صبح کے وقت میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جگہ مجھے کچھ مانوس سی لگی۔ مجھے یاد آیا کہ مالا رانی سے یہیں میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں درخت وغیرہ پار کر کے جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔

اس میں کسی شبے کا امکان نہیں تھا کہ وہ وہی خوب صورت منظر تھا۔ میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اب مجھے امید ہو چلی تھی کہ میں بہت جلد پریتم لال کی کٹیا بھی تلاش کر لوں گا۔ میں نے غور سے قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر ایک اندازے کے مطابق جھرنے کا راستہ چھوڑ کر اوپر کی جانب چڑھنے لگا۔ کچھ بلندی پر جانے کے بعد ایک لڑکی پر میری نظر پڑی۔ وہ پہاڑی سے نیچے جھرنے کی طرف آ رہی تھی۔

فاصلہ چونکہ زیادہ تھا اس لیے میں واضح طور پر اسے نہ دیکھ سکا۔ البتہ دور ہی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اسی جنگل کی باسی ہے۔ اس کا بدن صرف ایک ساڑھی میں لپٹا ہوا تھا جس کے ذریعے اس نے اپنے بدن کا اوپری حصہ بھی چھپا رکھا تھا۔ میں نے اس کے قریب پہنچنے کے لئے تیزی سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر پریتم لال کی کٹیا اب تک آباد ہے تو یہ لڑکی ضرور میری رہنمائی کرے گی۔ منزل پانے کی خوشی نے آٹھ روز کی تھکن کا احساس مٹا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہو گیا۔ لڑکی کبھی درختوں کی اوٹ میں ہو جاتی، کبھی بل کھاتے راستوں پر آ جاتی اور جب وہ واضح طور پر سامنے آئی تو مجھے سکتہ سا ہو گیا۔ میں نے حیرت سے اپنی آنکھیں ملنی شروع کر دیں اور پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے خدوخال اور واضح ہو گئے تھے۔ مجھ پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوئی، میں نے اسے شناخت کر لیا۔ لکھنؤ سے ہزاروں میل دور اس ویران جنگل میں وہ اشرفی بیگم کی لڑکی تزئین تھی۔ اسے یہاں دیکھ کر میرا کیا عالم ہوا ہوگا؟ اسے بیان کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا میرے مضطرب ذہن نے میری نگاہوں کی آسودگی کے لیے کوئی خیالی ہیولا تراش لیا ہے۔ وہ تزئین تھی، کون تزئین؟ وہ پری جمال لڑکی جس کے لئے لکھنؤ کے زندہ دل نوابین بے چین تھے، وہ تزئین جس نے لکھنؤ میں ہلچل مچا دی تھی۔ جس کے لئے مجھے اذیت ناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ قتل ہوئے، لوگوں کی برطرفیاں ہوئیں، اغوا ہوئے، تزئین انتظامیہ اور امرائے لکھنؤ کے درمیان ہمیشہ ایک لاینحل عقدہ بنی رہی۔ وہ تزئین وہ سراپا تمکنت لڑکی باد بہار کی طرح پہاڑی سے نیچے اتر رہی تھی۔ میرے اوسان خطا ہو گئے اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ مجھے اپنی نرگس یاد آئی جو ساڑھی میں ملبوس بالکل اسی طرح، اسی انداز میں چلتی تھی۔ تزئین میں نرگس کی شباہت دیکھ کر ہی میرا دل اس کی جانب کھنچا تھا۔ اسے یہاں دیکھ کر میرے اندر کچھ بے نام سے جذبے پیدا ہوئے، وہ جذبے جو صرف تزئین کے لئے مخصوص تھے، میرا ذہن صرف تزئین کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ میں میسور کی پہاڑیوں میں آنے کا مقصد بھی بھول گیا۔ میری بے قرار نظریں تزئین کے سراپا پر جمی ہوئی تھیں اور دل اسے گلے لگانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ وہ سنبھل سنبھل کر بے خیالی میں نیچے اتر رہی تھی۔ ابھی تک اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی اور اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ ”آپ...... آپ یہاں؟“

”اور تم...... تم یہاں کیسے؟“ میں نے تعجب سے دریافت کیا۔

وہ پٹ پٹاتی آنکھوں سے بولی۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح یہاں پہنچی۔ مجھے صرف اتنا یاد [illegible]

میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ان

Downloaded from Paksociety.com

ویران پہاڑیوں پر پڑا پایا۔ اس وقت میری حالت کیا تھی۔ شاید میں اسے بیان نہ کرسکوں، بے شمار وسوسوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ آخر اسی سیاہ رات میں ایک عورت نے مجھے سہارا دیا، نہیں تو میں یقیناً گھٹ گھٹ کر مر جاتی۔ اب بھی جب میں اس دن کے واقعے پر غور کرتی ہوں تو یہ تمام باتیں مجھے خواب کی باتیں لگتی ہیں، آج تک میں اس راز کی تہ نہ پاسکی کہ میں اتنی طویل بے ہوشی کی حالت میں کیسے زندہ رہی؟'' وہ ایک ہی سانس میں رقت بھرے لہجے میں بولی۔

''تزئین! خدا نے تمہیں بچالیا۔'' میں نے اس کی معصوم باتیں سنیں تو بے اختیار ہو کر اسے سینے سے لگالیا۔

تزئین میری اس وارفتگی پر کچھ جھجکی لیکن شاید جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ میرے جذبوں میں کوئی آلائش نہیں ہے۔ وہ تمام تر محبت سے میرے سینے میں جذب ہوگئی اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ''مجھے آپ کا انتظار تھا۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ کو میرا پتا کیسے چلا؟''

''میری جان! میری بیٹی! میں تمہاری عدم موجودگی میں بہت پریشان رہا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ تمہیں اس جہنم سے نکال کر رہوں گا۔ اس دن جب وہ لوگ تمہارا سودا کر رہے تھے تو میں تمہارے گھر پہنچا تھا۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے ہی کسی اور نے تمہاری عزت بچانے کی ٹھان لی ہے۔ تمہاری پُراسرار گمشدگی سے لکھنؤ میں ایک طوفان مچا ہوا ہے۔ تمہاری ماں نے جسے میں ناگن سمجھتا ہوں، میرے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مجھے جیل میں تمہارے، اپنی بیٹی کے اغوا کے سلسلے میں سزا کاٹنی پڑی۔'' میں نے تزئین کو ان تمام حالات سے آگاہ کیا جن کا میں شکار تھا۔ تزئین میرے پہلو سے لگی میری باتیں سن رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ جب میں اسے پوری داستان سنا چکا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے بڑی مشکلوں سے اسے دلاسا دیا۔

''پھر آپ یہاں کیسے آئے؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''یہ نہ پوچھو۔ بس قسمت میری حالت زار پر مہربان ہوگئی۔ تم سے ملنا مقدر تھا۔ تمہیں نہیں معلوم تزئین کہ تمہارے لئے میں نے کیا کیا خواب دیکھے تھے؟'' میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔

''قدرت نے مجھے جن حالات سے دوچار کیا ہے اسی میں بہتری ہے۔ اب میں لکھنؤ کی صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گی۔ اس ویرانے میں بڑا سکون ہے۔ یہاں آ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کھلی فضا کتنی دلکش اور حسین ہوتی ہے۔''

تزئین کے اوسان بہت دیر میں درست ہوئے بہت دیر تک تو ہم ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے رہے اور مختلف قسم کے سوالات کرتے رہے شاید ہم دونوں کو یقین نہیں تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہیں۔

اور میری باتوں کو سنتی رہی اور میں مسرت سے اس کے خوب صورت چہرے میں اپنی نرگس کو دیکھتا رہا۔ باتوں باتوں میں میں نے نرگس کے بارے میں بتایا تو وہ پھر آبدیدہ ہوگئی۔ وہ بچوں کی طرح مجھ سے ضد کرنے لگی کہ اب میں اسے اپنے ساتھ ہی رکھوں۔ جب دل کی ان کیفیات کا خوب اظہار ہو چکا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم کہاں رہتی ہو؟''

''یہاں سے کچھ فاصلے پر اوپر کی جانب ایک جھونپڑی ہے جہاں میں اور وہ عورت رہتی ہے جس نے مجھے اس ویرانے میں سہارا دیا تھا۔ پہاڑی کا یہ حصہ بالکل ویران رہتا ہے حالانکہ یہاں ہر جگہ سبزہ ہے، پانی ہے مگر کوئی ادھر نہیں پھٹکتا۔ صرف وہ عورت یہاں رہتی ہے اور اب اس کے ساتھ میں بھی ہوں۔ قدرت نے شاید اس دیوی کو میری نگہداشت کے لئے مقرر کیا تھا۔'' تزئین اس عورت سے اپنی وابستگی کا شدید اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''دیوی؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں۔ وہ ایک دیوی ہے۔ وہ ہمیشہ مجھے دیوی ہی نظر آئی۔ میں نے اس کے ساتھ یہ دن گزار کر زندہ رہنے کا سبق حاصل کیا ہے۔ وہ صبح و شام عبادات میں مصروف رہتی ہے۔'' تزئین نے اس کا تذکرہ احترام اور اشتیاق سے کیا۔

''کیا وہ عورت کوئی ہندو ہے؟'' میں کلدیپ کی موجودگی کا یقین کرلینا چاہتا تھا۔

''ہاں۔'' تزئین نے میرا ہاتھ تھام کر اوپر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ ''مگر وہ ایک عظیم عورت ہے۔ آیئے میں اس دیوی [illegible] پ کو ملواتی ہوں۔''

اب بہت سے اسر [illegible] مجھ پر [illegible] ہو رہے تھے۔ کلدیپ کی عظمت کا خیال کر کے میرے خون میں غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بڑی بے چینی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ کلدیپ نے ہزاروں میل دور رہ کر بھی میرا خیال رکھا اور یہ بات طے ہے کہ کلدیپ ہی کی پُراسرار قوت نے تزئین کی مدد کی تھی، میرے خیال کے زاویے پھیلتے اور سمٹتے رہے۔ مجھے ایک طمانیت حاصل ہو رہی تھی کہ اب مجھے کلدیپ کا قرب حاصل ہے۔ کلدیب جو پریتم لال جیسے بڑے پجاری کی جانشین ہے۔ میں نے اس پہلو پر پہلے کیوں غور نہیں کیا تھا؟ اس کا مجھے بہت افسوس تھا۔ بہر حال اب میں کلدیپ کے پاس بے تابانہ جا رہا تھا۔ ہم پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے اوپر کی جانب ایک مسطح حصے پر پہنچے تو وہ جھونپڑی دیکھ کر قلب کی حالت غیر ہوگی۔ یہ ساری جگہ میری جانی پہچانی تھی۔

''وہ سامنے رہا میرا خوب صورت گھر۔'' تزئین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہر چند کہ دو کمروں پر مشتمل اس ٹوٹے پھوٹے مکان میں لکھنؤ کی پختہ حویلیوں جیسی شان و شوکت نہیں لیکن یہاں ایک سکون ہے، ٹھہراؤ ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں تزئین! تم نے نفس کی پاکیزگی کا عرفان حاصل کرلیا ہے۔ جو ترنم یہاں کے جھرنوں کے گرتے ہوئے پانی میں ہے، وہ لکھنو کی کثیف اور آلودہ فضا میں کہاں؟ یہاں آکر تم نے دیکھا ہوگا کہ شہر کے لوگ اپنے اردگرد نمائش سجائے ہوئے ہیں اور اپنی ان نمائش گاہوں میں مضطرب رہتے ہیں۔'' پھر میں نے اس سے پوچھا۔ ''تزئین تم نے اس عورت کا نام نہیں بتایا؟''

''اس کا نام کلدیپ ہے۔ ہے نا خوبصورت نام؟'' تزئین نے آگے قدم بڑھاتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت خوب صورت، مگر اس نے تمہاری نگہداشت میں کوئی کمی تو نہیں کی؟'' میں نے شوخی سے پوچھا۔

''کمی؟'' تزئین نے حیرت سے کہا۔ ''وہ ہر اعتبار سے عظیم ہے، پہلے تو مجھے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے جھجک ہوئی لیکن بعد میں پتا چلا کہ اس کے دل میں کتنی پاکیزگی ہے۔''

میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ میں عجیب ذہنی کیفیتوں سے دوچار آگے بڑھا اور جھونپڑی میں داخل ہوگیا۔ کلدیپ مرگ چھالا پہ آنکھیں بند کئے ساکت و جامد حالت میں بیٹھی تھی۔ میں نے ایک عرصے بعد اسے دیکھا تھا، اس لئے بے حد محبت سے اس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ میرے دل میں لطیف احساسات پیدا ہو رہے تھے۔ کلدیپ آج بھی نہایت حسین اور جاذب نظر تھی بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھی۔ اس کا چہرہ تنفس کی مشق سے سرخ ہو رہا تھا۔ گیروے رنگ کے لباس میں وہ آسمان کی کوئی پری یا حور معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے شعلہ رنگ بدن میں وہی پہلے جیسی برق سامانیاں تھیں۔ البتہ چہرے پر ایک تقدس، جلال اور کیفیت تھی۔ یہ غالباً اس کی مسلسل ریاضت کا نتیجہ تھا۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر کھڑا کلدیپ کا چہرہ تکتا رہا۔ ماضی کی کتنی ہی حسین یادیں ابھر کر ذہن کے پردے پر عریاں ہوئیں۔ یہ پونا کے ایک دولت مند تاجر کی بیٹی کلدیپ تھی جو مجھے ریس کورس اور پونا کلب میں ملی تھی اور وہیں اپنا سب کچھ مجھ پر لٹا چکی تھی۔ اس نے پہلی بار محبت کا عہدہ کیا تھا اور اب تک نبھا رہی تھی۔ پونا کے بڑے بڑے دولت مند تاجر اس کی رفاقت کے لئے منصوبے باندھتے تھے، مجھے رقص کرتی ہوئی، مہذب، تعلیم یافتہ کلدیپ کی یاد آئی جس کی گفتگو میں بلا کی شائستگی تھی اور جو گھڑ دوڑ کی شائق تھی۔ وہ الٹرا موڈرن لڑکی میسور کی دور افتادہ پہاڑیوں میں دیوی کا روپ دھارے برداشت اور ضبط کی مشق کر کے ماورائی قوتوں کی امین ہوگئی تھی۔ میں نے عقیدت سے اسے دیکھا۔ کلدیپ کے چہرے پر ملکوتی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہونے لگی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر میری جانب نظر کی۔ اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اسے مرگ چھالا سے اٹھالوں لیکن تزئین کی موجودگی کے باعث میں ضبط کئے رہا۔ اسی لمحے کلدیپ نے ہونٹوں کو جنبش دی اور اس کی مترنم آواز میرے کانوں میں رس گھول

گئی۔ ''آؤ جمیل خان! پدھارو۔''

میں نے ایک نظر تزئین پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر کلدیپ کے قریب بیٹھ گیا۔ تزئین نے میرا تعارف کرانے کی کوشش کی تو کلدیپ نے اسے ٹوکتے ہوئے پیار سے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بھول گئیں تزئین، جب تم یہاں آئی تھیں تو میں نے تمہیں بھی تمہارے نام سے پکارا تھا۔''

''میں اپنی غلطی پر شرمسار ہوں دیدی۔'' تزئین نے جلدی سے کہا۔

''منش اگر غلطی نہ کرے تو دیوتا ہو جاتا ہے۔'' کلدیپ نے مسکراتے ہوئے کہا پھر میری جانب اشارہ کر کے بولی۔ ''آج ہماری کٹیا میں ایک مہمان کے چرن آئے ہیں۔ تزئین تم ان کا سواگت کرو، ان کے لئے کچھ کھانے کو لاؤ جب تک میں ان سے باتیں کرتی ہوں۔''

تزئین الٹے قدموں باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں، کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں مسکراتے ہوئے کلدیپ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر اس کی آغوش میں اپنا سر رکھ دوں لیکن ایک جھجک سی تھی پھر بھی میں نے شدت جذبات میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''کلدیپ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کہاں سے گفتگو کا آغاز کروں۔ تمہیں دیوی کہوں، تمہاری عظمت کے گیت گاؤں یا تمہیں اپنی پہلی جیسی کلدیپ سمجھوں؟ شاید تم مجھے بھولی نہیں ہوگی۔''

''مجھ گناہ گار کو شرمندہ نہ کرو جمیل! کلدیپ تمہارے لئے صرف کلدیپ ہے۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔'' کلدیپ نے مسکرا کر کہا۔

''میں تمہارا مجرم ہوں۔ تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ جب سے تم سے رخصت ہوا، بہت کم سکون ملا۔ میں تمہیں بھول گیا تھا۔'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

کلدیپ معنی خیز لہجے میں بولی۔ ''کیا تم اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرنے یہاں آئے ہو۔''

''نہیں، لیکن جب سے تمہارا نام ذہن میں آیا، مجھے احساس ہوا کہ میں کتنی بڑی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ ویسے تمہارے پاس آنے میں میری غرض کو دخل ہے۔ میں کسی طرح تمہارے لائق نہ تھا۔ تمہاری محبتوں کا جواب دینا میرے امکان سے باہر تھا۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

کلدیپ نے میری بات کاٹ دی۔ ''مجھے سب معلوم ہے، میں جانتی ہوں جمیل! تم یہاں کس غرض سے آئے ہو۔ مجھے یہ بھی خبر ہے کہ تمہیں میرے پاس آنے کا مشورہ مالا رانی نے دیا تھا۔'' کلدیپ نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم حالات کے چنگل میں پھنس کر کلدیپ کو بھول گئے لیکن وشواس کرو جمیل! کلدیپ نے تمہیں ایک پل کو بھی فراموش نہیں کیا۔''

کلدیپ کا جواب سن کر میرا چہرہ ندامت سے جھک گیا۔ میں نے گفتگو کا رخ بدل کر کلدیپ کو

اپنی بپتا سنانی شروع کی لیکن میں بھول گیا کہ کلدیپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ بہرحال وہ خاموشی سے میری داستان سنتی رہی۔ اس طرح شاید وہ میرا دل رکھنا چاہتی تھی۔ جب میں خاموش ہوا تو اسے نے اپنے مخصوص، دھیمے اور شیریں لہجے میں پوچھا۔ ''تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے میں اس سے زیادہ جانتی ہوں۔ کیا ترئین کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ میں تم سے کبھی غافل نہیں رہی؟''

''حیرت ہے، مجھے شبہ تک نہیں ہوا کہ تم نے اس کی مدد کی ہوگی لیکن کلدیپ یہ کس طرح ممکن ہوا کہ تم ترئین کو لکھنو سے یہاں تک لے آئیں اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو سکی۔'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''ان چکروں میں نہ پڑو جمیل! مقام حاصل کرنے کے لئے من مارنا پڑتا ہے۔ مجھے جو کچھ پراپت ہوا ہے۔ وہ صرف تمہاری اور پریتم لال مہاراج کی کرپا سے حاصل ہوا ہے۔ تم نے مجھے یہاں تک لانے کا احسان کیا اور میں ایک دھرماتما پریتم لال سے مل لی۔'' کلدیپ نے محبت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن کلدیپ یہاں تمہارا دل اکتاتا تو ہوگا؟ باہر کی باتیں یاد تو آتی ہوں گی۔ کبھی کبھی من چٹکیاں تو لیتا ہوگا؟'' میں اب اس سے کھل کر باتیں کر رہا تھا۔

''من ہمیشہ فریب کھاتا ہے۔ میں نے جو کچھ پایا ہے، وہ بہت بڑا انعام ہے۔'' کلدیپ اپنے لہجے میں چھپی ہوئی حسرت نہ چھپا سکی۔

ترئین کے واپس آجانے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ترئین میرے لئے ابلی ہوئی سبزیاں اور پھل لے کر آئی تھی۔ میں نے سیر ہو کر کھایا اور ہم تینوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر ترئین نے مجھے دوسرا کمرا دکھایا جہاں اس کا قیام تھا۔ یہاں پیال کے فرش کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ترئین جیسی لڑکی جو نرم و نازک بستروں کی عادی ہو، وہ کیسے اس کھردری زمین پر سو جاتی ہے۔ میں اس پیال پر دراز ہو گیا۔ ترئین میرے پاس بیٹھی ہوئی کلدیپ اور اس کی شفقتوں کے بارے میں بتاتی رہی۔ اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ کلدیپ کبھی میرے دل کی دھڑکنوں کا نام تھی یا یوں کہیے کہ کبھی میں کلدیپ کے دل کی دھڑکن تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا کر ہوں، ہاں کرتا رہا پھر ترئین کے جانے کے بعد سو گیا۔ آٹھ روز کی مسلسل تھکن نے مجھے خوب سلایا۔ بہت دنوں بعد میں نے سکون کی ایک رات گزاری۔

دو روز پلک جھپکتے بیت گئے۔ ترئین اور کلدیپ ہمہ وقت میری پذیرائی میں لگی رہتیں۔ میں ترئین کے ساتھ دور جنگل میں نکل جاتا اور واپسی پر ہم تینوں ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ کلدیپ کا زیادہ وقت اپنے گیان دھیان میں صرف ہوتا۔ کلدیپ سے تنہائی میں بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔ تیسرے روز جب ترئین جھرنے کی طرف گئی تو میں نے کلدیپ سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں

نے اسے بتایا کہ جب تک وہ منحوس پنڈت زندہ ہے، میری زندگی تلخ رہے گی۔

کلدیپ نے میری باتیں سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔ ''جمیل، مجھے معلوم ہے کہ اس کے من میں تمہاری طرف سے کتنا کھوٹ بھرا ہے اور اس کے وچار کیا ہیں۔ پرنتو ہر بات وقت پر ٹھیک ہوتی ہے۔ وقت ابھی دور ہے۔ تمہیں انتظار کرنا ہوگا لیکن اگر تم نے جگدیو مہاراج کا کہا مان لیا ہوتا تو اس وقت حالات کچھ اور ہوتے۔''

''غلطیاں تو زندگی بھر ہوتی رہی ہیں کلدیپ! یہ بتاؤ اب کیا، کیا جائے۔ کیا اب کچھ نہیں ہو سکتا؟'' میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

''مایوس ہو مت جمیل! مجھے معلوم ہے کہ تم نے کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔ تمہاری اور مالا رانی کی حفاظت کرنا میرا دھرم ہے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ بدری نرائن اپنی سزا کو پہنچے۔'' کلدیپ نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''تمہیں اتنا حواس باختہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔''

''کلدیپ، شاید تم یہ بات محسوس نہ کرو مگر سچ تو یہ ہے کہ جب سے انکا گئی ہے، میں ذہنی عدم توازن کا مریض ہو گیا ہوں۔ انکا میری ضرورت بن گئی تھی۔ اب میں خود کو بے دست و پا محسوس کرتا ہوں۔ کیا تم میرے لئے ایک کام نہیں کر سکتیں؟ تم مجھے کسی طور پر انکا واپس لا دو۔ اگر تم کوئی ایسا جاپ شروع کر دو تو چالیس دن کے اندر اندر تم انکا کو حاصل کر سکتی ہو، تمہارے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''انکا سے بہت پیار ہے تمہیں؟ مگر انکا تو بڑی ہرجائی ہے۔ وہ طوطا چشم ہے۔'' کلدیپ نے شوخی سے کہا۔

''ہاں وہ ہرجائی ہے مگر مجبور بھی تو ہو جاتی ہے، وہ جس کی غلام ہو جاتی ہے پھر اسی کی ہو جاتی ہے۔'' میں نے کہا۔

''مگر جمیل، میں انکا کا جاپ نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ میری نگاہیں اگر پابند ہو جائیں تو بڑا غضب ہو جائے گا۔ میں خود کو محصور کر کے اپنی ذمہ داریوں سے کیسے کنارہ کشی کر لوں؟'' کلدیپ نے الجھتے ہوئے کہا۔

''میری سمجھ میں تمہاری بات نہیں آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے تم آج ہی انکا کے حصول کا جاپ شروع کر سکتی ہو اور اس طرح بدری نرائن کا غرور توڑ سکتی ہو۔'' میں نے زور دے کر کہا۔

''اس وقت یہ ممکن نہیں ہے کہ انکا تمہیں مل جائے۔ میں نے تم سے کہا نا کہ وقت سے پہلے بہت سی باتوں کے لئے مت اصرار کرو۔''

میں کلدیپ کے لہجے سے سہم سا گیا اور خاموش ہو گیا پھر کچھ دیر بعد میں نے خود ہی سکوت توڑا۔

"انکا کی موجودگی سے ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ اب میں خود کو خالی خالی محسوس کرتا ہوں۔ یہ انکا ہی کا کرم تھا کہ اس نے مجھے تم سے ملوایا تھا۔ یاد ہے تمہیں؟"

"مجھے سب کچھ یاد ہے جمیل! ایسی باتیں بھول کون سکتا ہے؟" کلدیپ جذباتی لہجے میں بولی۔

"مگر وہ باتیں ایک خوب صورت خواب کے سوا اور کچھ نہیں تھیں۔ تم بھی وہ باتیں بھول جاؤ، میں نے اپنی ایک اور دنیا بنالی ہے۔ دنیا سے میرا رشتہ صرف اتنا ہے کہ تم اس دنیا میں رہتے ہو۔ تم نے مالا رانی کو جیون ساتھی بنالیا ہے۔ اب ان باتوں کی تکرار سے کیا حاصل!"

بیتی باتوں کا ذکر چلا نکلا تو فضا بوجھل سی ہو گئی۔ کلدیپ شاید ماضی میں کھو گئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پایا اور کہنے لگی۔ "انکا کسی نہ کسی صورت سے تمہارے پاس آ جائے گی۔"

کلدیپ کی اس یقین دہانی کا یقیناً کوئی مطلب تھا، میں سمجھ گیا کہ وہ اس سلسلے میں جلد ہی کوئی مثبت قدم اٹھائے گی پھر میں نے کلپنا کا ذکر چھیڑا تو کلدیپ بولی۔ "تم اسے اپنی انکا کا نعم البدل سمجھو، مہان شکتیوں نے اسے تمہاری سہائتا کے لئے جنم دیا ہے۔ جب تمہارے دکھ کے دن بیت جائیں گے تو کلپنا کا کام بھی ختم ہو جائے گا۔"

"مگر کلدیپ وہ وقت کب آئے گا جب بدری نرائن کے عتاب سے مجھے نجات ملے گی۔ میں اب تھک چکا ہوں۔" میں کسی نہ کسی طرح بار بار بدری نرائن کا ذکر درمیان میں لے آتا تھا۔

"جمیل! کالی کی بھگتی نے اسے مغرور بنادیا ہے لیکن اسے ایک دن پچھتانا پڑے گا۔ حالات ضرور بدلیں گے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اتنی جلد پلک جھپکتے ہی یہ تماشا ختم ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کیا کلدیپ تمہاری مدد سے گریز کرتی۔"

"آج کل وہ کہاں ہے؟" میں نے دریافت کیا۔ "کلپنا سے آمنا سامنا ہونے کے بعد وہ مجھے نظر نہیں آیا۔"

"وہ بدبخت کلپنا کا راز جاننے کے لئے بیاکل ہے اسی لئے اس نے انکا کو تمہارے سر پر بھیجا تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بدری نرائن کلپنا کی شکتیوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"

"نہیں...... تم غلط سمجھ رہے ہو۔ پُراسرار قوتیں ایک دوسرے کے ساتھ الجھنے سے گریز کرتی ہیں۔ تاوقتیکہ انہیں دیوتاؤں کی تائید حاصل نہ ہو جائے۔ کلپنا نے اپنے متعلق اتنی احتیاط کر لی تھی کہ اس کی حیثیت بدری نرائن کی نظروں سے روپوش رہے۔ اس لئے انکا اور بدری نرائن دونوں اس سے لاعلم رہے۔"

"کہیں کلپنا اور جگدیو مہاراج ایک ہی شریر کے دو روپ تو نہیں ہیں۔" میں نے اپنے شبہے کی تصدیق چاہی۔

کلدیپ نے ٹالتے ہوئے کہا۔ "میں اتنی ساری باتیں نہیں بتا سکتی۔ سمے آنے دو۔"

"صرف ایک بات اور، کیا کلپنا مجھے دوبارہ مل سکے گی؟"

"ہاں اگر تم پر بھگوان نہ چاہے، کوئی بپتا نہ پڑی تو وہ ضرور تمہاری مدد کرے گی۔"

"کلدیپ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ میں کلپنا سے خود بھی کسی تپسیا کے بغیر مل لیا کروں۔"

"کیوں؟" کلدیپ نے تیزی سے پوچھا۔

"یوں ہی۔" میں نے شرارت سے کہا۔ "وہ بہت حسین ہے، اسے دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کو دل تڑپتا ہے۔"

"تمہارا من ابھی تک سندر ناریوں سے بھرا نہیں؟" میں نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی کہ کلدیپ اپنے تمام جوگ تپسیا کے باوجود ہنس پڑی۔

"کبھی کبھی اچھی چیزیں دیکھنے اور اچھی صورتوں سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔"

"اب ان شرارتوں سے باز آ جاؤ!" کلدیپ نے مجھے پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔ "مالا رانی جیسی سندر پتنی کے ہوتے تمہیں دوسری عورتوں کے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" میں بدستور شوخی سے بولا۔ "کیا تمہیں یاد نہیں کہ تم نے نرگس کے ہوتے ہوئے بھی میری داسی بننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" میں کلدیپ کو اور قریب کرنے کے لئے پچھلی باتوں کا اعادہ کرنا چاہتا تھا۔

اس وقت مجھے اتنی سوجھ بوجھ کہاں تھی؟" کلدیپ نے کسی قدر شرما کر کہا۔

حیا کی سرخی نے اس کا پنڈا اگلنار کر دیا تھا، میری محبوبہ کلدیپ میرے ساتھ رہتی تھی اور میں اس کے قریب دوسرے کمرے میں سوتا تھا۔ اس کی شیریں باتیں سن کر اور اس کا حسین چہرہ دیکھ کر مجھے وہ دن یاد آ جاتے تھے جب کلدیپ میرے ساتھ رہا کرتی تھی۔ یہاں آ کر شروع شروع میں تو میں اس کٹیا اور یہاں کے ماحول کے خوف سے لئے دیئے رہا لیکن جب کلدیپ سے بہت سی باتیں ہوئیں اور اس نے اپنے جاہ و جلال کے باوجود میری پذیرائی میں کوئی کمی نہ کی تو میرے اندر کی جھجک ختم ہو گئی۔ اس عرصے میں کئی بار میرے بازو اسے آغوش میں لینے کے لئے تڑپے اور اب جب کہ گفتگو ایسے مرحلے میں داخل ہو گئی جہاں کلدیپ جھجکنے اور شرمانے لگی تو میں اٹھا اور پھر میں نے کسی بات کا خیال نہیں کیا اور بڑھ کر کلدیپ کو سینے سے لگایا۔ کلدیپ کسمسانے لگی۔ "یہ پاپ ہے۔ جمیل! مجھ سے دور ہٹو۔"

"نہیں کلدیپ۔ یہ پاپ نہیں ہے، پریم ہے، پاپ نہیں ہے۔" میں نے اس کے کسمسانے اور

Downloaded from Paksociety.com

تڑپنے کے باوجود اس کے یاقوتی ہونٹوں پر اپنی شدتوں کی مہر ثبت کردی۔ کلدیپ کسی زخمی ہرنی کی طرح تڑپتی رہی اور میں اپنے بے ربط جملوں اور اپنی بے ہنگم حرکتوں کے ساتھ اس سے اظہار محبت کرتا رہا۔ کلدیپ مہان شکتی ہونے کے باوجود ایک عورت تھی، گوشت پوست کی عورت۔ میں نے اس کے اندر کی چھپی ہوئی دوشیزہ کو آواز دی تو اس کے جذبات میں ہلچل مچ گئی۔ وہ گوشت پوست کی عورت اپنے محبوب کے لمس کی گرمی سے پگھلنے لگی۔ وہ منع کرتی رہی لیکن میں نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ میں نے اس کے مچلتے بازوؤں کو اپنے سخت بازوؤں سے شکست دے دی اور جب وہ پوری طرح میرے سینے سے لگ گئی اور مجھے اس کا سانس اکھڑتا ہوا معلوم ہوا تو میں نے نرمی اور شگفتگی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اپنے وحشی انداز میں ملائمت پیدا کردی۔ کلدیپ میرے سینے سے نہیں ہٹی۔ شاید اسے احساس ہوگیا تھا کہ میرا مقصد اس کنیا کو آلودہ کرنا نہیں تھا بلکہ صرف مجھے اپنے جذبات کا اظہار مقصود ہے۔ میرے نرم اور شیریں رویئے سے اس کے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہوا اور اس نے اپنا سر میرے سینے سے ٹکا دیا۔ اس کی خود سپردگی کے انداز میں ایک وقار تھا۔

اس کے لبوں کی چاشنی میرے جسم میں گھلی تو مجھے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا دوبھر ہوگیا۔ کلدیپ کے اندر جو آتش فشاں موجود تھا، وہ میری حرارت پا کر بھڑکنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے بے خودی کے عالم میں میرے بال پکڑ لئے۔ میں نے اس کی سرشاری دیکھ کر اسے خود سے اور قریب کرلیا لیکن اس مستی اور سرشاری میں وہ اچانک تڑپ کر بجلی کی طرح میرے پاس سے ہٹ گئی، اس کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ شدت سے چبانے لگی۔ اس کے چہرے پر شدید غم و غصے کے آثار تھے۔ میں ایک لمحے کے لئے سہم گیا۔ اس کے انداز میں وحشت تھی۔ مجھے گمان ہوا کہ کلدیپ میری جذباتی حرکات سے ناراض ہوگئی ہے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے دبی زبان سے کہا۔ ''کلدیپ تمہیں دیکھ کر خود پر قابو نہ رہا۔ میں ماضی میں گم ہوگیا تھا۔''

کلدیپ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ وہ نڈھال سی ہوکر گر پڑی اور اس نے اپنا سر تھام لیا۔ اس کیفیت سے میں اور نادم ہوا اور میں نے نرم لہجے میں کہا۔ ''آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''جمیل! ان باتوں سے کیا فائدہ؟'' کلدیپ نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر سسکنے لگی۔

''کلدیپ، کلدیپ!'' میں نے تڑپ کر کہا۔ ''تمہیں دیوی دیوتاؤں کا واسطہ۔ مجھے معاف کردو۔ میری نیت بری نہیں تھی۔ اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔ یہ میرے دل میں نشتر بن کر چبھ رہے ہیں۔''

میری التجا کے جواب میں کلدیپ کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

اچانک اس پر یہ کس قسم کا دورہ پڑ گیا ہے؟ کیا اسے پریتم لال کی آتما نے سرزنش کی ہے؟ آخر کیا بات ہے؟ میں نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں ہاتھ جوڑتا ہوں، کلدیپ اپنے آنسو روک لو۔ میں نے تمہارا پوتر شریر چھو کر بھول کی ہے۔ تم اس کے عوض جو چاہو سزا دے لو لیکن مجھ سے روٹھو نہیں۔ مجھے معاف کردو۔ تمہیں مالا رانی کی سوگند۔''

میرا یہ جملہ اثر کر گیا۔ کلدیپ نے مالا رانی کا نام سن کر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے لیکن اس کا چہرہ بدستور غضب ناک رہا۔ چند ثانیوں تک وہ خود سے الجھتی رہی اور مجھے گھورتی رہی۔ ابھی میں اس سے مزید کچھ کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''بدری نرائن کی بربادی کا سمے آ گیا جمیل! میں تمہیں بتادوں گی کہ اس کا انجام کتنا بھیانک اور عبرت ناک ہوگا۔ میں اسے ایسا شراپ دوں گی کہ اس کی آتما تک بیاکل رہے گی۔''

کلدیپ کے منہ سے اس وقت بدری نرائن کا نام سن کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ کوئی اندرونی خوف میرے دل کو کچوکے لگانے لگا۔ میں نے کلدیپ سے پوچھا۔ ''تمہیں اس وقت وہ منحوس پنڈت کیسے یاد آ گیا۔''

''جمیل! صرف چند لمحوں کی چوک ہوگئی۔ مجھے زندگی بھر اس کا قلق رہے گا۔ مجھے اپنے نفس کے فریب کی اچھی سزا ملی۔'' کلدیپ نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ''وہ ہماری بھول سے فائدہ اٹھا گیا۔ ہم نے اسے موقع فراہم کردیا کہ وہ اپنا وار کرسکے۔ تمہاری بانہوں میں سمٹ کر میں اپنے ماضی میں چلی گئی تھی۔ بس اسی ایک پل کا وہ دشٹ منتظر تھا۔ وہ پاپی اسی لمحے وار کر گیا۔ اس کے گندے بیر مالا رانی کی تاک میں بیٹھے تھے۔ میری نظر او جھل ہوئی تو انہوں نے اپنا کام کردیا۔''

''کیا! کلدیپ کیا۔'' میں چیخ پڑا۔ کلدیپ کے آخری جملے کا مفہوم سمجھ کر مجھے ایسا لگا جیسے زمین میرے پیروں تلے سے نکل گئی۔ میرا سارا وجود لرز کر رہ گیا۔ ذہن میں بھونچال سا آ گیا۔ آنکھوں کے نیچے گھپ اندھیرے لپک اٹھے۔ میں نے کلدیپ کو ایک ہاتھ سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''تم کیا کہہ رہی ہو کلدیپ۔ اس موذی شخص نے میری مالا رانی کو بھی مجھ سے جدا کردیا۔''

''ہاں جمیل! وہ ہماری غفلت سے اپنا وار کر گیا۔''

''مالا!'' میں نے ایک فلک شگاف چیخ ماری اور دیوانوں کی طرح اٹھ کر باہر کی طرف بھاگا۔ مالا کے مرنے کی اندوہناک اطلاع نے مجھ پر جنون طاری کردیا تھا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کس سمت جا رہا ہوں۔ اس ناقابل برداشت سانحے کی خبر نے میرے دل و دماغ معطل کردئے تھے۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میری زندگی میں اب باقی کیا بچا تھا جو میرے حواس برقرار رہتے۔ میری دنیا لٹ چکی تھی۔ میں پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک مجھے ٹھوکر لگی اور میں پتھروں پر الٹ گیا۔

[illegible] گئے تھے۔ میرے حواس سے میرا رشتہ ٹوٹ

گیا۔

مجھے مطلق علم نہیں کہ میں کس طرح اپنے چچا جان کے مکان پر پہنچا۔ جب میری آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو میں نے خود کو چچا جان کے گھر میں اپنی بہنوں اور بھائی کے درمیان گھرا ہوا دیکھا۔ ہوش آنے پر میں نے مالا کا نام لے کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ پھر مجھ پر وحشت کا دورہ پڑا تو میں دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ ایک ہفتے تک میری یہی حالت رہی۔ گھر والے میری مخدوش حالت سے پریشان تھے اور مجھے طرح طرح کے حکیموں اور ڈاکٹروں کو دکھا رہے تھے۔ میں جب بھی ہوش میں آتا، چچا جان اور بہنوں کو قریب پاتا اور جب چچا جان مجھے صبر کی تلقین کرتے تو زخم اور ہرے ہو جاتے۔ مالا کی یاد میں پہروں آنسو بہانے کے سوا مجھے کوئی کام نہ تھا۔ میں اپنی بدقسمتی پر جتنا بھی ماتم کرتا کم تھا۔ کوئی دس بارہ روز بعد میری حالت کچھ سدھری۔ میں پہلی فرصت میں کلدیپ کے پاس واپس جانا چاہتا تھا تاکہ بدری نرائن کو کتے کی موت ماروں۔

چلنے پھرنے کے قابل ہونے کے بعد سب سے پہلے میں چچا جان کے ہمراہ قبرستان گیا جہاں میرے ارمانوں کی لاش، میری مالا دفن کی گئی تھی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد پھر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے قبر کا تعویذ پکڑ کر اس سے اپنا سر ٹکرانا شروع کر دیا اور چیخنے لگا۔ "تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ مالا، تمہارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔" چچا جان نے مجھے اپنے ناتواں جسم کے پورے زور سے ہٹانے کی کوشش کی تو میں نے انہیں بھی دھکا دے دیا۔ آخری بڑی مصیبت سے وہ مجھے گھر لانے میں کامیاب ہو سکے۔

لکھنؤ سے میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں نے واپس میسور جانے کی ٹھان لی، اب یہی ارادہ تھا کہ بدری نرائن کو ختم کر کے اپنی زندگی کے آخری دن کلدیپ کی پہاڑی پر گزار دوں۔ چچا جان اور بہنوں نے روکنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر آخر میری ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آخر مجھے ان سے وعدہ کرنا پڑا کہ میں جلد ہی ان کے پاس واپس گھر آؤں گا۔ گھر سے نکل کر میں سیدھا اسٹیشن کی جانب چل پڑا۔ لکھنؤ کی دیواریں، دکانیں، سڑکیں اور مکانات ان سب سے مجھے نفرت ہو رہی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ ان سب کو مسمار کر دوں۔ اسٹیشن کے قریب جب میں تانگے سے اتر رہا تھا تو دفعتاً کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔ آواز مانوس تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سادھو جگدیو میری پشت پر موجود تھا۔ اس کے چہرے کے اداس تاثرات دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حالات کا علم ہو چکا ہے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ جگدیو نے میرے قریب آتے ہی کہا۔ "بالک! تیرے اوپر جو بیتی ہے، اس کا مجھے افسوس ہے۔ میں منڈل میں بیٹھا ہوا تھا اس لئے باہر نہیں آ سکتا تھا۔ میری موجودگی میں وہ یہ جرات نہیں کر سکتا تھا۔ مالا رانی میرے متر پریتم لال کی نشانی تھی۔ اس کا دکھ مجھے کم نہیں ہوا۔ پرنتو یہ سب بھاگیہ کے

کھیل ہیں۔ تمہیں اب صبر و ہمت سے کام لینا ہوگا۔"

"مہاراج!" میں نے جگدیو کے لہجے کا تاثر محسوس کر کے کہا۔ "اس کا قاتل تو میں ہوں۔ تم منڈل میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری طرف کلدیپ کو میں نے غافل کر دیا۔ اب میرے اندر صبر کا یارا نہیں ہے، مجھے اس کا خون چاہئے۔ اس کمینے نے پہلے نرگس کو اپنے ستم کا نشانہ بنایا پھر انکا کو چھینا اور اب مالا کو مار ڈالا۔ مہاراج! اب تو میری سہائتا کرو۔"

"بالک! تیرے من میں جو جوالا مکھی سلگ رہا ہے، میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ بدری نرائن نے مجھے بھی للکارا ہے۔ میں تیری سہائتا کرنے پر تیار ہوں پرنتو تجھے ابھی انتظار کرنا ہوگا۔" جگدیو نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "بدری نرائن نے کالی کے مندر سے باہر آتے سمے دیوی سے دو موسموں کی رکشا دان مانگی تھی جسے دیوی نے بدری نرائن کے جاپ سے خوش ہو کر منظور کر لیا تھا۔ جب تک یہ مدت پوری نہ ہو لے، ہم اسے کشٹ نہیں دے سکتے۔"

جگدیو کی زبانی یہ احوال سن کر میرا چہرہ لٹک گیا۔ کلدیپ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ ابھی بدری نرائن سے انتقام لینے کا وقت نہیں آیا ہے۔ گویا ابھی مالا رانی اور نرگس کے قاتل کو ایک بڑی مدت تک کھلی چھٹی حاصل تھی۔ میں چند لمحے پیچ و تاب کھاتا رہا پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "مہاراج! اگر وہ دیوی کی دان کی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے ہی دوبارہ مندر میں جا چھپا تو کیا ہوگا؟"

"اس کی چنتا مت کر بالک! اس کا اپائے بھی ہو جائے گا۔ بدری نرائن اب کالی کے مندر میں نہیں چھپ سکے گا۔" جگدیو نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "اور میں تمہیں وشواس دلاتا ہوں کہ اس عرصے میں وہ تمہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچائے گا۔"

میں جگدیو کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مجھے رہ رہ کر اپنی اس نادانی کا خیال آ رہا تھا جو میں نے کلدیپ کے ساتھ کی تھی۔

"جو کچھ بیت چکا اسے بھول جاؤ بالک! منش بنو اور اپنے شریر میں حوصلہ برقرار رکھو۔" جگدیو نے مجھے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ "میری بات مانو تو سمندر پار کسی جگہ چلے جاؤ۔ وہاں تمہارا غم بھی غلط ہو جائے گا اور تمہارے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج بھی ہو جائے گا۔"

"اب ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج کرا کے کیا کروں گا مہاراج؟" میں نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"جیون سے نراش ہونا پاپ ہے میرے بچے!" جگدیو نے مجھے پیار سے مخاطب کیا۔ "کون جانے آج کے اندھیرے کل پھر روشنی میں بدل جائیں۔ تم نے پہلے میری بات مانی ہوتی تو آج یہ

جگدیو دیر تک مجھے نصیحتیں کرتا رہا۔ اس کے لہجے میں پہلی بار میں نے شفقت اور نرمی دیکھی تھی۔ میں روتا رہا اور مجھے وہ سمجھاتا رہا۔ اس کا مشورہ نہ مان کر میں اس حالت کو پہنچ گیا تھا۔ جب جگدیو نے مجھے دوسری بار ملک سے باہر جانے کا مشورہ دیا تو میں انکار کی جرات نہ کر سکا۔ یوں بھی میرے لئے سارے علاقے ایک جیسے تھے۔ آدمی کا دل دکھا ہوا ہو تو علاقوں کی تبدیلی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یہاں قدم قدم پر ٹھوکریں نصیب ہوئی تھیں پھر میں نے بجھے دل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو جگدیو مجھے آشیرباد دیتے ہوئے بولا۔ ''سدا سکھی رہو بالک! تم نے میری بات رکھ کر میرا مان بڑھایا ہے۔ میں اس سے تمہیں کچھ دان کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے وضاحت طلب نظروں سے جگدیو کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پُرسکون اور پُروقار انداز میں مخاطب ہوا۔ ''بالک! تم نے یہ نہیں پوچھا کہ جب تم کلپنا کی تلاش میں اس کی کٹیا تک گئے تھے تو میں وہاں کس جاپ میں مگن تھا؟ میں نے بدری نرائن سے انکا کو چھین لیا ہے۔ میں تمہاری انکا رانی کو حاصل کرنے کے لئے جاپ کر رہا تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ میں ایسا کروں۔''

''مہاراج!'' میں نے وفور مسرت سے کہا۔ انکا کا نام سن کر میری حالت متغیر ہو گئی۔ میں نے سادھو جگدیو سے پوچھا کہ انکا اب کہاں ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں اپنے دل کی بات زبان پر لاتا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے انکا میرے سر پر واپس آ گئی ہے۔ میں نے سر کی جانب نظر اٹھائی تو انکا واقعی وہاں موجود تھی۔

''میں نے اسے بدری نرائن سے چھین لیا ہے میرے بچے!'' جگدیو کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اب یہ کھلونا سنبھال کر رکھنا۔ یہ مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کر دے گی۔''

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کس زبان سے سادھو جگدیو کے احسان کا شکریہ ادا کروں۔ اس نے تو حد ہی کر دی تھی۔ اس نے انکا جیسی انمول طاقت اس طرح میری جھولی میں ڈال دی تھی جیسے وہ کوئی بہت معمولی چیز ہو لیکن اس نے مجھے شکر گزاری کے الفاظ ادا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ فوراً ہی میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور میں اسے چہار سمت آواز دیتا رہا۔

''وہ جا چکا ہے۔'' انکا نے مجھ سے کہا۔ میں نے اپنے سر کی جانب نظر کی۔ وہاں انکا بیٹھی ہوئی تھی۔ سادھو جگدیو میری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے چالیس روز تک ایک کٹھن جاپ کر کے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی اور پھر انکا جیسی پُراسرار طاقت کو یوں میری جھولی میں ڈال دیا جیسے وہ اس کے لئے کوئی معمولی چیز ہو۔ یہ اتنا بڑا احسان تھا جس کی توقع میں نے کبھی سادھو جگدیو سے نہیں کی تھی۔ میں نے جب انکا کو اپنے سر پر محسوس کیا تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ میرے

محسن نے مجھے شکریے کا موقع بھی نہیں دیا اور بڑی بے نیازی سے کہیں روپوش ہو گیا۔ زمانے کے جبر اور ستم کے اتنے مشکل دن گزارنے کے بعد انکا پھر میرے سر پر آ گئی تھی۔ اس سے اس وقت باتیں کرتے ہوئے کچھ جھجک سے محسوس ہو رہی تھی۔ شکووں شکایتوں کا ایک دفتر تھا لیکن یہ پرانی بات ہو گئی تھی۔ انکا کے چہرے پر سنجیدگی مسلط تھی۔ میں نے نگاہ اوپر اٹھا کر دیکھا تو اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ شرمندگی اور ندامت کا احساس اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔ کچھ دیر یوں خاموش رہی پھر میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سکوت توڑا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''انکا کیسی ہو؟''

وہ کسمسا کر بولی۔ ''ٹھیک ہوں۔''

''اس قدر خاموش کیوں ہو؟ کیا تمہیں دوبارہ میرے پاس آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟''

''جمیل!'' انکا نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی دراز پلکوں کے گوشے نم تھے۔ اس کے نرم و نازک ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کپکپا رہے تھے۔ اس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ میں نے اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے آزردہ لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں، مجھے احساس ہے کہ تم کتنی مجبور تھیں۔ تم حالات کی غلام ہو لیکن تمہاری جدائی نے مجھ پر کیا ستم توڑے، کیا ظلم ڈھائے، یہ داستان بہت دردناک اور طویل ہے۔''

''مجھے معلوم ہے جمیل! مجھے مت بتاؤ۔'' انکا نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کاش دوسروں کے سر پر جانے کے بعد میرے بس میں کچھ ہوتا۔''

''کتنے بڑے انقلابات آئے ہیں میری زندگی میں۔ مالا رانی کی موت نے میری کمر توڑ دی ہے۔ وہ معصوم لڑکی خواہ مخواہ قربان ہو گئی۔ اس کا خون میری گردن پر ہے۔ آخر یہ ظالم بدری نرائن میرے گھر کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟'' میں نے کرب سے کہا۔

''بدری نرائن نے نرگس کو اس لئے ختم کیا تھا کہ تم نے وعدے کے مطابق مجھے اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مالا رانی کو اس وجہ سے ختم کیا ہے کہ وہ سمجھتا تھا پریتم لال کی شکتی کی امان میں تم اسی وقت تک رہ سکتے ہو جب تک مالا زندہ ہے۔ پریتم لال کی شکتی کا مضحکہ اڑانے اور اسے خوفزدہ کرنے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع مل سکتا تھا مگر جمیل! میرا وعدہ ہے کہ تم بدری نرائن کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ اس کا حشر تمہاری توقعات سے کہیں زیادہ بھیانک ہو گا۔ کچھ دن کی بات اور ہے۔''

انکا کی ہمدردی نے دل کا غبار کسی حد تک دور کر دیا۔ میں نے اس سے اپنے دل کا احوال ایک بچے کی طرح بیان کیا اور انکا مجھے تسلیاں دیتی رہی۔ جگدیو کا خیال درست تھا کہ انکا مالا رانی کا غم بڑی حد تک دور کر دے گی۔ میں اسٹیشن کے قریب کھڑا دیر تک انکا سے باتیں کرتا رہا۔ ہم دونوں اس طرح ملے جیسے

برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز ہوں۔ گفتگو نہ جانے کہاں سے کہاں تک ہوئی۔ جب میں سب کچھ کہہ سن چکا تو انکا نے پوچھا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس وقت تم کہاں جا رہے ہو؟''

''کہاں جاتا۔ لکھنؤ سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ اس شہر نے بڑے دکھ درد دیئے ہیں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''یہاں کے گلی کوچوں سے نفرت ہوگئی ہے۔ میرے بس میں ہوتا تو میں اس شہر کو آگ لگا دیتا۔ اب یہاں کے در و بام کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ ہر طرف مالا رانی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ ہوائیں قریب سے گزرتی ہیں تو مالا رانی کی سسکیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مجھے جگدیو مہاراج نے مشورہ دیا ہے کہ میں اس شہر سے دور چلا جاؤں، اس ملک سے دور، سمندر پار۔''

''تمہارے دل پر جو گزری ہے اس کا مجھے احساس ہے مگر میں تمہارے پاس آ چکی ہوں۔ تمہاری کنیز انکا، تمہاری غلام انکا، تمہاری محبوب انکا۔ میری جان اپنے دل سے تکدر دور کر دو۔ میری طرف دیکھو۔'' انکا نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''تمہیں ابھی لکھنؤ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ نہ معلوم کہ پھر کبھی یہاں آنا ہو یا نہ ہو۔ پھر اس شہر رنگ و بو کو تم یاد کیا کرو گے۔ اس وقت تم اپنے گھر میں اپنے عزیزوں کے درمیان رہو گے تو خوش رہو گے۔ گھر سے زیادہ سکون اور تمہیں کہیں نہیں مل سکتا۔''

''مگر وہاں ہر وقت مالا رانی کی یاد آتی ہے۔'' میں نے بے تابی سے کہا۔

''جمیل! مالا رانی اب ایسی جگہ جا چکی ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ تمہیں اسے بھولنا ہوگا۔ اس کی عمر اتنی ہی تھی۔ تقدیر کا لکھا پورا ہوا۔ تم اسے یاد کر کے اس کی روح کو مضطرب کرو گے۔ چلو گھر چلو۔'' انکا نے اصرار کیا۔

''گھر؟ کس کا گھر انکا! اب وہاں وحشت برستی ہے۔ میں جتنے دنوں وہاں رہا، کانٹوں پر لوٹتا رہا۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''تم نہیں مانتے تو نہ مانو لیکن جمیل، اس شہر نامراد کو اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ۔ تم اپنے وعدے بھی بھول گئے؟ تم اپنے اگلے پچھلے حساب بے باق کرنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو تو تم کہیں بھی سکون سے رہ سکو گے۔ جب تمہیں یہاں کے لوگ اور ان کے ستم یاد آئیں گے تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہاں کے زخم تمہارے ساتھ رہے تو پھر بے چینی محسوس کرو گے۔''

میں انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ اس وقت شدید غصے اور رنج کی کیفیت سے دوچار ہے۔ میں اتنا مرجھایا ہوا تھا کہ اس کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ وضاحت کی خاطر دریافت کیا۔ ''تمہارے کیا ارادے ہیں؟ کھل کر بات کرو۔''

''جمیل! میرے ارادے [illegible]

ٹوٹ چکے ہو۔ مالا رانی کی اچانک موت کے صدمے نے تمہارے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ تمہاری توانائی، شوخی اور شرارت سب کچھ رخصت ہوگیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اس طرح اداس نہ رہو۔ تم اشرفی بیگم جیسی بدکردار عورت کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہو؟ تم نواب بن علی کو کس طرح بھول گئے ہو؟ تم نے اس کے سامنے جو کچھ وعدے کئے تھے۔ بن علی کے شب و روز وہی ہیں۔ وہ اب بھی اپنی حویلی میں حسن و نشاط کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لکھنؤ سے یوں ہی چلے جاؤ گے؟ اپنے ان دشمنوں کو کھلی چھٹی دے کر۔ ناظم علی بھی اسی شہر میں موجود ہے۔ یاد ہے تمہیں، اس نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ یہاں لکھنؤ میں تمہارے چچا اور بہن بھائی رہتے ہیں۔ تم انہیں کس کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہو؟ یہاں سے جانا ہے تو دل ٹھنڈا کر کے جاؤ۔ بن علی کا سرخ و سپید چہرہ دیکھ کر میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔'' انکا نے سفاکی سے کہا۔

''انکا، میں ان سب کا خون پینے کے لئے تڑپتا ہوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ ان باتوں سے کیا حاصل ہوگا؟ میرا سب سے بڑا دشمن بدری نرائن زندہ ہے۔ اب میں تھک چکا ہوں، مجھے سکون چاہئے۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''یہ بات تمہارے سکون ہی کے لئے کہہ رہی ہوں۔ سب کا حساب صاف کرتے جاؤ۔ یہ قرض اتار دو گے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو ہنگاموں کا عادی بناؤ۔ زندگی اس طرح نہیں گزرتی جس طرح تم سوچ رہے ہو۔ میری مانو تو گھر چلو...... وہاں بہت سے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔''

انکا نے کچھ اس انداز سے میری غیرت کو جھنجھوڑا کہ مجھے محسوس ہوا جیسے میں گہری نیند سے بیدار ہو گیا۔ ماضی کی تلخ یادوں کے زخم پر انکا کی باتوں کا نشتر اتنا کاری ثابت ہوا کہ میرا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ مالا کے مرنے کے بعد ایک بے مقصدیت سی طاری ہوگئی تھی۔ انکا نے انتقام کے شعلے بھڑکا کر میرے سرد جذبات میں گرمی پیدا کر دی۔ میرے سینے میں جلن سی ہونے لگی۔ وہ مجھے پرانی باتیں یاد دلا رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا۔ جمیل احمد خان! زندگی کا کیا بھروسہ، کل بہت بے اعتبار چیز ہے۔ جو آج ہے وہ کل نہیں۔ جو کل ہوگا ضروری نہیں کہ اس کا تعلق آج سے ہو۔ اب انکا موجود ہے اس لئے ان لوگوں کو ٹھکانے لگاتے چلو جنہوں نے کبھی تمہارا جینا حرام کر دیا تھا۔ جنہوں نے تمہاری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اصولاً مجھے جگدیو کے مشورے کے مطابق یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا لیکن کچھ دنوں کے قیام کے بعد بھی کہیں جایا جا سکتا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ بیرون ملک روانگی سے پہلے تزئین اور کلدیپ سے مل لوں۔ میرے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ کب تک رہتا؟ ختم ہو چکا تھا۔ چچا جان کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ کلدیپ کی کٹیا پر زر و دولت کی حیثیت بے معنی تھی لیکن انکا کی آمد کے بعد سارے مسئلے خود بخود حل ہو گئے تھے [illegible] تنا چاہیں سونا نکال لیں۔ روپے

حاصل کرنے کے لئے انکا کو فعال ہونا پڑتا تھا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا اور جذبات انگیز لہجے میں انکا سے بولا۔ ''انکا! تمہارا خیال صحیح ہے کہ مجھے یہاں سے اس طرح نہیں جانا چاہئے۔ اب تم نے اس آگ کو ہوا دی ہے تو پھر یہ قصے نمٹا کر ہی کہیں چلیں گے۔''

''مجھے یقین تھا جمیل! تم میری بات رد نہیں کرو گے۔'' انکا میرا جواب پا کر خوشی سے بولی۔ ''میرے علاوہ جگدیو کا آشیرباد بھی تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں جہاں تمہارے قدم پڑیں گے وہاں کی زمین خوف و دہشت سے تھرا جائے گی۔''

''جگدیو مہاراج نے بڑا کرم کیا جو تمہیں حاصل کر کے میرے حوالے کر دیا۔ میں ان کا یہ احسان تا زندگی نہیں بھول سکتا۔ البتہ اس بات سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں تم مجھ سے روٹھ کر......''

''اب ایسا ناممکن ہے میرے آقا!'' انکا نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جگدیو کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ اس نے جاپ کر کے مجھے پنڈت بدری نرائن سے حاصل کیا اور پھر تمہیں دان کر دیا۔ ایک بات یاد رکھو کہ میرا ماہر متوالا پجاری جاپ کرنے سے پہلے یہ اطمینان ضرور حاصل کر لیتا ہے کہ میں کس شکتی کے پاس ہوں۔ اگر وہ شکتی اس سے بڑھ کر ہے تو وہ ایسی حماقت نہیں کرتا۔ تربینی داس کوئی بڑا پنڈت نہیں تھا، اس نے جب مجھے تمہارے پاس دیکھا تو آسانی سے جاپ شروع کر دیا اور مجھے حاصل کر لیا۔ بدری نرائن نے بھی یہی کیا۔ بدری نرائن سے سادھو جگدیو یا اس کے برابر کی کوئی شکتی ہی مجھے حاصل کر سکتی تھی۔ اب سادھو جگدیو نے مجھے حاصل کر لیا ہے تو یہ بات آسان نہیں رہی، اس سے بڑی یا کم سے کم اس کے برابر کی شکتی ہی میرے بارے میں سوچ سکتی ہے اور اسے میرے حصول کی کیا ضرورت پڑی ہے اس لئے کہ اس کے پاس خود اپنی شکتی کیا کم ہوتی ہے، سمجھے!''

''سمجھا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''لیکن انکا، اب آرام سے گزر بسر ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ تقدیر کی ان گردشوں کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ کسی جگہ جا کر تو ہمیں ٹھہرنا پڑے گا؟ یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟''

''اطمینان رکھو۔ میں اب تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے لئے یہی احساس کافی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ نہ تمہیں میرے بغیر چین آتا ہے، نہ مجھے تمہارے بغیر۔ تمہاری ذات میری عدم موجودگی میں ادھوری ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ میری تخلیق تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔''

انکا کی باتیں اتنی جاں فزا اور پُراسرار تھیں کہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں گھر کی طرف واپس چل پڑا۔ اس ارادے میں بھی انکا کے مشورے کو دخل تھا ورنہ میں اس لمحے نواب بن علی کی حویلی کا رخ کرتا۔ میرے چچا اور بھائی بہن میری واپسی پر بے حد خوش ہوئے اور اسی لمحے آؤ بھگت میں مصروف ہو گئے جیسے میں بہت دنوں بعد آیا ہوں۔

اپنی زندگی کے سب سے دلکش دن گزار رہے تھے۔ در و دیوار میں مالا کے جسم کی مہک اور اس کے قہقہے رچے بسے تھے۔ میں نے الماری کھولی اور اس کے کپڑوں پر نظر ڈالی تو بے اختیار دل بھر آیا اور میں ہچکیوں سے رونے لگا۔ اس کے کپڑے سونگھے تو میری حالت غیر ہو گئی۔ انکا مجھے تسلی اور دلاسے دیتی رہی۔ جب میری حالت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو رخسانہ اور دوسرے بھائی بہن کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے مجھے سنبھالا دیا۔ سارا دن اداسی میں گزر گیا۔ رات آ گئی، مالا کی یاد دل سے نہ گئی۔ انکا نے بہت باتوں میں لگایا۔ جھجکتے جھجکتے بازار حسن چلنے کی ترغیب دی۔ مجھے اپنا ہوش کہاں تھا؟ جب میں نے انکا سے دریافت کیا کہ بدری نرائن نے میری امنگیں کس طرح روندی تھیں تو انکا ٹال گئی۔ میرا اصرار حد سے بڑھا تو اس نے مجھے اداس لہجے میں بتایا۔ ''جمیل، شاید میں نے تمہیں یہاں لا کر غلطی کی ہے۔ تم اتنی آسانی سے مالا کو نہیں بھول سکتے۔ مجھ سے مت پوچھو کہ بدری نرائن نے کس طرح تمہاری خوشیوں کا گلا گھونٹا ہے۔ اب یہ ذکر چھوڑ دو۔''

''نہیں، مجھے بتاؤ انکا! کیا تم اس میں شریک تھیں؟'' میں نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔

''میں اس وقت محض مجبور و بے بس تھی میرے آقا! بدری نرائن کسی چالاک چیتے کی طرح مالا رانی کی گھات میں لگا بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی شکتی کے زور سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ کچھ پُراسرار قوتوں نے مالا رانی کے گرد حفاظتی جال بن دیا ہے جسے توڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہوا۔ جس روز مالا کو اس نے ظلم کا نشانہ بنایا، اس روز وہ صبح ہی سے بے چین تھا۔ وہ بار بار منتر پڑھتا اور پُراسرار طاقتوں کو آواز دیتا۔ پھر اس کے بیروں نے اسے ایک لمحے یہ اطلاع دی کہ مالا رانی کے گرد وہ پُراسرار دھند غائب چھٹ چکی ہے۔ اس نے فوراً اپنی کالی طاقتوں کی مدد سے ایسا بھرپور وار کیا کہ تمہاری خوشیوں کا چراغ پل بھر میں بجھ گیا۔''

انکا کی زبانی ان حالات کی تفصیل سن کر میرا دل تڑپ اٹھا، آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس عالم میں، میں نے انکا کو مخاطب کیا۔ ''انکا! مجھے اندازہ ہے کہ تمہاری حیثیت کیا تھی لیکن کیا مالا کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بناتے وقت تمہارے دل کو دھچکا نہیں لگا؟''

''جمیل!'' انکا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ کمینہ پنڈت بڑا چالاک اور عیار واقع ہوا ہے۔ مالا رانی کے سلسلے میں اس نے میرے بجائے اپنے بیروں کی شکتی سے کام لیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ شاید میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کر سکوں۔ حالانکہ یہ اس کا وہم تھا، وہ مجھے جو بھی حکم دیتا میرے لئے اس سے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔''

''یعنی تم مالا کو مار ڈالتیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، مجھے ایسا کرنا پڑتا۔'' انکا نے ...

''اف!'' تم اپنے محبوب کی امانت ختم کر دیتیں؟'' میں نے رندھی آواز میں کہا۔

''میں اور کیا کرتی؟ مگر اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ جمیل! میری خاطر صبر کرو۔'' انکا نے ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

ممکن ہے میری سرگزشت کے یہ حصے مضبوط اعصاب کے لوگوں کو گراں گزریں لیکن جنہوں نے مصیبتیں جھیلی ہیں اور دکھ درد اٹھائے ہیں، انہیں میرے کرب کا احساس ہوگا۔ میرا کرب، میری ذات کا درد، میری گردشیں، میرے گناہ اور میرے مصائب ایسے نہیں ہیں کہ عام انسان تصور کر سکیں۔ ایک کے بعد ایک حادثہ، یکے بعد دیگرے امتحان اور آزمائش کا سلسلہ، عجیب و غریب واقعات۔ انسان کے اندر شکست و ریخت کے یہ مرحلے، اہل دل انہیں محسوس کریں گے۔ حادثات نے جنہیں گھیر رکھا ہے، ان کا دل اس میں دھڑکتا ہوگا۔ میں انکا کے مشورے پر دوبارہ اپنے چچا جان کے گھر چلا آیا، وہاں پہنچ کر میں سکون کا ایک پل بھی نہیں گزار سکا۔ دن بھر خالی خالی سا اپنی بہنوں کے درمیان رہتا۔ انکا نے لاکھ اصرار کیا کہ میں باہر نکلوں لیکن ماالا رانی کے چالیسویں کے بعد ہی میں نے کہیں باہر جانے کے لئے سوچا، اس عرصے میں انکا بھی مضمحل سی رہی۔ بار بار مجھے سمجھاتی رہی، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، میرے پاس روپے کی کمی تھی۔ جب تک گھر میں رہا، خاموش پڑا رہا۔ چچا جان کا کاروبار خاصا چل رہا تھا۔ چالیسویں کے بعد میں باہر نکلا، میں یہ قصہ مختصر کر رہا ہوں۔ انکا نے دو تین ہی دن میں میرے لئے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ روپے کی کمی نہ رہی۔ انکا کے لئے کوئی بات مشکل نہ تھی۔ وہ مجھے آسودہ رکھنے کیلئے ایسے علاقوں میں لے گئی جہاں روپے کا الٹ پھیر ہوتا تھا۔ میں ہر بازی جیت گیا۔ جب میں رات کو لدا پھندا گھر واپس آتا تو مجھے روپے گننے میں زحمت ہوتی تھی۔ میں انہیں بے نیازی سے الماری میں ڈال دیتا۔ کسی بھی قمار خانے میں انکا میرے سر سے اتر جاتی اور میں بازیاں لگاتا۔ لوگ مجھے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھتے اور میں مسکراتا ہوا وہاں سے چلا آتا۔ اتنے حادثات کے بعد مجھے اپنے چہرے پر درشتی محسوس ہوتی تھی۔ میں بہت چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر الجھ پڑتا۔ نرمی اور حلاوت مجھے متاثر نہیں کرتی تھی۔ سارے انسان مجھے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ ظالم، بے رحم اور درندے۔ صرف گھر کے لوگ اچھے لگتے تھے اور ان سے اکثر رسمی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ روپے کی اتنی افراط کے بعد میں نے ایک ہفتے کے اندر اندر چچا جان کا مکان بیچ کر ان کے لئے ایک خوب صورت علاقے میں جدید طرز کی ایک کوٹھی خریدی۔ گھر پر چند ملازم بھی رکھے۔ مالی، باورچی، دربان، چھوٹے موٹے کام کرنے والے دو لڑکے، ایک نوکرانی......نوکرانی کا ذکر بطور خاص کروں گا کہ اس کے ہاں صرف اچھے لباس کی کمی تھی۔ ناک نقشے میں خوب، عادت و اطوار میں یکتا اور زبان کی بڑی شیریں تھی۔

نام نفیس تھا، اسم با مسمیٰ تھا۔ میں اس ہفتے بہت مصروف رہا۔ نئے مکان کی خرید......فرنیچر کی ترتیب، ملازمین کا تقرر، ایک ہفتے بعد کوٹھی کا رنگ بدل گیا۔ بہنوں کا مسرت سے برا حال تھا۔ چچا جان خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے اور حیرت سے یہ انقلاب دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے چچا جان کو ایک خاصی معقول رقم کاروبار میں اضافے کے لئے دے دی تاکہ وہ اس بڑی کوٹھی کا بار پوری طرح اٹھا سکیں۔ ان کاموں کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد کہ میری زندگی کا کیا بھروسا، میرے بعد یہ لوگ خوش رہیں اور پھلیں پھولیں میں نے ایک صبح ہبن علی کی حویلی کی طرف جانے کا ارادہ کیا لیکن انکا نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے اپنے انتقام کی ابتدا ناظم علی سے کرنی چاہئے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ پہلے ناظم علی کو بھگتا جائے یا ہبن علی کو۔ انکا ایک منصوبے کے تحت ایسا سوچ رہی تھی۔ گھر والوں کے اصرار پر میں نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور کپڑے تبدیل کر کے مکان سے باہر آ گیا۔

جس وقت میں ناظم علی کے دفتر پہنچا، اس وقت وہ کسی فائل کے مطالعے میں غرق تھا۔ اس کے دفتر کے سنتری نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن انکا نے اسے بے بس کر دیا۔ میں کسی مزاحمت کے بغیر اندر چلا گیا۔ ناظم علی خواب میں بھی یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ میں اس انداز میں سینہ تانے اس کے سامنے پہنچ سکوں گا۔ چنانچہ خلاف توقع مجھے اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ مجھے نفرت بھری نظروں سے سرتاپا گھور کر رعونت سے بولا۔

''تم یہاں کس لئے آئے ہو؟''

''ناظم علی! مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے جلد شناخت کر لیا، مجھے اپنا تعارف کرانے کی زحمت نہیں کرنا پڑی۔'' میں زہرخند سے بولا۔

ناظم علی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی، کرخت آواز میں بولا۔ ''تمہیں میرے کمرے میں آنے کی جرات کیسے ہوئی؟ دفع ہو جاؤ، گیٹ آؤٹ۔''

''وقت وقت کا کھیل ہے ناظم علی! وہ وقت گزر گیا۔ اب تمہاری گردش کا وقت ہے۔ میں تمہارے لئے قہر بن کر آیا ہوں۔ میں نے معاف کرنا نہیں سیکھا ہے۔ تمہاری بدقسمتی سے میری یادداشت بہت تیز ہے۔'' میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''تم نے میرے آنے کا مقصد پوچھا ہے۔ سنو، تم نے اپنی طاقت اور عہدے کے نشے میں میری عزت و ناموس پر نگاہ اٹھائی تھی۔ میں قید و بند کی مشقتیں جھیل کر اب پھر تمہارے روبرو ہوں۔ اس زعم میں نہ رہنا کہ تم اس وقت مجھ پر حاوی ہوئے تھے، تم نے مجھے بے بس دیکھ کر ظلم و ستم توڑے تھے۔ میں لکھنؤ سے جا رہا تھا مگر پھر خیال آیا کہ اگر تمہارا حساب بے باق کئے بغیر لکھنؤ سے چلا جاؤں گا تو تمہیں شکایت ہوگی۔''

ناظم علی نے میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر خطرے کی اہمیت کا اندازہ لگا لیا۔ ایک پل کے لئے

Downloaded from Paksociety.com

اس نے مجھے گھورا پھر بڑی پھرتی سے اپنا سروس ریوالور نکال کر میرے سینے کا نشانہ لے کر بولا۔ ''تم نے اچھا کیا کہ خود ہی میرے پاس آ گئے۔ تمہیں تلاش کرنے کی زحمت مجھے نہیں اٹھانا پڑی۔ میرا خیال تھا تمہیں جیل کی آب و ہوا راس آ گئی ہے۔ یوں بھی تم جیسے خطرناک مجرموں اور شورہ پشت غنڈوں کو باہر کھلی ہوا میں زیادہ دن نہیں رہنا چاہئے۔''

میرے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ انکا اس لمحے تیزی سے رینگ کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اب ناظم علی کا برا وقت آ گیا ہے۔ میں ناظم علی کے اور قریب گیا اور زور سے اس کے ہاتھ پر اپنا واحد ہاتھ مارا، ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ ناظم علی کو کونے میں پڑا ہوا ریوالور اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی۔ میرے بلاوے پر دوسرے ہی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے دل ہی دل میں سمجھایا کہ میں کچھ دیر کے لئے خود ہی ناظم علی سے زور آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ انکا جزبز ہو کر خاموش ہو گئی۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک زناٹے دار تھپڑ ناظم علی کے گال پر رسید کر دیا۔ ناظم علی کو اس اچانک حملے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں چلانے سے پہلے میں نے ایک اور زوردار طمانچہ رسید کیا جس سے خون کی ایک باریک لکیر اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ ''کرسی پر بیٹھ جاؤ ناظم علی! زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے رعونت سے کہا۔ ''تمہارا برا وقت آ چکا ہے۔''

ناظم علی فوراً کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنا منہ رومال سے صاف کرنے لگا۔ اس کے بیٹھتے ہی میں بھی اس کے سامنے والی کرسی پر دراز ہو گیا۔ میں نے اپنے لہجے کی کاٹ قائم رکھی۔ ''ناظم علی! ایک بار تم نے مجھ پر ظلم کی انتہا کر دی تھی، مجھے سوچنے کا موقع نہیں دیا تھا مگر میں اتنا ظالم نہیں ہوں۔ میں تمہیں وقت دیتا ہوں۔ اگر تم اپنے عزیز و اقارب کے لئے کوئی آخری پیغام دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا پیغام مطلوبہ شخص کو پہنچا دیا جائے گا مگر جلدی کرو۔ مجھے لکھنؤ سے جلدی جانا ہے۔ ابھی مجھے تمہاری والدہ اشرفی بیگم اور تمہارے باپ بہن علی سے بھی ملنا ہے۔''

ناظم علی جو چند لمحے پہلے بڑا خونخوار نظر آ رہا تھا، اچانک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں میں سے خوف و دہشت کے آثار جھلک رہے تھے۔ اس کے چہرے کی رنگت پل بھر میں ہلدی کی مانند زرد پڑ گئی۔ اس نے رحم طلب نظروں سے میری طرف دیکھا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''خان صاحب! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے تم پر ظلم کیا لیکن خدا گواہ ہے، اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اوپر سے مجھے حکم ہی ایسے ملے تھے۔''

''اوپر کے احکام؟ فضول باتوں سے پرہیز کرو ناظم علی! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اپنی آخری خواہش کا اظہار کرو۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا۔ ناظم علی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ اس کے چہرے پر موت کے سائے لرزنے لگے۔ اس نے ایک نظر ریوالور کی طرف دیکھا، اسے اٹھا...

میں جرات نہیں تھی۔ اس نے دروازے کی طرف نگاہ ڈالی تو میں نے ہنس کر کہا۔ ''اب کوئی تمہارے کام نہیں آ سکتا۔''

''مجھے معاف کر دو خان صاحب!'' اچانک وہ گڑگڑانے لگا۔ ''میں تمہارا گناہ گار ہوں، مجھ پر رحم کرو۔''

''رحم اور آپ پر ناظم علی صاحب! آپ جیسے بڑے عہدے دار پر؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''وہ عیاری کے دن یاد ہیں، وہ ظلم یاد ہیں جو تم نے مظلوموں اور معصوم لوگوں کے ساتھ روا رکھے تھے؟''

ناظم علی کے چہرے کا رنگ ہر لمحے بدل رہا تھا۔ میں اس کی حالت سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے اس ظالم و جابر شخص کی رحم طلب نظروں کا پیغام سختی سے ٹھکرا دیا۔ ایک اٹل ارادے سے اٹھا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ''میں جا رہا ہوں ناظم علی! زیادہ باتیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میرا دوسرا حکم تمہیں میرے جانے کے بعد ملے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری خودکشی کے گواہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں۔ حالات نے مجھے محتاط رہنے کا درس دیا ہے۔''

میں اتنا کہہ کر تیزی سے نکل گیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ انکا کے پُراسرار وجود نے میرے دل میں ابھرنے والا ارادہ سمجھ لیا ہوگا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ میں تھانے سے نکل کر سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ہجوم میں گم ہو گیا۔ ابھی مجھے وہاں کھڑے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ میں نے ناظم علی کو تھانے کی عمارت سے پریشان، گریباں چاک، حواس باختہ باہر نکلتے دیکھا۔ سروس ریوالور ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے پیچھے دو پولیس والے بھی تھے جو غالباً اس کی مجنونانہ حالت سمجھنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔ سڑک پر ناظم علی نے حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے جرائم کا اعتراف اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے کر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

''لوگو میں خود کو ختم کر رہا ہوں۔ میں نے متعدد بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے ہیں۔ میں ایک مجرم ہوں، میرا نامہ اعمال سیاہ ہے۔ لاوارث بچوں کی کراہوں، معصوم لڑکیوں کی آہوں اور بے سہارا عورتوں کی فریادوں نے آج مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ میں تمہارے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں نے اپنے لئے سزا تجویز کر لی ہے۔ میں مر رہا ہوں، دیکھو..... یارو، میں مر رہا ہوں۔ تم گواہ رہنا دوستو! میں اپنے ضمیر کا فیصلہ تسلیم کرتا ہوں۔''

راہ گیروں کی اچھی خاصی تعداد ہکا بکا کھڑی سراسیمہ نظروں سے ناظم علی کو گھور رہی تھی۔ دونوں پولیس والے بھی دم بخود کھڑے تھے پھر اس سے پہلے کہ کوئی عام حالات کا اندازہ کر سکتا، ناظم علی نے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ریوالور کی نال کنپٹی پر رکھی اور لبلبی دبا دی۔ فضا میں ایک دھماکے کی آواز گونجی اور ناظم علی خون میں لت پت ہو کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی لاش تڑپتی رہی۔ ناظم کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہوا بلکہ ایک سکون سا محسوس ہوا۔ مجھے بے حس کہہ کر یاد کرنے والے حضرات سے صرف اتنی گزارش ہے کہ میں نے اپنے واقعات بے کم و کاست بیان کر دیئے ہیں۔ میرا خیال ہے شدید ظلم و تشدد سہنے کے بعد ایک ایسی منزل بھی آتی ہے جب انسان اتنا بے حس ہو جاتا ہے۔

چند لمحوں میں انکا میرے سر پر آ گئی۔ "مجھے خوشی ہے جمیل کہ تم نے اس بار دور اندیشی سے کام لیا۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم تھانے کے اندر کوئی جذباتی قدم اٹھاتے تو حالات مختلف ہوتے۔ اب ناظم علی کے سلسلے میں تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

میں نے ایک پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر انکا کو دیکھا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اب میرا رخ نواب بن علی کی حویلی کی طرف تھا۔ راستے میں، میں نے انکا سے کہا۔ "انکا! ناظم علی کی موت سے کچھ لطف نہیں آیا۔"

"کیا مطلب؟" انکا نے دیدے پھاڑ کر کہا۔ "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں جو چاہتا تھا وہی ہوا لیکن موت ہی تو انتقام نہیں ہے۔ یہ تو بہت آسان اور ہلکا سا نسخہ ہے۔ لمحوں میں اذیت ختم ہو جاتی ہے۔ موت تو آدمی کی اس وقت ہوتی ہے جب وہ خود اپنی نظروں سے گر جائے۔ جب اس سماج میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ رہے۔ وہ اپنی زندگی میں رسوائیوں کا مزہ چکھے۔ میرا خیال ہے ناظم علی کو ہم نے سستا چھوڑ دیا۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"تم بہت دلچسپ باتیں کر رہے ہو۔ چلو تمہیں بولنا تو آیا اسی لئے میں کہتی تھی کہ گھر سے نکل کر دیکھو۔ بہرحال بن علی کے سلسلے میں اس کا خیال رکھے جائے گا۔" انکا نے چہک کر کہا۔

ہم نے راستے میں بن علی سے اس وقت مڈھ بھیڑ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دن دہاڑے بن علی کے گھر پر جانا مناسب نہیں تھا۔ یہ کام رات ہی میں ہو سکتا تھا۔ رات تک کا وقفہ گزارنا مشکل ہو گیا۔ سر پر خون سوار تھا۔ جیسے تیسے رات آئی اور میں بن علی کی حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ بن علی مردود نے رخسانہ کو اغواء کرایا تھا۔ اشرفی بیگم سے ساز باز کر کے مجھے مروانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کی بہنوں درخشاں اور زرافشاں کو کوٹھے کی زینت بنا کر اپنی بہن کا انتقام لوں گا مگر اس کے بعد مجھے اتنی فرصت نہیں مل سکی تھی کہ انتقام لے سکتا۔ البتہ بن علی کی موت کا سامان میں نے پیدا کر لیا تھا۔ اس نے زمرد کے قتل کا، اقبال جرم بھی کر لیا تھا مگر پھر حالات میرے قابو میں نہ رہے۔ وہ نواب کا بچہ اپنے اثر و رسوخ سے قتل جیسے سنگین الزام سے بچ گیا اور آج پھر لکھنؤ کی طرب گاہوں میں اس کا چرچا ہے۔ جتنا وقت گزرتا جا رہا تھا میں بن علی سے اتنا ہی متنفر ہوتا جا رہا تھا۔ بن علی کی حویلی قریب آتی گئی اور [illegible]

رفتار تیز ہوتی گئی۔ میری نفرت کا جذبہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے بھی میں ایک خفیہ راستے سے اس کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔ حویلی روشن تھی اور مجھے انکا نے بتا دیا تھا کہ بن علی اندر مست مئے ناب ہے اور عیش و نشاط میں مصروف ہے۔ اسی طرح ہر روز اس کے ہاں یا کسی اور نواب کے ہاں بزم طرب سجتی تھی یا پھر نواب کسی طوائف کے ہاں شب گزارتے تھے۔ سر شام نوابوں کے دل ڈولنے لگتے تھے اور نازنینیں گھنگھرو باندھے انہیں داد عیش دیتی رہتی تھیں۔ میں نے پرانا راستہ اختیار کیا۔ بن علی کے ایوان خاص تک پہنچنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ میں دیر کر کے اس لئے آیا تھا کہ سازندوں اور مہمانوں کی موجودگی کا امکان نہ رہے اور میں بن علی سے اس کی خواب گاہ میں ملاقات کروں، میرے ذہن میں گزرے ہوئے لمحات ابھر رہے تھے۔ اندر اندر سلگنے والی چنگاریاں جذبات مشتعل کر رہی تھیں۔ خواب گاہ کا دروازہ بند تھا لیکن وہ ایک جھٹکے سے کھل گیا، راستے میں ایک خاص ملازم نے مجھے دیکھ کر شور کیا لیکن انکا نے بروقت میرے سر سے اتر کر اسے دوسری جانب روانہ کر دیا۔ میں جب اس روشن کمرے میں داخل ہوا تو بن علی کی آغوش میں ایک بجلی تڑپ رہی تھی اور ناز و ادا کے نشتر آزما رہی تھی۔ بن علی کا بھاری بھرکم تن و توش اس گل بدن کے غمزوں سے ادھر ادھر تھرک رہا تھا۔ سامنے صراحی رکھی تھی، وہ مدہوش سا تھا۔ نیم عریاں لڑکی کا آدھا بدن بن علی کی گود میں سما سما جاتا اور نکل نکل جاتا۔ ان دونوں میں دلچسپ نوک و جھوک جاری تھی۔ میں اسے بیان نہیں کر رہا، بس وہی نوک جھوک جو ایسے موقعوں پر ہوتی ہے۔ بن علی کو اس طرح مدہوش دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں نے اسے للکارا تو وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بن علی کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کرخت لہجے میں بولا۔ "تم...... تم جمیل احمد خان! تم ابھی تک یہاں موجود ہو؟"

"ہاں نواب صاحب! جمیل احمد خان۔ آپ کا خادم ابھی تک یہیں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔" میں نے نیاز مندی سے کہا۔ "طبع شاہانہ پر میری آمد گراں تو نہیں گزری؟"

"بدبخت...... اب یہاں کیا لینے آیا ہے؟" نواب نے تمکنت سے کہا۔

"ناراض نہ ہوں نواب صاحب قبلہ! میں مبارکباد دینے کی غرض سے آیا ہوں کہ آپ زمرد کے قتل کے الزام سے صاف بری ہو گئے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ آپ کا اقبال بلند رہے۔" میں نے عجز سے کہا۔ "یہ لڑکی یقیناً زمرد سے زیادہ حسین اور جان دار ہے۔ میں آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں۔"

"جمیل احمد خان۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ۔" نواب کے لہجے میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ "تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔"

"[illegible]" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

"پھر......پھر......ہم تو تم جیسے حرام زادوں کو کتے کے آگے ڈال دیتے ہیں۔" نواب نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا جو سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

"میں بھی اس وقت اسی مقصد سے یہاں آیا ہوں۔" میں نے بہت نرمی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں یہاں سے نکل جاؤ۔" نواب کا سانس اکھڑ گیا تھا۔

"تم مجھے جانتے ہو۔ پھر ایسے لہجے میں کیوں باتیں کر رہے ہو؟" میں نے اپنا لہجہ بدل کر کہا۔ "تم نے زمرد کو میرے سامنے قتل کیا اور پھر تھانے میں اقبال جرم بھی کیا۔ تمہاری زندگی کے دن باقی تھے، اس لئے تم یہاں نظر آ رہے ہو۔"

"تم کوئی جادوگر ہو یا بہت بڑے حرام زادے۔ زمرد کا قتل تم نے مجھ سے کرایا تھا۔ تم نے مجھے اتنا پاگل کر دیا تھا کہ میں تھانے میں اول فول بکنے لگا۔ اشرفی بیگم کے ہاں بھی تم نے اپنے شعبدے دکھائے تھے، تزئین کو تمہی نے غائب کرا دیا تھا۔" نواب کی وضاحت میں خوف بری طرح شامل تھا۔

"تم نے مجھے پہچاننے میں کس قدر ہوش مندی کا ثبوت دیا ہے نواب! مگر میں اس وقت اپنی تعریف سننے نہیں آیا ہوں۔ نہ میں تمہیں مارنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے کی رونقیں تزئین کی گمشدگی کے بعد سے ماند پڑ گئی ہیں۔ تم اگر چاہو تو درخشاں اور زرافشاں بیگم کی بگڑی ہوئی ساکھ کو بحال کر سکتی ہیں۔ تم نے جب میری بہن کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہا تھا، اسی وقت سے میں نے طے کر لیا تھا کہ ایسا کیا جائے تو کتنا دلچسپ رہے گا کہ ایک بڑے نواب کی ناموس کے پیروں میں گھنگھرو بندھیں۔ نواب ہبن علی! یہ لڑکیاں جو تمہارے نشاط کدے میں آتی ہیں، یہ بھی کسی نہ کسی بھائی کی بہنیں ہوتی ہیں؟ پھر بھلا تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"جمیل احمد خان! ہم تیرا خون پی جائیں گے۔ اپنی زبان کو لگام دے۔ یہاں تیری کوئی شعبدہ بازی نہیں چلے گی۔ ہم تجھے اسی وقت جہنم رسید کریں گے۔" نواب ہبن علی غصے سے دیوانا ہو گیا۔ اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان جاری ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز آئی، مجھ پر اٹھا کر پھینکنے لگا۔ اس کے پاگل پن کا یہ تماشا میری دلچسپی کا باعث تھا۔ وہ لڑکی جس کا نام نوشابہ تھا، ایک طرف کھڑی تھی۔

ہبن علی کا قہر و غضب قابل دید تھا۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگا تو نوشابہ، ہبن علی کا ہاتھ روکنے لگی لیکن ہبن علی نے اس کے سر پر بھی ایک شمع دان اٹھا کر دے ماری۔ نوشابہ وہیں لہرا گئی۔ پھر ہبن علی میری طرف بڑھا اور میں نے اس لحیم شحیم آدمی کو ہاتھ بڑھا کر بڑے اعتماد سے روک لیا "ہبن علی!" میں نے کہا۔ "میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ پہلے میرا ارادہ تمہارے قدموں سے یہ زمین پاک کرنے کا ارادہ تھا لیکن میں نے سوچا کہ تمہیں اپنے اعمال کی سزا یہیں بھگت لینی چاہئے۔ درخشاں اور زرافشاں کو میرے حوالے کر دو۔ فی الحال ان میں سے کوئی بھی۔ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔

نواب کے گھر میں آ کر کوئی واپس نہیں جاتا۔"

"جمیل احمد خان!" ہبن علی نے دانت پیس کر کہا اور بڑھ کر اپنی بندوق اٹھا لی۔ اس نے تیزی سے نشانہ باندھنا چاہا لیکن ظاہر ہے انکا کی موجودگی میں وہ جمیل احمد خان پر یہ کاری وار کس طرح کر سکتا تھا۔ انکا میرے سر سے چھلاوے کی طرف غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھ کر ہبن علی کے ہاتھ سے بندوق چھین لی۔ ہبن علی حیرت زدہ نظروں سے میرا اطمینان اور اعتماد دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک بھرپور ضرب بندوق کے کندے کی ہبن علی کے سر پر ماری اور یہ کہتا ہوا رخصت ہو گیا۔ "ہبن علی! میں تمہاری بہنوں کے پاس جا رہا ہوں۔" اس کے سر سے خون جاری ہو گیا تھا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ سخت جان اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔ اسے بے ہوش چھوڑ کر میں اس کی خواب گاہ سے باہر آ گیا۔ انکا پھرتی سے میرے سر پر آ گئی اور میرے باہر نکلتے ہی اس نے مجھ سے سوال کیا۔ "جمیل! کیا ارادہ ہے؟"

"میں ہبن علی کی دونوں بہنوں کو یا فی الحال ایک کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کی پابند ہوں لیکن......"

"لیکن کیا؟" میں نے انکا کو جملہ ادھورا چھوڑنے پر کریدتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا۔ کیوں انکا، ہم آخر یہاں کس لئے آئے تھے، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میری درخواست ہے جمیل! تم لڑکیوں کے سلسلے میں اپنا ارادہ بدل دو۔" انکا نے دبی آواز میں کہا۔ "میں سمجھتی ہوں اس میں تمہارے لئے کچھ خطرے موجود ہیں، یوں بھی وہ بے چاریاں بے قصور ہیں۔"

"تعجب ہے، یہ بات تم کہہ رہی ہو؟ حالانکہ تمہی نے مجھ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے اکسایا تھا۔ کیا تم بھول گئیں کہ میری بہن رخسانہ کو کس نے اغوا کرایا تھا؟ کیا رخسانہ بے گناہ نہیں تھی؟"

"میں تمہارے احساسات سے واقف ہوں جمیل! مگر مجھے اس کام میں کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے ہیں۔ اگر ہم انہیں معاف کرتے ہیں تو ہبن علی سے انتقام لینے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مگر میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کیسی ہیں؟ انکا! کیا ہبن علی کے لئے اس سے بڑی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کی بہنیں کوٹھے پر بیٹھیں؟"

"تم انہیں دیکھ سکتے ہو، وہ اوپری منزل پر رہتی ہیں لیکن ہبن علی کو اس سے زیادہ بھیانک سزا مل سکتی ہے۔ ابھی تو ابتدا ہوئی ہے۔" انکا مصر رہی۔

"ٹھیک ہے...... آؤ اوپری منزل پر چلتے ہیں۔ یہ موقع پھر نہیں آئے گا۔ تم ان میں سے ایک لڑکی

کے سر پر چلی جانا، اس طرح ہم اسے آسانی سے یہاں سے لے جائیں گے۔''

''مگر..... مگر جمیل!'' انکا نے جھجک کا اظہار کیا۔

''مگر کیا؟ انکا...... مجھے وہاں لے چلو۔ میں ان حسیناؤں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' یہ کہہ کر میں اوپری منزل کی طرف جانے لگا۔ انکا کے انکار پر میرا جنون اور بڑھ گیا۔ مجھے انہیں دیکھنے کا اشتیاق تھا اور میرا عہد مجھے اکسا رہا تھا کہ میں اس کی تکمیل کروں۔ ابھی میں نے چند ہی قدم اٹھائے ہوں گے کہ انکا کے پنجوں کی چبھن مجھے اپنے سر پر محسوس ہوئی۔ وہ مجھے روک رہی تھی۔ ''ٹھہر جاؤ جمیل! آگے راستہ بند ہے۔''

''راستہ کہاں بند ہے انکا؟ سامنے نظر آ رہا ہے۔ کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے برہمی سے کہا اور ایک دو سیڑھیاں اور پار کر لیں۔

''رک جاؤ۔'' ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز مجھے سنائی دی، میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ''کون ہے انکا! یہ آواز کس کی ہے؟'' میں نے جز بز ہو کر کہا۔

''چلو جمیل واپس چلتے ہیں۔'' انکا نے مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔

''مگر کیوں؟ تم مجھے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہو؟''

''راستہ بند ہے۔ راستہ کھل سکتا ہے مگر تمہارے لئے یہ بہتر نہ ہوگا۔'' انکا نے پہلو بدل کر کہا۔

''تم کیسی بھول بھلیوں والی باتیں کر رہی ہو۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔

پھر اچانک اوپر کی سیڑھیوں میں مجھے ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ جو ایک لمحے میں ایک شکیل و وجیہہ مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا اور وہ کوئی قدیم لباس زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کا چہرہ انتہائی پُروقار اور خوب صورت تھا کہ اس پر کسی شہزادے کا گمان ہوتا تھا جیسے کتابوں میں کسی مسلمان شہزادے کا حلیہ ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر میں ٹھٹکا لیکن...... دوسرے ہی لمحے میرے اندر کا ضدی آدمی جاگ اٹھا۔ میں نے اوپر کی ایک سیڑھی پھلانگ لی۔

''رک جایئے۔'' اس نے نہایت مہذب لہجے میں کہا۔

''میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''آپ اوپر نہیں جا سکتے۔ ادھر زنان خانہ ہے۔'' اس کی شیریں زبانی نے مجھے متاثر کیا۔

''میں زنان خانے ہی میں جانا چاہتا ہوں۔ میرے راستے سے ہٹ جایئے۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''ہم یہاں نگہبانی کرتے ہیں۔ آپ میری موجودگی میں اندر نہیں جا سکتے۔'' اس نے کہا۔

''آپ مجھ سے واقف نہیں ہیں۔ میں ایک ذلیل شخص کو اس کے کرتوت کا مزہ چکھانے آیا ہوں۔ نیچے بن علی بے ہوش پڑا ہوا ہے، اس کا انجام دیکھ لیجئے اور ...

''بن علی سے آپ جو چاہیں انتقام لے سکتے ہیں مگر اس کی بہنیں بے قصور ہیں اور پھر ہم ان کے نگہبان ہیں، ہم ایک عرصے سے یہاں رہتے ہیں۔''

''آپ کون ہیں؟'' میں نے اس سے متاثر ہو کر پوچھا۔

''ہم درخشاں اور زرافشاں کے امین ہیں۔ ہمارا سایہ ان پر موجود ہے۔ ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے لیکن یہاں ہم آپ کے راستے میں حارج ہوں گے۔ بہتر ہے آپ چلے جائیں۔''

''ورنہ پھر آپ کیا کریں گے؟'' میں نے درشتی سے پوچھا۔

''ہمیں معلوم ہے کہ آپ بھی تنہا نہیں ہیں مگر ہم مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے آپ کو اس سے نقصان پہنچے۔ ممکن ہے ہمیں اپنے رفیقوں کو بلانا پڑے۔'' اس نے بے جھجک ہو کر کہا۔

''یہ کون ہیں؟'' میں نے انکا سے پوچھا تو وہ ایک ثانیے کے لئے خاموش ہو گئی پھر کہنے لگی۔

''جمیل! یہاں سے چلے چلو۔ بن علی کی حویلی ایک قدیم حویلی ہے۔ زنان خانے کے اس حصے پر جہاں درخشاں اور زرافشاں رہتی ہیں، وہاں اس مسلمان جن کا تسلط ہے۔ تم اس کی موجودگی میں وہاں نہیں جا سکتے۔''

''جن!'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''کیا واقعی یہ نوجوان شخص کوئی جن ہے؟ مگر تم کس مرض کی دوا ہو؟ کیا تم اسے زیر نہیں کر سکتیں؟''

''تمہیں چاہئے کہ مجھے ایسے حالات میں نہ ڈالو جہاں خود مجھے کسی آزمائش میں پڑنے کا احتمال ہو۔ ماورائی قوتیں آپس میں اس طرح کی چپقلش سے گریز کرتی ہیں۔ پھر ہو سکتا ہے کہ اس جن کا ایک پرا یہاں موجود ہو۔ ہمیں کچھ اور کرنا پڑے گا۔ کوئی اور ترکیب سوچنی ہوگی۔ یہ جن پورے طور پر اپنے قدموں پر جما ہوا ہے۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو۔'' انکا نے اضطراب سے کہا۔

''آپ جانتے ہیں بن علی نے میرے ساتھ کیا، کیا ہے؟'' میں نے اس نوجوان کو مخاطب کیا جو مسکرا کر مجھے دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ درخشاں اور زرافشاں بالکل سادہ و معصوم ہیں۔''

''میری بہن بھی سادہ و معصوم تھی۔ بن علی نے اسے اغوا کرایا تھا۔'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

''لیکن ہم وہاں موجود نہیں تھے۔ ہمارا مسکن یہاں ہے۔''

''کیا آپ یہ نکتہ سمجھ رہے ہیں کہ میں عام لوگوں سے مختلف شخص ہوں۔''

''ہمیں معلوم ہے ...

"مگر میں آپ سے ایک بات کہہ دوں، اس وقت تو میں چلا جاتا ہوں لیکن میں اپنے عہد کی تکمیل کے لئے بے قرار رہوں گا۔"

"جب تک ہم اس حویلی میں موجود ہیں، ہم مزاحم ہوتے رہیں گے۔"

"بہتر ہے کہ آپ راستے سے ہٹ جائیں، جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، میرے پاس اس سے زیادہ ہے۔"

"بخدا جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، وہ بھی کم ہے۔ ہمیں اپنی برتری کا اظہار نہیں آتا، تاہم آپ خود محسوس کر سکتے ہیں۔"

"شاید آپ غلطی کر رہے ہیں۔ آپ اس شخص سے مخاطب ہیں جو برسوں سے انہی ہنگاموں کا عادی ہے۔ یقین کیجئے کہ آپ کے مخاطب نے ان ہنگاموں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"لیکن آپ کی آنکھوں پر ایک غلاف چڑھا ہوا ہے۔"

"جمیل! بات نہ بڑھاؤ۔ یہاں سے چلے چلو۔ نیچے بن علی کی خواب گاہ میں ایک ہجوم جمع ہو چکا ہے۔" انکا نے مجھے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔" شہزادے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ ایک چیلنج ہے، یہ ایک دھمکی ہے، مجھے دھمکیاں پسند نہیں ہیں۔ میں دوبارہ آؤں گا۔" میں نے تلملا کر کہا۔

"ہم آپ کے استقبال کے لئے موجود ہوں گے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے پھر اوپر چڑھنا چاہا لیکن انکا نے بڑی سختی سے روک دیا۔ بہت بے بسی کی حالت میں مجھے نیچے آنا پڑا۔ یہاں شور ہو رہا تھا۔ میں خواب گاہ سے بچتا بچاتا، انکا پر پیچ و تاب کھاتا حویلی سے باہر آنے میں کامیاب ہو گیا۔ راستے میں انکا خاموش رہی۔ میں نے بھی اس سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ میں گھر جا کر بستر پر دراز ہو گیا اور جب مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تو انکا نے سرگوشی کی۔

"جمیل! تم نے اچھا کیا جو وہاں سے چلے آئے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کہنے لگی۔ "تمہارے بے قرار دل کو سکون پہنچنے کے لئے ابھی بن علی باقی ہے۔ ہمارے لئے کسی طور یہ مناسب نہیں تھا کہ ہم ایسے واقعات میں جنات سے کوئی جھگڑا مول لیتے۔ ان جنات میں بعض بہت پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ جہاں رہتے ہیں وہاں کے مکینوں کے محافظ ہوتے ہیں اور ان کے لئے آفت جاں بھی۔ یہ جن بن علی کی بہنوں سے شدید وابستگی رکھتا تھا۔

چنانچہ وہ اپنی ہر طاقت بروئے کار لاتا۔ ہم ایک معمولی کام کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔"

"مگر میں ہر حالت میں اپنے عہد کی تکمیل چاہتا ہوں۔" میں نے غصے میں کہا۔

"میں نے اس پر خوب سوچا ہے۔ بن علی کا زوال قریب ہے۔ تم اسے لکھنؤ کی سڑکوں پر رسوا ہوتے ہوئے دیکھ لینا۔ کل رات میں تمہیں اشرفی بیگم کے ہاں لے چلوں گی۔ وہاں تزئین کی جگہ پر کرنے کے لئے دل نشین نامی ایک قتالہ آئی ہوئی ہے۔ تم دل نشین کو دیکھو گے تو تمہارا برا حال ہو جائے گا۔ ہر حسین لڑکی نوابین کو مطلوب ہے۔ جس طرح تزئین کے لئے خون خرابا ہوا تھا اسی طرح دل نشین کے لئے ہو سکتا ہے۔" انکا نے کہا۔

"انکا، کیا ہم بن علی کی حویلی خرید نہیں سکتے؟" اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا۔

"حویلی؟ ہم بن علی کو خرید سکتے ہیں مگر یہ کام چٹکی بجاتے نہیں ہو سکتا اس کے لئے ہمیں ایک طویل راستہ سے چلنا ہوگا۔ ہمیں بازار حسن کی حرافہ اشرفی بیگم کو اعتماد میں لے کر بن علی کی تباہی کے اسباب پیدا کرنے ہوں گے۔"

انکا نے مجھے تفصیل سے بن علی کی عادتوں کے متعلق بتانا شروع کیا لیکن اس جن کی موجودگی میں سارا منصوبہ بگڑ گیا تھا، مجھے خدشہ تھا کہ جب بن علی کو ہوش آیا ہوگا تو اس نے اپنی چوٹ کے متعلق یقیناً میرا نام لیا ہوگا۔ وہاں ایک گواہ نوشابہ بھی موجود تھی جس نے زمرد کے قتل کا پورا واقعہ سن لیا تھا۔ مجھے احساس ہوا جیسے آنے والی صبح پولیس میرے دروازے پر موجود ہو سکتی ہے۔ میں نے انکا سے اپنے اس خدشے کا ذکر کیا تو اس نے ہنس کر ٹال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ بن علی میرے حویلی میں اس طرح دیدہ دلیری سے دندناتے ہوئے گھس جانے کے باعث اب محتاط ہو گیا ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ جھگڑے کو طول دینے سے گریز کرے گا۔ دوسرے اس نے نوشابہ کے سامنے اقبال جرم کیا تھا اس لئے وہ سب سے پہلے اس کا منہ بند کرنے کے لئے اسے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔

"بن علی اس بات سے واقف ہے کہ تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔ وہ تمہیں عمر قید نہیں کرا سکتا۔ جیل میں بھیجے گا تو بہت سی باتیں کھل کر سامنے آئیں گی اور پھر رہا ہونے کے بعد تم پہلے سے زیادہ مشتعل ہو گے۔" میں انکا کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا لیکن ایک عجیب الجھن سی ذہن و دل پر طاری تھی۔ اس بر خود غلط جن کی تادیب کی خواہش بھی دل میں ابھر رہی تھی۔ ہم دونوں آدھی رات تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور جب کسی ایک نتیجے پر پہنچ گئے تو مجھے نیند آ گئی۔

صبح میں دیر سے اٹھا اور وہ بھی اس وقت جب میری بہن رخسانہ نے مجھے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ برآمدے میں سارا گھر چائے کی میز پر موجود تھا۔ ملازمین کی چہل پہل تھی۔ نفیس آڑا پاجامہ پہنے، دوپٹا

سر پر اوڑھے، ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ میں نے جلدی سے ہاتھ منہ دھویا اور میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ چھوٹی بہن نے چائے بنائی۔ چچا جان نے جھجکتے ہوئے پھر وہی بات چھیڑ دی جس کا تذکرہ وہ کئی بار کر چکے تھے۔ رخسانہ بھی میرے کولھے سے لگ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ ''ابا جان، اگر آپ اجازت دیں تو میں جمیل بھائی سے بات کرلوں؟''

میں نے یہ تذکرہ درمیان سے ختم کردیا، میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ ''رخسانہ! ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

''ہمیں اتنی جلدی نہیں ہے بیٹے لیکن......''

''میں بتاتی ہوں جمیل بھائی!'' رخسانہ نے چچا جان کی بات درمیان میں اچک لی۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے پڑوس میں بنارس کا ایک خاندان آباد ہے۔ ابھی ابھی ہم لوگوں سے اس خاندان کے تعلقات قائم ہوئے ہیں۔ کل فرزانہ وہاں ملنے کی غرض سے گئی تھیں۔ اور آپ کے لئے ایک دلہن، چاند سی دلہن پسند کرآئیں۔ سچ جمیل بھائی! لڑکی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ نام بھی بڑا خوبصورت ہے۔ روحی۔''

''رخسانہ، تم کتنی سنگدل ہو، ابھی تمہاری بھابی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہوگا۔ کوئی اور بات کرو۔'' میں نے رخسانہ سے براہ راست بات کہی۔ وہ ہونٹ چبا کر خاموش ہوگئی۔ چچا جان نے میرے چہرے پر غم کی چھائیاں دیکھیں تو موضوع بدل دیا اور کاروبار کی بات کرنے لگے، بڑی مشکل سے ان لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ چائے جلدی جلدی ختم کرکے میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے۔ انکا بیدار ہوچکی تھی اور سر پر چہل قدمی کرنے میں مصروف تھی۔ وہ خاصی چاق و چوبند نظر آرہی تھی۔ میں باہر جانے کے ارادے سے نکلا تو رخسانہ میری منتظر تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آنسوؤں کی نمی محسوس کرلی۔ وہ مجھ سے معافی مانگ رہی تھی۔ اس کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔ میں نے اسے خوش کرنے کے لئے مسکرا کر کہا۔ ''تمہیں اس شرارت کی سزا ضرور ملے گی۔ میں کل ہی کسی وقت چچا جان سے بات کروں گا کہ اب تمہاری ڈولی اٹھانے کا بندوبست کریں۔''

''بھائی جان!'' رخسانہ نے شرمیلی نظروں سے مجھے گھورا، پھر چہرے پر ہاتھ رکھ کر بھاگ گئی۔ میں ایک دلکش موڈ میں گھر سے باہر نکلا اور حضرت گنج کے ایک کافی ہاؤس میں تنہائی کا ایک کونا ڈھونڈ کر انکا سے باتیں کرنے لگا۔ مجھے آج تزئین اور کلدیپ یاد آرہی تھیں۔ انکا کو ابھی میں نے ان کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ میرا ارادہ جلد سے جلد یہاں سے جانے کا تھا لیکن درمیان میں ناظم علی، ببن علی اور اشرفی بیگم کی تثلیث آگئی۔ دوپہر کو میں نے ہوٹل ہی میں کھانا کھایا اور انکا نے مجھے اس جگہ پہنچادیا جہاں بازار حسن کے نامی گرامی دلال رہتے تھے۔ مجھے ان کی زبانی عجیب عجیب باتیں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتا چلا کہ دل

نشیں کو اشرفی بیگم نے ایک بڑی رقم کے عوض کسی کشمیری خاندان سے خریدا ہے، بہر حال میں نے ان کی جیب خاصی گرم کردی، شام کو میں گھر چلا آیا۔

مجھے رات کا انتظار تھا۔ آفتاب غروب ہوا تو میں نے ایک شیروانی نکالی۔ عطر لگایا اور نوابوں کی طرح سج بن کر اس کوچہ دلبراں کا رخ کیا جہاں سر شام حسن کے چاند جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ بالا خانوں سے رقص و موسیقی چھن چھن کر باہر آرہی تھی، خوشبوئیں بکھر رہی تھیں۔ پان کی دکانوں پر بانکے سجیلے نوجوان کھڑے گلوریاں بنوا رہے تھے۔ غرض ہر سمت زندگی شباب پر تھی۔ انکا ایک ایک چیز کو آنکھیں مٹکا مٹکا کر دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ہم دونوں کا موڈ خوشگوار تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''جمیل یہاں ان منچلوں کو کیا لطف آتا ہے؟ یہاں تو ایک انار سو بیمار والا حساب ہوتا ہے۔''

''یہ سب اس وجہ سے ہے کہ عورت نایاب ہے۔ عورت اگر عام ہو جائے تو اس بازار کی یہ رونق نہ رہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بہر حال تم پر بہت کچھ انحصار ہے۔ تم مستعد رہنا۔''

''میں آج بہت ترو تازہ ہوں۔''

''تمہیں خون کی ضرورت تو محسوس ہوتی ہوگی؟''

''ہاں، کل ناظم علی کا کچھ خون میرے حلق میں منتقل ہوگیا تھا۔''

''او ہ تو یہ وجہ ہے تمہاری شادابی کی؟''

''مگر میرے لئے تمہیں کوئی انتظام کرنا پڑے گا جمیل!'' انکا اٹھلا کر بولی۔

''جب تک دنیا میں برے لوگوں کی بہتات ہے، اس وقت تک تمہاری غذا کی بھی بہتات ہے۔ ببن علی کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''وہ......!'' انکا نے مزے لے کر کہا۔ ''مگر اس میں ابھی بہت دیر ہے۔''

لوگوں کی بھیڑ سے گزرتا ہوا میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر پہنچ گیا۔ اوپر سے کسی مغنیہ کے گانے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھا دئے۔ اوپر پہنچا تو محفل گرم تھی۔ اشرفی بیگم سازندوں کے قریب بڑے ٹھسے سے بیٹھی اس نوخیز مغنیہ کو دیکھ رہی تھی جس کے گلے میں سوز تھا۔ وہ بلاشبہ ایک حسین لڑکی تھی۔ کمرے میں آٹھ دس افراد گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے تھے اور مغنیہ کو ہوس کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں چونکہ دروازے کی اوٹ میں تھا اس لئے اشرفی بیگم اور سازندوں کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکی۔ چند ایک تماش بینوں نے مجھے دیکھ لیا لیکن وہ مغنیہ میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ مجھ پر اچٹتی نظر ڈال کر پھر ادھر مصروف ہوگئے۔ انکا نے مجھے اس نوخیز مغنیہ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ ''جمیل! اشرفی بیگم نے اپنی دکان سجانے کے لئے بڑے انمول موتی کا انتخاب کیا ہے۔ یہی دل نشین ہے۔ تین چار دن پہلے یہ اس کوچے میں جے پور سے آئی ہے۔ کشمیری ہے۔ جے پور میں رقص و موسیقی

Downloaded from Paksociety.com

کی تعلیم حاصل کر رہی تھی، اشرفی بیگم نے اسے بڑی معقول رقم دے کر خریدا ہے۔ یہ سودا پھر بھی سستا تھا۔ اب اس کا نیلام ہوگا اور لکھنو کے نوابین میں کھلبلی مچ جائے گی۔ لکھنو میں ابھی دل نشیں کے جلوے کی خوشبو نوابین کی حویلیوں تک نہیں پہنچی ہے۔ اشرفی بیگم نے اس کے حسن کے چرچے عام کرنے کے لئے چند دلال چھوڑ رکھے ہیں لیکن یہ کام اب میرے اور تمہارے ذمے ہوگا۔ ہم اس کی قیمت بڑھا دیں گے۔ یہاں اگلے چند دنوں میں تل دھرنے کی جگہ نہ ہوگی۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم اس کی نتھ کے وصول کر سکتی ہے۔"

میں نے دل نشین کو غور سے دیکھا، اس میں لوگوں کو دیوانہ بنانے کی تمام ادائیں موجود تھیں۔ دل نشین تو کوئی قیامت تھی۔ میں دروازے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا پھر بے دھڑک اندر جا کر ایک گاؤ تکئے سے ٹک گیا۔ اشرفی بیگم کی نظر مجھ پر پڑی تو اس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ غصے سے اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا۔ سازندوں نے مجھے دیکھا تو ان کے چہروں کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ میں نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور روپے نچھاور کرنے شروع کر دئے۔ جب میں نے پہلا بڑا نوٹ نکالا تو محفل کے آداب کے مطابق دل نشیں اٹھ کر میرے پاس آ گئی اور میرے سامنے بیٹھ کر مصرع دہرانے لگی۔ میں نے نوٹ کے اس کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ پھر دوسرا نوٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا، دل نشیں نے ایک دل نواز تبسم کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا۔ اس کی یہ ادا دل کو بہت بھائی۔ نوٹ تھام کر وہ جانے کے ارادے سے اٹھی تو میں نے دوسرا نوٹ نکال لیا پھر یہ سلسلہ جاری رہا تا کہ دل نشین میرے سامنے بیٹھی رہے اور کسی اور کے سامنے نہ جا سکے۔ اشرفی بیگم کانٹوں پر لوٹ رہی تھی۔ دل نشیں ان باتوں سے بے نیاز میرے سامنے بیٹھی دل نشیں انداز سے نغمہ سرائی کر رہی تھی۔ میں اس سے فرمائش کرتا رہا اور روپے نکالتا رہا، حاضرین محفل کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو بد دل ہو کر اٹھنے لگے، میں ایک گھنٹے میں ہزاروں روپے لٹا چکا تھا اور اب وہاں میرے سوا کوئی اور تماش بین نہیں رہ گیا تھا۔ میں اشرفی بیگم کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق بنی بیٹھی تھی لیکن تا بکے؟ جب دل نشیں نے غزل ختم کی اور دوسری غزل شروع کرنے سے پیشتر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گنگنانا شروع کیا تو اشرفی بیگم چپ نہ رہ سکی۔ جہاں بیٹھی تھی وہیں سے بولی۔ "بس کرو دل نشیں۔ تمہاری طبیعت نصیب دشمناں پہلے سے ناساز ہے، اب خواب گاہ میں جا کر آرام کرو۔ خورشید تمہاری کمی پوری کرنے کی کوشش کرے گی۔"

دل نشیں نے تعجب سے اشرفی بیگم کو دیکھا۔ آنکھوں آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے، پھر وہ بڑے ادب سے اپنا حنائی ہاتھ پیشانی تک لے جا کر مجھے تسلیم کہتی ہوئی اٹھنے لگی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "اگر آپ کے مزاج ناساز ہیں تو نغمہ سرائی کی زحمت نہیں دوں گا۔ آپ سے گفتگو بھی تو شعروں

سے کم نہیں، آپ تو خود ایک غزل ہیں۔"

"آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ کنیز حکم کی تعمیل کرے گی۔" دل نشیں نے اپنے تیکھے انداز میں کہا پھر میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ اشرفی بیگم ہاتھ مل رہی تھی۔ سازندے خاموش بیٹھے دزدیدہ نظروں مجھے گھور رہے تھے۔ میں نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور دل نشیں کو والہانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "آپ غالباً اس کوچہ عشرت میں نئی آئی ہیں؟"

"جی ہاں، کنیز کا یہ تیسرا دن ہے جو شرفا کے سامنے بیٹھنے کی جرات کر رہی ہے۔" دل نشیں نے شرماتے ہوئے کہا۔

"زہے نصیب۔ ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے آغاز شب میں آپ کا دیدار کر لیا۔"

دل نشیں کا چہرہ حیا سے گلنار ہوگیا۔ میں نے کہا۔ "یقین کیجئے، جو عرض کیا گیا ہے وہ دل کی آواز ہے۔"

دل نشیں نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر لجا کر بولی۔ "قدر افزائی کا شکریہ۔"

اشرفی بیگم جو ابھی تک دور ہی دور بیٹھی تھی، تیزی سے اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی ہوئی میرے قریب آ گئی اور دل نشیں سے بولی۔ "دل نشیں جان من! تمہیں آرام کی ضرورت ہے، خواب گاہ تمہاری منتظر ہے۔"

دل نشیں نے سہم کر اشرفی بیگم کے چہرے پر نگاہ کی پھر کن انکھیوں سے میری جانب دیکھ کر معذرت طلب کی۔ تسلیم کرتی ہوئی اٹھی اور اندر چلی گئی۔ اشرفی بیگم کھڑی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھئے اشرفی بیگم! آپ کا قدیم نیاز مند بارگاہ حسن میں حاضر ہے۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"جمیل میاں!" اشرفی بیگم الفاظ چباتے ہوئے بولی۔ "میں ایک ماہ پہلے بھی آپ سے دست بستہ عرض کر چکی ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ از راہ کرم آپ یہاں آنے سے گریز کیا کریں۔ میرا کاروبار یہی ہے۔ آپ کیوں ہم لوگوں کو پریشان کرنے آ جاتے ہیں؟"

"بہت خوب!" میں نے اشرفی بیگم کی جھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "گویا آپ کو اب میرا یہاں آنا بھی گوارا نہیں۔ میں یہاں آتا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں آتا۔ یہ دروازہ تو سب کے لئے کھلا ہوتا ہے۔ ویسے میں عرض کروں کہ میں پہلے بھی آپ کو پریشان کرنے نہیں آیا تھا حالانکہ آپ نے مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ باتیں تو خیر بعد میں ہوں گی، آپ مجھے دیکھ چکی ہیں۔ میں آپ کو برت چکا ہوں۔ میرا خیال ہے اب آپ کو محتاط رہنا چاہئے۔ اپنے مہمانوں سے ایسا سلوک نہ

Downloaded from Paksociety.com

کیجیے کہ وہ گستاخی کی جرات کر سکیں۔"

"دیکھیے جمیل میاں! اب بہت ہو چکا ہے۔ تزئین کا اب تک پتا نہیں ہے۔ قید خانہ، قتل، گولیاں۔ ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ آپ جب بھی آتے ہیں، کوئی نہ کوئی قیامت آتی ہے۔ خدا کے لئے ہمیں معاف کیجیے۔"

"ارے رے، آپ تو بہت خوف زدہ ہیں مجھ سے۔ میں تو حسن کا پجاری ہوں۔ سنا تھا کہ آپ کے یہاں ایک نادر چیز موجود ہے۔ سودا کرنے چلا آیا۔"

"اگر آپ کا اشارہ دل نشیں کی طرف ہے تو میں معذرت چاہوں گی۔ تزئین کے بعد بڑی مشکل سے میں نے لکھنو کے امراء کے لئے یہ قیمتی لڑکی تلاش کی ہے۔"

"سچ، آپ کو حسن کا انتخاب آتا ہے۔ آپ کے کمالات کا میں دل سے قائل ہوں۔ سارا شہر آپ کی مٹھی میں ہے۔ عہدے دار آپ کے قدموں میں رہتے ہیں۔ نوابین آپ کی ایک نظر التفات کے متمنی ہیں۔ آپ حسین ہونے کے ساتھ سنگدل بھی ہیں۔ میں نے آپ سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ بہر حال میں دل نشیں کی تعریف سن کر چلا آیا۔ اس کلی کو شگفتگی دینے کے لئے آپ نے کیا نذرانہ مقرر کیا ہے؟"

"نذرانہ آدمی دیکھ کر مقرر کیا جاتا ہے۔"

"آپ پھر میری توہین کر رہی ہیں۔" میں نے طنز کیا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔" اشرفی بیگم سنبھل کر بولی۔ "خان صاحب! آپ اس نیلام میں بولی لگا سکتے ہیں لیکن میرا خیال ہے آپ کو مایوسی ہوگی۔"

"آپ موقع تو دیجیے مجھ پر ستم تو نہ کیجیے۔"

"آپ سے ڈر لگتا ہے۔" اشرفی بیگم نے اچانک کہا۔

"میں اتنا بد صورت تو نہیں ہوں۔ آپ کی نظر فریب خوردہ ہے۔" میں نے شوخی میں کہا۔

"آپ کوئی جن ہیں، یا دیو ہیں خان صاحب۔ آپ نے پنڈت مرلی دھر کو زچ کیا۔ جیل سے صاف نکل آئے، پُراسرار طور پر تزئین غائب ہوگئی۔ آپ نے پورے شہر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ناظم علی نے حیرت انگیز طور پر خودکشی کر لی۔ یہ سب اتنے تواتر اور تسلسل سے ہو رہا ہے کہ آپ سے دور رہنے ہی میں عافیت نظر آتی ہے۔" اشرفی بیگم کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔

"میں ایک سیدھا سادا سا آدمی ہوں، حسن کا دلدادہ ہوں، غیرت مند ہوں۔ آپ نے شروع سے مجھے غلط سمجھا اور تکلیفیں اٹھائیں، آپ یکے بعد دیگرے غلطیاں کرتی رہیں یہاں تک کہ آپ نے بن علی کو میری بہن کو اغوا کرنے پر اکسایا۔ بہر حال میں یہ باتیں تفصیل سے دہرانا نہیں چاہتا۔ یہ تو بعد کی باتیں ہیں، میں دل نشیں کی محبت رنگیں کا طلب گار ہوں۔ مجھے حکم دیجیے کہ کتنا نذرانہ پیش کر دیا جائے؟"

"خان صاحب! میں فی الحال اس کا سودا کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ ابھی مجھے اس کی قیمت کا اندازہ کرنا ہے۔"

"وہ بھی کر لیجیے اور میری بھی سن لیجیے۔ میں ایک لاکھ روپے نذر کرنے پر آمادہ ہوں۔"

اشرفی بیگم نے حیرت سے مجھے دیکھا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گئی۔ "ایک لاکھ روپے! خان صاحب! آپ کو ہیرے کی پہچان ہے پھر بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ نگینہ جب نوابین اودھ کی آغوش میں جگمگائے گا تو آپ کو اس کی صحیح قیمت کا اندازہ ہوگا۔"

"میں رقم بڑھا سکتا ہوں۔ سودے بازی مجھے اچھی نہیں لگتی۔ دو لاکھ روپے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیجیے۔" اشرفی بیگم نے دیدے پھاڑ کر کہا۔

"میں یہاں آتا رہوں گا۔ آپ سوچ لیجیے اور کوئی اچھی سی غزل سنوا دیجیے۔ آپ خود بھی تو اچھا گاتی ہوں گی؟ اب بھی آپ کے تیوروں میں ان گنت حسیناؤں کا تیکھا پن ہے۔ کاٹ ہے۔" میں نے تفریحاً کہا۔

"جمیل صاحب! میں اب کہاں رہی؟ تزئین کے جانے کے بعد تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ آپ میرا مذاق نہ اڑائیں۔"

"توبہ کیجیے۔ لیکن آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی رہے۔"

اشرفی بیگم فوراً اٹھ کر چلی گئی۔ دبلے پتلے نقش و نگار کی ایک لڑکی خورشید وہاں آئی اور اس نے گانا شروع کر دیا۔ میں کچھ دیر وہاں رہا اور اپنے پہلے دن کا کام نمٹا کر چلا آیا۔ دوسرے دن صبح میں دلالوں کے اس ہوٹل میں گیا جہاں عموماً ان کی بھیڑ رہتی تھی۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بات ڈال دی کہ میں دل نشیں کے لئے دو لاکھ روپے کی پیشکش کر آیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ رات تک یہ خبر تمام نوابین تک پہنچ جائے گی اور پھر رات کو اشرفی بیگم کے ہاں بہت ہجوم ہوگا اور یہی ہوا، دوسری رات جب میں وہاں پہنچا تو امرائے شہر خاصی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ اشرفی بیگم مسرت سے کھلی جا رہی تھی اور دل نشیں کی آواز پر شباب آ گیا تھا۔ میں نے اس دن بھی روپے لٹائے لیکن احتیاط کے ساتھ۔ اس رات مجھے تنہائی کا موقع نہیں ملا۔ رات گئے تک مختلف امرا اشرفی بیگم سے دل نشیں کی باتیں کرتے رہے۔ انکا پھدک پھدک کر ان کے سروں پر جاتی رہی۔ ٹوہ لیتی رہی اور ان کا اشتیاق بڑھاتی رہی۔ بمبئی کے ایک من چلے سیٹھ داؤد بھائی نے اسی دن تین لاکھ روپے دل نشیں کے لئے طے کئے لیکن وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ اس نے میری طرح اس سے بھی کچھ سوچنے کا وقت مانگا۔ گویا کشمیر کی ایک پری چہرہ لڑکی کی دوشیزگی کا نرخ ایک رات میں تین لاکھ روپے ہو گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ حاسد نوابین ایک دوسرے کو زیر کرنے اور اپنی انا کا

سکہ بٹھانے کے لئے کس قدر بڑھ چڑھ کر بولیاں لگائیں گے اور وہ کم بخت ہبن علی...... اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی مگر یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کے گر گے اسے اشرفی بیگم کے ہاں بولی لگنے کی خبر نہ پہنچاتے اور وہ ملعون بوالہوس یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی حسین لڑکی لکھنؤ کے دوسرے نوابین کی آغوش میں چلی جاتی۔ میں جو چاہتا تھا وہ بہت خوش اسلوبی سے ہو رہا تھا۔ ہر روز رات کو میں دیوانہ وار اشرفی بیگم کے کوٹھے پر جاتا۔ وہاں دل نشیں کا پُر شباب رقص ہوتا۔ یہاں میں شمار تفصیلات، دانستہ حذف کر رہا ہوں حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ ہر اس رات کا احوال لکھا جائے جو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر گزری۔ ممکن ہے آپ حسن و جمال کا تذکرہ بیان کی طوالت پر محمول کریں۔ تاہم حسن کے ذکر میں بخل سے کام لینا میرے نزدیک گناہ ہے۔ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر حسن کا اجتماع تھا، ایک سے ایک نادر لڑکی موجود تھی۔ ایک ہفتے بعد صورت حال یہ ہوئی کہ دل نشیں بہت سے لوگوں کے لئے چیلنج بن گئی۔ اشرفی بیگم دونوں ہاتھوں سے نقدی اور تحائف لوٹ رہی تھی اور دل نشیں کی قیمت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ دل نشیں کے مشتاقان دید کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ میرے لئے یہ سب سے دلچسپ اور انوکھا مشغلہ تھا۔ انکا بھی بہت خوش خوش نظر آتی تھی، ایک دن یہ بھی سنا کہ نواب ہبن علی نے دل نشیں کی یہ شہرت سن کر اپنا خاص نمائندہ اشرفی بیگم کے پاس تحائف سے مالا مال کر کے بھیجا تھا اور غالباً اشرفی بیگم کو قیمت بڑھانے کے لئے نواب ہبن علی جیسے صاحب ذوق ہی کا انتظار تھا۔ کوئی دس دن بعد، ایک رات وہ شورہ پشت، وہ کمینہ نواب سج دھج کر اپنے مصاحبین کے جلو میں اشرفی بیگم کے بالا خانے پر طلوع ہوا، اس کے سر پر دستار بندھی ہوئی تھی، اس نے مجھے دیکھا تو تلملا کر رہ گیا۔ میں نے حسب معمول اس رات پھر دل نشیں پر روپے کی برسات کی اور دوسرے نوابین نے بھی دل کھول کر اسے نوازا۔ ہبن علی نے اپنے گلے کی مالا اتار کر دے دی۔ پھر میں نے اشرفی بیگم کو بلا کر پوچھا۔ ''اب کیا ارادہ ہے اشرفی بیگم؟ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''دیکھئے خان صاحب! بات چند دنوں میں لاکھوں روپے تک جا پہنچی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ بہر حال آپ کب تک تڑپاتی رہیں گی؟ ان لوگوں سے مجھے رقابت محسوس ہوتی ہے۔''

اشرفی بیگم نے ماہرانہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے کچھ کما لینے دیجئے۔ آپ نے دیکھا بولی دس لاکھ سے اوپر پہنچ گئی ہے۔''

''جن لوگوں کے پاس پیسہ محنت کے بغیر آ جاتا ہے، ان کے لئے دس لاکھ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔'' میں نے چٹکی لی۔ ''میری پیش کش کو اولیت حاصل ہے۔ میں نے سب سے پہلے بولی لگائی تھی۔ اس سے زیادہ دینے کو تیار ہوں۔''

''آپ مجھے مہلت دیجئے۔'' اشرفی بیگم نے درخواست کی۔

''آپ کی یہ مہلت تو میری حرکت قلب بند کر کے رہے گی۔''

ہبن علی نے اشرفی بیگم کو رازدارانہ انداز میں مجھ سے باتیں کرتے دیکھا تو منہ پھیر لیا۔ اشرفی بیگم میرے پاس سے اٹھ کر اس کے پاس چلی گئی۔ انکا ہبن علی کے سر پر پہنچ گئی۔ ان کے درمیان دل نشیں کے سودے کی بات ہوئی اور ہبن علی نے اس سے زیادہ کی پیش کش کر دی۔

پھر یہی سلسلہ چلتا رہا اور ایک مہینے کی مدت میں رقابت اور حسد کا ایسا بازو بندھا کہ کئی چھوٹے موٹے نوابوں نے ادھر جانے سے توبہ کر لی۔ ہبن علی روز آتا اور روپے لٹا کر چلا جاتا۔ اس عرصے میں اسے چند گاؤں بیچنے پڑے۔ میں خاموش تماشائی بنا یہ دلچسپ ترین تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ دنیا کا سب سے سنسنی خیز نیلام تھا۔ اشرفی بیگم لاکھوں میں کھیل رہی تھی۔ گاتے گاتے دل نشیں کا گلا بیٹھ جاتا تھا۔ وہ نوابین جو اپنے نام کی خاطر اپنی مونچھ اونچی رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے اور اپنے آپ کو داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، وہ ایک خوب صورت دوشیزہ کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے، کوئی تنگ دل بولی لگانے میں بخل سے کام لیتا تو میں انکا کو اس کے سر پر بھیج دیتا۔ اس میدان میں جیت اسی شخص کی ہوتی تھی جو پیسے کے لحاظ سے سب سے طاقت ور ہو۔ مجھے دل نشیں کے حصول کی کوئی تمنا نہ تھی، میرا مقصد تو کچھ اور تھا۔ میں دن بھر انکا کے ذریعے روپے اکٹھے کرتا اور رات کو اشرفی بیگم کے بالا خانے پر برسا دیتا۔ اب اشرفی بیگم کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ میری عزت کرنے لگی تھی۔ اس کے ہاں کی دوسری لڑکیاں میرے سامنے بچھی بچھی جاتی تھیں۔ ایک لڑکی شمیم، جسے ایک رات گومتی کے کنارے لے گیا تھا، مجھے بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی لیکن میں دانستہ دل نشیں میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اشرفی بیگم کی ہوس روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور وہ جان بوجھ کر سودے کو طول دے رہی تھی۔ مجھے دو موسم گزارنے تھے تاکہ بدری نرائن کالی کے تحفظ سے باہر نکل آئے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا اور دو ماہ گزر گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی دولت صرف کی لیکن ہبن علی کو میں نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اب اس کے پاس نقدی اور زیورات ختم ہو چکے تھے۔ پیسہ تیزی سے جا رہا تھا، کبھی وہ خود دیتا، کبھی انکا اس کے سر پر جا کر دولت لٹواتی۔ اس طرح وہ دوسرے امراء اور نوابین کے سامنے سرخ رو ہوتا اور دوسرے دن اس کے گر گے بڑھ چڑھ کر اس کے نام کے تذکرے کرتے، شہر میں ہبن علی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ دل نشیں ابھی تک اشرفی بیگم کے پاس تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہبن علی سب کچھ لٹا بیٹھا اب لے دے کے ایک حویلی رہ گئی تھی۔ وہ حویلی جس پر میری نظر تھی۔ آخر ایک دن میں منظر سے غائب ہو گیا اور دوسرے نوابین بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو گئے۔ ہبن علی کو دل نشیں کی نتھ بہت مہنگی پڑی لیکن وہ ضد کا پکا اڑا رہا اور اشرفی بیگم نے اس کی حویلی کے عوض دل نشیں کا سودا کر دیا۔ اس کے سوا ہبن علی کے پاس کچھ نہیں

رہا تھا۔ ہن علی کی حویلی اشرفی بیگم کے حوالے ہوگئی اور لوگوں نے دیکھا کہ ہن علی نے آخری رات دل نشیں کے گداز جسم کی چھاؤں میں گزار دی۔ دل نشیں کی یہ قیمت اسے سستی پڑی اس لئے کہ لوگوں نے بڑی بڑی بولیاں لگائی تھیں مگر وہ سب غائب ہوگئے۔ اشرفی بیگم کی آنکھ میں پرانے تعلق کی وجہ سے بہرحال اتنی مروت ضرورت تھی کہ اس نے دل نشیں کو ہن علی کے حوالے کر دیا۔ وہ رات آخری رات تھی۔ ایک ہفتے تک وہ اس مست ناز کے ساتھ سرمست رہا۔ پھر اگلے ہفتے اسے اشرفی بیگم کے غنڈوں نے اسے حویلی سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک نواب کا حیرت انگیز زوال تھا۔ حویلی سے سامان نکلا جو بازاروں میں آیا اور ہن علی نے اسے بیچ کر اپنے لئے کرائے کا ایک مکان حاصل کیا۔ اس کی دونوں بہنیں اور دو وفادار ملازم ساتھ تھے۔ وہ لکھنؤ کے ایک محلے میں منتقل ہوگئے۔ ہن علی کی زندگی ہی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ وہ ہذیانی انداز میں اشرفی بیگم کے ہاں جاتا اور اشرفی بیگم میرے سامنے اس سے نظریں پھیر لیتی۔

میں ہن علی کی داستان عبرت کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔ اس کی بہنیں درخشاں اور زرافشاں تو کوٹھے پر نہ بیٹھ سکیں لیکن میں نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ خود ہن علی اشرفی بیگم کے ہاں چلمیں بھرنے لگا۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے تمام اعزا اس سے دور ہوگئے تھے۔ وہ ایک بدنام اور بے عزت شخص کی طرح سے ہر طرف مشہور ہوگیا تھا اور آخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین اس طرح ہوا کہ ہن علی محض اشرفی بیگم کے بالا خانے کا ہو رہا۔ وہاں کسی مروت اور قدیم تعلق کی رعایت کی امید میں جاتا تھا۔ وہ اپنے گھر واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔ درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت اس کے دونوں وفادار ملازم کر رہے تھے۔ ہن علی مستقل طور پر اشرفی بیگم کی ڈیوڑھی پر ٹک گیا۔ اس کی حالت دیوانوں کی سی تھی۔ اسے اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ مجرے کے دوران وہ ایک کم تر کی حیثیت سے الگ تھلگ بیٹھا رہتا اور ایک ایک کا منہ تکتا رہتا۔

زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کو جی چاہتا تھا۔ ایک دن میں ان کے مکان پر پہنچا۔ وہ ایک متوسط درجے کا مکان تھا۔ میں نے خود کو ہن علی کا دوست ظاہر کیا لیکن مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ دروازے پر وہی شہزادہ نظر آیا جو ہن علی کی حویلی میں ملا تھا۔ اس نے میرا راستہ روک لیا۔

''آپ یہاں بھی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ان لوگوں کو نگہبانی کی ضرورت تھی ہم یہاں چلے آئے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میں زرافشاں اور درخشاں کی مدد کرنا …

''خوب! اب آپ ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بخدا اگر ہمیں روک نہ دیا جاتا تو ہم آپ کو دیکھ لیتے۔'' اس نے غصے میں کہا۔

''آپ کا مقصد کیا ہے؟'' میں نے تیور بدل لیا۔

''وقتی طور پر ہم مجبور ہوگئے تھے لیکن آپ اسے ہمیشہ کی مجبوری نہ سمجھیں۔'' اس نے نخوت سے کہا۔

''شاید آپ کوئی معرکہ چاہتے ہیں۔'' میں نے صاف گفتگو کی۔

''ہاں! لیکن اس وقت جب ہمیں اس کی اجازت مل جائے گی، آپ جا سکتے ہیں۔''

انکا نے پھر حسب سابق مجھے واپس چلنے کی تاکید کی۔ میں بپھر رہا تھا لیکن جب انکا ہی نے کچھ آگے کہنے سننے سے انکار کر دیا تھا تو مجھے بے نیل مرام واپس آنا پڑا۔ البتہ ایک بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ شہزادہ مجھ سے سخت برافروختہ تھا مگر کوئی طاقت اسے روکے ہوئے تھی۔ وہ طاقت کون تھی؟ میں نے انکا سے دریافت کرنا چاہا۔ انکا نے موضوع بدلنے کی کوشش کی لیکن میرے دل میں اس کی یہ مزاحمت پھانس بن کر اٹک گئی۔ میں چلا آیا۔ یوں بھی ہن علی کو اس عبرت ناک حالت میں دیکھ کر میری انتقامی شدت میں خاصی کمی آگئی تھی۔ بلکہ مجھے اس پر کسی قدر ترس بھی آنے لگا تھا۔ ہاں زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کی تمنا دل ہی میں رہ گئی۔ اب میرا کام ختم ہوگیا تھا۔ اب مجھے صرف اشرفی بیگم سے نمٹنا تھا۔ اسے میں نے اب تک ڈھیل دے رکھی تھی۔ تین مہینے سے زیادہ ہوگئے تھے۔ اسی طرح ایک موسم بھی گزر گیا اور سردیاں شروع ہوگئیں۔ دل نشیں سے اب مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ آخر ایک رات اشرفی بیگم کے بالا خانے پر میں سارا حساب کتاب چکانے کی غرض سے پہنچا۔ رنگ جما ہوا تھا۔ ہن علی ایک کونے میں دہشت زدہ سا بیٹھا تھا۔ میں نے اس پر حقارت کی نظر ڈالی اور بیٹھ گیا۔ جب سب لوگ چھٹ گئے، دل نشیں گا چکی، خورشید گا چکی تو فانوس ٹمٹمانے لگے۔ اشرفی بیگم کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ مجھ سے اجازت مانگے۔ آخر میں نے اسے قریب بلایا اور سختی سے کہا۔ ''اشرفی بیگم! اب تمہیں یہ پیشہ چھوڑ دینا چاہئے۔ گزشتہ دنوں تم نے بہت کمایا۔ جانتی ہو یہ سب کچھ کس کی وجہ سے ہوا؟'' میں نے رازداری سے پوچھا۔

''خان صاحب! کمایا کیا خاک؟ ان لڑکیوں کی تربیت پر اتنا صرف ہو جاتا ہے کہ بچتا بچاتا کچھ نہیں ہے۔ مگر آپ یہ کیسے سمجھ رہے ہیں کہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہوا؟ میں عرض کروں کہ یہ سب کچھ دل نشیں کے حسن کے سبب ممکن ہوا۔''

''بھول گئیں کہ ہم نے دل نشیں کی اوقات سے بڑھ کر اس کی بولی لگائی تھی؟ کیا گوشت پوست کے اس پنجر کی اتنی قیمت لگ سکتی تھی؟ لاکھ روپے، دس لاکھ روپے۔ لاکھوں روپے اشرفی بیگم کبھی تم نے سنا ہے کہ دوشیزگی کی اتنی مہنگی قیمت ہوتی ہے؟ تمہیں نہیں معلوم۔ سب کچھ میں نے کیا تھا اور میں نے

اپنے ایک بڑے مقصد سے کیا تھا۔ اب میں تم سے ایک چیز مانگ رہا ہوں، وہ مجھے دے دو۔ بن علی کی حویلی کے کاغذات۔" میرے لہجے میں تندی و ترشی تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ اشرفی بیگم بے حد مغرور ہو گئی ہے۔ وہ اتنی دولت کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، اس کا مزاج آسمان پر رہتا تھا پھر اس عرصے میں میری سادہ دلی سے اس کا وہ خوف بھی دور ہو گیا تھا جو شروع میں اسے مجھ سے تھا۔ وہ میرے متعلق مشہور ہونے والے افسانوں کو ایک وہم سمجھ رہی تھی اس لئے اس وقت میرے مطالبے پر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی چیخ کر کہنے لگی۔ "ارے واہ، آپ بھی کمال کرتے ہیں خان صاحب! آپ نے اپنا حق خوب جتایا ہے، آپ نشے میں تو نہیں ہیں؟"

"اشرفی بیگم! میں جس حالت میں ہوں اس کا اندازہ تمہیں ہو جائے گا۔ تم میرا مطالبہ پورا کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گی۔ اس سے قبل کہ میں تم سے کچھ اور مطالبہ کروں اور تم سے وہ تمام نقدی اور زیوارت طلب کروں جو تم نے حاصل کئے ہیں، بہتر ہے کہ تم خود سمجھ جاؤ۔" میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ بہک رہے ہیں خان صاحب۔ ایسے لوگوں سے بنے خان نمٹتا ہے۔ میں آپ سے کہتی ہوں کہ آپ ازراہ کرم یہاں سے چلے جائیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ کوئی چڑیا گھر نہیں ہے جہاں بھانت بھانت کے جانور اپنی بولیاں بولیں۔" اشرفی بیگم نے بھی سختی سے جواب دیا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔ میں تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔" میں نے مشتعل ہو کر کہا۔

سازندے اٹھ گئے تھے۔ صرف بنے خان طبلچی موجود تھا۔ بن علی بھی ایک کونے میں سمٹا بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ جب بات زیادہ گرم ہوئی اور تو تڑاخ تک نوبت پہنچی تو اشرفی بیگم نے سختی کے ساتھ مجھے بالا خانے سے نکل جانے کا حکم دیا۔

"اشرفی بیگم! میں آج کے بعد یہاں نہیں آؤں گا مگر آج میں تمہیں تمہارے گناہوں اور کمینگیوں کی سزا دینے آیا ہوں۔ آج میرے آنے کا مقصد وہ نہیں ہے جو روز ہوتا تھا۔"

"بنے خان!" اشرفی بیگم نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "جمیل احمد خان شاید زیادہ بہک گئے ہیں تمہیں انہیں راستہ دکھانے کی ضرورت پڑے گی۔"

بنے خان اشرفی بیگم کا پرانا نمک خوار تھا۔ بازار حسن میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ آدمی جسامت اور خصلت دونوں اعتبار سے خطرناک تھا۔ اشرفی بیگم کا حکم سنتے ہی وہ آستین چڑھاتا ہوا اٹھا اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولا۔ "جمیل میاں! عزت عزیز ہے تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔ بنے خان کی دشمنی مول لی تو لکھنؤ کی زمین تم پر تنگ ہو جائے گی۔ پھر یہاں کا آسمان بھی تم کو پناہ نہیں دے سکے گا۔"

بنے خان کا تضحیک آمیز جملہ سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔ بنے خان کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس عرصے میں بن علی کمرے سے

کھسک گیا تھا۔ اشرفی بیگم نے کھنکھار کر تھوکا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ میں ڈر کر جا رہا ہوں لیکن جب میں نے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر ان دونوں پر نظر ڈالی تو اشرفی بیگم کو جھرجھری آ گئی۔ البتہ بنے خان اس وقت بھی بگڑے ہوئے تیوروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم نے دروازہ بند کر کے خود اپنے لئے راہ فرار مسدود کر لی ہے جمیل احمد خان!" بنے خان نے کہا۔ "یہ آج تم پر منکشف ہو جائے گا۔"

بنے خان آگے بڑھنے لگا۔ وہاں تین نفر تھے۔ اشرفی بیگم اپنی جگہ کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ میرے لئے حالات پر قابو پانا کچھ مشکل نہ تھا چنانچہ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ بنے خان کے سر پر پہنچے۔ جب انکا میرے سر سے اتر گئی میں تو میں نے بنے خان کو مخاطب کر کے سرد آواز میں کہا۔ "بنے خان! مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو لیکن آج تمہارا واسطہ کسی اور سے پڑا ہے۔ میرے سلسلے میں تمہیں خفت اٹھانی پڑے گی۔ بہتر ہے جہاں ہو وہیں رک جاؤ اور اپنی اوقات نہ بھولو۔"

بنے خان جو اس وقت انکا کی پُراسرار قوت کے زیر اثر تھا، میرا حکم پاتے ہی رک گیا اور اس کا رویہ اچانک بدل گیا۔ اشرفی بیگم نے اسے رکتے دیکھا تو چلا کر بولی۔ "نمک حرام۔ تو ایک ٹٹنئے کی گیدڑ بھبکی سے رک گیا۔ آگے بڑھ اور اس کی انتڑیاں پیٹ سے نکال دے۔"

مجھے اسی لمحے کا انتظار تھا چنانچہ میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کر کے اسے ضروری ہدایتیں دیں اور اس تماشے کا انتظار کرنے لگا جو کچھ دیر بعد شروع ہونے والا تھا۔

"ذلیل، نطفہ ناتحقیق! کیا تو نے میرا حکم نہیں سنا؟" اشرفی بیگم نے جھلا کر بنے خان کو دوبارہ مخاطب کیا۔

بنے خان نے پلٹ کر کہا۔ "خانم! تمہارے حکم پر میں پورے لکھنؤ کی انتڑیاں باہر نکال سکتا ہوں لیکن اس کے عوض تمہیں میرا منہ مانگا انعام دینا ہوگا۔"

"دوں گی حرام زادے، دوں گی۔ تو ایک لاکھ بھی مانگے گا تو دوں گی لیکن شرط یہ ہے کہ آج اس ٹٹنئے کا صفایا کر دے۔" اشرفی بیگم غصے سے سر تا پا لرز کر بولی۔

"اگر تم جان بھی مانگو گی تو بنے خان انکار نہیں کرے گا۔ خانم، میں مدت سے تمہارا آرزومند ہوں، بس وصال کا شربت درکار ہے، اپنے اس خادم خاص سے وعدہ کر لو۔"

"کمینے تیری یہ مجال!" اشرفی بیگم آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے فرش پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر بنے خان کو مارنا چاہا لیکن اتنی مہلت نہ مل سکی۔ بنے خان نے ٹھوکر ماری اور گل دان اچھل کر دور جا پڑا۔ اشرفی بیگم نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن بنے خان نے اسے اس کا موقع نہیں دیا اور تھپڑوں اور لاتوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔

بنے خان اشرفی بیگم کو فرش پر گرا کر رگید رہا تھا اور اشرفی بیگم اسے مغلظات سنا رہی تھی لیکن بنے

Downloaded from Paksociety.com

خان گویا بہرا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں اشرفی بیگم کا جمپر درمیان سے چاک کر دیا اور اشرفی بیگم کا سینہ عریاں کر کے اس پر دانت جما دئے۔ اشرفی بیگم کی کربناک چیخیں آس پاس کے بالا خانوں سے آنے والی موسیقی کی تیز آواز تلے دب کر رہ گئیں۔ وہ بڑا خونیں اور دہشت ناک منظر تھا۔ اشرفی بیگم کا سینہ لہولہان تھا۔ بنے خان نے بڑی بے دردی کے ساتھ اسے جگہ جگہ سے کاٹا تھا۔ بنے خان درندہ بن گیا تھا۔ وہ اسے نوچ رہا تھا، بھنبھوڑ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر درندگی کا راج تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں اندر سے کوئی آ نہ جائے، میں تیزی سے لپک کر اندر گیا۔ اندر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے لیکن سارے کمرے سنسان پڑے تھے۔ معاً مجھے پچھلے راستے کا خیال آیا۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف گیا تو میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔

وہ لوگ بیرونی کمرے میں کھیلے جانے والا خونیں ڈراما دیکھ کر چپکے سے فرار ہو چکے تھے۔ بن علی بھی کہیں موجود نہ تھا۔ زیورات کی الماری کھلی پڑی تھی۔ میں نے جلدی سے پچھلا دروازہ بند کر کے چٹخنی لگادی پھر باہر آ گیا۔ اشرفی بیگم کے جسم پر نظر پڑی تو ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اشرفی بیگم عریاں حالت میں فرش پر پڑی تھی، اس کے سینے کے دونوں طرف کا گوشت غائب ہو چکا تھا۔ پیٹ درمیان سے چاک تھا۔ چہرہ لہولہان تھا۔ آنکھوں کے دونوں حلقوں سے خون ابل رہا تھا۔ گال پر جگہ جگہ خراشیں موجود تھیں۔ بنے خان اشرفی بیگم کے برابر چت پڑا تھا اور ایک خنجر دستے تک اس کے دل کے مقام پر پیوست نظر آ رہا تھا۔ ابھی میں یہ لرزہ خیز منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ انکا میرے سر پر آ گئی اور پریشان لہجے میں بولی۔ ”جمیل! گھر کے تمام افراد فرار ہو گئے ہیں۔ بن علی بھی حویلی کے کاغذات' نقدی اور زیورات لے کر فرار ہو گیا ہے۔ اب میرا اس کے سر پر جانا ضروری ہے۔ سازندے اس وقت پولیس چوکی پر اپنا بیان لکھوا رہے ہیں۔ پولیس چند منٹوں میں یہاں پہنچنے والی ہے۔ بن علی ابھی دور نہیں گیا ہوگا۔ میں اسے لے کر آتی ہوں۔“

”بن علی کو فوراً پکڑو۔ وہ پچھلے راستے سے فرار ہو گیا ہے۔“ میں نے انکا سے پریشانی سے کہا۔

”ہاں، مجھے فوراً جانا چاہئے۔ میں بن علی کو واپس لاتی ہوں۔ ابھی لمحوں میں آ جاؤں گی۔ تمہیں اسی وقت کسی طرح یہاں سے نکلنا ہے۔“ انکا نے دوبارہ پریشانی کا احساس دلایا۔

میں نے کہا۔ ”تمہیں دیر نہیں لگنی چاہئے، فوراً آنا ہوگا۔“

”حالات سمجھنے کی کوشش کرو جمیل! جو کھیل یہاں شروع ہوا تھا، اس کی اطلاع نیچے پہنچ گئی ہے۔ بن علی پھر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں جا رہی ہوں اور تم یہاں سے نکلنے اور فرار ہونے کی کوشش کرو۔“

انکا فوراً چلی گئی۔ میں نے جھری سے جھانک کر باہر کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ یہ دیکھ کر مجھے

پسینہ آ گیا کہ باہر ایک ہجوم جمع ہو رہا تھا۔ لوگ دروازے پر جمع تھے۔ گویا ابھی ابھی پولیس پہنچنے والی ہوگی۔ باہر نکلنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا کہ اس وقت انکا کیوں چلی گئی لیکن بن علی کا تعاقب بھی ضروری تھا۔ اب میرے لئے سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ ہر چند کہ اشرفی بیگم کا قتل اور بنے خان کی خودکشی کے واقعات مجھے پھانسی کے تختے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھے لیکن لڑکیوں اور سازندوں کا بیان مجھے پھنسوا سکتا تھا۔ بن علی کا فرار بھی رکاوٹیں ڈال سکتا تھا۔ وہ موقع غنیمت سمجھ کر اپنا کام کر گیا تھا۔ میں عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔ میرے اردگرد خطرے کے دائرے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے سوچا، فرار کے لئے کیوں نہ پچھلا راستہ آزمایا جائے۔ میں تیزی سے پلٹ کے پچھلے دروازے پر پہنچا تو وہاں بھی نیچے سے لوگوں کی چیخ پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ اب میرے لئے چوہے دان کی حیثیت رکھتا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں ناچار اس کمرے میں پہنچا جہاں اشرفی بیگم اور بنے خان کی لاشیں ایک بھیانک منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس وقت نیچے ہزاروں کا مجمع موجود تھا۔ اگر میں انکا کے ذریعے نکل بھی جاتا تو بھی انصاف اور قانون کی ساری مشینری حرکت میں آ جاتی۔ حالات نے بہت تیزی سے سنگین صورت حال اختیار کر لی تھی۔ انکا تو چلی گئی تھی لیکن مجھے اس عذاب میں تنہا چھوڑ گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ہوتی تو میں کیا کرتا؟ اتنے بڑے ہجوم میں دروازہ کھول کر باہر نکلنا آسان ہوتا۔ مجمع میں کس طرح میرا جسم نکلتا؟ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کروں؟ ابھی میں کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بیرونی سیڑھیوں پر متعدد قدموں کی آہٹیں ابھریں اور پھر کسی نے زور و شور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

”جمیل احمد خان! دروازہ کھول دو ورنہ ہم دروازہ توڑ دیں گے۔ پولیس تمہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔“ باہر کسی نے کرخت آواز میں کہا۔

میں پلٹ کر پچھلے دروازے پر جا پہنچا۔ جھری سے جھانک کر دیکھا تو اس طرف بھی مسلح پولیس کا ہجوم میری گھات میں تھا۔ نیچے پتلی گلی میں لاتعداد افراد اکٹھا تھے۔ کیا میں دروازہ کھول دوں؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا مگر اس طرح پولیس اور بیانات اور سزا کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ تو پھر میں کیا کروں؟ کیا میں خاموش رہوں، ہاں مجھے خاموش رہنا چاہئے۔ انکا کا انتظار کرنا چاہئے۔ میں پھر بیرونی کمرے میں آ گیا۔ سامنے والے دروازے پر پھر ایک کرخت آواز ابھری۔ ”جمیل احمد خان! میں تمہیں آخری وارننگ دے رہا ہوں۔ دروازہ کھول دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم نے مقابلے کی کوشش کی تو بھون کر رکھ دئے جاؤ گے۔ میں تمہیں پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔“

میں نے انکا کو یاد کیا، کلدیپ کو یاد کیا، جگدیو کو یاد کیا۔ پولیس کی ایک اور وارننگ مجھے مل گئی تھی اور پھر یکے بعد دیگرے اعلانات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انکا ابھی تک غائب تھی۔ میں بہت پریشان تھا۔

سخت پریشان۔ میں نے انکا آواز دی کہ وہ جہاں بھی ہو فوراً آ جائے۔

ابھی میرا جملہ ختم نہ ہوا تھا کہ بیرونی دروازہ چرچرانے لگا اور میری وحشت حد سے سوا ہوگئی۔ میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور میں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا اور زور سے پھر انکا کو آواز دی۔ وہ بیرونی دروازہ توڑ کر اندر آ گئے تھے۔ میں دوسرے کمرے میں بند ہوگیا تھا۔

باہر ایک شور برپا تھا۔ گلیاں تماش بینوں سے بھر چکی تھیں۔ دونوں دروازے بند تھے میں اور کسی غیبی مدد کی آمد کا منتظر تھا اور اس انتظار میں کہ شاید انکا آ جائے، مجھے کچھ وقت لینا تھا۔ کچھ مہلت چاہئے تھی اس لئے میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور جھلا کر انکا کو آوازیں دیں۔ بیرونی کمرے میں ابھرنے والے وزنی قدموں کی آوازیں دل پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ پولیس کے سنگین بردار سپاہی اور افسران دروازہ توڑ کر اندر آ چکے تھے۔ میرے لئے ایک ایک لمحہ جاں گسل تھا۔ انکا اس خطرناک موقع پر نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔ انکا جو اب میرے تصرف میں تھی، اس نازک موقع پر میری دسترس سے دور تھی۔

میں نے دل کی تمام گہرائیوں سے اسے پکارا۔ ''انکا مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے، تمام کام چھوڑ کر آ جاؤ۔ بن علی کو جہنم میں ڈالو، میری مدد کرو۔'' مگر میری آواز حلق کے اندر گھٹ کر رہ گئی۔ اسی لمحے باہر سے ایک کرخت آواز ابھری۔ ''جمیل احمد خان! اب تمہارے لئے بچ نکلنا محال ہے۔ قانون کی نظروں سے بھاگ کر تم کہیں نہ جا سکو گے۔ خیریت چاہتے ہو تو دروازہ کھول دو ورنہ ہم اسے بھی توڑ دیں گے۔''

میرے دل میں آیا کہ انہیں کوئی منہ توڑ جواب دوں کیونکہ میں ان کے ہاتھ کہاں آنے والا تھا۔ اگر میں خود کو تنہا سمجھتا تو اشرفی بیگم کے کوٹھے پر یہ خون ریزی کیوں ہوتی؟ میں جس کے بھروسے پر تھا وہی مجھ سے دور تھی۔ میں نے دروازے کی جھری سے باہر جھانک کر دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر افراتفری مچی ہوئی تھی۔ پولیس کے آدمی ان لوگوں کو سامنے سے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے جو اندر آ گئے تھے۔ میں چاروں طرف سے پھنس گیا تھا، تلملانے اور اپنے اوپر لعنت بھیجنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ مجھے جھرجھری آ گئی۔ میں نے جھری سے نگاہیں ہٹا لیں اور پھر کمرے کے اندر اپنے چھپنے کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ یہ ایک مرصع کمرا تھا۔ قدیم طرز کے فرنیچر سے آراستہ، ایک شاندار مسہری جس پر غالباً اشرفی بیگم دراز ہوا کرتی تھی۔ میں اس کے نیچے چھپ سکتا تھا۔ الماریاں ملبوسات سے بھری پڑی تھیں، بار بار احمقانہ ترکیبیں میرے ذہن میں آتیں اور میں جھنجلا کر انہیں مسترد کر دیتا۔ وہ اب دروازہ پیٹنے لگے تھے۔ یکایک ایک شور بلند ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے مجمع میں کوئی شخص چیختا چنگھاڑتا آگے بڑھ رہا ہو۔ یہ آواز مجھے مانوس سی معلوم ہوئی، میں نے ایک کرسی قریب کر کے دروازے کے اوپری حصے سے جھانکنے کی کوشش کی اور مجھ پر حیرتیں ٹوٹ پڑیں، میں صرف ایک دائرے میں دیکھ سکا مگر مجھے وہ نظر آ گیا۔ وہ

مردود اور ملعون شخص بدری نرائن کمرے میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ''مجھے راستہ دو۔ مجھے راستہ دو۔'' وہ چیخ رہا تھا۔

وہ لوگ حیرت سے اس کی طرف متوجہ ہو کر دیکھنے لگے۔ ''تم کون ہو مہاراج! یہاں کیسے؟'' ایک پولیس افسر نے اس کا راستہ روک کر کہا۔ ''شاید تم غلط جگہ آ گئے ہو۔''

''ہٹو۔ مجھے راستہ دو۔ میں ٹھیک وقت اور ٹھیک جگہ پر آیا ہوں۔ وہ تمہارے قابو میں نہیں آئے گا۔ میں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔ ایک عرصے بعد مجھے موقع ملا ہے، میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارا واسطہ کتنے بڑے شیطان سے پڑا ہے۔'' بدری نرائن نے گرج دار آواز میں کہا۔

''کیا تم اسے جانتے ہو؟'' پولیس افسر نے نخوت سے پوچھا۔

''میں کیسے نہیں جانتا۔'' بدری نرائن نے لہرا کر کہا۔ ''وقت کم ہے، دیر نہ کرو۔ باقی باتیں بعد میں پوچھنا۔ وہ بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہے۔ اس وقت اس کی پری انکا بھی اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ موقع غنیمت ہے، وہ اندر موجود ہے۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جاؤ۔'' بدری نرائن نے جیسے اسے حکم دیا۔

''وہ اندر موجود ہے مگر تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟'' پولیس افسر نے تشویش سے پوچھا۔

''میری اس کی پرانی دوستی ہے۔ آج میں دوستی کا حق نبھانے آیا ہوں۔'' بدری نرائن نے طنز سے جواب دیا۔ ''ٹھہرو۔ دروازہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آؤ میں اسے کھولتا ہوں، میں اسے ابھی کھولے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور بدبدانے لگا۔ پولیس کے لوگ سراسیمہ اور متوحش نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، وہ بڑے متذبذب نظر آ رہے تھے کہ آیا بدری نرائن کی باتوں کا یقین کر لیں یا اسے عام لوگوں کی طرح دھتکار کر نیچے پھینک دیں۔ مجمع پر سکوت طاری ہو چکا تھا، بدری نرائن پورے انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ دروازہ لمحوں میں کھل جائے گا اور وہ لوگ بدری نرائن کی عظمت کے قائل ہو جائیں گے۔ اتنی چھوٹی سی بات بدری نرائن کے لئے کیا اہمیت رکھتی تھی، میں نے جھری پر پردہ گرا دیا اور غیر اختیاری طور پر کرسی ہٹا کر چھپنے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ میں کمرے میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا، یقیناً بدری نرائن نے انکا کی آمد کے راستے اپنے کسی جاپ سے مسدود کر دئے ہوں گے۔ وہ میری تاک میں تھا، میں اپنے پسینے میں ڈوبنے لگا۔ لمحوں کی بات تھی، اس کے بعد میں پولیس کے چنگل میں پھنسنے والا تھا پھر وہی گرفتاریاں، پھر وہی ایذا رسانیاں۔ تھانہ، کچہری، پولیس، جیل خانہ۔ انکا کے آنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ مجھے مایوسیوں نے گھیر لیا اور میرا سانس اکھڑنے لگا۔ پھر میں نے دل کو دلاسا دیا۔ ٹھیک ہے وہ مجھے گرفتار کر لیں مگر یہ گرفتاری عارضی ہوگی کیونکہ انکا کسی نہ کسی طور پر میرے سر پر آ ہی جائے گی۔ اس جگہ نہ سہی، کسی اور جگہ سہی۔ اس وقت کے بعد سہی، لیکن تھوڑی دیر بعد پولیس کے ہاتھوں میری جو درگت بننے والی

تھی اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ جتنی دیر گزرتی جا رہی تھی، پولیس کی شدت اور شور میں اضافے کا موجب ہو رہی تھی۔ میں سہمے ہوئے انداز میں دیواروں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔ میری نظریں دروازے پر مرکوز تھیں۔ وہ اب چرمرانے لگا تھا۔ پشت کی دیوار نے میرا راستہ روکا تو میں چونکا، میں نے پلٹ کر پچھلی گلی میں کھلنے والی کھڑکی کی اوٹ سے نیچے جھانکا۔ ہجوم دیکھ کر میرے رہے سہے اوسان خطا ہو گئے، گلی میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ وہ سب سنگ دل جمیل احمد خان کی رسوائی کا تماشا دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ دروازہ پل بھر کا مہمان نظر آ رہا تھا۔ در و دیوار میری حالت پر مسکرا رہے تھے۔ پھر اچانک ایک ضرب کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ سب سے پہلے ایک باوردی پولیس افسر تیزی سے اندر داخل ہوا۔ میرا جسم سمٹ گیا۔ اسی لمحے ایک مانوس آواز نے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔ ''جمیل! کوئی آواز نہ نکالنا، جس جگہ کھڑے ہو، وہاں سے ذرا بھی جنبش نہ کرنا، پولیس تمہارا بال بیکا نہ کر سکے گی۔''

کلپنا! یہ آواز کلپنا کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے پولیس دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ لمحات آج بھی میرے تصور میں محفوظ ہیں جب میں پولیس کی نگاہوں کے سامنے کھڑا تھا لیکن قانون کے بپھرے ہوئے نگہبان مجھے دیکھنے سے قاصر تھے۔ کمرے میں اپنے مخصوص لباس میں حسین و جمیل کلپنا جلوہ گر تھی۔ ایک پولیس افسر نے آگے بڑھ کر درشت لہجے میں اس سے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟ وہ کہاں ہے؟''

''وہ کون؟ وہ تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا نے معصومیت سے جواب دیا۔

''لڑکی! وہ یہیں موجود ہے۔ ہمیں اس کا پتا بتا دو۔ وہ مجرم ہے اور زیادہ دیر تک ہمیں فریب نہیں دے سکتا۔'' پولیس افسر نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''کون مجرم؟ کس کی بات کر رہے ہیں آپ؟ جمیل احمد خان تو کب کے چلے گئے۔'' کلپنا نے اسی سادگی سے کہا۔

میں بالکل خاموش ایک کونے میں کھڑا تھا اور حیران نظروں سے کبھی کلپنا کو اور کبھی پولیس کو دیکھ رہا تھا۔ پولیس افسر بھنایا ہوا کلپنا کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے رعونت سے پوچھا۔ ''وہ کب گیا؟''

''بہت دیر ہو گئی۔ نہ جانے کتنی دیر ہو گئی۔'' کلپنا نے بچوں کی طرح کہا۔

''اور تم...... تم کون ہو اور کیا کرتی ہو؟ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟'' پولیس افسر نے بدحواسی سے پوچھا۔

''میں...... میں جناب، کلپنا ہوں۔ ایک داسی، میں نے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں تو دیر سے آئی تھی۔'' کلپنا نے فلسفیانہ انداز سے جواب دیا۔

''داسی!'' پولیس افسر نے زیر لب دہرایا پھر گرج کر بولا۔ ''لڑکی! تمہارے سامنے پولیس...

ہمیں صاف صاف بتاؤ، تم نے بار بار پکارنے پر بھی دروازہ نہیں کھولا۔ تم نے مجرم کو یقیناً کہیں چھپا دیا ہے، وہ یہاں سے کہیں نہیں جا سکتا۔ خیر ہم تم سے بعد میں نمٹ لیں گے۔ تم اس وقت خود کو گرفتار سمجھو۔ مہاراج!'' اس نے پشت کی طرف گھوم کر کہا۔ ''مہاراج کہاں گئے؟'' شاید وہ بدری نرائن کے دروازہ کھولنے کے معجزے سے متاثر ہو گیا تھا اور اپنی مدد کے لئے اسے طلب کرنا چاہتا تھا۔

بدری نرائن اس کی آواز سن کر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا مگر دوسرے ہی لمحے کلپنا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ کلپنا اور اس کے درمیان تیز تیز نظروں کا تبادلہ ہوا اور بدری نرائن بے پروائی سے پولیس افسر سے مخاطب ہوا۔ ''کیا ہے؟ تم نے مجھے پکارا مہاشے!''

''مہاراج! دروازہ کھولنے پر ہمیں یہ لڑکی نظر آئی۔ غالباً اس کا تعلق بھی اشرفی بیگم کی طوائفوں سے ہے۔ یہ کہتی ہے کہ ملزم جمیل احمد خان یہاں سے جا چکا ہے۔'' پولیس افسر نے بدری نرائن کو رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔

''جا چکا ہے؟'' بدری نرائن نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''جا چکا ہے؟ مہاشے، کیا تم سب اندھے ہو گئے ہو؟ وہ تمہارے سامنے موجود ہے، دیکھو وہ سامنے کھڑا ہے۔ وہ کون بدمعاش دیوار سے چپکا، خوف زدہ کھڑا ہے، اسے پکڑ لو۔ آج اس کا کام تمام ہوا۔''

''کون مہاراج؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں تو اس لڑکی کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' پولیس افسر نے عجیب سی نظروں سے بدری نرائن کو دیکھا۔

''کیا؟ کیا واقعی وہ تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے؟ وہ سامنے دیکھو، ارے تمہارے بالکل سامنے۔ یہ ٹنٹا سیکڑوں جرائم میں ملوث ہے، نہ جانے کتنے انسانوں کا خون کر چکا ہے، کھڑکی کے قریب سہما ہوا کون کھڑا ہے؟'' بدری نرائن نے زچ ہو کر کہا۔

''مہاراج!'' پولیس افسر نے آنکھیں ملتے ہوئے اکتا کر کہا۔ ''کھڑکی کے قریب...... کیا مذاق کر رہے ہیں؟ آپ خواب دیکھ رہے ہیں، کیا آپ...... آپ پاگل ہو گئے ہیں؟''

''اوہ...... ہو......'' بدری نرائن جیسے کچھ سمجھ کر بولا۔ ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ یہ سب اس کی شرارت ہے۔ اس سندر ناری...... یہ لڑکی...... تم اسے گرفتار کر لو۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' پھر تلملاتے ہوئے بولا۔ ''ٹھہرو...... میں اس کا توڑ کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی رانوں پر ایک زور کا ہاتھ مارا۔

اسی وقت کلپنا نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور بدری نرائن کی طرف جھٹک دیا۔ کلپنا اب تک پولیس اور بدری نرائن کی بدحواسی، دلچسپی اور سادگی سے دیکھ رہی تھی لیکن اب اس کا خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ وہ مبہم انداز میں بولی۔ ''بدری نرائن! یہ حربے پرانے ہیں، تم بار بار زک اٹھانے کے بعد بھی باز نہیں آئے؟

تمہاری شکتی نے انکا کا راستہ تھوڑے عرصے کے لئے روک دیا لیکن کلپنا کو بھول گئے۔ جاؤ، ہمارے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"دیوی۔ آج تمہارا کوئی جادو نہیں چلے گا۔ جمیل احمد خان نے دو قتل کئے ہیں۔ تم کب تک اسے بچاؤ گی۔ وہ پاپی جرم کرتا رہے اور ایک نہ ایک دن اپنی سزا کو پہنچ جائے گا۔ آج وہ دن آ گیا ہے۔ اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔" بدری نرائن نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"بدری نرائن!" کلپنا کی آواز میں نرمی تھی۔ "جمیل احمد خان پر اس وقت تک کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا جب تک میں موجود ہوں۔ تم ایک معمولی پنڈت...... اتنا بھی نہیں جان سکتے کہ میں کون ہوں۔"

کلپنا کی دیدہ دلیری دیکھ کر پولیس کا تمام عملہ چوکنا ہو گیا اور پولیس افسر نے سختی سے کہا۔ "لڑکی! زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ سیدھی طرح ہمیں اس کا پتا بتاؤ۔"

"اپنے مہاراج سے اس کا پتا پوچھو۔" کلپنا نے طنز سے کہا۔

"وہ ابھی گرفتار ہوا جاتا ہے، میں کچھ سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں دیوی! میں یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔" بدری نرائن نے بپھر کر کہا۔

"بدری نرائن! تمہارا وقت بھی قریب آ رہا ہے۔ یہ دو ماہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ مالا رانی اور نرگس کا خون تمہاری گردن پر ہے۔ مجھے طیش مت دلاؤ۔ تم یہاں سے چلے جاؤ، میں تم سے آخری بار کہتی ہوں۔"

"کیوں دیوی! کیا مجھ سے ڈر لگنے لگا ہے؟ مجھ پر مالا رانی اور نرگس کا خون ہے۔ مگر جمیل احمد خان، تمہارے اس پریمی کی گردن پر انیک منشوں کا خون ہے۔" بدری نرائن نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا پھر اس نے چھت کی طرف دیکھ کر کچھ پڑھا اور اپنے ہاتھوں کو مضحکہ خیز انداز میں جنبش دی اور میری طرف انگلی کر دی۔ قریب تھا کہ میں لرز جاتا لیکن مجھے کلپنا کی نصیحت کا خیال آ گیا اور میں سانس روکے کھڑا رہا، بدری نرائن کے اس عمل پر کلپنا نے بھی اپنی انگلی سے دائرے بنانے شروع کر دئے اور اپنا رخ بدری نرائن کی طرف کر دیا۔ ان دونوں کے درمیان یہ حیرت انگیز نوک جھوک تھوڑی دیر اور جاری رہی۔

"دیوی۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔" بدری نرائن نے مضطرب ہو کر کہا۔ "پولیس کو ساری باتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اب جمیل احمد خان کا بچنا مشکل ہے۔ میرے آنے کا مقصد یہی تھا کہ میں اصل مجرم کا پتا پولیس کو بتاؤں اور میرا کام بڑی حد تک پورا ہو گیا ہے۔"

"میرے آنے کا بھی یہی مقصد تھا کہ میں جمیل احمد خان کی مدد کروں۔" کلپنا نے دوٹوک جواب دیا۔

"سن لیا...... سن لیا تم نے پولیس کے گرگو!" بدری نرائن نے پولیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا

تمہیں یقین نہیں آیا کہ یہی وہ عورت ہے جس نے جمیل احمد خان کو اس کمرے میں موجود ہونے کے باوجود تمہاری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے اور کیا اب تمہیں یقین آیا کہ وہ دشٹ اب تک کیوں بچتا رہا ہے۔"

"ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے بدری نرائن!" کلپنا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ تم ناکام ہو چکے ہو مگر ان کے سامنے تم مزید رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

"دیوی، تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" بدری نرائن کا لہجہ دفاعی ہو گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں مگر دیوی کب تک تجھے اپنے شرن میں رکھے گی؟"

پولیس افسر اب اکتانے لگے تھے۔ وہ کلپنا اور بدری نرائن کی پُراسرار اور معنی خیز گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ایک پولیس افسر کے اشارے پر دو کانسٹیبلوں نے پلنگ کے نیچے، الماریوں، میزوں اور قد آدم آئینے کے پیچھے مجھے تلاش کرنا شروع کیا۔ انہوں نے تمام اشیا بے دردی سے الٹ پلٹ ڈالیں، اس عرصے میں دو کانسٹیبل خوف زدہ دل نشیں، غزالہ، شمیم اور خورشید کو پکڑ کر اندر لائے۔ ان میں اشرفی بیگم کے ملازم بھی شامل تھے۔ شمیم کانپ رہی تھی اور دل نشیں تصویرِ یاس بنی ہوئی مجرموں کی طرح پولیس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ یہاں موجود تھا؟" پولیس افسر نے ان سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ ہم اسے یہیں چھوڑ کر گئے تھے۔"

"مگر ممکن ہے وہ آخر میں فرار ہو گیا ہو۔" شمیم نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔

"وہ کہاں فرار ہو سکتا ہے، تم سارا گھر دکھاؤ۔" پولیس افسر نے شمیم کو حکم دیا۔ دو کانسٹیبل اسے دھکا دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

"یہ کون ہے؟" پولیس افسر نے کلپنا کی طرف اشارہ کر کے دل نشیں سے پوچھا۔

"یہ......؟ مجھے نہیں معلوم۔" دل نشیں نے لرزتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا یہ یہاں نہیں رہتی؟"

"جی نہیں۔ میں نے انہیں پہلی بار دیکھا ہے۔" دل نشیں نے خوف زدگی سے جواب دیا۔

"مہاشے! کیوں سے برباد کر رہے ہو؟ یہ ناریاں تمہیں کیا بتائیں گی، جو پوچھنا ہے اس ناری سے پوچھو۔" بدری نرائن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"بدری نرائن!" کلپنا نے اسے گھور کر دیکھا۔ "انہیں کیوں مجبور کرتے ہو، کیا تم نے اپنی ناکامی قبول کر لی؟"

"تم اسے قابو میں کر لو تو میں جمیل احمد خان کو ابھی تمہارے حوالے کر دوں گا۔" بدری نرائن نے

پولیس افسر کو حکم دیا۔ وہ خود کلپنا کے پاس جاتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ پھر بدری نرائن نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''جمیل احمد خان۔ میں اندھا نہیں ہوں۔ بہتر ہے اپنی جگہ سے چل کر خود آ جاؤ ورنہ تم وہیں اگنی میں جل کر بھن جاؤ گے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا۔

''رک جاؤ بدری نرائن!'' کلپنا نے دہاڑ کر کہا۔ اسی وقت ایک کانسٹیبل نے اس کی کلائی پکڑ لی مگر دوسرے ہی لمحے وہ چیخ کر دور جا گرا۔ اس کا یہ حشر دیکھ کر دوسرا کانسٹیبل آگے بڑھا۔ اس نے کلپنا کو قابو میں کرنا چاہا مگر معاً اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ نتیجتاً پولیس افسر کو اپنے پستول کا رخ کلپنا کی طرف کرنا پڑا۔ بدری نرائن آنکھیں پھاڑے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت دھیمی تھی، چیونٹی کی سی، یکا یک بدری نرائن کسی چیز سے ٹکرا کر گرا حالانکہ اس کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی، مڑ کر اس نے کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا کی آنکھیں سرخ تھیں۔ پنڈت بدری نرائن نے تیزی سے اٹھ کر زمین پر بے تحاشا ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں اور پاگلوں کی طرح زور زور سے کوئی جاپ پڑھنے لگا۔

''یہ شخص پاگل معلوم ہوتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل نے اپنے افسر کے کان میں کہا۔

''چپ رہو۔ کیا تم نے اسے دروازہ کھولتے نہیں دیکھا تھا؟''

بدری نرائن جب اٹھ کر کھڑا ہوا تو کلپنا تڑپ رہی تھی اور مچل رہی تھی جیسے کوئی قوت اسے شدید اذیت پہنچا رہی ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی لیکن کلپنا ایک لمحے میں سنبھل گئی اور بدری نرائن جو میرے قریب آ گیا تھا، الٹے قدموں پیچھے کی طرف ہو گیا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے مہاراج!'' پولیس افسر نے جھنجلا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ یہ ناری ایک مہان پنڈت سے الجھ رہی ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ آگ سے کھیل رہی ہے، تم دیکھتے رہو۔'' بدری نرائن نے اسے حکم دے کر زمین پر گر گیا اور ماتھے سے زمین رگڑنے لگا۔

پولیس افسر نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کلپنا کی طرف دیکھا۔ کلپنا اس وقت مضطرب نظر آ رہی تھی۔ یکا یک اس کی انگلیوں میں تناؤ پیدا ہوا اور وہ بھی پھرتی کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ گئی۔ اس نے زمین پر اپنی انگلی سے ایک مثلث بنایا اور اس میں ٹھوکے مارنے لگی۔ اس آواز نے کمرے میں گرج پیدا کر دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار لرزنے لگے ہیں، پولیس دہشت سے پیچھے ہٹ گئی۔ دل نشیں، غزالہ اور خورشید چیخیں مار کر پیچھے ہٹ گئیں۔ بدری نرائن اپنے جاپ میں مصروف تھا۔ جب اس نے سر اٹھایا تو اس کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ سارا کمرا چیخوں سے گونجنے لگا جیسے ایک معرکہ کارزار گرم ہو۔ بدری نرائن کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں کمرے میں چند پولیس والے، میں، بدری نرائن اور کلپنا موجود تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ مجھ پر حال کنی کا عالم طاری تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں کلپنا ناکام نہ ہو جائے۔

آج بدری نرائن ہر وار کرے گا۔ اپنے کمان کا ہر ترکش آزمائے گا۔ نازک اندام کلپنا کالی کے اس سیوک سے کب تک لڑے گی؟ وقت گزر رہا تھا کمرے میں بھیانک قسم کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میرے قدم لرز رہے تھے اور دل ڈول رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کھانس اور کھنکھار بھی نہیں سکتا تھا۔ کمرے میں شور و غل کی آوازیں دیر تک گونجتی رہیں۔

''بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز شور میں گونجی۔ ''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں کالی کی پناہ میں آئے ہوئے ایک سیوک کو نشٹ کر دوں۔ یہ جاپ بند کرو، کالی دیکھ رہی ہے...... وہ یقیناً مجھے شما کر دے گی۔ وہ دیکھ رہی ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو۔ میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں کہ ان جاپوں سے باز آ جاؤ۔ میں یہاں سے کسی وقت بھی جا سکتی ہوں۔ میں پہلے ہی چلی جاتی لیکن تمہیں یہ بتانا ضروری تھا کہ اب جمیل احمد خان کا خیال تمہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ دیوی کے سیوک موجود ہیں۔ تم آج پھر بہک گئے بدری نرائن!'' کلپنا کی آواز میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ بے ہنگم شور اس آواز کے نیچے دب گیا تھا۔

جب وہ خاموش ہو گئی تو بدری نرائن نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا۔ ''پانچ مر گئے ہیں، اب صرف تیرہ باقی ہیں۔''

''وہ پانچ مرے نہیں ہیں، انہیں ہٹا لیا گیا ہے۔ یہ تیرہ کافی ہیں۔'' کلپنا نے چھت کی طرف گھور کر کہا۔ ''کیا میں ان پانچوں کو دوبارہ بلاؤں؟ تمہارے پاس تو تین ہیں مگر وہ ان پر بھاری ہیں۔''

''میں اور بلا سکتا ہوں۔''

''تمہیں شرمندگی ہو گی۔''

''میں آج فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''فیصلے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ فیصلہ بھی جلد ہو جائے گا۔ وقت اب کم ہی رہ گیا ہے۔'' کلپنا نے پُر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔ ''میں جا رہی ہوں۔ میری یہاں موجودگی ضروری نہیں، اور سنو...... وہ بھی میرے ساتھ ہے۔'' کلپنا نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے ان کی تعداد بڑھا دی ہے۔ تم اسے یہاں سے نہیں لے جا سکتیں۔ اس کے ساتھ نیائے ہو گا۔''

''کیا تم گنتی کر سکتے ہو؟ لو دیکھو۔'' کلپنا کی آواز گونجی۔

بدری نرائن نے سراسیمہ ہو کر، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ چیخ پکار اور تیز ہو گئی تھی۔ پولیس افسر بدری نرائن کو گھورنے لگا۔ بدری نرائن نے اسے دور پھینک دیا۔ پسینے سے اس کا جسم شرابور ہو گیا تھا۔ اسی وقت کمرے میں لوبان کی خوشبو مہکنے لگی اور لوبان کے دھوئیں نے سارے کمرے کا

لگیں۔ بدری نرائن اور کلپنا، احاطہ کرلیا۔ وہ دھواں اتنا بڑھا کہ سامنے کی چیزیں نظروں سے اوجھل ہونے لگیں۔ بدری نرائن اور کلپنا، پولیس کے لوگ، سب کے سب دھوئیں میں اٹ گئے۔ عود وعنبر اور کئی قسم کی خوشبوؤں سے کمرا مہک رہا تھا اور ہر طرف شور برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسے لرزہ خیز وقت میں کلپنا نے مجھے پکارا۔ ”جمیل! اب تم اس کھڑکی کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ خیال رہے کہ تمہارا جسم ان میں سے کسی کے جسم سے مس نہ ہو۔“

میں نے اس کی ہدایت اور اپنے اندازے کے مطابق کمرے کے مشرقی کونے کی طرف آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کردیا۔ ابھی میں کھڑکی کے پاس سے ہٹا ہی تھا کہ بدری نرائن کی آواز گونجی۔ ”وشنو! وہ جارہا ہے۔ وہ اسے لے جارہی ہے۔ پھر وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ تم اسے پھر کھو رہے ہو۔ گولیاں چلاؤ۔“

”تمہارا اس شہر میں رہنا مناسب نہیں ہے۔ اپنی آنکھیں بند کرلو۔“ میں نے اس کے حکم پر سختی سے عمل کیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ کمرے میں اندھا دھند فائرنگ ہورہی تھی۔ بدری نرائن چیخ رہا تھا۔ ”ہر سمت نشانہ باندھو۔“ آنکھیں میچتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے پاؤں فضا میں معلق ہوچکے ہوں۔ ہواؤں کی سنسناہٹ اور لوگوں کی چیخ و پکار میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں دور ہوتی گئیں اور میں اپنے حواس کھونے لگا۔ پتا نہیں کتنی دیر گزری۔ کتنے دن گزرے...... کتنے عالم گزرے، یہ وقت میری زندگی میں شامل نہیں ہوتا۔ جب مجھے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا تو میں ایک ویرانے میں پڑا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی آدمی کا نام ونشان نہ تھا البتہ وہ ایک سرسبز جگہ تھی۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا۔ میری پشت پر کلپنا موجود تھی۔ وہ سرتاپا حسن کلپنا، ہری ساڑھی میں کھلی جارہی تھی۔ اس کا دودھیا بدن میری نظروں میں چکاچوند پیدا کررہا تھا۔ اس وقت وہ بڑی معصوم اور بھولی بھالی نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تو تمام پریشانیاں بھول کر محو نظارہ ہوگیا۔ کلپنا کے چہرے پر ایک عجیب دل نواز تبسم پھیلا ہوا تھا۔ اس نے مجھے محو نظارہ دیکھا تو شرمگیں نگاہوں سے بولی۔ ”تم ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے تھے۔“

”ہاں، اگر تم نہ آتیں اور میری مدد نہ کرتیں تو میں آج کہیں کا نہ رہتا۔ میں تمہارا احسان مند ہوں۔“ میں نے عقیدت سے کہا۔

”مجھے وہاں پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، وہ تمہاری تاک میں تھا۔ آج ہی اس نے تمام انتظام کیا تھا۔“

”مگر کلپنا دیوی! تم تو حیرت انگیز طاقتوں کی مالک ہو۔ تم نے مجھے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا۔ آخر تم ہو کون؟ اور کیسے میری مدد کو آجاتی ہو؟“ میں نے سراپا اشتیاق بن کر پوچھا۔

”میں ایک داسی ہوں، مجھے حکم ملا تھا، میں حاضر ہوگئی۔“

”کلدیپ نے کہا ہوگا۔ مجھے گمان ہے کہ تم کلدیپ کا کوئی روپ ہو۔ کلدیپ نے مجھ سے کہا تھا کہ تم انتہائی خطرناک حالتوں میری مدد کروگی۔“

وہ شرما سی گئی۔ ”میں کون ہوں، یہ بات چھوڑ دو۔ بہت سی باتیں پوچھی نہیں جاتیں۔“

”مگر یہ کیا ستم ہے۔ تم میری مدد کرتی ہو اور مجھے اس پاپی سے نجات دلاتی ہو جو میری جان کے پیچھے پڑا ہوا پھر بھی مجھے تمہارا اتا پتا بھی نہیں معلوم۔“

”میں تمہارے قریب ہی رہتی ہوں اور جب تمہارے قریب نہیں رہتی تو تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔“ کلپنا نے شیریں لہجے میں کہا۔

”مجھے اندازہ ہے لیکن اس سے سوا کی خواہش کو جی چاہتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ پاس رہو۔ اتنی حسین لڑکی کی قربت زندہ رہنے کا احساس جوان رکھتی ہے۔“

میری باتوں کو جواب جن نظروں سے دیا گیا، ان میں خلوص تھا، اپنائیت تھی، خمار تھا۔ میرا دل چاہا کہ وقت کی رفتار تھم جائے۔ میں اس کے سراپا میں ڈوبا ہوا تھا کہ وہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ”میں جارہی ہوں۔ تم ایسے گمبھیر حالات میں نہ پڑا کرو۔ تمہارے دشمن بہت ہیں۔“

”تم کہاں جارہی ہو؟“ میں نے اداسی سے کہا۔ ”میں کہاں ہوں؟“

”تم اپنی کلدیپ کے قریب ہو۔ یہ راستہ اوپر کلدیپ کی کٹیا تک جاتا ہے۔ ترئین بھی وہیں ہے۔“

”مگر تم کیوں جارہی ہو؟ تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتیں؟“

”کام ختم ہوچکا ہے۔ میں تم سے ملتی رہوں گی، یہ میرا وچن ہے۔“

”میں تمہارے احسان تازندگی فراموش نہیں کرسکتا۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری دعا ہے کہ تم سدا سکھی رہو۔“

”تمہاری باتوں سے کلدیپ کی خوشبو آتی ہے۔ کہیں تم کلدیپ ہی تو نہیں ہو؟ مجھے بتاؤ نا کہ تم کون ہو؟“ مگر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ چشم زدن غائب ہوگئی۔ میں اس سے انکا کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ کسی چھلاوے کی طرف فضاؤں میں تحلیل ہوگئی۔ میں دیر تک گم صم بیٹھا اس کے ہوش ربا نظارے اور اس کے ملکوتی حسن میں کھویا رہا۔ پھر آخر تھکے ہوئے انداز میں اٹھا۔ میرے سامنے ایک پگڈنڈی تھی، میں نے اوپر نگاہ کی اور اونچے نیچے راستوں پر بڑھنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ تھک گیا ہوں، میں کہیں بھی گر پڑوں گا۔ کیا میں اتنے محیر العقول، لرزہ خیز ہنگاموں کا متحمل ہوسکوں گا؟ میں کب تک زندہ رہوں گا؟ زندگی کا یہ نازک تار تو ان حوادث میں کسی

وقت بھی ٹوٹ جائے گا۔ میں اوپر چڑھنے لگا۔

☆......☆......☆

دنیا میں یہی ایک جگہ میرے لئے سب سے محفوظ تھی۔ اوپر کے راستوں پر چلتے چلتے میں کئی جگہ پھسل پڑا۔ بارش ہو چکی تھی لیکن اس کے تاثرات ابھی تک باقی تھے۔ سارا علاقہ سبزہ زار بنا ہوا تھا۔ ذہن پریشان تھا اور اشرفی بیگم کا واقعہ بار بار یاد آ جاتا تھا۔ درختوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ سنبھلتا، سنبھلتا، ان گنت فکریں اور یادیں تازہ کئے میں جھرنے کے قریب پہنچ گیا۔ جھرنے کی آواز سے مالا بے اختیار یاد آ گئی۔ بہت ضبط کیا مگر دل قابو میں نہ رہا۔ آنکھیں جلنے لگیں، ایک لمحے کو رک کر میں نے جھرنے سے پانی پیا اور دو چلو اپنے منہ پر ڈال لئے۔ میرے آنسو پانی میں بہہ گئے اور میں اپنا شکستہ دل لئے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میرے ذہن میں آنے والے دنوں کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ میں اپنی زندگی کا صرف ایک مقصد سمجھتا تھا اور وہ تھا، بدری نرائن کی بربادی۔ جس طرح میں نے تربینی سے انتقام لیا تھا اور ان تمام لوگوں کو تہ خاک کر دیا تھا جنہوں نے مجھ پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے۔ اسی طرح میں اس پنڈت کو بھی بلکتا، تڑپتا اور معذور و مفلوج دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اس بار کلدیپ سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا تھا کہ اب مجھے انتظار گوارا نہیں ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے تو پھر نہ جانے کیا ہو جائے گا۔ وہ پنڈت اپنی طاقت بڑھانے اور تحفظ کے خیال سے کالی کے قرب کے لئے یقیناً ریاضت میں مصروف ہوگا۔ چنانچہ جتنے دن گزر رہے ہیں وہ میرے حق میں ہلاکت کا سبب بن رہے ہیں۔

میری رفتار میں تیزی آ گئی اونچے نیچے راستے طے کرتا ہوا جب اپنی محبوبہ، اپنی محسنہ کلدیپ کی حدود میں پہنچا تو وہ اور تزئین مجھے کٹیا کی منڈیر پر نظر آئیں۔ تزئین ایک سادہ سی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ وہ بے اختیار آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ میری آغوش میں مچلنے لگی۔ میں اس کی کمر پر تھپکیاں دیتا ہوا کلدیپ کی طرف بڑھا۔ میں بے اختیار اس سے چمٹ جانا چاہتا تھا لیکن تزئین کی موجودگی میں اس جذباتی مظاہرے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہم دونوں میں زبانی طور پر رسمی گفتگو اور نگاہوں نگاہوں میں غیر رسمی گفتگو ہوئی۔ وہ دونوں اس حیات آفریں اور سرسبز و شاداب خطے میں نوخیز پھولوں کی طرح شاداب تھیں بلکہ پہلے سے زیادہ نکھر گئی تھیں۔ کٹیا کے اندر داخل ہونے کے بعد تزئین نے لکھنو کے بارے میں بے شمار سوال کر ڈالے۔ میں نے اشرفی بیگم کے قتل کا واقعہ اسے نہیں بتایا کیونکہ اسے یقیناً ملال ہوتا بہر حال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تزئین نے میرے اور اپنے رشتے کا احترام دل میں خوب بٹھا لیا ہے۔ وہ بڑی اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی اور مجھے ایک بھولی بھالی بچی کی طرح نظر آ رہی تھی۔ بے حد سادہ اور معصوم لڑکی۔ میں اپنی بچی کے حسن کی تعریف خود کیسے کروں؟ خدا نے ایک پری زمین پر اتاری تھی۔ اس کا دل نازک، احساسات لطیف اور انداز بیان شیریں تھا۔ اس سے باتیں کرنے میں دل پر ایک عجیب

خوشگوار کیفیت طاری ہوتی تھی۔ وہ میرے بارے میں بہت کم جانتی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ یہ احترام کس شخص کے لئے دل میں لئے ہوئے ہے۔ میں اس سے باہر کی دنیا کے بارے میں دلچسپ باتیں کرتا رہا اور کلدیپ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی۔ وہ ضد کرنے لگی کہ اب اسے اس طرح چھوڑ کر مجھے کہیں نہیں جانا چاہئے۔ بہت دیر بعد اس کی طولانی گفتگو ختم ہوئی اور وہ میرے لئے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔ کلدیپ اور میں تنہا رہ گئے۔ میں نے اسے اور اس نے مجھے پاس سے دیکھا۔ پھر مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں باتابانہ اٹھا اور لپک کر کلدیپ کو گود میں اٹھا لیا۔ اسے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ سفید ساڑھی میں ملبوس میری محبوبہ گلاب کے مانند شگفتہ تھی۔ اس کے چہرے پر تقدس تھا۔ وہ بری طرح کسمسانے اور تلملانے لگی۔ ”مجھے چھوڑ دو۔“ اس نے کسی قدر برہمی سے کہا۔ ”یہ کیا کرتے ہو؟ وہ کسی بھی وقت اندر آ سکتی ہے۔“

”آنے دو۔ میں اس سے کب تک چھپاؤں گا۔“ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”مجھے تمہارا قرب درکار ہے۔ اس وقت مجھے منع مت کرو۔ میرا دل بہت بھرا ہوا ہے۔“ میں نے اسے نہیں چھوڑا اور اسے سینہ سے لگانا چاہا۔

وہ تڑپ کر میری آغوش سے گر پڑی اور اپنی ساڑھی درست کرنے لگی۔ ”ہوش میں آؤ جمیل! ایک بار پہلے بھی ہم اس جذباتی غلطی سے نقصان اٹھا چکے ہیں۔ میرے لئے یہ باتیں کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔ اب میں ماضی سے تمام رشتے توڑ چکی ہوں۔“

”میرا تعلق بھی تو ماضی سے ہے کلدیپ! اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے بھی تعلق توڑ دیا۔“ میں نے برہم ہو کر کہا۔ ”کیا تم مجھے اپنے جذبات کا اظہار بھی نہیں کرنے دو گی؟“

”میں اپنا نفس مار چکی ہوں۔“ اس نے اداسی سے کہا۔ ”ضروری نہیں کہ جذبات کے اظہار کا یہی طریقہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ تمہارا اور میرا تعلق ان مظاہروں کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنے نفس کی قربانی دے کر حاصل کیا ہے، تمہیں میری ضرورت ہے۔ چاروں طرف تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارے کام آنے کے لئے میرا پاکباز رہنا ضروری ہے۔“

”تم میرے لئے اتنا ایثار مت کرو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔ مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔ آخر میں کب مروں گا۔“ میں نے مضطرب ہو کر کہا۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنا چہرہ اس کے سیاہ دراز بالوں میں چھپا لیا۔ پھر میرا سر ڈھلکتے ڈھلکتے اس کے سینہ تک آ گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ میں زندگی میں پہلی بار اتنا رویا، اتنا رویا کہ میرا سانس اکھڑنے لگا۔ کلدیپ کا سارا بلاؤز میرے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ وہ اس عرصے میں ساکت و جامد کھڑی رہی۔ میں ہچکیوں سے روتا رہا۔ ایک سیلاب بہہ پڑا جو مدت سے رکا ہوا تھا۔ آنسو زبان رکھتے ہیں۔

میری زبان بند تھی مگر آنکھیں گفتار پر آمادہ تھیں۔ آنسو زندگی ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو آدمی اپنے اندر ختم ہو جائے۔ میرا غم بہہ رہا تھا۔ میرا اضطراب بہہ رہا تھا۔ کلدیپ کے سوا کون تھا جسے میں اتنے قریب کر کے اپنی زخم دکھا سکتا۔ کہاں کہاں کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ میرے آنسوؤں نے ایسا اثر کیا کہ کلدیپ کے بازو وا ہوئے اس نے زور سے مجھے بھینچ لیا۔ پھر اچانک اس کے ہاتھ مجھ سے جدا ہو گئے۔ اس نے اپنی ساڑھی کے پلو سے میرے آنسو پونچھے۔ میں نے سر اٹھا کر رحم طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"سنبھلو جمیل!" اس کی آواز میں درد تھا۔ "تم تو بالکل بچے بن گئے؟ دیکھو تزئین آتی ہو گی۔ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھے گی تو کیا کہے گی؟"

میں اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا کہ میں اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ بس میرا دل رونے کے لئے بے تاب تھا چنانچہ میں جی بھر کے رویا، زار و قطار رویا۔ پھر کلدیپ نے تزئین کے آنے سے پہلے مجھے قابو میں کر لیا۔ تزئین نے آتے ہی کٹیا کا سوگوار ماحول تبدیل کر دیا اور شگفتہ و شوخ باتیں کرنے لگی۔ یہ میرا گھر تھا، کلدیپ مجھ سے دور دور رہتی تھی لیکن وہ ہر وقت میرے قریب رہتی تھی۔ جی ذرا سنبھلا تو ہر چیز اچھی لگنے لگی اور میں نے سوچا کہ اب ساری عمر یہیں گزاروں گا لیکن تزئین...... مجھے اس کا کوئی انتظام کرنا تھا۔ تزئین کی وجہ سے مجھے باہر دنیا میں جانا پڑتا اور اسے کسی اچھے گھر کے سپرد کر دینے کے بعد ہی دنیا کے ہنگاموں سے نمٹ سکتا تھا۔ زندگی میں دو ہی تمنائیں رہ گئی تھیں، لیکن یہ یہاں کی بات تھی۔ باہر کی دنیا میں آدمی کو خود پر اختیار نہیں ہوتا۔ ہر طرف ترغیب اور طمع کا جال پھیلا ہوا ہے، کوئی کیسے اپنا دامن بچا سکتا ہے۔ پہلا دن یوں ہی گزر گیا۔ دوسرے دن میں حسب سابق تزئین کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ کلدیپ اپنے جاپ میں منہمک تھی۔ دوبارہ تخلیے کا موقع فراہم ہونے میں مجھے خاصا وقت لگ گیا۔ مجھے اس سے بے حد ضروری باتیں کرنی تھیں۔ انکا اب تک غائب تھی۔ اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا، چچا جان کی خیریت دریافت کرنی تھی۔ آخر تین دن گزرنے کے بعد کہیں اس کا موقع ملا۔ تزئین جھرنے پر پانی بھرنے گئی ہوئی تھی۔ میں نے کلدیپ سے کلپنا کے پُراسرار وجود کا تذکرہ کر کے اس کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکرا کر ٹال گئی۔ میرے اس شبہے نے اور تقویت پکڑ لی کہ کلپنا یقیناً کلدیپ کا پہر تو ہے۔ کلدیپ سے کچھ بعید نہیں تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک بہت بڑے پجاری پریتم لال کی جانشین تھی۔ اس نے مختصر سی مدت میں کامل، انہماک اور پیہم استغراق سے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا۔ جب تزئین کا ذکر آیا تو کلدیپ نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے اچھا کیا جو اسے اشرفی بیگم کے بارے میں نہیں بتایا۔ ویسے وہ اس کی حقیقی ماں نہیں تھی۔"

"کیا مطلب؟...... یعنی......" میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

کلدیپ بولی۔ "وہ آگرے کے ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن حوادث اور سوئے اتفاق نے اسے بہت بچپن ہی میں اشرفی بیگم کے ہاں لا ڈالا تھا۔"

"سچ......؟ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ مر چکے ہیں۔ اشرفی بیگم نے ان دونوں کو زہر دے کر تزئین کو اغوا کر لیا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے بے خیالی میں پوچھا۔ حالانکہ یہ سوال غلط تھا۔ کلدیپ جواب میں صرف مسکرا کر رہ گئی۔ میں نے کہا۔ "یہ تو دلچسپ انکشاف ہے۔"

"مگر وہ ایک طوائف ہی کی لڑکی ہے۔ اس لئے کہ تزئین کی ماں اشرفی بیگم کی سگی بہن تھی۔ اس نے اشرفی بیگم کو چھوڑ کر ایک نواب سے شادی کر کے پیشہ ترک کر دیا تھا اور جب اس کے بطن سے لڑکی ہوئی تو اشرفی بیگم اپنی بہن سے انتقام لینے کے لئے اس کے گھر پہنچ گئی اور اس نے نہایت مہارت سے دونوں میاں بیوی کو قتل کر کے لڑکی ہتھیا لی۔ بہر حال اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کس کی بیٹی ہے۔ وہ ایک بہت ذہین اور شریف لڑکی ہے۔ سوچتی ہوں اگر وہ نہ ہوتی تو کیا میں اتنی دیر تک یہاں اکیلی رہ سکتی تھی؟"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اشرفی بیگم اپنے انجام کو پہنچ گئی؟"

"ہاں یہ تو ہوا مگر وہ مرتے مرتے تمہارے لئے ایک مصیبت کھڑی کر گئی ہے۔ ویسے اپنے بہت سے مصائب کا سبب تم خود ہو۔"

"کیا تم بھی ایسی باتیں کرو گی؟ میں خود اپنی نظروں میں مجرم ہوں۔ تم تو میری خطا معاف کر دیتی ہو۔ تم نے تو بھگتی کی حد کر دی ہے۔" میں نے شکایتاً کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم ایک شرارتی بچے ہو۔ تم بڑے ضدی ہو۔ میری بات دوسری ہے۔ اگر میں ہی تمہاری باتیں نظر انداز نہیں کروں گی تو پھر کون کرے گا؟" کلدیپ نے یاسیت سے کہا۔

"کاش، میں تمہیں کچھ دے سکتا مگر میں ایک تہی دست شخص ہوں۔ ہمیشہ میرا ہاتھ تمہارے سامنے دراز رہتا ہے۔ تم اتنے بڑے منصب پر پہنچنے کے بعد بھی مجھ جیسے گناہ گار شخص کی مدد کرتی ہو۔ یہ تمہارے ایثار اور عظمت کی دلیل ہے۔"

"تم یہ باتیں کر کے مجھے دکھ پہنچا رہے ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف تمہی کو عزیز رکھا ہے۔ تمہارا خیال کر کے مجھے ایک سکون ملتا ہے۔"

"تم عشق کی دیوی ہو۔ میں جب اپنے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے شرم آنے لگتی ہے۔ میں اپنی نظروں سے گر جاتا ہوں۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے کہ تم میری عقیدتوں کا جواب کس طرح دیتے ہو۔ میں تو صرف تمہاری

یاد سے ایک لذت محسوس کرتی ہوں۔تم جواب دیتے ہو، یہ میری خوش بختی ہے۔"

کلدیپ پر جذبات غالب تھے۔اس کے بیان میں تاثر تھا۔میں نے موقع غنیمت جان کر اس سے بدری نرائن کا ذکر چھیڑ دیا۔

میری باتیں سنتے سنتے اچانک کلدیپ کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس بدبخت نے پنڈت پریتم لال کے اس علاقے پر بھی حملہ کرنے کی جرأت کی تھی۔اس نے کئی بار اپنی طاقت آزمانا چاہی مگر وہ ہر بار ناکام ہو گیا پھر آخر تھک کر اس نے تم سے زور آزمائی کا ارادہ ترک کر دیا تھا لیکن اشرفی بیگم کے بالا خانے پر جب تم مصیبت میں گھر گئے تو اس نے ایک کوشش اور کر ڈالی۔اس کے ذہن و دل سے تم نہیں نکل سکے تھے۔اس نے اپنا کام خوب کیا۔کم بخت نے تمام راستے بند کر دئے تھے۔کلپنا کو بھی اس کا حصار توڑنے میں مشکل پیش آئی تھی۔انکا بھی وہاں پہنچنا چاہتی تھی مگر وہ حصار بروقت نہ توڑ سکی۔وہ اس میں کامیاب ہو جاتی مگر کچھ وقت لگتا۔انکا پُراسرار طاقتوں کی جنگ سے بچتی ہے کیوں کہ اسے جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں وہ کچھ اور ہیں۔وہ بہت مجبور ہو کر اور اپنے لئے خطرہ مول لے کر کوئی انتہائی کام سرانجام دیتی ہے۔تم نے ایک عرصہ انکا کے ساتھ گزارا ہے تمہیں معلوم ہے کہ اس کی صلاحیتیں کتنی محدود اور کتنی وسیع ہیں؟ انکا کو جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کلپنا تمہاری مدد کو پہنچ چکی ہے تو وہ مطمئن ہو کر اپنے دوسرے کاموں میں لگ گئی تھی۔"

"مگر وہ اب تک غائب کہاں ہے؟"

"وہ تمہاری وجہ سے اب تک نہیں آئی لیکن بس وہ آیا ہی چاہتی ہے۔اسے تمہارے بغیر چین نہیں آتا۔"

"تم رقابت کی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"ہاں میں سوچتی ہوں کاش میں انکا ہوتی۔انکا تمہیں بہت عزیز ہے نا؟"

"مگر تمہیں معلوم ہے کلدیپ، میں اس زندگی سے تنگ آ چکا ہوں۔میرے دن ضائع ہو گئے۔تم سے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہے۔یہ زندگی میں نے خود اختیار نہیں کی تھی۔اسی شریر انکا نے مجھے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور کیا تھا۔پھر میں اس میں گلے گلے پھنس گیا۔انکا نے دنیا کے لطف سے ایسی چاٹ لگائی کہ میں اس کا عادی ہو گیا۔میرے منہ کو خون لگ گیا لیکن اب مجھے خود سے ہول آنے لگا ہے۔بڑی بھول ہو گئی مگر میرے اختیار میں کیا تھا؟"

"میں وضاحت طلب نہیں کر رہی ہوں۔" کلدیپ نے ایک ادا سے کہا۔

رات کو ہم تینوں اس کٹیا میں سوتے تھے۔رات کو جب سناٹا چھا جاتا اور میں کٹیا کے دوسرے حصے میں چلا جاتا تو میرا دل بے اختیار کلدیپ کی طرف کھنچنے لگتا۔مجھے اس کی حالت پر ترس آتا تھا۔میں

سوچتا، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں کلدیپ کو اداس اور تنہا زندگی سے کہیں دور لے جاؤں؟ اس کا شباب کڑی تپسیا اور ریاضت کی نذر ہو رہا تھا۔ایک گل بدن اور تعلیم یافتہ لڑکی میری وجہ سے کتنی زبردست آزمائش میں پڑ گئی تھی۔میں اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا۔وہ رات کو دیر تک مرگ چھالا پر بیٹھی کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھی۔کوئی تصور کر سکتا ہے کہ ایک لڑکی نے اپنے ہرجائی اور سنگ دل محبوب کے لئے اتنی بڑی قربانی دی ہو گی؟ میں اسے وہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔صرف وقت کا انتظار تھا۔وقت جو میرے قابو میں نہیں تھا۔باہر ہر طرف موت کے پہرے تھے۔میں ایک رسوائے زمانہ شخص تھا۔پولیس کو مطلوب، ایک منتظر شخص۔شہر جسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔اس کے دشمن زمینوں سے اگتے تھے۔حادثے ہمیشہ جس کے تعاقب میں رواں رہتے تھے۔شروع شروع میں تو میری حالت سنبھلی رہی، دن کسی طرح کٹ جاتا۔میں تزئین کو لے کر آس پاس کے سبزہ زاروں میں گھوم آتا۔رات مشکل سے بسر ہوتی۔کلدیپ نے جگدیو کی طرح اس دوران کئی بار مجھے مجبور کیا کہ میں ملک چھوڑ کر دنیا کی سیاحت کے لئے چلا جاؤں تاکہ میری وحشت کسی حد تک کم ہو جائے اور میں اپنا ٹوٹا ہوا ہاتھ درست کروا لوں مگر فی الحال مجھے اپنے ٹوٹے ہاتھ کا کوئی غم نہیں تھا۔انسان پر مختلف اوقات میں مختلف جذبے غالب رہتے ہیں۔میں یہاں ہر طرح سے آرام میں تھا لیکن دل بے قرار تھا۔سکون عنقا ہو گیا تھا۔کلدیپ کو سامنے دیکھ کر دل و دماغ پر ایک عجیب طرح کا بوجھ ہوتا تھا۔تزئین کو کھلکھلاتا دیکھ کر نظر جھک جاتی۔کچھ کر گزرنے کو جی چاہتا تھا۔جی چاہتا تھا کہ اس منحوس بدری نرائن کو کچا چبا جاؤں جس نے میری زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔اس کے لئے مختلف سزائیں تجویز کرتا اور زچ ہو کر تلملانے لگتا۔کاش میں پُراسرار طاقتوں کا مالک ہوتا۔میں نے کئی بار سوچا کہ میں کلدیپ کی روش اختیار کروں اور اس کے ساتھ ماورائی طاقتوں کے حصول کی ریاضت میں لگ جاؤں۔وہ علوم سیکھ لوں جو انسانوں کو انسانوں پر فوقیت دیتے ہیں۔پُراسرار واقعات اب مجھ پر زیادہ چونکا دینے والا تاثر نہیں چھوڑتے تھے۔لیکن میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو کلدیپ، جگدیو، بدری نرائن اور دوسرے سادھوؤں اور پنڈتوں کی طرح ایک طویل مدت تک دنیا سے کنارہ کشی کر کے تپسیا میں وقت گزارے۔مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ یہ واقعات کیوں رونما ہوتے ہیں۔اس معاملے پر سوچنا بے کار تھا۔یہ شروع شروع کی بات تھی جب ذہن پریشان ہوا کرتا تھا۔اب میرے خیال میں ہر لمحے یہ بات ممکن تھی۔میں صرف یہ چاہتا تھا کہ مجھے کسی طرح کوئی ایسی قوت حاصل ہو جائے کہ میں ایک بار آزادی سے من مانیاں، سرشوریاں کر سکوں۔انکا قسمت سے مجھے یوں ہی مل گئی تھی۔صرف ایک دفعہ میں نے رام پور کے ایک ویران قبرستان میں بیٹھ کر اس کے حصول کے لئے چالیس روز کی کٹھن ریاضت کی تھی اور مجھے اندازہ تھا کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے کتنی بڑی جہد و جہد کرنی پڑتی ہے۔اب عمر کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔میں بدری نرائن کو مردہ دیکھنے کا

خواہش مند تھا۔ جب تک وہ زندہ تھا، میری زندگی عذاب تھی۔ جب تک میں زندہ تھا، وہ مشکل میں تھا۔ ہم دونوں میں سے ایک کو مر جانا چاہئے تھا۔ نہ مجھے موت آتی تھی نہ اسے۔ اس آنکھ مچولی سے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ کلدیپ اور انکا کے باوجود میں پریشان تھا۔

سات دن بعد جب میں جھرنے کے ٹھنڈے اور شفاف پانی سے نہا رہا تھا تو انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں جیسے وہ مدتوں سے نہ سوئی ہو۔ چہرے پر وحشت برس رہی تھی اور وہ نیم مردہ سی معلوم ہوتی تھی۔ مجھے اس پر بہت غصہ تھا لیکن اس کی حالت دیکھ کر میں نے نرمی سے پوچھا۔

''تم اتنے دنوں کہاں رہیں؟''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم بخیریت کلدیپ کے ہاں پہنچ گئے ہو، اس لئے میں وہاں رک گئی۔'' انکا نے اداسی سے کہا۔

''خبر ہے، اس دن میں نے کتنی آوازیں دیں؟ اس دن تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس وقت کا تصور کر کے اب بھی میرا رواں رواں لرز جاتا ہے۔''

''مجھے احساس ہے جمیل! لیکن میں جلدی میں بدری نرائن کو بھول گئی تھی۔ اس نے گو بہت تھوڑے وقت کے لئے سہی مگر میرا راستہ بند کر دیا تھا۔ یقین کرو جمیل، میں مجبور تھی، میں کیا کرتی؟''

''مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ انکا! تم ایک پنڈت کے جاپ سے زیر ہو گئیں؟ ہر بار تمہارے سامنے کوئی نہ کوئی ایسی مجبوری آ جاتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک معمولی پنڈت کیسے تمہارا راستہ روک سکتا ہے۔ ایک سادھو تمہیں کس طرح معطل کر سکتا ہے۔ کوئی بھی تمہیں حاصل کر سکتا ہے۔ تمہاری ان حدود نے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔''

''جمیل!'' انکا نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''تعجب ہے کہ میرے بارے میں تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ میں تمہارے لئے ماری ماری پھرتی رہی، اب تم میری مجبوریوں پر حرف زنی کر رہے ہو جب کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں کیا ہوں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے کیا جاپ کیا تھا۔''

''جاپ کیا تھا، جاپ کیا تھا......'' میں نے بگڑ کر کہا۔ ''کیا تمہارے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں تھا، کلپنا کیسے اندر داخل ہو گئی تھی؟ تم تو بعض اوقات بہت مایوس کرتی ہو۔''

''کلپنا اور مجھ میں فرق ہے، بہر حال میں تم سے لڑنا نہیں چاہتی۔ تم میری خیریت کے بارے میں بھی نہیں پوچھ رہے ہو، مجھ پر کیا گزر گئی، یہ بھی تم نے نہیں پوچھا۔'' انکا نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔

''کیا تم اسے ایک معمولی واقعہ سمجھتی ہو؟''

''اس واقعے کی سنگینی ہی کی وجہ سے میں اتنی دیر تم سے دور رہی، سارا شہر تمہاری فکر میں ہے۔ تمہارے متعلق عجیب و غریب افواہیں اڑ رہی ہیں۔ پولیس نے کئی مرتبہ چچا جان کے گھر کی تلاشی لی۔

تمہارے اچانک غائب ہونے پر شہر بھر میں ہنگامہ مچا ہوا ہے۔ جب میں تم سے دور ہو کر ہبن علی کی تلاش میں گئی تھی تو وہ اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے زیورات، نقدی اور کاغذات اپنی دونوں بہنوں کے حوالے کر دئے تھے۔ میں نے اس گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن اسی جن نے میرا راستہ روک لیا جو تمہارے آڑے آیا تھا۔ ہبن علی اپنے گھر میں محفوظ ہو گیا تھا اور سارا الزام تم پر عائد کیا جا رہا تھا۔ دلنشیں، غزالہ اور دوسری لڑکیوں نے تمہارے خلاف گواہی دی تھی۔ میں کبھی اشرفی بیگم کے بالا خانے جاتی تھی اور کبھی ہبن علی کے گھر۔ میرے لئے دونوں گھر بند ہو چکے تھے۔ پھر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم کلپنا کی حفاظت میں ہو تو میں ہبن علی کے گھر کے قریب دھرنا دے کر بیٹھ گئی اور میں نے ایک پولیس افسر کے سر پر جا کر ہبن علی کو گرفتار کرا دیا۔''

''اچھا، ہبن علی گرفتار ہو گیا؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''پھر کیا ہوا؟ اب تم کیسے مچل رہے ہو۔ تم بڑے خود غرض ہو۔''

''میری جان! ناراض ہو گئیں؟ مذاق بعد میں کرنا۔ جلدی جلدی بتاؤ کہ پھر کیا ہوا؟'' میں نے انکا سے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہیں میرا تو کوئی خیال ہے نہیں، کتنے دن ہو گئے میں بھوکی ہوں۔ تم نے مجھے پوچھا تک نہیں۔'' انکا نے اٹھلا کر کہا۔

''میں تمہارا انتظام ابھی کرتا ہوں۔ یہ میرا سر حاضر ہے۔ اس جگہ ایک بار پہلے بھی تم نے میرا خون پیا تھا مگر مجھے تڑپاؤ نہیں۔ بتاؤ آگے کیا ہوا؟''

''آگے کیا ہوتا، ہبن علی گرفتار ہو گیا۔ لاشوں کے معائنے سے پتہ چلا کہ ہبن علی نے قتل نہیں کیا ہے لیکن اس کے بھاگنے اور اشرفی بیگم سے اس کے پرانے تعلقات نے مقدمہ پیچیدہ بنانے میں مدد دی۔ اب انہیں تمہاری تلاش ہے۔ دل نشیں نے تمہارے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ پولیس تمہارے نام سے خوف زدہ ہے۔ بدری نرائن بھی غائب ہو گیا ہے۔ پولیس اس کی بھی تلاش میں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ہبن علی کے دوبارہ بچنے کے امکانات زیادہ ہیں۔''

''نہ صرف بچنے کے بلکہ کاغذات اس کی بہنوں کے پاس ہیں اور بہنیں جن کی پناہ میں ہیں۔ میں نے گھر میں گھسنے کی کئی مرتبہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ ادھر چچا جان کے گھر پر پولیس نے مصیبت ڈالی تھی اس لئے میرا وہاں موجود رہنا ضروری تھا۔ وہ سب لوگ ہراساں ہیں لیکن خیریت سے ہیں۔''

''تم ہبن علی کے سر پر کیوں نہیں گئیں؟''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یہاں آنا تھا۔ میں کب تک اس کے سر پر رہتی۔ وہ ویسے بھی مشکوک ہے۔''

"لیکن وہ میرے متعلق پولیس کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا ہوگا۔"

"مگر اب تم وہاں کیوں جاؤ گے لکھنؤ تم سے چھوٹ گیا۔"

"اور چچا جان بھی چھوٹ گئے؟ آہ وہ کتنا یاد کرتے ہوں گے۔ کیا کیا سوچتے ہوں گے؟"

"تم انہیں کہیں بھی بلا سکتے ہو اور اب وہ آسودہ حال ہیں۔ بہر حال یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسی زندگی گزار رہے ہو؟"

"بس وقت کاٹ رہا ہوں۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا ہے۔ تم بہت یاد آتی تھیں۔ تم سے باتیں کرنے کی عادت جو پڑ گئی ہے۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔ تم ترئین اور کلدیپ کے ساتھ مزے کر رہے تھے۔ تمہیں میری کیا فکر۔" انکا نے ایک اور ادا کے ساتھ کہا۔

انکا کے آنے سے جی بہت بہل گیا تھا۔ میں شام تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب کلدیپ کی کٹیا میں داخل ہوا تو انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے اسے اجازت دے دی کہ وہ رات بھر کے لئے اس علاقے سے باہر چلی جائے اور اپنی بھوک مٹا لے۔ انکا واپس چلی گئی۔ ترئین اور کلدیپ میری منتظر تھیں۔ ہم تینوں نے سادہ سا کھانا کھایا۔ ترئین میری خاطر مدارت میں لگی ہوئی تھی۔ کلدیپ کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی جو اس علاقے میں آنے کے بعد عموماً اس کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ رات کو اس نے ارادہ کیا کہ میں ہر حالت میں کلدیپ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ ترئین، کلدیپ کے ساتھ سوتی تھی۔

آدھی رات کے وقت جب وہ دونوں سو چکی تھیں، میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ ترئین غافل سو رہی ہے، میں نے بہت آہستہ سے کلدیپ کے پاؤں سہلائے۔ وہ جاگ رہی تھی۔ اچانک اٹھ بیٹھی، اس نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا لیکن میں کھڑا رہا اور اشاروں اشاروں میں اصرار کرتا رہا۔ کلدیپ جھجکتی رہی۔ میں نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اس نے پھر ترئین کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اسے اطمینان دلانا چاہا لیکن وہ انکار کرتی رہی۔ آخر مجھے اپنی جگہ جما ہوا دیکھ کر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ مجھ سے بول ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بادل ناخواستہ اٹھی اور اس نے انگلی کے اشارے سے ترئین کے گرد ایک دائرہ بنایا اور میرے ساتھ باہر آ گئی۔ باہر آ کر میں اس کے پہلو سے لگ گیا اور میں نے اس کی زلفوں کا بوسہ لیا۔ "کلدیپ!" میں نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری حرمت پر کوئی حرف نہیں آنے دوں گا لیکن تم مجھ سے تنہائی میں باتیں تو کر سکتی ہو۔"

"یہ باتیں مجھے اور تمہیں [illegible] مشتعل کر سکتی [illegible]"

"یہ میری برداشت سے باہر ہے کہ تم اتنے قریب ہو اور میں تم سے گفتگو بھی نہ کر سکوں۔ سنو کلدیپ! میں...... اب تمہیں یہاں سے لے چلنا چاہتا ہوں۔" میں نے ایک عزم کے ساتھ کہا۔

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔"

"کچھ نہیں۔ کوئی دیر نہیں ہوئی۔ مجھ سے تمہاری تنہائی اور اداسی نہیں دیکھی جاتی۔"

"میں تنہا اور اداس نہیں ہوں۔" کلدیپ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو۔" میں نے اس کے سامنے ہو کر اسے بازوؤں میں سمیٹ کر کہا۔ وہ میرے اس عمل پر کسمسانے لگی۔

"تم نے وعدہ کیا تھا۔" وہ اکھڑے اکھڑے لہجے میں بولی۔

"مجھے وعدہ یاد ہے لیکن میں تم سے ایک قربانی چاہتا ہوں۔"

"تم پر جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ مجھے حکم دو۔"

"تم یہ سب چھوڑ کر میری ہو جاؤ۔ تم ایک عورت ہو۔ تمہیں ایک مرد کی ضرورت ہے۔ کیا تم یہ طرز زندگی نہیں چھوڑ سکتیں؟"

"چھوڑ سکتی ہوں لیکن باہر کی دنیا میں کیا رکھا ہے؟"

"وہاں سب کچھ ہے۔ وہاں میں ہوں۔" میں نے زور دے کر کہا۔

"وہاں تمہارے دشمن ہیں جو کبھی تمہیں چین سے نہیں رہنے دیں گے۔ تمہارے لئے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ تم آج کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"میں نے اس ہفتے میں تمہارے متعلق بہت سوچا ہے۔ کیا وقت سے پہلے کوئی ایسی صورت پیدا نہیں ہو سکتی کہ بدری نرائن ختم ہو جائے؟"

"ہو سکتی ہے۔" کلدیپ نے مختصر جواب دیا۔

"وہ کیا؟" میں نے چونک کر کہا۔

"اس کے لئے کالی کے چرنوں میں ایک جیون بلیدان کرنا ہوگا۔" کلدیپ نے میری خوشی محسوس کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مجھے بتاؤ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ کس کی قربانی دی جائے؟"

"کوئی بڑا اپچاری اپنا بلیدان دے کر کالی کے فیصلے بدل سکتا ہے۔ پھر بدری نرائن تمہاری خواہش کے مطابق برباد ہو جائے گا۔"

کلدیپ کا لہجہ عجیب تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "بڑا اپچاری!"

"ہاں۔" کلدیپ نے دردناک آواز میں جواب دیا۔ "تمہیں دیوی کو خوش کرنے کے لئے اس

Downloaded from Paksociety.com

کے چرنوں میں مجھے قربان کرنا ہوگا۔''

''کلد یپ......!'' میں نے بے اختیار ہو کر اس کا بازو تھام لیا اور جذباتی انداز میں بولا۔ ''نرگس اور مالا کے بعد اب تمہی میرا سہارا ہو۔ میں اتنا سنگدل نہیں ہوں کہ تمہیں قربان کردوں۔ یہ ناممکن ہے۔ میں انتظار کروں گا، تم نے یہ کیا کہہ دیا؟''

''میری زندگی تمہارے کام آ جائے تو یہ میری خوش قسمتی ہے۔''

میں نے اسے پورے زور سے اپنے سینے میں چھپالیا۔ پھر میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ دونوں دیر تک اسی طرح گم صم کھڑے رہے۔ وہ رات اس نے میری آغوش میں گزاری لیکن اس قربت میں کتنی پاکیزگی تھی۔ میں اس کی زلفیں چومتا رہا اور وہ نمناک آنکھوں سے میرا چہرہ دیکھتی رہی۔

دوسری صبح میں نے ارادہ کرلیا کہ میں کلدیپ کی ہدایت پر لندن روانہ ہو جاؤں گا۔ انکا علی الصباح واپس آ گئی تھی اور سرخ و شاداب نظر آ رہی تھی۔ تزئین نے بہت ضد کی کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے گی لیکن کلدیپ نے اسے روک دیا۔ تیسرے دن میں تزئین کو روتا ہوا اور کلدیپ کو سوگوار چھوڑ کر بمبئی کے لئے روانہ ہوگیا۔ میں نے رات میں سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا میرے سر پر تھی اس لئے مجھے کوئی خاص فکر نہیں تھی۔ میرے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ایک عرصے بعد میں بمبئی آیا تھا۔ یہاں آ کر میں نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا۔ انکا کی موجودگی میں روپے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ بمبئی پہنچ کر چند گھنٹوں میں معقول رقم فراہم ہوگئی، پاسپورٹ کا حصول مشکل تھا۔ انکا نے یہ کام بھی آسان کردیا۔ اس نے ہوٹل ہی میں ایک پاسپورٹ ایجنٹ کو میرے پاس بھیج دیا۔ بمبئی میں صرف رات کے وقت ہوٹل سے نکلتا تھا۔ وہ بھی ہوٹل کی گاڑی میں، ہوٹل میں میرا نام دولت علی خان درج تھا۔ پاسپورٹ ایجنٹ نے بھاری معاوضے کے تحت ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے میرا کام کردیا۔ مجھے زرمبادلہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ انکا میرے ساتھ تھی اور جب انکا تھی تو دولت بھی تھی۔ کپڑے، سوٹ کیس، دیگر سامان سابق جمیل احمد خان حال دولت علی خان کے ہاں ان چیزوں کی کیا حیثیت تھی۔ مجھے خیال تھا کہ میرے بارے میں بمبئی کی پولیس یقیناً باخبر ہوگی اس لئے میں نے ہر ممکن احتیاط رکھی۔ فوٹو بھی شیروانی اور ٹوپی میں کھینچوایا۔ بمبئی سے میری بہت سی ہنگامہ خیز یادیں وابستہ تھیں اور وہاں میرے کئی شناسا موجود تھے۔ بعض پولیس افسروں کے لئے میرا چہرہ اور نام نیا نہیں تھا۔ وہاں ایک زمانے میں میرا کاروبار، گھر اور بہت کچھ موجود تھا۔ میں نے ان سڑکوں سے گریز کیا جہاں کسی کے ملنے کا امکان ہوتا۔ ہوٹل کے بیرے حسب معمول مجھ پر دیوانہ وار نثار تھے۔ ہر چیز ہوٹل ہی میں فراہم ہو جاتی تھی۔ تیسرے دن، رات کی پرواز سے میں لندن کے لئے روانہ ہوگیا۔ میں نے وہ ملک چھوڑ دیا جہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ اور جہاں کے لوگوں کے ساتھ میں نے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ طیارے میں بیٹھ کر مجھے

کچھ سکون ملا۔ ہندوستانی باشندوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یہ میرا پہلا ہوائی سفر تھا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز اندھیروں میں گم ہوگیا اور میری یادیں مجھ سے دور ہوتی گئیں۔ زمان و مکاں کی تبدیلی بھی کیا اہمیت رکھتی ہے؟ آدمی اپنے گرد و پیش اور اپنے وقت کا تابع ہے۔ جب وقت گزر جاتا ہے اور ماحول بدل جاتا ہے تو یادیں بھی دور معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ہوائی جہاز میں کئی دلچسپ واقعے پیش آئے۔ انکا خاموشی سے پائلٹ کے سر پر بیٹھ گئی۔ وہ ادھر ادھر پھدکتی رہی۔ کبھی ائر ہوسٹس کے سر پر بیٹھ جاتی کبھی کسی مسافر کے سر پر۔ رات خاصی گزر گئی تھی لیکن سفر کی یہ رات طویل تھی اس لئے کہ لندن اور ہندوستان کے وقت میں ساڑھے پانچ گھنٹے کا فرق تھا۔ جہاز بڑھتا رہا اور رات طویل ہوتی گئی۔ جہاز کے تقریباً تمام مسافر اونگھ رہے تھے۔ البتہ کچھ لوگ مشروبات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہاں صرف دو نوجوان حسینائیں تھیں۔ میں نے مختلف ضروریات کے بہانے سے جا جا کر انہیں اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ ان سے بات کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ان کے قریب ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس جہاز میں تین تین نشستیں ایک ساتھ تھیں۔ نوجوان کو اٹھانے کے لئے مجھے انکا کی مدد لینی پڑی۔ وہ اس کے سر پر گئی اور نوجوان اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور مجھ سے میری سیٹ پر بیٹھنے کی درخواست کی۔ میں نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اٹھ کر اس کی سیٹ پر آ گیا۔ تھوڑی دیر میں انکا اسے بے تحاشا شراب کے نشے میں دھت چھوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ اس عرصے میں، میں نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی حسین لڑکی سے رابطہ پیدا کرلیا تھا۔ اس کا نام سارا تھا۔ چست اسکرٹ بلاؤز میں اس کا کسا ہوا بدن اپنی تمام جولانیوں کے ساتھ نمایاں تھا مگر وہ ایک محتاط اور مشکل لڑکی تھی۔ چنانچہ مجھے بات آگے بڑھانے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ بعد میں انکا نے مجھے بتایا کہ وہ کسی انگریز لارڈ کی مغرور لڑکی ہے جو ہندوستان اور مشرق بعید کے کئی ملکوں کی سیاحت کے بعد اپنے وطن واپس جا رہی ہے۔ اسے متاثر کرنے کے لئے میں نے انکا سے پوچھ کر اس کے باپ کا نام لیا تو وہ حیرت میں پڑ گئی۔ میں نے کہا۔ ''میں ایک بہت اچھا دست شناس ہوں اور پُراسرار علوم کا ماہر ہوں۔ دل کی بات بتا دیتا ہوں۔ لندن میں سنا ہے، بہت مانے ہوئے پروفیسر ہیں، ان سے ملاقات کرنے اور کچھ سیکھنے جا رہا ہوں۔'' پُراسرار علوم کا تذکرہ ہی ایسا ہے کہ محتاط سے محتاط آدمی بھی جلد اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ میرے سامنے کردیا اور میں نے نشست کے اوپر لگا ہوا بٹن دبا کر روشنی میں پوری توجہ سے اس کا ہاتھ دیکھنا شروع کردیا۔ اس کا نرم، ملائم اور سرخ و سپید ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا تو خون کی گردش تیز ہوگئی۔ میں پورے انہماک سے اسے دیکھنے لگا۔ اس عرصے میں انکا اپنا کام کرتی رہی اور مجھے اس لڑکی کے ماضی، اس کی دلچسپیوں، اس کے پروگراموں اور اس کے دوستوں کے متعلق بتاتی رہی۔ میں نے ایک سرد آہ بھری۔ ''آہ خاتون۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو سفر ادھورا چھوڑ کر وطن واپس [illegible] ل ہوگیا ہے۔''

Downloaded from Paksociety.com

"ہاں، یہ صحیح ہے۔" وہ حیرت سے بولی۔ "آپ تو بہت ماہر معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے اس کی بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا بلکہ سنجیدگی اختیار کرلی۔ اس کا اشتیاق دوچند ہوگیا۔ "اور بتائیے۔" اس نے بے چینی سے کہا۔

میرے لئے بتانا کیا مشکل تھا۔ میرے پاس ایک فتنہ موجود تھا جس کی حیثیت جام جہاں نما کی سی تھی۔ میں نے بالکل صحیح صحیح، تمام معلومات اسے فراہم کردیں۔ وہ ہکا بکا، حیران وششدر میرا منہ دیکھنے لگی۔ "آپ عظیم ہیں۔ میں نے ہندوستانی نجومیوں سے بھی اتنی مکمل معلومات حاصل نہیں کیں۔ آپ نے میرے بارے میں جو باتیں بتائی ہیں وہ سو فیصد درست ہیں۔" اس کے لہجے میں حیرت اور عقیدت تھی۔

میں نے خفیف سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا اور اٹھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے مجھے روک لیا اور پوچھنے لگی۔ "لندن میں آپ کا قیام کہاں ہوگا؟"

"میرا قیام؟" میں نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں، کوئی معقول ہوٹل تلاش کروں گا۔"

"آپ ہمارے گھر ٹھہریئے۔ ہم لندن سے چودہ پندرہ میل دور رہتے ہیں۔ وہ نیم شہری، نیم دیہاتی علاقہ ہے۔" اس نے دعوت دی۔

"مجھے افسوس ہے۔ میں ہوٹل میں ٹھہرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، مجھے مطالعے، یوگا اور دوسری مشقوں کے لئے تنہائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کی میزبانی مجھے پابند کرکے رکھ دے گی۔ آپ کی عنایت کا بہت بہت شکریہ۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"کیا میں آپ کے پاس آسکتی ہوں؟ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"شوق سے...... لندن میں مجھے کسی ساتھی کی ضرورت پڑے گی۔ آپ کرم فرمائیں گی تو وہ اجنبی شہر میں اچھی طرح دیکھ سکوں گا۔"

"میری خوش قسمتی ہوگی۔" اس نے مسرت سے کہا۔ "یہ میرا فون نمبر ہے، آپ ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد مجھے فون کرلیجئے گا۔"

گویا سفر کا آغاز ہی دلچسپ ہوا تھا۔ میں اپنی نشست پر آگیا اور دوسروں مسافروں کی طرح اونگھنے لگا۔ پھر مجھے نیند آگئی اور میں صبح سوا نو بجے لندن ائرپورٹ پر اترا۔ لندن، یورپ کا بادشاہ شہر۔ انسانوں کا جنگل۔ وہاں کہر چھائی ہوئی تھی۔ یہ دنیا ہی عجیب تھی۔ ہوائی اڈے پر اترتے ہی اندازہ ہوتا تھا کہ میں کسی دوسری دنیا میں آگیا ہوں۔ چہل پہل، بھاگتے ہوئے لوگ۔ بھاگتی ہوئی گاڑیاں۔ ریل پیل۔ انکا بھی دلچسپ نظروں سے لندن کا اولین تماشا دیکھ رہی تھی۔ "یہ انگلستان ہے انکا! انگریزوں کا، ہمارے آقاؤں کا ملک۔"

"میرے آقا تو تم ہو۔" انکا بولی۔

"کیا کچھ اچھا لگ رہا ہے؟ یہ سرخ سرخ چہرے دیکھ کر تو تمہارے منہ میں پانی آگیا ہوگا۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"اور تم ان سرخ وشاداب لڑکیوں کو کیسی ہوس ناک نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ یہاں تمہاری دل لگی کا بھی پورا سامان موجود ہے۔"

ہم نے ائرپورٹ سے ایک ٹیکسی پکڑی اور لندن کے ایک شاندار ہوٹل میں قیام کیا۔ اس ہوٹل کا کرایہ بہت زیادہ تھا اور میرے پاس گنتی کے چند پاؤنڈ تھے جو میں نے پیشگی کے طور پر جمع کرادئے۔ یہ ہوٹل قدیم طرز کی ایک پُرشکوہ عمارت میں قائم تھا۔ رقص گاہ، نائٹ کلب اور سوئمنگ پول، اس میں جدید ہوٹل کے تمام لوازمات تھے۔ غسل کرنے کے بعد میں نے انکا کو اپنے سر سے جدا کردیا تا کہ وہ میرے لئے رقم کی فراہمی کا بندوبست کرے۔ انکا کے اشارے پر مجھے نیچے جانے کی زحمت کرنا پڑی۔ میری سرگزشت پڑھنے والے حضرات یقیناً بڑی آسانی سے اندازہ لگالیں گے کہ مجھے کیا کرنا پڑا ہوگا اور انکا کہاں گئی ہوگی۔ بہرحال مجھے معلوم تھا کہ انکا کے اترنے کے بعد خزانچی میرے پاس رقم کی طلبی کے لئے نہیں آئے۔ لندن میں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کم از کم نہیں کیا جانا چاہئے۔ لندن جیسے شہر میں اس رقم سے بہت کچھ بنا سکتا تھا۔ یہ ابتدائی سرمایہ تھا۔ اس دن تو میں شام تک بستر پر آرام کرتا رہا اور شام کو میں نے سارا کے پتے پر فون کیا اور اسے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتایا۔ اس نے اپنی ماں کے سوگ کی وجہ سے اس دن نہ آنے کی معذرت طلب کرلی لیکن دوسرے دن صبح آنے کا وعدہ کیا۔ لندن کے بڑے بڑے اخبارات میرے کمرے میں موجود تھے اور میں دن بھر اس شہر اور اس ملک کی روزمرہ زندگی اپنے ذہن میں منتقل کرتا رہا۔ شام کو میں ہوٹل سے نکل پڑا اور یوں ہی بے مقصد گھومتا گھامتا ایک جوئے خانے میں داخل ہوگیا۔ انکا کے موجودگی میں روپے بڑھانے کا یہ سب سے بہترین ذریعہ تھا۔ وہاں رات جاگ رہی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں ساقی گری کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ سب سے پہلے میں نے جوئے کے اس نئے طریقے کا معائنہ کیا۔ وہاں صرف میں کالا تھا۔ ان لوگوں نے کھلے دل سے مجھے پیش کش کی۔ ان کا انداز بڑا مہذب تھا۔ میں نے جھجکتے جھجکتے بازی لگائی۔ مجھے دانستہ ہارنا تھا۔ میں خندہ پیشانی سے ہار گیا۔ دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا، تیسری بار بھی لیکن چوتھی بار بازی پلٹ گئی۔ میں نے جیتنا شروع کیا۔ اٹھتے اٹھتے میری جیب میں آٹھ سو پاؤنڈ موجود تھے۔ میں زیادہ جیتنا بھی نہیں چاہتا تھا ورنہ میرے لئے مسائل کھڑے ہو جاتے۔ انکا نے مجھے روک دیا۔ رقم جیبوں میں ٹھونس کر میں اس ہنگامے اور شور کی جگہ سے واپس چلا آیا۔ باہر شدید سردی تھی اور دور دور تک ٹیکسی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں گلیوں سے ناواقف تھا لیکن انکا کی مدد سے ہوٹل کے راستے کی طرف جا رہا تھا کہ مجھے

یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار تھی۔ میرے قریب آ کر وہ رک گئی۔ میں سمجھا شاید وہ مجھے لفٹ دے رہے ہیں۔ انگریزوں کے اخلاق کی بڑی تعریف سنی تھی۔ کار میں سے دو نوجوان مہذب انداز میں باہر نکلے، انہوں نے سلام شب کہا اور جب قریب آئے تو ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا۔ دوسرے نے تیزی سے میرا واحد ہاتھ پکڑ لیا۔ انہوں نے بڑی آہستگی سے رقم کا مطالبہ کیا، میں نے بہت اخلاق سے منع کر دیا۔ اس شارع عام پر...... کسی قتل کا امکان نہیں تھا۔ میرے انکار پر انہوں نے مجھے کار میں زبردستی بٹھانے کی دھمکی دی۔ ناچار میں نے انکا کی طرف دیکھا جو بڑے غور سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ کسمسا کر اٹھی اور اس نے مجھے ان کے ساتھ چلنے کا اشارہ کر دیا۔ میں ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے انکا میرے ساتھ نہیں تھی۔ دوسرا نوجوان میرے قریب بیٹھا ہوا تھا اور میرا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے عام انداز میں گفتگو شروع کر دی۔ لندن کے بارے میں، انگریزوں کے اخلاق کے بارے میں، وہ مجھ سے شٹ اپ، شٹ اپ کہتا رہا۔ جب اس نے گاڑی اپنے اندازے کے خلاف دوسرے راستے پر چلتے دیکھی تو غضب ناک آواز میں اپنے ساتھی کو پکارا لیکن اس کے ساتھی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یوں مجھے بھی کونیس کی ضرورت تھی۔ میرے ہوٹل کے سامنے گاڑی رک گئی۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے نوجوان نے آگے بڑھ کر ادب سے دروازہ کھولا، مجھے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ اس واقعے پر وہ نوجوان مشتعل ہو گیا جو میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ اس کا ساتھی ویران راستوں کے بجائے اس بارونق سڑک پر کیوں آیا ہے۔ اس نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ میں اکیلا اس کے لئے کافی تھا۔ میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کی گردن کے گرد زور سے لپٹا۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ اب بھی میرے اعصاب میں بڑی طاقت تھی۔ اس چھوکرے کو راستے سے ہٹا کر میں باہر آ گیا۔ میرے باہر نکلتے ہی دوسرے نوجوان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ انکا انہیں دور تک چھوڑنے گئی اور جب میں کمرے میں واپس آ گیا تو انکا بھی لمحوں میں اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئی۔ لندن میں پہلے دن شاہانہ انداز سے میری پذیرائی ہوئی۔

دوسرے دن صبح توقع کے مطابق سارا ہوٹل پہنچ گئی۔ وہ نفیس قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ انداز میں انگریزوں کی روایتی سنجیدگی اور تمکنت تھی لیکن میرے لئے وہ ایک حسین لڑکی تھی۔ اس کا قد دراز، رخسار چمکتے ہوئے، ہونٹ گلابی، رنگ شہابی تھا۔ انکا بھی اسے خاص نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پہلی ملاقات کا بھرم قائم تھا۔ سارا بہت وارفتہ و شیدا نظر آتی تھی۔ اس کے ساتھ میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ اس کی طویل سیاہ گاڑی مجھے لندن کی سیر کراتی رہی۔ دوپہر کو ہم نے ایک چینی ریستوران میں کھانا کھایا۔ شام کو میں اس کی عظیم الشان کوٹھی میں تھا۔ اس کا باپ لارڈ رالف اسمتھ ایک بہت بردبار، تعلیم یافتہ اور ہوش مند شخص تھا۔ اس نے میری ذات میں گہری دلچسپی لی۔ علوم نجوم کے بارے میں آ جاتا جاتا بالکل نہیں تھا

لیکن میں نے عام طرز کی گفتگو کے بجائے بالکل تجریدی انداز میں لکیروں کے اسرار کے بارے میں اول فول بتانا شروع کیا۔ میں نے کیرو کی پامسٹری بالکل رد کر دی اور قدیم سنسکرتی پامسٹری کو ترجیح دی اور نہ جانے کتنے پنڈتوں کا نام لے لیا۔ لارڈ نے اپنا ہاتھ دکھانے کی خواہش ظاہر کی۔

میں نے تخلیے کی اجازت چاہی، سارا وہاں سے چلی گئی۔ پھر میں نے شروع تا آخر لارڈ کے ماضی کے واقعات بتانے شروع کر دئے۔ اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں اور وہ سنجیدہ و متین شخص ایک گھنٹے کے اندر اندر میرے سامنے بچہ بن گیا۔ تھوڑی دیر میں سارا کو آواز دی گئی۔ لارڈ نے میری تعریف میں غیر معمولی فصاحت سے کام لیا۔ اس نے اصرار کیا کہ میں اس کے ساتھ اس کے محل میں قیام کروں لیکن میں نے انکار کر دیا۔

مؤدب ملازموں کی فوج نے رات کا کھانا لگایا۔ تمام وقت لارڈ بولتا رہا۔ رات کو مجھے سارا ہوٹل چھوڑنے آئی۔ میں نے کمرے تک پہنچتے پہنچتے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ میں اسے رات بھر روکنا چاہتا تھا۔ صرف ایک پیگ حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے اجازت چاہی، چلتے وقت اس نے کل آنے کا وعدہ کیا۔ اس کی نظروں میں احترام تھا۔ حسین لڑکی کی آنکھوں میں احترام ہو، شوق نہ ہو تو بڑی عذاب ناک بات ہے، احترام شوق کا قاطع ہے۔ میں نے طے کر لیا کہ دوسرے دن میں یہ کیفیت بدلوں گا۔ لندن کی دوسری رات تنہا گزر رہی تھی۔

لارڈ رالف اسمتھ کے ساتھ اتنی دماغ ریزی بے مقصد نہیں تھی۔ اس اجنبی شہر میں مجھے بااثر لوگوں کا حلقہ پیدا کر کے اپنے علاج کا بندوبست کرنا تھا اور وقت پوری تفریح کے ساتھ گزارنا تھا۔ سارا دوسرے دن بھی مجھے لندن گھماتی رہی۔ اس نے مجھے کئی ڈاکٹروں کو دکھایا۔ پھر رالف اسمتھ کے مشورے پر یہ طے ہوا کہ اس کا خاندانی سرجن براؤن میرے ہاتھ کا معائنہ کرے گا۔ ایک عرصہ گزر گیا لہٰذا یہ بات ناممکن تھی کہ میرا ہاتھ بدل دیا جاتا، اب صرف یہی صورت تھی کہ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ اس طرح بنایا جائے کہ نقل پر اصل کا گمان ہو اور یہ بدہیئتی دور ہو جو مجھے بعض موقعوں پر شدید احساس کمتری میں مبتلا کرتی تھی۔ میں اس ہاتھ کو اٹھا سکتا تھا لیکن اس کی انگلیوں میں کوئی چیز پکڑنے کی قوت موجود نہ ہوتی۔ یہ اہم کام کرانے سے پہلے میں اس خاندان کو اور اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔

میں نے سارا سے غیر رسمی باتیں شروع کر دیں اور اس کے ساتھ سینما، کلب، تھیٹر وغیرہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سارا بہت مضبوط ارادے کی لڑکی تھی۔ انکا کے ذریعے میں اس کا خوب صورت بدن کسی وقت بھی اپنے ارادے کے تابع کر سکتا تھا لیکن دھیمے تعلقات اور بتدریج بڑھتے ہوئے مراسم میں جو لطف آ رہا تھا، وہ ختم ہو جاتا۔ ہاں مجھے انکا کے ذریعے سارا کے سامنے کچھ حیرت انگیز کرشمے، چٹکلے دکھانے پڑے۔ کلدیپ بھی پونا کلب میں اسی طرح مجھ سے متاثر ہوئی تھی۔ ایک تھیٹر میں جب ہم

دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو سارا نے ایک اداکارہ کی بڑی تعریف کی۔ میں نے کہا۔ ''تو تمہیں ایک کرشمہ دکھاتے ہیں۔ یہ اداکارہ اسٹیج سے اداکاری کرتے ہوئے تمہارے پاس آ جائے گی۔''

''یہ کس طرح ہو سکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔''

''اور اگر یہ ممکن ہوا تو؟''

''شرط رکھ لیجئے......''

''جو میں مانگوں گا تم دو گی؟ یقیناً میں کوئی ایسی چیز مانگوں گا جو تمہارے لئے مشکل کا سبب نہ ہو۔'' میں نے جرأت سے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو مجھے منظور ہے۔'' اس نے کہا۔

''تو پھر کان ادھر لے آیئے۔'' میں نے اس کے کان میں ایک ایسی خواہش کا اظہار کر دیا جس سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ میری خواہش بہت معمولی تھی لیکن یہ اسے قریب لانے اور بے تکلف کرنے کی ابتدا کا درجہ رکھتی تھی۔ اس نے شرما کر اپنے لبوں کی حلاوت منتقل کرنے کی اجازت دے دی اور اس وقت بری طرح خوف زدہ ہو گئی جب سارے تماش بینوں کے سامنے وہ اداکارہ، اداکاری کرتے ہوئے اسٹیج سے اتر کر سارا کے پاس آ گئی اور اس نے اس سے مصافحہ کیا، خیریت پوچھی، سارا کی زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ یہ ایک بہت عجیب واقعہ تھا۔ سب لوگ دم بخود تھے۔ سارا میری صورت دیکھ رہی تھی اور میں بے نیازی سے اپنی نشست پر مسکرا رہا تھا۔ ''کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟'' اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

''نہیں۔ تم میرے ساتھ بیٹھی ہو اور میں خود پر ناز کر رہا ہوں کہ میرے پہلو میں ایک نازک بدن دوشیزہ فرنگ موجود ہے۔'' میں نے شوخی سے کہا۔

''تم کوئی جادوگر ہو۔ بخدا یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں، کچھ اور شرط رکھو گی؟ کیا خیال ہے؟''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔'' اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر مشرقی انداز میں مجھ سے کہا۔

''نہیں۔ یہ تو مذاق تھا۔ ایک چھوٹا سا شعبدہ۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ تم کوئی خواہش کرو۔ مجھے اس کی تعمیل میں خوشی ہو گی۔''

اس رات کا ذکر کر دیا جائے جب شرط کے مطابق اسے میرے قریب آنا تھا۔ وہ اپنی شرط پوری کرنے کے لئے تیار تھی۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اسے معاف کر دیا اس نے میری فراخ دلی کا اچھا اثر لیا ہو گا۔ چنانچہ پھر یہ ہوا کہ میں اور سارا لندن میں ایک ساتھ دیکھے جانے لگے۔ وہ مجھ سے ہاتھ کے علاج کے لئے اصرار کرتی رہی اور میں اسے ٹالتا رہا کہ چلتے وقت درست کرا لوں گا۔ میں بظاہر ہوٹل

میں مقیم تھا لیکن میں اصل میں لارڈ رالف اسمتھ کا مہمان تھا۔ اس کی چراگاہوں میں میری کار دوڑتی رہتی۔ میں اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا۔ انکا مجھے سرخرو کرتی رہی اور میں سارا کے قریب آتا رہا۔ لندن کے نائٹ کلب جہاں عورتیں لباس کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں، ان دھیمی روشنیوں میں ان کے بدن ہمیشہ مضطرب رہتے ہیں، کارخانے، موسیقی کی محفلیں، عورت وہاں عام تھی۔ ہر ایک کا تیور منفرد تھا۔ یہ لوگ شاید بہت تھک گئے تھے اور جدت کی تلاش میں نہ جانے کہاں سے کہاں چلے گئے تھے۔ سارے انگلستان میں دنیا کی دولت جمع ہو کر آتی تھی اور اس کی نو آبادیوں کے کم تر درجے کے لوگ انگریزوں کے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ صرف میں یا چند اور لوگ ایسے تھے جو انگریزوں کے لئے مسئلہ بن گئے تھے۔ لارڈ رالف اسمتھ جیسے متکبر، سخت مزاج شخص کو میری رفاقت مطلوب تھی، سارا جیسی لڑکی میرے ساتھ تھی۔ لندن میں قدیم طرز کی میلی کچیلی عمارتیں، کہر دھند، چند یادگار چیزیں، برٹش میوزیم، ہائیڈ پارک، 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ، برطانیہ کا شاہی محل اور نائٹ کلب۔ ان کے علاوہ کیا تھا مگر میری طبیعت یہاں بہت لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے گزشتہ چند برسوں میں نہایت دردناک زندگی گزاری تھی۔ یہاں نہ بدری نرائن کا اشتعال تھا اور نہ پرانے سلسلے۔ میں ایک نیا آدمی تھا، ایک آزاد آدمی۔ جہاں چاہتا، گھومتا۔ دولت جب چاہتا حاصل کر لیتا، لٹا دیتا۔ میں نے سب کچھ بھلا دینا چاہا۔ انکا بھی مگن تھی۔ وہ میرے سر پر بیٹھی نئی نئی چیزیں، نئے نئے چہرے دیکھتی رہتی اور تنقید کرتی رہتی۔ لارڈ رالف اسمتھ کے قریبی دوست اور عزیز مجھ سے واقف ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں انگشت بدنداں کر دیا تھا' لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ہندوستان جیسے غلام ملک کے ایک آدمی کے ساتھ، اس اخلاق اور مروت سے پیش نہیں آتے جو میزبانوں کا مہمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے، میرے کمالات پر ان کا داد دینے کا لہجہ مدبرانہ، مفکرانہ، سرپرستانہ اور تحکمانہ ہوتا تھا۔ ان کے قہقہوں میں اقتدار اور برتری کا غرور تھا۔ مجھے یہ بات بہت بری لگتی تھی حالانکہ میں نے مختلف موقعوں اور بحثوں کے درمیان انہیں قائل کر دیا تھا لیکن جب وہ اٹھتے تو ایک شان سے۔ یہ دبدبہ اور طنطنہ میں نے نوابین اودھ میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ لارڈ رالف اسمتھ کے سوا تمام لارڈ مجھ سے ایک طرح کی دوری برقرار رکھتے تھے اور انہیں سارا کا میرے ساتھ گھومنا پھرنا پسند نہیں تھا۔ یہ بات سارا نے مجھے بتائی اور میں نے خود بھی محسوس کی۔ ان میں لارڈ جارج فیدر کا فرزند رابرٹ فیدر سب سے نمایاں تھا۔ انکا نے مجھے بتایا کہ وہ اکثر سارا کے ساتھ گھوما پھرا کرتا تھا اور سارا کا محبوب اول تھا۔ لندن میں سارا کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لڑکیاں کئی محبوب بدل لیتی ہیں، میرے آنے کے بعد نوجوان رابرٹ کی شامیں تنہا گزرنے لگیں۔ جب پہلی مرتبہ رالف اسمتھ کے ہاں اس سے میرا تعارف ہوا تو اس نے مجھے طنز اور استہزا کا نشانہ بنایا۔ میں خوب صورتی سے نبھا گیا اس لئے کہ میں لندن میں کوئی جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ میں یکسوئی، تفریح

اور علاج کے لئے آیا تھا۔ ایک شام رابرٹ نے مجھے اور سارا کو مدعو کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ وجیہہ انگریز نوجوان کسی طرح سارا کے سامنے میری توہین کرنا چاہتا ہے مگر مجبوراً مجھے یہ دعوت قبول کرنی پڑی۔ رات کا کھانا ہم نے ایک عالی شان ہوٹل میں کھایا جہاں صرف ممبر جا سکتے تھے۔ وہاں رقص کا پروگرام تھا۔ میں اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے رقص کرنے میں مشکل محسوس کرتا تھا۔ سارا، رابرٹ کے ساتھ چلی گئی اور میں تنہا انکا سے الجھنے لگا۔

جب موسیقی کا شور ختم ہوا وہ دونوں مسکراتے ہوئے میز پر آ گے۔ رابرٹ نے کچھ دل آزار باتیں شروع کر دیں، اس نے ہندوستان کے لوگوں کی حماقتوں کے لطیفے سنائے اور انہیں گندے، جاہل اور بونے کہا۔ وہ نجوم اور دیگر پُراسرار علوم کا مذاق اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ قیافے، تکنیک، فن اور مہارت سے بڑے بڑے شعبدے ممکن ہو سکتے ہیں، سارا اس شام کی بے رونقی محسوس کر رہی تھی، میں نے رابرٹ کی تمام باتیں نہایت اطمینان سے سنیں اور سر ہلاتا رہا۔ وہاں سے مجھے ترکی کے ایک شعبدہ باز، جادوگر کے مظاہرے میں لے گیا۔ سارا ہم دونوں کے درمیان بیٹھی تھی، سارا نے تھیٹر والا واقعہ رابرٹ سے دہرایا۔ رابرٹ اس پر قہقہے لگانے لگا اور اس نے سارا کی سادہ دلی پر محمول کیا اور مجھ سے کہا۔ ''مسٹر دولت علی! اس جادوگر کے کمالات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

میں نے کہا۔ ''خوب ہے۔ مجھے لطف آ رہا ہے۔''

''کیا آپ ایسا کوئی مظاہرہ دکھا سکتے ہیں؟'' اس نے اچانک کہا۔

''میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن یہ سب کیا ہے؟''

''یہ مہارت ہے...... سارا یہ فن ہے۔ اس میں اسرار نہیں ہے۔''

''ممکن ہے۔'' میں نے کسی طرح بحث سے پہلو تہی کی۔ ''لیکن آپ پُراسرار واقعات سے انکار نہیں کر سکتے۔''

اس عرصے میں جادوگر نے ہال میں کسی ایک شخص کو آواز دی کہ وہ اسٹیج پر آئے اور معمول بنے۔ اس لمحے رابرٹ بولا۔ ''مسٹر دولت علی۔ آپ چلے جائیے۔ میرے خیال میں یہ دلچسپ رہے گا۔''

انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''یہ بڑھ رہا ہے۔ اسے قابو میں کرو۔''

میں نے ہاتھ اٹھا دیا۔ ہم اگلی صف میں تھے۔ میں اٹھ کر اسٹیج پر پہنچ گیا۔ ترکی کے جادوگر نے ایک نظر غور سے مجھے دیکھا اور مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔

''آپ کا نام؟'' اس نے پوچھا۔

''دولت علی خان!'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کمزور اعصاب کے آدمی تو نہیں ہیں؟ [illegible]''

''میں اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے مؤدب جواب دیا۔

''خوب......!'' اس نے کہا اور میری آنکھوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ وہ ایک عامل تھا اور تنویمی عمل کا ماہر تھا، مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس کی صلاحیتیں عام جادوگروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس نے پانچ منٹ کا وعدہ کیا تھا۔ وہ میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑے پانچ منٹ تک کوشش کرتا رہا، میں بہت سادگی اور بے پروائی سے کھڑا رہا۔ وہ مجھے معمول نہیں بنا سکا۔ ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ انکا مجھے قابو میں کئے ہوئے تھی۔ اس نے حاضرین سے معذرت چاہی اور پانچ منٹ اور مانگے۔ حاضرین کے لئے یہ وقت تکلیف دہ تھا۔ وہ جھنجلا رہا تھا اور اس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ نتیجتاً اس نے ایک اور وار کیا۔ اس نے جادو کی مدد سے کوئی ایسا عمل کیا ہے جس سے میں پاگل پنے کی حرکتیں کرنے لگتا۔ وہ اس میں بھی ناکام ہو گا ہو گیا۔ پھر وہ میرے قریب آیا اور اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''یہ میری زندگی کا پہلا واقعہ ہے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری عزت رکھ لیجئے۔ آپ مجھ پر رحم کیجئے۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں عام حالات میں اس کی درخواست منظور کر لیتا لیکن یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھاما اور بہ بلند آواز میں کہا۔

''حاضرین! میرے معمول نہ بننے میں ترکی جادوگر کا کوئی قصور نہیں ہے۔ دراصل میں خود تنویمی عمل کا ماہر ہوں اس لئے اس کا معمول نہیں بن سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کا خاصا قیمتی وقت ضائع ہوا۔'' یہ کہہ کر میں چلنے لگا۔

ترکی جادوگر نے مجھے لپک لیا۔ ''میں اپنے معزز مہمان دولت علی خان سے درخواست کروں گا کہ وہ تنویمی عمل کا کوئی مظاہرہ کریں۔''

ہال میں تالیاں بجنے لگیں۔ میں نے بہت ردوقدح کے بعد آخر ہامی بھر لی اور ایک شخص کو اسٹیج پر طلب کیا۔ وہ رابرٹ کی طرح کا ایک نوجوان تھا۔ ترکی جادوگر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔ ''کتنے منٹ میں؟''

آوازیں آئیں۔ ''پانچ منٹ میں۔''

میں نے کہا۔ ''یہ زیادہ ہے۔''

کوئی دو منٹ کی خاموشی کے بعد میں نے انکا کو اشارہ کیا اور وہ نوجوان دوسرے ہی لمحے بے بس ہو چکا تھا اور میری ہدایات پر کسی مشین کی طرح عمل کر رہا تھا۔ وہ پوری طرح میرے احکام کا تابع تھا۔ میں کبھی اسے رقص کرنے کا حکم دیتا، کبھی کسی شخص کا ہیٹ اور چشمے لانے کا اور کبھی کچھ کبھی کچھ۔ یہ دلچسپ مظاہر چند منٹ میں ختم ہو گیا اور ترکی جادوگر کی تالیاں ہال کی پُرشور تالیوں میں ڈوب گئیں۔

اپنی نشست پر آنے کے بعد میرے لئے بڑے مشکل ہوگئی۔ ہجوم نے مجھے گھیر لیا۔ بڑی مشکل سے راستہ بناتے بناتے میں وہاں سے آیا۔ شو اسی وقت ختم ہوگیا تھا اور ہال میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ سارا بہت جوشیلی نظروں سے میرا چہرہ تک رہی تھی۔ اس دن کے بعد سے بے چارہ ترکی جادوگر لندن میں کوئی شو نہ کر سکا۔ اس کی ساکھ اور آمدنی یکلخت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے کئی بار مجھ سے ملنے کی کوشش کی لیکن میں نے اس سے ملنا مناسب نہیں سمجھا۔ میں ہمیشہ بڑی خوب صورتی سے اسے ٹال دیتا تھا۔

مختصر یہ کہ صرف یہی ایک واقعہ نہیں، اس قسم کے کئی چھوٹے موٹے دلچسپ واقعات تسلسل سے پیش آئے۔ یہ ایک دلچسپ زندگی تھی جس کا تصور میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہاں نہ کوئی بدری نرائن تھا نہ پولیس، میں تنہا اپنی انکا کو ساتھ لئے انہیں حیرت زدہ کر رہا تھا۔ وہ مجھے کوئی جن یا بھوت سمجھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ابھی میری انکا نے ان کے سامنے صرف دو چار ہاتھ دکھائے ہیں۔ ابھی کیا ہے، سارا کے سامنے میں عمداً یہ کوشش کرتا کہ انکا کوئی ہنگامہ برپا نہ کرے اور میں ایک عام آدمی کی طرح اس سے ملتا رہوں ورنہ وہ مجھ سے خوف زدہ ہو جاتی اور سارا لطف کرکرا ہو جاتا لیکن یہ واقعات خود بخود رونما ہو جاتے۔ کچھ سارا کی رفاقت کو طول دینے کے لئے، کچھ اسے محظوظ کرنے کے لئے بعض چیلنج قبول کرنے ہی پڑتے تھے۔ میں اپنے پُراسرار واقعات کی توجیہہ کرتے ہوئے عجب مضحکہ خیز دلیلیں دیا کرتا تھا۔ سارا میرے کمالات کا ایک مظاہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے سختی سے منع کر دیا کہ مجھے شہرت ناپسند ہے۔ میں یہ حصہ حذف کر رہا ہوں حالانکہ یہ ایک منفرد سفر نامہ ہے۔ ان پے در پے واقعات سے اور میری حد سے زیادہ چاہت کے بعد سارا مجھ میں شامل ہوتی گئی اور میں اس میں کھوتا گیا۔ یہ سفر بہت خوش گوار گزر رہا تھا۔ میں لندن میں ایک شاہانہ زندگی بسر کر رہا تھا، ایک حسین لڑکی میرے دام الفت میں گرفتار۔ روز بروز میں اس خاندان سے قریب ہو رہا تھا۔ اس ذی حشم اور نامور خاندان میں ایک غلام ملک کا شخص، ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا ایک ایسا شخص داخل ہو رہا تھا جو بیش سے بیش قیمت نوادر آن کی آن میں سارا کو پیش کر دیتا تھا لیکن خوشیاں جمیل احمد خان کو راس نہیں آتیں۔ میری تمام تر احتیاط اور انکا کی کم سے کم فعالی کے باوجود حادثے میرے منتظر تھے۔

میں اس رات لارڈ رالف اسمتھ کے ہال میں مہمان تھا۔ وہ مجھ سے حسب معمول بہت شگفتہ گفتگو کر رہا تھا اور تنہائی میں اپنے ماضی کے عشقیہ واقعات سنا رہا تھا۔ لارڈ کو شیمپین سے شغف تھا۔ جب میں اس سے باتیں کر رہا ہوتا تو سارا اس طول بیانی سے اکتا کر وہاں سے چلی جاتی اور جاتے جاتے مجھے بھی وہاں سے کھسک آنے کا اشارہ کر دیتی۔ اس رات بھی یہی ہوا۔ لارڈ کی باتیں ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھیں، سارا جھنجلا کر چلی گئی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے بہت دیر بعد لارڈ نے مجھے جانے کی اجازت دی اور میں نیچے ہی سے سارا کو لئے ہوئے اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑا۔ سارا کچھ دیر میرے کمرے میں

قریب میرے ساتھ رہی، پھر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بستر پر دراز ہوگیا اور انکا سے نوک جھونک کرنے لگا پھر مجھے جلد ہی نیند آ گئی۔ لیکن ابھی مجھے سوئے ہوئے کوئی آدھا گھنٹا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے چونکا دیا۔ سارا وحشت زدہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”دولت علی! پاپا اپنے کمرے میں مردہ حالت میں پائے گئے۔“

☆.....☆.....☆

سارا کی دی ہوئی اطلاع تعجب خیز تھی۔

میں چند گھنٹے پیشتر اس کے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ میری اور اس کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اس حیرت انگیز اطلاع پر مجھے سکتہ سا ہوگیا۔ میں اس سے تعزیتی جملے بھی نہ کہہ سکا اور نہ حیرت کا اظہار کر سکا۔ اس نے فون بند کر دیا۔ لارڈ رالف اسمتھ بہت بردبار، ملنسار اور دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ اتنی مختصر مدت میں وہ مجھ سے بہت قریب ہو چکا تھا۔ اس کی اچانک ہلاکت سے مجھے بڑا صدمہ پہنچا۔ میری نیند اڑ گئی۔ اور جب میں نے فون پر سارا کے ادا کئے ہوئے جملے پر غور کیا تو ایک سنسنی سی میرے جسم میں دوڑ گئی کیا...... کیا لارڈ کی موت میں کسی سازش کا ہاتھ ہے؟ کیا اتنی دور آ جانے کے بعد بھی گردشوں نے جمیل احمد خان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ قاتل نے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ہے اور اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب قتل کا سارا الزام آسانی سے مجھ پر عائد ہو جائے مگر لارڈ کو قتل کیوں کر دیا گیا؟ وہ تو ایک منکسر المزاج، ہمدرد اور خوش اخلاق شخص تھا۔ پھر کوئی خاندانی رنجش؟ حصول دولت کا چکر؟ کوئی پرانی رقابت؟ یا پھر سارا؟ انکا آرام سے سو رہی تھی۔ لندن میں یوں بھی وہ کچھ بے فکری ہوگئی تھی۔ گھنٹوں پاؤں پسار کر سوتی رہتی۔ یا ٹک ٹک انگریزوں کا شہر دیکھتی رہتی۔ اسے سارا کے فون کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ ہندوستان میں تو وہ بہت محتاط ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہتی تھی لیکن یہاں آ کر اسے نہ کسی حریف کا خطرہ تھا نہ کسی عتاب کا خوف۔ لارڈ کے قتل کی اطلاع سن کر میرا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ میں جس بات سے گھبراتا تھا وہی پھر میرے آڑے آ رہی تھی۔ وہی پولیس، تفتیش، سراغ رسانی، گرفتاری، سزا مقدمہ وغیرہ۔ لندن میں بھی یہ بلائیں میرے پیچھے لگنے والی تھیں۔ لندن سے کہیں بھاگنے کا سوال نہیں تھا۔ مجھے بہر طور وہاں جا کر اپنی وضاحت کرنی تھی۔ میں نے جھلاہٹ کے عالم میں اپنا لباس تبدیل کیا اور انکا کو جگانے کی کوشش کی۔

انکا کی موجودگی میں قتل کے اصل سبب کا سراغ لگانا مشکل نہیں تھا۔ میں نے اسے دو چار آوازیں دیں تو اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی اور آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔ ”کیا وحشت ہے جمیل! میں اس وقت بڑے مزے کی نیند سو رہی تھی۔“

”سونے کے دن گئے میری جان، اب جاگ جاؤ۔“

''کیوں؟ کیا یہاں بھی وہ منحوس بدری نرائن آ گیا؟''

''بدری نرائن سے تم بہت خوف زدہ ہو؟'' میں نے طنزاً کہا پھر اداسی سے بولا۔ ''انکا رانی! بدری نرائن تو ہر جگہ موجود ہیں۔''

''کیوں کہ جمیل احمد خان بھی ہر جگہ موجود ہیں۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔

''یہ چھیڑ خانیاں پھر کرنا۔ میں تمہیں ایک اہم خبر سنانا چاہتا ہوں۔'' میں نے انکا کی شوخی نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''سارا کا فون ابھی ابھی آیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ لارڈ رالف اسمتھ اپنی خواب گاہ میں مردہ حالت میں پائے گئے ہیں۔ میں اصل واقعات جاننا چاہتا ہوں۔''

انکا میری بات سن کر اچانک کھڑی ہوگئی۔ چند ثانیوں تک وہ خلا میں گھورتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی اور اس نے کہنا شروع کیا۔

''لارڈ کی موت میں رابرٹ کا ہاتھ ہے۔ اس خوب صورت نوجوان نے پوری مہارت سے تمہارے گرد خوب صورت جال پھیلا دیا ہے۔ تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ سارا کی قربت رنگ لائی۔ رابرٹ نے تمہیں پھانسی کے پھندے تک لے جانے کی عمدہ منصوبہ بندی کی ہے۔''

''میری زندگی کے دن بہت ہیں۔ یہ انگریز کا بچہ مجھے کیا مارے گا۔ مجھے تفصیلات درکار ہیں۔'' میں نے ناراضی سے کہا۔ ''رابرٹ کے پھیلائے ہوئے جال کی فکر اس وقت ہوتی جب تم میرے ساتھ نہ ہوتیں اور جب تم نہ ہوتیں تو سارا کیوں ملتی؟ لارڈ کے گھر میں میرا اتنا عمل دخل ہی کیوں ہوتا۔ میں لندن میں کیسے آتا۔ میں کسی خستہ شکستہ دفتر میں کلرک کی میز پر بیٹھا فائلوں میں سر کھپا رہا ہوتا اور میرے چھوٹے بچے چیتھڑے لگائے گلی میں کھیل رہے ہوتے۔''

''کیا تم اس وقت بہت اداس ہو؟ سارا کے باپ کی موت کا صدمہ کچھ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں سارا تم سے قریب بھی تو آ گئی تھی۔''

انکا اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

''میں اداس اس لئے ہوں انکا کہ میں یہاں آرام سے کچھ دن گزارنا چاہتا ہوں۔ میں کسی معاملے میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''اس کی فکر بے کار ہے لیکن تمہیں سارا کے گھر اس وقت جانا ضرور ہوگا۔ جمیل تم بہت تھڑدلے ہو گئے ہو۔''

''میں اس وقت تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔'' میں نے زچ ہو کر کہا۔

انکا مجھے اسمتھ کے قتل اور رابرٹ کی سازش کی تفصیل بتانے لگی۔ اس کے منصوبے کی باریکیاں اس کی ذہانت پر دلالت کرتی تھیں۔ مجھ سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس پہلو کا ذکر سن کر میرا خون گرم

ہونے لگا اور میں نے طے کر لیا کہ یہ معاملہ اتنی آسانی سے ختم نہیں کیا جائے گا۔ ہوٹل سے باہر آ کر اور ٹیکسی پکڑ کر میں سارا کے مکان کی جانب روانہ ہو گیا۔ انکا راستے بھر مجھے تفصیلات بتاتی رہی۔ میں سنجیدگی سے اس کی ایک ایک بات ذہن نشین کر رہا تھا۔ اچانک انکا کے چہرے پر غصے اور حقارت کے تاثرات ابھرے، وہ تلملائی۔ ''جمیل! تم سارا کے گھر پہنچو۔ میں رابرٹ کی طرف جا رہی ہوں۔ اسے سارا کا فون مل چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر سے روانہ ہو، میرا وہاں پہنچنا بے حد ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو بات خواہ مخواہ طوالانی ہو جائے گی اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''کیا وہ بد بخت کوئی اور گل کھلانے کی سوچ رہا ہے؟'' میں نے نفرت سے پوچھا۔

''وقت کم ہے جمیل! اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں واپس آ کر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔'' انکا یہ کہہ کر پھدکتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی اور میں خود کو سارا کے گھر پیش آنے والے واقعات سے نمٹنے کے لئے تیار کرنے لگا۔ ٹیکسی میری ہدایت پر برق رفتاری سے فاصلہ کم کر رہی تھی۔

رالف اسمتھ کے محل نما مکان کے باہر پولیس کی کاروں کی قطار دیکھ کر ماتھا ٹھنکا۔ لندن کے مشہور زمانہ سراغ رسانوں اور پولیس کے لوگوں نے پہلے ہی وہاں کارروائی شروع کر دی تھی۔ میں ٹیکسی والے کا کرایہ ادا کر کے عمارت کا احاطہ عبور کرنے لگا۔ اندر پہنچا تو میرا اندیشہ درست ثابت ہوا۔ لارڈ رالف اسمتھ کی لاش اس کی خواب گاہ میں مسہری کے قریب فرش پر پڑی تھی۔ بستر کی بے داغ چادر آدھی مسہری پر تھی اور آدھی نیچے جھول رہی تھی۔ مجھے اس کرب کا اندازہ ہوا جس سے دوچار ہونے کے بعد اس زندہ دل بوڑھے نے موت سے شکست کھائی ہوگی۔ پولیس کے فوٹو گرافر اور انگلیوں کے نشانات کے ماہرین بڑی سرگرمی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ ایک پولیس افسر کمرے میں ایک جانب کھڑا سارا سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے سارا کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی حالت الم ناک تھی۔ اس کے چہرے کی ساری شگفتگی اور رعنائی ماند پڑ چکی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ میں اس سے نگاہیں نہ ملا سکا۔ تعزیت کرتے ہوئے مجھے ایک پشیمانی سی ہوتی ہے۔ نہ جانے کیوں میرا جی قدرت کی ستم ظریفی پر مسکرانے کو چاہتا ہے۔ جب میں کسی سے تعزیت کے جملے کہتا ہوں تو مجھے خود پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ الفاظ منہ سے ادا نہیں ہوتے اور سارا اظہار غم مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ موت کا غم جسے ہوتا ہے اسے پُرسا دینے والے ہمیشہ اپنے بیان میں ایک کمی محسوس کرتے ہیں۔ میری حیثیت مشکوک تھی۔ میں سارا کو کیا پُرسا دیتا، پولیس کے دوسرے ماہرین اور سراغ رساں مختلف زاویوں سے لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ یہاں کی پولیس اور ہندوستان کی پولیس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ لوگ بہت شائستہ انداز میں، بہت انہماک اور سنجیدگی سے کوئی گالی دیئے بغیر اپنا کام کر رہے تھے۔ میں نے معاً اس میز کی جانب نظر اٹھائی جو لارڈ کی مسہری کے سرہانے موجود تھی۔ میز پر رکھے ہوئے گلاس میں کچھ دودھ اب بھی موجود

تھا۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ لارڈ کی موت یہ دودھ پینے سے واقع ہوئی ہے۔ اس میں مہلک زہر کی آمیزش تھی۔ میں ابھی دودھ کا گلاس بغور دیکھ رہا تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے اس کی جانب دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ ”جمیل، اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دئے ہیں کہ پولیس آسانی سے اصل مجرم تک پہنچ جائے گی۔“ پھر انکا نے جو تفصیل مجھے بتائی اسے سن کر میرا دل چاہا کہ اسے گود میں اٹھا کر سینے سے لگا لوں۔ اس نے مجھے بچانے کی خاطر جو اقدام کیا تھا وہ انتہائی جامع اور دلچسپ تھا۔ اچانک سارا کی نظر مجھ پر پڑی، وہ کسی وحشت زدہ بیوی کی طرح دوڑتی ہوئی میرے قریب آئی اور میرے سینے سے لپٹ کر روتے ہوئے بولی۔ ”دولت علی! یہ کیا ہو گیا؟ میرے پاپا مجھ سے کیوں ناراض ہو گئے؟ کیا میں اتنی بری تھی؟“

”ہمت سے کام لو سارا۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”سارے انسانوں کا مقدر یہی ہے، پہلے یا بعد کی بات ہے۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ انسان صبر کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔“

سارا میرے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ مجھ سے ضبط نہیں ہوا۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ کمرے میں موجود ماہرین میں سے کچھ نے ایک لمحے کے لئے میری جانب غور سے دیکھا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ پولیس افسر آگے بڑھا جو سارا سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے اشارے سے ہدایت کی کہ میں سارا کو جائے حادثہ سے الگ لے جاؤں۔ میں نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور سارا کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہ بری طرح بین کر رہی تھی۔ میرے لئے یہ لمحے بڑے صبر آزما تھا۔ اس کا غم دیکھ کر مجھے اپنی ماں اور نرگس کی موتیں یاد آ گئیں، مالا کا زخم بھی ہرا ہو گیا۔ میں اسے صبر کی تلقین کر رہا تھا حالانکہ میں خود بھی نڈھال ہو گیا تھا۔ اسی وقت رابرٹ تیز قدمی سے کمرے میں داخل ہوا۔ ہم دونوں میں معنی خیز نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ایک بار جی میں آئی کہ اس کم بخت کو ابھی زیر زمین کر دوں۔ رابرٹ نے مجھے دیکھ کر رعونت سے منہ پھیر لیا پھر لپک کر قریب آیا اور سارا سے مخاطب ہوا۔ ”یہ سب اچانک کیسے ہو گیا سارا؟ انکل شام تک تو ٹھیک تھے۔ میری ان سے فون پر بات ہوئی تھی۔ تمہارا فون آیا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ میرا خیال تھا کہ تم نے مجھے پریشان کرنے کے لئے خطرناک مذاق کیا ہے لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا ہے کہ بساط واقعی الٹ گئی ہے۔ مجھے شدید صدمہ ہے۔ میں تمہارا غم محسوس کر رہا ہوں۔“

سارا نے رابرٹ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ رحم طلب نظروں سے اسے دیکھ کر دوبارہ میرے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ مجھے احساس تھا کہ سارا کو میرے سینے سے لگا دیکھ کر رابرٹ پر کیا گزری ہو گی۔ اس لمحے انکا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ”جمیل! دیکھ رہے ہو اس حسین نوجوان کی دیدہ دلیری؟ اجازت ہو تو لمحوں میں اس کا بھرم خاک میں ملا دوں؟ میری مانو تو اسے

زیادہ ڈھیل دینا مناسب نہیں ہے۔“

”جلد بازی سے کام مت لو انکا۔“ میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ ”اسے اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس کی رسوائی کا تماشا سب کو دیکھنا چاہئے۔ یہ بچ کر کہاں جائے گا لیکن اسے عبرت انگیز انجام سے دوچار کرنا ضروری ہے۔“

کچھ دیر بعد پولیس کے دو افسر کمرے میں آ گئے۔ رابرٹ نے پریشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کیوں آفیسر! انکل اسمتھ کی افسوس ناک موت کا سبب معلوم ہوا؟“

”ہاں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ لارڈ نے کوئی زہر پیا تھا لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے سے پہلے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔“

”زہر؟ نہیں نہیں آفیسر۔ میں نہیں مان سکتا۔“ رابرٹ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”انکل بڑے مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ ان کا شمار ایسے لوگوں میں کیا نہیں جا سکتا جو کسی نازک لمحے میں تنگ آ کر موت کا فیصلہ کر بیٹھیں۔ میرا خیال ہے...... انکل یقیناً کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں مگر ان کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔“ رابرٹ نے سوچتے ہوئے کہا۔

”آپ کی تعریف؟“ پولیس افسر نے رابرٹ سے سوال کیا۔

”میرا نام رابرٹ ہے۔ انکل اسمتھ سے ہمارا خاندانی رابطہ ہے۔ کچھ اور رابطے ہونے والے تھے مگر آہ...“ رابرٹ نے سارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے اس دردناک حادثے کی اطلاع سارا نے دی تھی۔“

”ہو سکتا ہے آپ کا اندیشہ درست ہو۔“ پولیس افسر نے متانت سے جواب دیا۔ ”پوسٹ مارٹم اور نشانات کے ماہرین کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔“

سارا نے جیسے طے کر لیا تھا کہ اسے صرف میرے سینے میں سکون ملے گا۔ وہ سسک رہی تھی اور میں رابرٹ اور پولیس افسر کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ رابرٹ بار بار اس شبہے کا اظہار کر رہا تھا کہ لارڈ اسمتھ کی موت میں کسی گہری سازش کا ہاتھ ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز بڑا جذباتی تھا۔ وہ بار بار طیش میں ہاتھ ملنے لگا۔ اسمتھ خاندان سے اپنے رشتوں اور رابطوں کا ذکر وہ ایسے لہجے میں کر رہا تھا جیسے لارڈ کی موت کا دکھ عرصے تک محسوس کرتا رہے گا۔ رابرٹ کے بعد پولیس افسر نے سارا سے سوال کرنے شروع کر دئے۔ میں اس تمام عرصے میں خاموش تماشائی کی طرح کھڑا رہا۔ سارا نے کسی سازش کے امکان پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایک اور سوال کے جواب میں اس نے پولیس کو میرا اور رابرٹ کا نام بتایا۔ سارا کے بیان کے مطابق اس روز میرے اور رابرٹ کے سوا کسی نے مرحوم سے ملاقات نہیں کی تھی۔ پولیس افسر نے اپنے ایک ماتحت کو حکم دیا کہ گھر کے تمام [illegible] انگلیوں کے نشانات لئے جائیں۔

ماتحت کے جانے کے بعد رابرٹ نے ایثار پسندانہ انداز میں اپنی انگلیاں بھی پولیس کے سامنے پیش کر دیں۔ پولیس افسر بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے پہلے رابرٹ کی انگلیوں کے نشانات لئے پھر میری جانب دیکھا انکا تمام کارروائی دیکھ رہی تھی، وہ دخل دیتے ہوئی بولی۔ ''جمیل! اب برداشت نہیں ہو سکتا۔ یہ وقت خاموشی کا نہیں ہے۔ اگر اب بھی تم نے بساط نہ پلٹی تو حالات بگڑ جائیں گے۔''

میرے لئے اب خاموش رہنا مناسب نہیں تھا۔ پولیس افسر نے میری انگلیوں کے نشان لینے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے خاموشی سے اس کی بات مان لی۔ جس وقت میں اپنی انگلیوں کے نشانات کاغذ پر منتقل کر رہا تھا، رابرٹ کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ پولیس افسر جب میرے نشان لے چکا تو رابرٹ نے کہا۔

''مسٹر دولت علی! آپ تو علم نجوم کے ماہر ہیں اور تنویمی عمل میں آپ کی مہارت میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ سنا ہے آپ بہت سے باطنی علوم سے بھی واقف ہیں۔ کیا آپ انکل اسمتھ کی موت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے؟''

''جمیل!'' انکا غرا کر بولی۔ ''بس کرو۔ یہ شخص اپنے آپے میں نہیں ہے، اسے بڑی خوش فہمی ہو رہی ہے کہ یہ پوری طرح محفوظ ہے۔''

''مسٹر دولت علی!'' پولیس افسر نے میرا تعارف سننے کے بعد مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ ''ہندوستانیوں کے بارے میں ایسی باتیں کتابوں میں ہیں، کیا آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے؟''

میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ پولیس افسر جس کا نام ہارڈی تھا، وہ رابرٹ کی شہ پا کر میری اور ہندوستانیوں کی تضحیک کر رہا تھا۔ یہ تضحیک یوں تو ہر انگریز ہندوستانی کو دیکھ کر کرتا تھا جیسے ہم نیچ نسل کے لوگ ہیں۔ یہاں آ کر میرے ذہن میں اس پوری اونچی نسل سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں ان کی نگاہیں پہچانتا تھا جن میں غرور اور تکبر ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ میں نے ایک نظر سارا پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی سسک رہی تھی۔ رابرٹ پولیس افسر کے قریب فخر سے گردن اکڑائے کھڑا تھا۔ میں نے ہارڈی کو مخاطب کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''آفیسر! میں پولیس سے تعاون کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں لیکن یہ موقع میری باطنی صلاحیتوں کے آزمانے کا نہیں۔ کیا لندن کے تجربے کار پولیس افسر میری باتیں درخور اعتنا سمجھیں گے؟''

''یقیناً!'' ہارڈی نے الفاظ چباتے ہوئے شانے اچکا کر جواب دیا۔ ''اگر آپ کا علم قانون کو کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کر سکے تو اسے نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ ویسے یہ تجربہ ہم سب کے لئے دلچسپ ہو گا۔''

''لیکن ایک شرط ہے۔ میں واقعے کی تشہیر پسند نہیں کروں گا۔ اگر لندن کی معزز پولیس یہ وعدہ کرے کہ وہ میری شہادتوں کی غ...

یہاں تفریح کے لئے آیا ہوں۔ اپنے پیچھے ہجوم لگانے نہیں آیا۔ یوں بھی میں ایک گوشہ نشین شخص ہوں۔'' میں نے انکسار سے کہا۔

''ہمیں آپ کی ذات میں دلچسپی ہو رہی ہے۔'' ہارڈی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کی شرط ہمیں قبول ہے۔ یہ گفتگو آف دی ریکارڈ ہے۔ آپ اعتماد رکھئے۔''

میں نے ہارڈی کو گھور کر آنکھیں بند کر لیں۔ انکا مجھے پہلی حالات سے باخبر کر چکی تھی۔ کمرے میں موجود افراد کو متاثر کرنے کے لئے میں یوں ہی کچھ دیر آنکھیں بند کئے کھڑا رہا اور بڑبڑاتا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ''مسٹر ہارڈی! میں سمجھتا ہوں کہ لارڈ رالف اسمتھ کو قتل کیا گیا ہے اور قاتل مع ثبوت اسی چھت کے نیچے موجود ہے۔''

رابرٹ میری بات سن کر ایک لمحے کے لئے چونکا پھر تیزی سے بولا۔ ''سوچ لیجئے۔ آپ حیرت انگیز بات کر رہے ہیں دولت علی۔ کیا آپ نشانات کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں جو ماہرین کو جائے واردات سے دستیاب ہوئے ہیں۔''

''میرا باطن پکار رہا ہے کہ لارڈ رالف اسمتھ کو دودھ میں زہر دیا گیا ہے۔'' میں نے رابرٹ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہارڈی سے کہا۔ ''اس سازش میں مجھے ایک مرد اور ایک عورت کا ہاتھ نظر آ رہا ہے کیونکہ مرد کا ستارہ دلو میں داخل ہو چکا ہے اور عورت بھی دلو میں پہنچ گئی ہے۔ رہا گلاس پر ملنے والے انگلیوں کے نشانات کا مسئلہ تو وہ یقیناً میرے ثابت ہوں گے۔''

ہارڈی مجھے حیرت سے دیکھنے لگا اور میرا جواب سن کر یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ رابرٹ کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ بڑی گہری اور معنی خیز تھی۔ ہارڈی نے مجھے سخت نظروں سے گھور کر بولا۔ ''آپ کا بیان آپ کے حق میں سنگین صورت اختیار کر سکتا ہے۔''

''اگر مسٹر ہارڈی میرے بیان کی تصدیق چاہتے ہیں تو نشانات کے جو ماہرین موجود ہیں، وہ اسی وقت بھی اپنی رپورٹ مرتب کر سکتے ہیں۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ رابرٹ نے اس وقت ہارڈی کے کان میں کوئی سرگوشی کی جس کے بعد نشانات کے ماہرین کو قریب بلا کر ضروری ہدایات دے دی گئیں۔ سارا اس ساری کارروائی کو حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''مسٹر دولت! اگر ماہرین نے آپ کے بیان کی تصدیق کر دی تو مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔'' ہارڈی نے شک کے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہو گا۔ میں اسے لندن کے ایک تجربے کار اور عالی دماغ افسر کا جذباتی فیصلہ سمجھوں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''محض دودھ کے گلاس پر میری انگلیوں کے نشانات کا ملنا مجھے قاتل ثابت نہیں کر سکتا۔ مس سارا، غریب سارا اپنے بیان میں اس حقیقت کا اظہار کر چکی ہے کہ لارڈ کی موت

Downloaded from Paksociety.com

سے قبل آخری بار میں نے مرحوم سے ملاقات کی تھی۔ آپ اس پہلو پر کیوں نہیں سوچتے کہ مجھ اجنبی کو سازش میں ملوث کرنے کے لئے ہی گلاس استعمال کیا گیا ہوگا جو میں نے مرحوم کے ساتھ مشروب پیتے وقت استعمال کیا تھا۔ ویسے پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد قتل کے وقت کا تعین ہوسکتا ہے، تاہم فی الحال اس طوالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چند بنیادی باتیں جناب کے گوش گزار کر چکا ہوں۔'' میں نے نہایت سکون سے کہا۔

''میرا اندازہ ہے کہ آپ ان سنگین واقعات کے بارے میں خاصے ہوش مند اور تجربے کار آدمی ہیں۔ مسٹر دولت علی! آپ ہندوستان میں کیا کرتے ہیں؟'' ہارڈی نے اچانک سوال کیا۔

''لارڈ اسمتھ کیا کرتے تھے؟ نوابین کام نہیں کرتے۔'' میں نے افتخار سے کہا۔ ''بخدا یہ سوال اگر ہندوستان میں کیا جاتا تو توہین میں شمار ہوتا۔''

''خوب!'' ہارڈی کے ساتھ جو سراغ رساں تھا، وہ بولا۔ ''میرا خیال ہے آپ ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اس واقعے کے بعد اگر آپ کے ہاتھ صاف نظر آئے تو میں آپ سے ملنا پسند کروں گا۔''

''مجھے مسرت ہوگی۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''یہ غلط ہے میرے محترم دوست کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ مجرم شہادتوں کے ساتھ پہچانا جائے تو میری ذمے داری ختم ہو جائے گی اور میں آرام سے یہاں تفریح کرسکوں گا اسی لئے میں کارروائی ہر لحاظ سے مکمل چاہتا ہوں۔ مسٹر رابرٹ اگر میرا تعارف نہ کراتے تو میں شاید اپنی زبان بند رکھتا مگر اب یہ ضروری ہے کہ اب میں اپنے اس علم کا ثبوت پیش کروں جس پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اور ساتھ ہی اپنا دامن بھی بچاؤں۔''

سراغ رساں میرا جواب سن کر پہلو بدلنے لگا۔ کمرے میں کچھ دیر سکوت رہا۔ پھر اس وقت ہارڈی کی نظریں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب نشانات کے ماہر نے اپنی رپورٹ لا کر دی پھر اس نے مجھے کرخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ''مسٹر دولت علی! یہ ثابت ہوگیا ہے کہ دودھ کے گلاس پر ملنے والے نشان صد فیصد تمہاری انگلیوں کے ہیں۔ میں تمہیں فوراً حراست میں لینے پر مجبور ہوں۔''

''مسٹر ہارڈی! آپ عجلت کر رہے ہیں اور آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے اس سازش میں ایک مرد اور ایک عورت کو شریک بتایا تھا جو اس وقت بھی مکان کے اندر موجود ہیں۔'' میں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔ ''مسٹر رابرٹ کو میرے بارے میں بہت سی باتیں معلوم نہیں ہیں۔ یہی نادانی اصل میں ان کی کمزوری بن گئی، میں علم نجوم اور نفسیاتی طریقہ کار کے علاوہ دیگر مشرقی علوم کے بارے میں بھی تھوڑی بہت شد بد رکھتا ہوں جنہیں مغرب کے دماغ قبول نہیں کرتے مگر آپ نے مردہ آدمیوں سے گفتگو کے علم کے بارے میں ضرور سنا ہوگا؟ ہمارے مشرق میں یہ یقین ہے کہ روحیں جسم سے جدا ہوکر فضاؤں میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور انہیں کسی بھی وقت طلب کیا جاسکتا ہے۔ میں سامنے کی

بات کرتا ہوں، رات گزر گئی ہے۔ آپ لوگوں کو زحمت ہو رہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں لارڈ اسمتھ کی روح سے حقیقت حال جاننے کی درخواست کروں۔ مجھے کچھ دیر کے لئے مہلت دیجئے۔''

''یہ کس طرح ممکن ہے؟'' سراغ رساں نے بیزاری سے کہا۔

''مجھے ایک کوشش کی اجازت دی جائے۔ میں صرف پندرہ منٹ لوں گا لیکن مجھے ایک شخص کی ضرورت ہے جو میرا معمول بن کر لارڈ اسمتھ کی روح کی ترجمانی کر سکے۔ مجھے ایک گلاس اور ایک میز کی بھی ضرورت ہے۔ یہ عمل آپ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیا یہ بات دلچسپ نہیں ہوگی کہ لارڈ اسمتھ اپنے قتل کا واقع خود بیان کریں؟'' میں نے پُراثر لہجے میں کہا۔

''پندرہ منٹ!'' سراغ رساں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''مسٹر دولت علی! آپ قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ بہرحال میں آپ کا معمول بننے کے لئے آمادہ ہوں۔''

''خوب!'' میں نے کہا اور بعجلت تمام اسے ایک میز کے گرد بٹھا دیا اور ایک گلاس اس کے سامنے رکھ کر اسے حرکت دینے کو کہا جس طرح عام طور پر لوگ روح کو بلانے کے لئے کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ روح کو بلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا نہیں۔ میرا مقصد کچھ اور تھا۔ میں انکا کو سراغ رساں کے سر پر بھیج کر اپنے مطلب کی بات کہلوانا چاہتا تھا۔ جب گلاس کی گردش تھم گئی اور انکا سراغ رساں کے سر پر چلی گئی تو میں نے اسے مخاطب کیا، ظاہر ہے روح نے جواب دیا۔ لارڈ اسمتھ کی روح نے۔ سارا پاپا، کہہ کر چیخنے لگی۔ ہارڈی نے اسے سنبھالا دیا۔ میں نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں نے ماحول کو کچھ تاثر دینے کے لئے روشنیاں کم سے کم کروا دی تھیں۔ پھر میں نے بھاری آواز میں سراغ رساں کو مخاطب کیا۔ ''لارڈ اسمتھ کی پاک روح! میں معذرت خواہ ہوں کہ تجھے طلب کیا گیا ہے۔ میرے سوالات کا جواب دینے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر۔ کیا تو وہی ہے جو میں سمجھ رہا ہوں۔''

اچانک سراغ رساں کی زبان کھل گئی۔ ''میں لارڈ اسمتھ کی روح ہوں، مجھے جلد جانے دو۔''

''صرف چند لمحے!'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''اے پاک روح! تیرا رشتہ ابد سے ہے۔ بتا ہے تجھے لارڈ کے جسم سے جدا کرنے کی سازش میں کون کون شریک تھا؟ تو باطن کا حال جانتی ہے کیوں کہ تو ایک روح ہے۔ مجھے صحیح صحیح بتا، اب تیری صلاحیتیں بے پناہ ہیں۔''

''مجھے میرے جسم سے ایک مرد اور ایک عورت نے جدا کیا ہے۔ مجھے اب جانے دو۔'' سراغ رساں کے ہونٹوں سے مدھم آواز ابھری۔ کمرے میں پُرہول سناٹا طاری تھا۔ کسی کے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''اس عورت کا نام کیا ہے؟ اور اس نے اس سازش میں کیوں حصہ لیا؟'' میں نے بہ عجلت تمام دریافت کیا۔

"اس عورت کا نام لزی ہے۔ اس نے دودھ میں زہر دیا تھا اور اسے اس کام کے عوض بھاری رقم کا لالچ دیا گیا تھا۔"

"مجھے تفصیل درکار ہے اے پاک روح! اس کے بغیر تیری واپسی ناممکن ہے۔" میں نے سراغ رساں کے ہونٹ ساکت دیکھ کر کرخت آواز میں کہا۔

"لزی کو دو سو پاؤنڈ کی رقم دی گئی تھی جو اس وقت بھی اس کے سوٹ کیس میں موجود ہے۔ وہ بظاہر ایک شریف عورت ہے لیکن دولت کے لالچ نے اسے اس سازش میں شریک ہونے پر مجبور کر دیا۔ زہر دینے کے لئے وہ گلاس استعمال کیا گیا تھا جس پر دولت علی کی انگلیوں کے نشان موجود تھے۔ رابرٹ نے لزی کو زہر فراہم کیا تھا۔ زہر کی باقی مقدار نیلے رنگ کی شیشی میں ہے۔ وہ شیشی اس وقت رابرٹ کے کوٹ کی جیب میں موجود ہے۔"

رابرٹ اس انکشاف پر بوکھلا گیا۔ اس نے فوراً فرار ہونے کی کوشش کی لیکن دروازے بند ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔ ہارڈی اور پولیس کے دوسرے عملے نے اسے پل بھر میں بے بس کر دیا۔ سارا غم و غصے سے لرزنے لگی۔ میں نے ان سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا پھر اپنے معمول سراغ رساں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رابرٹ نے اس سازش کا جال کیوں پھیلایا تھا؟"

"اس سازش کے ذریعے رابرٹ، دولت علی خان کو راستے سے ہٹا کر سارا سے شادی کر کے تمام جائیداد اور دولت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسے دولت علی خان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں سارا اس کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اس سے زیادہ مجھ سے مت معلوم کرو۔ میں کرب کی حالت سے دوچار ہوں، مجھے آزادی درکار ہے۔"

"اجازت ہے۔" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

دوسرے ہی لمحے سراغ رساں سر جھٹک کر اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ ہارڈی مجھ سے بری طرح مرعوب نظر آ رہا تھا۔ سراغ رساں کے اٹھنے کے بعد اس نے سب سے پہلے رابرٹ کی جامہ تلاشی لی۔ زہر کی شیشی برآمد ہو گئی۔ وہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں موجود تھی۔ ہوٹل سے میری روانگی کے بعد انکا اسی لئے رخصت ہوئی تھی کہ رابرٹ کو وہی کوٹ پہننے پر مجبور کرے جس میں زہر کی شیشی موجود ہے۔ رابرٹ نے زہر کی شیشی برآمد ہونے کے بعد بھی لارڈ کے قتل کا اقرار نہیں کیا لیکن لزی نامی ملازمہ کے سوٹ کیس سے دو سو پاؤنڈ کی رقم دستیاب ہو گئی اور لزی نے اقرار جرم کرتے ہوئے کہا کہ اس نے محض رابرٹ کی دی ہوئی رقم کے لالچ کے تحت دودھ میں زہر ملایا تھا۔ رابرٹ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سارا کی کیفیت اس درمیان پاگلوں کی سی رہی۔ وہ بار بار رابرٹ کی طرف ہذیانی انداز میں لپکتی تھی لیکن میں نے اسے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ پولیس کا عملہ جب رابرٹ اور لزی کو ٹھوس ثبوت کے ساتھ گرفتار کر کے

جانے لگا تو ہارڈی نے مجھ سے کہا۔ "مسٹر دولت علی! آپ سے دوسری ملاقات یقیناً میرے لئے باعث فخر ہو گی۔"

سارا کی دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دل دوز انداز میں بین کر رہی تھی۔ رابرٹ کے قاتل ہونے کے انکشاف نے سارا کے ذہن پر برا اثر ڈالا تھا۔ میرے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ جب تک ڈاکٹر نہیں آیا، سارا در و دیوار سے سر ٹکرانے کی کوشش کرتی رہی۔ ڈاکٹر نے اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا۔ آخر اس کی حالت بتدریج سنبھلنے لگی، مجھے رات اسی کے ہاں گزارنی پڑی۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ اس طویل شعبدے بازی کی کیا ضرورت تھی؟ رابرٹ کو انکا کے سر پر بھیج کر اقرار جرم کرا لیا جاتا؟ ہاں یہ بات آسان تھی مگر اس کے لئے عرصے تک انکا کو رابرٹ کے سر پر رہنا پڑتا اور میں لندن جیسے اجنبی شہر میں انکا کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے پولیس کے عملے، سراغ رساں اور سارا کے سامنے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ انکا کو بھیجنے کی زحمت بار بار نہ کرنی پڑے اور میں کسی مشکوک شخص کی حیثیت سے پولیس کی نظروں میں بھی نہ رہوں۔ اس واقعے کی تشہیر کے متعلق میں نے پولیس سے وعدہ لے لیا تھا اور مجھے امید تھی کہ اب وہ مجھے بدنام نہیں کریں گے کیوں کہ اگر وہ درمیان کے واقعات حذف بھی کر جاتے تو بھی ثبوت کی فراہمی کارروائی میں ریکارڈ کی جا سکتی تھی۔ لندن میں بہت جلد اس سنگین واقعے سے گلو خلاصی ہو گئی ورنہ نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرنا پڑتا۔

☆......☆......☆

لارڈ اسمتھ کی موت کو تقریباً بیس دن گزر چکے تھے۔ رابرٹ اور لزی کا معاملہ عدالت میں پیش تھا لیکن اس حادثے نے لندن میں میرا سکون منتشر کر دیا تھا۔ ویسے مجھے عدالت میں کبھی پیش نہیں ہونا پڑا۔ مجھے احساس تھا کہ جو نوجوان کسی کے قتل کا ارادہ کرے، اس کا ماضی میں یقیناً جرائم پیشہ لوگوں سے وابستہ رہا ہو گا۔ اس لئے اندیشہ تھا کہ اس کے جرائم پیشہ حمایتی یقیناً مجھے پریشان کریں گے اور یہی ہوا۔ مجھے اغوا کرنے، اقرار جرم کروانے اور آخر قتل کرنے تک کی کوششیں کی گئیں۔ کئی چھوٹے چھوٹے واقعات رونما ہوئے مگر وہ زیادہ دلچسپی کے حامل نہیں ہیں چنانچہ میں انہیں بیان کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔ میری سرگزشت خاصی طویل ہو گئی ہے۔ میں واقعات سمیٹ رہا ہوں۔ کوئی کہاں تک میری روداد اشک و خون، میری داستان عبرت سنے گا اور میں کہاں تک سناؤں گا لیکن بعض واقعات دل پر ایسے نقش ہیں اور ان کا ایسا غبار ذہن پر ہے کہ ایک واقعہ کریدتا ہوں تو دوسرا اس کے پہلو میں نکل آتا ہے۔ ایک بات ختم کرتا ہوں تو دوسری خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میری اس سرگزشت سے لوگوں نے کیا تاثر قبول کیا ہو گا؟ تاہم اس حقیقت میں کسی کو کوئی کلام نہ ہو گا کہ میں نے عام انسانوں سے کہیں زیادہ تجربے کئے ہیں اور صدمے اٹھائے ہیں۔ ایسے حیران کن واقعات سے میرا سابقہ پڑا ہے کہ انسانی ذہن

انہیں قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ میرے پاس ایک طاقت تھی اور میں نے اس کے ذریعے انسانوں کو اندر سے کھنگالا اور ٹٹولا ہے۔ میں نے لوگ دیکھے، دنیا دیکھی اور زندگی کے عجیب نشیب وفراز دیکھے۔ یہ سرگزشت جب اختتام کو پہنچے گی تو شاید آپ اس شخص کی خونیں روداد سے کوئی نتیجہ اخذ کریں اور پُراسرار کائنات، انسان کا ظاہر و باطن، موت وزندگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکیں۔ یہ فلسفہ نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ مجھ پر جو گزری ہے، وہ میں بے کم وکاست بیان کر دیتا ہوں۔ لندن میں بھی میرے ساتھ حسب معمول عجیب عجیب حادثے پیش آئے۔ میری ساری زندگی حادثوں سے عبارت ہے۔ بہر حال...... رابرٹ کے لوگ میرے پیچھے لگ گئے لیکن انکا کی وابستگی کے ساتھ جمیل احمد خان کا یہ لفنگے کیا بگاڑ سکتے تھے۔ ادھر رابرٹ کے والدین اپنے فرزند دل بند کو بری کرانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے تھے۔ اب میرا لندن میں رہنا ضروری تھا۔ اگر میں فرار ہو جاتا تو اونچی نسل کے برخود غلط لوگ ہندوستان تک میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ اس لئے کہ ہند پر بھی ان کی حکومت تھی۔ جب رابرٹ کے کردار کی چھان بین کی گئی تو اس کی شورہ پشتی کے بیسیوں واقعات پولیس کے سامنے آئے۔ سوگوار سارا رفتہ رفتہ معمول پر آ رہی تھی۔ وہ حسین لڑکی اب اپنے باپ کی تمام جاگیر اور اثاثوں کی تنہا مالک تھی۔ اس نے مجھ سے بہت اصرار کیا کہ میں اسی کے ہاں قیام کروں لیکن میں حتی الامکان محتاط رہنے کی کوشش کرتا۔ شروع شروع میں تو سارا کا حسین سراپا دیکھ کر میرے دل میں کسک سی ہوتی تھی لیکن اب لارڈ کے اچانک انتقال کے بعد مجھے سارا کی حالت زار پر ترس آنے لگا تھا اور وہ تھی کہ میرے نام پر جیتی تھی۔ سارا کے اعزا اور لارڈ کے قریبی دوستوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا کیونکہ اب وہ ایک مال دار ترین لڑکی تھی۔ اس کی دلجوئی اور غم خواری کے لئے ہر وقت ایک ہجوم جمع رہتا۔ یہ ہجوم دیکھ کر میں اس سے کسی قدر دور رہنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ لوگ مجھے مشکوک اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ میں نے اکثر اشارتاً سارا کو سمجھایا کہ اس کے باپ کے مرنے کے بعد وہ خیر خواہ اچانک اکٹھے ہو گئے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ شام کو میں اسے چھوڑ دیتا تھا اور شام ہی کو یہ لوگ اس کے گھر جمع ہو جاتے تھے۔ میں اس کے ساتھ شب وروز نہیں رہ سکتا تھا اس لئے کہ میں لندن میں صرف سارا کی وجہ سے نہیں آیا تھا۔ سارا تو سر راہ مل گئی تھی۔ شہر میں جب غنڈوں نے مجھے پریشان کیا تو میں لندن کے ایک مضافاتی علاقے میں منتقل ہو گیا۔ یہ جگہ شہر سے تیس میل دور تھی لیکن سارا روز مجھ سے ملنے آتی اور گھنٹوں تک میرے پاس، میرے پہلو میں بیٹھی رہتی۔ میری آغوش میں سمٹی رہتی۔ میں اس کی اداس آنکھوں میں جھانکتا رہتا۔ اس نے کئی بار مجھے رقم کی پیشکش کی مگر میں نے مسکرا کر ٹال دیا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ جمیل احمد خان سر شام زندہ ہوتے تھے، جس طرح لندن پہ شام ڈھلے شباب آتا تھا۔ دن میں یورپ اور ایشیا میں کیا فرق ہے۔ فرق صرف رات کا ہے۔ لندن میں رات بڑی حسین

ہوتی ہے۔ رات کو لندن کے اونچے درجے کے قمار خانوں میں داخل ہونے کے بعد میرے پاس دولت کی کمی نہیں رہتی تھی۔ میں دن بھر یہی سوچتا رہتا تھا کہ یہ رقم ٹھکانے کس طرح لگاؤں۔ روز رات آ جاتی تھی اور رقم پھر بھی باقی رہ جاتی تھی۔ کچھ دن لارڈ کے انتقال کے بعد سارا کے ساتھ گزر گئے۔ اس کے بعد میں لندن میں گھوما اور میں نے کل پر اعتبار نہ کرتے ہوئے اپنی راتیں لندن کی رنگینیوں میں ڈبو دیں۔ ایک کے بعد ایک ہوٹل، شباب ومستی کی محفلیں، نازک ادا دوشیزاؤں کے قرب کی سرسراہٹیں، ان کے بدن کی خوشبوئیں...... لندن میں بھلا اور کیا تھا؟ دن بھر یہ لوگ کام کرتے تھے اور رات کو مستی میں ڈوب جاتے تھے۔ انہیں غلام بنانا اور عیش کرنا آتا تھا۔ میں جب وہاں گیا تھا تو انہی جیسا ہو گیا تھا۔ میں سب کچھ بھول گیا اور میں نے سب کچھ بھلانے کی بھرپور کوشش کی۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہندوستان میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ہندوستان میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی۔ اس نفرت کا ردعمل انگلستان میں رہنے والے ہندوستانیوں کو بھگتنا پڑتا تھا۔ لندن میں امراء کے بعض ہوٹل ایسے تھے جہاں کالوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ وہ جنگ کا زمانہ بھی تھا۔ کسی وقت بھی دنیا جنگ کی لپیٹ میں آ سکتی تھی۔ لندن ایک بین الاقوامی شہر، برطانیہ عظمیٰ کا عظیم شہر بین الاقوامی سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ مجھے بظاہر سیاست وحکومت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے اپنی ذات کے ہنگاموں سے کہاں فرصت ملتی تھی لیکن جی چاہتا تھا کہ انگریزوں کا یہ پورا شہر آگ میں پھونک دوں، ان کی پوری نسل تباہ کر دوں۔ یہ جذبہ لندن میں شدت اختیار کر گیا اور یہی جذبہ مجھے کشاں کشاں ایسے کلب میں جانے پر مجبور کرنے لگا جس میں ہم کالے داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ لندن سے کوئی پانچ میل دور امرائے برطانیہ کا ایک کلب خاصا مشہور تھا۔ سنا تھا کہ وہاں صرف بڑے لوگ ہی جا سکتے ہیں۔ جب مجھے انکا نے بتایا کہ سارا کے مہربان اعزا نے اسے اپنی جانب مائل کرنے اور اس کی بے پناہ دولت پر قبضہ جمانے کے لئے اسے کلب میں لے جانا شروع کر دیا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ سارا دشمنوں کے نرغے میں گھر گئی تھی۔ میں کس کس سے لڑتا؟ ایک رات میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اس کلب میں ضرور جاؤں گا اور ان کے چہرے دیکھوں گا۔ میری یہ خواہش قطعی فطری تھی۔ انکا جس کے پاس ہو اس کے دل میں ایسی خواہشات شدت سے ابھرتی ہیں۔ اس رات میں نے سیاہ شیروانی زیب تن کی، ہوٹل کی گاڑی کرائے پر لی اور منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب میری کار کلب کے بڑے گیٹ پر پہنچی تو دو کوڑی کے ایک دربان نے سختی کے ساتھ مجھے آگے جانے سے منع کر دیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ گورا، ہندوستانی ثابت ہوا۔ کسی قدر اکراہ کے بعد اس نے مجھے راستہ دے دیا۔ میری کار وسیع اور خوش نما لان عبور کرتی ہوئی کلب کے خاص دروازے پر پہنچ گئی۔ اندر داخل ہونے کا مرحلہ سخت تھا۔ سب سے پہلے میری کار کا دروازہ ایک مستعد انگریز نے کھولا۔ جب

میں کار سے باہر آیا تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس نے معذرات خواہانہ لہجے میں مجھے کلب میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے اس سے اصرار کیا کہ میں ہندوستان کی ایک ریاست کا نواب ہوں۔ حکومت برطانیہ کے خاص اعزازت مجھے حاصل ہیں۔ میرا شماران کالوں میں ہوتا ہے جو عموماً ایشیاء، افریقہ اور امریکا سے آتے ہیں۔ وہ مجھ سے بالکل مرعوب نہیں ہوا۔ اسے ٹپ دینے کی پیش کش بھی ناکام ثابت ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ "مجھے جانے دو۔ یہ تاج برطانیہ کے ایک وفادار کی توہین ہے" اس نے اس بات کی بھی پروانہ کی۔ اچھی خاصی تلخی ہونے لگی۔ کچھ میں بھی گرم ہو گیا۔ میں نے انکا کو اس کے سر پر بھیجنے سے گریز کیا۔ یہ تو تو میں میں دیکھ کر ہوٹل کے دوسرے منتظمین بھی آ گئے۔ پھر میں نے جلال کے عالم میں کہا۔ "بخدا میں یہ کمینگی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اندر جانے کی اجازت ملنی چاہئے۔" یہ کہہ کر میں نے اپنا پستول نکال لیا۔ پستول دیکھتے ہی وہ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور میں تمام کروفر اور بے نیازی کے ساتھ کلب میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچا تو معطر فضاؤں نے میرا احاطہ کر لیا۔ وہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ سرگوشیاں، لطیف قہقہے، شراب کی بو اور دھیمی موسیقی۔ اندر کی عمارت سے ایک شان ٹپکتی تھی۔ میں نے پستول جیب میں رکھ لیا تھا۔ میں امرائے لندن کے درمیان بیٹھ گیا۔ زیادہ تر میزیں بھری ہوئی تھیں اور مختلف جوڑے ایک دوسرے سے بے پروا ہو کر راز و نیاز میں مصروف تھے۔ وسیع ہال کے ارد گرد کمرے تھے۔ ان کمروں میں دوسری تفریحات کا انتظام بھی موجود تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کلب میں کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے کیونکہ اس سے کلب کی بدنامی ہوتی ہے۔ وہ میری واپسی تک منتظر رہیں گے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ میرے بیٹھتے ہی ایک شخص مؤدب انداز میں میرے قریب آیا اور کلب کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بتانے لگا۔ میں نے کہا کہ میرا مقصد صرف کچھ دیر کی سیر و تفریح ہے۔ میں لندن کے امراء کی زندگی قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے مطالعہ و مشاہدہ کرنا ہے۔ یہاں مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ وہ زچ ہو کر چلا گیا۔ میرے مخصوص لباس نے بہت جلد کلب کے ممبروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ منتظم فرداً فرداً میرے پاس آ کر خوشامد کرتے رہے اور میں ڈھٹائی سے بیٹھا رہا۔ سارا مجھے نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اس اجنبی ماحول میں کسی قدر بے اطمینانی سی محسوس کر رہا تھا۔ قیمتی فرنیچر، جھاڑ فانوس، مرصع دیواریں، خوب صورت اور دیدہ زیب پردے۔ غرض ہر چیز اور ہر جگہ سے دولت کا اظہار ہوتا تھا۔ آخر مجھے دھمکی دی گئی کہ پولیس طلب کر لی جائے گی۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ وہ یہ حربہ بھی آزما لیں۔ میں تنہا بیٹھا تھا اور سامنے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں لندن کی منتخب حسینائیں جمع تھیں۔ ایسی حسین لڑکیاں جو سڑکوں پر شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ تنہائی دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی ہنگامہ برپا کیا جائے، کسی لڑکی کو بلایا جائے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ اس ہال کی سب سے حسین لڑکی کو میرے پاس بلا لائے۔ لمحوں کی دیر تھی کہ میں نے

دیکھا، میکسی میں ملبوس ایک بہت دلکش لڑکی میرے پاس لڑکھڑاتی ہوئی آئی۔ اس نے مجھے سلام کیا اور بیٹھنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے بخوشی اسے کرسی پیش کی۔ مجھے اس کے قریب دیکھ کر کلب کے منتظمین کچھ مطمئن ہو گئے۔ انکا فوراً ہی میرے سر پر آ گئی۔ وہ لڑکی وحشت زدہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ "میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں ہندوستان سے اپنے حاکموں کی سرزمین دیکھنے آیا ہوں۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"مجھے ارما آرتھر کہتے ہیں، مجھے بھی آپ سے مل کر مسرت ہوئی، آپ یہاں کب تشریف لائے؟" اس کے لہجے میں نفاست تھی۔

"مجھے یہاں آئے دو ماہ کے قریب ہو گئے۔"

"ہندوستان...... پُراسرار ہندوستان۔ مجھے وہ ملک دیکھنے کی بڑی تڑپ ہے۔ میں نے وہاں کے مندروں، رشیوں، منیوں اور عمارتوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ کیا واقعی ہندوستان اتنا حسین ہے، جتنا کہا جاتا ہے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہندوستان کی سرزمین حسین ہے لیکن لوگ یہاں کے حسین ہیں۔ یہ بڑے مہذب اور مہمان نواز ہیں۔" میں نے کہا۔

اس عرصے میں میری طلب پر میز مختلف قسم کے مشروبات اور دوسرے لوازم سے بھر گئی تھی۔ میں نے مختصر وقفے میں اسے متاثر کر لیا۔ اس کی خدمت میں ایک بیش قیمت ہار پیش کیا۔ یہ ہار میں احتیاطاً اپنی جیب میں رکھ کر لایا تھا۔ اب وہ گفتگو تکرار ہوگی جو میرے اور اس کے درمیان ہوئی۔ حسین لڑکیوں کے سامنے میری زبان خوب چلتی تھی۔ کوئی ایک گھنٹے کی دل نشین اور رنگین صحبت کے بعد بھی وہ نازنین میرے پاس سے اٹھنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ اس عرصے میں ہال بھر گیا اور ارما کے گرد خوش پوش نوجوان چکر لگا رہے تھے۔ میں نے ابھی تک اپنی انکا سے کوئی خاص کام نہیں لیا تھا۔ جب میں ارما سے دل کش باتوں میں مصروف تھا تو انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ "سارا!" اس نے مجھے اشارہ کیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ واقعی سارا اپنے بدن پر امراء کا لباس آراستہ کئے بغلی کمرے سے ایک چالیس سالہ شخص کے ساتھ آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ سارا نے مجھے دیکھا اور انکا نے مجھے بتایا کہ یہ شخص لارڈ اسمتھ کے مقربین میں سے ایک ہے اور اس کی دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ اس کے ہاتھ سارا کی پشت پر تھے اور وہ تقریباً جھکی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو تین ادھیڑ عمر کے خوش شکل آدمی اور نظر آئے۔ وہ سب مجھ سے دور ایک میز پر جم گئے۔ معلوم ہوا کہ اندر جوئے کا کمرا ہے جہاں وہ سارا کو کھلا کر ہال میں لے آئے تھے۔ سارا کبھی کبھی ان کی بات پر زور سے قہقہہ لگاتی اور وہ بے تحاشا اس کا ساتھ دیتے۔ سارا کو ان مسٹنڈوں کے درمیان دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری تزئین، میری

کلدیپ، میری نرگس اور میری رخسانہ غنڈوں میں گھری ہو۔ میرا خون کھولنے لگا۔ سارا سے ایک عجیب لگاؤ دل کو محسوس ہوتا تھا۔ دن بھر وہ میرے ساتھ تھی۔ رات کو میں نے اسے اس بدمستی کے عالم میں دیکھا تو احتیاط کے تمام تقاضے میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ ادھر ارما میرے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ رہی تھی۔ میں کوئی تدبیر کرنے کی فکر میں تھا کہ ہوٹل کے چار منتظمین میرے پاس مؤدبانہ آئے۔ ان میں سے ایک نے مجھے ارما سے چھپا کر پستول دکھایا، میں اس دھمکی پر مسکرا دیا۔ انہوں نے مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ وہ کوئی شور شرابا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ مجھے کوئی معمولی آدمی سمجھ رہے تھے۔ کوئی لپا لفنگا، کسی وقت بھی کوئی بڑا ہنگامہ ہو سکتا تھا۔ جب میں اپنی جگہ مستعد بیٹھا رہا تو مجھے ایک جانی پہچانی شکل کا ایک شخص اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ جب میرے قریب آیا اور اس نے میری صورت دیکھی تو لپک کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ "ہیلو دولت علی خان! ارے آپ کہاں رہتے ہیں؟ میں تو آپ کو تلاش کر رہا تھا؟"

"جم...... جم۔ آہا سراغ رساں جم، کہو کیسے ہو؟ دیکھو بھئی یہ لوگ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔"

وہ وہی سراغ رساں تھا جسے میں نے اپنا معمول بنا کر لارڈ اسمتھ کی روح طلب کرنے کا کام لیا تھا۔ اس نے آتے ہی ان لوگوں کو دھتکار دیا۔

"یہ دولت علی خان ہیں۔ ان کی عزت کرو۔ تم لوگوں نے صرف انہی کی وجہ سے مجھے بلایا ہے؟ لوگوں کو پہچانا کرو۔ اس کلب میں استثنائی شخصیتوں کی فہرست میں مسٹر دولت علی خان کا نام بھی لکھو۔" جم نے الٹا انہی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

میرے قریب سے بھیڑ چھٹ گئی۔ جم لگاوٹ کی باتیں کرنے لگا۔ میں نے ارما سے اس کا تعارف کرایا۔ اس نے ارما سے کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے، آپ یہ نہیں جانتیں کہ آپ کتنے عظیم اور دلچسپ شخص کے ساتھ اس وقت براجمان ہیں۔"

"میں ان سے مسلسل متاثر ہو رہی ہوں۔" ارما نے شگفتگی سے کہا۔

"یہ بڑے چھپے رستم ہیں۔" اس نے ارما سے شوخی سے کہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "مسٹر دولت علی! میں اس کلب میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ان لوگوں نے مجھے فون کر کے بلایا ہے، مگر چلئے اچھا ہوا، آپ سے ملاقات ہو گئی ہے۔ مس ارما بتایئے، آپ نے مسٹر دولت سے کچھ پوچھا؟"

"کس بارے میں؟" ارما نے سادگی سے دریافت کیا۔

"ارے یہ دل کا حال بتا دیتے ہیں۔ نہ جانے کس کس مشرقی علم کے ماہر ہیں۔ لندن میں ایسے لوگ آئیں اور ان کی تشہیر نہ ہو، یہ ستم ہے۔" جم نے چہک کر کہا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔

میری نظریں سارا پر تھیں۔ وہ اب جاز کی دھن پر رقص کر رہی تھی۔ ہال میں جاز کی موسیقی سے ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ جم میرے بارے میں ارما کو حیرت انگیز باتیں بتا رہا تھا۔ انکا خاموش بیٹھی غالباً کسی ہدایت کی منتظر تھی۔ سارا کے ہم رقص کو دیکھ کر میرے دل میں آگ سی لگی۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ شخص سارا کو چھوڑ کر ہال میں اچانک بدمستیاں کرنے لگا۔ اس نے بیٹھی ہوئی عورتوں کو نوچنا کھسوٹنا، قہقہے لگانا اور بوتلیں ادھر ادھر پھینکنا شروع کر دیں۔ رقص کرتے ہوئے جوڑے بھاگ کر ادھر ادھر چھپنے لگے۔ سارا نے اس شخص کو پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی پاگل کتے کی طرح بے ہودگیاں کرتا رہا۔ اس نے جام توڑ دیئے۔ عورتوں کے گریبانوں میں ہاتھ ڈال ڈال کر ان کے محرم پھاڑنے شروع کر دئے۔ چند منٹ میں ہال میں چیخ پکار مچ گئی۔ شراب فرش پر بہنے لگی اور گلاس در و دیوار سے ٹکرانے لگے۔ بے ترتیبی، ہنگامہ اور انتشار دیکھ کر لوگ بھاگنے لگے۔ نہ جانے اس شخص میں کہاں سے اتنی طاقت آگئی تھی کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ منتظمین وحشت کی کیفیت میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ارما کا بھی مارے خوف کے برا حال تھا۔ میں دور بیٹھا اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ انگریزوں کے مشہور کلب میں پہلی بار ایسا ہنگامہ ہوا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے اسے چند آدمیوں نے پکڑا اور کلب سے باہر لے گئے۔ لندن کے امراء میں وہ ایک صاحب حیثیت شخص تھا مگر اب منٹوں میں رسوا ہو چکا تھا۔ اسے کلب سے باہر نکال کر انکا میرے پاس آگئی۔ جم میرے پاس سے اٹھ کر اس شخص کو قابو کرنے چلا گیا تھا۔ وہ بھی واپس آ گیا۔ یہ بدمزگی دور کرنے میں کچھ وقت لگا۔ ہال میں چار سو ابتری اور دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ میں اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ اب جم نے اصرار کیا تو میں ارما کے ساتھ اٹھا۔ ارما اس درمیان مسلسل پیتی رہی تھی۔ اس نے میری کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ ہم دوسرے کمرے میں آ گئے۔ یہ جوئے کا کمرا تھا۔ یہاں ہال کی نسبت خاصا شور تھا۔ جم مجھے کھولنے اور اکسانے کی فکر میں تھا۔ آخر وہ کہنے لگا۔

"دولت علی! کیا خیال ہے؟ یہ کھیل کیسا رہے گا۔ آپ تو یقیناً جیتیں گے۔" اس نے جوئے کے میز کی طرف اشارہ کیا۔

"بس ارما کے نام پر آج ان کی تقدیر دیکھیں گے۔" میں نے نوابانہ شان سے کہا۔ "دیکھیں یہ کہاں تک کھیلتی ہیں؟"

"میری قسمت ہمیشہ خراب رہتی ہے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"آج آپ میرے ساتھ ہیں، آپ کی دل نواز قربت کے عوض میں آپ کے لئے دعائیں کرتا رہوں گا۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"میں ہار جاؤں گی، آپ کو ندامت ہوگی۔"

Downloaded from Paksociety.com

''میں آپ کو سنبھال لوں گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''دولت علی خان کوئی جادو کریں گے، مجھے یقین ہے۔'' جم درمیان میں بولا۔

کیا اب یہاں یہ بھی بتاؤں کہ ارما نے کس طرح جھجکتے جھجکتے پانسا پھینکا؟ اس کے قیامت خیز شباب کی طرح اس رات اس کی قسمت بھی شباب پر تھی، وہ مسلسل جیتتی رہی، جم سکتے میں رہ گیا اور مجھے گھور کر دیکھنے لگا۔ ارما کے پاس دولت کا انبار لگتا گیا، ارما کو مسلسل جیتتے دیکھ کر یہ خبر ہال میں بھی پہنچ گئی، ایک چھوٹے سے ہجوم کے ساتھ سارا بھی آئی۔ اس کے اردگرد لارڈ موجود تھے۔ وہ اس وقت مصاحب بنے ہوئے تھے۔ مجھے وہاں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سارا دنگ رہ گئی اور کچھ خفیف سی ہوئی، پھر وہ دونوں امراء کو چھوڑ کر میرے پاس آ گئی، ارما نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے واقف تھیں۔ میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ میں نے سارا سے بے نیازی کیوں برتی؟ شاید اس رات ارما مجھ پر غالب آ چکی تھی اور شاید سارا کو وہاں دیکھ کر میں اپنی ناراضی کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ سارا میرے پاس آئی تو مجھے وحشت سی ہونے لگی، ارما پر میری نوازشیں بڑھ گئیں۔ میں انکا کے ذریعے چن چن کر اس کے سامنے ایسے لوگوں کو لایا جن کی جیبیں بھری ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے تو سارا کے دونوں ساتھیوں کو انکا نے بری طرح لوٹا کھسوٹا۔ پھر کلب میں موجود کوئی شخص ایسا نہ رہا جس نے اس رات بازی نہ لگائی ہو اور ارما کے سامنے ہارا نہ ہو، یہ خبر سن کر رفتہ رفتہ ہر شخص نے بازی لگائی۔ صرف میں اور سارا بچے رہے، آخر میں انہوں نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں بھی کھیلوں، میں ارما کا دل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں دانستہ ہار گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اپنی خوب صورت گفتگو، اپنے منفرد لباس اور ارما کو چند گر کی باتیں بتانے کی بنا پر میں وہاں ایک مقبول شخص بن گیا، یہ بات صرف سارا اور شاید سراغ رساں جم کے علم میں تھی کہ ارما کیوں جیت رہی ہے۔

آخر جب رات گئے میں وہاں سے رخصت ہوا تو ارما نے اپنی ساری رقم کلب میں محفوظ کرا دی، جم نے مجھ سے کل دن میں ملنے کا وعدہ لے لیا۔ سارا کو رخصت کر کے میں دوبارہ ارما کے پاس آ گیا۔ کلب خالی ہو چکا تھا۔ ہوٹل کے منتظمین مجھ سے اپنے رویے کی معافی مانگنے لگے۔

لندن میں دن اور اچھی راتیں گزارنے کا سامان پیدا ہو گیا۔ یہ کلب اعلیٰ درجے کی حسیناؤں، مالدار لوگوں کی جولان گاہ تھا۔ یہاں کی غذائیں اور انتظامات بہت عمدہ تھے، مجھے یقین تھا کہ یہاں کا ماحول مجھے آسودگی بخشے گا اور مجھے ادھر ادھر مارے مارے پھرنا نہیں پڑے گا۔ سب کچھ یہیں مہیا ہو جائے گا۔ لندن میں اس سے بہتر کون سی جگہ ہو گی؟ وہاں میری پہلی رات ایک آغاز اور بہت خوب صورت آغاز کی حیثیت رکھتی ہے، میں رات کلب سے نکلنے کے بعد ہوٹل نہیں گیا۔ ارما مجھے اپنی وسیع عالی شان جاگیر پر لے گئی۔ لندن کے اس کلب میں کوئی غریب انگریز داخل ہونے کی جرأت نہیں

کر سکتا تھا۔ ارما کی خوب صورت خواب گاہ میں ایک حسین لڑکی کی معطر خواب گاہ میں قدم رکھ کر مجھے نشہ سا ہو گیا۔ اس معاملے میں انکا کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ سوتی رہی، ارما بہت نشے میں تھی اور بہت مسرور تھی۔ اس کی خواب گاہ میں ایک مشرقی آدمی تھا۔ تنہائی تھی، محسوس کرنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ اس نے میرا لباس بدلوا کر میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں، میں خود کو دنیا کا خوش قسمت شخص تصور کرنے لگا۔ اس کی پذیرائی کا انداز بھی کچھ اور تھا۔ وہ رات میری زندگی کی حسین ترین راتوں میں سے ایک تھی، میں پوری رات نہیں سویا۔

صبح ارما سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ سارا کے آنے سے پہلے مجھے ہوٹل پہنچ جانا چاہئے۔ ارما ساتھ چلنے پر آمادہ تھی، رات کو دوبارہ کلب پر آنے کا وعدہ کر کے میں نے جان چھڑائی۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ سارا حسب توقع جلد ہی آ گئی۔ اس وقت میں نے سارا کو ان اندیشوں سے پہلی بار وضاحت سے خبردار کیا جو اس کے باپ کے انتقال کے بعد میرے دل میں ابھر رہے تھے۔ سارا خود بہت اداس اور پریشان تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود لوگ اسے محفلوں اور ہنگاموں میں شرکت کے لئے مجبور کر دیتے ہیں، پھر اس نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ میں دنگ رہ گیا۔ میں نے سارا کے متعلق کبھی اتنی سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے ہندوستان لے چلوں، وہ اپنی تمام جاگیر اور تمام کاروبار کا سودا کر کے ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ جانا چاہتی تھی، میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ بات اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ میں سارا سے صاف انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں اسے کسی اور طرح محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ میرے دل سے وہ تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں جو رات کو کلب میں اسے دوسرے لوگوں کے ساتھ دیکھ کر پیدا ہوئی تھیں۔ وہ پاک باطن لڑکی ایک بہت بڑی پیش کش کر رہی تھی۔ کس لئے؟ جمیل احمد خان کے لئے، مجھے خود سے شرمندگی ہونے لگی اور اس لڑکی پر ترس آنے لگا۔

اس دن میں دیر تک ہوٹل ہی میں رہا۔ دوپہر کو پروگرام کے مطابق نوجوان سراغ رساں جم آ گیا۔ ہم تینوں پُراسرار علوم کے موضوع پر بحث کرنے لگے۔ جم نے مجھ سے بہ اصرار پوچھا کہ کیا رات ارما کی جیت میں میری کسی روحانی قوت کو دخل تھا؟ میں نے جواب دیا۔ ''یوں ہی، ایک کوشش ضرور کی تھی۔'' سارا کے سامنے جم کچھ کہتے ہوئے جھجک رہا تھا۔ آخر سارا سے معذرت کر کے وہ مجھے ہوٹل کے ریستوران میں لے گیا۔ وہاں اس نے میری شخصیت سے متعلق اپنے تاثرات بیان کرنے شروع کر دئے۔ سراغ رساں جم کوئی بات کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے منہ پر آتے آتے رک جاتے تھے۔ اس نے مجھے اعتماد میں لینے کے لئے محبتوں کا اظہار شروع کر دیا۔ آخر میں نے اس سے کہا۔ ''تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' وہ سرد آہ بھر کو بولا۔ ''مگر ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ ممکن ہے تم مجھ پر شک کرو۔''

''نہیں نہیں، کہو کیا تمہیں میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟ میں تیار ہوں۔'' میں نے فراخ دلی سے کہا۔

''دولت علی! تم عظیم ہو، مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت ہے، یقین کرو میں ایک با اعتماد آدمی ہوں۔''

''یقیناً۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے، کہو کیا بات ہے؟''

''دولت علی! بات عجیب ہے۔ میں نے تم جیسا شخص اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ میرا قیاس ہے کہ تم اپنی گزشتہ زندگی میں غیر معمولی حادثات سے دوچار رہے ہو گے اس لئے تمہارا تجربہ وسیع ہے۔ تم بہت گہرے شخص ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری حیرت انگیز صلاحیتیں دیکھی ہیں۔ تم بولڈ، شگفتہ مزاج، مہذب اور عام آدمی سے زیادہ سوجھ بوجھ کے مالک شخص ہو، کل رات لندن کے امراء کے کلب میں تمہارا بے دھڑک چلے جانا اور پستول دکھا کر منتظمین کو خوف زدہ کرنا، ایک نئی لڑکی سے ایک دم شناسائی پیدا کر لینا اور رات اس کے ساتھ بسر کرنا، سارا جیسی تعلیم یافتہ اور حسین لڑکی کو اس قدر متاثر کرنا کہ وہ تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہئے۔ اس کے علاوہ رابرٹ کے کیس میں تمہارا حاضرات کا عمل، تمہارا استدلال، تمہارا قیاس، تم یقیناً اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔'' جم تاثر انگیز لہجے میں میری شخصیت کے بارے میں اظہار خیال کر رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس شخص نے میرے بارے میں کتنی معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔

''میں ایک عام آدمی ہوں، میرے ساتھ ظلم مت کرو جم کہ مجھے کوئی خاص مخلوق سمجھنے لگو۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں نہیں دولت علی! میں حیران ہوں کہ تم کیا بلا ہو۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''تم کچھ کہہ رہے تھے؟'' میں نے شوق کا اظہار کیا۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ تم یہ صلاحیتیں کسی بڑے کام کے لئے استعمال کر سکتے ہو، کوئی ایسا کام جو قوموں کے دکھ دور کرے، کوئی ایسا کارنامہ جو دکھی انسانیت کے لئے مفید ہو، کوئی ایسا اقدام جو کسی بڑے مقصد کے لئے کیا جائے۔ تم یہ صلاحیتیں بڑے، بڑے سے مراد ہے کہ عظیم اور ہمہ گیر کاموں میں لا سکتے ہو۔'' جم نے کہا۔

''میں سمجھا نہیں، میرا خیال ہے کہ سر دست سب سے بڑا کام ہندوستان کی آزادی ہے۔ اس کے لئے تو میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں مگر تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟'' میں نے طنزاً کہا۔

''او دولت علی! ہندوستان بھی ایک دن آزاد ہو جائے گا۔ مجھے تمہارے جذبات کا اندازہ ہے

لیکن یقین کرو، میں ہندوستان کو غلام رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کی آزادی کا خواہاں ضرور ہوں مگر اس وقت میں تم سے کچھ اور چاہتا ہوں۔''

''کہو، کہو۔'' میں نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم عظیم انسانی مفادات کے لئے انسانیت دشمن ملکوں کے عزائم کی بیخ کنی کرو۔ ایک فرد بھی بہت کچھ کر سکتا ہے، خصوصاً تم جیسا فرد۔'' اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''تم صاف صاف بات کرو۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

''دولت علی! دنیا اس وقت جنگ کی زد پر ہے۔ عالمی طاقتیں عملاً دو بڑے بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہیں، ہمارا موقف تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم نے ان طاقتوں کے خلاف ہمارے ملک کی کوئی مدد کی تو تم ایک عظیم مقصد کے لئے کام کرو گے۔''

میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''میں کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا لیکن جو کچھ تم سوچ رہے ہو، وہ میرے بس کا نہیں ہے۔''

''ہے... ہے دولت علی! بالکل ہے۔'' جم نے اصرار کیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ میں نے صحیح شخص کا انتخاب کیا ہے۔''

''منصوبہ کیا ہے؟ اگر تمہاری خاطر کوئی کام انجام دینا میری دسترس میں ہوا تو میں کوشش کروں گا۔'' مجھے معلوم تھا کہ یہ نوجوان عزم کا پکا ہے۔ آسانی سے میرا دامن نہیں چھوڑے گا۔

''تم شاید کچھ سمجھ چکے ہو، ہمیں جگہ بدل لینی چاہئے۔'' ہم وہاں سے اٹھ کر دوسری میز پر آ گئے اور جم سرگوشی میں بولا۔ ''دولت علی! اپنے کان ادھر لے آؤ۔ غور سے سنو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

میں نے خود کو ہمہ تن متوجہ کر دیا۔

جم ایک خطرناک بات کہہ رہا تھا۔ میں اس کام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن جم نے مجھے اس خوف ناک منصوبے کے بارے میں بتایا تو مجھے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں نے اپنا کان اس کے قریب کر دیا۔ میری پوری زندگی مہم جوئی ہی میں گزری تھی، جم جو کام مجھ سے کہہ رہا تھا، اس میں کسی بھی لمحے بدترین رسوائی اور جان کا خطرہ لاحق تھا۔ جم نے جب اس منصوبے کی تکمیل کے نتائج سے مجھے آگاہ کیا تو میرا چہرہ تمتمانے لگا۔ میں نے کتابوں میں ان بہادر لوگوں کے بارے میں پڑھا تھا جو خطرات میں کود کر کسی بڑے مقصد کے لئے کوئی کارنامہ انجام دیتے ہیں، جم کا خیال تھا کہ چونکہ مجھے باطنی علوم آتے ہیں اس لئے میں بہت کام کا آدمی بن سکتا ہوں، جم نے مجھے اس مشن کی تکمیل کے بعد برطانیہ میں ایک بہتر زندگی کی ضمانت دی اور دولت کا لالچ بھی دیا۔ میں نے یہ دونوں پیش کش مسترد کر دیں، ان کاغذات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ برطانیہ اور اس کے حوازیوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت

رکھتے تھے۔ وہ کاغذات مجھے ایک دوسرے یورپی ملک سے فراہم کرنے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی تفصیلات پورے طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ جم کی بات دل جمعی سے سن کر میں نے آمادگی کا اظہار فوراً نہیں کیا۔ بہت اکراہ کے بعد کہیں تیار ہوا۔ پھر جم سے دوسری تفصیلی ملاقات کا وقت طے ہوگیا۔ سارا کمرے میں تنہا بیٹھی تھی اس لئے ہم دونوں اٹھ گئے۔ سارا شام تک میرے پاس رہی مگر میرا ذہن جم کی باتوں میں الجھا رہا۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔

شام کو سارا اداس اداس اپنے گھر چلی گئی۔ میں نے کلب جانے کے لئے آج ایک عمدہ سوٹ اپنے جسم پر سجایا۔ ابھی میں جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں سمجھا ارمایا جم کا فون ہوگا لیکن وہ اس ترکی جادوگر کی کال تھی جسے میں نے بھرے مجمع میں شرمسار کردیا تھا۔ اس نے پہلے بھی کئی بار مجھ سے ملنے کی کوشش کی تھی مگر میں ٹالتا رہا۔ آج بہت دنوں بعد پھر اس کا فون آیا تھا۔ اس دن کے بعد اسے اس شہر میں اپنا رنگ جمانے کی ہمت نہیں ہوسکی تھی۔ اس وقت فون پر وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ شام کو میں اس کے اسٹیج پر پہنچوں۔ اس کا کہنا تھا کہ ترکی سے اس کا استاد سلیمان بے آگیا ہے اور وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے منع کردیا کہ مجھے امرا کے کلب جانا ہے اس لئے میں نہیں آسکتا۔ اس کا اصرار بہت بڑھا پھر وہ لجاحت سے کہنے لگا۔ ''دولت علی! تم چاہے وہاں ہار جانا۔ اس سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن میری گری ہوئی ساکھ بحال ہو جائے گی۔'' میں نے فون بند کردیا۔ یہ کم بخت میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ شکست کا کینہ اب تک اس کے دل میں موجود تھا حالانکہ مجھے کبھی اس واقعے کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ فون بند کر کے میں نے ہوٹل سے گاڑی لی۔ میری گاڑی کلب کے راستے پر دوڑنے لگی۔

کوئی گیارہ بجے کا عمل تھا۔ میری سیاہ گاڑی امرائے لندن کے کلب کی جانب گامزن تھی۔ میں اپنی دھن میں مست چلا جارہا تھا۔ یہ کلب آبادی سے دور واقع تھا۔ جب میں ایک نسبتاً ویران سڑک پر پہنچا تو ایک جگہ اچانک انکا نے اپنے پنجے میرے سر پر چبھوئے۔ میں نے حیران ہوکر عالم تصور میں انکا کی طرف دیکھا۔ انکا سخت غصے میں نظر آئی۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی۔ سڑک کے بیچوں بیچ ایک رکاوٹ کھڑی کردی گئی تھی۔ اگر میں انکا کے اشارے پر زور سے بریک نہ لگاتا تو خطرناک ایکسی ڈنٹ ہو جاتا۔ ممکن تھا کہ اس بار دوسرا ہاتھ بھی ضائع ہو جاتا۔ گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ لکڑی کے ایک بڑے گٹھے کے نزدیک رک گئی۔ میں جائزہ لینے کے لئے کار سے اترا تو مجھ پر چار پانچ آدمیوں نے بیک وقت اتنے زور سے یلغار کی کہ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ پھر انہوں نے اسی تیزی سے دوبارہ مجھے میری گاڑی میں ڈالا اور گاڑی موڑ لی۔ ان کی گرفت اتنی شدید تھی کہ میرا سانس گھٹنے لگا۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ تین آگے اور دو پیچھے بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ چہرے مہرے سے وہ جرائم پیشہ معلوم ہوتے تھے۔ یہ کام اتنی عجلت میں ہوا کہ میں کچھ سمجھ نہ سکا۔ میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا، انکا سخت بے چین

اور مضطرب نظر آرہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔ ''جمیل! تم مشکل میں گھر گئے ہو۔ میں اگر ڈرائیور کے سر پر جاکر راستہ بدلواتی ہوں تو بقیہ چار کسی وقت بھی کچھ کرسکتے ہیں کیونکہ انہیں یہی حکم ملا ہے۔''

''یہ کون لوگ ہیں؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''یہ اس شخص ایڈورڈ کے کرائے کے آدمی ہیں جو کل تمہیں سارا کے ساتھ نظر آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر جب سارا تمہارے پاس آئی تھی تو اس نے اسی وقت تمہیں ٹھکانے لگانے کے لئے سوچ لیا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تم سارا کے حصول کی راہ میں اس کے لئے رکاوٹ بن گئے ہو۔'' انکا نے بھرائی آواز میں کہا۔

''اوہ۔ یہ سارا عذاب جان بن گئی۔ اب یہ مجھے کہاں لے جارہے ہیں اور تم نے کیا سوچا ہے؟'' میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''یہ تمہیں کسی ویرانے میں لے جاکر ختم کردینا چاہتے ہیں۔ ان سب کے ہاتھوں میں پستول ہیں اور یہ بڑے نڈر لوگ ہیں۔''

''تو کیا تم اسی طرح بیٹھی رہوگی؟'' میں نے جھنجلا کر کہا۔

''میں صرف ایک شخص کے سر پر جاسکتی ہوں۔ لیکن پہلے بقیہ لوگوں کے بارے میں مطمئن ہونا چاہتی ہوں کہ وہ تمہارا کچھ بگاڑیں گے تو نہیں؟''

''لیکن مجھے ویرانے میں لے جانے کے بعد تو ان کا کام اور آسان ہو جائے گا۔ تم کوئی غلطی تو نہیں کر رہی ہو؟ دیکھو آبادی بہت دور ہوتی جارہی ہے۔''

''مجھے سوچنے دو۔ تم تو میرے ہاتھ پیر پھلائے دے رہے ہو۔''

میں ان کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔ ان کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی تھیں۔ میں نے خوفزدہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟''

''لارو!'' ایک شخص نے قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ ''لارو اسے بتاؤ کہ ہم اسے کہاں لے جارہے ہیں؟'' اس بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

پھر میں نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ کچھ وقفے کے بعد ان میں سے ایک بولا۔ ''کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو؟''

''شاید یہ میرے آخری لمحے ہیں۔'' میں نے ہراس سے کہا۔

''تم ذہین آدمی ہو۔ اس آخری وقت میں کوئی خواہش ہو تو بتاؤ، پوری کی جائے گی۔'' ان میں سے ایک رعونت سے بولا۔

''میں سوچ کر بتاؤں گا، اس وقت تو میرا ذہن معطل ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے کیا غلطی کی تھی جو تم لوگ مجھے مارنے کے درپے ہو۔'' میں نے اٹک اٹک کر کہا۔

''ہمیں نہیں معلوم۔ ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے کہ تمہیں آج جہنم رسید کرنا ہے مگر..... مگر .....''

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ''تم اتنے خطرناک آدمی تو دکھائی نہیں دیتے۔''

''میں بہت معصوم اور بے قصور شخص ہوں۔ شاید تم لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے۔'' میں نے فریاد کی۔

گاڑی ایک درخت کے سائے میں ٹھہر گئی۔ انہوں نے مجھے دھکے دے کر باہر نکالا اور میری گاڑی وہیں چھوڑ کر ایک دوسری گاڑی میں بیٹھ گئے۔ یہ ایک ویگن تھی۔ اس میں ایک ڈرائیور پہلے سے بیٹھا تھا۔ اب وہ چھ ہو گئے تھے۔ میں نے تذبذب سے انکا کو دیکھا۔ ''تم..... تم..... کیا سوچ رہی ہو؟'' میں نے دل ہی دل میں اس سے پوچھا۔

''انہیں چلنے دو۔ یہی بہتر ہے۔'' انکا نے مختصر جواب دیا۔

''تمہاری ذرا سی غلطی سے خبر ہے کیا ہو سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو۔ خاموش بیٹھے رہو۔'' انکا نے کسی قدر تحکم سے کہا۔ مجھے اس کا یہ لہجہ برا لگا مگر میں خاموش ہو گیا۔

ویگن پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پھر اس سفر کو کوئی بیس منٹ ہوئے ہوں گے کہ درختوں کی آڑ میں گاڑی روک لی گئی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا طاری تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ مجھے اتار کر دھکا دیتے ہوئے ایک طرف بڑھ رہے تھے۔ اونچے درختوں نے یہ مقام اور ہولناک بنا دیا تھا۔ میں خاموشی سے ان کے آگے چل رہا تھا۔ وہ سب میرے پیچھے تھے۔ صرف ایک شخص میرے بازو میں تھا۔ انکا بری طرح پہلو بدل رہی تھی اور سخت بے چین نظر آ رہی تھی۔ آخر ہم ایک ایسے مکان پر پہنچ گئے جو برطانیہ کے قدیم طرز کے نمونے پر بنا ہوا اور باہر سے کوئی گرجا نظر آتا تھا۔ مکان میں کوئی کھڑکی روشن نہیں تھی۔ اس سناٹے میں ان کے بھاری جوتوں کی آوازیں دل ہلائے دے رہی تھیں۔ ایک شخص نے مکان کے بڑے دروازے پر زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ کھل گیا۔ انہوں نے مجھے اندر دھکیل دیا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ عین دروازے پر انکا میرے سر سے اتر گئی۔ یہ ایک اجاڑ مکان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ مکان عرصے سے بے مکین ہو۔ کئی جگہ ہم لوگوں کو ٹھوکریں لگیں۔ وہ مجھے ایک زینے کی طرف لے گئے۔ ہم زینے پر چڑھ رہے تھے کہ پیچھے ایک شخص کے گرنے کی آواز آئی۔

''کیا ہوا؟'' ان میں سے ایک چیخا جو میرے برابر تھا۔

''مجھے چوٹ لگ گئی ہے۔'' وہ کراہا اور درد سے بلبلانے لگا۔

دو آدمی میرے پاس رہ گئے اور باقی دو نچلی سیڑھیوں پر اتر گئے۔ مجھے ٹھہرا لیا گیا تھا۔ مجھے انکا کی مشکل کا اندازہ تھا۔ میرے ساتھ جو آدمی کھڑے تھے ان کے پستول تنے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ساتھی کی چیخیں سنیں تو اندھیرے میں نیچے کی طرف دیکھا۔ ''کیا ہو گیا؟'' میرے برابر کا شخص

دہاڑا۔

''شاید اس کا سر پھٹ گیا ہے؟'' نیچے سے آواز آئی۔

پھر مکان میں سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ ایک اور فلک شگاف چیخ نیچے سے ابھری۔ اسی لمحے انکا میرے سر پر آئی اور مجھے سیکنڈوں میں ایک ہدایت دے کر چلی گئی۔ نیچے وہ شخص تڑپنے لگا۔ اپنے ساتھی کی دل دوز چیخیں سن کر میرے برابر کھڑے ہوئے دونوں آدمی تجسس سے نیچے اپنے زخمی ساتھی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا۔ پہلا موقع مجھ سے ضائع ہو چکا تھا لیکن میں نے دوسرا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کے نیچے کی طرف متوجہ ہونے کی دیر تھی کہ میں نے برق رفتاری کے ساتھ اور اپنے جسم کی پوری قوت سے انہیں نیچے کی طرف دھکیل دیا۔ اسی وقت پستول چلنے کی آواز آئی لیکن میں اس وقت تک اوپر کی سیڑھی پر پہنچ کر بالکونی کی آڑ میں ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی پتلون کے اندرونی حصے سے ریوالور نکالا اور ابھی نیچے کی طرف فائرنگ کرنے ہی والا تھا کہ نیچے سے فائرنگ کی آواز تیز ہوئی اور ساتھ ہی چیخوں کی بھی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا اپنا کام کر چکی ہے۔ میں نے اطمینان سے ریوالور دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں مکمل سکوت چھا چکا تھا اور انکا میرے سر پر ہانپتی ہوئی آ چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی۔

''وہ سب ختم ہو گئے ہیں۔'' انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مگر یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے ہوا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بس مجھے تیزی کے ساتھ سر بدلنے پڑے۔'' اس نے مختصرا جواب دیا پھر کہنے لگی۔ ''میدان صاف ہے۔ تم یہاں سے فوراً چلے جانا۔ میں کچھ دیر بعد تمہارے سر پر آ جاؤں گی۔''

میں نے تشکر اور احسان مندی کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اس عرصے میں پہلی بار مسکرائی اور میرے سر سے غائب ہو گئی۔ نیچے سیڑھیوں پر اترتے وقت اندازہ ہوا کہ وہاں خون ہی خون پڑا ہوا ہے۔ چھ انسانی لاشیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ میں اپنے جوتے خون سے بچاتا ہوا فوراً باہر آ گیا۔ ویگن میں سوار ہونے کے کچھ دیر بعد ہی میں اپنی گاڑی تک پہنچ گیا۔ میں نے ویگن وہیں چھوڑ دی اور رومال سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دئے۔

میرا ذہن کسی قدر مطمئن تھا اور میں ایک بھیانک منظر دیکھنے کے بعد اپنی گاڑی میں سوار پھر اس خوشگوار ماحول کی طرف بڑھ رہا تھا، جو کلب میں میرا منتظر تھا۔ اس بار مجھے کسی نے داخل ہونے سے نہیں روکا۔ استقبالیہ پر کھڑے ہوئے خوش پوش نوجوان نے مسکرا کر میرا خیر مقدم کیا اور میں ایک شان بے نیازی سے ہال میں داخل ہو گیا۔ خوشبوؤں اور موسیقی کی حسین لہروں نے مجھے تر و تازہ کر دیا۔ میں کسی میز پر فوراً نہیں بیٹھا بلکہ ہجوم کی طرف [illegible] پر پڑی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے

ہاتھ سے جام گر گیا۔ میں نے مسکرا کر اسے "ہیلو" کہا۔ لارڈ اسمتھ کے جنازے میں اس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ سارا آج اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اس سے مصافحہ کرنے کے بعد میں خاموشی سے کونے کی ایک میز پر آ کر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کی دیر تھی کہ ایک مؤدب شخص نے میز پر اعلیٰ درجے کے مشروبات سجا دیئے۔ آج انکا نہیں تھی۔ اس لئے میں خاموش تماشائی کی طرح حسرت سے ہال میں رقص کرتے ہوئے جوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظر ایک جگہ ٹھہرتی نہیں تھی۔ کس کس کو دیکھئے کس کس سے جی لگائیے۔

قدرت کے بوستان کا ہے گل جس کو دیکھئے
چاروں طرف بہار ہے کس کس کو دیکھئے

میں سوچنے لگا کہ اگر اس کلب کی تمام دوشیزاؤں سے رابطہ رکھا گیا تو مجھے لندن میں کئی ماہ اور گزارنے پڑیں گے۔ میں راتوں اور عورتوں کا شمار کرنے لگا۔ ابھی ہال پوری طرح بھرا نہیں تھا۔ ارما بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ انکا کی عدم موجودگی سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں بے بس اور کمزور ہو گیا ہوں۔ میں انکا کے بارے میں سوچ رہا تھا اور تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے لرزہ خیز حادثے پر غور کر رہا تھا کہ اچانک سراغ رساں جم ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ اس کی نگاہیں مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ آج چونکہ میں نے شیروانی نہیں پہنی تھی اس لئے مجھ پر اس کی نظر فوراً نہیں پڑی۔ اس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی دیکھ کر میرے سینے میں فشار برپا ہونے لگا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ جم نے مجھے آنکھ کا اشارہ کیا اور سرشار لہجے میں کہنے لگا۔ "دولت علی! یہ ہیں میری دوست مس جین مارنڈا۔ ان سے ملو۔ صبح تم سے ملاقات کے بعد میں نے ان سے تمہارا باقاعدہ تعارف کرا دیا تھا۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اس کا بدن اتنا شاداب تھا کہ مجھے اپنی نگاہیں ہٹا لینی پڑیں۔ پہلی ہی ملاقات میں اس پر کوئی برا تاثر نہیں پڑنا چاہئے تھا۔ میں نے گرم جوشی سے اسے اپنی میز پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دلچسپ اور معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔ جم نے مجھ سے کہا۔ "دولت علی آج تم میری درخواست پر جین کے سامنے اپنی غیر معمولی طاقتوں کا مظاہرہ کرو گے۔ جین کے بارے میں کچھ بتاؤ۔" میں نے کن انکھوں سے جین کے مشتاق چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے بارے میں جاننے کے لئے بے قرار نظر آ رہی تھی۔ انکا ہوتی تو وہیں کچھ انکشافات کر دیتا جو یقیناً دھماکے ثابت ہوتے، لیکن انکا کی واپسی کا انتظار کرنا تھا۔ میں نے کچھ تحمل کی درخواست کی اور جین کی خدمت میں شیمپین کا ایک جام بنا کر پیش کیا۔ میں جین سے ہندوستان کی پُراسرار زمین کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ اتنے میں ارما شوخ و شنگ لباس میں وہاں آ دھمکی ... [illegible]

اس کے گرد جمع ہو گئیں اور ہمیں ایک بڑی میز پر منتقل ہونا پڑا۔ وہ تمام لڑکیاں مجھے اشتیاق آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ مجھے خود پر بڑا تاسف ہوا کہ میں اتنے دنوں تک لندن میں بیکار ہی پھرتا رہا اور عام سے کلبوں، ہوٹلوں اور عام سی محفلوں میں اپنا وقت برباد کرتا رہا۔ ان دو دنوں میں کس قدر تبدیلیاں آئی تھیں۔ اس وقت میں راجا اندر بنا بیٹھا تھا اور ارما اپنی سہیلیوں کو رات کی جیت کے متعلق خوش ہو کر تفصیلات بتا رہی تھی۔ ارما کی گفتگو سے جین کا تاثر لینا ضروری تھا۔ میں صرف اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ سنجیدگی سے شیمپین کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی اور ارما کی باتیں بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔ آج میں نے ارما کے بجائے کسی اور نازنین سے راز و نیاز بڑھانے کا ارادہ کیا تھا۔ لندن میں غلام ملک کا ایک باسی یہی کر سکتا تھا کہ وہ اپنے حاکموں کی خوب صورت دوشیزاؤں کے پہلو میں بیٹھ کر اپنا جی بہلانے۔ جب سے جین نظر آئی تھی، میرے حواس معطل ہونے لگے تھے۔ جم سے اس کا کوئی خاص رابطہ معلوم ہوتا تھا۔ آج کی شب بے کیف ہوتی نظر آ رہی تھی کیونکہ انکا غائب تھی اور اس کے جلد آنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ادھر جم اور ارما کا اصرار تھا کہ میں جوئے خانے کی طرف چلوں اور آج جین کی قسمت آزماؤں۔ میں نے انہیں باتوں میں الجھائے رکھا۔ جب ہال میں موسیقی کا شور بڑھ گیا اور رقص تیز ہو گیا تو میں نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کیا اور جم سے معذرت چاہنے لگا۔ چلتے چلتے میں نے جین اور جم کو دوسری شام اپنے ہوٹل میں مدعو کر لیا۔ میرا خیال تھا اب مجھے ترکی جادوگر اور اس کے استاد سے مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ جین کو سر کرنا ذرا مشکل ہو جائے گا۔ انکا کو کسی لڑکی کے سر پر بٹھا کر التفات حاصل کرنے میں وہ چاشنی نہیں تھی جو خود، سر کرنے میں محسوس ہوتی تھی۔ میں دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ارما نے مجھے پکڑ لیا اور اصرار کر کے میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ چار و ناچار مجھے اسے اپنے ہوٹل پر لانا ہی پڑا اور یہ عہد توڑنا پڑا کہ میں امرائے لندن کے کلب سے ہر روز ایک نیا رابطہ پیدا کروں گا۔ ارما رات بھر میرے ساتھ رہی اور میں اس کے ساتھ کھیلتا رہا لیکن ساری رات جین کا چہرہ میرے تصور میں گھومتا رہا۔ رات گئے انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ بڑی ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔ وہ شوخی سے بولی۔ "جمیل! تم رات بھر جاگو اور میں سوتی ہوں۔"

اور میں واقعی جاگتا رہا۔ صبح کاذب کے وقت تکان سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ارما بھی نڈھال ہو گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ کیا وقت ہو گا جب نیند نے مجھ پر غلبہ پایا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں نے خواب میں کلپنا کو دیکھا۔ وہ میرے سرہانے بیٹھی مجھے غور سے تک رہی تھی۔ میں اسے اچانک دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے اور چہرے سے یاسیت ہویدا تھی۔ اس کا حسن سوگوار تھا اور وہ کسی دیوی کی طرح ساکت نظر آ رہی تھی۔ میرے مضطربانہ استفسار پر اس کے خوب صورت لب ہلے اور وہ اتنا کہہ کر غائب ہو گئی۔ "جمیل احمد خان! سیاہ بادل چھٹ گئے ہیں۔ اب آ کاش

صاف ہے اور دو موسم بیت چکے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے سر کی طرف دیکھا۔ انکا غافل سو رہی تھی۔ ارما میرے سینے پر سر چھپائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ میں نے اس کے بدن پر چادر ڈال دی۔

صبح ہی صبح سارا آ دھمکی۔ اس وقت تک ارما بیدار نہیں ہوئی تھی۔ وہ میرے بستر پر بے ترتیب حالت میں بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

خواب میں کلپنا کی آمد بے مقصد نہیں تھی۔

میں اس خواب سے پہلے ہی پریشان تھا کہ صبح ہی صبح ارما کی موجودگی میں سارا کو دیکھ کر وحشت دو چند ہوگئی۔ لندن میں قیام کے دوران حسین وجمیل سارا سے جو ایک ربط خاص پیدا ہوگیا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میرے کمرے میں ارما کی موجودگی سے لاعلم رہے حالانکہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مجھے جلد ہی ہندوستان واپس جانا چاہئے تھا۔ یہاں آئے خاصے دن گزر چکے تھے۔ ادھر بدری نرائن پر کالی کا تحفظ ختم ہو چکا تھا۔ اب اس کمینے کو خون کے آنسو رلانا تھا جس وقت سے میں نے خواب میں کلپنا کو دیکھا تھا، مجھے یہ سارا رنگین ماحول بے کیف معلوم ہو رہا تھا۔ اس شہر دلربا سے میرا جی اچاٹ ہو چکا تھا۔ لندن کی دلکش فضاؤں اور ماہ وشوں کے جلوؤں میں کھو کر میں اپنے سب سے بڑے دشمن بدری نرائن کو کسی حد تک بھول چکا تھا۔ سینے پر ایک بوجھ سا پھر محسوس ہونے لگا۔ بدری کے لگائے ہوئے تمام زخم تازہ ہونے لگے۔ جیل کی اذیتیں اور در در بھٹکنے کی صعوبتیں، بھیک مانگنے کے شرمناک واقعے اور نرگس و مالا کے دل خراش صدمے، ایک حادثہ ہوتا تو بھلا دیتا، ایک سانحہ ہوتا تو بھول جاتا۔ یہ سلسلہ تو بہت طویل تھا۔ جب کلپنا نے خواب میں مجھے یہ نوید دی کہ بادل چھٹ گئے ہیں تو ارما کا گداز بدن برا لگنے لگا۔ سارا کی آمد بھی بری لگی، رات کو چھ ہلاکتوں کا تکدر ذہن پر طاری تھا۔ ارما نے مجھے یوں بھی ساری رات جگایا تھا۔ رات کے آخر ہی میں جا کر کہیں آنکھ لگ گئی تھی۔ سارا آئی، اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں نے مجھے وضع داری پر مجبور کر دیا۔ میں نے اسے اگلے کمرے میں روکے رکھا اور بوکھلا کر پوچھا۔ "کیا بات ہے عزیز از جان سارا! یہ تم صبح ہی صبح کیسے آگئیں، خیریت تو ہے؟"

"دولت علی!" سارا اضطراب میں میرے سینے سے لگ گئی۔ "دولت علی! مجھے رات بھر نیند نہیں آئی ہے، اب وہ گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے یا تو تم مجھے یہاں بلا لو یا خود میرے گھر میں منتقل ہو جاؤ۔"

میں ایک لمحے کے لئے ساری بات سمجھ گیا۔ جب سے سارا کے باپ کا قتل ہوا تھا، وہ اسی طرح [illegible] نظر آتی تھی۔ میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر کہا۔ "ارے نہیں سارا! تم اتنی بزدل کب سے

ہوگئیں؟ تمہارے ہاں ملازموں کی ایک بڑی فوج موجود ہے اور ابھی تو میں لندن میں ہوں، میرے ہوتے ہوئے تمہیں یہ خوف کیسا؟ کون تم پر انگلی اٹھا سکتا ہے؟"

"دولت علی! مجھے نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ جب سے پاپا گئے ہیں، کچھ عجیب حالت ہوگئی ہے، خود سے خوف آنے لگا ہے۔" وہ تقریباً روتے ہوئے بولی۔

"بس بس، اس کا ایک ہی حل ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔"

میری بات پر اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور مجھے فوراً خیال آیا کہ میں نے ایک بے موقع بات کہہ دی ہے جو میرے پچھلے رویے کی نفی کرتی ہے۔ "میرا مطلب ہے۔" میں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "اب تمہارا کوئی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔ ڈائننگ ہال میں بیٹھتے ہیں۔" لیکن بوکھلاہٹ میں مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے ہوں اور میں نے غسل بھی نہیں کیا ہے، وہ کسی بھی لمحے اندر جا سکتی تھی یا ارما کسی بھی وقت باہر آ سکتی تھی۔ میں عجیب کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا۔ میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا۔ جب مجھے واپس ہندوستان جانا تھا تو یہ احتیاط کیوں مانع تھی۔ اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے کہ سارا کو کسی اور طرح محسوس کیا گیا اور برتا گیا تھا اس کے ساتھ میرے بہت سے تشنہ جذبے وابستہ ہوگئے تھے۔ میں اسے تسلی دینے کے لئے اوٹ پٹانگ جملے بول رہا تھا۔ مجبوراً میں نے زور زور سے اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر انکا کو جگایا۔ اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور آنکھیں مل کر میری طرف دیکھا تو میں نے دل ہی دل میں سارا کی غیر متوقع آمد سے پیدا ہونے والی صورت حال کے متعلق اسے بتایا۔ ایسے موقعوں پر وہ شرارت کرنے لگتی تھی چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ میری مدد کرتی، شوخیاں کرنے لگی اور اپنی عادت کے مطابق جملے کسنے لگی۔ آخر میرے اصرار پر وہ میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ پھر اچانک سارا نے اسی کمرے میں نڈھال ہو کر خود کو صوفے پر گرا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اندر گیا۔ ارما کو جگانا بے سود تھا۔ لباس پہن کر میں بہ عجلت تمام باہر آیا اور سارا کو کمرے سے باہر لے گیا۔ جب ہم ڈائننگ ہال میں بیٹھ گئے تو انکا نے میرے سر پر آ کر بتایا کہ اب وہ ارما کے سر پر جا رہی ہے۔

ناشتے کے دوران میں نے صبح کے اخبارات منگوائے۔ سرسری مطالعے سے یہ اطمینان ہوگیا کہ گزشتہ رات چھ آدمیوں کے سنسنی خیز قتل کا واقعہ ابھی تک اخبارات کے علم میں نہیں آیا ہے۔ ایڈورڈ نے مجھے ٹھکانے لگانے کے لئے ایک ویران جگہ اسی لئے منتخب کی تھی۔ یہ چھ قتل سارا کے سبب ہوئے تھے مگر اسے پتا نہیں تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ایسے لمحے میں کافی کا گھونٹ اتارتے ہوئے میں نے یہ تلخ بات کہہ دی کہ میں عنقریب ہندوستان واپس جا رہا ہوں۔ یہ اطلاع سن کر ڈائننگ ہال میں اس کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ حسب توقع اس نے رو رو کر

سے مزید قیام کے لئے منتیں شروع کر دیں اور جب میں نے اپنی واپسی ضروری ثابت کرنے کے لئے تاویلات پیش کیں تو وہ میرے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کرنے لگی۔ دونوں صورتیں ناممکن تھیں، مجھے ہندوستان میں اس بدمعاش پنڈت سے نمٹنا تھا۔ میں سارا کو دوبارہ آنے کے دلاسے دیتا رہا۔ اتنے مختصر عرصے میں وہ مجھ سے اس حد تک قریب آ چکی تھی کہ اسے واپس کرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ جذباتی وعدے جو اس سے کسی لمحاتی کشمکش کے سبب کئے گئے تھے، اب رنگ لا رہے تھے۔ ناشتے کے دوران بےلطفی سی رہی۔ تھوڑی دیر میں انکا اپنا کام ختم کر کے میرے سر پر وارد ہو گئی۔ اب مجھے اپنے کمرے میں جانے کا راستہ صاف ملا۔ میں سارا کو لئے ہوئے اندر آ گیا۔ ارما کو انکا نے روانہ کر دیا۔ کمرے میں آتے ہی سارا نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔ جب میں نے ہوائی جہاز میں نشست محفوظ کرانے کے لئے فون کیا تو اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ بدقسمتی سے آئندہ دو تین دن تک کی تمام نشستیں مخصوص تھیں، اس لئے مجھے ایک ہفتے بعد کی بکنگ کرانی پڑی۔ میں چاہتا تھا کہ نوجوان سراغ رساں جم کے معاملے میں الجھنے سے پہلے میں ہندوستان روانہ ہو جاؤں۔ اگر مجھے اسی دن نشست مل جاتی تو میں سب کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتا۔ لندن میں میری آمد کا واحد مقصد اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی بدنمائی دور کرنا تھا۔ یہ کام پھر کبھی فرصت کے اوقات میں کیا جا سکتا تھا۔ میرے سامنے ایک ہفتہ تھا۔ میں نے اس مدت میں پورا لندن کھنگالنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ سارا کو سر کیوں نہ کیا جائے۔ پھر کون کسی سے ملتا ہے؟ مجھے خوب اندازہ تھا کہ سارا جیسی حسین لڑکی سے محروم ہو کر کیسی تشنگی سی محسوس ہو گی لیکن میں اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ ویسے تو صرف اشارے کی دیر تھی لیکن اشارہ کرنے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت تھی، وہ دن بھر میرے ساتھ رہی۔ ہم لندن میں مختلف مقامات پر بےمقصد گھومتے رہے پھر شام کے قریب ہوٹل میں آ گئے۔ میں سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ بھی میرے نزدیک لیٹ گئی اور مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ میں جلد ہی سو گیا۔ جب اٹھا تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ چھت کی طرف تک رہی تھی۔ وہ آج کسی طور مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی۔ شام کو میں نے جم سے ملاقات کا وقت طے کر رکھا تھا۔ کل رات اس کے ساتھ جین کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک ہیجان سا برپا ہوا تھا۔ جم سے جین کا کوئی خاص تعلق معلوم ہوتا تھا مگر اسے پہلی ہی نظر دیکھنے کے بعد میں نے اپنے دل میں کچھ اور ہی ٹھان لی تھی۔ جین کے تصور سے میرا دل اچھلنے لگا۔ اگر رات انکا میرے پاس ہوتی تو شاید میں اسے اپنی بنانے ... مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ سارا ایک مائل بہ التفات، شاداب و سرشار لڑکی تھی۔ وہ میرے اندر تبدیل ہونے کے لئے ہمہ وقت آمادہ تھی، اس کی موجودگی میں جین کا خیال، جین کو فتح کرنے کا خیال یہ تضاد کا آئینہ دار تھا۔ میں خود اپنے اس تضاد پر حیران ہوں، جین نے کچھ ایسا ہی اثر کیا تھا۔ ترکی جانوروں کی موت پر آج میں جین کے سامنے کچھ کرشمے دکھانا چاہتا تھا۔ وہ لوگ اب آنے ہی والے تھے

اور سارا ابھی تک موجود تھی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا۔ لندن میں آفتاب غروب ہونے کا ذکر کرنا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہئے جب رات کا وقت آیا تو لندن جوان ہو گیا اور جین قیامت ڈھاتی ہوئی خوش پوش جم کے ساتھ میرے کمرے میں آ گئی۔ میں نے ان دونوں کا موازنہ کیا۔ سارا کو ساری عمر قریب رکھنے کے جذبے پیدا ہوتے تھے اور جین، اسے اسی وقت عبور کرنے کو جی تڑپتا تھا۔ سارا میں نزاکت اور حسن تھا۔ جین کے حسن میں آگ تھی۔ حسین عورتوں کا موازنہ کرنا بےادبی کی بات ہے۔ حسن کی کوئی ایک صفت نہیں ہوتی اور کسی ایک مخصوص صفت پر پسندیدگی کا انحصار بھی نہیں ہے۔ حسن کے اپنے اپنے تیور ہوتے ہیں، کون کب اور کس وقت دل پر اثر کر جائے، اس کا پتا نہیں ہوتا۔ وہ دونوں سامنے تھیں، اس لئے بار بار دونوں کی طرف نگاہیں اٹھتی تھیں۔ اگر میں مقابلہ حسن کا جج ہوتا تو جین کے ساتھ انصاف کرتا۔ اگر میں کوئی شاعر ہوتا تو سارا کی توصیف کرتے ہوئے میری زبان نہ دکھتی اور میرا قلم کبھی نہ تھکتا۔

وہاں دن میں کئی بار اخبارات شائع ہوتے ہیں، اب تک کسی اخبار نے رات والے واقعے کے سلسلے میں کوئی خبر شائع نہیں کی تھی۔ مجھے اس خبر کا انتظار تھا اور اس بات کی بھی وحشت تھی کہ ایڈورڈ ابھی بچا ہوا ہے۔ وہ اب کوئی خطرناک قدم اٹھانے سے باز نہیں رہے گا۔ میں اس شہر میں اجنبی تھا ایڈورڈ جیسے غنڈوں کے کئی سلسلے ملے ہوئے تھے۔ جم اور جین کے آنے کے بعد ہی ہم جلدی ترکی بازی گر کے تماشے میں روانہ ہو گئے۔ ترکی بازی گر کا نام اسپارٹا تھا۔ وہ مجھ سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔ اس دن بھرے مجمع کے سامنے اس کی جو ذلت اور رسوائی ہوئی تھی اس کی خراش اب تک اس کے ذہن پر موجود تھی۔ لندن میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، بہت دنوں تک اس نے شو بھی نہیں کیا۔ اپنی بگڑی ہوئی ساکھ بنانے کے لئے اس نے ترکی سے اپنے استاد کو بھی بلا لیا تھا۔ مجھے اس معرکے کی دلچسپی کا اندازہ تھا۔ جین کے بدن سے خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ سارا اور وہ کار میں پچھلی نشست پر بیٹھی تھیں۔ جب ہم ہال میں داخل ہوئے تو اسپارٹا کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔ اس نے ہمیں وی آئی پی (بہت اہم شخصیتوں) کی نشستوں پر بٹھایا اور اس کے بعد اپنے استاد سلیمان بے سے بھی ملوایا۔ وہ چمک دار آنکھوں والا ایک بوڑھا شخص تھا۔ ہم دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو پرکھنے اور تولنے لگے اور وہ مجھے دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ جین جو میرے پہلو میں بیٹھی تھی، مجھ سے آنکھیں چڑھا کر بولنے لگی۔ ”دولت علی۔ آپ نے ہمیں رات کچھ نہیں بتایا۔“

”آج میں آپ کو بہت سی باتیں بتاؤں گا۔“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”سنا ہے کلب کی ساری خواتین آپ سے متاثر ہیں؟“

”یوں ہی خواہ مخواہ تشہیر ہو گئی ہے مگر آپ کے بارے میں مجھے ضرور بہت کچھ پتا ہے۔“ میں نے

اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا۔

"مثلاً کیا کیا؟ بتایئے نا۔" وہ مچل کر بولی۔

"یہی کہ آپ بے حد حسین، بہت حسین، بے انتہا حسین ہیں۔"

"اوہ...." وہ کھلکھلا پڑی۔ "میں تو ڈر گئی تھی۔"

میں اس سے شوخیاں کرتا رہا۔ آخر کھیل شروع ہونے کا اعلان ہوا۔ ہال پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ جب میں جین سے باتیں کرتا، انکا مجھے ٹہوکے دیتی۔ آج وہ بہت شگفتہ موڈ میں تھی کیونکہ رات اس نے اپنی مرغوب غذا سے پیٹ بھر لیا تھا۔ اس کے رخساروں پر سرخی تھی اور وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اسٹیج پر ایک ترکی رقاصہ نمودار ہوئی اور اس نے اپنے ہوش ربا بیلے رقص سے کھیل کا آغاز کیا۔ تمارا کا سارا بدن تھرک رہا تھا۔ تمارا میں کسی شخص کو اپنے دام الفت میں پھنسانے کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ رقص کے خاتمے کے بعد اسپارٹا اسٹیج پر پہنچا اور اس نے تماشائیوں کو اپنے شعبدوں کے بارے میں بتایا اور اپنا تفصیلی تعارف خود کرایا۔ پھر اس کا استاد اسٹیج پر آ گیا۔ استاد کی تعریف میں اسپارٹا نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے۔ میں نے اس موقع پر انکا سے پوچھا۔ "یہ شخص کچھ جانتا ہے؟"

"یہ شخص تم پر بھاری پڑ سکتا ہے۔ اسے اپنے فن میں کمال حاصل ہے۔" انکا نے پہلی بار سنجیدگی اختیار کی۔

"کیا مطلب؟ کیا جین کے سامنے توہین کراؤ گی؟ اسے یہاں لانے کا کیا مطلب ہے؟" میں نے برہمی سے کہا۔

"کیا جین تمہیں بعد پسند آئی ہے؟" انکا نے اٹھلا کر کہا۔

"اس کے بغیر لندن کا سفر ادھورا رہے گا۔"

"مگر وہ جم کی امانت ہے، امانت میں خیانت کرنا جرم ہے۔"

"میری جان، یہ لندن ہے اور یہاں ہمارا قیام ہی کتنا رہ گیا ہے۔"

کوئی ایک گھنٹے تک اسپارٹا چھوٹے موٹے شعبدے دکھا دکھا کر حاضرین سے داد وصول کرتا رہا۔ وہ ایک بہت بڑا شعبدے باز تھا۔ اس نے بعض ایسے حیرت انگیز مظاہرے کئے کہ جین اور جم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ سارا البتہ متوازن نظر آ رہی تھی۔ جب جین نے ایک شعبدے پر زور سے تالیاں بجائیں تو سارا نے چڑ کر اس سے کہا۔ "جین! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، دولت علی کے سامنے یہ بچوں کا کھیل ہیں۔"

"سچ؟" جین نے ایک لمحے میں کئی بار آنکھیں چمکائیں۔ "واقعی؟"

اسپارٹا اپنے فن کا جادو جگا چکا تو اس نے بڑے احترام سے اپنے استاد کو آواز دی۔ بوڑھا خمیدہ کمر شخص اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر ظاہر ہوا، حاضرین پر سکوت چھا گیا۔ "میں کیا کروں؟" اس نے

آتے ہی تماشائیوں سے پوچھا، پھر خود ہی کہنے لگا۔ "کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔"

اس بات پر ہال میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔ تماشائی بوڑھے سلیمان بے سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ یکایک اسے کھجلی ہونے لگی اور اس نے اپنا گاؤن جھنجوڑنا شروع کر دیا۔ گاؤں ہلکے کپڑا کا بنا ہوا تھا۔ کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس میں اتنی بہت سی چیزیں چھپی ہوئی ہوں گی۔ پہلے تو اس نے اپنے اطوار سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے پھر دیوانگی کے عالم میں اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہاں سے خرگوش برآمد ہوا۔ اوپر کی جیب سے ایک سانپ، اندر کی جیب سے کبوتر، اوپر کی دوسری جیب سے بلی کا چھوٹا سا بچہ۔ سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے تماشائیوں کو خاموش کیا اور دوبارہ اپنے گاؤن کو اچھالنے لگا۔ اس کی جیبوں سے یکے بعد دیگرے متعدد جانور برآمد ہوئے۔ کہیں سے کوئی چوہا، کہیں سے کوئی بلی، کہیں سے کوئی نیولا، جین کے علاوہ اب سارا بھی حیرت زدہ تھی۔ سلیمان بے نے ان سب کو دوبارہ اپنی جیبوں میں ٹھونس لیا اور گاؤن اتار دیا۔ اس نے چٹکی بجا کر ایک بڑا اور گہرا طشت منگوایا جس میں آگ بھڑک رہی تھی۔ کسی جھجک کے بغیر اس نے اپنا گاؤن آگ میں ڈال دیا۔ تماشائیوں کی "سی" نکل گئی۔ ایک سکوت طاری تھا۔ جب گاؤن جل کر راکھ ہو گیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اس نے اچانک اٹھ کر اسپارٹا کو آواز دی۔ "اسپارٹا، اسپارٹا! میرے عزیز پانی لاؤ۔" اسپارٹا بھاگا ہوا آیا۔ اس نے اپنے استاد کے اشارے پر طشت میں پانی ڈال دیا۔ آگ بجھ گئی۔ سلیمان بے سر پر ہاتھ رکھ کر تاسف کا اظہار کرتا ہوا طشت کے پاس پہنچا مگر پھر طشت میں جھانک کر اچھلنے لگا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر تمام جانور صحیح و سلامت نکالنے شروع کر دئے، لوگ ہال میں نشستوں سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں نے انکا کو ٹٹولنے کے لئے۔ "کیا خیال ہے؟"

"میں تمہاری آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اپنی آنکھوں سے مجھے کچھ نظر نہیں آتا؟" انکا نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

تالیوں کا شور تھمتا ہی نہ تھا۔ جم اور جین بھی داد دینے والوں میں شریک تھے۔ سارا اور میں کچھ دیر تالیاں بجا کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد سلیمان نے دو تین کمالات اور دکھائے انہوں نے اب تک مجھے کوئی چیلنج نہیں کیا تھا اس لئے میں اپنی نشست پر خاموش بیٹھا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔ اچانک اسپارٹا نے اسٹیج پر آ کر مجھ سے پوچھے بغیر اعلان کر دیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "معزز حاضرین! یہاں ہندوستان کے ایک جادوگر تنویمی عمل کے ماہر مسٹر دولت علی خان موجود ہیں، انہوں نے ایک بار پہلے بھی اس تماشے میں شرکت کی تھی اور اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے ہمیں چونکا دیا تھا۔ میں نے اپنے استاد سے ان کا ذکر کیا ہے۔ میرے استاد اور میں دونوں اس بات کے خواہش مند ہیں کہ وہ اسٹیج پر تشریف لائیں اور اپنے

بہت سے کمالات سے ہمیں محظوظ کریں۔ میرے استاد سلیمان بے انہیں بعض کمالات میں چیلنج کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ اگر مسٹر دولت علی بھی یہ چیلنج سن کر خوش دلی سے قبول فرمائیں۔''

اسپارٹا کی اس تقریر دل پذیر کے بعد ہال میں چاروں طرف نگاہیں دوڑنے لگیں۔ جین اور جم مجھے اکسانے لگے۔ ''دولت علی! جاؤ مجھے یقین ہے کہ تم کچھ باتیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں، سمجھانے کی کوشش کرو گے۔''

میں ہچکچاتا رہا۔ جین اصرار کرنے لگی البتہ سارا اب محتاط نظر آ رہی تھی۔ اسپارٹا بار بار مجھے دعوت دے رہا تھا۔ آخر بہت ردوقدح کے بعد میں اٹھا اور اسٹیج پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اسپارٹا کے ہاتھ سے مائیک لے لیا اور مہذب انداز میں حاضرین سے مخاطب ہوا، میں نے کہا۔ ''میں کوئی جادوگر یا تنویمی عمل کا ماہر نہیں ہوں، نہ ہی میرا ارادہ ان معززین سے معرکہ آرائی ہے، اسپارٹا کی خواہش تھی کہ اخبارات میں کسی مقابلے کا اعلان کیا جائے۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ میں کوئی پیشہ ور شخص نہیں ہوں۔''

رفتہ رفتہ میں نے اپنے لہجے میں زور پیدا کر لیا اور خود اپنے مظاہرے دکھانے کے بجائے سلیمان بے اور اسپارٹا سے درخواست کی کہ وہ خود کوئی کارنامہ دکھائیں۔ اگر ان کا کوئی توڑ ممکن ہوا تو جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو مستعد رہنے کا اشارہ کیا۔ میرے انکسار کا تماشائیوں پر اچھا اثر پڑا اور سب لوگوں کی آنکھیں اسٹیج کی جانب مرکوز ہو گئیں۔

سلیمان بے نے میری تقریر کے بعد سر خم کر کے تماشائیوں سے اجازت لی۔ پھر یکلخت سنجیدہ ہو کر مجھے گھورنے لگا۔ اس نے اپنا پنجہ میری طرف کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ میں اعتماد سے کھڑا مسکراتا رہا۔ اسٹیج سے میں نے جین اور سارا پر ایک نظر ڈالی، جین کی آنکھوں میں حیرت تھی اور سارا کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔ سارا سے نظر بچاتے ہوئے میں نے جین کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ ''جمیل سنبھلو!'' انکا نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسٹیج کی طرف نظر دوڑائی تو وہاں دھواں دھواں نظر آ رہا تھا۔ ایسا دھواں جس میں اسٹیج کی ہر چیز صاف نظر آ سکے۔ اس دھوئیں میں اسٹیج پر بجلی کا کوندا لپکا اور پھر اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے پلک جھپکتے ہی ایک وحشی کو وہاں موجود پایا۔

اسی لمحے اسپارٹا حاضرین کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں بولا۔ ''معزز خواتین و حضرات! آپ کو معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ حبشی، فرعون طلح آمن کا وفادار غلام سہوان ہے، کچھ دیر پہلے اس کی حنوط شدہ ممی مصر کے ایک نامعلوم مدفن میں بے حس و حرکت پڑی تھی، اب میرے استاد سلیمان بے کے حکم پر آپ کے سامنے زندہ صورت میں موجود ہے۔ میں مسٹر دولت علی سے درخواست کرتا ہوں کہ سہوان کو دوبارہ اسی طرح اہرام مصر کے سفر پر روانہ کر دیں۔''

''جمیل۔'' انکا ہونٹ چباتے ہوئے غصے سے بولی۔ ''اجازت ہو تو میں اس شعبدے باز کو ہی ممی

بنا دوں۔''

''نہیں۔'' میں نے انکا کو منع کیا۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میں تسخیر ارواح کے علم میں سلیمان بے اور اسپارٹا کی مہارت کا قائل ہوں لیکن کسی ممی سے الجھنا اور اسے اذیت دینا میرے لئے نامناسب ہے۔ میں اسے اپنے لئے بہتر نہیں سمجھتا۔ جو روحیں ایک عرصے سے عالم بالا میں سکون کے ساتھ مقیم ہیں، انہیں کرب میں مبتلا کرنا میرے اصول کے خلاف ہے، میں معذرت خواہ ہوں۔''

اسپارٹا نے جوب سن کر بڑے فخر کے ساتھ فتح کے اظہار کے طور پر اپنا سیدھا ہاتھ بلند کیا تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ پھر بوڑھے سلیمان بے نے ایک قلابازی کھائی اور اپنا سر زمین پر ٹپکا۔ اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کے ساتھ ہی اسٹیج پر دوبارہ صاف و شفاف دھواں پھیل گیا۔ واضح طور پر کھڑا ہوا حبشی اس دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ ہال میں لوبان کی ایک مہک دوڑ گئی۔ دو تین روشنیاں پہلے ہی گل کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد اسپارٹا نے دوسرا عمل کیا۔ اس بار اچانک ایک حسین عورت پر اسٹیج نمودار ہوئی۔ وہ سلیمان بے کے ایک عمل سے بے حس و حرکت ہو گئی۔ سلیمان بے نے اس پر تلوار سے حملہ کیا۔ شدید ضربیں لگائیں۔ ایک کوڑا لے کر اسے بری طرح مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی لیکن سلیمان بے کے اشارے پر وہ دوسرے ہی لمحے متحرک ہو گئی۔ اسپارٹا نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے مجھے اس بات کی دعوت دی کہ میں دوبارہ اس عورت کو مجسمے کی شکل میں تبدیل کر دوں۔ انکا نے اسپارٹا کا چیلنج قبول کرنا چاہا لیکن میں نے اسے پھر منع کر دیا۔ میں نے دوبارہ معذرت پیش کر دی۔ اسپارٹا کے چہرے پر فاتحانہ سرخی دمک اٹھی۔ ہال میں سے کسی نے مجھ پر ہوٹنگ کی۔ ''دولت علی! واپس آ جاؤ۔ یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔'' میں نے دیکھا، سارا تلملائی ہوئی تھی۔ جم بت بنا بیٹھا تھا اور جین کے لبوں پر خوف زدہ سی مسکراہٹ تھی۔ ہال میں اسپارٹا کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا جا رہا تھا۔ انکا سخت طیش کی حالت میں تھی۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں خوف ناک ہو گئیں تھیں۔

''جمیل! تمہارے دل میں کیا ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تم نے آخر سوچا کیا ہے؟ کیا میری بات کا برا مان گئے ہو؟''

''فکر نہ کرو میری گل اندام!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔''

تماشائیوں کی بے چینی اب ختم سی ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگ مجھے کوئی دیوانہ سمجھ رہے تھے۔ اسپارٹا فاتحانہ اچھل رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لہرا رکھے تھے۔ یہ ہنگامہ ختم ہوا تو اسپارٹا نے تیسرا مقابلہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔

سلیمان بے کے ہاتھوں میں کئی خنجر دیئے گئے۔ اسی وقت اسپارٹا کی آواز گونجی۔ ''معزز خواتین و حضرات! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جب تک یہ مقابلہ ختم نہ ہو، آپ کسی قسم کی آواز منہ

Downloaded from Paksociety.com

سے نکالیں۔ خاص طور پر خواتین سے میری درخواست ہے کہ وہ ضبط و تحمل کا ثبوت دیں۔'' جیسے ہی اسپارٹا کی بات ختم ہوئی، سلیمان بے نے ایک خنجر زور سے ایک پردے پر مارا، پردہ چر سے پھٹ گیا۔ غالباً یہ دکھانا مقصود تھا کہ خنجر کی دھار کس قدر تیز ہے۔ پھر اس نے اسی خنجر کا نشانہ لیا اور اسے اسپارٹا کے سینے میں پیوست کر دیا۔ اسپارٹا دھرام سے گر پڑا۔ سلیمان بے نے اسی پر بس نہیں کیا اور دوسرے خنجروں سے پے در پے کئی وار کئے۔ اسپارٹا کا جسم لہولہان ہو گیا اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔ سلیمان بے کو جیسے پھر ہوش آیا۔ وہ چیخنے، چلانے اور دہاڑنے لگا۔ اس نے گریہ و زاری سے آسمان پر سر اٹھا لیا۔ تماشائی انگشت بدنداں تھے۔ اسپارٹا کا خون اسٹیج پر بکھرا ہوا تھا۔ اس کی گردن لٹک گئی تھی پھر سلیمان بے نے تالی بجائی۔ عقب سے تمارا برآمد ہوئی۔ اسپارٹا کی یہ حالت دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے سلیمان بے کا گریبان پکڑ لیا۔ ناتواں بوڑھے نے پوری قوت سے اسے دھکیل دیا، وہ اسپارٹا کے بے جان جسم کے قریب گر پڑی۔ بوڑھا آہستہ آہستہ اسپارٹا کے نزدیک آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ خنجر اسپارٹا کے جسم سے نکال لے۔ تمارا نے اس کے حکم کی تعمیل میں خنجر ایک ایک کر کے اسپارٹا کے جسم سے نکالنے شروع کر دئے۔ جب سارے خنجر نکالے جا چکے تو بوڑھے نے ایک طویل سیاہ پردہ اسپارٹا کے جسم پر ڈال دیا۔ ہال کی روشنیاں بجھا دی گئیں اور بوڑھے کی غضب ناک آواز فضا میں گونجی۔ اس کے الفاظ عام سمجھ سے بالاتر تھے۔ وہ خاموش ہوا تو ہال دوبارہ روشن کر دیا گیا۔ اسپارٹا کی لاش ویسی کی ویسی پڑی ہوئی تھی۔ میں بھی ایک کونے میں کھڑا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے سلیمان بے کے منہ سے مبہم الفاظ ادا ہونے پر سیاہ پردے میں حرکت ہوئی اور وہ اوپر معلق ہو گیا۔ ایک خاص اونچائی پر جا کے طویل پردے سے ڈھکی ہوئی لاش ٹھہر گئی اور اس نے مجمع کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اسٹیج سے نیچے اتر گئی اور لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دوبارہ اسٹیج پر آئی اور زمین پر ٹک گئی۔ سلیمان بے نے تمارا کو اشارہ کیا کہ وہ پردہ ہٹا دے۔ تمارا نے جھجکتے جھکتے پردہ اٹھا دیا۔ اسپارٹا صحیح و سلامت موجود تھا۔ وہ ایک انگڑائی لے کر اٹھا اور اس نے تماشائیوں کی طرف داد طلب نگاہ ڈالی۔ ہال میں ایک شور برپا تھا۔ کوئی پانچ منٹ تک لوگ تالیاں بجاتے اور شور کرتے رہے۔ پھر مجمع پُرسکون ہوا تو اسپارٹا نے میری جانب طنزیہ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے استاد جناب سلیمان بے کے ادنیٰ کرشموں میں سے ایک تھا۔ اس کے بعد میں مسٹر دولت علی خان سے کوئی درخواست نہیں کروں گا۔ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے میں انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر اپنے طور پر اور اپنی مرضی سے کوئی مظاہرہ کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''بمبیل!'' انکا غصے میں بولی۔ ''یہ دو ٹکے کا شعبدے باز تمہاری توہین کر رہا ہے اور تم چپ کھڑے ہو۔''

میں انکا کی بات سن کر سنجیدگی سے آگے بڑھا اور تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''معزز حاضرین! آپ نے اسپارٹا اور اس کے استاد محترم سلیمان بے کے حیرت انگیز کمالات دیکھے۔ میں ان کمالات کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ سلیمان بے نے جو مظاہرہ کیا ہے وہ اس کی محنت اور طویل ریاضت کا ثمر ہے۔ مسٹر اسپارٹا نے مجھے شرمندگی سے بچانے کے لئے جو فراخ دلانہ پیش کش کی ہے، میں اسے مسترد کرتا ہوں۔ میں نے آپ کی دلچسپی کے لئے تمام کمالات دیکھ لئے۔ لیکن اب مجھے کچھ کرنا چاہئے۔'' پھر میں نے اسٹیج سے جین کو مخاطب کیا۔ ''کیوں جین، اب کچھ ہو جائے؟''

''ہاں ہاں دولت علی! اب شروع ہو جاؤ۔'' جین کے بجائے جم نے زور سے کہا۔ سارا کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ انکا پہلے ہی میرا اشارہ پا کر سر سے رینگ چکی تھی۔ میں نے ہجوم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں درخواست کرتا ہوں کہ کوئی خاتون اسٹیج پر تشریف لائیں تاکہ میں مسٹر اسپارٹا کے چیلنج کا جواب دے سکوں۔ میں محترم خاتون کو تمام تر تحفظ کا یقین دلاتا ہوں۔''

چند لمحوں تک کسی خاتون نے اپنی نشست سے اٹھنے کی جرأت نہیں کی۔ اسپارٹا کے آخری مظاہرے نے خواتین کو بری طرح خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ تقریباً بھی کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ کچھ دیر تک ہال میں سکوت طاری رہا۔ پھر میں نے ایک خود ایک دبلی پتلی لڑکی کو اشارہ کیا۔ وہ شرمانے لگی لیکن میرے اصرار سے اسٹیج پر آ گئی۔ تماشائیوں نے اس لڑکی کی جرأت دیکھ کر تالیاں بجائیں۔ اس کا نام سوزی تھا۔ میں نے شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی پیٹھ ٹھونک کر ثابت قدم رہنے پر زور دیا۔ اس کے اسٹیج پر آنے کے بعد میں کسی ماہر شعبدے باز کی طرح اچھل کود کرتا رہا اور اپنے سر پیر پھینکتا رہا۔ میں نے ہندوستانی پنڈتوں کے انداز میں اول جلول حرکتیں کیں، جن کا مجھے گہرا تجربہ تھا۔ پھر میں نے سارا اور جین کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''اجازت ہے؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا ''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور سوزی کو مخاطب کیا۔ ''لڑکی! تم جان گئی ہو کہ میں کون ہوں۔ میں دولت علی تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سچے دل سے انکا دیوی کا نام لو اور آگے بڑھ کر اس چرب زبان شخص اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی کوشش کرو۔''

دبلی پتلی سوزی غیر معمولی تیزی سے آگے بڑھی۔ اسپارٹا مضحکہ خیز انداز میں مسکرا رہا تھا لیکن اس وقت وہ بھی دنگ رہ گیا جب سوزی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اسے فضا میں اچھال دیا اور جب وہ گرنے لگا تو ایک انگلی پر اس کا جسم روک لیا۔ لڑکی کا ہاتھ بلند تھا اور اسپارٹا اس کی انگلی پر فضا میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ہجوم کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ لڑکی کے بلند ہاتھ کی صرف ایک انگلی پر قیم و شحیم اسپارٹا چاروں خانے چت اٹھا ہوا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو مخاطب کیا۔ ''استاد محترم! کیا آپ اس لڑکی کی طرح مجھے یا اسپارٹا کو اپنی انگلی پر اٹھانے کی زحمت گوارا کریں گے؟''

''...'' اس کی نجات کی تھی، اس نے خوب

صورتی سے مجھے ٹال دیا۔ جین، سارا اور جم اچھل اچھل کر مجھے مبارک باد دے رہے تھے۔ جین کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ سارے ہال میں سنسنی دوڑی ہوئی تھی۔ ''مسٹر اسپارٹا!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''کیا تم اتنے مجبور ہو گئے ہو کہ ایک کمزور لڑکی کی انگلی سے نیچے نہیں آ سکتے؟'' اسپارٹا بری طرح اچھل رہا تھا لیکن وہ اس مضبوط انگلی سے نجات پانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اس کا استاد سلیمان بے بھی پریشان تھا۔ اسپارٹا دہشت زدہ تھا اور شکست قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے سلیمان بے کو دوبارہ للکارا۔ وہ لڑکی سوزی اس طرح کھڑی تھی جیسے اس کی انگلی پر کوئی کھلونا ہو۔ رفتہ رفتہ ہال میں سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ پھر قہقہے، لوگوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

اس ہنگامے سے مجھے خوب لطف آ رہا تھا۔ میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ سلیمان بے اور اس کے پورے طائفے پر سوگ طاری تھا۔ اسپارٹا جب خوب اچھل کود مچا چکا تو میں نے سلیمان بے کی طرف دیکھا۔ ''کیا خیال ہے؟'' میں نے کہا۔ سلیمان بے نے مجھے اشارہ کیا اور میں نے لڑکی کو حکم دیا۔ ''اچھی لڑکی، پیاری سوزی! تم تھک تو نہیں گئیں؟''

''نہیں، میں اسے سارے ہال میں گھما سکتی ہوں، اس کا وزن ہی کیا ہے؟'' سوزی نے جواب دیا۔

''تو پھر ذرا اپنی قوت کا مظاہرہ کرو۔''

سوزی اپنی انگلی پر آسانی سے اسپارٹا کو لئے ہوئے اسٹیج کی سیڑھیوں سے نیچے اتری اور ہال کا ایک چکر لگا کر واپس آ گئی۔ یہ ایک دلچسپ تفریح ثابت ہوئی۔ لوگوں نے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر اسپارٹا سے دل لگی کی جو نیچے اترنے کی تمام تر کوشش کے باوجود ناکام ہو گیا تھا۔

''اچھا اب اسے نیچے اتار دو، بے چارہ تھک گیا ہو گا۔'' میں نے حکم دیا۔ لڑکی نے ایک جھٹکے سے اسپارٹا کو زمین پر پٹخ دیا۔ وہ ایک چیخ مار کر اٹھا اور میرے پاس آ کر میر کمری ٹھونکنے لگا۔ انکا میرے سر پر آ گئی تھی اور ہال تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔

''حاضرین!'' میں اسٹیج کے درمیان آ کر بولا۔ ''استاد سلیمان بے اور ان کے لائق شاگرد کی دلوں کی بھڑاس شاید ابھی نہ نکلی ہو، ابھی تو خود میں بھی اس تماشے سے کچھ زیادہ محظوظ نہیں ہوا ہوں۔ میں سلیمان بے جیسے بڑے استاد کو ایک لمحے میں اپنے احکام کی تعمیل پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد اس شوکی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسپارٹا چیخا۔ ''استاد سلیمان بے زبردست قوت ارادی کے مالک ہیں۔''

''انہیں یقیناً ناکامی ہو گی۔'' سلیمان بے نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں انہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔''

میں نے چٹکی بجائی۔ ''میں لمحوں کی دیر نہیں لوں گا۔'' میرے یہ کہتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے استاد سلیمان بے خود بخود نادم سا ہوا اور گردن خم کر کے میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اسپارٹا حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔

جب انکا کسی کے سر پر چلی جائے تو کیا ہو گا۔ میں نے جو چاہا وہ سلیمان بے سے کرا دیا۔ اس کی بڑی رسوائی ہوئی۔ میں نے اسے اسٹیج پر مرغا بنوا دیا۔ میں نے اسپارٹا کے گال پر طمانچے لگوائے۔ میں نے اس سے اس کے شاگرد کے منہ پر تھکوا دیا۔ میں نے اسے کتے کی طرح بھونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بلی کی طرح میاؤں میاؤں بولا۔ اس نے اپنے بالائی کپڑے اتار دئے۔ میرے اشارے پر وہ زار و قطار رونے لگا اور پھر۔ بے تحاشا ہنسنے لگا۔ اس شب کیا کیا نہ ہوا۔ کم بخت اسپارٹا مجھے کئی بار پریشان کر چکا تھا۔ اسے مزہ تو چکھانا ہی تھا۔ جین پوری طرح متاثر نظر آ رہی تھی۔ میں نے سلیمان بے کو حکم دیا کہ وہ اس کے پیروں پڑ کر معافی مانگے اور اعتراف کرے کہ اس نے شکست قبول کر لی ہے۔ بوڑھا سلیمان بے جین کے قدموں میں جا کر جھک گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگا۔

جب وہ اسٹیج پر واپس پہنچا تو میں نیچے اتر آیا۔ اسی وقت پردہ گرا دیا گیا۔ تماشائی تالیاں بجاتے اور شور مچاتے ہوئے اٹھے۔ میرے گرد تمام لوگوں کا ہجوم ہو گیا۔ میں بڑی مشکل سے راستہ بناتا ہوا وہاں سے نکلا۔ جین نے فرط مسرت سے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ جم میری پذیرائی میں پیش پیش تھا۔ سارا کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو تھے۔ ہم لوگ جب باہر آئے تو آٹوگراف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جم مجھے فوراً گاڑی میں لے گیا۔ مجھے یاد ہے اس وقت ایک ہندوستانی نوجوان مسعود میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اپنے ہوٹل کا پتا دیا تھا۔ بڑی مشکل سے ہماری گاڑی وہاں سے کھسکی۔ ہم لوگ سارا کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر جین میری شکل دیکھتی رہی جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ میں یہی چاہتا تھا۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔ جین کو انکا کے ذریعے سر کیا جا سکتا تھا مگر اس میں لطف نہ آتا کیونکہ ایسی صورت میں ہمیشہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سوئی ہوئی لڑکی سے خواب میں باتیں ہو رہی ہوں یا کوئی بے ہوش لڑکی دیوانگی میں حرکت کر رہی ہو۔ وہ پُر لطف گریز جو ہوش میں ہوتا ہے، وہ سپردگی کی مدہوشی میں کہاں؟ بدقسمتی سے سارا اور جم کی موجودگی میں آتش بدن جین سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہو پا رہی تھی۔ میرا جی اس سیماب صفت نازنین سے دل کی دو باتیں کرنے کے لئے مچلا جا رہا تھا۔ سارا کے گھر ہم نے ہلکا سا ڈنر لیا اور جلد ہی امرائے لندن کلب کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

ہم امرائے لندن کے کلب کی طرف جا رہے تھے۔ جم کے علاوہ دونوں لڑکیاں میری صلاحیتوں کے بارے میں بے تحاشا حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جب انہوں نے بہت زیادہ تعریف کی تو مجھے

ندامت اور کمزوری سی محسوس ہونے لگی۔ کاش میں واقعی کوئی طاقتور شخص ہوتا۔ ایک مرتبہ مالا کو میرے سپرد کرتے وقت پجاری پریتم لال نے کنیادان کے ساتھ مجھے شکتی بھی دان کی تھی۔ اس شکتی نے کئی جگہ میرا تحفظ کیا تھا پھر بھی اس سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکا تھا اس لئے مجھے اس سے فائدہ اٹھانے کے گر معلوم نہیں تھے۔ پھر کلپنا نے میری مدد کی، میں نے اپنی آنکھوں سے بدری نرائن اور سادھو جگدیو اور پریتم لال کی شکتی دیکھی۔ میں نے برکاتی شاہ کے ساتھ جتنے دن گزارے اور اس کی جتنی کراماتیں دیکھیں وہ اگر یہ لوگ دیکھ لیتے تو نہ جانے ان کا کیا حال ہوتا؟ میری تعریف انکا کی تعریف تھی۔ سارا، جم اور جین کو کیا معلوم تھا کہ میں ایک ہاتھ سے معذور شخص اس جسمانی سقم کے سوا مجھ میں کوئی روحانی قوت بھی نہیں ہے۔ وہ تو چھوٹی سی، خوب صورت دوشیزہ ہے جو یہ مہمات سر کرتی ہے اور جسے کوئی بھی مجھ سے چھین سکتا ہے۔ اس رات مجھے اپنی کم حیثیتی کا شدید احساس ہوا۔ انکا سے میں نے ایک مغائرت سی محسوس کی۔ میں نے خود پر لعن طعن کی کہ اتنے طویل عرصے تک غیر معمولی ماورائی اور مابعد الطبیعاتی مظاہر کا مشاہدہ کرنے کے باوجود میں نے جگدیو، بدری نرائن اور برکاتی شاہ وغیرہ بننے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ جگدیو کو انکا کی ضرورت نہیں تھی...... بدری نرائن مجھے نہتا کرنے کے لئے انکا کا طالب تھا۔ برکاتی شاہ ایک بے نیاز شخص تھا۔ یہ سب اپنی ماورائی طاقتوں کے سبب مطمئن اور مضبوط لوگ تھے۔ میں انکا کو نفی کرنے کے بعد کیا تھا۔ کلدیپ ہی نے بہت کم مدت میں کٹھن تپسیا کر کے خود کو ایک طاقت ور ہستی بنا لیا تھا۔ میں ہمیشہ سہارے اور پناہیں ڈھونڈتا رہا یا پھر انکا کی طلب میں مارا مارا پھرتا رہا۔ خود میں نے کیا، کیا؟ کلدیپ کی طرح دنیا سے الگ تھلک ہو کر روحانی طاقتیں حاصل کرنے میں منہمک کیوں نہیں ہو گیا؟ میرا تصور مجھے ہندوستان میں لے گیا۔ میں خیالوں کے دوش پر پریتم لال کے اس ہرے بھرے استھان پر پہنچا جہاں کلدیپ بیٹھی مالا جپ رہی ہوگی اور تزئین اس کی کٹیا میں پانی لا رہی ہوگی۔ جم، جین اور سارا میں اسپارٹا سے ہونے والے مقابلے پر بحث ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ ہندوستان واپس جا کر مجھے کلدیپ کے ساتھ کوئی تپسیا شروع کر دینی چاہئے۔

کلب میں داخل ہو کر بھی مجھ پر اداسی طاری رہی۔ کلب کا ماحول وہی تھا جس کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا تھا۔ ہم سب ایک بڑی میز پر بیٹھ گئے۔ سارا نے مجھے ٹٹولا کہ مجھے اچانک کیا ہو گیا ہے، میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جب جین نے مجھ سے کہا کہ "دولت علی! کیا غریب سلیمان بے پر ترس آ رہا ہے؟" تو میں بغیر مسکرائے نہ رہ سکا اور مجھے جلد ہی کلب کے رنگین ماحول نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ ذہن سے سب غبار چھٹ گیا۔ جین کے موتی جیسے سفید دانت، میں ان لبوں کے رس پر غور کر رہا تھا اور میں اسے دیکھ کر کوئی ایسا نوجوان بن گیا تھا جس کی زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی لڑکی داخل ہوئی اور اس نے جسم میں گدگدی سی ہو رہی ہو۔ اب جانا ہی ہے۔ پھر یہ ماحول کہاں نصیب ہوگا۔ یہ سوچ کر

میں نے ہنگامہ کرنا شروع کر دیا۔ جین اپنے بارے میں جاننے کے لئے مضطرب تھی۔ میں نے تخلیے کی شرط لگائی۔ سارا اور جم میز سے اٹھ کر جانے لگے تو جین نے انہیں روک لیا۔ کلب میں رقص کا بازار گرم تھا۔ سارا، جم کے ساتھ اٹھ گئی۔ مجھے جین سے اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کی معذرت کرنی پڑی لیکن وہ مجھے کھینچ کر فلور پر لے گئی۔ ایک ہاتھ کے بغیر رقص، اس کا تجربہ مجھے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ مجبوراً مجھے بے ہنگم رقص کے لئے تیار ہونا پڑا۔ جب وہ میرے سینے سے لگ گئی اور اس کا خوشبودار بدن مجھ سے قریب ہوا تو میری آنکھوں میں خمار آ گیا۔ رقص کے دوران میں نے بہت سی ان کہی، کہہ دیں۔ کچھ اس کے بارے میں، کچھ اپنے بارے میں کہا۔ کچھ حسن کا ذکر کیا، کچھ اپنی ہوس انگیز طبیعت کا۔ لیکن رقص میں مجھے خفت اٹھانی پڑی اور میں پہلے ہی راؤنڈ کے بعد اسے لے کر واپس میز پر آ گیا۔ اسی وقت ایک بیرا میرے پاس آیا۔ اس نے مجھ سے پریشانی کے لہجے میں جم کے بارے میں پوچھا۔

"ان کا ایک اہم فون آیا ہے۔"

"وہ وہاں رقص کر رہا ہے۔" میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جم رقص چھوڑ کر مجھ سے معذرت چاہتا ہوا کلب کے دفتر پہنچ گیا اور تھوڑی دیر میں پریشان سا میرے پاس آیا۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔" وہ کہنے لگا۔ "مجھے ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا ہے۔ پولیس کو ایک مکان سے چھ لاشیں دستیاب ہوئیں ہیں، مجھے فوراً جانا ہوگا۔"

"چھ آدمیوں کی لاشیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "یہ تو خاصا بڑا کیس ہے!" جم کی زبانی یہ خبر سن کر مجھے تشویش ہونے لگی۔

"ہاں۔ حالانکہ اس قسم کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پرانے دوست کسی بھی پیچیدہ معاملے میں مجھے طلب کر لیتے ہیں۔"

"کیا میں تمہارے ساتھ چلوں؟" میں نے کہا۔

"اس وقت نہیں، لیکن شاید مجھے تمہاری ضرورت پڑے۔"

جم نے دوبارہ معذرت چاہی اور فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ جین نے اسے الوداع کہا۔ گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا اور قتل و خون کے واقعات پر جین تیزی سے بول رہی تھی۔ اس کا تعلق سیکرٹ سروس سے تھا۔ جم بھی اسی محکمے سے وابستہ تھا۔ میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا جیسے قتل کے واقعات میرے لئے انوکھے ہوں۔ میں بار بار تعجب کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ انکا بھی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ سارا کچھ تھکی ہوئی، مضمحل سی معلوم ہوتی تھی۔ میں چاہتا تھا، وہ گھر چلی جائے یا کہیں اور مصروف ہو جائے تاکہ میں اور جین تنہا رہ جائیں۔ آج رات جین کو کہیں لے جا کر اس کے طوفان حسن میں غرق ہونے کا ارادہ تھا۔ مجھے اب یہ کوئی مشکل کام معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ جین ہر لمحے مجھ سے متاثر ہو رہی تھی اور

میں اس سے۔ رات گزر رہی تھی، اس اثنا میں میرے نام جم کا فون آیا۔ وہ مجھ سے ہیڈ کوارٹر آنے کی درخواست کر رہا تھا۔ یہ بات میرے لئے خاصی تشویش ناک تھی لیکن مجھے یہ معاملہ جلد سے جلد ختم کرنے کے لئے فوراً یہاں سے روانہ ہونا چاہئے تھا۔ جین اور سارا کو معاملے کی نوعیت بتا کر ہم نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ ہم فوراً کلب سے اٹھ آئے۔ جین اپنی گاڑی میں مجھے ہیڈ کوارٹر چھوڑتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوگئی۔ سارا بھی اس کے ساتھ تھی۔ مجھے ایک سپاہی نے عزت کے ساتھ ایک کمرے میں بٹھا دیا جہاں برطانیہ کے ماہر سراغ رساں اور پولیس افسر موجود تھے۔ جم نے ان سب سے میرا تعارف کرایا۔ ان سب کو میری ظاہری حالت پر یقیناً حیرت ہوئی ہوگی۔ میں پیش ور آرٹسٹوں، میری مراد ہے سادھوؤں اور پنڈتوں جیسا نہیں تھا بلکہ بالکل عام آدمی کی طرح تھا۔ جم نے مجھے تفصیل سے اس مکان کا محل وقوع اور قتل ہونے والے چھ آدمیوں کی زندگی کے متعلق بتایا۔ وہ چھ آدمی پہلے بھی کئی جرائم میں ملوث ہو چکے تھے اور لندن میں شورہ پشت غنڈوں کی حیثیت سے مشہور تھے۔ یہ حادثہ پولیس کے علم میں دیر سے آیا اس لئے کہ اس مکان میں عرصے سے کوئی مقیم نہیں تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک اور جرائم پیشہ شخص، ایک لڑکی کو اغوا کر کے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے وہاں لے گیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو اسے ایک ساتھ چھ لاشیں خون میں لت پت نظر آئیں۔ وہ شخص یہ خونیں منظر دیکھ کر پہلے تو حواس باختہ ہوا پھر اس نے مقتولوں کی جیبوں کی تلاشی لی اور ان کے پستول اپنی جیب میں بھرنے شروع کر دئے۔ مظلوم لڑکی جو کسی ایسے ہی موقع کی منتظر تھی، وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے آتے ہی پولیس کو اس دہشت انگیز واردات سے مطلع کیا۔ پولیس جب وہاں پہنچی تو لڑکی کو اغوا کرنے والا مجرم غائب تھا اور وہاں زینے پر چھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں ان کے ہاتھ میں کوئی پستول نہیں تھا۔ میں نے یہ تمام واقعات پوری توجہ اور سنجیدگی سے سنے۔ میں فوراً ایڈورڈ کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ میں خود ہی اس واقعے کا شاہد ہوں اور یہ قتل میری انکا کی طاقت کا کرشمہ ہیں۔ عجیب دلچسپ بات تھی کہ جو شخص اس خونیں واردات کی بنیاد تھا، اس سے رہنمائی اور سچائی کے لئے کہا جا رہا تھا۔ ایڈورڈ سے کوئی سلسلے ملاتا تو خود اپنے ملوث ہونے کا اندیشہ تھا۔ جم نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا۔ کاش مجھے سیٹ مل جاتی اور آج ہی لندن سے روانہ ہو جاتا۔ افسران میرے چہرے کی طرف مضحکہ خیز انداز میں دیکھ رہے تھے اور جم بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا۔ ''دولت علی! لارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے منٹوں میں اصل قاتل کا چہرہ بے نقاب کر دیا تھا۔ اس معاملے میں بھی ہمیں کچھ بتاؤ۔''

''مجھے کچھ غور کرنے وقت دو جم! یہ کیس خاصا پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم کوئی جادو کر دکھاؤ گے۔ میں نے اپنے دوستوں سے تمہارا بڑا تذکرہ کیا ہے۔'' جم جوش میں بولا۔

میں نے اپنی گردن جھکا لی، ایک افسر نے بڑھ کر مجھے سگریٹ پیش کیا اور میرے ہاتھ میں ایک جام تھما دیا۔ میں نے کچھ توجہ دئے بغیر اسے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ اس وقت میرا ذہن کسی کہانی کا تانا بانا بننے میں مصرف تھا مگر کوئی سرا نہیں مل رہا تھا۔ قتل کے وقت ایڈورڈ کلب میں موجود تھا۔ بدقسمتی سے مقتولوں کے پستول چھن گئے تھے جن سے ان کے اپنے نشانات کا پتہ چلتا۔ مجھے تذبذب میں گھرا ہوا دیکھ کر جم جوشیلے انداز میں اپنے دوست افسران کو اسپارٹا سے میرے مقابلے کا واقعہ سنانے لگا۔ وہ شاید اپنے دوستوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس نے مجھے بلا کر کوئی غلط انتخاب نہیں کیا ہے۔

''خوب......!'' یکا یک میری آواز گونجی۔ ''ازراہ کرم مجھے ایک جام اور عطا کیجئے۔ یہ واقعہ خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔''

''کیا تم نے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟'' وہ جلدی سے بولا۔

''کوئی خاص نہیں۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں قتل کی اس واردات کی فائل پر نا قابل حل کی پرچی چسپاں کرنی ہوگی۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا ہو؟'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کا کوئی جواز تو ہوگا؟'' ایک افسر بولا۔

''جواز۔ بظاہر صاف ہے، اختلاف کسی بھی مسئلے پر۔ دنیا میں ہر خون خرابے کی وجہ اختلاف ہے۔''

جم بوکھلایا ہوا تھا۔ ادھر میں پریشان تھا کہ کون سا جواب دوں۔ جم کی بوکھلاہٹ کی وجہ یہ ہوگی کہ اسے میری خاموشی پر اپنے دوستوں کے سامنے نادم ہونا پڑتا۔ میں نے ان لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے ماحول خوش گوار بنانا چاہا۔ میں اس وقت برطانیہ کی پولیس کے ماہروں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ میں کون تھا؟ وہ بے چارے نہیں جانتے تھے۔

''ارے مسٹر ہارڈی!'' میں نے اچانک کہا۔ ''کہئے، لزی کا کیا بنا ہے، کب واپس آ رہی ہے؟''

''لزی!'' ہارڈی کی آنکھیں پٹ پٹانے لگیں۔ ''تمہیں کب معلوم ہوا کہ وہ باہر گئی ہوئی ہے؟''

''مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے لیکن چھوڑیئے، مسٹر نارمن کے متعلق سوچتے ہیں ان کی جیب میں قیمتی سگار ہیں جو آج ہی ان کے دوست نے دئے ہیں۔ مسٹر نارمن! کیا آپ مجھے ایک سگار نہیں دیں گے؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گارڈ!'' نارمن نے اپنی جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ ''آپ تو جیبوں میں گھسے ہوئے ہیں۔''

''اور یہ دیکھئے، یہ ایڈی...... آج کتنے سست نظر آتے ہیں۔ آج تو باقاعدہ لڑائی ہوئی تھی۔

کیوں مسٹر ایڈی!''میں نے شرارت سے کہا۔

''اوہ، اوہ...... مسٹر دولت علی!''ایڈی نے جھینپ کر بولا۔''بس کیجیے۔''

میں نے جم کو مایوس اور ناکام نہیں ہونے دیا۔ میں نے بہر حال یہ بات ثابت کردی کہ جم نے ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ وہ ایک غیر معمولی آدمی سے بات کر رہے ہیں جو اندر کی باتیں بتا دیتا ہے۔ ہمارے درمیان خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ میں چٹکلے چھوڑ رہا تھا، انکا ادھر ادھر پھدک رہی تھی۔ باہر سے ٹیلی فونک پیغامات کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر لمحے نئی اطلاعات ان افسران کو پہنچائی جارہی تھیں۔ پولیس نے سارے مکان کا محاصرہ کر کے ایک ایک چیز کے نشانات لینے شروع کردئے تھے۔ غنڈوں کے اعزاء سے رابطہ جاری تھا اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں ایک ایک اطلاع دی جارہی تھی۔ لندن پولیس کی یہ کارکردگی دیکھ کر میں اپنے ہاں کی پولیس سے ان کا موازنہ کرنے لگا۔ خاصا رنگ جمانے کے بعد میں جم کے ہمراہ جائے واردات کا جائزہ لینے کے بہانے اٹھا۔ ہم آدھی رات کے قریب اس ویران مکان تک پہنچے جس مکان میں کل رات میں خود تھا، آج میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''تم کسی مقتول کی روح کو کیوں نہیں بلا لیتے جیسا کہ لارڈ رالف اسمتھ کے کیس میں تم نے کیا تھا؟''جم نے کہا۔

''آہ پیارے جم! ایک دن کی دیر ہوگئی۔ یہ واقعہ چوبیس گھنٹے پہلے کا نہیں ہے اب روحیں آسانی سے نہیں آئیں گی کیونکہ وہ طویل سفر پر جاچکی ہوں گی اور پھر ہر معاملے میں یکساں برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بدمعاش روحیں آسانی سے قبضے میں نہیں آئیں گی۔''جم نے میری بات سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''دولت علی! خدا کے لئے کچھ کرو۔''جم بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''مجھے آج رات آرام کرنے دو۔ میں سوچتا ہوں۔ صبح تم میرے پاس آؤ۔ شاید کوئی اچھی خبر تمہیں سنا سکوں۔'' یہ کہہ کر میں نے بمشکل تمام جم سے اجازت لی۔ اس نے مجھے میرے ہوٹل تک پہنچایا۔ آج کمرا خالی خالی معلوم ہو رہا تھا۔ کل رات یہاں ارما تھی۔ انکا نے مذاق کرنا چاہا تو میں نے اسے جھڑک دیا، بڑی تنہائی سی محسوس ہو رہی تھی۔ انکا میری افسردگی کی وجہ سمجھ کر اور مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر میرے سر سے اتر گئی۔ میں الجھا ہوا تھا اس لئے میں نے اس سے باز پرس نہیں کی۔ انکا کے جانے کے بعد اور اداسی ہوگئی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے اسے خواہ مخواہ جھڑک دیا۔

ایک گھنٹے بعد میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازے کے چھوٹے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں تمارا کھڑی تھی۔ وہ ترکی رقاصہ جو آج اسپارٹا سے مقابلے سے پہلے اسٹیج پر نظر آرہی تھی۔ میں نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ تمارا اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ آئی اور آتے ہی میرے گلے

لپٹ گئی۔''دولت علی! میں فن اور فنکاروں کی عزت کرتی ہوں۔ تم نے آج جو مظاہرہ کیا ہے، وہ میری عقل میں نہیں آتا۔ میں شو ختم ہونے کے بعد تم سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھی، تم فوراً چلے گئے۔ اب میں اسپارٹا اور سلیمان بے سے چھپتی چھپاتی تمہارے پاس پہنچی ہوں۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ میں نے اتنا بڑا فنکار نہیں دیکھا۔''تمارا نے جذبات میں ڈوب کر کہا۔

میں نے اسے بٹھایا۔ اس کی خدمت میں مشروبات پیش کئے۔ انکا بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ وہی میری تنہائی کو محسوس کر کے تمارا کو لائی ہوگی لیکن اس نے یہ بتا کر مجھے حیرت زدہ کردیا کہ تمارا خود مجھ سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ انکا نے اسے مزید اکسا دیا اور وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور ہوگئی۔

وہ رات بھی ان حسین راتوں میں سے ایک ہے، جنہیں میں کبھی نہیں بھولا، میرے کمرے میں تمارا نے بیلے رقص کیا۔ وہ تا دیر تھرکتی رہی جب تھک گئی تو میرے بستر پر گر پڑی۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی اور ہم دونوں جاگ رہے تھے، تمارا نہ جانے کہاں کہاں کی، کس کس دیس کی اور کن کن لوگوں کی باتیں کررہی تھی اور میں اس کی زلفوں سے کھیل رہا تھا۔

اچانک ہوٹل میں ایک زبردست دھماکا ہوا۔ ہوٹل لرزتا ہوا محسوس ہوا، بجلی فوراً بند ہوگئی اور میرا کمرا اندھیرے میں ڈوب گیا۔ میں نے فوراً انکا کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی۔''جمیل! ایک لمحے کی دیر کئے بغیر اس کمرے سے بھاگ جاؤ، ایڈورڈ کے غنڈوں نے اس کمرے کا محاصرہ کرلیا ہے۔ انہوں نے ایک دستی بم پھینک کر روشنیاں گل کردی ہیں اور انتظامیہ کی توجہ ہوٹل کی دوسری جانب مبذول کردی ہے۔ اب وہ تیزی سے تمہارے کمرے کی طرف بڑھ رہے ہیں، لفٹ بند ہے، انہیں یہاں تک پہنچنے میں تھوڑی دیر لگے گی، تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔''

میں نے تمارا کو اٹھایا اور اسے پلنگ سے کھینچنے لگا۔''تمارا! ہوٹل خطرے میں ہے، فوراً باہر آجاؤ۔'' وہ نازنین منتشر تھی اور اس حالت میں نہیں تھی کہ فوراً باہر نکل سکے۔ میں نے کمبل سے اسے ڈھانپ دیا اور کھینچتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔ انکا بار بار عجلت پر اصرار کررہی تھی۔ ادھر تمارا وحشت میں ان گنت سوالات کئے جارہی تھی۔ میرے پاس جواب دینے کا وقت نہیں تھا۔ میں اسے تیزی سے لئے ہوئے تین فلور اوپر ہوٹل کی چھت پر چلا گیا اور دوسری طرف کی سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا، انکا میرے ساتھ تھی۔ تمارا کا سانس پھولا ہوا تھا۔ اسے ساتھ لے کر چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ لمحوں میں ہوٹل میں چیخ پکار مچنے لگی پھر گولیاں چلنے کی آواز گونجنے لگی۔ اب سیڑھیوں پر ہم اکیلے نہیں تھے ہمارے ساتھ دوسرے مسافر بھی تھے جو اندھیرے میں ایک دوسرے کے چہرے دیکھتے اور سوالات کرتے ہوئے دہشت سے اتر رہے تھے۔ اس غتربود میں تمارا کا ہاتھ مجھ سے چھوٹ گیا کیونکہ وہ بار بار اپنا بدن کمبل سے ڈھانپنے

میں مصروف ہو جاتی تھی۔ ادھر نیچے کے فلوروں پر آتے آتے زینے پر خاصی بھیڑ ہو گئی۔ انکا نے مجھے تمارا کو چھوڑ کر آگے چلنے پر مجبور کر دیا۔ جب ایک ہجوم گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو نچلی منزل کے ایک حصے پر آگ لگی ہوئی تھی۔ میں لوگوں کی بھیڑ میں خود کو چھپاتا ہوا باہر آ گیا اور میں نے ایک سمت میں تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ میرے ساتھ اور بھی بہت سے مسافر تھے۔ میں تمارا کا انتظار کرنا چاہتا تھا لیکن انکا مجھے آگے بھگانے پر مصر تھی۔ آخر میں نے خود کو ایک دوسری قریبی عمارت میں چھپا دیا اور عمارت سے باہر کا واویلا دیکھنے لگا۔ ہوٹل کی آگ نے اس دوران زور پکڑ لیا تھا۔ پھر مجھے وہاں کئی نیم عریاں مرد اور عورتیں بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ شاید انہیں لباس پہننے کی فرصت نہ ملی ہو۔ ان میں تمارا بھی تھی جو ایک مرد کا ہاتھ تھامے ہذیانی انداز میں باہر نکل رہی تھی۔ فائر بریگیڈ کا عملہ اور پولیس کی گاڑیاں ہوٹل کے گرد جمع ہونے لگیں۔ ان میں سے ایک پولیس وین سے اعلان ہوا۔ ”مسٹر دولت علی جہاں کہیں ہوں پولیس وین نمبر ۲۴ میں آ جائیں۔“

میں پہلے تو جھجکا مگر جب انکا نے بتایا کہ یہ اعلان جم کی طرف سے ہے تو میں نے سڑک پار کی اور وین نمبر ۲۴ میں جم سے جا ملا۔ وہ گاڑی سے باہر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ”دولت علی! تم خیریت سے تو ہو؟“

”ہاں جم!“ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”میری زندگی بڑی ڈھیٹ ہے۔ موت ہر بار قریب آ آ کے رہ جاتی ہے۔“

جم مجھے اپنے گھر لے گیا۔ میں نے اس کے کپڑے پہنے، صبح قریب تھی۔ مجھے گہری نیند آ گئی، میں کوئی دس بجے سو کر اٹھا، سارا اور جین، جم کے گھر میں میری خیریت پوچھنے کے لئے موجود تھیں، انہوں نے مجھے جگایا نہیں تھا۔ صبح کے اخبارات میں ان چھ غنڈوں کی خبر شہ سرخیوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ سارا دن میں جین اور سارا کی معیت میں جم کے گھر رہا۔ وہیں جم میرے ہوٹل سے میرا لباس لے آیا اور اس نے بتایا کہ ہوٹل کا ایک حصہ آگ کی لپیٹ میں ہے لیکن بڑا حصہ محفوظ ہے۔ پولیس اس دوسرے واقعے سے بھی پریشان تھی، کوئی شخص گرفتار نہیں ہوا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ایڈورڈ جیسے بدمعاش سے نمٹنے کے لئے کوئی موافق صورت حال سامنے نہیں تھی۔ چھ دن بعد مجھے روانہ ہونا تھا۔ ان آخری چھ دنوں میں مزید کوئی ہنگامہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ بہت آسان ترکیب تھی کہ انکا کے ذریعے میں ایڈورڈ کا قلع قمع کرا دیتا چھ. سارا بھی محفوظ ہو جاتی۔ جم کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ میں چھ دن بعد ہندوستان روانہ ہو رہا ہوں۔ سارا نے اسے بتا کر مجھے روکنے کی سبیل نکال لی۔ ادھر مجھے ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ جم کے گھر آ جانے کے بعد جین سے کوئی تعلق بھی نہیں پیدا کیا جا سکتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ جم اب مجھے ہوٹل میں ٹھہرنے دیتا۔ چھ غنڈوں کے قتل کا کیس ابھی تک الجھا ہوا تھا۔ میں نے اپنے طور پر جم کو یہ باور کرانے کی

کوشش کی کہ دو گروہ آپس میں لڑ پڑے ہیں، اس کے سوا اس کیس کی کوئی دوسری نوعیت نہیں ہے۔ جم تو مان گیا کیونکہ اسے میری ہر بات پر یقین تھا لیکن دوسرے افسران یہ حل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔

شام کو جم نے، جب سارا اور جین کمرے میں موجود تھیں، دروازہ بند کر کے مجھ سے کہا۔ ”دولت علی! جو سوال میں کروں، تم صرف اس کا جواب دے دو۔“

میں نے اطمینان سے کہا۔ ”کہو۔“

”دولت علی! کیا تم ایک شخص، کسی بھی شخص کو اس قدر اپنے حکم کے تابع کر سکتے ہو کہ وہ تمہارے ایما پر جہاں چاہے آ جائے جو کام تم چاہو، اس سے کرا سکو۔ سلیمان بے کے معاملے میں تم نے یہی کیا تھا؟“

میں نے مختصر جواب دیا۔ ”ہاں، یہ میرے لئے آسان کام ہے۔“

”کیا تم ایک شخص کو میرا تابع بنانے میں مدد کر سکتے ہو؟“

میں نے ہنس کو پوچھا۔ ”کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”میں تمہیں جرمنی لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ تمہاری صلاحیت پر منحصر ہے کہ تم وہاں کتنے دن میں اپنا اثر رسوخ جما سکتے ہو۔ ہمیں وہاں سے ایک شخص کو لانا ہے۔“

”جرمنی...... جم، کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟“ میں نے کہا۔ ”مجھے ہندوستان جانا ہے۔“

”مجھے معلوم ہے لیکن تم ایک ماہ اور ٹھہر سکتے ہو۔ ممکن ہے تمہارا کام اس سے پہلے نمٹ جائے۔“ جم نے التجا کی۔

”ہندوستان میں مجھے بہت ضروری کام ہیں، تم سمجھتے کیوں نہیں جم! ضرور تمہیں سارا نے ورغلایا ہے۔“ میں نے برہمی سے کہا۔

”نہیں دولت علی! میں تمہیں اتنی جلدی نہیں جانے دوں گا۔ اگر تم تیار ہو تو ہم آج رات ہی جرمنی روانہ ہو جائیں گے اور تم ایک عظیم کام انجام دو گے۔“ جم نے زور دے کر کہا۔

”پیارے! میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ ممکن ہے میری صلاحیتیں وہاں کام ہی نہ کریں، اب دیکھو نا چھ لاشوں کے کیس میں......“ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔

”دولت علی! تم بولڈ، جرأت مند اور بہت زیرک شخص ہو، مجھے تمہاری معاونت کی ضرورت ہے۔ تم اپنے دوست جم پر احسان کرو گے، میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔“

کچھ عجیب سی صورت ہو گئی تھی۔ جم مسلسل اصرار کر رہا تھا اور میں انکار۔ وہ یہ طے کر کے آیا تھا کہ مجھے ہر حال میں اس سنگین کام کے لئے آمادہ کرے گا۔ میں نے اس سے لاکھ بہانے کئے، کوئی عذر نہیں چھوڑا لیکن جم اپنی بات پر اڑا رہا۔ اسے میری ذات پر اتنا بھروسہ اور میری شخصیت پر ایسا زبردست اعتماد

تھا کہ مجھے انکا پر نہ تھا۔ جرمنی سے واپسی کی مدت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اگر مجھے ہندوستان نہ جانا ہوتا تو شاید میں جم کی بات مان لیتا۔ جم میرے انکار سے اداس ہوگیا۔ اس نے کہا۔ ''دولت علی! تم کام کی اہمیت سے ناواقف ہو۔ کاش میں نے اسی وقت سب کچھ بتا دیا ہوتا۔ یقین کرو اس میں بہت کم خطرہ ہے۔ پروگرام تھا کہ تم جین کے ساتھ اسے اپنی سیکرٹری بنا کر جرمنی جاؤ گے۔ میں ایک خاص طیارے سے جرمنی میں داخل ہوں گا، میرا تمہارا رابطہ قائم رہتا لیکن میں تم سے علیحدہ رہ کر دوسرے کاموں کی نگرانی کرتا۔ جین روانی سے جرمن زبان بول لیتی ہے۔ تم خود کو ہندوستان کا نواب ظاہر کرتے اور اپنی صلاحیتوں کی بنا پر جلد اس گروہ سے قریب ہو جاتے جس سے وہ شخص تعلق رکھتا ہے۔ تم اسے اعتماد میں لیتے، اس قدر اعتماد میں کہ وہ تمہارے ساتھ کہیں بھی آ جا سکتا۔ تم ایسا کر سکتے ہو، مجھے یقین ہے پھر ایک مخصوص مقام پر ہم اسے اپنے خصوصی طیارے میں لے آتے۔ جرمنی میں تمہارے قیام کا تمام تر انتظام سروس کے ذمے ہوتا۔ جین کی موجودگی میں تنہائی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تم یہ کام کر سکتے ہو، دولت علی! پھر سوچ لو۔''

جم نے جین کا نام لیا تو میں نے دلچسپی سے اس کا پروگرام سنا۔ جرمنی میں تنہائی کے ان گنت دن۔ حسین جین کے ساتھ، میرے جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ ایک نظر میں انکا کی طرف دیکھا تاکہ میں اس کا عندیہ لے سکوں۔ انکا طنزاً مسکرائی۔ مجھے اس سے جھینپ سی آنے لگی۔ میں نے شوخی میں ایک زوردار ہاتھ اپنے سر پر مارا تو انکا میرے بال نوچنے لگی۔ جم سامنے تھے اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ جین کا ذکر آ جانے کے بعد جم کے سامنے اتنی جلدی آمادہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے دوسری تفصیلات پوچھ کر جم کو منظوری دے دی۔

ایڈورڈ ابھی تک زندہ تھا اور میں اسے کوئی سزا نہیں دے سکا تھا۔ میری عدم موجودگی میں سارا، ایڈورڈ کے کسی ستم کا شکار ہو سکتی تھی۔ ادھر اسے لندن سے جین، جم اور اپنی اچانک غیر حاضری کی وجہ سمجھانے میں دقت ہو رہی تھی۔ میں نے جم سے کہہ کر اس کے گھر پر سیکیورٹی کے چند آدمی تعینات کرا دیئے، جم اس بات پر حیران ہوا تو میں نے اسے خاموش کرنے کے لئے کہا۔ ''جو میں کہتا ہوں، وہ کرو، چلتے وقت تمہیں سب بتا دیا جائے گا۔''

سارا سے کہا گیا کہ ہم لوگ ایک اہم مشن پر لندن سے کچھ دور ایک دن کے لئے جا رہے ہیں۔ ایک دن کی بات تھی، سارا جز بز ہو کر خاموش ہوگئی۔ شام کو سات بجے جم نے مجھے اور جین کو جرمنی کے لئے رخصت کیا۔ میری ضرورت کا ہر سامان جہاز پر موجود تھا۔ میں جین کو لئے ہوئے جہاز پر سوار ہوگیا۔ راستے میں جین ایک سیکرٹری کی طرح بڑی مستعدی سے میری باتیں سنتی رہی۔ ہمارے پاسپورٹ میں اس طرح کی ترمیم اسی دن کر دی گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک مشن تھا۔ مجھے اس کی خطرناکی کی زیادہ فکر نہیں تھی

مجھے تو جین کی فکر تھی۔ جین میرے ساتھ ہوٹل میں...... خلوت میں مقیم رہے گی۔ جین، جس کے بدن سے خوشبو آتی ہے، جس کی قربت جسم کو لرزا دیتی ہے۔ جس کا جسم کسی خاص سانچے میں قدرت نے ڈھالا ہے۔ اس سفر میں میرے لئے کوئی اور دل کشی نہیں تھی، جین تھی تو ساری دل کشیاں تھیں۔

برلن میں، جین کے ساتھ جب میں نے ایک شاندار ہوٹل میں قدم رکھا تو مجھے خود پر فخر سا ہونے لگا۔ میری آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا ہوا تھا اور میں نے سفید شیروانی پہن رکھی تھی۔ جین نے مجھے اپنے تصور کے مطابق ایک ہندوستانی نواب بنانے کی تمام ہدایتیں جہاز میں ہی دے دی تھیں۔ ہوٹل میں ایک بڑا کمرا بک کرایا گیا۔ ہوٹل کا عملہ ہندوستان سے ایک نواب کی آمد پر بچھا بچھا جاتا تھا۔ میں بالکل خاموش چھڑی گھماتا ہوا جب خاص دروازے سے گزر کر اوپر کے زینے پر چڑھا تو ایک سیڑھی پر میں نے دانستہ ٹھوکر کھائی۔ ہوٹل کے مستعد ملازمین دوڑ پڑے۔ جین نے مجھے اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور میں الٹے سیدھے جملے بکتا ہوا اوپر چلا گیا۔ اس طرح میں پہلے ہی موقع پر ہوٹل کے منتظمین کو اپنی لاابالی طبیعت اور حماقت اور آزادروی کے متعلق ایک تاثر دینا چاہتا تھا۔ ہمارا کمرا واقعی کسی نواب کا کمرا تھا۔ ایک علیحدہ کمرے کا تصور کیجیے۔ جین اس کمرے میں سج رہی تھی اور میں اس کا کوئی غلام معلوم ہو رہا تھا۔ میں اس کا غلام عملاً تھا، پوری ہندوستانی قوم غلام تھی۔ جین مجھ سے بہت شگفتہ انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے پھرتی کے ساتھ در و دیوار، بستر اور کونوں کھدروں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جرمنی میں ان دنوں سیاحوں کی آمد و رفت مشکوک تھی۔ کمرے میں جین کو کوئی ٹرانس میٹر یا کسی قسم کا کوئی آلہ دستیاب نہیں ہوا پھر اس نے اپنے سینہ پوش سے ایک ٹرانس میٹر نکالا اور اس پر کوڈ ورڈز میں پیغام کوڈ کرنے لگی۔ اس وقت مجھے جین کچھ خوفناک سی نظر آئی۔ پیغام بھیجنے کے بعد اس نے مجھے غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کا حکم دیا۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کی۔

ہم نے کھانا کمرے میں منگوایا۔ میز پر جین نے ایک ماہر سراغ رساں کی طرح میرے سامنے برلن کا نقشہ پھیلا دیا، وہ برلن میں پہلے بھی دو تین بار آ چکی تھی۔ پھر اس نے سائنس داں گلبرٹ کے مکان، اس کی تجربہ گاہ کا محل وقوع، اس کا فوٹو، اس کی شخصیت اور مصروفیت کے بارے میں ایک ایک بات مجھے ذہن نشین کرانی شروع کر دی۔ میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا، باتیں کرتے ہوئے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔ میں نے ان تفصیلات پر کوئی توجہ نہیں دی اور جین سے رومانی انداز میں کہا۔ ''جین! برلن میں یہ دن تمہاری رفاقت میں کتنے حسین گزریں گے۔''

''دولت علی! تم اس اہم کام پر زیادہ توجہ نہیں دے رہے ہو۔'' جین نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ ہمیں اس شخص سے رابطہ پیدا کرنے کے لئے فوراً ان تمام مقامات پر جانا ہوگا جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو۔''

''میں فی الحال تمہیں دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے نشیلے لہجے میں کہا۔

''یہ ایک بہت خطرناک مشن ہے دولت علی!'' جین نے ناراضی سے کہا۔

''مجھے برلن کے متعلق بتاؤ، یہ شہر کیسا ہے؟''

''دولت علی! خدا کے لئے میری بات سنو۔ تفریح کے لئے لندن کیا کم ہے۔ یہاں ہمیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہے۔''

میں اسے چھیڑنے کے لئے اس کی تمام باتیں ہنسی میں ٹالتا رہا، ابھی وہ لمحہ دور تھا کہ میں اسے قریب کر لیتا۔ یہ بتدریج قربت بہت لطف دے رہی تھی۔ کوئی گیارہ بجے صبح ہم ہوٹل سے نکلے اور ہوٹل کی گاڑی میں برلن شہر کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے شام تک گھومتے رہے۔

شام کے کوئی سات بجے ہم ایک ایسے ریستوران میں داخل ہوئے جس کا نام اگر کلب رکھا جاتا تو غلط نہ ہوتا۔ ریستوران کیا تھا خلد بریں کا کوئی گوشہ ادھر منتقل تھا۔ وہاں سائنس داں جو ہمیں مطلوب تھا، ایک میز پر تنہا بیٹھا شراب اور سگار سے شغل کر رہا تھا۔ اس کی عمر پچاس سال کے قریب ہوگی۔ میں نے جین کو مطمئن کرنے کے لئے اس کی شخصیت کا با قاعدہ جائزہ لینا شروع کیا۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ اٹھ گیا۔ ایک نظر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ وہ ساری دنیا سے بے نیاز جستجوئے علم میں مستغرق ایک شخص ہے۔ اس کی چال ڈھال، اطوار و انداز سے بے ڈھنگا پن جھلکتا تھا، قنوطی فلسفیوں کا جو ایک خاص حلیہ ہوتا ہے جو ہمارے ہاں کے بعض شاعروں کی شناخت بھی ہے، وہی اس دنیا سے بیزار شخص کا حلیہ تھا۔ اس کے جانے کے کوئی ایک گھنٹہ بعد ہم اٹھ کر اپنے ہوٹل میں آ گئے۔

رات کو ہم نے برلن میں ایک اوپیرا شو دیکھا۔ میں اس رات کا منتظر تھا، یہ رات کل لندن میں مجھ سے روٹھ گئی تھی۔ آج نہ سارا کا ڈر تھا اور نہ جم کا۔ برلن کے ایک ہوٹل میں، میں اور جین تنہا تھے۔ کمرے میں دو بڑے پلنگ ایک خاص دوری پر رکھے ہوئے تھے۔ جین رات کا لباس پہن کر ایک پلنگ پر دراز ہوگئی اور مجھ سے اس مشن کے بارے میں گفتگو کرنے لگی جو اس کے ذہن و دل پر مسلط تھا۔

''جین، تم مجھے کیسا شخص سمجھتی ہو؟'' اچانک میں نے ایک سوال کر دیا۔

جین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''دولت علی! یہ تم پر کیسا موڈ سوار ہے؟''

''جین، ایک بات کہوں۔'' میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کہو!'' وہ کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔

''جین! تم نے سلیمان بے کو دیکھا۔ میں نے اس شخص کو ایک لمحے میں اپنے احکام کا تابع کر لیا تھا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''واقعی تم نے کمال کردیا مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں کسی بھی شخص کو بے بس کر سکتا ہوں۔''

''مجھے تمہاری صلاحیتوں کے بارے میں پورا علم ہے اسی لئے سروس نے تمہیں منتخب کیا ہے، یہ ایک انوکھا مشن ہے۔''

''کیا تم ایک خوبصورت لڑکی نہیں ہو۔''

''مجھے اپنے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہے۔'' جین کی آنکھوں میں خوف تھا۔

''تم ایک بہت حسین لڑکی ہو، سنو جین! میں اس مشن پر کبھی تیار نہ ہوتا۔ جب میں نے یہ سنا کہ تم ساتھ چل رہی ہو تو میں تیار ہو گیا۔''

''دولت علی۔ یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟''

''یہ جملہ میں نے بہت کم عورتوں سے کہا ہے کیونکہ مجھے اس جملے کی قیمت معلوم ہے، جین! مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔'' میں نے کہہ ہی دیا۔

جین خاموش ہوگئی اور میری صورت دیکھنے لگی۔

''میں چاہتا تو تمہیں بھی کسی وقت بے بس کر دیتا اور تم مجھ سے بے تحاشا محبت کرنے لگتیں مگر یہ محبت بہت مصنوعی ہوتی۔''

''ایسی باتیں نہ کرو، جن کی بنا پر مجھے تم سے خوف پیدا ہو۔''

''نہیں جین! خوف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری آمادگی کے بغیر تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن میں جلتا رہوں گا اور مجھ سے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔''

''دیکھو دولت علی! میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں جیسی لندن میں عام ملتی ہیں۔ میں نے کوئی کام کرنا چاہا ہے اسی لئے سیکرٹ سروس سے وابستہ ہوگئی۔ جم سے میری ملاقات یہیں ہوئی اور ہم دونوں نے کوئی کارنامہ کر کے شادی کرنے کا عہدہ کیا ہے۔''

''جین! مجھے غلط نہ سمجھو، میں اپنے دل کی بات کر رہا ہوں، میں کیا کروں؟ مجھے خود پر اختیار نہیں ہے۔''

''دولت علی! میں تم سے بہت متاثر ہوں مگر میں نے تمہارے متعلق کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ تم جلد ہندوستان روانہ ہونا چاہتے ہو پھر تم پر یہ کیسا دورہ پڑا ہے اور اگر یہ آمادگی شرط ہے تو مجھے اس پر سوچنے کا موقع دو۔''

''مفاہمت کے انداز میں سوچو جین، ایک شخص ہندوستان جا کر بہت دور ہو جائے گا، کیا تم اس کا دل توڑ دو گی؟''

''دولت علی! میرے لئے اس وقت یہ مشن اہم ہے۔''

"اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہ کارنامہ اپنے نام لکھوانا نہیں چاہتا۔ یہ تمہارا اور جم کا کارنامہ ہوگا۔ اس کے سلسلے میں تمہیں برطانیہ کا اعلیٰ اعزاز ملے گا۔ میں نے اس سائنس داں مارک کو دیکھ لیا ہے، یہ کام ہو جائے گا۔"

"کیا تم اتنے وثوق سے کہہ سکتے ہو؟" جین نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میں کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔"

"لیکن ہماری معلومات ابھی ابتدائی حد تک ہیں، ہم نے اس سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ابھی کوئی پروگرام تک نہیں بنایا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب مجھ پر چھوڑ دو اور میری باتیں سنو، میں جو کچھ کہتا ہوں، وہ اپنے اندر سے کہتا ہوں۔"

"دولت علی!" جین کچھ کہنا چاہتی تھی کہ خاموش ہوگئی۔

اسی وقت انکا نے کہا۔ "جمیل یہ کیا لاگ کر رہے ہو؟ مجھے حکم دو۔ یہ کم بخت صرف ایک لمحے کے بعد تمہاری آغوش میں تڑپ رہی ہوگی۔"

نہیں' انکا مجھے اس گفتگو میں لطف آ رہا ہے۔ تم درمیان میں دخل مت دو، خاموشی سے دیکھتی رہو۔" پھر میں جین سے مخاطب ہوا۔

"جین! میری جان، میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں صرف تمہاری پیشانی کا بوسہ لینا چاہتا ہوں...... مجھے اس کی اجازت دو تاکہ میں آرام سے سو سکوں۔"

"اوہ......اوہ! دولت علی!" جین شرما کر بولی۔ "میری پیشانی حاضر ہے۔"

وہ میرے پلنگ پر آ گئی۔ سفید گاؤن میں اس کا خوب صورت بدن جھانک رہا تھا۔ میں نے اپنے جذبات پر پوری طرح قابو میں رکھے۔ جین کی پیشانی کا بوسہ لے کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ میری اس ادا پر جین بے حد متاثر ہوئی اور اس نے جواباً میری پیشانی چوم لی۔ اس کے بعد وہ فوراً اپنے بستر پر چلی گئی اور میں دیر تک جاگتا رہا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔

اگلے تین دن تک میں جین کو ساتھ لئے برلن کی تفریح گاہوں میں گھومتا رہا۔ میں نے اسے ساڑھی پہنائی جس میں اس کا سرخ و سفید رنگ ایک عجیب نکھار لے کر ابھرا تھا۔ میں نے اسے غرارہ، چوڑی دار پاجامہ پہنوایا، جمیل احمد خان کے لئے اس قسم کے کام منٹوں میں ہو جاتے تھے۔ میں اسے لئے کہاں کہاں گھومتا رہا۔ میں نے اس پر خوب دولت خرچ کی اور اسے تحائف سے لاد دیا۔ رنگ رنگ کے لباس زیب تن کروائے، انکا اس تمام عرصے میں فعال رہی، جین کے سامنے انکا کے ذریعے اپنے حیرت انگیز اقدام کرتا کہ وہ تعجب سے میری طرف دیکھنے لگتی۔ لوگ میرے اشاروں پر ناچتے تھے اور اس عرصے میں

جین ٹوٹنے لگی، جین بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی، وہ بکھرنے لگی۔ میں نے اس کا خوف دور کیا اور اپنے کردار سے خود کو ہر لمحے کے لئے ایک بااعتماد شخص ثابت کیا۔ اس پر اب بھی اپنا مشن جلد از جلد پایہ تکمیل پہنچانے کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اس دن کے بعد سے ہم سائنس داں سے نہیں ملے تھے اور نہ ہی میں نے اس قسم کی کوئی کوشش کی تھی۔ جم اور سیکرٹ سروس سے جین کا رابطہ قائم تھا۔ چوتھے دن جم بھی جرمنی آ گیا مگر وہ ہم لوگوں سے ملا نہیں، صرف ٹرانس میٹر کے ذریعے اس کے اور جین کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ میں یہ مدت بڑھانا چاہتا تھا تاکہ جین کے ساتھ کچھ اور حسین دن گزر سکیں، بات آگے بڑھ گئی تھی۔ جین کے میرے قالب میں تحلیل ہونے کے لئے صرف کچھ دیر باقی تھی۔ پروگرام کے مطابق جم ایک ریستوران میں ہمیں مل گیا۔ ہمارے درمیان اشاروں اشاروں میں باتیں ہوئیں۔ میں نے اور جین نے اس کے سامنے جھوٹ بولا۔ ہم نے اسے بتایا کہ ہم رفتہ رفتہ سائنس داں گلبرٹ کے قریب ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اب جلد ہی اسے اطلاع دیں گے کہ وہ کب اپنا جہاز تیار رکھے۔ جم کچھ دیر ہمارے پاس ٹھہر کر چلا گیا۔ جین اداس ہوگئی کیوں کہ میں نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا اور جم کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ پھر میں نے ایک دن، رات کو جین سے کہہ دیا۔ "جم کو مطلع کر دو کہ وہ پرسوں رات اپنا طیارہ مقررہ مقام پر تیار رکھے۔ اس کا کام پرسوں ہو جائے گا۔"

"پرسوں؟ دولت علی، کیا تم ہوش میں ہو؟"

"ہاں، تم اس سے جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کہہ دو۔"

"تمہیں خبر ہے کہ اگر طیارہ واپس چلا گیا تو اس کا دوبارہ آنا مشکل ہوگا۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟" میں نے زچ ہو کر کہا۔

"خیر...... میں کہے دیتی ہوں۔" جین نے ٹرانس میٹر نکالا۔

"مگر ٹھہرو۔ ایک شرط ہے، تم اس مشن کے بعد جتنے دن میں کہوں گا، جرمنی میں ہی رہو گی؟" میں نے جذباتی آواز میں کہا۔

"میں تیار ہوں۔" جین نے فرطِ مسرت میں جواب دیا۔

ٹرانسمیٹر پر اطلاع دینے کے بعد جین پہلی بار میرے بستر پر بے تابی سے آئی اور آتے ہی مجھ سے بغل گیر ہوگئی۔ اس نے میرے رخساروں اور بالوں کے بوسے لینے شروع کر دیئے۔ میں جین سے قربت کا ذکر اتنی تفصیل سے اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھ پر اس زمانے میں ایک پاگل پن سا طاری تھا۔ میں اپنی کیفیت کو کیا نام دوں، جین نے مجھ جیسے ذی ہوش اور ہر اعتبار سے مطمئن شخص کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی، میرا خیال ہے آدمی پر زندگی کے مختلف ادوار میں عشق کے دورے پڑتے ہیں۔ میں جین کو سر

کررہا تھا گویا وہ میرے لئے کوئی مہم تھی، جنہیں عشق کے ذکر سے کوئی طمانیت ہوتی ہے ان سے میری شدت چھپی نہ رہے گی، جو اس مرض میں مبتلا ہو چکا ہو وہی میرا دکھ سمجھ سکے گا۔ میں اختصار سے کام لے رہا ہوں حالانکہ جی یہی چاہتا ہے کہ قلم ٹوٹ جائے مگر جین کا ذکر ختم نہ ہو۔ دو دن اس کی قربت میں گزر گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ جب میں سائنس داں کو جم کے پاس روانہ کردوں گا تو وہ میرا غلام بے دام ہو جائے گا اور اسے میری کسی جسارت پر اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ دو دن میں نے دو صدیوں کی طرح گزارے، جین بار بار مجھے ٹوکتی تھی کہ میں نے جم سے وعدہ کرلیا ہے مگر میں اطمینان سے ہوٹل مین آرام کرتا رہا، رات کو بارہ بجے یہ مہم سرانجام دینی تھی۔ میں اس رات بھی بستر پر آرام سے پڑا رہا۔ جین کا برا حال تھا۔ جم ٹرانس میٹر پر اس سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا اور جین میری ہدایت پر بالکل غلط رپورٹیں دے رہی تھی۔ میں نے مقررہ وقت پر جین کو کچھ بتائے بغیر انکا کو روانہ کردیا۔ اس وقت جین کی حالت ناگفتہ بہ تھی، وہ مجھے برا بھلا کہہ رہی تھی، پھر اس نے مجھ پر پستول تان لیا تاکہ میں اسے صحیح صورت حال بتاؤں، اس وقت مجھے خطرہ لاحق ہوا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی، میں نے جین کو طرح طرح سے سمجھایا لیکن وہ بے حد مشتعل نظر آرہی تھی۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ جذباتی لڑکی کسی وقت بھی مجھے قتل کرسکتی ہے تو میں نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت مانگی۔ وہ ایک گھنٹا جین نے جم سے ٹرانس میٹر پر گفتگو کرکے اور خاموش رہ کر گزارا۔ پھر ایک دم جین پھٹ پڑی۔ "دولت علی!" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ "دولت علی! تم کوئی آدمی نہیں، تم کوئی بھوت ہو، وہ وہاں خود بخود پہنچ گیا ہے۔ سائنس داں وہاں پہنچ گیا ہے، طیارہ اڑ چکا ہے۔ اوہ...... یہ کیسے ممکن ہے!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ اس نے پستول پھینک دیا تھا۔ میں نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس وقت وہ بہت پریشان، حواس باختہ اور جھنجلائی ہوئی تھی۔

میری مسلسل خاموشی پر وہ میرے پاس بجلی کی طرح لپکی اور بے اختیار میرے سینے سے چمٹ گئی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ پھر کیا ہوا۔ دنیا میں چند ہی کاموں کے بعد اتنی خوشی ہوئی ہوگی جتنی اس کام کی تکمیل کے بعد جین کی دیوانگی دیکھ کر ہوئی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ وہ میرے جسم کی حدت سے پگھلنے لگی اور میں نے اصل جین کو دیکھا۔ اس دوشیزہ کو جو سمندر میں اٹھتی ہوئی کوئی طوفانی موج تھی۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ اس رات کیا ہوا۔ میں جس لڑکی کے بارے میں پہلے ہی اتنی باتیں کرچکا ہوں اس کے اتصال سے مجھ پر کیا کیا قیامت نہ گزری ہوگی۔ کم بخت ہوگا جو اس رات سویا ہو اور اس رات کیا، میں اس کے بعد کسی رات نہیں سویا، نہ وہ سوئی۔ ہم ایک دوسرے میں ایسے ضم ہوئے کہ ہمیں کسی بات کا ہوش ہی نہ رہا۔ مجھے اس بات خیال بھی نہ رہا کہ ہندوستان واپس جانا ہے اور اسے لندن واپس ہونے کی سدھ بدھ نہ رہی۔ انکا یہ تماشائے جنوں دیکھتی رہی۔ ہم کوئی ایک ہفتے بعد ہوش میں آئے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ

ہوس کاری ایک نقطے پر پہنچ کر اپنی دلکشی کھو دیتی ہے اور حسن بے مزہ ہو جاتا ہے، میں ان سے عرض کروں گا کہ انہوں نے کسی حسن مجسم، کسی مہ کامل کو برتا ہی نہیں۔ ایک ہفتے تک ہم کمرے میں، ہوٹل کے سوئمنگ پول میں، رقص گاہ میں، بلئیرڈ روم میں، قمار خانے میں رہے گویا ہوٹل کی عمارت سے باہر نہیں نکلے۔ پھر ہم نے باہر قدم نکالا اور پندرہ دن تک جرمنی کے شہروں میں گھومتے رہے۔ جین نے جم سے ٹرانس میٹر کا رابطہ منقطع کرلیا تھا، اسے اس کی کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ مجھے بہرحال ہندوستان جانا تھا۔ ان ہنگاموں سے دل نہ بھرتا تھا لیکن کلپنا اور بدری نرائن کا چہرہ بار بار سامنے آجاتا۔ جرمنی میں تقریباً ایک ماہ کے قیام کے بعد ہم لندن کے لئے روانہ ہوگئے۔ جم نے بے تابانہ اور نیاز مندانہ ہمارا استقبال کیا۔ وہ مجھے کوئی بہت بڑا اعزاز دلوانے کے موڈ میں تھا کیونکہ میں نے جرمنی سے ایک اہم سائنس داں کو اغوا کرکے ملک و قوم کی عظیم خدمت کی تھی۔ میں نے سارے اعزازات جین کے لئے وقف کردئے۔ میرے نام کا درمیان میں آنا خود میرے لئے نقصان دہ تھا۔ سارا میری اتنی طویل غیر حاضری پر خاصی مکدر نظر آتی تھی اور مجھے یہ جان کر کچھ سکون سا ہوا کہ سارا اور جم اس عرصے میں ایک دوسرے سے کچھ گھل مل سے گئے ہیں۔ سارا کے گھر ابھی تک گارڈ تعینات تھے۔ لندن میں جین سے ملاقات کم ہوگئی اور میں نے جلد سے جلد خود کو سمیٹنا شروع کردیا۔ وقت کم تھا اس لئے میں نے انکا کے ذریعے ایک دن ایڈورڈ کا کام تمام کرادیا۔ دوسرے دن اخبارات کو ایک سنسنی خیز خبر مل گئی کہ ایڈورڈ نے خودکشی کرلی ہے۔ لندن میں چھ ہلاکتوں کا واقعہ ابھی تک معمہ بنا ہوا تھا۔ ہم چاروں، کئی بار امرائے لندن کے کلب گئے۔ جہاز میں میری نشست محفوظ ہو چکی تھی اور میں تین دن بعد یہاں سے کوچ کرنے والا تھا۔

چلتے وقت میں نے اپنی خدمات کے عوض جم سے ایک بات کہی۔ میں نے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ سارا سے شادی کرلے۔ اس نے جین سے اپنے رابطے کا ذکر کیا تو میں نے اپنے روحانی علوم کی مدد سے اسے بتایا کہ جین سے اس کی شادی کامیاب نہیں رہے گی۔ ان لوگوں کو مجھ اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ جم، جین کا خیال ترک کرکے سارا سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ میں نے اپنے سامنے سارا کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی۔ جین کو کوئی خاص غم نہیں تھا۔ اس کی حالت خراب تو میرے جانے کی وجہ سے تھی، میں' اس کا محبوب جارہا تھا۔ اور میری محبوبہ، میری جین مجھ سے چھوٹ رہی تھی۔ وہ بعض اوقات میری رخصت کا اتنا تاثر قبول کرتی کہ اسے سکتہ سا ہو جاتا۔ چنانچہ ہندوستان میں اسے بلانے یا جلد انگلستان آنے کے وعدے وعید کرکے میں جین سے اور لندن میں اپنے مختصر خاندان سارا اور جم سے رخصت ہوگیا۔ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ ویسے کا ویسا رہا۔ ائرپورٹ پر ارما اور تمارا بھی موجود تھیں۔ ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جین اپنے جذبات نہ چھپا سکی۔ بھرے مجمع میں بلک بلک کر رو پڑی۔ چلتے وقت کا منظر بڑا دردناک تھا۔ میرا دل جین میں الجھا ہوا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس کے آنسو پی جاتا۔ لندن میں وہ

ایک ایسی لڑکی مجھے ملی تھی جو شباب کی اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد بھی پوری طرح محفوظ اور غیر آلودہ تھی۔ سارا کے بارے میں بھی مجھے یقین تھا حالانکہ اس حسین لڑکی کے لئے اس کے باپ کے انتقال کے بعد میرے احساسات ہی بدل گئے تھے۔

جہاز مقررہ وقت پر روانہ ہوا۔ کئی نشستیں خالی تھیں۔ پرواز شروع ہوئی اور سب میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اداسی نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ لندن کی ایک ایک بات ذہن میں گھومنے لگی۔ انکا میرے سر پر محو خواب تھی۔ میں نے نشست کی پشت پر سر رکھا اور آنکھیں بند کر کے بدری نرائن کے بارے میں سوچنے لگا۔ جہاز میں کبھی کبھی ان شہروں کے ناموں کا اعلان ہو رہا تھا جن پر سے جہاز پرواز کر رہا تھا۔ پھر جب اعلان ہوا کہ جہاز مشرق کی سرحدوں میں داخل ہو چکا ہے اور قاہرہ سے آگے نکل آیا ہے تو مجھے ایک بے چینی سے محسوس ہونے لگی۔ جہاز کی برطانوی ائر ہوسٹس مسافروں کی خدمت کرتی پھر رہی تھی۔ وہ ایک بے باک اور جاذب نظر لڑکی تھی۔ مجھے بیدار دیکھ کر وہ تیزی سے میرے قریب آئی۔ ”کیا آپ کوئی مشروب پینا پسند کریں گے؟“

”شکریہ خاتون! مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو یقیناً زحمت دوں گا۔“ میں نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔ پھر اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ سفر کا ایک ایک لمحہ بھاری گزر رہا تھا۔ ہندوستان جتنا قریب آتا جا رہا تھا، بدری نرائن کے چہرے کے خدوخال اتنے ہی واضح ہو رہے تھے۔ اب ہندوستان نزدیک آ رہا تھا اور میرا دل دھڑک رہا تھا۔

جہاز تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً انکا اس طرح ہڑبڑا کر اٹھی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔ اس کے چہرے سے خوف عیاں تھا۔ وہ سہمی سہمی نگاہوں سے اس طرح ماحول کا جائزہ لے رہی تھی جیسے کوئی بڑا خطرہ سونگھ رہی ہو۔ میں انکا سے اس کی بوکھلاہٹ کی وجہ دریافت کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے اچانک جست بھری اور میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی یہ بوکھلاہٹ بے وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یقیناً اس نے غیر معمولی حالات محسوس کرنے کے بعد ہی یہ اقدام کیا ہوگا مگر وہ حالات کیا ہیں؟ اس کے اضطراب کا سبب کیا ہے؟ میں نے نظریں گھما کر جہاز کے مسافروں کو دیکھا۔ بیشتر افراد آنکھیں بند کئے دراز تھے۔ مجھے بہ ظاہر کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آئی جس سے میں انکا کا اضطراب سمجھ سکتا۔ آخر وہ میری اجازت کے بغیر میرے سر سے کیوں اتر گئی؟ میں انکا کی اس حرکت پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ ایک مانوس نسوانی آواز میرے قریب سنائی دی۔ میں نے چونک کر برابر والی نشست پر دیکھا تو خالی نشست پر کلپنا کو بیٹھے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے جسم پر یخ پانی کا گھڑا انڈیل دیا ہو۔ انکا نے شاید کلپنا کی آمد محسوس کرنے کے بعد ہی میرے سر سے جست لگائی تھی۔ میں نے سہمے سہمے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا ”کلپنا تم اس جہاز میں؟ مگر تم

تم اس وقت میرے پاس آ گئیں۔ میں بڑا اداس اور بے چین تھا۔“

”جمیل احمد خان!“ کلپنا نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ”اس وقت جہاز میں میری موجودگی ضروری تھی۔ اس پاجی کو خبر مل گئی ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے تم پہنچ رہے ہو۔ جانتے ہو وہ اپرادھی کیا چاہتا ہے؟ وہ تمہیں اور جہاز کے تمام مسافروں کو زمین پر اترنے سے پہلے ہی نشٹ کر دینے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔“

کلپنا نے اپنا جملہ بمشکل ادا ہی کیا تھا کہ جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ مسافر بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔ وہ اس اچانک جھٹکے کی وجہ جاننے کے لئے پریشان تھے کہ دوسرا دھچکا لگا اور کچھ مسافر اپنی نشستوں سے نیچے آ رہے۔ جہاز میں افراتفری پھیل گئی۔ اسی لمحے اسپیکر پر ائر ہوسٹس کی آواز ابھری ”معزز خواتین و حضرات! ہمارا جہاز اچانک شدید طوفانی جھکڑوں میں گھر گیا ہے۔ آپ حضرات حفاظتی پیٹیاں باندھ لیں اور افراتفری میں پڑنے کے بجائے جہاز کی سلامتی کے لئے دعا کریں۔ کیپٹن برنارڈ ایک تجربہ کار پائلٹ ہیں۔ امید ہے کہ وہ جہاز اس خطرے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

اس اعلان سے جہاز کے مسافروں کے چہرے ستے گئے۔ آنکھوں میں موت نظر آنے لگی۔ مسافروں نے جلد از جلد حفاظتی پیٹیاں باندھنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اتنا طویل سفر کاٹنے کے بعد منزل قریب ہی آ گئی تھی کہ جہاز نے لڑکھڑانا شروع کر دیا۔ مسافروں کے ہاتھ لرز رہے تھے میرے برابر بیٹھی ہوئی کلپنا اپنی نشست پر موجود نہیں تھی۔ نشست پھر خالی ہو گئی تھی۔ اس پر تمام سفر میں کوئی نہیں بیٹھا تھا۔ جہاز کو شدید دھچکے لگ رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بادبانی کشتی بپھری ہوئی موجوں میں پھنس گئی ہو۔ میرے ذہن میں کلپنا کا کہا ہوا جملہ ابھرا۔ بدری نرائن، ان بے خبر مسافروں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے غصے کے عالم میں اپنا سر اگلی نشست کی سیٹ سے مار دیا۔ وہ زمین پر اترنے نہیں دے گا۔ اس نے جہاز برباد کرنے کی ٹھان لی ہے، انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ کلپنا اوجھل ہو گئی تھی۔ کلدیپ بھی کوسوں دور تھی۔ جہاز طوفانی ہواؤں سے نبرد آزما تھا اور میں اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہا تھا۔ بدری نرائن کاش مجھے زمین پر اترنے کا موقع مل سکے۔

سب کے چہرے زرد پڑے تھے۔

جہاز کے تمام مسافروں پر موت طاری تھی۔ جہاز کی حالت لمحہ بہ لمحہ نازک ہوتی جا رہی تھی۔ پندرہ منٹ تمام مسافر موت وزیست کی کشمکش سے دوچار رہے۔ انکا اور کلپنا کی عدم موجودگی کے باعث میں ہر بات سے بے خبر تھا اور میری حالت بھی ان مسافروں سے مختلف نہیں تھی جن کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔ عورتیں جو زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھیں، بچے جو فریاد کر رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ کر چیخنے لگے تھے۔ جہاز کے مسافروں کی یہ ابتر حالت دیکھ کر میں کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ اگر بدری نرائن کی طاقت

بہت سارے مسافروں کے لئے خطرہ بن سکتی ہے تو اتنے بہت سے بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کی دعائیں بھی ضائع نہیں جائیں گی۔ میں ان شریف لوگوں کے ساتھ ہوں۔ ان کی اوٹ میں میری جان بچ جائے گی۔ بدری نرائن سے خوف کے بجائے مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ اس مردود پنڈت نے اتنی دور بیٹھ کر مجھے ختم کرنے کی کیسی اوچھی حرکت کی تھی۔ کپتان کی آواز مسافروں کو صبر وضبط کی تلقین کے لئے بار بار اسپیکر پر ابھر رہی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف خوف اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور بار بار سوال کرتے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ جیسے کہ ان کے مخاطب شخص کو جواب معلوم ہے۔ موت کے وقت انسانوں کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ لوگ موت سے کتنا ڈرتے ہیں؟ جیسے موت انہیں کبھی نہیں آئے گی۔

اچانک جہاز کے جھٹکوں میں کمی ہونے لگی۔ پھر جہاز نے ہچکولے بند کر دئے۔ اسی وقت اسپیکر پر ائرہوسٹس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''معزز خواتین وحضرات! مژدہ ہو کہ ہمارا جہاز طوفانی ہواؤں کے حصار سے نکل گیا ہے۔ کپتان کو آگے مطلع صاف نظر آ رہا ہے۔ کپتان برنارڈ کا کہنا ہے کہ اسے زندگی میں اس سے پہلے اس نوعیت کا کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ کپتان کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر طرف گرد دکھائی دیتی تھی۔ جہاز کے تمام آلات ٹھیک کام کر رہے تھے اور موسم کی خرابی کے کوئی آثار جہاز کے حساس آلات پر نمایاں نہیں تھے۔ بہرحال آپ کی دعاؤں اور کپتان کی مہارت اور چابک دستی سے جہاز اب پُرسکون ہے۔ ہمیں اب تہران ائرپورٹ پر اترنا ہوگا، وہاں جہاز کی مکمل جانچ پڑتال کی جائے گی۔ اس کے بعد ہم کراچی کے لئے روانہ ہوں گے۔ کپتان برنارڈ اور جہاز کے عملے کی جانب سے میں ان تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے نظم وضبط سے کام لیا۔''

جہاز کے پُرسکون ہوتے ہی مسافروں میں گویا جان پڑ گئی۔ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی موت کی پرچھائیاں بتدریج کم ہونے لگیں۔ ان کی سہمی آوازیں جہاز کی موسیقی پر غالب آ گئیں۔ جہاز میں تین بدھ بھکشو بھی اپنے مخصوص لباس میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف پہلے کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اب چند افراد اپنی نشستوں سے اٹھ کر ان کے گرد منڈلا رہے تھے۔ میں نے ان کی سرگوشیاں سننے کی کوشش کی۔ بہت سے مسافروں کا خیال تھا کہ جہاز معجزانہ طور پر حادثے کی زد سے بچ نکلنا ان تین بزرگ بھکشوؤں کا کرشمہ ہے۔

میں بھی اٹھ کر ان کی نشستوں کی طرف گیا۔ بھکشوؤں کے چہروں پر بلا کا سکون تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ سر منڈے ہوئے تھے اور سر سے قدموں تک ایک چادر سے ان کے جسم ڈھکے ہوئے تھے۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا، ایک ضعیف العمر بھکشو نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھے آنکھیں پھاڑے حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ میر

سے کہ میں جہاز کے مسافروں کی تقلید کر رہا تھا۔ میرے سامنے آتے ہی اس کے ہونٹ ہلے۔ چہرے پر بے چینی کے اثرات نمایاں ہوئے اور اس نے نہایت سرد لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''شاکیہ منی تجھ پر رحم کرے۔''

اس کی آنکھوں میں بڑی گہرائیاں تھیں۔ جیسے وہ ایک سمندر ہوں، میں اپنی نشست پر چلا آیا۔ اس بدھ بھکشو نے صرف ایک ہی جملہ ادا کر کے مجھے مضطرب کر دیا تھا۔ میں اس کے پاس دوبارہ جانا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے قریب کوئی نشست خالی نہیں تھی اس لئے مجبوراً اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کمینہ خصلت دشمن بدری نرائن کی تمام تدبیریں کلپنا کی وجہ سے ناکام ہو گئی ہوں گی۔

متعدد سوال اور کئی وسوسے میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ اگر کلپنا نے بدری نرائن کے خطرناک ارادے ناکام بنا دئے تھے تو جہاز کو اپنا رخ بدل کر تہران کیوں اترنا پڑ رہا تھا؟ کلپنا اب تک کہاں ہے اور انکا میرے پاس واپس کیوں نہیں آئی؟

اعلان کے مطابق جہاز بہت خوش ادائی کے ساتھ تہران کی ہوائی اڈے پر اترا۔ ائرپورٹ سے ہمیں سیدھے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں پہنچا دیا گیا۔ بدھ بھکشو بھی ایک بڑے کمرے میں ٹھہرا دئے گئے۔ مسافروں کے ذہنوں پر ابھی تک جہاز کے متوقع حادثے کا تکدر طاری تھا۔ کھلی فضا میں آنے کے بعد وہ حادثے کی ممکنہ تباہیوں کے متعلق اپنے اندازے قائم کر رہے تھے میں ان سب سے الگ تھلگ بدستور اپنے خیالوں میں غرق تھا اور دیگر سب مسافر ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ میری پریشانیاں ہر لمحے بڑھ رہی تھیں۔ اس وقت نہ مجھے یہ خوب صورت ہوٹل اچھا لگ رہا تھا، نہ ہوٹل کے سوئمنگ پول پر شوخیاں کرتے ہوئے حسین، نیم عریاں جسم۔ مجھے کبھی لندن میں گزارے ہوئے دن یاد آ جاتے اور کبھی ہندوستان کی یاد کے ساتھ...... کلدیپ اور تزئین کا خیال آ جاتا۔ میں اس وقت ایک ایسے کرب سے دوچار تھا جس میں ذہن معطل ہو جاتا ہے اور ہر چیز بے رنگ لگنے لگتی ہے۔ ایران کے قصے بچپن میں سنے تھے۔ ایران کا دارالحکومت تہران دیکھنے کی ایک مدت سے تمنا تھی لیکن میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ لیٹ گیا تھا۔ مجھے شدت سے انکا کا انتظار تھا۔ جب ڈائننگ ہال میں تمام مسافروں کو کھانے کے لئے بلایا گیا تو میں نے انکار کر دیا۔ اس وقت ایک ائرہوسٹس میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ ''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ شاید آپ نے کچھ زیادہ ہی اثر لیا ہے؟''

میں نے اس فرض شناس اور مستعد ائرہوسٹس کو ٹالنے کی کوشش کی اور پوچھا۔ ''ہم یہاں سے کب روانہ ہوں گے؟''

''کپتان برنارڈ کی پوری کوشش ہے کہ ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں لیکن روانگی میں چار

روز بھی لگ سکتے ہیں۔ ارے جناب!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''یہ بہت دلچسپ موقع ہے۔ آپ ایران کا دارالسلطنت تہران دیکھئے۔ مشرق کا یہ شہر خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔''

''لیکن خاتون! مجھے اس کی کوئی بات اچھی نہیں لگی۔'' میں نے کہا۔ ''کل کس نے دیکھا ہے۔ ممکن ہے جہاز کل پھر کسی حادثے سے دوچار ہو جائے۔'' میرے منہ سے بے تکا جملہ نکل گیا۔

ائرہوسٹس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے میری صحیح الدماغی پر شبہ ہو۔

''نہیں نہیں جناب! یہ محض اتفاق تھا اور یوں بھی انسان کو ہمیشہ روشن پہلو بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔''

''میں معذرت خواہ ہوں خاتون، واقعی اس حادثے کا میرا دل نے گہرا اثر لیا ہے۔ خدا کرے ہم بخیر و عافیت اپنی اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔''

ائرہوسٹس اصرار کر کے مجھے میرے کمرے سے ڈائننگ ہال میں لے گئی۔ ایک وسیع ہال میں تمام مسافر قہقہے لگاتے، خوش وخرم کھانے میں مصروف تھے۔ جب میں وہاں داخل ہوا تو میری نظر سب سے پہلے ان بدھ بھکشوؤں پر پڑی جو ہال میں اپنی وضع قطع کے باعث سب سے ممتاز نظر آ رہے تھے۔ میں نے دانستہ ان کے قریب بیٹھنا چاہا۔ ان کی میز پر ان کے سامنے صرف سوپ رکھا تھا۔ نوجوان بھکشو نے سب سے بڑے بھکشو کی توجہ میری جانب مبذول کرائی۔ مجھے دیکھ کر ضعیف العمر بھکشو کے منہ میں چمچہ جاتے جاتے رہ گیا اور اس نے مجھے بڑی نرم آواز میں اپنے پاس بلایا۔ میں ان کی طرف یوں بھی کھنچا جا رہا تھا۔ اس کی دعوت ملتے ہی میں ان کی میز پر جا کے بیٹھ گیا۔ اس نے سوپ لینا چھوڑ دیا۔ وہ بہت ٹھنڈی آواز میں بولا۔ ''ہوا موافق نہیں ہے۔''

''میں سمجھا نہیں بزرگ! کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟'' میں نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے کہا۔ ''یقیناً آپ مجھ سے مخاطب ہیں۔''

''اب دیر ہوگئی۔ آکاش تاریک ہے، جوار بھاٹا آیا ہوا ہے مگر یہ سب کیوں ہوا؟'' وہ سر جھٹک کر بولا۔ ''آہ تو بھی اسی کا شکار ہوا۔''

میں اس کے مبہم جملوں سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ خود کہنے لگا۔ ''زندگی...... زندگی صرف جسم کے لئے نہیں، تیاگ اور تپسیا۔ جسم تو ایک فنا پذیر شے ہے۔ اصل شے آتما ہے۔ تو اپنے آپ کو کب تک دھوکا دے گا۔''

''میرے بزرگ!'' میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ صاحب عرفان ہے۔ اس ذہنی کشمکش اور مصائب کے دوران ایک ایسے شخص سے ملاقات بہت بڑا سہارا بن سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے عجز و نیاز سے کہا۔ ''یہ جسم عذاب [illegible]

''یہ گھوڑے قابو میں کر۔ کیا تجھے کوئی اور زندگی نہیں گزارنی؟'' اس کے لہجے میں تناؤ آ گیا۔

''میری مدد کیجئے محترم بھکشو! آپ نے میری جانب ہمدردی کی نظر سے دیکھا ہے تو مجھ سے پوری ہمدردی کیجئے۔'' میں عاجزی کے ساتھ اسے اپنی مصیبت کے بارے میں بتانے لگا۔

وہ بولا۔ ''بس بس، میرے کانوں میں زہر مت گھول۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اپنے من کو سکون دے۔ اسے معاف کر دے جو تجھے معاف کرنا نہیں چاہتا۔'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

اس کا اشارہ بدری نرائن کے سوا کسی اور کی طرف نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ بدری نرائن ہی میرے تمام دکھوں کا سبب ہے لیکن اسی لمحے انکا میرے سر پر آ گئی۔ میں نے چونک کر عالم تصور میں اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اس طرح زرد تھا جیسے اس کے بدن سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کی نظریں ویران اور غور و فکر میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھیں۔ انکا کو اس قدر اجاڑ اور مایوس دیکھ کر میری الجھن بڑھ گئی۔ انکا بڑے بھکشو کو گھور رہی تھی اور وہ متجسس نظروں سے میرے سر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اسے انکا نظر آ رہی ہو۔ میں انکا سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن ان بھکشوؤں کے سامنے میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور بڑے بھکشو کی طرف نظریں جما کر بولا۔ ''آپ سے کوئی بات چھپی معلوم نہیں ہوتی۔ میں اب بہت تھک گیا ہوں اور باقی زندگی سکون سے گزارنا چاہتا ہوں لیکن جب تک وہ زندہ ہے، مجھے چین سے نہیں رہنے دے گا اور جب تک میں زندہ ہوں، اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ وہ ہر بار بچ جاتا ہے۔''

''تیرے پاس خود کیا ہے تو تو دوسروں پر اتراتا ہے۔ یہ چھوکری جو تیرے سر پر بیٹھی ہے بڑی فتنہ ہے۔ بات اب اس کے بس کی نہیں رہی۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو خود اپنے آپ کو اتنا مضبوط بنا کہ وہ تیری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے یا پھر کہیں دور رہ۔ لندن میں رنگ رلیاں منا۔ ناریوں کے ساتھ کھیل۔ شراب پی، جوا کھیل اور پریشان ہو...... اور پریشان ہو۔'' وہ مجھ پر طنز کرتا رہا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ انکا کو دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے چند بڑے پجاریوں اور پنڈتوں کے سوا کوئی بھی انکا کو دیکھنے کی مقدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اس وقت مہاتما بدھ کے کسی بڑے پجاری کے سامنے موجود تھا۔ وہ عجیب انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ اتنا سرد، ملائم اور پُر وقار تھا کہ میں، جس کی زندگی ہی ایسے لوگوں اور ہنگاموں میں گزر رہی تھی، اس سے خاصا متاثر ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں انکا کی موجودگی سے بھی بے خبر رہا۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا بھی انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے اشاروں اشاروں میں مجھے سمجھایا کہ میرے لئے ہندوستان جانے میں خطرہ ہے۔ اس نے مجھے بہت ڈانٹا پھٹکارا لیکن میں اس کی باتیں بڑے تحمل سے برداشت کرتا رہا۔ اسے کلی طور پر اپنی طرف مائل کرنے کے لئے صرف ایک ملاقات ناکافی تھی۔ میں،

مسلسل اس سے منت کر رہا تھا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا۔ "ارے بےوقوف! اپنی آتما کو بالغ کر۔"

ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے چند سیاح کھانا کھا کر بھکشوؤں کی طرف آ گئے اور انہوں نے ان سے مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات پر سوالات کرنے شروع کر دئیے۔ بدھ بھکشو مسکراہٹ اور نرمی، حلاوت اور پیار سے انہیں گوتم کا فلسفہ سمجھانے لگے۔ اسی کام کے لئے وہ دنیا کا دورہ کر رہے تھے۔ میں اجازت لے کر وہاں سے اٹھ آیا۔ میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر میں اپنے کمرے میں پہنچا اور تشویش ناک انداز میں انکا سے پوچھا۔ "کہاں مر گئی تھیں؟"

"جمیل!" وہ تنک کر بولی۔ "تم ہوش و حواس میں نہیں ہو۔"

"بڑی جلدی واپسی کا خیال آ گیا تمہیں؟" میں نے برہمی سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی تھی؟"

"وہ تو تمہارے ستے ہوئے چہرے سے نظر آ رہا ہے۔ جیسے ہی ہندوستان قریب آیا تمہاری نازک مزاجیاں شروع ہو گئیں۔"

میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی ہے۔ "تم ہر کام بگاڑ دیتے ہو۔ من مانیاں کرتے ہو اور الزام مجھے دیتے ہو۔ کلپنا نے تم سے کہا تھا کہ تمہیں فوراً واپسی اختیار کرنی چاہئے۔ میں نے بھی تم سے بارہا اصرار کیا تھا مگر تم چین میں ایسے کھوئے کہ تمہیں کسی بات کا ہوش نہ رہا اور وقت گزر گیا۔" انکا نے ناراضی سے کہا۔ "اب جلی کٹی باتیں کر رہے ہو جیسے میں ہی اس کی ذمے دار ہوں۔"

"ساری ذمے داری تو میری ہے، یہ سارے کھیل تماشے میں اپنی طاقت سے کرتا ہوں۔ تمہارا اس میں کیا دخل ہے۔ تم تو بہت معصوم خاتون ہو۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"تمہیں حالات کا اندازہ نہیں ہے جمیل! میری مانو تو لندن واپس چلو یا یہاں تہران میں ٹکے رہو، اسی میں تمہارا بھلا ہے۔"

"تم جو کہنا چاہتی ہو، وہ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"کیا سمجھ رہے ہو؟ بعض اوقات بالکل بچے بن جاتے ہو تم۔"

"کہنا کیا چاہتی ہو؟" میں نے طیش میں آ کر کہا۔

"تم سننا ہی نہیں چاہتے۔ نہیں سننا چاہتے تو مت سنو۔ میری بلا سے۔"

"بکو۔ اب منہ مت بسورو، کہہ دو کہ کلپنا مر گئی، کلدیپ مر گئی۔ جگدیو تباہ ہو گیا۔ بدری نرائن کو کالی نے پھر تحفظ دے دیا۔ کہہ دو کہ تم مجبور ہو، کہو کہ تمہارے لئے پھر کسی نے جاپ شروع کر دیا ہے اور تم دفعان ہو رہی ہو۔" میں نے شدید غصے میں کہا۔

"تم نے کچھ باتیں صحیح کہی ہیں۔" انکا نے اداسی سے کہا۔

"کیا......؟ ان میں کون سی بات صحیح ہے؟" میں نے بےقرار ہو کر پوچھا۔ "تمہارا منہ کیوں نہیں پھوٹتا۔"

"جمیل! تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے۔ تم نے اتنے زخم کھائے پر تم نے تجربوں سے کچھ نہیں سیکھا۔ سنو! کلدیپ تنہا رہ گئی ہے، جگدیو پرلوک سدھار گیا ہے۔ جگدیو کے مرنے کے بعد بدری نرائن نے کالی کے دوسرے پجاریوں سے گٹھ جوڑ کر کے تمہیں اس بار بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی ہے۔ وہ اب اکیلا نہیں ہے، کئی مہاپرش، پنڈت، پجاری اس کے ساتھ ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے کلدیپ کب تک مقابلہ کرے گی؟ جگدیو کے مر جانے سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے، ادھر تزئین بھی تمہاری امانت کے طور پر اس کے پاس محفوظ ہے۔ اس نے تمہیں بروقت متنبہ کیا تھا لیکن تم بھول گئے کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ تم نے وقت کی قدر نہیں کی۔" انکا نے افسردگی سے کہا۔

"انکا......!" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "تم نے ایک ہی سانس میں کتنی باتیں کہہ دیں۔ وہ میرا مہربان بوڑھا، میرا شفیق، میرا محسن جگدیو مر گیا۔ اس نے تمہیں فراخ دلی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا۔" میں رقت آمیز لہجے میں بولا۔ "اس نے میرا انتظار بھی نہیں کیا؟ وہ مجھ کس پر چھوڑ گیا؟" میری آواز بھرا گئی۔

"جمیل! میں نے تم سے ایک بار کہا تھا کہ ماورائی طاقتوں کے کچھ اصول، کچھ قوانین ہوتے ہیں اور اتنے سخت ہوتے ہیں کہ دنیوی قانون ان کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہر طاقت کی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ لامحدود طاقت کسی کے پاس نہیں ہے۔ بدری نرائن نے بہت سے پجاریوں کے سنگ مل کر اسے ایک مذہبی معاملہ قرار دیا ہے کیونکہ تمہارا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم نے کالی کے مندر میں ایک پجاری کو مار دیا تھا۔ تم وہاں گھس گئے تھے۔ تم نے ایک ہندو عورت کو اپنے گھر میں رکھا اور اسے مسلمان بنا دیا۔ تم ایک بڑے پجاری بدری نرائن کی زندگی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ کلدیپ ایک ہندو ناری تمہارے چکر میں ہے۔ بدری نرائن نے یہ تمام باتیں کچھ اس انداز سے اپنے ساتھیوں کو بتائی ہیں کہ وہ اس کی مدد کرنے پر کمربستہ ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بیروں کی مدد سے تمہارے جہاز پر حملہ کرا دیا۔ تمہیں معلوم ہے، جہاز ہندوستان سے کتنی دور تھا؟ صرف چند لمحوں بعد جہاز ہندوستان میں داخل ہونے والا تھا۔ انہوں نے متعدد اور بےگناہ مسافروں کی بھی پروا نہیں کی۔ وہ تم سے اتنے مشتعل ہیں کہ اب انہیں ہندوستان میں تمہارا قدم رکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔"

انکا کی یہ زبانی افسوس ناک باتیں سن کر میرے جسم پر غصے سے رعشہ طاری ہو گیا۔ ساتھ ہی مجھے اپنی بےبسی، محرومی، بےبضاعتی اور کمزوری کا شدت سے احساس ہوا۔ میں انکا سے کچھ نہیں کہہ سکا، وہ میری حالت دیکھ کر پریشان سی ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے سر پر بیٹھی میرے بالوں میں انگلی

سے کنگھی کر رہی ہے۔ مجھے انکا سے ندامت ہوئی کہ میں نے معاملات پوچھے بغیر اس سے تلخ و تیز باتیں کیوں کیں...... "کلپنا کہاں گئی؟" میں نے اپنے خیالوں سے چونک کر پوچھا۔

"وہ جہاز کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے بدری نرائن کے بیروں پر مسلسل وار کر رہی تھی لیکن اس دوران ایک ایسی شکتی دیکھنے میں آئی، جس نے بدری نرائن کا جادو ناکام کر دیا۔ کلپنا اب مطمئن ہو کر چلی گئی کہ جہاز میں صرف انکا نہیں، کچھ اور شکتیاں بھی ہیں۔ یہ جو تم بدھ بھکشوؤں کے پاس بیٹھے تھے، یہ انہی کی شکتی تھی۔"

"بدھ بھکشو...... تو میرا اندازہ صحیح تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔" میں نے تجسس سے پوچھا۔ چند لمحوں کی مہلت کے بعد انکا نے مجھے ان کے بارے میں جو تفصیلات بتائیں انہیں سن کر میں دنگ رہ گیا۔ ان کا تعلق تبت سے تھا۔ تبت میں انہوں نے بڑے مندروں اور عبادت گاہوں میں عرصے تک مہاتما بدھ کی موتی کے سامنے یکسوئی کے ساتھ بیٹھ کر ریاضت کی تھی۔ تبت بدھوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ وہاں کے لاماؤں اور بھکشوؤں کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔ بدھ بھکشوؤں کے متعلق میں نے بھی سنا تھا کہ انہیں تحمل، صبر، قناعت، ضبط اور عفو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دنیوی آلائش و علائق سے ان کا رابطہ نہیں ہوتا۔ اپنے طویل مراقبوں کے ذریعے اور ساری دنیا سے الگ ہو کر ایک سمت ارتکاز کر کے ان کے اندر حیرت انگیز صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ انکا نے مجھے بتایا کہ یہ بھکشو گوتم کی تعلیمات عام کرنے کے لئے تبت کے شاہی خاندان کے لاماؤں کے ایما پر دنیا کا دورہ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ گوتم کی شخصیت اور اس کی تعلیمات مغرب میں دیگر فلسفہ ہائے مذاہب کی طرح بہت دلچسپی سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان تین بھکشوؤں میں سب سے بڑے کا نام کمپالا تھا اور اس کے ساتھی نوجوانوں کے نام تبراس اور سبرا تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ جہاز میں نہ ہوتے تو صرف انکا اور کلپنا جہاز کو کس حد تک تباہی سے بچا سکتی تھیں۔

تہران کے اس شان دار ہوٹل میں جہاز کے تمام مسافر اپنی سلامتی کی خوشی میں دھوم مچائے ہوئے تھے۔ جہاز کے مکمل چیک اپ کے لئے قیام کو چار روز اور طول دیا گیا تھا۔ مسافروں کا تمام صرفہ کمپنی کے ذمہ تھا۔ ہوٹل میں ایران کی خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں۔ رات کو وہاں کیبرے ہوتا تھا۔ جس قطعہ زمین پر ہوٹل تعمیر کیا گیا تھا وہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ وہ سارے ایران سے مختلف تھا۔ طرح طرح کے لوگ طرح طرح کے چہرے صبح و شام نظر آتے تھے۔ میں اور انکا اداس اداس ایک دوسرے میں الجھے الجھے اپنے کمرے میں مقید تھے۔ ایک شخص بری طرح اعصاب پر سوار تھا۔ بدری نرائن، جو ہندوستان میں تھا۔ وہ اتنی دور ہو کر بھی جہاز کو اس کے تمام مسافروں سمیت نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر سکتا تھا تو ہندوستان پہنچنے کے بعد میر

چاہتا تھا؟ جب کہ میں اتنے بہت سے پنڈتوں، پجاریوں کے سامنے کسی طور بھی اپنا دفاع نہ کر پاتا اور ایسی صورت میں کہ جگدیو بھی دنیا سے کوچ کر گیا ہو۔ کیا اسے انکا سے خطرہ تھا؟ اور کیا وہ کلدیپ کی شخصیت سے خوف زدہ تھا؟ اگر میں واپس ہندوستان جاتا ہوں تو زندگی کی وہی گردش شروع ہو جائے گی جس سے بچ کر میں نے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ وہ شہروں شہروں مارے مارے پھرنا، پولیس کا تعاقب، ہر جگہ بدری نرائن اور اس کے ساتھیوں کا خوف مگر میں کب تک ہندوستان سے باہر رہوں گا۔ جگدیو کی موجودگی میں کوئی شخص بھی انکا کو حاصل کرنے کا جاپ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، اب اس کے بعد کسی دن بھی کسی پجاری کے دل میں اس کی طلب کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ تزئین کو میں کس بھروسے پر اشرفی بیگم کی گھناؤنی زندگی سے دور لانا چاہتا تھا۔ وہ کب تک کلدیپ کے ساتھ رہے گی اور کلدیپ کب تک اس نوجوان لڑکی کی نگرانی کرے گی۔ وہ مالا اور نرگس کو مجھ سے دور کر چکا ہے۔ کلدیپ کو تنہا سمجھ کر کہیں تزئین پر ہاتھ نہ ڈالے۔ اس کمینے سے کیا بعید ہے؟ ہزاروں وسوسوں اور خدشوں سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ اپنی زندگی تو جیسے تیسے گزر گئی، تزئین کی فکر دامن گیر تھی جس میں نرگس کی شباہتیں اور نرگس کی نیکیاں موجود تھیں۔ میں اگر ہندوستان واپس جانے کا ارادہ ترک کرتا ہوں اور لندن پہنچ کر جین کی شفیق آغوش میں رہتا ہوں تو اس کا کیا حال ہوگا؟ لندن میں جین میری منتظر تھی۔ کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے کہ اب جب کہ وہ کالی کے تحفظ سے نکل چکا ہے۔ اسے عبرت ناک حالت سے دوچار کیا جائے گا۔ جرمنی اور لندن میں انکا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جین کے سر پر جا کر اسے کسی وقت بھی میری آغوش میں پھینک سکتی ہے مگر میں مرحلہ شوق کی مہم جوئی اور جین کے بدن کے جادو میں ایسا کھویا کہ مجھے وقت کا احساس ہی نہ رہا، اب میں ایک ایسا شخص تھا جو خود اپنے گالوں پر طمانچے مار رہا تھا۔ جمیل احمد خان، ایک بدبخت انسان، جسے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا آتا تھا اور جو اپنا ہی آشیانہ پھونک دیتا تھا۔ موت جس سے پناہ مانگتی تھی اور زندگی جس سے ناراض رہتی تھی۔ اس کے پاس سب کچھ تھا، اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وحشتیں جب حد سے سوا ہو گئیں تو میں اپنے کمرے سے اٹھ کر نیچے چلا گیا جہاں بدھ بھکشو ہوٹل کے لان پر بیٹھے بت بنے ہوئے خود میں کھوئے ہوئے تھے۔ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی چند مغربی خواتین ان کے گرد عقیدت سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی تھی۔

انہوں نے کچھ دیر بعد ایک ساتھ آنکھیں کھولیں اور ان کے ساکت جسموں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ بڑے بھکشو کمپالا نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے سلامتی کی دعائیں دیں۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر رقت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ شاید وہ میری ہیئت کذائی سے متاثر ہوا۔ "میرے بچے، تجھے سکون کی ضرورت ہے۔" اس نے شفقت سے کہا۔

میں نے ایک بار پھر اشارہ کنایوں میں اپنی تمام روداد اسے سنا دی۔ اس کے باوقار چہرے پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ دونوں نوجوان بھکشو وہاں بیٹھی ہوئی خواتین کو درس دے رہے تھے۔ کپالا نے مجھ سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا جس سے میری بے چینیاں کم ہوتیں۔ ہاں اس نے مجھے اپنے ساتھ تبت لے چلنے کی پیش کش کی۔ ظاہر ہے تبت کا سفر میری پریشانیوں کا حل نہیں تھا۔ وہ آتما کی رفعت وعظمت کے متعلق مجھے لیکچر دیتا رہا۔ وہ یقیناً ہندو پجاریوں، پنڈتوں سے مختلف شخص تھا۔ چند ہی لفظ اس کے ورد زباں تھے۔ گوتم، شاکیہ، منی تپسیا، تیاگ، نروان۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے ہندوستان جانا چاہئے یا نہیں۔ تو اس نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''اس چھوکری سے پوچھ جو تیرے سر پر بیٹھی ہے۔''

''وہ مجھے ہندوستان میں پیش آنے والے خطروں کا احساس دلاتی ہے۔'' میں نے کسی بچے کی طرح کہا۔

''وہ یہ خطرے دور کرنے کے لئے کوئی ترکیب کیوں نہیں سوچتی؟ اس کے پاس تو بہت سی شکتیاں ہیں۔''

''پر وہ کس کس سے لڑے۔ اس کی شکتی دوسری شکتیوں کی طرح محدود ہے۔'' میں نے کہا۔

اس کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہوگئی۔ میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ انکا کا مذاق اڑا رہا تھا۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا، انکا میرے سر پر بیٹھی پیچ وتاب کھا رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''جمیل! چلو، یہ ابھی تیار نہیں ہوگا۔ ویسے یہ شخص ہندو دھرم کا دشمن ہے۔ اگر گوتم کی اہنسا کی تعلیمات اس کے سامنے نہ ہوتیں تو کسی پنڈت پجاری کو نہ چھوڑتا۔''

''کہیں تمہیں برا تو نہیں لگ رہا؟'' میں نے دل ہی دل میں اس سے کہا۔ ''کیا تم متعصب ہو گئیں؟''

''تم بے وقوف ہو۔ میں نے صرف تمہیں چاہا ہے۔ وہ انسان جو اس دنیا میں جیتے ہیں، مذہب ان کا ہوتا ہے، تعصب وہ کرسکتے ہیں لیکن میں تو ایک شکتی ہوں۔ میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تو اس کی تابع ہوں جس کے سر پر رہتی ہوں۔ اس میں مذہب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیا تم ہندو ہو؟'' انکا نے جل کر کہا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نہ جانے کیا ہوگیا ہوں، مجھے خود نہیں معلوم۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''یہ شخص چونکہ مجھے ہندو سلسلے کی ایک لڑکی سمجھتا ہے۔ اس لئے میری شکتی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ جمیل یہ تمہارے کام آسکتا ہے۔''

''اچھا خاموش رہو۔ ممکن ہے اسے ہماری تمہاری باتوں کا علم ہو۔ مشکل یہ ہے، اسے اندازہ نہیں کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' انکا کے بجائے کپالا بولا۔

آپ...... آپ؟'' لفظ میرے منہ میں اٹک گئے۔ ''آپ مہاتما گوتم بدھ کے سچے بھکشو ہیں، آپ کے باطن کا دروازہ کھلا ہے، میری مدد کیجئے۔ اس شخص کی مدد کیجئے جو گناہوں کی زندگی چھوڑنا چاہتا ہے۔''

''میرے ساتھ تبت چلو، میں تمہیں پگوڈا اور روٹوبا میں بٹھا کر تمہارا من اجلا کروں گا!''

''تبت! لیکن میرے بزرگ......'' میں نے کچھ بولنا چاہا لیکن اس نے میرا جملہ اچک لیا۔

''میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو یا پھر جو تمہارے جی میں آئے، کرو۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کرلیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔

وسیع وعریض ہندوستان کے تقریباً تمام علاقے۔ اس کے بعد انگلینڈ پھر جرمنی، پھر ایران، اب تبت اور اس کے بعد نہ جانے کہاں؟ میں بوجھل قدموں سے اٹھا اور میں نے اپنے کمرے میں آکر انکا کو حکم دیا۔ ''میرا ذہن معطل کردو۔ جیسے ایک بار تم نے پونا میں کیا تھا نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' انکا نے تشویش سے میری حالت دیکھتے ہوئی بولی۔

''جہاز کی روانگی میں ابھی تین روز باقی ہیں۔ اس طرح تم کوئی فیصلہ نہیں کرپاؤ گے۔ جو ہونا ہے اسے تم روک نہیں سکتے۔ کوئی اچھا فیصلہ کرنے کے لئے ذہن کا پُرسکون ہونا ضروری ہے۔ آؤ میرے ساتھ، آؤ۔ میں تمہیں ایران دکھاؤں، تہران کے عجائب دکھاؤں، ایرانی دوشیزاؤں سے ملاقات کئے بغیر تم ہندوستان چلے جاؤ گے؟''

''انکا!'' میں نے اسے جھڑک دیا۔ ''تم بڑی بے حس ہو۔ ہر طرف اندھیرا نظر آتا ہے اور تمہیں دل لگی سوجھ رہی ہے۔''

انکا نے مجھے منانے کی کوشش کی۔ میں اس دن اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ میرا کھانا بھی کمرے میں آگیا۔ کھانا بھی رسماً کھایا تھا، بھوک اڑ گئی تھی۔ اس کرب واضطراب کے عالم میں خوب سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے لندن واپس جانے یا تہران میں ٹھہرنے یا کہیں آوارہ گردی کرنے یا بدھ بھکشو کے حکم کے مطابق تبت جانے کے بجائے ہندوستان واپس جانا چاہئے۔ نہ جانے زندگی کی یہ ڈور کب ٹوٹ جائے۔ اگر ہندوستان ہی میں ذلت کی موت مرنا میرا مقسوم ہے تو پھر یہی سہی۔ وہاں کلدیپ موجود ہے۔ وہ اتنی بے سہارا تو نہ ہوئی ہوگی۔ میرے پاس انکا بھی ہے۔ میں بچتا ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

بمبئی سے میسور تک پہنچنا ہی ایک مسئلہ ہے۔ میرے اس فیصلے پر انکا کچھ سوچنے لگی اور پھر اس نے بھی اس فیصلے کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ میں نے تیسرے روز تہران کے بازاروں، عمارتوں اور تفریح گاہوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ شہر صفائی میں یورپ کے کسی بڑے شہر کے مساوی ہے۔ تہران میں نے اسی طرح دیکھا جیسے کوئی تصویریں دیکھے۔ میں ٹیکسی سے نہیں اترا، ہاں میں نے اسکرٹ پہنے ہوئے ایرانی لڑکیاں دیکھیں لیکن طبیعت ہی موزوں نہیں تھی۔ انکا نے مجھے کئی بار ٹوکا اور کئی حسین لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ انہیں میرے ایک اشارے پر ہوٹل میں لا سکتی ہے۔ حسن کا تعلق فرد کے داخلی معاملات سے ہے۔ اچھا لگنا یا برا لگنا جسم کے طبعی عمل کی خوش گواری یا ناخوش گواری پر موقوف ہے۔ جب جسم میں ہیجان برپا ہو تو رنگوں کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور روشنیاں کوئی خاص فرق نہیں ڈالتیں۔

بدھ بھکشو کے پاس میں ایک بار اور گیا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جہاز مکمل طور پر درست تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ہر طریقے سے اس کی چیکنگ کی جا رہی تھی۔ تین روز گزر گئے۔ چوتھے دن جہاز روانہ ہونا تھا۔ میرے دل کا جو عالم تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ تہران کی آخری رات تو میں بہت مضطرب تھا۔ حالانکہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کا شخص بری طرح انتشار میں مبتلا تھا۔ انکا مجھے کیبرے میں لے گئی۔ کیبرے سے لندن کی یاد تازہ ہوگئی۔ یہ کیبرے یورپ کے عریاں رقصوں سے کچھ زیادہ آگے کے مناظر پیش کر رہا تھا۔ دھیمی روشنیوں میں موسیقی کے بادل تیر رہے تھے۔ ایران کی ایک سے ایک گل اندام لڑکی موجود تھی۔ انکا نے میری طبیعت بحال کرنے کے لئے مجھ سے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔ ''ان میں سے کون سی لڑکی تمہیں پسند ہے؟''

میری طبیعت میں جارحیت آگئی۔ ''سب پسند ہیں۔''

''نہیں نہیں، ٹھیک سے بتاؤ۔ تہران کے لوگ کیا کہیں گے کہ تم یوں ہی انہیں داد عیش دیئے بغیر چلے گئے۔'' انکا نے مجھے چھیڑا۔

''تم مذاق کا وقت نہیں جانتیں۔'' میں نے جھنجلا کر کہا اور ہال سے باہر نکل آیا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب میں بستر پر لیٹ چکا تھا، دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بے دلی سے دروازہ کھولا۔ ایک پری چہرہ لڑکی میرے سامنے موجود تھی۔ اس نے آتے ہی میرے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ میں نے اسے خود سے علیحدہ کیا لیکن وہ مجھ سے الجھی رہی۔ میں نے اسے دھتکارا لیکن وہ اور جارح ہوگئی۔ اتنی معصوم لڑکی سے اس اذیت پسندی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تو انکا تھی جو مجھ سے چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ آخر میں نے شکست قبول کر لی۔ ایک رات اور گزر گئی اور چوتھے روز صبح ہی صبح ہم جہاز میں بیٹھ گئے۔ بدھ بھکشو

مارے ڈالتی تھی۔ ہم اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ جہاز جلد ہی تہران کی زمین سے اٹھ گیا اور تہران کی فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا بستیاں پھلانگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کراچی ائیر پورٹ پر جہاز کوئی آدھے گھنٹے ٹھہرا۔ میں جہاز سے اترا نہیں اس لئے کہ بدھ بھکشو بھی جہاز میں موجود تھے اور میں بمبئی تک ان کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ بمبئی سے ان کی منزل گیا تھی، جہاں گوتم بدھ کے عظیم الشان مندر میں گوتم بدھ کی یاد میں کوئی جشن منایا جا رہا تھا۔ ہندوستان، میرا وطن، میں نے کراچی کا صاف ستھرا ہوائی اڈا جہاز کی کھڑکیوں سے دیکھا۔ میرا وطن میرے لئے جہنم بن گیا تھا، صرف لندن میں چند ماہ سکون سے گزارے تھے مگر وہاں بھی بلاؤں نے میرے تعاقب میں کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔ بیان کرنے اور مصائب جھیلنے میں بڑا فرق ہے۔ جو لفظ سرسری گزر جاتے ہیں، ان لفظوں کا جبر میں نے سہا ہے، جو انبزا خوشبو بکھیرتے ہیں، میں نے انہیں سونگھا ہے۔ میرے احساس کی شدت میرے درد میں شامل ہونے سے محسوس ہوئی۔

بمبئی میں اترنے کے بعد میں بدھ بھکشوؤں کے ساتھ چلتا رہا۔ انکا پوری طرح محتاط تھی۔ میرا ارادہ کسی اولین گاڑی کے ذریعے سب سے پہلے کلدیپ کے استھان جانے کا تھا۔ میرے پاس کچھ زیادہ سامان نہیں تھا۔ تزئین کے لئے میں نے چند چیزیں خریدی تھیں جو میرے سامان میں محفوظ تھیں۔ بدھ بھکشوؤں کو لینے کے لئے ائرپورٹ پر کچھ لوگ موجود تھے۔ میرا کوئی نہیں تھا۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مجھے اجنبیت کا احساس ہوا۔ ائرپورٹ سے میں بخیریت سینٹرل اسٹیشن پہنچ گیا۔ میں نے صرف رات کو سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا بار بار اچھل جاتی، میری جیب میں تھوڑی بہت انگلستانی کرنسی تھی جو میں نے ائرپورٹ پر بھنا لی تھی۔ باقی رقم جین کے پاس محفوظ کرا آیا تھا۔ انگلستان میں، میں نے بہت سی رقم کمائی تھی۔ اگر اسے کمائی کہا جائے۔ ٹرین کی روانگی کے بعد سب سے پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب ایک چھوٹے اسٹیشن پر ایک انسپکٹر میرے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے متعدد الزامات کے تحت حراست میں لینے کی کوشش کی۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ دو سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی اور میں انہیں بتا رہا تھا کہ میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں جمیل احمد خان نہیں ہوں۔ میں نے انہیں لندن جانے والے کاغذات دکھائے لیکن وہ انگلستان کی پولیس نہیں تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ میں جان بوجھ کر تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھا تھا لیکن یہی بات میرے لئے مصیبت بن گئی۔ اگر وہ فرسٹ کلاس کے تنہا کیبن میں آتے تو میں انہیں گاڑی سے نیچے کسی نالے میں پھینک دیتا۔ ڈبے میں موجود لوگ مجھے، میرے قیمتی سامان کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ بس ایک حربہ رہ گیا تھا کہ انکا میرے سر سے اترے اور کوئی شعبدہ دکھائے۔ انکا انسپکٹر کے سر پر جانے کے بجائے ایک

ے میرے معاملے میں دلچسپی لے

رہا تھا۔ وہ انسپکٹر سے الجھ پڑا اس نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ ڈبے میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ مسافر سپاہیوں سے دست وگریباں ہو گئے۔ میں نے اپنا سامان وہیں چھوڑ دیا اور ایک جگہ جب گاڑی ذرا ہلکی ہوئی، میں لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا ڈبے سے کود پڑا۔ میرے سر میں شدید چوٹ لگی۔ اندھیری رات تھی، کوئی اسٹیشن قریب تھا۔ میرے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ میں نے اپنی چوٹ کی پروانہ کی اور جدھر منہ اٹھا، تیزی سے بھاگتا رہا۔ اس علاقے میں خاصی بارش ہوتی ہے۔ میں چھپتا چھپاتا میلوں تک نکل گیا۔ میرا رخ اس طرف تھا جدھر سے گاڑی آئی تھی۔ یہ پہلا حادثہ تھا ہندوستان میں اترنے کے فوراً بعد۔ میں جانتا تھا کہ اس پردہ نگاری میں کون معشوق ہے وہ بدری نرائن کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ ہندوستان کی پولیس میرے جرائم کے متعلق فرد جرم تیار کر چکی تھی۔ آگے چلنے کے بعد بارش نے زور باندھ لیا۔ اندھیرا، انجانا راستہ، بارش۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میرا ہندوستان آنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے بدھ بھکشو کپالا کی معنی خیز مسکراہٹ یاد آئی جو بمبئی ائرپورٹ پر رخصت ہوتے وقت اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ صرف ایک دن میں میری حالت کتنی متغیر ہو گئی تھی۔؟ تہران کے آرام دہ ہوٹل میں قیام، پھر جہاز کا سفر اور یہ ویران مقام۔

چلتے چلتے اندھیرے میں مجھے روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ وہ ایک کوٹھری تھی اور اس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ دروازے کی جھریوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ ''آ جاؤ'' اندر سے ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز آئی مگر میں سہم کر وہیں کھڑا رہا۔ ''آ جاؤ۔ ڈرو نہیں۔'' پھر اسی آواز نے بند دروازے کے اندر سے کہا۔ میں بارش میں بھیگا ہوا تھا۔ میں نے درزوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ وہاں مجھے ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی نظر آئی لیکن عجیب بات تھی کہ اندر سے آواز کسی مرد کی آئی تھی۔ مرد مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے دروازے کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ آسانی سے کھل گیا۔ اندر روشنی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا لیکن میرے قدم وہیں کسی نے جکڑ لئے۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ سارا کمرا خالی تھا۔ دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہو گیا۔ میں نے حواس باختہ ہو کر دروازے پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ دروازہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ میں بدری نرائن کے جال میں پوری طرح پھنس گیا تھا۔ انکا بھی میرے پاس نہیں تھی۔ بارش کی پُرشور آواز میں میری چیخ پکار کون سنتا؟ اشرفی بیگم کے بالاخانے پر بھی میں اسی طرح پھنس گیا تھا۔ یہ خیال کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ بدری نرائن نے کوٹھری کے گرد اپنی کالی طاقتوں کا جال نہ بن دیا ہو۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ہوا کہ اگر کلپنا یا انکا میری مدد کو نہ آ سکیں تو......؟ میں نے سوچا جدوجہد بیکار ہے۔ دیواروں سے سر ٹکرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان جہنمی طاقتوں کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں؟ میں انکا کا محتاج ہوں۔ میں کلدیپ اور کلپنا کا محتاج ہوں۔ ایک محتاج اور معذور آدمی۔ جمیل احمد خان۔ ایک

پاگل، ایک کتا آدمی۔

بارش تھم گئی تو میں نے کوٹھری سے باہر نکلنے کی ایک کوشش اور کی۔ یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح صادق کے وقت پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ میں نے درز سے باہر جھانک کر دیکھا۔ مجھے ایک درخت کے نیچے ایک سادھو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ میں زور زور سے چیخ کر اسے متوجہ کرنے لگا مگر اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ آسن جمائے، مست الست اپنی دھن میں مگن رہا۔ تھک ہار کر میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ باہر آگ لگ رہی ہے۔ میں نے جھری سے پھر دیکھا۔ ایک گول دائرے کی شکل میں سامنے آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ کسی دیہاتی کے ہاتھ میں کدال تھی اور سادھو مردہ پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد دیہاتی جھری میں میری نظروں کے دائرے سے نکل گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے انکا کو اپنے سر پر موجود پایا۔ وہ مجھے حکم دے رہی تھی کہ میں دروازے پر ایک بھرپور ضرب لگاؤں۔ میری دو تین لاتوں سے دروازہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ وہی دروازہ تھا جسے میں آدھی رات سے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ باہر آ کر میں نے آگ کا وہ دائرہ پھلانگ لیا جس نے ساری کوٹھری کا احاطہ کر رکھا تھا۔ سادھو کا خون اس کے اونچے استھان پر پھیلا ہوا تھا اور دیہاتی وہاں موجود نہیں تھا۔ اسے انکا نے بھگا دیا تھا۔

''ہمیں جلد از جلد اس بستی سے دور ہو جانا چاہئے۔'' انکا نے کہا۔

میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا کہ اس سے کوئی باز پُرس کروں۔ جب سورج چڑھ آیا تو میں کافی دور آ چکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میرے پیروں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔ میں نے انکا سے آگے جانے کے لئے انکار کر دیا۔ اس وقت انکا نے اپنے پنجے میرے سر میں اتنی زور سے چبھوئے کہ مجھ پر بے ہوشی کا غلبہ ہو گیا اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کیا سوچ رہا ہوں؟ جب انکا کا یہ غلبہ ختم ہوا تو میں نے خود کو ایک ویران مقام پر پایا۔ انکا مجھے بستیوں بستیوں چھپاتی ہوئی جنوبی ہند کے ایک مقام کرنول تک لے آئی تھی۔ ناندیڑ رائے چور اور ادونی ہوتے ہوئے میں کرنول شہر سے دور کسی کسان کے گھر مقیم تھا۔ مجھے بمبئی سے چلے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ کسان نے مجھے ایک علیحدہ کوٹھری دے دی تھی۔ ہوش میں آنے کے فوراً بعد تمام باتیں انکا نے مجھے بتا دی تھیں۔ جب میں کمپارٹمنٹ سے کود گیا تھا تو ڈبے میں انسپکٹر نے میرے اس ہمدرد شخص پر گولی چلا دی تھی۔ نتیجے میں دوسرے مسافر انسپکٹر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انکا کو معاملات اپنے قابو میں رکھنے کے لئے دیر تک وہاں رکنا پڑا۔ پھر جب وہ واپس آئی تو اس نے کوٹھری کے گرد ایک دائرہ کھنچا ہوا دیکھا۔ اس دائرے کی وجہ سے انکا اندر نہیں جا سکتی تھی۔ چنانچہ انکا نے قریبی بستی سے ایک دیہاتی کو لیا۔ اس مقام پر یہ سادھو بمبئی کے ایک مندر کے پجاری کے اشارے پر یہ سب کچھ کر رہا تھا جس سے بدری نرائن نے درخواست کی تھی۔ انکا نے اسے ایک کدال

سے ختم کرادیا تھا۔ اس کے بعد اس نے دیہاتی سے اس دائرے میں آگ لگوادی جس میں، میں مقید تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ کلپنا کیوں نہیں آئی جو ہر موقع پر میری مدد کو آجاتی تھی؟ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے مندروں کے پجاری میری تاک میں تھے۔ انکا نے مجھے مغلوب کرکے، مجھے اپنی ذات کا ایک حصہ بنالیا تھا۔ اس طرح اس نے کسی حد تک میرے دفاع کا سامان پیدا کرلیا تھا۔ راستے میں جو مصائب پیش آئے، ان کا تذکرہ فضول ہے کیونکہ میں ان سے بے خبر تھا۔ ہمارے سامنے اس وقت یہ مسئلہ تھا کہ ہم کس طرح کلدیپ کے استھان تک پہنچیں؟ کرنول تک تو انکا مجھے لے آئی تھی لیکن کرنول سے میسور کا فاصلہ کم نہیں تھا۔ اب تک میرے خیال کے مطابق انکا ہی نے مجھے پنڈتوں کی زد سے بچایا ہوا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ کلپنا میرے ساتھ رہی تھی۔ اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب کرنول سے میسور تک پیدل سفر کرتے ہوئے میں ایک پھسلواں چٹان سے گر پڑا اور کلپنا کو میرے سامنے ظاہر ہونا پڑا۔ سرمئی رنگ کی ساڑی میں حسین وجمیل کلپنا بے حد اداس تھی۔ اسے دیکھ کر میں اپنی تکلیف بھول گیا۔ کلپنا کو دیکھ کر انکا میرے سر سے غائب ہوچکی تھی۔ کلپنا کو سوگوار اور ملول دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آسکا۔ اس کی کنول جیسی آنکھوں میں ویرانیاں رقص کررہی تھیں۔ اس کے چہرے کے نقوش مجھے دھندلے دھندلے نظر آرہے تھے۔ ''کلپنا۔ میری نگاہیں دھوکا تو نہیں کھارہی ہیں؟'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''ہاں جمیل احمد خان۔ یہ میں ہوں کلپنا۔'' کلپنا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ''جب سے تم ہندوستان آئے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن مجھے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح تمہاری مصیبتوں میں اضافہ ہوجاتا اور انکا بھی اتنی مستعد اور فعال نہ رہتی۔''

''تمہارے چہرے پر اداسی کیوں ہے؟ تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو؟'' میں نے کہا۔

''ساری بساط الٹ گئی ہے جمیل احمد خان۔ مگر تم نراش نہ ہونا۔ تم نے حوصلہ چھوڑا تو پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آسکے گا۔ سے سے کی بات ہے۔ انکا نے تمہیں سب کچھ بتادیا ہوگا۔ پولیس تمہارے پیچھے ہے۔ تم شہروں میں نہیں جاسکتے کیونکہ اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے باعث آسانی سے پہچان لئے جاؤ گے۔ چاروں طرف پنڈتوں نے تمہارے خلاف جال بچھایا ہوا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے کہاں کہاں وہ بلائیں تم سے دور رکھی ہیں۔ جتنا تم ان سے بچ رہے ہو، اتنے ہی وہ تمہارے خلاف صف آرا ہورہے ہیں۔'' کلپنا نے کہا۔

''میرا خیال ہے میرے لئے ایک جگہ ہی سکون کی ہے، کلدیپ کا استھان۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یاد ہے، ایک دفعہ تم نے مجھے اشرفی بیگم کے بالا خانے سے اپنی طاقتوں کے ذریعے کلدیپ کے استھان تک پہنچادیا تھا۔''

''اب میں ایسا نہیں کرسکتی۔ بدری نرائن نے دو بڑے پجاریوں کو استھان کے باہر بٹھا دیا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو تمہیں اتنی تکلیفیں اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ استھان کے اندر داخل نہیں ہوسکتے لیکن باہر انہوں نے اپنے بیر پہرے پر لگادئے ہیں۔ میں تم سے یہی کہنے آئی ہوں کہ تم اپنا راستہ بدل دو۔ بہتر تھا کہ تم ہندوستان نہ آتے اور اگر آتے تو اس وقت آتے جب میں نے تم سے کہا تھا۔ کرنول تک میں اس مقصد سے تمہارے ساتھ نہیں رہی ہوں کہ میسور کا فاصلہ کم سے کم ہوجاتا ہے بلکہ ایک ہی راستہ تمہارے بچاؤ کا تھا۔''

''کلدیپ اور ترئین کا کیا حال ہے؟ کلدیپ تو پریتم لال کی جانشین ہے۔ پریتم لال جو ایک بہت بڑا پجاری تھا۔ اس کی طاقتوں کو کیا ہوا؟''

''کلدیپ اسی نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایک کڑے جاپ میں مصروف ہے۔ صرف تمہارے لئے۔ ترئین بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ پریتم لال کے استھان میں داخل ہونے کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا۔''

کلپنا میرے زخم پر مرہم رکھ کر اچانک غائب ہوگئی۔ اس کے جاتے ہی انکا آگئی۔ انکا نے مجھ سے کہا۔ ''کچھ دیکھو گے؟''

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا؟''

''لو دیکھو۔'' انکا نے کہا اور اسی لمحے میں نے ایک ایسا خوف ناک منظر دیکھا کہ آنکھیں بند کرلینی پڑیں۔ عجب شکل کے بے شمار چھوٹے چھوٹے بندر نما جانور ایک دوسرے پر وحشیانہ پن سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

میری نظروں کے سامنے سے وہ منظر غائب ہوگیا۔ ''دیکھا؟'' انکا نے کہا۔

''مگر یہ سب کیا ہے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہاری آنکھوں پر پردہ پڑا رہنا چاہئے۔ میرے پیارے جمیل! تمہیں معلوم نہیں کہ تم کتنی مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ چلو یہاں سے بھاگ چلو۔''

میں اپنی لنگڑاتی ہوئی ٹانگ سے اٹھ کر آگے بڑھنے لگا۔ انکا سرگوشیوں سے کہنے لگی۔ ''یہ کرنول کے ایک مندر کے پجاری اور کلپنا کے درمیان لڑائی تھی۔ جمیل، یہ کلپنا، کلدیپ کا کوئی روپ ہے۔ کلدیپ نہیں چاہتی کہ وہ میرے سامنے آئے۔''

میں نے اسے کلپنا کی گفتگو سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً راستہ بدل دیا۔ ''اب ہم یہاں جائیں؟ کلپنا اچانک غائب ہوگئی تھی۔ میں اس سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکا۔''

''وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی ایسے مقام پر

چلے جائیں جہاں ان پنڈتوں پجاریوں کی دست برد سے دور رہیں۔'' انکا نے کہا۔

'' میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔ اگر میں مسجد یا کسی بزرگ کی درگاہ میں پناہ لوں تو وہاں یہ مردود اور اس کے حواری مجھ پر کوئی وار نہیں کر سکیں گے۔''

'' تم صحیح کہتے ہو لیکن مسجد یا درگاہ میں تم جیسے گناہ گار شخص کو کون قبول کرے گا؟ اور تم لوگوں کی نگاہوں سے تو نہیں بچ سکتے۔ وہاں بدری نرائن نہیں تو پولیس کو کوئی خبر دے سکتا ہے۔''

مجھے خود خوف آیا کہ میں مسجد یا کسی بزرگ کے مزار پر پناہ لینے کا اہل نہیں ہوں۔ میں تو بہت برا آدمی ہوں۔ ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز سے سفر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں شش و پنج میں لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا کہ انکا نے میرا ذہن اپنے قابو میں کر لیا۔ درمیان میں تکلیف دہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ اگر سناؤں گا تو کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ وہی حوادث، وہی معرکے، وہی بدبختیاں، وہی آنکھ مچولی، کہیں گرفتاری، کہیں رہائی، کہیں سزا، کہیں نجات، کسی وقت دکھ تو کسی لمحے خوشی۔ پہلے بھی پے در پے حادثات سے پاگل ہو گیا تھا۔ انکا گاہے بگاہے مجھے ہوش میں لاتی تھی تو میں ہذیان بکنے لگتا تھا اور وہ پھر مجبور ہو کر میری تمام حسیں سلب کر کے مجھے اپنا تابع کر لیتی تھی۔ چھ ماہ، میری سرگزشت کے دنوں میں اور جمع کر لیجئے۔ چھ ماہ میری عمر اور گھٹ گئی۔ پاؤں کہیں رکھتا تھا، پڑتا کہیں تھا۔ سوچتا کچھ تھا تو نتیجہ کچھ نکلتا تھا۔ ہر طرف پہرے تھے۔ ان بھیانک عفریتوں کے پہرے۔ جن کے سینے میں دل نہیں تھا جو دنیا سے کٹ کر بے دل اور سنگ دل ہو گئے تھے۔ کلپنا نے اس دوران مجھ سے بات نہیں کی۔ میرے جسم پر اپنا لباس نہیں تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا اس عرصے میں، میں نے کیا کھایا، کیا پیا؟ کہاں سے پہنا؟ میرے پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے تھے اور میری جلد سیاہ ہو چکی تھی۔ جنوبی ہندوستان سے شمالی ہندوستان اور شمالی سے مشرقی علاقوں میں جگہ جگہ گھوم کر، گیا پہنچ گیا۔

گیا شہر میں ۸ میل پر پھیلا ہوا بدھ گیا ایک علاقہ ہے جہاں گوتم بدھ نے نروان حاصل کیا تھا۔ یہاں وہ آثار جگہ جگہ نظر آتے ہیں جہاں گوتم بدھ نے پہلی مرتبہ آ کر قیام کیا تھا گو اب ان میں سے بیشتر آثار کھنڈروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ یہاں وہ بڑا برگد کا درخت بھی موجود ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر گوتم بدھ نے ریاضت کی تھی۔ یہ بہت اونچا اور پھیلا ہوا درخت ہے۔ اس کے متعلق لوگوں میں مختلف آرا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ اصل درخت نہیں ہے لیکن بدھ بھکشوؤں کا خیال ہے کہ یہی وہ درخت ہے جسے گوتم بدھ کے اوپر سایہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ پوری بستی میں پگوڈا اور مندروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہاں بدھ بھکشو گوتم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک مندر کے احاطے میں برگد کا اونچا درخت ہے۔ یہ مندر سب سے بڑا ہے اور سب سے بڑا رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ یہ پتھر سے بنایا گیا ہے۔ مندر کا کلس بہت دور سے نظر آتا ہے۔ بدھ یاتری گوتم

کے جشن سالگرہ کے موقع پر دنیا بھر سے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس وقت پورے مندر میں چراغاں کیا جاتا ہے اور گوتم کے قدموں میں عطیات نچھاور کئے جاتے ہیں۔ اس بڑے مندر کی پتھر کی بنی ہوئی عمارت میں چھوٹی چھوٹی مورتیاں منقش ہیں۔ ان مورتیوں کے ذریعے سنگ تراشوں نے بڑی جاں فشانی سے گوتم کی پوری زندگی اور تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ گیا کے ایک جانب ندی ہے اور تین اطراف میں پہاڑیاں ہیں۔ بدھ گیا میں قدم رکھتے ہی انکا میرے سر سے یہ کہتے ہوئے اتر گئی۔ '' تمہارے لئے اب یہی محفوظ جگہ رہ گئی ہے۔ جب میری ضرورت ہو، اس علاقے سے باہر آ جانا، میں وہاں منتظر ملوں گی۔ اندر جا کر تم کمپالا کا پتا پوچھنا اور سنو جمیل!'' اس نے مجھے نصیحت کی۔ '' یہاں لوگوں کو ناراض کرنے کے بجائے دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ یہ وقت نکل جائے گا لیکن اچھے وقت کے لئے تمہیں برا وقت گزارنا ہوگا۔''

میں نے اس کی تسلیوں کا کوئی جواب نہیں دیا، مجہول انداز میں سر لٹکائے گریبان چاک میں چھوٹے چھوٹے مندروں سے گزرنے لگا۔ اس بستی میں بھکشوؤں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گوتم بدھ کو یہ دنیا چھوڑے ہوئے چند ہی دن ہوئے ہیں۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کئی بھکشوؤں نے مجھے تشویش سے دیکھا لیکن انہوں نے میرا راستہ نہیں روکا۔ میں ان میں کمپالا کو تلاش کر رہا تھا۔ کمپالا جو تبت کا کوئی بہت بڑا بھکشو تھا۔ بمبئی سے گیا آ گیا تھا تاکہ گوتم بدھ کے جشن سال گرہ میں شریک ہو سکے۔ بمبئی سے مجھے چلتے ہوئے سات آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ میں اس اعتبار سے ہندوستان کا منفرد شخص ہوں کہ میں نے ایک سمت سے دوسری سمت طویل ترین راستوں پر پیدل سفر کیا ہے۔ ہندوستان کی متنوع اور رنگا رنگ تہذیب کے موضوع مجھ سے بہتر جاننے والے شاید ہی چند اور اشخاص ہوں گے لیکن یہ موقع ہندوستان کے تہذیبی تضاد بیان کرنے کا نہیں ہے۔ یہ تو میری تیرہ بختیوں کی سرگزشت ہے۔

کاش میں کمپالا کی ہدایت کے مطابق اس کے ساتھ تبت چلا جاتا اور میری زندگی سے یہ جو سات آٹھ ماہ کم ہو گئے تھے، وہ بچ جاتے، لیکن کتنے کاش، کتنی حسرتیں! کسے معلوم تھا کہ موت بھی ناراض رہے گی۔ وہ مجھے سسکا سسکا کر مارنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھے کہ انہوں نے ایک عرصے تک مجھے زندہ رکھنے کے باوجود زندگی سے دور رکھا اور میں یوں ہی رہا۔

مندر کا سارا علاقہ پُرسکون تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے ایک نوعمر بھکشو کو روک کر نرمی سے پوچھا۔ '' بھائی! کیا یہاں کمپالا سے ملاقات ہو سکتی ہے؟''

'' کمپالا!'' اس نے حیرت سے دہرایا۔ '' تم اسے کیسے جانتے ہو؟''

میں نے مختصراً اسے اپنی ملاقات کا سارا واقعہ سنایا۔ اس نے محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھا

اور کہنے لگا۔ ''وہ ایک عظیم بھکشو ہے اور تبت واپس چلا گیا ہے لیکن تم میرے ساتھ رہو۔ میری کٹیا اس بستی میں موجود ہے۔ میں تمہارے من کو شانت رکھنے کے لئے شاکیہ منی کی آفاقی تعلیمات کا رس پلاؤں گا۔ جلد ہی کوئی قافلہ تبت روانہ ہوگا، میں تمہیں ان کے ساتھ روانہ کردوں گا۔''

میں اپنے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ میں نے تھکے ہوئے انداز میں گردن ہلا دی۔ اس نوجوان کا نام ناگرا تھا۔ وہ مجھے گوتم کی سب سے بڑی مورتی کے سامنے لے گیا جس پر سونا اور ہیرے جواہر لگے ہوئے تھے اور اس نے مجھے وہاں کھڑا کر کے بڑی عقیدت سے کہا۔

''شاکیہ منی۔ شانتی کے دیوتا۔ یہ شخص تیرے سامنے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ آیا ہے۔ اسے سچائی کا راستہ دکھا۔'' وہ چاہتا تھا کہ میں بھی اس کے الفاظ دہراؤں لیکن کوشش کے باوجود میرے منہ سے کچھ نہیں نکل سکا۔ میں اس کے ساتھ گم صم کھڑا رہا۔ گوتم کی اس مورتی کے سامنے دن بھر زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس علاقے میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور انجماد محسوس ہوتا تھا جو گوتم بدھ کی تعلیمات اور اس کی زندگی کی عکاسی کرتا تھا۔ میں نے بدھ مت کے متعلق کبھی کسی پہلو سے نہیں سوچا۔ قسمت مجھے یہاں لے آئی تھی۔ میں خود نہیں آیا تھا، مجھے یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ انکا مجھے یہاں لے کر آئی تھی تو یقیناً اس کا کوئی مقصد ہوگا۔ کلپنا کا ایما بھی اس میں شامل تھا۔ میں تو بے زبان جانور تھا جسے جس طرف ہنکا دیا جاتا تھا، چلا جاتا لیکن بدھ گیا کے پُراسرار ماحول میں بیٹھ کر مجھے کمپالا کی کہی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔ ناگرا نے نے مجھے اپنے حجرے میں ٹھہرایا۔ رات کو جب وہ عبادت اور مندر کے کاموں سے فارغ ہونے پر آتا تو مجھ سے اپنے مت اور بدھ کے پیغام کے بارے میں گفتگو کرنے لگتا۔ اس گفتگو سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اس آگ میں جل رہا تھا جسے ناگرا کی شیریں اور ٹھنڈی باتیں نہیں بجھا سکتی تھیں۔ ناگرا کا دل رکھنے کی خاطر میں اس کی باتیں توجہ سے سن لیا کرتا تھا۔ ناگرا کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اہنسا اور شانتی کے باوجود اس کے دل میں ہندو دھرم سے ایک عناد ہے۔ میں نے مختصراً اسے اپنی سرگزشت سنائی۔ اس نے تبت کی عبادت گاہوں، تطہیر قلب اور مراقبے کی کئی مشقوں کے بارے میں مجھے بتایا۔ مجھے اپنے قلب کی تطہیر کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے خود ہی ایک سادہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن میرا فیصلہ بدری نرائن کی موت و زندگی سے مشروط تھا۔ ناگرا میری روداد سن کر حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے کمپالا کے پاس تبت ضرور جانا چاہئے۔ وہ میری مدد ضرور کرے گا۔

رفتہ رفتہ میں ان کے طریقہ عبادت اور ان کے فلسفہ مذہب سے واقف ہو گیا لیکن یہاں کی زندگی میں یکسانی تھی، بہت کم لوگ اصل بھکشو کے درجے تک پہنچ پاتے تھے۔ باقی تو نفس کو مارتے مارتے راستے میں بھٹک جاتے تھے۔ میرے دوست ناگرا کی باتیں دل لبھانے والی تھیں۔ اگر مجھے کوئی الجھن

نہ ہوتی تو میں ان باتوں کے سحر میں کھو جاتا۔ میں ایک سیماب صفت آدمی اس یکسانیت سے اکتا گیا۔ میں ایک مہینے کی مدت میں صرف ایک بار پگوڈا سے باہر گیا تھا۔ انکا، بدھ گیا کی حدود سے باہر آتے ہی میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے بدھوں کے ایک قافلے کے متعلق بتایا جو اگلی چودھویں کو تبت کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ انکا بھی تنہائی سے بیزار تھی۔ میں اس کے زرد چہرے اور اداس باتوں سے گھبرا گیا اور جلد ہی مندر میں واپس آ گیا۔ وہ میری محبوبہ، میری دل و جانی، میری انکا بڑی مستعدی کے ساتھ بدھ گیا کے علاقے کے باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔

چودھویں کی رات کو مہاتما بدھ کی مورتی کے سامنے پچیس افراد پر مشتمل بھکشوؤں کی ایک جماعت نے اپنے رہبر سے آشیرباد لیا۔ ناگرا نے میری حفاظت کے بارے میں تمام بھکشوں کو خبردار کر دیا تھا۔ ان میں کچھ بھکشو بڑی عمر کے بھی شامل تھے۔ گیروے رنگ کی ایک چادر میرے جسم پر ڈھانپ دی گئی۔ میرا سر مونڈ دیا گیا اور میں خالص بدھ پجاریوں کے روپ میں قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ مندر سے باہر آتے ہی انکا میرے ساتھ ہو گئی۔

گیا کے شمال مشرق میں جہاں بہار کی سرحد آسام سے ملتی ہے، یہ تیس بتیس میل کی لمبی پٹی ہندوستان کو چین سے جدا کرتی ہے۔ یہیں چینی حدود سے پہلے ہمالیائی سلسلے میں بھوٹان اور سکم واقع ہیں۔ ان دونوں جگہوں کا مذہب بودھ اور زبان تبتی ہے۔ سکم کے شمال میں دشوار گزار راہیں طے کر لینے کے بعد کہیں سرزمین تبت آتی ہے جہاں کا حکمراں دلائی لاما ہے۔ یہ پیدل سفر زندگی کو وبال سمجھنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنا مقصد اولین قرار دینے والے بھکشوؤں کی معیت میں گزرا۔ اس قافلے کے لئے تبت میں داخلے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

ہم دشوار گزار پہاڑ، سبزہ زار اور گھنے جنگل عبور کرتے اور مختلف جگہوں پر قیام کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جگہ جگہ پہاڑ کاٹ کر بدھوں کی عبادت گاہیں بنائی گئی تھیں۔ یہاں ایسی عمارتیں بھی موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ٹیکسلا کی خانقاہیں جن حضرات نے دیکھی ہیں وہ ان وسیع و عریض پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی عمارتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہاں چیڑ کے لمبے لمبے درخت پہاڑی ڈھلوانوں پر اس طرح کھڑے ہیں جیسے اس کوہستانی سلسلے کی حفاظت کے لئے قدرت نے درختوں کی ایک سیاہ کھڑی کر رکھی ہو۔ کبھی کبھی آس پاس سے پہاڑی چشموں کے زمزمے سنائی دیتے۔ ان جنگلات میں درندے بکثرت ہیں لیکن یہ عام انسانی گزرگاہوں سے دور ہی رہتے ہیں۔

کوئی دو مہینے بعد ہم تبت کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ دو مہینے میں انکا کو خون پینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور جہاں آبادی ملی وہ میرے سر سے اتر کر چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کی چہرے پر

Downloaded from Paksociety.com

تازگی تھی لیکن اس کی زندہ دلی کسی نے چھین لی تھی۔ وہ عام طور پر خاموش رہنے لگی تھی۔ مجھے بھی باتیں کرنا پسند نہیں تھا۔ بدھ بھکشو بھی آپس میں کم باتیں کرتے تھے۔ نفس پر غلبہ، خواہشات مارنا، حسرتوں کی پامالی، اس تثلیث سے میرا گھبرا جانا فطری تھا لیکن میرے سامنے ان لوگوں کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ دس گیارہ ماہ ہو گئے تھے پیدل چلتے چلتے۔ یہاں ہماری جماعت مختلف ٹکڑیوں میں بکھر گئی۔ میری رہنمائی کے لئے دو بھکشو رہ گئے جو ناگرا کے جونیئر تھے۔

آخری دو روز کی مسافت کے بعد مجھے اس مندر میں پہنچا دیا گیا جہاں کمپالا اپنا من شانت رکھتا تھا۔ انکا ان مندروں، پگوڈا اور وٹوبا سے دور رہتی تھی۔

مجھے بھکشوؤں کے لباس میں کمپالا کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ وہ بدھ طالب علموں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس نے درس چھوڑ دیا اور طالب علموں کے درمیان سے گزر کر سیدھا میرے پاس آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”جمیل احمد خان! آخر تمہیں سچائی کے راستے پر آنا پڑا؟“

کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اپنے درد کے اظہار کے لئے لفظ ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ بولا۔ ”میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ اپنے دیوتاؤں کو بھول گئے ہیں۔“

”کمپالا......!“ میں نے سسکتے ہوئے کہا۔ ”تم میری آخری امید ہو۔ میں بہت دور سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں۔“

”تم ایک محفوظ جگہ آ گئے ہو جمیل احمد خان۔ سنو میرے بچے، گوتم نے کہا تھا...... صحیح خیال، صحیح بات چیت، صحیح خواہش، صحیح کردار، صحیح زندگی، صحیح کوشش، صحیح غور و فکر، صحیح راہ...... اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ یہی من کا اجلا پن ہے۔ تمہارے اندر بہت سی طاقتیں ہیں مگر تم نے کبھی انہیں بروئے کار لانے کا ارادہ نہیں کیا۔ تم دوسروں کے سہارے پر پڑے رہے۔ تم نے ایک چھوکری ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ تم خواہشوں میں گھر گئے۔ میں تمہیں ایک نئی زندگی دوں گا۔ ایسی زندگی جس میں چھاؤں ہے، ٹھنڈک ہے، صفائی، سچائی ہے۔“

میں اس کی باتیں دل میں اتار رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا۔ ”میرے یہاں آنے کا مقصد تمہیں معلوم ہے، میں اس سے محفوظ رہنا چاہتا تھا اور اسے نیست و نابود کرنے کے لئے تم سے مدد لینا چاہتا تھا۔“ آخر میں میری آواز بھرانے لگی۔

”تشدد کا راستہ چھوڑ دو اور خود اپنے اندر چھپا ہوا خزانہ باہر لاؤ۔ جب تم اپنی صلاحیتوں سے دولت مند ہو جاؤ گے تو تمہارے تمام دکھ ختم ہو جائیں گے۔“ اس نے میٹھی آواز میں کہا

”میں اس کی موجودگی میں کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ میں ساری زندگی عدم تشدد کا وعدہ کرتا ہوں مگر مجھے ایک تشدد کی اجازت دو۔ میری ہستی اس کی موت کی پابند ہے۔“

”تم ابھی یہاں نئے آئے ہو۔ میں تم سے کوئی اصرار نہیں کروں گا۔ تمہارے من کی صفائی میں ایک عرصہ لگے گا میرے بچے، یہاں کے مندروں میں بھیڑ رہتی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے چالیس میل دور جنگل میں لے جاؤں گا جہاں میں اپنے دوست کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دے دوں گا۔ اس کی صحبت میں تمہیں سکون نصیب ہو جائے گا اور تم دیکھو گے۔ تم دیکھو گے جمیل احمد خان کہ تمہارے اندر کتنی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، دنیا کا خیال چھوڑ دو۔ دنیا لذت و رغبت کی جگہ ہے۔ وہاں کسی کا من اجلا نہیں ہے۔“

کمپالا کے مربیانہ طرز گفتگو سے میں اور الجھ گیا۔ وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جو میرے غم کا مداوا نہیں بن سکتی تھیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں اسے بدری نرائن کو ختم کرنے کے لئے کسی خطرناک قسم کے عمل پر آمادہ کر لوں گا مگر وہ مجھے ایسی نصیحتیں کر رہا تھا جیسے میں اس کے سامنے کوئی بچہ ہوں۔ جیسے میں راستے سے بھٹک گیا ہوں، جیسے اس کے ہاتھ میں میری انگلی ہو اور مجھے اس کے اشاروں پر چلنا چاہئے۔ میں یہاں سے ابھی واپس بھی نہیں جا سکتا تھا اسی لئے میں نے ناکام ہو کر اپنی انگلی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ اپنے بڑے حجرے میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھنٹوں ہلے بغیر ساکت و جامد بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی ہے۔ جیسے ساری دنیا اس کے سامنے ہیچ ہے۔ جیسے وہ دنیا کی طرف استہزا کی نظر سے دیکھ کر مسکرا دیا ہو۔ یہ بات میں نے ہندو پنڈتوں میں بھی دیکھی تھی مگر کمپالا کی بات اور تھی۔ اس کا سکون سب سے مختلف تھا۔

دوسرے دن میں تبت کے مندروں میں گھومتا رہا۔ انکا کبھی میرے سر پر آ جاتی، کبھی چلی جاتی۔ جب میں نے اس سے کمپالا کے دوست کے پاس جانے کے متعلق کہا تو اس نے مجھے وہاں جانے سے نہیں روکا۔ انکا کی دلدوز گفتگو بیان کروں گا تو بہت سی باتیں رہ جائیں گی۔ ان افسردہ، غم زدہ باتوں کا کیا ذکر؟ اور دکھڑے بیان کرنے کے لئے کیا کم ہیں۔

اس سے اگلے روز دو خچروں پر بیٹھ کر میں اور کمپالا ایک ایسی جگہ روانہ ہوئے جو اونچے پہاڑوں اور فلک بوس درختوں کے درمیان واقع تھی۔ راستے میں کمپالا اپنے دوست نندا کی روحانی بصیرت کے متعلق مجھے عجیب عجیب واقعات سناتا رہا۔ خود کمپالا نے بھکشوؤں میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا۔ نندا نے اپنی عبادت کے لئے ایک خاموش جگہ منتخب کی تھی۔ ہم سہ پہر کو وہاں پہنچے۔ وہ کوئی بڑی عمارت نہیں تھی لیکن وہاں گوتم کی ایک بڑی مورتی ایستادہ تھی۔ نندا ایک پاگل شخص معلوم ہوا۔ اس کا لباس عام بدھ بھکشوؤں کی طرح صاف اور اجلا نہیں تھا۔ کمپالا مجھے اس کے مکان یا عبادت گاہ میں باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ برآمد ہوا تو اس کے ساتھ گندمی رنگ کا ایک ساٹھ سالہ شخص تھا۔ اس کی صحت اس کی عمر

کے باوجود بھی قابل رشک تھا۔ اس نے میری طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ان نظروں میں بدھ بھکشوؤں کی وہ شفقت نہیں تھی جس نے مجھے بڑا سہارا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کرختگی دیکھ کر میرے رگ و پے میں سرد لہر دوڑ گئی۔ میں کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہ ٹھوس آواز میں بولا۔ ''تو ان مداریوں میں پھنس گیا جن سے میں پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔''

پُراسرار بھکشو کا حلیہ اور انداز میرے لئے پریشان کن تھا۔ انکا وہاں موجود نہیں تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر لگی کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ میری طرف سے کپالا نے جواب دیا۔ ''بہرحال نندا۔ اب یہ تمہارے سپرد ہے۔ تمہیں اس پر پورا اختیار حاصل ہے۔''

''اس کے من میں میل جمی ہوئی ہے۔'' نندا نے درشتی سے کہا۔ ''پر یہ یہاں چل کر آیا ہے تو میں اسے مایوس نہیں کروں گا اور کپالا! تم اسے لائے ہو۔ تم جو یہ جانتے ہو کہ ابھی مجھے اس کا اعتماد بھی حاصل نہیں ہوا کہ اس نے میرے ناکردہ گناہ معاف کردئے ہیں۔''

''تم شاکیہ منی کے عظیم پیرو ہو۔ پچھلی باتیں بھول جاؤ نندا، گوتم کے پیروؤں کو تمہاری ضرورت ہے۔''

''اب میں باہر کیا آؤں گا۔ میرا چہرہ سیاہ ہے۔'' نندا نے کہا۔ یہ نندا کا عجز تھا یا اس گفتگو کا کوئی مقصد تھا، میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کپالا مجھے اس کے سپرد کر کے شام کو رخصت ہو گیا۔ شام کے وقت اس سنسان جگہ ہول سا آتا تھا۔ نندا نے مجھے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا لیکن اس اندھیری کوٹھری میں میرا دل نہ لگا اور میں اس کے جاتے ہی باہر نکل آیا اور اس چھوٹے سے مندر میں گھس گیا۔ اندر جا کر میں نے دیکھا، نندا گوتم کی بڑی مورتی کے قدموں میں پڑا سسک رہا ہے اور اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز مکان کی دیواروں میں گونج رہی ہے۔ ''شاکیہ منی، تو جانتا ہے کہ تیرے بھکشو نے اپنے گناہ کی معافی کے لئے کتنی کٹھنائیاں جھیلی ہیں۔ تو مجھے معاف کردے۔ میں اپنے پچھلے دنوں کا گناہ گار ہوں شاکیہ منی جو میں نے تیرے دھرم کی نفی کرنے والوں کے ساتھ گزارے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا تو میں ایک لمحے بھی وہاں نہ رکا...... میرے ہردے کی اگنی ٹھنڈی کر۔ مجھے شا کردے شاکیہ منی۔ تیرا بھکشو تیرے پاس پہنچنے والا ہے۔''

مورتی سے باتیں ختم کرنے کے بعد وہ پُراسرار شخص وہاں سے اٹھا۔ میں حیران و ششدر اپنی جگہ کھڑا تھا۔ مڑ کر اس نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ پھر وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ ''تم نے شاکیہ منی سے میری باتیں سن لیں؟ تمہیں بھی شانتی کی ضرورت ہے، مجھے بھی۔ تم نے بھی مصیبتیں جھیلی ہیں، میں نے بھی۔ تم نے بھی ان لوگوں کا دکھ سہا ہے، میں نے بھی۔ میں اس کا بھکشو ہوں۔ پچھلے جنم میں بھی تھا اور اس سے پہلے نہ جانے کتنے جنموں سے میں اس کے ساتھ ہوں۔ پچھلے جنم

میں نروان حاصل کرنے کے بعد میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا اور میں نے ایک پہاڑی سے گر کر خودکشی کرلی تھی۔ اس کے بعد میں نے ایک ہندو برہمن کے گھر جنم لیا۔ میں پچپن سال تک ہندو دھرم سے متعلق رہا اور میں نے تپسیا، جاپ کر کے ہندو پجاریوں میں ایک بڑا درجہ حاصل کرلیا لیکن پچپن سال کے بعد جب مجھے ہندوؤں کے ایک بڑے پجاری کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا، مجھ پر اپنے علم اور عرفان سے یہ نکتہ وا ہوا کہ میں سچائی کے راستے پر نہیں ہوں۔ میں نے بدھ مت کی طرف دیکھا اور ایک رات، میں نے اپنے اضطراب میں شاکیہ منی کو اپنے قریب محسوس کیا۔ اس کے بعد ہندو دھرم میں میرا جی نہیں لگا اور میں نے اپنی کٹیا میں بند ہو کر مراقبہ شروع کردیا۔ مراقبے کے ایک عالم میں مجھے اپنی پچھلی زندگی، پچھلے جنم صاف نظر آئے اور میں نے اسی دن ہندو دھرم چھوڑ دیا۔ وہ لوگ میرے دشمن ہو گئے اور انہوں نے تمہاری طرح مجھے اذیتیں دینی شروع کردیں لیکن میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا اور پھر میں یہاں تبت میں شاکیہ منی کے قدموں میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہندو دھرم کے چولے میں شاکیہ منی کے خلاف بہت زہر اگلا ہے اور میں ان کے ساتھ ساتھ رہا ہوں جو شاکیہ منی کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ دنیا کے تمام حصوں میں بغاوت ہوئی اور بدھ مت کی امر تعلیمات نئے زمانوں کی خواہشوں سے مٹنے لگیں۔ تبت ان سے محفوظ رہا لیکن جب ایک بھکشو پاٹلی پتر سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا تو اس نے برہمنوں کی افترا پردازی کے متعلق بتایا۔ کاش شاکیہ منی مجھے اجازت دیتا تو میں ان پاپیوں کو اس کی حرمت کا مذاق اڑانے کی سزائیں دیتا۔ ان پاپیوں نے شاکیہ منی کو وشنو کا نواں اوتار بتا کر ہندو دھرم میں بدھ مت کو ملانے کی کوشش کی۔ کاش مجھے شاکیہ منی اجازت دے کہ میں تھوڑے عرصے کے لئے اہنسا کو خیرباد کہہ دوں۔''

وہ مجھ سے اس طرح باتیں کرتا رہا جیسے میں اس کا کوئی رفیق ہوں۔ اس کی ذہنی حالت اتنی دگرگوں تھی کہ اس نے دوسری ملاقات میں اپنے دل کا غبار مجھ پر عیاں کردیا اور شروع میں اس سے مجھے جو ایک خوف سا محسوس ہو رہا تھا وہ ختم ہونے لگا۔ بولتے بولتے کبھی اس کے لہجے میں تختی آ جاتی تھی۔ رات گئے تک میں اس کی خوشامدیں کرتا رہا۔ پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ صحیح جگہ پہنچ گیا ہوں۔ مجھے نندا سے طاقت کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔ یہ غلطیاں میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ مجھے اس سے اپنی خفتہ صلاحیتیں بیدار کرنے کی مشقیں کرنی چاہئیں۔ میں اس گفتگو کے دوران اپنے دل کی بات نہ چھپا سکا۔ میں نے کہا۔ ''نندا جی۔ تمہیں سب معلوم ہو گا۔ میں بدری نرائن کو کشٹ دینا چاہتا ہوں۔ اس کے سوا میرے دل میں کوئی تمنا نہیں ہے۔''

''بالک! کیا تو اس دشٹ پجاری سے بہت خائف ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں نندا جی مہاراج!''

Downloaded from Paksociety.com

"جی جی جی۔" پھر وہ کچھ رک کر بولا۔ "مجھے سب معلوم ہے مگر یہ سب تجھ پر منحصر ہے۔ کل سے تو تمام دھیان ہٹا کر ایک دھیان ہو جا۔ میں تیرے پاس ہوں۔ میں تجھ سے پہلے کچھ نہیں کہتا لیکن میں تجھے بتاتا ہوں کہ آدمی، آدمی ہونے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اگر تو نے دھوپ، بارش اور سردی برداشت کر لی اور تو نے اپنا من برف کی تہہ میں رکھ دیا تو تیرا چھپا ہوا آدمی بیدار ہو گا جو ابھی تک سویا ہوا ہے۔"

"نندا جی! میں ہر بات کے لئے تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"اس سندر ناری کا خیال بھی چھوڑ دے جو یہاں آتے ہوئے گھبراتی ہے۔ اب وہ ان گپھاؤں میں تنہا پھر رہی ہے۔ اس سے کہہ دے کہ وہ اس لڑکی کے سر پر چلی جائے جسے تو نے پتری سمجھا ہے۔" نندا نے مجھے ہدایت کی۔

"ٹھیک ہے نندا جی۔ میں اسے وہاں بھیج دیتا ہوں، کیا اسے کوئی خطرہ ہے؟" میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"نہیں۔ پر وہ اس کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ وہ اکیلی ناری اس لڑکی کی کب تک حفاظت کرے گی۔"

نندا کلدیپ کے متعلق کہہ رہا تھا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ نندا کتنی دور تک دیکھ سکتا ہے۔ میں اسی وقت باہر نکل گیا اور انکا میری سر پر آئی تو میں نے اسے وہاں جانے اور ترئین کی حفاظت کرنے کے لئے تبت سے رخصت کر دیا اور اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر نندا کے پاس چلا آیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن نندا نے مجھے ایک خاص انداز میں بٹھا کر مجھے آنکھیں ایک سمت مرکوز کرنے کی ہدایت کی اور ہلنے جلنے سے منع کیا۔ اس سے اگلے دن اس مشق کا وقت اس نے بڑھا دیا۔ چوتھے دن میری آنکھوں میں درد ہونے لگا اور ایک طرف دیکھتے دیکھتے وہ پتھرانے سی لگیں، لیکن میں دل پہ جبر کئے بیٹھا رہا۔ میں اپنا تخیل اور تصور یکسو کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ میری آنکھیں ایک سمت، درخت کی طرف مرکوز تھیں اور چیونٹیاں میرے جسم پر رینگ رہی تھیں لیکن میں نے ہونٹ بھینچ کر انہیں اپنے جسم پر نشتر لگانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میرا جسم اینٹھنے لگا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرے لپک جاتے تھے۔ پانچویں دن نندا جب میرے سامنے سے ہٹا تو میرا جی چاہا کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ میرے جسم میں سوئیاں چبھ رہی تھیں۔

تصور اور تخیل یکسو کرنا آسان بات نہیں ہے۔

جس نے خیال کا بے لگام گھوڑا قابو میں کر لیا اس نے خود پر قبضہ کر لیا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں رہا تھا۔ بدھ بھکشو کپالا کا خیال تھا کہ مجھے اپنے دل و دماغ کی صفائی کرنی چاہئے۔ وہ کہتا تھا کہ ہر

شخص کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں ہوتی ہیں جن سے اسے کام لینا نہیں آتا۔ اس کا انداز مذہبی سے زیادہ سائنسی تھا جیسے کوئی کہہ رہا ہوں کہ ورزش کرو، تمہارا جسم طاقت ور ہو جائے گا۔ وہ کہتا تھا کہ تپسیا اور مراقبہ ذہن کی خفیہ صلاحتیں ابھارنے کی ورزش ہے۔ کپالا سے زیادہ مجھے نندا نے متاثر کیا۔ اس کی حالت پاگلوں کی سی تھی۔ وہ تبت کے اس سنسان مقام پر گوتم کے خیال میں مست تھا اور اسے خوف تھا کہ شاکیہ منی اس سے ابھی تک ناراض ہے۔ نندا آدمی کے دل میں گھسا رہتا تھا۔ اس کی آنکھیں دل میں کھب جاتی تھیں۔ اس کی سختی میں ایک شفقت تھی۔ اس نے مجھے تصور اور تخیل یکسو کرنے کا جو عمل بتایا تھا، اسے متواتر جاری رکھنا پڑا۔ شروع شروع میں مجھے اذیت ناک تکلیف کا احساس ہوا۔ کئی بار جسم پر چیونٹیوں کے رینگنے اور کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے میرا جی چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں اور انکا کو ترئین کے پاس سے بلا لوں۔ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے لیکن میں بھاگ کر کہاں جاتا؟ ہندوستان کی سرزمین پر بسنے والے پنڈت پجاری اور وہاں کی پولیس والے خون آشام درندوں کی طرح میری تاک میں گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں جبر کر کے اپنے حالات سے مفاہمت کرنے پر مجبور تھا اور یہاں تبت کی پہاڑیوں پر نندا کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے جیل کے دن دیکھے تھے اور سڑکوں پر بھیک مانگی تھی۔ یہ جگہ تو بڑی پُرسکون تھی۔ یہاں کسی کے آنے اور مجھے پریشان کرنے کا خدشہ نہیں تھا۔ ہر طرف سبزہ تھا اور نندا جیسا مہربان شخص میرے ساتھ تھا۔ جب میں یہ سوچتا تو ساری تکلیفیں بھول جاتا اور پوری تن دہی سے اپنے مراقبے میں کھو جاتا۔

نندا نے سچ کہا تھا انسان اگر خود کو مارے تو امر ہو جاتا ہے۔ میں اس کے اشارے سینے سے چپکاتا رہا۔ دو ماہ کی مدت میں جب میں نے ارتکاز ذہن کی مشق پوری کر لی تو خود مجھے اپنے اندر نمایاں تبدیلیوں کا احساس ہوا۔ میں بڑی حد تک اپنے منتشر خیالوں اور اپنے پراگندہ دماغ پر حاوی ہو گیا تھا۔ ایک طرح کی طمانیت اور ٹھہراؤ سا مجھے محسوس ہونے لگا تھا۔ روز میری مشق کی مدت بڑھ جاتی تھی۔ یوں بھی میں مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ مضبوط اعصاب کا نہ ہوتا تو ایسے حالات میں کب تک زندہ رہتا۔ ایک شام اپنا عمل ختم کرنے کے بعد میں نندا کو یہ خوش خبری سنانے گیا کہ اب مجھے اپنے کام میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ میں بڑی آسانی سے گھنٹوں ایک جگہ یکسو ہو کر بیٹھ سکتا ہوں۔ نندا چھوٹے مندر میں شب و روز عبادت میں مصروف رہتا تھا۔

"میرے لئے اب کیا حکم ہے نندا جی!" میں نے اس کی محویت میں دخل دیا۔

اس نے اپنی ویران آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ "تو آ گیا۔" اس نے چونک کر کہا۔ "آگے راستہ مشکل ہے۔ میری مان، اپنی دنیا میں لوٹ جا۔ شاکیہ منی نے میرے گناہ ابھی تک معاف نہیں کئے ہیں۔ میں تمہارہ کر گوتم سے لو لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے معاف کر دے گا۔ تو اگر یہاں رہا

تو میں......"

"میں اب کہاں جاؤں گا نندا جی مہاراج!" میں نے عاجزی سے کہا۔ "اگر تمہارا سہارا بھی چھن گیا تو پھر میں خود کو ان پہاڑوں سے گرالوں گا۔"

"تو کمپالا کے پاس واپس چلا جا۔" نندا نے روکھے لہجے میں کہا۔ "وہ بھی تجھے منش بنا سکتا ہے۔"

"میں اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" میں نے بڑھ کر نندا کے پیر تھام لئے۔ "کیا مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہے جو آج پھر تم مجھے دھتکار رہے ہو؟ کیا میں غلط وقت پر آ گیا ہوں؟ مگر میں تو روز اسی طرح آتا ہوں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے نندا جی؟ تم اپنے سیوک سے آنکھیں کیوں پھیر رہے ہو؟"

"دیکھ۔ تیرا من اجلا ہونے میں دن لگیں گے۔ تو پہلے ہی بہت بھٹکا ہوا ہے۔ تو نے اپنا سارا جیون رنگ رلیوں میں برباد کیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تو ثابت قدم نہیں رہے گا۔ میرا وقت کم ہے اسے برباد نہ کر۔ اگر شاکیہ منی کو میں نے کم وقت میں نہ منالیا تو پھر مجھے ایک اور جنم لینا پڑے گا، تو کمپالا کے پاس چلا جا۔"

"نندا جی! اب یہ ناممکن ہے۔" میں نے فیصلہ کن آواز کہا۔ "یا تو میری مدد کرو یا میں شاکیہ منی کی مورتی سے ٹکریں مار مار کر اپنی زندگی موت کے حوالے کردوں گا۔ مجھے مایوس نہ کرو مہاراج! یہ آج تم کیسے بدل گئے ہو؟"

اس نے ایک جھرجھری لی اور میری طرف گھور کر دیکھنے لگا۔

"میں اپنی تمام غلطیاں تسلیم کرتا ہوں لیکن کیا مجھے بھی تمہاری طرح ایک پُرسکون مستقبل کی تلاش نہیں ہے۔ میں تمہیں وچن دیتا ہو کہ اب کبھی اپنے ماضی کا رنگ اپنے آپ پر نہیں چڑھنے نہیں دوں گا۔ میں بنتی کرتا ہوں مہاراج! میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔ میں تمہارے دوار سے خالی نہیں جاؤں گا۔ چاہے تم مجھے مار مار کر نکالو۔"

میں گڑگڑا کر نندا سے منت سماجت کرتا رہا۔ اس پر گاہے گاہے پاگل پن کے دورے پڑتے تھے۔ میں اس کی عادت سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ اکثر مجھے جھڑک دیا کرتا تھا لیکن آج اس نے مجھے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو میری تشویش دو چند ہوگئی۔ وہ مورتی کے سامنے سے اٹھ کر ایک جدید ٹھوس چٹان کی مانند میرے روبرو کھڑا ہو گیا۔ پتھر میں جونک لگنے کے لئے وقت درکار تھا۔ شاید وہ مزید مشقوں کے لئے میرا ارادہ آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ میری آہ وزاری جاری رہی۔ نندا کے چہرے کے کرخت تاثر آہستہ آہستہ نرم پڑ رہے تھے۔ اسے شاید یقین ہو چلا تھا کہ میں کمزور ارادے کا شخص نہیں ہوں اور میں نے جو طے کرلیا ہے اس پر ثابت قدم رہوں گا اور مستقبل میں کی جانے والی اذیت ناک مشقوں کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے شانوں سے تھام کر اٹھالیا [illegible]

"خوب سوچ لے۔ منش بننے کے لئے تجھے اپنے آپ کو یکسر بدلنا ہوگا۔ میں تجھے نراش نہیں کروں گا۔ اگر تو اپنے پیروں پر کھڑا رہا اور تیرے جسم نے تیرا ساتھ دیا تو دیکھنا کہ تو کیا سے کیا ہو جائے گا۔ پر مجھے وچن دے کہ آئندہ کسی بے گناہ کو کشٹ نہیں دے گا، اہنسا پر کاربند رہے گا۔"

"میں وچن دیتا ہوں مہاراج! جو تم کہو گے وہی کروں گا۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

نندا مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ گوتم کی مورتی کی پشت پر جا کر وہ ایک تاریک اور شکستہ زینے سے نیچے کی سمت اترنے لگا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ آنے والے لمحوں نے تجسس اور حیرت کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ سیڑھیاں طے کر کے میں نیچے پہنچا تو مجھے شدید گھٹن کا احساس ہوا۔ ہم اس وقت کسی ویران عبادت گاہ کے بچے کھچے کھنڈروں میں کھڑے تھے۔ میرے اطراف شکستہ مورتیاں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ ہر شے پر گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ جگہ برسوں سے استعمال نہ کی گئی ہو۔ نندا چند لمحے خاموش کھڑا حسرت ناک نظروں سے ماحول دیکھتا رہا، پھر وہ گوتم کے ایک بڑے بت کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر اس نے بت کو دیوانہ وار دونوں ہاتھوں سے صاف کرنا شروع کر دیا۔ گرد کی تہیں ہٹیں تو میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ بت کسی ٹھوس دھات کا بنا ہوا ہے۔ اندھیرے کے باعث میں یہ طے نہ کر سکا کہ وہ سونے کا ہے یا پیتل کا؟ البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ وصناعی کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ نندا چند لمحوں تک پوری یکسوئی سے بت کے سامنے کھڑا رہا۔ وہ مجنونانہ کیفیت میں اپنا سر بت کے قدموں سے رگڑ رہا تھا اور بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔ اس کے رونے کا انداز انتہائی دردناک تھا۔ دیر تک اس کی سسکیاں کھنڈر میں گونجتی رہیں پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ وہ بت سے مخاطب تھا۔ "شاکیہ منی، مجھے شانتی دے۔ میرے من میں پچپن سال کے گناہوں کی آگ ابھی تک سلگ رہی ہے۔ شاکیہ منی، میں نے کبھی کسی کو کشٹ دینے کی کوشش نہیں کی۔ میں ہندو دھرم میں بھی تیرے مسلک اہنسا پر کاربند رہا۔ پر یہ کیسا دھواں ہے جو میرے سینے سے اٹھ رہا ہے؟ میرے ہاتھ ان سے انتقام لینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ تیرا مذاق اڑایا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا شاکیہ منی! مجھے اپنے پاس بلا لے۔" نندا کے آنسو گوتم بدھ سے اس کی عقیدت کے ترجمان تھے۔ میں اس کی باتیں کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندو دھرم میں گزارنے پر گوتم بدھ سے پشیمان تھا۔ یہ پشیمانی کوئی ختم نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ اس کی سانس بند نہ ہو جائے۔ شاید وہ گوتم بدھ کے ساتھ میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ پھر اچانک وہ قدموں سے اٹھا اور کسی قدر ہوشمندی سے بولا۔ "شاکیہ منی! یہ منش جو میرے ساتھ آیا ہے، میری طرح پاپی ہے۔ اسے بھی میری طرح شانتی

کی ضرورت ہے۔تو شانتی کا دیوتا ہے۔میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔'' پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔''تو بدھ بھکشوؤں کے سوا وہ پہلا منش ہے جو ان کھنڈروں میں میرے ساتھ آیا ہے۔یہاں شانتی ہی شانتی ہے۔یہاں تو شاکیہ منی کے ساتھ بیٹھ کر اور اس کی طرف دھیان لگا کر تپسیا کر۔اپنا من مار لے، ہر طرف سے آنکھیں بند کر لے۔''

''میں تیار ہوں نندا جی!'' میں نے تیزی سے کہا۔

''شاکیہ منی کے سامنے مجھے نراش مت کرنا۔اب سب کچھ بھول جا کہ تو کون ہے، تیرا نام کیا ہے، تو کن لوگوں سے متعلق ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ صبح ہوگئی، شام ہوگئی ہے۔برسات ہوگئی ہے۔آکاش جل رہا ہے۔''

''میں سب کچھ بھول جاؤں گا لیکن......''

''لیکن تو دشت بدری نرائن کو نہیں بھول سکتا؟ کیوں؟'' نندا نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔''میں اس کی موجودگی میں اپنا دل شانت نہیں رکھ سکتا۔اس نے میرے ہردے میں گھاؤ پیدا کئے ہیں۔ان ناسوروں کے بھرنے میں وقت لگے گا۔میں نے عہد کیا ہے کہ میں تم سے ہمیشہ سچ بولوں گا پھر جھوٹ کیسے کہوں۔''

''سن جمیل احمد خان!'' نندا نرمی سے بولا۔''ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔اس کے سوا نیکی کچھ نہیں ہوتی۔ضبط کرنے کی مشق کر، تیرے اندر جواہر پیدا ہوں گے۔اگر تو نے خود سے ایثار کیا اور ضبط قائم رکھا تو کوئی تجھے دکھ نہیں پہنچا سکتا۔میں تجھے اپنی ہندو دھرم کی شکتیاں دان کر سکتا تھا لیکن تو پھر بھی شانت نہیں ہوگا۔میں چاہتا ہوں کہ تیرا من اجلا ہو جائے۔تو سب کو معاف کرنا سیکھ لے اور تیرے شریر میں ایسی شکتی پیدا ہو جائے کہ کوئی شکتی تجھ پر حاوی نہ آ سکے۔سمجھا، اب میری پچھلی شکتی تیرے کسی کام کی نہیں ہے۔اب میں شاکیہ منی کے چرنوں میں ہوں۔میں تجھے اپنی پچھلی شکتی دان کر کے یہاں سے لوٹا سکتا ہوں پر تو بیاکل رہے گا اور تو نے بدری نرائن کو ختم بھی کر دیا تب بھی تیرا من شانت نہیں ہوگا۔میں تجھے منش بنانا چاہتا ہوں۔مورکھ، منش جو اس پاپی سنسار میں آ کر جانور بن جاتا ہے۔''

نندا کی خوش آئند باتیں میرا عزم سوا کر رہی تھیں۔رات کو وہ اپنی کٹیا میں بھی یہی باتیں کرتا رہا پھر اس نے مجھے مراقبے اور ارتکاز کی وقفے دار مشقوں کے متعلق بتایا۔میں نے خود کو نندا کے حوالے کر دیا تھا اور اپنے متعلق سوچنا بند کر دیا تھا۔مجھے اس کی باتوں میں امید کی کرن نظر آتی تھی۔اگر وہ مجھے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دیتا تو بھی میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اور پہلی بار میں نے مسلسل ایک دن ایک رخ بیٹھ کر نندا کو خاصا متاثر کر لیا۔میری حالت ایک دن کے اس بغیر حرکت ارتکاز کے بعد کیا تھی؟ میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔جب نندا نے دوسرے دن مجھ سے

مراقبہ ختم کرنے کے لئے کہا تو میری آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔میں جس طرح بیٹھا تھا، اسی طرح ایک طرف لڑھک گیا۔نندا نے میرے شانے پکڑ کر مجھے اٹھایا لیکن میں جلدی ہوش میں آ گیا اور میں نے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں اور پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔وہ میری کمر تھپتھپانے لگا۔دوسرے روز، ایک دن آرام کر کے پھر میں نے ارتکاز میں گزارا۔پھر یہ مدت بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے ایک ہفتہ ہو گئی۔اب میں نے اپنی مسمار حالت پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔نندا کی بتائی ہوئی مشقوں میں مجھے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔مجھے کچھ سکون ہو چلا تھا۔میں صرف اہم واقعات بیان کر رہا ہوں۔بغیر کھائے پئے ایک ہفتے کی مشق آسان نہیں ہوتی۔میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گزری تھی لیکن رفتہ رفتہ بھوک اور پیاس میں شدت نہ رہی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ میں انہیں ضمنی چیزیں سمجھنے لگا۔میں نے صرف پانی پینے پر اکتفا کیا۔ان مشقوں کے دوران میں نے شروع شروع میں عجیب دنیاؤں کی سیر کی۔میں مسلسل اپنے ارتکاز کی مدت بڑھاتا رہا اور مجھے چھوٹی موٹی مشقوں میں چار ماہ گزر چکے تھے۔چار ماہ کے بعد میں اپنے اندر ایک ہلکا پن محسوس کرنے لگا۔میں بہت کم سوچتا اور بہت کم بولتا تھا۔نندا سے بھی کم ہی بات ہوتی تھی۔

میری ہمت اتنی بڑھی کہ میں نے مسلسل ایک ماہ تک مراقبہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔مراقبے میں مجھے ایک طرح کی آسودگی محسوس ہوتی تھی، جیسے میں سو رہا ہوں، جیسے میں اس دنیا میں نہیں ہوں۔میں نے اپنے خیالات اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔میرے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہو گیا تھا لیکن اسی مدت میں، جب میں اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا، جب میری بینائی غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھی، ایک دن اچانک میری آنکھیں دھندلا گئیں۔میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور جسم جھٹک کر پھر یکسو ہونے کی کوشش کرنے لگا۔میرا خیال تھا کہ میں اس عارضی پریشانی پر قابو پا لوں گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ابھی مجھے آنکھیں بند کئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے گوتم بدھ کا بت تڑاخ سے ٹوٹ کر گر گیا ہے اور آندھی سی چل رہی ہے۔پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی ذی حیثیت، بھاری بھرکم شخص میرے سامنے کھڑا ہے اور اس کا لباس بدھ بھکشوؤں جیسا ہے اور اس کے چہرے پر نرمی کے بجائے کرختگی ہے۔میں نے اسے اپنے ذہن کا کوئی وہم سمجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔اسی لمحے کھنڈر میں ایک گرج دار آواز گونجی۔''تمہارا سارا جیون پاپ، ہوس اور گندگی سے گزرا ہے۔نندا نے تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔تم کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم گوتم کے چرنوں میں بیٹھو۔'' وہ شخص انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے مخاطب تھا۔میرا جسم لرز رہا تھا۔مجھے معلوم تھا کہ ادھورے ارتکاز سے ذہن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔میں نے بار بار آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن اس کا ہیولا سامنے سے نہیں ہٹا۔ [illegible] اگرچہ جم کر بیٹھا ہوا تھا لیکن

میری یک سوئی کی کیفیت میں خلل پیدا ہو گیا تھا اور میرے جسم میں شدید قسم کا درد سا اٹھنے لگا تھا۔ مگر عین اسی وقت میرے جسم کے اکڑنے اور بے ہوش ہونے سے پہلے نندا چیختا ہوا کھنڈر میں داخل ہوا اور کھنڈر میں اس کی غضب ناک آواز گونجنے لگی۔ ''اپرادھی! پلید آتما کیا تو نہیں جانتا کہ میں یہاں موجود ہوں؟ تو گوتم کے استھان پر اس کے ایک سیوک کو پریشان کرنے آیا ہے؟ ٹھہر میں تجھے ابھی نرک میں پہنچاتا ہوں۔''

نندا کا یہ جملہ ختم ہوتے ہی وہ ہیولا غائب ہو گیا۔ اب میرے سامنے گوتم کا بت اصلی شکل میں موجود تھا۔ نندا فوراً کھنڈر سے باہر نکل گیا۔ آئندہ دو چار روز تک مجھے اسی قسم کی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اپنے جسم کو کوئی حرکت نہیں دی لیکن ایک دن ضبط کا یارا نہ رہا۔ اس روز میں نے اپنی نرگس کو تمام حشر سامانیوں کے ساتھ اپنی سامنے جلوہ گر دیکھا۔ نرگس کی دید نے مجھے گنگ کر دیا۔ وہ اپنے بازو پھیلائے مجھے اپنی جانب بلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حزن کی کیفیت تھی اور ایسا تقدس تھا کہ میں اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی لیکن کچھ دیر بعد ایک بدہئیت مکروہ شخص نے نمودار ہو کر نرگس کو زبردستی اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ اس کا لباس نوچ رہا تھا۔ نرگس نے دہشت انگیز لہجے میں مجھے پکارا۔ ایک لمحے کے لئے میں یہ بھول گیا کہ شیطانی قوتیں مجھے ورغلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ نرگس کو ایک جلاد کے چنگل میں دیکھ کر میری کیا حالت ہوتی؟ لیکن میں نے اسے چیخنے چلانے دیا اور اپنی تمام تر توجہ گوتم کے بت کی طرف مرکوز کر لی۔ میرے کانوں میں نرگس کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ اسی لمحے مجھے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ نندا تھا۔ نندا کے آتے ہی وہ منظر اوجھل ہو گیا۔ اس وقت نندا نے مجھے مخاطب کیا۔ ''جمیل احمد خان! بار بار مجھے کیوں بلاتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اپنا من مضبوط کر۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ تجھے خود ان سے نمٹنا ہوگا۔''

میں نے ایک جھرجھری لے کر نندا کی ہدایت گوش گزار کی اور دوبارہ اپنے مراقبے میں ڈوب گیا۔ اس بار میں نے طے کر لیا تھا کہ کوئی بھی شیطانی طاقت مجھے ورغلانے آئی تو میں اپنے انہماک میں خلل نہیں پیدا ہونے دوں گا۔ اس مضبوط ارادے کے بعد بھی کئی مرتبہ مجھے اس قسم کی پریشانیوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ یہاں تک ہوا کہ میں نے اپنی بیٹی تزئین کو انتہائی شرم ناک حالت میں بدری نرائن سے ملوث پایا۔ بدری نرائن اسے درندوں کی طرح بھنبھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا الم ناک منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر میری روح لرز گئی۔ میں دل کو لاکھ سمجھاتا کہ یہ سب میرے ارتکاز میں خلل ڈالنے کی سازشیں ہیں لیکن وہ اتنا زندہ اور سامنے کا منظر تھا کہ دل کو یقین نہیں آتا تھا۔ تزئین مجھے بار بار آواز دے رہی تھی اور بدری نرائن جس بہیمانہ

طریقے سے زک پہنچا رہا تھا، وہ مجھے اپنے استھان سے اٹھنے پر بار بار مجبور کر رہا تھا۔ تزئین کی بے بسی نے مجھے تڑپا دیا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ نندا نے کیا نصیحت کی تھی۔ میں اٹھ کر بدری نرائن کا گلا گھونٹ دیتا لیکن مجھ سے اٹھا نہ گیا اور عافیت کے اس لمحے میں مجھے خود کو منظم اور منضبط رکھنے کا موقع مل گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرنے کے بجائے اس سمت نگاہیں گاڑ دیں۔ میرے سامنے شیطانی قوتوں کا تماشا جاری رہا اور میں بیٹھا رہا۔ بالکل خاموش، ساکت، منجمد، کسی بت کی طرح۔ کسی پتھر کی طرح۔

اس کے بعد مجھے کسی نے پریشان نہیں کیا۔ باقی زمانہ نہایت اطمینان اور سکون سے طویل طویل مراقبوں میں گزرا۔ نندا سے اب کبھی کبھار رسماً بات ہو جایا کرتی تھی۔ میں خود کو بدلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ میرے جذبے سرد پڑ رہے تھے اور میرے خون میں وہ گردش نہیں رہی تھی جو میرے جسم کا خاصہ تھی۔ میں جب کبھی مراقبے سے فارغ ہوتا، باہر آ کر ٹھنڈی ہواؤں میں سکون کی چند سانسیں لیتا اور پھر کسی طویل عمل میں مصروف ہو جاتا۔ نندا میری تطہیر اور قلبی ماہیت پر بہت خوش تھا۔ مجھے اب دنیا حقیر نظر آنے لگی تھی۔ نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا تھا، نہ کسی سے انتقام لینے کا جذبہ ابھرتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی تزئین اور کلدیپ کی یاد آ جاتی تھی۔ میرا من اجلا ہو رہا تھا اور اندرونی طور پر میرے اندر ایسی قوتیں پیدا ہو رہی تھیں جن کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ قوتیں حاصل کرنے کی کوئی مسرت نہیں تھی۔ نہ میں ان تحصیلات کا کسی پر اظہار کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بس مراقبے میں مزہ آتا تھا۔ مجھے آلتی پالتی مار کر کسی جگہ بیٹھ کے خود کو کھو دینے میں ایک لذت سی محسوس ہوتی تھی۔ اتنے سال اضطراب و دلکش، نشیب و فراز اور مصائب و آلام کی زندگی گزارنے کے بعد میں نے زندگی کو پہچانا تھا۔ زندگی صرف حرکت کو نہیں کہتے۔ موت کا لطف زندگی کو جھٹلا کر اٹھایا جا سکتا ہے موت ایک ابدی سکون ہے۔ یہ سکون زندگی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اب ایک عجیب بے نیازی کا عالم تھا۔ ذرا تبت کے اس سبزہ زار کا تصور کیجئے۔ چاروں طرف پہاڑ، جھرنے، اونچے اونچے درخت، کہیں برف پوش پہاڑیاں تو کہیں لالہ زار۔ آپ کبھی پہاڑ پر گئے ہوں اور ایسے سبزہ زار پر اور آپ بہت تھکے ہوئے ہوں اور آپ غموں سے چور ہوں اور آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ شدید کرب میں گزارا ہو تو درختوں کے سائے میں آپ کی روح کو ایسا سکون ملے گا جو دنیا میں عنقا ہے۔ اس تنہائی میں اونچے اونچے درخت میرے دوست تھے۔ مجھے یہ قدرتی مناظر اس قدر پسند آئے تھے کہ میں زندگی بھر یہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں اب کہیں اور جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میری زندگی بہہ رہی تھی۔ میرے دن روز بہ روز جاں فزا ہو رہے تھے۔ اس جد و جہد میں کوئی دو سال گزر گئے۔ دو سال ...... پھر بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں حال ہی میں یہاں وارد ہوا۔ دو سال تک مسلسل انہماک، استغراق، مراقبے اور ارتکاز کے بعد ایک دن نندا نے مجھ سے کہا۔ ''بالک! کیا تجھے اپنی اندر کچھ دکھائی دے رہا ہے۔''

''نندا جی مہاراج! آپ کی کرپا سے میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ہوس نہیں ہے۔ البتہ یہ خیال کبھی کبھی ستاتا ہے کہ میں اپنی بیٹی ترئین کے لئے کچھ نہیں کرسکا ہوں اور کلدیپ میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اور بدری نرائن؟'' نندا نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

''میں نے اسے معاف کردیا۔ اس کا خیال اب میرے دل میں نہیں آتا۔ اب میں ہمیشہ کے لئے یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ تمہاری آگیہ سے صرف ایک بار میں یہاں سے جاؤں گا اور ترئین کا کہیں بیاہ کرکے کلدیپ کو لے کر واپس آجاؤں گا۔ میں انکا کو بھی چھوڑوں گا اس لئے کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

نندا میری باتیں غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ''تجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ وہ مہان استری تیرا انتظار کررہی ہے۔ تو اس دنیا میں واپس جا۔ میری باتیں گرہ سے باندھ لینا، اہنسا، درگزر، تیاگ، تپسیا اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔''

''مہاراج! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اپنا شریر نرم و گرم سہنے کا عادی بنالیا ہے۔ کیا میں اس پہاڑی سے نیچے اتر سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو اپنے آپ سے پوچھ۔ اگر تجھ پر پاپی دنیا کی ہوا کا اثر ہوگیا تو تیری تمام تپسیا نشٹ ہوگئی۔''

''میرے دل میں اب کوئی جذبہ نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے پریشان کیا تو میں راستہ بدل لوں گا۔ اس پر بھی وہ نہیں مانے تو میں انہیں سمجھاؤں گا۔ پر وہ میرے آگے آگئے اور انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کردیا تو مجھے کیا کرنا چاہئے مہاراج؟''

''اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تیری زبان نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا اور وہ تیرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور اب کوئی صورت تیرے لئے نہیں رہی تو تو آخر میں انہیں آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا سبق دے سکتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے قدم اٹھا سکتا ہے۔''

نندا کی نصیحت آمیز باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں خود اپنے طور پر مطمئن تھا۔ اس گفتگو کے بعد میرا وہاں سے جانے کو جی نہیں چاہا لیکن ایک دن نندا میرے پاس آیا۔ اس دن اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہ بار بار گوتم کی مورتی سے اپنا سر پھوڑنے کی کوشش کررہا تھا اور اس کی زبان سے دیوانگی کی باتیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے پانی پلایا تو وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگا۔

''جمیل احمد خان!'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں شاکیہ منی کے پاس جارہا ہوں۔ اس نے مجھے معاف کردیا ہے۔ تم اب یہ استھان چھوڑ دو۔ مجھے وشواس ہے کہ اب تمہیں کسی چھل کپٹ، کسی ناری کی سہائتا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمہارے من سے میل دور ہوچکا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم [illegible]

نہیں چاہتے لیکن اب سمے بہت بیت گیا ہے۔ پچپن سال ہندو دھرم میں رہتے رہتے میں نے بہت سی شکتیاں پراپت کی تھیں۔ میں وہ تمام شکتیاں تمہیں نہیں دے سکتا اس لئے کہ وہ کسی کو دی نہیں جاسکتیں۔ جتنا کچھ میرے پاس ہے، وہ تمہارا ہے۔ میرے جسم میں جلدی سے سوراخ کرو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ میں شاکیہ منی کے پاس پاک و صاف ہوکر صرف اسی کا ہوکر جانا چاہتا ہوں۔ جب میری سانس بند ہوجائے تو تم تمام خون میرے جسم سے صاف کردینا اور میرے خون سے غسل کرنا۔ پھر مجھے تم یہیں چھوڑ کر فوراً چلے جانا۔''

''مہاراج!'' میں نے افسردہ ہوکر کہا۔ ''کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ کر جارہے ہو؟ نہیں نہیں، ابھی مجھے تم سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔''

''نہیں۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ میرے شریر پر ایک پتھر مارو تاکہ میرا خون میرے جسم سے نکل جائے۔'' اس نے کرب سے کہا۔

''مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔'' میرا خون یخ ہوگیا۔

''یہ میرا حکم ہے جمیل احمد خان! کیا تم مجھے شانتی سے نہیں مرنے دو گے؟ جلدی کرو بالک! ایسا نہ ہو کہ میں اپنے شریر کے اسی خون کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''مہاراج!'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے عقیدت رکھتا ہوں۔ تم میرے محسن ہو۔ میں اپنے محسن پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا ہوں؟ کوئی اور کام کہو مہاراج! کہو کہ جمیل احمد خان تو اپنے پتھر مار لے۔''

''تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے؟'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''مہاراج!'' اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ کہا گیا۔ اس کا اصرار جب حد سے بڑھ گیا تو میں نے بادل ناخواستہ منہ پھیر کر ایک بڑا پتھر اس کے دماغ پر مارا۔ خون بری طرح اس کے ماتھے سے بہنے لگا لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ وہ اسی طرح پڑا رہا اور اس کا خون جسم سے بہتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی۔ جب اس کی سانسیں بند ہوگئیں تو میں نے اس کی ہدایت کی مطابق اس کی خون آلود پیشانی چوم کر اسے اس طرح لٹا دیا کہ اس کے جسم سے خون کا قطرہ قطرہ خشک ہوجائے۔ اس نے کوئی ہچکی نہیں لی۔ اس نے مرتے وقت کسی کرب کا اظہار نہیں کیا۔ وہ عجب فاتحانہ انداز سے مرا۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر علیحدہ کی اور اس کے خون میں لوٹنے لگا۔ یہ ایک پُرکراہت عمل تھا تاہم یہ میرے محسن کا حکم تھا۔ نندا کا حکم تھا۔ خون جلد ہی میرے جسم پر خشک ہوگیا۔ میں نے کچھ دیر توقف کے بعد جھرنے جا کر اسے دھویا اور مندر واپس آکر نندا کی لاش پر کپڑا ڈالنا چاہا لیکن [illegible] موجود نہیں تھی [illegible] سائیں سائیں کررہا تھا۔ مجھے

Downloaded from Paksociety.com

اپنی پریشانی ختم کرنے کے لئے ارتکاز کی ایک چھوٹی سی مشق کرنی پڑی۔ شام تک میں اپنا تکدر دور کر چکا تھا۔ وہ رات میں نے مراقبے میں کاٹ دی۔ صبح اٹھ کر میں نے مندر کو خیر باد کہا اور کمپالا کی خانقاہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ نندا کی اچانک موت کا واقعہ مجھے بار بار یاد آ جاتا تھا۔

چالیس میل کی مسافت ایک ایسے ٹھنڈے انسان کی مسافت تھی جسے نہ کہیں جانے کی جلدی ہو اور نہ کسی سے ملنے کا شوق، چونکہ مجھے اب کمپالا کے پاس جانا چاہئے تھا اس لئے میں کمپالا کے پاس جا رہا تھا۔ یہ آزردہ خاطری نہیں تھی بلکہ سکون کی ایک کیفیت تھی۔ میں کہتا ہوں انسان کی لگامیں خود اس کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ اس کی تو بینائی کم ہوتی ہے اس لئے صرف اس کی افزائش کی ضرورت پڑتی ہے۔ عموماً آدمی اندھے ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں دنیا کی چمک دمک سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کے پاس سکون کی دولت ہے تو آپ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہیں۔ شاید میری باتیں آسانی سے سمجھ میں نہ آئیں اس لئے میں اپنی سرگزشت جاری رکھتا ہوں۔ لوگ کسی کہانی کے دوران نتائج اور تجربات کا ذکر کلیوں میں پسند نہیں کرتے، سو میں اپنی زندگی کا تماشا دوبارہ دکھانا شروع کرتا ہوں اور نتائج اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں۔

جب میں کمپالا کی خانقاہ میں ایک بدھ بھکشو کے حلئے میں داخل ہوا تو وہ دروازے پر مجھے منتظر ملا۔ کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے نندا جیسے بڑے بھکشو تک میری رہنمائی کی تھی۔ میں کس زبان سے اسے نندا کی موت کی خبر سنا سکتا تھا لیکن میرے کچھ کہنے سے قبل ہی کمپالا نے سرد آہ بھر کر بولا۔ "میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ خود جو چاہتا تھا وہی ہو گیا۔"

"نندا جی مہاراج نے مجھے اتنا موقع بھی نہیں دیا کہ میں ان کی خدمت کر سکتا۔" میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

"وہ امر ہو گیا ہے۔ اس نے تمہیں منش بنا کر بھیجا ہے۔ اسے شاید تمہاری تکمیل کا انتظار تھا۔" پھر کمپالا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید نہیں تھی کہ نندا تمہیں اتنی شکتیاں بھی دان کر دے گا۔ جمیل احمد خان! تم نے حقیقی زندگی قریب سے دیکھ لی۔ تشدد کا راستہ اختیار کرنے والے شاکیہ منی کو خوش نہیں کرتے۔ فیصلے اپنے ہاتھ میں لو گے تو دھرم سے واسطہ نہیں رہے گا اور دھرم سے کٹ کر منش، منش کہاں رہتا ہے۔ نندا نے تمہیں مہان شکتی دی ہے۔ تمہیں سچائی، سکون اور ضبط کا راستہ دکھایا ہے۔ اگر تم ان راستوں سے بھٹک گئے تو اس کی آتما بے چین رہے گی۔"

کمپالا نے چار روز مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ میں نے خانقاہ میں طویل مشقیں کر کے طلبہ کو حیرت زدہ کر دیا۔ مجھے اپنی لگن سے جو قدرت اپنے اعصاب پر ہو گئی تھی وہ برسوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہی بات ان کے لئے حیرت و تشویش کا باعث تھی۔ وہاں طلبہ کا ہجوم میرے اطراف رہنے لگا تھا۔ میں ایک کم

گو بھکشو کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

چار روز بعد ایک قافلہ گیا کی طرف روانہ ہوا۔ میں اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ چلتے وقت کمپالا نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور ہمیشہ اہنسا کے مسلک پر کاربند رہنے کی تلقین کی۔ اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔ "جمیل احمد خان! آدمی کا کوئی دھرم ہو، آدمی کو آدمی ہونا چاہئے۔"

کمپالا کے اس آخری جملے نے مجھے ایک مدت بعد یہ یاد دلایا کہ میرا بھی کوئی دھرم ہے۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں راستے بھر اس کے متعلق سوچتا رہا۔ میرے جسم پر گیروے رنگ کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ یہ کمپالا نے مجھے دی تھی۔ کمپالا نے چار روز میں مجھے بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا تھا۔ نندا کی ایک ایک بات بھی لوح ذہن پر محفوظ تھی۔ دو مہینے کے طویل سفر کے بعد ایک بار پھر میں ہندوستان کی سرحدوں میں پہنچ گیا۔ دربھنگے میں مجھے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہنا پڑا۔ قافلے کا ہر فرد مجھ سے گلے لگا تھا۔ وہ لوگ گیا کی سمت روانہ ہو گئے۔ میں نے ایک روز دربھنگے میں قیام کیا پھر یہاں سے اپنا حلیہ بدل کر پٹنہ ہوتا ہوا سیدھا لکھنؤ جا پہنچا۔ اب میرے جسم پر سیدھا سادہ مسلمانوں والا لباس تھا۔ لکھنؤ تک مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ میں نے چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ میں دیدہ و دانستہ کسی سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ شہری زندگی اور پھر لکھنؤ کی زندگی میں آنے کے بعد ماضی کے بہت سے واقعات نے میرے ذہن کے دروازے پر دستک دی لیکن وہ اندر نہیں آ سکے۔ اسی شہر میں بن علی، زرافشاں اور درخشاں کا بھی قیام تھا مگر جسم میں کوئی گرمی نہیں تھی۔ ایک ٹھنڈک تھی جس کے لئے میں نے در در کی خاک چھانی تھی۔ میں شام کو اپنے معمول کے لباس میں چچا جان کے گھر گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میرا انتقال ہو گیا ہے۔ چچا جان کو پولیس نے بہت پریشان کیا تھا۔ وہ میری آمد سے سہمے ہوئے تھے، کہنے لگے۔ "تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

میں نے بے نیازی سے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں۔"

"تمہارے جانے کے بعد کئی بار مکانوں کی تلاشی لی گئی۔ رخسانہ کی شادی کے موقع پر وہ گھر میں گھس آئے اور براتیوں کے سامنے میری بے عزتی کی۔" چچا جان روہانسے ہو گئے۔

بہر حال اب ان کی زندگی میں کوئی دکھ نہیں تھا۔ ان کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔ میں زیادہ دیر ٹھہر کر ان کے لئے پریشانی کا سبب بننا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ میرا چچا زاد بھائی مجھے میرے ہوٹل تک چھوڑنے آیا۔ وہ اب ایک وجیہہ جوان ہو گیا تھا اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی گاڑی تھی۔ وہ لوگ میری اچانک آمد سے باغ باغ تھے لیکن ساتھ ہی خوف بھی ان پر حاوی تھا۔ پولیس ابھی تک مجھے نہیں بھولی تھی۔ بن علی جیل میں تھا لیکن اس کی بہنیں اپنی حویلی میں منتقل ہو گئی تھیں۔ میرے دل میں چچا جان کے ہاں قیام کرنے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنے کی آرزو ابھری تھی مگر

میں نے اسے دبالیا۔ دوسرے دن میں میسور کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ اب میں جلد از جلد میسور پہنچ کر کلدیپ اور ترزئین کے پاس جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔ یہ شہری زندگی مجھے اب اچھی نہیں لگی۔ اب بہت سی باتیں، ذرا سے انہماک کے بعد مجھ پر منکشف ہو جاتی تھیں اور میری آنکھیں دور دور تک دیکھنے لگتی تھیں۔ لکھنؤ میں ہر جگہ محاذ آرائی تھی۔ رات کو جب میں نے ہوٹل میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہلکا پھلکا کھانا کھایا تو مجھے انکا کا خیال آیا۔ اسی وقت میں نے انکا کو اپنے سر پر واپس آنے کا حکم دیا۔ اپنے بھائی کو رخصت کرنے کے بعد میں بستر پر دراز تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو دیکھا انکا کا چہرہ زرد پڑا ہے۔ ہماری ملاقات تقریباً ڈھائی سال بعد ہوئی تھی۔ وہ مجھے حسرت بھری نظروں سے تک رہی تھی۔ میں نے نہایت اطمینان سے اس سے پوچھا۔ ”کہو کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں جمیل! کئی بار نندا کے استھان پر آنے کا ارادہ کیا لیکن تمہارا حکم تھا کہ ترزئین کے سر پر رہوں۔“ وہ اداسی سے بولی۔

”ترزئین اور کلدیپ کا کیا حال ہے؟“

”تمہاری کلدیپ اور ترزئین خیریت سے ہیں۔ کلدیپ تو ان دنوں جھونپڑی میں مقید ہو کر کسی جاپ میں مصروف ہے۔ ترزئین، کلیلیں بھرتی پھرتی ہے۔ جب کلدیپ کو پتا چلا کہ تم نے ترزئین کی حفاظت کے لئے مجھے اس کے سر پر بھیجا ہے تو اس نے مسلسل جاپ کرنے شروع کر دئے۔ بدری نرائن کے دو دوست پجاری ابھی تک پہاڑی کے نیچے دھرنا دئے بیٹھے ہیں۔ وہ ترزئین اور کلدیپ کو پہاڑی سے نیچے لانا چاہتے تھے لیکن اب تک اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔“

”اچھا!“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بہرحال اب میں واپس آ گیا ہوں۔“

”تم نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا جمیل! ہندوستان کی فضا تمہارے لئے اب بھی سازگار نہیں ہے۔ بدری نرائن اور اس کے ساتھی۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہوئی، بڑھ گئی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم لکھنؤ کیسے آ گئے؟ میں نے تمہارے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے اس میں مایوسی ہوئی۔ نندا مہان پجاری تھا۔ اس نے مجھے تمہارے حالات سے لاعلم رکھا۔ تم ہندوستان کب آئے اور یہاں تک کیسے آئے؟“

”میں تبت میں رہا۔ پھر نندا مر گیا تو یہاں چلا آیا۔ یہاں آ کر چچا جان سے ملا۔ اب میسور جانے کا خیال تھا۔“ میں نے مختصراً کہا۔

”شاید انہیں اب تک تمہارے ہندوستان آ جانے کی اطلاع نہیں ملی ہے۔“ انکا نے تشویش سے کہا۔

”ممکن ہے۔“ میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

”کیا بات ہے، تم کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہو؟“

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“

”تمہاری گفتگو میں وہ شوخی، وہ گرم جوشی نہیں رہی جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔“

”شاید تبت میں تنہا رہنے کا اثر ہو۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا ہے۔ تم کچھ سدھرے سدھرے نظر آتے ہو۔“

انکا مجھے ہندوستان میں میرے دشمنوں کا احوال عورتوں کی طرح سنانے لگی۔ میرا خیال تھا کہ اگر اسے پہلے میری طاقتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا تو اب میرے سر پر آ کر وہ جان چکی ہوگی لیکن شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی یا وہ یہ سمجھتی ہوگی کہ میں اپنی روش کبھی نہیں بدل سکتا۔ میں نے سوچا، انکا کو سب کچھ بتا دوں پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔ میری اصل طاقت وہ نہیں جو مرتے وقت نندا نے مجھے بخشی تھی۔ اصل طاقت تو میں اس سے پہلے حاصل کر چکا تھا۔ انکا بدری نرائن کی ہرزہ سرائیوں کی داستان سناتے سناتے خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ ”مجھے ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے دس دن گزر چکے ہیں۔ ابھی تک کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا، بہرحال اب تم آ گئی ہو۔“

”میں تمہارے ساتھ زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے جلد ہی ترزئین کے سر پر واپس جانا ہوگا۔“

”میرا خیال ہے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیوں؟“ وہ حیرت سے بولی اور جھک کر میرا چہرہ دیکھنے لگی۔

”یوں ہی۔“ میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ ”ترزئین اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ پہاڑی سے نیچے آنے کی حماقت کرے۔ پھر اب تو وہ پجاری بھی تھک گئے ہوں گے۔ ویسے تم اپنا دھیان ضرور اس کی طرف رکھنا۔“

”جمیل! نندا اور کمپالا نے تمہیں کچھ نہیں دیا؟“ انکا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا سکون بے وجہ نظر نہیں آتا۔“

”نندا اور کمپالا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔ معاف کرو۔ درگزر کرو، تیاگ کرو، تپیا کرو، دنیا اور اس کی آسائشوں میں نہ پڑو۔ یہ سب فریب ہے۔ بدری نرائن سے اب مجھے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی ایک انسان ہے۔“

”جمیل!“ انکا نے میرا نام کھینچ کر ادا کیا۔ ”تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو، تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”تمہارے اندر بہت سی شکتیاں ہیں، تم جان کیوں نہیں لیتیں؟“

”مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے مگر ...“

"مگر کیا؟" میں نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔

انکا زچ ہوگئی۔ "مگر تم نے یہاں آ کر برا کیا۔ میں کس کس سے مقابلہ کروں گی؟ تمہارے خلاف تو قدم قدم پر ایک محاذ ہے۔" انکا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی کلدیپ کا وہ خطرناک جاپ بھی مکمل نہیں ہوا جو وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تمہارے لئے کر رہی ہے۔ تمہیں اس کا جاپ پورا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ تم نے یہاں آ کر......"

انکا جملہ نامکمل چھوڑ کر یکایک اس طرح چونکی جیسے اس نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ میں نے ذہن پر زور دیا ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ گویا خطرے کا اعلان تھا۔ انکا کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتا ہوا میں اطمینان کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھا۔ وہ نرمی سے بولی۔ "دروازہ کھولنے سے پہلے میری بات سن لو جمیل! باہر پولیس کا دستہ موجود ہے۔ وہ تمہیں گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے آئندہ اقدام کے لئے کچھ دیر سوچنا ہوگا۔ جلد بازی بڑی دشواریاں کھڑی کر دے گی۔"

میں کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ دوسری بار زور سے پیٹا گیا۔ اسی وقت کسی بھاری آواز نے مجھے تیز آواز میں دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

"جمیل!" انکا کا چہرہ غصے کی تمازت سے سرخ ہوگیا۔ "تم یہیں رکو۔ میں انہیں پرانی ترکیب پر عمل کر کے آپس میں بھڑا کر ابھی آتی ہوں۔ تم باہر نکلے تو مصیبت ہو جائے گی۔"

"اب یہ پرانی ترکیبیں چھوڑ دو انکا!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اب میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ بے گناہ انسانوں کو مارنے سے کیا حاصل؟"

"میں تمہیں خطرہ ٹلتے ہی کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گی۔" انکا نے تیزی سے بولی۔ "پولیس کو دروازے سے ہٹانا ضروری ہے۔"

"آخر تم کب تک یہ کرتی رہو گی۔ تم اطمینان سے میرے سر پر ہی بیٹھی رہو انکا دیوی۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں خود تمہیں زحمت دوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر آگے بڑھ کر میں نے بڑی بے فکری سے دروازہ کھول دیا۔ پولس کا ایک افسر دو سنگین برداروں کے ساتھ پھرتی سے اندر گھس آیا۔ باہر پولیس کے کئی مسلح آدمی موجود تھے۔

"تمہارا نام جمیل احمد خان ہے کیوں؟" افسر نے مجھے رعونت سے مخاطب کیا۔ وہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کو گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔ یہی میرا نام ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔" افسر کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"میرا جرم؟"

"بکومت۔" افسر نے مجھے ڈانٹتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "سیدھی طرح ہمارے حکم پر عمل کرو ورنہ ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ تشدد کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔ باہر پولیس کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ اس بار تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

اس کی اشتعال انگیز باتوں سے میرے ماتھے پر کوئی شکن نہیں ابھری۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں یہ ظلم ہے جناب۔"

"بکواس بند کرو۔" افسر گرجا۔ "میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے خطرناک آدمی ہو لیکن اب تمہارے برے دن آ چکے ہیں۔ تم نے ترپاٹھی کا نام شاید اب تک نہیں سنا تھا۔ بڑے بڑے چور اچکے اور ڈاکو میرا نام سن کر تھرا جاتے ہیں۔"

افسر کا نام ترپاٹھی تھا۔ وہ میرے ساتھ بڑی حقارت کا سلوک کر رہا تھا۔ انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھ سے ترپاٹھی کو راہ راست پر لانے کی اجازت چاہی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے کسی جارحانہ اقدام سے باز رہنے کی تاکید کی اور خاموشی سے ترپاٹھی کے ساتھ ہو لیا۔ انکا میرے سر پر بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

تھانے پہنچ کر ترپاٹھی مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے بارے میں اور کچھ اور ہی سن رکھا تھا لیکن تم تو انتہائی بزدل اور ڈرپوک آدمی ثابت ہوئے۔"

میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"سنو ننھے! تم نے بدری نرائن مہاراج کا اپمان کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔" ترپاٹھی سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "تم نے ہمارے دھرم اور دھرماتماؤں کے خلاف زہر اگلا ہے۔ پنڈتوں، پجاریوں کو پریشان کیا ہے۔ میرے پاس تمہارے خلاف ہزاروں ثبوت موجود ہیں۔ سب سے بڑا ثبوت پنڈت ارجن داس جی کا بیان ہے۔ غور سے سنو جمیل احمد خان! تم نے کل رات بڑے کالی کے مندر میں گھس جس پجارن کو اغوا کیا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو۔"

یہ بے بنیاد الزام سن کر پہلی بار میرے خون کی گردش کچھ تیز ہوگئی۔ میں اگر چاہتا تو ایک اشارے پر ترپاٹھی کو اس گستاخی کی سزا دے سکتا تھا لیکن نندا کی نصیحتیں میرے پیش نظر تھیں اس لئے میں بدستور پرسکون رہا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "ترپاٹھی جی! میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے بے شمار پنڈت اور پجاری بدری نرائن کے اکسانے پر میرے دشمن بن چکے ہیں۔ مجھے خبر ہے کہ تم نے مجھے پھانسنے کے لئے بہت اوچھا ہتھکنڈا سوچا ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا بے بنیاد الزام

واپس لے لو۔ ترپاٹھی جی، اس چار دن کی زندگی میں کیوں گناہ سمیٹتے ہو۔ کیا تمہیں مرنا نہیں ہے؟''

انکا غصے سے بولی۔ ''جمیل! تم اس کمینے کو شرافت کی تلقین کر رہے ہو؟ یہ بڑا موذی ہے۔ سخت متعصب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہو جب کہ میں موجود ہوں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ کہو تو ابھی اسے تگنی کا ناچ نچا دوں؟''

میں نے انکا کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ ترپاٹھی میرا جواب سن کر اور میری مطمئن حالت دیکھ کر شقاوت سے بولا۔ ''ننٹنے! اپنی گندی زبان بند کر۔ میں نے بہت سے مسلوں، تیلی، چماروں، جعلی پیروں اور ملاؤں کو ٹھیک کیا ہے۔ اپنے کسی پیر پیمبر کو آواز دے۔'' اس نے میرے مذہب کے متعلق کچھ ایسے دل آزار الفاظ استعمال کئے جنہیں دہرانا بھی میں گناہ سمجھتا ہوں اس لئے انہیں حذف کر رہا ہوں۔ میں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مستقل مجھے اشتعال دلاتا رہا۔ آخر جب میں نے یہ محسوس کر ہی لیا کہ وہ میری نرمی، سکون اور صلح سے قابو میں نہیں آئے گا تو میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ ''ترپاٹھی! اپنی زبان سنبھالو۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ میں بھی جواباً کچھ کر بیٹھوں۔ جو کرنا ہے، کرو۔ زبان پر قابو رکھو۔''

ترپاٹھی کے لئے میرے جواب کی حدت آگ سے زیادہ شدید ثابت ہوئی۔ اس نے میرے مذہب کے متعلق شدت سے نازیبا الفاظ استعمال کرنے شروع کر دئے۔ انکا مجھے بار بار اکسا رہی تھی۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ میں نے پلٹ کر اپنے ہاتھ کو زور سے جنبش دی اور میری شعلہ بار آنکھیں باہر جانے والے رستے کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انکا اور ترپاٹھی میرے ہاتھوں اور آنکھوں کی حرکت غور سے دیکھ رہے تھے۔ ترپاٹھی نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ ''جمیل احمد خان! ان باتوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہاری چمڑی......''

لیکن ترپاٹھی کو آگے کچھ کہنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک سادھو بال بکھرائے دیوانوں کی طرح تڑپتا ہوا اندر داخل ہو کر زمین پر لوٹنے لگا۔ ترپاٹھی اور انکا دونوں حیران تھے۔ میری نظریں سادھو پر جمی ہوئی تھیں۔

''ارجن داس مہاراج! تم؟ ہم نے اس کمینے کو گرفتار کر لیا ہے۔'' ترپاٹھی نو وارد سے مخاطب ہوا لیکن ارجن کے کانوں تک اس کی بات نہ پہنچ سکی۔ وہ بدستور زمین پر تڑپ رہا تھا۔

''ارجن داس! تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تمہیں کتے کی صورت میں تبدیل کر دوں۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟'' میں نے ٹھہرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم نے کیا جان کر مجھ پر الزام لگایا تھا؟''

ارجن داس زمین پر پڑے پڑے میرے پاؤں سے لپٹ گیا۔ ترپاٹھی کے ذہن کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ ادھر ارجن داس انتہائی رقت بھری آواز میں گڑگڑا کر بولا۔ ''مہاراج! مجھے شما کر دو۔ ہمیں تمہاری شکتی کا اندازہ نہیں تھا۔'' مگر میں اس کے معافی مانگنے سے

پہلے ہی اپنا عمل کر چکا تھا۔ پھر یہ میری تیز نگاہوں کا اثر تھا، میری ریاضت کا کرشمہ تھا۔ میرے ارتکاز اور میرے مسلسل مشقتوں کا اثر تھا کہ ارجن داس کا جسم دیکھتے ہی دیکھتے پھوڑا بن گیا۔ مسامات سے خون اور فاسد مواد رسنے لگا۔

''گھبراتے کیوں ہو مہاراج!'' میں نے کہا۔ ''تم اس وقت ترپاٹھی کے سائے میں ہو۔ کیا تمہارے بیروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ اب میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم نے مجھے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''ترپاٹھی نے میرے خلاف بہت سارے ثبوت جمع کر رکھے ہیں۔ تمہارے اشاروں پر ناچنے والے پجاری میرے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔ کیا ترپاٹھی کو اس سندر پجارن کا درشن نہیں کراؤ گے جسے تمہارے بقول میں نے اغوا کر لیا ہے۔''

''میں نردوش ہوں جمیل مہاراج! مجھے شما کر دو۔ دیا کرو۔ میں بنتی کرتا ہوں۔'' ارجن داس نے عاجزی سے کہا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

''میں مسلمان ہوں ارجن داس جی! تم پنڈت ہو کر ایک مسلے سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہاں گیا تمہارا دھرم؟ کہاں ہیں تمہاری شکتیاں؟'' میں نے بے حد طنزیہ انداز میں کہا۔ ارجن داس کی حالت اور غیر ہو گئی۔ ترپاٹھی ہکا بکا ہو کر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''میرے لئے اب کیا حکم ہے ترپاٹھی جی؟ تمہاری اجازت کے بغیر میں باہر جانا نہیں چاہتا، مجھے اجازت دو۔''

ترپاٹھی نے بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کے حلق میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ میں نے اس سے یہ کھیل ختم کرنے کے لئے کہا۔ ''سنو ترپاٹھی! تم خوش قسمت ہو جو میں اس طرح واپس جا رہا ہوں۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم مجھ سے ایسے وقت میں ملے ہو جب جمیل احمد خان بالکل بدل چکا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے، یہ بھی نہ ہوتا اگر تم میرے مذہب کے بارے میں ہرزہ سرائی نہ کرتے اور مجھ پر جھوٹا الزام نہ لگاتے۔ میں نے تمہیں پورا موقع دیا تھا کہ تم اپنے رویے پر نظر ثانی کر لو لیکن تم شاید میری طرف سے تشدد کے انتظار میں تھے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے کسی کو وچن دیا ہے۔ پر اس کی آتما دیکھ رہی ہو گی کہ میں مجبور ہو گیا تھا۔''

''مم...... میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں خان صاحب!'' ترپاٹھی نے بمشکل کہا۔ ''مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔''

''میں جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو سمجھا دینا اور میرا تعاقب کرنے کی حماقت نہ کرنا۔'' میں سرد آواز میں بولا۔ پھر میں نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے ارجن داس کو مخاطب کیا۔ ''جاؤ ارجن داس! تم ایک پنڈت ہو، سچائی کے راستے پر چلو۔ اپنے دوست بدری نرائن سے کہہ دینا کہ وہ اب محتاط رہے۔

اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔"

"دھنیہ ہو مہاراج دھنیہ ہو۔" ارجن داس کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ترپاٹھی جی! کیا تم مجھے ہوٹل تک پہنچانے نہیں چلو گے؟ ورنہ تمہارے منہ زور سپاہی تمہاری اجازت کے بغیر تھانے سے مجھے کس طرح جانے دیں گے؟"

ترپاٹھی تمام تر نیازمندی سے اٹھا اور میرے ساتھ ہولیا۔ راستے میں وہ بوکھلایا بوکھلایا رہا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے اسے رخصت کر دیا۔ انکا ابھی تک خاموش تھی اور حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "جمیل! یہ میں نے کیا دیکھا؟ بتاؤ تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ کیا میں تمہارے لئے غیر ہوگئی ہوں؟"

"ناراض ہوگئیں کیا؟ یہ ذکر اپنے منہ سے مجھے کچھ مناسب نہیں لگا۔"

"اب تمہیں میری ضرورت ہی کیا رہی ہے؟" انکا نے اداسی سے کہا۔ "نندا نے تمہیں بہت کچھ دے دیا ہے۔"

"کیا تمہیں سب کچھ اچھا نہیں لگا؟"

"اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی۔ تم نے تو کمال کر دیا۔" انکا نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں نمی تھی۔

"تم میرے ساتھ رہو گی مگر اب خوب خرابے کو جی نہیں چاہتا۔ تم نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے لیکن اب مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں رہا۔ میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔"

"اگر مجھے پہلے باخبر کر دیتے تو میں اتنی پریشان تو نہ ہوتی۔ تم اب بہت کچھ ہوگئے ہو مگر تمہاری جلانے اور تڑپانے کی عادت نہ گئی۔"

"اب چھوڑو بھی۔ تم ذرا سی بات پر ناراض ہوگئیں۔"

انکا اپنا مصنوعی غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکی۔ "یہ سب کیسے ہوگیا جمیل!" وہ بار بار پوچھتی تھی۔ آخر میں اس کے اصرار پر اسے نندا کے ساتھ گزارے ہوئے زمانے کی تفصیل سنانے لگا۔

دوسرے دن میں لکھنؤ کو خیر باد کہہ دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے مجھے میسور پہنچنے کی جلدی تھی۔ انکا کے لئے ارجن داس کا عبرت ناک واقعہ بڑی حیرت انگیز خبر تھی لیکن مجھے اپنے اندر کوئی خاص سنسنی محسوس نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ اب میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اب مجھ میں کچھ ایسی صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں کہ اگر میں کسی گلاس پر نگاہ جما کے اس کے ٹوٹنے کی خواہش کرتا تو وہ یقیناً ٹوٹ جاتا۔ پھر میں نندا کی باطنی عظمت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ ذرا سی توجہ کی بنا پر مجھے کسی واقعہ یا فرد کی خبریں بیٹھے بیٹھے نہایت آسانی سے معلوم ہو جاتی تھیں۔ اب تک میں انکا جیسی ہرجائی

قوت کے پیچھے پریشانیاں اٹھاتا رہا تھا۔ اپنے ماضی کے برے دن یاد کر کے مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ میری نرگس، میری مالا صرف میری کوتاہیوں کی نذر ہوئی تھیں۔ جو بات مجھے پہلے سمجھ جانی چاہئے تھی، اس پر میں نے بہت تاخیر سے عمل کیا۔

میسور تک پہنچنے کا حال بیان کیا جائے تو تکرار ہوگی۔ دو ایک جگہ مجھے شبہے کی نظر سے دیکھا گیا لیکن مجھے ان کا شبہ دور کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ سورگ باشی پریتم لال کے استھان کے زیریں حصے میں دو پنڈت مجھے دھونی رمائے نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور سیدھا پہاڑی پر چڑھنے کے لئے آگے بڑھنے لگا لیکن وہ میری آمد سے بے خبر نہیں تھے۔ "ٹھہرو کہاں جاتے ہو؟" مجھے ان کی آواز دور سے سنائی دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ "ٹھہر جاؤ جمیل احمد خان! تم اوپر نہیں جا سکتے۔" انہوں نے دبنگ آواز میں دوبارہ مجھے تنبیہ کی۔

"مہاپرشو۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے جانے دو۔" میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر میں اور آگے بڑھ گیا۔

ان میں سے ایک پنڈت آناً فاناً میرے قریب آ گیا اور پینترا بدل کر بولا۔ "تم خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ دھرماتما یہی چاہتے ہیں۔ اب اس پہاڑی پر کوئی نہیں جا سکتا۔ تمہارے قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

"مجھے چلے جانے دو۔ میں نے تمہارا حصار توڑ دیا ہے۔ میں اب زمین پر نہیں، پہاڑی پر ہوں۔ تم مجھے اوپر جانے سے نہیں روک سکتے۔"

"وہ تو تم نے اپنی ناری کی وجہ سے توڑ دیا ہے پر ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں؟ چار سال ہونے کو آئے، ہم تمہیں اندھا کر دیں گے، تمہاری انکا دیوی کی شکتی بھی بے کار ہو جائے گی۔"

"مگر تم یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"یہ تم جانتے ہو۔ چھل کپٹ سے کام نہ لو۔ ہم تمہیں اس سے نشٹ کر سکتے ہیں پرنتو یہ بعد کی بات ہے۔"

"مہاراج! میرے راستے میں نہ آؤ، میں اوپر جا رہا ہوں۔" میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا اور ان سے پھر دو قدم آگے نکل گیا۔

[illegible]ں۔ میں ٹھوکر کھا کر گرا اور زمین

پر آ پڑا۔ انکا کسمسا کر رہ گئی۔ میں نے ایک نظر پجاری کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ عیاں تھی۔ میں بے پروائی سے پھر اوپر چلنے لگا۔ میں ہر ممکن طور پر کسی فساد سے بچنا چاہتا تھا۔ انہوں نے سارے راستوں پر اپنے بیروں کا پہرا بٹھا دیا تھا اور ظاہر ہے وہ کوئی معمولی پنڈت پجاری نہیں تھے۔ کلپنا نے پہلے بھی مجھے یہاں آنے سے روک دیا تھا۔ یقیناً وہ بھی ان کی شکتی سے ہراساں ہوگی اس لئے کہ ان دونوں کو بڑے بڑے پجاریوں کا تحفظ حاصل تھا۔ جب کئی بار میری کوشش ناکام ہوگئی اور ہر بڑھتے ہوئے قدم پر ایک رکاوٹ محسوس ہوئی تو مجبوراً مجھے واپس زمین پر آنا پڑا۔ اسی لمحے مجھے اپنے سر پر ایک ہانڈی رقص کرتی نظر آئی۔ یہ میرے اور انکا کے لئے سب سے خطرناک علامت تھی۔ اگر وہ ہانڈی میرے سر پر گرنے میں کامیاب ہو جاتی تو میرا سارا بدن جھلس جاتا۔ جادو رد کرنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ اسے کسی طور واپس کر دیا جائے۔ نندا کا مشورہ مجھے جان سے زیادہ عزیز تھا لیکن یہ وقت نرمی اور اہنسا کے پالن کا نہیں تھا۔ میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ بات کہاں تک پہنچی ہے اور ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے ہانڈی پر اپنی نگاہیں مرکوز کرلیں۔ پلکوں کو جنبش دیئے بغیر میں اسے لگاتار دیکھتا رہا۔ اسی عمل میں چند لمحے گزرے ہوں کہ ہانڈی ایک جگہ ٹھہر گئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر پورے اعتماد کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ پر اٹھا دیا اور حیرت زدہ پجاریوں سے پوچھا۔ ”کیا خیال ہے مہاپُرشو؟ کیا میں اسے تمہاری طرف واپس کردوں؟“

انہیں جواب دینے میں تامل ہوا۔ یہ ایک فطری امر تھا۔ پھر انکا نے شدت کے ساتھ مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ ہانڈی ان کی طرف لوٹا دوں۔ میں ہانڈی واپس ہونے کے نتیجے سے آگاہ تھا اس لئے متذبذب تھا لیکن وہ دونوں پھر متحرک ہوگئے اور انہوں نے کوئی دوسرا داؤ کھیلنے کے لئے پہل کر دی تھی۔ آخر میں نے ہانڈی ہوا میں ان کی طرف اچھال دی اور اسی سمت نگاہیں جمائے رکھیں۔ ہانڈی اب ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ میرے لئے یہ کوئی پُرلطف تماشا نہیں تھا اس لئے میں نے ان کی تباہی کا منظر وہاں کھڑے رہ کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ اوپر میری تزئین اور کلدیپ موجود تھیں۔ جب میں اوپر چڑھ رہا تو مجھے ان کی کربناک چیخیں سنائی دیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن انکا اچھل اچھل کر بتا رہی تھی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

☆......☆......☆

مجھے دیکھ کر تزئین میری آغوش میں سسکنے لگی۔ میں نے اسے اپنے کلیجے سے لگایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے اس کی پیشانی کے کئی بوسے لئے۔ میرے دل میں اس کے لئے نہ جانے کہاں سے بے پناہ محبت اور شفقت امنڈ آئی تھی۔ ”اب آپ کہیں نہیں جائیں گے، مجھے آپ کی دشواریوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہو چکا ہے۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”اچھے دن آ رہے ہیں میری جان! میری گلہری، میری گڑیا۔ تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟“ میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”دیدی تو کب سے اپنے جاپ میں مصروف ہیں۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتیں۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔“ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

”مجھے اندازہ ہے، کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارے باپ پر کیا کیا آفتیں نازل ہوتی رہی ہیں؟“

”آپ اتنے دنوں کہاں رہے؟“ تزئین نے معصومیت سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ تزئین! اس وقت تم مجھے کچھ کھانے کو دو۔“ میں نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔ تزئین دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ تزئین کے چہرے پر اب سنجیدگی غالب آ چکی تھی۔ میں ایک باپ کی حیثیت سے اس کے مستقبل کے لئے پریشان ہو گیا۔ کلدیپ اپنی کٹیا میں کسی طویل جاپ میں مگن تھی۔ میری اس سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔ نہ وہ جاپ توڑ سکتی تھی اور نہ میں اس کی محویت میں دخل دے سکتا تھا۔ میں یہاں کوئی ایک ہفتے رہا۔ اس کے بعد میں نے بہ مشکل چند دنوں کے لئے تزئین سے بمبئی جانے اور گھر بنانے کی اجازت لی۔ جب تک کلدیپ کا جاپ ختم نہ ہو جاتا، میرا وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ نندا کی نصیحتوں کے مطابق اپنی آئندہ زندگی کے لئے تنکے اکٹھے کر کے دوبارہ آشیانہ بنانے کی سعی کرتا۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے مستقل قیام کے لئے بمبئی کو منتخب کیا تھا حالانکہ میں تبت جا کر آنجہانی نندا کے ویران استھان پر زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن نندا اور کمپالا دونوں نے مجھے کلدیپ سے شادی کر کے ایک عام آدمی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی تھی اور جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر اپنا نہ لیتا اس وقت تک بدری نرائن سے کوئی ربط ضبط قائم نہیں رکھ سکتا تھا اور جب تک بدری نرائن سے کوئی فیصلہ کن بات طے نہ ہو جاتی اس وقت تک ہندوستان میں ہر جگہ میرے لئے نوع بہ نوع دشواریاں پیش آنے کا امکان تھا۔ وہی تشدد، وہی انتقام، وہی کشاکش برقرار رہتی۔ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ میرے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ اسی کی بنا پر مجھے آسانی سے شناخت کر لیا جاتا تھا۔ میں یہ ہاتھ چھپانے کی خاطر کندھے پر فیشن ایبل انداز میں سیاہ شیروانی ڈالے رکھتا تھا۔ بمبئی میں میرا قیام ایک ایسے ہوٹل میں تھا جو شہر سے دور بھی تھا اور پُرسکون بھی۔ مجھے اپنے کچھ پرانے حساب بھی دیکھنے تھے اور اپنے لئے کوئی ذریعہ معاش بھی تلاش کرنا تھا۔ انکا میرے سر پر موجود تھی لیکن اب میرے لئے اس کی حیثیت ایک بے فیض اور بے ضرر رفیقہ کی سی تھی، اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کوئی تیسرے دن کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا۔ میں اپنی مشقوں میں منہمک تھا کہ ایک حسین لڑکی اجازت لے کر میرے کمرے میں داخل ہوئی اور آتے ہی گھبراتے ہوئے انداز میں بولی۔ ”کیا

جمیل احمد خان آپ ہی ہیں؟" اس کے لہجے سے اضطراب نمایاں تھا۔

"فرمایئے۔ میں کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ نام جانتی تھی اس لئے یقیناً کسی خاص مقصد سے آئی تھی حالانکہ ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام احمد کمال درج تھا۔

"کیا آپ ہی ہیں وہ؟" لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں، میرا اصل نام یہی ہے۔"

"اچھا کیا جو آپ نے جمیل احمد خان کے نام سے کمرا نہیں لیا مگر وہ آپ کے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے شاید آپ کو پہچان گئے ہیں۔"

"آپ نے اپنی آمد کا مقصد بیان نہیں کیا۔" میں نے کسی تجسس یا تشویش کے بغیر کہا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔ میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ جتنی جلدی ممکن ہو، بمبئی سے چلے جائیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔"

لڑکی کے چہرے اور رکھ رکھاؤ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اچھے کردار کی مالک نہیں ہے۔ صرف ایک نظر سے بہت سی باتیں مجھ پر عیاں ہوگئیں۔ انکا نے یہ معمہ اپنے طور پر حل کرنا چاہا لیکن میں پہلے ہی معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ ادھر انکا نے جو تفصیل بتائی وہ خاصی دلچسپ تھی۔ لڑکی کا اصل نام جمیلہ تھا، حالات نے اسے ناہید بننے پر مجبور کردیا تھا۔ کئی غلط ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود وہ ابھی عام نہیں ہوئی تھی۔ صرف خاص لوگوں کی دسترس میں رہی تھی۔ ان خاص لوگوں میں بمبئی کا ایک پولیس افسر مادھولال بھی تھا۔ اتفاق سے جس وقت مادھولال کے ایک مخبر نے اسے بمبئی میں میری موجودگی کی اطلاع دی، اس وقت ناہید اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ چنانچہ ایک مسلمان کو خطرے میں دیکھ کر اسے تشویش ہوئی اور وہ اسی وقت مجھے بمبئی سے بھاگ جانے کا مشورہ دینے آ گئی تھی۔ انکا نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آج آدھی رات کو ہوٹل سے مجھے گرفتار کرنے کی تجویز طے پائی ہے۔ ناہید کی حقیقت سے آگاہ ہوجانے کے بعد مجھے اس سے ہمدردی ہونی لازمی تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جب وہ چلنے لگی تو دروازے پر، میرے ایک جملے سے ٹھٹک کر رک گئی۔ میں نے پوچھا تھا۔ "کیا تم مجھے اس مخبر کا نام یا حلیہ بتا سکتی ہو جس نے مادھولال کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کی تھی؟"

میرا جملہ سن کر وہ حیرت سے اچھل پڑی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ کو ان واقعات کا علم کیسے ہوگیا؟"

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مادھولال آج آدھی رات کو مجھے گرفتار کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ تم اطمینان رکھو، مادھولال کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ یہ لوگ پاگل ہوگئے ہیں۔"

ناہید مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"بی بی! میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گا، اب تم جا سکتی ہو، وہ تمہارے تعاقب میں ہیں۔"

"کیا!" وہ دہشت زدہ سی ہوگئی۔

میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا خیال رکھوں گا۔"

وہ کترا کر نہایت تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں کمرا بند کر کے بستر پر لیٹ گیا۔

"جمیل! چند لوگوں کے سلسلے میں تمہیں اپنا رویہ سخت کرلینا چاہئے، یہ لازمی ہے۔ یہاں کا ایک بڑا پجاری گوپال تمہارے بہت سے واقعات سن کر تمہارا جانی دشمن بن چکا ہے۔ مادھولال بدری نرائن کے عقیدت مندوں میں سے ہے، اب صرف دو صورتیں ہیں، جنگ یا فرار۔"

"وقت آنے پر دیکھا جائے گا انکا رانی! فی الحال مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔" میں نے جماہی لیتے ہوئے بے پروائی سے کہا پھر آنکھیں بند کرلیں۔

میرے ذہن میں رات کے لئے کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا۔ وقت آنے پر کشت وخون سے بچنے کے لئے میں کئی راہیں نکال سکتا تھا۔ نندا کے پند ونصائح کے زیر اثر میں ابھی تک خود کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن فتنے مسلسل میرے تعاقب میں تھے۔

رات کو ساڑھے نو یا دس کا عمل تھا۔ انکا کے نکیلے پنجوں کی شدید چبھن نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کردیا۔ میں نے انکا کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ بے حد بے چین نظر آئی۔ "تم پریشان کیوں ہو، کوئی خاص بات ہے؟" میں نے بے نیازی سے پوچھا۔

"کیا تم کچھ دیر کے لئے مجھے میری مرضی پر چھوڑ سکتے ہو۔"

"بات کیا ہے؟"

"ناہید اس وقت سخت اذیتوں سے دوچار ہے۔ میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ میں نے ناہید کے بارے میں اپنے خیال کا دائرہ وسیع کیا تو مجھے یہ پتا چلا......"

"ہونہہ...... انہوں نے اس غریب لڑکی کو سزا دے دی؟" میں نے جملہ مکمل کردیا۔

"ہاں۔ یہی ہوا ہے۔ تم اگر چاہو تو تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی لیکن تم حالات کی سنگینی پر غور ہی نہیں کرتے۔ مادھولال نے اس ہوٹل میں تمہاری موجودگی کی اطلاع ملتے ہی اپنے آدمی یہاں تعینات کردئے تھے۔ انہوں نے ناہید کو تمہارے کمرے سے نکلتے دیکھ کر مادھولال کو خبر کردی۔ انجام کار اس وقت وہ بے چاری تمہاری ہمدردی کے جرم میں گوپال کے پاس پہنچادی گئی ہے تاکہ وہ اسے کالی کے چرنوں میں بھینٹ کے طور پر استعمال کرے۔ وہ ظالم اس وقت اسے سخت اذیت میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ تم گوپال کو نہیں جانتے، وہ کمینوں کا کمینہ ہے، بڑا مغرور، درندہ صفت اور ظالم انسان ہے۔ مجھے اجازت دو جمیل! ناہید کی [illegible] میں سب کچھ کہہ گئی۔

میں نے انکا کو کوئی جواب دینے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ خود کو لوگوں کی نظروں سے روپوش رکھنے کے لئے میں نے پولیس کے متعین آدمیوں کی آنکھوں میں دھندسی پیدا کردی اور ان کے سامنے سے گزر کر سڑک پر آ گیا۔ انکا نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کے سر پر جا کر میری مشکل حل کر دی۔ پندرہ منٹ بعد ٹیکسی مندر کے قریب ایک اونچی عمارت کے سامنے رک گئی۔ میں نے برق رفتاری سے دوڑ کر عمارت کا احاطہ عبور کیا پھر اس خاص کمرے تک پہنچ گیا جہاں ناہید زنجیروں سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر کوئی لباس نہیں تھا اور جگہ جگہ اس کے خون کے دھبے تھے۔ وہ فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس کی روح فرسا حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے پیچھے سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''اچھا ہوا جمیل احمد خان کہ تم خود یہاں آ گئے۔ اب مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔''

''تم...... گوپال داس! تم نے اس لڑکی کا کیا حلیہ بنا دیا؟'' مجھے ایک مدت بعد اتنا غصہ آیا تھا۔ میری آواز گرج رہی تھی۔ ناہید ذبح کی ہوئی بکری کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ حسین شکل اور خوب صورت آنکھیں جو میں نے ہوٹل میں دیکھی تھیں، اس وقت وہ عجیب کرب ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا۔ ناہید نے ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھے بچانا چاہا تھا۔ ہم میں سے کون مسلمان تھا، یہ خود ہمیں نہیں معلوم تھا لیکن ہمارے نام تو اب تک وہی تھے۔ وہ میری محسنہ تھی اور اس نے طوائف ہونے کے باوجود بھی اپنے ضمیر کا ساتھ دیا تھا۔

''کیا تمہیں بہت ملال ہے، جمیل احمد خان؟ ہاں یہ بھی تو مسلمان ہے۔ ویشیا، کلنکنی، اس کا خون کالی کو پسند آئے گا۔''

''کمینے! تجھے ایک لڑکی پر ظلم کرتے شرم نہیں آئی؟'' میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''تو بہت نیچ نکلا، تو نے ہندو دھرم کا بھی اپمان کیا۔''

''مسلے! تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ اپنی زبان خوب چلا لے۔ آج میں تجھ سے تمام پنڈتوں کا بدلہ لوں گا۔''

''میں نے کسی کو وچن دیا ہے گوپال داس کہ خون خرابا نہیں کروں گا لیکن تو نے بہت بڑی باتیں کہہ دی ہیں۔'' میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ''اب تجھے چھوڑنا یا شما کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تو......؟ تو مجھے شما کرے گا؟'' گوپال داس زہرخند سے بولا۔ ''کیا چنڈو پی رکھی ہے؟ یہ گوپال داس ہے، سنبھل، بات کر۔''

ناہید کی کربناک چیخیں میرے دل و دماغ میں نشتر بن کر چبھ رہی تھیں۔ معاملے کو طول دینا

مناسب نہیں تھا۔ سب سے پہلے میری کاٹ کرتی ہوئی نظریں ناہید کے پیروں میں بندھی ہوئی زنجیروں پر پڑیں۔ ''آؤ ناہید! تم میرے پاس آ جاؤ۔'' زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ بے تحاشا میری آغوش میں آ لگی۔ میں نے اسے علیحدہ کھڑا کر دیا۔ ''تم اپنے سر پر چادر ڈال لو، میں اس پاپی سے نمٹتا ہوں۔'' میں نے اس سے کہا۔

''یہ چھوٹے موٹے چمتکار دکھا کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟ پر میں آج تجھے بتاؤں گا کہ شکتی کسے کہتے ہیں۔'' گوپال داس گرجنے لگا۔

''تو بڑا ڈھیٹ ہے۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا اور مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی آنکھوں کے سحر سے اسے حواس باختہ کر دیا۔ وہ اپنی جگہ جکڑ سا گیا، پھر میں نے تیزی سے زنجیر اٹھا کر اس کے چہرے پر ماری۔ میرے منتر کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسے اتنا مارا، اتنا مارا کہ خود میرے ہاتھ میں زنجیر سے چھالے پڑ گئے۔ میں نے اسے کوئی عمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ میں اسے مارتا ہی رہا، اتنا شدید مارا کہ کمرے کی دیواریں، میرے کپڑے اور ناہید کا بدن اس کے خون کی چھینٹوں سے لہولہان ہو گئے۔ میں نے اس کی دونوں آنکھوں میں اتنی زنجیریں ماریں کہ وہ ہمیشہ کے لئے پھوٹ گئیں۔ نہ جانے یہ کون سا چھپا ہوا غصہ تھا کہ میرے ہاتھ رکتے ہی نہیں تھے۔ انکا سراسیمہ نظروں سے میرا جنون دیکھ رہی تھی مگر میں تھا کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ گوپال کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں اور گوشت جگہ جگہ سے ادھڑ گیا تھا۔ وہ تڑپتے تڑپتے بے جان ہو گیا لیکن میرے ہاتھ نہیں رکے۔ پھر جب ناہید نے گرتے پڑتے میرے قریب آ کر میرے ہاتھ روکے تو مجھے ہوش آیا۔ ناہید کی حالت دگرگوں تھی۔

میں نے اسے اس اذیت سے نجات دلانے کے لئے بے ہوش کر دیا۔ پھر میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لباس پہنایا۔ انکا دم بخود تھی۔ اس نے اس دوران مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔

میں نے زخمی اور بے ہوش ناہید کو اپنے کندھے پر لادا۔ میرا خیال تھا کہ ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر اسی وقت بمبئی کو خیر باد کہہ دوں گا۔ میں مزید کسی ٹکراؤ سے بچنا چاہتا تھا۔ کمرے سے نکل کر جیسے ہی راہداری میں آیا، مجھے ایک نئے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ بدری نرائن اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ میرے سامنے دیوار بن کر کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہ دو ہٹے کٹے پجاری تھے۔ بدری نرائن کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا...... میری وحشتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

☆......☆......☆

زخمی اور بے ہوش ناہید میرے کاندھوں پر جھول رہی تھی اور میرے سامنے کرۂ ارض پر میرا سب سے بڑا دشمن بدری نرائن، دو بھاری بھرکم پجاریوں اور اپنی تمام رعونتوں اور خباثتوں کے ساتھ موجود تھا۔

میری رگوں میں لاوا ابلنے لگا۔ دو پجاریوں کی موجودگی خالی از علت نہیں تھی اور یہ اس امر کی بھی علامت تھی کہ اگر کوئی معرکہ ہوا تو طول کھینچ جائے گا۔ یہ میری باطنی قوتوں نے مجھے متنبہ کیا کہ اس وقت میرے لئے کوئی ہنگامہ مناسب نہیں ہوگا حالانکہ اتنے دنوں بعد بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چبا ڈالنے اور اس کا سرمہ بنانے کے لئے ہاتھ میں کھولن ہو رہی تھی۔ گوپال داس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد طبیعت یوں بھی مکدر ہوگئی تھی۔ کاندھے پر ناہید سوار تھی۔ نندا نے درگزر، عفو اور راستہ کاٹنے کی وصیت کی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر خود سے وابستہ نہ کرلوں اس وقت تک بدری نرائن سے کسی قسم کی رزم آرائی سے گریز کروں۔ اس وقت برداشت کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ مجھے بدری نرائن کا خون درکار تھا۔ انکا بھی میرے سر پر وحشت زدہ سی بیٹھی تھی۔ میرے ذہنی خلفشار نے کوئی انتہا پسندانہ اقدام کرنے سے مجھے روکا۔ اب میں پہلے کی طرح کوئی مشتعل شخص نہیں رہا تھا۔ نندا نے مجھے صبر، سکون اور گریز کی تعلیم دی تھی۔ صرف ایک جذبہ، باقی تمام گریز، دنیا سے گریز، دنیا کی آلائشوں سے گریز۔ بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چھوڑ دینا میری اسی تعلیم اور تپسیا کا امتحان تھا۔ کیا میں اسے یوں ہی چھوڑ دوں؟ اس موذی، اس شیطان، اس کمینے شخص کو؟ جس نے میری زندگی مختصر کردی۔ جس نے میرے عزیز ترین لوگ مجھ سے چھین لئے۔ میرے جسم پر اتنے زخم تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل تھا۔ مجھے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا چہرہ مسخ کر دینا چاہئے پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں اسے بتا دوں کہ جمیل احمد خان اب ایک مجبور و بے کس شخص نہیں ہے مگر میں نے اپنے حواس اندھے نہیں ہونے دئے۔ بدری نرائن کو اس کا احساس ضرور ہوگا کہ میرے اندر کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اسی لئے وہ تنہا نہیں آیا، دو پجاریوں کے ساتھ آیا۔ ان کے سر گھٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر تجربے مرقوم تھے اور ان کی آنکھوں سے اعتماد ہویدا تھا۔ میں نے ان تینوں کو اپنی قوتوں کے ترازو میں تولنے کی کوشش کی۔ ہاں، سب کچھ ممکن تھا مگر یہ ایک نامناسب اور ناموزوں موقع تھا۔ ان کی طلبی پر تھوڑی دیر میں یہاں دوسرے پجاری بھی آسکتے تھے۔ گوپال داس کی عبرت ناک موت، وہ اتنی آسانی سے کیسے فراموش کردیں گے۔ میں نے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے ایک لمحے کو اپنے دل و دماغ وہاں سے ہٹائے، آنکھیں بند کیں۔ یہ ارتکاز کا ایک لمحاتی عمل تھا۔ میں بڑی حد تک پُرسکون ہوگیا۔ میری خاموشی پر انکا نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ”تم کیا سوچ رہے ہو؟ اس سے بہتر وقت کب آئے گا؟ مجھے تمہاری طاقتوں پر اعتماد ہے۔“

”ابھی کچھ دیر ہے انکا! یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ اب میں صرف بدری نرائن کا دشمن نہیں ہوں، ہندوستان کے تمام بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی نظر میں آچکا ہوں۔ بہتر ہے ہم گریزاں ہوں اور دوسرا راستہ اختیار کریں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ بدری نرائن کو ختم کر کے یہ آگ بجھ جائے گی؟“ میں [illegible]

میں انکا سے کہا۔

”تمہارا خیال ہے کہ وہ دوسرے راستے پر آجائے گا۔ مجھے اجازت دو کہ میں کوئی تماشا کروں۔“

”نہیں انکا۔ نندا نے مجھے نیکیوں کی تعلیم دی ہے۔ بدری نرائن ایک واحد دشمن نہیں ہے۔ وہ تمام دشمنوں کا نمائندہ ہے۔ اگر اسے ختم کردیا گیا تو تمام دشمن ختم نہیں ہو جائیں گے۔ اگر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اس کا میرا راستہ الگ ہے اور میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا تو ممکن ہے اس کے تمام ساتھی مجھ سے عناد ترک کردیں۔ تم کب تک لڑو گی؟“ میں نے انکا کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

”اوہ جمیل! کیا تمہاری آنکھوں پر دھند چھا گئی ہے؟ وہ بدری نرائن ہے۔“ انکا نے غصے سے کہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا تقریر کرتی رہی۔ میں نے اس کی باتوں سے دھیان ہٹا لیا۔ بدری نرائن سے میری نظریں چار تھیں۔ اس کے دونوں ساتھیوں کے تیور بھی حد درجہ خطرناک تھے۔ میں نے انہیں نظر انداز کر کے آگے بڑھنا چاہا تو مجھے اپنے پیچھے سے بدری نرائن کی طنز بھری آواز سنائی دی۔ ”ارے ارے شریمان جمیل احمد خان! کہاں چلے؟ بڑے بھاگیہ ہمارے، جو آج تمہارے درشن ہوگئے۔“

میرے قدم خطرہ سونگھ کر وہیں ٹھہر گئے لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی سے شہ پا کر وہ بولا۔ ”اتنے سال کہاں رہے مہاراج! کیا اپنے پرانے سیوک کو بھول گئے تھے؟ یہ میں ہوں مہاشے، میں بدری نرائن! سنا تم نے؟“ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ بدری نرائن اور بے باک ہوگیا۔ ”یہ تم نے اپنے شریر سے کس ناری کو لگا رکھا ہے، مہاراج؟ یہ جیوت ہے یا سورگ باشی ہوگئی؟“

”بدری نرائن!“ میں نے پلٹ کر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ”اس چوہے بلی کے کھیل کو بہت سال ہوگئے، اب اسے بند ہو جانا چاہئے۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے یہاں سے جانے میں میرے کسی خوف کو عمل دخل ہے تو تم اپنے طور پر یہی سمجھ لو۔ اگر تم تمام باتیں بھول جانے اور اپنی راہ اختیار کرنے کا طریقہ منتخب کرتے ہو تو مجھے تمہارے اس فیصلے سے خوشی ہوگی۔ اگر تم پچھلی باتیں دہرانے اور زخم کریدنے کا ارادہ رکھتے ہو تو میں بتاؤں کہ تمہیں مایوسی ہوگی۔“

”آ...... آ...... آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہو جمیل احمد خان!“ بدری نرائن کے لہجے میں زہر تھا۔ ”ہم تو بہت دنوں سے مایوس ہو رہے ہیں۔ پچھلی باتیں اتنی جلد کیسے بھلائی جا سکتی ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

”میں تمہاری پچھلی ناکامیاں گننا نہیں چاہتا۔ حال ہی میں تم نے اپنے دونوں متروں کا حشر سورگ باش پریتم لال کے استھان پر دیکھ لیا۔ تم نے ترپاٹھی، ارجن داس اور گوپال داس کے بارے میں بھی کوئی اچھی خبر نہیں سنی ہوگی۔ میرے ساتھ لڑنے کا [illegible] سے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں نے

Downloaded from Paksociety.com

اتنے سال روپوش ہو کر نہیں گزارے بدری نرائن!'' میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنا راستہ بدل لو۔ میں اپنی راہ پر جاتا ہوں۔ میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ تم میرے بارے میں ایک بار اور سوچ لو، ابھی وقت نہیں گیا۔''

''وقت کی بات چھوڑو، اس سے اچھا سے کب آئے گا۔ یہ سندر ناری ناہید ہے۔ آہ کتنا سندر نام ہے اس کا۔ کیا یہ ہمیں تم سے جدا کر دے گی مہاراج۔ نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔'' بدری نرائن کا لہجہ بتدریج ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔

''جمیل! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اس کا سر کچل دو۔'' انکا تلملا کر بولی۔ ''کیا اس کمینے سے تمہیں کسی نرمی کی توقع ہے؟''

''بدری نرائن!'' میں نے انکا کو جواب دینے کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ ''تم میرے شریفانہ رویے سے غلط نتیجہ اخذ کر رہے ہو۔ دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دو گے تو شعلے بھڑک اٹھیں گے۔''

''شعلے تو بہت بھڑکے ہوئے ہیں۔ اب بہت ہو چکا ہے خان صاحب! سمے بیت چکا ہے۔'' بدری نرائن نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ''تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ یہ شری گوپال داس کا آشرم ہے۔ آج تک کسی مسلے کو یہاں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کوئی دشٹ یہاں آ کر واپس نہیں گیا اور پھر تم جیسا منش؟''

''سپنوں کی باتیں نہ کرو بدری نرائن۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میرے دل میں کوئی کپٹ نہیں۔ کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے اتنے دن کہاں گزارے ہیں؟ میرے گرو نے مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن اس نے مجھ سے وچن لیا تھا کہ اہنسا، تیاگ اور عفو کا دامن نہ چھوڑوں۔ میرے لہجے کی نرمی میری کمزوری پر محمول نہ کرو۔ تم ایک مہان پجاری ہو بدری نرائن! جاؤ کالی کے پاس جاؤ۔ اس کی سیوا کرو۔'' میں نے درشتی سے کہا۔

''کالی کا نام اپنی گندی زبان پر نہ لاؤ۔'' بدری نرائن نے طیش بھری آواز میں کہا۔ ''اتنے پاپ کرنے کے بعد مجھے اپدیش دیتے ہو؟''

اسی وقت میری آنکھوں نے بدری نرائن کے بیر دیکھے جو میرا راستہ روکے کھڑے تھے اور بدری نرائن اور اس کے ساتھیوں کے اشارے کے منتظر تھے۔

''میں اس کے سر پر جا رہی ہوں۔ تم اسے اپدیش دیتے رہو۔'' انکا میرے حکم کے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ اسی لمحے بدری نرائن کی آواز گونجی۔

''آہا۔ انکا دیوی۔ نمسکار، پرنام۔ جگدیش، بلویر، ارے دیکھو، یہ کون میرے سر پر بیٹھا ہے۔ انکا رانی!'' بدری نرائن نے اپنے دونوں [illegible]

اب تمہارا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ ہم نے یہاں آنے سے پہلے ہی اس کا پربندھ کر لیا تھا۔ میں ایک بار مرگھٹ میں تمہارا ادھیکار دیکھ چکا ہوں۔ جب یہ دشٹ جمیل احمد خان وعدے کے مطابق تمہیں سونپنے کے لئے میرے پاس آیا تھا۔'' جگدیش اور بلویر، اس کے دونوں ساتھی حیران نظروں سے بدری نرائن کے سر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انکا ان تینوں کے سر پر گئی اور تینوں باری باری اچھلے۔ بدری نرائن کچھ حواس باختہ سا ہوا اور اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے دونوں پنڈتوں کو انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ اچانک وہ سارے بیر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں اوندھے منہ گر گیا۔ خون کی ایک باریک سی لکیر میرے ہونٹوں سے نکلی۔ ناہید کا جسم غیر متوازن ہوتے ہی ایک طرف ڈھلک گیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو ان کے بیروں نے دوبارہ مجھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اس بار وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ میں کھڑے کھڑے ارتکاز میں چلا گیا۔ میری آنکھیں ایک سمت مرکوز ہو گئی تھیں۔ اصل میں مجھے خود سے زیادہ ناہید کی فکر تھی اور میں ہر ممکن طور پر اس مقابلے سے پہلو تہی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکا بدری نرائن کے سر پر جا کر کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے سکے گی۔ مجھے یہاں سے فوراً چلا جانا چاہئے تھا۔ ان کی آنکھوں پر دھند چھا جانے سے میرے جانے کا راستہ صاف ہو سکتا تھا لیکن وہ عادم آدمی نہیں تھے۔ پوری طرح محتاط اور مستعد تھے۔ انکا بے بسی کے ساتھ میرے سر پر آ گئی۔ میں نے نندا کی آتما سے معذرت چاہی اور ناہید کو اٹھاتے اٹھاتے میں بدری نرائن کے بہت نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اسے حقارت بھری نظروں سے گھور کر دیکھا۔ بدری نرائن کسی قدر پیچھے ہٹا اور مجھ سے کہنے لگا۔ ''ہم تمہیں کسی بھی سمے نرک پہنچا سکتے تھے لیکن کالی کے تمام پجاریوں کے سامنے تمہارا بلیدان ہوگا تو ہمارے ہردے کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ ہمیں اپنے تمام پجاریوں کی آتماؤں کو شانت کرنا ہے جنہیں تم نے ہم سے دور کر دیا ہے۔ تم یہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ تمہاری وہ ناری جو سر پر بے بس بیٹھی ہے۔ نہ تم، نہ تمہارا گروہ، نہ وہ سندر ناری کلپنا یہاں آ سکتی ہے جس نے کئی بار تمہیں بچایا ہے۔ ہم نے راستوں میں کانٹے بچھا دیے ہیں۔ خان صاحب، اب باز آ جاؤ۔ سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔''

''بدری نرائن! تم مجھے تشدد پر اکسا رہے ہو۔ تم اپنی شکتی سے کام نہیں لے رہے ہو۔ پوچھو اس سے کہ میں تم سے نرمی کا برتاؤ کیوں کر رہا ہوں؟ اب میں تمہیں شما نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے ہوں، تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ بلاؤ اپنے بیروں کو، مہاپرشوں کو، پہنچاؤ مجھے نرک میں۔'' میں نے گرجدار آواز میں کہا۔

میرے لئے ان اشتعال انگیز باتوں کے باوجود اب بھی یہی بہتر صورت تھی کہ میں ان سے کسی معاملے میں نہ الجھوں۔ وہ تین تھے اور میری کسی غفلت سے فائدہ اٹھا کے کوئی اوچھا وار کر سکتے تھے۔ آشرم سے باہر بھی مجھے کچھ اچھے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ میری گرجدار آواز سن کر انہوں نے ایک نگاہ

Downloaded from Paksociety.com

غلط انداز میرے سراپا پر ڈالی۔ میں نے ناہید کو اپنے دوسرے کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

''بدری نرائن جی! یہ مورکھ اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ انکا دیوی بھی اس کے ساتھ ہے' اس کے بیر جکڑ لو اور اندر سے سیوکوں کو آواز دو۔'' جگدیش نے بدری نرائن کو مشورہ دیا۔

بدری نرائن نے کوئی منتر پڑھ کر میری طرف پھونکا لیکن میں اب ہر اقدام پر تیار تھا اور ہر وار کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ وہ میرا بال بیکا نہ کر سکا۔ پھر اس نے میری زبان بند کرنا چاہی لیکن اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے مجھے اندھا کرنا چاہا لیکن وہ میری ایک جگہ ٹھہری ہوئی آنکھیں ہلانے تک میں ناکام رہا۔ میں ساکت و جامد اپنی جگہ کھڑا تھا جیسے میں گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں، جیسے میں نہیں ہوں، نندا کے استھان پر موجود ہوں۔ ''مہاپُرشو!'' میں نے اپنی آواز گمبھیر بنا کر کہا۔ ''مہاپُرشو۔ تم نے شاید میری باتیں ٹھنڈے دل سے نہیں سنیں حالانکہ میں نے جو کچھ کہا تھا، سچے دل سے کہا تھا۔ میرا بدری نرائن کا جھگڑا پرانا ہے۔ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ تم کیوں درمیان میں آتے ہو، تم ......'' لیکن میرا جملہ نامکمل رہا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کسی نے کوئی چیز گرا دی ہو۔ انہوں نے انکا پر حملہ کیا تھا۔ انکا پوری طرح چوکنا بیٹھی ہوئی تھی۔ انکا کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ پتھر کا میرے سر پر پڑنا تھا کہ انکا نے اسے اٹھا کر میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ میں نے اسے بدری نرائن کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت چھوٹا تھا۔'' بدری نرائن اور دونوں پجاری سخت اشتعال کے عالم میں تھے اور بار بار مجھ پر حملہ کر رہے تھے۔ میں ان کے وار سہہ رہا تھا اور انہیں ناکام کر رہا تھا۔ یہ میرے ضبط کی انتہا تھی۔ مجھے کسی ایسے مہلک وار کا انتظار تھا جو میں آسانی کے ساتھ ان کی طرف واپس کر سکوں۔ انکا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار میرے سر سے اترتی تھی اور واپس آ جاتی تھی۔ ''بدری نرائن! میں جا رہا ہوں لیکن جلد ہی تم سے میری ملاقات ہو گی۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور پھر دروازے کی سمت جانے لگا۔

''ٹھہر جا، اے دشٹ، تو نہیں جا سکتا۔'' جگدیش منہ سے کف نکالے میری طرف دوڑا اور میرے سینے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس سے پہلو بچانا چاہا لیکن میرا جسم اپنے جسم سے مس ہو جانے کے بعد وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایک زناٹے دار طمانچہ میرے گال پر رسید کر دیا۔ میرے جسم کا سارا خون میری آنکھوں میں اتر آیا۔ انکا کا برا حال تھا۔ وہ دوسرا ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں ٹک گیا اور وہ ایک چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اسی لمحے انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے نندا کو یاد کر کے ندامت کا اظہار کیا۔ مجھ پر غیظ و غضب نے غلبہ پا لیا تھا۔ انکا نے جگدیش کے سر پر پہنچ کر اسے بے دم کر دیا۔ میں نے جلد ہی انکا کو واپس بلا لیا کیونکہ وہ لمحوں میں میرے عتاب سے جھلسنے والا تھا۔ وہ خس و خاشاک کے مانند ایک ثانیے میں جل گیا اور میں عالم اضطراب، خوں خواری اور خوں باری کی

کیفیت میں بدری نرائن کی طرف مڑا۔ ''دیکھا تو نے او کمینے پنڈت!'' مگر میری دہاڑ اور گرج سننے کے لئے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دونوں اندر کی طرف بھاگ گئے تھے۔ انکا نے مجھے ان کا تعاقب کرنے پر اکسایا۔ جب میں گرجتا، برستا گوپال داس کے کمرے میں پہنچا تو وہاں اس کی خون آلود لاش کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں غائب ہو گئے تھے۔ زیادہ تگ و دو کے لئے وقت نہیں تھا۔ ناہید ابھی تک میرے کاندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ راستہ صاف تھا لیکن مجھے اپنی حالت درست کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ پورا جسم آگ بنا ہوا تھا۔ ایک خفیف سی کپکپاہٹ طاری تھی۔ دماغ جھن جھن کر رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ پاؤں میں لرزش تھی۔ چند ثانیوں کے لئے میں ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ناہید کو اپنی کمر سے اتارا۔ گوپال داس کی لاش سے نظریں ہٹا لیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔ مراقبہ جو امن وسکون کا نسخہ ہے۔ انکا خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی محویت اور استغراق توڑنا پڑا۔ وقت بہت کم تھا۔ مجھے جلد سے جلد اس آشرم سے باہر نکل کر ناہید کی تیمارداری کا بندوبست کرنا تھا۔ ناہید کو راستے میں اس طرح لے جاتے میں خطرے درپیش تھے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ جلد ہی کسی گاڑی کا انتظام کرے۔ انکا نے میرے سر سے اتر کر گوپال داس کے آشرم کے سامنے سے گزرنے والی پہلی گاڑی روک لی۔ میں ایک چادر اوڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک پرائیوٹ گاڑی تھی۔

''کہاں لے چلوں؟'' خوش پوش ڈرائیور نے مجھ سے خوش اخلاقی سے پوچھا۔ اس کے سر پر انکا سوار تھی۔

''کسی بھی ڈاکٹر کے پاس۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''حالات کافی بگڑ سکتے ہیں۔ وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں۔'' ڈرائیور نے مجھ سے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''ان کا فرار ہونا ہی ٹھیک ہوا۔ اس طرح انہیں میری طاقت کا اندازہ تو ہو گیا۔ شاید وہ باز آ جائیں، بصورت دیگر ہمیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔''

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔ وہ اس طرح باز نہیں آئیں گے۔ تمہیں پہلے بدری نرائن پر حملہ کرنا چاہئے تھا۔'' ڈرائیور نے کہا۔ وہ انکا کی ترجمانی کر رہا تھا۔

''میں نے جو کچھ کیا، صحیح کیا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ جگدیش پہلے سامنے آ گیا۔ اصل میں، میں بدری نرائن کے ساتھ کسی مڈھ بھیڑ سے آخر وقت تک بچنا چاہتا تھا لیکن بعد میں مجبوراً میں نے ارادہ بدل [illegible] تھے۔ بہرحال جو ہوا، ٹھیک ہی

Downloaded from Paksociety.com

ہوا۔ میں بدعہدی سے بچ گیا۔''

''کیسی بدعہدی؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''میں نے کسی کو وچن دیا تھا، پھر باتیں ہوں گی۔'' میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

''تم مجھ سے چھپاتے ہو، میرا جی جلاتے ہو؟'' ڈرائیور بولا۔

''کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں؟'' میں نے غصے سے کہا۔

ڈرائیور خاموش ہوگیا۔ گاڑی ایک کوٹھی میں جا کر ٹھہر گئی۔ یہاں بمبئی کا ایک مشہور ڈاکٹر ایس سکسینہ رہتا تھا۔ یہ ہر طرح سے ایک محفوظ مقام تھا۔ میں نے ناہید کو اتار کر لان میں ایک کرسی پر لٹا دیا۔ گاڑی ہمیں چھوڑ کر روانہ ہوگئی۔ انکا ڈرائیور کو الجھا کر کچھ دیر بعد واپس آ گئی۔ ڈاکٹر اندر مصروف تھا۔ میں نے انکا کو ڈاکٹر کے سر پر بھیج دیا۔ وہ دوڑا دوڑا اندر سے آیا اور ناہید کی حالت دیکھ کر تاسف کرنے لگا۔ ''اندر لے آؤ۔ اندر لے آؤ۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

اندر پہنچ کر اس نے ناہید کا طبی معائنہ کیا۔ اس نے کسی فیس کا مطالبہ نہیں کیا اس لئے کہ انکا اس پر مسلط تھی۔ ناہید اس کی غیر معمولی دیکھ بھال سے جلد ہوش میں آ گئی اور سراسیمہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس سے تسلی آمیز باتیں کر کے میں باہر آ گیا۔ ڈاکٹر اس کے جسم کے مختلف حصوں کی ڈریسنگ کرتا رہا۔ اس نے اپنی نوجوان لڑکی پریم کا لباس بھی ناہید کو پہنوا دیا۔ جب نرس نے مجھے یہ اطلاع دی کہ میں اندر جا سکتا ہوں تو ناہید کا چہرہ دیکھ کر میرا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا۔ اس کے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، وہ پریم کے لباس میں خاصی دلکش نظر آ رہی تھی۔ ناہید کو چلنے پھرنے کی طاقت آنے میں تین چار روز آرام کی ضرورت تھی۔ گوپال داس کے علاوہ اب ایک اور مہان پجاری کا خون میرے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ مجھے اپنے لئے کوئی موافق فضا نظر نہیں آئی۔ میرے ہوٹل پر پولیس کا پہرا تھا۔ حالات انتہائی مخدوش صورت اختیار کر گئے تھے۔ بمبئی پولیس پوری طرح حرکت میں تھی۔ میں صحیح حالات کا اندازہ لگانے کے لئے دیر تک غور و فکر کرتا رہا۔ ساری دشواری ناہید کی وجہ سے تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ کر انکا کے ساتھ کہیں چل پڑتا تو وہ کسی نہ کسی طرح ناہید کا پتا چلا لیتے اور اس کی زندگی حرام کر دیتے۔

اس وقت یہی صورت مناسب تھی کہ ہمارا قیام ڈاکٹر ہی کے ہاں رہے اور ڈاکٹر کے سر پر انکا سوار رہے۔ میری نظر میں کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں تھی جو قریب ترین ہو۔ میسور، بمبئی سے خاصا دور تھا۔ صرف ایک پناہ گاہ تھی، کلدیپ کا استھان لیکن کلدیپ کے استھان پر جانے سے پہلے ناہید کو اس کے والدین کے پاس پہنچانا چاہتا تھا۔ ناہید ایک ستم رسیدہ لڑکی تھی۔ وہ اپنے حسن اور شباب کے جوش میں آ کر حیدر آباد دکن کے ایک ہندو لڑکے سے دل لگا بیٹھی تھی۔ وہ اسے اغوا کر کے بمبئی میں لے آیا اور بمبئی میں کچھ دنوں اس کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر بھاگ گیا۔ غیرت مند ناہید نے گھر واپس جانے کے بجائے

خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ لوگ اسے دھوکے دیتے رہے اور وہ تنہا اپنی قسمت سے لڑتی رہی۔ آخر گردشوں نے اسے مختلف لوگوں کی آغوش میں لا ڈالا اور یہی اس کا پیشہ بن گیا۔ بمبئی کے فیشن ایبل علاقے میں اس کا خوب صورت فلیٹ تھا۔ وہاں بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں کے ہاں وہ جاتی تھی۔ وہ اپنی اس زندگی سے ناخوش تھی۔ اس نے میرے ساتھ احسان کیا اور میں اس احسان کا بدلہ اس طرح چکانا چاہتا تھا کہ اسے اس کے والدین کے پاس پہنچا دوں کیونکہ وہی ایک جگہ اس کے لئے محفوظ رہنے کی تھی۔ انکا ڈاکٹر کے پاس تھی۔ میں ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لان میں لے آیا۔ پھر میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر کا ذہن معطل کر دے۔ اس کے بعد میں نے اس سے ناہید کے بارے میں مشورہ کیا۔ انکا بھی باہر کے حالات سے باخبر تھی۔ میں نے آتے ہی ڈاکٹر کا مکان ایک حصار میں لے لیا تھا۔ ہم یہاں بہت حد تک اپنے دشمنوں کی نگاہ سے بچے ہوئے تھے انکا نے ناہید کے سلسلے میں میرے مشورے کی تائید کی۔ باہر نکلنے میں اسی کشت و خون کا ڈر تھا۔ وہی گرفتاری، وہی رہائی، وہی منتر اور وہی ماورائی طاقتیں۔ مجھے اب ان باتوں سے کوئی رغبت نہیں رہی تھی۔ میں کسی کو مارنا اور نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ میری پہلو تہی کی یہی وجہ تھی۔ بہت سے بے گناہ انسانوں کا خون ہو چکا تھا۔ ان پنڈتوں، پجاریوں کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ اپنا ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ہر جگہ ایک مورچا تھا، ہر سمت ایک معرکہ میرا منتظر تھا۔ میرے لئے انہیں زچ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر بات کا جواب دینے میں زمین سرخ ہوتی تھی اور مجھے اذیتوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ میرا دل لوگوں کے ساتھ بھلائی کا خواہاں تھا۔ میں ایک بدلا ہوا آدمی تھا۔ ناہید ایک عام لڑکی تھی۔ ایسی بہت سی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں اور چلی گئیں لیکن اب میرے ضمیر سے دھند چھٹ چکی تھی اور مجھے بہت سی چیزیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔

میں نے ڈاکٹر کے ہاں قیام کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر نے مجھے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا۔ ایک رات گزر گئی۔ صبح ہم نے ساتھ ناشتا کیا۔ ڈاکٹر کی نوجوان لڑکی پریم بھی وہاں موجود تھی۔ پریم ایک دبلی پتلی، تیکھی سے لڑکی تھی۔ اس کے نقش و نگار بہت جاذب نظر تھے۔ اس کا قد کسی قدر لانبا تھا۔ وہ کالج میں پڑھ رہی تھی۔ اچھی دلچسپ باتیں کرتی تھی۔ آسودہ حالی نے اس کی جاذبیت کچھ اور بڑھا دی تھی۔ سانولی سی بہت خوش رنگ، خوش طبع لڑکی تھی۔ آنکھوں سے شوخی اور شرارت مترشح تھی۔ شرماتی اور مسکراتی تھی تو بائیں رخسار میں گڑھا سا پڑ جاتا تھا۔ کم عمر لیکن بہت ذہین معلوم ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اس سے بہت حد محبت کرتا تھا۔ پریم کی تیزی و طراری اور اس کا وقار دیکھ کر مجھے پونا کلب میں ملنے والی کلدیپ یاد آ گئی جو اب جوگن بن گئی تھی۔ لارڈ اسمتھ رالف کی بیٹی سارا کا نقشہ میرے ذہن میں گھوم گیا۔ مجھے اپنی جین یاد آئی۔ جو یقیناً میری یاد میں رو رہی ہوگی۔

ڈاکٹر کی بڑی کوٹھی میں چند دن سکون سے گزارنے کے لئے گھر میں رہنے والے ملازمین سے اپنا

Downloaded from Paksociety.com

چہرہ دور رکھنا ہی مناسب تھا، مجھے معلوم تھا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں ایک بے ضرر شخص کی تلاش تھی۔ وہ اب مجھ سے خاصے خوف زدہ بھی تھے کیونکہ میرے ریکارڈ میں خون ریزیوں کے ساتھ ساتھ میری غیر معمولی شخصیت کا ذکر کیا گیا تھا۔ بمبئی میں بہت پہلے نرگس کے زمانے میں مجھ پر مقدمہ چلا تھا اور یہاں کی پولیس ذہن پر ذرا بھی زور ڈالتی تو قتل کے کئی مقدموں میں مشتبہ جمیل احمد خان کے بارے میں اور متشدد ہو جاتی۔ اب ڈاکٹر کی خوش نما کوٹھی میرے لئے ڈھال تھی۔ میں نے اسے محصور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے باہر کی طرف نظریں کھلی رکھنی چاہئے تھیں۔ رات کو انکا ڈاکٹر کو سلا کر میرے پاس آئی تو اس نے اپنے مخصوص انداز میں سرگوشی کی۔ ”جمیل! ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟“

”کہو“ میں نے تنک کر کہا۔ ”پریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کتنے دن مجھے یہ تماشا دیکھے ہوئے ہو گئے، کہو تو تمہارے پاس لے آؤں، لطف رہے گا۔“

”انکا!“ میں نے اسے جھڑک دیا۔ ”تم مجھے مسلسل غلط سمجھ رہی ہو۔ آئندہ میں اس قسم کی باتوں پر تمہیں معاف نہیں کروں گا۔“ انکا پھر میرے پاس نہیں ٹھہری، دوبارہ ڈاکٹر کے پاس واپس چلی گئی۔ ناشتے کے دوران میں، پریم سے گفتگو کر کے مجھے اس کی دلچسپ شخصیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے کالج جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی۔ وہ جھجکتی جھجکتی میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے خود کو اس پر منکشف کرنا شروع کر دیا۔ بہت دنوں بعد میں نے کسی قدر مختلف گفتگو کی۔ ایسی لڑکیوں کے لئے اس زمانے میں مغرب کا ذکر بہت پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ میں اسے لندن، برلن اور تہران میں اپنے قیام کے تاثرات بتاتا رہا۔ ڈاکٹر کی لڑکی میرے پاس تھی اور ڈاکٹر انکا کے زیر اثر تھا۔ وہ تن دہی سے ناہید کا علاج کر رہا تھا اور میں پریم کے دلکش چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ پریم ایک ایسی لڑکی تھی جسے ستانے اور دکھ دینے میں لطف آتا تھا مگر میرے ان جملوں کا یہ مطلب نہیں کہ میرا نفس مجھے آوارگی کی طرف مائل کر رہا تھا۔ ندا کی تربیت اتنی خام نہیں تھی کہ خواہشیں آسانی سے مجھ پر غالب آ جاتیں۔ اس نے میرے آوارہ سرشت نفس کی باقاعدہ تربیت کی تھی۔ اگرچہ پریم کو مائل بہ التفات کرنے میں صرف ارادے کی دیر تھی لیکن میں محتاط و معتدل تھا۔ انکا نے پریم جیسی نہ جانے کتنی لڑکیاں میرے حق میں ہموار کر لی تھیں۔ میں یہاں یہ ذکر کروں گا تو کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ پریم میرے انکشاف پر دنگ رہ گئی اور جب بتدریج میں نے اس کے سامنے اس کا ماضی و حال کھولا تو وہ مجھ سے اس حد تک متاثر ہو گئی کہ اس کا زیادہ وقت میرے کمرے ہی میں گزرنے لگا۔ گوپال داس اور جگدیش کے واقعات کے بعد ان چار دنوں میں، میں بالکل محفوظ رہا۔ جس شخص کو کریدیے وہ فکر و آلام، جذبہ خواہش کی تہوں میں لپٹا نظر آئے گا۔ پریم...... ایک پارسی لڑکے سے متاثر تھی مگر اس کا ہندو باپ ان کی وابستگی میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ میری شخصیت کا اثر اتنی جلد مرتب ہوا تھا کہ پریم نے مجھ سے اس معاملے میں مدد

کی درخواست کی۔ میں چاہتا تو اسی دن پریم کو آسودہ کر دیتا اس لئے کہ پریم نے میزبانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر میں اس واقعے میں الجھتا تو میرے لئے مشکلیں بڑھ جاتیں۔ میں نے اس خوب صورت، معصوم اور شریر لڑکی سے وعدہ کیا کہ جب دوبارہ واپس آؤں گا تو اس کی آرزو پوری ہو جائے گی۔

شہر میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ گوپال داس اور جگدیش کا کریا کرم ہو چکا تھا۔ پولیس نے فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے یہ خبر طشت از بام نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے قتل کا سبب میں تھا، میں جس کا نام مسلمان طرز کا تھا۔ میں نے اپنے نام کی بڑی سزا پائی تھی۔ انہوں نے خود ہی مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ میں ان سے ایک مختلف شخص ہوں۔ میں مسلمان اس لئے ہوں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہوں، اس لئے کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ نام سے کتنا بڑا فرق پڑتا ہے۔ نام بدل لیجئے، آپ پر اٹھنے والی نظریں بدل جائیں گی۔ وہ ایک ایسے شخص پر جو اقدار و روایات سے منحرف ہو گیا تھا، بار بار ایک خاص نام، خاص مسلک سے وابستہ کر کے اس کے جذبہ عصبیت کو ہوا دے رہے تھے۔ ندا نے بھی مجھ سے پنڈتوں، پجاریوں کے متعلق بڑی زہریلی باتیں کہی تھیں، چنانچہ یہ بات مشہور ہونے میں دیر نہیں لگی کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو کو قتل کر دیا بلکہ دو ہندوؤں کو حالانکہ نہ وہ ہندو تھے نہ میں مسلمان۔ اگر وہ سچے ہندو ہوتے تو دھرم کا پالن کر رہے ہوتے اور ان کا ٹھکانا، بھگوان کی مورتی کے چرنوں میں ہوتا اور وہ اپنے دھرم والوں کی سیوا کرتے۔ وہ بھی بھٹک گئے تھے، میں بھی بھٹکا ہوا تھا۔ یہ لڑائی دو افراد کی لڑائی تھی جو بدقسمتی سے دو علیحدہ علیحدہ مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اگر اسے فرقہ وارانہ رنگ دے دیا جاتا تو محلوں میں آگ برسنے لگتی اور بستیاں خون میں نہا جاتیں۔ کتنے ہندو، کتنے ہندوؤں کو مار دیتے، کتنے مسلمان، کتنے مسلمانوں کا خون پی جاتے ہیں مگر جب کوئی ان میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتا ہے تو یہ انفرادی کشمکش کتنی بڑی تباہیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

سو میرے دل میں رفتہ رفتہ یہ احساس جاگزیں ہو رہا تھا کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ یہ ردعمل تھا ان مسلسل سختیوں، دل آزاریوں، اور ہرزہ سرائیوں کا جو مجھے میرے نام کی ساخت کے عوض ملی تھیں۔ میں کبھی کبھی تنہائی میں اس ضمن میں سوچنے لگتا تھا لیکن میرے معمولات وہی تھے۔ وہی آلتی پالتی مار کر مراقبے میں ڈوب جانا اور گھنٹوں ارتکاز میں مصروف رہنا۔ پریم میری یہ مصروفیت حیرت سے دیکھتی تھی اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی تھی۔ ناہید ان چار راتوں میں تندرست ہو گئی تھی اور اب میں نے ارادہ بدل دیا تھا۔ اب میں حیدر آباد جانے کے بجائے کلدیپ کے استھان جانا چاہتا تھا۔ حیدر آباد کے سفر میں مجھے سازگار حالات کا یقین نہیں تھا۔ ہاں کلدیپ کے استھان پر عافیت تھی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ میں اپنے تمام بکھیڑے سمیٹنے کا خواہش مند تھا اور تزئین کی شادی کر کے گوشہ گمنامی میں جانے کا خواہاں تھا۔ زندگی کی ہوس باقی نہیں رہی تھی۔ زندگی کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا۔ ہر بات

کا حاصل یہ تھا کہ جتنا زندگی کے پیچھے بھاگو گے، پاؤں اتنے زخمی ہو جائیں گے۔ حیدر آباد کے سفر میں پیش آنے والے ممکنہ اور متوقع حادثات سے بچنے کے لئے میں نے ناہید کو بھی ساتھ لے کے کلدیپ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مجھے امید تھی کہ ایک دن مطلع صاف ہوگا اور زمین میرے لئے مخاصمت و تنگ دلی کا رویہ ترک کر دے گی۔ میں بھی عام لوگوں کی طرح سکون سے رہوں گا۔ بدری نرائن بھی تھک جائے گا اور میرے خلاف ہندوستان کے پنڈتوں اور پجاریوں کا جوش سرد پڑ جائے گا۔ زندگی ضرور معمول پر آئے گی۔

پانچویں دن رات کو جب باہر نکلنے کے آثار ہمارے حق میں تھے، میں ناہید کو لے کر پریم کے گھر سے رخصت ہوا۔ انکا نے ڈاکٹر کو خواب آور گولیاں کھلا کر سلا دیا تھا اور میرے سر پر واپس آئی تھی تاکہ سڑک پر کسی ہنگامی صورت میں میری مدد کر سکے۔ پریم جیسی پیاری لڑکی نے جو ہم سے بہت مانوس ہوگئی تھی، مجھے مزید قیام کے لئے روکنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا مگر ہم اس کے اصرار کے باوجود وہاں سے روانہ ہوگئے۔ رات کے وقت پریم نے اپنی گاڑی میں ہمیں بمبئی سینٹرل اسٹیشن چھوڑ دیا۔ پریم نے میرے لئے کسی دوسرے نام سے ٹکٹ خریدا اور ہم ایک تنہا کمپارٹمنٹ میں آکر بیٹھ گئے۔ گاڑی میں حرکت آئی تو پریم مجھ سے بے اختیار گلے لگ گئی۔ میں نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وعدہ کیا کہ میں دوبارہ آ کے ضرور اس کے ہاں ٹھہروں گا اور آؤں گا تو اپنے ہاتھ سے اسے دلہن بناؤں گا، میرا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں ایک بے گھر بے امان شخص۔ وہ شگفتہ لڑکی افسردہ چہرے کے ساتھ میری نظروں سے دور ہوگئی۔ میں بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔ لوگ محبت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ لوگ محبت کرنے پر آئیں تو کیسے ٹوٹ کر ملتے ہیں۔ انکا بہت تھکی ہوئی تھی اس لئے پاؤں پسار کر میرے سر پر سوار ہوگی۔ پریم کے گھر سے اسٹیشن تک انکا اور میں نے دفاع اور تحفظ کی خاطر اپنا ذہن کسی اور خیال سے آلودہ نہیں کیا تھا۔ ہماری آنکھیں دور تک دیکھتی رہی تھیں۔ ناہید کی بھی آنکھ لگ گئی۔ میرا سارا سامان بمبئی کے ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ ناہید کے لئے پریم نے اسے بہت سے کپڑے دے دیئے تھے۔ ناہید سو گئی۔ انکا بھی سوگئی لیکن مجھے نیند نہیں آئی تو میں نے زمین پر چادر بچھا کر روحانی مشقیں شروع کر دیں، میں یہ سفر ہر حال میں خیریت سے گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے ساری رات مراقبے میں گزار دی۔ صبح ناہید نے مجھے اس عالم میں دیکھا تو اس کے چہرے پر تشویش سی ابھری۔ میں بالکل ساکت ایک طرف نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ میں ریت کا کوئی تودہ تھا۔ میں دھات کا بنا ہوا انسان تھا جو نہ ہلتا تھا نہ کسی طرف دیکھتا تھا۔ انکا بھی جاگ گئی۔ میسور قریب آ رہا تھا۔ انکا کے ٹوکنے پر میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ انکا نے صبح ہی صبح مجھے ایک وحشت ناک خبر سنائی کہ میسور میں پریتم لال کا استھان اب کئی پنڈتوں، پجاریوں نے گھیر لیا ہے۔ کلدیپ ابھی تک اپنے طویل جاپ میں مگن ہے اور ہمارا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

"کتنے پجاری ہیں؟" میں نے انکا سے پوچھا۔

"ایک دو نہیں، کوئی بیس پجاری ہیں۔ وہ چاروں طرف سے پریتم لال کا استھان گھیرے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ایک نہ ایک دن تم یہاں ضرور آؤ گے یا کلدیپ نیچے اترے گی۔ ان میں بڑے بڑے بلوان، شکتی پورک پجاری بھی شامل ہیں۔"

"اوہ!" میں نے شدت کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ "کیا وہ نہیں جانتے کہ اب میں ایک بدلا ہوا شخص ہوں؟ کیا انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی پنڈتوں کے حشر سے کوئی سبق نہیں سیکھا؟" میں نے انکا سے جھلا کر کہا۔ "وہ مجھے اس راستے کی طرف گھسیٹ رہے ہیں جہاں میں جانا نہیں چاہتا۔" یہ باتیں میں انکا سے پوچھ رہا تھا جب کہ ان کے تمام جوابات خود میرے پاس موجود تھے۔ میں اپنے ارتکاز میں اتنا محو تھا کہ میں نے پریتم لال کے استھان پر ہونے والی سازشوں کے بارے میں غور ہی نہیں کیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اور میری باطنی قوتوں کے سامنے تمام باتیں آئینہ دار تھیں۔ وہ چاروں طرف دھونی رمائے مست الست بیٹھے تھے۔ پہاڑی کے اوپر جانے کے لئے مجھے ان سے گزر کر جانا پڑتا اور نبرد آزما ہونا پڑتا۔ ایک جمیل احمد خان کے لئے بیس پنڈتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ لوگ پاگل ہوگئے تھے۔ "ہم کسی اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔" میں نے انکا سے کہا۔

"پھر کہاں جائیں گے اور کب تک مارے مارے پھریں گے؟ ہندوستان میں کون سی جگہ ان سے محفوظ ہے؟" انکا نے طنزاً پوچھا۔

"ہم کسی طور ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر کسی جگہ محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اس وقت تک تو کلدیپ بھی جاپ ختم کر لے گی۔ پھر اگر میرا اس سے کوئی رابطہ قائم ہوگیا تو ہم دونوں مل کر کوئی فیصلہ کریں گے۔ ہمیں اب ان ہنگاموں میں زیادہ نہیں الجھنا چاہئے۔"

"جمیل! میرا خیال ہے کہ ہمیں ایک بار ضرور انہیں کوئی بڑا سبق دینا پڑے گا۔" انکا نے غصے سے کہا۔

"انکا!" "تم اب بچوں کی سی باتیں کرنے لگی ہو؟" میں نے اسے پھٹکارا۔

"ہاں، جب سے تم تبت سے لوٹے ہو، تمہاری نظر میں میری حیثیت گر گئی ہے۔" انکا نے روٹھ کر کہا۔ "اب میرا کام بہت مختصر ہوگیا ہے۔ تمہارے لئے گاڑی فراہم کرنا اور تمہاری مدد کے لئے ملازم مہیا کرنا۔"

"تم عورتوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ اگر تم مجھ سے گھبرا گئی ہو تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میرے سر سے چلی جاؤ۔"

"جمیل!" انکا بسور کر بولی۔ "کیا تم واقعی [illegible]؟"

Downloaded from Paksociety.com

"انکا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ اب مجھے دنیا کے لہو ولعب، خون اور انتقام میں مزہ نہیں آتا۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو سمجھ لو کہ تمہیں ایک بہت گوشہ نشین شخص کے ساتھ رہنا ہے۔ سمجھیں، میں کیا کہہ رہا ہوں؟" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بشرطیکہ تمہارا کوئی دشمن میرے حصول کے جاپ میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "اسٹیشن آرہا ہے۔ ہمیں یہاں اترنا ہے۔ تم ڈرائیور کے سر پر جا کر اسٹیشن پر گاڑی رکوا دو۔ ہم یہیں اتر جائیں گے۔"

ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر خلاف معمول گاڑی رک گئی۔ ہمارے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے ہمیں اترنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اسٹیشن سے ہم قصبے چلے گئے۔ سات بجے سکندر آباد کے لئے گاڑی روانہ ہوتی تھی۔ یہی وقت ہماری روانگی کے لئے موزوں تھا۔ اس عرصے میں ناہید نے مجھ سے بہت کم بات کی تھی۔ وہ اپنے گھر جاتے ہوئے ڈرتی تھی لیکن میری مرضی کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اور میں اسے اس کے والدین کے ساتھ خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہوں۔ قصبے میں ایک اکتا دینے والا دن گزار کر ہم رات آٹھ بجے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کاچی گوڑا اسٹیشن پر اتر کر جب نظام حیدر آباد میں داخل ہوئے تو مجھے ترکی کے سلاطین کا دور یاد آ گیا۔ ترکی ٹوپیاں، شیروانیاں، قدیم وجدید عمارتیں، پردہ نشین خواتین، جگہ جگہ محرابیں، مسجدیں اور اردو میں لکھے ہوئے بڑے بڑے بورڈ۔ میں ایک اچھے سے ہوٹل میں ناہید کے ساتھ ٹھہر گیا اور اس سے پتا لے کر اس کے والدین کی گھر پر پہنچا۔ انکا کو میں نے ناہید کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ رکن الدین نام کا کوئی شخص اس محلے میں نہیں رہتا تھا جس کا پتا مجھے ناہید نے بتایا تھا۔ کافی تلاش کے بعد پتا چلا کہ عرصہ ہوا رکن الدین نے یہ محلہ اور غالباً یہ شہر چھوڑ دیا ہے چونکہ اس کی لڑکی جمیلہ بھاگ گئی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیدر آباد میں آ کر غلطی کی ہے۔ اگر میں پہلے ہی غور کر لیتا تو مجھے آسانی سے ناہید کے والدین کا پتا معلوم ہو جاتا۔ وہ گلبرگہ میں تھے۔ گلبرگہ بھی ریاست حیدر آباد کا ایک شہر تھا۔ حیدر آباد میں صرف چند گھنٹے قیام کرنے کے بعد ہم گلبرگہ روانہ ہو گئے۔ اس بار مجھے ناہید کے والد کا پتا تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ رکن الدین ایک خاصی بڑی حویلی میں رہتا تھا۔ رات کو دس بجے میں نے ڈیوڑھی میں جا کر ملازم سے کہا کہ مجھے رکن الدین صاحب سے ملنا ہے۔ مجھے انتظار کی زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑی۔ ایک دراز قد شخص حویلی کے اندر سے برآمد ہوا جس کے گندمی چہرے پر الجھنیں چھائی ہوئی تھیں۔ "فرمائیے! میں رکن الدین ہوں۔" اس نے مہذب انداز میں کہا۔

"میرا نام؟" میں سوچنے لگا کہ کیا مجھے اپنا صحیح نام بتانا چاہئے؟ لیکن ناہید (جسے اب جمیلہ کہنا

چاہئے) میرا نام جانتی تھی۔ اس لئے میں نے کہا۔ "میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں آپ کی تلاش میں حیدر آباد گیا تھا، اب گلبرگہ آیا ہوں۔"

"ہاں پہلے میں حیدر آباد میں رہا کرتا تھا۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "فرمائیے کیسے زحمت کی؟ آئیے اندر تشریف لائیے۔"

دیوان خانے میں بیٹھ کر میں نے گردن جھکا کر کہا۔ "میں آپ کی لڑکی جمیلہ کے بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا، کیا؟" وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "از راہ کرم جو کچھ کہنا ہے جلدی کہئے، جمیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بخیریت ہے اور میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسا ذی حشم نواب اپنی بیٹی کی خطائیں معاف کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟"

"وہ کہاں ہے؟" وہ بے تاب ہو کر بولا۔ "اسے دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں، اس نے مجھے بڑے دکھ دئے ہیں۔ میں اسے گلے لگانے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"مگر...... مگر......" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

رکن الدین جلدی سے بولا۔ "کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ میں نے اسے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا۔ بچے غلطیاں کرتے ہیں۔ اس نے مجھے شرمسار کیا لیکن وہ میری بچی ہے۔ میں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا لیکن اس کی قسمت میں ٹھوکریں لکھی تھیں۔"

"آپ بہت اچھے بزرگ ہیں لیکن جمیلہ کو آپ کے حوالے کرنے سے پہلے میں چند باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ کہیں آپ پدرانہ جوش میں تو اتنی شفقت اور محبت کا اظہار نہیں کر رہے ہیں؟ جمیلہ آپ کے ہاں رہے گی تو اسی عزت واحترام سے رہے گی جس طرح ایک لڑکی اپنے باپ کے ہاں رہتی ہے۔"

"ہمارے غصے سرد ہو گئے ہیں، میں نے حیدر آباد اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ رسوائیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھیں۔"

"سنئے۔ اس نے آپ سے جدا ہو کر اپنی زندگی کے بدترین دن گزارے ہیں۔ وہ بگڑ جاتی مگر مجھ سے ملاقات ہو گئی اور میں نے بھی طے کیا کہ مجھے اس بھٹکی ہوئی لڑکی کو اس کے والدین کے پاس پہنچا دینا چاہئے۔ اگر آپ اب بھی تیار نہیں ہیں تو میں اسے زندگی بھر اپنے ساتھ رکھوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے نادم کر رہے ہیں۔" رکن الدین نے سنجیدگی سے کہا۔

"جائیے آپ بیگم صاحبہ کو خبر کیجئے کہ وہ اس کے استقبال کی تیاری کریں۔ وہ آنے والی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی بات سچ ہوگئی۔" رکن الدین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کس کی بات؟"

"وہ ایک مجذوب کامل ہے۔ کل وہ کہہ گیا تھا کہ بستر صاف رکھ، اپنے آنسو پونچھ۔ اب وہ آ رہی ہے۔ میری بیگم پوچھتی ہی رہ گئیں لیکن اس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک نعرہ مستانہ کے ساتھ ہجوم میں گم ہوگیا۔"

"کون تھا وہ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ سفر میں میری تمام تر کوشش یہی رہی تھی کہ میں جمیلہ اور اپنے سفر کو پنڈتوں، پجاریوں سے اوجھل رکھوں اسی لئے میں ہمیشہ مراقبے میں غرق رہتا تھا۔

"وہ ایک مجذوب ہے۔ ہم تو اسے یوں ہی فقیر سمجھتے تھے لیکن وہ تو ایک مرد کامل نکلا۔" وہ خوشی سے سرشار تھا۔ وہ مجھ سے معذرت کر کے زنان خانے میں جمیلہ کے آنے کی خبر سنانے چلا گیا۔ میں نے انکا سے روحانی رابطہ قائم کیا اور اسے جمیلہ کو لے کر حویلی میں آنے کی ہدایت کی۔ پھر میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ مجھے ایک عجیب قلبی فرحت سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس دل خوش کن ڈرامے کے ڈراپ سین کا منتظر تھا کہ جمیلہ یہاں آئے اور میرے سامنے اس کا باپ اسے سینے سے لگائے۔ بیگم رکن الدین اور جمیلہ کی چھوٹی بہن طلعت نے پردے تک کا خیال نہیں کیا۔ وہ دیوان خانے میں بوکھلائی ہوئی داخل ہوئیں۔ "کہاں ہے میری بچی؟" ماں تڑپ کر بولی۔

"وہ آ رہی ہے۔ راستے میں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا وہ تنہا آ رہی ہے؟" ماں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ مگر وہ راستے سے واقف ہے۔" مجھے ان کے اضطراب سے خوشی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد رکن الدین نے خواتین سے میرا تعارف کرایا۔ بیگم کو اس پر بڑی ندامت ہوئی کہ وہ سلام کئے بغیر اندر داخل ہوگئیں۔ یہ بہت اچھا خاندان معلوم ہوتا تھا۔ جب جمیلہ حویلی میں داخل ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔ "آئیے باہر ڈیوڑھی میں اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

ہم اب ایک اضطراب، ایک تجسس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ چند لمحوں بعد جمیلہ کی ماں کی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے جمیلہ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جمیلہ خود بھی حیران تھی کہ وہ یہاں کیسے پہنچ گئی لیکن مجھے وہاں دیکھ کر اسے اطمینان ہوگیا۔ میرے بارے میں وہ بہت کچھ سمجھ چکی تھی۔ میں خاموش کھڑا یہ خوب صورت منظر دیکھتا رہا۔ برسوں کے بعد بچھڑے ہوئے مل رہے تھے۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ جمیلہ زار و قطار رو رہی تھی۔ انکا نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ انکا اب میرے سر پر کھڑی یہ روح پرور

تماشا دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب چیخ و پکار جاری تھی۔ مجھے کچھ تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ سب لوگ میری طرف سے غافل ہوگئے تھے لیکن جمیلہ اپنے والدین اور بہن کو چھوڑ کر میرے پاس آئی۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ اس نے اپنے والد سے کہا۔ "ابا جان! یہ میرے محسن ہیں۔ آپ انہیں روکئے کہ یہ ہمارے ساتھ قیام کریں۔"

"ہاں ہاں بیٹا جمیل صاحب ہمارے مہمان ہیں۔ میں انہیں جانے نہیں دوں گا۔ آہ، یہ دنیا شریف لوگوں کے ہی دم سے قائم ہے۔" رکن الدین نے مجھے اور جمیلہ کو ایک ساتھ گلے سے لپٹا لیا۔

بیگم رکن الدین نے آگے آ کر کہا۔ "بھائی صاحب! آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ آئیے اندر تشریف لائیے، نہائیے، دھوئیے۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔" جمیلہ نے کہا۔ "میں آپ کو بتاؤں گی کہ ہم لوگ کن دشواریوں کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" رکن الدین نے کہا۔ پھر وہ میری کمر میں ہاتھ ڈالے مجھے اندر لے گیا۔ جمیلہ کیا آئی تھی۔ زنان خانے میں بہار آ گئی تھی۔ ایک لڑکی جو بمبئی کے اوباشوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی، بہت ستم اٹھا کر اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین کی حویلی کے ایک آراستہ کمرے میں مجھے ٹھہرا دیا گیا۔ انکا بطور خاص ان امور کا نظارہ کر رہی تھی، وہ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی اتر گئی کہ "میں زنان خانے کی خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا۔ مجھے نیند آ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انکا کب میرے سر پر واپس آئی۔ صبح جمیلہ اور طلعت نے مجھے جگایا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ناشتے کے لئے لے گئیں۔ میری خاطر مدارت میں رکن الدین کے علاوہ ان کی بیگم اور طلعت بچھی بچھی جاتی تھی۔ انہیں جمیلہ نے میری غیر معمولی قوتوں کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

دوپہر کو حویلی میں فقیروں، یتیموں کو کھانا کھلایا گیا۔ میں بھی اس دعوت میں شریک تھا، اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ حیران و پریشان حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی اور اس کے چہرے پر ایک عجیب جلال تھا۔ اسے آتا دیکھ کر رکن الدین اس کی طرف لپکا اور بے تابانہ اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ "سیّد جی آپ کا ارشاد صحیح نکلا، وہ آ گئی ہے۔"

سیّد مجذوب نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہ ہانپتا کانپتا سیدھا میری طرف آیا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے ٹکرائیں تو میں نے ان میں ایک گہرائی دیکھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس کا درجہ کیا ہے۔ وہ مجھے چند لمحوں تک غور سے دیکھتا رہا۔ میں نے اپنی آنکھیں نہیں ہٹائیں۔ رکن الدین سیدی

اس جلالی کیفیت پر کھڑا لرز رہا تھا۔ سید نے دفعتاً ہو حق کا ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ وہ لاٹھی مار کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ "اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔"

"پیر و مرشد! ہر طرف دھند چھائی ہوئی ہے۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ انکا میرے سر پر کسمسانے لگی۔

اس نے ایک قہقہہ لگایا، ایک بہت غضب ناک قہقہہ، وہ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "دھند۔ گھنگھور گھٹا، کالی بدلیاں، آندھی، طوفان......"

"کیا مجھے یہ لاٹھی عطا کر سکتے ہو؟" میں نے کہا۔ اس نے لاٹھی اپنے سینے سے چپکا لی، جیسے میں اس سے چھین رہا ہوں پھر وہ میرے سر کی طرف دیکھنے لگا۔ انکا مضطرب انداز میں پہلو بدلنے لگی اور میرے سر سے اتر گئی۔

"چلی گئی، چلی گئی۔ بھاگ گئی۔" وہ اپنے پیلے دانت نکالتے ہوئے بولا۔

"اس نے آپ کا احترام کیا ہے۔" میں نے برجستہ کہا۔

"ہونہہ۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "کمر سیدھی کر اور زلفیں بڑھا لے۔"

"میرے ساتھ چلئے میں زلفیں بڑھا لوں گا۔"

"شرط رکھتا ہے۔ سودا کرتا ہے۔ جواری!" وہ بگڑ کر بولا اور واپس جانے لگا۔ رکن الدین نے اسے بہت روکا۔ میں نے بھی اس سے کہا لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا، مستانہ نعرے لگاتا اور لاٹھی پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ رکن الدین نے مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سید کے مبہم جملوں کا کیا مطلب تھا؟ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ انکا واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین نے میری خاموشی دیکھ کر مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور دعوت کے اہتمام میں مصروف ہو گیا۔ میں سڑک پر گیا۔ میری نظریں اسے تلاش کرتی رہیں لیکن وہ قریب و دور کہیں موجود نہیں تھا۔ پھر میں دعوت میں نہیں ٹھہرا بلکہ اپنے کمرے میں لیٹ کر سوچتا رہا...... سوچتا رہا۔

سید میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا گیا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی آگ میں جل رہا ہوں۔ مجھے تیز بخار ہے، اپنی تمام تر طاقتوں کے باوجود میں نے اپنی اس کیفیت کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ میری خواہش تھی کی میری زبان کو لقوہ مار جائے، مجھ پر فالج گر جائے اور میرے جسم پر پھوڑے پڑ جائیں۔ مجھے کوئی شدید ضربیں پہنچائے۔ میں اپنے بال نوچوں اور خود اپنا چہرہ کھسوٹ لوں۔ مجھے کوئی ٹھوکریں مارے اور میرے جسم میں سوئیاں چبھوئے، مجھے اذیت کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بار برکاتی شاہ سے میری ملاقات رام پور میں ہوئی تھی۔ وہ بھی سید کی طرح ایک مجذوب تھا لیکن اس وقت میرے دل کے دروازے بند تھے۔ برکاتی شاہ نے مجبور ہو کر مجھے انکا کو حاصل کرنے کا

وظیفہ بتایا تھا۔ برکاتی شاہ کا پتا بدری نرائن نے دیا تھا۔ اس وظیفے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے انکا مل گئی۔ اس واقعے کو عرصہ ہو گیا۔ آج مجھے برکاتی شاہ یاد آ رہا تھا۔ سید اور اس میں بڑی مماثلت تھی۔ وہ مجھے ڈانٹتا پھٹکارتا تھا لیکن میں نے اس کی یہ بات مسترد کر دی اور انکا کے حصول پر اصرار کرتا رہا۔ گلبرگہ کو ایک اعتبار سے خصوصیت حاصل تھی کہ وہاں حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ کا مزار تھا جہاں فیض کا سلسلہ جاری تھا۔ دور دور سے لوگ حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ کے مزار پر آ کر حاضری دیتے تھے۔ سیّد بھی حضرت گیسو دراز کے حلقہ ارادت میں شامل تھا اور اسے اپنی ذات کا اعتماد حاصل تھا۔ سید کی باتیں بڑی معنی خیز تھیں۔ میں ان کا مفہوم سمجھتا اور خود کو سمجھاتا رہا۔

میں رات تک یہی سوچتا رہا۔ اس عرصے میں جمیلہ، طلعت، رکن الدین اور اس کی بیگم میرا حال پوچھنے آئیں لیکن میں نے تنہائی کی درخواست کی اور میں سوچتا رہا۔ انکا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، وہ میری کیفیت بہت توجہ اور تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ میرے گناہوں کی فہرست طویل ہے۔ نہ جانے کتنے قتل، کتنے جرائم میرے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ میں اپنی غلیظ زندگی ترک کر چکا ہوں مگر ایک عمر مجھے اپنی تطہیر اور غسل پاکی میں صرف کرنی پڑے گی۔ نندا کے استھان پر مجھے مراقبوں اور اذکار کی مشقوں سے سکون آ گیا تھا۔ کاش میں وہیں رہتا اور وہیں پیوند خاک ہو جاتا۔ وہاں میرے ذہن کو ایک سکون نصیب ہو گیا تھا۔ انسانوں کے اس جمگھٹ میں آ کر پھر وہی کشمکش، پھر وہی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی اور سیّد نے آ کر میرا سکون غارت کر دیا۔ میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا اور شب کو اپنے بستر سے اٹھا، حویلی کا دروازہ بند کر کے گلبرگہ کی سڑکوں پر آ گیا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ میں گلی گلی، کوچے کوچے گھومتا رہا۔ چلتے چلتے میں حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر پہنچ گیا جہاں ابھی تک چہل پہل تھی۔ ساری فضا خوشبوؤں سے بسی ہوئی تھی۔ وہاں ملنگ لیٹے ہوئے تھے۔ اندر جانے کی ہمت نہ تھی۔ میں دور ہی سے لوٹ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سیّد کو آوازیں دیں۔ "سیّد! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم جہاں کہیں ہو مجھے اپنے بسیرے سے مطلع کرو۔ میں گلبرگہ کی گلیاں تمہاری تلاش میں چھان رہا ہوں۔"

میں اتنی دور چلا گیا کہ آبادی ختم ہو گئی اور ویرانہ شروع ہو گیا لیکن سیّد مجھے کہیں نظر نہ آیا، نہ میری طاقتیں اس کا سراغ لگانے میں کامیاب رہیں نہ وہ خود کہیں ظاہر ہوا۔

آبادی سے خاصی دور وحشت و جنون کے عالم میں نکل جانے کے بعد مجھے دور سے ایک ٹمٹماتا ہوا دیا نظر آیا۔ انکا کی آنکھوں میں روشنی سی پیدا ہو گئی اور اس نے مجھے منع کیا کہ میں اب واپس چلوں لیکن میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک مندر ہے جہاں ایک پجاری رات کے اندھیرے میں کسی جاپ میں مصروف ہے۔ میں لاشعوری کیفیت میں اس پجاری کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دیئے کی روشنی میں مجھے اس کی بڑھی ہوئی داڑھی اور نحیف و لاغر جثہ صاف نظر آنے لگا۔

میں سیدؔ کو بھول گیا اور غور سے پجاری کا انہاک دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ عقب میں مندر تھا۔ یہ جگہ درختوں سے بھری ہوئی تھی۔ پجاری کے سامنے لوبان جل رہا تھا اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز نظر آتا تھا۔ یکبارگی جی میں آئی کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔ پنڈت پجاریوں کے لئے میرے اندر کہیں خوابیدہ نفرت عود کر آئی۔ میرے ہاتھ خود بخود حرکت کرنے لگے لیکن میں نے اپنے اس سرکش جذبے پر خود کو لعن طعن کی۔ "میں پھر نیچ ہوتا جا رہا ہوں۔" مجھے خود پر جھلاہٹ سی ہونے لگی۔ نندا کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے شاکیہ منی کا مسکراتا ہوا بت میرے اردگرد کہیں موجود ہے۔ میں واپس ہونے لگا لیکن ابھی میں دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے اپنے پیچھے سے ایک ٹھہری اور تھمی ہوئی آواز سنائی دی جیسے مجھ سے کوئی ٹھہرنے کی درخواست کر رہا ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پجاری کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور انکا بھی محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ میں نے اپنے تمام پریشان خیالات سے جلد سے جلد نجات پانے کے لئے ایک لمحاتی مشق کی......اور جب میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے تو میرے جسم میں برقی رو دوڑنے لگی۔

پجاری نے نزدیک آ کر اپنے ماتھے پر ایک لکیر سی کھینچی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے سوالیہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ بولنے سے احتراز کیا۔ اس کے ہونٹ بدبدانے لگے۔ انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ دئے۔ یہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ہدایت تھی۔ میں اس تنبیہ سے پہلے ہی پوری طرح تیار تھا۔

"میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟" آخر اس نے سکوت توڑا۔

"میں صاف صاف باتیں کرنے کا عادی ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ دیوی کا اپنے سیوک پر احسان ہے کہ اس نے یہ کام مجھے سونپ دیا ہے۔ تم نے یہاں آ کر دیوی کی نظر میں میرا مان بڑھا دیا ہے۔ شاید اسی کام کے لئے اب تک جیوت تھا۔ تم نے جو کھیل کھیلا ہے، میں اسے جانتا ہوں۔ یہ تم نے کیا مذاق لگا رکھا ہے؟ سنا ہے تم نے ہمارے کئی پنڈتوں اور پجاریوں کو پرلوک بھیج دیا ہے؟"

"تو گویا تم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو؟" میں نے تلخی سے جواب دیا۔ "تم نے سچ سنا ہے مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ جاؤ اپنے جاپ میں مگن ہو جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی بیر نہیں ہے۔ ایک بڑے دھرماتما کو پوجا کے سوا کوئی اور بات نہیں سوچنی چاہئے۔"

"پرنتو مجھے تم سے بیر ہے۔ گیسو دراز کے علاقے میں ہم کوئی دخل نہیں دیتے۔ تم خود ہی چل کر میرے پاس آ گئے ہو۔ مجھے اپنی دیوی کو پرسن کرنے کے لئے تمہیں اپنے پاس رکھنا ہوگا۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے کیونکہ یہ آنند لال کی کٹیا ہے۔" اس کی آواز تیز ہو گئی۔ "اور میرے پیچھے دیوی کی شکتی

ہے۔"

"دیکھو مجھے روکنے کی کوشش بے سود ہوگی۔" میں نے عزم سے کہا۔ "تم ایک بڑے عالم ہو مگر شاید تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جس پنڈت پجاری نے جذبات اور جوش میں آ کر میرے آڑے آنے اور اپنی بساط سے بڑھنے کی کوشش کی اس کا دھرتی پر کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ سیدھا پرلوک سدھار گیا۔ اگر تم نے بھی ایسی کوئی بات سوچ لی ہے تو اس دھرتی پر یہ تمہاری آخری رات ہوگی۔"

"اوہ......" اس کا سیاہ چہرہ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ "وہ اور پجاری ہوں گے۔ میں نے اپنا جیون اسی چھوٹے سے مندر میں گزارا ہے۔ یہ مندر صرف میرے لئے ہے۔ تمہارے سر پر انکا دیوی بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔" پھر وہ انکا سے کہنے لگا۔ "انکا دیوی، اب تم اس کے سر سے اتر جاؤ۔ اگر تم نے کوئی روک کی تو کالی تم سے ناراض ہو جائے گی۔ اپنے مالک کو بتا دو کہ آنند لال کالی سے کتنا قریب ہے۔"

"جمیل!" سہمی ہوئی انکا بولی۔ "یہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کا بڑا عالم ہے۔ اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اور پہل کرو۔ ممکن ہے بعد میں تمہارے پاس اس کے منتر کا توڑ نہ رہے۔"

میں نے توقف کیا اور نہایت مہذب انداز میں آنند لال کو بتایا کہ اب تک بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہے جو دھرم کے نام پر بٹا لگاتے ہیں۔ میں نے اپنے بارے میں مختصراً ساری باتیں بتائیں لیکن وہ میری باتوں سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اس نے ایک ایک کر کے میرے جرم گنانے شروع کر دئے۔ ہندوستان کے ان پجاریوں نے مجھے گھیرنے کے لئے ایک جال سا بن لیا تھا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ "تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔ میرے گرو کی آتما دیکھ رہی ہوگی کہ میں نے ہر موقع پر پہلوتہی سے کام لیا لیکن یہ اجتناب میرے کسی کام نہ آیا۔ آنند لال، کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟"

آنند لال میری جرأت پر حیران سا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولا۔ "یہی پرشن (سوال) میں تم سے کرتا ہوں۔"

"میں صرف اتنی بات کہوں گا کہ تم مجھے جانے دو۔ یہ دیواریں جو تم نے میرے آگے پیچھے کھڑی کر دی ہیں، انہیں مسمار کر دو۔ یہ آگ جو تم نے جلائی ہے، اسے بجھا دو۔"

"تم اب ان دیواروں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے اور یہ آگ تمہارا شریر بھسم کرنے کے لئے ہے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو تم اس پوتر آگ میں اشنان کرو گے۔"

''آنند لال!'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''دیکھو، یہ دیواریں گر رہی ہیں۔'' میں نے چاروں طرف اپنی انگلی گھمائی پھر میں نے اس پوتر آگ پر تھوک دیا۔ وہ بجھ گئی۔

آنند لال نے پھر وہی وتیرہ اختیار کیا جس کا میں عادی ہو گیا تھا۔ اس نے شدید ترین حملے کئے۔ اس نے کالی کا نام ایک دباؤ اور گرج کے ساتھ لیا اور وحشیانہ انداز میں مندر کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں سے آنا فاناً سلگتے ہوئے لوبان کا برتن اٹھا لایا اور اس کی راکھ کی ایک چٹکی اس نے میرے جسم پر بکھیر دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ میرا جسم اس سلگتی راکھ سے سیاہ ہو جائے اور اس پر بدنما دھبے پڑ جائیں اور میں تشنج کی کیفیت سے دوچار ہو جاؤں لیکن اسے اپنے منتر میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ راکھ اڑی تو انکا نے ایک زور کی پھونک ماری۔ آنند لال اپنے اس عمل میں ناکام ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا۔ تکرار سے بچنے کے لئے میں نتیجے کی طرف آتا ہوں۔ وہ کبھی ترچھا ہوا کبھی ٹیڑھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا لیکن میں اس کے سامنے ایک پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔ وہ گیانی دھیانی پجاری اپنے حملوں میں دو وجوہ سے پسپا ہوتا رہا۔ ایک تو انکا میرے سر پر بیٹھی اس کے حملوں کا توڑ کر رہی تھی۔ دوسرے میری ہر مزاحمت کارگر ہو رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے ہاتھ خود بخود کیسے اٹھ رہے ہیں۔ ''آنند لال!'' میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''اب میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی لیکن چلتے چلتے میں تمہیں ایک نصیحت کئے جاتا ہوں۔ اپنے تمام پنڈتوں کو بتا دینا کہ وہ اس دنگے فساد سے باز آ جائیں۔''

''مہاراج!'' آنند لال ایک دم میرے قدموں میں گر پڑا۔ ''مہاراج! مجھے شما کر دیجئے۔'' وہ عاجزی سے بولا۔ ''مجھے بھی اپنے ساتھ لئے چلئے۔ میں آپ جیسے دھرماتما کے ساتھ رہوں گا تو میرے دن پلٹ جائیں گے۔''

''تمہارے علم میں ابھی گند ہے۔ علم تو صاف اور سچا ہوتا ہے آنند لال۔ میں تمہاری آنکھیں اور سانس بند کر سکتا ہوں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ بات یاد رکھنا۔'' پھر میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور تیزی کے ساتھ شہر کی طرف چل پڑا۔ آنند لال دور تک میرے ساتھ آیا۔ میرے پیر پکڑتا اور گڑگڑاتا رہا لیکن جب میں شہر کی حدود میں داخل ہوا تو وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ آگے حضرت گیسو دراز کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

رکن الدین کی حویلی پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دربان جاگ رہا تھا۔ میری آہٹ پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ اپنے کمرے میں جا کر میں نے غسل کیا۔ سید سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے بڑا دکھ تھا۔ میں نے آنکھیں میچ لیں۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔ یکایک مجھ پر وحشت طاری ہوئی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار دئیے اور صرف زیر جامے میں ایک کونے میں بیٹھ کر اپنا ذہن یکسو کیا۔ دو دن مجھے کھائے پئے، ہلے جلے بغیر اسی طرح گزر گئے۔ یقیناً بہت سے لوگ میرے کمرے میں آئے ہوں گے

لیکن شاید وہ میری ہیبت اور میرا انہماک دیکھ کر واپس ہو گئے ہوں گے۔ انکا نے بھی مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تیسرے روز ایک قلندرانہ نعرہ سن کر میرا انہماک ٹوٹ گیا۔ باہر سے سیّد کی آواز آ رہی تھی۔ میرے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ صرف ایک زیر جامے میں ملبوس تھا مگر میں اسی حال میں حویلی سے باہر بھاگا۔ رکن الدین، جمیلہ اور طلعت تو حویلی ہی میں ٹھہر گئیں لیکن رکن الدین مجھے برابر آوازیں دیتا رہا۔ ''تم نے سیّد کو کہیں دیکھا ہے؟ ابھی اس کی آواز آئی تھی۔'' میں نے وحشت کے عالم میں رکن الدین سے پوچھا۔

''جمیل صاحب! یہاں تو سیّد آئے ہی نہیں۔ نہ میں نے ان کی لاٹھی کی آواز سنی۔ نہ میں نے ان کا نعرہ سنا۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے خدارا گھر چلئے، کپڑے پہن لیجئے۔ سیّد اسی شہر میں نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کو مل جائیں گے۔'' رکن الدین نے میرے کاندھے جھنجھوڑ کر کہا۔

''سیّد کہاں ہیں؟'' میں نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ان کی تلاش ہے۔ سیّد کہاں ہیں؟'' میں نے سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ لوگ حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ''سید، سید۔ میری بات سنو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے آؤ۔'' پھر میں ہذیان بکتا ہوا گلیوں میں بھاگ رہا تھا کہ مجھے دو تین آدمیوں نے پکڑ لیا۔ وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھے۔ میں نڈھال ہو کر ایک سپاہی کے کاندھے پر جھک گیا۔ ''سیّد کہاں ہیں؟'' میں نے پاگلوں کی طرح پوچھا۔

''کون سیّد؟'' ایک سپاہی نے میرے جسم پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

رکن الدین جو میرے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا، ہانپتے ہوئے بولا۔ ''وہی مجذوب کامل پیر و مرشد جو یہاں سڑکوں پر عموماً نظر آتے ہیں۔''

''وہ......وہ پاگل، وہ گندہ آدمی۔''

''وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔'' رکن الدین نے ناراض ہو کر کہا۔ ''ان کے متعلق ایسی بات نہ کہئے۔''

''ہاں ہاں۔'' سپاہی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ایک پاگل دوسرے پاگل کی تلاش میں ہے۔''

''یہ پاگل نہیں ہیں۔'' رکن الدین جھلا کر بولا۔ ''یہ جمیل احمد خان صاحب ہیں۔ میرے مہمان ہیں، ان پر ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔''

''جمیل احمد خان صاحب!'' سپاہی زیر لب بڑبڑایا۔ ''تو پھر اپنے مہمان کو باندھ کر رکھا کیجئے۔ پبلک کا سکوت کیوں غارت کراتے ہیں؟''

''ٹھیک ہے جناب۔ میں انہیں لے جاتا ہوں۔'' رکن الدین نے کہا۔ ''آئیے جمیل صاحب! میں سیّد کو ڈھونڈوں گا۔ آئیے میرے ساتھ گھر چلئے۔''

Downloaded from Paksociety.com

میں نے ویران آنکھوں سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اس کی انگلی پکڑ کر چلنے لگا۔ گھر پہنچ کر جمیلہ اور طلعت کو سامنے دیکھ کر مجھے پشیمانی سی ہوئی۔ تمام لوگ پریشان تھے۔ رکن الدین نے فوراً جمیلہ کو ہٹا دیا اور مجھے میرے کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ انکا اس تمام ہنگامے میں محض ایک خاموش تماشائی بنی رہی تھی۔ میں چار پانچ روز تک اپنے کمرے ہی میں بند رہا۔ جمیلہ اور طلعت میرا کھانا مجھے کمرے میں پہنچا دیتیں اور مجھ سے میرا حال چال پوچھ کر چلی جاتی تھیں۔ میرا دماغ تندور میں رکھا ہوا تھا اور ایک عجیب کرب، عجیب ہیجان طاری تھا۔ دل کی دھڑکن رکنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اس دیوانگی اور ویرانی میں نہ معلوم کتنی راتیں بیت گئیں۔ جمیلہ گھنٹوں میری خدمت میں لگی رہتی۔ وہ کبھی میرے سر میں تیل ڈالتی، کبھی پاؤں دبانے لگتی لیکن میں مبہوت آنکھیں پھاڑے چھت گھورتا رہتا۔ جمیلہ نے بمبئی کی باتیں اور ڈاکٹر کی لڑکی پریم کا ذکر کر کے میرا سکوت توڑنے اور منتشر کرنے کا حربہ آزمایا لیکن میں اسے صرف ہاں ہوں میں جواب دیتا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میرے دماغ پر کیسی بجلیاں گر رہی ہیں۔ سارے جسم میں ایک جھنجناہٹ سی ہوتی تھی۔ ایک لرزہ، ایک خوف، ایک رعشہ، ذہنی انتشار کا اس سے برا دور مجھ پر کبھی نہیں گزرا تھا۔ کبھی جب مجھے بہت الجھن ہوتی تو حویلی سے باہر آ کر کسی ایسے شخص کی طرح کونے کھدروں کی تلاش کرنے لگتا جیسے میری ریزگاری گر گئی ہو۔ سیّد کسی کونے کھدے میں موجود نہیں تھا۔

اسی کیفیت میں پندرہ دن گزر گئے۔ میں جہاں کہیں جاتا، رکن الدین مجھے گھر واپس لے آتا۔ وہ سائے کی طرح میرا تعاقب کرتا جیسے میں کوئی بچہ ہوں، کہیں کھو نہ جاؤں۔ وہ بھی سیّد کی تلاش میں تھا لیکن اسے کسی طرح پتا نہ چل سکا کہ سیّد کہاں ہے۔ اس نے حضرت گیسو درازؒ کے مزار مبارک پر حاضری دی اور وہاں کے نواح میں سیّد کی تلاش میں خاصا وقت صرف کیا مگر بے سود۔ آخر ایک دن میری حالت سے متاثر ہو کر اس نے مجھ سے حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس وقت انکا خاصے دنوں بعد مجھ سے گویا ہوئی۔ ”جمیل! کیا عمر بھر یہیں رہنے کا ارادہ ہے؟“

”کیوں؟ کیا یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟“ میں نے بے دلی سے پوچھا۔

”نہیں لیکن ہم ان لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔“ انکا نے کہا۔

”بوجھ...... ہاں میں نے اس کے متعلق تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے مگر ہم جائیں کہاں؟ ہر سمت راستوں میں پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے اب بہت بیزاری ہوتی ہے۔“

”یہ جگہ محفوظ تو ہے مگر یہاں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔“ انکا نے اداسی سے کہا۔ ”ادھر کلدیپ کے استھان پر پنڈتوں پجاریوں کا ابھی تک گھیرا ہے۔ کلدیپ نے جاپ بھی ختم نہیں کیا ہے،

تزئین اکیلی ہے۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”ہمیں بہرحال کلدیپ کا جاپ ختم ہونے کا انتظار کرنے پڑے گا۔“ انکا نے کہا۔ ”تمہاری بیزاری سے میں بھی گھبرا گئی ہوں۔“

”تم باہر چلی جایا کرو، جمیلہ کے سر پر، طلعت کے پاس یا کہیں اور جہاں تم چاہو۔“ میں نے کہا۔

”تمہیں چھوڑ کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ پرانے دن یاد آتے ہیں۔ لندن کا خیال دل و دماغ میں گھومتا ہے۔ جین اور سارا کی یاد آتی ہے مگر تم سے تو اب بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔“ انکا نے کہا۔

”انکا۔ میں تم سے کس طرح کہوں۔“ میں نے چڑ کر کہا۔ ”مجھے اپنے سر پر تمہارا بوجھ ایک ذمے داری کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ جس دن سے وہ مجذوب گیا ہے، میرے سینے سے برابر دھواں اٹھ رہا ہے۔“

”تم اسے کیوں تلاش کرنا چاہتے ہو؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے جواب دیا۔

ابھی میں اور انکا یہ باتیں کر رہے تھے کہ رکن الدین حیران و پریشان کمرے میں داخل ہوا۔ ”جمیل صاحب! ہم اس وقت سخت خطرے میں ہیں۔ حویلی پولیس نے گھیر لی ہے۔ وہ آپ کو اور میری بچی جمیلہ کو طلب کر رہے ہیں۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ وہ دونوں گھر پر موجود نہیں ہیں مگر وہ میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں اور حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“ رکن الدین بے حد سراسیمہ تھا۔

”پولیس...... وہ کیا کہتے ہیں؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”وہ کہتے ہیں کہ آپ اور ناہید یعنی جمیلہ بمبئی کے ایک دہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہیں۔ ان کا لہجہ بہت سخت ہے۔ وہ بات بات پر دھمکیاں دے رہے تھے۔ بتائیے میں کیا کروں؟ یہ کیسی مصیبت ہے؟ میں نے حیدر آباد اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ذلت و خواری کی تاب نہیں لا سکتا تھا اس بار تو پولیس میرے گھر پر آ گئی ہے۔ اب میں جرگے میں بھی آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔“ رکن الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ان کی تعداد کیا ہے؟“ میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

”بیس پچیس سپاہیوں کا ایک مسلح دستہ باہر موجود ہے۔“

”ایک لمحے ٹھہریئے۔“ میں سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ انکا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اجازت دوں تو وہ باہر جا کر پولیس والوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن اس بات میں رکن

الدین کی رسوائی تھی کہ اس کے گھر کے باہر پولیس میں خون خرابا ہوا اور اب جب کہ گلبر گہ کی نظام شاہی پولیس کو خبر ہو چکی تھی تو ہم کب تک اس سے روپوش رہ سکتے تھے؟ چند لمحوں میں، میں نے یہ فیصلہ کر لیا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ ناہید نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتے البتہ جمیل احمد خان اتفاق سے گھر پر موجود ہے۔'' میں نے رکن الدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''میں گرفتاری دینے کے لئے تیار ہوں۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جمیل صاحب! کیا آپ سنجیدہ ہیں؟ خدا کے لئے کوئی اور صورت نکالئے۔'' رکن الدین بدحواسی سے بولا۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔''

''ٹھہریئے۔'' رکن الدین نے سہم کر کہا۔ ''مگر انہوں نے پھر بھی جمیلہ کے لئے گھر کی تلاشی لی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔''

''میں جو کہتا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔'' میں نے اپنی بات دہرائی۔

رکن الدین کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرا مضبوط لہجہ دیکھ کر وہ کچھ نہیں بولا اور میرے کمرے سے چلا گیا۔

میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ جمیلہ کے سر پر چلی جائے اور اسے فوراً یہاں لے آئے۔ انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے کمرے کے گرد اپنی انگلی سے دائرہ کھینچا۔ تھوڑی دیر میں جملہ روتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ وہ اسی کمرے میں رہے۔ وہ یہاں ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اسے یہاں سے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اسی وقت صحن میں سپاہیوں کے جوتوں کی کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔ جمیلہ بہت ہراساں نظر آ رہی تھی لیکن میرے چہرے پر اضطراب کی کوئی علامت نہیں تھی۔ میں نے پلنگ پر بیٹھ کر جمیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ سسک پڑی۔ اسی وقت دو تین سپاہی ایک افسر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے پستول تان لیا۔ ''جمیل احمد خان تمہی ہو؟'' افسر نے گرج کر پوچھا۔

''ہاں میرا نام یہی ہے۔'' میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

رکن الدین کانپ رہا تھا اور جمیلہ کو میرے کمرے میں دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

''وہ لڑکی ناہید کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔'' میں نے الجھ کر کہا۔

''ہم تم دونوں کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ ناہید کو بھی ساتھ لے چلو۔ اسے ہم سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''جہاں تک میرا تعلق ہے، میں گرفتاری کے لئے حاضر ہوں لیکن ناہید یہاں نہیں ہے، وہ بمبئی میں ہوگی۔''

''خیر اسے ہم تلاش کر لیں گے۔'' انہوں نے میرے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''وہ باہر نہیں جا سکتی، ہم نے پوری حویلی محاصرے میں لے رکھی ہے۔ ہم ایک ایک کمرے اور تہ خانے کی تلاشی لیں گے۔'' ناہید ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن ان کی نظر اسے دیکھنے سے قاصر تھی۔ رکن الدین یہ کیفیت دیکھ کر حواس باختہ تھا۔ اس کے گھر میں یہ پہلا کرشمہ تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں ناہید پر پولیس والوں کی نظر نہ پڑ جائے۔ خود ناہید بھی ایک طرف دبکی بیٹھی تھی۔

''آپ ہمیں کس جرم میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟''

''تم دونوں بمبئی پولیس کو ایک تہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہو۔ بمبئی پولیس نے ہم سے درخواست کی تھی کہ ملزم گلبرگہ میں موجود ہے۔'' پولیس افسر نے میرے اطمینان کو دیکھ کر وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

''میں اس جرم سے انکار کرتا ہوں۔''

''یہ بات تم بمبئی پولیس کو بتانا۔'' اس نے سپاہی کو اشارہ کیا کہ وہ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے آپ یہ شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔''

سپاہی ہتھکڑی لگانے کے لئے آگے بڑھا لیکن پولیس افسر نے اسے روک دیا۔ میں نے چلتے چلتے رکن الدین کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس نے عقیدت سے میرے ہاتھ چوم لئے۔ ''آپ..... آپ، خدا کی قسم ہم آپ کے بغیر کسی لحہ سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔''

''میں آ جاؤں گا۔ گھر کی طرف دھیان رکھنا اور سید ملے تو کہہ دینا کہ میں دل میں اس سے ملاقات کا ارمان لئے چلا گیا۔''

باہر آ کر افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام کمروں کی تلاشی لیں۔ سپاہی پوری حویلی میں بکھر گئے۔ افسر اور چند سپاہی دیوان خانے میں بیٹھ کر سپاہیوں کو انتظار کرنے لگے۔ اس اثنا میں پولیس افسر نے پوچھا۔ ''تم گلبرگہ کب آئے؟''

''میں یہاں کسی سوال کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا!'' وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری صورت دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

سپاہی پوری حویلی کی ناکام تلاشی لے کر رکن الدین کے سامنے دیوان خانے میں آ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ افسر نے تحکمانہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''تم نے کوئی گوشہ چھوڑ تو نہیں دیا؟''

''نہیں جناب۔ ہم نے پورے مکان کی تلاشی لے لی ہے۔ لڑکی موجود نہیں ہے۔ البتہ رکن الدین کی بیگم اور اس کی لڑکی طلعت موجود ہے۔''

''کہیں وہی تو جمیلہ نہیں ہے؟'' پولیس افسر نے پوچھا۔

''نہیں جناب۔ وہ لڑکی گلبرگہ کے اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ میں نے اپنی انکوائری کر لی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ فی الحال ہم اسی کو لئے چلتے ہیں۔'' پولیس افسر نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

چند سپاہیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ میں ان کے درمیان چلنے لگا۔ رکن الدین بری طرح رو رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور پولیس کی حراست میں حویلی کے باہر کھڑی ہوئی جیپ میں بیٹھ گیا۔ باقی پولیس والے ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ رکن الدین حویلی کے باہر دور تک دوڑتا ہوا آیا لیکن جیپ کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکا۔ میں ان سپاہیوں کے ساتھ ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ مجھے راستے میں سیّد مجہول انداز میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ میں نے پہلو بدل کر پوری قوت سے اسے پکارا۔ ''پیرو مرشد!''

میری آواز پر سیّد نے گردن گھمائی۔ اس کے منہ سے بے ساختہ ایک قہقہہ نکلا۔ میں نے زور دے کر کہا۔ ''میں جا رہا ہوں لیکن اب تمہاری باری ہے۔''

اس کی بلند آواز مجھے دور تک آتی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''جا جا۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔''

جیپ کی رفتار میں تیزی آ گئی اور پولیس افسر نے مجھے حکم دیا۔ ''خاموش بیٹھے رہو۔''

سیّد نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پولیس افسر کے خاموش رہنے کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کر لیں۔ انکا میرے سر پر پھدک رہی تھی۔ مجھے آنکھیں بند کئے ہوئے خاصا وقت گزر گیا۔ جیپ اونچے نیچے راستوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے اندر کی آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ اس خاموشی سے اکتا کر پولیس افسر نے (جو انسپکٹر تھا) مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ''تم اتنے خطرناک آدمی تو معلوم نہیں ہوتے۔''

میرے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے خاموش دیکھ کر انسپکٹر نے نرمی سے کہا۔ ''تم اب بات کر سکتے ہو۔'' پھر وہ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد کہنے لگا۔ ''میرا نام سیّد غوث ہے۔ کہیں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں ہو رہا؟''

''نہیں۔'' میں نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں ہی انہیں مطلوب ہوں۔ تم نے صحیح آدمی کو پکڑا ہے۔''

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر جھجک کر بولا۔ ''کیا یہ تمام الزامات صحیح ہیں کہ تم نے متعدد قتل کئے ہیں، عرصے سے پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور تم انہیں ہر بار جل دے کر فرار ہو جاتے ہو؟ مجھے تو تم ایسے آدمی نظر نہیں آتے۔ تم ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص معلوم ہوتے ہو۔''

''کیا تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ جرم نہیں کرتے؟'' میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

میرے اس اعتماد سے وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''تو گویا تم اعتراف کر رہے ہو؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئی۔

''میں اگر انکار کر دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''نہیں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں عدالت نہیں ہوں۔''

''تو پھر ہمدردی کیوں کرتے ہو؟ ایک اچھے پولیس افسر کو ان باتوں سے دور رہنا چاہئے۔ اسے سخت اور بے رحم ہونا چاہئے۔''

انسپکٹر کے چہرے پر سختی آ گئی، وہ مستعد ہو کر بولا۔ ''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے نام کی ساخت نے مجھے کچھ کریدنے پر اکسایا تھا۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں؟''

''نہیں۔'' وہ کسمسا کر بولا۔

''تو پھر میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''میری زندگی میں یہ ایک عجیب تجربہ ہے۔ میں نے کسی مجرم کے چہرے پر اتنا اعتماد نہیں دیکھا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے ایک بے حد عجیب آدمی نظر آتے ہو۔ تم مسلمان ہو اور حالات سے تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت تو میں کچھ نہیں کر سکتا لیکن بعد میں تمہارے کام آ سکتا ہوں بشرطیکہ تمہارے مقدمے میں کوئی جان ہوئی۔ سنو، میں حضور نظام تک بات پہنچوا سکتا ہوں۔''

''سیّد غوث!'' میں نے آنکھیں بند کئے کئے کہا۔ ''تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اپنی زندگی میں ان گنت پولیس افسروں سے واسطہ پڑا ہے لیکن میں نے تمہارے جیسا مخلص اور شریف النفس شخص نہیں دیکھا۔ تم پولیس کی ملازمت کے لئے موزوں نہیں ہو۔ تم ابھی نوجوان ہو، ایسی ہمدردیاں کرو گے تو ترقی رک جائے گی۔''

''جمیل احمد خان!'' انسپکٹر جز بز ہو کر بولا۔ ''میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا جواب صرف ہاں یا نہیں میں دے دو۔''

''کہو۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''کیا قتل و غارت اور خون خرابے کا الزام تم پر صحیح ہے؟ مجھے یقین ہے، تم صحیح جواب دو گے۔''

''تم نے صرف ہاں یا نہیں کی شرط عائد کردی ہے۔ اس سوال کا جواب اس طرح نہیں دیا جا سکتا۔'' میں نے بے نیازی سے کہا۔

''تو پھر تم جس طرح چاہو۔ میں تمہاری ذات میں اپنی دلچسپی ختم نہیں کر سکتا۔'' انسپکٹر نے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔

''یہ ایک بہت طویل سرگزشت ہے۔ مجھ سے قتل ہوئے ہیں اور میں خود کئی بار قتل ہوا ہوں۔ میری کہانی ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں سرسری طور پر یہاں سنا سکوں اور تم یقین کرلو۔''

''میں تمہاری ہر بات کا یقین کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن صاف صاف باتیں کرو۔'' انسپکٹر نے بے تابی سے کہا۔

''تمہارا دماغ پھٹ جائے گا۔ میں صرف ایک بات کہوں گا۔ اگر تم میری جگہ ہوتے تو تمہیں جو شخص بھی سامنے نظر آتا، تم اس کا نرخرا دبا دیتے۔'' میں نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''یہ اتنا بڑا ملک ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہاں ایک جگہ بھی میرے لئے سکون کی نہیں ہے۔ میں لندن گیا، تبت گیا اور جب میں واپس آیا تو وہ پھر میرے پیچھے پڑ گئے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں، بس اتنی بات میرے لئے کافی ہے۔'' انسپکٹر جوشیلے انداز میں بولا۔ ''کاش میرے پاس عدالت کی طرح فیصلے بدلنے کی قوت ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ بمبئی چلتا لیکن فی الحال میں حیدرآباد میں تمہیں ان کے حوالے کردوں گا اور بعد میں رخصت لے کر بمبئی میں آؤں گا۔ میں نے بمبئی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہاں میرے کئی دوست ہیں، وہاں تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہوگی۔''

''تم وہاں آ کر نقصان اٹھاؤ گے، تم نہیں جانتے کہ میرا معاملہ کس قدر کٹھن اور پیچیدہ ہے۔ میں اب کوئی اور ہنگامہ نہیں چاہتا یہی وجہ ہے کہ میں نے آسانی سے خود کو تمہارے حوالے کردیا ہے۔''

''ورنہ تم کیا کرتے؟'' سیدغوث متعجب ہو کر بولا۔

''تم مجھے کبھی گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔''

''یہ تمہارا گمان ہے۔ باوردی پولیس کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ ہمارے ساتھ سادہ لباس والے بھی موجود تھے۔ تم ہم سے بچ کر کہاں جاتے ہو؟''

''میں اس وقت بھی فرار ہو سکتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر نے اپنا ہاتھ تیزی سے ہولسٹر پر رکھ لیا پھر فوراً ہٹا لیا اور بولا۔ ''حالات نے تمہارا ذہنی توازن بگاڑ دیا ہے۔''

''تم غلط سمجھ رہے ہو، میں پورے ہوش میں ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کر کے دکھا سکتا ہوں مگر میں تمہیں نادم نہیں کروں گا۔ میں [illegible]''

''ہوں!'' وہ گردن جھٹک کر تاسف میں بولا۔ ''بہرحال میں بمبئی میں تم سے ملاقات کروں گا۔ تمہارا مقدمہ یقیناً میرے مشاہدے اور تجربے میں اضافے کا باعث بنے گا۔''

''ہاں، تمہیں کچھ زیادہ ہی حیرت ناک مشاہدات ہوں گے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے اور کسی وقت کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔''

''دیکھا جائے گا۔ مجھے تمہاری مدد کر کے مسرت ہوگی۔'' نوجوان سیدغوث نے عزم کے ساتھ کہا۔

جیپ سے اتر کر ہمیں گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ راستے بھر میرے ہاتھ کھلے رہے اور انسپکٹر غوث مجھ سے باتیں کرتا رہا۔

ریل میں ہمارے لئے ایک مخصوص ڈبا تھا۔ اصولاً مجھے سپاہیوں کے ساتھ زمین پر بٹھایا جانا چاہئے تھا لیکن انسپکٹر مجھے اپنے ساتھ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں لے گیا۔ وہ ایک ضدی اور سرشور نوجوان تھا۔ بالکل میری طرح اور زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ میں نے کسی مرد کو اپنی عجیب و غریب زندگی کے بعض واقعات سنائے۔ وہ انہیں سن کر ششدر رہ گیا۔ میری الم ناک زندگی، میری روداد غم، اسے کس طرح یقین آتا؟ اس کی متذبذب آنکھیں بار بار کھلتی اور بند ہوتی تھیں۔ ''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟'' وہ بار با پوچھتا۔

''ہاں۔ اب میں جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں۔''

''کتنے ناقابل یقین واقعات ہیں، تم تو الف لیلہ کا کوئی کردار ہو۔'' وہ ہکلا کر بولا۔

میں نے اسے بہت کم باتیں بتائی تھیں اور جو کچھ بتایا تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ مجھے ایک ہمدرد، ایک سچا جوان نظر آتا تھا۔ راستے بھر وہ کشش و پنج کی کیفیت میں مبتلا رہا اور مجھ سے کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ اس کا تجسس بڑھتا ہی جاتا تھا۔ میں نہایت آہستگی، سنجیدگی سے اپنی زندگی کی رازہائے سربستہ بتا رہا تھا۔ راستے میں اس سے اجازت لے کر میں نے مراقبے کی ایک طویل مشق کی۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ انکا اس تمام عرصے میں خاموش رہی تھی اور مجھ سے ناراض تھی کہ میں نے اتنے غنیمت موقعوں پر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی لیکن میں انسپکٹر غوث کے اعتماد کو کوئی دھچکا لگانے پر تیار نہیں تھا۔ ڈبے میں وہ اور میں اکیلے تھے۔ میں کسی وقت بھی اس کا پستول چھین کر اسے بے بس کر سکتا تھا اور کسی وقت بھی درمیان میں اتر کر جنگلوں میں روپوش ہو سکتا تھا۔ ایسے مواقع کئی بار آئے۔ انسپکٹر پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی مگر میں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اس نے کھانا میرے ساتھ کھایا۔ میں ایک ایسا قیدی تھا جس کا صیاد میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اسٹیشن پر دوسرے ڈبے سے پولیس کا عملہ بار بار آ کر سیدغوث کی خیریت دریافت کرتا اور [illegible] دیکھ کر انگشت بدنداں واپس

ہو جاتا۔

اسٹیشن پر اسٹیشن گزرتے رہے۔ حیدرآباد قریب آتا جا رہا تھا۔ سیّد غوث کی حالت بھی متغیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ خود مجھے راستے سے فرار کر دیتا لیکن نظام شاہی حکومت مجھے صوبہ بمبئی کے حوالے کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔ حیدرآباد میں انسپکٹر پرشوتم اپنے سپاہیوں سمیت میرا منتظر تھا۔ گلبرگہ سے یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ مجھے کسی مزاحمت کے بغیر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اگر سیّد غوث مجھے چھوڑ دیتا تو نظام شاہی پولیس کا عملہ اس کے خلاف گواہی دیتا کہ اس نے عام برتاؤ سے ہٹ کر میرے ساتھ غیر معمولی سلوک کیا تھا۔ حیدرآباد کے قریب وہ بے اختیار میرے گلے لگا۔ میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر مضبوط لہجے میں کہا۔ ''سیّد غوث۔ اپنی آنکھوں کی نمی دور کرو، یہ بات ایک بلند ہمت پولیس افسر کے شایانِ شان نہیں ہے۔''

حیدرآباد پہنچ کر مجھے ایک بند گاڑی میں پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ سیّد غوث نے عملے کو ہدایت کی کہ وہ میرا خاص خیال رکھے لیکن اس کی ہمدردیاں کب تک میرے ساتھ رہتیں؟ جلد ہی مجھے حوالات سے طلب کیا گیا اور ایک بڑے پولیس افسر نے سیّد غوث کی موجودگی میں مجھ سے سخت سے سخت لہجے میں بات کی۔ سیّد غوث اس وقت ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ کمرے میں بمبئی کا پولیس افسر پرشوتم بھی موجود تھا۔ وہ بڑی کینہ توز نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لئے جا رہا تھا۔ میرے عقب میں سنگین بردار سپاہی تھے۔ میرے اور سپاہیوں کے سوا سب بیٹھے ہوئے تھے۔ سب بار بار حیرت سے میری صورت دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے کوئی عجیب الخلقت شخص کھڑا ہو۔

''تمہارا نام جمیل احمد خان ہے؟'' پولیس افسر نے اپنی آواز میں تحکم اور گرج پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''یہ سوال مجھ سے بار بار کیا جا چکا ہے۔ ہاں۔'' میں نے اکتا کر کہا۔ ''تمہاری ہر بات کا جواب ہاں میں ہے۔ فضول کارروائی سے بچو اور مجھے انسپکٹر پرشوتم کے حوالے کر دو۔''

پولیس افسر نے مجھے گھور کر دیکھا۔ ''بدتمیز۔ انسپکٹر پرشوتم! تمہیں اس گستاخ کا خاص خیال رکھنا پڑے گا۔''

''میں اس کی تواضع اچھی طرح کروں گا، بمبئی پولیس نے میرا انتخاب یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہوگا جناب!'' انسپکٹر پرشوتم نے گردن ہلائی اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر غوث نے کاغذات دستخط کرنے کے بعد پرشوتم کے حوالے کر دئے۔ پولیس افسر نے میرے تلخ جواب کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ پرشوتم نہ ہوتا تو وہ میری پیٹھ عریاں کر کے کوڑے ضرور لگواتا۔ دونوں انسپکٹروں کے درمیان رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا اور پرشوتم نے نظام شاہی حکومت کے تعاون

کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے سپاہیوں نے جب میرے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی تو سیّد غوث نے مضطربانہ انداز میں پرشوتم سے کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص بے ضرر ہے۔ اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو کسی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔''

سیّد غوث کی اس دخل اندازی پر اس کے افسر نے استہزائی نظروں سے دیکھا اور پرشوتم کے چہرے پر رعونت چھا گئی۔ سیّد غوث جھینپ سا گیا۔ انسپکٹر پرشوتم نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ مجھے باہر کھڑی ہوئی وین میں لے گئے۔ اسٹیشن پر پرشوتم کے ساتھ سیّد غوث بھی آیا لیکن مجھ سے اس کی کوئی بات نہ ہو سکی۔ پرشوتم کے حکم سے میرے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور مجھے نشست کے بجائے کمپارٹمنٹ کی زمین پر دھکا دے کر بٹھا دیا گیا۔ چاروں طرف سپاہی مستعد ہو کر بیٹھ گئے اور انسپکٹر پرشوتم انہیں ضروری ہدایات دے کر ایک نشست سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے سپاہیوں سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس ڈبے میں بیٹھا رہا۔ گاڑی چلی تو پرشوتم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

''جمیل تمہارے پیروں اور ہاتھوں میں تکلیف ہو رہی ہوگی؟'' انکا نے میرے کاندھوں پر آ کر کرب سے کہا۔ ''تم یہ سب کیوں برداشت کر رہے ہو؟ کہو تو میں کچھ انتظام کروں؟''

''انکا...... ان زنجیروں میں کیا رکھا ہے؟ کیا میری نگاہ کی ایک جنبش انہیں پگھلا نہیں سکتی؟'' میں نے اسے جواب دیا۔

''مجھے معلوم ہے لیکن تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟''

''فرض کرو، اگر تم پرشوتم کے سر پر جا کر اسے بے بس کر دیتی ہو اور میں فرار ہو جاتا ہوں تو آئندہ دنوں میں تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟''

''جمیل۔ کم از کم اس وقت تو تم اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔'' انکا بولی۔

''مگر کب تک؟ کیا کوئی شہر ایسا رہ گیا ہے جس کے در و دیوار میری پردہ پوشی کر سکیں؟ چند فیصلے ضروری ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کلدیپ چاپ ختم کرنے کے بعد تزئین کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو جائے گی۔ جمیلہ کو میں نے اس کے گھر پہنچا دیا ہے اور اب وہ سیّد کی امان میں ہے۔ چچا جان اپنی جگہ خوش ہیں۔ اب میری زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟''

''کیا مطلب؟ یعنی تم بالکل مایوس ہو چکے ہو؟''

''میں اب اختتام چاہتا ہوں۔ جس دن سے میں نے سیّد کو دیکھا ہے، مجھے ساری چیزیں ہیچ نظر آتی ہے۔ کاش سیّد میری جانب ملتفت ہو جاتا۔''

میں نے عالمِ تصور میں دیکھا۔ انکا کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ سیّد کے ذکر پر وہ بے چین ہو گئی اور مجھ سے کہنے لگی۔

"تمہاری باتیں اب میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں، تم کیا چاہتے ہو آخر؟"

"انکا۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنتی ہو۔ میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سید میرے اضطراب پر ایک دن میری جانب ضرور مائل ہوگا۔ میں نے اسی لیے اپنے آپ کو آگ اور خون کے سپرد کر دیا۔ اب مجھ سے کچھ نہیں ہوگا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ پر شدید مظالم ڈھائے۔ میں بد سے بدتر حالات کے لئے خود کو تیار پاتا ہوں۔ بمبئی میں میری رسوائیوں کی محفل سجے گی۔ شاید کوئی فیصلہ ہو جائے، نہ بھی ہو تو میں کوئی مزاحمت کرنا نہیں چاہتا۔ در و دیوار سے دشمن اگ رہے ہیں۔ ہندوستان کی وسیع و عریض سرزمین پر میرے لیے قبر کی جگہ بھی ملنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ یہ دن بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا لیکن میں اسے ٹالتا رہا۔ ان کا خیال ہے وہ اس شخص کو سزا دیں گے جسے سزاؤں کا ادراک بھی ہوگا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ موت سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے اور موت میرے نزدیک سب سے آسان سزا ہے۔"

"تم الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔" انکا ناراض ہو کر بولی۔

"کیا سوچ رہا ہے؟" اسی وقت پرشوتم کی آواز گونجی۔

"کچھ نہیں۔ انسپکٹر صاحب!" میں نے اداسی سے کہا۔ "کیا سوچوں پر بھی پہرے ہیں؟ تمہارے پاس کوئی ایسی زنجیر نہیں ہے کہ تم میرے دماغ کو بھی اس میں جکڑ لو۔"

"بہت جلد۔ بہت جلد تیرے دماغ اور دل پر بھی تالا ڈال دیا جائے گا۔" پرشوتم داس نے ہنس کر کہا۔ اس کے ساتھ تمام سپاہی ہنسنے لگے۔

"مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا......" انکا غضب ناک ہو کر بولی۔

"تو تم میرے سر سے اتر جاؤ۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اف......اف۔" انکا نے جھلا کر کہا۔ "یہ تمہاری توہین ہے۔"

"ایک مجرم کی توہین کیا حیثیت رکھتی ہے؟ انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے دو۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا۔

میری خاموشی پر پرشوتم نے پھر مجھے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"سنا ہے تو کچھ شکتیاں بھی رکھتا ہے؟"

"لیکن میں تم پر انہیں استعمال نہیں کروں گا۔ تم چین کی بنسی بجاؤ، جاؤ سو جاؤ۔" میں نے بے اختیار اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے حرام زادے!" پرشوتم اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور اس نے میرے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ اس کے جوتے کی نوک میری دائیں پسلی پر پڑی۔ تکلیف

میرا برا حال ہو گیا۔ انکا کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ میں نے مسکرا کر ٹالنا چاہا۔ اسی وقت میرے قریب بیٹھے ہوئے سپاہیوں نے مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ میں ضبط کیے ان کے وار سہتا رہا۔ انکا سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے میرے سر پر اپنے پنجے گاڑ کر مجھ سے عجیب طرح کا احتجاج کیا۔ پرشوتم نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے سپاہیوں کو میرے پاس سے دور کیا اور اپنی نشست پر جا کر ہانپنے لگا۔ "اُلو کا پٹھا۔ وہ لوگ اور تجھے ملے ہوں گے، زبان چلاتا ہے۔"

"یہ پرشوتم داس ہیں، سؤر کی اولاد!" ایک سپاہی نے زور دے کر کہا۔ "بڑے بڑے طرم باز خاں انہوں نے سیدھے کر دیئے ہیں۔"

"سالے نے بھنگ پی رکھی ہے، ابھی سارا نشہ اتار دوں گا۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔ اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔

"نارائن! چپ رہو۔" پرشوتم داس دہاڑا۔ "اس دشٹ کا کھانا بند کر دیا جائے۔ میں دیکھوں گا، یہ کب تک زبان چلائے گا۔"

"یہ نظام شاہی پولیس نہیں ہے۔ وہ مسلا انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔ سالے یہ سب مسلے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔" پرشوتم داس نے جھنجلا کر کہا۔

میں خاموش رہا۔ انکا منہ بسور کے میرے سر پر بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میری خاموشی نے ان پر کچھ اچھا اثر نہیں ڈالا۔ وہ کچھ اور مشتعل ہو گئے اور جب میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے ارتکاز کا عمل شروع کیا تو انہوں نے بھی مجھے ایک سمت آنکھیں مرکوز رکھنے کی سزا یہ دی کہ میرے گالوں پر طمانچے مارتے رہے۔ میں ان کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔ وہ سب اونچی نشست پر ٹھسے سے بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے ٹھوکریں مار مار کر ہنستے جا رہے تھے۔ میں ان کے سامنے ایک کھلونا بنا ہوا تھا۔ رات کا کھانا آیا تو انہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر سیر ہو کے کھایا اور مجھ پوریاں، روٹیاں دکھا کر اپنی دانست میں ترساتے رہے۔ پرشوتم نے میری طرف پوری کا ایک ٹکڑا پھینک دیا۔ میں نے اسے نہیں کھایا تو اس کا حکم ملا۔ "کھا حرام زادے! تجھے بمبئی تک ہمیں زندہ رکھنا ہوگا۔"

"جمیل! میں تمہارے سر سے اتر رہی ہوں۔" انکا اشتعال انگیز لہجے میں بولی۔ "میں ان کمینوں کو ابھی مزہ چکھاتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں۔ پھر یہاں خون ہی خون ہوگا، نندا کی روح گواہ ہے۔ میں اسے گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ میں نے کسی موقع پر ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میں اس کا لائق شاگرد رہنا چاہتا ہوں۔"

"نندا...... نندا...... ضبط، برداشت، کبھی نندا، کبھی سید...... تم عجب تضاد کا شکار ہو۔" انکا جھنجلا کر

"وہ میری منزل ہیں۔ آئندہ تم ان کے بارے میں کوئی گستاخی نہیں کرو گی، سمجھیں؟"

"ہاں، میں تمہاری کون ہوتی ہوں؟ ٹھیک ہے، برداشت کیے جاؤ۔ ان لوگوں کے ہاتھوں خوب اپنا مذاق اڑواؤ۔ میری بلا سے۔"

"تم چپ بیٹھی دیکھتی رہو۔"

میں نے ان کے پھینکے ہوئے روٹی کے ٹکڑے اور آلو زمین سے نہیں اٹھائے۔ انہوں نے مجھے اٹھانے کا حکم دیا تو میں نے منہ پھیر لیا۔ میں کئی دن بھوکا رہ سکتا تھا۔ تبت میں نندا کے استھان پر ہفتوں بھوکا رہ کر میں نے اپنا جہنم شکم قابو میں کر لیا تھا۔ ان کے قہقہے بڑھتے گئے۔ وہ سبزی میری طرف اچھالنے لگے گالیوں کا ایک طوفان ان کے منہ سے جاری تھا۔ انسپکٹر پرشوتم سپاہیوں کے درمیان بیٹھا انہیں بمبئی میں میری خون ریزیوں اور دہشت انگیزیوں کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔ اسے بہت سے واقعات معلوم نہیں تھے۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے ہندو دھرم کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ میں نے کئی پنڈتوں، پجاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ میرا خیال تھا، رات کو کچھ سکون ہو جائے گا۔ وہ سب سو جائیں گے لیکن رات کو انہوں نے تاش کی پھڑ لگا دی۔ مجھے ایک سپاہی نے حکم دیا کہ میں انسپکٹر پرشوتم کی ٹانگیں دباؤں۔ میرے واحد ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی اور اس کا دوسرا سرا ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھا۔ میرے پیر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ "اٹھ اٹھ ...... جا صاحب بہادر کے پیر دبا۔" ایک سپاہی نے حکم دیا۔

"نہیں اسے بیٹھا رہنے دو۔ میں اس کے گندے ہاتھ اپنے شریر پر لگوانا نہیں چاہتا۔" پرشوتم داس نے تاش کا پتا پھینکتے ہوئے کہا۔

"نہیں جی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑا باندھ دیتے ہیں۔ لے بھئی ذرا ادھر، میری ٹانگیں دبا، ابے ادھر آ جا۔ صورت کیا دیکھتا ہے؟ سالا کیسی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔" ایک سپاہی مجھ سے بولا۔ وہ پرشوتم کا منہ چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"جاؤ اس کی ٹانگیں دباؤ۔" انکا نے چٹکی لی۔

"جاتا ہوں۔" میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ زنجیروں کے چھناکے مجھے اپنے دماغ میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔ میں نے کسمسا کے پہلو بدلا اور زور سے اپنا پیر زنجیروں پر مارا۔ زنجیریں میرے ایک ہی عمل سے ٹوٹ گئیں۔ وہ تاش میں مگن تھے۔ میں نے پیر سے ایک زنجیر اٹھا کر نارائن کے منہ پر ماری۔ وہی سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسی نے مجھے پیر دبانے کا حکم دیا تھا۔ زنجیر پھسلتی ہوئی دوسرے سپاہیوں کے منہ پر بھی لگی۔ انہوں نے ایک چیخ ماری۔ دو سپاہیوں کے چہرے لہولہان ہو گئے تھے اور نارائن کی کھال اس کے چہرے سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ پرشوتم کو ملا کر نو۔ آنا

فاناً انہوں نے پستول تان لیے۔ ایک سپاہی نے بڑھ کر مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے اس کی نشست پر دھکیل دیا۔ قریب تھا کہ وہ گولیاں چلا دیتے مگر انکا مجھ سے پوچھے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔

ٹھیک اسی وقت ڈبے کی روشنی گل ہو گئی۔ وہ پستول نہیں چلا سکتے تھے۔ ڈبے میں ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ میں نے ایک کونے میں کھڑے ہو کر خود کو مراقبے میں محو کرنے کی ناکام کوشش کی، آخر میرا ہاتھ دراز ہوا اور کمپارٹمنٹ روشنی میں نہا گیا۔ یہ ایک لمحے کی مہلت میرے لیے بہت تھی۔ میرا ہاتھ آزاد تھا اور زنجیر بھی میرے قبضے میں تھی۔ نارائن فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ میں نے روشنی میں سر کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔ میں نے ان کے گرد ہاتھ گھما کر کہا۔

"چلاؤ گولیاں۔" وہ حیران وہ سراسیمہ کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے جن کا رخ میری طرف تھا لیکن کسی کو پستول چلانے کی جرأت نہیں تھی۔ انکا پرشوتم کو بے ہوش کر کے ایک سپاہی کے سر پر بیٹھی مجھے اشارے کر رہی تھی کہ میں ان سب کو عبرت ناک سزا دوں؟ میں نے آگے بڑھ کر بڑی آسانی سے پستول ان کے ہاتھ سے لے لیے۔ ان پر سکتہ سا طاری تھا۔ وہ سب اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔ تمام پستول میں نے کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ "تم اندھے ہو گئے ہو کیا؟ میں تمہاری زبانیں قلم کر دوں یا تمہیں آگ کی نذر کر دوں؟" میں نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ شرافت سے جا رہا تھا۔ تم یہ حرکتیں کیوں کر رہے تھے؟"

وہ گھگیانے لگے۔ ایک سپاہی نے جو انکا کے زیر اثر تھا، میرے قدم پکڑ لیے۔ "ہمیں اندازہ نہیں تھا شریمان جی، ہمیں معاف کر دیجئے، آپ چاہیں تو فرار ہو سکتے ہیں۔"

"فرار ...... ہونہہ ...... تم سب پاگل ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ کتنی بار میں نے تمہیں سبق دیا ہے لیکن پولیس کے عملے میں بے وقوفوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک حرام الدہر شخص آگے آ جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کبھی بند بھی ہو گا یا نہیں، میں اس کا اختتام چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا تاکہ تم اپنے دل کی حسرتیں نکال لو۔"

وہ اپنے قدموں پر کھڑے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خلا میں کھڑے ہوں، وہ بری طرح لرز رہے تھے اور بار بار مجھ سے معافی مانگ رہے تھے۔ "میں بھاگوں گا نہیں۔ تم لوگ اطمینان سے سو جاؤ۔" میں نے انہیں حکم دیا۔ ان سب نے میرے پیر پکڑ لیے۔

"آپ نے ہمیں معاف کر دیا!"

پھر انہوں نے میرے لیے بستر لگایا اور میری ہتھکڑی کھولنی چاہی۔ میں نے انہیں روک دیا۔ ہتھکڑی میری ایک ہی نظر میں نیچے گر گئی۔ پرشوتم زمین پر پڑا تھا۔ وہ میرے پاؤں دبانے لگے اور انہوں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



نے اصرار کر کے مجھے بستر پر لٹا دیا۔ انکا شگفتہ شگفتہ، شاداں شاداں میرے سر پر آئی۔ اس نے ایک ادا کے ساتھ مجھے دیکھا مگر کوئی بات نہیں کی۔ نارائن کا خون کمپارٹمنٹ کے فرش پر پھیل گیا تھا۔ انہوں نے فرسٹ ایڈ بکس سے اس کے چہرے پر لیپا پوتی کی اور پرشوتم کو اٹھا کر سیٹ پر دھکیل دیا۔ میں نے ٹانگیں پسار لیں۔ گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ انکا کو جاگنے کی ہدایت کر کے میں سو گیا۔ علی الصباح میری آنکھ کھلی تو پرشوتم جاگ رہا تھا اور دزدیدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

تمام سپاہی اطمینان سے سو رہے تھے۔ صرف نارائن کروٹیں بدل رہا تھا۔ پرشوتم مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ میں نے اوپر سے آواز لگائی۔ ''بمبئی قریب آ رہا ہے پرشوتم جی! تم بھی اطمینان سے سو جاؤ۔ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہوں۔''

''مہاراج۔ جمیل احمد خان صاحب!'' پرشوتم نے ہمت کر کے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں۔''

کوئی جواب دینے کے بجائے میں نے اپنے چہرے پر چادر تان لی۔ بمبئی کے قریب انہوں نے ڈرتے ڈرتے مجھے اٹھایا اور تمام تر احتیاط، ادب اور احترام سے مجھے اسٹیشن سے باہر لے آئے۔ باہر پولیس کی وین کھڑی تھی۔ مجھے حوالات میں داخل کر دیا گیا۔ پرشوتم کی ہدایت پر مجھے ایک نفیس بستر اور پلنگ مہیا کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے تھانے میں پرشوتم کی صورت نہیں دیکھی۔

ابھی مجھے حوالات میں آئے ہوئے چند گھنٹے گزرے ہوں گے کہ پنڈتوں پجاریوں کا ایک گروہ تھانے میں مجھے دیکھنے آیا۔ ان سب کے چہروں پر نفرت تھی۔ ان میں سب سے پیچھے بدری نرائن تھا اور کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں ایک تماشا بنا ہوا ان لوگوں کے سامنے اطمینان سے بیٹھا رہا۔ ہمارے درمیان کسی جملے کا تبادلہ نہیں ہوا۔ تھانے کا دوسرا انسپکٹر بھی ان کے ہمراہ تھا، وہ لوگ کچھ دیر تک مجھے نظروں میں تولتے رہے پھر لوہے کی سلاخوں والے دروازے سے ہٹ گئے۔ وہ حیران تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے آئے تھے کہ کیا پولیس نے واقعی جمیل احمد خان کو پکڑا ہے؟ جب انہیں یہ خبر ملی ہو گی کہ میں بمبئی پہنچ گیا ہوں تو انہیں قرار نہیں آیا ہو گا۔ اس تھانے میں دو انسپکٹر کی ڈیوٹی تھی۔ پرشوتم نے شاید دوسرے انسپکٹر مہندر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ میرا خاص طور پر خیال رکھے چنانچہ تھانے کا پورا عملہ میری خدمت میں لگا رہتا۔ سپاہیوں کے چہروں پر ایک خوف طاری تھا۔ جو سپاہی حوالات کے دروازے پر تعینات تھے، ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح میری خوشنودی حاصل کر لیں۔ ایک دن گزرنے کے بعد حوالات کے دروازے سے ایک سپاہی نے داخل ہو کر میرے پیر پکڑ لیے اور مجھ سے اپنی نوجوان بہن کا پتا پوچھنے لگا جو گزشتہ ایک مہینے سے غائب تھی۔ وہ پیر چھوڑتا ہی نہ تھا، نتیجتاً مجھے اسے بتانا پڑا کہ اس کی بہن کہاں ہے۔ اس نے اپنے ایک آشنا کے ساتھ

بھاگ کے اس کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لی تھی اور سورت میں تھی۔ میں نے لڑکے اور لڑکی کا نام بتا دیا۔ وہ میرے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ سورت کا پورا پتا بھی میں نے بتا دیا کہ وہ کون سے محلے اور کون سے مکان میں مقیم ہے۔ میرے اس انکشاف کی تصدیق سے پہلے ہی مختلف سپاہیوں نے حوالات میں آ کر مجھ سے اپنے مسائل پوچھنے شروع کر دیے۔ وہ سب غریب لوگ تھے۔ میں ان کی پریشانیاں دور کرتا رہا اور انہیں مشورے دیتا رہا۔ صرف ایک دن میں تھانے کے عملے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حوالات میں ایک بہت بڑا پہنچا ہوا آدمی بند ہے، نہ جانے کیا آفت آ جائے؟ سپاہی اپنے اپنے گھر سے عمدہ عمدہ پکوان لانے لگے۔ میں ان کا دل رکھنے کے لئے چند لقمے لے لیتا۔ اصل میں، مجھے سکون کی ضرورت تھی۔ دوسرے دن رات کو کچھ سکون میسر آیا۔ تھانے کا سارا عملہ سو گیا تھا۔ میں نے موقع غنیمت دیکھ کر تمام رات مراقبے میں گزار دی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد پھر وہی ازدحام، وہی خاطر تواضع، وہی پذیرائی شروع ہو گئی۔ حوالات میں اس مزے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت بند ہوا جب ایک وکیل اور پولیس کے چند اعلیٰ افسروں نے مجھے پرشوتم کے کمرے میں طلب کیا اور مجھ سے میری گزشتہ زندگی کے متعلق سوالات کیے۔ انہوں نے گوپال اور جگدیش کے قتل پر میرا بیان قلم بند کیا اور اس طرح عدالت میں پیش کرنے کے لئے قانونی دستاویز تیار کی۔ میں نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ میں نے دانستہ کوئی قتل نہیں کیا۔ انہوں نے حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ میں اگر انہیں قتل نہ کرتا تو وہ مجھے نذر آتش کر دیتے۔ میرے پُراسرار بیان پر طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ کسی کو بھی یقین نہیں آتا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔ ان کی نظروں میں شک اور خوف تھا، چونکہ انہوں نے زندگی میں پہلی بار ایک ملزم سے ایسی عجیب واردات قتل سنی تھی۔ میں نے ایک ایسا مبہم بیان دیا جس سے انہیں مجھے عدالت میں پیش کرنے میں آسانی ہو۔ دوپہر تک انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں سوالات کے لئے روکے رکھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں انگریزی سے نابلد ہوں اسی لیے میرے کسی جواب پر آپس میں انگریزی میں گفتگو کرتے تھے۔ ایک جگہ میں نے انہیں ٹوک دیا تو وہ سنبھل گئے اور پھر محتاط انداز میں گفتگو کرنے لگے۔

اسی شام وعدے کے مطابق سید غوث عمدہ سوٹ میں ملبوس مجھ سے ملنے آیا۔ وہ طویل رخصت پر آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اصرار کیا، گویا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ عدالتی اور قانونی موشگافیوں کا جال بچھا کر میری رہائی کا اہتمام کر لے گا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں نے حالات سے زچ ہو کر اپنے آپ کو خود عدالت کے حوالے کرنے پر آمادہ کیا ہے، مجھے یہ سن کر ہنسی آئی لیکن وہ بضد رہا کہ کسی اچھے وکیل کی خدمات ضرور حاصل کرے گا۔ اس نے مجھ سے میرے رشتے داروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں اور جو لوگ مجھ

Downloaded from Paksociety.com

سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں، میں انہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند نہیں کروں گا۔ سیّد غوث کی ہمدردی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ حیدر آباد سے چل کر یہاں تک آیا تھا اور ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ میں نے اسے پریم کا پتا دیا کہ وہ میرا نام لے کر وہاں ٹھہر جائے۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو ہدایت کی کہ وہ ڈاکٹر کے سر پر جا کر پریم کے گھر میں سیّد غوث کے قیام کے لئے فضا ہموار کرے۔ انکا کسی کام کے لئے منتظر ہی بیٹھی تھی۔ میرا حکم سن کر فوراً چلی گئی۔ سیّد غوث بھی تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔ انکا کے جانے کے بعد مجھے ایک ہلکا پن سا محسوس ہوا۔ وہ بار بار مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھتی تھی تو مجھے کچھ بار سا محسوس ہوتا تھا۔

اور پھر اپنے ذہن پر میں خود طاری ہوگیا۔ میں جمیل احمد خان میں سوچنے لگا۔ زندگی کتنی عذاب ناک چیز ہے۔ زندگی رہیئے تو زندگی کے بکھیڑوں میں الجھے رہیئے۔ آدمی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ زندگی ختم ہو جائے تو کائنات کی حرکت میں کیا فرق واقع ہوگا؟ تمام لوگ پیدا ہوتے ہی کیوں نہیں مر جاتے؟ میرا ذہن الجھا رہا اور ان الجھنوں کے درمیان مجھے سیّد کا چہرہ اپنے روبرو نظر آیا، وہی مستانہ چال، وہی قہقہے، اس نے زندہ رہتے ہوئے زندگی کا مذاق اڑایا تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سید مجھ سے کہہ رہا ہو۔ ''سن احمق۔ زندگی موت ہے، موت زندگی ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے آدمی کا گزرنا لازمی ہے کہ موت و زندگی کا فرق سمجھ میں آئے، یہ عالم جسے تو نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ یہ عالم اُن گنت مظاہر کی ایک جھلک ہے۔ لفظوں کا فرق ہے۔ موت و زندگی کے غلط معانی اخذ کر لیے گئے ہیں۔'' سیّد کا چہرہ دیکھ کر مجھ پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور میں حوالات میں بڑبڑانے لگا۔ مجھے اپنے جسم میں سوئیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میرا دل چاہا کہ میں حوالات کی سلاخیں توڑ کر کہیں بھاگ جاؤں لیکن سیّد کی آغوش کوئی آسان آغوش نہیں تھی۔ مجھے تذبذب تھا کہ وہ اتنی آسانی سے میرے قریب نہیں آئے گا۔ میرے دل میں گناہوں کی پشیمانی تھی۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا تھا، میں اسے ایک عام آدمی کی طرح برداشت کر رہا تھا۔ یہ لوگ مجھے عدالت میں لے جانے والے تھے۔ اس سے پہلے بھی بمبئی میں مجھ پر مقدمہ قائم ہوا تھا اور مشہور بدمعاش کلن نے اپنے کیے کی سزا پائی تھی۔ واقعات خود کو دہرا رہے تھے لیکن اب بہت بڑا فرق واقع ہوگیا تھا، اب میں پہلے جیسا جمیل احمد خان نہیں تھا۔ میرا نام پرانا تھا، میرا جسم پرانا تھا مگر میرا ذہن اور میرا دل نیا تھا، جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ غور نہ کیا جائے۔ مزاحمت نہ کی جائے۔ ایک تنہا آدمی اپنی پُراسرار طاقتوں کے باوجود کیا کر سکتا ہے۔ مزاحمت سے بے گناہ لوگ لپیٹ میں آ کر مارے جاتے ہیں، سو جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ہونے دیا جائے۔ سیّد غوث وکیل کی فکر میں تھا۔ میری وکالت کے لئے ہندوستان کا کون سا وکیل آمادہ ہوتا؟ لیکن یہ سیّد غوث کے خلوص کی انتہا تھی کہ اس نے ایک وکیل کو میرے مقدمے کے لئے تیار کر لیا۔ جب وہ میرے پاس اسے لے کر آیا تو وکیل [illegible]

بعد دنگ تھا، اس سے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ انکا کو اپنے سر پر دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے انکا کو آواز دی۔ وہ اس وقت ڈاکٹر کے سر پر تھی۔ سیّد غوث اب ڈاکٹر اور اس کی خوب صورت لڑکی پریم کا مہمان تھا۔ تھوڑی دیر میں انکا آگئی۔ میں نے اسے وکیل انوپ چندر کے سر پر بھیج دیا۔ وکیل کو میری باتوں کا یقین نہیں تھا مگر انکا کے سر پر جانے کے بعد وہ اچھلا اور پھر کہنے لگا۔ ''واقعی...... واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ تو کوئی عورت ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

سیّد غوث نے بھی اس کے بعد مجھ سے کہا کہ میں انکا کو اس کے سر پر بھیجوں۔ وکیل کے بعد انکا سیّد غوث کے سر پر چلی گئی۔

''کتنی خوب صورت گڑیا ہے۔'' وہ منمنایا۔ ''آہ۔ اسے تو جیب میں رکھنے کو جی چاہتا ہے۔''

میں مسکراتا رہا۔ انکا میرے سر پر آگئی۔ ان دونوں کی نظروں میں حیرانی تھی۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے انکا کا جلوہ دیکھا تھا اور ساری بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی کہ میری طویل اور خون آشام سرگزشت میں انکا کا کتنا دخل ہے۔ میں جو سادہ آدمی تھا، انکا نے، صرف انکا نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اسی ایک نکتے سے وہ میرے دفاع کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ حوالات میں مجھے ایک ہفتے تک ٹھہرنا پڑا۔ سیّد غوث اور وکیل بار بار مجھ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ پھر مجھے آٹھویں روز خاص طور پر لگی ہوئی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ ضروری کارروائی کے بعد سرکاری وکیل نے میرے خلاف ایک طویل بیان پڑھ کر سنایا جس میں اس نے میرے بھیانک ماضی کے معلوم اور نامعلوم واقعات سمیٹ کر ایک بہت ہی سیاہ اور مکروہ نقشہ کھینچا تھا اور میری پراسرار طاقتوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس نے عدالت کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ میں ہندوؤں، پنڈتوں، پجاریوں کا دشمن ہوں۔ میں نے مندروں میں گھس کر دنگا فساد کیا اور کئی پجاریوں کو ختم کر دیا۔ سرکاری وکیل نے بڑھ چڑھ کر الزامات عائد کیے۔ عدالت کی کارروائی فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے بند کمرے میں خفیہ طور پر جاری تھی۔ یہ اپنی نوعیت کا سب سے عجیب اور دلچسپ مقدمہ تھا۔ ایک پُراسرار مجرم، ایک ایسا شخص جو بار بار پولیس کو چکما دے کر بھاگ چکا تھا۔ وہ اس وقت عدالت کے کٹہرے میں حاضر تھا۔ جج کی مدد کے لئے جیوری بھی موجود تھی۔ جج ایک پستہ قد، بزرگ شخص تھا۔ وہ انگریز تھا لیکن ہندوستان بولی روانی سے بولتا تھا۔ جس وقت عدالت میں میرے خلاف فردِ جرم پڑھ کر سنائی گئی، اس وقت عدالت پر گہری خاموشی مسلط تھی۔ ہر شخص کا چہرہ مبہوت اور ساکت تھا۔ سیّد غوث کے پہلو میں پریم بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرا وکیل اپنی فائل پر تیزی سے نوٹ لے رہا تھا۔ ہر چند کہ مقدمے کی کارروائی خفیہ طور پر شروع ہوئی تھی لیکن پنڈتوں، پجاریوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ اس میں عموماً زیادہ عمر کے پنڈت پجاری موجود تھے جن کے لئے علیحدہ کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ [illegible] مشہور زمانہ بدمعاش، جادوگر، زنا

کار، اغوا اور قتل کے معاملوں میں ملوث، ہندوؤں کا بدترین دشمن قرار دیا اور اس نے آخر میں عدالت سے درخواست کی کہ مجھے تاریخ کی سب سے ہول ناک سزا دی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرکاری وکیل کو فردِ جرم تیار کرنے میں بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے اس کی مدد کی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پونا کا معذور و مفلوج شخص پنڈت تربینی داس بھی عدالت میں موجود تھا۔ تربینی داس کو عدالت میں دیکھ کر میرے اعصاب پر غصے کی ایک لہر گزر گئی۔ سرکاری وکیل کا بیان متعدد صفحات پر مشتمل تھا۔ عدالت کا بڑا وقت اس میں ضائع ہو گیا۔ میں اپنے کٹہرے میں نہایت اعتماد اور سکون سے اپنے خلاف سرکاری وکیل کی ہرزہ سرائیاں سن رہا تھا۔

"جناب والا! یہ شخص جو اس وقت فاضل عدالت کے روبرو کھڑا ہے، انتہائی ہولناک جرائم کا ارتکاب کر چکا ہے۔ میرے پاس گواہوں کی ایک فہرست موجود ہے جو برائے انصاف ہندوستان کے مختلف علاقوں سے طلب کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اس شخص کے سیاہ جرائم کے عینی شاہد ہیں۔" یہ کہہ کر وکیل سرکار نے اپنا بیان ختم کر دیا۔ جج نے میرے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالی اور عدالت کے لیے دوسرے دن کی تاریخ مقرر کر دی۔

عدالت برخاست ہونے کے بعد نم آنکھوں کے ساتھ پریم میرے پاس آئی۔ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھ کر اس نے اسے چوم لیا اور اپنی گمبھیر آواز میں کہا۔ "آپ ہمت رکھیے۔ سیّد غوث میرے پاس ہیں، ہم دونوں آپ کو باعزت بری کرانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔"

جلد ہی مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ بمبئی جیل میں یہ میری دوسری حاضری تھی۔ جیل کے در و دیوار میرے شناسا تھے۔ وہاں کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا مسکن تھی۔ میں خود بھی چاہتا تھا۔ یہاں میں سکون سے اپنی مشقیں جاری رکھ سکتا تھا۔ ایسا سکون نہ رکن الدین کی حویلی میں میسر آ سکتا تھا، نہ کلدیپ کے استھان پر۔ یہ تو نندا کا تہ خانہ تھا۔ یہ جگہ تنگ تھی تاہم میرے باطن کا صحن کشادہ تھا۔ میں آتے ہی اپنے ارتکاز میں مستغرق ہو گیا۔ اس گوشہ نشینی میں مجھے جو لذت ملی، وہ بیان سے باہر ہے۔ انکا میری مشقوں سے اکتا کر پریم کے گھر چلی گئی۔ انکا شوخیاں چاہتی تھی۔ شوخیاں اور شرارتیں میرے پاس کہاں تھیں؟ وہ میرا ساتھ نبھا رہی تھی۔ جیل میں حوالات جیسا تپاک نہیں تھا لیکن کسی شخص نے میرے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ رات کا کھانا وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مکئی کی ایک روٹی اور پتلی دال۔ میں نے سیر ہو کر کھایا اور اپنی توجہ موجودہ واقعات سے ہٹانے کی کوشش جاری رکھی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ میں عدالت کی طویل کارروائی اختصار سے بیان کروں گا۔ میرے وکیل نے میرے حق میں ایک مختصر تقریر کی اور ثابت کیا کہ میں ایک بے گناہ شخص ہوں جس نے جو کچھ بھی کیا وہ اپنے ایما سے نہیں کیا اور میری سرگزشت آہوں اور آنسوؤں کی

سرگزشت ہے۔

اس کی مؤثر تقریر کے بعد سرکاری وکیل نے سب سے پہلا گواہ پیش کیا جو بمبئی کا ایک پنڈت بلویر تھا۔ یہ گوپال داس کے آشرم میں بدری نرائن اور جگدیش کے ساتھ آیا تھا۔ جگدیش کے قتل پر مبالغہ آمیز بیان دیا۔ اس نے میرے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ میرے پاس انکا دیوی کی شکتی ہے جس سے میں نے ناجائز کام لیے ہیں اور ان گنت انسانوں کا خون کیا ہے۔

اس موقع پر جج نے مداخلت کی اور بلویر سے پوچھا۔ "یہ انکا دیوی کون ہے؟"

بلویر نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ان داتا! انکا دیوی بڑی بلوان اور شکتی والی دیوی ہے۔ اس کو پراپت (حاصل) کرنے کے لئے بڑا کٹھن جاپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ جس کے سر پر آ جاتی ہے، اس کے دن پھر جاتے ہیں۔ وہ جاپ کے بعد اپنے مالک کے کہے ہوئے پر چلتی ہے، اس وشٹ نے انکا دیوی کے ذریعے پنڈتوں، پجاریوں کے پوتر خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔" عدالت میں اس کے بیان پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

بلویر نے اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ میرے خلاف مسلسل ہذیان بکتا رہا۔ اس کے بیان کے بعد میرے وکیل سے کہا گیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ پہلے تمام بیانات سننا چاہتا ہے، اس کے بعد منتخب گواہوں سے جرح کرے گا۔ عدالت نے اس کی بات تسلیم کر لی۔ بلویر کے بیان کے بعد جج نے خلاف روایت سرکاری وکیل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "پہلے گواہ، فردِ جرم اور وکیل صفائی کے بیان کے بعد عدالت کو ایک وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس مقدمے کی حیرت انگیز ابتدائی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مافوق الفطرت واقعات کی بھرمار ہے۔ پجاری بلویر کے بیان کے مطابق ملزم جمیل احمد خان کے قبضے میں انکا دیوی کی پُراسرار شکتی ہے۔ عدالت کو اس امر پر غور کرنے کے لئے وقت چاہیے کہ کیا ہم کسی مافوق الفطرت واقعے یا مظہر کو ثبوت کی حیثیت سے تسلیم کر سکتے ہیں؟"

سرکاری وکیل کے جواب دینے سے پیشتر میرا وکیل انوپ چندر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے جج کی اجازت سے جواب دیا۔ "پُراسرار طاقتیں اس مقدمے کی بنیاد ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا پُراسرار طاقتیں اس مادی دنیا میں موجود ہیں؟ ہمارے قدیم ویدوں میں جابجا ان کا تذکرہ ہے۔ آئے دن ہمیں ایسے واقعے سننے کو ملتے ہیں جو عام انسانی عقل میں نہیں آتے۔ سرکاری وکیل نے بھی استغاثے میں کئی جگہ جمیل احمد خان کی پُراسرار طاقتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلے گواہ کا بھی یہی بیان ہے۔ ایسے محیر العقول واقعات انسانوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان کا اگر ہماری زندگی سے کوئی تعلق ہے اور یہ مظاہر اتنے بڑے واقعات کا سبب بن سکتے ہیں تو ہم انہیں کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں؟ فاضل عدالت سے درخواست ہے کہ

Downloaded from Paksociety.com

پہلے وہ یہ تسلیم کرے کہ کچھ ماورائی قوتیں ہمارے درمیان، ہماری دنیا میں موجود ہیں۔ کچھ لوگ غیر معمولی ماورائی طاقتوں کے مالک ہو سکتے ہیں اور کچھ لوگ ان طاقتوں کی زد میں آسکتے ہیں۔ اگر ہم نے اس مقدمے میں پُراسرار طاقت کے وجود سے انکار کر دیا تو ہم یہ کارروائی جاری نہیں رکھ سکتے، عدالت کا کام مشکل ہو جائے گا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا چاہئے۔"

اس دن پھر عدالت موقوف ہو گئی۔ تیسرے دن عدالت نے کوئی وضاحت کیے بغیر مقدمے کی کارروائی جاری رکھی اور یکے بعد دیگرے میرے خلاف گواہ پیش ہوتے رہے۔ سپاہی، انسپکٹر، سادھو، پجاری، پنڈت...... میرا وکیل تیزی کے ساتھ اپنی فائل پر اندراجات کرتا رہا اور سرکاری وکیل نہایت فخر سے اپنے گواہوں کو پیش کرتا رہا۔ مجھ پر سنگین ترین اور شدید ترین الزامات عائد کیے گئے۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر گواہ لا رہے تھے۔ عدالت میں میرے کٹہرے کے گرد روز پہرے داروں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ سنگین بردار پولیس والے اب سنگینیں تانے میرے گرد کھڑے رہتے تھے۔ میں ان کا زہر پی رہا تھا اور مجھے اس طوالت سے کوفت ہو رہی تھی۔ جج فیصلہ کیوں نہیں کر دیتا؟ یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟ سیّد غوث اور میرے وکیل انوپ چندر کا اصرار تھا کہ میں عدالت میں نظم و ضبط قائم رکھوں اور پُرسکون طور پر تمام واقعات سنتا رہوں لیکن ایک دن میرا خون کھول اٹھا جب کلکتے کے ایک دبلے پتلے پجاری نے کالی کے مندر میں زبردستی گھسنے اور ایک سادھو کو قتل کرنے کے الزام کے ساتھ ساتھ عدالت کو بتایا کہ میں نے ایک ہندو لڑکی مالا کو اغوا کر کے اس سے شادی کی اور پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بیان کے مطابق مالا سے پہلے میں ایک مسلمان لڑکی نرگس کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس وقت میری انگلی بے اختیار اٹھ گئی، انکا کا بھی طیش کے مارے برا حال ہو گیا۔ عین اسی وقت گواہوں کے کٹہرے کے اوپر چھت کا ٹکڑا گر پڑا اور کلکتے کا پجاری بلبلاتا ہوا کٹہرے میں ڈھیر ہو گیا۔ عدالت میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ تمام لوگوں کی نگاہیں چھت پر تھیں۔ چھت گرنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے کہ عدالت کی پختہ عمارت میں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ سپاہیوں نے بڑھ کر ملبے میں آہ و بکا کرتے ہوئے پجاری کو باہر نکالا۔ اس کے جسم سے کئی جگہ کھال ادھڑ گئی تھی اور ایسی مخدوش حالت تھی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ جج نے تیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ شاید وہ میری خوں بار نظروں کی تاب نہ لاسکا۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں اور عدالت فوراً برخاست کر دی۔ اس کے بعد جیل میں مجھے ایک دوسری کوٹھری میں مقیم کر دیا گیا اور ایک مسلح دستہ میری نگرانی کے لئے تعینات کر دیا گیا۔

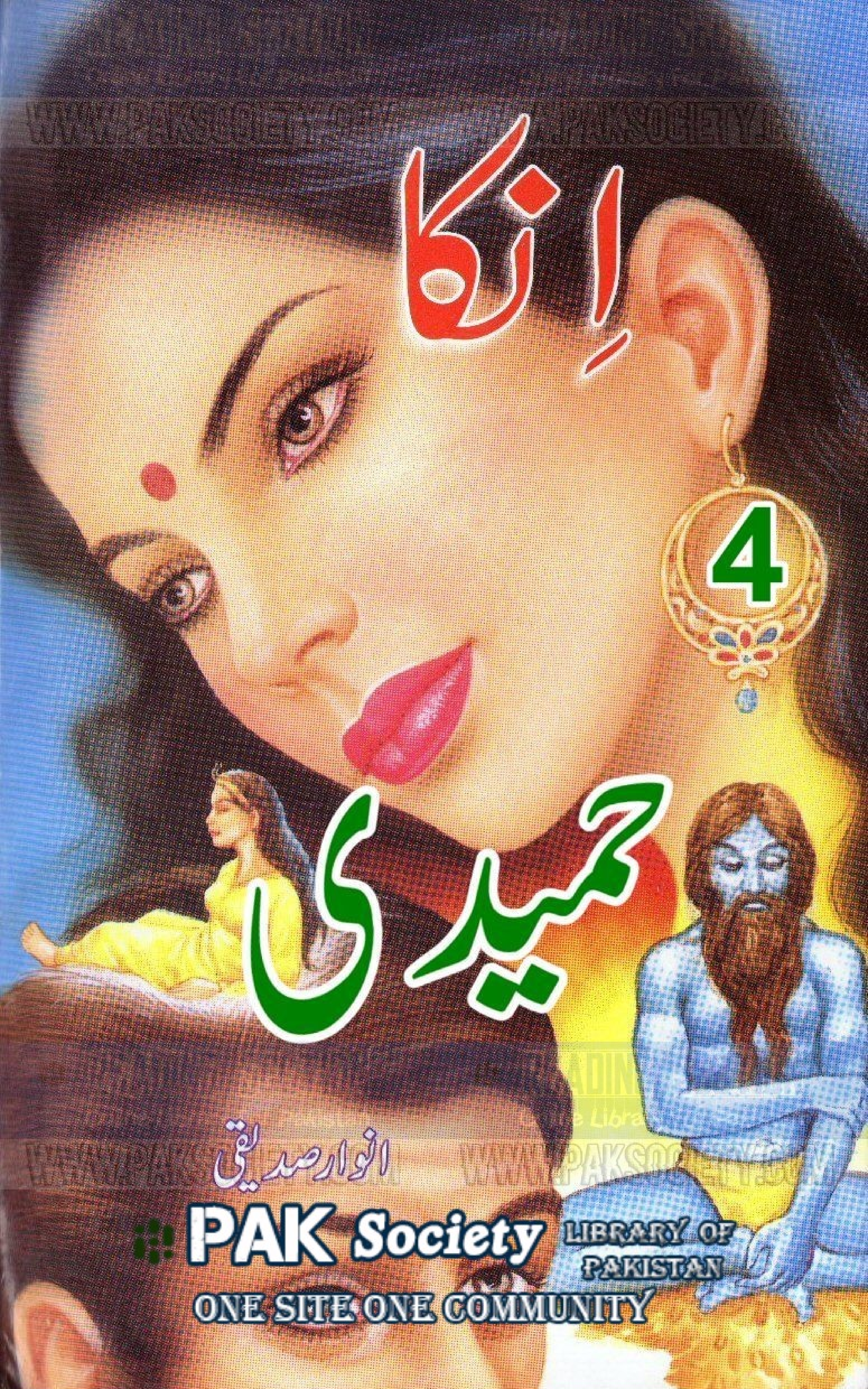
متعدد گواہوں کے سنسنی خیز انکشافات، عینی شاہدوں کی روداد، پولیس افسروں کے ناقابل یقین بیانات کے بعد یہ بات پندرہویں روز کسی حد تک صاف ہو گئی کہ مجھے سزائے موت ملنی چاہئے۔ اتنے گواہ پیش ہو چکے تھے کہ میں اگر تفصیل [illegible]

سولہواں روز سب سے آخر میں مفلوج و معذور پنڈت تربینی داس کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے روتے اور بلکتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ اس کی شکستہ حالت کا ذمے دار صرف ایک شخص ہے اور وہ میں ہوں۔ اس نے انکا کے آنے اور جانے کا خود ساختہ پورا واقعہ سنایا۔ درمیان کے واقعات وہ حذف کر گیا۔ عدالت میں اس کا بیان اتنا مؤثر اور دردناک تھا کہ جج کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ کئی بار جج کو مداخلت کرنی پڑی۔ تربینی نے انکا کے بارے میں ایک بار پھر تفصیل سے عدالت کو بتایا کہ وہ کیا طاقتیں رکھتی ہے اور میں نے اس سے کون کون سے خطرناک کام لیے ہیں۔ تربینی داس کو میں نے بڑی شدید سزا دی تھی مگر شاید وہ اپنی سزا بھول گیا تھا۔ یقیناً وہ کبھی عدالت میں میرے سامنے نہ آتا اگر بدری نرائن اور اس کے گرگے اسے مجبور نہ کرتے۔ اسے اپنے سامنے کٹہرے میں کھڑا دیکھ کر مجھے بہت سی باتیں یاد آگئیں۔ ان دنوں کے زخم تازہ ہو گئے۔ میں اس کی زبان کھینچ سکتا تھا۔ میں اسے اپنی ایک انگلی سے زمیں بوس کر سکتا تھا۔ میں اس کے جسم کے پرخچے اڑا سکتا تھا مگر اب اس میں رہ کیا گیا تھا؟ میں نے اسے جانے دیا۔ اس سے پہلے اور بھی لوگ بہت کچھ بول چکے تھے۔

عدالت میں تربینی کے بعد میرے خلاف گواہوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔ بدری نرائن کے سوا تمام قابل ذکر پجاری وہاں موجود تھے۔ یہ مقدمہ روز بہ روز پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ روزانہ میرے بارے میں نئے نئے انکشافات ہوتے، میری شخصیت کا ایک خوف ساری عدالت پر مسلط تھا۔ پریم بھی سہمی ہوئی تھی۔ صرف سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ابھی تک پُرعزم دکھائی دیتے تھے۔ سرکاری وکیل نے اپنے تمام گواہ پیش کر دیے اور اس کے ترکش میں کوئی تیر نہ رہا تو اسی وقت عدالت کا دروازہ کھلا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ گلبرگے کا پجاری، آنند لال خراماں خراماں سرکاری وکیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے آگے آکر سرکاری وکیل کے کان میں کچھ کہا اور سرکاری وکیل نے جج سے اجازت لی کہ وہ ایک اور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، جس کا نام آنند لال ہے اور جو ہندو دھرم کا ایک بڑا عالم شخص ہے۔ آنند لال جج کی اجازت سے کٹہرے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر عدالت پر ڈالی۔ اس نے زیرلب کچھ پڑھا اور صاف انداز میں عدالت سے مخاطب ہوا۔

"مہاراج! میں آنند لال، ہندو دھرم کا سیوک ہوں، میرا سارا جیون تپسیا میں گزرا ہے۔ میں نے شاستریں پڑھی ہیں اور ویدوں میں جان کھپائی ہے، دیوی نے مجھے نوازا ہے۔ میں دیوی کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔"

"آنند لال مہاراج!" وکیل سرکار نے بڑے ادب سے اسے مخاطب کیا۔ "ہم جانتے ہیں کہ آپ مہان ہیں۔ پرنتو اس سمے آپ عدالت کے سامنے ایک گواہ کی حیثیت سے پیش ہو رہے ہیں۔ آپ کو جمیل احمد خان کے بارے میں جو کچھ علم ہے اسے عدالت کے روبرو بیان کر دیجئے تاکہ مجرم کے خلاف



اِنکا
4
حمیدی
انوار صدیقی

ٹھوس ثبوت کی روشنی میں کوئی آخری فیصلہ صادر کیا جائے۔ آپ کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔''

آنند لال نے ایک اچٹتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔ میرے سر پر انکا براجمان تھی۔ انکا نے مجھے ٹہوکا دیا کہ میں اس کی نظروں کا جواب نہیں دے رہا ہوں۔ آنند لال عدالت سے رجوع ہو کر بولا۔

''میں عدالت سے پرارتھنا کروں گا کہ جمیل احمد خان صاحب کو نردوش قرار دے کر باعزت طور پر بری کر دیا جائے اور ان کے بجائے پنڈت بدری نرائن کو سزا دی جائے۔ اصل مجرم وہی ہے۔''

عدالت میں اچانک کھلبلی مچ گئی۔ پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ وکیل سرکار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جج اور جیوری کے ارکان اپنی اپنی کرسیوں پر پہلو بدلنے لگے لیکن آنند لال نے اپنا بیان جاری رکھا۔ اس نے مجھے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے حقائق پیش کیے اور بدری نرائن کو تمام واقعات کا مجرم ثابت کرتے ہوئے عدالت سے درخواست کی کہ اسے کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ آنند لال نے کہا۔ ''جمیل احمد خان مہاپُرش ہیں۔ اپنے پچھلے سمے میں انہوں نے انکا دیوی کے کہنے پر مجبوراً عمل کیا۔ اگر انکا دیوی ان کے پاس خود بخود نہ جاتی تو آج جمیل احمد خان اس طرح عدالت میں مجرموں کی طرح نہ کھڑے ہوتے۔ ان کی زندگی سب کو ایک اپدیش دیتی ہے۔ وہ حالات سے یدھ (جنگ) کرتے رہے۔ دشمن ان کے پیچھے لگے رہے۔ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے انکا دیوی کی شکتی کم تھی، اس لیے انہوں نے خود اپنے اندر کی سوئی ہوئی شبستاں جگائیں۔ وہ اب اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ عزت کا سلوک کرنا چاہئے۔ جمیل احمد خان ایک بدلے ہوئے آدمی ہیں۔''

آنند لال کا بیان جتنی دیر تک جاری رہا، عدالت پر موت کا سکوت طاری رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے حاضرین کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ بیان ختم ہوا تو میں نے براہ راست آنند لال کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آنند لال! تم نے میری بھلائی میں بہت کچھ کہا ہے۔ اس سے پہلے بہت سے بیان ہو چکے ہیں، مجھے یقین ہے تمہارے بیان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کے باوجود میں تم سے سوال کروں گا کہ تم مجھے کب سے جانتے ہو؟ پہلی بار تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟ ہماری تمہاری ملاقات کتنی دیر کی تھی؟''

''مہاراج!'' آنند لال نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑی عقیدت سے کہا۔ ''میں نے تمہارے درشن پہلی بار گلبرکہ میں کیے تھے۔ ہماری ملاقات چند لمحوں کی تھی۔ پرنتو اس تھوڑے سمے میں، میں نے جان لیا کہ میں کس کے سامنے ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم نردوش ہو۔ تم مجھے ایک صاف پُرش دکھائی دیئے۔ بدری نرائن اور اس کے مورکھ ساتھیوں نے تمہیں دھرم کے نام پر بلیدان کرنے کی ٹھانی ہے، پر مجھے خبر ہے مہاراج کہ تم کیا ہو۔ میں ایک بہت بڑے سمے کے بعد اپنے استھان سے صرف تمہارے لیے اٹھ کر یہاں تک آیا ہوں۔''

آنند لال کو زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جس وقت وہ کٹہرے سے باہر آیا، عدالت میں موجود پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے غضب آلود ہو گئے۔ کارروائی اگلے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ پولیس کا مسلح دستہ مجھے باہر لے جانے لگا تو آنند لال بڑی پھرتی سے پولیس کا حلقہ توڑ کر میرے قریب آیا اور میرے گھٹنے پکڑ کر بولا۔

''مہاراج! یہ کیا ہو رہا ہے؟ مہاراج تم نے گلبرکہ میں مجھے چھوڑ دیا تھا لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں باقی جیون تمہارے چرنوں میں بتانا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا، ایک پولیس انسپکٹر نے جو آنند لال کی باتوں پر سرخ ہو رہا تھا، آگے بڑھ کر اسے زور سے دھکا دیا۔ آنند لال نحیف و لاغر تھا، ایک ہی دھکے میں فرش پر الٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی رگیں تن گئیں اور آنکھیں شعلہ ہو گئیں۔ اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے۔ وہ پولیس انسپکٹر کو سزا دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا۔

''نہیں آنند لال نہیں۔ دھیرج رکھو۔ رک جاؤ۔ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھ سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ درگزر کی عادت ڈالو، اسی میں مُکش کی مکتی ہے۔''

لیکن آنند لال اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ انسپکٹر کھڑے کھڑے ایک دھاڑ کے ساتھ فرش پر گرا۔ اس کی آنکھیں ابل آئیں، اس کے سر کے بال اڑ گئے اور ناک سے خون بہنے لگا جس نے اس کا سارا چہرہ لہولہان کر دیا۔

''مہاراج، مجھے مت روکو۔ مجھے آ گیا دو۔ میں اس ساری عدالت کو خون میں نہلانا چاہتا ہوں۔ اس مورکھ نے سوچا نہیں کہ اس نے کسے چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا، آنند لال، تمہارا علم ادھورا ہے۔ صاف اور سچا نہیں۔ تمہارے من میں کھوٹ ہے۔ مُنش بنو۔ جس دن تم مُنش بن گئے، تم مجھ سے دور نہ ہو گے۔'' میں نے کہا۔

انسپکٹر کی تشویش ناک حالت پر عدالت میں خوف و ہراس دوڑ گیا۔ اس مقدمے کے دوران میں عجیب واقعات پیش آ رہے تھے۔ مجھے وہاں سے فوراً لے جایا گیا۔ چلتے چلتے میں نے آنند لال کی آواز سنی جسے پنڈتوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ ''مہاراج...... میرا ساتھ نہ چھوڑو۔''

مجھے اس کا جواب دینے کی مہلت نہیں ملی، باہر پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی روانہ ہوئی تو میں نے دیکھا۔ آنند لال کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ہیں۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کر گزروں لیکن میں پیچ پنچتا ہوا شدید غصے اور غم کی حالت میں اپنی مٹھیاں بند کیے رہا۔

☆......☆......☆

سترہویں روز کچھ اور مکدر فضا میں عدالت کا جلسہ ۹.۶ ۱۹۸۹ء چندر کی درخواست پر عدالت

نے تربینی، بلویر اور میرے خلاف دوسرے گواہوں کو طلب کیا اور ان سے جرح کرتا رہا۔ سرکاری وکیل نے اسے بار بار ٹوکا لیکن انوپ چندر نے کمال مہارت سے گواہوں پر جرح کی۔ کئی جگہ گواہ اٹک گئے اور اپنے سابق بیان سے منحرف ہو گئے۔ اس جرح سے انوپ چندر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ ردعمل کے طور پر کیا۔ پہل کہاں سے ہوئی؟ کس نے کس کے ساتھ ظلم کیا؟ انکا کو کہاں کہاں استعمال کیا گیا؟ یہ بحث اگرچہ بہت حیرت انگیز ہے مگر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

"جب انکا کسی فرد کے سر پر جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے یا آقا کی؟"

"آقا کی۔" تربینی نے کہا۔

"اور جب اس کا باقاعدہ جاپ کیا جائے تو اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ وہ کسی کے حکم کے تابع ہوتی ہے؟ یا حکم چلاتی ہے؟"

"وہ حکم کی تابع ہوتی ہے۔"

"یہ نکتہ بطور خاص عدالت کو نوٹ کرنا چاہیے۔" انوپ چندر جوش سے بولا۔ "واقعہ یوں ہوا کہ میرے مؤکل جمیل احمد خان کے سر پر اچانک ایک رات انکا دیوی آ گئی۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کے احکام پر چلے۔ انکا ایک ایسا ریوالور تھی جو کسی پر تان لیا جائے تو وہ شخص بے بس ہو جاتا ہے، جمیل احمد خان بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے انکا دیوی کے اشارے پر عمل کیا۔ انکا نے اسے خوش حال و مالا مال کر دیا۔ جمیل احمد خاں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تو اسے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔ آخر جمیل احمد خاں نے زچ ہو کر اس سے مفاہمت کر لی۔ وہ مجبور تھا۔ انکا نے اسے کچھ ایسے حالات میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ بہت دور نکل گیا پھر انکا اس کی عادت بن گئی اور جب مختلف لوگ اس کے جاپ میں کامیاب ہوتے گئے تو انکا ان کے سر پر جاتی رہی۔ جمیل احمد خان صرف انکا کی وجہ سے مختلف قسم کی الجھنوں اور معاملوں میں ملوث ہو چکا تھا، اس لیے اسے اپنے تحفظ کے لئے انکا کی ضرورت تھی۔ یہ تحفظ اسے بھی حاصل ہو سکتا تھا جب اسے انکا حاصل ہو...... پھر جب تربینی نے......" انوپ چندر نے اس کے بعد سحر انگیز انداز میں میری مکمل روداد سنائی اور سارا الزام بدری نرائن پر عائد کر دیا۔ اس نے عدالت سے درخواست کی کہ بدری نرائن کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ عدالت نے بدری نرائن کو حاضر ہونے کے احکام صادر کر دیئے۔

مگر بعد از تلاش بسیار، بدری نرائن کا پتا نہیں چلا۔ اس کے انتظار میں عدالت روز آئندہ دن کے لئے ملتوی ہوتی رہی اور آخر پولیس نے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔ بدری نرائن کی عدم موجودگی میں دوبارہ مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور جج نے اعلان کیا۔ "چونکہ اس مقدمے کا تمام تر انحصار انکا دیوی کی پُراسرار شکتی پر ہے اس لیے عدالت کو اس کے متعلق کچھ وضاحتیں درکار ہیں۔" پھر جج نے براہ

راست مجھ سے سوال کیا۔

"کیا اس وقت انکا دیوی تمہارے پاس ہے؟"

"ہاں۔" میں نے اکتا کر جواب دیا "وہ میرے سر پر بیٹھی ہے۔"

"کیا عدالت کسی طرح انکا دیوی کے وجود سے آگاہ ہو سکتی ہے؟"

انکا نے مجھ سے کہا۔ "جمیل کہو تو اس بڈھے کے سر پر چلی جاؤں اور تگنی کا ناچ دکھاؤں۔"

"یہ انکا پر منحصر ہے کہ عدالت کے مختلف معزز ارکان کو اپنا جلوہ دکھائے۔" میرے بجائے میرے وکیل نے جواب دیا۔

"اگر وہ جمیل احمد خان کے تابع ہے تو ثبوت کے لئے اسے انکا کے وجود سے عدالت کو مطمئن کرنا چاہئے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟" جج نے کہا۔

میرے وکیل نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی وقت انوپ چندر نے کہا۔ "معزز عدالت میں ہر شخص کے سامنے انکا اپنا جلوہ نہیں دکھا سکتی۔ ہاں چند شکتی والے لوگ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں انکا دیوی سے درخواست کروں گا کہ وہ معزز جج کے سر پر جا کر اپنے وجود کا احساس دلائے۔"

جج نے کئی بار پہلو بدلا اور پھر وہ اچانک کرسی سے اچھل گیا۔

"آہ......اوہ" وہ چلایا۔ "انکا دیوی!" اس کے ہاتھ پرنام کرنے کے انداز میں خود بخود اٹھ گئے۔ "انکا دیوی۔ ارے......" جج کو اپنی حیثیت کا بھی احساس نہیں رہا اور وہ بھری عدالت میں اچھلنے کودنے لگا۔ "یہ سچ ہے۔ انکا دیوی میرے سر پر موجود ہے۔ کمال ہے ارے وہ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ جمیل احمد خان بے قصور ہے۔ وہ شرما رہی ہے، کتنی نازک ہے وہ۔"

"انکا واپس آ جاؤ۔" انوپ چندر نے حکم دیا۔

جج نے اس موقع پر انوپ چندر سے درخواست کی۔ "اسے کچھ دیر میرے سر پر رہنے دو۔" انگریز جج اپنا احترام کھو رہا تھا۔ وہ بالکل بچہ بن گیا۔ یقیناً انکا اس کے سر پر شوخیاں کر رہی ہو گی۔

انکا ایک لمحے میں میرے پاس واپس آ گئی اور جج متحیر نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد جیوری کے ارکان کے پاس انوپ چندر نے انکا کو بھیجا۔ وہ سب جج کی طرح باری باری مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگے۔ انکا ان سے شرارتیں کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے عدالت عدالت نہ رہی۔ کوئی شعبدہ گاہ بن گئی۔ انکا ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی تھی۔

اس نے جیوری کے ارکان اور جج کو خوب پریشان کیا اور جب واپس میرے سر پر آئی تو عدالت میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر عدالت سے کہا۔ "می لارڈ۔ یہ تھی انکا۔

ایک پُر اسرار شکتی۔ عدالت نے جس کے وجود کا یقین کیا ہے۔ ہم انکا دیوی کو سزا نہیں دے سکتے لیکن ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان نے خون اور آگ کی ہولی کھیلی اور نہ جانے کتنے انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کا آخری نشانہ گوپال داس اور جگدیش جیسے مہاپُرش تھے۔''

اسی وقت انوپ چندر نے مداخلت کی۔ ''می لارڈ۔ گواہوں کے بیانات اور جمیل احمد خان کی افسوس ناک سرگزشت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ انکا کا کردار اس تمام واقعے میں سب سے بنیادی ہے۔ سرکاری وکیل کا کہنا ہے کہ جمیل احمد خان نے انکا کے ذریعے خون خرابا کیا۔ یہی بات اس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان بدترین حالات کے لئے مجبور ہو گیا۔ وہ اپنی مرضی کا مختار نہیں تھا۔ انکا کی وجہ سے اس کے بہت سے دشمن ہو گئے۔ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ انکا اس کے پاس خود آئی تھی۔ باقی لوگوں نے اس کے حصول کے لئے جاپ کیا تھا۔ کیا ایسا شخص جو ایک پُر اسرار طاقت کا تابع ہو، خود مختار ہو سکتا ہے؟ جمیل احمد خان کا جرم یہ ہے کہ اس کے پاس انکا تھی۔ تمام پنڈت، پجاری اس کے دشمن ہو گئے تھے کیونکہ وہ جمیل احمد خان کے پاس انکا کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔''

''نہیں...... می لارڈ!'' سرکاری وکیل دہاڑا۔ ''وکیل صفائی غلط سمت میں عدالت کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکا دیوی کو ملزم نے اپنی خواہشوں کے لئے استعمال کیا اور پھر کسی انسانی قدر کا خیال نہیں رکھا۔''

ان دونوں میں دیر تک یہ نوک جھوک ہوتی رہی کہ انکا کے ذریعے میں نے خون خرابا کیا یا انکا نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ میں مجبور ہو گیا؟ عدالت اس بحث کے بعد ملتوی ہو گئی اور فیصلے کے لیے تین دن بعد کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ مجھے پھر جیل بھیج دیا گیا۔ تین دن تک میں اپنے خیالات میں مگن رہا۔ اس دوران میں، سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ایک بار مجھ سے ملنے آئے اور مجھے دلاسا دے کر چلے گئے۔ ان کے چہرے کچھ زیادہ درخشاں نہیں تھے۔ پریم بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ رو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میرے کیسے کیسے دوست، کیسے کیسے دشمن ہیں۔ اس لڑکی سے چند دن کی ملاقات ہے اور وہ میرے تمام جرائم سننے کے باوجود میری خیر خواہی کی کیوں اتنی طالب ہے؟

تین دن بعد عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ ایک خفیہ اور بند عدالت تھی لیکن اس دن عام دنوں سے زیادہ ہجوم تھا۔ مجھے کٹہرے میں لایا گیا۔ انکا عدالت میں مضطرب چہرے دیکھ کر بولی۔ ''جمیل! تم یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ مجھے جج کے سر پر جانے کی اجازت دو۔ میں فیصلہ کراتی ہوں۔''

''نہیں انکا'' میں نے افسردگی سے کہا۔ ''میں اپنی موت کے فیصلے کا منتظر ہوں۔''

''تم مرنا چاہتے ہو لیکن تم بھول گئے کہ کلدیپ اور ترئین ابھی زندہ ہیں۔ تمہارے مرنے کے

بعد ان کا کیا ہوگا؟''

''اس وقت ان کی یاد کیا دلاتی ہو۔ میں تندا کی تعلیم پر عمل کر رہا ہوں۔ تندا موت کی تلاش میں تھا۔ موت ایک دائمی سکون ہے۔ موت ایک طویل اور لافانی مراقبہ ہے۔''

''سنبھلو جمیل!'' انکا تشویش سے بولی۔ ''پانی سر سے گزر رہا ہے۔''

''گزر جانے دو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ میں تنہا اس دنیا میں اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں لڑ سکتا۔ میں نے یہ فیصلہ جان بوجھ کر کیا ہے۔ میرے زوال سے کشت و خون کا یہ سلسلہ بند ہو جائے گا۔''

اسی لمحے جج کی آواز عدالت کا پُر سکون ماحول توڑتی ہوئی ابھری۔ وہ گمبھیر آواز میں میرے جرائم کی فہرست سنانے لگا۔ اس کے چہرے پر کرختگی اور نفرت کی علامتیں موجود تھیں۔ مجمع پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سب کی نگاہیں اسی کی طرف مرکوز تھیں۔ جج بڑی روانی سے اپنا فیصلہ سناتا رہا۔ معاً پچھلی نشستوں پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا پجاری اٹھا۔ جج نے اس مداخلت پر منہ بنایا اور پوچھا۔

''کیا پریشانی ہے؟''

اس نے کہا۔ ''جمیل احمد خان، حسب منشا فیصلے کے لئے انکا کا اثر استعمال کر سکتا ہے اس لیے انکا کو کچھ دیر کے لئے میرے سر پر بھیج دیا جائے۔''

جج نے مجھے انکا کو بھیج دینے کا حکم دیا۔ میں نے کسی حجت اور پس و پیش کے بغیر انکا کو اس کے سر پر بھیج دیا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔ ''فاضل عدالت اپنا فیصلہ جاری رکھے۔ انکا دیوی میرے سر پر ہے۔''

جج کے فیصلے کے ابتدائی صفحات میں میرے گھناؤنے جرائم کی فہرست درج تھی، وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ تاریخ کا سب سے منفرد مقدمہ ہے۔ قانون میں پُر اسرار مظاہر، دلیل اور ثبوت تسلیم کرنے کی کوئی شق نہیں ہے۔ تاہم عدالت نے خود اپنی آنکھوں سے انکا دیوی کو دیکھا ہے۔ ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے انکا دیوی کا وجود تسلیم کرنا ہوگا۔ انکا کئی بار جمیل احمد خان کے سر پر آئی اور گئی۔ کبھی عطیے کے طور پر، کبھی ایک وظیفے سے۔ بدری نرائن سے جمیل احمد خان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انکا کو ترئینی سے حاصل کرنے کے بعد اس کے سر پر گاہے گاہے بھیج دے گا لیکن جمیل احمد خان اپنے وعدے سے پھر گیا۔ نتیجتاً اس کے اور بدری نرائن کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہو گئی جو کئی لوگوں کی موت کا سبب گئی۔''

جج بول رہا تھا۔ اچانک مجمع میں بھنبھناہٹ ہوئی۔ ایک مستانہ نعرے نے در و بام ہلا دیے۔ نے تڑپ کر پیچھے کی سمت دیکھا۔ دروازے پر سید نمودار ہوا۔ سید، وہی مجذوب کامل، پیر و مر گلبرگہ کا قلندر۔ اس کے ہاتھ میں اس کی مخصوص لاٹھی تھی اور اس کے کپڑے جگہ جگہ سے

تھے۔ منہ سے بری طرح رال ٹپک رہی تھی۔ داڑھی میں غذا کے ریزے اٹکے ہوئے تھے۔ وہ کسی بجلی کی طرح عدالت میں چمکا اور کسی آتش فشاں کی طرح گرجنے لگا۔ اس نے اپنی لاٹھی زور سے زمین پر ماری۔ اس کی لاٹھی کی آواز سے کمرا لرز گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ''شرم کر۔ اندھیر نہ کر۔''

میں نے وہیں جوشِ مسرت میں آواز دی۔ ''یہ تمہاری سنگ دلی کے خلاف احتجاج ہے۔ میں یہاں اسی لیے آیا ہوں، اب داستان ختم ہونے کو ہے۔''

اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''کیوں مخول کرتا ہے؟ کیا تیرے ہاتھ میں وقت چھپا ہوا ہے۔ وقت کے آگے نہ آ۔ وقت کو دانہ ڈال۔''

''میں وقت کے قریب آ رہا ہوں۔'' میں نے چیخ کر کہا۔

''تو کون ہوتا ہے، تیرے لیے ابھی زمین طے نہیں ہوئی۔''

''میں کسی کے پاس گھس جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''تو انگوٹھا چوس رہا ہے۔'' سید دہاڑا۔ عدالت چند لمحوں کے لیے سکتے کی کیفیت سے دوچار رہی۔ پھر جج نے تڑپ کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

اس کے بولتے ہی سپاہیوں نے سید کو پکڑ لیا اور سید مجذوب کو دھکا دے کر بے دردی سے عدالت کے کمرے سے نکالنے لگے۔ سید نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور اسے زور سے زمین پر مارا۔ اور سب اوندھے منہ زمین پر گر گئے مگر فوراً دوبارہ اٹھ کر سید سے لپٹ گئے۔ سید نے پھر لاٹھی دراز کی اور جج سے بولا۔ ''اس قلم کو کیا دیکھتا ہے۔ لے اس قلم سے فیصلہ لکھ۔'' اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''تو فیصلے لکھے گا۔ فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے، کیوں ٹھٹھول کرتا ہے مسخرے۔''

''اسے نکالو۔'' جج مشتعل ہو کر بولا۔ ''میں جا رہا ہوں، تو فیصلہ لکھ۔'' سید نے کہا۔ اسے دروازے سے دھکا دے کر باہر کر دیا گیا۔

سید کی آمد سے میرے قلب کی کیفیت حیرت انگیز طور پر بدل گئی۔ وہ اداسی، ناشادمانی، مایوسی رخصت ہو گئی تھی اور میں ایک اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔ عدالت کو اپنی کارروائی جاری رکھنے کے لئے تھوڑی دیر لگی۔ جج نے دوبارہ اپنا فیصلہ سنانا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ اس کی آواز میں دم خم نہیں تھا۔ وہ لرز رہا تھا۔ اس نے قلم اٹھا کر فیصلے پر کچھ ترمیم کی اور ایک سراسیمہ نظر مجھ پر ڈال کر حاضرین سے مخاطب ہوا۔ ''ہر چند کہ گواہیاں اور شہادتیں جمیل احمد خان کے خلاف ہیں لیکن اس معاملے میں ایسی طاقتیں ملوث معلوم ہوتی ہیں جو عدالت کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔ عدالت نے تمام حقائق کی روشنی میں حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جمیل احمد خان کو اس مقدمے میں ملوث کرنے کے لئے واقعات مسخ کر کے پیش کیے گئے ہیں۔ چند ذاتی دشمنیوں کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی

ہے۔ ان کی زندگی میں، پُراسرار زندگی میں پُراسرار طاقتوں کے عمل دخل کو عدالت کس نوعیت سے دیکھے؟ انصاف اس وقت ہو سکتا ہے جب عدالت تمام حقائق سے آگاہ اور مطمئن ہو جائے، عدالت شبے، عدالت کی عدم واقفیت اور حقائق کی پیچیدگی کی بنا پر یہ مقدمہ اس عدالت سے خارج کرتی ہے اور جمیل احمد خان کو بری کرتی ہے۔''

جج کا فیصلہ تمام لوگوں کے لئے غیر متوقع اور تعجب خیز تھا۔ عدالت میں موجود پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے غم اور غصے سے سرخ ہو گئے۔ پولیس کے ایک سنتری نے جج کے اشارے پر میری ہتھکڑی کھول دی۔ سید غوث، پریم اور انوپ چندر بھاگے بھاگے میرے پاس آئے اور میرے گلے لگ گئے۔ میں نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ میں راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ عدالت میں جج کے فیصلے پر پنڈت، پجاری ہاہا کار کر رہے تھے۔ ''نارائن، نارائن، انیائے، انیائے یہ پاگل پن ہے۔'' انکا نے میرے سر پر آ کر ناچنا شروع کر دیا تھا۔ میں جلد سے جلد باہر جا کر سید کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ عدالت کی اس افراتفری میں، میں دروازے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ سید موجود نہیں تھا۔ وہ پھر آگ لگا کر چلا گیا۔ باہر آ کر سید غوث نے مجھے پکڑ لیا اور ہم سب پریم کی گاڑی میں اس کے گھر روانہ ہو گئے۔

پریم کے گھر میں یہ دوسرا دن تھا۔ سید غوث اور انوپ چندر اپنے طور پر ایک چھوٹا سا جشن منا رہے تھے کہ اب میں ایک آزاد شہری ہوں۔ اب انکا کا راز بھی ان سے مخفی نہیں رہا تھا۔ سید غوث اور پریم بار بار اپنے سر پر انکا کو بلا لیتے اور اس سے شوخیاں کراتے رہتے۔

میں ان لوگوں کی خاطر ان کی مسرتوں میں شریک تھا لیکن بباطن میرا برا حال تھا۔ سید اپنی ایک جھلک دکھا کر میرے ذہن و دل میں انقلاب برپا کر گیا تھا۔ وہ اس زندگی کا لالچ دے گیا تھا جس سے میں تنگ آ گیا تھا۔ مجھے تنہا چھوڑ کر سید غوث اور پریم کار میں بیٹھ کر انکا کے ساتھ چلے گئے۔ سنا ہے انہوں نے راستے میں بڑی شرارتیں کیں۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ عدالتی جنگ جیت گئے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب کیوں ہوا؟ کون مردِ قلندر آیا تھا؟ ان کی آنکھیں صرف انکا کو دیکھ سکتی تھیں لیکن وہ ان چیزوں سے ناواقف تھے جن کی کوئی شکل نہیں تھی۔ یہ مقدمہ عدالت نے خارج ہوا۔ کوئی انسانی عدالت میرے مقدمے کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ مقدمہ تو کہیں اور پیش ہونا تھا۔ ساری ذمے داریاں انکا پر ڈال کر انہوں نے میرے دفاع کا خوب انتظام کیا تھا لیکن وہ بدن جو میرے نفس کی بھینٹ چڑھ گئے، وہ خوب صورت چہرے جو میرے نفس کی غذا بن گئے۔ آہ، میرے ذہن کی آوارگیاں، میں اپنے سوزِ دروں کا کس طرح علاج کرتا؟ مجھے نہ معلوم آئندہ کیا ہو جائے؟ ہندوستان کے پنڈتوں، پجاریوں کے وہ مشتعل، غضب ناک چہرے مجھے یاد تھے جو کل عدالت میں واویلا مچا رہے تھے۔ اس بار ان کا وار شدید ہوگا۔ بدری نرائن نے چالاکی کا ثبوت دیا تھا کہ وہ عدالت کی تمام کارروائی سے غائب رہا ورنہ شاید میں تندا کی نصیحتیں بھول

Downloaded from Paksociety.com

جاتا اور نہ جانے کیا ہوتا۔ جب سید غوث اور پریم بمبئی کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے اور اس وقت انکا ان کے ساتھ تھی اور میں بستر پر لیٹا اپنے ماضی و حال کی تیرہ نصیبوں پر غور کر رہا تھا۔ دفعتاً انکا دھم سے میرے سر پر آئی اور اس نے مجھے بتایا کہ آنندلال اب کالی کے مندر میں پنڈتوں، پجاریوں کے ہاتھوں میں ہے۔ پجاری اسے پولیس سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اب میرے حق میں گواہی دینے کے بعد شدید ترین اذیتوں سے دوچار ہے۔ بمبئی کے بہت سے پنڈت پجاری اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں۔ انہوں نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔

''کیا..... کیا آنندلال اتنا بے بس ہوگیا ہے کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کرسکتا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کئی پجاریوں نے بیک وقت اسے گھیر لیا ہے۔ اس وقت وہ شدید خطرے میں ہے۔'' انکا نے مضطرب انداز میں کہا۔

''وہ کون سے مندر میں ہے؟''

''کالی کے پرانے مندر میں۔ جمیل! آنند ہمارا دوست ہے۔''

''مجھے اس کی مدد کے لئے جانا ہوگا۔''

''تم پہلے اچھی طرح سوچ لو، ہم ایک مندر کی طرف سے گزر رہے تھے، اچانک مجھے اس حادثے کا پتا چلا۔ میں پریم اور غوث کی اجازت سے سیدھی تمہارے پاس آگئی۔''

''گویا وہ اب میرے انتقام میرے حلیفوں سے لے رہے ہیں۔ وہی ایک شخص تھا جس نے میرے حق میں گواہی دی تھی۔''

''تمہیں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ میں مندر کے اندر نہیں جا سکتی لیکن میں تمہاری عدم موجودگی میں کسی کے سر پر جا کر دو چار پنڈتوں کو ضرور ٹھکانے لگا دوں گی۔ اب تم کچھ کہو، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''یہ لوگ باز نہیں آئیں گے۔''

''تم بے وقوف ہوتے جا رہے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری گوشہ نشینی، انکسار، عفو اور تحمل سے نیکی کا راستہ اختیار کرلیں گے؟ انہیں تم سے دشمنی ہے۔ ان کے دل میں کینہ ہے۔ جب تک تم ان کے بڑے پجاریوں سے انتقام نہیں لو گے، وہ یہی کرتے رہیں گے۔ تمہارے پاس طاقت ہے۔ طاقت کا زور طاقت سے ٹوٹتا ہے۔ میرا کہا مانو، انہیں سزائیں دو اور پھر تم جو جی چاہے کرنا، نندا کی تعلیم پر عمل کرنا یا سید کو تلاش کر کے اس کے نقش قدم پر چلنا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے معاملے میں بالکل دخل نہیں دوں گی۔''

''تمہارے اندر بدی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''مگر میں مندر ضرور جاؤں گا۔ اس نازک موقع پر آنندلال کو بچانے کے لئے مجھ سے جو کچھ ہوسکا، کر گزروں گا۔''

میں اسی وقت بستر سے اٹھ گیا اور ڈاکیٹر کے کمرے سے ہندوؤں کا لباس پہن کر کوٹھی سے باہر آگیا۔ انکا میرے ساتھ تھی۔ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ تلوؤں میں جلن ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں آگ پر چل رہا ہوں۔ کالی کا پرانا مندر ایک وسیع، قدیم اور شکستہ سی عمارت میں دور سے نظر آنے لگا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی اور میں صحن پار کر کے اس چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوگیا جہاں کالی کی بڑی مورتی نصب تھی۔ وہاں کسی نے مجھے نہیں ٹوکا۔ اسی کمرے سے ایک دروازہ دوسرے کمروں میں جاتا تھا۔ وہیں آنندلال کے ہونے کا امکان تھا۔ انکا نے مجھے مندر کا نقشہ سمجھا دیا تھا۔ میں چھوٹے چھوٹے اندھیرے کمروں سے گزرتا ہوا ایک بڑے کمرے میں داخل ہوگیا۔ کالی کی مورتیاں دیواروں پر استادہ تھیں۔ اندر بہت سے پنڈت پجاری بیٹھے نظر آرہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آنندلال ایک ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نشانات تھے۔ میں اس کی طرف دوڑا۔ اچانک ایک ستون مجھے اپنے اوپر گرتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اس سے قبل کہ میں کچھ سوچ سکتا، کچھ سمجھ سکتا یا کوئی تدارک کرسکتا، میں دبیز اندھیرے میں اوپر سے نیچے کی طرف گرا۔ وہاں چاروں طرف اندھیرا تھا۔ در و دیوار سے سیلن کی شدید بدبو آرہی تھی۔ میں نے اپنے باطن کا دروازہ کھٹکھٹانے کی کوشش کی اور مجھے جو جواب ملا وہ انتہائی مایوس کن تھا۔ میں کالی کے پُراسرار تہ خانے میں قید کرلیا گیا تھا۔ اس تہ خانے کی دیواریں گرانا اور وہاں سے روشنی کی کسی کرن کا در آنا ناممکن تھا۔

وہ ایک اندھا مجس تھا۔ مجھے یہ سوچنے میں دیر نہیں لگی کہ انہوں نے آنندلال کا چارا ڈال کر دراصل مجھے مندر میں بلانے کی سازش کی تھی اور اب انہوں نے مجھے کوئی مہلت دیے بغیر اس قدیم تہہ خانے میں قید کردیا ہے۔ یہاں ہر طرف نمی تھی...... زمین پر صدیوں کی دھول جمی ہوئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ میرے پاؤں رپٹ رہے تھے لیکن میں نے اپنی تمام جسمانی طاقتیں یکجا کر کے تہ خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگنا شروع کردیا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کتنا لمبا، کتنا چوڑا ہے۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مورتی تھی۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر سر سے پیر تک ہاتھ پھیر کر میں نے اس کی جسامت کا بھی اندازہ کیا اور جب میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہاں ایک خول ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا لیا اور مورتی کے پہلو میں بیٹھ کر اپنا منتشر ذہن یکسو کرنے کی ناکام کوشش کی۔ مورتی کچھ اونچی جگہ نصب تھی۔ اس کے پہلو میں بیٹھ کر میں نے اپنے اوسان مجتمع کرنے کے لئے اس ویران اور وحشت ناک ماحول میں آلتی پالتی مار کر مراقبے کا عمل شروع کردیا۔ مجھے باہر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں [illegible] دیواروں سے باہر دیکھنے کی قوت

سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ یہ دیواریں سحر و اسرار کی دیواریں تھیں۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ میں اسی طرح مراقبے میں بیٹھ کر خود کو تسلیاں دیتا رہا۔ انکا میرے قبضے میں نہیں تھی اور نندا جیسے عظیم پجاری کی دی ہوئی شکتیاں وہ دیواریں توڑنے سے قاصر نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ وہ سزا جو عدالت نہ دے سکی تھی، آخر انہوں نے مجھے دے دی۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کئی پہلوانوں کی قوت رکھتا ہو، جو اپنی انگلی کی ایک جنبش سے در و بام ہلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، اس ناکامی، اس محرومی سے اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ میں شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میرے خون میں ابھی گرمی تھی اور مجھے انکا کی یہ باتیں یاد آ رہی تھیں کہ میں نے انہیں بہت زیادہ ڈھیل دی۔ میں نے ایک غلط کام کیا۔ نندا کا چہرہ جب ذہن کے پردوں پر نمودار ہوا تو مجھے اس سے ایک الجھن ہوئی اور میں نے دیواریں دوبارہ ٹٹولنی شروع کر دیں۔ میری آنکھیں اتنی دیر میں اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔ مجھے کچھ دھندلے دھندلے دیواروں کے نقوش نظر آنے لگے۔ کالی کی بڑی مورتی بھی اب کچھ صاف ہو گئی تھی۔ مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہاں سے نکل سکنے کے امکانات بہت کم ہیں اور کوئی باہر کی طاقت ہی مجھے یہاں سے نکال سکتی ہے۔ مجھے کلدیپ کا خیال آیا۔ وہ اب تک جاپ میں مصروف تھی۔ انکا مندر میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ آنند لال کو انہوں نے گھیر لیا تھا۔ سید...... ہاں سید، مگر سید؟ وہ مستانہ وہ قلندر جب تک آئے گا، میرا دم ہی نہ گھٹ جائے گا؟ مجھے اب مرنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ میں اس تہ خانے سے باہر نکل کر صرف چند دن کی زندگی چاہتا تھا۔ چند دن کی زندگی تاکہ میں انہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھ سکوں۔ یہ بے بسی کا اختتام مجھے پسند نہیں تھا۔ اتنی جد و جہد کے بعد یہ موت مجھے گوارا نہ تھی۔ اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں نندا سے معذرت چاہتا ہوں۔ جو بھی سامنے نظر آئے، اس کا وجود بھسم کر دیا جائے۔ رگ و پے میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ مجھے ایک کوشش اور کرنی چاہئے۔ میں نے اٹھ کر ایک ہانک لگائی لیکن میری آواز تہ خانے کے شکستہ دیوار و در سے ٹکراتی ہوئی خود میرے کانوں میں سیسہ بن کر اتر گئی۔ کوئی نہیں، کوئی نہیں۔ میں وحشت کے عالم میں ایک طویل مراقبے میں ڈوب گیا۔ مجھے نہیں معلوم کتنا وقت میں نے گزارا۔ اندھیرے میں صبح و شام کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ پھر میرے ساکت جسم میں اس وقت ارتعاش پیدا ہوا جب میں نے اپنے انگوٹھے پر کسی کا لمس محسوس کیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ایک خوں خوار چوہا میرے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا کتر رہا تھا اور دوسرا چوہا میرے کان کے قریب تھا۔ ان کی جسامتیں اتنی بڑی تھیں کہ میں تھرا کر رہ گیا۔ میری جنبش، میری حرکت سے وہ دور ہو گئے۔ اندھیرے کے باوجود مجھے ان کی آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ خرخرا رہے تھے اور ان کے سفید دانت میرا مذاق اڑا رہے تھے۔ میں نے انہیں شی شی کر کے اپنے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ وہ سامنے سے ہٹ گئے اور تھوڑی ...

میرے جسم کے گرد گردش کرنے لگے پھر ان کی تعداد بڑھتی گئی۔

ان کی بڑھتی ہوئی تعداد، خرخراہٹ کی آوازیں، تہ خانے کی ہولناکیاں، ایسے موقع پر اپنی طاقتیں زائل ہوتے دیکھ کر مجھے سردی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن خوں خوار چوہوں نے میرے جسم کے گرد مجمع لگانا شروع کر دیا تھا۔ "ہٹو، ہٹو۔ شی، شی۔" میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر تہ خانے کی اس سمت میں بھاگا جو مورتی کے عین مقابل تھی۔ نم زمین پر جگہ جگہ کائی جمی ہوئی تھی۔ کئی جگہ میرا پاؤں رپٹ گیا۔ بمشکل تمام دیوار سے لگ کر میں نے اپنی سانس درست کی۔ اندھیرے میں دور رکھی ہوئی دیو قامت مورتی نظر نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اندھیرا اب اتنا گہرا نہیں تھا۔ ابھی دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے چند لمحوں بھی نہ گزرے تھے کہ مجھے اپنا پیر ایک چیخ کے ساتھ اوپر اٹھانا پڑا۔ چوہے میرا ارادہ بھانپ کر تیز رفتاری سے تہ خانے کی دوسری طرف آنے شروع ہو گئے تھے۔ کبھی میں اپنا دایاں پیر پٹختا، کبھی بایاں۔ وہ میرے پیر پر ٹھوکے مار رہے تھے اور ان کے دانت اتنے نکیلے اور تیز تھے کہ مجھے اپنے پیروں میں بیک وقت کئی سوئیاں اترتی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر میں، میں نے تہ خانے کے گرد کئی چکر لگا لیے۔ میں جس گوشے میں سمانے کی کوشش کرتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے چوہے وہاں پہلے سے موجود ہوں۔ میں جہاں بھاگتا، وہ تیز رفتاری سے میرا تعاقب کرتے۔ میں جہاں ٹھہرتا، وہیں وہ میری ٹانگیں گھیر لیتے۔ میں نے کئی بار اپنی انگلیاں گھمائیں لیکن تہ خانے میں میری انگلی کی کسی جنبش سے کوئی شعلہ نہیں نکلا۔ میری کسی حرکت سے کوئی کرشمہ رونما نہیں ہوا۔ میں کب تک قید خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگتا۔ آہستہ آہستہ میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ اپنی بے بسی اور پسماندگی کے احساس نے مجھے اور بھی نڈھال کر دیا۔ میری قبر وسیع و عریض تھی، میرے شایانِ شان۔ یہ چوہے جلد ہی میرا رشتہ اس دنیا سے توڑنے والے تھے۔ انہیں شاید مجھ جیسے خطرناک شخص کو ختم کرنے ہی کے لئے پرورش کیا گیا تھا۔ پنڈتوں، پجاریوں نے میرے لیے واقعی ایک عبرت ناک سزا تجویز کی تھی۔ جب ایک مدت بعد کسی دن وہ یہ تہ خانہ کھولیں گے تو انہیں میری ہڈیاں بھی سلامت نہیں ملیں گی۔ کاش مجھے ایک اور موقع مل جائے کاش ایک بار میں باہر نکل سکوں۔ صرف ایک بار، لیکن میری خواہش دیوانے کا خواب تھی۔ میری مدد کرنے کے لئے نہ وہاں کلدیپ آئی، نہ سید کا کوئی نعرہ گونجا۔ میں تنہا ان چوہوں سے لڑتا اور اِدھر اُدھر بھاگتا رہا اور آخر تھک ہار کر میں مورتی کے قریب چبوترے پر ڈھیر ہو گیا۔ میرے ڈھیر ہوتے ہی وہ میرے جسم پر کودنے لگے اور انہوں نے جگہ جگہ میری کھال میں سوراخ کرنے شروع کر دیے۔ میں جھرجھری لے کر اٹھتا، بھاگتا اور پھر وہیں گر جاتا۔ شدید غصے اور خوف کے عالم میں، میں نے اپنا کان کترتے ہوئے ایک چوہے کو پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں ... انت گاڑ چکے تھے۔ میں نے گھبرا

کر اسے دور پھینک دیا اور چبوترے پر ہذیانی انداز میں لوٹنے لگا۔ میرا سر مورتی کے قدموں سے ٹکرایا اور خون نکل کر سارے چہرے پر پھیل گیا۔ وحشت میں، پتھر کی مورتی کے قدموں کو میں نے اپنے دانتوں سے کاٹنا چاہا۔ چوہے اب میرے سارے جسم کا احاطہ کر چکے تھے۔ موت و زندگی میں اب صرف چند لمحے باقی تھے میں نے اپنے دفاع کے لئے ہر صورت اختیار کر کے دیکھ لی تھی۔ مراقبہ کیا تھا، اپنی طاقتیں آزمالی تھیں اور اپنے محسنوں کی آوازیں دی تھیں۔ زندگی کے لئے آدمی کیا کر سکتا ہے۔ موت سے کون بھاگتا تھا لیکن ایسی موت گوارا نہیں تھی جو ان حقیر چوہوں کے ہاتھوں انجام پائے۔ جتنا وقت گزر رہا تھا، مجھے اپنی ناتوانی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان بہت سے چوہوں کے سامنے ایک آدمی کی کیا حیثیت ہے؟ میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک غضب ناک نظر مورتی پر ڈال کر میں نے اپنا لہولہان جسم سمیٹا تو چوہے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ ان کی آوازیں اور تیز ہو گئیں۔ میں نندا کی طرح مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آدمی جب یہ ارادہ کر لے کہ اسے مرنا ہی ہے تو اس پر اذیتوں کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ جمیل احمد خان بھی مرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں۔ میں تپسیا اور گیان دھیان کرتے ہوئے مرنا چاہتا تھا۔ کسی کی تپسیا اور گیان دھیان نہیں، مراقبے اور ارتکاز، سکون اور انجماد کا عمل، نہ کسی کی تمنا، نہ کسی کی ہوس۔ صرف اپنی ذات میں بند ہو لیا جائے۔ صرف اپنے خول میں مقید ہو لیا جائے۔ اس سے پہلے میں مراقبے کے عمل میں ناکام ہو چکا تھا۔ چوہے میرے جسم سے لپٹے ہوئے تھے اور میں شدید اذیتوں سے دوچار تھا۔ ان کے ناخن جیسے دانتوں نے میرا جسم ہر جگہ سے چھید دیا تھا۔ میں نے خود پر لعن طعن کی کہ نندا کے استھان پر جب چیونٹیاں میرے جسم پر رینگتی تھیں اور شیطانی بلائیں میرے ارتکاز میں خلل انداز ہوتی تھیں، اس وقت میں نے اپنی توجہ کسی بات کی طرف مبذول نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ جم جاؤں گا۔ ایک بت کی طرح۔ ایک مجسمے کے مانند۔ میں ہمت کر کے اٹھا اور میں نے اپنا ہاتھ اور پیر جھٹک کر چوہوں کو دور کرنے کی سعی ناکام کی۔ کسی ایک جانب، ایک مخصوص انداز میں بیٹھنا ایک دشوار گزار عمل تھا کیونکہ وہ جسم چاٹ رہے تھے اور انہوں نے متعدد جگہ سوراخ بنا لیے تھے۔ خون کی بوندیں کھال سے باہر نکلنے لگی تھیں۔ میں نے اپنے دونوں پیر ایک دوسرے کے اوپر رکھ لیے اور اپنا ہاتھ گھٹنے پر نکالیا۔ میرا دوسرا کٹا ہوا ہاتھ میری بغل سے چپک گیا۔ ایک جھرجھری لے کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور آنکھوں کے ڈلے ان کی جگہ سے ہٹانے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک چوہا میری ناک پر اپنے پنجے گاڑنے لگا لیکن میں انتہائی ضبط کیے بیٹھا رہا۔ میں نے انہیں اپنا جسم روندنے کی پوری آزادی دے دی اور ہر قسم کی مدافعت ترک کر دی۔ وہ نوچتے کھسوٹتے رہے اور میں اپنی آنکھیں بند کیے ساکت و جامد رہا۔ وہ میری آنکھوں پر چڑھ آئے۔ کوئی ایسا شخص جو مراقبے کے ابتدائی مراحل میں ہوتا وہ کبھی اتنی اذیت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے میرا انہماک توڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی

پنجے اپنا زہر میرے جسم میں انڈیلتے رہے اور میں بیٹھا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ وہ اسی وقت مجھے اپنی جگہ سے ہلا سکیں گے جب میرا سانس مجھ سے رخصت ہو رہا ہوگا۔ میں اب آخری بار ہی زمین پر ڈھیر ہوں گا۔ وہ مجھے اپنی جگہ سے ہلانے میں ناکام ہونے لگے تو میرے ارادے میں اور قوت پیدا ہوتی گئی۔ وہ بار بار مجھ پر حملے کر رہے تھے، اچھل رہے تھے۔ میں اپنے اندر مستغرق تھا اور میری کیفیت ایسی تھی جیسے میری موت واقع ہو گئی ہو۔ جیسے میرا خون رگوں میں جم گیا ہو اور میرے دست و پا پتھر کے بنے ہوئے ہوں۔ ان کی یلغار سے میری استقامت میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ یہ ایک ایسا استغراق تھا جو بڑے بڑے رشی اور منیوں نے نہیں کیا ہوگا۔ یہ ایک ایسی برداشت تھی جس کے لئے لوہے کے اعصاب چاہئیں۔ یہ نندا کے استھان پر گزارے ہوئے میرے دنوں، میری ریاضت کا آخری امتحان تھا۔ موت میرے قریب تھی مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے دشمنوں کو میری پسپائی کا مذاق اڑانے کا موقع ملے۔ وہ یہاں آئیں تو یہ دیکھیں کہ جمیل احمد خان ان کے خوں خوار چوہوں کی فوج کے سامنے سینہ سپر رہا۔ وہ بڑے ٹھسے کے ساتھ مرا۔ ان کی دیوی گواہ ہوگی کہ میں نے آخری لمحوں میں مرنے کا ایک مشکل ترین طریقہ اختیار کیا تھا۔ چوہے میرے جسم پر دندناتے رہے اور میں آنکھیں بند کیے اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی ترغیب دیتا رہا اور پھر ایک وقت گزر گیا۔ تہ خانے کے یکساں اندھیرے میں صبح و شام کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر میری آنکھیں بھی بند تھیں۔ وقت کا اسے احساس بھی نہیں رہتا جو ایسے مراقبوں میں ڈوب جائے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں آہستہ آہستہ مر رہا ہوں۔ میری نبضیں ڈوب رہی ہیں۔ کوئی خوف ناک چوہا جسم کا کوئی حصہ کرید کر زندگی کا احساس دلا جاتا تھا۔ جسم میں سوزش سی تھی۔ میرے کپڑے انہوں نے پہلے ہی پھاڑ دیئے تھے۔ لیکن وہ خاصہ وقت گزر جانے کے بعد بھی میری سانس کی ڈور توڑنے میں ناکام رہے۔

پھر یہ ہوا کہ میں نے اپنا شعور پوری طرح قابو میں کر لیا، مراقبہ خوابیدگی کی کوئی علامت نہیں ہے بلکہ وہ ایک ضبط ہے جس میں کامیابی کے بعد ایک نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ فخر اور برتری کا نشہ۔ یہ احساس کہ ہم نے اپنی خارجی اور داخلی کیفیات اپنے تابع کر لی ہیں۔ یہ احساس قوت کا سرچشمہ ہے پھر آدمی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ بتدریج میں نے اپنے بکھرے ہوئے حواس و اعصاب اپنی گرفت میں لے لیے۔ انہوں نے اس مجسمہ کا انتخاب کر کے یقیناً عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ یہاں خطرناک قسم کے چوہے تھے اور دیوی کا بت تھا جسے انہوں نے میرا امانت دار بنا دیا تھا۔ وہ چوہے ہمیشہ مجھے تنگ کرتے رہتے۔ مجھے آخر میں ان کی غذا بن جانا تھا۔ میرا یہ انجام ان کی نفرتوں کی تسکین کے لئے کافی تھا لیکن شاید وہ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ میں نے نندا کے ساتھ تبت میں ایک بڑا عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے
...س بات سے ناواقف تھے کہ میں

Downloaded from Paksociety.com

نے صبر وضبط کا کیسا درس حاصل کیا ہے۔ سو میں نے اس تہہ خانے کو سکون و عافیت کا گہوارہ سمجھنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً موت میرے قریب آنے کے بجائے دور ہوتی گئی اور چوہوں کی شدید خوں خواری میں کمی آنے لگی۔ اب بھی وہ میرے جسم پر قابض تھے اور گاہے گاہے اپنے دانت چبھو کر میرا سکون مرتعش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنا وقت گزرا، کتنے مہینے، کتنے موسم گزر گئے۔ چوہوں نے مجھے ساکت کر دیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ طویل تر انہماک کے بعد جب میں مراقبے سے فارغ ہوتا تو چند لمحوں بعد دوسرا مراقبہ شروع کر دیتا۔ تہ خانے کا اندھیرا اب میری آنکھوں کو راس آ گیا تھا اور چوہے اپنے بلوں میں کہیں چھپ گئے تھے۔ میں زندہ تھا۔ ایک بار پھر مجھ پر سکون، انجماد، سردی، عفو، درگزر کے احساسات غالب آ گئے۔ یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگنے لگی۔ یہ وہ ماحول تھا جو اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ مجھے اس میں لذت ملنے لگی۔ میں طویل مراقبوں سے فارغ ہوتا تو تہ خانے میں چہل قدمی شروع کر دیتا۔ مجھے کھانے پینے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ چند لمحے تہ خانے کا چکر لگا کر اطمینان کے ساتھ میں دوبارہ اپنی دنیا میں کھو جاتا۔ میری بیداری کی مدت بہت مختصر تھی۔ جسم پر چوہوں کے لگائے ہوئے زخم بھر چکے تھے۔ کپڑے تار تار تھے۔ میں نے وہ تار تار لباس ایک کر کے زیر جامے جیسا ایک کپڑا تیار کر کے ستر پوشی کر لی تھی۔ یوں کوئی سدھ بدھ نہ تھی۔ نہ کوئی یاد آتا تھا، نہ کسی کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ باہر اندھیرا تھا لیکن قلب و ذہن میں روشنی تھی۔ طمانیت کا احساس، تہ خانے میں صد ہا قسم کے کیڑے مکوڑے تھے۔ چوہے اب بھی بلوں سے باہر نکلتے لیکن میری طرف توجہ دینے کے بجائے وہ اِدھر اُدھر گھومتے رہتے۔ میں کھلی آنکھوں کے ساتھ ارتکاز کا عمل جاری رکھتا۔ بڑی مورتی کے خدوخال میری نظروں میں ابھرنے لگے تھے۔

وقت گزرتا رہا اور ایک دن کسی لمحے اپنے طویل مراقبے کے دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ تہ خانے میں روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوئی ہے۔ جیسے درز کھل گئی ہو۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اپنے مراقبے میں مصروف رہا۔ اتنے دنوں بعد روشنی دیکھ کر مجھے ایک دکھ ہوا۔ گہرے سانس لے کر میں نے اپنے مراقبے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ روشنی کا دائرہ لحہ بہ لحہ پھیلتا گیا۔ غیر اختیاری طور پر میں نے اپنی انگلی اٹھائی اور جدھر سے روشنی کا گزر ہو رہا تھا، وہاں انگلی سے کراس کا نشان بنایا۔ روشنی بند ہو گئی اور میرے جسم میں میٹھا میٹھا درد ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو مصروف کر دیا۔ میں اس تہ خانے میں سورج کی روشنی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ چونکہ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں سکون افراط سے تھا، روشنی آنکھوں کے لئے مضر شے ہے کہ اس سے گناہ نظر آنے لگتے ہیں۔ میں نے روشنی کا نفوذ بند کر دیا۔ میں نے یہ خیال بھی ذہن میں در آنے سے روک دیا کہ میری انگلی کی جنبش نے روشنی بند کر دی لیکن میں زیادہ دنوں تک پھر خود کو مراقبے میں مصروف نہ رکھ سکا۔ وہ کرن پھر نمودار ہوتی

رہی۔ اس نے میرا سکون درہم برہم کر دیا۔ میں وہی عمل دہراتا اور تہ خانے میں دوبارہ تاریکی چھا جاتی۔

یہ سلسلہ کب تک چلتا؟ روشنی کی اس کرن نے جو ایک عرصے بعد اس تاریکی میں نمودار ہوئی تھی، بار بار مجھے اٹھنے پر ورغلایا۔ پھر میں سمجھ گیا کہ یہ اس پُراسرار مجس سے جانے کا کوئی اشارہ ہے، آگے کوئی خدشہ نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ عذاب ناک ماحول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قبر میں اتارے جانے کے بعد کون زندہ رہتا ہے؟ میں سخت جان ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ میرے اور روشنی کی اس کرن کے درمیان آنکھ مچولی ہوتی رہی اور مجھے اپنا برف جسم ہلانا پڑا۔ میں نے بڑی مورتی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اس کی باہر نکلی ہوئی زبان اس کے اضطراب کا پتا دیتی تھی۔ وہ پتھر کی ہو کر بھی مضطرب معلوم ہوتی تھی۔ میں گوشت کا ہو کر بھی سرد تھا، جما ہوا۔ روشنی کی اس کرن نے مجھے پگھلانا شروع کیا اور میں نے انگلی گھما کر اس کا دائرہ بڑا کر دیا۔ سارا تہ خانہ روشن ہو گیا۔ چوہے باہر نکل آئے۔ ان کی ہیبت ناک آوازوں اور خرخراہٹ سے تہ خانہ گونج اٹھا لیکن اب وہ مجھ سے کچھ دور دور تھے۔ وہ ایک بڑا سوراخ تھا جس کی روشنی زیر زمین ہال کو منور کیے ہوئے تھی۔ میں نے آگے جا کر دیکھا، مجھے تہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ خود بخود میرے قدم اٹھ گئے اور سیڑھیاں میرے جسم کی زد میں آ گئیں۔ ایک صاف زینہ عبور کر کے میں نے سر نکال کر اوپر دیکھا تو وہ وہی مندر تھا جہاں سے مجھے اس تہ خانے میں دھکیلا گیا تھا۔ وہاں چہل پہل نظر آتی تھی۔ باہر سر نکالا تو مجھے اپنے دماغ میں ایک دھما کا سا محسوس ہوا۔ دن چڑھا ہوا تھا، سورج کی روشنی میں، مجھے اپنے جسم میں زبردست طاقتوں کا علم ہوا۔ مجھے اپنے قدم وزنی معلوم ہوئے اور سر ہلکا سا لگا۔ پہلی ہی نظر میں مندر دیکھنے کے بعد مجھے وہ رات یاد آ گئی۔ جب انہوں نے مجھے اس اندھیرے مجس میں قید کر دیا تھا۔ غصے کی ایک تیز لہر آ کر گزر گئی اور میں نے دوبارہ تہ خانے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ میرا دل وہاں لگ گیا تھا۔ میں وہاں دوبارہ نہ جا سکا کیونکہ سیڑھیاں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مندر کے فرش پر آتے ہی میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ فرش کی زمین گرم تھی میرے جسم پر ایک چیتھڑا سی دھوتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سارا جسم دھول خاک میں اٹا ہوا تھا۔ میں نے مندر کے ایک گوشے میں کنوئیں کے اندر ڈول ڈال کر پانی نکالنے کی کوشش کی تو کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”تو کون ہے ملیچھ؟ جل گندا کیوں کرتا ہے؟“

میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پجاری غیظ و غضب کی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ ”میں پانی نکال رہا ہوں مہاراج۔“ میں نے نرمی سے جواب دیا۔

”یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، پر تو ہے کون؟ اور تو نے اپنی کیا دشا بنا رکھی ہے؟“ پجاری نے جز بز ہو کر پوچھا۔

”میں ایک مجبور اور ستم رسیدہ آدمی ہوں۔“ میں نے بدستور عاجزی سے کہا۔ ”مجھے تھوڑا پانی

چاہئے۔"

"تجھے یہاں کس نے آنے دیا؟ کیا تجھے نہیں پتا کہ یہ پوتر جل صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔" اس نے برہمی سے کہا۔

"بگڑتے کیوں ہو مہاراج! صرف ایک لٹیا جل کے لئے اتنے ناراض ہوتے ہو۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ کنواں صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔" میں نے کنوئیں کے منڈیر سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"چھی چھی......" اس نے میرے جسم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تو نے سارا پوتر جل خراب کر دیا۔ مورکھ، تجھے دیوی کبھی شما نہیں کرے گی۔"

"تو تم خود مجھے تھوڑا سا پانی دے دو مہاراج!" میں نے منت کی۔

"دیوی مجھے اپنی شرن میں رکھے۔ جا جا، میں تیرے شریر کو ہاتھ لگاؤں گا؟ کیا تو پاگل ہے؟ بھاگ جا یہاں سے...... کیلاش جی کو پتا چل گیا تو وہ تجھے کشٹ دے دیں گے۔" اس نے مجھے دھتکارتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں جاتا ہوں۔"

جب میں چلنے لگا تو اس کی گھبرائی ہوئی آواز مجھے سنائی دی۔ "ٹھہر۔ او منش، ذرا ٹھہر۔ ذرا ادھر آ، تیرا نام کیا ہے؟"

میں نے رک کر اور پلٹ کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ "کیا ہے مہاراج؟"

"تو...... تو تم جمیل احمد خان ہو؟" اس کی زبان لرز رہی تھی۔

"ہاں۔ تم نے ٹھیک پہچانا۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"تم زندہ ہو۔ تمہیں تو...... میرا مطلب ہے، تمہیں تو......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ الفاظ اس کے منہ سے بمشکل ادا ہو رہے تھے۔

"چھوڑو اسے مہاراج!" میں نے بے پروائی سے کہا۔

میں یہ کہنا بھول گیا کہ میرے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے اور میرا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ جسم پر برائے نام لباس تھا۔ اس عجیب حلیے میں چھوٹے قد کے اس پجاری نے مجھے دیکھا اور جب اسے یہ علم ہوا کہ میں جمیل احمد خان ہوں تو اس کی حالت غیر ہو گئی۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ پُراسرار تہ خانے سے میری واپسی ممکن ہے۔ اس کی برہمی سے میں نے حتی الامکان گریز کا رویہ اختیار کیا۔ اس کے تیور دیکھ کر میرے سینے میں کہیں چھپی ہوئی نفرت ابلنے لگی لیکن میں نے اسے وہیں دبا دیا۔

"وہ تو کہتے تھے کہ تمہیں دیوی پر بلیدان کر دیا گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

"وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن دیوی نے شاید یہ بلیدان سوئیکار نہیں کیا۔" میں نے طنز بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"ستیہ ہے، ستیہ ہے۔" وہ کچھ سوچ کر اور گھبرا کر دہرانے لگا۔ "آؤ میری کٹیا میں آؤ۔ میں تمہارے ہاتھ پیر دھلاؤں گا۔"

"تم میری ہمدردی میں مارے جاؤ گے، میں ایک مسلمان ہوں۔"

"مجھے ان کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جب دیوی نے تمہیں شما کر دیا تو پھر اس کے سیوکوں کو تم سے کیا بیر......؟ آؤ آؤ شریمان جمیل احمد خان! میرے ساتھ آؤ۔"

پجاری کا نام مرلی دھر تھا۔ وہ شدید حیرت اور تذبذب سے دوچار تھا۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ جب وہ ایک طرف چلا تو میں اس کے پیچھے ہولیا۔ مندر کی شکستہ عمارت سے گزرتے ہوئے ہم پجاریوں کی کٹیاؤں کی طرف بڑھنے لگے۔ مرلی دھر سہما ہوا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر چل رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی کٹیا تک نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں پجاریوں کا ایک گروہ اس سے ٹکرا گیا۔ مرلی دھر نے نظریں چرانے کی اور مجھ سے دور ہو کر بے تعلقی کا اظہار کرنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیا تھا، میری ہیئت کذائی، جسم پر اُگے ہوئے بالوں اور گندے جسم کو انہوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور مرلی دھر سے پوچھا "یہ کون ہے مرلی دھر جی؟"

"یہ...... یہ، ارے کیلاش جی! تم اسے نہیں جانتے؟" مرلی دھر سٹپٹاتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ دیوی جس کے بلیدان کو سوئیکار نہیں کرتی، اس کا استھان ہمارے درمیان ہونا چاہئے۔"

"کیا......" کیلاش ناتھ نے مجھے سرتاپا گھور کر کہا۔ "کیا...... ارے مرلی دھر جی۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ تمہاری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں۔" مرلی دھر اس بار کسی قدر حوصلے سے بولا۔ "یہ وہی ہے۔"

"پرنتو۔" کیلاش ناتھ کی نظروں سے حیرت ہویدا تھی۔ "آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے کیلاش ناتھ کا چہرہ یاد آ گیا۔ وہ بمبئی کی عدالت میں پجاریوں کے ساتھ موجود تھا۔ اب مجھے کچھ ہوش آ رہا تھا اور ان کی گفتگو سے دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا لگ رہی تھی۔ کیلاش ناتھ کو مجھ سے ہمدردی پر اکسانے کے لئے مرلی دھر نے بڑا زور لگایا۔ وہ اور اس کے ساتھی پجاری کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ آخر کیلاش ہم سب کو چھوڑ کر مندر کے اندر گیا اور چند لمحوں بعد واپس آ کر اس نے کہا۔ "مرلی دھر! یہ مندر سے باہر نہ جانے پائے۔"

"پر کیلاش جی!" مرلی دھر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہ اسی پوتر استھان پر دیوی کے ساتھ عرصے تک رہا ہے۔ کیا یہ ہماری ہمدردی اور سلوک کا مستحق نہیں؟ کیا اسے جیوت دیکھ کر تمہیں دیوی کی مرضی کا پتا نہیں چلتا؟ میں نے اسے اپنی کٹیا میں جل اور کپڑا دینے کا وچار دیا تھا۔ تم چاہو تو اسے روک لو۔"

"ہاں، اسے روکے رکھو۔ ابھی یہ مندر میں ہے۔ اسے جل اور کپڑا دینے کا سمے نہیں آیا۔" کیلاش ناتھ نے حیرت زدہ انداز میں مرلی دھر اور دوسرے پجاریوں کو حکم دیا کہ وہ مجھ پر نظر رکھیں۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا۔ میں ابھی تک خاموش تھا۔ مرلی دھر نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ کیلاش ناتھ اندر جانے لگا تو اس کے قدم میری آواز پر زمین سے لگ گئے۔ میں نے پہلی بار اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

"کیلاش ناتھ جی! اگر تمہارے من میں کوئی اور وچار ہے تو اسے نکال دو۔ میرا غصہ نہ بڑھاؤ۔ میں اگر جانا چاہوں تو تم مجھے نہیں روک سکتے۔ بھلے مانسوں کی طرح یہ حقیقت تسلیم کر لو کہ تم مسلسل غلطیاں کر رہے ہو۔ مرلی دھر نے مجھے جل دینے کے لئے روکا تھا۔ میں اس قید خانے سے خود باہر آنا نہیں چاہتا تھا لیکن میرا وہاں ٹھہرنا اب ناممکن تھا۔ اس سے اچھی جگہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ وہاں تم جیسے منش نہیں رہتے جن کے من میں کھوٹ ہو۔"

"اسے روکو، اسے روکو......" میری بات کا جواب دینے کے بجائے کیلاش ناتھ گھبرایا اور دوبارہ مندر میں جانے لگا۔

اس کے ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا لیکن وہ بہت ہراساں نظر آتے تھے۔ انہیں کیلاش ناتھ کا فیصلہ شاید پسند نہیں تھا۔ خود کیلاش ناتھ بھی متذبذب تھا۔ وہ مندر کی طرف جاتے ہوئے بار بار مڑ کر دیکھتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہندوستان کے بڑے پنڈتوں، پجاریوں سے رابطہ قائم کرنے اور ان کی رائے لینے گیا ہے۔ اس کی واپسی جلد ممکن نہیں ہے کیونکہ اسے ایک جاپ سے گزرنا ہوگا۔ تہ خانے سے باہر آتے ہی پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مجھ پر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی اور میں نے کیلاش ناتھ کو زور سے آواز دی۔ "یہ لوگ...... کیلاش ناتھ جی۔ یہ لوگ مجھے روکنے کے لئے ناکافی ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔ ہو سکے تو ٹھنڈے دل سے میرے بارے میں وچار کرنا۔" یہ کہہ کر میں نے ایک پجاری کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ کیلاش ناتھ بھاگا ہوا پھر میرے پاس واپس آنے لگا۔ "نہیں، نہیں۔ تم نہیں جا سکتے۔" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

"تم یہ سب کچھ کر کے مجھے پچھلی باتیں یاد دلا رہے ہو۔" میں مندر کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ "اسے روکو۔ اسے روکو۔" کیلاش ناتھ پجاریوں پر برس پڑا لیکن ان میں سے کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ میں نے مرلی دھر کو احسان مندانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ خاموش کھڑا تھا۔ واپسی میں راستے بھر میں کیلاش ناتھ کا ہذیان سنتا رہا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر پجاریوں اور پنڈتوں

کے کچھ اور گروہ مل گئے تھے جنہوں نے کیلاش ناتھ کی آواز سن کر مجھے پکڑ لیا تھا مگر وہ میرے ایک جھٹکے سے زمین پر ڈھیر ہو کر بلبلانے لگے۔ میں دروازہ عبور کرنے ہی والا تھا کہ مجھے اپنے پیروں میں سوئیاں سی چبھتی محسوس ہوئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کیلاش ناتھ وار کر چکا تھا۔ میرے تلووں پر باریک باریک کانٹے لگے ہوئے تھے۔ اپنے پیر اٹھا کر میں نے زور سے زمین پر پٹخے تو کانٹے گوشت میں سرایت کر گئے۔ قریب تھا کہ میں کیلاش ناتھ کو اس کے اشتعال انگیز رویے پر سرزنش کرتا، وہ مجھے دروازے پر کھڑا ہوا عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا تو پرنام کے انداز میں اس کے ہاتھ اٹھ گئے اور میں باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں۔ یہاں ایک وحشی، جسم پر صرف ایک پھٹی ہوئی دھوتی پہنے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالوں سے چھپا ہوا تھا۔ جو بھی اس کے قریب آتا، وہ حیرت سے اس کا حلیہ دیکھتا اور ناک چڑھا کر دور ہو جاتا۔ یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں، جہاں کبھی جمیل احمد خان کی بڑی کار گھوما کرتی تھی۔ دنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہی دکانیں، وہی بازار، چہل پہل۔ ہر شخص پوری طرح زندگی میں غرق تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو ان سب سے الگ حلیے میں تھا، جسے اپنا ہوش نہیں تھا۔ زندگی جیسے جیسے نظروں کے سامنے سے گزرتی رہی، اس شخص کو ہوش آتا گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ زمانے نے کتنی ستم ظریفیاں کی ہیں۔ زندگی کی اس حرکت، اس گرمی و گرم بازاری سے اس کا جما ہوا خون بھی گردش کرنے لگا۔ اس تہ خانے میں قید ہو کر اس کی توانائیاں گھٹنے کے بجائے اور بڑھ گئی تھیں۔ وہ اور جوان اور تازہ دم معلوم ہوتا تھا۔ رگوں میں ایک کھلبلی سی ہونے لگی تھی۔ ایک نیا جوش...... ایک نیا عزم۔ لوگوں کے اداس، شاد ماں چہرے سب ادھر اُدھر سرگرم تھے۔ شہر کا کارواں رواں تھا۔

ایک نل پر بیٹھ کر میں نے اپنا چہرہ دھویا۔ مٹی کی کئی تہیں پانی میں مل کر گھل گئیں اور کیچڑ میں میرے ہاتھ سن گئے۔ چہرے پر ہاتھ گیا تو لمبی داڑھی کا اندازہ ہوا۔ بڑھے ہوئے بالوں سے مجھے سید کی یاد آئی۔ میری زلفیں بڑھ گئی تھیں۔ سید کی یاد نے ایک بے چینی پیدا کر دی۔ میں نل کے نیچے بیٹھ گیا اور مٹی میں لتھڑا ہوا بدن دھونے لگا۔ نہاتے وقت تازگی کا احساس ہوا لیکن یہاں بھی مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے اتنے غلیظ نیم عریاں شخص کو نہاتے دیکھا تو برس پڑے۔ مجھے وہاں سے بھی اٹھ کر آنا پڑا۔ میرا جسم خاصا صاف ہو چکا تھا۔ میں سڑکوں پر یوں ہی گھومتا رہا۔ کبھی اس طرف نکل جاتا تو کبھی اس طرف۔ رفتہ رفتہ میرے بچھڑے ہوئے دن مجھ پر غالب آ گئے۔ مندر سے باہر آنے کے بعد انکا کو میرے سر پر آ جانا چاہیے تھا مگر اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں نے اس امر پر کوئی توجہ نہیں دی کہ انکا کہاں ہے؟ میں تو بس چلتا رہا۔ شام ہو گئی تو مجھے خیال آیا کہ میں اس طرح کب تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہوں گا؟ مجھے اپنے

لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہیے۔ گلیوں، محلوں اور بازاروں سے گزرتے ایک جگہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ڈاکٹر سکینہ کی کوٹھی تھی۔ اندر جانے کی ہوک اٹھی لیکن اپنی حالت دیکھ کر قدم رک گئے۔ دیر تک دروازے پر کھڑا رہا پھر میں نے بے اختیار گھنٹی بجا دی۔

اندر سے دربان آیا اور پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا پھر سراسیمہ ہو کر کہنے لگا۔ ''آپ؟'' میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے وہ مجھے پہچان گیا تھا۔

''پریم بی بی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی۔ وہ تو اندر ہیں مگر آپ...... آپ اتنے دنوں تک کہاں تھے؟ پریم بی بی آپ کی وجہ سے بیمار پڑ گئیں۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' دربان ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

''انہیں کیا ہو گیا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب۔ اس گھر پر آپ کے جانے کے بعد آفت آ گئی ہے۔ ڈسپنسری تباہ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ حیدرآباد کے ایک صاحب، سید صاحب نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔''

''مجھے اندر لے چلو۔'' میں نے کہا۔ ''اور سنو، پہلے مجھے اپنے کپڑے دے دو۔''

وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے کوارٹر تک لے گیا۔ اندر جا کر میں نے اس کا لباس پہنا۔ درمیان میں وہ مجھے واقعات سناتا رہا کہ کوئی چار ماہ پہلے ایک رات اچانک پریم گھر سے غائب ہو گئی۔ جب واپس آئی تو اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ اس کے بعد سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ گویا میرے پیچھے کافی بڑے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ میں تیزی سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ پریم کا کمرا مجھے معلوم تھا۔ جب میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں اور کمرا اجاڑ نظر آتا تھا۔ پردے میلے ہو گئے تھے۔ پوری کوٹھی کا یہی حال تھا۔ وہ سبزہ زار اب اڑتے ہوئے زرد آوارہ پتوں کا مسکن تھا۔

''پریم!'' میں نے آہستہ سے آواز دی۔

اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تم کیسی ہو پریم!''

وہ غور سے مجھے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے میرے وجود کا احساس نہ ہو۔ میں نے اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ ''پریم یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

اس کی خشک آنکھوں میں ایک سیلاب امڈ آیا۔ ایک چیخ مار کر وہ میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے کھل کر رونے دیا اور اس عرصے میں میری ساری صلاحیتیں حقیقت حال جاننے میں مصروف رہیں۔

میرا ہاتھ اس کی پشت پر تھا لیکن میری انگلیاں متحرک تھیں اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ بظاہر میری آغوش میں تھی، میں کہیں اور تھا۔ جب اندھیرے سے پردہ اٹھا تو میرے ہاتھوں میں سختی آ گئی اور میں بری طرح لرزنے لگا۔ میرے دانت ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ میں نے وحشت میں اپنے سر کے بال نوچ لیے۔

پریم لٹ چکی تھی۔ وہ میرے حوالے سے لٹ چکی تھی۔ چونکہ اس نے عدالت میں میری وکالت اور ہمدردی میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی اور وہاں موجود پنڈتوں، پجاریوں نے ایک نوجوان اور حسین ہندو لڑکی کو زار و قطار روتے دیکھا تھا۔ وہاں وہ خبیث ہرچرن بھی تھا جو اب انکا کا آقا تھا اور جس نے انکا کے ذریعے پریم کو اپنی ہوس کی قربان گاہ پر چڑھایا تھا۔ وہ نازک اندام دوشیزہ لٹ چکی تھی۔ وہ خواب دیکھنے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والی لڑکی ختم ہو گئی تھی۔ ساری بات صاف تھی۔ انہوں نے مجھے تہ خانے میں قید کر کے انکا کے لئے جاپ کیا اور انکا ہرچرن کے پاس چلی گئی۔ اب انکا بھی میرے پاس نہیں تھی لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے جمیل احمد خان کو تہ خانے میں بند کر کے اس پر کیا احسان کیا ہے۔

میں نے پریم کو پلنگ سے اٹھایا۔ اس کے آنسو پونچھے اور اس کے ہاتھوں اور پیشانی پر کئی بوسے ثبت کیے۔ ''اب میں آ گیا ہوں میری جان! اب میں آ گیا ہوں۔'' میں نے اپنی آگ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن اب میں آ گیا ہوں۔ اب صرف ایک قرض نہیں رہا بلکہ کئی قرض چکانے ہیں۔ اٹھو، اٹھو۔ پریم تم تو بڑی ہمت والی لڑکی ہو۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ اتنی سی بات سے گھبرا گئیں؟'' میں نے اسے شفقت سے سمجھایا اور پوچھا۔ ''سید غوث کہاں ہے؟''

''انہوں نے ......'' پریم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''انہوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی۔ ہم دونوں کئی ماہ تک آپ کو تلاش کرتے رہے۔ پھر اچانک ایک دن انکا یہ کہہ کر چلی گئی کہ ایک پجاری ہرچرن نے اس کا جاپ کر لیا ہے۔ اس کے بعد......'' پریم کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

''سید غوث یہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' پریم کی ڈوبتی آواز ابھری۔ ''انہی کے سہارے ہم لوگ زندہ رہے۔ وہ روز آپ کی تلاش میں جاتے ہیں اور شام ہوتے ہوتے تھکے ہارے واپس آ جاتے ہیں۔ ہم نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ تمام مندروں کی خاک چھانی، پولیس میں رپورٹ لکھوائی، پنڈتوں پر مقدمہ دائر کیا۔ آپ کو گئے ہوئے گیارہ مہینے ہو گئے۔ انکا ہمیں یقین دلاتی تھی کہ آپ زندہ ہیں مگر آپ کہاں ہیں؟ یہ بتانے سے وہ قاصر تھی۔'' پریم نے دل گیر لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

''آہ! پریم، تم لوگوں نے میری خاطر کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں۔'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

پریم کے آنسو میرے ذہن میں بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں خزاں نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کا حسن ماند پڑ چکا تھا اور میں سوچ رہا تھا، کتنے لوگ میری وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ مجھ بدنصیب نے کتنے لوگوں کی خوشیاں تاراج کیں۔ پریم چنبیلی کا پھول تھی جواب مرجھا چکا تھا اس کے چہرے کی زردی، اس کی آنکھوں کی ویرانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بمبئی میں اس لڑکی سے ملاقات کوئی پرانی نہیں تھی۔ سید غوث سے بھی حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور وہ آنند لال ...... گلبرگ کا باغیرت پنڈت جس نے عدالت میں آ کر بڑی جواں مردی سے میرے حق میں بیان دے کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ آنند لال کا علم پریم کو بھی نہیں تھا۔ آنند لال کا خیال آتے ہی میرا اضطراب دو چند ہو گیا۔ نہ جانے وہ کس حال سے دو چار ہو؟

میں پریم کو لے کر باہر لان میں آ گیا۔ گھاس جھاڑیوں کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔ میرے تسلی آمیز رویے سے پریم کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ وہ میری غیر حاضری کا سبب پوچھنے پر بضد تھی لیکن میں نے اسے قید خانے کے اذیت ناک ماحول کا حال نہیں بتایا۔ میں دیر تک پریم سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے سید غوث کا انتظار تھا۔ تاریکی ہو گئی تو مجھے سید غوث کا اداس اور مضمحل چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ پریم نے پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''ہاں میرے دوست! یہ میں ہی ہوں۔ تمہارا بدنصیب دوست جمیل احمد خان۔''

''جمیل احمد خان!'' سید غوث پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ''واقعی یہ تم ہو؟'' اس نے مجھے زور سے بھینچ لیا۔

''ہاں سید غوث۔ میرے بھائی۔ میں سخت جان شخص زندہ ہوں۔ کچھ اور مصیبتیں لکھی تھیں، انہیں بھگتا کر آ رہا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھیں دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا۔

اس کے بعد سید غوث نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کا ایک ایک واقعہ تفصیل سے سنایا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ انکا کو ساتھ لے کر مندروں میں نکل پڑتے اور سنسان و ویران جگہوں پر ہر ایک کو میرا حلیہ بتا کر میرے متعلق پوچھتے۔ اس تگ و دو میں ان کی ملاقات پنڈت ہرچرن سے بھی ہوئی تھی۔ انکا عموماً پریم کے سر پر رہتی تھی۔ ایک دن بڑے مندر جاتے ہوئے پنڈت ہرچرن نے پریم کے سر پر انکا کو دیکھ لیا۔ یہیں سے ہرچرن کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے انکا کے حصول کے لئے جاپ شروع کر دیا اور اسے حاصل کرنے کے بعد اس بدبخت نے ایک روز پریم کو اپنے شبستان گناہ میں بلا کر اس کی دوشیزگی چھین لی۔ سید غوث نے پریم کی موجودگی کی وجہ سے یہ اندوہ ناک

واقعات محتاط انداز میں بیان کیے لیکن مجھے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ پریم لٹی لٹی میرے سامنے بیٹھی تھی۔ میرے سینے پر ایک پہاڑ سا ٹکا ہوا تھا۔

''اور وہ انکا بھی دغا دے گئی۔'' سید غوث اداسی سے بولا۔ ''اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ہرچرن کے سر پر جانے والی ہے۔ ہم نے منڈل میں جا کر ہرچرن کو اس کا جاپ کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ پریم نے انکا کے منع کرنے کے باوجود اس کمینے کے سر پر پتھر بھی مارے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر ہم نے پیرومرشد سید کی تلاش کی۔ سید کو ڈھونڈنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ میں ایک بار گلبرگہ بھی گیا مگر سید کا کہیں پتا نہ چلا۔ آخر ہرچرن کامیاب ہو گیا۔ انکا کی رخصتی کا منظر بڑا دردناک تھا۔ وہ بھی میرے سر پر آتی تھی۔ کبھی پریم کے سر پر۔ وہ بڑی دل گرفتہ اور آزردہ ہمیں چھوڑ کر گئی۔ چلتے وقت اس کی زبان پر تمہارا نام تھا۔ انکا کے جانے کے بعد کچھ ایسے حادثے پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔'' سید غوث نے اداسی سے کہا۔

وہ مجھے واقعات سنا رہا تھا اور شاید اس نے میری آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے میری رگیں تننے پر غور نہیں کیا تھا۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا مگر میں وہاں نہیں تھا۔ میں اس وقت چونکا جب اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم نے کچھ نہیں بتایا؟''

''ہاں۔'' میں نے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ ''ایک طویل داستان ہے۔ رات کو سناؤں گا۔'' میں نے پریم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''بس یہ سمجھ لو کہ میں آ گیا ہوں اور اب جانے کے لئے نہیں آیا ہوں۔''

سید غوث سمجھ گیا کہ میں پریم کے سامنے اپنے گزشتہ دنوں کا احوال سنانے سے گریز کر رہا ہوں۔ اس نے پھر کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے اس رقت انگیز اور افسردہ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی سعی کی۔ حالانکہ وہاں میرا جی نہیں لگ رہا تھا۔ پریم جیسی شگفتہ لڑکی کی دوشیزگی کا قاتل چین کی بنسی بجا رہا تھا۔ آنند لال کشٹ سہہ رہا تھا اور بدری نرائن بغیر پٹے کے کتے کی طرح بستیوں میں شور مچاتا پھر رہا تھا۔ اب مجھے نہ نندا کی نصیحتوں کی فکر تھی، نہ سید کے پُرجلال چہرے کا لحاظ تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ میرے دشمن موجود تھے۔ چند لوگوں کے خون سے پیاس بجھانے کے بعد مجھے اپنا ہر انجام قبول تھا۔ میں ایک تنہا آدمی ہندوستان میں پھیلے ہوئے ان دشمنوں کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا لیکن اب صبر و ضبط کا یارا نہیں تھا۔ نہ کسی مصلحت کا خیال، نہ کسی انجام کا خوف۔ سید غوث میرے چہرے کی بدلتی کیفیات محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سکینہ کے ہمراہ کھانے کے دوران میں خوش طبعی کا مظاہرہ کیا۔ اس اثناء میں پریم اور سید غوث کے اصرار پر میں نے شیو بنا لیا تھا لیکن سر کے بڑھے ہوئے بال نہیں کٹوائے تھے۔ پریم کی طبیعت کی بحالی تک دل پر پتھر رکھ کر مجھے یہاں ٹھہرنا تھا۔ اس رات پریم اور سید غوث کی پُرتجسس نگاہیں

میرے چہرے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ وہ کچھ جاننا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں پُراسرار علوم اور جادو ٹونے کی گفتگو میں الجھائے رکھا۔

رات گئے میں پریم سے اجازت لے کر ایک چھوٹے سے مراقبے میں ڈوب گیا۔ پریم اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سید غوث کا تجسس دور کرنے کے لئے مختصراً اسے اپنی گیارہ مہینے کی ہولناک روداد سنائی۔ وہ تعجب خیز انداز میں چونک چونک کر بستر سے اٹھ بیٹھتا تھا پُراسرار واقعات پر مبنی، میری ناقابل یقین روداد کی تردید کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ ثبوت کے طور پر میں عجیب ہئیت کذائی اور وحشت زدگی کے ساتھ سامنے موجود تھے۔

''مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اب تمہیں چھوڑ دیں گے؟'' اس نے میرا چہرہ پڑھ کر کہا۔

''نہیں۔ وہ اب بھی باز نہیں آئیں گے۔ ان پر جنون طاری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر تم تنہا ان عفریتوں کا مقابلہ کیسے کرو گے؟ انکا بھی جا چکی ہے۔ وہ متحد ہو کر پھر تمہارے لیے کوئی مصیبت کھڑی کر دیں گے۔''

''میں جانتا ہوں مگر انکا کے جانے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ اب بات انکا کی پُراسرار قوتوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ پُراسرار تہ خانے سے باہر آتے ہی میری شکتیاں واپس آ گئی تھیں نیز مسلسل گیارہ ماہ مراقبے اور ارتکاز کی مشقوں کے بعد میں نے کوئی چیز کھوئی نہیں بلکہ حاصل کی ہے۔''

وہ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ ''یہ تو سچ ہے۔'' وہ تذبذب سے بولا۔ ''لیکن ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں بڑے گیانی دھیانی پنڈت اور پجاری ہیں۔ تم کیسے اور کب تک ان کا مقابلہ کرو گے؟''

''کالی کے تہ خانے میں میرے اتنا عرصہ گزارنے کے بعد ان پر یہ خوف بھی غالب ہے کہ مجھے اب کالی کا آشیرباد حاصل ہے کیونکہ میں وہاں سے زیادہ سلامت واپس نکل آیا ہوں۔''

''اور اگر تم کسی مقابلے کا ارادہ ہی ترک کر دو؟''

''تم اپنی بات کی تردید کر رہے ہو۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ وہ میرا تعاقب نہیں چھوڑیں گے۔ سنو سید غوث۔ کیا میں بدری نرائن کو معاف کر سکتا ہوں؟ یہ تو میں نے نندا سے بھی منع کر دیا تھا۔''

''معاف کرنے کو کون کہتا ہے لیکن تم خود دیکھو......'' اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کتنے سال گزار دیئے۔ کبھی تم نے انہیں زچ کیا، کبھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا۔ میں پوچھتا ہوں، یہ کھیل کب ختم ہوگا؟''

''سید غوث۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ پریم کی ابتر حالت دیکھ کر میرے دل پر کیا گزری ہے۔ ہر مرتبہ کھیل ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ [illegible]

پریم کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں صرف تزئین کی فکر ہے۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو بڑی ندامت ہوتی ہے۔ وہ جوان لڑکی تنہا ان پہاڑیوں پر میرے سہارے رہ رہی ہے۔ نیچے بڑے مہان پنڈتوں، پجاریوں نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ انہوں نے میرے اوپر جانے کے راستے مسدود کر دیے ہیں کیونکہ وہ پریتم لال کے دھارمک استھان پر قبضہ کر کے کلدیپ کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔ کلدیپ میری خاطر اپنی شکتیاں بڑھانے کے لئے مسلسل جاپ کر رہی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جو مراقبہ کیا تھا، اس میں بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ کلدیپ نے اپنا طویل جاپ ختم کر کے جب میری موجودگی کے بارے میں غور کیا ہوگا تو اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔ نتیجتاً اس نے ایک دوسرا طویل جاپ شروع کر دیا ہے۔ میں ان دونوں کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ کلدیپ تو بہرحال میرے مرنے کے بعد بھی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی گزار دے گی لیکن تزئین کا کیا ہوگا؟ کیا وہ ہمیشہ اسی طرح بیٹھی رہے گی اور میری قسمت کی گردشیں جاری رہیں گی؟''

میری باتوں کا سید غوث کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے عام انسانوں کی طرح صبر و ضبط کی تلقین کرنے لگا۔ ہم دونوں نے رات جاگ کر گزاری۔ صبح سویرے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میرا جسم آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ کسی کروٹ نیند نہیں آتی تھی۔ نرم و گداز بستر کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ یہ خوشبوئیں، یہ معطر ہوائیں، رات کو جھینگروں کی آوازیں، یہ سبزے اور مٹی کا ہریالا سوندھا پن۔ میں ان تمام خوشبوؤں اور احساسات سے دور ہو گیا تھا۔ اب یہ سارا ماحول عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں قبر کا آدمی تھا مگر اب میرا رشتہ دوبارہ دنیا سے قائم ہو گیا تھا۔

یہ نہ پوچھئے، وہ ایک ہفتہ کیسے گزرا؟ یادداشت میں جہاں اور باتیں محفوظ ہیں وہاں ان نسات دنوں کا کرب بھی جمع ہے۔ ایک ہفتے تک میں نے پریم اور سید غوث کے ساتھ مل کر بہت نارمل وقت بسر کیا۔ سرِ شام کار میں بیٹھ کر میں، پریم اور سید غوث بمبئی کی تفریح گاہوں کی طرف نکل پڑتے۔ میں ان ہنگاموں سے دور ہونے کے باوجود ان میں شامل ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شخص جسے ایک لمحہ گراں گزر رہا ہو، محض ایک لڑکی کی خاطر آگ میں جھلسنے پر مجبور تھا۔ انکا کے نئے آقا ہرچرن کو میں نے بعد میں بھگتنے کا ارادہ کر کے پہلے آنند لال کا کھوج لگانے کا فیصلہ کر لیا مگر کئی مراقبوں اور ارتکاز کے کئی اعمال کے بعد بھی اس کا پتا پوچھنے سے قاصر رہا۔ انہوں نے میری طرح اسے کسی ایسی جگہ قید کر دیا تھا جو میری نظروں سے اوجھل تھا۔ اس رات جب انہوں نے مجھے تہ خانے میں دھکیلا تھا، اگر مجھے سنبھلنے کا ذرا سا موقع بھی مل جاتا تو حالات مختلف ہوتے۔ آنند لال کا پتا کالی کے شکستہ مندر ہی میں چل سکتا تھا۔

آٹھویں رات جب میں اس شکستہ مندر میں جانے کے لئے پر تول رہا تھا، مجھے اپنے سر پر دھما کہ محسوس ہوا۔ میں نے عالم تصور میں نظر اٹھائی تو انکا موجود تھی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبے سے عاری

تھا۔ میں نے اس کی اچانک آمد پر کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کس کے اشارے پر آئی ہے اور کس لہجے میں گفتگو کرے گی ''کیوں آئی ہو؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہیں ایک پیغام دینے آئی ہوں'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''بکو......مگر خیال رہے کہ تم کس کے سر پر بیٹھی ہو۔''

''میں جانتی ہوں' میرا کام صرف تمہیں پیغام دینا ہے۔

''ہرچرن کا پیغام؟ اس کمینے نے کیا کہا ہے، کیا وہ خوف زدہ ہو گیا؟''

''اس کے پاس انکا ہے اور دیوی اس سے خوش ہے۔''

''اس کے پاس انکا ہے۔'' میں نے غصے میں دہرایا۔ ''جس کا باطن سیاہ ہے، دل پتھر کا ہے اور آنکھوں میں بے مروتی ہے، جس کی طاقتیں محدود اور جس کی پرواز صرف بدی کی سمت رہتی ہے؟''

''تمہاری اس تعریف کا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' انکا نے کہا۔

''تمہاری بے حسی کا مجھے اندازہ ہے۔ جو کہنا ہے کہو، وہ مردود کیا کہتا ہے؟''

''میرے آقا ہرچرن نے تمہیں یہ پیغام بھیجا ہے کہ تمہیں شما کیا جاتا ہے۔ تمہاری مکتی اسی میں ہے کہ تم یہ دیس چھوڑ دو اور سمندر پار کہیں چلے جاؤ۔ تم نے بار بار سزاؤں کا مزہ چکھا ہے۔ تم تنہا اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں لڑ سکتے۔ تمہاری جان بچنے کا یہی ایک موقع ہے۔'' انکا نے دھمکی کے لہجے میں کہا۔

''تم......تم......!'' میرے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ ''تمہاری دھمکی بہت اشتعال انگیز ہے۔ وہ تمہی تھیں جو بے گناہ پریم کو یہاں سے اٹھا کر ہرچرن کے پاس لے گئیں۔ میں اس سے پریم کی دوشیزگی کا معاوضہ وصول کر کے رہوں گا۔''

''میں اپنے آقا کی تابع ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں پریم کو اس کے پاس لے آؤں۔'' انکا نے کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا۔

''میں جانتا ہوں......میں جانتا ہوں......'' میں نے زیر لب کہا۔ ''اب تم اس وقت بھی اپنے آقا کی مدد کے لئے تیار رہنا جب میں اس کے سر پر موجود ہوں گا۔''

''میں اس کی ہر طرح مدد کروں گی۔''

''تم کیا کر سکتی ہو؟'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''یہ اس وقت پتا چل جائے گا۔''

''میرے پیغام کا جواب دو۔'' انکا نے کہا۔

''میں اس کے منہ پر تھوکنے کے لئے کسی دن بھی پہنچ جاؤں گا۔ ہرچرن سے کہنا کہ وہ انکا کو میرے حوالے کر دے، نہیں تو اس کی ساری بھگتی اور تپسیا ملیامیٹ ہو جائے گی۔''

''میں آخری بار تمہیں

میرا آقا ایک مہان پجاری ہے۔''

کاش میں انکا کو پکڑ سکتا' ایسا ممکن ہوتا تو میں اسے جلا کر خاک کر دیتا۔ وہ میرے سر پر بیٹھی مجھے ہرچرن کی شکتیوں کے ذکر سے خوف زدہ کرتی رہی۔ اس کی بے التفاتی اور ڈھٹائی کا تلخ تجربہ مجھے پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا اس لیے میں نے اس سے زیادہ باز پُرس نہیں کی۔

''تم جا سکتی ہو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

''میں تمہارے حکم کی پابند نہیں ہوں۔''

''کیا تم مجھے کسی فیصلے پر مجبور کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بلوان اور شکتی والے آدمی ہو۔''

''پھر تم یہ پیغام رسانی کیوں کر رہی ہو؟''

''یہ میرے آقا کا حکم ہے کہ میں تمہیں سیاہ و سفید کے بارے میں بتا دوں۔''

''اب تم اپنے آقا کو میرے بارے میں بتا دینا کہ تم نے میرے سر پر جا کر کیا محسوس کیا؟ یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے گیارہ مہینے چوہوں اور کالی کی مورتی کے درمیان بیکار نہیں گزارے اور یہ بھی کہہ دینا کہ اب میں سیاہی یا سفیدی چاہتا ہوں۔ میں نے عفو و درگزر کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔''

انکا کے آنے سے اضطراب اور بڑھ گیا۔ وہ چلی گئی تو میں نے بڑی مشکل سے رات اور گہری ہونے کا انتظار کیا۔ سید غوث کو جگا کر میں نے اس سے اجازت لی۔ اس نے مجھے بہت روکا۔ ساتھ چلنے پر اصرار کیا لیکن میں نے اس کی ہر بات مسترد کر دی۔ پریم سو چکی تھی۔ میرا رخ شکستہ مندر کی طرف تھا جہاں کیلاش ناتھ رہتا تھا۔ میرے قدم تیز تیز زمین پر پڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مندر کی شکستہ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کسی گھنٹی کی آواز آ جاتی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اندر کوئی پجاری پوجا پاٹ میں مصروف ہے۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے سے ملحق لٹکی ہوئی گھنٹی دو تین بار ہلا کر آواز پیدا کی۔ رات کے سناٹے میں آواز دور دور تک گونج گئی۔ میری گھنٹی کے جواب میں متعدد گھنٹیوں کی آوازیں فضا میں پھیل گئیں۔ میں دروازے پر کھڑا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک پھٹی ہوئی نحیف و نزار آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''میں کیلاش ناتھ جی سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک ضرور کام آ پڑا ہے۔ ذرا دروازہ کھولو۔'' میں نے کہا۔ ''کیلاش ناتھ جی نہ ہوں تو میں مرلی دھر سے مل لوں گا۔''

اندر سے بڑبڑانے کی آواز آئی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں مٹی کا دیا لیے خشمگیں نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے بائیں جانب مڑ گیا اور قطار میں ایستادہ

کٹیاؤں کے درمیان سے گزر کر ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ کوئی بہت بڑا مندر نہیں تھا مندر کی عمارت شکستہ تھی لیکن اس سے ملحق پجاریوں کی درس گاہیں اور مکانات اچھے خاصے بنے ہوئے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ کیلاش ناتھ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ میرے سامنے تھا اور میری آمد کا مطلب جاننے کے لئے سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ میں نے کسی رسمی تمہید کے بغیر درشت آواز میں اس سے آنند لال کا پتا معلوم کیا۔ اس نے میری جسارت اور میرے لہجے کی سختی محسوس کر لی اور گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

”تم اس کا پتا جانتے ہو۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟“ میں نے حکما پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم مہاشے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں۔“

”تم جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ ورنہ......“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بولا۔

”تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ تم ان بدقماش پجاریوں میں شامل تھے جنہوں نے بدری نرائن کے اشارے پر میرے اور آنند لال کے خلاف سازش کا جال بُنا تھا۔ سنو! اگر تم نے سیدھی طرح نہیں بتایا تو میں تمہیں ابھی نرک میں پہنچا دوں گا۔“ میں نے بگڑ کر کہا۔

”تم...... جمیل احمد خان، نہیں جانتے کہ تم کیلاش ناتھ کو غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تمہارے کسی پرشن کا اتر دینے سے انکار کر سکتا ہوں۔“ اس نے طیش میں آ کر کہا۔

”میں معلوم کرنا جانتا ہوں۔ تم نے جگدیش کا حشر دیکھ لیا ہے۔ تم نے عدالت کا فیصلہ بھی سن لیا ہے۔ تم نے مجھے صحیح وسلامت کالی کے پُراسرار تہ خانے سے نکلتے بھی دیکھا ہے۔“

”تو پھر تم اپنی شکتیوں سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے؟“ اس نے طنز کیا۔

”شکتی کسے کہتے ہیں، یہ میں ابھی تمہیں بتا دوں گا لیکن بہتر ہے کہ تم سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دے دو۔“ میں نے اس بار اور سخت لہجہ اختیار کر لیا۔ میرے تلخ رویے سے وہ غصے میں آ گیا۔ اس نے اچانک اپنا ہاتھ بڑھا کے مجھے دروازے سے دھکیل کر تیزی سے دروازہ بند کر لیا۔ میں سیڑھیوں پر گرا اور میں نے اپنی پوری قوت سے دروازے پر اپنا بایاں پہلو ٹکرایا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ کیلاش ناتھ نے چیخ کر مجھے آگے آنے سے منع کر دیا اور دیا بجھا کر مجھ پر کوئی نم چیز پھینک دی۔ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی تھی جس میں مرچوں اور نمک کی آمیزش تھی۔ میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ اندھیرا چھانے لگا لیکن میں نے کوئی دوسرا وار کرنے کی مہلت دینے سے پہلے بجھے ہوئے دیئے پر انگلی رکھ کر اسے روشن کر دیا۔ کیلاش ناتھ کا چہرہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ میں نے نہایت عجلت میں دیئے کے تیل میں انگلی ڈبو کر اس کی طرف چھینٹیں ماریں۔ اس نے ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے

چہرے پر داغ پڑ چکے تھے۔ میں نے دوبارہ تیل کے چھینٹے اس کے منہ پر رکھے ہوئے ہاتھ پر مارے۔ اس نے بلبلا کر ہاتھ اٹھا لیا۔

”بتاتا ہوں مہاشے! دیا بجھا دو۔“ وہ کراہتے ہوئے بولا۔

”دیا جلتا رہے گا۔ تمہیں اپنا جیون پیارا تھا اس لیے تم مان گئے ورنہ آج میں کسی اور ارادے سے آیا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“ میں نے گرج کر کہا۔

”اسے مہاپُرشوں نے وندھیا چل کے پہاڑوں میں قید کر رکھا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک اپنے من سے تمہارا دھیان نہیں نکالا ہے۔“ کیلاش نے سہم کر کہا اور پھر لمحوں میں ساری تفصیل مجھے بتا دی۔

”کیلاش ناتھ!“ میں نے تیزی سے کہا۔ ”میں نے تمہارے ساتھ نرمی کی تھی مگر تم لوگوں نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ درندگی سے کم نہیں۔ اپنے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو بتا دینا کہ وہ اب میرے آڑے آنے کی کوشش نہ کریں، اب سے گزر گیا ہے۔“

”جو تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے مہاشے۔“ تکلیف میں کراہتے ہوئے کیلاش ناتھ نے کہا۔

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں تک میری رہائی کی خبر پہنچ گئی ہوگی اور وہ بڑے بڑے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ میں کیلاش ناتھ کے معاملے میں شدت اختیار کرتا تو آنند لال تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش آ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اسی پر بس کیا۔ اس سے نمٹ کر مندر کا دروازہ کھلا چھوڑ کے میں گھر واپس آ گیا۔ سید غوث ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اسے کیلاش ناتھ کا واقعہ سنا کر میں سونے کے بجائے فرش پر ارتکاز کے عمل میں مصروف ہو گیا۔

☆......☆......☆

پریم کا باپ ڈاکٹر سکینہ ایک معقول آدمی تھا۔ اس کے گھر میں میرا عمل دخل اس حد تک ہو چکا تھا کہ جب میں نے اسے اس کی کوٹھی سے منتقل ہونے اور گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تو وہ فوراً مان گیا۔ مجھے وندھیا چل کے پہاڑی سلسلوں میں آنند لال کا کھوج لگانا تھا لہٰذا اب اس بات کا خدشہ تھا کہیں پنڈت ہرچرن انکا کے ذریعے سید غوث یا پریم پر دوبارہ حملہ کر کے مجھے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔ رکن الدین کی حویلی سید کی امان میں تھی اور وہاں حضرت گیسو دراز بھی موجود تھے۔ دوسرے دن ہم نے سامان باندھا اور پہلی گاڑی سے گلبرگے کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے کے سفر میں اچانک سید غوث پر ایک خطرناک قسم کا دورہ پڑا۔ یہ انکا کی کارستانی تھی۔ میں ہر طرح محتاط تھا اس لیے انکا کا نشانہ خطا گیا۔ سید غوث کے سر پر انکا آ گئی تھی۔ اس نے اسے بے بس کر کے مجھ پر پستول چلانے کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔ وہ مجھے مغلظات بکنے لگا۔ اس ناگہانی حادثے سے پریم اور ڈاکٹر سکینہ دونوں پریشان ہو گئے۔ ریل گاڑی کے اس مخصوص ڈبے میں ہم چار ہی نفوس تھے۔ انکا کو سید غوث کے

سر پر دیکھ کر میں نے اسے حکم دیا کہ وہ فوراً چلی جائے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ نتیجتاً مجھے سید غوث پر گرفت مضبوط کرنی پڑی۔ میں نے انکا کو بے اثر کر دیا۔ سید غوث جلد ہی ہوش میں آ گیا اور انکا اس کے سر پر مسلط ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکی۔ وہ تلملاتی اور دانت پیستی رہی۔ راستے میں پھر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ انکا ناکام ہو کر واپس چلی گئی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے میں آگے بڑھتا ہوں۔ انکا دوسروں کے سر پر کیا کر سکتی ہے، اس کا اندازہ آپ کو ہوگا۔

رکن الدین نے ہماری توقع سے زیادہ مہمان داری کا ثبوت دیا۔ پریم اور ڈاکٹر سکینہ کو اس نے نہایت اہتمام سے ایک شاندار کمرے میں ٹھہرایا۔ یوں ہی ایک مبہم امکان کے پیش نظر میں نے سید کو بھی تلاش کیا۔ پھر گلبر گے میں اپنے متعلقین کی طرف سے مطمئن ہو کر میں تنہا وندھیا چل کے طویل پہاڑی سلسلے کی طرف چل پڑا۔ کیلاش ناتھ نے جو تفصیل بتائی تھی اس کے مطابق مجھے ناگپور سے پہاڑوں پر پیدل سفر کر کے اسی میل چلنا تھا جہاں ہندو پنڈت، سادھو اور پجاری تپسیا کے لئے جایا کرتے تھے۔

ناگپور کا سفر میں نے ریل کے ذریعے طے کیا اور وہاں سے سرسبز پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ تبت میں رہ کر میں پہاڑی زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔ یہاں بھی دشوار گزار راستے تھے، گھاٹیاں اور پیچ دار پگڈنڈیاں تھیں۔ پہاڑ پر سفر کرنا ایک دقت طلب کام ہے۔ سانس پھولنے لگتا ہے۔ میں دس میل تک کہیں رکے بغیر چلتا رہا اور وہیں مجھے ہندوؤں کا ایک آشرم نظر آیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ آبادی بہت مختصر تھی۔ بڑے سکون کی جگہ تھی۔ ہر طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ صاف وشفاف پانی کا چشمہ رواں تھا۔ میں آشرم کے چبوترے پر ستانے کے لئے بیٹھ گیا اور میں نے ایک جگادری پنڈت سے جس کا سر پھٹا ہوا تھا، نالکھ آشرم کے متعلق پوچھا۔

میرے سوال پر اس کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک ہو گئیں اور پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''تو وہاں کیوں جانا چاہتا ہے؟'' اس نے تندی سے پوچھا۔

''میں اس دھارمک پوتر استھان کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے وہاں بڑے گیانی پنڈت سادھو موجود ہیں۔'' میں نے اپنے اشتیاق کا اظہار کیا۔

''پر بالک وہ عام لوگوں کا استھان نہیں ہے۔ وہاں وہی منش جا سکتا ہے جسے کالی کا آشیر باد پراپت ہو اور جس نے سنسار ٹھکرا دیا ہو۔''

''میں تو ایک یاتری ہوں مہاراج، ان مہاپُرشوں کے درشن کروں گا تو مکتی ہو جائے گی۔ میں میلوں پیدل چل کے آ رہا ہوں۔ مجھے نراش مت کیجئے۔'' میں نے اس سے درخواست کی۔

''نہیں۔ نہیں۔ بالکل نہیں، تو وہاں جا کر ان مہاپُرشوں کی تپسیا میں انگل ڈالے گا۔ یہ گنیش جی کا استھان ہے۔ جب تک کوئی پجاری ایک سال کی گنیش پوجا نہیں کر لیتا، آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ نالکھ آشرم

کا دروازہ ہے پاگل۔'' پنڈت نے مجھے جھڑک دیا۔

''مہاراج! میں تو جانے کے ارادے سے آیا ہوں۔''

''اے منش، کیا تیرا دماغ ٹھیک ہے؟'' پنڈت نے نفرت سے کہا۔ ''تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟''

''مہاراج! نام وام چھوڑیئے۔ میرا کوئی بھی نام ہو میں جس ارادے سے آیا ہوں، اسے پورا کر کے ہی جاؤں گا۔ میں ایک سال تک گنیش پوجا کے لئے نہیں رک سکتا۔''

''تو ریت کے خلاف کیسے چل سکتا ہے؟''

''میں گنیش جی سے شما چاہ لوں گا۔''

''شما چاہے گا؟'' پنڈت نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا جیسے وہ کھا جائے گا۔ میں نے اسے راضی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' وہ بولا۔ ''نہ نہ...... نالکھ آشرم میں جانے والا ہر مہاپرش یہاں سے گزر کر جاتا ہے۔ میں تجھے وہاں جانے سے روک دوں گا۔ میں پاپ نہیں کر سکتا۔''

اسی اثناء میں وہاں کئی پنڈت اور پجاری جمع ہو گئے۔ انہوں نے مجھے نرمی اور سختی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ میں نے ان سب کو ٹٹولا، وہ میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے تھے اس لیے میں اٹھا اور نالکھ آشرم کی سمت چل پڑا۔

''تو ریت کے خلاف کر رہا ہے۔ رک جا، گنیش کی پوجا کیے بغیر آگے چل دیا مورکھ۔''

اور پھر ایک ساتھ کئی پنڈتوں پجاریوں نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ بڑا پنڈت جو سب سے پہلے مجھ سے مخاطب ہوا تھا، الگ کھڑا تھا۔ میں نے مچل کر زور آزمائی کی تو انہوں نے مجھے اور سختی سے پکڑ لیا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے آزاد کرایا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں وہ سب زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ اندر چھپی ہوئی نفرت تھی کہ میں نے بڑے پنڈت کی گردن میں لٹکی ہوئی مالا کھینچ کر اس کے دانے زمین پر پھینک دیئے اور اس کے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اتنی شدت کیوں اختیار کی۔ لمحے بھر میں بڑا پنڈت میرے ایک عمل سے زمین پر گر چکا تھا اور اس کے چیلے اسے سنبھالنے کے لئے اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ سب کن انکھیوں سے مجھے دیکھتے جاتے تھے۔ آخر ان میں سے ایک بولا۔ ''تم جا سکتے ہو، پر اس اپمان کی تمہیں کڑی سزا بھگتنی پڑے گی۔''

میں نے جانے کے بجائے ان سے پانی مانگا۔ ایک چیلا لٹیا لیے ہوئے میرے قریب آیا۔ میں پانی پی کر ان پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا ہوا اپنے راستے پر چل پڑا۔ پھر میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ میرے سامنے ایک لمبا راستہ پڑا تھا۔

چلتے چلتے رات ہو گئی۔ کہیں کہیں کوئی چھوٹی آبادی نظر آ جاتی تھی۔ تا حد نظر درختوں کی قطاریں

تھیں۔ رات تک میں نے آدھا فاصلہ طے کرلیا تھا۔ رات کو سونے کے لئے مناسب، کارگر اور محفوظ طریقہ یہی تھا کہ میں مراقبے میں ڈوب جاؤں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا اور رات گزار دی۔

☆......☆......☆

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں نے سفر شروع کر دیا۔ ڈھلوان اور اونچائی کے راستوں پر چلتے ہوئے کتنے ہی خیالات نے ذہن پر قبضہ جمایا۔ میں نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور مجھے ان پر ترس آ گیا۔ یہ کب تک میرا ساتھ دیتے رہیں گے؟ کب تک میرے جسم کا بوجھ سنبھالے رہیں گے؟ اس وقت میرے جی میں آئی، میں آئینے میں اپنی شکل دیکھوں کہ میں خود کو کیسا لگتا ہوں؟ بہت سے لوگ میرے ذہن کے دریچوں میں جھانکتے رہے۔ کسی کا چہرہ مغموم تھا۔ کوئی مجھ سے شاکی تھا، کسی کے چہرے پر نفرت تھی۔ کوئی حسرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ انہی بھولے بسرے لوگوں میں جین اور سارا کے چہرے نظروں کے سامنے آ گئے۔ جرمنی میں جین کے ساتھ جو لمحات گزارے تھے، وہ مجھے ستانے لگے اور میں نے اپنی موجودہ کیفیت کا تعین کرنے کے لئے زور زور سے قدم زمین پر مارے۔ جین کا تصور، اس کا خوش اندام ہیولا، جسم و جاں میں ایک بجلی بن کر چمکا۔ مجھے اپنے آپ پر حیرت ہوئی، اتنے دنوں تک نفس کا کوئی غلبہ مجھ پر نہیں ہوا تھا۔ جین یہاں ان پہاڑیوں میں میرے ساتھ ہوتی تو وہ یہیں بسیرا کر لیتی۔ پُراسرار ہندوستان کے متعلق بڑی دلچسپی سے باتیں کرتی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے بھولی نہیں ہوگی۔ میرے نقش اتنے ہلکے نہیں ہوتے کہ آسانی سے مٹ جائیں۔ اس سے ملنے کے لئے دل بے قرار ہونے لگا مگر لندن جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ وہ تو ایک خواب تھا۔ انکا نے زندگی کے کتنے رنگ دکھائے۔ کیسے کیسے لوگوں سے رابطہ پیدا ہوا، کیسے کیسے لوگ بچھڑ گئے۔ ان جھرنوں اور سرسبز وادیوں کے حسن نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ وقت تیزی سے کٹ گیا۔ دور ایک وادی میں پرانے طرز کی کٹیاؤں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ میں نے رفتار تیز کر دی۔ جب میں قریب پہنچا تو جنگل اور گہرا ہو گیا تھا۔ قدم قدم پر مختلف دیوتاؤں کی مورتیاں درختوں کے تنے کاٹ کر ان میں سجائی گئی تھیں۔ میں چلا جا رہا تھا کہ حیرت انگیز طور پر یکایک مجھے انکا کے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس ہوئی۔ ''جمیل!'' اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔

مجھے اس کے طرز تخاطب پر تعجب ہوا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کی شکل دیکھی۔ وہ کچھ مضطرب سی تھی۔ ''جمیل! ایک خوشخبری سناؤں؟ پنڈت ہرچرن نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ اب میں تمہارے پاس آ گئی ہوں۔''

''مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ڈپٹ کے کہا۔

''جھوٹ......تو تم ناراض ہو؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

''تم کتنی ہو۔ جاؤ ہرچرن کے پاس واپس جاؤ۔ اس سے کہو کہ میں عطیے قبول نہیں کیا کرتا۔'' میں نے اسے جھڑک دیا۔

''اب وہ مجھے واپس نہیں لے گا کیونکہ وہ تم سے خوف زدہ ہے۔''

''مجھ سے؟'' میں نے کچھ سوچ کر کہا اور آگے بڑھتا رہا۔

''ہاں تم سے! جب اس نے مجھے آزاد کر دیا تو میں سیدھی تمہارے پاس چلی آئی۔ میں نے سوچا تم تنہا سفر کر رہے ہو گے۔''

''تم مجھے ورغلانے اور زک پہنچانے آ گئیں؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''فوراً واپس چلی جاؤ۔ ہرچرن کمینے سے کہنا، جمیل احمد خان کو سمجھنے کے لئے اسے عمر بھر تپسیا کرنی ہوگی۔''

''جمیل! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو، میں تو......''

میں نے چیخ کر کہا۔ ''انکا چلی جاؤ ورنہ میں آنند لال کا خیال ترک کر کے تمہارے آقا ہرچرن کے پاس چلا جاؤں گا اور یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

''میں تو تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔'' انکا نے شاطرانہ انداز میں کہا۔

''تم اپنے آقا کے لئے مجھے اور نفرت دلانے آئی تھیں۔ میں کہتا ہوں میرا سر چھوڑ دو۔ تمہاری شرارت اور عیاری مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اب تمہارا کوئی حربہ مجھے میرے راستے سے نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے بے نیاز ہونے اور تمہیں بے اثر کرنے کے لئے کئی سال ضائع کیے ہیں۔''

انکا نے مجھے اپنی ہمدردی کا یقین دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ میری شدید نفرت، غیظ و غضب اور اشتعال انگیز رویہ دیکھ کر اسے واپس جانا پڑا۔ ہرچرن کی اس مکاری پر میرا دماغ بھنا گیا تھا۔ انکا میرے لیے اس حد تک جا سکتی ہے؟ مگر اس کے اختیار میں کیا ہے؟ وہ تو ایک کھلونا ہے۔ وہ مجھے بہکانے آئی تھی، ناکام واپس چلی گئی۔ گویا ہرچرن میری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

میں نے اور محتاط ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ وہ علاقہ میرے تصور سے زیادہ حسین تھا۔ میں حیرت سے وہ مناظر دیکھتا جاتا تھا۔ دل میں ایک طوفان بپا تھا۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر میں نے اِدھر اُدھر جھانک کر دیکھا۔ کوئی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نہایت آسانی سے اس خوب صورت وادی میں اتر گیا جس کے وسط میں سیاہ پتھروں کی بنی ہوئی ایک نہایت شاندار عمارت موجود تھی۔ جس کے ستون در و دیوار، کلس تمام کے تمام مورتیوں سے منقش کیے گئے تھے۔ یہ جگہ بڑے بڑے سادھوؤں کا مسکن تھی اور صرف انہی کے لئے مخصوص تیرتھ استھان۔ ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر میں نے آنند لال کی موجودگی کے تعین کے لئے درخت سے ٹہنیاں توڑ کر انہیں اِدھر اُدھر بکھیر دیا مگر میرا یہ عمل سودمند ثابت نہیں ہوا۔

Downloaded from Paksociety.com

کوئی اس کٹیا پر خشک ہو کر جل جاتی تو وہاں آنندلال موجود ہوتا۔ ذہنی زیادہ دور تک جا ہی نہیں سکتی تھی اور ہر کٹیا پر عمل اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے دور و نزدیک کچھ پتھر پھینکے۔ میرا عمل ابھی جاری تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرا ہاتھ روک دیا۔ وہ ایک خمیدہ کمر، دراز ریش بوڑھا تھا۔ داڑھی نے اس کے چہرے کا بڑا حصہ چھپا لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سکون کی کیفیت تھی۔ اس نے مجھے اور میں نے اسے تمام تر دلچسپی اور دلجمعی سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ میں زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آیا۔ میں نے طنز سے اسے مخاطب کیا۔ ''پرنام مہاراج! شاید تم میرے یہاں آنے کا مقصد جانتے ہو گے؟''

وہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''میں آنندلال کے سلسلے میں آیا ہوں۔''
وہ پھر بھی خاموش رہا۔ میرے لہجے میں تیز و تندی آ گئی۔ ''مجھے تم کوئی بلوان اور شکتی والے سادھو دکھائی پڑتے ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہارا ناتا سنسار سے ٹوٹ چکا ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ میں اس پاپی سنسار میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے گیان دھیان میں مزہ آتا ہے۔ جب میں سنسار کے سارے وچاروں سے دور ہو کر کسی کونے میں بیٹھ جاتا ہوں اور اپنی آنکھیں ایک طرف لگا لیتا ہوں تو مجھے اپنے اندر روشنیاں نظر آتی ہیں۔ میرا وزن کم ہو جاتا ہے۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں لیکن جب بھی میں نے شانتی سے جیون بتانے کا پریتن (ارادہ) کیا، تمہارے پنڈتوں پجاریوں نے مجھے نراش کیا۔ میرے متر آنند لال کو ستیہ کہنے کی سزا ملی۔ وہ اب تمہاری قید میں ہے اور تمہارے وہ پنڈت پجاری چین کی بنسی بجا رہے ہیں جو دھرم کے نام پر بٹا لگا رہے ہیں۔''

میں نے مزید کہا۔ ''سادھو مہاراج! تم اسے میرے حوالے کرو۔ میں نے اسی لیے یہ ساری باتیں تمہیں سنائی ہیں کہ تم دھیرج رکھ کر شانتی سے میری پراتھنا پر غور کرو اور اس سے پہلے کہ میرے تمہارے بیچ کوئی کڑوی بات پیدا ہو جائے، تم آنندلال کو میرے ساتھ کر دو۔''

وہ میرا چہرہ دیکھتا اور میری باتیں سنتا رہا پھر پہلی بار گمبھیر آواز میں بولا۔ ''آؤ میری کٹیا میں آؤ۔''
''کیا میں خود کو تمہارا مہمان سمجھوں؟'' میں نے پوچھا۔
''ہاں۔ آؤ...... میرے ساتھ آؤ۔''

میں اس کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ ہم ہموار زمین پر آ چکے تھے۔ اتنی عمر کے باوجود بوڑھے سادھو کے قدموں میں تیزی تھی۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ میدان میں مجھے کئی اور بوڑھے سادھو بھی نظر آئے جن کی عمریں سو کے لگ بھگ یا اس سے متجاوز ہوں گی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ مندر کے احاطے میں خوب صورت پجارنیں اور داسیاں، بہت مختصر لباس پہنے، ادھر اُدھر پھر رہی تھیں ... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

سادھوؤں کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ میرے ساتھ آنے والے سادھو کو انہوں نے جھک کر پرنام کیا۔ سادھو نے ایک ادائے بے نیازی سے پلکیں جھپکائیں۔ یہاں نوجوان لڑکیاں، عورتیں اور بوڑھے سادھو ہی نظر آتے تھے۔ کوئی بچہ اور نوجوان شخص موجود نہیں تھا۔ بوڑھا سادھو میرے آگے آگے چل رہا تھا اور میں ایک جوش، ایک عزم کے ساتھ اس کی تقلید کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنی چھوٹی سی کٹیا میں لے آیا۔ یہاں ایک چٹائی تھی۔ مٹی کا لوٹا تھا اور کھونٹیوں پر لباس ٹنگا ہوا تھا۔ کٹیا کا اندرونی حصہ صاف تھا۔ ایک بڑی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور پوری کٹیا اونچے درختوں نے گھیر رکھی تھی۔ بوڑھے سادھو نے مجھے چٹائی پر بٹھا دیا۔ میں نے کہا۔ ''تمہاری ہمدردی کا شکریہ، پر میرے پاس سمے زیادہ نہیں ہے۔ میں آنندلال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کچھ کھا پی لو، تم تھک گئے ہو گے۔'' اس نے نرمی سے کہا۔
''میں تھک جاتا تو مر جاتا۔ اسّی میل کا پیدل سفر میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔'' میں نے کہا۔

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس عرصے میں ایک خوب صورت دیوداسی اندر آ گئی۔ اس نے میرے سامنے پانی اور پتوں سے ابلی ہوئی سبزیاں رکھ دیں۔ جب وہ میرے سامنے جھکی تو اس کی گداز، سرخ بانہوں پر میری نظر پڑی۔ اس کا چہرہ اتنا ملیح تھا اور نقش و نگار اتنے نازک تھے کہ میرے کئی لمحے اسے دیکھنے میں صرف ہو گئے پھر میں سنبھلا اور میں نے سادھو کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اٹھا تو سادھو آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن تھا۔ دیوداسی وہاں سے کھانا اٹھا کر لے گئی۔ کٹیا سے باہر آ کر میں نے اِدھر اُدھر گھومنا شروع کیا اور گھومتے گھومتے مندر میں پہنچ گیا۔ مندر میں مجھے کسی نے نہیں روکا۔ نہ کسی نے کوئی بات کی۔ میں وسطی کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں سنہری مورتیاں نصب تھیں اور دیوداسیاں آرتی اتار رہی تھیں۔ مندر میں کوئی سادھو نہیں تھا۔ صرف لڑکیاں تھیں، میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی تمام باطنی قوتیں بیدار رکھی تھیں۔ ویسے مجھے یہ جگہ پسند آئی تھی اس لیے کہ یہاں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ مورتیوں، درختوں اور انسانوں کی اس مختصر آبادی کا یہ علاقہ گھومنے میں مجھے صرف ایک گھنٹا لگا۔ اس عرصے میں، میں نے یہ یقین کر لیا کہ آنندلال یہاں کہیں نہیں ہے۔

جب میں واپس کٹیا میں پہنچا تو سادھو جاپ ختم کر چکا تھا۔ میں نے صاف لہجے میں اس سے دوٹوک گفتگو کرنا چاہی۔

میں نے کہا۔ ''آنندلال کے بارے میں، میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔''
''وہ یہاں نہیں ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔
''لیکن، وہ کہیں قریب ہی ہے اور وہ جگہ تمہیں معلوم ہے۔''

"تمہارا خیال صحیح ہے۔"

"پھر مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں یہاں یاترا کے لئے نہیں آیا۔"

"پرنتو استھان تمہیں پسند ہے۔ یہاں من اجلا رہتا ہے۔ تم اب سنسار واپس نہ لوٹو۔ ہمارے ساتھ رہو۔" سادھو نے شفقت سے مجھے سمجھایا۔ "آنند لال کی کیوں چنتا کرتے ہو؟ اس مورکھ کی مت ماری گئی ہے۔ پنڈتوں نے اسے من کی صفائی کے لئے یہاں بھیج دیا ہے، پر اس کا من صاف نہیں ہوا۔"

"اس کا من اب صاف نہیں ہوگا اور میں یہ جگہ پسند کرنے کے باوجود یہاں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اب میں اپنا راستہ خود منتخب کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں سوچنے کا اوسر (موقع) دیتا ہوں۔" اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے اس کے اس جملے پر سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے میں برافروختہ ہوتا۔ "میں سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیوتاؤں کا استھان ہے۔ یہاں آنے کے لئے بڑی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم یہاں آ گئے ہو تو یہ تمہارے لیے مان کی بات ہے۔ پنڈت، پجاری یہاں آنے کے لئے سارے جیون آشا لگاتے ہیں اور بہت کم یہاں آ پاتے ہیں۔ تم یہاں آ کر واپس جا رہے ہو؟"

"مجھے ابھی سنسار میں کچھ جھگڑے نمٹانے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ دوں گا تو ہر استھان پر بیاکل رہوں گا۔"

"پرنتو تمہیں اوسر ضرور دوں گا، تم ابھی بالک ہو۔"

"میں کوئی اوسر نہیں لینا چاہتا۔ تم سے جو کہہ دیا، وہ اٹل ہے۔"

"آنند لال تمہارا متر بھی یہیں رہے گا۔"

"اگر وہ یہاں رہنے پر تیار ہے تو میں اسے نہیں لے جاؤں گا لیکن میں اسے کشٹ میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

"ابھی تم یہاں ٹھہرو۔ پھر تم فیصلہ بدل دو گے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا لیکن وہ بستی میں چلا گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا اور میں نے دور سے اسے آواز دی۔ "سادھو مہاراج! میں تمہارا مہمان نہیں ہوں۔"

میری آواز شاید اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ اتنی آسانی سے یہاں آنند لال سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ میں ان سارے بوڑھوں سے لڑائی مول نہیں لے سکتا۔ تو پھر کیا میں نے یہاں آ کر حماقت کی ہے؟ نہیں، میں آنند لال کا کھوج لگاؤں گا، یہ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے تو میں بھی ان کی بستی کا سکون درہم برہم کر دوں گا۔ میں اپنی تمام شکتیاں استعمال کروں گا۔ بوڑھے

سادھو کی سرد مہری نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہ مجھے ٹال رہا ہے۔ میں نے اسی وقت وہ بستی چھوڑ دی اور خود آنند لال کا سراغ لگانے کے لئے گردونواح میں گھومنے لگا۔ شام تک میں کئی میلوں دور پہنچ گیا اور رات کو بھی سفر کرتا رہا لیکن آنند لال کا نشان کہیں نہ ملا۔ دوسرے دن بھی میں دن بھر گھومتا رہا اور تھک ہار کر دوبارہ رشی منیوں اور سادھوؤں کی بستی میں پہنچ گیا۔ اس بوڑھے سادھو کا نام شنکر تھا۔ میں سیدھا اس کی کٹیا میں پہنچا۔ اس نے میرے واپس آنے پر کسی غم و غصے یا مسرت کا اظہار نہیں کیا۔ فوراً میرے سامنے ایک دیوداسی نے کھانا پروس دیا اور میں نے کوئی لفظ ادا کیے بغیر کھانا زہر مار کر لیا۔

بوڑھا سادھو جب کٹیا سے چلا تو میں نے ایک دیوداسی کو جبراً روک لیا مگر جب میں نے اس سے سوالات کیے تو وہ مجھے کسی بات کا جواب نہ دے سکی کیوں کہ وہ گونگی تھی۔ سادھو شنکر جانے سے پہلے اپنا کام کر گیا تھا۔ میں نے دیوداسی کی گویائی واپس لانے کی کوشش کی۔ اسے زبردستی پکڑ کر میں نے اس کی کمر میں ایک ضرب لگائی۔ چیخ سے اس کا منہ کھلا تو میں نے اپنی انگلی اس کے منہ میں رکھ دی۔ اس نے زور سے انگلی کاٹ لی لیکن میں اپنا عمل کرتا رہا تا آنکہ وہ بولی۔ "مجھے چھوڑ دو...... مجھے چھوڑ دو۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"ایک شرط پر۔ تم مجھے بتاؤ کہ یہاں آنند لال کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"میں ابھی تمہارا سندر بدن سیاہ کر دوں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ چیخی۔ "مہاراج مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

میں نے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ وہ درد سے بلبلا کر چیخی۔ اسی اثنا میں سادھو کی گرج دار آواز آئی۔ "اسے چھوڑ دو جمیل احمد خان!"

"نہیں سادھو مہاراج! میں اسے ختم کر دوں گا۔ تم جانتے ہو، میں اسے ختم کر دوں گا۔ اس کی کلائی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اسے بچانا چاہتے ہو تو بتاؤ آنند لال کون سے استھان میں قید ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اور زور سے اس کی کلائی مروڑ دی۔ وہ درد سے دہری ہو گئی۔

سادھو شنکر کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ میں نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔

"جمیل احمد خان!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میری بات مان لو، اس سندری کو چھوڑ دو۔ مہاپُرش ناریوں پر اتیاچار نہیں کرتے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تم دیوتاؤں کے شاسن (نظام) میں بگاڑ کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ آنند لال یہاں سے کچھ ہی دور دیوتاؤں کے چرنوں میں ہے تم وہاں نہیں جا سکتے۔"

"سادھو شنکر! تعجب ہے تم یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں ہر صورت میں وہاں جاؤں گا اور اپنے دوست آنند لال کو رہا کرا کے رہوں گا۔ تمہارے اندر بھوشیہ (مستقبل) میں جھانکنے کی شکتی پیدا نہیں ہوئی؟" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

اس نے ایک جھرجھری سی لی اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "تم یہ بات جانتے ہو کہ اتنی شکتیوں کے بعد بھی تم اس استھان کا پتا چلانے میں ناکام ہو گئے ہو جہاں آنند لال موجود ہے۔ اس پر بھی تم وہاں جانا چاہتے ہو، مجھے تمہاری شکتی پر شک ہوتا ہے۔"

اس کی چبھتی ہوئی بات میرے دل کو لگ گئی۔ پریم کے گھر سے جدا ہونے اور آنند کی تلاش میں یہاں تک آنے کے سارے سفر کے دوران میں، میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ میں کسی طرح اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے مراقبے کیے تھے اور اپنی تمام خفیہ صلاحیتیں بروئے کار لایا تھا مگر سب بے سود ثابت ہوا تھا۔ سادھو شنکر کا طنز میرے دل میں اتر گیا۔ میں اسے کوئی ٹھوس جواب دے کر قائل نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے زچ ہو کر دیوداسی کی کلائی اور زیادہ زور سے مروڑ دی۔ وہ بلبلا کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی انگلیاں رکھ دیں۔

"نہیں، نہیں۔" سادھو شنکر چلایا۔ "یہ نردوش ہے۔"

لیکن دیوداسی کا حسین بدن ایک لمحے کے ارتعاش کے بعد ساکت ہو گیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔ سادھو شنکر نے حیرت بھری نظروں سے اس کا بے جان بدن دیکھا اور کرب ناک آواز میں بولا۔ "تم نے اسے مار دیا۔"

"میں نے؟" میں نے طنزاً کہا۔ "میں نے اسے مارا ہے؟"

سادھو شنکر مبہوت کھڑا تھا۔ وہ کبھی مجھے اور کبھی دیوداسی کو دیکھتا۔ اس کے لب ہلتے اور وہ کسمسا کر پہلو بدلتا۔ کچھ دیر تک اس پر یہی اضطرابی کیفیت طاری رہی۔ میں نے وندھیا چل کے اس دور افتادہ بڑے دھارمک استھان میں سادھوؤں، رشی منیوں کی موجودگی کے باوجود ان کی ایک دیوداسی کے بوجھ سے زمین کو آزاد کر دیا تھا۔

"اب تمہارا کیا وچار ہے؟" میں نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

"سندری ختم ہو گئی۔" وہ تاسف سے بولا۔ "اور میں نے اسے ختم ہو جانے دیا۔ تم اب بھی پوچھتے ہو کہ میرا وچار کیا ہے؟"

"ہونہہ!" میں جز بز ہو کر بولا۔ "جو میں نہیں چاہتا شاید تمہیں وہی پسند ہے، سادھو شنکر! میں تمہارا یہ دھارمک استھان، یا سادھو، یہ رشی منی، یہ مندر، یہ دیوداسیاں، میں ان سب کو نشٹ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں آخری آدمی تک یہاں موجود رہوں گا۔ تم چاہو تو اس آگ پر

پانی ڈال دو، آنند لال یہاں سے چلا جائے گا تو اس پوترا استھان کی مہانتا میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ مجھے اگر یہاں رہنے پر مجبور کیا گیا تو پتا نہیں کیا ہو جائے۔"

"تم سے کوئی کیا بات کرے کیونکہ تمہاری زبان تمہارے منہ میں نہیں ہے۔" اس بار شنکر کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں، مجھے تمہاری خاموشی یا تمہاری رائے پسند ہے۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"جمیل احمد خان! میں ایک سادھو ہوں۔ میں نے سنسار اور اس کے لوگوں سے بھاگ کر یہاں پناہ لی ہے۔ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا اور یہاں کا کوئی شخص کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ تم اپنا سمے برباد کر رہے ہو۔" پھر وہ خلاف توقع نرمی سے بولا۔ "میں تم سے پھر کہتا ہوں، یہاں سے واپس جانے کا کیوں خیال کرتے ہو۔ اس استھان تک پہنچنے کے لئے منش کیا کیا جتن کرتا ہے۔"

سادھو شنکر کی نرمی اور تحمل پر مجھے حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ میں کچھ بات کرتا تھا، وہ کچھ جواب دیتا تھا۔ میں نے اسے نرم و گرم لہجے میں کئی بار دھمکیاں دیں۔ دیوداسی کو مارنے سے بڑی دھمکی اور کیا ہو سکتی تھی؟ وہ میری گزشتہ زندگی کے واقعات خاموشی سے سنتا رہا۔ میرے کارناموں پر اس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ میں اسے بتاتا رہا کہ میں کہاں کہاں سے گزر کے آیا ہوں اور میری طبیعت میں کتنی وحشت ہے۔ میں کتنا جذباتی اور ضدی آدمی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اب مجھ میں تاب انتظار نہیں ہے، اس لیے کہ وقت بہت گزر چکا ہے۔ سادھو شنکر کے استھان کی دنیا ہی الگ تھی، بیرونی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وقت جا رہا ہے تو جانے دیجئے، دنیا میں طوفان بپا ہے تو ہونے دیجئے، انہیں باہر کی دنیا کی صرف زبان آتی تھی، چنانچہ وہ ان جذبات سے بھی عاری ہو گئے تھے جو دنیاوی لوگوں سے متعلق ہیں۔ میں خود بھی اس کیفیت کا تجربہ کر چکا تھا۔ میں بھی مراقبہ کر کے عارضی طور پر دنیا سے رشتہ توڑ لیتا تھا۔ شنکر کے انکار اور اس کی سرد مہری پر میرا اشتعال بڑھتا گیا اور میں نے اسے اکسانے کے لیے اس کی ذات پر رکیک حملے کیے۔ وہ میری زبان کے نشتر سہتا رہا اور جب اس نے کٹیا سے باہر جانے کا قصد کیا تو میں نے کھڑے ہو کر اس کا شانہ پکڑ لیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا شانہ تو چھڑا لیا لیکن آگے قدم نہ بڑھا سکا۔ میں اس کے راستے میں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجھے ہٹاتے ہوئے راستہ بنانے کا ارادہ کیا۔ میں نے آخری بار درشت لہجے میں اسے تنبیہ کی۔ وہ برہم ہو گیا۔

"مجھ سے مت الجھو جمیل احمد خان!" آخر وہ جھلا کر بولا۔

"مجھے تمہیں رخصت کر کے افسوس ہو گا۔" میں نے سنگ دلی سے کہا۔

"آہ! یہ استھان، اے بھولے منش، یہاں تم بہت کچھ سیکھ سکتے ہو، تمہاری سمجھ میں اس سے کوئی بات نہیں آئے گی۔ تمہیں شانتی کی ضرورت ہے، میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں بھگوان سے تمہاری مکتی کے لئے پرارتھنا کرنا چاہتا ہوں، میں نالدا گھاٹی پر ڈیرا جماؤں گا اور تمہارے من کی شانتی کے لئے ایک جاپ کروں گا۔"

وہ یہ کہہ کر بڑھنے لگا تو میرا دایاں ہاتھ پوری قوت کے ساتھ خود بخود اٹھ گیا۔ سادھو شنکر کسی دیوار کی طرح دھڑام سے زمین پر جاگرا۔ میں نے اس وقفے میں، اس سے پہلے کہ وہ کوئی عمل کرتا، اپنی خواہش میں استقامت پیدا کی۔ میں نے اس پر سوار ہو کر اس کا گلا دبوچنا چاہا۔ کسی طویل جنگ کے بجائے میں نے اسے ایک ہی حملے میں ہلاک کر دینے کی ٹھان لی۔ اپنی انگلی اٹھا کر جب میں نے اس کے جسم سے مس کی تو وہ سادھو کے جسم میں گڑ کر رہ گئی اور مجھے اچانک احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر تک میری ہرزہ سرائی اتنے سکون سے کیسے برداشت کرتا رہا۔ اگر میں اس کی اور اپنی تپسیا کا مقابلہ کرتا تو اس کا پلڑا بھاری پڑتا لیکن مجھے بھی کچھ غیر معمولی حالات میں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا؟ میرا استاد نندا تھا۔ وہ یقیناً کالی کے تہ خانے میں قید نہیں ہوا تھا۔ میں نے کسی مشقت اور اذیت کے بغیر اپنی خفیہ قوتیں پیدا کی تھیں۔ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے سادھو شنکر کے ماتھے پر خراش آگئی تھی۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے وحشیانہ طریقے سے ایک لات اس کے منہ پر رسید کی۔ سادھو شنکر کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ، کوئی معمولی سی چیخ بھی بلند نہیں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ زمین پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ زمین کرید کر اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھانے کی فکر میں ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا۔ "سادھو شنکر!" میں نے سخت طیش کے عالم میں کہا۔ "تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں کوئی منش نہیں ہوں، میں جمیل احمد خان ہوں۔"

سادھو شنکر نے ایک ناقابل فہم، حسرت ناک نظر سے، ایک ایسی نظر سے مجھے دیکھا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے رکتے ہوئے سانس کے درمیان کہا۔ "جمیل احمد خان! مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ بھگوان تمہارا ہردے شانت کرے۔"

"تمہاری کوئی بات میرے ارادے میں مانع نہیں ہو سکتی۔"

میں نے اپنے جسم کا پورا زور ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب کچھ بھی ہو، جو میرے آگے آنے کی کوشش کرے گا، اس کا حشر تم جیسا ہو گا۔ تم نے اچھا کیا کہ اپنے لیے ایک شریفانہ موت منتخب کر لی۔ اگر تم ہاتھ پاؤں چلاتے تو تمہارا جسم اب تک راکھ میں تبدیل ہو گیا ہوتا اور تمہاری آخری رسوم بھی انجام نہ دی جا سکتیں۔"

مجھے معلوم نہیں کہ سادھو شنکر نے دوسرے ہاتھ سے کس طرح زمین کی مٹھی اٹھائی اور اسے اپنے منہ

کی طرف لے جا کے پھونک مار کر میری طرف اڑا دیا۔ مٹی کا زمین پر اڑنا تھا کہ کٹیا میں چاروں طرف ریت کے ذرے رقص کرنے لگے اور ان کی رفتار لمحوں میں ایسی تیز اور شدید ہو گئی کہ ریت اڑ کر جسم چھیدنے اور آنکھوں میں گھسنے لگی۔ ساری کٹیا ریت میں اٹ گئی۔ قریب کی چیز بھی نظر آنی مشکل ہو گئی۔ میں نے دھول اور خاک کی وہ یلغار روکنے کے لئے سادھو کے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ وہ پہلے ہی نیم جاں تھا۔ میری ضرب سے رہے سہے اوسان بھی کھو بیٹھا۔ میں اسے کوئی اور وار کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس کے چہرے کی کیفیت نہیں دیکھ سکا اس لیے کہ ریت نے ہر چیز دھندلی کر دی تھی۔ اندھیرا سا پھیل گیا تھا۔ آنکھیں کھولنا دشوار ہو گیا تھا۔ خاک نتھنوں میں گھسی جاتی تھی، سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اس ناگہانی آفت کا تدارک کرنے کے لئے میں نے کیا کیا ہو گا؟ میں نے کیا نہیں کیا؟ میں نے پھونکیں مار کر دھول اڑانے کی کوشش کی، اپنی انگلی سے اسے کاٹنے اور سادھو کے خون میں جذب کرنے کی کوشش کی، پھر خیال آیا کہ مجھے فوراً کٹیا چھوڑ کر باہر چلے جانا چاہیے لیکن اس طرح بھاگنا مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔ میں نے سادھو شنکر کے جسم پر زور زور سے پیر مارنے شروع کر دیے، ریت میرے جسم کے عریاں حصوں میں چیونٹیوں کی طرح چمٹ رہی تھی۔ میں نے اپنی جاتی ہوئی توانائی یکجا کر کے سادھو کو اتنی لاتیں ماریں کہ میرا پیر خون میں لتھڑ گیا۔ جھک کر میں نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھا، اس کا سانس بند ہو چکا تھا لیکن یہ سادھو لوگ حبس دم کے ماہر ہوتے ہیں۔ ممکن تھا کہ اس سخت جان نے سانس روک لی ہو۔ میں نے اس کے منہ پر پے در پے ضربیں لگا کر سانس آنے کا راستہ ہی مسمار کر دیا پھر میں نے اس کا ہلکا جسم اپنے ایک ہاتھ کے سہارے سے بمشکل اٹھایا اور اسے کاندھے پر ڈال کر آنکھیں اور سانس بند کر کے کٹیا سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔ دھول سے سارا راستہ اٹ گیا تھا۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن میں اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر کٹیا سے باہر نکل آیا۔ جب میں باہر آیا تو خنک اور لطیف ہوا نے مجھے گویا دوبارہ زندہ کر دیا۔ میں نے زور زور سے سانسیں لیں اور سادھو کی لاش زمین پر پھینک دی، میری آنکھوں میں خاک اور دھول سے شدید چبھن ہو رہی تھی۔ آستین سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کر کے میں نے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ کئی بوڑھے سادھو میری طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان کے پیچھے دیوداسیاں تھیں۔ میں چوکنا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میرا لباس اور میرے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے تھے، لمبے بال، داڑھی اور وحشت زدہ چہرہ لیے میں اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے مجھے ان کے آنے کا انتظار ہو۔ سادھو شنکر اور دیوداسی نے آنند لال کا استھان بتانے کے بجائے موت قبول کرنے کو ترجیح دی تھی۔

وہاں کے دوسرے سادھو تیز رفتاری سے قریب آگئے اور دیوداسیاں ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے ایک فاصلے پر رک کر مجھے دیکھا اور پھر ان کی نظر سادھو شنکر کی لاش پر پڑی۔

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اتنے بڑے سادھوؤں کی موجودگی اور اس نازک صورت حال کے باوجود میں مستعد اور بے خوف کھڑا تھا۔ یہ خود اعتمادی کی انتہا تھی، ایسی خود اعتمادی خود فریبی کی مد میں آجاتی ہے۔ سادھو شنکر کے قریب جا کر ایک معمر سادھو نے اس کا اوندھا جسم سیدھا کیا اور ایک دیوداسی کو اشارہ کیا جس نے جھجکتے جھجکتے اپنی زرد ساڑی اتار کر سادھو کے جسم پر ڈال دی۔ دیوداسی اپنے عریاں سراپا کے ساتھ شرماتی اور سکڑتی ہوئی پیچھے کی طرف چلی گئی اور وہاں سے نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ سادھوؤں نے سادھو شنکر کی لاش اور میرا خون آلود ہاتھ دیکھنے کے بعد بھی مجھ سے باز پُرس نہیں کی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ چند لمحے گردن جھکائے کھڑے رہے۔ میں ان کے ہر امکانی ردِ عمل کے لئے تیار تھا۔

ان میں سے ایک بوڑھا سادھو لکڑی ٹیک کر آگے بڑھا اور میرے قریب آ کر فخریہ لہجے میں کہنے لگا۔ ”یہ استھان اہنسا کے لئے ہے۔ ہم یہاں اس لیے اکٹھا نہیں ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے بدلہ لیں۔ ہم یہاں بھگتی اور تپسیا کے لئے آئے ہیں۔ تم نے ہمارے ایک بڑے ساتھی کو مار دیا ہے۔ سادھو شنکر کا سمے آ گیا تھا۔ مہاراج جمیل احمد خان! تمہاری شکتی کے بارے میں ہمیں معلوم ہے، پرنتو یہاں دیوتاؤں کے پریمی رہتے ہیں، وہ پجاری جنہوں نے دیوتاؤں کے پاس رہنے کے کارن جگ تیاگ دیا ہے۔ ہمیں اہنسا کی شکشا دی گئی ہے۔“

”اہنسا۔“ میں نے زہر خند سے کہا۔ ”اہنسا کا پرچار کرنے والو! آنند لال پر اتیاچار، نندا کا تم سے بگڑ کر لوٹ جانا۔ تمہارے سادھوؤں پنڈتوں کے بستی بستی ظلم کے افسانے، یہ تمہارا انکا کا فلسفہ، ایک نہتے شخص کو قید خانے میں ڈال کر زندہ مار دینا۔ اس کی بے قصور عورتوں کو مارنا۔ میں تمہیں کتنی لمبی فہرست سناؤں، تم اہنسا کی بات کرتے ہو، مجھے مارو۔ مجھے ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لیکن یہ خیال کر کے ہاتھ اٹھانا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا، یہاں کے کئی سادھو اور دیوداسیاں میرے ساتھ جائیں گی۔“

”جمیل احمد خان مہاراج! تم اس سنسار کی بات کر رہے ہو جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر سنسار اتنا ہی اچھا ہوتا تو ہمیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ بوڑھے سادھو نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ”پر ایک دن انہیں اس کی سزا ملے گی۔“

”لیکن میں اپنے جھگڑے یہیں نمٹا کر جاؤں گا مجھے ابھی دو چار دشٹ لوگوں سے نمٹنا رہ گیا ہے۔ اس بیچ میں جو بھی آیا، اس کا حشر سادھو شنکر کا سا ہوگا۔“ میں نے انہیں خبردار کیا۔

”تم مرتیو (موت) کی بات کرتے ہو جو ہمارے وچار میں جیون کی ایک بدلی ہوئی دشا (حالت) ہے۔“ بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”موت کا غم انہیں ہوتا ہے جنہیں جیون سے پیار ہوتا ہے جمیل احمد خان! کیا تم ابھی تک یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نالکھ آشرم میں نہیں آئے ہو؟ کیا تم ابھی تک بدری نرائن اور اس جیسے پنڈتوں کے استھان پر ہو؟“

”بدری نرائن۔ اس کا نام لے کر کیوں تم میرے زخم تازہ کرتے ہو۔ اے اہنسا کے پرچار، مہاپُرشو! کیا تم بدری نرائن کے کرتوتوں سے واقف نہیں ہو؟ وہ تمہارے سائے میں ہے۔ آنند لال جیسے دھرماتما کو سزا ملتی ہے، بدری نرائن کو ہر جگہ شرن حاصل ہے۔ مندروں میں اسے چھپنے کی آسانی میسر ہے۔ سارے پنڈت پجاری اس بالک کی ہٹ کا مان کرتے ہیں۔ تم کیا چھل کپٹ کی باتیں کر رہے ہو؟ میں نے تمہیں خوب سمجھا اور دیکھا ہے۔ میری بات کا جواب دو، اس استھان پر خون بہتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔“ میں نے ترشی سے کہا۔

”میں تمہیں آنند لال کے استھان کا پتا بتا دوں گا۔“ بوڑھا سادھو گردن جھکا کر بولا۔ ”پر میری ایک بنتی ہے، تم یہاں اگلی پورن ماشی تک ٹھہرو، ہمیں اور ہماری دیوداسیوں کو اپنی سیوا کرنے کا موقع دو۔“ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے سادھوؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ وہ اپنے بزرگ ساتھی کی یقین دہانی پر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ میرے مخاطب نے اپنا ہاتھ اٹھا کر وہ بھنبھناتی ہوئی سرگوشیاں روک دیں۔

”اگلی پورن ماشی کب ہے؟“ میں نے مفاہمت کے لہجے میں کہا۔

”آج سے بائیس روز بعد۔“ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں خود بھی خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے وعدے پر میں بائیس روز تک یہاں رہوں گا۔“

”تم ہمارے مہمان ہو مہاراج!“ بوڑھے نے خوش خلقی سے کہا۔

”مہمان تو میں سادھو شنکر کا بھی تھا۔“ میں نے طنز کیا۔ ”اور سنو، میں صرف اس جگہ جانا چاہتا ہوں۔ جہاں آنند لال اس وقت موجود ہوگا۔“

”یہ ایک سادھو کا وچن ہے۔“ وہ اعتماد سے بولا۔ ”یہاں کچھ زیادہ چیزیں تو نہیں ہیں لیکن دیوداسیاں تمہارے آرام کا پورا خیال رکھیں گی۔ یہ ایک کھلی جگہ ہے، تم کھلے دل سے یہاں رہو۔ کیا تمہیں کسی خاص چیز کی ضرورت ہے؟“

”نہیں ..... میں سکون سے یہ بائیس روز گزارنا چاہتا ہوں۔“

انہوں نے سادھو شنکر کی لاش کے نیچے چند لکڑیاں رکھ کر اسے اٹھالیا اور وہ اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لے گئے۔ میں تنہا رہ گیا۔ انہوں نے اس شخص کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کیا تھا جس نے ان کے ایک ساتھی اور دیوداسی کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ میں اس امر پر غور کر کے اور پریشان ہونا نہیں چاہتا تھا۔ سادھو شنکر کی موت کے بعد میرے ارادوں کی پختگی کا انہیں یقین آ گیا ہوگا۔ میں کوئی بھی جواز پیش کروں لیکن سب سے بڑا جواز تو یہ ہے جو میرے اس طویل سفر کے نشیب و

Downloaded from Paksociety.com

فراز کا حامل ہے۔ میں نالکھ آشرم جیسے تیرتھ استھان میں اپنی وحشتوں کے اظہار کے باوجود ان کا ایک معزز مہمان تھا۔ سادھو بلرام زیادہ معاملہ فہم شخص معلوم ہوتا تھا۔ وہ شنکر کا جانشین بن کر سامنے آیا تھا۔ اس نے شاید اپنے ساتھیوں کو آمادہ کرنے کے لئے بائیس روز کی مدت مانگی تھی یا پھر اسے پوجا اور تپسیا، قربانی اور ایثار کر کے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے مدت درکار تھی۔ کوئی شخص بھی ایسے غیر معمولی واقعے کے بعد یہ سوچنے میں حق بجانب ہوتا کہ وہ اس مطلوبہ مدت میں کسی ریاکاری کا مظاہرہ کریں گے مگر میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں کوندا۔ نہ جانے کیوں میں اپنی جگہ مطمئن تھا کہ وہ میرے ساتھ فریب نہیں کریں گے چنانچہ میں نے اس جگہ ٹھہرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

رات کو سادھو بلرام اور اس کے چند ساتھی خوان سجائے میرے پاس آئے اور انہوں نے اپنے سامنے مجھے کھانا کھلایا۔ دیوداسیوں نے میرے ہاتھ دھلائے۔ ہمارے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی۔ کھانا کھلا کر وہ چلے گئے اور دیوداسیاں مکان میں رہ گئیں۔ طاقوں میں رکھے ہوئے سارے چراغ روشن تھے۔ میں اپنے کمرے سے باہر کا نظارہ دیکھنے کے لئے اٹھا۔ اندھیرا گہرا نہیں ہوا تھا۔ برابر کے کمرے میں دو داسیاں دراز تھیں۔ میں دروازے پر پہنچا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے انہیں غور سے دیکھا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں وہ بے عیب لڑکیاں ادھر اُدھر سمٹی بیٹھی تھیں۔ میں نے بے اختیار ہو کر ان سے کہا۔ ''سندریو! آؤ میرے پاس آؤ۔''

وہ مشینی انداز میں اٹھ گئیں اور میرے پیچھے پیچھے میرے کمرے میں چلی آئیں۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ وہ بیٹھ گئیں۔ ''تمہارے نام؟'' میں نے پوچھا۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے شیریں آوازوں میں اپنے اپنے نام بتائے پھر میری نگاہ انتخاب ایک لڑکی پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہ چھریرے بدن کی ایک دراز قد، بے حد معصوم اور دلکش چہرے کی لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کے قد کی طرح بڑی تھیں، بال پشت اور کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے جب اپنا نام مالا بتایا تو میں مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ بے اختیار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی نم آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ وہ میری مالا کی ہم شکل نہیں تھی۔ میں ایک کراہ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا۔ میرا ہاتھ یوں ہی اس کی طرف اٹھ گیا۔ اس نے میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اس کے بال میرے چہرے پر لہرانے لگے تو اس نے انہیں ہٹانا چاہا۔ میں نے کہا۔

''انہیں میرے چہرے پر پھیلا دو۔'' اپنی ٹانگیں پھیلا کر میں نے چیختی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا جسم نوچو۔'' میرے اس تازہ حکم پر وہ جھجکیں اور آنکھیں پٹ پٹانے لگیں پھر سہم کر پیچھے ہٹ گئیں۔ میں نے اپنی خواہش کی تکرار کی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے جلدی جلدی میرے پیر دبانے لگیں۔ ان کے نرم و نازک ہاتھ میرے بدن [illegible]

علیحدہ ہو گئے ہوں، ان کے ہاتھ جہاں جہاں میرے پیر پر پڑتے، مجھ پر ایک عجیب اذیت ناک نشہ طاری ہو جاتا۔ میں نے اپنی انگلی اٹھا کر لیٹے لیٹے ایک ایک کر کے تمام چراغ بجھانے شروع کر دیئے، وہ میرے اس کرشمے پر حیران تھیں، آخر ایک چراغ روشن رہ گیا جس کی مدھم روشنی میں ایک عجیب خوابناک فضا طاری ہو گئی۔ مالا میرے سرہانے بیٹھی میرے سر پر اپنا نازک ہاتھ دھرے ہوئے تھی، باقی لڑکیاں میرے پیر آہستگی سے دبا رہی تھیں۔ یکایک میرے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میں نے اپنے ایک عمل سے دوبارہ چراغ روشن کر دیئے اور دیوداسیوں کو لباس کی قید سے آزاد ہونے کا حکم صادر کیا۔ انہیں میرا حکم ماننے میں تامل ہوا۔ شاید وہ انتظار کر رہی تھیں کہ میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں لیکن میں نے دوبارہ چیخ کر یہی بات دہرائی تو وہ سمٹی ہوئی اٹھیں، انہوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کا لباس پہلے ہی مختصر تھا۔ انہوں نے جھجکتے جھجکتے وہ بھی اتار دیا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے ستر پوشی کی ناکام کوشش شروع کر دی تھی۔ میرے سرہانے بیٹھی ہوئی دوشیزہ مالا نے بھی میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ میں نے ان سب کو غور سے دیکھا۔ میں وہ منظر بیان کر کے اپنی ناقابل فہم کیفیت پر مزید شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ اس وقت ان کے برہنہ سکڑے ہوئے بدن میری نظروں کو خیرہ کر رہے تھے اور میری حیثیت ایک فاتح کی سی تھی۔ میں فراموشی کے عالم میں تھا لیکن جلد ہی اپنے حال میں واپس آ گیا۔ میں نے انہیں کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ سراسیمہ اپنے لباس اٹھاتی اور وزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ کمرے میں صرف ان کی خوشبوئیں رہ گئیں اور میں رہ گیا اور جلتے ہوئے چراغ رہ گئے اور میرا جلتا ہوا جسم رہ گیا۔ پھر میں نے مالا کو آواز دی۔ وہ اس عرصے میں لباس پہن چکی تھی۔ میں نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ میرا ماتھا جل رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سر دبانے کا اشارہ کیا۔ وہ دباتی رہی۔ میں کبھی اس کی آنکھوں میں جھانکتا، کبھی اس کی زلفوں کے لچھے بناتا۔ آخر میں نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں نے اس کے لبوں کو بوسہ دینا چاہا لیکن میرے ہونٹ اس کی پیشانی پر چپک گئے۔ میں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں اور مالا سے کہا کہ وہ اپنے بال دوبارہ میرے چہرے پر بکھرا دے۔ اس کی گھنیری زلفوں میں مجھے نیند نہیں آ سکتی تھی لیکن وہ لمحہ ایسا سکون پرور اور جاں فزا تھا جو میرے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ مالا اسی طرح بیٹھی رہی اور میں سوچتا رہا، کیا مجھے اپنے نفس کی تشنگی اس کے بدن کے عرق سے بجھانی چاہیے؟ اس کے بدن کا پسینہ جس میں ایک جنگلی خوشبو بسی ہوئی ہے، اس کی سانسوں کا دھواں جس میں ایک نشہ آور کیفیت موجود ہے اس کی بڑی آنکھیں جہاں ایک شخص دراز ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق بہت سوچا۔ اتنا سوچا کہ میرا شعور مزاحمت سے عاری ہو گیا۔ میں نے شعور کی ہاتھ سے جاتی ہوئی ڈور پکڑی [illegible] رکھوں گا۔ میری برتری اس میں مضمر

نہیں کہ میں دیوداسیوں پر غالب آ جاؤں یا ان سے مغلوب ہو جاؤں۔ میں نے مالا کی زلفوں کی چھاؤں میں اپنے نفس کی آنکھیں بند کر لیں اور گہری سانس کھینچ کر خود کو اس کش مکش سے باہر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں مراقبے میں چلا گیا تو اور بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ مالا رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی۔ صبح پرندوں کے شور پر میں نے آنکھیں کھولیں۔ مالا کی زلفیں میرے چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں، میں نے انہیں ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک پل بھی نہیں سوئی تھی۔ مجھے اس لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ میں نے اسے دوسرے کمرے میں جا کر سونے کی ہدایت کی۔ وہ چلی گئی تو میں انگڑائی لے کر اٹھا۔ آبشار کے تازہ پانی کے چھینٹے میں نے اپنے گالوں پر مارے اور مکان سے باہر کھلی فضا میں آ گیا۔

اس پہاڑی مقام پر صبح کا منظر بڑا دلکش تھا۔ سادھو صبح سویرے اٹھ گئے تھے اور ایک مقام پر جمع ہو کر گیتا کا پاٹھ کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ انہوں نے مجھے پرنام کیا۔ گیتا کے مختصر پاٹھ کے بعد سادھوؤں نے مجھے گھیر لیا اور وہ مجھے لیے مندر تک آئے۔ مندر کے بڑے چبوترے پر دیوداسیاں پھولوں کے ہار لیے ادھر ادھر پھر رہی تھیں، وہ بہت تر و تازہ نظر آتی تھیں، ان میں وہ لڑکیاں بھی موجود تھیں جو رات کو میرے ساتھ تھیں، مالا بھی سر جھکائے مجھے نظر آئی۔ مالا نے مجھے مندر کے چبوترے پر دیکھا تو پرنام کرتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھ میں پھولوں کا گجرا ڈال دیا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے ایک عجیب چمک تھی۔ میں اس چمک کو بھول گیا تھا۔ اتنے دنوں بعد میں نے اپنے لیے کسی کی آنکھوں میں یہ روشنی دیکھی تو میرا جسم مرتعش ہو گیا۔

میں دن بھر اسی طرح پھرتا رہا۔ ہر جگہ پتھر کاٹ کر بڑے بڑے بت بنائے گئے تھے۔ بدھ بھکشو اونچے استھان پر بیٹھ کر تپسیا کرتے تھے اور ہندو سادھو کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر گیان دھیان میں مگن ہو جاتے تھے۔ دور دور تک درختوں کے نیچے سادھو پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کا وہی انداز تھا جو عام طور پر ہندو سادھوؤں اور پنڈتوں کے جاپ کے عمل میں ہوتا ہے۔ میں غور سے ان کے انہماک اور استغراق کا جائزہ لیتا ہوا دوبارہ مندر میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں مالا کو تلاش کیا اور اسے ساتھ لیے بستی سے دور نکل گیا۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں اور سبزہ زاروں میں بہت دور چلے گئے۔

آخر پورن ماشی کی شب آ گئی۔ میں نے صبح کا انتظار بھی گوارا نہیں کیا۔ چاندنی درختوں پر پھیل گئی اور پہاڑ اس سے روشن ہو گئے تو میں مندر کے سامنے میدان میں گیا اور میں نے سادھو بلرام کو آواز دی۔

''سادھو بلرام۔ چڑھتا ہوا چاند تمہارے وعدے کے ایفا کا منتظر ہے، مجھ سے برداشت ناممکن ہے، جلد میرے پاس آؤ۔''

میری آواز بستی میں گونج گئی اور ہاتھوں میں چراغ لیے دیوداسیاں میدان میں نمودار ہوئیں۔ ان کے پیچھے عام سادھو موجود تھے۔ ساری بستی ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ وہ چاروں طرف پھیل گئے۔ میں نے

اپنے جسم کے گرد حصار قائم کر لیا تھا کیونکہ میں ان مہان سادھوؤں کے درمیان تنہا تھا۔ دیوداسیاں بھجن گاتی ہوئی مندر کے چبوترے پر سر رکھ کر دیوتاؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے لگیں۔ میں حیران تھا کہ آنند لال کے استھان کا پتا بتانے کے لئے یہ تماشا کیوں کیا جا رہا ہے؟ سادھو بلرام دوسرے سادھوؤں کے درمیان سر جھکائے میرے پاس آیا۔ میں نے اچٹتی نظر سے اسے دیکھا اور پھر چاند کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں مہاراج! میں تم سے اپنا وچن نبھا رہا ہوں۔'' وہ افسردگی سے بولا۔ ''یہاں سے چالیس کوس دور اتر میں نالکھ آشرم جیسا ایک تیرتھ استھان ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ ''شیو شنکر نے وہیں وشرام کیا تھا۔ اس کا نام شیو شنکر پاڑ ہے، آنند لال اسی پوتر استھان پر موجود ہے۔''

''کیا میں یہاں سے کسی کو ساتھ لے جا سکتا ہوں؟'' میں نے جرأت سے پوچھا۔

''نہیں۔ تم وہاں تنہا جاؤ گے۔ سادھو آگیہ کے بغیر وہاں نہیں جاتے۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

''سادھو بلرام! تم نے اپنا وچن نبھا دیا میں تمہیں دھنیہ واد کہتا ہوں۔ مجھے دکھ ہے کہ سادھو شنکر ایک ذرا سی غلطی سے مارا گیا۔'' میں نے وفور مسرت سے کہا لیکن آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ سادھو بلرام کے جسم میں ایک لرزہ سا پیدا ہوا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے تیزی سے جھک کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اسے گرتا دیکھ کر دوسرے سادھو چاروں طرف جمع ہو گئے اور انہوں نے کسی تشویش اور تردد کے بغیر اس پر کپڑا ڈال دیا جو ایک دیوداسی تھال میں رکھے ہوئے تھی، پھر انہوں نے گلاب پاش سے اس پر عرق چھڑکا۔ دیوداسیوں نے آگے آ کر آرتی اتاری۔ سادھو بلرام کی لاش اٹھا لی گئی۔ میں نے ندامت کی نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔ وہ بلرام کی لاش مندر کے چبوترے پر لے گئے۔ میں انہیں چھوڑ کر آگے آ گیا اور میں نے مالا کو آواز دی۔ ''میں جا رہا ہوں۔'' میں نے اس سے کہا۔

''ابھی مہاراج؟'' وہ حسرت سے بولی۔

''ہاں ابھی۔ ممکن ہے میں یہاں پھر واپس آؤں۔''

''مہاراج!'' آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔

میں زیادہ دیر تک اس کا غم ناک چہرہ نہ دیکھ سکا اور اسی وقت بلندی پر چڑھنے لگا۔ میں نے خاصی رات گزرنے کے بعد کہیں اپنا سفر ختم کیا۔ دس کوس تک تو میں چلا آیا ہوں گا۔ راستے بھر بلرام کی غیر متوقع ہلاکت کا منظر میری آنکھوں میں گردش کرتا رہا۔ ایک جگہ ٹھہر کر صبح تک سستا کر میں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ راستے کی طوالت اور دشواری کا ذکر فضول ہے۔ میں کسی مستی اور جوش میں آگے بڑھ رہا تھا

یا کوئی طاقت مجھے پہاڑ کی چوٹی طے کرا رہی تھی۔ چالیس کوس کا یہ فیصلہ دوسرے دن سہ پہر کے وقت ختم ہوا۔ شیو پاڑ کے آثار دور ہی سے نظر آنے لگے تھے۔ مجھے راستے میں درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے کئی سادھو نظر آئے لیکن میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ شیو پاڑ نالکھ آشرم کی طرح ایک بستی نہیں تھی۔ یہاں دور دور سادھو آباد تھے۔ ہر طرف پتھروں کی شکستہ ویران عمارتوں کے آثار نظر آتے تھے۔ کہیں کوئی کھم موجود ہے، کہیں کوئی ٹوٹا ہوا تخت ہے۔ کہیں آدھا بت بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس پُراسرار علاقے سے گزرتا ہوا شیو شنکر کے مندر کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے کلدیپ اور سیّد کی بے تحاشا یاد آئی۔

مندر کی کالی عمارت میں شیو شنکر کا بت مسکرا رہا تھا۔ میں بہت محتاط انداز سے قدم رکھتا ہوا اندر چلا آیا۔ آنند لال مندر میں نہیں تھا۔ وہ یہاں نہیں ہے تو یہیں کہیں قریب موجود ہوگا۔ باہر آ کے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کئی عمل کر کے آنند لال کی موجودگی کے مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی۔ مندر کی پشت پر ایک تاریک سا راستہ تھا جو سنگلاخ چٹانیں کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ میں اس راستے میں داخل ہو گیا۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنی حفاظت کا یقین کر لیتا تھا۔ اس مختصر راستے سے گزر کر مجھے پتھر کی ایک ٹوٹی ہوئی عمارت نظر آئی جہاں ایک سادھو بیٹھا ہوا اپنے سر کی جوئیں مار رہا تھا۔ قریب جا کر دیکھا۔ اس کے حلیے اور سید کے حلیے میں بڑی مماثلت تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے دنگ رہ گیا لیکن یہ میرا وہم تھا۔ وہ گلبرگہ کا پیر و مرشد نہیں تھا، وہ کوئی اور شخص تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔

''او بھلے مانس! کیا تم نے آنند لال کو یہیں قید رکھا ہے؟''

اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی اور شرارت تھی۔ وحشت میں اس نے سر کے بال نوچ لیے اور اپنے سر کی جوئیں نکال کر میرے کپڑوں پر پھینک دیں۔ میں نے اس کے خشک بال پکڑ لیے اور انہیں زور سے کھینچ کر کہا۔ ''کیا تجھے میرا انتظار تھا؟'' اس کے بال اکھڑ کر میرے ہاتھوں میں آ گئے اور اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''لے جا، چل بھاگ یہاں سے۔''

جیسے ہی اس کے بال میرے ہاتھوں میں آئے، جوئیں میرے بازوؤں تک پہنچ گئیں اور میرے جسم میں پیوست ہونے لگیں۔ میں نے اس کے بال پھینک دیئے اور تنگ آ کر اس سے پوچھا۔ ''او بوڑھے! زیادہ تیزی نہ دکھا۔ اسے باہر نکال لا۔''

اس نے اپنے نزدیک رکھا ہوا ایک بھاری پتھر آسانی سے اٹھا لیا۔ وہ میری طرف پتھر مارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میں نے اس کی گردن کی پشت پر اپنے ہاتھ کی ضرب لگائی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرا ہاتھ کسی دھات سے ٹکرا گیا ہو۔ اگر میں یہ ضرب کسی عام انسان کے رسید کر دیتا تو اس کی گردن اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی۔ وزنی پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے لات مار کر اسے دور کر دیا۔ ''وہ یہیں

ہے۔ سن بوڑھے! میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ اگر تو اس کا محافظ ہے تو سامنے سے ہٹ جا اور تیرے دل میں کچھ اور ہے تو سمجھ لے، تجھے جس شخص کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔ میں تجھے ذرا سی بھی مہلت نہیں دوں گا۔''

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ''شیو شنکر۔'' اس نے سنسکرت میں کوئی جملہ ادا کیا اور اس کا ہاتھ میری ٹانگوں پر پڑا۔ میں دھپ سے زمین پر گر گیا۔ اس نے فوراً کھڑے ہو کر کوئی عمل کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی میں تیزی سے اچک کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نندا کے ایک عمل کے ذریعے اسے زمین پر جکڑ دیا۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں پہلو بدلنے لگا لیکن اس کا سارا جسم جکڑا ہوا تھا۔ میں نے وہی پتھر جو اس نے مجھ پر اٹھایا تھا، اسے مارنے کے لئے اٹھایا تو وہ حیرت انگیز طور پر میری بندش سمیت اپنی جگہ سے ہل گیا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ شیو پاڑ میں اگر کوئی معرکہ ہوا تو وہ نہایت سخت ہوگا۔ میری بندش بدستور قائم تھی حالانکہ وہ اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح اپنے ہاتھ آزاد کرا لیے۔ میں دوبارہ اس کے ہاتھوں کی بندش کرنے والا تھا کہ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا ''ٹھہر جا۔ بس کر، تیرے اندر ہنومان کی شکتی ہے۔ جا وہ اندر موجود ہے۔ اس پاپی کو یہاں سے لے جا اور نرک میں کود جا۔''

''چپ رہ بوڑھے زبان دراز!'' میں نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ''میں پہلے تو تجھے نرک میں پہنچاؤں گا۔''

اس نے میرا عمل ناکام کر دیا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے خشمگیں نظروں سے گھور کر بولا۔ ''جا اندر چلا جا...... زیادہ باتیں نہ بنا...... جا۔''

اس کی آواز میں اب بھی گرج تھی۔ میں کوئی اور قدم اٹھاتا لیکن میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے خود ہی مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی تھی تو میں اس سے معرکہ آرائی میں وقت ضائع کرنے کی حماقت کیوں کرتا؟ میں نے پتھر کے ایک سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ واقعی وہاں آنند لال موجود تھا۔ اس کی حالت بڑی ناگفتہ بہ نظر آ رہی تھی۔ جسم کے بال بڑھے ہوئے تھے اور وہ ہڈیوں کا کوئی پنجر معلوم ہوتا تھا۔ آنند لال جیسے دوست کو اس حال میں دیکھ کر میرا اشتعال دوچند ہو گیا اور میں نے سوراخ سے نظریں ہٹا کر بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پتھر پہ بے نیاز بیٹھا اپنی داڑھی کے بال نوچ رہا تھا۔ وہ اتنا بے خبر تھا جیسے ابھی ابھی اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو۔ میں نے وہیں سے آواز دی۔ ''سن بوڑھے! تو شاید بڑی عمر لے کر آیا ہے۔ اب کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ موت اور زندگی کا فاصلہ ختم ہو جائے گا۔''

اس نے میری آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

درختوں سے گھری ہوئی اس عمارت کے دروازے پر میں نے ایک بڑے پتھر سے ضرب لگائی۔

Downloaded from Paksociety.com

دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل تو ہو گیا لیکن فوراً مجھے اپنا پیر پیچھے کی طرف ہٹانا پڑا۔ عمارت اندر سے کسی تنور کے مانند دہک رہی تھی۔ زمین سے لپٹیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر پاگل سادھو کی جانب دیکھا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ایک ثانیے کے لئے مجھے واپسی کا خیال آیا مگر دوسرے ہی لمحے، میں نے اس آگ میں کود جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ایک ایسی بھٹی تھی جس کی تپش سے لوہا بھی لمحوں میں پگھلنے لگے۔ میں نے خود کو یقین دلایا کہ یہ شیو شنکر کا استھان ہے۔ اگر میں اس تپش سے گھبرا کر واپس چلا گیا تو آنندلال کبھی مجھے نہیں مل سکے گا اور یہ میری اعلیٰ طاقتوں اور غیر معمولی باطنی قوتوں کی توہین بھی ہو گی۔ یہ تپش ان لوگوں کا حوصلہ آزمانے کے لیے ہے، جن کے پاس کچھ قوتیں ہیں۔ میں نے اپنے قدم مضبوطی سے زمین پر جما دیئے۔ میری آنکھیں گرمی کی شدت سے باہر نکلنے کو تھیں اور جسم میں ایک سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔

جو کچھ مجھے یاد تھا، اپنے تمام عمل پڑھتا ہوا اس آگ پر سے گزر گیا اور میں نے دھیرے دھیرے آواز دی۔ ''آنندلال ...... آنندلال۔''

آنندلال کے بے جان جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی۔ اس نے چندھیائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے کی کوشش کی۔ میرا چہرہ سرخ تھا، پاؤں جل رہے تھے، جسم پر شعلے سے سلگتے محسوس ہو رہے تھے۔ جسم کی ہر چیز جل رہی تھی اور میں تیزی سے اپنے دوست کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ''میں آ گیا ہوں میرے دوست!'' میں نے جوشیلے لہجے میں کہا اور اس چوکور حصے میں پاؤں رکھ دیئے جہاں آنندلال موجود تھا۔ اس چوکور پاٹ پر قدم رکھتے ہی آگ کی تپش سرد پڑ گئی۔

''تمہارا دوست جمیل احمد خان تمہارے سامنے موجود ہے آنندلال! میں جمیل احمد خان ہوں۔''

''تم ...... جمیل احمد خان تم!'' آنندلال بدحواسی سے بولا۔ ''تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ کیا میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں؟''

''نہیں میرے دوست! یہ حقیقت ہے، میں جمیل احمد خان ہوں۔ اب اٹھ جاؤ، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔''

''خان صاحب!'' آنندلال نے میرا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ''کیا یہ سچ ہے؟''

''اب تمہاری کٹھنائیوں کے دن بیت گئے۔ آؤ باہر آؤ۔'' میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے نحیف و لاغر جسے کو حرکت دی۔ ''مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ شیو شنکر کے استھان سے تم مجھے کیسے لے جا سکتے ہو؟''

''میں سمجھتا ہوں، مجھے شیو شنکر کا آشیرباد حاصل ہے۔ میں یہاں تک آ گیا ہوں، تم یہ کیوں نہیں

سوچتے؟''

''تمہاری بات ٹھیک ہے۔ کوئی منش یہاں نہیں آ سکتا۔ تم مہاپُرش ہو جمیل احمد خان۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے لیے اتنی کٹھنائیاں اٹھائیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

میں نے آنندلال کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی جگہ سے اٹھا لیا۔ چوکور پاٹ سے ہٹ کر پھر کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔

میں جلدی جلدی اسے سہارا دیئے عمارت سے باہر آ جانا چاہتا تھا۔ گو میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر تمام احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔

پاگل سادھو نے ہم دونوں کو باہر نکلتے دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔

''ستیہ امر ہے۔''

اس شخص کے لئے میرے دل میں شدید نفرت پیدا ہوئی۔ میں اس کا کام تمام کر دیتا مگر میں نے اس سے کہا۔ ''لے دیکھ بوڑھے پیچھے مڑ کر دیکھ۔''

سادھو نے پشت کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ ساری عمارت جل رہی تھی۔

''کیا میں تجھے اس میں پھینک دوں؟''

''جا اب چلا جا۔'' اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

آنندلال نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے پُرسکون رہنے کی تلقین کی۔ ہم دونوں فاتحانہ انداز سے شیو شنکر پاڑ کی اجاڑ اور شکستہ عمارتوں سے گزرتے ہوئے پگڈنڈیوں پر آ گئے۔ پاڑ سے دور نکل آنے کے بعد آنند لال نے ایک جگہ رک کر اپنے جسم کی کثافتیں دور کیں۔

اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ وہ شیو شنکر پاڑ کے حبس سے رہا ہو گیا ہے۔ ہم دونوں ستانے کے لئے ایک غار کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ نہانے سے فارغ ہو کر آنندلال نے عقیدت سے میرا ہاتھ چوم لیا اور ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرتے ہوئے نالکھ آشرم کے راستے پر چل پڑے۔ آنندلال نے مجھے اپنی تکلیف وہ بپتا سنائی۔ اسے کالی کے مندر میں بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی سفارش پر رکھا گیا تھا۔ پھر اچانک اسے لا کر ایک دن شیو شنکر پاڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ آنندلال کو دوبارہ ہندو دھرم کی سیوا کرنے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن وہ بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو سزا دینے کے ارادے سے باز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ اس کے دوست جمیل احمد خان کے دشمن تھے۔ اس نے عدالت میں میری حمایت کرنے پر شما بھی نہیں چاہی تھی۔ وہ آخر وقت تک شدید اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

وہ نالکھ آشرم میں ٹھہر کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ہم نالکھ آشرم کے قریبی پہاڑوں سے گزر کر آگے بڑھ سکتے تھے مگر میں مالا کی وجہ سے دوبارہ وہاں جانا چاہتا تھا۔ جب میں آنندلال کے

ساتھ نالکھ آشرم میں داخل ہوا تو سادھوؤں اور دیوداسیوں کے چہروں سے حیرت ہویدا تھی۔ گو مالا اور چار دیوداسیوں کے سوا ان کی پذیرائی اور گرم جوشی میں پہلے جیسا جذبہ نہیں تھا تاہم انہوں نے ہم دونوں کے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا۔ آنند لال کے لئے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ وہ نالکھ آشرم میں بطور مہمان قیام کرے۔ ایک دن قیام کے بعد ہم دوبارہ وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ میں نے رسماً مالا کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ وہ شاید اسی بات کی منتظر تھی۔ فوراً تیار ہو گئی مگر مسئلہ یہ تھا کہ مالا کو کس طرح یہاں سے نکالا جائے؟ نالکھ آشرم سے آگے لے جانے کے لئے سادھوؤں سے اجازت لینی ضروری تھی اور وہ آنند لال کا پتا بتانے کے بعد مجھے مزید کوئی رعایت کیوں دیتے؟ مالا کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی حسرت ناک نظریں اور اس کا معصوم چہرہ مجھے کرب میں مبتلا رکھتا۔ آخر میں نے اس کے لئے کوئی اور ہنگامہ کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔ میں نے دوسری رات ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر بستی کے مکینوں کو مخاطب کیا۔ میں نے کہا۔

"مہاپرشو! میں مالا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے اس کی اجازت دے دی گئی تو یہ نالکھ آشرم کے مہمان سادھوؤں کی عنایت ہو گی اور اگر میرے راستے میں رکاوٹ کھڑی کی گئی تو میں انہیں سادھو شنکر کی اذیت ناک موت یاد دلاؤں گا۔ میں آنند لال کو واپس لے آیا ہوں۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، میں مالا کو بھی یہاں سے لے جا سکتا ہوں۔" میرے سامنے کوئی شخص نہیں تھا لیکن میری آواز، وہ جہاں جہاں بیٹھے ہوں گے ان کے کانوں تک پہنچ گئی ہو گی۔ اس اعلان سے مطمئن ہو کر آدھی رات کے وقت میں نے آنند لال کو جگایا، مالا کو ساتھ لیا اور نالکھ آشرم کو خیرباد کہا۔ نالکھ آشرم کی حدود تک کسی نے مالا کو روکنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ ان پہاڑی راستوں پر بار بار تھک جاتی تھی۔ اسے چاق و چوبند رکھنے کے لئے ہمیں بار بار ٹھہرنا پڑتا تھا۔ آخر ہم تینوں تیسرے دن کسی نہ کسی طرح گنیش دیوتا کے استھان پر پہنچ گئے جہاں نالکھ آشرم جاتے ہوئے پنڈتوں سے میری تلخی ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ کسی نے مجھے نہیں روکا، ہم نے وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور کچھ چنے کھا کر ناگپور شہر میں داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

ہم تینوں دوبارہ شہری حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ہمارا حلیہ عجیب تھا۔ میرے سر کے بال اور داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنند لال کے تمام جسم پر بال اگے ہوئے تھے۔ مالا دیوداسیوں کے مخصوص لباس میں ہمارے ساتھ تھی۔ ناگپور پہنچنے کے بعد میرے سامنے چار راستے تھے۔ میں اب بدری نرائن کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں یا کلدیپ کے استھان پر پہنچ کر ترنین اور کلدیپ کو وہاں سے لے آؤں؟ یا مدراس جا کر ہرچرن سے پریم کا بدلہ لوں اور انکا کو اپنے قبضے میں کروں یا پہلے گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچوں جہاں پریم، ناہید اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ آنند لال کا خیال تھا کہ ہمیں

ناگپور ہی سے بدری نرائن کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے۔ بدری نرائن کے ذکر پر وہ بہت مشتعل ہو جاتا تھا لیکن میرے ساتھ مالا تھی۔ مالا کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا اور بستی بستی بدری نرائن کو تلاش کرنا دشوار ہو جاتا۔ بدری نرائن آسانی سے قابو میں آنے والا شیطان نہیں تھا۔ وہ محفوظ مقامات کی طرف بھاگ رہا ہو گا۔ ہم گلبرگہ شہر کی طرف جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مسافروں نے ہم تینوں کے عجیب حلئے سے متاثر ہو کر ہمارے لیے اپنی جگہیں خالی کر دیں۔ گلبرگہ تک کا کرایہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس پیسے نہیں تھے۔ جس ڈبے میں ہم سفر کر رہے تھے، اس میں نوجوانوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ یہ لڑکے کسی کالج کے طالب علم تھے اور دکن کے تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے دہلی سے آ رہے تھے۔ دو بوڑھے مجہول سادھوؤں کے ساتھ ایک حسین نوجوان لڑکی کو دیکھ کر انہوں نے پہلے تو ہم پر طنزیہ فقرے اور شرارتی جملے کسے۔ ہم نے ضبط سے کام لیا۔ ہماری خاموشی پر وہ اور شیر ہو گئے۔ دو چار طلبہ نے ہماری طرف رخ کر کے فحش انداز میں گانا شروع کر دیا۔ مالا کبھی مجھے، کبھی انہیں دیکھتی۔ اس کا چہرہ ان شہدوں کی گستاخی پر گلنار ہو گیا تھا۔ آنند لال نے مالا کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس پر بھی وہ شرارتی لڑکے جملے بازی سے باز نہیں آئے۔ وہ سب مستانے پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں نے ان بچوں کی شرارت درگزر کر دی اور آنند لال کو سمجھایا کہ وہ ان نادانوں کی دل لگی پر منہ نہ بنائے۔ میں کھڑکی سے چہرہ نکال کر سوچنے لگا۔ میں بھی کسی زمانے میں طالب علم تھا۔ اس وقت میری ماں زندہ تھی۔ میں بھی اتنا ہی شریر تھا۔ گاڑی کی رفتار تیز تھی اور میرے خیال کی رفتار اس سے کہیں تیز۔ گلبرگے واپس جانے کی مسرت تھی کیونکہ وہاں محبت کرنے والے لوگ موجود تھے۔ وہ قلندر سید بھی وہیں رہتا تھا جس نے نمودار ہو کر مجھے حوصلہ بخشا تھا اور میرے سرشور جذبے بے لگام ہونے سے روک لیے تھے۔ میرے خیالات کا تانا بانا اس وقت ٹوٹا جب میں نے مڑ کر دیکھا۔ چند سرکش طالب علم آنند لال کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے کیونکہ اس کے قریب مالا بیٹھی ہوئی تھی۔ مالا کے بدن پر لباس بہت مختصر تھا۔ وہ آنند لال کو چھیڑ رہے تھے۔ "گرو دیو! کہاں سے آ رہے ہو؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" آنند لال مختصر جواب دے کر انہیں ٹال رہا تھا۔ میں بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہماری درگزری سے ان کی جسارت بڑھتی جا رہی تھی۔ چند لڑکوں نے دور کھڑے ہو کر مالا کو اشارے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ شعر پڑھتے تھے، گانے گاتے تھے، اداکاری کرتے تھے، ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر بوسے لے رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق کر کے مالا کو اور ہمیں ہدف بنا رہے تھے۔

"مہاراج! کہاں جا رہے ہو؟" ایک لڑکا بوڑھے سادھوؤں کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ ڈبے میں چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ تمام مسافروں پر حاوی تھے۔ بعض مسافر ان کی حرکتوں پر خوش ہو رہے تھے [illegible] لڑکے نے چلبلے پن کی انتہا کر

دی۔ وہ ہمارے قریب بیٹھا آنندلال سے مخول کر رہا تھا۔ اس نے آنندلال سے کہا۔

''گرودیو! آپ کی داڑھی پر ہاتھ پھیر سکتا ہوں؟'' دوسرے لڑکے نے اس کے ساتھ گرہ لگائی۔

''گرودیو! آپ کی داڑھی میں تنکا۔'' آنندلال نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے گرج دار آواز میں انہیں ڈانٹ دیا کہ وہ اپنی نشستوں پر جا کر بیٹھیں اور ہم سے کلام نہ کریں۔ میں نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے تو دنگ رہ گئے اور اپنی نشستوں پر چلے گئے لیکن وہاں سے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد ہماری طرف راغب ہوئے۔ اس بار آنندلال سے برداشت نہیں ہو سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ جب اس کے ہونٹ متحرک ہوئے تو شریر لڑکوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ ہمارے قریب بیٹھے ہوئے سرکش طلبہ کے گروہ کی آواز اچانک بند ہو گئی تھی۔ وہ بولتے تھے مگر کوئی سن نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں احساس ہو گیا کہ ان کی آوازیں بند ہو چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی آوازیں ان کے گلوں میں گھٹ کر رہ گئیں۔ آنندلال اور مالا کے چہرے پر مسکراہٹ طاری تھی اور میں غور سے ان بچوں کی تشویش، ہذیانی انداز اور اضطراب دیکھ رہا تھا۔ لمحوں میں حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور وہ رو دینے والے انداز میں میرے اور آنندلال کے قدموں میں گر پڑے۔ آنندلال ان کی منتوں پر ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ لڑکے میرے قدم پکڑ کر رونے لگے۔ ان کے دوسرے تمام ساتھیوں نے آ کر ان کی سفارش کی۔ میں نے ان تمام لڑکوں کو آگے بلایا جن کی آوازیں ان کے گلوں میں منجمد ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کے لبوں پر انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔ جیسے جیسے میں انگلی پھیرتا جاتا تھا، ان کی آوازیں واپس آتی جاتی تھیں۔ ہمارا یہ عمل اور اس کا توڑ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کا کیا حال ہوا ہوگا؟ وہ فدوی بن گئے۔ ہمارا ٹکٹ بھی انہوں نے خریدا۔ راستے بھر وہ میرے اور آنندلال کے پاؤں دباتے رہے۔ انہوں نے ہمیں اپنا کھانا بھی دے دیا اور بار بار اپنی گستاخی کی معذرت چاہتے رہے۔ ہمارا باقی سفر بڑے آرام سے گزرا۔ لڑکوں نے ہم سے دوبارہ ملنے کے لئے پتا پوچھنا چاہا تو ہم نے کہہ دیا۔ ''مورکھو! سادھوؤں کا بھی کوئی پتا ہوتا ہے؟''

کتنی سچ بات تھی، ایک عرصے سے جمیل احمد خان کا بھی پتا نہیں تھا۔ وہ اِدھر اُدھر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس کا کوئی گھر نہیں تھا۔ کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ ایک خانہ بدوش شخص تھا۔ گلبرگہ کے قریب میرے سر پر ایک دھما کا ہوا اور میں نے دیکھا، انکا میرے سر پر وارد ہے۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ میں کسی بھی لمحے اس کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ ہرچرن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو نا لکھ آشرم اور شیوشنکر پاڑ سے میری واپسی کا پتا چل گیا ہوگا۔ وہ وحشت اور دہشت میں کوئی اوچھا وار کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ انکا کو اپنے سر پر محسوس کرنے کے باوجود میں نے اس سے گفتگو میں پہل نہیں کی۔ میں اپنی جگہ بے نیاز بیٹھا رہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' انکا نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''تمہیں اس سے غرض؟'' میں نے ہونٹ سکیٹر کر کہا۔

''میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ گلبرگہ ہی تمہارے لیے ایک مناسب جگہ ہے۔ میرا آقا ہرچرن آنندلال کو شیوشنکر پاڑ سے لانے کے بعد تمہاری شکتی کا دل سے قائل ہو گیا ہے۔ بہتر ہے اب تم کسی جھگڑے کا خیال دل سے نکال دو۔ اب اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی بیر نہیں۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''مگر میرے دل میں بیر ہے، کوئی نئی بات کرو انکا دیوی! مجھے مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے بروقت آ کر مجھے یاد دلایا۔ گلبرگہ کے بعد سب سے پہلے مجھے اس کے پاس جانا چاہیے۔ گلبرگہ میں میرا قیام زیادہ دنوں تک نہیں رہے گا۔ اس کے بعد تم میرے قبضے میں ہوگی۔''

''جمیل احمد خان! ہرچرن ختم ہو گیا تو یہ میری مرضی پر منحصر ہوگا کہ میں کس کے سر پر جاؤں لیکن میں اپنے آقا ہرچرن کو ختم کیوں ہونے دوں گی۔ انکا اپنے آقا کے تحفظ کے لئے تمہارے راستے کی رکاوٹ بن جائے گی۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے اس کے بعد تم کہاں جانا پسند کرو گی۔'' میں نے عالم تصور میں اس کی جانب دیکھا۔ ''تم میرے راستے کی رکاوٹ بن جاؤ گی لیکن میں تمہیں اپنی مٹھی میں بند کر لوں گا۔''

''تم نے اپنے تمام متعلقین کو گلبرگہ میں محفوظ کر دیا ہے مگر یہ مت بھولو کہ میں ہرچرن کے اشارے پر تمہاری چچا زاد بہنوں کو اس کی آغوش میں پھینک سکتی ہوں۔ وہ لکھنؤ میں ہیں۔ تم انکا سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور تم ہندوستان کے ان پنڈتوں، پجاریوں سے تنہا لڑنے کی شکتی بھی نہیں رکھتے جو تمہیں ختم کرنے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں ہیں۔''

''تم سے کوئی بحث مناسب نہیں ہے۔ انکا صرف یہ سن لو کہ اگر تم نے میرے چچا جان کے گھر پر کوئی ہنگامہ برپا کیا تو کوئی پنڈت پجاری میری زد سے محفوظ نہیں رہے گا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں اسی وقت وہاں جا سکتی ہوں۔'' انکا نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اور میں اسی وقت ہرچرن کا منہ توڑنے جا سکتا ہوں۔ میں آنندلال کے ذریعے تمہارا جاپ کروا سکتا ہوں۔''

''تم ایک سمجھ دار آدمی کی طرح اگر سب کچھ بھول جاؤ اور نئے سرے سے زندگی گزارنے کا ارادہ کر لو تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' انکا نے بارعب آواز میں کہا۔

''میں تمہیں اسی وقت اپنے سر سے دفع ہونے کا حکم دیتا ہوں۔ چلی جاؤ۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ڈبے کے تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا ہے؟'' آنندلال نے تشویش سے پوچھا اور پھر میرے سر پر انکا کو دیکھ کر کہنے لگا۔ ''تم

ہو...... انکا دیوی! ہماری تمہاری جدائی کے چند دن اور ہیں۔"

"آنندلال! تم اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ وہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔" انکا نے آنندلال سے کہا۔

"ارے رے انکا دیوی......" آنندلال تمسخر سے بولا۔ "کیا ہر چرن مہاراج جمیل احمد خان سے بہت خوف زدہ ہے؟ کتنی دیر بعد عقل آئی ہے اسے۔"

"جاؤ اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" میں نے جھڑک کر کہا۔

"ارے میرے سر پر آ جاؤ دیوی جی! مجھ سے باتیں کرو۔" آنندلال ترنگ میں بولا۔

"میں لکھنؤ جا سکتی ہوں۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"تم غلطی کرو گی۔"

"یہ تم پر منحصر ہے جمیل احمد خان!"

"اچھا۔ تم جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ۔" میں نے طیش میں کہا۔ انکا مجھے پریشان کر کے چلی گئی۔ وہ لکھنؤ میں چچا جان کے گھر جا کے یقیناً کوئی ناروا حرکت کرنے پر قادر تھی۔ میں لکھنؤ سے بہت دور تھا اور یہاں سے اتنی ہی تدابیر اختیار کر سکتا تھا کہ مجھے انکا کے پہنچنے کی اطلاع مل جائے اور میں انکا کی مزاحمت میں کچھ کر سکوں لیکن انکا موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے بہت کچھ کر سکتی تھی۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچ کر میں پریم اور سید غوث سے صرف چند لمحوں کے لئے ملا۔ پھر مالا اور آنندلال کو وہاں چھوڑ کر میں اسٹیشن آ گیا۔ میرے اندازے کے مطابق ہر چرن مدراس میں تھا۔ رکن الدین، ناہید، پریم اور آنندلال مجھے روکتے رہ گئے۔ رکن الدین بڑا اعلیٰ ظرف شخص تھا۔ میں وہاں اپنے متعلقین کو جمع کر رہا تھا اور وہ فراخ حوصلگی سے ان کی پذیرائی کر رہا تھا۔ پریم اب اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ رکنے کو بہت جی چاہتا تھا لیکن انکا نے مجھے چند لمحے بھی اطمینان سے سانس نہیں لینے دیا۔ آنندلال بھی میرے ساتھ چلنے پر مصر تھا مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کسی سے زیادہ بات نہیں کی۔ بس چند ہدایتیں دے کر اور رکن الدین کی حویلی کا ٹھنڈا پانی پی کر وہاں سے چلا آیا۔ اسٹیشن پر مجھے نہایت غلیظ حالت میں پتھر کی بینچ پر بیٹھا ہوا ایک شخص نظر آیا۔ وہ یقیناً سید تھا۔ میں اپنی پوری طاقت سے اس کی طرف بھاگا اور میں نے اس کی لاٹھی اپنے قبضے میں کر لی۔

سید نے گھور کر مجھے دیکھا اور میرے ہاتھ سے اپنی لاٹھی چھین لی۔ میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"پیر و مرشد! میں نے زلفیں بڑھا لی ہیں۔"

"ان میں کنگھی کر۔" سید نے اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا۔ "حالات سے کبڈی کھیل۔"

"میں ہدایت کا منتظر ہوں پیر و مرشد! تم چھلاوے کی طرح میرے سامنے مت آیا کرو۔ میں جانتا

ہوں تمہاری شفقت کی نظر سے میں محروم نہیں ہوں۔" میں نے عجز سے کہا۔

سید نے اپنے بال کھجاتے ہوئے نعرہ لگایا۔ "الحق۔ روز آئینہ دیکھا کر۔ زمین کا سارا کوڑا اٹھا لے۔"

"سید۔ اے مرد کامل، یہ کیا تماشا ہے؟" میں نے جز بز ہو کر کہا۔ "آئینے میں مجھے اپنی صورت نظر نہیں آتی۔"

سید نے زمین سے مٹی اٹھائی اور کہا۔ "لے اس کا سرمہ آنکھوں میں لگا لے۔"

میں نے عقیدت سے مٹی اس کے ہاتھوں سے لے کر اپنی آنکھوں میں جھونک لی۔ کنکر اور خاک ریزوں سے میری آنکھیں تکلیف سے بند ہونے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے مٹی تحلیل کرنے کی کوشش کی اور جب آنکھیں کھولیں تو سید غائب ہو چکا تھا۔

"پھر چلا گیا۔" میں نے مایوسی سے ہاتھ ملے۔ "ابھی دیر ہے..... ٹھہر جا سید! میں دیکھتا ہوں تو کب تک یہ تماشا کرتا ہے۔" میں خود کلامی کرتا ہوا ٹرین میں بیٹھ گیا۔ آدھے راستے کے بعد مجھ پر منکشف ہوا کہ ہر چرن مدراس سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے بمبئی کا رخ کیا اور اپنے سفر کی سمت اوجھل کرنے کے لئے ایک مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہر چرن کوئی بڑا پجاری نہیں تھا۔ اس نے اس زمانے میں بڑی آسانی سے انکا کو قابو کر لیا تھا جب میں تہ خانے میں بند تھا۔ وہ اگر کسی مندر میں چھپتا تو انکا اس کے ساتھ نہ ہوتی جبکہ وہ انکا کے بغیر ایک لمحے بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ بمبئی اتر کر میں سیدھا اس ہوٹل میں پہنچا جہاں وہ خود کو محفوظ سمجھ کر ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے میری آمد کی اطلاع نہیں تھی اس لیے کہ میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ میں بالکل اچانک اس کے سامنے پہنچنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنے تحفظ کے لئے پنڈتوں، پجاریوں کی فوج جمع کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

بمبئی کے اس شاندار ہوٹل کی عمارت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں جب اس کے بڑے دروازے سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوا تو ہر چرن مجھے ایک میز پر تنہا نظر آ گیا۔ اس نے مجھے دروازے ہی میں تاک لیا اور ہڑبڑا کر اپنی میز سے اٹھ گیا اور فوراً لاؤنج سے ملحق باورچی خانے میں گھس گیا۔ اسے خوف زدہ دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس وقت اس کی مدد کے لئے دوسری کوئی طاقت موجود نہیں ہے۔ میں سیدھا باورچی خانے چلا گیا لیکن دروازہ پار کرتے ہی انکا میرے سر پر آ گئی اور اس نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے آگے بڑھنے سے رکنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔

"تھوڑی دیر میں تمہیں میرے پاس آ جانا ہے۔ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ اب تمہارے یہ پنجے میرے سر میں کوئی زخم پیدا نہیں کریں گے۔ مجھے جلد از جلد ہر چرن کے پاس لے چلو۔" میں نے انکا سے کہا۔

''میں انکا ہوں جمیل احمد خان! اگر میں تمہارے سر پر ناکام بھی ہوگئی تو دوسروں کے سروں پر جا کر تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہوں۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ ورنہ میں کسی بھی شخص کے سر پر جا کر تمہارا راستہ روک دوں گی۔'' انکا نے بھناتے ہوئے کہا۔

''سیدھی طرح مجھے اس کمینے کے پاس لے چلو۔'' میں باورچی خانے سے پہلی منزل پر واقع کمروں کی سیڑھیوں کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

ہرچرن باورچی خانے سے غائب ہوگیا تھا۔

یکا یک انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں سیڑھیاں چڑھ چکا تھا اور پہلی منزل کے کمروں کے دروازے چھو کر ہرچرن کی موجودگی کا یقین کر رہا تھا کہ میرے قریب سے ایک گولی گزر گئی۔ راہداری میں کوئی مسافر شب خوابی کے لباس میں مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔ انکا اس کے سر پر بیٹھی تھی۔ اس نے دوسری گولی چلائی لیکن اس بار بھی اس کا نشانہ خطا ہوگیا۔ جب وہ تیسری بار نشانہ لے رہا تھا تو میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ انکا اس کے سر سے غائب ہو چکی تھی۔ پھر جب تک وہ کوئی اور آدمی تلاش کرتی، میں ہرچرن کو تلاش کرنے کے لئے دوسری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ دوسری منزل پر ایک عورت نیم عریاں حالت میں چیختی چلاتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے سر پر بھی انکا تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس عورت کو دھکا دیا اور انکا سے کہا۔ ''کم بخت! یہ کیا مذاق کر رہی ہے؟ اگر ہرچرن کو بچانا ہے تو اپنے آقا کے سر پر جا۔ اسے اس وقت تیری ضرورت ہے۔''

چوتھی پانچویں منزل پر بھی ہرچرن نہیں تھا۔ انکا یقیناً اب اس کے پاس واپس چلی گئی تھی مگر وہ کسی وقت بھی میرے لیے کوئی الجھن پیدا کرسکتی تھی۔ کم از کم ایسی الجھن جو پولیس کی نظروں میں دوبارہ مجھے مشکوک بنا دیے۔ وہ کسی بھی آدمی کے سر پر جا کر اسے میرے خلاف اکسا سکتی تھی۔ حالانکہ کوئی عام آدمی مجھے کم ہی نقصان پہنچاتا مگر ہرچرن اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کے کہیں نکل کر نچلی سیڑھیوں پر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ میں اس کے تعاقب میں تیزی سے دوڑا اور میں نے پانچویں منزل کے ایک کمرے میں اسے داخل ہوتے دیکھا۔ میں نے بھاگنا بند کر دیا اور اطمینان سے سانس درست کرتا ہوا ہوٹل کے متوحش بیروں کی نظروں سے بچتا بچاتا ہرچرن کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی تو انکا میرے سر پر آگئی۔ اس نے اپنے نکیلے پنجے تمام تر طاقت سے میرے سر پر چبھو دیئے۔ ''جمیل احمد خان! اندر مت جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس اسلحہ ہے۔ ہرچرن پوری طرح محفوظ ہے۔ تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

''تم کسے ڈرا رہی ہو انکا؟ یہ تو ہوٹل کا لحاظ ہے جو ہرچرن کو اتنی رعایت مل گئی۔'' یہ کہہ کر میں نے

دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ انکا پھر میرے سر سے اتر گئی۔

انکا نے اپنے آقا کی وفاشعاری کا حق ادا کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا ایک تیس سالہ صحت مند عورت فیل مچا رہی ہے۔ وہ ہرچرن سے باہر جانے اور کمرا چھوڑنے کے لئے کہہ رہی تھی پھر اچانک وہ خاموش ہوگئی کیونکہ انکا اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ اب اس نے مجھے حکم دیا۔ ''میرے کمرے سے نکل جاؤ۔''

میں نے پیچھے مڑ کر دروازے پر چٹخنی لگا دی۔ ہرچرن پھٹی پھٹی خوف زدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کسی طور عورت کے سر پر رہے اور میں اس عرصے میں ہرچرن سے آسانی کے ساتھ نمٹ لوں چنانچہ میں نے انکا کو الجھانے کے لئے، جو عورت کے سر پر تھی، کہا۔ ''تم خاموش کھڑی دیکھتی رہو۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی یا اس عورت کو ورغلانے کی کوشش کی تو میں اس کمرے کو آگ لگا دوں گا۔''

''مہاراج۔ مجھے شما کر دو۔'' ہرچرن گھگیاتے ہوئے بولا۔

''تم چاہو تو اپنی مدد کے لئے انکا کو آواز دے سکتے ہو۔''

''مہاراج! تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔'' وہ گڑگڑا کر بولا۔ میں اس لمحے میں کوئی وار کرسکتا تھا جب انکا اس کے سر پر نہیں تھی لیکن ایسا کرنے سے پہلے میں اس سے دو باتیں کرنا چاہتا تھا۔ ''میں نے تمہارے پیغام سن لیے تھے، ہرچرن مہاراج!''

''مہاراج! مجھے بدری نرائن نے بہکایا تھا۔'' ہرچرن کی آواز لرز رہی تھی۔ ''مجھے شما کر دو۔ چاہو تو انکا بھی میں تمہیں دان کرسکتا ہوں پر مہاراج مجھے......''

''چپ رہو۔'' میں نے اسے ڈانٹ دیا اور عورت کو حکم دیا۔ ''تم اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرو۔''

عورت نے میرا حکم مسترد کر دیا اور ایک بھاری پھول دان اٹھا کر میرے سر پر مارنے کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ میں نے پھول دان اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ پھر وہ اپنے لباس کی الماری کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول تھا۔ ''میں تم پر گولی چلا دوں گی۔'' وہ چیخ کر بولی۔

اسی اثنا میں ہرچرن پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا مگر دروازے پر اوندھے منہ گر گیا۔

میں نے دیکھا، انکا عورت کے سر سے اتر کر اسی وقت ہرچرن کے سر پر آگئی۔ انکا کے جانے کے بعد عورت ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

''خاموش کھڑی رہو۔'' میں نے گرج دار آواز میں عورت سے کہا۔

وہ سہم گئی۔ میرا حلیہ، لمبے بال، داڑھی، ایک ہاتھ، ڈھیلی ڈھالی عبا۔ میری آواز میں اتنا تاثر تھا کہ وہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ ''پستول مجھے دو۔'' میں نے کہا۔ اس نے فوراً پستول

Downloaded from Paksociety.com

میری طرف اچھال دیا۔ میں نے پستول ایک طرف پھینک دیا۔ ”ہاں ہرچرن! اب تمہارے سر پر انکا دیوی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جس کے سر پر ہوتی ہے، اس کی شکتی بڑھ جاتی ہے تم میری طرف کیوں نہیں بڑھتے؟“

”مہاراج۔ میں انکا کی موجودگی کے باوجود تم سے شما چاہتا ہوں۔“ ہرچرن کے لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ انکا اس کے سر پر تلملا رہی تھی۔

”تم نے پریم کو لوٹا، پریم جیسی پھول لڑکی کو۔“ ہرچرن لڑکھڑانے لگا۔

”وہ تمہارا ابدری نرائن اب کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ حرام زادہ!“ میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”وہ سورت میں ہے مہاراج!“ ہرچرن تیزی سے بولا۔ امید کی ایک کرن اس کی آنکھوں میں پیدا ہوگئی۔

”بلاؤ اسے۔ آواز دو مگر تم صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہو۔ اس وقت میں تمہارے سامنے ہوں تو تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟“ ہرچرن نے مایوسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

”اے عورت! کیا نام ہے تمہارا؟“ میں نے سحر زدہ عورت سے پوچھا۔ وہ ہماری گفتگو سے بری طرح خوف زدہ ہوگئی تھی۔

”کانتی، مہاراج!“ وہ بے ساختہ بولی۔

”کانتی! تم اس ملیچھ پنڈت ہرچرن کے منہ پر طمانچے مارو۔ اس کے منہ پر تھوکو...... چلو۔“

کانتی کے قدموں میں لرزش پیدا ہوگئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹی عین اس وقت انکا ہرچرن کے سر سے الگ ہوگئی۔

میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ انکا عورت کے سر پر چلی گئی تھی۔ میں نے ایک ثانیے کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں اور ہرچرن کی طرف پھونک ماردی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ دروازے سے زمین کی طرف ڈھلک گیا۔ ہرچرن کے تمام اعضا اینٹھ گئے تھے اور وہ کسی جذامی شخص کی شکل میں تڑپ رہا تھا۔ ہرچرن کی یہ بدہیتی دیکھ کر عورت بے ہوش ہوگئی۔ انکا مفلوج ہرچرن کے سر پر آچکی تھی۔

”کیا اب بھی تم اس کا سر نہیں چھوڑو گی؟“

”نہیں۔ میں آخر دم تک اس کے ساتھ رہوں گی۔“

”میں اسے اسی طرح چھوڑنا چاہتا ہوں۔“

”میں ہمیشہ اسی طرح اس کے ساتھ رہوں گی۔“ انکا بولی۔

”تو پھر مجھے اس کا سانس بند کرنا پڑے گا۔“

”میری موجودگی میں تم اس اقدام سے نقصان اٹھا سکتے ہو۔“

”اوہ...... تمہارا یہ رنگ بھی بہت دلکش ہے۔“ مجھے ہنسی آگئی۔

”جاؤ، اپنے اس مفلوج آقا کے ساتھ جاؤ۔ کچھ سزا تمہیں بھی ملنی چاہئے۔“

انکا ہرچرن کے سر پر بے رخی سے پہلو بدلنے لگی۔

ہرچرن چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا تھا۔ اب انکا کے لئے اسے اٹھائے پھرنا بہت مشکل تھا۔ وہ ابھی تک کراہ رہا تھا۔ میں نے بے ہوش کانتی کو اٹھایا اور اسے بستر پر لٹا کر مراقبے کی ایک چھوٹی سی مشق کی۔

پھر میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا دماغ انگلیوں سے سہلانے لگا۔ اس طرح میں اس کے ذہن سے موجودہ واقعہ محو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انکا ہرچرن کے ساتھ بے بسی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازے کی چٹخنی کھول دی اور انکا سے کہا۔

”اب اس کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور اس کے لئے کوئی نئی لڑکی فراہم کرو تاکہ اس کے خون میں حرارت پیدا ہو۔“

میں راہداری میں آگیا اور دیر تک کھڑا بیروں کو اپنی شناخت کراتا رہا۔ مجھے ہرچرن کے باہر نکلنے کا انتظار تھا۔ پھر میری آنکھوں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا کہ ہرچرن لڑھکتا ہوا کانتی کے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ ایک گٹھڑی کی شکل میں زمین پر لڑھک رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ میں دور کھڑا یہ کھیل دیکھتا رہا۔ مجھے احساس تھا کہ میرے عمل کے توڑ کے لئے ہرچرن کسی بڑے پجاری کے پاس انکا کو بھیجے گا اور یہی ہوا۔ جب ہوٹل کے بیروں نے مفلوج ہرچرن کو دیکھ کر اسے چادر کے بنائے ہوئے اسٹریچر پر لٹا دیا تو میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا۔ انکا اس کے سر پر نہیں تھی۔ میں نے نہایت عجلت میں بیروں کو ہٹا کر ہرچرن کی نبض دیکھی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آنے کی دیر تھی۔ اسے بجلی کی طرح ایک جھٹکا لگا اور بیروں نے چادر زمین پر رکھ دی اور اس کے منہ پر ایک اور چادر ڈال دی۔

بیروں کی چہ میگوئیوں اور چیخ پکار سے کمروں میں ٹھہرے ہوئے بعض مسافر باہر نکل آئے اور لاش کے گرد جمع ہوگئے۔ میں سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔ مجھے کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کسی قرض کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے۔ بمبئی کی سڑکوں کی وہی رونق تھی۔ زندگی بھاگ رہی تھی۔ عمارت سے میرے باہر نکلنے کی دیر تھی کہ میرا ہلکا سر بھاری ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی شرمسار نظر آتی تھی۔ میں اس سے نہیں بولا۔ یوں ہی سڑکوں پر چلتا رہا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر اس نے بڑی مشکل سے لب کھولے۔ ”سنو!“ وہ خوابیدہ آواز میں بولی۔ ”اے، کیا بہت ناراض ہو۔“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے بہت ہلکے سے میرے سر پر چپت لگائی۔ ''اے...... یہ کیا ہے؟''

میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہرچرن کی موت نے میرے کاندھے سے ایک وزنی بوجھ اتار دیا تھا۔ اب ہوٹل والے پولیس کو اطلاغ دے رہے ہوں گے اور تھوڑی دیر میں پولیس پہنچ جائے گی۔ کانتی کا ذہن پلٹ دینے کے بعد ہرچرن کی موت کا کوئی عینی شاہد باقی نہیں تھا۔ البتہ انکا سب کچھ جانتی تھی لیکن اس وقت وہ میرے سر پر موجود تھی۔ ایک مدت بعد وہ پھر اسی انداز اور شوخی سے وہاں دراز تھی جیسے کوئی عرصے بعد اپنے گھر آیا ہو۔ میرا سر اس کا آشیانہ تھا لیکن خود میرا کوئی آشیانہ نہیں تھا۔ میں ٹیکسی کی نشست سے سر ٹکائے بمبئی کے بازاروں اور شہر کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا ہرچرن مجھ سے مقابلے کی کوشش کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں نے کسی حقیر کیڑے کی طرح اسے مسل دیا تھا۔ پولیس کے بعد بمبئی کے مہان پنڈتوں کو خبر ہو گی کہ ہرچرن اس حالت میں مارا گیا اور اس کے سے سر انکا غائب ہے۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ یہ کام جمیل احمد خان نے کیا ہے تو ان کا اشتعال دیدنی ہو گا۔ گو میں وہاں نہیں ہوں گا۔ پریم کی دوشیزگی کا بدلہ ہرچرن کی موت نہیں تھی۔ مجھے نقصان کے اس سودے کا احساس تھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟'' انکا نے آہستگی سے کہا۔

میں اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔ ''کیا بہت خفا ہو؟ معاف نہیں کرو گے؟'' انکا نے خوشامد کی۔

''تم کون ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا سر چھوڑ دو۔''

''تمہارا سر چھوڑ دوں تو کہاں جاؤں؟ تم نے ہرچرن کو مار دیا ہے، اب تمہارے سوا میرا کون ہے؟'' انکا نے شوخی سے کہا۔

''کوئی اور سر تلاش کرو، کسی نئے پنڈت کے سر پر جاؤ۔ انہیں تمہاری بڑی ضرورت ہے۔'' میں نے اکتاہٹ سے کہا۔

''جمیل!'' انکا بسور کر بولی۔ ''تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔ ہرچرن کی مدد کرنا میرا فرض تھا کیونکہ اس وقت وہ میرا آقا تھا۔''

''اسی لیے میں نے تبت میں نندا کے استھان پر سردی گرمی کا خیال کیے بغیر اپنی زندگی کے بہترین دن گزار دیئے تھے۔ مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے، میں تو ہرچرن سے پریم کا انتقام لینے آیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے، تم میری وجہ سے نہیں آئے تھے مگر مجھے دیکھو، میں سیدھی تمہارے پاس آئی ہوں۔'' انکا کے لہجے میں حسرت شامل ہو گئی تھی۔

''تم اس شخص کے پاس آئی ہو جسے تم نے قدم قدم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ تم نے پریم کو

نہیں چھوڑا، تم نے مجھے بہکانے کی کوشش کی، تم نے سید غوث سے مجھ پر حملہ کرایا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں برسوں سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ یہ سب کس کی وجہ سے ہوا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''اور تم شوخیاں کر رہی ہو؟''

''لیکن اس میں میری خطا کیا ہے؟'' انکا رقت بھری آواز میں بولی۔ ''جب میں تمہارے پاس تھی تو میں نے تمہارے کسی حکم کی تعمیل سے کبھی انکار کیا؟''

''لیکن جب تم چلی گئیں تو تم نے اپنے سابقہ احسانات کے بدلے گن گن کے لئے۔ تم بہت خطرناک عورت ہو۔ انمی تم سے دور دور رہے تو بہتر ہے۔ اسے اس اذیت سے تو نجات مل جائے گی کہ جس نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے، اس سے ماضی میں کوئی آشنائی تھی۔''

''تمہاری باتیں درست ہیں اور میرے پاس ان کا کوئی جواب بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں تمہارے سر سے چمٹی رہوں۔ اگر تم مجھے کوئی حکم دینا نہیں چاہتے اور تمہیں میری ضرورت نہیں رہی تو ٹھیک ہے۔ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گی، خاموش بیٹھی رہوں گی لیکن کہیں اور بھٹکنے کے بجائے میں تمہارے سر پر رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اتنی اجازت تو دو۔''

''تاوقتیکہ کوئی اور پنڈت تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کرے، میں تو ایک کھلونا ہو گیا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''اب شاید کوئی اور پنڈت عرصے تک یہ حماقت نہ کرے لیکن آنند لال...... آنند لال تو تمہارا دوست ہے؟'' انکا کے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا آنند لال؟''

''ہاں وہ بے چارہ گلبرگہ میں میرے حصول کے لئے جاپ کرنے بیٹھ گیا ہے۔'' انکا نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''جب تم گلبرگہ سے چلے تھے تو اس نے سوچا تھا، اپنے دوست کو انکا کا تحفہ کیوں نہ پیش کیا جائے؟ اس نے خیال کیا ہو گا اگر ہرچرن تمہارے ہاتھ نہ پڑا تو یوں ہی اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے، اس لیے وہ خود جاپ کرنے بیٹھ گیا۔ اب میں اکتالیس دن تک تمہارے پاس رہوں گی۔ پھر آنند لال کے سر پر چلی جاؤں گی اور وہ مجھے طشتری میں سجا کر تمہاری خدمت میں پیش کرے گا۔''

''اوہ۔ وہ بے وقوف پنڈت۔ آنند لال کو معلوم نہیں تھا کہ ہرچرن مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ اس نے یہ حماقت کیوں کی؟''

''وہ تمہیں زحمتوں سے بچانا چاہتا ہے۔ اس کے ارادے بدلے نہیں ہیں۔ وہ تمہارا دوست ہے۔''

''مگر میں اس کا تحفہ واپس کرنے اور ٹھکرانے کی قوت بھی رکھتا ہوں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

''بہت ناراض ہو چکے مجھ پر۔ اب کوئی اچھی بات کرو۔ تم سے خوبصورت باتیں کیے ہوئے عرصہ گزر گیا۔''

''انکا! تم سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''کیا کوئی صورت صلح صفائی کی نہیں ہو سکتی؟'' انکا نے اداسی سے کہا۔

''بس یہی کہ تم میرے سر سے دفع ہو جاؤ۔''

انکا خاموشی سے میرا سر کریدنے لگی۔ آنند لال کی خبر نے مجھے ایک اور تشویش سے دوچار کر دیا تھا۔ ٹیکسی اسٹیشن کے احاطے میں پہنچ کر رکی۔ میں نے کرایہ ادا کیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا لیکن ابھی تک میں کسی فیصلے نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب صرف بدری نرائن رہ جاتا تھا جس کا ناپاک وجود جلد از جلد ختم کر کے ہی اطمینان کے موسم کی توقع کی جا سکتی تھی۔ کلدیپ ابھی تک جاپ میں مصروف تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تزئین کو پریم لال کے استھان سے لا کر رکن الدین کی حویلی میں منتقل کر دوں کیونکہ وہ کلدیپ کے طویل جاپ سے شدید تنہائی اور مایوسی محسوس کر رہی ہوگی۔ ادھر گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں پریم، ناہید، مالا اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انکا بدستور میرے سر پر موجود تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان نظروں کی چبھن مجھے بوکھلا دیا کرتی تھی لیکن اب میں ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

''کیا میں کوئی بات کر سکتی ہوں؟'' انکا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''تم اپنے آپ کو پریشان کر رہی ہو؟''

''میں کلدیپ اور تزئین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں ان دونوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔''

''ارے تم تو پتھر بن گئے ہو۔''

''تمہاری موجودگی میرے اہم فیصلوں میں مخل ہو رہی ہے۔''

''تم کیا فیصلے کر رہے ہو؟'' انکا نے حجت کی۔ ''کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔ ہمیں بھی اپنی پریشانی میں شامل کر لو۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔''

''ہونہہ!'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اب مجھے سہاروں پر اعتماد نہیں رہا۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔''

پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ انکا بے بسی سے تلملانے لگی۔ میں کبھی کبھی عالم تصور میں نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرتا تھا۔ اس کی کیفیت مجھ سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ میں اپنے خیالوں میں محو تھا۔ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھے منانے کی بہت کوشش کی۔ [illegible]

ارادے سے ٹکٹ گھر کی جانب بڑھا اور میں نے ٹکٹ بابو سے سورت کا ایک ٹکٹ مانگا۔

''جمیل! کیا واقعی تم اتنے غصے میں ہو کہ تمہاری نظروں نے دور تک دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہرچرن نے تم سے بدری نرائن کے بارے میں ٹھیک کہا تھا لیکن اب وہ سورت میں نہ ہے' ہرچرن کا انجام معلوم ہو جانے کے بعد وہ سورت سے چل پڑا ہے' جنوب کی طرف۔''

''میں تمہاری دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔''

''میری بات مان لو۔ تم کہاں تک بدری نرائن کا تعاقب کرو گے؟ وہ بھاگتا رہے گا۔ پہلے تمہیں کلدیپ اور تزئین کا خیال کرنا چاہیے۔ کلدیپ' بدری نرائن کے سلسلے میں زیادہ سودمند ثابت ہوگی۔ کلدیپ کے استھان پر پنڈت' پجاری دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ انہیں یقین ہے کسی نہ کسی دن تم وہاں ضرور پہنچوں گے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت تھک چکے ہو۔ تھکن تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔ جمیل احمد خان! میرے پیارے' بدری نرائن فرار ہے تو اسے فرار ہی رہنے دو۔ یہ کتنے لطف کی بات ہے کہ اب وہ تم سے دامن بچاتا پھر رہا ہے۔ کبھی کسی مندر میں' کبھی کسی پہاڑ پر' کبھی کسی مہان پنڈت کے استھان میں۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر تم تزئین' ناہید اور کلدیپ کا ٹھکانہ پیدا کر لو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''نہیں آپ بہت سچ کہہ رہی ہیں۔ آپ اپنے چہیتے بدری نرائن کو معاف کرنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔'' میں نے طنزیہ کہا۔ ''آپ کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ اب اپنا منہ بند رکھیے اور شرافت سے اتر جائیے۔ مجھے آپ کا کوئی مشورہ قبول نہیں۔''

''کیا میں اتنی بری لگتی ہوں، اب میرے لیے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی؟'' انکا میرے تلخ رویے سے روہانسی ہو گئی۔

''تم تکرار کر رہی ہو اور خواہ مخواہ بات کو طول دے رہی ہو۔''

''مجھے شبہ ہے کہ تم یہ باتیں دل سے نہیں کہہ رہے ہو۔''

''تم تو دلوں کا حال جانتی ہو۔''

''جانتی تو ہوں۔ پر تمہارے دل کا یقین نہیں آتا۔''

''میرا دل بہت صاف ہے۔ پہلے کی طرح گندا نہیں ہے۔''

''تو کیا میں چلی جاؤں؟'' انکا نے تلخی سے کہا۔

''میں تمہارا یہ آخری احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے جمیل!'' انکا سرد آہ بھر کر بولی۔ ''ٹھیک ہے، تم واقعی مجھ سے اکتا چکے ہو، میں جا رہی ہوں۔'' میں نے جواب نہیں دیا۔ انکا کچھ دیر تک گومگو کی کیفیت میں بیٹھی رہی پھر بہت آہستگی اور خاموشی [illegible]

کے ساتھ میرے سر سے رینگ گئی۔

وہ چلی گئی اور میں نے اسے نہیں روکا۔ سورت جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ میں ڈبے میں بیٹھ گیا۔ مجھے بیٹھے ہوئے ابھی چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ انکا کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ میں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ انکا جا چکی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میں نے اسے کیوں جانے دیا؟ وہ اپنے آقا ہر چرن کے اشاروں پر ناچنے کے لئے مجبور تھی۔ وہ جب بھی آزاد ہوتی تھی، کسی جاپ کے بغیر میرے سر پر آجاتی تھی۔ بدری نرائن کے بارے میں اس کی معلومات یقیناً درست ہوں گی۔ اب میرا سورت جانا بے کار ہے۔ تو کیا میں کلدیپ کے ٹھکانے پر جاؤں اور تزئین کو وہاں سے لے آؤں؟ لیکن اس سے پہلے مجھے گلبرگہ جانا چاہئے جہاں رکن الدین کی حویلی میں ٹھہرے ہوئے میرے بہی خواہ کشمکش سے دوچار ہوں گے، میں ڈبے سے اٹھ آیا اور میں نے ٹکٹ گھر جا کر اپنا ٹکٹ بدلوالیا۔

گلبرگہ جاتے وقت مجھے سکون سے ارتکاز کی مشقیں کرنے کا موقع مل گیا۔ اوپر سیٹ پر لیٹ کر میں نے اپنے آپ کو تفکرات سے آزاد کر کے کچھ وقت عدم میں گزار دیا۔ مراقبہ عدم ہی کی ایک حالت ہے جہاں سے واپس آکر توانائیاں بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مراقبہ، برداشت کا سب سے مفید عمل ہے۔ وہ زندگی میں موت کا ذائقہ چکھنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ موت جو عام انسانوں کی نظر میں زندگی کی بیخ کنی ہے اور جو ذہن رسا کے لئے زندگی کی ایک دوسری کیفیت سمجھی جاتی ہے۔ موت ایک مکمل انقطاع ہے لیکن خاتمہ نہیں۔ مراقبہ زندگی سے ایک عارضی انقطاع ہے مگر یہ باتیں چھوڑیئے۔ میں اپنے عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ ملاتا ہوں۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی میں اس وقت سید غوث، مالا، پریم اور اس کا باپ موجود تھے۔ اس گھر میں اتنے افراد کی موجودگی سے بڑی رونق ہوگئی تھی۔ میں جب وہاں پہنچا تو عید سی ہوگئی۔ رکن الدین اور ناہید نے میری خاطر مدارت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ دوسرے روز گھر کے ہنگاموں سے فارغ ہو کے میں سید غوث کے ہمراہ گلبرگہ کے سنہرے علاقے سے دور آنند لال کی کٹیا تک گیا۔ یہیں آنند لال سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آنند لال کو منڈل میں بیٹھ کے انکا کے حصول کا سخت جاپ کرتے دیکھ کر مجھے بڑا تاسف ہوا۔ میں اسے منڈل سے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ جس انکا کے لئے جاپ کر رہا تھا، اسے میں نے خود دھتکار کر جدا کر دیا تھا۔ آنند لال کے جاپ میں ۴۷ روز رہ گئے تھے اور یہ ۴۷ روز اسے ہر حالت میں منڈل میں بیٹھ کر گزارنے تھے اور کامیاب واپس آنا تھا۔ اگر اس عرصے میں وہ اپنے جاپ میں ناکام ہو جاتا یا کوئی باہر کی طاقت اس کا استغراق توڑنے میں کامیاب ہو جاتی تو آنند لال بڑی عبرت ناک موت مارا جاتا۔ مجھے اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ کوئی پنڈت آنند لال اور مجھ سے انتقام لینے کے لئے منڈل میں رخنہ انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ آنند لال نے

اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے میں عجلت کی۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اور سید غوث اسے دیکھ کر چلے آئے۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ بیٹھک میں اکٹھے ہوئے تو بڑی دلچسپ باتیں چل نکلیں، رکن الدین کی بیوی اور ناہید کی چھوٹی بہن۔ ناہید (مجھے اس کا نام ناہید ہی یاد آتا تھا حالانکہ اس کا اصل نام جمیلہ تھا چنانچہ جہاں میں ناہید کہوں تو جمیلہ، جمیلہ کہوں تو ناہید سمجھ لیا جائے) پریم، مالا، ڈاکٹر سکینہ، سید غوث اور رکن الدین۔ میں درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم سب اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے، اس بھرے گھر میں مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی تھی، رکن الدین کی بیوی گلوریاں بنا رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"ذرا، میری سنو، میرے عزیزو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تم سب کو یہاں دیکھ کر مجھے جو مسرت ہو رہی ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک بڑا سا خاندان نظر آتا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے مسکراتے ہوئے پُرامید چہرے میرا خون بڑھا رہے ہیں لیکن اس موقع پر مجھے تزئین اور کلدیپ کی کمی محسوس ہوتی ہے، اب تم سے کچھ چھپانا بے سود ہے۔ میری زندگی کے بعض عجیب واقعات تمہارے علم میں آگئے ہیں۔ کلدیپ میسور کی پہاڑیوں پر موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی ہے جو میری بیٹی ہے۔ شاید تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں اس وقت اپنے حالات کی تفصیل نہیں بتاؤں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ دنیا میں بہت کم لوگوں کو ان حالات سے سابقہ پڑا ہوگا جو میرے ساتھ تواتر سے پیش آئے۔"

"خان صاحب!" رکن الدین بڑی عقیدت سے بولا۔ "کیا آپ ہمیں تفصیل سے نہیں بتائیں گے؟ اس وقت سب لوگ موجود ہیں۔ رات اپنی ہے، ہم آپ کی عبرت ناک سرگزشت سننے کے منتظر ہیں۔"

"رکن الدین خان!" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معاف کیجئے کہ میں سب کو تم سے مخاطب کر رہا ہوں لیکن میرے مخاطب سبھی لوگ ہیں۔" پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری سرگزشت اتنی عجیب ہے کہ بعض واقعات پر خود مجھے یقین نہیں آتا مگر یہ انہیں سنانے کا موقع نہیں ہے۔ ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ ابھی مجھے کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے اتارنا اور بدری نرائن ایک پنڈت سے حساب چکانا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں کلدیپ اور تزئین کو وہاں سے لانے کے لئے میسور جا رہا ہوں۔ اس محفل میں، جب وہ دونوں یہاں آجائیں گی تو میرے سینے پر جو ایک غبار ہے، وہ دور ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے میں بعض معاملات میں دخل دے سکتا ہوں۔ میرا دوست آنند لال، بدقسمتی سے ان دنوں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ کوئی

ایک ماہ بعد فارغ ہو جائے گا۔ اس وقت تک میں تم لوگوں سے درخواست کروں گا کہ سب اسی جگہ مل جل کر رہیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں یہاں آکر اپنے سانسوں کا بوجھ اتار سکوں۔"

"آپ پھر جا رہے ہیں؟" پریم درمیان میں بول اٹھی۔

"ہاں پریم!" میں نے شفقت کے انداز میں کہا۔ "مجھے اب تزئین کو لانا ہوگا چاہے کلدیپ نہ آسکے لیکن اطمینان رکھو، میں جلد ہی واپس آجاؤں گا۔ میری وجہ سے تم سب نے بڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں۔"

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔ میرے خیال ہے ہم سب بے حد خوش ہیں۔ مجھے دو بیٹیاں اور مل گئیں اور ایک بیٹا بھی۔ اتنے اچھے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو گھر میں بہار آجاتی ہیں۔ جمیلہ کے آنے سے پہلے یہ گھر بہت اداس تھا۔ آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔" رکن الدین نے سید غوث، پریم اور مالا کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا۔

"ابھی دو بیٹیاں باقی رہ گئی ہیں" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم ان کا عمر بھر انتظار کریں گے۔" رکن الدین نے عزم سے کہا۔

رات گئے تک یہ محفل جمی رہی، کسی کا سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ چائے بنتی رہی اور پان تیار ہوتے رہے۔ مالا کی اجنبیت دور کرنے کے لئے سید غوث اسے چھیڑتا رہا۔ وہ جھینپتی رہی اور ہنستی رہی۔

چار روز تک گلبرگہ میں قیام کے بعد میں نے میسور جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس دوران گھر کی رونقوں، دعوتوں اور ہنگاموں میں انکا مجھے کئی بار یاد آئی۔ یہی گھر تھا جہاں انکا اِدھر سے اُدھر کودتی پھرا کرتی تھی۔ مالا میرے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ نالکھ آشرم کی بات اور تھی، یہ رکن الدین کی حویلی تھی۔ میں اس سے کھنچا کھنچا رہا۔ میری روانگی کی اطلاع سے وہ بڑی مایوس ہوگئی تھی۔ گلبرگہ میں آخری رات رکن الدین نے نہ جانے کس منشا سے محفل سماع منعقد کرالی۔ میں ایک ایسا شخص جو عرصے تک ہندو پنڈتوں، پجاریوں، مندروں، دیوداسیوں اور انکا کے ساتھ رہا ہوں، اس کے لئے یہ انوکھی بات تھی۔ محفل سماع شروع ہوئی تو میرے اندر بہت سے احساسات جاگ اٹھے اور مجھے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا مشکل ہوگیا۔ میرے جسم پر رعشہ سا طاری ہوگیا اور حالت اتنی بگڑی کہ رکن الدین کو مجبوراً قوالی بند کرانا پڑی۔ میرے جسم پر موجود ململ کا کرتہ پسینے میں شرابور ہوگیا تھا۔ قوالی کے خاتمے کا اعلان ہوا تو سید لاٹھی ٹیکتا ہوا دیوان خانے میں نمودار ہوا اور اس نے رکن الدین کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ محفل سماع درمیان میں کیوں بند کردی گئی؟ مجھے ہوش نہیں تھا لیکن میں نے سید کو دیکھ لیا، میں اس سے چمٹ گیا۔ وہ مجھے دھکا دے کر دیوان خانے سے چلا گیا۔ دوبارہ جب قوالوں نے اسی طرح کی گردان کی تو میرا حال دگرگوں ہوگیا۔ قوالی کے اختتام پر رکن الدین اور سید غوث نے مجھے میرے بستر پر ڈال دیا۔ میں رات

بھر نزع کی کیفیت میں مبتلا رہا اور جب صبح مجھے ہوش آیا تو میرا سر بھاری تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ بہت دنوں بعد میری یہ حالت ہوئی تھی کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو جاؤں۔ مجھ میں ضبط اور برداشت کے لئے مثالی جوہر پیدا ہو چکے تھے لیکن رات نہ جانے کیا ہوا۔ جیسے ہی قوال نے تان اٹھائی اور تکرار کی، میں اپنے آپ میں نہیں رہا۔ ہفتوں، مہینوں، برسوں ارتکاز اور مراقبے کی مشق کرنے والا شخص ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قوال کی لے میرے دل پر ضرب لگا رہی ہے اور میرے دور افتادہ خوابیدہ احساسات جھنجوڑ رہی ہے۔ پھر پریشانی کا ایک دورہ پڑا اور میں نے خود کو ملامت کی لیکن میں کیوں نادم تھا؟ اور کیوں اپنے آپ سے شکایت کر رہا تھا؟ اس کی وجہ خود میرے ذہن میں واضح نہیں تھی۔ بستر سے اٹھ کر میں نے غسل کیا اور ذہن پُرسکون کرنے کے لئے ارتکاز میں ڈوب گیا۔ ارتکاز کرنے میں مجھے شروع شروع میں دشواری ہوئی لیکن ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے ایک جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

گلبرگہ سے میری روانگی کے وقت مجھے رقت انگیزی، گداز اور جذبہ خیزی کے ایک اور مرحلے سے گزرنا پڑا۔ وہ سب اسٹیشن تک آنا چاہتے تھے لیکن میں نے سید غوث کے سوا کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ سید غوث میسور تک میرے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگا۔ مجھے اسے سمجھانے بجھانے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ خلاف توقع وہ کچھ خاموش اور سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے کریدنے کے لئے پوچھا۔ "کیا بات ہے سید غوث؟ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے اپنے ساتھ لے جانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟"

"ضد مت کرو۔" میں نے اسے سمجھایا۔ "کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے مجھے پنڈتوں کی ایک ٹولی سے نبرد آزما ہونا پڑے گا، پتا نہیں کیا حالات پیش آئیں۔ بدری نرائن ابھی تک زندہ ہے اور اسے پنڈتوں کی اعانت حاصل ہے، وہ انتہائی کمینہ خصلت ہے۔ مجھے یقین ہے پریتم لال کی پہاڑی پر میرا چڑھنا اور کلدیپ سے ملنا وہ برداشت نہیں کرے گا اور میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کرے گا۔ میں خواہ مخواہ تمہیں ساتھ رکھ کر پریشانیوں میں الجھانا نہیں چاہتا، جب کہ رکن الدین کی حویلی میں تمہارا ٹھہرنا ضروری ہے۔ وہاں صرف ایک مرد ہے، یوں بھی اپنے ساتھ تمہاری موجودگی کی وجہ سے میرا ذہن تقسیم ہو جائے گا۔"

وہ کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں بولا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں۔"

"سید غوث!" میں نے اس کے چہرے پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تمہاری رفاقت میرے لیے مسرت کا باعث ہوگی۔ میں تمہارا خلوص کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔"

Downloaded from Paksociety.com

"میں کچھ اور چاہتا ہوں۔" سید غوث نے آہستگی سے کہا۔

"جو کہنا چاہتے ہو، صاف صاف کہو۔"

"آپ نے ایک بار تزئین کے بارے میں مجھ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔" سید غوث نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں نے اس وقت آپ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میری جسارت آپ کو ناگوار نہ گزرے۔"

"میں سمجھا نہیں سید غوث؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں اب آپ کے ساتھ ہی رہوں۔" وہ اب بھی اشاروں میں عندیہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"او ہ تم تزئین کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "مگر تمہیں تو یہ علم بھی نہیں کہ وہ کون ہے اور تم نے اس کی جھلک بھی نہیں دیکھی۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ میری درخواست ہے۔"

رکن الدین کی حویلی میں سید غوث اور پریم کی بے تکلفی اور چھیڑ چھاڑ دیکھ کر میں نے سوچا کہ پریم اور سید غوث کی جوڑی خوب رہے گی حال میں پریم ایک پارسی لڑکے سے محبت کرتی تھی مگر اب اس سے شادی پر آمادہ نہیں تھی۔ ہرچرن کے شرم ناک واقعے کے بعد اس نے اپنے محبوب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سمجھتی تھی کہ اب وہ اس کے لائق نہیں ہے، وہ اپنے محبوب کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پریم کو کئی بار ٹٹولا تھا اور اس نے سرے سے شادی کرنے ہی سے انکار کر دیا تھا۔ سید غوث نے مجھے ایک اور طرح سوچنے پر مائل کر دیا تھا۔ تزئین کے لئے اس سے بہتر انتخاب فی الحال میری نظر میں نہیں تھا۔ اس نے تزئین کا ہاتھ تھامنے کا اظہار کر کے میرے سر سے وزن اتارنے کی پیشکش کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا گو مجھے یقین تھا کہ تزئین میرے کسی فیصلے سے انکار نہیں کرے گی لیکن اس کی مرضی اور کلدیپ کا مشورہ میرے لیے ضروری تھا۔

میں نے سید غوث کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! تم سے زیادہ قریب میرے لیے کون ہوگا لیکن میں تمہیں آخری جواب نہیں دے سکتا۔ میری واپسی کا انتظار کرو۔ کلدیپ کا بھی تزئین پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔ میں اس سے تمہارے سلسلے میں مشورہ کروں گا۔"

"مجھے اعتماد ہے، آپ کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔" سید غوث نے بڑے اعتماد سے جواب دیا پھر وہ اس وقت تک میرے ساتھ رہا جب تک گاڑی اسٹیشن سے روانہ نہ ہوگئی۔ نظام شاہی پولیس کا ایک جوان العمر انسپکٹر سید غوث جو کبھی مجھے گرفتار کرنے آیا تھا، آج مجھ سے کسی قسم کی رفاقت کا طالب تھا؟ وقت بھی کیسے کیسے چولے بدلتا ہے۔

گلبرگہ کی جانب سے مطمئن ہو جانے کے بعد ریل میں مجھے پریتم لال کے استھان کی رکاوٹوں کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اب تک متعدد پنڈت پجاری میرے عتاب کا نشانہ بن چکے تھے اور ان کا ہر وار سہہ کر میں بار بار ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا تھا لیکن وہ اس آنکھ مچولی سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کی شدت میں خاصی کمی ہوگئی تھی۔ پولیس کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ آنند لال بھی اب ان کے قبضے میں نہیں رہا تھا۔ انکا بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ میں شیو شنکر پاڑ تک پہنچ گیا تھا اور میں نے ان کے ایک سادھو شنکر کو ہلاک کر دیا تھا۔ دوسرے پجاری کو شیو شنکر پاڑ کا پتا بتانے کی سزا مل چکی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔ آنند لال کا جاپ ختم ہونے میں بہت دن باقی تھے۔ پہاڑی پر جانے سے پہلے میں نے میسور کے ویران علاقوں میں دو تین روز تک غیر معمولی مشقیں جاری رکھیں پھر میں دیکھے بھالے راستوں کی طرف چل پڑا۔ کلدیپ سے ملاقات کا تصور حوصلے بڑھاتا تھا۔ نندا کی نصیحت کے مطابق میں بدری نرائن سے پہلے کلدیپ کو اپنانے جا رہا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کے شخص کے دل میں میٹھی میٹھی کسک پیدا ہو رہی تھی۔ میں جب پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا تو مجھے دور سے وہ پجاری نظر آئے جو یکساں فاصلوں پر پہاڑی کے اردگرد بیٹھے تھے۔ میں اس وسیع پہاڑ کا چکر کاٹنے کے بعد ایک جگہ رک گیا اور کسی طویل ہنگامے سے بچنے کے لئے محفوظ راستے تلاش کرنے لگا۔ اس وقت میرے سر پر دھما کا ہوا وہ پھر آ گئی تھی۔ میں نے عالم تصور میں نظریں اٹھائیں تو وہ بڑی شکستہ اور اعصاب باختہ نظر آئی۔ "تم!" میں نے ناگواری سے کہا۔ "تم پھر آگئیں؟"

"ہاں۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"مگر مجھے تمہارے بغیر ہی سکون ملتا ہے۔"

"مجبوری کی بات اور ہے لیکن میں تم سے جدا ہونے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ تم ایک بڑے جادوگر ہو۔"

"کوئی نیا تیور اختیار کرو۔"

"تزئین کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا تمہارے سر پر نہ ہوں گی تو اوپر چلی جاؤں گی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم نے سید غوث کو منتخب کر لیا ہے۔"

"انکا!" میں نے کچھ سمجھتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر تم نے غوث اور تزئین کے درمیان آنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔ میری بات......"

"جمیل!" انکا نے میرا جملہ کاٹ کر مغموم آواز میں کہا۔ "میں تمہاری دشمن کبھی نہیں [illegible] سے مجھے اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا تم سے۔"

"[illegible]" مجھے پریم کا حشر [illegible]

جانے کل تم سید غوث اور ترزئین کے سلسلے میں بھی خطرناک بن جاؤ۔ ہوسکتا ہے کوئی پنڈت پھر تمہیں قبضے میں کرے اور تم لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ مجھے تمہارے وجود کے خلاف جنگ کرنی ہوگی اور یہ میں کرسکتا ہوں۔ تم میرے ارادوں سے بخوبی واقف ہو۔"

"ہاں جمیل تم درست کہتے ہو، لیکن اگر تم نے مجھ سے بہت نفرت کی تو میں خود کو سمندر یا آگ کی نذر کردوں گی۔"

انکا کے لہجے اور اس کی ڈبڈبائی آنکھوں نے مجھے اپنی جانب کھینچنا شروع کردیا۔ میں نے کسی قدر نرمی سے کہا۔ "تم بڑی حرافہ ہو، تم کتنی ہو۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں، تمہاری ہوں۔"

"کیا تم گلبرگہ گئی تھیں؟"

"ہاں میں وہیں تھی۔ تمہاری نظروں سے دور دور رہتی تھی لیکن میں کئی بار سید غوث اور پریم کے سر پر گئی ہوں اور تمہیں معلوم ہے...... میری ان سے خوب باتیں ہوئیں۔"

"لیکن انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔"

"وہ تمہیں بتا کر تمہاری ناراضی مول لیتے۔"

"اوہ جبھی پریم اور سید غوث نے تمہارا ذکر دلچسپی سے نہیں کیا۔"

"وہ کیسے بتاتے، میں نے انہیں منع کردیا تھا۔"

"تم نے سید غوث سے کیا بات کی؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے سید غوث کو ترزئین کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ وہ تو اسی دن تم سے بات کرنا چاہتا تھا جب تم نے تفصیل بتائی تھی، مجھے اسے ہموار کرنے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ وہ تم سے بے حد مخلص ہے۔ وہ خود ہی آمادہ ہوگیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا، جب وہ تم سے بات کررہا تھا، میں اس کے سر پر نہیں تھی۔"

"گویا تمہی نے اسے منہ کھولنے پر اکسایا؟"

"کیوں کیا ترزئین پر میرا حق نہیں ہے؟" وہ بسورتے ہوئے بولی۔ "کیا اسے گندے ماحول سے نکالنے میں، میں نے تمہاری مدد نہیں کی تھی؟"

انکا بہت جذباتی باتیں کرنے لگی۔ میری خاموشی دیکھ کر اسے اور شہ ملی، پھر وہ ترزئین کا سارا واقعہ دہرانے لگی جیسے میں تو اس میں شامل ہی نہیں تھا۔ انکا نے مجھے موم کرنے کے لئے ماضی کے کئی حوالے دیے۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "اچھا اچھا۔ اب چپ رہو۔ سیدھی طرح بیٹھی رہو۔"

"یعنی یہ کہ...... میں تمہارے پاس...... میں......"

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے تم کہیں نہیں ٹلوگی۔"

انکا نے میرے سر پر ناچنا شروع کردیا۔ اس کے زرد چہرے پر بہار آگئی پھر وہ کہنے لگی۔ "تمہیں معلوم ہے کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا نہیں ہوا؟ ارے میں پنڈتوں، پجاریوں کے ساتھ تھی نا۔ میرے سامنے انہوں نے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے۔ ہرچرن ان کا آلہ کار تھا لیکن مجھے حاصل کرنے کے بعد وہ آرام و آسائش میں پڑ گیا۔ اسے لڑکیوں اور گانجے کی ایسی عادت پڑی کہ مجھے اس کے لئے روز ایک لڑکی فراہم کرنا پڑتی تھی۔ وہ اپنے محسن پنڈتوں، پجاریوں سے کترانے لگا تھا اور مجھے لیے لیے آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو پولیس آئی۔ کانتی کو چونکہ تم نے مفلوج کردیا اس لیے وہ کچھ نہیں بتا سکی مگر پولیس نے اسے گرفتار کر ہی لیا اس لیے کہ ہرچرن کی لاش اس کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔"

"کیا کانتی قید میں ہے؟" مجھے اس خبر سے صدمہ پہنچا۔

"ہاں۔ حالانکہ وہ انہیں قسمیں کھا کر یقین دلاتی رہی ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔" انکا نے افسوس سے کہا۔

"تم نے اس غریب کے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"میں تمہارے چکر میں پھنسی رہی، مجھے فرصت ہی کہاں ملی؟ لیکن وہ کانتی کو آخر چھوڑ دیں گے۔"

"اگر نہ چھوڑا تو مجھے پھر بمبئی جانا پڑے گا۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہاں جمیل! یہ تو بتاؤ کہ تم نے مالا کو کہاں سے حاصل کیا؟ کتنی سندر ہے۔ اس کے بارے میں تمہارا ذہن خراب معلوم ہوتا ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"بکواس کرتی ہو۔ عجیب احمق چیز ہو۔" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

"مگر اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" انکا شرارت سے بولی۔

"آنندلال کا جاپ ختم ہونے کا انتظار ہے۔"

"میں خود تم سے یہی کہنے والی تھی۔"

"اچھا آگے بڑھو۔ آگے مجھے کوئی اچھی صورت نظر نہیں آتی۔"

اس وقت جب میں کلدیپ کی پہاڑی پر چڑھنے کی جستجو میں لگا ہوا تھا، انکا کی دوبارہ آمد نے مجھے بڑی تقویت بخشی تھی۔ حالانکہ میں کسی طاقت کی حمایت کے بغیر ان کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا تھا۔ بظاہر وہ [illegible] ی حساس تھیں۔ میں نے اس

سے بدری نرائن کے بارے میں پوچھا تو انکا نے مجھے بتایا کہ وہ میرے سائے سے بھاگتا ہے، اسے کالی کی شکتی اور بڑے پجاریوں کا تعاون حاصل تھا جو اسے بروقت میرے ارادوں سے آگاہ کر دیتے تھے۔ کلدیپ نے کالی شیو شنکر اور دوسرے دیوتاؤں کے لئے بڑے کٹھن جاپ کیے تھے۔ انکا کا خیال تھا کہ اگر کلدیپ میرے ساتھ مل کر بدری نرائن کی سرکوبی کی سعی کرے تو کالی کی شکتی درمیان سے ہٹ سکتی ہے۔ میں انکا کے ساتھ بدری نرائن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک انکا میرے سر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں دور کچھ دیکھ رہی تھیں۔ میں نے اس کے تیور بدلتے ہوئے دیکھے۔

''ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟''

''اور انہیں خبر ہو گئی ہے کہ تم یہاں آ گئے ہو اور وہ تمہارے آگے بڑھنے پر ایک ساتھ حملہ آور ہوں گے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''میں جانتی ہوں، تم کس زور پر یہ بات کہہ رہے ہو لیکن وہ تعداد میں کئی ہیں، تمہاری ذرا سی غفلت بنا بنایا کام بگاڑ دے گی۔ وہ اول و آخر تمہارے دشمن ہیں۔ ان میں گیانی دھیانی لوگ بھی ہیں۔ تم نے ننداکے استھان سے آنے کے بعد انہی پنڈتوں کے ہاتھوں صدمے اٹھائے ہیں۔''

انکا نے جس خطرے کا اظہار کیا تھا، وہ ٹھیک ثابت ہوا۔ ابھی ہم کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ان پنڈتوں اور پجاریوں کا جتھا صاف نظر آنے لگا جو وہاں تعینات کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد غالباً آٹھ تھی اور وہ سب خوف ناک نظروں سے میری سمت دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں ان پر جما دیں۔ ایک بوڑھے پنڈت کے سوا ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو میرے سامنے قدم جمانے کی ہمت کر سکتا۔ انکا محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اپنی چھاتی پھلا کر ان کی طرف بڑھا۔ میرے ان کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

''جمیل! سنو، میں اس بوڑھے کے سر پر جا ہی ہوں جو سب سے آگے کھڑا ہے۔ اس کا نام وشنو داس ہے۔ اس نے اپنا وقت فضول باتوں میں نہیں گنوایا ہے۔ بدری نرائن نے سوچ سمجھ کر اسے یہاں بٹھایا ہے۔ کہو تو میں اس کے سر پر چلی جاؤں، کم از کم کچھ توجہ ہٹانے میں تو کامیاب ہو ہی جاؤں گی۔''

''تم زحمت نہ کرو انکا رانی!'' میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ ''بس خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی شعبدے دیکھتی رہو۔ میری آنکھیں وشنو داس کے جسم کے اندر ہیں۔ یہ بوڑھا شخص مجھے برا نہیں لگتا۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ زندہ رہے لیکن اگر اس نے میرا راستہ آسانی سے نہ چھوڑا تو مجھے مجبوراً اسے موت کا جام پلانا ہوگا۔ اس کے باقی ساتھی تو مجھے مشکل نظر نہیں آتے۔''

''میں یوں ہی بیکار بیٹھے بیٹھے اکتا جاؤں گی۔ اس کے باقی ساتھیوں کے سروں پر تو مجھے جانے دو۔'' انکا نے اصرار کیا۔

''ابھی ٹھہری رہو، دیکھتی رہو کہ آگے کیا ہوتا ہے؟''

''تمہاری مرضی۔'' انکا ناراضی سے بولی۔ اس کی سرخ، شعلہ بار نظریں گھوم رہی تھیں۔ میں فاصلہ گھٹاتا رہا۔ پھر میں کچھ آگے جا کر ایک لمحاتی مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہر طرف شیطانی قوتیں موجود تھیں۔ دوسری طرف وشنو داس اور اس کے ساتھی خندہ پیشانی سے مجھے تہ تیغ کرنے کی فکر میں سرگرداں نظر آتے تھے۔ جس دن کا انہیں انتظار تھا، وہ آ گیا تھا۔ ان کے تیوروں میں نفرت اور غضب کے دریا موج زن تھے۔ ان سب کے جسموں پر بھبھوت ملا ہوا تھا۔ خاص طور پر وشنو داس' کی پیشانی پر مجھے ماورائی قوتوں کا جال سا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہو کر اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گیان دھیان میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے درمیان فاصلہ بہت مختصر رہ گیا۔ میں دیدہ دانستہ رک گیا۔ وہ پہل کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

''رک کیوں گئے جمیل احمد خان!'' وشنو داس سرد آواز میں بولا۔

''تم پر ترس آتا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔

''ہاں میں نے بدری نرائن سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ ہر مہاپرش کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔'' وشنو داس نے طنزاً کہا۔

''تم مجھے گیانی دھیانی دکھائی دیتے ہوئے وشنو داس، میرے بارے میں تمہارا کیا وچار ہے؟''

''بالک ہو۔'' وہ بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''دو چار جنتر منتر آتے ہیں، ابھی کٹھن تپسیا کی ضرورت ہے۔''

''اسی کارن دور سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں مہاراج! کیا مجھے ایک چیلے کی طرح سویکار نہیں کرو گے؟''

''مورکھ!'' وہ حقارت سے بولا۔ ''کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہم کس کارن بیٹھک لگائے بیٹھے ہیں؟''

''پہاڑوں کی گپھاؤں میں دیوی دیوتاؤں کی اور (طرف) لو لگانے اور جاپ کرنے سے منش جیون کے جھمیلوں سے دور رہتا ہے۔ تم کس چکر میں پڑ گئے وشنو داس مہاراج!'' میں نے سادگی سے کہا۔

''مکتی چاہتے ہو تو الٹے قدموں لوٹ جاؤ۔'' وشنو داس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں نے بدری نرائن کو [illegible] سے آگے نہیں جا سکتے۔''

''دھرماتماؤں کو سنسار کے ان وچاروں میں دیکھ کے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ کیا تمہارے لیے یہی بات کافی ہے کہ تم نے بدری نرائن کو وچن دیا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ بدری نرائن کتنا بڑا پاپی ہے؟ کوئی وچن ہمیں بھی دو...... میں بھی اس سے کم پاپی نہیں ہوں۔''

''تو کیول پاپی نہیں، تیرے اندر راون کی آتما موجود ہے، تو دشٹ ہے۔ مہاپرشوں سے مسخری کرتا ہے؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''ناریوں سے لو لگانا بالکوں کا کام ہے مورکھ! اس ناری کے پریم نے تجھے دیوانہ کر رکھا ہے جو اوپر دھونی رمائے بیٹھی ہے، پر تیرا اس کا سنگم نہیں ہوسکتا۔''

''وشنوداس مہاراج! تم سب کچھ جانتے ہو۔ وہی سندر نار فساد کی جڑ ہے۔ تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ جاؤ اسے نرک میں جھونک دو۔ میں وچن دیتا ہوں۔ اگر تم اسے راستے سے ہٹادو تو سارا جیون تمہارے چرنوں میں بتادوں گا۔''

''اپرادھی......'' وشنوداس غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔ ''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اپنے دھرم کی ایک مہان نار کو مار ڈالوں؟''

''تو پھر مجھے مار ڈالو۔ مجھے اس ناری کے بغیر چین نہیں۔ مہاراج! مجھے اوپر جانے دو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''جا تو یہاں سے چلا جا۔ دھرماتماؤں کا کام یہ نہیں ہے کہ خون بہاتے پھریں۔ میں تجھے شما کرتا ہوں۔ اپنا راستہ لے اور پھر کبھی ادھر آنے کا وچار نہ کرنا۔''

''جان پڑتا ہے، میرے بارے میں تم نے بہت کم سنا ہے مہاراج!''

''تو اس بات پر گھمنڈ کرتا ہے کہ کالی کے تہ خانے سے کیسے واپس آ گیا؟ نالکھ آشرم اور شیوشنکر پاڑ کس طرح چلا گیا؟ تو نے ہر چرن کو مار دیا ہے، پر دیوی دیوتا تجھے کب تک چھوٹ دیتے رہیں گے؟''

وہ کہنا چاہتا تھا کہ میری نجات میں یقیناً دیوی دیوتاؤں کی کوئی مصلحت ہوگی۔ میں اس کا مفہوم سمجھ گیا۔ ''ممکن ہے وہ اس بار پھر چھوٹ دے دیں اور میں اپنی نار کے پاس چلا جاؤں۔ سچے پریم سے تو بھگوان بھی پرسن ہوتا ہے مہاراج!'' میں نے چٹکی لی۔

''تو اس طرح جاتا دکھائی نہیں پڑتا۔'' وشنوداس کرخت لہجے میں بولا۔ ''میری نظریں اس چھوکری کو دیکھ رہی ہیں جو تیرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہے۔ پرنتو یہ بھی تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''وشنوداس! تم نے اپنی شکتی کے بل پر انکا کو دیکھ لیا لیکن ابھی تک تم نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، وہ غلط ہے۔ تمہارے مہان پنڈتوں، پجاریوں کے اندازے ہمیشہ غلط ثابت ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنے پریے (بدری نرائن) کے اکسانے پر میرے راستے میں حائل ہوئے تھے۔ اسی جگہ

پریتم لال کے استھان پر، اسی جگہ پہلے بھی ایک گھمسان کا رن پڑ چکا ہے۔''

''سمے برباد مت کر۔ جیون سے زیادہ سندر کوئی چیز نہیں ہے، میری مان اور الٹے قدموں واپس چلا جا۔ اس کنیا کا دھیان من سے نکال دے۔''

''تم اتنے دیالو (مہربان) کیسے بن گئے مہاراج!''

''تو بڑا ہٹی ہے۔ کیا میں اپنے کسی پجاری کو اشارہ کروں کہ وہ تیری بدھی (عقل) ٹھکانے پر لائے۔''

''تم کیا کرو گے؟''

''میں تجھے بتاؤں کہ میں کیا کروں گا؟'' یہ کہہ کر وشنوداس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے پجاریوں میں سے ایک کو اشارہ کیا۔ ''اس سے نمٹ لے۔'' وہ بے پروائی سے مخاطب ہوا۔

وشنوداس کا ساتھی جھجکتے ہوئے تن کر کھڑا ہوا۔ اس نے ایک بار ڈنڈوت کیا۔ اس کے سارے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور اس نے گمبھیر انداز میں کوئی چٹکی سی میری طرف پھینکی۔ میں اپنی جگہ جما رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح چٹکیاں بجاتا اور میری طرف پھینکتا رہا۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ تیرے دن کم کر رہا ہے۔'' وشنوداس نے حقارت سے جواب دیا۔

''بڑا نٹ کھٹ ہے۔ یہ کوئی مداری معلوم ہوتا ہے۔ سمے برباد کر رہا ہے۔'' میں نے وشنوداس کا جملہ دہرایا۔ وہ کچھ پریشان سا ہوگیا تھا۔

''یہ لوگ کئی ہیں جمیل صاحب!'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

پجاری اب تک چٹکیاں بجا رہا تھا۔ وشنوداس غصے سے اس پر دہاڑا اور اس کے ہاتھ پر تھوک دیا۔ پجاری سہم کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ وشنوداس نے قہر کی ایک نگاہ میرے جسم پر ڈالی۔

''کیا اب بھی تم مجھے روکو گے؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔

وشنوداس نے بے زاری سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا میں اسے اوپر جانے دوں؟''

''نہیں وشنوداس مہاراج!'' وہ ایک ساتھ بولے۔ ''ہم جیون دان کر دیں گے۔ پہاڑی سے قریب ہی پجاریوں کا ایک جتھہ موجود ہے۔ تم نے اسے شما کرنا چاہا، پر یہ پاپی شما کے یوگ نہیں ہے۔'' ان کے لہجے سے کمزوری اور خوف عیاں تھا۔

''جمیل! مذاق چھوڑو، جلدی کرو۔ اگر انہیں موقع مل گیا تو یہ کھیل خطرناک ہوسکتا ہے۔''

وشنوداس کے بوڑھے جسم میں کوئی بجلی سی کوندی۔ میں اس گیان دھیانی پجاری کی شکتیاں تول چکا

تھا لیکن وشنوداس اب اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ اس کا جسم پارے کی طرح لرز رہا تھا۔ میں نے یکبارگی آنکھیں موند کر اپنے آپ کو سمیٹا اور وشنوداس کو تنبیہہ کی کہ وہ میرے راستے کا پتھر بننے کی کوشش نہ کرے۔ وشنوداس کا چہرہ آگ بنا ہوا تھا۔ اسے میری شکتی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ نندا کی بخشی ہوئی مہان شکتیاں ابھی تک اس کی نظروں سے اوجھل تھیں۔ یہی ان پجاریوں کی غلطی تھی کہ وہ میری تبت میں گزاری ہوئی مدت سے بے خبر تھے۔ وشنوداس کے تمام ساتھی مجھے سفاکی سے کچل ڈالنے پر آمادہ نظر آتے تھے لیکن کوئی بات انہیں روکے ہوئے تھی۔ وہ بات میرا اصرار تھی، وہ بات میری شکتی کی چکا چوند تھی۔ استقامت کے ساتھ میرے کھڑے ہونے کا انداز تھا اور یہاں تک بے دھڑک چلے آنے اور اوپر جانے کا اصرار کرنے کی جرأت تھی۔ میں نے درمیان کے اشتعال انگیز جملے حذف کر دیے ہیں۔ وشنوداس میری بصارت چھیننے کا کوئی مہلک جاپ کر چکا تھا۔ بظاہر اس کے لئے یہ بڑا آسان کام تھا۔ انکا اضطراب سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پریتم لال کے استھان پر پنڈتوں، پجاریوں سے ایک معرکہ قرض تھا۔ کئی پنڈت تو میرے انتظار سے تھک کر اپنے اپنے استھان لوٹ چکے تھے۔ اب وشنوداس اور اس کے چیلوں اور ساتھیوں کی ٹولی رہ گئی تھی۔ نالکھ آشرم میں سادھوشنکر کی تباہی کے بعد مجھے اپنی شکتی پر کچھ اور اعتماد ہو گیا تھا۔ اچانک وشنوداس نے ''ہری اوم'' کئی بار تیزی سے دہرایا اور گلے میں پڑی ہوئی جنیو کی ڈوری کو چکر دے کر میرے پیروں میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے پیر آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے محسوس ہوا جیسے وہ سوت کی ڈور نہ ہو بلکہ کوئی مضبوط تار ہو جس نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں پھر بھی میں مطمئن کھڑا رہا۔ یہ کھیل تماشے میرے لیے پرانے ہو چکے تھے۔ میرے پیر ایک سوتی ڈوری سے الجھے ہوئے تھے۔ میرے بندھے پیروں سے وشنوداس کے ساتھ کھڑے ہوئے پجاریوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے ستائش کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وشنوداس گھبرایا ہوا تھا، اپنے عمل کا تماشا دیکھنے کے بجائے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر اتنی زور سے اپنا ناخن مارا کہ اس سے خون رسنے لگا۔ وہ چند لمحوں تک اس کے قطرے زمین پر ٹپکاتا رہا۔ خون کے قطرے زمین پر گرنے کے پہلے اور دوسرے لمحے کے درمیان کوڑیالے ناگ کی سرسراہٹ مجھے اپنے گرد و پیش محسوس ہوئی۔ انکا نے میرے سر پر ہاتھ مارا۔ میں نے اپنی پشت پر دیکھا، آگے دیکھا، بائیں دیکھا۔ میری مستعدی اور ہٹ دھرمی سے وشنوداس کسی قدر سنبھل چکا تھا۔ اس نے پہلے بہت ہلکا سا وار کیا تھا لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور میں نے اپنے پیروں کی بندش پر کسی تردد کا اظہار نہیں کیا تو وہ چھوٹے موٹے منتروں کے بجائے ایک بڑا منتر پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا خیال تھا، اس طرح مجھے کوئی ردِ عمل ظاہر کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ مجھے ان منتروں کی تفصیل کہاں تک یاد ہو گی؟ نہ جانے ایسے کتنے مرحلے گزر چکے تھے۔ کوڑیالے ناگوں نے میرے اردگرد لہرانا شروع کر دیا تھا، میں نے انہیں ایک خاص

فاصلے پر ٹھہرا دیا تھا۔

وشنوداس نے ناگ میرے جسم سے ایک فاصلے پر ٹھہرے دیکھ کر اپنی رستی ہوئی انگلی کا خون انگوٹھے کے جھٹکے سے میرے جسم پر پھینکنا شروع کیا۔ مجھے پہلے قطرے پر یہ محسوس ہوا جیسے کسی نے تیزاب کے چھینٹے پھینک دیے ہوں یا کانٹا چبھو دیا ہو۔ خون کے چھینٹے میرے لباس پر پڑے تو وہ سلگنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے جسم میں آگ لگ جاتی۔ وشنوداس ...... غصے سے سرتاپا لرز رہا تھا اور یکے بعد دیگرے کوئی سانس لیے بغیر اپنے پہلے منتر کا اثر دیکھے بغیر منتر پر منتر پڑھ رہا تھا اور وار پر وار کر رہا تھا۔

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟'' انکا نے متوحش نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

میرا لباس جلنے لگا تھا اور میرے چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے کھلے حصوں پر داغ پڑ گئے تھے، میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں کسی معمول کی طرح، خود کو تختہ مشق بنائے وشنوداس کے تمام ستم، تمام ستم ظریفیاں سہتا اور دیکھتا رہا۔ میں کوئی نیا منتر دیکھنا چاہتا تھا، جیسے سادھوشنکر نے نالکھ آشرم میں کیا تھا۔ میرے اطمینان کا سبب یہی تھا کہ اب تک کیے جانے والے منتر میری رسائی کی حد میں تھے اور میں نے ایک ذرا سی اذیت برداشت کر کے انہیں کارگر رکھا تھا تا کہ پنڈت اور پجاری مجھ سے مڈھ بھیڑ کی دوبارہ ہمت نہ کر سکیں اور مجھ سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ میں انہیں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ وشنوداس کسی نوجوان کی طرح پھرتی سے اپنی تمام شکتیاں آزماتا رہا۔ وہ کبھی اپنی مالا زمین پر پھینکتا کبھی اپنے جسم کی میلی تہ اٹھا کر میرے جسم پر پھینکتا۔ خاصی دیر بعد میں نے وشنوداس کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! اب بھی میرے بارے میں کوئی وچار کیا؟ یہ چمتکار میں پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا ہوں، کوئی ایسا وار کرو جو یہ پاپی بھی جانے کے ہاں وشنوداس مہاراج کی شکتی ان کی عمر کے مطابق ہے اور وشنوداس نے بیتے دنوں میں کسی دوسری اور جی نہیں لگایا، سوائے تپیا کے۔''

وشنوداس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ سکتے کی حالت سے دوچار تھا۔ اس نے جھلاہٹ میں پھر پے در پے وار کیے اور اپنی کئی انگلیاں ناخن سے زخمی کر لیں۔ جب وشنوداس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہونے لگا تو اس کے ساتھی اور چیلے بھی آگے بڑھے۔ یہ میرے لیے کوئی اچھی صورت نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے منتر کے بیروں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ان کی کثیر تعداد کے سبب بیروں کی یلغار بھی خاصی شدید ہو سکتی تھی۔ ماورائی شکتی والوں کا بڑا دارومدار بیروں کے زیادہ سے زیادہ تصرف پر ہوتا ہے۔ یہ بلائیں عجب عجب طرح شور مچاتی، قہقہے لگاتی اور چیختی پھنکارتی، دھماکے کرتی اور دل دہلاتی ہوئی نشانہ بناتی ہیں۔ بیروں کے مختلف روپ ہوتے ہیں اور وہ روپ بدلنے پر قادر بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے اردگرد ہر طرف بیر دیکھے، کوڑیالے ناگ ایک سمت لہرا رہے تھے، ادھر میرے چہرے کے داغوں میں سوزش تھی۔ ادھر میرے کپڑے جل کر راکھ بن چکے تھے۔ میں برہنہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انکا کی

استقامت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور وہ مجھے بار بار ٹھوکے دے رہی تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا اور خود ساکت وصامت کھڑا تھا۔ خطرناک معرکہ توقع کے مطابق تھا۔ وہ سب ایک ساتھ منہ چلا رہے تھے اور منتر کا جاپ کر رہے تھے۔ جب وہ اپنے کسی حربے سے مجھے نقصان نہ پہنچا سکے تو دست بدست لڑائی پر اتر آئے۔ ان کی نیت بھانپ کر مجھے مجبوراً اپنی قوتیں یکجا کرنی پڑیں اور میں نے اپنی انگلی کو جنبش دی۔ میری نگاہ، وہ شعلہ بار تیز نگاہ، جو دیواروں کے آر پار ہو جائے، جو نیزے کی انی کی طرح چبھے اور شعلے کی طرح لپکے۔ ایک ثانیے میں وہ کسی جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ایک پجاری زمین پر گر گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی سہم کر اور پیچھے ہٹ گئے۔ میں اپنی نگاہوں اور انگلیوں سے انہیں اور پیچھے اور پیچھے ہٹاتا رہا۔ جس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ وہ میری نگاہ کی زد میں آ گیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ سنبھلتے، ان پر فضا سے خس وخاشاک اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن کچھ دور جا کر وشنو داس کی دھمکی نے ان کے قدم پکڑ لیے۔ وشنو داس تیزی سے پلٹا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو لتاڑا مگر کئی کے سر لہولہان ہو چکے تھے اور وہ ایک لمحے کے لئے وشنو داس کی دھمکی سے خوف زدہ ہوئے پھر منتشر ہو گئے۔ ان میں سے تین کا کام وہیں تمام ہو گیا تھا۔ اب میرے مقابلے میں صرف وشنو داس باقی رہ گیا تھا۔ مجھ پر دیوانگی طاری تھی۔ ایک بار پھر میرا وحشی گھوڑا میرے جسم میں طیش سے ہنہنانے لگا۔ میں ان سب کو جہنم رسید کرنے کی فکر میں تھا کہ وشنو داس اپنے ساتھیوں کی طرف تھوک کر میری طرف بڑھا۔ مجھے جلال و غضب کی اس کیفیت میں بھی وشنو داس کی ضعیفی پر ترس آ رہا تھا۔ میں نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ "سنو مہاراج! بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"نہیں۔" اس کی آواز میں پہلے جیسا دبدبہ نہیں رہا تھا۔ "نہیں۔ میں نے بدری نرائن کو کالی کے سامنے وچن دیا تھا کہ تجھے کلدیپ کے استھان جانے سے اوش روک لوں گا۔"

"پاگل مت بنو مہاراج!" میں نے نرمی سے کہا۔ "میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں۔ میرے اندر دیکھنے کی کوشش کرو۔"

میرا خیال تھا کہ وشنو داس اپنے ساتھیوں کا بھیانک انجام دیکھ کر یہاں سے فرار ہو جائے گا لیکن وہ اپنی دھن کا پکا اور ارادے کا سچا تھا۔ میری بات کے جواب میں اس نے دیوتاؤں کے نام کے ساتھ ایک بار پھر حملے شروع کیے، میں نے خود کو بچا لیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ اس کے ساتھ کوئی افسوس ناک واقعہ پیش نہ آئے۔ وہ باز نہ آیا۔ وشنو داس کے منتر کے بیروں نے میرا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ میں اس کے حملوں کا توڑ کرتا ہوا تیزی سے اس کے قریب آ گیا اور میں نے اس کی نحیف کلائی تھام لی۔ اس کی کلائی کا میری گرفت میں آنا تھا کہ اس کے جسم کو شدید جھٹکے لگنے شروع ہو گئے جیسے بجلی کے ننگے تاروں نے اسے جکڑ لیا ہو۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا بلکہ غیر معمولی قوت برداشت کا ثبوت دیا، میں نے

اسے دو چار جھٹکے دیے، پھر ایک طرف دھکیل دیا، اس کا جسم سیاہ پڑ گیا تھا، میرے پاس اسے دوبارہ دیکھنے کی فرصت نہیں تھی اور یہ کوئی پُر لطف منظر بھی نہیں تھا۔ مجھے بہت افسوس تھا مگر میں کیا کرتا؟ وہ پہلے بھی اس استھان پر میرے آڑے آئے تھے اور میں اوپر چلا گیا تھا۔ ان پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ انہوں نے ایک ٹولی وہاں بٹھا دی تھی کہ کلدیپ نیچے نہ اتر سکے اور میں اوپر نہ جا سکوں۔ یہ پریتم لال کے استھان کا آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد نہ انہیں جرأت ہو گی۔ نہ مجھے فرصت ہو گی۔ اب جتنے پجاری روز مر رہے تھے، میرے لیے آزادی اور سکون کا سانس لینے کے مواقع بڑھ رہے تھے۔ میں پہلے ہی یہاں آ کر انہیں پہاڑی کے اطراف سے ہٹا سکتا تھا مگر شاید وہ وقت نہیں آیا تھا۔

انکا میرے سر پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے اوپر کی جانب دیکھا۔ پہاڑی سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی اور پگڈنڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک پگڈنڈی پر مستانہ انداز سے چلا۔ رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ کلدیپ کا استھان قریب تھا اور کوئی رکاوٹ سامنے نہیں تھی۔ میں لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا اوپر چڑھتا گیا۔ انکا نے حسب عادت میرے سر پر اچھل کود شروع کر دی تھی۔ کلدیپ کی کٹیا آئی تو میرا سانس چڑھ گیا تھا لیکن دم مارنے کا یارا کسے تھا؟ انکا میرے سر سے اتر گئی۔ وہ کلدیپ کی کٹیا میں جانے سے گریز کرتی تھی۔

☆......☆......☆

میں اپنے اس لمحے کے جذبات کا حال محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ کلدیپ کی کٹیا تھی اور کلدیپ کون تھی؟ میں نے دھڑکتے دل سے کلدیپ کی کٹیا کے اندر قدم رکھا۔ میری نظر سب سے پہلے تزئین پر پڑی اور دل سے ایک آہ نکل گئی۔ اس حسین لڑکی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور گردش زمانہ کی سیاہ پرچھائیاں اس کے چہرے پر لرز رہی تھیں۔ میرا گلاب مرجھا چکا تھا۔ میرے آنگن میں خزاں آ گئی تھی۔ جلد کی رنگت جھلسی ہوئی تھی، چہرہ زرد، بال بکھرے ہوئے، لباس بے ترتیب۔ وہ کسی زندہ لاش کے مانند چٹائی پر بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کانپتی آواز میں اسے پکارا۔ وہ سہم کر ایک جھٹکے سے پلٹی۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے چیخ پڑی۔ پھر تیزی سے اٹھی اور دوڑ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ اس کی دھڑکنیں مجھے ایسی داستان سنا رہی تھیں جسے سننے کی مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں نے اس کے خشک بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ میرے آنسو اس کے بالوں میں گر رہے تھے جیسے بارش ہو رہی ہو۔ وہ میرے سینے سے لپٹی رہی۔ پھر اس نے ڈبڈبائی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ "تزئین! میری گڑیا!" میرا گلا رندھ گیا۔ "کچھ مت کہنا۔ مجھ میں کچھ اور سننے کی سکت نہیں ہے لیکن اب دکھ کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ تو نے میری خاطر بڑے مصائب جھیلے ہیں، تیرا گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دے میری بچی! میری

جان! میں اب تجھے اس ویرانے میں نہیں چھوڑوں گا۔ تجھے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں، سمجھی اس بار میں تنہا واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔ تیرے تمام دکھوں کی تلافی ہو جائے گی۔''

تزئین کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ میرے سینے پر سر رکھ کے پھٹ پڑی۔ ہم دونوں دیر تک زار و قطار روتے رہے۔ ''تو بڑی بہادر ہے تزئین!'' میں نے کہا۔

وہ بڑی بہادر تھی۔ پریتم لال کی پہاڑی پر نیچے کا کوئی شخص اوپر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں نہ روشنی تھی، نہ زندگی کی کوئی چہل پہل۔ کلدیپ ایک عرصے سے جاپ میں مصروف تھی۔ تزئین تنہا ان پہاڑوں پر گھومتی رہتی، راتوں میں سیاہ راتوں میں، دوپہروں میں، دھوپ میں، برسات میں۔ وہ خود اپنا کھانا تلاش کرتی، جھرنے پر مالا کی طرح نہاتی اور درختوں سے پھل توڑتی۔ جن چیزوں کی اسے ضرورت ہوتی وہ کٹیا میں مل جاتی تھیں۔

کلدیپ کٹیا میں اپنے جاپ میں مستغرق تھی۔ میں نے تزئین کو گیارہ روز تک اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا، اپنے سینے سے قریب رکھا اور ہم دونوں انکا کے ساتھ پہاڑی پر روزانہ سیر سپاٹے کرتے رہے۔ میری رفاقت اور نگہداشت سے تزئین کی صحت پر خوش گوار اثر پڑا تھا۔

پہاڑی پر تزئین کی اداس آنکھیں اور کلدیپ کی مشقت دیکھ کر میرے دل میں پنڈتوں پجاریوں کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ وشنوداس کی ٹولی سے، چند سیاہ دل افراد موت کے منہ میں جاتے جاتے رہ گئے۔ گیارہویں روز میں اور تزئین کٹیا سے باہر ایک درخت کے نیچے چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں تزئین کو لندن کے واقعات سنا رہا تھا کہ تزئین ایک دم مسرت سے چیخ اٹھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کٹیا کے دروازے سے زرد ساڑھی میں ملبوس کلدیپ ایک طویل جاپ سے فارغ ہو کر ہماری طرف آ رہی تھی۔ اتنی کڑی تپسیا کے بعد بھی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں تھے۔ وہ شاداب اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ امتدادِ زمانہ نے اس کی رعنائی چھیننے کے بجائے اسے برقرار رکھا تھا بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہی حسین چاند سا چہرہ۔ مگر پونا کے کلب میں ملنے والی اس فیشن ایبل لڑکی کی نظروں میں شوخی نہیں تھی، وقار تھا، سنجیدگی تھی، ایک معنی خیز پُراسرار مسکراہٹ تھی۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ایک دوسرے سے نہ جانے کتنے کرب کہہ گئیں۔ میرے سامنے میرا مستقبل تھا۔ میرے سامنے میرا ماضی تھا، کلدیپ سے میری زندگی کے کتنے عجیب واقعات وابستہ تھے۔ میں اس کے ایثار کا قرض کبھی اتار نہیں سکتا تھا۔ تزئین چٹائی سے اٹھ کر بے تحاشا اس سے لپٹ گئی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہو گیا۔ تزئین اسے چمٹائے ہوئے میرے پاس آئی۔ میری حالت بھی متغیر تھی مگر میں تزئین کے سامنے اس طرح کا بے تابانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے ان نگاہوں سے دیکھا جن میں کرب، ندامت، مجبوری اور امید کی جھلک تھی۔ ہمارے پاس ایک

دوسرے کے سامنے کچھ کہنے کے لئے الفاظ بھی نہیں تھے، بات الفاظ کی دسترس سے نکل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اندر سمائی ہوئی ہے اور میں اس میں جاگزیں ہوں۔ ''میں آ گیا ہوں۔'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ ''تم آ ہی گئے۔''

''اور میں کیوں آیا ہوں؟'' میں نے کہا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''مجھ سے اب تنہا چلا نہیں جاتا۔'' کلدیپ نے اداسی سے میری طرف دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں بہت دور سے آیا ہوں۔ تمہاری نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔''

''ہاں، میں دیکھ رہی ہوں'' اس نے غیر جذباتی انداز میں کہا۔ تزئین ہم دونوں کے درمیان کھڑی تھی اور مسرت سے کھلی جا رہی تھی۔ مجھے صرف ایک لمحے میں کلدیپ کے رویے کی تبدیلی محسوس ہو گئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر کے تذکرے شروع کر دیے۔ کلدیپ خاموشی سے سنتی رہی اور ہمارے ساتھ پہاڑی کا ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس آئی۔ بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور اس کی نگاہوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر ان آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ دو روز تک تخلئے کا موقع نہیں مل سکا کیوں کہ تزئین ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگی رہتی تھی۔ تزئین کی شوخیوں نے کئی بار کلدیپ کے گمبھیر چہرہ کو مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کلدیپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ میں اس وقت ایک دوری سی محسوس کر رہا تھا۔ آخر دو روز بعد جب تزئین آبشار پر نہانے گئی تو میں کلدیپ کی کٹیا میں جا گھسا اور میں نے جاتے ہی تیزی سے کہا۔ ''کلدیپ! کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے اب اپنا تعارف کرانے کی ضرورت پڑے گی، میں جمیل ہوں۔''

کلدیپ چند لمحے خالی خالی نظروں سے مجھے تکتی رہی۔ ''ہاں میں دیکھ رہی ہوں، یہ تمہی ہو۔''

''اور تم کلدیپ ہو، وہ کلدیپ جو جمیل احمد خان کے لئے پیدا کی گئی تھی، تمہیں کچھ یاد ہے؟'' میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''یاد؟'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ ''سمے بہت گزر گیا ہے۔''

''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' میں نے بے چینی سے کہا۔

''کیا مجھے یہاں سے جانا چاہئے؟'' اس نے اداسی سے پوچھا۔

''نہیں جاؤ گی تو میں ادھورا ہی رہوں گا، تم نے اب تک ایثار ہی کیا ہے، اب تم یہ ظلم کیوں کرو گی؟''

''جمیل!'' کلدیپ نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مجھے یہیں رہنے دو۔ میرے جانے پر پریتم

Downloaded from Paksociety.com

لال مہاراج کی آتما بیاکل ہوگی۔ میں یہاں رہ کر تمہارے من کی شانتی کے لئے برابر پرارتھنا کرتی رہوں گی۔"

میں ایک آتش فشاں تھا جو ابل پڑا۔ میں نے قریب جا کے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے جب اپنی طرف کھینچا تو سوتے پھوٹ پڑے۔ اس کا سینہ تر ہو گیا تھا، میں کسی بچے، کسی یتیم بچے کی طرح اسے اپنے وہ ہولناک واقعات سنا رہا تھا جو پہلے سے اس کے علم میں تھے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے سامنے انڈیل دیا اور اس کے سینے سے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ چھت کی طرف تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ "میں کہاں کہاں ہوتا ہوا آخر تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ میرے عظیم گرونندا نے تبت کے استھان پر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تمہیں پریتم لال کے استھان سے نیچے اتار کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اگر تم نے انکار کیا تو شاید میں زندہ نہیں رہوں گا۔"

"اب تم ایک قد آور شخص ہو۔" وہ دھیرے دھیرے بولی۔ "تمہیں نندا نے بہت کچھ دیا ہے۔ تمہارے پاس انکا ہے۔ میں پریتم لال کی اچھا پر جیون تیاگ چکی ہوں۔ میرے بھاگیہ میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ کٹی میرا اسنسار ہے۔ مجھے یہاں منڈل میں تنہا رہنے اور جاپ کرنے میں سکون ملتا ہے۔"

میں اس کا درد پنہاں محسوس کر سکتا تھا۔ "تم خود کو فریب دے رہی ہو کلدیپ! تم نے میرے سوا کچھ نہیں سوچا ہے۔ تم میرے بغیر یہاں نہیں رہ سکتیں۔"

"تمہی نے میرے ساتھ یہ حسن سلوک کیا ہے کہ مجھے بھگتی...... تپسیا اور راستی کا راستہ دکھایا۔ اب تم خود مجھے پتھروں اور کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔ اصل زندگی کیا ہے، یہاں آ کر مجھے پتا چلا۔ کیا تم ایک احسان نہیں کر سکتے کہ مجھے یہاں چھوڑ جاؤ؟" کلدیپ نے ہیجانی انداز میں کہا۔

"میں تمہارے ساتھ کچھ دن زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ زندگی کا جو فلسفہ تم مجھے سمجھا رہی ہو، اسے میں بھی جانتا ہوں۔ مجھے تپسیا، مراقبے اور ارتکاز کا لطف معلوم ہے لیکن اس لطف کے باوجود میں تمہیں یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ تزئین اور دوسرے بہت سے لوگ، ہم سے متعلق ہیں اور میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو میرے دل میں زندگی کی تمنا کروٹیں لینے لگتی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ ہم کسی پُرسکون جگہ ایک ساتھ ایک دوسرے کی بانہوں میں رہیں۔ زندگی صرف علیحدہ رہ کر، ساری دنیا سے کنارہ کشی کر کے، اپنی ذات میں گم ہو جانے کو نہیں کہتے۔ یہ خود غرضی ہے، یہ فرار ہے۔ میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ تم نے مجھے میری خامیوں اور لغزشوں کے باوجود قبول کیا لیکن میں نے تمہیں کیا دیا؟ یہ ویرانہ، یہ بھیانک خاموشی، یہ کرب ناک تنہائی۔ تمہارے سہانے دن میری تیرہ بختیوں کی نذر ہو گئے۔ میں

ہوں، میرے دل و دماغ پر بوجھ سوار ہے۔"

میری باتوں نے اسے مضطرب کر دیا لیکن میرے پیہم اصرار اور منتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم تو بالکل سرد ہو گئی ہو۔"

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ "جمیل! بھگوان کے لئے زیادہ باتیں نہ کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"میں تمہارا بھگوان ہوں۔" میں نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شوہر ہوں، میں تمہارا محبوب ہوں، میں جمیل ہوں۔ میری طرف دیکھو۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑا لی۔ "نہیں۔ میں تو خود کو سونپ چکی ہوں۔" وہ اضطراب سے بولی۔

میں نے اسے چھوڑ دیا اور تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تزئین کے سلسلے میں ایک پیام ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟"

وہ دل گرفتہ سی ایک طرف سمٹ گئی۔ "وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ تزئین اس کے ساتھ خوش رہے گی۔"

"اور تم اپنی بیٹی کی شادی میں نہیں جاؤ گی؟ اسے چوڑیاں نہیں پہناؤ گی؟ اس کی مانگ میں افشاں نہیں بھرو گی؟ تم اسے رخصت بھی نہیں کرو گی؟" میں نے جذباتی ہو کے کہا۔

"میں یہاں بیٹھ کر اس کے ساتھ رہوں گی۔" کلدیپ نے حسرت سے کہا۔

میں مزید ایک ہفتے تک کلدیپ کو ساتھ لے جانے اور اس کی ضد توڑنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ میں نے اسے بہت حوالے دیے۔ میں ایک رات تزئین کی موجودگی میں اس کی کٹیا میں گھس گیا۔ مجھے مجبوراً تزئین کا ذہن معطل کرنا پڑا تا کہ وہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔ میں نے کلدیپ کے سرد خانے میں حرارت پیدا کرنے کی بڑی جدوجہد کی۔ بدری نرائن اور پنڈتوں، پجاریوں کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ میں نے دنیا کا ایک مثبت نقطہ نظر پیش کیا اور زور بیان سے گلیوں، بازاروں، عمارتوں اور کلبوں کے رنگین مناظر اسے دکھائے۔ میں نے اسے سوز و گداز کے قصے سنائے لیکن وہ اپنی جگہ جمی رہی۔ اس نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی لیکن اس کا سرد رویہ اور اجنبی انداز ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ کبھی اس کی مسکراہٹ سے گمان ہوتا تھا کہ اس نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لی ہے۔ میں اسے جھنجوڑ جھنجوڑ دیتا۔ تزئین اسے ساتھ لے چلنے کے لئے مصر تھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بار بار اسے آمادہ کرتی تھی۔ میں جب کٹیا سے باہر آ جاتا تو انکا میرے سر پر آ جاتی اور مایوسی سے سر ہلانے لگتی۔

ایک ایک دن وحشت میں گزر رہا تھا۔ میں کلدیپ کی رائے نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ اب ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں سے اس کی واپسی ناممکن تھی۔ اس کے قلب میں انقلاب آ چکا تھا۔ میں پہلی مرتبہ

ہی مایوس ہو جاتا لیکن نیچے اترنے سے انکار کے باوجود اس نے میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یوں وہ وہی تھی، جسے میں پہلے چھوڑ گیا تھا۔ وہی انداز، وہی وارفتگی، وہی میرا خیال، وہی میرا تذکرہ لیکن اگر وہ میرے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتی تو یہ تمام محبتیں اس وقت اپنا اثر کھو دیتیں۔ میری بے تابیوں پر وہ مسکرا کے خاموش ہو جاتی یا مجھے دوش دینے لگتی۔ ایک دن میں قطعی مایوس ہو گیا۔ آخری بار میں نے اس سے کہا۔ ”میرا خیال ہے، اب مجھے یہاں سے واپس جانا چاہئے۔“

”نہیں تم یہاں ٹھہرو۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”کیا فائدہ! مجھے بدری نرائن کو تلاش کرنا ہے اور اس کی موت کے بعد خود کہیں منہ چھپانا ہے۔ تزئین کی شادی ہو جائے گی پھر میرا پرسان حال کون ہوگا؟“

”میں تمہاری خبر رکھوں گی۔“

”تم!“ میں نے ایک بار اور کوشش کی۔ ”کلدیپ! چلو نا، ذرا نیچے اتر کے تو دیکھو۔“

”جمیل...... اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ اور تزئین کی شادی کے فرض سے جلد از جلد سبک دوش ہو جاؤ پھر تم سکون قلب سے کوئی فیصلہ کر سکو گے۔ تزئین کی شادی سے پہلے بدری نرائن کے تعاقب میں مت روانہ ہونا۔“

”پتا نہیں کیا ہو؟“ میں نے مایوسی سے کہا۔

میں نے کلدیپ کے ساتھ بہت سر پھوڑا پھر تھک کر اپنے ہونٹ سی لیے اور کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ میرے اس رویے پر اس نے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اسی طرح میری پرستش کرتی رہی۔ پھر میں نے طے کر لیا کہ میں تزئین کا پہاڑ سر سے اتار دوں اور کلدیپ کی جدائی کا پہاڑ دل پر رکھوں۔ میں نے تزئین کو ساتھ لے کر واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

رخصت ہوتے وقت تزئین، کلدیپ سے لپٹ لپٹ کے رو رہی تھی۔ میں دور کھڑا رہا۔ میری کیفیت صرف انکا محسوس کر رہی تھی۔ وہ میرے شانوں پر بیٹھی رخصتی کے اس منظر سے بری طرح متاثر تھی۔ میں نے پہلی بار مہان شکتی کی مالک، پریتم لال کے استھان کی جانشین کلدیپ کی آنکھوں میں آنسو لرزتے دیکھے، مجھے معلوم نہیں کہ اس کا پیمانہ صبر تزئین کی جدائی پر چھلک پڑا تھا یا اسے مجھ سے کسی ربط کا خیال آ گیا تھا۔

میں نے آخری وقت اسے نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں۔ اب دیکھنے کو کیا رہ گیا تھا؟

☆......☆......☆......☆

گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی تزئین کے اضافے کے بعد اور پُر رونق بن گئی۔ تزئین نے تہذیب و شائستگی کی تعلیم وہاں سیکھی تھی جہاں ایک زمانے میں شرفا اپنی اولاد کو نشست و برخاست کے

آداب سکھانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ سید غوث کو تزئین کے حسن و جمال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ رکن الدین کی حویلی کی تمام لڑکیوں میں یکتا تھی۔ جب اس نے غرارہ پہنا، جب اس نے چھوٹی موری کا پائجامہ پہنا اور گلے میں دوبل کا دوپٹہ ڈالا تو دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ ناہید، پریم، مالا اور تزئین ایک ساتھ کہیں بیٹھی ہوتیں تو ان کی شوخیاں، شرارتیں دیکھنے کے لائق ہوتیں۔ سید غوث، تزئین کی وجہ سے زیادہ تر مردانے میں رہتا تھا۔ رکن الدین کے سوا میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ سید غوث اور تزئین کا رشتہ میرے ذہن میں ہے۔

آنند لال کا جاپ ختم ہونے میں چند دن رہ گئے تھے، ادھر میں نے چچا جان کو تار دے دیا تھا کہ تمام بہن بھائیوں کے ساتھ گلبرگہ آ جائیں۔ میں نے رکن الدین سے اجازت لے لی تھی کہ میں جہاں ناہید کا رشتہ طے کروں گا اسے اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر میں نے انکا کو بمبئی میں مقیم پارسی نوجوان سہراب کے پاس بھیجا کہ وہ پریم کے بارے میں اس کا عندیہ لے اور اگر ممکن ہو تو اسے پریم کے لئے ہموار کرے۔ انکا کا وجود فاصلوں سے بے نیاز تھا، وہ چھلاوا تھی چنانچہ ایک ہی دن میں سہراب کے دل میں ہلچل مچا کے آ گئی۔ پریم اس سے ایک عرصے سے نہیں ملی تھی۔ گلبرگے آتے وقت بھی اس نے سہراب کو مطلع نہیں کیا تھا۔ اسے انکا کی کرشمہ سازی کہئے کہ دوسرے دن سہراب رکن الدین کی حویلی کا پتا پوچھتا ہوا آیا اور پریم کو وہاں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے اس نوجوان سے بات کی۔ وہ ایک مہذب اور آسودہ حال گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ڈاکٹر سکینہ اور رکن الدین میری کوئی بات مسترد نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر بھی سہراب سے پریم کی شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تیسرے دن چچا جان بھی اپنے مختصر خاندان سمیت گلبرگہ آ گئے اور میں نے اپنے چچا زاد بھائی کے لئے ناہید کا رشتہ مانگ لیا۔ چچا جان نے ذرا تذبذب کا اظہار کیا لیکن وہ بھی ناہید کی صورت، عادت اور رکن الدین کی حویلی کا تزک و احتشام دیکھ کر تیار ہو گئے۔

پانچویں دن آنند لال کا جاپ ختم ہو رہا تھا۔ میں اور سید غوث اس کے استقبال کو گلبرگہ شہر سے دور ایک نسبتاً ویران جگہ پہنچے۔ آنند دم سادھے بیٹھا تھا۔ میں سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے وقت انکا بیزاری اور اکتاہٹ کے ساتھ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی رینگ گئی۔ ”جمیل!! میرا وقت آ گیا، مجھے یقین ہے، آنند لال مجھے فوراً تمہارے حوالے کر دے گا۔ ذرا سی دیر کی جدائی ہے۔“

”جاؤ، جاؤ۔“ میں نے اعتماد سے کہا۔ ”وہ بھی اپنا ہی سر ہے۔“

سورج کی آخری کرن کے بعد میں نے منڈل کے اندر جھانک کر دیکھا۔ آنند لال جاپ کے آخری [illegible] دیوی! جمیل احمد خان مہاراج

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



کیسے ہیں؟"

انکا نے میرے بارے میں بتایا ہوگا۔ آنندلال نے دفعتاً مڑ کر دیکھا اور وہیں سے سرپٹ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔ "میں نے انکا حاصل کر لی ہے۔" وہ اچھل کر بولا۔ "بھگوان جانتا ہے کہ میں نے یہ جاپ تمہارے لیے کیا ہے۔"

میں اس وقت آنندلال کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ انکا چالیس دن پہلے ہی میرے پاس آ چکی تھی، جب میں نے ہرچرن کو مار دیا تھا۔ میں نے احسان مندی کے جذبے سے اس کی پشت تھپتھپائی۔ پھر ہم تینوں گلبرگہ شہر کی حدود میں داخل ہو گئے۔

"میرے سر پر ایک بوجھ ہے مہاراج! آپ اس بوجھ کے عادی ہیں۔ اسے میری طرف سے اپنے سیوک کا دان سمجھئے۔ میں انکا کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔" آنندلال نے چلتے چلتے نیازمندی سے کہا۔

"رہنے دو آنندلال! انکا تمہارے پاس ہے تو گویا میرے پاس ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"مہاراج! اسے میری طرف سے سویکار کیجئے۔ میں انکا سے دستبردار ہوتا ہوں۔" پھر اس نے انکا سے کہا۔ "میں نے تمہیں آزاد کیا اور جمیل احمد خان کو دان کیا۔ تم آج سے ان کے اشاروں پر چلا کرو گی۔"

انکا فوراً میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے سید غوث کے پاس بھیج دیا کیوں کہ وہ انکا سے بہت لطف لیتا تھا۔ میں آنندلال کو بھی رکن الدین کی حویلی میں لے آیا اور وہ اس شب ہماری محفل میں اس طرح شریک ہوا جیسے وہ کوئی گیانی دھیانی پنڈت نہیں ہے بلکہ ایک عام آدمی ہے۔ آنندلال کے جسم پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ میں نے رکن الدین سے کہہ کے اس کے لئے لباس منگوایا۔ رات کا کھانا ہم سب نے ساتھ کھایا۔ پارسی نوجوان سہراب بھی ہمارے ساتھ تھا۔ رکن الدین کی حویلی کسی جشن کا منظر پیش کر رہی تھی۔ جب اتنے بہت سے لوگ فرش پر کھانے کے لئے بیٹھے تو رکن الدین کے پُرمسرت چہرے کی حالت دیدنی تھی۔ وہ میرے مہمانوں کی گراں باری خندہ پیشانی سے جھیل رہا تھا۔ مجھے فکر اور تردد کی کوئی لکیر اس کے ماتھے پر نظر نہیں آئی۔ چچا جان، میری بہنیں اور بھائی، پریم کے والد، پریم، سہراب، سید غوث، مالا، آنندلال، رکن الدین کا خاندان، اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی تھی۔ صرف میرا دل آباد نہیں تھا۔

میں اپنی داستان اور مختصر کرتا ہوں۔ وہ فروری کا مہینہ تھا، گلابی جاڑوں کا موسم۔ یوں بھی جنوب کے موسموں میں شدت نہیں ہوتی۔ فروری کے وسط میں، میں نے ایک ساتھ چار شادیوں کا اعلان کیا۔ یہ مہلت صرف ایک ہفتے کی تھی۔ آنندلال میرے اعلان پر

ہے۔ پریم، سہراب سے۔ تزئین، سید غوث اور جمیلہ (ناہید) میرے چچازاد بھائی سے منسوب کر دی گئی ہیں اور ان کی شادیاں چودھویں کی رات ۱۵ فروری کو رکن الدین کی حویلی میں ہوں گی اور شادی کے بعد چچا جان اپنی بہو جمیلہ کو لکھنؤ لے جائیں گے، پریم سہراب کے ساتھ بمبئی چلی جائے گی۔ سید غوث کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ گلبرگہ میں رہے یا حیدرآباد میں یا پریم کے گھر میں یا پھر آنندلال اور مالا کے گھر، دونوں گھر موجود ہیں۔

میرا اعلان سن کے انکا نے میرے سر پر اچھل کے تالیاں بجائیں۔ میں نے تخلیے میں رکن الدین سے شادی کے اخراجات کے معاملے میں بات کرنی چاہی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رکن الدین نے یہ بات آگے بڑھنے ہی نہیں دی۔ صاف صاف انکار کر دیا۔ اس نے ناگواری سے کہا۔ "خان صاحب! چاروں میری بچیاں ہیں، میں ہی ان کے جہیز کا انتظام کروں گا۔"

میں شادیوں میں سادگی کا قائل تھا لیکن رکن الدین دھوم دھام سے انہیں رخصت کرنے کی فکر میں تھا۔ رکن الدین کے اس احسان عظیم کا بدلہ میں نے کسی اور طرح اتارنے کا فیصلہ کر لیا اور تنگ آ کر اس سے کہا۔ "بھائی جس طرح چاہو کرو۔"

دوسری صبح زور و شور سے شادیوں کی تیاریاں ہونے لگیں۔ سہراب اپنی برات لانے کے لئے بمبئی چلا گیا۔ سنار بلوائے گئے اور ایک ساتھ تمام زیورات کے چار چار سیٹ تیار کرائے گئے، ملبوسات، فرنیچر اور خانہ داری کی ہر چیز مین رکن الدین نے یکسانی کا خیال رکھا تھا۔ لڑکیاں اب زنان خانے میں بند رہتی تھیں۔ روزانہ کوئی نہ کوئی رسم ادا ہوتی تھی، باجے، گاجے، گیت۔ میں ان رسوم اور شادی کی تیاریوں میں پوری طرح اپنا اشتیاق ظاہر کر رہا تھا لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میرے جسم میں کیسی آگ لگ رہی تھی۔ البتہ سید غوث کچھ کچھ جانتا تھا اور کرید کرید کر میرے زخم بھرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ادھر کلدیپ ویرانے میں بیٹھی جاپ کر رہی ہوگی ادھر تزئین کے ہاتھوں پر مہندی لگ رہی ہے۔ وہ پہاڑی پر اکیلی ہے اور یہاں ہر سمت، ہر جہت ایک دنیا آباد ہے۔

آنندلال کا بھی دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی طرف سے تمام انتظامات رکن الدین اور سید غوث کر رہے تھے، عجیب چہل پہل تھی۔ شادی کی تیاریوں میں روز و شب اڑے جا رہے تھے۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ کب صبح ہوئی، کب شام بس وہ سعد ساعتیں چپکے سے آ گئیں جب رکن الدین کی حویلی روشنیوں میں نہا گئی اور گیتوں کی لَے میں سوز کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک باب بند ہوتا نظر آیا۔ انکا کے لئے یہ تمام ہنگامے بے پناہ دلچسپی کا باعث تھے، بار بار میرے سر سے اتر جاتی تھی اور اِدھر اُدھر پھدکتی پھرتی تھی۔ کبھی گیت سن رہی ہے، کبھی ملبوسات پر نظریں جمائے ہوئے ہے اور کبھی

غوث کے سر پر ناچنا اس کا کام

Downloaded from Paksociety.com

رہ گیا تھا۔ انکا کا پُراسرار وجود جو ہر ماہ انسانی خون کی غذا طلب کرتا تھا، انسانوں کی خوشیوں میں اس طرح شریک تھا جیسے وہ انہی میں سے ایک ہو۔

میں بھی ان دنوں خود کو بدلا بدلا محسوس کرتا تھا۔ میں نے سید کی تلاش میں گلی کوچوں کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ میں نے ارتکاز میں کوئی لمحہ کھپایا۔ میں ان دنوں مسلسل جاگتا رہا اور زندگی کو قریب سے دیکھتا رہا، زندگی جو مجھ سے روٹھ گئی تھی اور جسے بدری نرائن نے مجھ سے چھین لیا تھا۔ بس ایک ہی بوجھ اتارنا رہ گیا تھا۔

اس دن رکن الدین کی حویلی میں چار دولہا اور چار دلہنیں سجیں۔ پریم کی شادی دو طریقوں سے انجام پائی۔ پہلے ہندو طریقے سے، پھر بمبئی پہنچ کے پارسی طریقے سے۔ آنند لال اور مالا کو منڈپ میں بٹھایا گیا اور ہندو پنڈتوں نے ان کے پھیرے لگوائے، پھر ناہید کا نکاح ہوا اور سب سے بعد میں تزئین کا نکاح پڑھایا گیا اسی شب رکن الدین نے ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا اور میں نے پریم، مالا، تزئین اور جمیلہ کو گلے لگا لگا کر رخصت کیا۔ رکن الدین کی حویلی کے مختلف کمرے حجلہ ہائے عروسی کے طور پر سجا دیے گئے تھے۔ یہ ایک دلخراش اور جاں کاہ منظر تھا۔ میں اس رات حویلی میں نہیں سویا۔ باہر نکل گیا اور گلبرگہ کی گلیوں میں بے مقصد گھومتا رہا۔ حضرت گیسو دراز کی درگاہ قریب ہی تھی۔ دل چاہا وہاں چلا جاؤں۔ پھر سوچا کسی کا ہاتھ تھامے بغیر کیسے جاؤں؟ ستانے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گیا، آج تھکن کا احساس کچھ سوا ہو گیا تھا۔

میں بیٹھے بیٹھے ماضی میں پہنچ گیا اور اس وقت چونکا جب کسی نے میری پشت پر لاٹھی سے ضرب لگائی۔ میں کراہ کر اٹھا۔ میرے سامنے سید مجذوب کھڑا تھا۔ میں نے اس بار کسی تجسس اور تڑپ کا اظہار نہیں کیا۔ صرف سر جھکا لیا۔

''کیا سوچتا ہے دیوانے؟'' سید نے ہنکاری بھری۔

''کچھ نہیں سوچتا ہوں، اب کیا رہ گیا ہے؟'' میں نے آہستگی سے کہا۔

''ورزش کر اور دوبارہ دوڑ لگا۔'' سید نے قہقہہ لگایا۔

''اب پیروں میں دم نہیں رہا، برف جم گئی ہے۔''

''انگیٹھی جلا اور شعلوں کے سامنے ناچا کر۔''

''مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟'' میں نے سرد مہری سے کہا۔ ''منزلیں کھو گئی ہیں، تم ملتے ہو تو اور تنگ کر دیتے ہو، یہ کیا مذاق ہے؟''

''ڈگڈگی بجا، جنتر منتر، چھومنتر، کوٹھے پر چڑھ جا۔ نیچے طغیانی ہے، مسخرے اس وقت اور مزہ آئے گا۔'' سید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جاؤ۔ اپنا راستہ سنبھالو۔ میرا کھیل ختم ہونے کو ہے۔''

''ابھی تو شروع ہوا ہے گندم کے محتاج! جسم کا برتن مانجھ۔''

''برتن ٹوٹ گیا ہے۔'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''قلابازی کھا۔ ڈال ڈال، پات پات۔'' سید مجذوب اس طرح کے معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ آخر میں نے کچھ پوچھنا ہی بند کر دیا۔ میں سر جھکائے سید کے جانے کا منتظر رہا۔ آج سید کی باتیں بھی مجھے بری لگ رہی تھیں۔ رات ڈھل رہی تھی۔ سید میرے خاموش ہوتے ہی چلا گیا۔ وہ چلتے چلتے کہہ گیا تھا۔

''مٹی میں سر دے کے الٹا کھڑا ہو جا، یا ہو، یا حق۔''

اس کے جانے کے بعد میں ڈگمگاتا ہوا اٹھا اور زمین پر گرتے گرتے بچا۔ میری ساری توانائی جیسے زائل ہو گئی تھی۔ میں نے بہ مشکل خود کو چلایا اور لڑکھڑاتا ہوا رکن الدین کی حویلی میں داخل ہو گیا۔ حویلی کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ میں اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ پڑ گیا۔ انکا شام ہی سے میرے سر پر نہیں تھی۔

تیسرے دن رکن الدین کی بھری پُری حویلی اجاڑ ہو گئی۔ تزئین، سید غوث، پریم، سہراب، آنند لال اور مالا بمبئی روانہ ہو گئے اور چچا جان اپنی بہو اور بیٹے کے ساتھ لکھنؤ چلے گئے۔ سب نے مجھے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کیا لیکن میں رکن الدین کی حویلی ہی میں ٹھہرا رہا۔ حویلی کے در و بام رو رہے تھے۔ رکن الدین کا ہمیشہ مسکراتا ہوا چہرہ بھی اداس ہو گیا تھا۔ یہ لوگ چلے گئے تو میں اپنے کمرے میں گوشہ نشین ہو گیا۔ اب رکن الدین کی حویلی کی طرح میرا دل بھی ویران تھا۔ انکا موجود تھی لیکن میری حالت دیکھ کر وہ بھی خاموش تھی۔

میں کوئی ایک ہفتے تک کسمپرسی کے عالم میں گرفتار رہا اور پھر ایک رات رکن الدین سے کچھ کہے بغیر گلبرگہ سے روانہ ہو گیا۔ میں اگر رکن الدین سے کہتا تو وہ مجھے کبھی اجازت نہ دیتا۔ کسی نہ کسی طرح روک ہی لیتا۔

میری منزل کہاں تھی، میری کوئی منزل نہیں تھی۔ میرے سر پر انکا تھی۔ میرے ارد گرد زندگی تھی۔ میں نندا کی تربیت اور اپنی ریاضت اور اپنے ارتکاز کے سبب ایک غیر معمولی آدمی تھا۔ میں نے انکا سے پوچھا۔ ''کچھ بتاؤ تو بدری نرائن کہاں ہے؟''

''الہ آباد میں ہے۔'' اس نے کہا۔

میں الہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں انکا نے مجھ سے کہا۔ ''اب اس طرف جانا بے کار ہے۔ وہ بنارس چلا گیا ہے۔''

میں بنارس کی طرف چل پڑا۔ بنارس پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ پٹنے کی طرف فرار ہو گیا۔ میں پٹنہ

کی طرف چلا گیا۔ پھر لکھنؤ آگیا اور لکھنؤ آیا تو میری نظر نواب ہبن علی کی بڑی حویلی کی طرف اٹھ گئی جہاں زرافشاں اور درخشاں رہتی تھیں۔

نواب ہبن علی کی حویلی اجڑ چکی تھی۔

اب وہاں نہ دربانوں کی بھیڑ تھی اور نہ امارت وحشمت کے نظارے۔ وہ ایک اداس حویلی تھی۔ دیواروں کا پلاستر جگہ جگہ سے ادھڑ چکا تھا اور برجیوں کے کلس زنگ آلود ہو چکے تھے۔ سارا باغ خشک ہو چکا تھا۔ ہر طرف ویرانی تھی۔ میرے قدم خود بخود حویلی کی جانب اٹھ گئے۔

انکا نے میرے سر پر کسمسانا شروع کر دیا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آرہی تھی۔ ''تم کہاں جانا چاہتے ہو؟'' اس نے اضطراب سے پوچھا۔

''یہ جگہ پہچانتی ہو، یہ ہبن علی کی جاگیر ہے۔ اسے دیکھ کر گزرے ہوئے دن یاد آرہے ہیں۔ تم نے ایک بار بتایا تھا کہ ہبن علی کی بہنیں زرافشاں اور درخشاں بے حد حسین ہیں۔''

''مجھے سب کچھ یاد ہے لیکن تمہارا مقصد محض گزرے ہوئے دن یاد کرنا ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اندر جانے کا ارادہ ہے تو اپنا ارادہ بدل دو۔ اندر وہی لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے بھی تمہارا راستہ روکا تھا۔''

''کون؟'' میں نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے وہ جن! ہاں یاد آیا۔ اس نے میرا راستہ روک دیا تھا اور تم نے بھی منع کیا تھا کہ آگے جانے کے بجائے واپسی بہتر ہے۔''

''وہ اب بھی وہیں ہے اور اب بھی صورت حال میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔'' انکا نے تشویش سے کہا۔ ''اب بات دوسری ہے، جب جھگڑے چکانے کا وقت آیا ہے تو یہ معاملہ ادھورا کیوں چھوڑا جائے ہمیشہ سینے پر بار رہے گا۔ اس عاشق سے، جن سے ملاقات ہو جائے گی اور زرافشاں اور درخشاں کو دیکھنے کا موقع بھی مل جائے گا۔''

''میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔''

''کیوں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''تمہارے لیے اس میں خطرے نظر آتے ہیں۔ آخر تم دوبارہ ان چکروں میں کہاں پڑ گئے؟ ہبن علی نے اپنے کیے کی سزا پالی ہے، تم اشارہ کرو تو میں دنیا بھر کی حسین ترین لڑکیاں تمہارے قدموں میں ڈال دوں۔ زرافشاں اور درخشاں کا خیال چھوڑ دو تو بہتر ہے۔''

''تم مجھے منع کر کے اور زیادہ اکسا رہی ہو۔''

''بدری نرائن لکھنؤ سے فرار ہو کر پونا پہنچ گیا ہے۔ تمہیں اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جب تک تم اس سے نمٹ نہیں لو گے، کوئی فیصلہ صحیح نہیں کر سکو گے۔ کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کرو، آگے بڑھنے کا خیال چھوڑ

دو۔''

''کیا تم سمجھتی ہو وہ شہزادہ اب بھی مجھ پر حاوی آجائے گا؟''

''تم میری نظر میں خود ایک شہزادے ہو لیکن جمیل! جھگڑے کا ایک لمبا سلسلہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور تمہیں مزید الجھنے کے بجائے سکون کی ضرورت ہے۔'' انکا نے میرے سر پر اپنے پنجے چبھوتے ہوئے کہا۔ ''وہ لڑکیاں مظلوم ہیں، انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''

''اخلاق کا درس تم دے رہی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''انسانوں کے خون پر زندہ رہنے والا ایک شریر ہیولا۔''

''میں تمہیں اندر جانے سے روکنا چاہتی ہوں۔''

''میں اندر جانا چاہتا ہوں مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ خوف میری ضد ہے۔'' میں نے حویلی کے عقبی دروازے کی جانب جاتے ہوئے کہا۔

''میرا مشورہ یہی ہے، آگے تمہاری مرضی۔''

''تم کیوں گھبراتی ہو؟ ایسے کھیل تماشے تو تمہارے لیے دلچسپی کا سبب رہے ہیں، تم خاموش بیٹھی رہنا۔''

''آگے کا راستہ بند ملے گا۔''

میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ اب وہاں ملازموں کی وہ فوج نہیں تھی جو ایک زمانے میں نظر آتی تھی۔ حویلی اندر سے اور بھی شکستہ ہو گئی تھی۔ مجھے دور تک کسی نے نہیں روکا حالانکہ دو چار ملازموں نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ انکا کی نظریں در و بام پر پھسل رہی تھیں۔ میں حویلی کا احاطہ عبور کر کے بے جھجک عمارت میں داخل ہو گیا بڑے ہال میں بھی ویرانی تھی۔ کبھی یہ کمرا جھاڑ فانوس اور قالین سے مرصع تھا۔ نچلی منزل پر کوئی نہیں رہتا تھا۔ تمام کمروں کے تالے بند تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کی کھڑکیاں عرصے سے بند ہیں۔ سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے مجھے دو ایک ملازموں نے ٹوکا ضرور لیکن وہ مجھے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انہیں ہموار کرنا میرے لیے کوئی مشکل مرحلہ نہیں تھا۔ میں ان چھوٹے موٹے واقعات سے گریز کرتا ہوں۔ سیڑھیاں عبور کر کے میں غلام گردش میں آگیا۔ یہاں کی سجاوٹ زندگی کے اثرات کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے ایک ایسے کمرے میں جھانکنا شروع کیا؛ ایک کمرا اوپر واقع تھا جس میں سے نسوانی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے اوپر چڑھنا شروع کیا لیکن حسب سابق کسی نے میرا راستہ روک لیا اور اپنا سرد ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ مجھے جیسے مجہول شخص نے بجلی کی سی تیزی سے اچھل کر اپنا توازن برقرار کیا اور پلٹ کے دیکھا لیکن غلام گردش بدستور سنسان تھی۔ ابھی میں اپنی خفیہ طاقتیں آزمانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''آپ پھر آ گئے۔''

"کون ہے؟ سامنے تو آیئے، کیا وہی محافظ خاص ہیں؟" میں نے طنزاً پوچھا۔ "اس بار میرا خیال ہے نظرثانی کرنا پڑے گی۔"

"جس راستے سے آپ اوپر تشریف لائے ہیں، ازراہ کرم اسی راستے سے خاموشی کے ساتھ واپس چلے جایئے۔" آواز میرے نزدیک ہی تھی۔

"جمیل!" انکا نے سرگوشی کی۔ "واپس چلو، خواہ مخواہ مت الجھو۔"

"میں واپس بھی جاؤں گا لیکن اس طرح نہیں جیسے پہلے گیا تھا۔" میں نے نادیدہ آواز کو مخاطب کیا۔ "بہتر ہے تمہی راستہ چھوڑ دو۔"

"آپ کو ندامت ہوگی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ میں خاصا فرق ہو گیا ہے لیکن ہم یہاں کے محافظ ہیں۔" اس نے شائستگی سے کہا۔ "ہماری درخواست ہے آپ واپس چلے جایئے۔"

"سامنے تو آیئے۔ یہ پردہ داری کیوں؟"

میں نے بائیں جانب گھوم کر دیکھا۔ مجھے وہاں ایک سایہ نظر آیا۔ ایک مرد کا سایہ۔ جو دیکھتے دیکھتے ایک حسین و جمیل مرد کی صورت میں واضح ہو گیا۔ اس کے انداز میں شاہانہ جلال تھا۔ قدیم طرز کے لباس میں وہ بڑا پُر وقار معلوم ہو رہا تھا۔ میں اسے ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ جن تھا، وہ جن جو بن علی کی بہنوں پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ میرے اندر کا خوابیدہ شخص بیدار ہو گیا جو بڑا سرکش اور ضدی ہے۔ میں نے نوجوان جن کا بہ نظر غائر جائزہ لیا۔

"ہماری ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔" وہ تمکنت سے بولا۔ "اس وقت بھی ہم نے آپ سے درخواست کی تھی کہ ہمیں بن علی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس نے آپ کے ساتھ ظلم کیا تھا۔ آپ نے اس کا بدلہ لے لیا لیکن زرافشاں، درخشاں آپ کے کسی معاملے میں ملوث نہیں ہیں۔ آپ ان سے دور رہیں تو مناسب ہوگا۔"

"مجھے ان سے صرف ملنے کی آرزو ہے۔ مجھے مہمان سمجھو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی گناہ ہے۔"

"ہمیں افسوس ہے آپ زنان خانے میں تشریف نہ لے جا سکیں گے۔ نچلی منزل خالی ہے۔ اگر آپ کا مقصد قیام کرنا ہے تو بسر و چشم، بے تکلف نچلی منزل استعمال کیجیے۔ ہم آپ کی خاطر مدارات میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔"

"جمیل!" انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ "تم بات بڑھا رہے ہو۔ جن اپنی برداری کے ساتھ رہتے ہیں، اسے تنہا نہ سمجھنا۔"

"آپ کو صحیح مشورہ دیا جا رہا ہے۔" نوجوان جن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ صاحب کمال

شخص ہیں، یہ آپ کا منصب نہیں ہے۔"

"میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں، تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بصد شوق۔ رحیق۔" اس نے مہذب لہجے میں جواب دیا۔

"رحیق! مجھے نہیں معلوم تم جنوں کی کون سی برداری سے تعلق رکھتے ہو مگر تم کوئی پارسا جن نہیں ہو ورنہ نوجوان لڑکیوں کے لیے اتنے بے چین نہ ہوتے۔" پھر میں نے پینترا بدل کر کہا۔ "میرا خیال ہے ایک جن ہونے کی حیثیت سے تم میرے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہو گے کیونکہ تمہارا ادراک انسانوں کی فہم سے قوی ہوتا ہے۔ میں بظاہر ایک انسان ہوں مگر میرے ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی ہیں، ایک بار مجھے غور سے دیکھو۔"

"ہمیں افسوس ہے، ہم آخر وقت تک مزاحم ہوتے رہیں گے۔"

"اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لو۔ میرے اندر شدت پیدا مت کرو۔"

"خواہ کچھ ہو، ہم مجبور ہیں۔"

"زرافشاں اور درخشاں کا تعلق ہم انسانوں سے ہے۔ تم کیوں درمیان میں ٹانگ اڑاتے ہو؟" میں نے اس بار درشتی سے کہا۔

"ہمارا ان کا تعلق بہت پرانا ہے، آپ یہ بات سمجھنے کی کوشش کیجیے اور ازراہ کرم سوال و جواب سے گریز کیجیے۔ جو درخواست کی جا رہی ہے، اس پر توجہ دیجیے۔" جن کے لہجے میں بھی سختی آ گئی۔

"تمہیں یاد ہوگا، میں نے اپنی ابتدائی ملاقات میں کہا تھا کہ ہماری ملاقات دوبارہ ہوگی، سو میں آ گیا ہوں۔ میرے عزائم اتنے سخت نہیں تھے لیکن تم نے مجھے مشتعل کر دیا۔" میں نے غصے سے کہا۔

"آپ ماحول ناخوش گوار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں مجبوراً آپ کے ساتھ الجھنا پڑے گا۔" رحیق کے چہرے پر تناؤ پیدا ہو گیا۔

"مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" میں نے بے پروائی سے کہا پھر کمرے کا بند دروازہ ہاتھ کے اشارے سے کھولنا چاہا لیکن اسی لمحے رحیق نے دور کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ دراز کر کے میری کلائی پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ "ہم آپ کو آخری بار تنبیہ کرتے ہیں۔ یہاں سے چپ چاپ واپس چلے جایئے۔"

ممکن ہے رحیق کی شائستہ باتوں سے میں کوئی اور فیصلہ کر لیتا لیکن جب اس نے میری کلائی پر ہاتھ رکھا تو مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔ مجھے شدید توہین کا احساس ہوا۔ میں نے جسم کی تمام قوت سمیٹ کر نگاہوں میں کھینچ لی اور شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھا۔ رحیق نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی ابھریں۔ "رحیق! وہ زمانہ اور تھا۔ گرتی ہوئی دیوار کے نیچے مت آؤ ورنہ کچلے جاؤ گے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

انکا خاموش تماشائی کی حیثیت سے میرے سر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ رحیق اپنا ہاتھ مسل رہا تھا۔ میں نے اس کا جسم اپنے بازوؤں میں لینا چاہا تو وہ اچانک میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں نے دو نادیدہ ہاتھ اپنی گردن پر محسوس کیے جو میرا گلا دبانے کے لئے اپنا حلقہ تنگ کر رہے تھے۔ میں نے فوری طور پر حرکت کی، ایک کراہ کے ساتھ مجھے نادیدہ ہاتھوں سے نجات مل گئی۔ لیکن اب میرا غصہ شباب پر تھا۔ میں کافی دنوں سے بدری نرائن کا تعاقب کرتے کرتے جھنجلایا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر میں نے بند دروازے پر لات رسید کی اور تیزی سے دروازہ دوبارہ بند کر لیا۔ اندر کمرے میں دو حسین اور سہمے ہوئے چہرے تھے جن کے بدن سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، وہ حسن کے عجیب پیکر تھے۔ یہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ خوف زدگی میں وہ اور حسین لگ رہی تھیں۔ ایک نامحرم کو اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ سسک پڑیں۔

میری آنکھیں ان کے حسن و جمال کی ضیا پاشی سے خیرہ ہو گئی تھیں۔ انکا بھی انہیں پرکھ رہی تھی۔ دفعتاً رحیق نے میرے منہ پر ایک زور کا طمانچہ رسید کیا۔ ساتھ ہی اس کی سخت آواز گونجی۔ ”یہ گستاخ نظریں نیچی کر لیجئے جمیل احمد خان صاحب! دیکھئے ہم آپ سے کہے دیتے ہیں، مان جائیے۔ ہم یہ آنکھیں پھوڑ دیں گے۔“

”بزدل!“ میں نے تلملا کر کہا۔ ”مجھے کچھ زیادہ ہی تیرا خیال رکھنا پڑے گا۔ سامنے آ اور اگر نہیں آتا تو یہ مت سمجھ کہ میری آنکھیں صرف اس کمرے کی مادی چیزیں دیکھ سکتی ہیں۔ میں اپنی تمام تر باطنی صفات سے کام نہیں لے رہا ہوں۔“

رحیق از خود سامنے آ گیا۔ اس کا چہرہ کرب اور رنج میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ متضاد کیفیتوں میں مبتلا نظر آتا تھا۔ اس نے بہن علی کی ہراساں بہنوں کو ہاتھ کے اشارے سے تسلی دی پھر میری طرف متوجہ ہو کر اس نے اتنی سرعت سے ہاتھ گھمایا کہ میں دھوکا کھا گیا۔ وہ مجھ سے چار گز دور تھا لیکن اس کا ہاتھ اچانک دراز ہو کر اتنی شدت سے میری کنپٹی پر پڑا کہ میں تیورا کر الٹ گیا۔ اس کے سرد ہاتھوں میں فولاد کی سی سختی تھی۔ اس بار مجھے خیال آیا۔ ”جمیل احمد خان! تمہارا مقابلہ ایک جن سے ہے، کسی سادھو یا پنڈت سے نہیں۔“ اتنا مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نوجوان کو اجنہ میں کوئی خاص درجہ یا بڑائی حاصل نہیں ہے تاہم وہ ایک جن تھا۔ جنہیں بعض اعتبارات سے فوقیت حاصل ہوتی ہے اور پہلی بار میرا مقابلہ ایک جن سے ہو رہا تھا۔ ایک جن جو حسن کے آنگن میں پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو جمع کیا۔ میں نے خود کو صرف اس کی طرف مرکوز کر دیا۔ اب میں ایک دیوار تھا، لوہے کی دیوار۔ میں نے خود کو حصار میں لے لیا تھا۔ رحیق نے پھر ہاتھ گھمایا لیکن اس بار اس کا ہاتھ آگے نہ بڑھ سکا، رک گیا۔ میں سنبھل کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رحیق نے حصار کی بندش مضبوط دیکھ کر زور سے میری طرف پھونک ماری۔ وہ بینائی ختم

کرنے والی پھونک بھی حصار سے ٹکرا کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔

”تم نے مدافعت شروع کر دی ہے۔“ وہ شدت سے بولا۔ ”حصار سے باہر نکل کر دیکھو۔ تم یہاں سے کچھ کھو کر واپس جاؤ گے۔“

”جمیل! خبردار!“ انکا نے میرے بال پکڑ لیے۔ ”حصار مت توڑنا۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔“

”بہتر ہے کہ تو خاموش بیٹھی رہے۔“ رحیق میرے سر کی جانب دیکھ کر چلایا۔ ”جمیل احمد خان! ہم اسے پکڑ لیں گے۔“

میں نے احتیاط کے طور پر یہی مناسب سمجھا کہ حصار ہی میں رہوں۔ زرافشاں اور درخشاں ایک دوسرے سے لپٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ میں نے وہیں کھڑے کھڑے رحیق کو کمرے سے بے دخل کرنے اور قابو میں کرنے کا عمل شروع کر دیا۔ میں رحیق کو بند کر دینا چاہتا تھا۔ انکا مجھے بتا چکی تھی کہ حویلی میں اس کے کچھ ساتھی موجود ہیں۔ رحیق کے بچ نکلنے کی صورت میں میرے لیے پریشانی بڑھ سکتی ہے اور اسے زچ کرنے کی صورت میں اس کی پوری برداری کے دوسرے جن بھی محتاط ہو جاتے۔ ایک جن کو زیر کرنا مشکل کام ہوتا ہے، اس کا اندازہ مجھے پہلے نہیں تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے باندھنے کا فیصلہ کیا لیکن ناکامی ہوئی۔ رحیق انکا سے الجھ گیا تھا۔ اچانک وہ فرش پر لرزنے لگا۔ میرا دوسرا عمل کارگر ہوا تھا۔ میں نے اس کے گرد بھی حصار قائم کر دیا تھا۔ اب وہ اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ وہ بے بس ہو گیا تھا، جیسے اسے کسی نے جکڑ لیا ہو۔ غیظ و غضب میں وہ چیخنے لگا۔ ”جمیل احمد خان!“ اس نے غصے سے کہا۔ ”اگر تم نے کسی بے ہودگی کا مظاہرہ کیا تو ہم تمہیں زندگی بھر نہیں چھوڑیں گے۔“

میں نے رحیق کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنے حصار سے باہر نکل آیا۔ مجھے یقین تھا۔ اگر میں نے اپنے عمل کا سلسلہ ختم کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ پھر شاید میں اسے اتنی آسانی سے دوبارہ ایک جگہ مقید نہیں رکھ سکتا تھا چنانچہ میں اپنا عمل پڑھتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ سامنے آتش دان پر شیشے کی ایک خوبصورت صراحی میں کوئی شربت رکھا ہوا تھا۔ میں نے سوچا جن کو بوتل میں بند کرنے کا قصہ بہت سنا ہے، آج اس مشتعل مزاج نوجوان جن کو بند کر دیا جائے لیکن قصے کہانی کی بات آزمانے کا موقع نہیں تھا۔ میں کمرے کا جائزہ لینے لگا، اس بڑے کمرے سے ملحق ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جو اسٹور کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ اس میں کوئی کھڑکی، کوئی روزن نہیں تھا۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ کوٹھری کا جائزہ لے کر آئے۔ انکا لمحوں میں آ گئی اور اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں آہستہ آہستہ رحیق کے حصار کے نزدیک پہنچ گیا اور اچک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دیدنی سے نادیدنی ہو گیا، البتہ وہ اپنا ہاتھ میری گرفت سے چھڑا نہیں سکا۔ ایک ثانیے میں اس کا ہاتھ سکڑ کر کسی دھاگے کے برابر ہو گیا لیکن

میں نے اسے نہیں چھوڑا میں اسے کھینچ کر کوٹھری کے قریب لے آیا۔ وہ چلا رہا تھا اور متواتر مجھے دھمکیاں دے رہا تھا۔ میں اپنے عمل میں اتنا مصروف تھا کہ میں نے اس کے ہذیان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کوٹھری کے کھلے دروازے سے اسے گزار کر میں خود بھی اندر پہنچ گیا اور اسے وہاں مقید کرنے کے لئے اپنی ساری خفتہ صلاحیتیں بروئے کار لایا۔ وہ ابھی تک اپنا ہاتھ چھڑانے کی جدوجہد کر رہا تھا لیکن وہ جمیل احمد خان سے معرکہ آرا تھا۔ پھر اس کی کوشش میں ضعف آنے لگا اور میں مطمئن ہو کر باہر آ گیا۔ میں نے کوٹھری بند کر دی اور باہر سے اس پر اپنی انگلیاں پھیر کر جکڑ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ باہر نہیں آ سکتا۔

پھر میں نے بڑے کمرے میں آ کر سارے روشن دان، کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے اور کمرا آسانی کے ساتھ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اب میں بے فکر تھا، یہ کمرا میری دست برد میں تھا اور دو حسین لڑکیاں جمیل احمد خان جیسے وحشی شخص کو درندگی پر اکسا رہی تھیں۔ یہ بہن علی کی بہنیں تھیں، جس نے میری بہن رخسانہ کو اغوا کیا تھا۔ وہ دیوار سے چپکی کھڑی تھیں۔ انکا حیرت اور دلچسپی سے کبھی میری طرف نظر کرتی اور کبھی ان کے بسمل سراپا دیکھتی تھی۔ رحیق کو زچ کرنے کے باوجود میرے خون کی گردش میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ایک زمانے بعد، ایک طویل مدت بعد، اس وقت جب انکا کے سوا کوئی چارہ گر نہ تھا۔ مجھ پر میرے نفس کا غلبہ ہونے لگا۔ نالکھ آشرم میں مالا کی قربت میں ایسے ہی جذبے ابھرے تھے۔ ان کی تڑپ، ان کا خوف۔ ان کا لرزہ مجھے انہیں اذیت دینے پر مائل کر رہا تھا۔ میں تبت کا نندا کے استھان کا کوئی شخص نہیں رہا۔

"تم زرافشاں کے سر پر جاؤ انکا!" میں نے نشے کی کیفیت میں کہا۔ "میں درخشاں کو دیکھتا ہوں۔" مجھے معلوم نہیں تھا ان میں کوئی درخشاں ہے اور کوئی زرافشاں؟ دونوں کے انتخاب کا مرحلہ در پیش ہوتا تو انتخاب مشکل ہو جاتا لیکن جب انکا زرافشاں کے سر پر پہنچی تو مجھے ان کے نام معلوم ہو گئے۔ مجھے کلدیپ یاد آ گئی اور میں نے کسی سے کہا۔ 'لو دیکھ لو۔ میری نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ میں اپنا زوال خود کر رہا ہوں، یہ میری شکست کی ابتدا ہے۔' میں چاہتا تو ان دونوں لڑکیوں کو پکڑ کر بازار حسن لے جاتا اور کسی صاحب نظر طوائف کی نذر کر دیتا۔ میں درخشاں کی طرف مستانہ وار آگے بڑھا تو وہ لرزہ براندام ہو گئی۔

"ہم بے قصور ہیں جمیل احمد خان صاحب! ہمیں معاف کر دیجئے۔ نواب بھائی نے آپ کے ساتھ جو ظلم کیے ہیں، انہیں اب تک ان کی سزا مل رہی ہے۔ وہ عرصے تک جیل میں رہے اور اب پاگلوں کی طرح نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ ہمارے تمام اعزا بھی ہم سے ترک تعلق کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ یقین کیجئے ہم نے گزشتہ کئی سال بڑی اذیت میں گزارے ہیں۔ ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اب آپ ہم سے ہماری متاع عزیز بھی چھین لینا چاہتے ہیں؟"

درخشاں فریاد کرنے لگی۔

"آپ تو بڑی دلکش باتیں کرتی ہیں، یہ نفیس گفتگو، یہ خوب صورت انداز، یہ حسین چہرہ، آپ نے اپنے بھائی کی کوئی تربیت نہیں کی۔ اس حویلی کے تہ خانے میں وہ لکھنؤ کے شرفا کی بیٹیوں کی عصمتیں اپنے شہدوں کے ذریعے لوٹتا رہا ہے۔"

"ہم اپنے بڑے بھائی کے معاملات میں کس طرح دخل اندازی کر سکتے تھے؟ ہم تو ان کے سامنے شرم سے بول بھی نہیں سکتے تھے۔" درخشاں نے رقت انگیز انداز میں کہا۔

"آپ جانتی ہیں، میں کیوں یہاں آیا ہوں؟" میں نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ از راہ کرم مجھ سے تعاون کیجئے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے آپ کے شہزادے رحیق کو اندر کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔ ممکن ہے اس دوران میں تم نے میرے بارے میں کچھ سنا بھی ہو۔ میں جس بات کا عہد کر لیتا ہوں، اسے ضرور پورا کرتا ہوں، میں نے اپنی بہن رخسانہ کے اغوا پر جو عہد کیا تھا، اس میں ترمیم کر دی ہے۔ اسے آپ رعایت سمجھئے۔ اب میں آپ کو بالا خانے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں صرف آپ کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے قریب آنا چاہتا ہوں۔ یقیناً میں اس شہزادے جن سے کہیں بہتر ہوں جسے آپ کا التفات حاصل ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ بڑی فیاضی کی ہے۔ کچھ ادھر بھی نظر عنایت ہو جائے۔ اب تک آپ کسی نواب کی حویلی میں بج جانا چاہیے تھا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اسی جن نے آپ کو اداس تنہا اور ویران رکھا۔ شاید میرے لیے۔"

وہ زار و قطار رونے لگی۔ "وہ ہمارے محسن ہیں۔ نواب بھائی کا ستارہ جب سے گردش میں آیا ہے انہوں نے ہی تو سہارا دیا ہے، آپ ہماری ناکردہ خطائیں معاف کر دیجئے۔ ہم آپ کے پیر پکڑتے ہیں۔ ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ ہم بے قصور ہیں، ہمیں برباد نہ کیجئے۔" اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"دیوانی مت بنئے آپی جان!" زرافشاں، درخشاں سے بولی۔ زرافشاں اس وقت انکا کے زیر اثر تھی۔ "جمیل احمد خان صاحب بہت پہنچے ہوئے آدمی ہیں۔ ان کی چشم کرم ہو گی تو ہم زندگی بھر عیش کریں گے، آپ کو اپنی قسمت پر رشک کرنا چاہئے۔"

"زری!" درخشاں ہکا بکا ہو کر تیزی سے بولی۔ "کیسی بے غیرتی کی باتیں کرتی ہو، تمہارا دماغ ٹھکانے ہے؟ ہم موت کو ترجیح دیں گے، ہم مر جائیں گے مگر اپنی آبرو کی آخری دم تک حفاظت کریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ جمیل احمد خان صاحب اپنا ارادہ بدل دیں گے۔ وہ دو نہتی لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے، انہیں غصہ ہے مگر وہ ہماری مظلومیت پر ضرور ترس کھائیں گے۔"

"آپ کی آبرو!" میں نے قہقہہ لگایا۔ "آپ کی آبرو۔ ایک نامحرم جن کی موجودگی میں؟ میں آپ

کو بتاؤں کہ آپ کی باتیں، آپ کی فریادیں میرا شوق اور فزوں کر رہی ہیں۔"

"ہم کیا کریں؟" وہ ہکلا کر بولی۔ "ہم کہاں جائیں؟"

"آپ ہماری آغوش مین آجائیں۔"

وہ تیزی سے میرے پیروں پر گر گئی۔ اس نے اپنا سرخ و سفید چہرہ میرے قدموں پر مارنا شروع کر دیا۔ میں نے اسے بڑی نفاست سے اٹھایا۔ اس کا چہرہ بھیگا ہوا تھا۔ وہ ماہ جبین تھی، وہ ایک شہزادی تھی۔ شہزادی رو رہی تھی۔ یہ سوگوار حسن، یہ دل فریب بدن، اس کا دوپٹا ڈھلک گیا تھا۔ دریائے حسن ایک ایسے شخص کے سامنے تھا جو مدت سے پیاسا تھا۔ میں نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھا۔

"آپ اس قدر کیوں رو رہی ہیں؟"

وہ تڑپ کر مجھ سے دور چلی گئی اور وہاں اس نے اپنا سر دیواروں سے پھوڑتے ہوئے کہا۔ "ہمیں مت چھوئیے، ہم مر جائیں گے۔ ہم مر جائیں گے۔ ہم اپنی جان لے لیں گے، ہم سے دور رہیے۔"

میں اسے سمجھانے کے لئے آگے بڑھا اور اسی عرصے میں زرافشاں نے ایک بار پھر اسے آمادہ کرنا چاہا۔ میں ایک کتا تھا، میں اس پر جھپٹا۔ وہ پھر بھاگ گئی۔ اس نے اپنی مسہری کے قریب رکھا ہوا گل دان پوری طاقت سے میرے سر پر دے مارا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ گلدان میرے ماتھے پر لگا اور خون پھوٹ پڑا۔ خون سے میری آنکھیں اور میرا چہرہ تر ہو گیا۔ اس نے مجھے زخمی کر دیا تھا اور فرش اور دیواریں بھی خون آلود ہو گئیں۔ پھر مجھے کیا ہوا؟ میں اندھا ہو گیا اور میں نے سارے کمرے میں اس پر جھپٹنا شروع کر دیا۔ دیوانگی کے اس دورے پر انکا بھی انگشت بدنداں تھی۔ وہ زرافشاں کے سر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ درخشاں نے دیواروں میں، گوشوں میں، مسہری کے نیچے چھپنا چاہا لیکن آخر میں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں یہ ناگفتی واقعہ مزید بیان نہیں کر سکتا۔ درخشاں کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کی رنگت۔ پھر میں نے انکا کو آواز دے کر زرافشاں کو بھی قریب بلا لیا۔ پھر جب اس کی سسکیاں اور آہیں بھی ختم ہو گئیں اور جب کچھ نہ رہا تو مجھے ہوش آیا۔ وہ دونوں سکتے کی حالت میں مسہری پر پڑی تھیں۔ میں نے کمرے پر حقارت کی نظر ڈالی اور دروازہ کھول دیا۔

جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا، اوندھے منہ راہداری میں گرا۔ بہت سے لوگوں نے مجھ پر ایک ساتھ وار کیا تھا مگر میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہاں کوئی ایک ہاتھ نہیں تھا، متعدد ہاتھ تھے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی انہوں نے مجھ پر پے در پے حملے کیے اور مجھے کسی لمحے سوچنے کا موقع نہیں دیا۔ میرے ماتھے سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، میرے سارے کپڑے تار تار ہونے لگے اور بدن پر جگہ جگہ خراشیں پڑ گئیں۔ میں نے اس یلغار میں کسی نہ کسی طرح اپنے حواس جمع کیے اور خود حفاظتی کا ایک آزمودہ عمل پڑھا۔ ضربیں اچانک بند ہو گئیں۔ میرے اشتعال کا عالم عجیب تھا۔ میں نے ایک لمحاتی

مراقبہ کر کے انہیں دیکھنے کی قوت پیدا کی یا وہ خود ہی اپنے خط و خال کے ساتھ مجھ پر آشکار ہو گئے۔ وہ قدیم لباس پہنے ہوئے کئی نوجوان جن تھے۔ میں نے انہیں ڈانٹا۔ "کم بختو! تم نے کس شخص پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تمہارے لیے عذاب بن جاؤں گا۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی انگلی کو جنبش دی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور ایک ثانیے میں غائب ہو گئے۔

میرا لباس اور چہرہ خون میں لت پت تھا لیکن میں حویلی سے فوراً باہر نکل جانا چاہتا تھا، عمارت عبور کر کے میں باغ میں آ گیا۔ وہاں صرف چند ملازم رہ گئے تھے۔ ایک ملازم کے سر پر انکا کو بھیج کر میں نے لباس تو تبدیل کر ہی لیا اور کسی نہ کسی طرح حویلی سے باہر آ گیا۔ سڑک پر دور تک پیدل چلتا رہا۔ انکا خاموش بیٹھی تھی۔ میں چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا اور جب بازار میں نکلا تھا تو ہبن علی کی حویلی کی طرف نظر اٹھ گئی تھی۔ درخشاں اور زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ لوگ ان کے خواب دیکھا کرتے تھے مگر مجھ پر سرشاری کی کیفیت تھوڑی دیر ہی قائم رہی۔ رحیق کے ساتھی نوجوان جنوں نے جس انداز سے مجھ پر یلغار کی تھی اسے میں زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا جا رہا تھا کہ انکا بہت دیر بعد متحمل ہوئی۔ "ماتھے کی چوٹ کیسی ہے جمیل؟"

"ٹھیک ہے انکا!" میں نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟ میں نے آج تک تمہیں اتنا سخت دل نہیں دیکھا تھا۔" انکا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا تمہیں برا لگا؟" میں نے چڑ کر کہا۔

"نہیں، اچھا برا لگنے کی حس تو مجھ میں تمہاری وجہ سے ہے۔ تمہیں اچھا لگا تو مجھے بھی ٹھیک ہی لگا۔"

"درخشاں، زرافشاں ایسی لڑکیاں تھیں کہ ان کے ساتھ عمر بھر رہا جا سکتا تھا۔ ایک بار میرے دل میں آیا کہ میں ان میں سے کسی ایک کو عمر بھر کے لئے کیوں نہ ساتھ رکھ لیا جائے لیکن پھر سوچا، جب کلدیپ ہی نے چھوڑ دیا تو اب دوبارہ یہ خیال ہی دل میں لانا بے سود ہے کہ اپنا گھر کبھی بس جائے گا۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مجھے جلد ہی مر جانا چاہیے" میں نے مایوس ہو کر کہا۔

"زندگی بہت رنگین ہے بشرطیکہ تم اسے مراقبے، ارتکاز اور ضبط نفس کے زاویوں سے نہ دیکھو۔ اب تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ بدری نرائن تم سے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے اور پنڈت پجاری بھی مسلسل ہزیمت سے تنگ آ گئے ہیں۔ تم چاہو تو بہت سلیقے سے دوبارہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کہو تو میں تمہارے لیے کوئی لڑکی ڈھونڈوں، کہو تو درخشاں ہی کو گھر میں لے آیا جائے؟"

"بے وقوف! تم مجھے مشورے دے رہی ہو؟ میں درخشاں کو تمہارے ذریعے آسانی سے زیر کر سکتا

Downloaded from Paksociety.com

تھا اور میں ان دونوں کو اپنی طاقت سے بے بس کر سکتا تھا، وہ زبان تک نہیں ہلا سکتی تھیں۔ میں انہیں ساتھ بھی لا سکتا تھا مگر میں نے یہ کیوں نہیں کیا؟ مجھے اب آنے والے دنوں کا یقین نہیں رہا ہے۔"

"تم نے جنوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا اور آتے وقت تم اتنے مدہوش تھے کہ تمہیں اس کوٹھری کا بھی خیال نہیں رہا جس میں تم نے رحیق کو بند کیا تھا۔"

"جن بھی اپنے حوصلے آزما کر دیکھ لیں۔ میں نے انہیں پرکھ لیا تھا۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ سب لونڈے لپاڑے ہیں۔ وہ رحیق تو نمبر ایک شہدا ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"پھر بھی ان سے کسی ردِ عمل کی توقع نہ کرنا حماقت ہوگی۔"

"ردِ عمل تو میں بھی ظاہر کر سکتا ہوں۔"

انکا کی عادت ہی حجت اور تکرار کی ہو گئی تھی۔ میں اس کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اصل میں مجھے بہن علی کی حویلی کے جنوں کی کوئی فکر نہیں تھی، مجھے تو یہ فکر تھی کہ اب کیا کیا جائے؟ پونا چلا جائے جہاں انکا کی اطلاع کے مطابق بدری نرائن پہنچ گیا ہے اور اگر وہ پونا سے بھی فرار ہو گیا تو پھر میں کہاں کہاں جاؤں گا؟ وہ کبھی کسی مندر میں چھپ جاتا ہے، کبھی کسی بڑے پجاری کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اتنی دور رہتا ہے کہ میں اس پر اپنی پُر اسرار طاقتوں کا جال پھیلانے میں کامیاب نہ ہو سکوں۔ زندگی کا واحد مقصد بدری نرائن کی بیخ کنی کر نا رہ گیا تھا۔ تقریباً تمام قرضے چکا دیئے گئے۔ کبھی کبھی میں سوچتا، بدری نرائن کا دم غنیمت ہے کہ زندگی میں یہ تھوڑی بہت حرارت باقی ہے، یہ قصہ ختم ہو گیا تو اس کے بعد کیا رہ جائے گا؟ ہاں آسانی سے موت آ جائے گی۔ انکا نے مجھ سے چچا جان کے گھر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ ناہید بھی اب وہاں تھی۔ میں نے انکار کر دیا۔ اس دن درخشاں اور زرافشاں میرے ذہن سے نہیں اترتی تھیں۔ ان سے سیراب ہو جانے کے باوجود ایک طرح کی تشنگی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے بادشاہ کے تخت پر کسی شخص کو بٹھانے کی حسرت پوری کی ہو اور اسے فوراً وہاں سے اٹھا لیا ہو۔ ہوٹل میں آ کر میں نے احتیاطاً امکانی خطرے کے پیش نظر اپنا کمرا محصور کر لیا اور اپنے ماتھے کا کوئی علاج نہیں کیا۔ زخم یوں ہی ٹھوکتا رہا۔ میں دوسرے دن صبح تک سوتا رہا۔ باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کئی بار ذہن ایک سمت مرکوز کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ نہ جانے کیا کیا خیال آ جاتے تھے اور مراقبے کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تھا۔ شاید میں دوبارہ اپنی خواہشوں کے نرغے میں گھر گیا تھا اور خود کو کھونے لگا تھا۔ ایسے ہی کسی موقع پر ایک عجیب سی خواہش ابھری تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے۔ اب بھی وہی حال تھا، جی چاہتا تھا کہ کوئی مجھے چابک سے مارے اور جسم میں سوئیاں چبھو چبھو کر لہولہان کر دے۔ میرے منہ میں کوئی پانی بھی نہ ڈالے اور میرا جسم سڑکوں پر سڑتا رہے اور کوئی مجھ پر تھوکے بھی نہیں۔ صرف یہی دن نہیں، کئی دن ہوٹل میں پڑے پڑے ہو گئے۔ ایک شام انکا ناراض

ہونے لگی۔ اس نے مجھے اٹھایا۔ اسی وقت ہوٹل کا ایک بیرا مؤدب انداز میں ایک شیروانی رکھ گیا۔ انکا نے مجھ سے غسل کی درخواست کی۔ مجھے کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے، میں نے غسل کیا اور شیروانی پہن کر جب آئینے میں اپنی شکل دیکھی تو مجھے احساس ہوا، یہ میں ہوں؟ ہاں یہ میں تھا، یہ جمیل احمد خان تھا، نیا لباس پہن کر کچھ تازگی کا احساس ہوا۔ میں نے انکا سے پوچھا۔ "کیا ارادہ ہے؟"

"اب تم خاموش رہو اور چپ چاپ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں بتاؤں گی کہ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اب بھی وہی رونق، وہی چہل پہل ہے۔ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔" انکا نے ڈپٹ کر کہا۔ میں نے کسی بچے کی طرح ہوں کی اور اس کے ساتھ ہو لیا۔

انکا نے ہوٹل سے نکل کر مجھے تانگے میں بٹھایا اور تانگے والے نے پوچھے بغیر مجھے بازار حسن میں اتار دیا۔ طبلے کی تھاپ اور سازوں کی گونج دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ بازار میں واقعی بڑی چہل پہل تھی۔ میں حیرت سے زندگی دیکھنے لگا۔ مجھے یہ سب عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہی گلوریاں، گلیوں میں مستاتے ہوئے بانکے، وہ سواریاں، جھروکے۔ کہیں سے کسی نغمے کی آواز آ جاتی ہے۔ جب اشرفی بیگم کے کوٹھے کی طرف سے گزرا تو میری نسوں میں سردی سی دوڑ گئی۔ اشرفی بیگم کا بالا خانہ اب بھی آباد تھا۔ انکا مجھے بازار حسن میں یوں ہی گھماتی رہی اور گویا مجھے آمادہ کرتی رہی لیکن وہاں شاید مجھے کسی نے پہچان لیا۔ اچانک اس گلی میں سراسیمگی سی پھیل گئی۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے، میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ نے مجھے بڑا رسوا کیا تھا۔ میں نے دیکھا، جس جس مکان سے میں گزرتا، حسین چہرے دریچوں سے باہر جھانکتے اور دریچے بند ہو جاتے۔ بازار حسن کی اس گلی میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ تمام بالا خانے کے دروازے دیکھتے ہی دیکھتے بند کر دیئے گئے۔ انکا نے یہ صورت حال دیکھی تو مجھے دوسری گلی کے ایک بالا خانے پر لے گئی۔ زینے پر قدم رکھتے ہی مغنیہ کی دلکش آواز سنائی دی۔ میں تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ اندر اور معززین بھی بیٹھے تھے۔ میں چپکے سے ایک کونے میں گاؤ تکیے سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ نائکا نے مجھے دیکھ لیا تھا اور مسکراہٹ سے میرا استقبال بھی کیا تھا۔ لڑکی جوان اور دلچسپ تھی۔ انداز میں شوخیاں تھیں۔ گانا بھی خاصا گا لیتی تھی۔ البتہ ناچ میں ماہر معلوم ہوتی تھی۔ جب اس نے یہ شعر پڑھا۔

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

تو مجھے اپنے ذہن کے تار جھنجھناتے سے محسوس ہوئے، وہ گاتی رہی اور میں خیالوں میں کہاں سے کہاں تک سفر کرتا رہا۔ موسیقی میں بھی کیا کمال ہوتا ہے۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ روشنیاں نظر آنے لگیں اور پردوں کے رنگ اور رقاصہ کے بدن کے پیچ و خم دکھائی دینے لگے۔ اس کے گھنگھرو دل میں جھنکار پیدا کرنے لگے۔

"میرے پاس رقم نہیں ہے۔" میں نے انکا سے کہا۔

"ابھی انتظام ہوا جاتا ہے۔" انکا نے شوخی سے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر میں اپنے قریب رکھے ہوئے گاؤ تکیے کے پیچھے ہاتھ ڈالنا۔ وہاں تمہیں روپے رکھے ہوئے ملیں گے۔"

انکا اسی وقت میرے سر سے اتر گئی اور میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ادھیڑ شخص کو اپنے انگرکھے میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈی نکالتے دیکھا۔ اس نے بہت آہستگی سے نوٹ اپنے گدے کے پیچھے رکھ دیئے۔ میں نے انہیں اٹھالیا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔ ادھیڑ عمر شخص کو کوئی خبر نہ تھی۔ روپے خرچ کرنے میں ایک لطف آتا ہے۔ میں نے نوٹوں کی گڈی کھول کر روپے برسانا شروع کیے تو مجھے بہت مزہ آیا۔ طوائف کا بار بار آنا اور میرے سامنے بیٹھ کر گانا، سارے بالا خانے کی توجہ میری طرف مرکوز ہو جانا اور نغمے میں کچھ اور سوز پیدا ہو جانا اور محفل پر کچھ اور شباب آ جانا۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میں اس پر روپے نچھاور کرتا رہا اور وہ مجھ پر اپنی ادائیں لٹاتی رہی۔ معاً نائکا کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے لڑکی کو کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ لڑکی نے جیسے تیسے جلدی جلدی غزل ختم کی اور نائکا نے بصد ادب حاضرین سے معذرت چاہی۔ "مجھے افسوس ہے یہ محفل جاری نہیں رہ سکتی۔ مجھے ابھی ابھی اپنے ایک عزیز کے سانحے کی خبر ملی ہے۔"

کسی شخص نے باہر سے آ کر نائکا کو میری موجودگی کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ تمام لوگ تاسف کے ساتھ اٹھ کر جانے لگے۔ میں بیٹھا رہا اور میرے سہارے میرے برابر بیٹھا ہوا شخص بھی جما رہا۔ "چلئے جناب!" اس نے مجھ سے شائستگی کے ساتھ کہا۔ "اب یہاں کیا رکھا ہے؟"

میں نے نائکا کو مخاطب کیا۔ "گانا جاری رہنا چاہئے۔"

"آپ نے سنا نہیں حضرت' فرماتی ہیں کہ ان کے کسی عزیز کے ساتھ خدانخواستہ کوئی سانحہ ہو گیا ہے۔" ادھیڑ عمر شخص نے لقمہ دیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" نائکا نے ادب سے کہا۔

"تم جھوٹ بولتی ہو۔" میں نے غصے سے کہا۔

"گانا جاری رکھو۔" نائکا کانپنے لگی۔ "میں نے کچھ عرض کیا ہے۔"

"میں نے کوئی حکم دیا ہے۔ جب تم سب کچھ جانتی ہو تو انجان کیوں بن رہی ہو۔ یہاں کون تمہیں کھائے جا رہا ہے؟"

"گاؤ سمن۔ گاؤ اور ناچو بیٹی! اس کا دل خوش کر دو۔" نائکا نے خوف آمیز تلخی سے کہا۔

ادھیڑ عمر شخص میرے قریب کھسک آیا۔ "اجی حضرت! کمال کر دیا آپ نے۔ سمن کو دوبارہ گھنگرو باندھنے پر مجبور کر دیا۔ کیا میں آپ سے متعارف ہو سکتا ہوں؟"

"میرا نام جمیل احمد خان ہے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"خاکسار کو سلامت جان کہتے ہیں۔" اس نے مجھ سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کیا بتاؤں حضرت! اس سانولی لڑکی کے نقش و نگار ایسے دلفریب ہیں اور ایسا کمال گاتی ہے کہ لکھنؤ چھوٹتا ہی نہیں۔ یہاں آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے، ویسے میرا تعلق حیدر آباد سے ہے، کبھی ادھر تشریف لانا ہو تو غریب خانے پر زحمت کیجئے۔ ویسے اللہ کا شکر ہے، آپ خوش ہوں گے۔ موسیقی، راگ رنگ اور ان ستم بروں کا میں بھی گھائل ہوں۔ آپ وہاں میرا انتخاب دیکھئے۔" اس نے ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کہہ دیں۔

"شکریہ جناب! کبھی ادھر گزر ہوا تو ضرور آؤں گا۔"

"کیا جناب کا تعلق لکھنؤ سے ہے؟"

"میرا تعلق ہر جگہ سے ہے اور کہیں سے بھی نہیں ہے۔ میں ایک آوارہ آدمی ہوں، میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

"واہ، کیا حسن ظن ہے۔ واللہ آپ بہت پُر لطف اور بذلہ سنج شخص معلوم ہوتے ہیں۔ اپنی بھی ساری عمر آوارہ گردی میں گزری ہے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے......"

وہ آگے نہ کہہ سکا کیونکہ سمن نے ایک المیہ گیت شروع کر دیا تھا۔ اب اس کی شوخی رخصت ہو گئی تھی۔

"وہ کیا بات ہے جو اس لڑکی کو قیامت بنائے ہوئے ہے؟" سلامت جان نے مجھے ٹوکا۔ "کیا آپ اپنے تجربے سے کچھ بتا سکتے ہیں؟"

"وہ اس کی ادائیں ہیں، وہ اس کی آنکھ ہے، آپ اس سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"اجی، کیا عرض کروں حضت! بات کچھ ایسی ہی ہے۔ میں اسے حیدر آباد لے جانا چاہتا ہوں مگر یہ قتالہ آمادہ ہی نہیں ہوتی۔ گائیکی کا جواب نہیں، نرت اور سُر تال میں بہت فٹ ہے، ادائیگی کا جواب نہیں لیکن واحسرت......" وہ سرد آہ بھر کر بولا۔

میں نے نائکا کو اشارہ کیا۔ وہ آ گئی' میں نے کہا۔ "سلامت جان صاحب کیا کہتے ہیں، کیا قیمت لگائی ہے آپ نے؟"

"جناب والا! اپنی تو یہی بہار ہے۔" اس نے مہذب انداز میں کہا۔ "فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"اگر قیمت مناسب مل جائے تو آپ کو انکار نہیں ہونا چاہیے، لڑکی عیش کرے گی۔" میں نے

بارعب آواز میں کہا۔

لیکن نائکا خوب صورتی سے بات ٹالتی رہی اور سمن ناچتی رہی۔

"جناب میں ہر طرح کوشش کر چکا ہوں۔" سلامت جان نے کہا۔

"ہمیں بھی کر لینے دیجئے۔" میں نے کہا اور نائکا سے مخاطب ہوا۔ "ٹھیک ہے آپ کی مرضی، ہم جسے پسند کرتے ہیں اسے حاصل کرنا بھی جانتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آپ یہاں تشریف لایئے، سمن کا رقص دیکھئے، گانا سنئے۔ یہ بالا خانہ آپ جیسے صاحب ذوق حضرات ہی کے دم سے قائم ہے لیکن خدارا ہمارے بازو ہم سے مت چھینئے۔"

"جمیل میں چلی جاؤں؟" انکا نے پوچھا۔

"نہیں، ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا، نائکا اٹھنے کے لئے بے چین تھی۔ وہ کسی بہانے سے اٹھ گئی۔

سلامت جان نے کہا۔ "حضت! بڑی چلتا پرزہ ہوتی ہیں۔ پچاس ہزار کہہ دیجئے۔"

اسی دوران میں سمن نے بیزاری سے میری جانب دیکھا۔ وہ اسٹیج کی رقاصہ کی طرح ہم سے بے خبر ہو کر ناچ رہی تھی۔ میں نے زور سے کہا۔ "یہ کیا طریقہ ہے؟ یہ شرفا کی توہین ہے۔"

"جناب، لکھنؤ میں ایسا کبھی سنا یا دیکھا نہیں تھا۔" سلامت جان نے کہا۔ "آیئے کسی اور بالا خانے پر چلتے ہیں۔"

"ابھی بیٹھئے، کچھ دیر توقف کیجئے، مجھے ان لوگوں سے نمٹنا آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم بھی اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں۔"

"میرا خیال ہے ایک خوب صورت شام برباد ہو رہی ہے۔ اس نے ناچ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی ہے اب ہمارا بیٹھنا بھی انہیں ناگوار ہے۔"

میں نے سلامت جان کی بات سنی اَن سنی کر کے سمن کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ اچانک دھڑام سے گری اور فرش پر لوٹنے لگی۔ اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔ سازندے، طبلچی اور نائکا اس کی جانب دوڑ پڑے۔ سلامت جان نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے بٹھا دیا۔ "یہ کیا ہے حضت؟"

"آپ کے ساتھ جانے کی تیاری ہے، لڑکیاں ماں باپ سے وداع ہوتے وقت اتنی ہی پریشان ہوتی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں، حضت، یہ تو کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"پھڑک رہی ہے، آپ کو کیسی لگ رہی ہے؟" میں نے چٹکی لی۔

"جناب مجھے تو ہر حال میں اچھی لگتی ہے مگر اسے اچانک کیا ہو گیا ہے؟ ذرا دریافت حال کرتے

ہیں۔"

نائکا اور سازندے سمن کر پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے، انہوں نے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں پکڑ لی تھیں۔ وہ پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ اس کا منہ اس طرح بند تھا جیسے کسی نے سی دیا ہو۔ "کسی حکیم، ڈاکٹر کو بلاؤ۔" ایک سازندے نے کہا۔

"نہیں۔" نائکا نے چیخ کر کہا۔ وہ میرے پاس چلی آئی اور عاجزی سے بولی۔ "جناب، کیا ہم اپنی بچی کے لئے انکار کرنے کا حق بھی نہیں رکھتے؟"

"انکار تو آپ جب کریں جب آپ کو قیمت کم مل رہی ہو یا آپ بالا خانے پر نہ بیٹھی ہوں۔ ہم خریدار ہیں، آپ دکاندار۔ آپ کا کام بیچنا، ہمارا کام خریدنا ہے۔ آپ نے قیمت تو لگائی ہوئی ہوگی اپنے مال کی؟" میں نے اس سے صاف صاف کہا۔

"آپ ہمیں مجبور کر رہے ہیں۔" نائکا نے رقت سے کہا۔

"ہم آپ کو قیمت ادا کر رہے ہیں، پچاس ہزار روپے۔"

"ہم اس سے بھی زائد دے سکتے ہیں، ساٹھ ہزار۔" سلامت جان بولا۔

"لیجئے انہوں نے اور بڑھا دیا۔ اب تو آپ خوش ہو جایئے۔ ہماری طرف سے آپ کی مٹھائی کے لئے پانچ ہزار روپے اور......" نائکا کسی سوچ میں پڑ گئی، ادھر سمن اپنا سر پٹک رہی تھی۔

"ٹھیک ہے جناب۔ مگر میری بچی ....."

"اسے کیا ہو گیا ہے۔" میں نے اٹھ کر کہا اور سمن کے پاس جا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سمن نے اسی لمحے آنکھیں کھول دیں اور حیرانی سے سب کو دیکھنے لگی۔

"آپ تو مسیحا ہیں۔" سلامت جان خوشی سے اچھل رہا تھا۔

"آپ کے متعلق غلط نہیں سنا تھا۔" نائکا حیرت سے بولی۔

"آپ نے بھی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اچھا بی بی، ہم چلتے ہیں، کل سلامت جان آئیں گے، آپ سمن کو تیار رکھیے گا۔ حیدر آباد میں سلامت جان صاحب کی بہت بڑی جاگیر ہے۔ یہ لیجئے بیعانے کے روپے۔" میں نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کل.... ہاں، سرِ شام...... کل ہم حیدر آباد روانہ ہو جائیں گے۔ کل ہی آپ کو باقی رقم بھی ادا کر دی جائے گی۔" سلامت جان نے وفورِ مسرت سے کہا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔

میں اور سلامت جان ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ وہ بار بار میری صورت دیکھتا تھا اور ایسا وارفتہ وشیدا تھا کہ ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس رات ہم کسی دوسرے بالا خانے پر نہیں گئے۔ واپسی کے وقت راستے میں لوگوں نے انگلیاں اٹھا اٹھا کر میری طرف اشارے کیے تو سلامت جان دنگ رہ گیا۔ اس نے

میرا سامان اٹھوادیا اور اپنے ہوٹل لے گیا۔ وہ ہوٹل زیادہ پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ ہوٹل میں اس کے بڑے سلیپنگ سوٹ میں رات تنہا نہیں گزری۔ اس کا انتظام سلامت جان نے شاید پہلے ہی کر رکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا، اس کے شب و روز اسی طرح گزرتے ہیں۔ جیسے ہی وہ ہوٹل میں آیا، اس کے اردگرد کمیشن ایجنٹوں کا جال سا بن گیا۔ میں دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ کھانا کھا کر ہم فارغ ہی ہوئے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے، بازارِ حسن کی باتیں کہ لڑکیاں ہمارے کمرے میں بھیج دی گئیں۔ سلامت جان نے ان کا گرمی جوشی سے استقبال کیا اور قرعہ ڈال کر کہنے لگا۔ "اب دیکھئے آپ کی قسمت میں کون سی لکھی ہے؟"

جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ سلامت جان ایک خوش باش اور مستانی طبیعت کا شخص ہے۔ وہ سمن کے سودے پر ہر دسویں منٹ اتنا شکریہ ادا کرنے لگتا تھا کہ لکھنؤ کا سارا بازارِ حسن اس کی خدمت میں پیش کر دینے کو جی چاہنے لگا۔ نہ جانے اسے سمن کی کون سی ادا بھا گئی تھی؟ رات کو ہم لوگ علیحدہ علیحدہ کمروں میں چلے گئے۔ میں نے اس لڑکی سے گفتگو شروع کر دی جو سلامت جان نے میرے نفس کی اطاعت کے لئے بھیجی تھی۔ وہ ایک سوگوار لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر غم لکھے ہوئے تھے اور آواز میں سوز تھا۔ رات گئے تک وہ مجھے اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ صبح جب میرے کمرے سے رخصت ہوئی تو اس کے پاس پندرہ ہزار روپے تھے۔ روپے کا انتظام انکا نے کسی طرح کر دیا تھا۔ میں تو ساری رات اس سے باتیں کرتا اور متاثر ہوتا رہا۔ اسے روپوں کی سخت ضرورت تھی۔ یہی ضرورت اسے ایک شریف محلے سے اس خفیہ کاروبار تک کھینچ لائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے بعد وہ کبھی لوگوں کے پہلو گرمانے نہیں آئے گی کیونکہ اس رقم سے اس کے مرحوم باپ کے سارے قرضے اترنے کے بعد اس کے بھائی بھی آسانی سے تعلیم پا سکتے تھے۔ صبح سلامت جان نے مجھ سے پوچھا۔ "کہئے حضت! رات کیسی گزری؟ قرعہ تو آپ کے نام اچھا ہی نکلا تھا۔"

"میری چھوڑو۔ اپنی سناؤ دوست۔ اپنی بات تو سمجھ میں خود نہیں آئی۔"

"بس حضرت گزر ہی گئی۔ سمن کے تصور میں ایسا کھویا رہا کہ رات گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ آیئے ناشتا کریں۔" سلامت جان نے مجھے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

میں ابھی کچھ دن اور لکھنؤ میں رہنا چاہتا تھا کیونکہ یہاں کے شب و روز اور پرانی یادوں میں ایک نئی لذت محسوس ہو رہی تھی۔ میں نندا کے تربیت یافتہ شخص جمیل احمد خان کو سمجھانے لگا تھا کہ بس یہ صورت عارضی ہے۔ اصل چیز تو تزکیہ نفس ہے۔ اصل چیز تو وہی ہے۔ تھوڑی دیر اجازت دے۔ پھر تیرے ساتھ چلتا ہوا، ذرا یہ روشنیاں تو دیکھ لینے دے۔ نندا کا تربیت یافتہ جمیل احمد خان ایک مضبوط آدمی تھا۔ اس نے مجھے بڑی سرزنش کی، اس حد تک کہ میں اس سے..... نظریں چرانے لگا۔ شام کو ہم وہاں سے ...

ملبوس عطر لگائے اور گلوریاں چباتے بازارِ حسن میں داخل ہوئے۔ سمن کے بالا خانے پر پہنچے تو میرے غصے کی انتہا نہ رہی۔ معلوم ہوا کہ تسلیم نائکا آج ہی لکھنؤ سے کہیں دور چلی گئی ہیں اور یہ بالا خانہ کسی اور کو کرائے پر دے گئی ہیں۔ سلامت جان بے حد خفیف ہوا۔ میں نے اسے وہیں بیٹھنے کو کہا۔ "ہمیں کل ہی اسے لے جانا چاہیے تھا۔ آہ کیسا نادر ہیرا ہاتھ سے نکل گیا۔" سلامت جان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

میں گاؤ تکیے سے لگ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے نندا کے جمیل احمد خان کو آواز دی جو مجھ سے ناراض ہونے لگا تھا لیکن اسی وقت انکا نے مجھے بتایا کہ وہ یہیں لکھنؤ میں ہے مگر بازارِ حسن میں نہیں ہے بلکہ ایک ساہوکار کی حویلی میں پناہ گزین ہے جس سے اس نے پہلے ہی سمن کو دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

"میں نے آج دوپہر ریل کی نشستیں بھی محفوظ کر لی تھیں۔ گاڑی جانے میں صرف دو گھنٹے ہیں۔ خیال تھا، یہیں سے اسٹیشن چلے جائیں گے۔ میرے دونوں ملازموں نے سامان اسٹیشن پہنچا دیا ہوگا۔" سلامت جان تلخی سے بولا۔ "آیئے جناب! ہم تنہا ہی چلتے ہیں۔ لکھنؤ پر لعنت۔"

"میں کہاں جاؤں؟" میں نے کہا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ خدا کی قسم میں نے آپ کی نشست بھی محفوظ کرا لی ہے۔ چند دن آپ غریب خانے پر میرے مہمان رہیں گے۔ دیکھئے آپ انکار نہیں کریں گے۔" سلامت جان نے بچوں کی سی ضد کی۔

"مگر مجھے پونا جانا ہے اور نہ جانے کہاں کہاں جانا پڑے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں حضت! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔" سلامت جان نے اصرار کیا۔

"چلیے چلو جمیل! کچھ دل بہل جائے گا۔ یہ شخص کچھ اچھا لگتا ہے۔" انکا نے بھی اس کی تائید کی۔

"مگر ہمیں تو پونا روانہ ہونا ہے انکا! کیا بدری نرائن کا قضیہ اسی طرح چھوڑ دیا جائے؟" میں نے برہمی سے کہا۔

"بدری نرائن کہاں جائے گا۔ ممکن ہے وہ ہماری عدم توجہی سے کوئی چوک کر بیٹھے اور ہم اسے کسی جگہ دھر لیں۔ میں اس پر ہر وقت نظر رکھے ہوئے ہوں۔" انکا نے مچل کر کہا۔

انکا اور سلامت جان نے میرے لیے مفر کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ میں نے کہا۔ "ٹھیک ہے، تمہاری مرضی یہی ہے تو میں حیدرآباد چلوں گا لیکن سمن کو ساتھ لے کر۔"

"سمن کا تو اب خیال چھوڑ دیجئے حضت!" سلامت جان نے مایوسی سے کہا۔ "وہ تو اپنی قسمت ہی میں نہیں تھی۔"

"ابھی گاڑی میں دو گھنٹے ہیں، کچھ دیر یہیں بیٹھ کر گزارتے ہیں میرے عزیز دوست! کیا مجھے کچھ

دیر خاموش رہنے کی اجازت ہے؟'' میں نے سلامت جان سے کہا۔

''بخوشی حضت!'' سلامت جان چپ ہوگیا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ماحول سے بے نیاز ہوگیا۔ پھر میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آیئے اسٹیشن چلتے ہیں۔'' ساتھ ہی میں نے انکا کو اپنے سر سے رخصت کردیا۔

''چلئے حضت......'' سلامت جان نے بالا خانے کے در و دیوار حسرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''چلئے اس بار لکھنؤ راس نہیں آیا۔''

میں ان دو گھنٹوں میں چچا جان کے ہاں جاسکتا تھا مگر یوں ہی اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور ایک بڑے مکان پر پہنچ کر رک گیا۔ اس مکان کی دیوار پر میں نے انگلی سے کچھ خاص نشانات بنائے او کچھ دیر وہاں رک کر آگے بڑھ گیا۔ سلامت جان نے میرا یہ عجیب رویہ حیرت سے دیکھا لیکن کچھ پوچھا نہیں۔ ہم دونوں وقت سے آدھ گھنٹا پہلے اسٹیشن پہنچ گئے اور اپنے ڈبے میں بیٹھ گئے۔ ملازم پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ گاڑی چلنے میں پندرہ منٹ باقی تھے کہ ہمارے ڈبے کی کھڑکیوں میں سے ایک شور سا اندر آیا۔ میں منتظر ہی تھا۔ سلامت جان ہکا بکا ہو کے دیکھنے لگا۔ تسلیم نائکا، ایک موٹا سا ہندو بنیا اور اس کے چند ملازم کھڑکیوں سے آہ و زاری کررہے تھے سمن بھی تھی مگر وہ سب سے علیحدہ کھڑی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سلامت جان نے وحشت میں مجھ سے پوچھا۔ میں مسکرانے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ سب اندر آگئے، سب سے پہلے ساہوکار اندر آیا اور آتے ہی میرے پیر چھونے لگا۔

''مہاراج! داس کو شما کر دیجئے۔ مہاراج، میں کچھ نہیں جانتا۔ اس پاپن نے......'' اس نے تسلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے وعدہ کیا تھا اور صبح یہ خود میرے پاس چلی آئی تھی۔ سمن آپ کے حوالے ہے مہاراج! میرا گھر بچا لیجئے میں تباہ ہو جاؤں گا مہاراج! سمن کے روپے بھی نہ دیجئے۔'' ساتھ ہی تسلیم نے بھی اسی انداز میں گڑگڑانا شروع کردیا۔ سمن بھی ڈبے کے اندر آگئی تھی اور اداس بیٹھی تھی۔ آہستہ آہستہ ڈبا بہت سے لوگوں سے بھر گیا اور اس کے اردگرد ایک بھیڑ جمع ہوگئی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی پر ساہوکار نے اور گڑگڑانا شروع کردیا۔

''قدموں سے ہٹو۔'' سلامت جان نے کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس نے ساہوکار کو ڈانٹا۔ ساہوکا لرزتا ہوا پیچھے ہٹا۔ نائکا تسلیم بھی دور ہوگئی۔ وہ بار بار اپنی گستاخی کی معافی مانگ رہی تھی۔ میں نے سلامت جان سے کہا۔ ''اسے روپے دے دو۔''

''نہیں نہیں۔ ہمیں ایک پیسہ نہیں چاہیے، ہمارا مکان جل رہا ہے مہاراج، اسے بچا لیجئے۔''

''نہیں۔'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔

ساہوکار نے دم سادھ لیا۔ سلامت جان نے نوٹوں کی ڈھیری نائکا کی جھولی میں ڈالی اور سمن کی

طرف دیکھا۔ گاڑی نے وسل دے دیا۔ میں نے ساہوکار کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''جا جو کچھ بچ گیا ہے، اسے سمیٹ لے۔''

ساہوکار، نائکا تسلیم اور باقی لوگ جلد ہی ڈبے سے اتر گئے۔ انکا گاڑی چلتے ہی میرے سر پر آئی۔ سمن علیحدہ علیحدہ گم صم بیٹھی تھی۔ سلامت جان اس واقعے پر ششدر رہ گیا تھا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے حضت کہ مجھے آپ کی رفاقت میسر آئی۔'' سلامت جان نے عقیدت سے کہا۔

''نہیں دوست! دوستی کے لہجے میں باتیں کرو۔ تمہارا یہ احترام کا رویہ مجھے تم سے دور کردے گا۔''

''تو پھر یوں کہوں کہ آج تک اپنے نصیب میں آنے والی لڑکیاں ایک طرف اور آپ ایک طرف۔ یہ کتنی بڑی خوشی ہے۔'' سلامت جان نے ہنس کر کہا لیکن اس ہنسی میں خوف شامل تھا۔ میں نے نشست پر پیر پھیلا دیئے اور انکا کی جانب دیکھا۔

انکا نے مسکرا کر کہا۔ ''سلامت جان کو سلا دوں؟''

''سمن سلامت جان کی امانت ہے۔'' میں نے درشتی سے کہا۔

''تم اب کچھ اوقات میں آئے ہو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ میں نے انکا کو پکڑنا چاہا لیکن میرے ہاتھ اپنے بالوں میں الجھ گئے۔ ٹرین تیز رفتاری سے دہلی کی طرف بھاگ رہی تھی۔

☆......☆......☆

حیدر آباد شہر کے کنارے بلکہ کچھ دور...... سلامت جان نے اپنی ایک دنیا بسائی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے وہیں ٹھہرایا۔ اس عظیم الشان عمارت میں دنیا کی ہر چیز موجود تھی۔ اس بہتر زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ سلامت جان نے ادھیڑ عمری کے باوجود باقاعدہ شادی نہیں کی تھی لیکن وہ کسی عرب شیخ کی طرح ایک حرم رکھتا تھا۔ اس کی آمدنی بے تحاشا تھی، ہر طرف سے روپیہ برستا تھا۔ ملازموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اس کا کوئی قریبی عزیز نہیں تھا جو سلامت جان کی اس خوشحال زندگی میں ساجھے دار ہوتا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا فرزند تھا۔ اس کے والد کا ایک مدت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی ماں شہر میں رہتی تھیں۔ میں نے بھی انکا کے آنے کے بعد شہزادوں جیسی زندگی بسر کی ہے، پھر اس کے بعد مجھے روپے سے کوئی رغبت نہیں رہی۔ مال و دولت کی چمک دمک دیکھ کر مجھے روپے حاصل کرنے کا خیال نہیں آتا تھا۔ میں روپے کس کے لئے جمع کرتا؟ مکان کس کے لئے بناتا؟ سلامت جان کے محل میں میری حیثیت شروع شروع میں تو ایک معزز مہمان اور عزیز دوست کی رہی لیکن پھر یہ حجاب بھی ختم ہوگیا۔ ہم دونوں، ایک یار ایک بھائی کی طرح رہنے لگے۔ محل پہ میرا حکم بھی اسی طرح چلتا تھا جس طرح سلامت جان کا۔ یہاں آکر میں نے ایک سال گزار دیا اور پتا ہی نہیں چلا۔ میں ایک سال میں پوری طرح تو نہیں، کسی حد تک ضرور اپنے آپ کو فراموش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ سلامت جان کے محل میں کوئی زندگی سے

منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔ وہاں خوب صورت عورتوں کا ازدحام تھا۔ رات کے وقت ہندوستان کی دو ماہر فن لڑکیاں جنہیں سلامت کی جوہر شناس نگاہ نے اپنی حویلی کی زینت بنایا تھا، نرت کے بھاؤ بتاتیں اور رقص ونغمہ کا جادو جگاتیں۔ چند خاص معززین بھی رقص وسرود کی اس بزم میں شریک ہوتے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی تقریب منعقد ہوتی تھی۔ ان میں سمن بھی تھی جس کے فن میں کمال پیدا ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کیوں کہ اپنی محبوب عورتوں کو سلامت جان، جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کا یہ عجائب گھر ہندوستان، ایران اور مصر کی حسین عورتوں سے مزین تھا۔

سال میں کئی مرتبہ سلامت جان کو میری باطنی قوتیں آزمانے کی ضرورت پڑی۔ وہ مجھے جادوگر کہتا تھا۔ ہم دونوں شہر کی بڑی تقریبات میں ایک ساتھ شریک ہوتے۔ سلامت جان کا حلقۂ احباب میرا حلقۂ احباب بن چکا تھا۔ اس عرصے میں سلامت جان نے دو چار بار ہی مجھ سے میری پہلی زندگی کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ بعض اوقات میرے کرشموں سے حیران ہو جایا کرتا تھا۔ انکا نے بھی اپنا کام خوب نبھایا تھا۔ جب سلامت جان کہیں کسی اچھی دوشیزہ کو دیکھتا تو مچل کر مجھ سے اصرار کرتا۔ ”جمیل! تم نے اسے دیکھا۔ تم نے دیکھا۔“ میں سمجھ جاتا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔

میں انکا کو حکم دیتا۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر مطلوبہ لڑکی سلامت جان کے محل میں لے آتی۔ ان گنت گھر ہماری ہوس کا نشانہ بن چکے تھے۔ کبھی کبھی جب دل بہت گھبراتا تو میں مراقبے کی مشق کرتا لیکن کچھ ہی دیر میں اکتا کر اسے چھوڑ دیتا، پھر رفتہ رفتہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں اپنے عمل بھول سا رہا ہوں اور میری طاقتوں میں کمی آنے لگی اور مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا ہے۔

ویسے میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اب سلامت جان کے محل ہی سے اپنا جنازہ اٹھے گا لیکن میرا جنازہ نکلنے سے پہلے بدری نرائن کی ارتھی نکل چکی ہوگی۔ میں جب کبھی باہر جانے کا ارادہ کرتا، انکا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے، کوئی نہ کوئی ترغیب دے کر مجھے کہیں لے جاتی جہاں کسی کی آغوش میں میرا وجود گم ہو جاتا۔ انکا نے ایک زمانے سے اپنی غذا، انسانی خون کے لئے مجھے پریشان کرنا بند کر دیا تھا۔ اب وہ خود ہی کسی کے سر پر چلی جاتی اور سیراب ہو کر واپس آ جاتی۔ خاصا وقت گزر چکا تھا لیکن ایک دن جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری انگلیوں اور میری نگاہوں اور میرے باطن میں اب پہلے جیسی قوت اور صلاحیت نہیں رہی ہے تو سلامت جان کے محل سے میرا دل اکتا گیا۔ اسی دن انکا نے مجھے شہر کے ایک رئیس کی لڑکی پیش کی۔ میں نے اسے واپس کرا دیا۔ سلامت جان بھی بجھ گیا تھا۔ اس نے پہلے سے زیادہ اہتمام سے روز ایک نئی بزم سجانی شروع کر دی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ ”اگر تم چلے گئے تو میں خودکشی کرلوں گا۔“

”پاگل!“ میں نے کہا۔ ”میں جا کر واپس آ جاؤں گا لیکن اب میرا جانا ضروری ہے۔“

”تمہیں یہاں کیا تکلیف ...“

”ایک کانٹا ابھی باقی رہ گیا ہے۔“

”وہ کیا ہے؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”میں ایک شخص کا خون پینا چاہتا ہوں۔“

”خون؟ کس کا خون؟ کہو تو میں اس کا انتظام کرا دوں؟ میں نے اپنے آدمیوں سے یہ کام کبھی نہیں لیا ہے مگر ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ مجھے بتاؤ کون ہے وہ بدبخت؟“ اس نے غصے سے کہا۔

میں نے اسے سمجھایا۔ ”وہ راون کسی کے بس کا نہیں ہے، وہ ایک پنڈت ہے جس نے میری زندگی میں کانٹے بوئے ہیں۔“

”تمہارے لئے کیا مشکل ہے؟“ اس نے تیزی سے کہا۔

”میری جان۔ جو باتیں تم نہیں سمجھتے، نہیں سمجھ سکتے تو پھر اصرار کیوں کرتے ہو؟“ میں نے تلخی سے کہا۔

سلامت جان ہر وقت مجھ پر نگاہ رکھتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کسی دن میں واقعی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آخر ایک دن میں وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے سلامت جان کو سمجھانے کے لئے انکا کو اس کے سر پر چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ بدری نرائن ایک ہندو پجاری کے ہاں غازی آباد میں موجود ہے۔ غازی آباد دہلی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اب تک میں نے پنڈتوں، پجاریوں اور دوسری بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لئے خود کو حصار میں رکھا تھا۔ میں نے سلامت جان کے محل کے گرد بھی حصار قائم کر دیا تھا۔

انکا سلامت جان کو مطمئن کر کے اور اس کے دل میں میری واپسی کا خیال ڈال کر میرے سر پر آ چکی تھی۔ دہلی سے میں غازی آباد روانہ ہو گیا۔ راستے میں ہی انکا نے مجھے بتا دیا کہ بدری نرائن غازی آباد سے بھی روانہ ہو گیا ہے۔ اس خبر پر میں نے اپنا سفر ملتوی نہیں کیا۔ اسٹیشن سے اتر کر میں سیدھا اس پجاری کے گھر پہنچا جہاں بدری نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ بدری نرائن کو میری نقل وحرکت کی خبر کیسے ہو جاتی ہے؟ جب کہ میں اپنے آپ کو اس سے روپوش رکھنے کے لئے ہر ممکن جاپ کرتا ہوں۔ یقیناً اب بھی اسے کسی مہان سادھو کا تعاون حاصل ہے حالانکہ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ خیر اس کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

پجاری رام سہائے کے گھر جانے سے پہلے میں نے اس کے گھر کے سامنے پیپل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کے خود کو مراقبے میں غرق کرنے کی کوشش کی۔ مجھے اپنی توجہ ایک سمت مرکوز کرنے میں بڑی دشواری ہوئی لیکن میں جما بیٹھا رہا۔ شام تک اسی جگہ بے حس وحرکت بیٹھ کر میں نے مراقبے کا عمل ختم کیا اور رام سہائے کے دروازے پر دستک دی۔ وہ گھر پر موجود تھا۔ اس نے میرے استفسار پر بدری نرائن

کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ ''مہاراج بہت دن ہوئے آئے تھے، اب پتا نہیں کہاں ہیں؟'' اس نے ڈرتے کہا۔

''ہاں جی مہاراج کا کیا کہنا۔ بہرحال اب بدری نرائن جی کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے پیچھے ان کا چیلا بھی یہاں آیا تھا۔ کیا تم ان کے چیلے کو اندر پدھارنے کی آگیہ نہیں دو گے؟''

''آپ مسلمان ہیں۔ میرے گھر میں آج تک کوئی مسلمان نہیں آیا۔ آپ یہیں باہر بیٹھ کر بات کیجئے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ ہم لوگ پوترتا کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔'' رام سہائے نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

میں نے دروازے پر دھکا مارا۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین میرا راستہ روکنے کے لئے آگے بڑھے مگر وہ صرف ایک لمحے میں یکے بعد دیگرے زمین پر تڑپنے لگے پھر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا۔ میں طنطنے سے اس بڑے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ میرے پیچھے رام سہائے، اس کے بیٹے اور دوسرے متعلقین چلا رہے تھے مگر میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اندر گھر میں پانچ چھ عورتیں موجود تھیں۔ ایک جگہ جا کر میری نظر ٹک گئی۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی اور خاصی دلکش تھی۔ اتنی دلکش ضرور تھی کہ میری نگاہ اس پر دیر تک ٹھہری رہی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ اچانک لڑکی اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر میری طرف آئی اور میرے پہلو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ انکا اس کے سر پر جا چکی تھی۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ سلامت جان کے عجائب خانے میں ایک اور نازنین کا اضافہ کرنے کے لئے اسے حیدرآباد لے جائے، سلامت جان اسے دیکھ کر خوش ہوگا اور اسے میری مصروفیات کا علم بھی ہو جائے گا کہ میں بے کار نہیں پھر رہا ہوں۔ لڑکی خود بخود گھر سے باہر جانے لگی۔ اس کے بھائیوں اور ماں باپ نے اسے بہت روکا مگر وہ ان سب کو دھکے دیتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔ لڑکی کی اس طاقت اور دیدہ دلیری پر سب حیران تھے۔ رام سہائے اور اس کے متعلقین مجھ سے ایک ساتھ چمٹ گئے اور انہوں نے میرا گریبان چاک کرنا چاہا مگر وہ یکایک اس طرح دور جا گرے جیسے کوئی پتنگا شمع کی تپش کی زد میں آ کے زمین پر گرتا ہے۔ میں ان کے لئے آگ تھا۔ میں اس بدقسمت گھر کا پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا۔ میں باہر آ گیا اور میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تاکہ رحم اور افسوس کا کوئی جذبہ مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہاں میں ان کی چیخیں نہیں روک سکتا تھا، ایسی دردناک آواز میں جو ملبے میں دبے ہوئے آدمیوں کے منہ سے نکلتی ہیں، آخری آوازیں۔

☆......☆......☆

غازی آباد سے میں فوراً دہلی آ گیا۔ یہاں انکا کے انتظار میں چار دن گزر گئے۔ ان چار دنوں میں، میں نے دوبارہ آبادی سے دور سنسان جگہوں پر بیٹھ کر نندا کی بتائی ہوئی کئی مشقوں کا عمل جاری

رکھا۔ اب ایسے عملیات میں بڑی اذیت ہوتی تھی، دل لگتا ہی نہیں تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح میں نے دل لگایا۔ ویران مقام پر آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ میرے ارتکاز میں کوئی مخل نہ ہو سکے۔ ان چار دنوں میں بھوکا رہنا اور بھی تکلیف دہ کام تھا۔ میں عرصے تک کچھ کھائے پیئے بغیر رہ سکتا تھا لیکن اس بار صرف چار دنوں میں بھوک اور پیاس نے مجھے ستا ڈالا۔ پانچویں دن انکا آ گئی۔ اس نے مجھے رام سہائے کی نوجوان لڑکی کو صحیح سلامت، سلامت جان کے محل میں پہنچانے کا مژدہ سنایا۔ انکا بعض اوقات کتنے کام آتی تھی؟ ''سلامت جان نے اسے دیکھ کر کیا کہا؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ میں لڑکی کے سر پر موجود تھی۔ اس کی زبانی میں نے اشارتاً اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ میں اس کے سامنے نہیں آئی۔ نہیں تو وہ خوف زدہ ہو جاتا۔ لڑکی کی زبان سے میں نے کہا......... مجھے باندھ کر رکھیے۔ میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں۔ کسی وقت بھی واپس جا سکتی ہوں کیونکہ کسی وقت بھی جمیل احمد خان کا جادو دم توڑ سکتا ہے۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''اور سلامت جان غریب یہ سمجھا کہ لڑکی خود اپنی زبان سے یہ سب کچھ بیان کر رہی ہے۔''

''پھر اس نے کیا جواب دیا؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

اس نے کہا۔ ''میں تمہیں سینے سے لگا کر رکھوں گا۔ جب تک جمیل بھائی نہیں آ جائیں گے، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا مگر وہ کب آئیں گے؟''

''بس کسی دن آ ہی جائیں گے۔'' میں نے لڑکی کے سر پر بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

''سلامت جان کو لڑکی پسند آئی؟''

''پسند آئی؟ ارے وہ تو دیوانہ ہو گیا۔ وہ بڑا ندیدہ ہے۔'' انکا نے میرے سر پر دھپ مار کے کہا۔

صرف رام سہائے کی نوجوان اور خوب صورت لڑکی ریکھا ہی نہیں، کچھ اور لڑکیاں بھی میری وحشت کا نشانہ بنیں۔ میں کوئی تین مہینے تک بدری نرائن کی تلاش میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں گھومتا رہا اور وہ ہر شہر سے بھاگتا رہا۔ جہاں جہاں وہ ٹھہرا تھا، وہاں وہاں سے میں اس کے نشانات مٹاتا رہا۔ یہ بھی انتقام کی ایک صورت تھی۔ وہ تمام گھر تباہ ہو گئے جنہوں نے اسے پناہ دی تھی۔ وہ تمام لوگ برباد ہو گئے جنہوں نے روپوشی میں بدری نرائن کی معاونت کی تھی۔ ایک کے بعد ایک شہر، گاؤں، قصبہ، مکانات جلتے رہے۔ کبھی ملبے کی شکل میں تبدیل ہوئے اور کبھی آگ کی نذر ہو کے خاکستر ہو گئے۔ ان منحوس مکانوں کے مکین کبھی ملبوں میں دب گئے، کبھی انہیں آگ نے نگل لیا۔ جہاں کہیں نوجوان لڑکیاں ملیں، انہیں ریکھا کی طرح سلامت جان کے محل میں پہنچا دیا گیا۔ تقریباً تین لڑکیاں اور حیدرآباد پہنچ گئی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ پولیس دوبارہ مجھ پر ہاتھ رکھ سکتی ہے مگر میں اپنی آمد اور روانگی کا کوئی نشان نہیں چھوڑتا تھا۔ صرف بدری نرائن اور ہندو پنڈتوں کو معلوم ہوگا کہ کون کون سا گھر میرے عتاب کا نشانہ بن

چکا ہے۔ بدری نرائن اور ہندو پنڈت، پجاری اور کتنے گھر تباہ کرائیں گے؟ میرے یہ سارے دن یا سفر میں، یا پھر مراقبے اور ارتکاز میں گزر گئے لیکن ایک مسلسل تگ و دو کے بعد بھی بدری نرائن ہاتھ نہ آیا۔ پھر ایک دن جب میں ہزارے کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہوا تھا، مجھے انکا نے ایک عجیب اطلاع دی۔ اس نے بتایا کہ وہ بدری نرائن کو ایک جگہ نہیں، تین چار جگہوں پر دیکھ رہی ہے۔ ہندوستان کے چار مختلف شہروں میں۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''ہاں چار جگہ۔'' انکا نے مجھے شہروں کے نام بتائے۔

''اوہ۔ پنڈت پجاری دوبارہ اس کی مدد کو آ گئے؟'' میں نے غصے میں اٹھ کر کہا۔

''کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔'' انکا نے آہستگی سے جواب دیا۔

''مثلاً؟''

''مثلاً جن بھی ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے زرافشاں اور درخشاں کا بدلہ لینے کے لئے یقیناً کئی بار تم پر حملہ کیا ہوگا مگر تم نے چونکہ انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا اس لیے انہوں نے یہ ترکیب سوچی ہوگی۔'' انکا نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

''تو ان میں اصل بدری نرائن کی تلاش کیا مشکل ہے؟''

''جن طاقتوں نے یہ قدم اٹھایا ہے، انہوں نے پہلے ہی یہ انتظام کر لیا ہوگا کہ تمہاری نظر میں اصل بدری نرائن کی شناخت مشکل ہو جائے۔ کم از کم مجھے تو ناکامی ہو رہی ہے۔''

''اچھا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔'' میں نے اپنی بصارت وسیع کرنے کے لئے ایک طویل عمل کیا۔ انکا کی طرح مجھے بھی اصل بدری نرائن کو پہچاننے میں ناکامی ہوئی۔ بدری نرائن چار سمتوں میں موجود تھا۔ یہ ایک تشویش ناک بات تھی۔ میں نے ہزارہ چھوڑ دیا اور لاہور ہوتا ہوا مختلف شہروں میں اصل بدری نرائن کو سونگھتا پھرا۔ موجودہ صورت اتنی اشتعال انگیز تھی کہ میں نیم پاگل سا ہو گیا تھا۔ آخر چھ ماہ کی پُرمشقت مسافت کے بعد بھوپال سے حیدرآباد جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ انکا اکثر مجھ سے سلامت جان کا تذکرہ کرتی رہتی تھی۔

میں جس وقت حیدرآباد پہنچا، سلامت جان مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔ میرا حال بڑا ابتر تھا۔ میں عمداً اس کے چمن زار کی طرف نہیں گیا لیکن جب میں نے ریکھا اور بدری نرائن کی بازیافت کے سلسلے میں حاصل ہونے والی لڑکیوں کو دیکھا تو میرا جسم انگڑائیاں لینے لگا۔ ریکھا اور دوسری لڑکیوں کا رنگ نکھر آیا تھا۔ وہ اس ماحول میں خوش معلوم ہوتی تھیں کیونکہ یہاں دنیا کا کوئی غم نہیں تھا۔

چند دنوں تک میں اپنے آپ پر جبر کرتا رہا پھر یہ سلسلہ خود...

حسین راتوں میں موسیقی کی لہریں دوبارہ میرے اعصاب پر چھانے لگیں اور ہم دونوں نے زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا...... بلکہ یوں کہئے کہ نوچنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔

کسی تقریب میں سلامت جان کی نظر ایک ماہ پارہ، ایک سیمیں بدن پر پڑ گئی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ یہ حیدرآباد کے ایک بڑے رئیس کی اکلوتی لڑکی تھی۔ میں نے انکا کو بھیج کر اسے اپنی خلوت میں بلانا چاہا۔ انکا مایوس ہو کر واپس آئی۔ جب وہ اس لڑکی کے سر پر گئی تو اس کا کوئی داؤ نہیں چلا۔ نتیجتاً مجھے خود زحمت کرنا پڑی۔ میں نے ایک رات اندھیرے میں بڑے مضبوط عزم کے ساتھ رئیس کے محل نما مکان میں قدم رکھا۔ میں اس مکان میں گھس کر انکا کی ناکامی کی وجہ جاننا چاہتا تھا اور موقع لگنے پر دوشیزہ صبا کو ساتھ لے جا کے سلامت جان کو دنگ کر دینا چاہتا تھا۔ مجھے وہاں کسی مزاحمت کے آثار نظر نہیں آئے لیکن انکا کی ناکامی کی نامعلوم وجہ مجھے پریشان کر رہی تھی۔ اپنی اور انکا کی طاقتوں کی مدد سے میں عمارت کے اس حصے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ چنبیلی کا پھول کھلا ہوا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر رات گئے کا وقت منتخب کیا تھا۔ عمارت خاموش تھی۔ اندر مسہری پر حسن بکھرا پڑا تھا۔ سلامت جان نے یوں ہی بے چینی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ میں نے انکا کو اس کے سر پر بھیجا۔ وہ چلی گئی مگر تھوڑی دیر بعد مایوس ہو کر واپس آ گئی۔

پھر مجھے اپنے ہاتھوں اور آنکھوں کو جنبش دینا پڑی۔ لڑکی بے خبر سو رہی تھی مگر میرا کوئی عمل کامیاب نہیں ہوا۔ میں جھنجلا کر اس کی مسہری کے قریب گیا۔ میں نے اس کا بدن چھونا چاہا۔ اچانک پیچھے سے ایک غضب ناک آواز سنائی دی۔ میں نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ سید مجذوب غیظ و غضب کی حالت میں لاٹھی زمین پر ٹیکے کھڑا تھا۔ انکا چپکے سے میرے سر سے رینگ گئی۔

سید مجذوب کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر میرے ذہن کو شدید دھچکا لگا۔ مجھے محسوس ہوا میں اس سرمست قلندر کے سامنے عریاں ہو گیا ہوں۔ میں رئیس کے محل نما مکان میں اس ماہ جبین کے حصول کے لئے داخل ہوا تھا جو انکا کی پُراسرار قوتوں کے نرغے میں نہیں آئی تھی۔ خود میری ریاضتیں بھی اس سیمیں بدن کو اپنے نشاط کدے میں لانے سے قاصر رہ گئی تھیں۔ وہ لڑکی نیم وا کلی کے مانند کھلنے کے لئے بے قرار تھی۔ شباب امڈ امڈ کر آ رہا تھا، سلامت جان کی نظر میں جچ گئی تھی۔ اب تک میرے اس عزیز دوست نے جس لڑکی کی طرف بھی اشارہ کیا تھا، وہ میں نے اس کے عجائب خانے میں پہنچا دی تھی مگر دوشیزہ صبا کے بارے میں میری ہر سعی ناکام ہو گئی تھی۔ نتیجتاً خوشۂ انگور توڑنے کے لئے خود مجھے رئیس کے محل تک آنا پڑا۔ میں نے اسے چھونے کے لئے اپنا ہاتھ دراز کیا ہی تھا کہ سید مجذوب کی غضب ناک آواز نے مجھے لرزہ براندام کر دیا۔ ان کے چہرے پر جلال تھا۔ آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں، لاٹھی زمین پر ٹیکے وہ مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں میرے جسم پر سوئیاں چبھو گئیں۔ اس محل کے رئیس کا

تعلق یقیناً کسی نہ کسی طرح سید مجذوب سے تھا۔ میں نے انگاروں میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔

''تم پیرومرشد!'' مجھے اپنے لہجے پر قابو نہ رہا۔ سید کا احترام میرے دل میں پیوست تھا۔ میں اپنی تمام تر خفیہ قوتوں کے باوجود اس کے خطرناک تیوروں کے سامنے جم نہیں سکا۔ اس کی خاموشی نے میرا وجود جھنجھنا دیا تھا۔ پہلے میں نے اسے اتنے جلال کے عالم میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں ایک مجرم کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً سید کے چہرے کا کھنچاؤ کم ہوا، اس کے ہونٹوں پر ایک گہرا تبسم ابھرا اور اس نے مسہری پر دراز خوابیدہ لڑکی کو دیکھتے ہوئے مجھے مشتعل لہجے میں مخاطب کیا۔

''لٹیرے! آستین کے سانپ، دائیں بائیں دیکھ کر چلا کر۔''

''میں شرمندہ ہوں سید۔'' میں نے ندامت سے کہا۔ ''مجھے علم نہیں تھا کہ یہ گھر اپنا ہے، یہاں تمہارا سایہ ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

''اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر جا رہا ہے؟'' وہ دیدے نچاتا ہوا بولا۔

''میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے جو چاہے سزا دے لو۔'' میں نے لجاجت سے جواب دیا۔

''نہیں نہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کھیلنے کودنے سے صحت اچھی رہتی ہے، جا اسے لے جا۔''

''مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا پیرومرشد! میں بالکل مفلوج ہو گیا تھا۔ تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ہاتھ پکڑ لو۔ یہ لاٹھی مجھے دے دو، مجھے سہارے کی ضرورت ہے۔ تم نے ایک بے سہارا آدمی کو سہارا نہیں دیا اور نتیجہ دیکھ لیا۔''

''بتوڑے! باتیں بناتا ہے، رنگ جماتا ہے! ابھی اور گھوم پھر کر دیکھ لے مردار! سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' سید نے تنک کر کہا۔ ''جا گھر لوٹ جا، وہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ تو بھی ڈوب جا۔ اور اسے بھی ساتھ لیتا جا۔''

''سید پیرومرشد! مجھے اور ذلیل نہ کرو۔ میں یہیں سے تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' میں نے عزم سے کہا۔

''مچھلیاں جال میں ڈال اور بھون کر کھا جا۔ ساری دنیا تیری ہے۔ میرے ساتھ جاتا ہے اور وہ تجھے ڈھونڈ رہا ہے۔ سلامت جان، نزاکت جان، بے ایمان!'' سید نے لاٹھی زمین پر مار کر کہا۔

''مجھے میرے گناہ یاد مت دلاؤ سید!'' میں نے چلا کر کہا۔ ''مجھے مارو، مجھے سزائیں دو، مجھے کوڑے لگاؤ۔''

''گرجتا برستا ہے؟ ابھی جسم میں خون ہے، گندا خون۔ جو کپڑے باقی رہ گئے ہیں، انہیں بھی اتار پھینک۔ نگارہ، ننگا ناچ، ننگا گا، سمجھ

''میں خودکشی کر لوں گا۔'' میں نے سید کی تمہید سے عاجز آ کر کہا۔

''نہیں، موسم ابھی رنگین ہے۔ سامنے مہ جبین ہے، بہکی بہکی باتیں کر۔ جو حصہ خشک رہ گیا ہے، اسے بھی تر کر دے۔'' میری منتوں اور عاجزانہ انداز کا سید پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اپنے مخصوص انداز میں میرا مضحکہ اڑاتا اور معنی خیز جملے ادا کرتا رہا۔ میں نے سوچ لیا تھا، آج سید سے فیصلہ کن بات ہوگی۔ ''یہ دیکھو۔ یہ زلفیں دیکھو!'' میں نے اپنے بال بکھراتے ہوئے کہا۔ ''اب بھی میرے ارادے میں کوئی شبہ ہے؟''

''بھڑکتے ہوئے شعلوں میں روشنی تلاش کرتا ہے؟''

''میں اور کھیل کھیلوں گا۔ یہ گھر بچ گیا تو کیا ہوا۔ تم کہاں کہاں آؤ گے؟'' میں نے ایک بچے کی طرح مچل کر کہا۔

''مچھلیاں...... مچھلیاں پکڑ۔'' سید نے اپنے دونوں ہاتھوں سے مچھلی کی شکل بناتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، تمہاری مرضی۔ اب شکایت مت کرنا۔ میں یہاں سے تمہارے احترام میں چلا جاؤں گا۔ تم مجھے اپنے ہمراہ مت لے چلو۔ پھر یہ چکر ختم نہیں ہوگا۔ یہ تو یوں ہی چلتا رہے گا۔ اب اس کا کوئی فیصلہ ہو جانا چاہیے۔'' میں نے کہا۔

''میرا احترام مت کر قسائی! اس زندہ گوشت کو لے جا اور ذبح کر دے۔ یہ تیرے باپ کی جاگیر ہے۔'' سید طیش میں بولا۔ ''بادِ صبا کو مسموم کر دے، تجھے روکنے والا کون ہے؟''

لڑکی کا نام صبا تھا اور سید کا اشارہ اسی کی طرف تھا۔ میں نے دوڑ کر سید کے ہاتھ پکڑ لیے جو اس نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیے۔ اس بوڑھے کے ہاتھوں میں بڑی طاقت تھی۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اس کا دامن پکڑنا چاہا مگر وہ اور ناراض ہو گیا۔ زور زور سے نعرے لگانے لگا اور ہوحق کرتا ہوا محل سے واپس ہونے لگا۔ میں اس کے پیچھے چلنے لگا۔ آگے جا کر میں نے اس کی لاٹھی پکڑ لی۔ وہ اور بھی برافروختہ ہو گیا۔ انکا سید کو دیکھتے ہی میرے سر سے اتر گئی تھی۔ محل کے باہر تک میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے اس کے پیچھے تقریباً بھاگنا پڑا۔ وہ محلے کی گلیوں میں گھومتا ہوا تیزی سے چلنے لگا۔ اس کے تعاقب میں بھاگتے بھاگتے میرا سانس پھول گیا۔ ایک بوڑھے شخص کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرنے کی طاقت مجھ میں نہیں تھی۔ وہ مجھ سے آگے نکل گیا اور ایک گلی کے موڑ پر نظروں کی حد سے باہر ہو گیا۔ میں گلیوں گلیوں اسے ڈھونڈتا رہا پھر مجبوراً واپس ہونے لگا۔ سید کے اس طرح پھر غائب ہو جانے کے بعد میں نے اپنے بال نوچ لیے اور دیوانگی میں چلتے چلتے شارع عام پر آ گیا۔ یہاں انکا بھی میرے سر پر آ گئی۔

''کہاں، کہاں وہ چلا گیا؟ تم اس کے پیچھے اس قدر کیوں بھاگتے ہو... تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔''

انکا میرے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔ ''جمیل!'' اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔ ''شکر کرو کہ اس نے تم سے اس گستاخی کا انتقام نہیں لیا۔ تم سلامتی کے ساتھ اس گھر سے واپس آ گئے۔''

''چپ رہو، میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ اسے اپنی لاٹھی مجھے دینا ہوگی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں تو کہتی ہوں، تم اس کے پیچھے مت پڑو، وہ من موجی شخص ہے۔ اس سے دور رہنا ہی ٹھیک ہے۔'' انکا نے مشورہ دیا۔

''ٹھہرو!'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''ہم پھر رئیس کے محل میں چلتے ہیں اور صبا کی خواب گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے گھر واپس چلنے پر اصرار کروں گی۔''

''میں تمہیں اپنے سر سے اترنے کا مشورہ دوں گا۔''

''میں تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔''

''میری بھلائی؟'' میں نے طنزاً کہا۔ ''اے شریر چھوکری۔ اگر تجھے بھلائی اور برائی کی تمیز ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اس طرح کوچہ در کوچہ، گلی در گلی مارے مارے نہ پھرنا پڑتا۔''

''تمہارے سر پر جنون سوار ہے۔ یہ بوڑھا جب بھی تمہیں ملتا ہے، تمہاری نظریں بدل جاتی ہیں۔'' انکا نے تلخی سے کہا۔

''میں اس بوڑھے کے لئے ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے سننا نہیں چاہتا۔ تم اگر خاموش نہیں رہ سکتیں تو میرا سر ہلکا کر دو۔''

''تم طوطا چشم ہو، تمہاری آنکھ میں مروت نہیں۔''

انکا سے تلخی بڑھانے سے ذہن کا تکدر اور بڑھ جاتا۔ میں پھر اس گلی میں پہنچ گیا جہاں رئیس کا محل تھا اور آسانی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی اسی طرح سوئی ہوئی تھی۔ اس کا حسین سراپا دیکھ کر میں ٹھٹک گیا اور تھوڑی دیر تک یوں ہی کھڑا رہا کہ شاید سید دوبارہ نمودار ہو مگر سید کے آنے کے کوئی آثار نظر نہ آئے، دفعتاً دروازے میں کھٹکا ہوا۔ میں ایک گوشے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک خادمہ تھی جو صبا کو دیکھنے آئی تھی۔ انکا میرے کہے بغیر اس کے سر پر چلی گئی۔ وہ صبا پر تو شک ڈال کر اطمینان کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔ میں سوچتا رہا پھر ایک فیصلہ کر کے صبا کے پلنگ تک گیا۔ میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی پھیر کر اس کی گویائی سلب کر لی اور کھڑا انتظار کرتا رہا۔ انکا بھی ملازمہ کے سر سے واپس آ گئی تھی۔ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ صبا کے سر پر چلی جائے اور میرے عقب میں چلتی رہے۔ انکا نے درمیان میں دخل دینے کی جسارت نہیں کی بلکہ اس نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔ صبا ایک انگڑائی لے کر

پلنگ سے اتری اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس نے اپنے سر پر دوپٹا ڈالا۔ برقع اوڑھ کر مجھ سے کہنے لگی۔ ''چلو، اب کس کا انتظار کر رہے ہو؟''

''ابھی ٹھہرو......'' میں نے اسے حکم دیا۔ میرا خیال تھا کہ میری اس جسارت پر سید ضرور آ جائے گا۔ یہ بات میں نے انکا سے بھی کہی۔ انکا صبا کے سر پر سوار تھی۔ صبا ٹھہر گئی پھر میں نے کچھ توقف کر کے کہا۔ ''چلو، مگر بہت احتیاط کے ساتھ اور سنو، جب سید نظر آئے تو تم فوراً اس کے سر سے اتر جانا۔''

مکان عبور کر کے ہم گلی میں آ گئے۔ مجھے تعجب تھا کہ اب تک سید کیوں نمودار نہیں ہوا۔ میرا ارادہ اس لڑکی کو سلامت جان کی حویلی میں لے جانے کا نہیں تھا۔ مجھے صرف سید کا جلوہ مطلوب تھا۔ میں لڑکی کو لیے بہت دور چلا آیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اِکا دُکا چوکیدار ہانک لگاتا ہوا نظر آ جاتا تھا۔ اس کی نظروں سے بچنا میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ شارع عام پر مجھے دور سے ایک موٹر آتی نظر آئی۔ میں نے اسے ہاتھ دیا۔ وہ رک گئی شاید اس وجہ سے کہ میرے ساتھ ایک عورت تھی۔ ڈرائیور نے میری درخواست پر ہم دونوں کو اپنی موٹر میں بٹھا لیا۔ میں نے اسے غلط پتا بتایا تھا۔ وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ میں نے اسے گاڑی روکنے کو کہا۔ میں اس کے برابر بیٹھا تھا۔ پچھلی نشست پر صبا بیٹھی تھی۔ ڈرائیور سے میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا کہ وہ اسٹیرنگ چھوڑ دے اور میری نشست پر آ جائے۔ وہ ایک ہی دھمکی سے گڑبڑا گیا۔ میں نے اپنے واحد ہاتھ سے بہت دنوں بعد ڈرائیونگ کی۔ ڈرائیور میری نگاہوں کی تاب نہ لا کر پہلے ہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ سلامت جان کی حویلی شہر سے کافی دور تھی۔ وہاں تک پہنچنے میں دیر لگ گئی۔ میں بہت سنبھل سنبھل کر گاڑی چلا رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا، سید مجذوب یہ سب کچھ کیسے برداشت کر رہا ہوگا؟ اور شبہ تھا کہ وہ بیچ سڑک پر کہیں کھڑا ہوا نظر آ جائے گا۔ مگر حویلی آ گئی، سید نہیں آیا۔ سلامت جان کی حویلی میں ابھی تک راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔ طبلے کی تھاپ کی گونج زور سے سنائی دے رہی تھی۔ میں نوکروں کی بھیڑ سے چھپتا چھپاتا خاموشی کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گیا۔ پھر میں نے اوپر ایک کمرے میں صبا کو ٹھہرا دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ بے ہوش ڈرائیور کو کس طرح حویلی سے دور کیا جائے؟ انکا صبا کے سر پر بیٹھی تھی۔ اس مسئلے کا یہی بہترین حل تھا کہ میں انکا کو ڈرائیور کے سر پر بھیجوں اور خود صبا کی نگرانی کروں۔ صبا کو ایک آرام دہ پلنگ پر لٹا کر میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ صبا کے جسم سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ شباب کی ایک مسحور کن خوشبو...... دوشیزگی کی مہک۔ اگر سلامت جان اسے سونگھ لے تو دیوانہ ہو جائے۔ انکا کے آ جانے کے بعد مجھے فوراً بڑے ہال میں جانا چاہیے تھا تاکہ سلامت جان میری موجودگی سے باخبر ہو کر اوپر نہ آ جائے۔ اگرچہ صبا کے لئے سلامت جان ہی نے ضد کی تھی مگر صبا سید مجذوب کی امانت تھی۔ میں اس کی ایک جھلک بھی سلامت جان کو نہیں دکھا سکتا تھا اور سلامت جان جیسے رفیق سے انکار کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ وہ تو پاؤں پڑ جاتا۔ ڈرائیور کو انجانے راستے پر چھوڑ کر انکا جلد ہی

واپس آگئی۔ میں اسے صبا کے سرپر بھیج کر نیچے آیا، جہاں سمن ناچ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی سلامت جان اٹھ گیا۔ ”تم کہاں تھے جمیل بھائی ؟“ وہ نشے میں لہکتا اور لڑکھڑاتا ہوا بولا۔

میں نے اسے بتایا کہ میں اسی کے کسی کام سے گیا تھا مگر ناکامی ہوئی۔ سلامت جان خود بھی بیٹھ گیا اور مجھے بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔ سازندے، رقاصائیں اور آواز کا جادو جگانے والیاں...... ہر شخص موسیقی اور مستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لکھنؤ کی سمن خوب ناچ رہی تھی۔ وہ رقص میں کافی مشاق تھی۔

سلامت جان نے اپنے طور پر ان کے بڑے دلچسپ نام رکھے تھے۔ مدراس سے آئی ہوئی ایک لڑکی کا نام نیلما تھا۔ سلامت جان نے اس کا نام جوہی رکھا تھا۔ جوہی ایک خوش گلو لڑکی تھی۔ اس کے گلے میں بڑی جان تھی۔ گاتی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے در و دیوار بھی اس کے ساتھ رقص کرنے لگیں گے۔ اس وقت وہی گا رہی تھی اور سمن جوانی بکھیر رہی تھی۔ سلامت جان کا دل رکھنے کے لئے نیچے آگیا۔ آج اس محفل میں میرا دل نہیں لگا۔ سلامت جان کو اپنا چہرہ دکھا کے اور اس سے سر درد کا بہانہ کر کے میں پھر دوسری منزل پر آگیا۔ صبا کے سر پر انکا موجود تھی۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ یعنی سید مجذوب ادھر نہیں پھٹکا تھا۔ مجھے تشویش ہونے لگی۔ سید کی یہ بے نیازی کوئی بڑی مصیبت کھڑی کر سکتی تھی۔ میں ادھر صبا کے کمرے میں آیا۔ ادھر مجھے زینے پر سلامت جان کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے پکار رہا تھا۔ گویا اس نے میری عدم موجودگی کی وجہ سے محفل درہم برہم کر دی تھی۔ سلامت جان میری رفاقت اور صحبت کا اس حد تک عادی ہو چکا تھا کہ میری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتا تھا۔ سید غوث کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جو میرا مزاج آشنا اور غم گسار تھا۔ میں نے زینے پر اسے جا لیا۔ ”کیا بات ہے سلامت جان؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔ ”تم محفل سے اٹھ کر چلے آئے...... ابھی تو رات باقی ہے۔“ میں نے کہا۔

”تمہارے بغیر مزہ نہیں آیا۔ میں نے سوچا آج تعطیل۔ وہ بھی تھک گئی تھیں، کھیل ختم ہو گیا۔“

سلامت جان نشے میں چور تھا اور اس کی زبان سے الفاظ لڑکھڑاتے ہوئے ادا ہو رہے تھے۔

”چلو ٹھیک ہے، کبھی کبھی ایسا بھی سہی۔ اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔“ میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

”جمیل بھائی! صبا کا خیال دل سے نہیں جاتا۔ جب تک وہ نہیں آئے گی، ایک اداسی سی رہے گی۔ آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟“

سلامت جان نے صبا کا ذکر چھیڑا تو مجھے احساس ہوا کہ صبا کو یہاں ہرگز نہیں لانا چاہیے تھا۔

”وہ...... وہ بھی...... ہاں وہ بھی۔“ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”پیارے، ضروری نہیں کہ زندگی میں ہر چیز مل جائے۔ ہمارے پاس ایک سے ایک نادر لڑکی موجود ہے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ

کھڑی ہو جائیں تو اہل نظر کے لئے انتخاب دشوار ہو جائے۔“

”یہ سب تو ہیں مگر صبا، آپ یقین کریں تو وہ ایک حور ہے، اسے دیکھنے کے بعد یہ نگار خانہ ادھورا معلوم ہوتا ہے۔ آپ ایسا کیجئے، یہ نگار خانہ صبا کے گھر والوں کو اس کے بدلے دے دیجئے۔“

”اچھا اچھا، میں کوشش کروں گا کہ وہ بھی یہاں آ جائے۔“ میں نے سلامت جان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں جمیل بھائی! نہیں، وعدہ کیجئے۔“

”وعدہ...... بالکل پکا وعدہ۔ اب جاؤ، جوہی انتظار کر رہی ہوگی۔“

سلامت جان بہت مشکل سے اپنی خواب گاہ میں جانے پر راضی ہوا۔ وہ ابھی اکھڑا اکھڑا سا تھا اور آج بہت دل گرفتہ نظر آتا تھا۔ میں اس کے سامنے ہی اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر کے جلد ہی اندھیرا کر لیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ سلامت جان بستر پر لیٹ چکا ہوگا تو میں پھر اوپر کی طرف گیا اور اطمینان کر کے نیچے آگیا۔ صبا موجود تھی اور انکا بھی اس کے سر پر اونگھ رہی تھی۔ میں اس صورتحال سے سخت پریشان تھا۔ اس وقت صبا کی واپسی بھی آسان نہیں تھی۔ حویلی کی چھت پر ایک پُرسکون جگہ تھی۔ وہاں میں اکثر رات کو چلا جاتا تھا اور گھنٹوں کھلا آسمان تکا کرتا تھا۔ سید سے ملاقات کے بعد اس کی معنی خیز باتوں نے مجھ پر گہرا اثر کیا تھا۔ میں چھت پر چلا آیا۔ ابھی مجھے آئے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ انکا سراسیمہ وحواس باختہ میرے سر پر آگئی۔ میں سمجھ گیا۔ سید آگیا ہے۔ میں نے اس سے وحشت میں پوچھا۔ ”کہاں ہے وہ؟“

”کون؟“ انکا جز بز ہو کر بولی۔

”وہی پیر و مرشد سید، وہ آگیا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا، گویا اندازہ درست ثابت ہوا۔“ میں نے پُرامید لہجے میں کہا۔

”وہ نہیں۔ سلامت جان اوپر آگیا ہے۔“

”سلامت جان؟ وہ تو اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔ یہ بہت برا ہوا۔“ میں تیزی سے نیچے اترا اور ایک طوفان کی طرح صبا کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سلامت جان صبا کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے خوب صورت ہاتھوں کو بری طرح بوسے دے رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اپنے جامے میں نہیں رہا تھا۔

”سلامت جان۔“ میں پوری قوت سے دہاڑا۔ ”ہٹ جاؤ۔“ وہ حیرت سے ایک دم پلٹا۔ ”جمیل بھائی، آپ! آپ نے ہم سے چھپایا اور دیکھئے ہم نے دیکھ لیا۔“

”تم یہاں کیوں آگئے؟ اس سے دور ہٹ جاؤ۔“ میں نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"آج خواب گاہ میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ میں آپ کی خواب گاہ میں گیا تو وہاں موجود نہیں تھے۔ اوپر آنے کے لئے میں ادھر سے گزرا تو خوش قسمتی سے کھڑکی میں سے مجھے یہ چاند نظر آ گیا اور میں پاگل ہو گیا۔ کیا میں جاگ رہا ہوں؟ سچ بتایئے، کیا میں زندہ ہوں؟" سلامت جان نے بڑی سادگی سے پوچھا اور صبا کی زلفوں کا بوسہ لے لیا۔ "مگر آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ کیا...... کیا آپ......" وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"بدگمانی مت کرو۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "یہ ایک امانت ہے۔"

"امانت؟" سلامت جان نے مستانہ نظروں سے صبا کو دیکھا۔ صبا اس چیخ پکار سے جاگ گئی تھی اور کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے جاگتے دیکھ کر سلامت جان نے اسے پلنگ سے اٹھا لیا اور اپنی آغوش میں لے کر اچھلنے لگا۔ صبا نے ایک لرزہ خیز چیخ ماری اور سلامت جان کی آغوش میں بے ہوش ہو گئی۔ "نہیں نہیں، یہ میری ہے۔ یہ میرے لیے ہے۔ آپ یہ کھلونا میرے لیے لائے ہیں۔"

میں نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر زور سے طمانچہ مارا اور صبا کو اس سے چھین کر پلنگ پر ڈال دیا۔ زندگی میں شاید یہ پہلا طمانچہ ہوگا جو سلامت جان نے کھایا تھا۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں دن گزارے تھے۔

وہ لڑکھڑا گیا اور سکتے کے عالم میں میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ ویسے وہ پہلے ہی لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ اپنے حواس میں تھا ہی کب؟ شام سے پی رہا تھا۔ اپنی طرف سے اس کے اس طرح دیکھنے سے میں بڑا شرمسار ہوا۔

"آپ......" اس نے صرف اتنا کہا اور اپنا گال سہلانے لگا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو سلامت جان! تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔ صبح تک کے لئے انتظار کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ مجھے شرمندگی ہوگی۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں اسے کسی بری نیت سے نہیں لایا۔ میں اس کا پاسبان ہوں۔"

صبا کے متعلق بہت سی باتیں ہو چکی تھیں اس لئے سلامت جان میری موجودہ منطق پر کس طرح یقین کر لیتا؟ اس کے دل میں پھانس سی اٹک گئی۔ "نہیں......" اچانک وہ چیخا۔ "میں اس کے لئے اپنا خون کر سکتا ہوں۔" وہ مسہری پر بے ہوش صبا کے بدن پر گر گیا اور اسے نوچنے لگا۔

میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اٹھایا اور انکا سے کہا۔ "اس بدبخت کو نیچے لے جاؤ۔ یہ صرف تمہارے قابو میں آئے گا۔ میں اس پر اپنی قوت کا اظہار کرنے سے قاصر ہوں۔"

انکا کے جانے کے بعد سلامت جان کی درندگی اور سرکشی ماند پڑ گئی۔ وہ کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح کمرے سے نکلا جیسے ابھی کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ میں صبا کے [illegible]

جان کی دست درازی سے صبا کا گریبان چاک ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی نظریں پھیر کر اسے درست کیا۔ سید نے مجھے عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ "سید! کب تک پردہ پوشی کرو گے؟ میں اسے نہیں چھوڑوں گا اور دیکھوں گا کہ تم کب تک بے نیاز رہتے ہو۔"

میں نے مسہری کے قریب ہی آرام کرسی پر دراز ہو کے آنکھیں موند لیں۔ میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب انکا میرے سر پر وارد ہو گئی۔ اس نے بتایا کہ وہ سلامت جان کو سلا کر آ رہی ہے۔ میں خاموش رہا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کو دیکھا، وہ بار بار کرب سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس کے انداز سے خوف و دہشت مترشح تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے سرخ ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔

"کیوں......؟" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "کچھ بدلی بدلی نظر آتی ہو۔"

"جمیل! میں وہ......" اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی پھر چونک کر مجھے یوں گھورنے لگی جیسے کسی خطرے کی بو سونگھ رہی ہو۔ میں اس کی عادتوں سے واقف تھا۔ میں نے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا، وہ سخت مضطرب تھی۔

"کیا تلاش کر رہی ہو، انکا؟ میں نے آہستگی سے پوچھا۔

"جمیل! مجھے ہر طرف گرد و غبار نظر آ رہا ہے۔ میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔"

"سر سے نیچے اتر کے میرے پہلو میں آ جاؤ۔ میرے سینے سے لگ کر آنکھیں موند لو۔ تمہاری بے چینی کو قرار آ جائے گا۔"

"جمیل!" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس لڑکی کو واپس اس کے گھر پہنچا دو۔"

"یہ یہاں محفوظ ہے، میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ بوڑھا......!" انکا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"تمہاری نظریں اسے نہیں پہچان سکیں گی، سوچنا چھوڑ دو۔ اور وقت کا انتظار کرو۔"

"کیا تم یہ اندھیرا محسوس نہیں کر رہے ہو جو چاروں طرف پھیل رہا ہے۔" انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں کیا ہو رہا ہے؟ مجھے بتاؤ، تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے؟"

"تاریک اور گھپ اندھیرے میں چنگاریاں سی چٹک رہی ہیں۔"

انکا کے لہجے نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے نندا کی تربیت کا سہارا لیا لیکن مایوسی ہوئی۔ مجھے خود بھی حبس اور گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ میں تیزی سے اٹھا۔ انکا بار بار پلکیں جھپکا کر کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں زینے سے نیچے اتر کر فوراً سلامت جان کی خواب گاہ کی طرف لپکا۔ سلامت

جان کی خواب گاہ کا دروازہ خلاف توقع کھلا ہوا تھا۔ میں دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ سلامت جان کا لباس تار تار تھا۔ شراب کی بلوریں پیالیاں اور بوتلیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ اس کے چہرے پر دیوانگی برس رہی تھی۔ اسے اس عالم میں دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ وہ ایک بڑا کنستر ہاتھ میں لیے کسی محلول سے فرنیچر تر کر رہا تھا۔

''سلامت جان! یہ کیا دیوانگی ہے؟'' میں نے چیخ کر اسے مخاطب کیا۔

''تم، جمیل احمد خان۔'' وہ تیزی سے میری سمت پلٹا۔ وہ اور غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''میرے حجلۂ عروسی سے چلے جاؤ۔ تم نے صبا کی سہاگ رات میں مخل ہونے کی کوشش کی ہے، میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

میں انکا کو سلامت جان کے سر پر بھیجنے کا حکم دے ہی رہا تھا کہ اس نے ایک جھٹکے سے شمع دان گرا دیا۔ ایک چنگاری لپکی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے شعلے بھڑک اٹھے۔ انکا سلامت جان کے سر پر جانے کے بجائے میرے سر پر زور سے چیخی۔ ''جمیل! حویلی سے باہر نکلو، سب کچھ ختم ہونے والا ہے، میں یہاں دھواں ہی دھواں دیکھ رہی ہوں۔''

میں نے سلامت جان کو شعلوں سے نکالنا چاہا مگر وہ خود اپنے کپڑوں میں آگ لگا رہا تھا۔ اس پر بھی میں نے اس کی آستین پکڑ لی مگر انکا نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے باہر نکلنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ میں سلامت جان کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ سارا کمرا آگ کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ سلامت جان قہقہے لگاتا ہوا مڑ مڑ کر کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ زور سے اپنا ہاتھ چھڑا کر دوبارہ جلتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اب اسے باہر نکالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے آگ سرد کرنے کے لئے اپنی باطنی صلاحیتیں آزمانے کی کوشش کی۔

اس کوشش میں یہ ہوا کہ آگ اور بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے اس نے یہ عظیم حویلی اپنی وسیع آغوش میں لے لی۔ ہر طرف چیخ پکار شروع ہو گئی تھی۔ میرا عزیز دوست میرے سامنے جل رہا تھا اور میں اپنی غیر معمولی پُر اسرار طاقتوں کے باوجود اسے بچا نہیں سکتا تھا۔ دوسری طرف صبا تھی۔ زینے پر، اوپر نیچے ہر سمت آگ لگ رہی تھی اور صبا تک پہنچنا دشوار تھا لیکن میں سید کے خیال میں پھنکارتے شعلوں کے ہجوم میں راستہ تلاش کرتا اور خود کو بچاتا ہوا اوپر پہنچا۔ صبا کی مسہری خالی پڑی تھی، میں چھت پر گیا، اِدھر اُدھر کے جھلستے کمرے میں دیکھے۔ صبا کا کہیں پتا نہ تھا۔ سلامت جان کی دو منزلہ عالی شان حویلی دھماکوں کے ساتھ منہدم ہو رہی تھی اور خوف ناک چیخیں شعلوں کے ساتھ مل کر ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ رنگ و نور کا شبستان جل رہا تھا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ مجھے بھاگتے ہوئے ملازم دکھائی دیے اور بھاگتی ہوئی لڑکیاں نظر آئیں۔ ہر شخص کو اپنی زندگی کی فکر تھی۔ میں بھی اِدھر اُدھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ کئی لڑکیوں کو میں

اپنے کاندھے پر اٹھا کر بچا لے آیا اور انہیں باہر چھوڑ کر پھر اندر آگ میں گھس گیا۔ آخر میں اندر جانا بھی ناممکن ہو گیا کیونکہ بڑی بڑی دیواریں اپنی بنیادوں سے جدا ہونے لگی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کوئی دھکیل رہا ہو، کوئی گرا رہا ہو۔

''انکا!'' میں نے اپنا ماتھا پونچھتے ہوئے کہا۔ ''صبا کا پتا لگاؤ، میں اِدھر لڑکیوں کو دیکھتا ہوں۔ جلدی جاؤ، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔''

انکا پھدک کر میرے سر سے اتر گئی۔ اس کی واپسی فوراً ہوئی۔ وہ مایوس لوٹی تھی اور کچھ بتانے سے قاصر تھی۔ میں نے پھر آگ میں کودنا چاہا لیکن انکا نے مجھے روک لیا۔ ''اب وہاں کچھ نہیں رہا۔'' وہ اداسی سے بولی۔

سلامت جان نے حویلی شاید اسی لیے آبادی سے کچھ دور بنائی تھی تاکہ وقت پڑنے پر کوئی مدد کو بھی نہ آ سکے اور جو کچھ ہونا ہو فوراً ہو جائے، کچھ بھی نہ بچے، کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اس نے اپنی موت کا جشن خوب دھوم دھام سے منایا۔ خوب پھلجھڑیاں چھوٹیں۔ میری آنکھوں کے سامنے میرا آشیانہ راکھ ہو رہا تھا۔ حویلی کے کھنڈر سے دور کھردری زمین پر نازک بدن لڑکیاں کراہ رہی تھیں۔ آگ بجھنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ صبح سویرے کئی امدادی پارٹیاں آگ بجھانے آ گئیں اور زخمیوں کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ میرے زخم معمولی تھے اور میں زخموں کا عادی بھی ہو گیا تھا۔

میں نے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا اور وہ مسخ لاشیں دیکھتا رہا جو حویلی سے برآمد کی جا رہی تھیں۔ شام تک میں ملبے کے قریب بیٹھا رہا۔ آگ بجھ چکی تھی مگر اس نے سب کچھ نگل لیا تھا۔ ہر سمت شیشے بکھرے ہوئے تھے۔ اسی ملبے سے سلامت جان کی لاش نکلی جو پہچانی نہیں جاتی تھی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ کل رات یہی شخص زندگی کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا۔ میں اسی لیے ٹھہرا ہوا تھا کہ آخری بار اس کی صورت دیکھ سکوں۔ جب لاش چلی گئی تو میں اس کھنڈر سے اٹھا۔ میرے لیے سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پیدل چلتا ہوا میں شہر تک آ گیا۔ اس حادثے پر انکا کے منہ سے بھی کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ بولا ہی نہیں جا رہا تھا، چلا ہی نہ جاتا تھا...... پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے اور جسم پیروں پر اپنا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

چیختے ہوئے جسم، جلتی ہوئی عمارتیں، خون، خوف، اندھیرے بلکتے ہوئے چہرے اور سلگتی ہوئی آنکھیں۔ میری آنکھیں انہیں دیکھتے دیکھتے بجھنے لگی تھیں اور میرے کان انہیں سنتے سنتے پھٹنے لگے تھے۔ خود سے کئی بار شدید نفرت کی تھی مگر دنیا نے اس نفرت کی اجازت نہیں دی۔ کئی بار یہ قصہ میں نے تمام کرنا چاہا مگر لکیریں مٹتی ہی نہیں تھیں۔ انکا اور میں چپ، گم صم پھر اَن دیکھی منزل کی طرف جا رہے تھے۔

''اب کہاں چلو گے؟'' انکا نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا

Downloaded from Paksociety.com

"کہاں جائیں؟" میں نے مردہ آواز میں پوچھا۔

"بمبئی چلیں، تزئین اور سید غوث وغیرہ کو دیکھیں، کچھ دل بہل جائے گا۔ یہاں تو سارے چراغ بجھ چکے۔" انکا کی آواز میں بڑی کسک تھی۔

"نہیں وہ لوگ خوش ہیں۔ ہم بڑے منحوس ہیں۔ جدھر جاتے ہیں وہاں تباہی آ جاتی ہے۔ انہیں کیوں پریشان کریں، چلو کسی قبرستان میں چل کر رہتے ہیں۔ کسی قبر میں آشیانہ بناتے ہیں۔" میں نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

"تم تو مر سکتے ہو، مجھے اپنی موت پر بھی اختیار نہیں۔"

چار مینار، حیدر آباد کی مشہور عمارت ہے۔ میں اس کے ایک دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جس کا رخ مشہور مکہ مسجد کی طرف تھا۔ عشا کی اذان ہوئی تو میرے دل پر ایک خوف طاری ہو گیا۔ مجھ سے وہاں بیٹھا نہ گیا۔ میں مخالف سمت، چار کمان جانے والی سڑک پر ہو لیا۔ چار کمان سے کچھ دور ایک ندی ہے۔ غالباً موسیٰ ندی۔ اس کے اوپر ایک پل بنا ہے جو شہر کا یہ حصہ دوسرے حصے سے ملاتا ہے۔ وہیں جنگلے کے سہارے کھڑا رہا اور جب کھڑا ہونا بھی مشکل ہو گیا تو حیدر آباد کی تاریخی لائبریری کے لان میں لیٹ گیا۔ ہوا خنک تھی۔ لیٹا رہا، صبح ہو گئی۔ پھٹے ہوئے جلے ہوئے اور گندے لباس نے لوگوں کی توجہ جلد ہی مبذول کر دی۔ وہ مجھے پریشان کرنے لگے۔

"کون ہو؟ کیا نام ہے کیا کرتے ہو؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" میں نے جھڑک دیا۔ "اپنا کام کرو بھائی!" کوئی پاگل کہتا اور کوئی کہتا کہ پہنچا ہوا شخص ہے۔ انہی خطابات کی گونج میں اور اسی ادھیڑ بن میں مجمع چیرتے ہوئے پولیس کے چند جوان آ گئے اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے باز پرس شروع کر دی۔ میرا جلا ہوا لباس چغلی کھا رہا تھا۔ وہ میری تلاش میں تھے اس لیے کہ سلامت جان کے ہاں سے برآمد ہونے والی لڑکیوں نے پولیس کو سلامت جان کے نشاط کدے کا سارا حال بتا دیا تھا۔ اس میں، میرا نام بھی آیا تھا۔ پولیس والے کے تخاطب سے اندازہ ہوا کہ سلامت جان کی حویلی سے متعلق خاصے چرچے ہو رہے تھے۔ انکا نے ایک دن کی خاموشی کے بعد کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ پولیس والے مجھے جبراً اٹھا کر تھانے کی طرف لے جانے لگے۔ پیچھے ایک خلقت تھی، لوگ اشارے کر رہے تھے اور عجیب عجیب قصے اس حویلی کے متعلق ایک دوسرے کو سنا رہے تھے۔ تھانے تک بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ میں سر جھکائے تھانے میں داخل ہوا۔ مجھے سوالات کے کمرے میں لے جایا گیا۔ انسپکٹر سوالات کرتا رہا، میں بالکل خاموش رہا۔ میری خاموشی سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حویلی کے حادثے نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس وقت تو ان سے چھوٹ مل گئی مگر زیادہ دیر تک تھانے میں قیام کرنا کسی صورت مناسب نہیں تھا۔ پولیس سے میری آشنائی پرانی تھی۔ جلد ہی رہائی کے لئے کوئی قدم

اٹھانا تھا۔ میں تفصیل سے بچوں گا کیونکہ اس سے پہلے کئی مرتبہ اسی قسم کے حالات کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ انکا ایسے موقعوں پر بڑی فعال ہو جاتی تھی۔ دوپہر کے وقت جب زندگی کے ہنگامے عروج پر تھے، میں تھانے کے خاص دروازے سے بے جھجک باہر آ گیا اور جہاں تک بھاگ سکتا تھا، بھاگتا رہا۔ انکا تھانے میں اعلیٰ افسر کے سر پر بیٹھی تھی، جس نے میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا اور تھانے کے عملے نے بھی مجھے اپنے افسر کے حکم پر حیرت کے ساتھ باہر جانے دیا تھا۔ انکا کو کم از کم اتنی دیر تک ضرور اس اعلیٰ افسر کے سر پر رہنا تھا، جب تک میں حیدر آباد سے دور نہ نکل جاؤں اور یہی ہوا۔ میں گلبرگہ جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا اور ٹرین حیدر آباد کی حدود سے نکل گئی تو انکا میرے سر پر آ ئی۔

سید مجذوب سے میری پہلی ملاقات گلبرگہ میں ہوئی تھی۔ اس کا سلسلہ حضرت خواجہ گیسو درازؒ سے ملتا تھا۔ میں نے آخر کار گلبرگہ ہی میں سید مجذوب کو تلاش کرنے اور حضرت خواجہ کے مزار پر حاضری دینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن میں تین ماہ تک گلبرگہ کے قریب بھٹکتا رہا اور شہر میں داخل نہیں ہو سکا۔ ہر بار کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آ جاتا تھا۔ کبھی پولیس کی وجہ سے مجھے راستہ بدل دینا پڑتا تھا۔ کبھی میرے سینے میں سخت درد ہونے لگتا تھا۔ کبھی میں غلط گاڑی میں بیٹھ جاتا تھا اور کسی دوسرے اسٹیشن پر اتر جاتا تھا۔ کبھی بس کا حادثہ ہو جاتا تھا، ایک سے ایک افتاد لیکن کسی حادثے کے بعد میں نے ہمت نہیں ہاری۔ میں گلبرگہ کی سمت پیدل ہی چلا لیکن گلبرگہ نہ پہنچ سکا۔ راستے میں بہک جاتا اور کسی دوسری بستی میں نکل جاتا۔ آخر تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد گلبرگہ شہر میں داخل ہو گیا لیکن شہر میں داخل ہوتے ہی پولیس نے مجھے گھیر لیا اور گداگروں کی ایک ٹولی نے پتھروں سے مجھ پر یلغار کر دی۔ میرا ماتھا کھل گیا اور جسم سے خون اتنا بہا کہ میں چلنے پھرنے میں بھی کمزوری محسوس کرنے لگا۔ پولیس سے تو میں نے کئی جگہ چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ انکا لوگوں کو پکڑ کر میرے پاس لاتی اور تیمارداری کراتی۔ وہ مجھے پولیس سے نجات دلاتی اور اپنی بساط کے مطابق جگہ جگہ بچاتی رہی۔ میں ایک بچہ تھا جو انکا کی لاٹھی کے سہارے مقام بہ مقام بدل رہا تھا۔ تنگ آ کر میں نے گلبرگہ چھوڑ دیا۔ اعصاب جواب دے رہے تھے۔ میں ٹمٹما رہا تھا اور خود کو اِدھر سے اُدھر گھسیٹے لیے پھرتا تھا۔ صبح سفر، شام سفر، رات کو کسی سرائے میں یا پھر یوں ہی کسی دکان کے تھڑے پر۔ دیہات میں کسی درخت کے نیچے۔ انکا موجود تھی اور اشارے پر وہ میرے لیے دولت اکٹھی کر سکتی تھی۔ دولت کا جو مظاہرہ سلامت جان کی حویلی میں دیکھا تھا وہ اور کہاں نظر آتا؟ دولت سے جی بھر گیا تھا۔ دنیا میں نے کون سا غم، کون سی خوشی نہیں دیکھی تھی؟ اب نہ خوشی میں لذت تھی، نہ غم کوئی دکھ پہنچاتا تھا۔ ایسی منزل آ گئی تھی جہاں ہر رنگ پھیکا نظر آئے اور بُو اور ذائقے کی تمیز ختم ہو جائے۔ دنیا بڑی ظالم شے ہے، آدمی کو جکڑتی ہے۔ بہت دنوں بعد کہیں طبیعت سنبھلی اور وہ بھی یوں جب متھرا کا اسٹیشن آیا اور بال سر منڈائے ہوئے پنڈتوں کی ایک ٹولی دیکھی۔ انہیں دیکھ کر مجھے بدری نرائن یاد آ گیا اور احساس ہوا، ابھی

اور زندہ رہنا ہے۔ مرنے سے پہلے ایک فرض انجام دینا ہے۔ اسی لمحے میں نے انکا سے کہا۔ ''کچھ اور نہیں تو اسی کو تلاش کیا جائے۔''

''اس کا خیال چھوڑ دو، میری مانو تو بمبئی چلو۔'' انکا نے مجھے ٹالتے ہوئے کہا اور بمبئی چلنے پر ضد کرنے لگی۔

انکا کا خیال تھا، میں نے ایک عرصے سے مراقبے، تزکیہ نفس ارتکاز اور تنفس وغیرہ کی مشقیں نہیں کی ہیں اس لیے فی الحال میرا بدری نرائن سے ملنا مناسب نہیں ہے۔ گھومتا گھومتا میں ہلدوانی تک پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک سرسبز اور ویران مقام پر کوئی پچاس دن تک سخت سے سخت مشقیں کیں۔ میں ایک ایک ہفتے تک مراقبے میں ڈوبا رہا۔ ان کیفیتوں میں میری ابتر حالت معمول پر آنے لگی اور جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔ انکا کے لئے یہ ایک غیر دلچسپ کام تھا مگر وہ بڑی تن دہی سے ساتھ نبھا رہی تھی۔ پچاس دن کی اس محنت شاقہ کے بعد میں ہلدوانی سے چل پڑا۔ مجھے انکا نے بتایا تھا کہ بدری نرائن بنارس میں ہے۔ میں نے انکا کو خود سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ میرے سر پر انکا ہونے کے سبب سے بدری نرائن کو میری سمت کا پتا چل جاتا تھا اور وہ جگہ بدل دیتا تھا۔ خود میری نقل و حرکت سے وہ اس وقت تک لاعلم رہتا جب تک میں اس بستی کے قریب نہ پہنچ جاؤں، جہاں وہ موجود ہے۔ انکا کو یہ جدائی بڑی شاق گزر رہی تھی۔ وہ میرے بنارس جانے پر ناراض تک ہو گئی اور اس نے اپنی سمت بنارس کے مخالف کر دی، یعنی وہ بمبئی چلی گئی اور میں تنہا بنارس روانہ ہو گیا۔

بنارس قریب آ رہا تھا اور میری آنکھیں چہار سمت دیکھنے پر قادر تھیں۔ میں ایک طرح سے مسلسل ارتکاز میں تھا۔ بدری نرائن ابھی تک بنارس میں مقیم تھا۔ میں اپنے اس دشمن کے قریب ہوتا جا رہا تھا اور اس خیال سے میرا دل عجب خوشی اور ولولے سے معمور تھا کہ اس بار وہ میری دست برد سے بچ کر نہیں جائے گا اور میں سکون کے ساتھ مر سکوں گا۔ اس بار بدری نرائن کے تعاقب میں آنکھ مچولی کا کھیل نہیں ہوا۔ بنارس میں داخل ہوتے وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ بنارس ہی میں ہے۔ میں اس کے بہت نزدیک تھا۔ میں نے احتیاطاً انکا کو بلا لیا۔ انکا نے آتے ہی مجھے بمبئی میں تزئین، سید غوث، پریم اور مالا کے قصے سنانے چاہے لیکن سنا نہیں سکی۔ میں اپنی تمام تر توجہ بدری نرائن پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔ انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع فراہم کی تھی۔ بدری نرائن کا قیام ایک مقامی پنڈت امر لال کے ہاں تھا۔ میں تنہا تھا، ساز و سامان کے بکھیڑوں سے آزاد۔ اسٹیشن سے سیدھا بدری نرائن کی طرف روانہ ہو گیا۔ دیر لگانے کی صورت میں اس کے ہاتھ سے نکل جانے کا احتمال تھا۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ مجھے اور انکا کو بنارس میں اپنے قریب محسوس کرنے کے باوجود بدری نرائن نے کسی قریبی مندر میں چھپ کر راہِ فرار اختیار نہیں کی تھی۔

''وہ ایک بڑے گشتی مندر کی پناہ میں ہے۔'' انکا نے میرے استفسار پر جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''امر لال چالیس سال تک ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں اور ویران گپھاؤں میں کٹھن تپسیا کے بعد واپس آیا ہے۔ بدری نرائن نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اسی لیے اس کے ہاں پناہ لی ہے اور اس نے اسے تمہارے خلاف پوری طرح تیار کر دیا ہے۔'' انکا نے کہا۔

''تو اس کا مطلب ہے امر لال سے معرکہ دلچسپ اور شان دار رہے گا۔ آخری معرکہ تو اسی دھوم سے ہونا چاہیے۔''

''جانے سے پہلے کہیں بیٹھ کر کچھ دیر سوچ لو۔''

''کیا تم نہیں چاہتیں کہ وہ کمینہ اپنے انجام کو پہنچے۔ کیا تمہیں اس کا خون پینے کی خواہش نہیں ہے؟''

انکا نے میرے تیور دیکھ کر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جب کبھی میرے چہرے پر تلخی دیکھتی، خاموش رہ جاتی۔ امر لال کا قیام بنارس کے آخری سرے پر واقع ایک پُرسکون مکان میں تھا جو ایک مہاجن کی ملکیت تھا۔ امر لال کے لئے اس نے اپنا مکان خالی کر دیا تھا۔ اس مکان تک پہنچنے میں مجھے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

کلدیپ نے پریتم لال کے استھان سے نیچے اترنے سے انکار کر کے میری زندگی میں جو زہر گھول دیا تھا وہ میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اب کون کم بخت زندہ رہنا چاہتا تھا؟ انکا بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ کہتی تھی۔ مجھے خطرہ لاحق ہے۔ میں کہتا تھا خطرہ تو اسے لاحق ہوتا ہے جو جینے کی آرزو کرے۔ فیصلہ تو کسی طور ہونا ہی چاہیے۔ میں آسانی کے ساتھ مکان میں داخل ہو گیا۔ اس وقت میرے جوش اور غضب کا کیا عالم تھا؟ یہ ناقابل بیان ہے۔ اِدھر اُدھر کمروں سے گزر کر میں اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بدری نرائن کی شکل نظر آتی تو سارے جسم میں خون دوڑنے لگا۔ میں نے امر لال کو غور سے دیکھا۔ انکا کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ امر لال حقیقتاً ایک بڑا گیانی دھیانی شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تابانی اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ باطنی علوم کی تحصیل میں صرف کیا ہے۔ اس کے چہرے پر بلا کا اعتماد تھا۔ عمر کے اعتبار سے وہ ساٹھ سال کے لگ بھگ نظر آ رہا تھا۔ قویٰ خاصے مضبوط تھے۔ سر انڈے کے چھلکے کی طرح بے داغ تھا۔ بدن پر گیروا لباس رکھا تھا۔ وہ ایک اونچی مسہری پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا اور بدری نرائن پوری عقیدت سے اس کے پائنتی بیٹھا پاؤں دبا رہا تھا۔ نرگس اور مالا کے چہرے، جگہ جگہ کی اذیتیں، کالی کے پرانے مندر کا تہ خانہ، خونخوار چوہے۔ بدری نرائن کو دیکھ کر مجھے ہر بات ہر اذیت یاد آ گئی۔ میں ہندوستان کے بہت سے پنڈتوں،

پجاریوں کو ختم کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور اب میرا دشمن میرے سامنے تھا۔

انکا نے میرا سر جھنجوڑ کر کہا۔ "جمیل! اس پر فوراً حملہ کر دو، رعایت سے گریز کرو۔"

"دیکھتی رہو، میں اسے للکارے بغیر نہیں ماروں گا۔"

"وار کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔" انکا ہیجانی انداز میں بولی۔

"تم دخل اندازی کر رہی ہو۔ میں کہتا ہوں چپ رہو۔"

"میری بات مان لو۔" انکا عاجزی کے ساتھ گویا ہوئی۔

میں دروازے کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ جب دروازہ کھول کر میں اندر پہنچا تو بدری نرائن نے میری شکل دیکھی اور اچانک ایک فٹ اوپر اچھل پڑا۔ "مہاراج! مہاراج!" اس نے فوراً امرلال کے پیر پکڑ لیے۔ "مہاراج، آنکھیں کھولو۔ وہ دشٹ آ گیا ہے۔" اس نے گھبرائے لہجے میں امرلال کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"ارے آنے دے۔" امرلال نے آنکھیں بند کیے کیے جواب دیا۔

"مہاراج! اب تمہارے وچن نبھانے کا وقت آ گیا ہے۔ آنکھیں کھول کر اس ملیچھ کو دیکھ لو جس نے ہمارے کئی دھرماتماؤں کا خون کیا ہے؟" بدری نرائن بے تابی سے بولا۔

"کیا ہے؟" امرلال نے بے دلی سے کہا۔ "مہمان ہے سواگت کر۔"

بدری نرائن کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ اس کے چہرے پر دہشت طاری تھی۔ امرلال نے کروٹ بدل کر مجھے بڑی بے پروائی سے دیکھا اور اچانک اس کی نگاہوں میں تجسس کی رمق نمودار ہوئی۔ میں نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔ وہ میرے اندر دیکھ رہا تھا مگر میں نے پہلے ہی اپنے گرد ایک مضبوط دائرہ کھینچ لیا تھا۔ انکا کی حالت ہم دونوں سے مختلف تھی۔ وہ میرے سر پر بت بنی بیٹھی تھی۔ بدری نرائن اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہر شے گنگ نظر آ رہی تھی۔ ایک گہرا سکوت طاری تھا؛ جس وقت میں نے پتلیاں حرکت دے کر کھینچیں امرلال کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ میں نے اس کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔

"مہاراج امرلال نے کیا کہا، سنا تم نے؟ سواگت کرنے کو کہا ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے غور سے دیکھو۔ یہ میں ہوں جمیل احمد خان، تیرا پرانا متر۔ پورے بھارت میں گھمایا اور ہاتھ نہ آیا۔ اب سامنا کرنے سے کیوں کترا رہا ہے۔"

"پاپی!" بدری نرائن نے مضطراب لہجے میں کہا۔ "مجھے تیری ہی تلاش تھی، پر سے نہیں آیا تھا۔"

"سے آ گیا۔ خوب بدری نرائن خوب، تجھے تو کسی ناٹک میں ہونا چاہیے۔ تو نے بھارت کے کتنے مہان پنڈتوں پجاریوں کو دھوکا دیا، ان کا خون کرایا اور تو اور، تو نے مہاراج امرلال جیسے مہاپُرش کو بھی

درمیان میں گھسیٹ لیا۔ مجھے تلاش کر رہا تھا؟ لے میں خود تیرے پاس چلا آیا۔" میں زہر خند سے بولا۔

"اب تجھے کالی کے کشٹ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"کالی کا نام کیوں درمیان میں لاتا ہے، یہ تجھے شوبھا نہیں دیتا۔" پھر میں نے امرلال کو مخاطب کیا۔ "مہاراج! تم تو ایک بلوان اور مہان پجاری ہو۔ تم نے اسے سراپ نہیں دیا؟ تم نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔"

"بالک!" امرلال جو ابھی تک خاموشی سے ہماری تلخ گفتگو سن رہا تھا، نہایت ملائم آواز میں بولا۔ "بالک! تیری جڑیں ابھی کمزور ہیں جا، اپنی جڑیں اور مضبوط کر لے۔ تو اس کا پیچھا چھوڑ دے۔ تو نے تپسیا کی ہے۔ بھگتی کی ہے۔ میرے آشرم میں آ جا، میرے ساتھ رہ۔ من کا میل دور کر۔ سمجھا میں کیا کہہ رہا ہوں؟ آ میرے پاس بیٹھ جا۔ بدری جا تو جل لا۔ جمیل احمد خان نے بہت سے پنڈتوں پجاریوں کو مارا ہے، پر وہ دھرم کے بہت کام آ سکتا ہے۔ میں اس کا نیا نام رکھوں گا۔ بھگت رام، رام کو بھی یہ نام پسند آئے گا۔"

"مہاراج! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" بدری نرائن ناراضی سے بولا۔

"میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں بدری!" امرلال نے نرمی سے کہا۔

"میرا نام جمیل احمد خان ہے مہاراج!" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ "اور نام بدلنا مجھے پسند نہیں۔"

"پر تیرے ڈانڈے تو کہیں اور سے ملتے ہیں۔ تو کب تک بیاکل رہے گا۔ میرے پاس بیٹھ جا۔ یہاں چھاؤں ہی چھاؤں ہے، تجھے بڑا آنند ملے گا۔" امرلال نے بڑی شیریں اور ٹھنڈی آواز میں کہا۔

"آنند۔ شانتی۔ اس پاپی کی موجودگی میں؟" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "میں جس کارن آیا ہوں مہاراج، اس کی بات کرو، میں بھی تمہیں شانتی اور آنند کے مشورے دے سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے نہیں جانتے۔ تم درمیان میں نہ آؤ مہاراج! میرے اور بدری نرائن کے کچھ پرانے حساب ہیں۔"

امرلال کے چہرے پر ناگواری کی شکنیں ابھریں لیکن وہ نرمی سے بولا۔ "اب چھوڑو، پرانے بہی کھاتے۔ یہاں نہیں بیٹھنا تو یہاں سے چلا جا۔"

"تم سے پہلے بدری نرائن کے کچھ اور حمایتی بھی اسی انداز میں میری رکاوٹ بن رہے تھے۔ کیا تمہیں ان کا انجام معلوم ہے؟" میں نے تیکھے پن سے کہا۔

امرلال غضب ناک ہو گیا۔ "ارے تو کیسی باتیں کرتا ہے؟"

"یہ باتیں تم سمجھنا بھی چاہو تو سمجھ نہیں پاؤ گے مہاراج! تم نے بدری نرائن جیسے نیچ جانور کے سر پر کچھ سوچے سمجھے بغیر ہاتھ رکھا ہے۔ اگر شانتی کی تلاش ہے تو اس بیچ میں مت بولو، خاموش رہو اور اسے

میرے حوالے کر دو تا کہ اس کا قیمہ کر کے گدھوں کی دعوت کروں؟'' میں نے طیش میں آ کر کہا۔

''مہاراج!'' بدری نرائن میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کے بولا۔ ''مہاراج، یہ مسلا تمہارا اپمان کر رہا ہے۔''

''تو نامرد ہے بدری نرائن۔ تو زنخا ہے، تو بھڑوا ہے۔ آ میرے سامنے آ۔'' میں نے گرج کے کہا۔ ''آج تجھے میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

بدری نرائن کے ہونٹ خود بخود کسی منتر کے لئے جنبش میں آ گئے۔ میں نے انگلی اٹھائی تو وہ بلبلاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اپنی تمام باطنی طاقتیں نگاہوں میں سمیٹیں لیکن اس سے قبل کہ میں بدری نرائن پر دوسرا حملہ کرتا، امرلال نے نفرت سے میرے دائرے میں تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی میرے قدم زمین پر لڑکھڑانے لگے۔ جیسے زمین میرے قدم جمانے پر ناراض ہو گئی ہے اور مجھے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ میں گڑبڑا کر گر گیا۔ امرلال نے اسی وقت ایک تیز پھونک ماری جیسے گرم کھولتا ہوا پانی میرے چہرے پر ڈال دیا گیا ہو۔

میں چند لمحوں کے لئے بینائی سے محروم ہو گیا۔ امرلال کی چنگھاڑتی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''اپرادھی! میرے سامنے چمتکار دکھا رہا تھا۔''

میں اس اچانک حملے سے بوکھلا گیا تھا۔ بینائی بحال ہوئی تو میں نے دوبارہ خود کو محفوظ کرنے کے لئے دائرے میں کر لیا اور ذرا پیچھے ہٹ گیا تا کہ امرلال کا تھوک وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ بدری نرائن کا چہرہ تمتما رہا تھا اور امرلال کے چہرے پر سخت درشتی اور برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ انکا میرے سے سر غائب ہو چکی تھی۔ امرلال نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا۔ ''بس۔ کیا ابھی تیرا دل نہیں بھرا؟ میں تجھے اور اوسر (موقع) دیتا ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ تیرے ہی بھلے کے لئے ہے۔ بھلی بات کہنے کا سمے نکل گیا تو پچھتائے گا، مان لے، بالک مان لے۔''

''امرلال!'' میں نے تحمل سے اسے مخاطب کیا۔ ''تمہاری تپسیا میں کوئی کھوٹ نہیں ہے لیکن تم مجھ سے کیوں الجھ رہے ہو۔ یہ میرے اور بدری نرائن کا معاملہ ہے۔''

''بدری میرے آشرم میں ہے۔ وہ میرا چیلا ہے۔''

''تمہارا چیلا اتنا نیچ نہیں ہو سکتا۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

''چپ ہو جا کمینے! چپ ہو جا۔'' امرلال گرج کر بولا۔

میں نے امرلال کو نظر انداز کر کے بدری نرائن کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں نے غصے میں اپنا گریبان پھاڑ دیا اور بدری نرائن پر ایک نیا حملہ کیا۔ بدری نرائن اس حملے کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے منہ سے خون ابلنے لگا۔ امرلال نے سیدھا ہاتھ اٹھا کر زور سے

جھٹکا۔ بدری نرائن کے کراہتے ہوئے جسم کو قرار آ گیا۔ وہ سہم کر امرلال کے پیچھے ہو گیا لیکن میں نے نندا کا ایک کارگر عمل کر کے اسے دوبارہ تڑپنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے حلق سے بڑی کربناک چیخ نکلی۔

''میں کہتا ہوں، یہ نوٹنکی بند کرو۔'' امرلال نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''تو مجھے غصہ دلا رہا ہے۔''

''نوٹنکی تو ابھی شروع ہوئی ہے مہاراج! ابھی راون چلا کہاں ہے؟ تم روک سکتے ہو تو روک لو۔'' میں نے تمام اندیشے بالائے طاق رکھ لیے۔ بدری نرائن ابھی تک زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

امرلال جھنجلا گیا۔ ''بھگوان جانتا ہے، میں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ تو مکتی کے راستے پر نہیں آنا چاہتا۔ بس اب مجھ سے کچھ مت کہنا، میں تجھے آخری بار سمجھاتا ہوں۔'' امرلال حقیقتاً اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب تک بدری نرائن کی طرف سے جتنے پنڈتوں، پجاریوں نے مجھ سے مقابلہ کیا، ان میں امرلال سب سے اونچا تھا۔ میں اسے الجھا کر بدری نرائن کو ختم کر دینا چاہتا تھا اور امرلال سے براہ راست کوئی معرکہ کرنے کے حق میں نہ تھا۔ میرا شکار بدری نرائن تھا لیکن امرلال بدری نرائن کی حمایت پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنی روداد اور بدری نرائن کے ظلم و ستم کی داستان سنانی چاہی۔ اس نے تحمل سے سب کچھ سنا مگر اپنے موقف سے نہ ہٹا۔ اس نے آخری بار وہاں سے بھاگ جانے یا بدری نرائن سے صلح کر لینے کی تلقین کی۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کا کہنا نہیں مانا تو وہ کوئی انتہائی اقدام کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔

''سنو امرلال!'' میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''بدری نرائن نے تمہیں واقعات مسخ کر کے سنائے ہیں۔ تم مہان شکتی کے مالک ہو۔ کیا تمہاری نظریں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے سے قاصر ہیں۔''

''مجھے اونچ نیچ سمجھا رہا ہے؟ بھسم ہو جائے گا۔''

''وقت کم ہے امرلال، پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو، پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ ذرا سامنے سے ہٹ جاؤ امرلال مہاراج۔'' میں نے بے باکی سے کہا۔

امرلال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے گلے میں پڑی ہوئی گیروے رنگ کی ڈوری انگلیوں کے درمیان پھنسا کر اسے جھٹکا دیا اور اس کے لاتعداد بیروں نے ایک ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔ وہ میرے جسم کے مختلف حصوں کو کاٹنے لگے۔ میں حصار میں محفوظ تھا لیکن بیر اسے توڑ کر اندر آ گئے۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ میں ان تمام بیروں کو جلانے کا عمل کروں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے ایک بہت مشکل لمحاتی مراقبہ کیا۔ وہ میرا جسم نوچ رہے تھے مگر میں چند ثانیوں کے ارتکاز میں کامیاب ہو گیا۔ اگر میں ہلدوانی میں دوبارہ ارتکاز کی مشقیں جاری نہ رکھتا تو بیروں نے میرا جسم ادھیڑ کر رکھ دینا تھا۔ میرے گرد اچانک گہرا دھواں چھا گیا۔ دھواں چھٹا تو میں نے امرلال کو مسکراکے دیکھا۔ ناکامی نے

اسے اور برانگیختہ کر دیا تھا۔ پھر امرلال پے در پے وار کرنے لگا اور ناکام ہوتا رہا۔ آخر وہ شدید اشتعال میں بولا۔ ''پاپی! منڈل سے باہر آ۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ تو کتنے پانی میں ہے۔''

''اتنی جلدی تھک گئے مہاراج! کیا منڈل کی شکتی توڑنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔؟''

معاً امرلال نے اپنے قریب رکھی ہوئی لوبان کی طشتری اٹھا کر میری طرف پھینک دی۔ اس کی راکھ میرے دائرے میں پھیل گئی اور میرا حصار ٹوٹ گیا۔ میں نے بدری نرائن کی طرف دیکھا تو چکرا کر رہ گیا۔ وہاں ایک کے بجائے تین تین بدری نرائن موجود تھے اور اصل بدری نرائن کی شناخت نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں اس صورت حال سے گھبرا گیا۔ مجھے معاملے کی تہ تک پہنچنے میں کچھ وقت لگا۔ عجیب حیرت کی بات تھی کہ بدری نرائن اور امرلال کے ساتھ دو جن بھی میرے مقابلے پر آ گئے۔ خود بدری نرائن بھی اپنے ہم شکلوں کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ ابھی میں موقع کی نزاکت کے مطابق کوئی قدم اٹھانے پر غور کر ہی رہا تھا کہ کمرے میں گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور ساتھ ہی میں زمین سے اٹھ کر اتنی شدت سے منہ کے بل گرا کہ میرے اردگرد اندھیرا چھا گیا۔ امرلال میری ذرا سی غفلت سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ میری احتیاطوں کا زور پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ امرلال نے دوسرا حملہ کیا۔ لمحوں کی دیر تھی، وہ کسی ایسے ہی موقع کے انتظار میں تھا۔ اس کے پاس طاقت کی کمی نہیں تھی جس کا تخمینہ میں پہلے ہی لگا چکا تھا۔

کاش میں چاروں طرف دیکھنے کے بجائے صرف اسی کی طرف غور کرتا مگر میں کیا کرتا، بدری نرائن، جن اور امرلال تینوں طاقتیں مجھ سے برسرپیکار تھیں۔ امرلال کے ایک اشارے نے مجھے شکنجے میں جکڑ کر بے بس کر دیا۔ میری زبان پر تالے پڑ گئے۔ انہوں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا۔ میں حرکت کرنے سے بھی قاصر ہو گیا۔ دو جن جو بدری نرائن کا روپ دھار کر آئے تھے، شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اچانک غائب ہو گئے۔ امرلال کے چہرے پر بھی استہزائی تبسم جاگنے لگا۔ مجھے انکا یاد آنے لگی جس نے مجھے بنارس کی سمت کوچ کا ارادہ ملتوی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دشمن سے کسی رعایت کی توقع فضول تھی۔ میں بری طرح ان کے دام میں آ گیا تھا۔ کوئی میری مدد کو بھی آنے والا نہیں تھا۔ جگدیو اور پریتم لال مر چکے تھے۔ کلدیپ نے رشتہ توڑ لیا تھا، انکا اس بوڑھے پجاری امرلال کی مہان شکتیوں کا اندازہ کر کے پہلے ہی رخصت ہو گئی تھی۔ اور وہ شفیق کلپنا...... اسے بھی میں نے ایک عرصے سے نہیں دیکھا تھا، صرف ایک خیال تھا کہ شاید سید آ جائے مگر سید کیوں آتا؟ وہ بھی تو مجھ سے ناراض ہو گیا تھا۔ اب میں امرلال کے رحم و کرم پر تھا اور مجھے اپنا انجام صاف نظر آ رہا تھا۔

''اب کیا وچار ہے مورکھ!'' امرلال کمال شفقت سے بولا۔ ''تیری اکڑفوں کہاں گئی پھنّے باز خان!''

''مہاراج!'' بدری نرائن، امرلال کے پیر پکڑتے ہوئے بولا۔ ''مجھے آگیہ دو۔ اسے میرے حوالے کر دو۔ میں اس کے گلے میں پٹا ڈال کر اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اور میرا وچار یہ ہے مہاراج! اسے چھوڑا بھی نہ جائے، اسے ترنت موت کے گھاٹ اتار دیا جائے!'' بدری نرائن جوشیلے لہجے میں بولا۔

''نہیں بدری!'' امرلال نے اسے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ ''تو دور رہ۔ میں اسے سراپ دوں گا۔'' پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ ''دیکھا تو نے؟ میں کیا کہتا تھا۔ ذرا ہونٹ کھول کے دیکھ۔ ذرا اپنی گز بھر کی زبان دیکھ۔ ذرا اپنا شریر دیکھ۔ میں نے تجھے بہرا نہیں کیا ہے تاکہ تو سن سکے۔ اور سن او بھلے مانس۔ تیری یہ سب کٹھنائیاں ابھی دور ہو سکتی ہیں۔ میں تجھے وچن دیتا ہوں۔ تو میرے چرنوں میں بیٹھ کر تپسیا کر۔ میں تجھے بلوان بناؤں گا اور تو دھرم کا نام اونچا کرنا اور دیوتاؤں کے ہردے میں رہنا۔ سمجھا، سنا میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' امرلال نے شفیق لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میرے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔

میں نے اپنا جسم جھنجوڑنا چاہا اور اس شکنجے سے آزاد ہونے کی کوشش کی جس میں امرلال نے مجھے بے بس کر دیا تھا۔ میرے جسم میں کچوکے لگنے لگے۔ امرلال کی باتوں میں صداقت تھی۔ وہ مجھے رعایت دے رہا تھا اور بدری نرائن سہما ہوا کھڑا تھا کہ کہیں میں امرلال کی باتوں پر ہاں نہ کر دوں۔ میں نے اپنے جسم کے تمام غصے کا آنکھوں سے اظہار کرنے کا ارادہ کیا اور نفرت سے گردن ہلانی چاہی۔ میرا حقارت آمیز انکار امرلال پر منتقل ہو گیا۔ امرلال میرے انکار پر ناراض ہونے کے بجائے مسکرانے لگا۔ ''اسی لیے میں کہتا ہوں بدری۔ یہ بڑا جوان ہے۔ یہ تیرے ساتھ بیٹھے گا تو تم دونوں مل کر ہاتھی بن جاؤ گے۔ وہ ہاتھی جس پر شیو شنکر مہاراج سوار ہوں گے اور پاربتی سے ملنے جائیں گے۔ یہ بالک ہٹ ہے۔ تو کہتا ہے اسے مار دیا جائے۔ میں کہتا ہوں، ہٹی بالکوں کو سزا دینا چاہیے۔ اس نے میری بات نہیں مانی، اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دے۔ جا اسے باہر پھینک آ تاکہ یہ گلیوں میں سڑتا رہے اور آنا چاہے تو دور بھی نہ رہے۔''

''پر...... پر مہاراج!'' بدری نرائن کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ امرلال کی نگاہوں سے خوف کھا گیا۔

''سنتا ہے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' امرلال نے تلخی سے کہا۔

''جی...... جی مہاراج!'' بدری نرائن جھجک کر میرے قریب آیا اور میرے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ وہ کبھی نگاہیں ملاتا، کبھی چرالیتا پھر اچانک اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے گھسیٹنے لگا۔ میں زمین پر گر گیا۔ میرے سارے جسم پر زخم پڑے ہوئے تھے۔ بدری نرائن مجھے کسی لاش کی طرح گھسیٹتا ہوا دروازے پر لے آیا اور کوڑے کی طرح گلی میں پھینک دیا۔ اس نے میرے منہ پر پوری طاقت سے اپنا پاؤں مارا اور

ہتکی کے سے انداز میں میرے منہ پر تھوک دیا۔

"جمیل احمد خان!" بدری نرائن لرزتے ہوئے بولا۔ "مہاراج کا خیال ہے ورنہ میں تجھے چھوڑتا نہیں۔ مہاراج نے جو سوچا ہے، سچ ہی سوچا ہوگا۔ تیری یہ حالت انکارانی سے بھی نہیں سنبھلے گی۔ وہ اس آشرم سے پہلے ہی بھاگ گئی تھی۔ مہاراج کی شکتی کا کیا ٹھکانا۔ رام رام، نارائن نارائن!" بدری نرائن اندر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

بدری نرائن کا بس چلتا تو وہ میرے جسم پر اور ٹھوکریں لگاتا اور منہ پر تھوک تھوک کر اپنا سینہ خشک کر لیتا مگر پیچھے سے امر لال آگیا اور اس نے بدری نرائن سے ڈانٹ کے کہا۔ "اب یہاں کیوں کھڑا ہے رے؟ اسے چھوڑ دے۔ اب کچھ مت کہنا، شاید یہ واپس آ جائے۔ بس بھئی جمیل احمد خان۔ اگر تیرے من میں میری باتوں کے لئے کوئی جگہ پیدا ہو جائے تو مجھے یاد کر لینا۔ شما سے بھگوان پرسن ہوتا ہے۔ پھر تیرے لیے سکھ ہی سکھ ہے۔"

میں نے اپنی گردن زمین پر ڈال دی اور لڑھکنے کی کوشش کی، ایک قدم بھی نہیں رینگا جاتا تھا۔

میں امر لال کے مکان کے دروازے پر بے یارومددگار پڑا ہوا تھا اور میرے ہاتھ پیروں میں بالکل طاقت نہیں تھی۔ میں کوئی بوڑھا شخص تھا جو اپنی عمر گزار کر بستر مرگ پر پڑا آہیں کھینچ رہا تھا اور موت اسے نہ آتی تھی۔ اپنا گلا گھونٹ لینے کا یارا بھی نہیں تھا، اپنے ہاتھ سے منہ میں زہر انڈیلنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ زندگی میں بڑے اذیت ناک دن آئے تھے۔ تربینی داس نے بھی ایک بار مجھے ایسی ہی حالت سے دوچار کر دیا تھا مگر یہ اذیت اس سے کہیں سوا تھی۔ جسم پر نشتر چبھ رہے تھے اور ہاتھ پیر اینٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جلن، ٹیس، درد۔ اس کا کوئی نام بھی نہیں تھا۔ آخر فیصلہ ہو ہی گیا تھا۔ اور میں خود سے شرمندہ نہیں تھا۔ وہ منزل گزر گئی تھی جب ندامت اور پچھتاوے کا خیال آ جائے۔ میں بدری نرائن سے شاکی تھا نہ امر لال سے، نہ ان جنوں پر مجھے کوئی غصہ آتا تھا جو مجھ سے درخشاں اور زرافشاں کا انتقام لینے کے لئے یہاں تک پہنچ گئے تھے۔ مجھے افسوس تھا تو یہی کہ میری آنکھیں کھلی ہوئی کیوں ہیں اور میرے ہاتھ پیروں میں زندگی کی یہ رمق کیوں ہے؟ انہوں نے مجھے ختم کیوں نہیں کر دیا؟

میں نے گھسٹنے کا ارادہ کیا اور مجھے اندازہ ہوا کہ میرا جسم میرے ارادوں کے تابع نہیں رہا ہے۔ میں نے کوشش ترک کر دی اور امر لال کی چوکھٹ پر ہی پڑا رہا۔ بہت دیر بعد مجھے اپنے قریب سرگوشیوں کی گونج سنائی دی۔ کچھ لوگ مجھے اٹھا رہے تھے اور رام رام کا نام لے رہے تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ چند خاکروبوں نے میری زندہ لاش تھام رکھی تھی اور کچھ پنڈت دور کھڑے انہیں ہدایت دے رہے تھے کہ مجھے جلد سے جلد کہیں دور پھینک دیا جائے۔ میری ارتھی اٹھ گئی تھی اور مجھے کسی ایسی جگہ پھینک دیا گیا تھا جہاں ہر طرف غلاظت ہی غلاظت تھی۔ خاکروب نفرت سے منہ سکیڑ کر جا چکے تھے۔ نہ جانے

میں کب تک پڑا رہا۔ پھر اسی وقت میرے سر پر انکا وارد ہوگئی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور وہ کچھ نہیں بولی۔ مجھے اس کے خاموش رہنے سے ایک سکون سا محسوس ہوا اور میرا جی چاہا کہ وہ سر سے اتر کر میرے سینے سے لگ جائے۔ انکا تھوڑی دیر بعد رخصت ہوگئی اور میں پھر غنودہ ہوگیا۔ مجھے اس وقت کچھ ہوش آیا جب میں نے اپنا جسم چند اور لوگوں کے درمیان دیکھا۔ وہ مجھے اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک شخص حکم دے رہا تھا۔ مجھے انہوں نے ایک سرسبز جگہ ڈال دیا۔ میں پھر تنہا رہ گیا۔ انکا کچھ دیر بعد میرے سر پر آگئی۔ شاید اس نے مجھے غلاظت کے ڈھیر سے اٹھوالیا تھا۔ میرے لیے جگہ کی منتقلی کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس لیے کہ میرے حواس ان کی تمیز کرنے سے قاصر تھے۔ انکا میرے سر میں محبت سے انگلیاں پھیرتی رہی۔

"جمیل!" وہ بہت آہستگی سے بولی۔ "تمہاری حالت ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں بار بار چھوڑ کر جاسکوں لیکن تم سے جدائی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔"

میں خاموش رہا۔

"امر لال تمہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔" انکا نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "وہ ایک دھرماتما شخص ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ تم اس کے ساتھ رہو۔ اگر تم عارضی طور پر ہاں کر دیتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

میں نے چڑ کر اور کراہ کر اپنے ہونٹ سکیڑ لیے۔

"بہر حال جو کچھ ہوا، وہ تو ہوگیا۔" انکا نے نرمی سے کہا۔ "امر لال نے تمہیں ایک خاص مدت کے لئے مفلوج کر دیا ہے۔ کوئی بڑا دھرماتما ہی تمہیں اس تکلیف سے نجات دلا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ امر لال کو ناراض کرنے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بدری نرائن پھر سے میرے حصول کا جاپ شروع کر دے اور میں تمہاری معذوری ہی کے دنوں میں اس کے پاس چلی جاؤں۔" انکا رقت بھرے لہجے میں بولی۔

میں نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

"اب اگر میں آنند لال کے پاس جاتی ہوں تو امر لال اسے بھی کشٹ دے سکتا ہے۔ تمہاری رائے ہو تو میں ......" انکا کہتے کہتے رک گئی۔ "میں کلدیپ کے پاس چلی جاؤں اور اسے تمہارا حال بتاؤں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں کسی محفوظ جگہ ضرور پہنچوا دوں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں انکا کو مخاطب کیا اور کلدیپ کے پاس جانے سے سختی سے منع کیا۔ "ایک کام کر سکتی ہو؟" میں نے اشاروں میں کہا۔

"کیا! بولو؟"

"کسی ایسے شخص کو لے آؤ جو میری اذیتوں کا خاتمہ کر دے، وہ مجھے زہر دے دے۔ میں دردو

کرب کی شدید کیفیت میں مبتلا ہوں اور مرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ ایک آخری احسان اور کردو۔ میں نے اپنی شکست تسلیم کرلی ہے۔"

انکا کچھ نہیں بولی، ٹک مجھے دیکھا کی۔

میں اسی کرب سے دو چار رہا اور جسم گلنے لگا۔ آنے والے دنوں میں یہ تکلیف اور بڑھ گئی۔ لوگ میرے پاس آتے اور مجھے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈال دیتے اور پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ میں ریل گاڑی کے فرش پر بیٹھا ہوں اور میرے زخموں پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی ہے۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کسی اور محفوظ جگہ۔" انکا نے اداسی سے جواب دیا۔

"قبر سے محفوظ جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ آخر اسی جگہ جانا ہے، پہلے یا دیر سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

انکا جواب دینے کے بجائے میرے سر سے اتر گئی۔ جب وہ جواب دینا نہیں چاہتی تھی تو یہی کرتی تھی۔

مجھے یاد نہیں کہ میری لاش کہاں کہاں گھومتی رہی۔ زخموں نے رسنا شروع کر دیا تھا اور مجھے خوشی ہوتی تھی کہ میں موت سے قریب ہو رہا ہوں۔ اب اسٹیشن پر جب مجھے ایک گاڑی سے اٹھا کر دوسری گاڑی میں ڈال دیا گیا اور انکا واپس میرے سر پر آئی تو میں نے کہا۔ "تم میرے سر سے اتر جاؤ اور مجھے یہیں چھوڑ دو۔"

"کیوں؟" انکا معصومیت سے بولی۔

"تم بار بار لوگوں کے سروں پر جا کر اور مجھے امرلال سے دور پہنچانے کی کوشش میں میری موت مجھ سے دور کر رہی ہو اور میری تکلیفوں میں اضافہ کر رہی ہو۔"

"میں تمہاری تکلیفوں میں کمی کرنے کی غرض سے ایسا کر رہی ہوں۔" انکا روتے ہوئے بولی۔

"میں اپنی نجات کا ذریعہ جانتا ہوں۔ امرلال نے کہا تھا کہ اگر میں اس کے پاس واپس آنا چاہوں تو کسی وقت بھی آ سکتا ہوں مگر میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر تم خاموش رہو۔" انکا نے تحکم کے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔"

"تم ایک مفلوج آدمی ہو۔" انکا نے سختی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں، میرے سر سے چلی جاؤ، میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

انکا میرے سر سے اتر گئی اور مجھے پھر اجنبی لوگوں نے اٹھا کر ایک جگہ [illegible] منتقل کرنا

شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ہی انکا بھی میرے سر پر آتی رہی۔ میں نے اس سے کچھ کہنا چھوڑ دیا اور آخر وہ جگہ آ گئی جہاں انکا مجھے لانا چاہتی تھی۔ میں نے دیکھنا اور سننا بند کر دیا تھا مگر جب میرا جسم ایک جگہ رکھ دیا گیا تو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ایک سرسبز پہاڑی مقام تھا، میں اس جگہ سے مانوس تھا۔ اوپر وہ بلند پہاڑی نظر آتی تھی جہاں پریتم لال گیان دھیان کرتا تھا اور اب جہاں کلدیپ رہتی تھی۔

میرے پاس جتنے آنسو تھے، شاید وہ خشک ہو چکے تھے۔ آنکھیں خشک ہو جائیں تو پھر کوئی کیا کرے؟ غم آنکھوں کے ذریعے بہہ جاتا ہے اور کبھی آنکھوں ہی میں مر جاتا ہے لیکن جب انکا میری لاش گھسیٹتی ہوئی میسور کے پہاڑی مقام، سادھو پریتم لال کے دھارمک استھان پر لے آئی تو نہ جانے کہاں سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری آب دیدہ نظریں اوپر کی جانب مرکوز تھیں، جہاں اب کلدیپ رہتی تھی۔ ایک خوب صورت راہبہ۔ پریتم لال جیسے مہان سادھو کی جانشین۔ دنیا میں سب سے زیادہ ایثار پیشہ عورت۔ میرے جسم میں اگر ذرا بھی طاقت ہوتی اور میرے ارادے میرے تابع ہوتے تو میں کبھی کلدیپ کے استھان کا رخ نہ کرتا جبکہ میں اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ کلدیپ جیسی بڑی طاقت ہی مجھے امرلال کے سراپ سے نجات دلا سکتی ہے۔ انکا میرے منع کرنے اور ناراض ہونے کے باوجود مجھے اس جگہ لے آئی تھی جو میرے لیے ممنوعہ علاقے کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا گیا تھا۔ نئی زندگی میں رچی بسی، ریس اور کلب کی شوقین، پونا کے ایک سیٹھ کی حسین ترین لڑکی کلدیپ نے تپسیا میں ایسا دھیان لگا لیا تھا اور خود کو اتنا منقلب کر لیا تھا کہ اس میں اپنے محبوب کو ٹھکرانے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے نیچے اترنے سے انکار کر دیا تھا اور میں نے کبھی دوبارہ اوپر نہ جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بے بسی اور مجبوری میری پلکوں پر تھرتھرا رہی تھی۔ سینے پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، میرے ارادے کیا؟ میرے عہد و پیمان کیا؟ سوچتا کچھ تھا، ہو کچھ جاتا تھا، ایک معذور شخص اپنے مسیحا کے پاس چارہ گری کے لئے لایا گیا تھا۔ شاید اس کے سرد دل میں کوئی حرارت پیدا ہو اور اسے میری حالت پر ترس آ جائے؟ میں خود کسی رحم کا طالب نہیں تھا، میں انکا کے رحم و کرم پر تھا۔ خاکروب اور قلی میرے جسم کی غلاظت کا ڈھیر اِدھر سے اُدھر منتقل کرتے رہے تھے۔ جو شخص بولنے اور حرکت کرنے سے معذور ہو، جس کے جسم پر زخم رس رہے ہوں اور جو اپنے آپ کو پہچاننے سے بھی قاصر ہو، وہ کیا چاہے گا؟ انکا نے یہاں لا کر مجھے اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ مجھے کہیں چھوڑ دیتی تو بڑا احسان کرتی۔ میں پڑے پڑے سڑ جاتا۔ ایک وقت تھا کہ پریتم لال کے استھان پر جست لگاتا ہوا پہنچ جاتا تھا۔ اب مجھے اٹھانے کے لئے چار آدمی درکار تھے۔ میں انکا سے فریاد ہی کر سکتا تھا اور وہ بھی خاموش فریاد کیونکہ مجھے قوت گویائی سے محروم کر دیا گیا تھا۔ انکا میرے دل کی بات پڑھ لینے کی قدرت رکھتی تھی۔ اس جگہ پہنچ کر میں نے اسے بے بسی کی نظر [illegible] منتقل کر [illegible] تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "انکا!

اب اور ذلیل کرنا کیوں چاہتی ہو؟"

وہ ہمدردی اور مایوسی سے بولی۔ "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"مجھے واپس لے چلو انکا۔ میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں۔" میں نے اس کی منت کی۔

"کلدیپ اگر چاہے تو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے لئے کیا ہے۔"

"میں زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ تم میری بات کیوں نہیں سنتیں؟"

"میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔" انکا کے لہجے میں عزم تھا۔

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں، مجھے یہاں سے واپس لے چلو۔" میں نے تنگ آ کر کہا۔ "تم میرا حکم مان کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرو گی۔"

"میں تمہارا حکم ماننے سے انکار کرتی ہوں۔" انکا تلملا کر بولی۔ "جو کچھ ہو رہا ہے، وہ تمہاری حماقتوں کی سزا ہے۔ میں نے ہر موقع پر تمہیں خبردار کیا تھا مگر تمہارے تو مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ تم نے امر لال کو کھلونا سمجھ لیا تھا۔"

"میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ اب کچھ یاد دلا کر زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔ بس ایک آخری بات مان لو۔ مجھ سے یہ کوڑھی جسم سنبھالا نہیں جاتا، اب میری موت ہی میری نجات ہے۔"

"چپ رہو۔" انکا تنک کر بولی۔ "مجھے کچھ سوچنے دو۔"

"کیا تم میری درخواست پر غور کر رہی ہو؟" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ میں اوپر جانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ کلدیپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تم یہاں تک آ گئے ہو۔ پھر وہ نیچے کیوں نہیں آئی؟ میں اس کے استھان پر جھانک نہیں سکتی کیونکہ اس کی کٹیا خاک اور دھول میں گم ہے۔ مجھے اندر کا منظر نظر نہیں آ رہا ہے۔" انکا تشویش ناک انداز میں بولی۔ "دیکھو جمیل! تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔ میں اوپر جا کر دیکھتی ہوں۔ شاید کلدیپ کسی جاپ میں مصروف ہے۔ اس کی زندگی میں جاپ، تپیا اور گیان دھیان کے سوا کیا رہ گیا ہے، تم یہیں لیٹے رہو۔"

"وہ نیچے آنا چاہتی تو اب تک آ جاتی۔" میں نے کہا۔ "دیکھ لینا تم اوپر سے مایوس لوٹو گی۔ کلدیپ اگر جاپ میں مصروف نہ ہوئی تو بھی نیچے آنے سے انکار کر دے گی۔ وہ بڑی سنگ دل ہو گئی ہے۔"

"تم اسے مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" انکا نے جارحانہ انداز میں کہا۔

"انکا! میں جمیل احمد خان ہوں۔ مجھے پہچانو۔" میں نے غصے سے کہا۔

"اور میں بھی انکا ہوں۔ مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہی خواہ ہوں۔" انکا نے تیزی سے کہا پھر

برق رفتاری سے میرے سر سے پھدک کر اتر گئی۔ میں کراہتا اور فریاد کرتا رہ گیا۔ میری سرد آہیں ہی میرے ساتھ رہ گئی تھیں۔ معاً ایک خیال تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا۔ میں جس مقام پر پڑا تھا، وہاں ایک خطرناک ڈھلان موجود تھی۔ بہ مشکل ایک گز کا فاصلہ ہو گا۔ تمام مصائب سے چھٹکارا پانے کے لئے میرے پاس یہ آخری موقع تھا، میں نے حسرت بھری نظروں سے کلدیپ کے استھان پر نظر ڈالی۔ لمحوں میں قصہ تمام ہو سکتا تھا، کسی کو دفنانے کی زحمت بھی نہ ہوتی۔ گو میں اپنے جسم کو حرکت دینے سے قاصر تھا لیکن موت اتنے قریب دیکھ کر میرے معطل جسم میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے جسم کی رہی سہی قوتیں آزمائیں لیکن خاصی دیر میں مشکل سے ایک انچ سرک سکا اور اس کے بعد میری ہمت ہی جواب دے گئی۔ مرنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے کوشش جاری رکھی۔ ہمت جواب دینے کا مطلب بھی موت سے قریب ہے۔ کاش موت اسی کشمکش میں آ جاتی۔ میری نظروں کے سامنے اندھیرا پھیلنے لگا۔ میں نے وہ اندھیرا بڑھانے کے لئے پھر اپنا ناتواں جسم اکٹھا کیا۔ اچانک دھم سے انکا میرے سر پر آ گئی۔ "تم میری موجودگی میں اس طرح نہیں مر سکتے۔" وہ ناراضی سے بولی۔

میں نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ انکا تنہا آئی تھی۔ میں نے اس سے یہ پوچھنا تک مناسب نہیں سمجھا کہ کلدیپ اس کے ساتھ نیچے کیوں نہیں آئی۔ مجھے اس کے نہ آنے سے ایک خاص قسم کا سکون محسوس ہوا۔ انکا خود ہی بولی۔ "وہ شاید یہاں نہیں ہے۔ اس کی کٹیا کے گرد منڈل بنا ہوا ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ یہاں ہوتی تو ضرور آتی، ممکن ہے وہ کسی تیرتھ استھان پر گئی ہے۔"

"وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہو گی کیونکہ اس میں بڑی شکتی ہے۔ ایک بار اس نے تزئین کو بھی یہاں لا کر تمہاری نگاہوں سے دور کر دیا اور یاد ہے، اسی استھان پر پریتم لال کے کہنے سے تم نے میرا خون بھی پیا تھا؟ یہاں پریتم لال کی آتما منڈلاتی رہتی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم کئی بار مجھے یہ طعنہ دے چکے ہو۔" انکا ناکامی سے بوکھلائی ہوئی تھی۔ "اب کیا، کیا جائے؟"

"مجھے چھوڑ کر کسی اور کے سر پر چلی جاؤ۔"

انکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی تھی اور مایوسی سے سر ہلا رہی تھی۔

"ایک بات کہوں؟"

میں خاموش رہا تو وہ بولی۔ "امر لال کے پاس چلتے ہیں۔ وہ تمہارے واپس پہنچنے سے خوش ہو گا۔ تم اس کے چیلے بن جانا، جیسا کہ اس نے پیش کش کی تھی۔" وہ خوابیدہ انداز میں بولتی رہی۔ "پھر جب وہ تمہاری شکتیاں واپس کر دے تو تم اسے اعتماد میں لینے کی کوشش کرنا اور موقع کی تلاش میں رہنا۔ تمہاری صرف ذرا سی غفلت سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ اگر اب بھی تم محتاط ہو جاؤ تو بدری اور امر لال دونوں کا قصہ

پاک کر کے اپنا انتقام لے سکتے ہو۔ کیا خیال ہے؟'' انکا نے میری آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

''تم پاگل ہوگئی ہو۔ امر لال کو اتنا بے وقوف سمجھ لیا ہے؟ اب میں کسی سے انتقام لینا نہیں چاہتا۔ فیصلہ ہو چکا ہے۔''

''فیصلہ ابھی کہاں ہوا ہے جمیل!'' انکا طیش میں بولی ''مگر...... مگر یہ کلد یپ کہاں گئی؟''

''ممکن ہے مر گئی ہو؟'' میں نے تلخی سے کہا۔

انکا کلد یپ کے نہ ملنے سے بڑی جز بز نظر آتی تھی۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں کلد یپ کے سامنے ذلیل ہونے سے بچ گیا۔ حالانکہ اس حالت میں عزت و دولت کا احساس ہی نہیں رہتا۔

انکا کچھ دیر تک تلملاتی اور مجھ سے اذیت ناک بحث کرتی رہی۔ پھر کچھ کہے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ میں تکلیف سے سسک رہا تھا۔ یکا یک مجھے اپنے قریب کوئی ہیولا نظر آیا۔ میں سمجھا، کلد یپ آ گئی ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا مگر وہ کلد یپ نہیں تھی۔ کلد یپ کیوں ہوتی؟ وہ چند آدمی تھے جو انکا کے زیر اثر آئے تھے۔ انہوں نے ناک بند کر کے مجھے اٹھا لیا۔ اب وہ مجھے پریتم لال کے استھان سے دور لے جا رہے تھے، شہر کی طرف۔

انہوں نے مجھے ایک جگہ لے جا کر رکھ دیا اور چلے گئے۔ وہاں سے کچھ اور آدمیوں نے مجھے اٹھا کر بس میں ڈال دیا۔ پھر بس سے اتار کر مجھے اسٹیشن پہنچا کر ایک گاڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ میں نے انکا سے کچھ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے؟ اب ایسا کون سا مقام رہ گیا تھا جہاں وہ مجھے لے جاتی؟ راستوں پر راستے گزرتے رہے۔ ایک ٹرین سے دوسری ٹرین۔ ایک مقام سے دوسرا مقام۔ اس کشمکش میں میرے زخم دکھنے لگے تھے۔ ان میں پیپ پڑ گئی تھی۔ میں کئی جگہ بے ہوش ہوا۔ لوگ میرا تعفن برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ میں نے سفر کے دوران میں انکا سے بڑی منت سماجت کی۔ اس بے حس کو اپنے دکھوں کا احساس دلایا مگر وہ مسلسل چار دن تک مجھے نہ جانے کہاں کہاں پھراتی رہی؟ کئی مقام جانے پہچانے تھے۔ میں اتنا اندازہ لگا سکتا تھا کہ انکا کا رخ جنوب سے مشرق کی طرف ہے۔

اور مشرق کا وہ شہر آ گیا۔ میں جب اسٹیشن سے شہر میں لایا گیا تو شہر کے نقوش مانوس لگے۔ پھر میں نے بدھوں کی عظیم بستی بدھ گیا کے پگوڈا اور اسٹوپا دیکھے تو مزاحمت شروع کر دی۔ انکا نے میری سنی ان سنی کر دی۔ بدھ گیا کی بستی میری دیکھی بھالی تھی۔ مجھے دو مزدور اٹھائے ہوئے تھے۔ میرا جسم ایک شکستہ چارپائی پر بلک رہا تھا۔ وہ مجھے بدھ گیا کہ بستی کی طرف لے جا رہے تھے۔ بستی سے چند قدم کے فاصلے پر انکا میرے سر پر آ گئی اور بڑے کرب کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی ''جمیل! میں تمہیں یہاں چھوڑے جا رہی ہوں۔ کلد یپ کے استھان کے بعد یہی ایک محفوظ استھان تھا جہاں تمہیں سکون مل سکتا ہے۔'' انکا کے لہجے سے غم ٹپک رہا تھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھی، کہنے لگی۔ ''بدھ بھکشو یقیناً تم پر ترس کھائیں گے اور تم

یہاں صحت یاب ہو جاؤ گے۔ میں بدھ گیا کے باہر ٹھہر کر تمہارا انتظار کروں گی کیونکہ میں اندر نہیں جا سکتی۔ جب تم واپس آؤ گے تو مجھے دوبارہ اپنے سر پر پاؤ گے بشرطیکہ کوئی بدمعاش پنڈت میرے حصول کا جاپ کرنے سے باز رہے۔ میری جان! اندر دل لگا کے رہنا۔ لوگوں کو دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ چاہے تم بدری نرائن اور امر لال سے انتقام نہ لو مگر میں تمہیں صحت مند دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر کبھی شک نہ کرنا۔ راستے میں تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے، مجھے معاف کر دینا، اپنا خیال رکھنا، اچھے ہو جاؤ گے تو تمہیں میری یاد آئے گی پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ میں تم سے قریب رہوں گی۔'' انکا درد بھرے انداز میں کہتی رہی۔ چلتے وقت اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا۔

میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ مزدور بدھ گیا کی بستی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میری چارپائی ایک کھلی جگہ ڈال دی اور حیرانی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ میں ابھی بڑے مندر کے باہر ہی تھا۔ بدھ بھکشو ایک خستہ حال اور کوڑھی اجنبی کو اپنی بستی میں دیکھ کر سرگوشیاں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں میرے گرد بھکشوؤں کا ٹھٹ لگ گیا۔ میرا چہرہ ہی بدل گیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے کئی مجھ سے واقف تھے مگر وہ مجھے پہچانتے کیسے؟ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے، میں زبان سے جواب دینے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آنکھوں سے جواب دینے کی کوشش کرتا۔ پتلیاں حرکت کرتیں اور پھر بے بسی سے ٹھہر جاتیں۔

''یہ شاکیہ منی کی امان میں آیا ہے۔ اسے کسی محفوظ جگہ منتقل کر دینا چاہئے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔'' ان میں سے ایک بھکشو بولا۔

''شاکیہ منی اسے معاف کریں۔ آؤ ہم اسے اٹھاتے ہیں۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھا کر ٹین کے ایک سائبان میں ڈال دی پھر مجھے دیکھنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ میں اپنی اس حالت سے بہت پریشان تھا۔ کبھی آنکھیں بند کر لیتا، کبھی آنکھیں کھول لیتا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا، آخر ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ اسے دیکھ کے میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ ناگرا تھا۔ میرا جوان دوست جس نے پہلے بدھ گیا میں مجھے اپنی کٹیا میں رکھا تھا اور میرے ساتھ بڑی محبت کا برتاؤ کیا تھا۔ ناگرا غور سے میرا چہرہ دیکھتا رہا اور میرے رستے ہوئے زخموں کی پروا کیے بغیر میرے سرہانے بیٹھ گیا ''جمیل احمد خان!'' وہ جذباتی انداز میں بولا۔ ''یہ تم ہو میرے دوست؟''

میں نے آنکھیں میچ لیں۔

''ہاں تمہی ہو۔ تمہیں یہ ہو کیا گیا ہے؟ اف تمہاری کیسی بری حالت ہے۔ تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ او شاکیہ منی۔ میرے دوست پر رحم کر۔'' ناگرا بے تابی سے بولتا رہا۔ اس نے میرے بڑھے ہوئے بال اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیے۔ ''اٹھاؤ، اسے اٹھاؤ۔'' وہ بھکشوؤں سے مخاطب ہوا۔ ''اسے میری کٹیا میں رکھ

دو۔ یہ نندا کا چیلا ہے۔ کمپالا نے اسے نندا کے پاس بھیجا تھا۔ سنا ہے اس نے گیان دھیان میں کمال کر دیا تھا...... اٹھاؤ...... اٹھاؤ۔''

بھکشوؤں نے میری چارپائی اٹھالی اور مجھے ناگرا کی کٹیا میں پہنچا دیا۔ دوسرے بھکشوؤں نے میرے لیے جلد از جلد ایک آرام دہ بستر تیار کیا اور میرے ہاتھ پاؤں پکڑ کر مجھے اس پر منتقل کر دیا گیا۔

''تم تو بول بھی نہیں سکتے۔'' ناگرا بے چینی سے بولا۔

میں نے سکون کا ایک سانس لیا اور دیر تک اپنی آنکھیں بند کیے رکھیں لیکن اس وقت میری چیخیں نکل گئیں جب ناگرا نے میرے زخم اپنے ہاتھوں سے دھونے شروع کیے اور ان پر مرہم لگایا۔ کراہوں، سرد آہوں اور چیخوں کے سوا میں ناگرا کو کیا بتا سکتا تھا؟ ناگرا نے اپنا لباس مجھے پہنایا اور میرے حلق میں دوا ٹپکائی۔ وہ بے چارہ یہی سمجھتا رہا کہ میری یہ حالت طبعی ہے۔ رات گئے چراغ کی ٹمٹماتی روشنی میں اس نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور میں آنکھیں کھول کے اور بند کر کے سوالات کے ایسے جوابات دیتا رہا جو ہاں یا نہیں میں دیے جا سکتے تھے۔ خاصی جدوجہد کے بعد اسے میری حالت کا صحیح اندازہ لگانے میں کامیابی ہوئی۔ میری آنکھیں اپنے دکھ وضاحت سے بیان نہیں کر سکتی تھیں۔ میں اس کے سوالوں پر جھنجلا گیا۔ یہ بات ناگرا نے محسوس کر لی۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا تم سونا چاہتے ہو؟''

میں کہنا چاہتا تھا کہ نیند ی میری آنکھوں میں کہاں؟ اس تکلیف میں کیسے نیند آ سکتی ہے؟ میں تو بے ہوش ہی ہو سکتا ہوں لیکن میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ناگرا خاموشی کے ساتھ میرے پاس سے ہٹ گیا پھر اس نے میرے جسم پر چادر ڈال دی۔ میں ابھی نہیں سویا کیونکہ وہ گوتم بدھ کی مورتی کے سامنے میری سلامتی کے لیے بھکشا مانگ رہا تھا۔ وہ شاکیہ منی سے مخاطب تھا، مجھے معلوم تھا کہ مورتی کٹیا کے کس کونے میں رکھی ہے۔ ناگرا کب تک جاگتا رہا، یہ مجھے پتا نہیں، میں آخر شب بے ہوش ہو گیا تھا۔

مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کتنے دن بیت گئے۔ میں آنکھیں کھولتا تو کبھی دن ہوتا، کبھی رات، کبھی کمرے میں تنہا ہوتا، کبھی ناگرا کو اپنے سرہانے بیٹھا دیکھتا۔ کٹیا کی چھت ہی میری نگاہ کا مرکز تھی۔ ہاں جب ناگرا اپنا چہرہ میرے سامنے کرتا تو میں اسے دیکھ لیتا یا اپنے بارے میں گوتم سے اس کی فریاد سن لیتا۔

شروع شروع میں ناگرا خود ہی یہ کوشش کرتا رہا کہ اس کی عبادتوں سے میری حالت ٹھیک ہو جائے مگر میری اذیت اور اس کی پریشانی بڑ ھ رہی۔ آخر اسے مندر کے بڑے بھکشوؤں کو میری دست گیری کے لئے لانا پڑا۔ یہ چادر پوش راہب اِدھر سے اُدھر گوتم کی تعلیمات عام کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔ وہ ایک ہی لمحے میں میرا حال جان گئے۔ انہوں نے ناگرا کو تفصیل سے بتایا کہ میں ان حالوں کو کیوں پہنچا ہوں؟ میں نے ضبطِ نفس، ترکِ لذت اور عفو و درگزر کی تعلیم بھلا دی تھی اور دنیوی آلائشوں میں پڑ گیا تھا۔ ناگرا نے نندا اور کمپالا جیسے مہان بھکشوؤں سے میرے تعلق کا حوالہ دے کر ان

سے مدد کی درخواست کی۔ بدھ بھکشو کھڑے ہوئے کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے سے کچھ کہا اور کٹیا سے رخصت ہو گئے۔ ناگرا بھی ان کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

واپس آ کر ناگرا نے مجھے دلاسا دیا کہ انہوں نے اس کی درخواست قبول کر لی ہے۔ اس نے بتایا کہ ان سب کو شاکیہ منی کا قرب حاصل ہے اور وہ غیر معمولی قوتیں رکھتے ہیں۔ انہوں نے صرف محبت کرنا سیکھی ہے۔ وہ معاف کرنے اور بھلائی کا موقع دینے کے ہمیشہ خواہاں رہتے ہیں، جلد ہی وہ میرے دکھوں کا مداوا کر دیں گے۔ جس دن بدھ بھکشوؤں کا یہ گروہ ناگرا کی کٹیا میں مجھے دیکھنے آیا تھا اور ناگرا کو میری صحت مندی کا یقین دلایا تھا اسی دن تبت سے بدھوں کی درس گاہ کا عالم کمپالا بھی گیا، میں آ گیا۔ یہ خبر مجھے ناگرا نے بہت جذبات میں سنائی۔ مجھے صدمہ ہوا کہ اب کمپالا کے سامنے میری ندامت سے لبریز آنکھیں اٹھیں گی۔ کمپالا نے تبت میں مجھے نصیحتیں کی تھیں اور اپنے دوست نندا کے پاس تربیت کے لیے بھیج دیا تھا۔ وہ میرا محسن تھا۔ میں کمپالا سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ میری باطنی صفائی صرف اس کی وجہ سے ہوئی تھی۔ میں نے اس کا کہا نہیں مانا اور اپنا قلب گندا کر لیا۔

کچھ ہی دیر بعد کمپالا اس کے ساتھ کٹیا میں آ گیا۔ کمپالا اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ میں نے یہ تبدیلی محسوس کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ ندامت سے بچنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔

''آنکھیں کھولو جمیل احمد خان! دیکھو، کٹیا میں کون مہاپُرش آیا ہے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کمپالا جی آئے ہیں۔'' ناگرا نے عقیدت سے کہا۔

''نہیں، یہ آنکھیں بند رہنے دو۔'' کمپالا کی آواز گونجی۔

''کمپالا جی!'' ناگرا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''کمپالا جی۔ میں اپنے دوست کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ میں ناکام ہو گیا۔ میں نے صبح بڑے مندر کے بھکشوؤں سے پرارتھنا کی تھی۔ وہ یہاں پدھارے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کے لئے شاکیہ منی سے سفارش کر دیں گے۔ اب تم آ گئے ہو، تمہی کوئی اپائے کرو۔'' ناگرا مجھ سے پھر بولا۔ ''جمیل احمد خان! کمپالا جی آئے ہیں۔''

میں نے اپنے چہرے پر کسی کی سانسیں محسوس کیں اور مجبوراً آنکھیں کھول دیں۔ کمپالا مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ میری پلکیں تھرتھرانے لگیں۔ دل امڈ آیا پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کمپالا دیر تک ہر زاویے سے میرا جسم دیکھتا رہا پھر اس نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ میرے لیے آنسو روکنا مشکل ہو گیا۔

کمپالا نے ایک گہری سانس لی۔ ناگرا میرے سلسلے میں اسے ہموار کرنے میں پیش پیش تھا۔ کمپالا نے انگلی کے اشارے سے روک دیا۔ وہ چپ ہو گیا۔ کمپالا مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کی آواز بڑی گمبھیر تھی ''یہ تجھے بار بار کیا ہو جاتا ہے؟ تُو تو وہیں ہے جہاں پہلے تھا بلکہ کچھ اور پیچھے چلا گیا۔ تو نے مجھے بھی

Downloaded from Paksociety.com

شرمندہ کیا۔ تو نے نندا کی آتما کو بے چین کیا ہے۔ اس نے تجھے اپنے خون میں نہلایا تھا۔" میں جواب میں کیا کہہ سکتا تھا؟ کمپالا ہی بولتا رہا۔ "تیری آنکھیں زیادہ روشنی میں چندھیا گئیں۔ تو نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ تو کتنا بلوان ہے؟ تیری شکتی دکھی لوگوں کے کام آنی چاہیے تھی۔ اب تیرے سارے جسم پر میل ہی میل ہے۔ سچ اور حق کا فیصلہ کرنے کا اختیار تجھے کب ہے؟ تیرا کام تو معاف کرنا ہونا چاہیے تھا۔" کمپالا نے کہا۔ میں نے سختی سے آنکھیں بھینچ لیں۔ اس نے کہا۔ "جانتا ہے نندا کہاں سے آیا تھا؟ نندا خود ان سے ناراض ہو کر ہی تو شاکیہ منی کی شرن میں آیا تھا جہاں ایک ابدی سکون ہے، جہاں ٹھنڈک ہے، جہاں کوئی راون نہیں۔ ہم سب گائیں ہیں جو شاکیہ منی کے تھان سے بندھ گئی ہیں۔ نندا نے تو تجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔" کمپالا افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "جو کسی کا ہاتھ نہیں پکڑتے، تنہا رہتے ہیں۔ اگر تو شاکیہ منی کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیتا تو کبھی راستہ نہ بھولتا، تجھے تو انہوں نے پکل دیا ہے۔ اگر شاکیہ منی کا نہیں تو کسی اور کا...... اپنے کسی دھرماتما کا ہاتھ پکڑ لیتا۔ پر تیرا من اشانت ہی رہا، تو کسی جگہ تو ٹھہرتا۔"

میں نے اضطراب میں آنکھیں پٹ پٹائیں۔ میں اس سے کہنا چاہتا تھا۔ "بس کرو کمپالا، بس کرو۔ اور زہر نہ انڈیلو۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔ مجھے اتنی سزا اور دے دو کہ میرے حواس فنا ہو جائیں۔ میرا گلا دبا دو، میرے جسم پر چڑھ کر اچھلو کودو، ان آنکھوں سے روشنی چھین لو جو بہک جاتی ہیں۔ ان کانوں میں سیسہ بھر دو جو ابھی بن سکتے ہیں۔ ہر آواز، ہر روشنی کا دروازہ بند کر دو۔ مجھے مار ڈالو۔"

کمپالا شاید میری کیفیت سے آگاہ ہو گیا کیونکہ وہ ایک بڑا بھکشو تھا۔ وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میں سمجھا جیسے گوتم کی مورتی زندہ ہو گئی ہے اور اپنا دست شفقت میرے جسم پر دراز کیے ہوئے ہے۔ وہ کمپالا تھا جو سکون، سکوت، قناعت، عفو اور رحم کا پیکر تھا۔ کمپالا کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ تبت کی اس خانقاہ سے تعلق رکھتا تھا جہاں انسان کو اس کے اندر سے پہچاننے کی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ ایک بت تھا جو چپ چاپ سب کچھ دیکھتا رہتا ہے اور ٹوٹ بھی جاتا ہے اور کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ امر لال نہیں تھا جو بدری نرائن جیسے نیچ اور ذلیل شخص کی پشت پر کھڑا ہو گیا تھا۔ کمپالا نے مجھے بدری نرائن کو معاف کر دینے کی نصیحت کی تھی مگر امر لال نے بدری نرائن کی بد طینتی کو اور ہوا دی تھی۔

کمپالا دکھ بھرے لہجے میں مجھ سے مخاطب تھا، وہ مسکراتا ہوا کٹیا سے نکل گیا اور ناگرا کو بھی ساتھ لے گیا۔ اسے کچھ دور تک پہنچا کر ناگرا میرے پاس آ گیا اور رات بھر شاکیہ منی کی تعلیمات کی تلقین کرتا رہا۔ وہ رات بھر نہیں سویا بلکہ گوتم بدھ کی مورت کے سامنے پرارتھنا میں مصروف رہا۔ میں سمجھا شاید میرا آخری وقت آ گیا ہے اور ناگرا اپنی دانست میں میری نجات کے لئے دعائیں پڑھ رہا ہے۔

سورج روشن ہونے سے بہت پہلے کمپالا نے کٹیا کے دروازے پر دستک دی۔ ناگرا نے اپنی پرارتھنا ختم کر کے دروازہ کھول دیا۔ کمپالا نے ناگرا سے کچھ کہا جسے میں سن نہیں سکا پھر ناگرا کے باہر جانے اور کمپالا کے مورتی کے سامنے بیٹھنے کی آواز آئی پھر ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ کمپالا مراقبے میں ڈوب گیا تھا۔ اس کی سانسوں کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایسی خاموشی کا میں عادی تھا پھر بھی اس وقت مجھ پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔

سورج چڑھنے کے بعد ناگرا واپس آ گیا۔ اس نے مسکرا کے میری طرف دیکھا اور میرے ماتھے پر خاک مل دی۔ اس کے آتے ہی کمپالا نے اپنا مراقبہ ختم کر دیا۔ "تم نے اپنا کام کر لیا؟" اس نے بھاری بھر کم آواز میں کہا۔

"ہاں کمپالا جی! میں اس گھڑے میں یہ پوتر جل لے آیا ہوں۔" ناگرا نے جوش میں کہا۔

"اس کے کپڑے اتار دو۔" کمپالا نے میرے متعلق حکم دیا۔

ناگرا نے مشکل سے مجھے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا۔ زخموں میں حرکت ہوئی تو میری سسکیاں نکل گئیں۔ "بس جمیل احمد خان! ہمت سے کام لو۔" ناگرا نے کہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ جملہ مجھ سے انکا کہہ رہی ہو۔ ناگرا نے مجھے ایک طرف سے اٹھایا تو کمپالا نے لباس اتارنے میں اس کی مدد کی۔ اب میرا جسم کھری چارپائی پر سمٹا پڑا تھا۔ ناگرا نے میری ٹانگیں سیدھی کرنی چاہیں۔ کمپالا نے منع کر دیا۔ ناگرا اپنا کام نمٹانے کے بعد سامنے کھڑا ہو گیا پھر کمپالا نے اپنے ہاتھ سے میرے جسم پر پانی ڈالنا شروع کیا۔ پانی برف کی طرح میرے جسم پر لگا۔ ساتھ ہی کمپالا کے ہاتھ بھی میرے جسم سے مس ہونے لگے تھے۔ وہ زور زور سے کوئی عمل پڑھ رہا تھا جس میں بار بار شاکیہ منی کا ذکر آتا تھا۔ کمپالا اپنے کام میں پوری طرح محو تھا۔ اس نے سر سے پیر تک میرے جسم کا ہر حصہ پانی سے تر کر دیا۔ وہ میرے زخم اس طرح پھوڑتا رہا جیسے معمولی چھالے ہوں۔ میں درد و کرب سے چیختا رہا۔ کٹیا میں اتنا شدید تعفن پھیل گیا کہ معمولی حس شامہ کا شخص بھی ہوتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

میرے جسم پر بے شمار زخم تھے۔ کمپالا کے ناخن نشتر کا کام کر رہے تھے۔ وہ پہلے پانی ڈالتا پھر پھوڑے پھوڑتا، پھر ان کی پیپ پانی میں بہا دیتا۔ میرے حلق سے عجیب و غریب قسم کی خوف ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ جب وہ میرے اگلے حصے کے زخم پھوڑ چکا تو اس نے ناگرا کو میری پشت سامنے کرنے کا اشارہ کیا۔ اس عمل کے درمیان میں اس نے اور ناگرا نے کوئی بات نہیں کی تھی، نہ ہی میری چیخوں پر کمپالا نے مجھے تسلی دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے عمل کا تسلسل توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ناگرا نے خاموشی کے ساتھ مجھے اٹھا کر سینے کے بل لٹا دیا۔ کھلے ہوئے زخموں پر جب چارپائی کی بان چبھی تو یہ اذیت دوچند ہو گئی۔ کمپالا نے پشت پر بھی اسی جراحت سے کام لیا۔ رفتہ رفتہ اس نے میرے سارے زخم

Downloaded from Paksociety.com

کھول دیئے۔ وہ بڑی احتیاط سے پانی خرچ کر رہا تھا۔ جب تک اسے یقین نہیں ہو جاتا تھا کہ زخم پھوٹ گیا ہے، وہ پانی نہیں ڈالتا تھا، اس نے مجھے ایک چادر میں لپیٹ دیا۔ مجھے کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہوئی۔ پھر کمپالا نے سر سے پیر تک میرے جسم کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور اسے میری ناف پر قطع کر دیا۔ ناگرا نے سعادت مندی سے ایک اور برتن پیش کیا۔ اس میں خاک تھی۔ چادر ہٹا کر کمپالا نے وہ خاک میرے جسم پر مل دی۔ وہ خاک ڈالنے کے ساتھ ساتھ پھونکتا بھی جا رہا تھا۔ مجھے ایسا سکون محسوس ہوا جیسے میرے جسم پر کسی نے نرم نرم ریشم ڈال دیا ہو۔ پہلی بار میں نے اپنی ٹانگ کو حرکت دی۔ میری ٹانگ کھل گئی تھی۔ پھر میں نے ہاتھ کو حرکت دی۔ میں اپنا ہاتھ بھی ہلا سکتا تھا۔ میں نے جوش مسرت میں کمپالا کے ہاتھ پکڑے اور بولنا چاہا لیکن الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ کمپالا نے اپنی انگلی میرے ہونٹوں پر رکھ دی اور ہونٹ سہلاتا رہا۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔ کمپالا کی تیز نظروں میں کوئی ایسی کشش تھی کہ وہ مجھے اپنے جسم کے پار ہوتی محسوس ہوئیں۔ اس نے میرے حلق میں کوئی محلول ٹپکایا۔ محلول میرے سینے کی نالی میں تیزاب کی سی کاٹ کرتا ہوا خون میں مدغم ہو گیا۔

میں نے چیخنا چاہا۔ میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ ”کمپالا! کمپالا میرے حلق سے آواز آ رہی ہے۔ میں بول سکتا ہوں، میں بول سکتا ہوں۔“

ناگرا بھی میرے قریب آ گیا۔ ”میرے دوست جمیل احمد خان! کمپالا جی نے تمہارے جسم سے پُراسرار شکتیوں کا میل اتار دیا ہے۔ اٹھنے کی کوشش کرو، تم اب صحت یاب ہو گئے ہو۔“ ناگرا نے میرے بازو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

”کمپالا، کمپالا!“ میں نے ہذیانی عالم میں کہا۔ ”تم نے مجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے آسانی سے ضائع نہیں کروں گا۔“

کمپالا کے ہونٹوں پر ایک لطیف تبسم ابھرا۔ اس نے شادمانی کے انداز میں میرے گال پر تھپکیاں لگائیں۔ ”زندگی کون کسے دے سکتا ہے پاگل لڑکے۔ اب تو اچھا ہو گیا ہے۔ نیکی ایک چھت ہے، جو اس کے نیچے ہے، وہ محفوظ رہتا ہے۔“

میں نے اپنے ہاتھوں پیروں کو جنبش دینی چاہی۔ میرے تمام اعضا میرے ارادوں کے تابع ہو گئے تھے۔ مجھے شدید ناتوانی اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی مگر میں اٹھ بیٹھ سکتا تھا، میں نے اٹھ کر کمپالا کے جسم سے لپٹ جانا چاہا مگر اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے لیٹے رہنے کا حکم دیا۔ ”تمہیں آرام کی ضرورت ہے، آرام کرو اور سوچتے رہو۔“

میں نے کہا ”کمپالا جی، میں نے خود کو مردہ تصور کر لیا تھا، تم نے دوبارہ میرے تن مردہ میں روح پھونک دی ہے پر......“ میں کہتے کہتے اداسی سے خاموش ہو گیا۔

”پر سب کچھ تیرے اوپر منحصر ہے۔“ کمپالا نے ٹھہراؤ کے ساتھ کہا۔

”ہاں۔ مگر تم باہر کے لوگوں کو کیا کہو گے۔ ناانصافی اور ظلم تو تم دیکھ نہیں سکتے۔ میں نے بھی گناہ کیے ہیں مگر میری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہے۔ میں نے انہیں معاف کرنا چاہا مگر وہ خود میرے راستے کی دیوار بن گئے۔“ میں نے مچل کر کہا۔

”تو دیوار کے اس طرف ہی رہتا پگلے! اب تو آرام کر۔ میں چلتا ہوں۔ ناگرا، اس کا خیال رکھنا، جب یہ ٹھیک ہو جائے تو اسے چلا جانے دینا۔“ کمپالا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ میں تمہارے ساتھ تبت چلوں گا۔ اب میں یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ کمپالا، اب“...... میں نے صدق دل سے کہنا چاہا مگر کمپالا اٹھ کر مسکراتا ہوا کٹیا سے باہر چلا گیا۔ شاید اسے میری بات کا یقین نہیں تھا۔ میں اس کی نظروں میں ایک بے اعتبار شخص تھا۔

☆......☆......☆

کمپالا کے اس حیران کن عمل کے بعد رفتہ رفتہ میری حالت سدھرتی گئی۔ ناگرا نے میری توانائی بحال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میں اس کی دیکھ بھال، محبت اور خلوص سے اٹھنے کے قابل ہو گیا۔ کمپالا بھی دو ایک بار مجھے پوچھنے آیا۔ وہ بھکشوؤں کے ایک گروہ کو جاپان لے جانے کے لئے تبت سے آیا تھا اس لیے دو ہفتے گیا میں ٹھہر کر روانہ ہو گیا۔ کمپالا کو بڑے مندر سے رخصت کرتے وقت میں پہلی بار کٹیا سے باہر نکلا۔ کمپالا کی نظروں میں میرے لیے ایک پیغام تھا۔ میں نے پُرامید اور احترام کی نظروں سے اسے یقین دلایا۔ وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں ایک ارادے سے ناگرا کی کٹیا میں آیا اور میں نے اسے بدھ گیا کہ کسی نسبتاً اجاڑ اور خاموش پگوڈا میں چلنے کو کہا۔ بدھ گیا کے بستی کی نوعیت میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ناگرا مجھے ایک تنہا مقام پر لے آیا۔ یہاں میں نے اور اس نے مراقبوں کی مشق شروع کی۔ ناگرا کو طویل مراقبوں کی عادت نہیں تھی۔ میرا استغراق دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا اور اس نے میری تقلید کی۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ ہم دونوں بڑے مندر میں صرف گاہے گاہے جاتے عموماً یہیں بیٹھ کر طویل مراقبے کرتے رہتے۔ میں کمپالا کی روانگی کے کوئی ایک ماہ بعد پوری طرح چاق و چوبند ہو گیا تھا اور میں نے بدھ گیا کے بعض بھکشوؤں میں اپنی مشقوں کی وجہ سے خاصی مقبولیت حاصل کر لی۔

شاید کئی چاند نکلے، کئی موسم بیت گئے، کمپالا جاپان سے واپس آیا اور مجھے اور ناگرا کو چند نکتے بتا کے تبت چلا گیا۔

☆......☆......☆

سردی کا زمانہ تھا۔ ناگرا اور میں بدھ گیا کی ایک کٹیا میں سکون سے زندگی گزار رہے تھے۔ میرا اشار

Downloaded from Paksociety.com

بدھ بھکشوؤں کی فہرست میں نہیں ہوا تھا کیونکہ میں بڑے مندر میں صرف ایک وقت جاتا تھا جب
شنا سا بھکشو سے ملنا ہو۔ ناگرا اور عظیم بدھ راہبوں کی خانقاہوں میں درس سننے کے باوجود میں نے شا
منی کے سامنے کبھی پرارتھنا نہیں کی، میں اسے ایک مصنوعی عمل سمجھتا تھا۔ ناگرا اپنے حال میں مست تھا
اور میں اپنی کھال میں۔ میں نے شاکیہ منی کی تعلیمات دلچسپی سے سنیں مگر کبھی ان پر تنقید نہیں کی اور نا
نے کبھی مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں گوتم کی مورتی کے سامنے مراقبہ کیوں نہیں کرتا؟ البتہ ان مسلسل
روحانی اعمال کے درمیان مجھے سید مجذوب کا چہرہ یاد آ جاتا تھا جس کا باطن بہت طاقتور تھا۔ وہ گندے نیازا
کپڑوں میں گلیوں میں گھومتا رہتا تھا۔ اس کے اندر غیر معمولی کشش تھی۔

پھر ناگرا نے اپنی روحانی رفعتیں محسوس کر کے زیادہ تر بڑے مندر میں رہنا شروع کر دیا جہاں بدھ
کی عظیم مورتیاں نصب تھیں۔ یہ کوئی محسوس کرنے والی بات نہیں تھی۔ مجھے اس بات سے مسرت ہوئی تھی
کہ ناگرا میں اب اعتماد پیدا ہو گیا ہے۔ میری زندگی کے باقی دن بدھ گیا میں کٹ جاتے یا کسی ویران
پہاڑی مقام پر بسر ہو جاتے مگر قسمت کو یہ منظور نہیں تھا۔

میں ایک ہفتے کے طویل مراقبے میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب فارغ ہوا تو میں نے خلاف توقع، آنند
لال کو اپنے قریب دیکھا۔ وہ ایک تھم سے سر لٹکائے اداس بیٹھا تھا۔

"تم...... تم؟" میں نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

"ہاں میں، جمیل بھائی! آنندلال۔" آنندلال نے بہت دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"تم یہاں کیسے آ گئے؟ خیریت تو ہے، کہو کیا بات ہے؟" آنندلال کے چہرے پر تشویش کے
آثار دیکھ کر میں نے تردد سے پوچھا۔

"آپ نے تو پلٹ کے خبر بھی نہ لی۔" آنندلال گلوگیر آواز میں بولا۔

"میری چھوڑو، اپنی سناؤ۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں؟" میں نے فکرمندی سے پوچھا۔

"مجھے کبھی پتا نہ چلتا کہ آپ بدھ گیا میں ہیں۔ اگر پتا چلتا تو میں کبھی کا آپ کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔
مجھے انکا نے بتایا تھا۔" آنندلال نے رقت سے کہا۔

"انکا نے بتایا تھا، کیا انکا ابھی تک آزاد ہے؟"

"وہ بدھ گیا کے دروازے سے باہر عرصے سے آپ کی منتظر ہے۔ آپ کے ساتھ ساتھ وہ ہماری
خبر بھی رکھتی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا......" آنندلال کچھ کہتے کہتے رو پڑا۔

"کہو آنندلال! تم رک کیوں گئے؟ کیا کوئی سانحہ ہو گیا؟ تم یقیناً کوئی بری خبر لائے ہو۔ بتاؤ نا
آنندلال؟" میں نے اس کے بازو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں اور سید غوث، رکن الدین کی بیماری کی خبر سن کر گلبرگہ گئے ہوئے تھے۔" آنندلال کی آواز

بیٹھی ہوئی تھی۔

"پھر......؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"واپس آئے تو پتا چلا تزئین گھر میں نہیں ہے۔ ہر طرف ڈھونڈا مگر کہیں نہیں ملی۔ معلوم ہوا کہ بِن
علی نامی کوئی بدمعاش اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے، میں مالا کے ساتھ شادی کے بعد سے عملی زندگی بسر کر
رہا تھا اور اس زندگی سے خوش بھی تھا۔ چنانچہ میں کوشش کے باوجود یہ نہ جان سکا کہ تزئین کہاں ہے اور
اسے کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟ انکا کو یہ خبر ہوئی تو وہ بھاگی بھاگی میرے پاس آئی اور اس نے بتایا
کہ یہ ذلیل کام بِن علی نے کیا ہے جو لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔"

آنندلال کا باقی بیان میں نہیں سن سکا۔ مجھے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ تزئین، میری بیٹی...... بِن علی کے
نرغے میں تھی۔ بِن علی تنہا یہ جرات نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً زرافشاں اور درخشاں کے عاشق جنوں نے
انتقام لینے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔

"آپ کہاں گم ہو گئے جمیل بھائی!" آنندلال نے مجھے ٹوکا۔

"آنندلال!" میں نے لرزتے ہوئے کہا۔ "وہ پھر مجھے گھسیٹ رہے ہیں۔"

"کون؟" آنندلال حیرت سے بولا۔

"کوئی نہیں، کوئی نہیں۔" میری زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ "کمپالا، مجھے معاف کر دو۔ مجھے یہاں سے
جانا ہی ہو گا۔ اب میں کس طرح یہاں رک سکتا ہوں۔" میں نے بڑے مندر کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

"چلو آنندلال، اٹھو۔"

آنندلال میری صورت اور ہذیانی حالت دیکھتا رہا پھر مجھ سے وہاں بیٹھا نہیں گیا۔ میں نے اندر
جا کر ناگرا سے بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ جسم کی برف جیسے کسی نے آگ پر رکھ دی تھی۔
ہاتھوں پیروں میں ایک تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ میں کوئی خوں خوار درندہ تھا جو شکار پر جھپٹنے کے لئے پر تول رہا
ہو۔ سینہ جلنے لگا تھا۔ میری خفقانی حالت سے راستے میں ملنے والے بھکشو بھی متحیر ہوئے، بے شمار
مورتیوں کی نگاہیں میری طرف تھیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پورا بدھ گیا مجھے روک رہا ہے اور میں
ان سے نظریں بچا کر بھاگ رہا ہوں۔ میں بھاگ کر بدھ گیا کی بستی سے باہر آ گیا۔ انکا میرے سر پر
آ گئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بے قابو ہو کر تحیر اور خوشی سے بولی۔ "تم تو بالکل
تندرست ہو گئے جمیل!"

"مجھے واقعات بتاؤ انکا! بِن علی نے یہ گستاخی کیسے کی؟" میں نے انکا کی بات نظرانداز کر کے
کہا۔

"بِن علی تو نیم پاگل ہو گیا ہے۔" مجھے سنجیدہ دیکھ کر انکا کے چہرے پر چھائی ہوئی مسرت کافور

ہوگئی۔ وہ آہستگی سے بولی۔ ’’آنند لال اور سید غوث کی عدم موجودگی میں ان شیطان جنوں نے ڈین ...کے ذریعے تزئین کو غائب کرادیا۔ وہ جن عرصے سے تمہارے منتظر ہوں گے۔ جب تم بدری نرائن، تلاش کررہے تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا تھا، امرلال کے ہاں بھی۔ انہوں نے زرافشاں، درخشاں کی بات بھلائی نہیں ہے۔ جب تم انہیں نہیں ملے تو انہوں نے تزئین کو اٹھا کر اپنا بدلا لے لیا اور اب نہ جانے......‘‘

’’چپ رہو انکا! زبان سنبھال کر بات کرو۔‘‘ میں نے گرج کے کہا۔ ’’تزئین کے جسم پر خراش بھی آئی تو ہر طرف خون بہے گا۔ میں اس کمینے کی حویلی راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردوں گا۔ میں اس کی نسلوں کا خون پی جاؤں گا۔‘‘ مجھے اپنے لہجے پر قابو نہیں رہا تھا اور میری آواز ابھرنے لگی تھی۔ میرے جسم کے ہر خانے میں کوئی آتش فشاں چھپا بیٹھا تھا جو فشار کرنے لگا تھا۔ میں جو منہ میں آیا کہتا چلا گیا۔

’’میں نے وہاں جانے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں بہت سے جنوں کا قبضہ ہے۔ پھر میں نے آنند لال کو پکڑا۔ یہ گیان دھیان اور تپسیا سب کچھ چھوڑے بیٹھا تھا اس لیے تزئین کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرسکا اور میں اسے فوراً تمہارے پاس لے آئی۔ مجھے یقین تھا کہ تم صحت مند ہوگئے ہوگے مگر تم باہر کیوں نہیں آئے؟ تم نے بڑا انتظار کرایا۔‘‘ انکا روہانسی ہوکر بولی۔

’’آہ انکا۔ سوچتا تھا، چلو جو ہوگیا، سو ہوگیا۔ بدھ گیا میں بڑا سکون ہے، یہیں مر جاؤ۔ مجھے معلوم تھا کہ تم دروازے پر کھڑی میرا انتظار کررہی ہوگی لیکن میں جان بوجھ کر باہر نہیں آیا۔‘‘ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

’’تم مجھے اپنی صورت تو دکھا جاتے۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان تھی۔ میں اندر کے حال سے ناواقف تھی۔ تم نے بہت ستایا ہے۔‘‘

’’میں نے کمپالا سے خود ہی وعدہ کیا تھا حالانکہ اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔ وہ مشروط معافی نہیں دیتے، نہ مشروط ترس کھاتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ.........لیکن انکا، اگر ایسا وقت کمپالا پر پڑتا تو وہ کیا کرتا؟‘‘

’’میں آنند لال کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے سکون میں مخل نہ ہوتی۔ خود ہی انتظار کرتی رہتی مگر یہ بات ہی ایسی تھی کہ تمہیں پھر اس جہنم میں لانا پڑا۔ اس بار کوئی رعایت مت کرنا جمیل!‘‘ انکا نے میری چنگاریوں کو ہوا دی۔

آنند لال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ میں انکا سے گفتگو کررہا ہوں، میری رفتار تیز تھی۔

’’وہ بدبخت کہاں ہے؟‘‘ میں نے آنند لال سے پوچھا۔

’’سنا ہے دلی کی کسی شکستہ حویلی میں موجود ہے۔ اس جگہ پر بے شمار جنوں کا سایہ ہے۔ انہوں نے اسے وہیں رکھا ہے۔‘‘ آنند لال نے افسردگی سے جواب دیا۔

’’وہ سب ناہنجار اور نابکار جن ہیں۔ ان میں کوئی معزز جن نہیں ہے۔ میں انہیں پہلے دیکھ چکا ہوں، ان سے نمٹ لیا جائے گا۔ ہمیں پہلی گاڑی سے دہلی روانہ ہو جانا چاہیے۔‘‘ میری مٹھیاں بھنچنے اور کنپٹیاں جلنے لگیں۔ ’’آنند لال۔ تزئین کی طرف غلط نظروں سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لی جائیں گی، ابھی تو میں زندہ ہوں۔‘‘

’’سوچ لو بھیا، کوئی ایک جن ہوتا تو میں بھی دیکھ لیتا۔ کئی جنوں سے سابقہ ہے۔ انہوں نے اسے دلی میں کچھ سوچ سمجھ کر ہی رکھا ہوگا۔ سنجیدگی سے غور کرلو، پہلے ہمیں کہیں بیٹھ کر کوئی اپائے ڈھونڈنا چاہیے۔‘‘ آنند لال نرمی سے بولا۔

’’سوچنا کیا ہے آنند لال! اپنی ناموس پر آنچ ہوئی ہے۔‘‘ میں نے اسے سرزنش کی۔ ’’ہمیں فوراً ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو جانا چاہیے۔ ہمیں وہاں تک جانا ہوگا جہاں تک وہ فرار ہوسکیں۔‘‘

’’میں تو خود اسی لیے آیا ہوں۔ سید غوث کی حالت بہت نازک ہے۔ وہ پاگل ہوگیا ہے۔ مجھے اس کی فکر کھائے جارہی ہے، جمیل بھائی! تمہاری بدولت ہم لوگ بہت محبت اور سکھ سے رہ رہے تھے۔ اچانک یہ افتاد آپڑی۔‘‘ آنند لال تاسف سے بولا۔

’’انکا! تم سید غوث کے سر پر جاؤ۔‘‘ میں نے بلند آواز میں انکا کو حکم دیا۔ ’’اور اسے دلاسا دو کہ میں بدھ گیا سے باہر آگیا ہوں۔ ادھر ہم دلی کی طرف کوچ کرتے ہیں۔‘‘

’’میں چلی جاتی ہوں لیکن میری مانو تو مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔ تمہیں شاید میری ضرورت پڑے۔ میں ایک آدھ جگہ کام آسکتی ہوں۔‘‘

’’نہیں، تمہاری ضرورت پڑی تو تمہیں بلا لیا جائے گا اور تم لمحوں میں آجاؤ گی۔ سید غوث کو سنبھالنا ضروری ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، تم کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں مگر تم عقل و ہوش سے کام لینا۔ اب بہت وقت گزر گیا ہے۔ بچوں کی سی جلدی اور بوڑھوں کا سا تامل کرنا۔‘‘ انکا نے کہا۔

انکا مجھے مشورے دیتی ہوئی میرے سر سے اتر گئی۔ آنند لال اور میں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے گیا سے دور ہوگئے، پھر دلی جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

بدھ گیا میں مجھے ایک سال سے زیادہ مدت گزر چکی تھی حالانکہ یہ دن بڑی یکسانی، خاموشی کے تھے لیکن ان کے گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ زندگی کی گاڑی بہت آگے کھنچ گئی تھی، گیا میں رہنے کے

بعد وقت کچھ پیچھے کھسک گیا تھا اور میں خود کو زیادہ توانا اور تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ آنند لال کا بھی یہی خیال تھا کہ میرے چہرے سے گزرے وقت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ سب سکون و قناعت کی زندگی کا ثمر تھا۔ اگر آنند لال نہ آتا تو شاید میں کبھی باہر نہ نکلتا۔ اس نے آ کے میرے خانۂ سکوں میں نقب لگائی تھی، تزئین میری نرگس کی ہم شکل تھی اور وہ میری بیٹی تھی جس کے لئے میں نے نہ جانے کتنے دکھ اٹھائے تھے، اسے کہاں کہاں سے بچایا تھا؟ اس کے لئے لکھنؤ میں خون بہایا، سزائیں کاٹیں، اس کے لئے زندگی کے عذاب جھیلتا رہا۔ خود وہ میری خاطر پریتم لال کے استھان کی تنہائیوں میں انتظار کی مشقت سہتی رہی۔ مجھے حیرت تھی کہ کلدیپ کتنی خود غرض ہو گئی ہے۔ آخر تزئین اس کی بیٹی بھی تو تھی کیونکہ اس نے اسے اپنے استھان پر پناہ دی تھی اور بیٹیوں کی طرح اس کی حفاظت کی تھی۔ اس نے تزئین کی خبر بھی نہیں لی؟ کلدیپ تو ایک خواب ہو گئی تھی۔ اس سے شکوہ بے کار تھا، ساری غلطی میری تھی کہ میں دوبارہ بن علی کی حویلی میں کیوں گیا اور میں نے اپنی بہن رخسانہ کا شرم ناک واقعہ بھلا کیوں نہیں دیا؟ میرے نفس کی آوارگیوں کی سزا تزئین کو ملی تھی۔ نہ جانے اس کا پھول سا چہرہ کیسا ہو گا؟ نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہو گی؟ میں گاڑی میں بیٹھا اس کا چہرہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار وہ مجھے ٹرین ہی میں ملی تھی۔ اس کا لہجہ شائستہ، اس کے اطوار شستہ تھے، اتنی ذہین، اتنی حسین، اتنی نازک اندام۔ آہ میری بیٹی، میری جان! میری آبرو۔ میری آنکھیں نم ہو گئیں۔ گھبراؤ مت، میں آ رہا ہوں۔ میں آ رہا ہوں۔ ایک ذرا انتظار کر لو۔ میں بے خبری میں خود کلامی کر رہا تھا اور آنند لال خاموشی سے ایک طرف بیٹھا تھا، ڈبے میں اور بھی کئی مسافر تھے۔ مجھے گاڑی کی رفتار پر غصہ آ رہا تھا، کہیں بھی ٹھہر جاتی تھی۔ کسی ویران جگہ، کسی اسٹیشن یا سگنل پر۔

جب میری بے چینی حد سے تجاوز کر گئی تو آنند لال نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے میرا دھیان بٹانا چاہا۔ راستے میں بہت سے مسافر اتر گئے تھے۔ فرسٹ کلاس کے اس کمپارٹمنٹ میں اب میں اور آنند لال تنہا رہ گئے تھے۔ آنند لال نے مجھے کاندھے سے پکڑ کر لٹانا چاہا اور کہنے لگا۔ ''جمیل بھائی! ہمیں آپ سے بڑی شکایت ہے۔ آپ نے ہمیں اپنا شریک غم نہیں سمجھا۔''

''آنند لال! شکایتوں کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔ میں ایک بدقسمت آدمی ہوں۔ میں کبھی کسی کا نہیں ہو سکا۔ اس وقت میرے ذہن پر تزئین سوار ہے۔ کچھ اور مت کہو، میں تم سے تمام خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں۔'' میں نے جزبز ہو کے کہا۔

آنند لال پھر نشست سے چپک کر بیٹھ گیا۔ رات ہو گئی تھی اور گاڑی کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی تھی۔ میں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا کہ کسی اسٹیشن پر گاڑی رک گئی۔ میں نے آنند لال سے پوچھا۔ ''کون سا اسٹیشن ہے؟''

آنند لال نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ''لکھنؤ ہے۔''

''لکھنؤ! میں نے اچھل کر کہا۔ ''لکھنؤ یہاں گاڑی دیر تک رکتی ہے۔ آنند لال! ٹھہرو، ہم یہیں اترتے ہیں۔''

''مگر ہمیں تو دلی جانا ہے؟'' آنند لال نے تشویش سے پوچھا۔

''نہیں، پہلے ہم لکھنؤ اتریں گے۔ میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ تم اپنے گرد حصار قائم کر لو۔ کچھ یاد رہ گیا ہے یا سب بھول گئے؟''

''اتنی باتیں تو خیر یاد ہیں۔'' آنند لال نے جواب دیا۔ ''مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ آپ نے ارادہ کیوں بدل دیا ہے؟''

''میرا ہاتھ پکڑ لو اور خاموشی کے ساتھ اسٹیشن سے باہر چلے چلو۔ میرا ہاتھ مت چھوڑنا اور چھوٹ جائے تو قریب رہنے کی کوشش کرنا۔'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

آنند لال نے مزید کوئی استفسار کیے بغیر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ لکھنؤ کا اسٹیشن روشنیوں میں نہا رہا تھا۔ ہم گیٹ سے باہر آ گئے اور ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ لکھنؤ کے بازار اور کوچے سامنے تھے۔ میں نے یادوں کے دریچے بند کر دیے اور ایک جگہ تانگا رکوا دیا۔

تانگے سے اتر کر کچھ فاصلے تک پیدل چلنے کے بعد ہم ایک شکستہ حویلی کے سامنے تھے۔ بڑے دروازے پر سناٹا تھا۔ صرف ایک دربان سو رہا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا اور دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا، دروازہ چرمرا کر کھل گیا۔ گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ اس لیے سناٹے میں دروازہ کھلنے کی آواز دور تک گونج گئی۔ اندر داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ بن علی کی حویلی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے باہر رک کے آنند لال سے پوچھا۔ ''تمہیں کچھ نظر آ رہا ہے؟''

''نہیں، میں صرف یہ عمارت دیکھ رہا ہوں۔''

''یہ بن علی کی حویلی ہے جو تمہاری ناموس تزئین کو لے گیا ہے۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔ حصار مت توڑنا، اندر جنوں سے ملاقات ہو گی۔ ممکن ہے انہیں پہلے کی سزا یاد ہو اور وہ دوبارہ سامنے آنے سے گریز کریں پھر ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔'' میں نے کہا۔

آنند لال نے آگے بڑھنا چاہا مگر میں اپنی جگہ کھڑا تھا۔ ''ٹھہرو!'' یہ کہہ کے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے اندر ڈوب گیا۔ چند لمحوں کے ارتکاز کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور آگے بڑھنے لگا۔ نچلی منزل کا حصہ مقفل تھا۔ باقی حصے میں چند ملازمین سوئے ہوئے تھے۔ وہ سوتے ہی رہ گئے۔ ہم دونوں آسانی سے اوپر کی منزل پر پہنچ گئے۔ اوپر کی منزل سے ایک چھوٹا زینہ زرافشاں درخشاں کے کمرے تک جاتا تھا۔ میں زینے ہی پر رک گیا پھر میں نے کسی قدر بھاری آواز میں کہا۔ ''بدمعاشو! میں

آ گیا ہوں اور اس بار میرا کام دوسرا ہے، میں انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحمت کی کوشش کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

میں ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ انکا دھم سے میرے سر پر آ گئی۔ "شاید تمہیں میری ضرورت پڑے۔" انکا نے کہا۔

"سید غوث کیسا ہے؟"

"میں اسے بمشکل سلا کے آئی ہوں۔"

"تمہیں اس کے پاس رہنا چاہیے تھا، تم یہاں کیوں آ گئیں؟"

"میں جلد ہی واپس چلی جاؤں گی۔ واقعی مجھے اس کے پاس رہنا چاہیے۔" انکا نے سادگی سے کہا۔

"کیا اس کی حالت بہت نازک ہے؟"

"میرے جانے کے بعد کچھ سنبھلا ہے۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ آج وہ سامنے نہیں آ رہے ہیں، کیا بات ہے؟"

"وہ ضرور کوئی مزاحمت کریں گے۔ ممکن ہے وہ تزئین کے پاس ہوں۔ میں چونکہ حصار میں ہوں اس لیے انہیں میرے آنے کی خبر نہیں ہوئی ہو گی۔"

"میں خاموش ہوتی ہوں، تم ایک بار پھر انہیں آواز دو۔"

"مجھے دیکھ رہے ہو شیطانو! میں آ گیا ہوں۔ سنتے ہو؟ میں دروازہ کھول رہا ہوں۔" میں نے آواز لگائی لیکن کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں ہوا۔ ہاں زینے میں سے کسی کے اوپر آنے کی آہٹ ہوئی اور "کون ہے، کون ہے؟" کی صدائیں آنے لگیں۔

وہ ایک ملازم تھا۔ وہ مزید سیڑھیاں نہیں چڑھ سکا۔ وہیں ٹھٹک کے رہ گیا۔ میں نے زرافشاں اور درخشاں کے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے ٹٹولا۔ مجھے کچھ فاصلے پر سرسراہٹ سی سنائی دی۔ آنندلال بھی چوکنا ہو گیا۔ "لڑکیاں تنہا نہیں ہیں۔" انکا بولی۔

"آنندلال، دروازہ کھولو۔" میں نے حکم دیا۔

آنندلال نے دروازے پر ایڑ لگائی۔ "دروازہ کھلنا مشکل ہے، انہوں نے اسے دیوار سے ملا دیا ہے۔"

"انکا! تم اندر جانے کی کوشش کرو۔"

انکا میرے سر سے تھوڑی دیر کے لئے اتری پھر ناکام واپس آ گئی۔ "اندر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"راستہ کیوں نہیں ہے؟" میں نے دروازے کے درمیانی حصے پر اپنی انگلی سے مختلف اشکال بنائیں اور ایک لمحے تک پوری طرح ساکت رہا پھر میں نے آنندلال سے کہا کہ وہ اب دروازے پر زور کرے۔ دروازے پر آنندلال کے جسم کا بوجھ پڑا ہی تھا کہ وہ مختلف جگہوں سے ٹوٹ گیا۔ کمرے کے اندر سے چیخیں سنائی دیں۔ ہولناک نسوانی چیخیں لیکن سارے کمرے میں اندھیرا تھا۔ "وہ لڑکیوں کے اردگرد کھڑے ہیں۔" انکا نے کہا۔

"ہٹ جاؤ۔ لڑکیوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔" میں نے چیخ کر کہا۔ "او رحیق، انہیں میرے حوالے کر دے۔"

"رحیق یہاں نہیں ہے۔" کسی نے بارعب آواز میں کہا۔

"سامنے آؤ کم بختو۔ یہ اندھیرا کیوں کر رکھا ہے؟"

"ہم نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔"

"میں تمہاری اوقات جانتا ہوں۔" میں بہت احتیاط سے آواز کی سمت آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ "کیا روشنی کے لئے مجھے یہ ساری حویلی نذرِ آتش کرنی پڑے گی؟" وہ میرے حصار کے اردگرد کھڑے تھے۔

"تمہیں اس کی مہلت نہیں ملے گی۔" کسی نے جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں، مان جاؤ۔" میں نے انہیں للکارا۔

"تم ٹھیک سمت میں جا رہے ہو۔" انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

"اندھی! کیا میں ان تک پہنچ بھی نہیں سکتا۔ کیا یہاں میں جھک مارنے آیا ہوں؟" اندھیرے میں سہمے ہوئے دو سائے مجھے نظر آئے۔ وہ زرافشاں اور درخشاں تھیں۔ ان کی سسکیاں روکنے کی کوشش میں جن بھی ناکام ہو گئے تھے۔ جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمارا حصار ٹوٹ گیا کیونکہ یہاں انہوں نے خود ایک دائرہ کھینچا ہوا تھا۔ اسی وقت افراتفری مچ گئی۔ مجھے ان گنت ہاتھ اپنے گردن، سینے اور ٹانگوں سے لپٹے ہوئے محسوس ہوئے۔ آنندلال بھی چیخنے لگا پھر وہ نمودار ہو گئے۔ وہ تعداد میں کئی تھے۔ ان میں رحیق نہیں تھا۔ انہوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیر لیا۔ مجھے کچھ وقفہ درکار تھا اس لیے میں نے ان کی یلغار روکی نہیں۔ میں خاموش کھڑا رہا کسی پتھر کی طرح منجمد۔ انہوں نے عجلت کے ساتھ مجھے رسی سے باندھ دیا۔ میں پڑھتا رہا۔ اسی وقت انکا میرے سر سے اتر گئی اور درخشاں چیختی ہوئی میرے پاس آ گئی۔ جنوں نے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ مجھ سے چمٹ گئی۔ میں نے چپکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے سر پر انکا موجود تھی۔ جنوں نے اس کا ہاتھ چھڑانے کی بے حد کوشش کی مگر ناکام رہے۔ دوسرے ہی لمحے انکا زرافشاں کو بھی میرے قریب لے آئی۔ اسے آنندلال نے پکڑ لیا۔ درخشاں کے سر سے چونکہ انکا اتر گئی

تھی اس لئے اس نے بری طرح دہاڑیں مارنی شروع کر دی تھیں۔ میں اسے عرصے میں اپنا کام کر چکا تھا۔ میرے ایک ہی بل سے رسیاں ٹوٹ گئیں اور میرا ہاتھ مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ میں نے درخشاں کو اپنے بازو سے لگالیا اور پھر سے اس تمام شوروشغب میں ایک لمحاتی نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جن بار بار مجھ پر اور آنندلال پر حملہ کر رہے تھے، آنندلال مجھ سے چمٹا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں زرافشاں کا ہاتھ تھا۔ ہم سب ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ اچانک حویلی میں کوئی چنگاری سی لپکی اور اس نے کمرے کے ایک کونے میں آگ کی شکل اختیار کر لی۔ "چلو۔" میں نے آنندلال کو اشارہ کیا۔ "اب کوئی ہمیں پریشان نہیں کر سکتا۔ جن ہولناک چیخوں کے ساتھ ہم سے اچانک دور ہو گئے اور ان کی گرجتی برستی دیواریں ہم سے کچھ فاصلے پر ہو گئیں۔ وہ اب ہمارے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ ہمیں دوبارہ ہاتھ لگانے کی جسارت کرتے تو میرے ہاتھ میں آ جاتے۔ میں بھی چاہتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک میرے قابو میں آ جائے۔ میں نے بہت پھرتی سے جنوں کی توجہ آگ کی جانب مبذول کر کے ایک موقع حاصل کر لیا تھا کہ میں اور آنندلال اور لڑکیاں ان کی زد سے محفوظ رہیں۔ وہ مجھ سے کچھ فاصلے ہی پر رہے اور مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر ہماری جانب پھینکنے لگے۔ ان میں سے کوئی میری دسترس میں نہیں آیا۔ واپسی کے وقت میری رفتار تیز نہیں تھی۔ میری خواہش تھی کہ کوئی ایک ہاتھ لگ جائے تو میں اسے رحیق کی طرح باندھ کر لے جاؤں لیکن آگ پھیلتی جا رہی تھی، انکا نے عجلت کا مطالبہ کیا۔ آنندلال بھی گھبرا گیا تھا۔ درخشاں کی وحشت نے اور الجھا رکھا تھا۔ کمرے میں آگ تھی اور شور تھا۔ سلامت جان کی حویلی کا منظر مجھے یاد آ گیا۔ یہ قیمتی ساز و سامان، یہ فانوس، یہ منقش دیواریں۔ یہ محرابیں سب کچھ صبح تک ملبے میں تبدیل ہو جائے گا۔ کمرے کے دروازے سے ہم سیڑھیوں پر آ گئے۔ سیڑھیوں پر ایک قیامت سی بچ گئی۔ درخشاں بین کر رہی تھی۔

میں بڑے دروازے کے بجائے عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ جن ابھی تک ہمارے تعاقب میں تھے اور کسی موقع کی تاک میں تھے۔ اس بدقسمت حویلی میں مزید زور آزمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ ایسے صدہا مواقع پر عدم احتیاط سے میں نے شدید ترین نقصانات اٹھائے تھے۔ بن علی کے آباء کی شاندار اور وسیع حویلی کا نام و نشان مٹ رہا تھا۔ میں نے حویلی سے باہر آنے میں عجلت کی اور باہر آ کے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا، میں نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا کہ تم اپنی کثرت تعداد کے باوجود کچھ نہیں کر سکے۔ میں ان دونوں لڑکیوں کو لے جا رہا ہوں۔ رحیق سے کہہ دینا وہ میری بیٹی کو صحیح و سلامت اس کے گھر پہنچا دے ورنہ یہ دونوں لڑکیاں بخیر نہیں ملیں گی اور خود اسے بھی کسی جگہ امان نصیب نہ ہو گی۔ سمجھے؟ اسے بتا دینا اور زیادہ شوروشغب اور شعبدے بازی سے بچنا۔"

حویلی پر ایک الوداعی نظر ڈال کر میں درخشاں کا ہاتھ پکڑے پکڑے تیزی سے چلنے لگا۔ میرے بالکل قریب آنندلال زرافشاں کے ساتھ تھا۔ انکا زرافشاں کے سر پر تھی اور سامنے لکھنؤ کی گلیاں تھیں، سنسان، خاموش، اندھیری گلیاں مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ ہمیں کوئی نہ دیکھ پاتا۔ درخشاں کسی وقت بھی شور مچا سکتی تھی، یوں بھی ہم بڑی مشکوک حالت میں سفر کر رہے تھے۔ درخشاں اور زرافشاں کے سر پر برقع بھی نہیں تھا۔ لکھنؤ کی دو حسین لڑکیوں کے ساتھ اتنی رات گئے گھومنے کا مطلب بڑی آسانی سے لوگ نکال سکتے تھے۔ آنندلال بار بار میرے چہرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا مگر میں ایسے بے شمار واقعات میں گھر چکا تھا۔ میں نے درخشاں کا ذہن معطل کر دیا۔ اب وہ ایک سدھائے ہوئے جانور کی طرح میری انگلی کے سہارے چل رہی تھی۔

اب ہم کہاں جائیں؟ چچا جان کے گھر؟ نہیں چچا جان سے تمام امور کی وضاحت کون کرتا پھرے گا۔ پھر کسی ہوٹل میں؟ صبح تک پولیس ہمارے تعاقب میں فعال ہو چکی ہو گی۔ اس لیے لکھنؤ کے کسی ویران مقام پر قیام کرنا چاہیے یا جلد سے جلد لکھنؤ چھوڑ دینا چاہیے۔ سوچتے سوچتے اور اپنے آپ کو چھپاتے ہوئے میں نے انکا سے مدد لی اور اسے جلد سے جلد کوئی گاڑی فراہم کرنے کا حکم دیا۔ انکا چند لمحے غور کرتی رہی، مجبوراً مجھے ایک چھوٹے سے منتر کے ذریعے زرافشاں کو بھی درخشاں کی طرح معطل کرنا پڑا کیونکہ انکا اب اس کے سر پر مقیم نہیں رہ سکتی تھی۔ ویسے میری سحر کار آنکھیں ہی کافی تھیں۔ لڑکیاں پہلے ہی اپنے ہوش و حواس میں کہاں تھیں جو اب مزاحمت کرتیں؟ میں اور آنندلال ایک دیوار کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ انکا زرافشاں کے سر سے جا چکی تھی۔ آنندلال بھی گم صم تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک ہمیں اس گندے مقام پر بیٹھنا پڑا۔ پھر یکایک گلی میں ایک کار نمودار ہوئی۔ میں سمجھ گیا کہ انکا آ گئی ہے، میں نے آنندلال کو اشارہ کیا۔ ڈرائیور رات کے لباس میں تھا، اس نے بڑے ادب سے دروازہ کھولا۔ میں اگلی نشست پر اور آنندلال اور لڑکیاں پچھلی نشست پر اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"کیا سوچا ہے؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"گاڑی کتنی دور تک چل سکتی ہے؟"

"نئی گاڑی ہے، سوڈیڑھ سو میل تو آرام سے چلی جائے گی۔"

ڈرائیور نے سعادت مندی سے کہا، وہ انکا کے زیر اثر تھا۔

"نہیں، ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر کیا رائے ہے؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"اس وقت کیا بجا ہے؟"

"ڈیڑھ بج رہا ہے۔" ڈرائیور نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، گاڑی گرانڈ ٹرنک روڈ پر ڈال دو۔"

"بہتر ہے۔" ڈرائیور نے گردن ہلائی اور رفتار تیز کر دی۔

"تم آرام کر سکتے ہو آنند لال!"

"کمال ہے جمیل بھائی! کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔ مگر اب ہم جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

"آپ ساتھ ہیں تو خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، ویسے ہم دہلی ہی جا رہے ہیں؟" آنند لال نے پوچھا۔

"یقیناً۔ اب زیادہ حجت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، یہ لڑکیاں بن علی کی بہنیں ہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں۔" آنند لال سر ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

موٹر لکھنؤ سے بہت دور ویرانے میں نکل آئی تو میں نے انکا سے کہا۔ "ڈرائیور کو اتار دو۔"

ڈرائیور نے موٹر روک لی اور خاموشی سے اتر گیا۔ یہ ڈرائیور لکھنؤ کا کوئی نواب تھا۔ میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور موٹر پر پوری طرح قابو پا لیا۔ انکا کی واپسی بھی چند لمحوں میں ہو گئی۔

"آپ کمال کی ڈرائیونگ کرتے ہیں۔" آنند لال بولا۔

"کرتا تھا۔ ہاتھ ٹوٹ جانے سے چلانے میں تکلیف ہوتی ہے۔"

☆......☆......☆

راستے میں ایک جگہ رک کر ہم نے پٹرول ڈلوایا اور مسلسل چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو میل کا سفر ہم نے چھ گھنٹے میں طے کر لیا اور بریلی پہنچ گئے۔ بریلی میں ہم نے موٹر چھوڑ دی اور دہلی جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔ بریلی سے دہلی کا فاصلہ بھی ڈیڑھ سو میل کے قریب ہے۔ ٹکٹ لینے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ جس ڈبے میں ہمیں جگہ ملی اس میں اتفاق سے ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ انکا کی وجہ سے انہیں رامپور میں اترنا پڑا۔ ڈبے میں تنہائی ہو گئی تو میں نے نشست سے سر ٹکا دیا۔

آنند لال بھی پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا تھا۔ درخشاں، زرافشاں ابھی تک سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ میں نے پہلی بار ان کی طرف غور سے دیکھا۔ میں ان کے بارے میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ حسن و شباب میں کیسی بے نظیر لڑکیاں تھیں۔ اب بھی ان کے شباب کا وہی عالم تھا۔ تاہم بہت اداس اور ملول تھیں، جیسے کوئی ان سے زندگی کا رنگ چھین کر لے گیا ہو۔ میں ان کا غاصب تھا اور وہ مجھ سے نظریں ملاتے ہوئے کترا رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے گفتگو کی ابتدا کس طرح کروں؟ مجھے ان پر کبھی ترس آتا تھا، کبھی غصہ، کبھی جی چاہتا تھا کہ انہیں کچا چبا لیا جائے۔ کبھی طبیعت ان سے ہمدردی کرنے پر مائل

ہوتی تھی۔ آنند لال بھی ان کے حسن سے متاثر معلوم ہوتا تھا۔ خاموشی کے کئی لمحے بیت گئے پھر میں نے نرم آواز میں پہل کی۔ "زرافشاں، درخشاں! آرام سے بیٹھ جاؤ تم سوچ رہی ہو گی کہ تم نے کون سا قصور کیا ہے، جس کی سزا تمہیں دی جا رہی ہے؟ ہاں تمہاری کوئی خطا نہیں ہے تم تو بہت معصوم لڑکیاں ہو، میں تم سے شرمندہ ہوں لیکن جو ہو گیا ہے، اسے بھول جاؤ اور جو ہو رہا ہے اسے برداشت کرنے کی کوشش کرو۔"

پھر میں نے تزئین کے بارے میں انہیں تمام واقعے سے آگاہ کر دیا۔ وہ کسمپرسی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں۔ "تم میرے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی ہو۔" میں نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ "میں جانتا ہوں مگر وہ ایک غبار تھا۔ یقین کرو، وہ ایک غبار تھا۔ میں بہت برا آدمی ہوں لیکن اتنا برا بھی نہیں ہوں کہ تم میری بات تک نہ سنو۔ تمہارا پورا گھر تباہ ہو گیا ہے اور بن علی اس کے ذمے دار ہیں۔ تمہاری حفاظت، آبرو اور پاکیزگی کا میں پاسبان ہوں۔ تم ان جنوں کا خیال چھوڑ دو۔"

زرافشاں اور درخشاں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" خود میری آواز لرزنے لگی۔ "تمام معذرتیں بے کار ہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم ماضی بھول جاؤ۔ میرا گزشتہ چہرہ بھلا دو۔ آؤ ہم ایک نیا معاہدہ کریں۔"

"ہم کیا کہیں۔" زرافشاں روتے ہوئے بولی۔ "ہم آپ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ آپ جو چاہے، ہم سے کہہ لیجئے۔ انکار کی مجال کسے ہے؟"

"تم پر میرا جبر نہیں ہے زرافشاں۔ شاید میں بے کار باتیں کہہ رہا ہوں۔ بہر حال میری درخواست ہے کہ تم میری بیٹی کی بازیابی تک میرے ساتھ تعاون کرو۔ شاید بعد میں تم میرے متعلق اپنی رائے بدل دو۔ میں بس یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

میں ان سے کیا کہتا؟ وہ کیا جواب دیتیں؟ اس گفتگو سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ حبس و تکدر کی جو ایک فضا تھی۔ وہ ختم ہو گئی۔ مراد آباد کے اسٹیشن پر ہم نے کھانا کھایا۔ میں کسی نہ کسی بہانے ان سے گفتگو کا موقع نکال لیتا تھا، اب وہ کچھ سہمی ہوئی تھیں۔ ان کا انداز بڑا لطیف تھا۔ روتی تھیں تو ان کے آنسو پی جانے کو جی کرتا تھا، بولتی تھیں تو ان کے سفید موتیوں جیسے دانت چمکتے تھے اور ان کا ہار بنانے کی خواہش ابھرتی تھی۔ گڑھ مکتیشر تک ان کا خوف خاصی حد تک دور ہو گیا تھا۔ آنند لال بھی ہماری گفتگو میں شریک ہو جاتا تھا مگر وہ میری ذات کے گونا گوں پہلوؤں پر دم بخود سا تھا۔ انکا بھی ڈبے سے باہر بیرونی طاقتوں پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ میں نے ڈبے میں آ کر پہلا کام اپنی حفاظت کا کیا تھا، سفر میں ایسے کتنے ہی شہر گزرے، جہاں کی بستیوں میں میری کہانیاں بکھری پڑی تھیں۔ دہلی کے قریب میں نے ارتکاز کی ایک مشق کی۔ میں پتھر بن گیا، بے حس و حرکت منجمد، جیسے کوئی مجسمہ۔

دہلی اسٹیشن پر میں نے مشق ختم کی۔ زرافشاں اور درخشاں کی طرف سے مجھے کچھ سکون ہوگیا تھا، ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ ہم مقامی مسافروں کی طرح اترے۔ انکا نے دروازے پر ٹکٹ چیکر کے سر پر جا کر ٹکٹ کی مشکل بھی آسان کر دی۔ دہلی اسٹیشن پر لوگ زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔ وہ خالص گھریلو لباس میں تھیں۔ ان کا بے مثال حسن دہلی اسٹیشن کی رونق میں زبردست اضافہ کر رہا تھا۔ ہر طرف حریص نظروں کا جال بچھ گیا تھا۔ میری اور آنند لال کی حالت یقیناً درخشاں اور زرافشاں جیسی حسین لڑکیوں سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ مسافر چوکنا تھے، میرے تو بال ہی بڑھے ہوئے تھے۔ عجب اول جلول سا شخص نظر آتا تھا۔ جسم پر بدھوں کا لباس تھا۔ ساتھ میں اودھ کی لڑکیاں اور آنند لال۔ میں نے محسوس کیا کہ دلی کے چند من چلوں نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ ان میں ایک شورہ پشت جوان عمر کا غنڈا آوازے تک کسنے لگا۔ یہ نوجوان غنڈا انکا کے ایک اشارے سے زیر ہو سکتا تھا مگر میں نے انکا کو منع کر دیا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ درخشاں، زرافشاں کو کہاں روپوش کیا جائے؟

انکا ٹیکسی کی تلاش میں نکل گئی تھی اور ہم اسٹیشن کے باہر اس کے منتظر تھے کہ غنڈے نے ہمارے قریب آ کر درخشاں اور زرافشاں کے متعلق کچھ نازیبا فقرے کسے، میں اسے پی گیا۔ بھرے اسٹیشن پر کوئی ہنگامہ کرنا اچھی بات نہیں تھی لیکن میری خاموشی سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ ''کہاں سے اٹھا لائے یہ نگینے؟''

میں نے پہلی بار اسے سر سے پاؤں تک گھور کے دیکھا۔ ''جاؤ اپنا کام کرو۔'' میں نے ڈانٹ کر کہا۔

''میں کوئی مدد کر سکتا ہوں؟'' غنڈا ڈھٹائی سے بولا۔

یہ میرے تحمل کی انتہا تھی، میں نے ضبط کیا اور طنز سے بولا۔ ''تم کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''شبن خان کیا نہیں کر سکتا؟'' اس نے جرأت سے کہا اور اپنا لمبا چاقو کھر سے کھول دیا۔

''کوئی محفوظ مکان چاہیے۔'' میں نے رازداری سے کہا۔

''خدا کی قسم، ایک سے ایک جگہ حاضر ہے۔ ہاتھ لاؤ استاد۔''

میں نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیا۔ ''شبن میاں! ہم سے دھوکے بازی نہیں چلے گی۔''

''کیسی دھوکے بازی؟'' شبن خان اترا کے بولا۔ ''پر اپنا حصہ پکا ہے۔''

''پکا!'' میں نے پیشہ وروں کی طرح دہرایا۔

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' شبن خان ترنگ میں بولا۔

''ٹھہرو۔ ٹیکسی آ رہی ہے۔'' میں نے اشارہ کیا۔ مجھے یقین تھا یہ ٹیکسی انکا لے کے آئی ہے۔

ہم سب اس میں بیٹھ گئے۔ شبن خان ندیدوں کی طرح زرافشاں اور درخشاں کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں لڑکیوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ راستہ شبن خان بتا رہا تھا۔ قدیم طرز کی ایک عمارت کے قریب پہنچ کر اس نے ٹیکسی رکوا دی۔ یہ دو منزلہ عمارت تھی، زینہ علیحدہ تھا۔ شبن خان ہمیں اوپر لے گیا۔ نیچے کے حصے میں اس کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ قمار خانہ اور شراب خانہ۔ دیسی شراب کی بو اور بے ہنگم آوازیں زینے تک آ رہی تھیں۔ اوپر کچھ سکون تھا اور کئی کمرے تھے جو سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ سارا مکان خالی پڑا تھا لیکن دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسے استعمال کیا جاتا رہتا ہے۔

درخشاں زرافشاں کو ایک علیحدہ کمرے میں ٹھہرا کے اور آنند لال کو کمرے کے باہر متعین کر کے میں نے پورے مکان کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں اسلحہ کا بڑا ذخیرہ بھی موجود تھا۔ شبن خان کوئی معمولی بدمعاش معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اس کی نوک دار مونچھیں اور شہدوں کا مخصوص انداز ہی شریف آدمی کا جینا حرام کر دے۔ شبن خان نے سب سے پہلے ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ ہم نے جیسے تیسے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر میں شبن خان کے ساتھ نیچے قمار خانے میں آ گیا جہاں ایک سے ایک چھٹا ہوا بدمعاش بیٹھا تھا۔ یہاں اس نے مجھ سے لڑکیوں کے بارے میں تفصیل پوچھنی چاہی۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرے۔ میں اس کی ہر بات ٹالتا رہا اور اسے معقول معاوضہ دینے کی پیش کش کی۔ شبن خان نے مجھے دلی کے کئی بااثر افراد، امرا اور صاحب ذوق اشخاص سے ملوانے کا ذکر کیا کہ وہ ان حسین لڑکیوں کی قدر کریں گے مگر میں نے سختی اور درشتی سے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔ وہ اس لہجے کا عادی نہیں تھا، برہم ہو گیا اور اس نے مجھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ وہ اس نازک صورت حال سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ ہماری تلخ گفتگو سے اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے بدمعاش بھی متوجہ ہو گئے اور شبن خان کی پشت کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ ''لڑکیاں ہمارے قبضے، ہمارے مکان میں ہیں۔ مت بھولو کہ ہم تمہیں کسی بھی وقت پولیس کے حوالے کر سکتے ہیں، سمجھے؟'' شبن خان نے مجھے دھمکی دی۔ میں شبن خان کی باتیں اڑاتا رہا، یہ تلخی میں خود بڑھانا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے ترکی بہ ترکی جوابات دے کر شبن خان اور اس کے گروہ کو اتنا مشتعل کر دیا کہ انہوں نے میری داڑھی پر ہاتھ ڈال دیا۔ غنڈوں سے نمٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے اپنی طاقت اور برتری کا لوہا منوایا جائے بشرطیکہ حوصلہ اور طاقت موجود ہو۔ میں نے اس شخص کی گردن اپنے واحد ہاتھ سے پکڑ لی جس نے میری داڑھی پر ہاتھ ڈالا تھا اور اس کے کلے پر اتنا بھرپور ہاتھ مارا کہ وہ چاروں شانے چت گر گیا۔

شبن خان نے تیزی سے اپنا رامپوری چاقو لہرا کر کھول لیا اور گالیاں دیتا ہوا میری طرف بڑھنے لگا۔ تمام بدمعاش اس کا حوصلہ بڑھانے لگے۔ میرے سر پر انکا تھی۔ شبن خان نے دو تین وار کرنے چاہے۔ میں اِدھر اُدھر پھدک کر کسی نہ کسی طرح اس کے وار سے بچ گیا۔ غلیظ گالیوں کا ایک سیلاب میرے منہ سے اُمڈ رہا تھا۔ میں یہ قصہ مختصر کرتا ہوں۔ شبن خان کا کوئی داؤ مجھ پر کارگر نہ ہو سکا۔ میں نے

اسے کھل کھیلنے کا پورا موقع دیا تھا۔ میرا اطمینان قابل دید تھا۔ "ابھی بچے ہو۔ کھیلنے کودنے کے دن ہیں شبن خان۔" یہ کہہ کے میں نے ایک ہی جست میں شبن خان کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ چاقو دو گز دو جا گرا، پھر میں نے لاتوں اور گھونسوں سے شبن خان کی اچھی خاصی تواضع کر دی۔ شبن خان زمین پر گر کے زور زور سے ہانپنے لگا۔ میں اسے ایک لمحے میں جہنم رسید کر سکتا تھا مگر یہ تماشا اسے ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ شبن خان پر اپنی برتری قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ شبن خان منہ سے خون صاف کرتا ہوا اٹھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"خدا کی قسم استاد! تم تو چھپے رستم نکلے۔ شبن خان سے تو آج تک کوئی مائی کا لال نظر بھی نہیں ملا سکا تھا۔" وہ میرے گلے میں لگ گیا اور اس نے فوراً چائے اور شیرینی لانے کا حکم دیا۔ میں بہ ظاہر غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ کہا جائے تو بہت کچھ ہے مگر کس کس واقعے کی یاد تازہ کیجئے گا؟ شبن خان ریشہ خطمی ہو چکا تھا اور میرے اشاروں پر ناچنے کے لئے تیار تھا۔ میں نے مختصر لفظوں میں اسے ان دونوں لڑکیوں کی بابت بتایا۔ پُراسرار باتوں کا تذکرہ میں نے دانستہ چھوڑ دیا۔ شبن خان نے وعدہ کیا کہ اب زرافشاں اور درخشاں میری طرح اس کی بھی عزت و آبرو ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے غنڈوں نے تائید کی۔ میں نے شبن خان کا زمین پر پڑا چاقو اٹھا لیا اور کمرے کی مغربی دیوار پر لگی ہوئی اس کی تصویر کا نشانہ لیا۔ شیشہ چھن چھنا کر ٹوٹ گیا اور عین شبن خان کے چہرے پر چاقو گڑ گیا۔

بین علی کی بہنوں کی حفاظت اس سے بہتر طریقے سے ممکن نہیں تھی۔ غنڈے میری خاطر تواضع میں بچھے جا رہے تھے۔ میں نیچے کے لوگوں سے مطمئن ہو کے اوپر آ گیا اور آنندلال سے اجازت طلب کر کے دوسرے کمرے میں جا کے مراقبے میں ڈوب گیا کہ اب مجھے اصل کام انجام دینا تھا۔ انکا آنندلال کے سر پر چلی گئی تھی۔

... جنوں نے زرافشاں اور درخشاں کے واقعے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ترئین ابھی تک بین علی کے پاس تھی اور بین علی کے سر پر کئی جن سوار تھے۔ انہیں کل رات بین علی کی حویلی جلنے کی اطلاع مل گئی ہوگی اور میرے دہلی آنے کی خبر بھی ہو گئی ہوگی مگر انہوں نے ترئین کو واپس نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں زرافشاں اور درخشاں کے بدلے میں ترئین کا سودا منظور نہیں ہے۔ میں نے انکا کو روک کے آنندلال کو سید غوث کے پاس واپس بمبئی بھیجنا چاہا مگر وہ مجھے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔

میں رات بھر جاگتا رہا اور میں نے کامل استغراق کیا۔ صبح اٹھ کے زرافشاں اور درخشاں کی خیریت پوچھی اور انہیں اس وقت تک کمرے میں بند رہنے کا حکم دیا جب تک میری واپسی نہ ہو جائے۔ باہر سے دروازہ بند کر کے میں نے اسے پوری طرح محصور کر دیا اور شبن خان کو ہدایت کر دی کہ وہ لڑکیوں کا خیال

رکھے۔ شبن خان نے وعدہ کیا کہ وہ جان پر کھیل جائے گا۔ شبن خان بھی میرے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

"تمہارا کام یہ ہے کہ تم یہیں موجود رہو اور سنو جب تم کوئی خطرہ محسوس کرو تو انکا انکا آوازیں دینا۔ میں جہاں کہیں ہوں گا، مجھے خبر ہو جائے گی۔"

شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "کیا مطلب استاد؟"

"زیادہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے خفگی سے کہا۔ "تم سے جو کہا گیا ہے اس پر عمل کرو۔" یہی ہدایت میں نے زرافشاں اور درخشاں کو بھی دی۔

☆......☆......☆

ہمارے تیز قدم اس شکستہ حویلی کی طرف اٹھ رہے تھے جہاں ترئین...... میری بیٹی موجود تھی۔ دلی سے دور یہ حویلی کسی جاگیردار نے بنائی تھی۔ یہاں اب کوئی آباد نہیں تھا کیونکہ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جنوں کا مسکن ہے۔ دوپہر تک ہم وہاں پہنچ گئے۔ عمارت کیا تھی، ایک کھنڈر تھا۔ کسی زمانے میں یقیناً اس کا شمار دلی کی شان دار عمارتوں میں ہوتا ہوگا مگر اب وہاں خاک اڑ رہی تھی۔ وہاں جانے سے قبل میں نے آنندلال کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔ خود انکا مجھے یہ مشورہ دے رہی تھی۔ عمارت ایک شکستہ احاطے کے اندر تھی۔ میں نے کچھ دور رک کر اس کا مکمل جائزہ لیا۔ انکا بار بار مجھے ٹوک رہی تھی۔ مجھے اس کی یہ دخل اندازی بری معلوم ہوئی۔ میں نے اسے سید غوث کے سر پر جانے کا حکم دے دیا۔ وہ ناراض ہو کر چلی گئی مگر چند ہی لمحوں میں واپس آ گئی۔ "سید غوث بمبئی میں نہیں ہے۔" اس نے منہ بسور کے کہا۔

"پھر کہاں ہے؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ میسور میں کلدیپ کے استھان پر چڑھ رہا ہے۔" انکا نے ناراضی سے جواب دیا۔

"وہاں کیوں گیا ہے وہ؟"

"اور کہاں جاتا؟" انکا کے بجائے آنندلال نے جواب دیا۔

"بے وقوف ہے۔ کیا کلدیپ اس کی کوئی مدد کرے گی۔ ہنہ۔"

"مصیبت زدہ شخص تو ہر طرف دوڑتا ہے۔"

"پاگل ہو گیا ہے۔ کلدیپ تو مر چکی ہے۔"

حویلی کے ایک حصے سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ میں نے اس کی دیوار پر ہاتھ رکھ دیا اور ہم سیدھے راستے سے اندر داخل ہونے کے بجائے ٹوٹی ہوئی دیوار کے راستے اندر قدم رکھنے لگے۔ اندر قدم رکھتے ہی مجھے اور آنندلال کو ایک بوڑھا شخص نظر آیا جو ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک جن تھا۔ ہم اپنی جگہ کھڑے رہے۔ اس نے ذرا فاصلے پر رک کے کہا۔ "بھاگ جاؤ۔ یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

Downloaded from Paksociety.com

آنند لال نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''اسے واپس کر دو۔ مجھے اسے واپس کر دو۔''

''جمیل! آگے مت بڑھنا۔'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔ ''تمہیں یاد ہوگا کہ امرلال کے پاس بھی جن موجود تھے۔ جن میں سے کئی نے ہمیں بہکانے کے لئے بدری نرائن کی شکلیں اختیار کر لی تھیں۔ ایک خطے میں تم دھوکا کھا گئے تھے۔ ممکن ہے جنوں کو یہاں بھی امرلال کا تعاون حاصل ہو۔ یہیں سے آواز لگاؤ۔''

میں نے اس کا مشورہ مان لیا اور بوڑھے شخص سے گرج کر کہا۔ ''میری چیز مجھے واپس کر دو ورنہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہتر ہوگا پہلے میرے بارے میں خوب غور کر لو کہ میں کیا ہوں؟''

دلی سے دور اس پُراسرار حویلی میں کبھی انسانوں کا قیام ہوگا مگر اب وہ جگہ جنوں کا مسکن تھی۔ عام آدمی حویلی کی شکستگی ہی دیکھ کر وہاں قدم رکھتے ہوئے گھبراتا ہوگا۔ ماحول پر وحشت طاری تھی۔ یہاں اندر کسی کمرے میں میری بیٹی جنوں کے قبضے میں تھی اور میرے دل پر آریاں سی چل رہی تھیں۔ میں اسے دیکھنے کے لئے بے تاب تھا لیکن اس تک پہنچنے میں نادیدہ دیواریں حائل تھیں۔ تزئین کے لئے میں سب کچھ لٹا سکتا تھا، تزئین میری نیکی تھی۔ وہ میری عبرت ناک زندگی کے اندھیرے دنوں کا ایک سویرا تھی۔ وہ میرے جرائم اور میری کثافت وغلاظت کے ڈھیر میں ایک پاک اور لطیف نگینہ تھی۔

میری آواز حویلی کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار میں بازگشت کرتی ہوئی گونجی۔ ''سنتے ہو اور اگر یہ صاف بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو مجھے دوسرے طریقوں سے سمجھانا بھی آتا ہے۔'' میں نے تلخی میں اس بوڑھے جن سے کہا جو حویلی سے برآمد ہوا تھا۔ ''تم میری بیٹی، تزئین میرے حوالے کر دو اور اس حویلی کی تنہائیوں میں ڈوب جاؤ۔ کون تمہارے معاملے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔''

بوڑھا جن اپنی جگہ جما رہا اور استہزائی انداز میں بولا۔ ''زندگی چاہتے ہو تو خاموشی سے لوٹ جاؤ ورنہ پھر انہیں روکنا میرے بس میں نہیں رہے گا۔ وہ تمہارے وجود سے نفرت کرتے ہیں اسی لیے تمہاری بیٹی کو یہاں لے آئے ہیں۔ جاؤ فی الحال اپنی بیٹی کا خیال دل سے نکال دو۔ جب ان کا جی چاہے گا وہ اسے واپس کر دیں گے۔ میں سمجھتا ہوں تمہارے لیے یہ سزا ہی بہت ہے کہ تمہاری آبرو اجنبی بازوؤں کی گرفت میں ہے۔''

بوڑھے جن کا اشتعال انگیز رویہ میری برداشت سے باہر تھا۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تم تو دیکھ چکے ہو کہ میں نے تمہارے لاڈلوں کو کہاں کہاں شرمندہ کیا ہے، میں کسی برتے ہی پر یہاں آیا ہوں اور اپنی بیٹی کو ساتھ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ مجھے تمہاری شرافت اور خباثت کا پورا

علم ہے۔ تم چاہے تعداد میں کتنے ہی کیوں نہ ہو مگر میں تنہا تم لوگوں کے لئے قہر بن سکتا ہوں۔ شاید تمہیں خبر ہو گئی ہوگی کہ میں لکھنؤ سے گزرتے ہوئے زرافشاں اور درخشاں کو بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ تم سے نمٹنے کے لئے میں کسی زحمت میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میری بیٹی میری زندگی ہے، میں اپنی زندگی کے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''دفع ہو جاؤ۔'' اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

آنند لال کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور انکا میرے سر پر کلبلا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھنے کے بجائے اپنی جگہ سے آواز لگائی۔ ''جلد از جلد کوئی فیصلہ کر لو اور تمہیں فیصلے کا اختیار نہ ہو تو رحیق کو بلاؤ۔ میں اس سے دو ٹوک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں رحیق ہی کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔'' بوڑھے جن نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور بات کرنا ہی کیا؟ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر عمل کرو۔ تم ایک تنہا شخص کس کس سے لڑو گے، وہ بھڑوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تمہارے لیے سانس لینا تک دشوار ہو جائے گا۔ تم نے کتنی بار زک اٹھائی ہے، پھر بھی باز نہیں آئے؟ ایک چھوٹی سی عورت پر ناز کرتے ہو؟''

بوڑھے جن کا اشارہ انکا کی طرف تھا، میں نے انکا کی طرف دیکھا۔ وہ طیش میں میرے سر پر کھڑی ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بزبان بوڑھے کا نشانہ لے رہی ہو۔ خود میرا بھی عالم تھا لیکن میں نے بوڑھے کی ہرزہ سرائی کا جواب بڑے تحمل سے دیا۔ میں نے اسے ملائمت سے دوبارہ مخاطب کیا۔ ''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے ساتھ صرف ایک چھوٹی سی عورت ہے تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے، میں اسے تمہارے سر پر بھیجے دیتا ہوں۔ تمہیں میرے بارے میں اس بے وقوف رحیق نے سب کچھ تو بتایا لیکن یہ بتانا بھول گیا کہ میں شدید ترین صدمے اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہوں۔ پچھلی دفعہ بھی اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا امرلال کے ہاں پہنچ گیا تھا۔ اب اس نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں دوبارہ زندہ ہو گیا ہوں۔ میں نے ہن علی کی حویلی میں تمہارے کئی ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود زرافشاں اور درخشاں کو حاصل کر لیا ہے۔ تم لوگوں کی اوقات سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ تم لوگ بھڑوں کا چھتا ہو تو میں بھی جوالا مکھی ہوں۔ مجھے ہاتھ لگاؤ گے تو ہاتھ جل جائے گا۔''

''جمیل!'' انکا نے سرگوشی کی۔ ''میں اندر کی سن گن لینے کی کوشش کرتی ہوں۔ جب تک واپس نہ آ جاؤں، آگے بڑھنے کی حماقت نہ کرنا اور اس بوڑھے کو باتوں میں الجھائے رکھنا۔''

''سنا؟ میں نے سوچنے سمجھنے کا بہت وقت دے دیا ہے۔'' میں نے دوبارہ بوڑھے کو مخاطب کیا۔

''اتفاقات بار بار رونما نہیں ہوتے جمیل احمد خان!'' اس نے گرج کر کہا۔ ''یہاں سے تم بھی واپس نہیں جا سکو گے۔''

"مجھے میری لڑکی دے دو۔" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"وہ تمہیں واپس نہیں مل سکتی۔"

اسی لمحے انکا میرے سر پر واپس آگئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اندر جانے میں ناکام رہی ہے۔ "ہر طرف پوری طرح مستعد بیٹھے ہیں اور انہوں نے کئی دیواریں حائل کر دی ہے۔ بہرحال اندر تزئین اور ہبن علی دونوں موجود ہیں۔ امرلال اور بدری نرائن نظر نہیں آئے۔ یہی ایک خدشہ تھا۔" میں نے ایک عمل کر کے اپنے آپ کو اور محفوظ کر لیا۔ آنند لال کی زبان بھی مسلسل بدبدا رہی تھی۔ بوڑھے جن کے ساتھ مزید گفت و شنید کا کچھ حاصل نہ تھا۔ آنند لال نے اشارہ پاتے ہی میرے ساتھ قدم بڑھایا۔ بوڑھا جن برانگیختہ ہو گیا۔ "رک جاؤ۔ آگے بڑھے تو پیچھے نہیں جا سکو گے۔"

"جمیل!" انکا نے تیزی سے کہا۔ "آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیواریں ڈھانے کی کوشش کرو جنہیں عبور کیے بغیر تم اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ بوڑھا دیوار کے اس پار سے بول رہا ہے۔ درمیان میں ان گنت پردے موجود ہیں، حویلی کے باہر ہر طرف حصار قائم کر لو تا کہ رحیق تزئین اور ہبن علی کو لے کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔ اس کے ساتھی تمہیں الجھائے رکھیں گے، وہ خود یہاں سے نکل جائے گا۔"

انکا کا مشورہ اس جذباتی کشمکش کے باوجود مناسب معلوم ہوتا تھا۔ میں نے بوڑھے کو بولنے دیا مگر اس کی دھمکیاں سننے کے بجائے اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ حویلی کے گرد میری طاقت کی بھی ایک مضبوط دیوار قائم ہو چکی تھی۔ بوڑھے نے اچانک کسمسا کر پہلو بدلنا شروع کر دیا۔ میری دیوار کم از کم ہبن علی اور تزئین عبور نہیں کر سکتے تھے۔ بوڑھے جن نے بوکھلا کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور مجھے رکتے دیکھ کر دوبارہ اپنی طاقت کے بارے میں لاف و گزاف کرنے لگا۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا اور آنند لال کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ "کیا تم تیار ہو آنند لال؟" میں نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ جہنم میں بھی جا سکتا ہوں۔"

"تو چلو۔ بظاہر راستہ صاف نظر آتا ہے؟ حوصلہ مت کھونا۔" میں نے نرمی سے کہا اور دفعتاً ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ہمیں پیچھے کی طرف دھکیل رہا۔ ایک لمحے تو میرے قدم اکھڑ گئے۔ آنند لال نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا، میں کوئی چٹان تھا جس پر کسی طوفانی لہریا ہوا کے ریلے نے حملہ کر دیا تھا۔ چٹان پر جس تیزی سے پانی آیا تھا اسی تیزی سے گزر گیا اور ہوا خس و خاشاک اڑاتی ہوئی چٹان کو برہنہ کر گئی۔ میرے قدم زمین پر گڑ گئے تھے۔ میں نے احتیاط سے انہیں اٹھا کر آگے بڑھایا۔ چند قدم چل کر فاصلہ کسی قدر کم ہو گیا۔ ابھی ہم کچھ ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ آنند لال بے تحاشا پیر پٹخنے لگا۔ خود میرے قدموں میں جلن ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ہمارے پیروں پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا ہو۔ اس بارے میں نے خود آنند لال کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا اور چند لمحوں کے لئے اسے گھسیٹنے لگا۔ "یہ ایک سراب ہے آنند

لال! ایسے چلتروں کا حوصلے سے جواب دیا کرو۔"

"میں جانتا ہوں۔" آنند لال کراہ کر بولا اور ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "میں نے بہت کچھ کھو دیا ہے۔ آج مجھے اس کا رنج ہو رہا ہے۔"

"تم نے مالا کو حاصل کر لیا ہے۔" میں نے اس کی توجہ منعطف کرنا چاہی۔

"ہاں۔ اور آپ کو بھی۔" آنند لال نے برجستہ کہا۔

"ممکن ہے آگے اس سے کہیں زیادہ رکاوٹیں پیش آئیں۔ آنند لال، اپنی آنکھیں بند مت کرنا۔" میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

ہمارا اور بوڑھے جن کا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ وہ جھلاہٹ میں پے در پے حملے کر رہا تھا لیکن ہمیں کوئی گزند پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ انکا میرے سر پر کسی بت کی طرح بیٹھی تھی۔ ان رکاوٹوں کی تفصیل بیان کرنا فضول ہے۔ ایسے معرکوں کا تذکرہ میں کئی بار کر چکا ہوں۔ پریتم لال کے استھان پر کئی بار ہندو پنڈتوں، پجاریوں نے میرا راستہ روکا تھا اور بدری نرائن نے ان کی ایک فوج وہاں جمع کر دی تھی۔ میں نے وہ پتھر راستے سے ہٹا دیئے تھے تو یہ جن کیا چیز تھے؟ ویسے بھی ان کا مرتبہ بلند نہیں تھا، البتہ ان کی تعداد کے پیش نظر احتیاط ضروری تھی اور پھر میری ایک عزیز ہستی ان کے قبضے میں تھی۔ یہ انتہائی اضطراب کا وقت تھا۔ ہم ابھی تک سدراہ کے باہر تھے اور بوڑھا جن ابھی تک سدراہ بنا ہوا تھا۔ گو اس کا کھردرا چہرہ اب صاف نظر آ رہا تھا، ہم آہستگی سے راستے کی رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے عمارت کے قریب پہنچ رہے تھے کہ بوڑھے جن کی جگہ ہمیں ایک دیو قامت شخص نظر آیا۔ اس کی ہیبت ناک آنکھیں نیچے کی طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ مضحکہ خیز انداز میں بری طرح ہاتھ چلا رہا تھا اور ہمیں پیچھے جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ بوڑھے جن نے مجھے کوئی نو آموز سمجھ لیا تھا۔ مجھ پر اس کی دیو قامتی اور ہیبت ناکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ "دیکھا، کیسے سوانگ بھر رہا ہے۔" میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ آنند لال ایک چیخ کے ساتھ میرے جسم سے لپٹ گیا۔ ایک طویل ہاتھ آنند لال کی گردن دبوچنے کے لئے بڑھ رہا تھا۔ ایک کھردرا، سخت اور کانٹوں دار ہاتھ۔ وہ عظیم الجثہ جن دور کھڑا بڑے بڑے دانت کچکچا رہا تھا۔ ابھی تک ہم مدافعت کر رہے تھے۔ اچانک انکا نے میرے بازو پر زور ڈالا۔ میں نے آنند لال کو چھوڑ دیا اور نہایت پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔ میرا کلائی پکڑنا تھا کہ بوڑھا جن دوبارہ اصل روپ میں سامنے آ گیا لیکن اس کا طویل ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور آنند لال کی گردن اس کے پنجے میں دبی ہوئی تھی۔ میں نے کلائی اتنی زور سے پکڑی کہ بوڑھا تلملانے لگا اور آنند لال نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑا لی۔ میں جن کا ہاتھ کھینچنے لگا۔ آنند لال بھی میری مدد کرنے لگا۔

اس کا ہاتھ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے وہ ایک لمبی رسی ہو۔ جیسے وہ ایک ربڑ ہو۔ ہمارے درمیان

جو فاصلہ تھا، وہ قائم رہا، پھر ہم نے اس کا ہاتھ کھینچنے کے بجائے اس کے سہارے آگے بڑھنا جاری رکھا۔ بوڑھے نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لئے بہت داؤ پیچ آزمائے لیکن اسے میری گرفت سے آزاد نہیں کرا سکا۔ کاش میرا دوسرا ہاتھ سلامت ہوتا۔ آنند لال یہ بات جانتا تھا کہ جن کے ہاتھ میں کسی ایک کی گرفت رہنی چاہیے۔ چنانچہ جب میں اسے چھوڑ کر آگے بڑھتا تو آنند لال کے ہاتھ اس پر قبضہ کیے رہتے اور جب آنند لال ہاتھ ہٹاتا تو میں اسے پکڑ لیتا۔ ہم دونوں یہ مشکل کام بڑی پھرتی سے انجام دیتے ہوئے اس کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ بوڑھے جن کا چہرہ تمتما رہا تھا، وہ اب روپوش بھی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔

''میں تمہیں کیا سزا دوں؟'' میں نے اس کی کلائی مروڑتے ہوئے کہا۔ ''تم میری آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرو اور اپنی حماقتوں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔'' اس نے اپنی آنکھیں میری آنکھوں پر مرکوز کر دیں پھر اس نے ایک جھرجھری سی لی اور سکون سے کہا۔ ''ٹھہرو، ذرا ٹھہرو، میں اندر جا کر انہیں ہٹاتا ہوں تاکہ وہ تمہاری بیٹی کو چھوڑ دیں۔ میں نے تمہارے اندر جھانک لیا ہے۔''

''اسے ہرگز مت چھوڑنا جمیل! ہو سکے تو اس کا کام تمام کر دو۔'' انکا نے جوشیلے لہجے میں کہا۔

میں نے انکا کی تجویز نظر انداز کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑے دیتا ہوں مگر یاد رکھو اگر تم نے کوئی فریب کیا تو میری یہ آنکھیں تمہیں تہ خانوں میں بھی ڈھونڈ لیں گی۔'' اس کے خوف میں بھی ایک وقار تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اندر جا کر انہیں سمجھاتا ہوں۔'' بوڑھے نے گردن ہلا کر مفاہمت کے انداز سے کہا۔

''جاؤ۔'' میں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ''اور لڑکی کو لے آؤ۔ دیر نہ کرنا ورنہ میں آ رہا ہوں۔''

''یہ تم نے کیا، کیا؟'' انکا نے بے چینی سے کہا۔

''تم خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں خاموش بیٹھی رہوں؟'' انکا نے چڑ کر کہا۔ ''تم پھر کوئی گڑبڑ کرو گے۔ یہ بڑے بدمعاش ہیں۔''

''میں چند منٹ انتظار کروں گا۔''

''وہ اندر اپنا حصار مضبوط کر رہے ہوں گے۔'' انکا نے غصے میں کہا۔

''میں یہ حویلی جلا دوں گا۔''

''تمہیں اور آتا ہی کیا ہے؟ یہ جلا دوں گا، یہ کر دوں گا، وہ کر دوں گا۔ میں کہتی ہوں تمہاری لڑکی اندر ہے اور تم حویلی جلانے کی سوچ رہے ہو۔'' انکا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''چپ رہو انکا!'' آنند لال درمیان میں بولا۔ ''تم تو لڑ رہی ہو۔''

''اب تم دیکھنا آنند لال!'' انکا ہاتھ نچا کر بولی۔

چند لمحے گزر گئے، اندر سے کوئی واپس نہیں آیا۔ انکا بھنائی بیٹھی تھی۔ جیسے ہی میں نے عمارت کی دہلیز پر قدم رکھا، ہم دونوں زمین پر کئی فٹ لڑھکتے ہوئے چلے گئے۔ میں نے آنند لال کو اٹھایا، سامنے کوئی جن نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں اب تک برداشت کا بہت ثبوت دیتا آیا تھا، اس بار میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا، میں آنند لال کو لے کر بجلی کی طرح چبوترے کے قریب گیا اور میں نے اسے ایک ٹھوکر ماری۔ وہ ستون جو چبوترے پر ایستادہ اور اٹکا ہوا تھا، اڑا اڑا دھم گر گیا۔ میں اس کے ملبے سے بچتا ہوا آگے بڑھا اور کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اوپر چڑھ گیا۔ ایک عمارت میں کتنے فاصلے تھے۔ اوپر چڑھ کر میں نے ایک ثانئے کے لئے آنکھیں بند کیں اور اپنی تمام طاقتیں ایک نقطے پر مجتمع کر لیں۔ وہ ایک نقطہ جس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ وہ ایک آسودہ نقطہ، جہاں تک پہنچنا ارتکاز کا کمال ہے، اس ایک لمحے میں، مجھے جسم میں ایک نئی توانائی آتی محسوس ہوئی اور میں نے ستونوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں گرانا شروع کر دیا۔ میری انگلیوں میں جیسے کوئی برق تھی اور میری آنکھوں میں جیسے کوئی کاٹ تھی۔ میں راستے کی تمام پیش بندیاں کاٹتا ہوا، اجڑی ہوئی راہداریاں عبور کرتا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ ان کا حصار میرے ہر قدم پر ٹوٹ رہا تھا۔ جیسے ہی میں ایک جگہ سے گزرا، مجھے ایک شور سنائی دیا۔ متعدد آوازوں کا بے ہنگم شور، حیوانی چیخیں اور دنگا فساد۔

''وہ یہاں نہیں ہے۔'' انکا خاصی دیر بعد مچل کر بولی۔ ''یہ شور تمہارے کانوں کے امتحان کے لئے ہے۔''

''میں اپنی لڑکی کی خوشبو سونگھ سکتا ہوں۔''

''تم اسے نہیں دیکھ سکتے جمیل! وہ کئی پردوں کے اندر ہے محتاط رہنا۔ جس تیزی سے تم اندر آ گئے ہو، اس آسانی سے واپس نہیں جا سکتے۔''

''وہ حرام زادہ بن علی کہاں ہے؟''

''تزئین اس کے پاس ہے، جلدی کرو۔ باتیں نہ بناؤ۔ بائیں طرف کی راہداری عبور کر کے کمرے کے اندر جانے کی کوشش کرو اور جہاں تک جاتے رہو، اپنے حصار سے راستے مسدود کرتے جاؤ تاکہ ان کے فرار کی راہیں بند ہو جائیں اور ان کے دل پر تمہاری دہشت بیٹھی رہے۔''

''میں یہ شور ختم کر دیتا ہوں۔'' میں نے بند کمرے کی دیواروں پر ایک ضرب لگائی۔

''بے کار ہے۔ میں جو کہتی ہوں وہی تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ بائیں طرف چلو۔'' انکا نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ میں نے انکا کے کہنے پر عمل کیا اور بائیں طرف مڑ گیا۔ یہ ایک تاریک راہداری

تھی۔ یہاں جگہ جگہ مکڑی کے جالے بنے ہوئے تھے اور پرندوں نے گھونسلے تیار کر رکھے تھے۔ یہ جن طبعاً گندے تھے۔ انہوں نے اپنی مرغوب جگہ یہ گندگی گوارا کر لی تھی۔ راہداری کے ایک سرے پر ایک بڑے کمرے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سامنے لکڑی کا ایک مضبوط دروازہ تھا جو بند تھا۔ اس کے موٹے کنڈوں پر زنگ لگا ہوا تھا۔ انکا نے اشارہ کیا کہ یہی وہ کوٹھری ہے جہاں تزئین موجود ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ کلیجے میں عجیب سی ہوک اٹھی۔ میں نے وہیں کھڑے ہو کر اندازہ لگایا۔ دروازے پر یقیناً متعدد جن تعینات ہوں گے جو اتنی آسانی سے اندر جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ جتنی آسانی سے میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ میں چند ثانیوں تک کھڑا ہوا سوچتا رہا۔ ایک ذرا سی لغزش سارا کام بگاڑ سکتی تھی۔ دروازہ نذر آتش کیا جا سکتا تھا مگر اس طرح وہ مشتعل ہو کر تزئین کے ساتھ کوئی زیادتی کر دیتے۔ مجھے ایک معتدل راہ اختیار کرنی تھی اور انہیں اپنے بارے میں بے خبر رکھنا تھا۔ میں پہلے ہی ایک محفوظ فصیل میں تھا لیکن احتیاط کے طور پر میں نے اپنے گرد حفاظت کا ایک اور ہالہ بنا لیا۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور نہایت آرام کے ساتھ ان سے تزئین کی واپسی کی درخواست کی۔ میں نے ان سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میں زرافشاں اور درخشاں کو ان کے حوالے کر دوں گا۔ اب میں ہر وعدہ کر سکتا تھا کیونکہ بوڑھے جن نے اپنے عہد کا پاس نہیں کیا تھا۔ اندر مکمل خاموشی طاری رہی۔ حویلی میں صرف میری ہی آواز کی بازگشت سنائی دیتی رہی۔ میں نے بار بار انہیں متوجہ کیا۔ رحیق اور بوڑھے جن کو آوازیں دیں۔ میں نے عاجزی کے ساتھ ان سے کہا اور آہستہ آہستہ کمرے کی دیواریں چھوتا ہوا واپس دروازے کی طرف آ گیا۔ مجبوراً مجھے ایک ایسا راستہ اختیار کرنا پڑا جس کے لئے میں تیار نہیں تھا۔

میری آنکھیں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش کھڑا تھا۔ اندر جنوں کا ایک پرا موجود تھا اور باہر جمیل احمد خان۔ انہوں نے بھی اپنا سارا زور دروازے پر لگا دیا تھا اور میں نے بھی مگر انہوں نے ارتکاز اور مراقبے میں ڈوب کر اپنی آنکھیں اتنی تیز اور اپنا باطن اتنا توانا نہیں کیا تھا جتنا میں نے کیا تھا۔ آنند لال میری ہدایت کے مطابق دروازے پر نشانات بناتا رہا اور میں کچھ فاصلے پر مبہوت کھڑا رہا۔ آخر وہ لمحہ آ گیا، میں نے آنند لال کو اپنے پیچھے کھڑے ہونے کی ہدایت کی اور انکا کو ہر طرف نظر رکھنے کی تلقین کی۔ میری ایک جنبش نگاہ سے دروازہ جلنے لگا۔ میں نے ان کا طلسم توڑ دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ جلتے ہوئے دروازے سے گھبرا کر تیزی سے باہر نکلیں گے۔ میں انہیں کوئی مہلت دینے کی غلطی کا ارتکاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ صدیوں کی خشک لکڑی تیزی سے بھڑک اٹھی، اس کی لپٹیں ہمارا جسم چھو رہی تھیں لیکن ہمیں دروازے ہی پر تعینات رہنا تھا۔ میں نے آنند لال کا ہاتھ دبا کر صبر و ضبط کی درخواست کی۔ جب دروازہ پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ گیا تو میں نے آنند لال کا ہاتھ پکڑا، اسے آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا اور انکا کو اشارہ کیا۔ پھر ہم دونوں نے ایک جست لگائی، ہم چشم زدن میں

دروازے کے اس پار کمرے کے اندر تھے۔ اندر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن یہ ایک بڑا کمرا معلوم ہوتا تھا۔ آگ سے سارا کمرا روشن تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوسری جانب سے مکمل خاموشی تھی۔ میں نے غصے کی کیفیت میں اپنا ہاتھ اٹھا کر دائرے کی صورت میں گھمایا۔ جنوں نے روپوشی کی چادر اٹھا دی تھی۔ وہ کمرے میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں وہ بوڑھا جن بھی نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ آنند لال ان کی کثیر تعداد دیکھ کر گھبرا گیا۔ میں نے تزئین کو دیکھا اور میرا خون جلنے لگا۔ ببن علی کے ناپاک ہاتھ اسے اپنے حلقوں میں لیے ہوئے تھے۔ رحیق ان کی پشت پر کھڑا مجھے شعلہ بار نظروں سے گھور رہا تھا۔ جنوں کے تیور بتا رہے تھے کہ انہوں نے ایک آخری اور فیصلہ کن معرکے کی ٹھان لی ہے۔ اپنی دیواریں گرتے ہی وہ خوں خوار آواز میں بولا۔ ”جمیل احمد خان! اگر ہم آدم خور ہوتے تو آج یہاں ایک شاندار جشن منایا جاتا۔ آخر ہم تمہیں اس حویلی میں کھینچ ہی لائے؟ صدیوں سے یہ دستور ہے کہ کوئی انسان اس حویلی سے سلامت واپس نہیں گیا، ہاں جسے ہم نے چاہا، اسے واپس کر دیا۔“

”اگر ایسا ہی تھا تو راستے میں پتھر اور کانٹے بچھانے کی کیا ضرورت تھی؟“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ”میں سیدھا اسی طرف آ رہا تھا، سنو رحیق! بات بڑھانے کی حماقت نہ کرو۔ لڑکی میرے حوالے کر دو، بات یہیں ختم ہو سکتی ہے۔“

”بات تو تم نے بڑھائی ہے خان صاحب! جب اپنے دامن پر آنچ آئی تو گھبرا گئے۔ درخشاں اور زرافشاں کی عصمتیں ایسی ارزاں نہیں تھیں۔ تمہاری درندگی کا زخم صرف اسی طرح مندمل ہو سکتا تھا۔“

”زبان قابو میں رکھو!“ میں حلق کے بل چلایا۔ ”تم درخشاں اور زرافشاں کی حفاظت نہیں کر سکے لیکن میں اپنی لڑکی کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔“

”تم دیکھ رہے ہو کہ تمہاری لڑکی ببن علی کے ہاتھوں میں ہے۔ ببن علی اس پری پیکر کے پیچھے تباہ ہوا تھا۔ اب اس کی ایک تشنہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ تزئین اس کے بازوؤں کے حصار میں ہے اور اس وقت اسے دنیا کا ہوش نہیں ہے۔ دیکھو، وہ کیسے مست پڑے ہیں، یہ منظر دیدنی ہے جمیل احمد خان! اس سے تو تمہیں لطف لینا چاہیے۔“ رحیق نے میرے سینے پر نشتر چلایا۔

رحیق کے جملے ایسے شخص کے لئے ناقابل برداشت تھے جس کا نام جمیل احمد خان ہو اور جسے اپنے جسم پر اختیار نہ ہو۔ آنند لال کی موجودگی میں یہ جملے اور گراں گزرے۔ مجھے کمرے کے در و دیوار گھومتے محسوس ہوئے۔ تزئین کے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں تھا۔ وہ نڈھال ایک طرف گردن ڈھلکائے ببن علی کی آغوش میں پڑی تھی۔ خود ببن علی کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ دونوں گم صم مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ میں نے تیزی سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کی لیکن یکلخت رک گیا۔ مجھے ببن علی کی حویلی کا واقعہ یاد آ گیا

جہاں جنوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دائرہ بنا رکھا تھا پھر ایک ٹکراؤ کے بعد ہمارے حصار ٹوٹ گئے تھے۔ وہاں میرے ان دشمنوں کی تعداد کم تھی لیکن یہاں صورت حال اس کے برعکس تھی اور حصار ٹوٹ جانے کی صورت میں آنندلال پر کوئی افتاد پڑ جانے کا امکان تھا۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے حالات پر قابو پانے کا فیصلہ کیا۔ انکا نے بھی مجھے ٹہوکا دے کر ٹھہرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے چند لمحوں کی مہلت مل جائے اور میں جنوں کے تمام دفاعی دائرے ختم کر دوں۔ میں ان کی پناہ گاہ میں تھا اور مجھے اس بات کا بھی خیال تھا کہ اگر میری جانب سے کوئی اوچھا وار کیا گیا تو کھیل بگڑ جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ جن زچ ہو کر تزئین کو نشانہ بنا ڈالیں۔ یہی ایک مجبوری تھی جو ہر مرحلے پر میرے پاؤں پکڑ رہی تھی۔

رحیق میرے قدم رکتے دیکھ کر بکواس کرنے لگا۔ میں نے اسے بکواس کا موقع دیا اور نندا اور کپالا کے سکھائے ہوئے چند آزمودہ عمل پڑھنے شروع کر دیئے۔ پھر میرے ہاتھ ہیبت ناک انداز میں اٹھ گئے اور کمرے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ ”ہٹ جاؤ۔ بھاگ جاؤ کم بختو!“ میں بری طرح دہاڑنے لگا۔ جنوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ میں جنون کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔

وہ میرے قریب آنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ میری انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور ان میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ میں چاہتا یہی تھا کہ وہ کسی طرح وحشت میں میرے دائرے کے قریب آ جائیں اور میں انہیں بتاؤں کہ ان کا واسطہ کس شخص سے ہے؟ میری ہذیانی حالت سے وہ خاصے متاثر معلوم ہوتے تھے۔ میں اول جلول انداز میں سر پٹختا ہوا زمین پر لیٹ گیا اور میں نے اپنا جسم لٹو کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ آنندلال اچک اچک کر پیچھے راستہ دیتا جاتا تھا۔ میں اسی طرح بڑھتے بڑھتے تزئین اور بن علی کے قریب پہنچ گیا۔ جب میں ان کے نزدیک ہونے لگا تو انہوں نے ایک غضب ناک چیخ، پکار کے ذریعے میری اور آنندلال کی توجہ ہٹانی چاہی۔ ان کی آوازیں جانوروں کی آوازوں سے مشابہ تھیں۔ میں نے کوئی پروا نہیں کی اور اپنا عمل جاری رکھا۔ یہ ایک مشکل ترین اور ہول ناک عمل تھا۔ جب انہیں یقین ہونے لگا کہ میں اسی طرح گھومتے گھومتے اپنے جسم سے دائرہ بڑھاتے بڑھاتے تزئین کے پاس پہنچ جاؤں گا اور ان کا دائرہ میری ہذیانی مشق سے یوں ہی ختم ہو جائے گا تو انہوں نے میرے گرد دائرہ تنگ کر لیا۔ مگر جوش غضب میں جو بھی آگے آیا، وہ چیختا ہوا دائرے سے باہر اچھلنے لگا۔ دو تین جنوں نے یہ کوشش کی اور چیخ مار کر پیچھے ہٹے جیسے ان کا جسم ننگے برقی تاروں سے مس ہو گیا ہو۔ اس ناکامی سے ان میں افراتفری پھیلنے لگی اور وہ ایک دوسرے کی طرف سوال طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں اسی افراتفری میں تزئین کے پاس پہنچ گیا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کے بجائے تزئین اور بن علی کے گرد لیٹے لیٹے گھومنا شروع کر دیا اور بہت پھرتی سے چکر لگا کر کھڑا ہو گیا، میرے سارے کپڑے

رگڑ کی وجہ سے پھٹ گئے تھے اور کہنیوں ٹخنوں سے خون بہنے لگا تھا۔ آنندلال بھی ہانپ رہا تھا۔

کچھ جنوں نے پھر سے یلغار کرنے کا ارادہ کیا مگر دوسرے جنوں نے انہیں روک لیا۔ میں بن علی اور تزئین کی پشت پر کھڑا تھا۔ میں نے اپنا کرتہ اتار کر تزئین کے شانوں پر ڈال دیا تاکہ اس کے پھٹے ہوئے لباس میں سے جھانکتے ہوئے حصے میری نظروں سے دور ہو سکیں۔ پھر میں نے خوش اسلوبی سے مجہول بن علی کو اٹھایا اور اس کے رخسار پر ڈھیلے ہاتھ کا ایک بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگا۔ پے در پے کئی طمانچے کھانے سے اس کا دہانہ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا۔ منہ سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ وہ درد و کرب سے تڑپنے لگا۔ ”جمیل! اب یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو۔ بن علی پر وقت ضائع نہ کرو۔“

انکا نے میرے بال پکڑتے ہوئے کہا۔ ”کسی وقت بھی وہ کچھ کر سکتے ہیں۔ میں نے تمہیں درمیان میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن زرافشاں اور درخشاں خطرے میں ہیں۔ شبن خان کا قمار خانہ گھیرا جا چکا ہے اور وہ مجھے آوازیں دے رہا ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو؟“ میں نے تشویش سے پوچھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم اب یہاں سے آسانی کے ساتھ نکل سکتے ہو۔ وہ خاموش ہیں۔ اب انہیں زیادہ نہ چھیڑو۔“ انکا نے مشورہ دیا۔

”میں بن علی کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔“ میں نے بوکھلاتے ہوئے کہا۔

”ایک پاگل شخص زندہ کہاں ہوتا ہے؟ وہ تو جنوں کا آلۂ کار ہے۔ اصل مجرم تو رحیق ہے۔“

”تو پھر میں رحیق کو ٹھکانے لگاتا چلوں۔ رحیق کہاں ہے؟“ میں نے نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

”وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔“

”وہ بھاگ چکا ہے۔“

”مگر کس طرح؟“

”اس روشن دان سے۔“ انکا نے اشارہ کیا۔

”رحیق کہاں ہے مردود!“ میں نے چلا کر کہا۔ ”اسے سامنے لاؤ تاکہ میں اسے بتا سکوں کہ اس نے کس شخص کی آبرو پر ہاتھ ڈالا تھا؟“

تمام جن مجھے حیرت سے گھور رہے تھے۔ تزئین اور بن علی اب میرے قبضے میں تھے۔ میں نے جنوں کے خاموش چہرے گھور کے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔ ”رحیق کو پیش کرو۔ انکار کی صورت میں تم میرے قہر سے نہ بچ سکو گے۔“

میری شعلہ گفتاری اور رحیق کے اچانک فرار ہو جانے سے وہ ششدر تھے۔ ان کی نظریں خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ ”بولتے کیوں نہیں، جواب دو! رحیق کہاں ہے؟“ میں نے پوچھا۔

"تم اپنی بیٹی کو لے جاسکتے ہو۔" بوڑھا جن آگے بڑھ کر بولا۔

"مگر میں رحیق کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، اسے تو میں ساتھ لینے ہی آیا تھا۔ میں نے تم سے معاملے کی بات کرنا چاہی تھی۔ اس بدمعاش رحیق نے تم سب کو ذلیل کرایا۔" میں نے للکار کر کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلا گیا؟" بوڑھے جن نے ٹھہراؤ سے کہا۔ "تم ضد کر رہے ہو۔"

"میری ضد کا انجام میرے سامنے ہے۔" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ میں رحیق کو قید کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم خواہ مخواہ الجھ رہے ہو۔" انکا نے پیچ و تاب کھا کے کہا۔ "اب چلے چلو، انہیں اچھا خاصا سبق مل گیا ہے۔"

"انکا ٹھیک کہتی ہے جمیل بھائی! اب چلے چلو۔" آنند لال نے کہا۔

یہ کوئی اچھی واپسی نہیں تھی۔ میں ان سب کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا مگر تزئین کی حالت، شبن خان کی خبر، رحیق کے فرار اور انکا اور آنند لال کے اصرار کے پیش نظر میں نے باہر نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس وقت وہ پوری طرح مغلوب تھے۔ "ٹھیک ہے، میں جاتا ہوں۔" میں نے خشونت سے کہا۔ "مگر کان کھول کر سن لو۔ اگر اب تم نے کوئی اوچھا قدم اٹھایا تو میں سب کی تباہی کا سبب بن جاؤں گا۔ یہ ایک آخری تنبیہہ ہے۔ اب میرے راستے سے ہٹ جاؤ اور ہمیں خوش دلی سے رخصت کرو۔"

ہبن علی پر ایک آخری بھرپور ضرب لگا کے میں نے تزئین کو اپنے کاندھے پر ڈالا۔ ہبن علی بلبلا کر زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ "اسے سنبھالو مردارو! اس کا انجام میرے حسب منشا نہیں ہوا ہے۔" یہ کہہ کے میں نے آنند لال کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ "کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا۔" میں نے بپھرے ہوئے جنوں سے کہا۔

دروازے پر میری روشن کی ہوئی آگ اب کمزور پڑ چکی تھی۔ میں نے وہ آگ عبور کی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ پھر سنسان راہداری میں آگیا جہاں لکڑی چٹخنے کی آواز موت کا سکوت توڑ رہی تھی اور روشنی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ انکا اطراف میں کوئی خطرہ محسوس کرنے کے لئے بار بار اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ آنند لال کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ میں پرانی حویلی کے کھنڈروں سے گزرتا ہوا کھلی فضا میں آگیا۔ حویلی سنسان پڑی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں کتنا زبردست معرکہ برپا ہوا ہے۔ راستے میں ایک جگہ درخت کے نیچے رک کر میں نے تزئین کو لٹایا۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا اور اس کا منہ اپنے کرتے کے دامن سے صاف کیا۔ اس نے آنکھیں پٹ پٹائیں لیکن درندوں نے اس کے ساتھ بڑا ظلم کیا تھا۔ وہ کتا ہبن علی اس کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔

"آپ فکرمند کیوں ہوتے ہیں جمیل بھائی! یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" آنند لال میری پشت پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

"فکرمند کیسے نہ ہوں آنند لال! اسے اس حال میں دیکھ کر میرا کلیجا پگھل رہا ہے۔" میں نے رقت سے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دور چلتے ہی پھر کسی گاڑی میں بیٹھ کر شبن علی کے ٹھکانے پر پہنچتے ہیں۔ شبن خان پر نہ معلوم کیا گزر رہی ہوگی؟"

کچھ فاصلے پر جا کے انکا کے ذریعے ہمیں ایک گاڑی فراہم ہوگئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب کوئی احتیاطی تدبیر مناسب نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ رحیق اور اس کے ساتھی خاموش ہوگئے ہوں گے۔ رحیق کو اپنے انجام کے ڈر سے فرار ہونے ہی میں مصلحت نظر آئی ہوگی۔ رحیق کو چھوڑنے کا مجھے بے حد صدمہ تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ درخشاں اور زرافشاں کو شبن خان کی قیام گاہ سے نکالنے کے بعد کسی محفوظ مقام پر پہنچادوں گا مگر بھول ہوگئی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اتنے بہت سے جنوں میں صرف رحیق پر نظر رکھنا اور خود حصار مضبوط بنانا، دونوں کام بیک وقت کرنے مشکل تھے۔ ہماری گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی شبن خان کے قمار خانے کی طرف گامزن تھی کہ تزئین کا مضمحل جسم پھریریاں لے کر بیدار ہوا۔ میں اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ یکایک میرا ہاتھ ایک شدید جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔ میں نے حیرت سے تزئین کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں چند لمحے پہلے خوابیدہ تھیں مگر اب بڑی سرخ اور خوں خوار نظر آرہی تھیں۔

"جمیل احمد خان!" تزئین نفرت انگیز لہجے میں بولی۔ "اب تم میرے رحم و کرم پر ہو۔"

میرے علاوہ انکا اور آنند لال کے کان بھی کھڑے ہوگئے۔ اب دیر ہو چکی تھی۔ مجھے یہ سمجھنے میں بمشکل ایک لمحہ صرف ہوا کہ رحیق نے حویلی سے باہر ہمارا حصار ٹوٹتے ہی تزئین کے جسم پر قبضہ کرلیا ہے۔ میں اپنی حماقت پر خود کو کاٹ کھاتا، اگر میں کاٹ سکتا۔

"میں باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" رحیق تزئین کی زبانی زہرخند سے بولا۔ "اب مجھے اپنی بیٹی کے جسم سے نکالنے کے لئے کوئی منتر پڑھو۔"

"رحیق! تزئین کا جسم چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں کہیں کا نہ رکھوں گا۔ میں تمہیں کھینچ کر باہر نکال لوں گا۔"

"یہ بات اتنی آسان نہیں ہے جمیل احمد خان!" تزئین نے کہا۔ "تم اپنی لڑکی پر ظلم نہیں کر سکتے اور جب تم اس پر ظلم نہیں کر سکتے، اس وقت تک میں بڑے آرام سے ہوں۔ اٹھاؤ ہاتھ اور اس کے نازک بدن پر ضربیں لگاؤ۔"

"تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"مجھے تمہاری لڑکی پسند آگئی ہے۔ بہت دل کش ہے۔"

Downloaded from Paksociety.com

"تم بڑے کمینے ہو۔ میں تمہیں...... میں تمہیں......" میرے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔

"تم بھی کچھ کم کمینے نہیں ہو۔ کمینے پن کی ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔ تم نے زرافشاں اور درخشاں جیسے پھول روندے تھے۔" تزئین نے ڈھٹائی سے کہا۔

میرا ہاتھ اٹھتے اٹھتے اور میرا منہ کھلتے کھلتے رہ گیا۔ میں اپنی بیٹی پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا تھا؟ میں تزئین کو کس طرح اذیت دے سکتا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ گاڑی کا رخ موڑ دے۔ ڈرائیور کے سر پر انکا موجود تھی۔

"کہاں لے چلنے کا ارادہ ہے؟" رحیق نے بے خوفی سے پوچھا۔

"تمہیں جہنم رسید کرنے۔" میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے خان صاحب! میں بھاگ تو نہیں رہا ہوں۔ مجھے اس گداز بدن کا لطف تو لے لینے دو۔"

"جمیل!" ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کچھ کرتے کیوں نہیں؟"

"اب یہ کیا کریں گے؟" رحیق نے تزئین کی زبانی کہا۔

یہ میرے لیے بڑے صبر آزما لمحے تھے۔ رحیق نے میری شہ رگ دبا رکھی تھی۔ شاید میں پاگل ہو جاتا۔ جمیل احمد خان بندھ گیا۔ میں ایک عرصہ گزارنے کے باوجود بے بسی محسوس کر رہا تھا حالانکہ انکا بھی ساتھ تھی، آنند لال بھی تھا اور خود میں بھی موجود تھا۔ میں جنوں کے غول میں درانہ گھس گیا تھا۔ میں اس کم بخت کی زندگی حرام کر دیتا۔ آنند لال بھی اس صورت حال سے پریشان تھا۔ رحیق کو نکالنے کے لئے تزئین کے جسم کو اذیت دینی لازمی تھی۔ میں نے اسے تسخیر کرنے کے لئے مجبوراً خاموشی سے ایک عمل شروع کیا۔ اسی لمحے تزئین کا جسم سرتاپا لرزنے لگا اور اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ وہ گاڑی میں سر پٹخنے لگی جیسے اس پر مرگی کا دورہ پڑ رہا ہو۔ میں اس صورت سے گھبرا گیا۔ اسی وقت تزئین قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ "کیا ہو گیا؟"

"جمیل بھائی! سوچ سمجھ کر۔" آنند لال درمیان میں بولا۔

"تمہارا دوست صحیح مشورہ دے رہا ہے۔"

کوئی بھی عمل کیا جا سکتا تھا کیونکہ رحیق ایک معمولی اور بدکردار جن تھا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو میں اسے آسانی سے بھگا دیتا مگر یہ تو تزئین تھی۔ مجھے تزئین کی ایک چیخ بھی گوارا نہیں تھی۔ رحیق تشدد پر اتر آیا تھا۔ گاڑی کا رخ اب پھر دلی کی ویران بستیوں کی طرف تھا۔ میں نے گاڑی رکوا دی اور ہم ایک جگہ اتر گئے۔ اترتے ہی میں نے دوبارہ عمل شروع کر دیا۔ تزئین نے اپنے بال اور لباس نوچنا شروع کر دیا۔ ایک بار پھر اس کا وجود شدید جھٹکوں کی لپیٹ میں تھا۔ مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میں نے عمل ادھورا چھوڑ دیا۔

"جمیل بھائی! آپ عمل جاری رکھیں۔" آنند لال بولا۔

میں نے بے چارگی سے آنند لال کی طرف دیکھا۔ تزئین کی نظروں میں شیطنت پھر عود کر آئی تھی۔ میں ان نظروں سے سراسیمہ ہو گیا۔ میرے ہونٹ خود بخود ہلنے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور تزئین ایک کربناک چیخ مار کر زمین پر گری اور اس کے جسم میں رعشہ آ گیا۔ میں ایک بار پھر اپنا عمل روک دیتا لیکن میں نے دل پر جبر کر کے اور آنکھیں بند کیے کیے اسے اور تیز کر دیا۔ تزئین کی چیخوں نے کئی بار مجھے منتشر کیا پھر اچانک جو کچھ ہوا، اسے دیکھ کر میرا عمل درمیان ہی میں رہ گیا۔ تزئین نے ایک آہ کے ساتھ تڑپنا بند کر دیا۔ میری سانس رک رہی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تزئین کا جسم زمین پر ساکت پڑا تھا۔ میں بے تابانہ اس کے جسم سے لپٹنے کو دوڑنا چاہتا تھا کہ ایک کھنک دار آواز سنائی دی۔ یہ کلپنا کی آواز تھی۔ کلپنا تزئین کا جسم حقارت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کلپنا کو دیکھ کر مجھے ایک ثانئے کے لئے خوشی ہوئی۔ پھر یہ خوشی رنج اور غصے میں بدل گئی۔ میں سرد آواز میں چلایا۔ "اب کیا لینے آئی ہو؟ سب کچھ لٹتا جا رہا ہے۔"

"تم اپنی زبان بند رکھو جمیل احمد خان!" کلپنا نے بدستور تزئین کے جسم پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ پھر بگڑے ہوئے تیور سے بولی۔ "میں نے تجھے اشاروں اشاروں میں منع کیا تھا، بول اب کیا ارادہ ہے؟"

"تم کون ہو؟" تزئین کے ساکت جسم میں حرکت ہوئی اور اس کی زبان سے بمشکل یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"تم نے مجھے بیاکل کیا ہے اور جو مجھے بیاکل کرتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھتا۔ میں تمہاری موت ہوں۔"

"تم ہمارے درمیان کیوں آ رہی ہو؟ جمیل احمد خان پاپی ہے۔" تزئین بولی۔ "یہ میرا اور جمیل احمد خان کا معاملہ ہے۔"

"تو جمیل احمد خان کا مقابلہ کر سکتا ہے پلید؟ تو نے دوبارہ ٹانگ اڑا کر اب فرار ہونے کا موقع بھی کھو دیا ہے" کلپنا نے تیز آواز میں کہا۔ "سن! اگر تیرے دل میں کوئی حسرت ہے تو جمیل احمد خان سے دو دو ہاتھ کر لے۔ میں بیچ میں نہیں آؤں گی، پر مکتی چاہتا ہے تو اس لڑکی کو ترنت چھوڑ دے۔"

"میں انکار کرتا ہوں۔" تزئین نے بے پروائی سے کہا۔

"انکار کرتا ہے۔" کلپنا کا چہرہ دہکتے انگاروں کے مانند سرخ ہو گیا۔ "پھر سوچ لے مورکھ! ابھی سمے ہے۔"

چند لمحوں تک مکمل سکوت طاری رہا پھر میں نے دیکھا کہ تزئین کا جسم جھٹکے لے رہا ہے۔ میں نے

اسے پکڑنا چاہا مگر کلپنا نے مجھے روک دیا۔ "تو نے مہان شکتیوں کے آڑے آنے کی کوشش کی ہے۔" کلپنا غرا کر بولی۔ "اب جب تک تو وچن نہیں دے گا، میں تجھے اپنے منڈل سے باہر آنے کی آگیا نہیں دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" تزئین کے منہ سے ایک تھکی ہوئی آواز آئی۔

"یوں نہیں۔" پھر کلپنا نے دوسری جانب کسی جواب کا انتظار کئے بغیر اچانک آگے بڑھ کر تزئین کی بائیں کلائی پر اپنی ایک انگلی رکھ دی۔ تزئین کسی غیر معمولی دکھ سے اوپر اچھل گئی اور اس نے اپنی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف پھرنا شروع کر دیں۔ نقاہت سے اس کی گردن ٹھہرتی نہیں تھی۔ میں دیوانہ وار اس کی طرف بڑھا اور میں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ "تزئین...... میری بچی۔"

"بابا آپ!" اس نے مجھے حیرت سے تکتے ہوئے کہا پھر اطراف کا جائزہ لے کر تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کہاں ہوں؟"

"اپنے ذہن پر زور مت ڈالو میری جان!" میں نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔ معاً میری نگاہ اس کی بائیں کلائی پر پڑی۔ عین اس جگہ ایک چھوٹا سا سیاہ داغ نظر آ رہا تھا جہاں کلپنا نے انگلی رکھی تھی۔ میں نے کلپنا کی جانب وضاحتی نظروں سے دیکھا۔

"اب کوئی شکتی اسے پریشان نہیں کر سکتی۔" وہ مسرت سے بولی۔

"کیا وہ کم بخت تمہارا منڈل توڑ کر نکل گیا؟" میں نے طنزاً دریافت کیا۔

تزئین کے علاوہ آنند لال بھی چونکے بغیر نہ رہ سکا اور چاروں طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کس سے باتیں کر رہے ہیں جمیل بھائی؟"

تزئین سہم کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔ کلپنا شاید میرے سوا کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ صرف انکا نے اسے دیکھا تھا اس لیے وہ اُسے دیکھ کر میرے سر سے سرک گئی تھی۔ کلپنا اب بھی میری نظروں کے سامنے تھی۔

"تمہارے من میں دیوی کی طرف سے جو میل آ گیا ہے، اسے دور کرو۔ وہ نراش ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے۔ کیول تمہارے کارن کیا ہے۔"

"تم اس کی داسی ہو کلپنا۔" میں نے اداسی سے کہا۔ "دیوی کے گن گانا اور اس کی بھگتی کرنا تمہارا دھرم ہے۔ میرا کوئی داس نہیں۔" میری آواز صرف اسی تک منتقل ہو سکتی تھی۔

"ایسا مت سوچو مہاراج۔" کلپنا جذبات زدہ عالم میں مخاطب ہوئی۔ "دیوی نے اپنا تن من سب کچھ تیاگ دیا ہے۔"

"اسے اب بھی گاہے گاہے میرا خیال آ جاتا ہے؟" میں نے طنزاً کہا۔ "آ...

خان مر چکا ہے، اب کس کا خیال؟" میں نے خاموش زبان سے کلپنا کو اپنا پیغام دیا اور تزئین کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میں کلپنا سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا تھا ورنہ جذبات کے نہ جانے کتنے سیلاب بہہ جاتے۔ ہم دونوں کی آنکھیں نم ناک تھیں۔ یہی بہتر تھا کہ ہم جدا ہو جائیں۔

کلپنا کے جدا ہونے کے بعد انکا میرے سر پر آ گئی۔ اس نے کچھ پوچھنا چاہا مگر جواب دینے کا موڈ نہیں تھا۔ میں خاموش ہی رہا۔ انکا، تزئین کے سر پر چلی گئی۔ اس کے جانے سے تزئین کی نقاہت بڑی حد تک کم ہو گئی اور وہ سب کچھ بھول کر انکا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ حالات کی سنگین نوعیت، اپنی ابتر حالت، میری اور آنند لال کی موجودگی اور محل وقوع کی تبدیلی سے صورت حال سمجھ چکی تھی۔ وہ بڑی ذہین لڑکی تھی۔ انکا نے اشارتاً بھی اسے بتایا۔ وہ سید غوث کے لئے بے چین ہونے لگی۔ آنند لال میرے ساتھ گم صم چل رہا تھا۔ شبن خان کے مکان پر نہ جانے کیا قیامت آ گئی ہو۔ میں تزئین کو جلد سے جلد بمبئی بھجوا دینا چاہتا تھا۔ میں نے آنند لال سے بمبئی جانے کو کہا۔ وہ ہچر مچر کرنے لگا مگر میرے اصرار پر اسے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انکا نے دلی کی آبادی کے قریب ہی تزئین کے لیے دو چار جوڑی کپڑے فراہم کر دیے۔ انکا کے لئے یہ ایک آسان کام تھا۔ تزئین نے ایک اجنبی مکان میں آرام سے غسل کیا۔ لباس پہنا۔ مجھے اسٹیشن جانے کی فرصت نہیں تھی۔ میں نے انکا کو تزئین کے سر پر ہی رہنے دیا اور اپنی بیٹی کو گلے لگا کر جلد آنے کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔

جب میں واپس شبن خان کے اڈے پر پہنچا تو وہاں پورا نقشہ بدلا ہوا تھا۔ باہر پولیس کے آدمی ٹہل رہے تھے اور سڑک پر تماشائیوں کا میلا لگا ہوا تھا۔ میرا لباس پھٹا ہوا تھا اور جگہ جگہ خون کے دھبے لگے ہوئے تھے، میں نے دور کھڑے رہ کر معاملے کی نوعیت سمجھنا چاہی اور مجھے معلوم ہوا کہ شبن خان اس وقت سخت پریشانی میں ہے۔ اس کا اڈا گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ میرا وہاں پہنچنا ضروری تھا۔ میں بھیڑ میں راستہ بناتا ہوا اندر داخل ہونے لگا تو ایک پولیس والے نے مجھے روک لیا۔

"کدھر جاتے ہو بابا! وہاں اب بھنگ چرس کچھ نہیں ملے گی۔" سپاہی نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔ "اب کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈو۔"

میں نے اسے ایک نظر گھور کر دیکھا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے تماشائیوں نے میرا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ سپاہی میری آنکھوں کی مقناطیسی کشش کی تاب نہ لا سکا۔ "اندر پولیس ہے بابا!" وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بولا۔

"اسے میری ضرورت ہے۔" میں نے دبنگ آواز میں کہا۔ "مجھے جانے دے۔" "اچھا؟ تجھے جانے دے۔" اس نے بے چارگی سے کاندھے اچکائے۔ میں نے بے نیازی سے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کی لاٹھی ہٹائی اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ میری صورت دیکھتا رہ گیا اور باہر شور مچتا رہا۔

میں سیدھا نچلے حصے میں گیا۔ کانسٹیبل اور افسران بکھرے ہوئے تھے، شبن خان درمیان میں مجہول سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد اس کے تمام ساتھی مغموم کھڑے تھے۔

"کیا ہے؟" میں نے جاتے ہی پکارا۔

سب میری طرف متوجہ ہوگئے۔ شبن خان کی آنکھوں میں روشنی کا ایک شعلہ لپکا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ "استاد! تم واپس آ گئے، کہو خیریت ہے؟"

"اپنی طرف تو سب خیریت ہے، پر یہ کیا دنگا ہو رہا ہے؟" میں نے پولیس والوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہ اب تک موجود ہیں۔ ان کا خیال ہے، لڑکیاں اس مکان میں ہیں۔ میں نے انہیں لاکھ سمجھایا پر یہ مانتے ہی نہیں۔ اب اور کچھ نہیں تو انہوں نے شراب، چرس اور بھنگ پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ شبن خان کے لئے کھیل تماشے پرانے ہیں۔ تین چار اوزار جو اوپر کمرے میں دشمنوں سے نمٹنے کے لئے رکھے تھے، انہوں نے وہ بھی قبضے میں کر لئے، اس کے باوجود ان کی ہٹ ہے کہ لڑکیاں یہیں موجود ہیں۔ اب انہیں کون سمجھائے یہ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ صرف دیواریں اور زمین کھودنا باقی رہ گیا ہے۔ یہ بھی کر دیکھیں۔" شبن خاں پولیس کے نرغے میں تھا مگر بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

میں کشمکش میں پڑ گیا۔ شبن خان نے لڑکیاں کہاں چھپائی ہوں گی؟ کسی حرام زادے نے مخبری کر دی ہوگی کہ شبن خاں کے اڈے میں دونو جوان لڑکیاں موجود ہیں۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ انکا بھی موجود نہیں تھی۔ پولیس سے مڈھ بھیڑ کا سوال نہیں تھا کیونکہ باہر تماش بینوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا۔

"تم میری فکر چھوڑو استاد! میری ان کی یاری پرانی ہے۔ اپنی سناؤ نگینے خیریت سے پہنچ گئے؟" شبن خان نے آنکھ مار کر پوچھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا پوچھ رہا ہے؟ کون سے نگینوں کے بارے میں کہہ رہا ہے؟ میں نے تشویش سے کہا۔ "شبن خان! ذرا ادھر تو آؤ۔"

ایک پولیس افسر ہماری باتیں سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"اپنا استاد۔ اپنا یار۔" شبن خان اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس کے ہاتھ میں بجلی بھری ہوئی ہے۔"

"یہ اپنے علاقے کا تو نہیں ہے؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"ارے انسپکٹر صاحب، اس سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا۔ ذرا دور دور رہو۔ شبن خان جب کسی کو استاد کہتا ہے تو کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہتا ہے۔" شبن خان نے میری طرف آتے ہوئے کہا۔ "ہاں استاد! کیا بات ہے؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

میں اسے لے کر ایک کونے میں ہو گیا۔ پولیس افسر نے ہمارے قریب آنا چاہا مگر وہ میری آنکھوں کی سرخی سے مرعوب ہو گیا۔ میں نے اسے شدید غصے سے دیکھا۔ "دور ہٹو۔ بات کرنے دو۔"

"اطمینان سے بات کرو۔" پولیس افسر جھینپ کر بولا۔ "آج شبن خان بچ نہیں سکتا۔"

"کیا معاملہ ہے شبن خان! لڑکیاں کہاں چھپا رکھی ہیں؟" میں نے اس سے راز داری سے پوچھا۔ شبن خان دنگ رہ گیا۔

"کیا مطلب استاد! یہ بھی خوب رہی۔ ایسے وقت میں تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" شبن خان ہنستے ہوئے بولا۔

"شبن خان!" میں نے ڈپٹ کر کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"ہائیں؟ یعنی خوب!" شبن خان سٹ پٹا گیا۔ "تم نے بھنگ چڑھا رکھی ہے استاد؟"

"میں ہوش و حواس میں ہوں کیا، کیا......" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں کیا کہنا چاہتے ہو تم......تم۔" شبن خان بھی کچھ نہ بول سکا۔

"جلدی بتاؤ کہ کیا واقعہ پیش آیا؟"

"شبن خان کی آنکھیں دھوکا کھا گئیں۔ خدا کی قسم استاد! میں کیسے یقین کروں کہ وہ تم نہیں تھے۔ تمہی تو انہیں لے گئے ہو۔" شبن خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ "سچ سچ بتاؤ شبن خان۔"

"میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ سچ کہہ رہا ہوں۔ لڑکیاں......"

میں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ "اوہ، وہ پھر باز نہیں آیا۔"

"کون؟ وہ تمہارا ہم شکل تھا۔ اس کا ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے پوری تسلی کر لی تھی۔"

"کب؟ وہ کب آیا تھا؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔ میں نے پہلے تو نیچے ہی روکے رکھا۔ پولیس اوپر جاتی تو لڑکیاں اسے نظر آ جاتیں۔ پھر مجھے خبر دی گئی کہ تم اوپر موجود ہو۔ پولیس کو جل دے کر اوپر گیا اور میں نے اوپر جا کر دیکھا تو تم دروازہ کھول رہے تھے۔ میں نے تہ خانے کا راستہ دکھایا اور وہاں سے باہر نکلنے کا خفیہ راستہ بھی۔ جب تم چلے گئے تو میں انہیں اوپر لے آیا۔ وہ تہ خانے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے انہیں کچھ نہیں ملا۔ مجھے بتاؤ، استاد، یہ کیسا لفڑا ہے؟"

"کچھ نہیں شبن خان۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "مجھے معاف کر دو۔ تم ان کے ساتھ تھانے چلے جاؤ۔ تمہیں کچھ دن یقیناً جیل میں رہنا پڑے گا لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں جلد ہی چھڑا کر لے آؤں گا۔"

"میری بات چھوڑو۔ جیل تو اپنا دوسرا گھر ہے۔ ادھر نہ رہے، ادھر رہ لیے۔ جیل میں اپنے ٹھاٹ رہتے ہیں۔ کاروبار چلتا رہے گا۔ سب دھندا پانی اسی طرح چلتا ہے بابا۔ پولیس والوں کو خانہ پُری کرنے

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایما ءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

دو۔ ان کی روزی بھی ہمارے دم سے ہے۔"

"نہیں شبن خان! میں تمہارے پاس جلد واپس آؤں گا۔"

"جیل میں؟" شبن خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب مجھے جانا ہوگا۔" میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کی تلاش میں جانا ہے۔"

"جانے سے پہلے کچھ تسلی تو کرتے جاؤ کہ یہ کیا گورکھ دھندا ہے؟" شبن خان نے میرا ہاتھ پکڑ کے کہا۔

"یہ وقت کچھ بتانے کا نہیں ہے شبن خان! اس وقت مجھے جانے دو۔" میں نے اپنا ہاتھ چھڑا کے اضطراب سے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا استاد! قسمت یاوری نہیں کر رہی ہے ورنہ شبن خان تمہارے ساتھ ہی چلتا۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے شبن خان!" میں تھپ تھپاتا اسے پولیس کے درمیان چھوڑ کے باہر آ گیا۔ پولیس والوں نے مجھے روکنا چاہا لیکن روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ شبن خان کی وجہ سے پولیس کی آنکھ میں کچھ مروت باقی تھی۔ انہوں نے مجھے زیادہ پریشان نہیں کیا۔ میں پھر دلی کی گنجان سڑکوں پر آ گیا۔

☆......☆......☆

بدھ گیا سے چلنے کے بعد یہ چند روز سفر یا مصیبتوں ہی میں گزرے تھے۔ زرافشاں اور درخشاں کو پھر رحیق لے گیا تھا۔ میں چاہتا تو ان کا تعاقب چھوڑ دیتا لیکن زرافشاں، درخشاں سے اس طرح دست بردار ہونے میں ذلت محسوس ہوتی تھی۔ ان سے دورانِ سفر میں ایک طرح کی وابستگی ہو چلی تھی اور ابھی جب انہوں نے میری ذات پر اعتماد کرنا شروع ہی کیا تھا کہ انہیں رحیق لے گیا۔ بن علی نیم پاگل تھا۔ ان کی حویلی راکھ ہو گئی تھی۔ اب ان کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ ہر چند کہ ان کی تباہی کا سب سے بڑا سبب میں تھا لیکن انہی سے مجھے ہمدردی تھی۔ رحیق نے پھر میرے جسم و جاں میں آگ پھونک دی تھی۔ میں شبن خان کے اڈے سے نزدیک ایک قبرستان میں بیٹھ گیا۔ یہ ایک جگہ تنہائی اور سکون کی تھی۔ لوگ قبروں کے پاس آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ انہیں پتا نہیں کہ مردے اس بات سے کتنے خوش ہوتے ہوں گے، قبرستان کے ایک کنوئیں سے پانی نکال کر میں نے اپنا چہرہ صاف کیا اور ایک قبر کے سرہانے ارتکاز میں ڈوب گیا۔ میری نظریں درخشاں، زرافشاں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بھی تزئین کے مانند معصوم اور مظلوم لڑکیاں تھیں۔ رحیق انہیں دلی کی سڑکوں پر آسانی سے نہیں گھما پھرا سکتا تھا۔ وہ انہیں شکستہ حویلی

میں بھی نہیں لے جا سکتا تھا۔ لکھنؤ میں بن علی کی حویلی کے کھنڈر بھی باقی نہیں رہے تھے۔ میرا بہروپ بھر کے وہ درخشاں، زرافشاں کو زیادہ دیر تک لوگوں کے سامنے بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دلی ہی میں ہے۔ اسے گئے ابھی زیادہ وقت بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے اور وہ باطنی آئینہ جس پر ریاضت کی مشقت کے بعد جلا آتی ہے۔ میرے استغراق سے چمکنے لگا۔ یہ آئینہ انہی لوگوں کو نظر آتا ہے جو اسے دیکھنے کے خواہاں ہیں یا جنہیں قسمت بخش دیتی ہے۔ میں دونوں طرح اس آسودگی سے بہرہ ور ہوا۔ مجھے خدا نے بہت کچھ دیا تھا اور میں نے خود بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ میرے انہماک نے مجھے راستہ دکھایا اور میں نے جب اچھی طرح اپنا ذہن مطمئن کر لیا تو قبر پر الوداعی نظر ڈالی۔ نہ جانے کون خوش نصیب اس قبر میں سو رہا ہوگا؟ وہ مسلسل استغراق میں ہے، ایسا مراقبہ جس میں باہر کی ہوا ذہن کثیف نہ کر سکے۔ موت مجھ سے ناراض تھی اور زندگی بھی خوش نہیں تھی۔ میں نہ زندگی کے پیچھے بھاگتا تھا اور نہ اس میں شامل تھا مگر زندگی میرے پیچھے رواں تھی۔ قبریں دیکھ کر مجھے رشک آیا۔ یہاں میرے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ میں اپنی تیرہ نصیبیوں پر روتے روتے اٹھا اور چلتے چلتے لال قلعے کے اس پار جمنا کے کنارے تک پہنچ گیا۔ جمنا کا پانی پُرسکون تھا۔ سکون و سکوت کا ایسا نظارہ دیکھ کر آنکھوں کی صحت پر شبہ ہوتا تھا۔

رحیق دونوں لڑکیوں کو دلی کے نواح میں لے گیا تھا۔ وہ سادہ لوح دیہاتیوں کے سامنے ہی انہیں اپنے ساتھ رکھنے کا جواز پیش کر سکتا تھا۔ انکا ہوتی تو وہ لمحوں میں کسی ایک لڑکی کے سر پر پہنچ جاتی اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کر دیتی۔ میں انکا کو بلا سکتا تھا مگر جب تک تزئین اور آنند لال خیریت سے بمبئی نہ پہنچ جاتے، اسے بلاتے ہوئے جھجک ہوتی تھی۔ میں خود ہی چل پڑا۔ جب میں گاؤں میں داخل ہوا تو پرندوں نے آسمان خالی کر دیا تھا اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ دن بھر عجیب و غریب ہنگاموں میں گزر گیا تھا۔ پاؤں بوجھل ہو رہے تھے پھر بھی میرے تیز قدم آبادی کی جانب اٹھ رہے تھے اور میں نے رحیق سے آخری بار نمٹنے کے لئے کچھ فیصلے کر لیے تھے۔ میں اس چھوٹے سے گاؤں کی چار پانچ گلیوں سے گزرنے کے بعد اس مکان پر پہنچ گیا جہاں میرے اندازے کے مطابق لکھنؤ کے معزز گھرانے کی حسین لڑکیاں زرافشاں، درخشاں موجود تھیں۔ میں نے اندھیرے میں آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور اطمینان کر لیا کہ میرے ہاتھ صحیح جگہ پڑے ہیں۔ پہلی دستک کے بعد میں خود خاموش ہو گیا کہ مجھے رحیق کا محاصرہ کرنے کے لئے ذرا سی مہلت کی ضرورت تھی۔ دروازے سے ہٹ کر میں دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اور دیواریں ٹھونکتا ہوا دوبارہ دروازے پر آ گیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد جب میں نے دوبارہ دستک دی تو اندر سے "کون، کون......" کی آوازوں کے ساتھ کھانستی ہوئی ایک بوڑھی عورت نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چراغ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی

Downloaded from Paksociety.com

سسکاری نکل گئی "تم......؟تم تو ابھی......اندر تھے۔" وہ گھگیا کر بولی۔

"ہاں میں!" میں نے کچھ سمجھ کر کہا۔ "میں تم سے کہے بغیر باہر چلا گیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ کسی نے اندر سے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"مگر......مگر......" بوڑھی عورت کانپنے لگی۔

"ارے تم تو ڈر گئیں؟" میں نے ہنس کر کہا۔ "مجھے اندر تو آنے دو۔ گاؤں والے شہر والوں کی پھرتی دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔" میں اسے ہٹاتا ہوا اس چھوٹے سے مٹی کے مکان میں داخل ہو گیا اور تیزی سے سامنے والی کوٹھری کی طرف بڑھا۔ وہاں چراغ کی مدھم لو میں صرف درخشاں اور زرافشاں بیٹھی تھیں۔

"آپ یہاں سے اچانک کہاں چلے گئے تھے؟" زرافشاں غم زدہ لہجے میں بولی۔

"یوں ہی۔" میں نے کوٹھری میں چاروں طرف جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بوڑھی بے چاری تو حیران تھی۔" "آپ بیٹھے بیٹھے کہاں غائب ہو گئے تھے۔" درخشاں نے کہا۔

"ہماری تو خیر کوئی بات نہیں، اس بے چاری نے ایسے دو تین واقعات اور دیکھ لیے تو اس کا دم نکل جائے گا۔"

"میں کتنی دیر پہلے گیا تھا؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیا؟ کیا آپ کو خود علم نہیں ہے؟" زرافشاں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ڈوب گیا تھا۔ ایسی صورت میں وقت کا کوئی پتا نہیں رہتا۔"

"آپ ابھی ابھی غائب ہوئے تھے۔"

"اوہ!" میری آواز بیٹھنے لگی اور میرے منہ سے نکل گیا۔ "وہ بھاگ گیا۔"

"کون؟ کون بھاگ گیا؟" زرافشاں نے اضطراب سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ تم آرام کرو۔ ہمیں علی الصباح یہاں سے چلنا ہوگا۔" میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ ہمیں کچھ دن یہاں رہنا ہوگا پھر ہم پھر ہم......"

"نہیں۔ اب ہم صبح سویرے یہاں سے چل پڑیں گے۔ تم اطمینان سے سو جاؤ۔" میں نے مزید کوئی بات کرنے میں دقت محسوس کی۔

حواس باختہ بوڑھی عورت دزدیدہ نظروں سے دیکھتی اور کھانستی ہوئی کوٹھری میں واپس آئی تو میں نے اسے کوئی اور سوال کرنے کی مہلت نہیں دی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ غافل

ہو گئی۔ میں نے اس کے صندوق ٹٹولنے شروع کر دیے۔ صندوق میں کسی سپاہی کی دھلی ہوئی وردی اور سادہ کپڑے رکھے تھے۔ میں نے سادہ لباس میں سے ایک جوڑا اپنے لیے منتخب کیا اور اس کے عوض زرافشاں کے ہاتھ سے سونے کی ایک چوڑی اتار کر اس میں ڈال دی۔ پھر میں نے غسل کیا۔ خون کے تمام دھبے صاف کیے۔ بوڑھی عورت کی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کی۔ زرافشاں، درخشاں ایک ہی چارپائی پر سمٹی ہوئی تھیں۔ میں کوٹھری سے باہر چھوٹے سے صحن میں آ گیا اور مٹی کے ایک چبوترے پر بیٹھ کر خود کو گم کر دیا۔ میرا جسم چبوترے پر موجود رہا لیکن جسم کا جوہر۔ وہ جوہر جس کی شناخت لوگ نہیں کر پاتے۔ میں نے اس صفت اعلیٰ کو محو پرواز کر دیا۔ اس سے بہتر نیند اور کیا ہوتی؟ رات بیت گئی۔ سورج نکلنے اور بوڑھی عورت کے بیدار ہونے سے پہلے میں نے زرافشاں، درخشاں کو اٹھایا اور صبح ہوتے ہوتے ہم پیدل ہی گاؤں سے دور نکل گئے۔ درخشاں، زرافشاں نے میرے ایما پر بوسیدہ چادروں سے اپنے بدن ڈھانپ لیے تھے، اب ان کا لباس چھپ گیا تھا۔ میری حالت بھی ابتر نہیں رہی تھی۔ شہر میں زندگی کی چہل پہل شروع ہونے کو تھی۔ سورج چڑھنے تک ہم اسٹیشن پہنچ گئے۔

☆......☆......☆

میں نے اس بار فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں جنوب کی طرف جانے والی گاڑی کا انتظار کیا۔ یہ بات ہم جیسے سادہ اور معمولی لباس والوں کی اوقات سے بڑھ کر تھی اس لیے کئی چہرے اٹھے اور دلچسپی سے ہمیں دیکھنے لگے۔ زرافشاں، درخشاں بات کرنے کے لئے مضطرب تھیں۔ وہ مجھ سے پوچھنا چاہتی ہوں گی کہ اب میرے ارادے کیا ہیں؟ میری بیٹی تزئین کا کیا حشر ہوا؟ میں نے اچانک ارادہ کیوں بدل دیا؟ میں انہیں دیہات سے کیوں لے آیا؟ ان کے چہروں پر سوال رقم تھے اور میرے لبوں پر سکوت تھا۔ میری گہری خاموشی سے انہیں کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ انہوں نے حالات کی ستم ظریفی کے سامنے سپر ڈال دی۔ گاڑی کے لئے زیادہ طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پہلے میرا ارادہ انہیں بمبئی لے جانے کا تھا مگر پھر گلبرگہ کا خیال آ گیا۔ رکن الدین ایسے کئی موقعوں پر میرے کام آ چکا تھا۔ اس محفوظ ٹھکانے میں ان لڑکیوں کے سامنے میں پوری طرح شرمندہ ہو سکتا تھا اور ان کے زخموں کے اندمال کی کوشش کر سکتا تھا۔ میری جیب میں کوئی پیسہ نہیں تھا۔ انکا اور آنند لال کی وجہ سے پیسوں کی اب تک ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی پھر بھی میں فرسٹ کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گیا اور بیٹھنے کے بعد میں نے کھڑکیاں بند کر لیں۔ گاڑی دلی اسٹیشن سے چلی تو میں نے پاؤں پھیلا دیے اور لڑکیوں کو بھی آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

"کہاں کا ارادہ ہے؟ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں؟" زرافشاں نے بے چارگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔" میں نے ندامت سے کہا۔ "کیوں نہیں، میں تو تم سے خوب باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر سوچتا ہوں کس منہ سے تم سے باتیں کروں؟"

Downloaded from Paksociety.com

"نہیں، آپ کچھ کہیے تو سہی۔ اس تنہائی اور خاموشی سے ہم اکتا گئے ہیں۔ اب آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟" درخشاں نے جرأت سے پوچھا۔

میں نے سرسری طور پر انہیں تزئین کی بازیابی کا قصہ سنایا۔ پھر شبن خان کا واقعہ سنایا۔ میں نے جب یہ بتایا کہ انہیں شبن خان کی حویلی سے لے جانے والا شخص میں نہیں تھا، رحیق تھا تو ان کی آنکھیں پھٹ گئیں، "پھر ہوا یہ......" میں نے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مجھے رحیق کا پیچھا کرنا پڑا کیونکہ وہ تمہیں بدنام کرتا رہتا جب کہ شاید میرے پاس تمہارے لیے کوئی اچھا منصوبہ ہو۔"

"یہ بڑی عجیب اور خوفناک روداد ہے۔" زرافشاں دانتوں میں انگلیاں دیتے ہوئے بولی۔

"مگر ہم اب بھی کس طرح یقین کریں کہ آپ رحیق نہیں ہیں؟" درخشاں معصومیت سے بولی۔

"ہاں دلچسپ سوال ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "میں جمیل احمد خان ہی ہوں کیونکہ تمہیں میرے چہرے پر جو ندامت نظر آتی ہے، وہ رحیق کے جمیل احمد خان میں نہیں ہوگی۔"

"آپ ندامت کا بار بار ذکر کر کے ہمیں دکھ دیتے ہیں اور شرمندہ بھی کرتے ہیں۔"

"میں تمہارا گناہ گار ہوں۔"

"للہ یہ ذکر بند کیجیے، کوئی اور بات کیجیے۔"

"کاش میں اس کا تدارک کر سکتا۔"

"خدا کو یہی منظور تھا، ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ہم اسی طرح دربدر ہوتے۔" وہ دونوں کرب سے بولیں۔

"آہ زری، رخشی! میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں؟ اس میں زخم ہی زخم ہیں۔" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تم مجھے معاف کر دو۔ تم مجھے معاف کر دو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔

زرافشاں اور درخشاں بھی میرے ساتھ رونے لگیں۔ پھر آنسوؤں کی یہ جھڑی تھمے نہ تھمی۔ کتنے غم تھے جو بہنے لگے۔ وہ خوب روئیں۔ میں بھی خوب رویا۔ جب آنسو بھی باقی نہ رہے تو میں نے ان سے کہا۔ "زری، رخشی! مجھے یہ اعتماد بخشو کہ تم مجھ پر اعتبار کرتی ہو اور مجھے موقع دو کہ میں تمہاری بگڑی ہوئی دنیا سنوار سکوں۔"

"پہلے آپ یہ وعدہ کیجیے کہ دوبارہ کوئی پرانا ذکر نہیں کریں گے۔" درخشاں بولی۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"پھر آپ خود سوچیے کہ ہمارا کون رہ گیا ہے؟ اب تو جو بھی ہمیں قریب سمجھنے کی عزت بخشے گا، وہی ہمارے لیے سب کچھ ہوگا۔ آپ ہی نے ......" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ "چھوڑیے پھر پرانی بات یاد آ جائے گی۔ آپ کے سوا اس زمین پر کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آتا۔"

"میں تمہارا اعتماد پر پورا اتروں گا۔ میں تمہارے لیے زندہ رہوں گا۔" میں نے جوش سے کہا۔ "سنو زری، رخشی! قریب آ جاؤ۔ میرے غم سنو، میرے آنسو سنو، سنو میں کون ہوں۔ میں کیا تھا اور کیا سے کیا بن گیا۔ شاید تمہیں یقین نہ آئے مگر میں تمہیں سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔"

وہ میری برتھ پر آ گئیں اور میں نے آنکھیں موند لیں۔ "اپنا ہاتھ لاؤ۔" انہوں نے اپنے ہاتھ آگے کر دیے تو میں نے انہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "میرے دل میں تمہارے لیے صرف محبتیں ہیں۔ میں تمہیں کچھ سنانا چاہتا ہوں، شاید تم میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکو۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں اور میں نے شروع سے آخر تک اپنی عجیب و غریب سرگزشت انہیں سنانی شروع کی۔ ان کی دلچسپی اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ دوپٹے ان کے سروں سے ڈھلک گئے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ سراپا استعجاب اور مجسم حیرت بنی ہوئی تھیں۔

"قسمت بھی خوب مذاق کرتی ہے۔" زرافشاں بہت دیر بعد خوابیدہ لہجے میں بولی۔ "خدا آپ کی زندگی کو سکون بخشے۔"

گاڑی رتلام کے اسٹیشن پر رکی تو ایک ٹکٹ چیکر آ گیا۔ اب کے درخشاں، زرافشاں ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوئیں۔ ٹکٹ چیکر جس طرح آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہ ہوا۔ سفر میں انہیں بھوک بھی لگی۔ میں تو ان باتوں کا عادی تھا۔ مشکل یہ تھی کہ ہم تینوں میں سے کسی کے پاس دھیلا تک نہیں تھا۔ اتنی لمبی سرگزشت سنانے کے بعد یہ عجیب سا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی اسٹیشن پر ان کے لئے کھانے کی فراہمی کا بندوبست بھی اٹھائی گیروں اور اچکوں کے انداز میں کروں۔ مجبوراً میں نے زری سے اس کے ہاتھ کی دوسری چوڑی مانگی۔ زری نے کسی تامل کے بغیر اسے میرے حوالے کر دیا۔ ایک اسٹیشن پر ہم نے کھانا منگوایا اور میں نے چپکے سے بیرے کے ہاتھ میں چوڑی تھما دی۔ وہ کوئی بھلا آدمی تھا۔ انکار کرنے لگا۔ میں نے اسے ڈپٹ دیا۔ اس نے خاموشی سے چوڑی جیب میں رکھ لی۔ بعد میں وہ ایسا ہمدرد ہو گیا کہ ہر اسٹیشن پر خیریت معلوم کرنے آنے لگا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کیسی دلچسپ ہیں؟ میں نے بہت کم ان کا تذکرہ کیا ہے مگر جب گفتگو چھڑتی ہے تو تمام تفصیل خود بخود یاد آنے لگتی ہے۔ گلبرگہ تک زرافشاں، درخشاں کھل کر باتیں کرنے لگی تھیں اور اب ان کا رویہ اور لہجہ بالکل بدل گیا تھا۔ ان کے چہروں کی زردی رخصت ہونے لگی تھی۔ مسکراتے وقت ان کے خوب صورت دانت نظر آنے لگے تھے۔ ایک رات اور دو دن کے اس سفر میں ہم بالکل نہیں سوئے، باتیں ہی ہوتی رہیں۔ وہ لڑکیاں اتنی شائستہ، اتنی دلچسپ اور اتنی خوش گوار گفتگو کرتی تھیں کہ سفر محسوس ہی نہیں ہوا۔ وہ اپنے بچپن اور اپنے اعزا کے بارے میں بتاتی رہیں کہ انہوں نے ان کے بگڑتے حالات دیکھ کر کیسا منہ موڑ لیا۔

میں جب گلبرگہ اترا تو میرا سینہ مسرت کے جذبے سے معمور تھا۔ اس بار مجھے گلبرگہ جانے میں کوئی

Downloaded from Paksociety.com

دشواری پیش نہیں آئی۔ رکن الدین سے ایک مدت بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ جیسی مجھے توقع تھی، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود رکن الدین اور اس کے مختصر خاندان نے میری آمد پر آنکھیں بچھا دیں۔ میں نے رکن الدین سے کہا۔ ''تمہارے لیے دو بیٹیاں۔''

اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ ''یہ میرے لیے سعادت ہے۔'' زرافشاں، درخشاں کو ناہید کی چھوٹی بہن طلعت نے عمدہ لباس دیا اور وہ سب ایسی گھل مل گئیں جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتی ہوں۔ میرے لیے اوپر کا کمرا مخصوص تھا۔ بدھ گیا کے سفر سے ہنگامی سفر کے بعد تک اب کہیں سکون ملا تھا۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور ماہ و سال میری نگاہوں میں گردش کرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ چھت کے نقش و نگار گھوم رہے ہیں اور یہ کمرا گھوم رہا ہے۔ ہر چیز حرکت کر رہی ہے۔ مجھے اس حرکت سے چڑ ہونے لگی اور میرے دل میں حرکت سے بغاوت کا جذبہ ابھرا۔ میں پلنگ سے اٹھ گیا اور فرش پر آ گیا پھر میں نے اپنی دونوں ٹانگیں ایک دوسرے پر پھیلا دیں اور نگاہیں ساکت کر لیں اور اس طرح حرکت پر فتح حاصل کر لی۔ میں نے زندگی کے دوران میں زندگی کو شکست دے دی۔ میرے کان سماعت سے محروم ہو گئے اور میری آنکھیں میرے اندر کھلنے لگیں۔

☆......☆......☆

گلبرگہ چند روز قیام کے بعد میرا ارادہ یہ تھا کہ میں شبن خان کی مدد کے لئے دوبارہ دلی جاؤں۔ شبن خان جیل جانے کا عادی تو تھا ہی مگر خصوصاً اس بار اس پر یہ افتاد میری وجہ سے پڑی تھی پھر بھی زری اور رخشی کی خاطر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ تین چار روز بعد انکا میرے سر پر وارد ہوگئی اور اس نے تزئین کی صحت مندی اور سید غوث کی واپسی کا مژدہ سنایا۔ آنند لال انکا کو واپس بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ انکا اس سے ایک مختصر وقفے کی مہلت لے کر میرے پاس آ گئی تھی۔

انکا کی آمد کے بعد میں نے اپنی صداقت کے مدلل اظہار کے لیے ایک دن رخشی اور زری کو اپنے کمرے میں بلایا اور انکا کو باری باری ان کے سروں پر بھیج دیا۔ ''یہ انکا ہے، تزئین کے پاس سے واپس آئی ہے۔ کہتی ہے وہ سب بے حد خوش ہیں۔ کسی دن تمہیں بھی تزئین سے ملواؤں گا۔''

انکا یکے بعد دیگرے زری اور رخشی کے سروں پر گئی۔ وہ اچھل اچھل پڑیں۔ ''ارے واقعی! یہ ایک چھوٹی سی پیاری سی حسین لڑکی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں حیرت واستعجاب کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

''ہاں یہی ہے وہ۔'' میں نے خفت سے کہا۔ ''یہی ہے وہ۔ یہ کسی کی دوست بن جائے تو بھی مشکل ہے اور دشمن بن جائے تو بھی مشکل۔ اس چھوٹی سی لڑکی میں حیرت انگیز طاقتیں ہیں۔ میری داستان میں انکا کے بغیر کچھ نہیں ہے۔''

''انکا!'' انہوں نے حیرت سے زیر لب دہرایا۔ ''واقعی یہ کتنی عجیب بات ہے۔'' وہ آنکھیں پٹ پٹانے

لگیں۔ ''یہ بولتی بھی ہے؟''

''بولتی ہے، یہ بڑی قطامہ ہے، اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی ہے، دل اس کا کوئلے کی طرح سیاہ ہے۔ آنکھیں اس کی طوطے کی طرح بے مروت ہیں۔'' میں نے انکا کے اوصاف بتاتے ہوئے کہا۔

''اچ...... چھا۔ تو ہم سے بھی بات کرائیے نا۔''

''بولو انکا۔ زری اور رخشی سے باتیں کرو۔ بہت دلکش باتیں۔'' میں نے انکا کو اشارہ کیا۔ وہ رخشی کے سر پر بیٹھی تھی۔

''اب کیا بولوں؟ تم نے پہلے ہی میری تعریفوں کے پل باندھ دیئے ہیں۔'' انکا نے چنک کر کہا۔ ''میں تمہاری نظروں میں گر گئی ہوں۔''

زری اور رخشی کا حیرت سے برا حال تھا۔ ''آپ انکا ہیں؟'' زری نے ادب سے کہا۔

''ہاں جی، میرا نام انکا ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے جواب دیا۔

''آپ ایسی کیسے ہیں؟ آپ کسی کو نظر بھی نہیں آتیں؟''

''بس زری! ایسی باتیں نہ پوچھو۔'' انکا نے شوخی سے کہا۔ ''جو تمہاری راتوں کی نیند اڑا دیں۔ نہ جانے میں ایسی کیوں ہوں؟ سچ پوچھو تو مجھے خود نہیں معلوم۔''

''ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔'' رخشی بھی مبہوت تھی۔

''انہوں نے مجھے بڑا بدنام کیا ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے میری طرف اشارہ کیا اور زری کے سر پر پنجے چبھونے لگی۔

''ارے ارے، آپ نے ہمارا سر دکھا دیا۔'' زری خوف زدہ آواز میں بولی۔ ''کیا آپ ہم سے ناراض ہو گئیں؟''

انکا کو میں نے اس ابتدائی تعارف کے بعد زری اور رخشی ہی کے پاس چھوڑ دیا۔ مجھے بس ان کی خوشی عزیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح اپنا غم بھول جائیں اور خود کو اس گھر میں شامل سمجھیں، میرے مزید قیام کی یہی وجہ تھی۔ میری موجودگی میں وہ بہتر طریقے سے مفاہمت کر سکتی تھیں۔ رکن الدین نے حسب سابق ان کے لئے عمدہ ملبوسات سلوائے اور زیوروں سے ان کا جسم لاد دیا۔ ان ملبوسات اور زیورات میں وہ دلہنیں لگتی تھیں۔ زمانے کے حوادث نے ان کے چہروں سے جو شادابی چھین لی تھی وہ رفتہ رفتہ واپس آنے لگی تھی۔ طلعت انہیں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ انکا بھی دلچسپ حرکتیں کر کے ان کا دل بہلانے میں مصروف رہتی۔ خود زری اور رخشی اتنی شائستہ اور خوش اطوار تھیں کہ اپنی شستہ اور دلکش باتوں سے جلد ہی متاثر کر لیتی تھیں۔ ان کا رنگ نکھرنے لگا تھا اور اداسی کی پرچھائیاں دور ہونے لگی تھیں۔ میں نے انہیں رکن الدین کے گھر میں شہزادیوں کی طرح جگمگاتے دیکھا۔ دو چار دن مزید ان کی خاطر رہ کے اور جلد آنے کا

دلاسا دے کے میں وہاں سے رخصت ہوگیا۔ انکا بھی میرے ساتھ تھی۔

☆......☆......☆

رکن الدین کے مکان سے کھلے آسمان کے نیچے آنے کے بعد میرا ذہن تذبذب کا شکار ہوگیا۔ میرے سامنے کئی راستے تھے، ایک طرف تزئین کا گھر تھا جہاں سید غوث جیسے شریف اور غیرت مند نوجوان، میں نے مڑ کر نہیں پوچھا تھا۔ دوسری طرف شبن خان کو جیل سے چھڑانے کا مسئلہ درپیش تھا جو میری خاطر ایک بڑے نقصان سے دوچار ہوا تھا۔

انکا بھی میرے تذبذب سے آگاہ ہوگئی تھی۔ اس نے مجھے بمبئی جانے والی گاڑی میں بٹھا دیا۔ تزئین اور سید غوث، مالا اور آنند لال۔ پریم اور سہراب نے جب اچانک مجھے بمبئی میں اپنے ساتھ دیکھا تو وہ سب خوشی کے ساتھ مجھ سے لپٹ گئے۔ ان سب کے چہرے آنسوؤں سے تربتر ہوگئے۔ میں اپنے اس گھر سے دور تھا، یہاں آ کے مجھے احساس ہوا کہ تنہائی کے تمام احساسات خودساختہ ہیں۔ یہ میری تزئین ہے، یہ غوث ہے، یہ مالا ہے جو میرے بازو سے چپکی ہوئی ہے، یہ آنند لال ہے جو میرے حکم کا منتظر ہے۔ یہ سہراب ہے جو صرف اشارے پر ایثار کے لئے تیار رہتا ہے اور یہ پریم ہے جو مینا کی طرح بول رہی ہے۔ یہ سب میرے چہرے ہیں، یہ سب میرا جسم ہیں۔ میں ان سب سے دور رہا۔ آنند لال نے اسی وجہ سے دھیان گیان ترک کر دیا تھا کہ اسے ایسا دلکش ماحول مل گیا تھا۔ ان سب میں آپس میں اتنی محبت تھی کہ مجھے رشک آتا تھا۔ میرے آنے پر وہ سب پریم کے میکے میں منتقل ہوگئے اور پھر وہاں انہوں نے خوب دھما چوکڑی مچائی۔ خوب پکوان پکوائے، زری اور رخشی بہت یاد آئیں۔ کاش میں انہیں ساتھ لے آتا۔ انکا مختلف سروں پر پھدکتی رہتی تھی۔ رحیق جن کی کمینگی کے اثرات تزئین پر ابھی تک قائم تھے۔ کبھی کبھی وہ گم ہو جایا کرتی تھی۔ ان مسرتوں میں کلدیپ کا چہرہ مجھے بار بار ستانے لگتا۔ آخر میں نے فیصلہ کرلیا۔ مجھے کسی کو بتائے بغیر کلدیپ کے استھان پر آخری بار ضرور جانا چاہیے۔

بمبئی سے نکلنا محال تھا، کوئی نکلنے ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے اصرار پر انکا نے میری سفارش کی اور میں میسور میں کلدیپ کے استھان ہوتا ہوا دلی پہنچنے اور شبن خان کو رہائی دلانے کے بعد ناگرا سے معذرت کرنے کے ارادے سے طویل سفر کے لئے روانہ ہوگیا۔ ابھی میں کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے گاڑی میں سوار ہوا ہی تھا اور ابھی گاڑی چند ہی اسٹیشن آگے آئی تھی کہ انکا نے مجھے ایک ایسی خبر سنائی جو میں سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے سرگوشی سے کہا۔ ''جمیل! تمہارے راستے کا کانٹا کچھ دن کے لئے صاف ہوگیا ہے۔''

''کون؟'' میں نے بےخیالی میں پوچھا۔

''امرلال!'' انکا نے جذباتی انداز میں کہا۔ ''امرلال وندھیاچل کی برف پوش پہاڑیوں پر بیٹھا کائی ؟

جاپ کر رہا ہے۔ بدری نرائن آج کل بے یار و مددگار ہے اور کلکتے میں ایک پنڈت کے گھر چھپا بیٹھا ہے، تم اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

''ختم کرو انکا!'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''اب مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ کیوں پرانے زخم کریدتی ہو؟''

''میں تمہیں کبھی کوئی غلط مشورہ دے سکتی ہوں؟'' انکا نے ناراضی سے کہا۔

''تم مجھے پھر پریشان کر رہی ہو۔ مجھے خاموشی سے زندہ رہنے دو۔''

''کیا تم ڈر رہے ہو؟ میں کہہ رہی ہوں بدری نرائن تنہا ہے۔ میری بات غور سے سنو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟''

''تم بڑی حرافہ ہو۔''

''میں صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں، بدری نرائن کی زندگی میں تم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔''

''میں اب اس کا ذکر بھی سننا نہیں چاہتا۔''

''تم بوڑھے ہوگئے ہو۔'' وہ تلخی سے بولی اور پھر خوشامد کے انداز میں کہنے لگی۔ ''میری بات مان لو۔''

گاڑی میں راستے بھر وہ یہی کہتی رہی اور میں اسے سرزنش کرتا رہا۔ وہ میرے تمام زخموں سے آگاہ تھی۔ اس نے میری دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا اور ایسی باتیں یاد دلا دیں جنہیں برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ ''کہاں ہے وہ؟'' میں نے غصے میں پوچھا۔

''وہ کلکتے میں ہے۔'' انکا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

''ٹھہرو۔'' میں نے آنکھیں میچ لیں اور میرے اندر ان گنت دریچے کھل گئے۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں جلن ہو رہی تھی۔

''گاڑی اب کب رکے گی؟'' میں نے اضطراب سے پوچھا۔

''چھوٹے اسٹیشنوں پر یہ گاڑی نہیں رکتی اور بڑا اسٹیشن خاصی دیر بعد آئے گا، بہرحال ایسی جلدی بھی کیا ہے؟''

''تم نے ذکر ہی ایسا کر دیا، اب یہاں بیٹھا نہیں جاتا۔ کسی قریبی اسٹیشن پر گاڑی رک جانی چاہئے۔'' میں نے حکما کہا۔

زنجیر کھینچنے میں خواہ مخواہ طوالت ہوتی۔ میں ڈبے میں تنہا بھی نہیں تھا۔ میں نے انکا کو حکم دیا کہ وہ انجن ڈرائیور کے سر پر چلی جائے۔ انکا کسی چون و چرا کے بغیر اتر گئی۔

تھوڑی دیر میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی کے فولادی پہیوں نے چیخنا شروع کر دیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی رک گئی۔ میں نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اسٹیشن کی عمارت اندھیرے

Downloaded from Paksociety.com

میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے اتر گیا اور ایک لمحے بعد ہی گاڑی کے پہیے حرکت میں آ گئے۔

دوسرے لمحے انکا میرے سر پر آ گئی تھی۔ میں اسٹیشن پر اتر گیا جہاں گاڑی ٹھہری تھی۔

دور سے مجھے روشنی کا ایک نقطہ ٹمٹماتا نظر آیا۔ اسٹیشن کا کوئی عہدے دار لالٹین سنبھالے تفتیش حال کے لئے ادھر ادھر دوڑ رہا تھا، پھر وہ روشنی بھی معدوم ہوگئی اور رات کو ٹرٹرانے اور رونے والی آوازوں کی سوگواری بھی تاریکی میں شامل ہوگئی۔ کوئی رات ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ میرا بس چلتا تو ان آوازوں کا گلا دبا دیتا۔ یوں بھی درون جسم کچھ کم شور نہیں ہو رہا تھا، یہ آوازیں اس پر مستزاد تھیں۔ بدھ گیا میں سکون اور قناعت کا جو خول میرے جسم پر چڑھ گیا تھا، انکا نے بدری نرائن کا ذکر کر کے اسے پھر کھرچ دیا تھا۔ غصے نے میرا سارا وجود لرزا دیا تھا۔ میں اندھیرے میں اسٹیشن کے کچے پلیٹ فارم کی ایک بینچ پر دراز ہوگیا۔

"اب گاڑی کب آئے گی؟" میں نے انکا سے پوچھا۔

انکا میرے اشتعال سے بجھی ہوئی تھی۔ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "گاڑی آنے میں خاصی دیر ہے لیکن مال گاڑیاں یہاں سے گزرتی رہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے جو گاڑی بھی پہلے آ جائے گی، ہم اسی میں سوار ہو جائیں گے۔ چاہے وہ مال گاڑی ہی کیوں نہ ہو۔"

"مال گاڑی میں تمہیں تکلیف ہوگی۔ اچھا ہے تم سو جاؤ، جب سواری کی گاڑی آئے گی، میں تمہیں جگا دوں گی۔" انکا نے شفقت کے انداز میں مشورہ دیا۔

"تکلیف؟" میں نے زہرخند سے کہا۔ "کیا اب تک تکلیف اور راحت کا کوئی احساس باقی رہنا چاہئے؟ کیا میں کوئی انسان رہا ہوں؟"

"تم جو کہتے ہو، سچ ہے، مال گاڑی آئے گی تو تم مویشوں کے ساتھ بیٹھ جانا۔" انکا نے تنک کے جواب دیا اور خاموش ہوگئی۔

میں نے ٹوٹی ہوئی بینچ پر اپنے جسم کا تناؤ دور کرنے کی کوشش کی لیکن غصے میں ایک منزل ایسی بھی آتی ہے جہاں اسے کم کرنے کے بجائے فزوں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ میں اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ رات خاموشی سے بہہ رہی تھی۔ نہ معلوم یہ کون سا اسٹیشن تھا؟ میں اپنے اندر پیچ و تاب کھاتا ہوا اس کنارے سے اس کنارے تک چل رہا تھا۔ آخر تھک کر پھر بینچ پر دراز ہوگیا۔ اس خنک رات میں آنکھوں میں سوزش سی ہونے لگی تھی۔ مچھروں کے ایک غول نے میرے سر اور چہرے پر منڈلانا شروع کر دیا۔ انکا سر پر بیٹھی پھونکیں مار رہی تھی۔ میں نے ہاتھ نہیں ہلایا کیونکہ چھوٹے موٹے کیڑے جسم پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔ جسم زہر کا عادی ہوگیا تھا۔ کچھ دیر بعد انکا نے مال گاڑی آنے کی خبر دی اور میرے سر سے اتر گئی۔ اسٹیشن پر یہ لمبی ٹرین میری ہی وجہ سے ٹھہری تھی۔ تمام ڈبوں پر سیل لگی ہوئی تھی اور جو ڈبے کھلے ہوئے تھے، ان میں

لوہے کی سلاخیں دھری تھیں۔ میں نے ایک ڈبے کی سیل توڑ دی اور اندر داخل ہوگیا۔ اس میں لکڑی کی پیٹیوں میں مال بھرا تھا لیکن میرے ٹھہرنے کے لئے گنجائش کافی تھی۔ میرے بیٹھتے ہی گاڑی روانہ ہوگئی اور جیسے ہی گاڑی چلی، انکا میرے سر پر وارد ہوگئی۔

"گاڑی واپس بمبئی جا رہی ہے۔" انکا نے محبت سے میرے بال کھینچتے ہوئے کہا۔

"اب تم مجھے بمبئی اسٹیشن پر ہی جگانا، میں یہاں سمادھی لگائے بیٹھتا ہوں، تم چاہو تو سو جاؤ۔"

"میں ویسے بھی خاموش رہوں گی، اطمینان رکھو۔"

انکا کی باتوں کا بچ جانے کے لئے میں گاڑی میں ارتکاز میں مستغرق ہوگیا۔ میرے باہر ہر طرف اندھیرا تھا لیکن اندر روشنی ہی روشنی تھی۔ مجھے وہ مکان صاف نظر آ رہا تھا جہاں بدری نرائن مقیم تھا۔ اب اس کی طرف جانے والے تمام راستے بھی روشن نظر آ رہے تھے۔ درمیان میں کوئی دیوار حائل نہیں تھی۔ انکا کی اطلاع کے مطابق امر لال وندھیا چل کی پہاڑیوں پر گیان دھیان کرنے چلا گیا تھا اور بدری نرائن، امر لال کے ایک چیلے بھگوان داس کے ہاں مقیم تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ وہ کہیں میری آمد سے باخبر نہ ہو جائے چنانچہ میں نے اپنی سمتوں سے اسے لاعلم رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کر لیں۔ ڈبے میں صابن، اگربتی اور عود لکڑی کی بو پھیلی ہوئی تھی اور میں اپنے آپ میں ضم ہوگیا تھا۔ جب میرا الحاق میرے باطن سے ہوتا تھا تو مجھے باہر کی خوشبوؤں اور آوازوں کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ بمبئی کے قریب انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے چبھوئے تو میں حواس میں آیا۔ مال گاڑی اسٹیشن سے دور ٹھہر گئی تھی۔ میں لائنوں پر اتر گیا۔ رات پر نزع کا عالم طاری تھا۔ میں لائنوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اسٹیشن پہنچ گیا۔ اسٹیشن صبح کاذب کے وقت بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ سید غوث اور تزئین اسی شہر میں رہتے تھے اور میں چند گھنٹے پیشتر ہی ان سے جدا ہوا تھا۔ اس وقت میری طبیعت میں کسی جھیل کا سا ٹھہراؤ تھا مگر اب میرے سینے میں ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا۔ آدمی بھی کیا چیز ہے؟ وہ ہمیشہ اپنے دلوں، خود سے متعلق اشیا اور اپنے رشتوں اور مولد الطوں ہی کا پابند رہتا ہے۔ یہ تمام سلسلے آدمی کی مشین کے بٹن ہیں، اسے جس طرح دبایئے اسی طرح کا رد عمل ظاہر ہوگا۔ انکا نے میری نفرت اور غضب کا بٹن دبا دیا تھا۔

صبح آٹھ بجے تک میں بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی انتظار گاہ میں کلکتے جانے والی گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ عین وقت پر انکا نے میرے سر پر ٹھوکا دیا۔ میں فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں جا کے بیٹھ گیا۔ یہاں پہلے ہی ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ اس جوڑے نے میری آمد پر کسی قدر خفگی اور گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ میں خود وہاں سے واپس ہونا چاہتا تھا لیکن گاڑی چل پڑی تھی۔ میں نے مہذب لہجے میں ان سے معذرت چاہی۔ لڑکی بے حد حسین تھی اور نرم دل معلوم ہوتی تھی۔ وہ میری معذرت اور بھاری بھرکم لہجے سے متاثر ہوگئی۔

[illegible] کے لیے چند کرتے پاجامے تھے اور

شیروانیاں رکھی تھیں۔ اس وقت میرا لباس خاصا معقول تھا۔ پاؤں میں جوتے بھی اچھے تھے۔ شیو بھی بنا ہوا تھا لیکن سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ شکل وصورت سے میں کوئی غیر معمولی شخص نظر آتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے ہم سفر میری موجودگی سے ہراساں ہیں۔ کبھی لڑکی لڑکے کی طرف دیکھتی تھی، کبھی لڑکا لڑکی کی طرف دیکھتا تھا۔ تھوڑی دیر میں ساری بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ لڑکی اپنے والدین سے جدا ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ لڑکا اس بات سے پریشان تھا کہ اسے راستے میں پکڑ نہ لیا جائے۔ انہوں نے چوری چھپے شادی بھی کر لی تھی۔ جب والدین اس شادی پر رضامند نہ ہوئے تو انہوں نے بمبئی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ انکا مجھے چپکے چپکے لڑکی اور لڑکے کے بارے میں بتاتی رہی۔ ان کے عشق میں فریب کی کوئی آمیزش نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے ان پر پیار آنے لگا۔ میں وہ ڈبا چھوڑ دیتا مگر میں نے ان کی حفاظت کے لئے وہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''میرے بچو! میں یہاں سے چلا جاتا۔ تمہیں تنہائی کی ضرورت ہے لیکن تمہیں شاید میری ضرورت پیش آئے اس لیے میں یہاں ٹھہر گیا ہوں۔''

میرے شفیق لہجے پر لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ ادب سے بولی۔ ''بابا۔ آ...... آپ، ہمارے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''میں کیا جانتا ہوں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''ارے بچو! میں کیا نہیں جانتا؟ میں جانتا ہوں کہ تم دونوں پریمی ہو، تمہیں اپنا من اور گھر بسانے کی اجازت نہیں ملی تو تم نے اپنے اپنے گھر چھوڑ دیئے۔ تمہارے ماتا پتا بہت بیاکل ہیں۔''

''بابا......'' ان دونوں کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ انہوں نے دوڑ کر میرے پیر پکڑ لیے۔ ''بابا، ہمیں شرن دیجئے۔''

میں نے ان دونوں کو اپنے پیروں سے اٹھایا۔ وہ میری برتھ پر میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ میں ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ ''ہم مجبور ہو گئے تھے، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''میں تمہیں برا نہیں کہہ رہا ہوں مگر بچو! زندگی بڑی بری چیز ہے، تمہیں اس کا تجربہ نہیں ہے۔ آخر تم کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے ان دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کے پوچھا۔

''ہم اپنے ماتا پتا سے بہت دور کلکتے جا رہے ہیں۔'' لڑکی نے معصومیت سے جواب دیا۔ ''سریش انگلینڈ سے پڑھ کر آئے ہیں۔ کلکتے میں ان کے کئی دوست ہیں۔ میں بھی گریجویٹ ہوں۔ میں کسی اسکول میں پڑھانے لگوں گی۔''

مجھے اس کی معصوم باتیں بہت اچھی لگیں اور میں نے انہیں زمانے کے نرم وگرم کے بارے میں سنجیدگی سے سمجھانا شروع کر دیا۔ لڑکی کا نام انوپا تھا۔ بات چیت سے بھی وہ کسی اچھے خاندان کی لڑکی معلوم

ہوتی تھی۔ ''تمہارے پاس روپے بھی بہت کم ہیں۔ یہی کوئی ڈیڑھ ہزار روپے۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''اور کلکتہ بہت بڑا شہر ہے۔ اگر کسی نے وہاں تمہارا ساتھ نہ دیا تو تم کیا کرو گے؟''

وہ دونوں چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔ ''بابا، آپ سب کچھ جانتے ہیں؟''

''ہاں، کیوں نہیں۔'' میں نے اعتماد سے جواب دیا۔

''تو پھر ہمیں مشورہ دیجئے، ہم کیا کریں؟'' نوجوان سریش نے مچل کے پوچھا۔ اس کے چہرے سے حیرت ہویدا تھی۔

''کاش میرا کوئی گھر ہوتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلتا مگر میں ایک بے گھر شخص ہوں۔ تمہیں صرف مشورہ دے سکتا ہوں۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''آپ کو گھر کی کیا ضرورت ہے، بھگوان کے لئے ہماری مشکلیں حل کیجئے۔'' انوپا نے اس طرح کہا جیسے مجھ پر اس کا حق ہے۔ وہ میری منتیں کرنے لگی۔

''ٹھہرو، ٹھہرو۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''مجھے سوچنے کا موقع دو۔ پیارے سریش اور پیاری انوپا! میں اوپر کی برتھ پر جاتا ہوں۔ تم [illegible] موجودگی سے بے خبر ہو کے یہاں ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کرو۔''

''مگر آ...... آپ......'' انوپا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں یہیں موجود ہوں۔'' میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے اطمینان دلایا اور اوپر کی برتھ پر چڑھ گیا۔ دیر تک مجھے ان کی آواز نہیں آئی پھر ان کی دبی دبی سرگوشیاں ابھریں۔ وہ میرے متعلق باتیں کر رہے تھے اور انکا مجھ سے گفتگو کرنے میں محو تھی۔ انکا کو خاموش کر کے میں بے سدھ ہو گیا تھا۔ اوپر کی برتھ پر جیسے میری لاش پڑی تھی اور گاڑی تیزی سے کلکتے کی جانب رواں تھی۔

☆......☆......☆

دوپہر کے قریب گاڑی ٹھہری ہوئی تھی کہ دروازے پر دھپ دھپ کی آوازیں آنے لگیں۔ ابھی تک کسی مسافر نے اس ڈبے میں آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ انکا نے مجھے جگایا۔ ''باہر پولیس تمہارے ان سفری رفیقوں کی منتظر ہے۔''

''پولیس؟'' میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ہاں۔ انوپا کے پتا نے تمام بڑے اسٹیشنوں پر اطلاع کرا دی ہے۔'' انکا نے ٹھنک کے کہا۔

میں چند لمحے سوچتا رہا پھر میں نے انوپا سے کہا۔ ''دروازہ کھول دو انوپا!''

انوپا نے جھجک کے ساتھ چٹخنی گرا دی۔ دروازہ کھلا تو ایک انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ نظر آیا۔ سریش اور انوپا کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر رعونت کی ایک لہر گزر گئی۔ ''معاف کیجئے۔'' اس نے مصنوعی شائستگی سے کہا۔

"کیا آپ ہماری مدد کریں گے؟"

"کس قسم کی مدد؟" سریش نے گھبرا کے پوچھا۔

"کچھ معلومات درکار ہیں۔" انسپکٹر نے ڈبے کے اندر گھس کے ایک طائرانہ نظر ڈالی اور مجھے بطور خاص گھور کے دیکھا۔

"فرمائیے، ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟" سریش نے مہذب لہجے میں دریافت کیا۔

"آپ کا نام؟" انسپکٹر نے خشونت سے پوچھا۔

"میں، میرا نام رام چند ہے۔"

"یہ آپ کی دھرم پتنی ہیں؟"

"ہاں۔" سریش کے لہجے میں اضطراب تھا۔

انسپکٹر نے کچھ اور معلومات کر کے ان سے سامان کی تلاشی کے لئے کہا۔ سامان میں میرج سرٹیفکیٹ رکھا ہوا تھا۔ میں اب تک خاموش رہا تھا۔ انسپکٹر سریش اور انوپا کے جوابات سے لطف لینے لگا تھا مگر اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ یہی وہ جوڑا ہے جس کی اسے تلاش ہے۔ عموماً فرسٹ کلاس کے مسافروں کے ساتھ پولیس کا رویہ ایسا نہیں ہوتا۔ انسپکٹر بتدریج سختی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ جب سامان کی تلاشی کی بات آئی تو میں نے کروٹ لی اور ایک انگڑائی لے کر اپنی نشست پر کسمسانے لگا۔

"بچو! اسے بتاؤ کہ تمہارے بزرگ اوپر بیٹھے ہیں اور اس سے کہو کہ وہ تہذیب کے دائرے میں رہ کے بات کرے۔" میں نے اوپر لیٹے لیٹے کہا۔

"یہ کون بدزبان ہے؟" انسپکٹر ایک دم بھڑک اٹھا۔

"یہ ہمارے بابا ہیں۔" اس بار انوپا نے ہمت سے جواب دیا۔

"بابا۔ کیا یہ تمہارے پتا جی ہیں؟"

"ہاں۔" انوپا جھجک کر بولی۔

انسپکٹر یقین کرنے نہ کرنے کی حالت میں مبتلا رہا۔ انکا میرے سر پر مضطرب تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا۔ "میں تمہارے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ "میرے ساتھ تعاون کرو۔"

"ہم اپنی چیزیں غیروں کو نہیں دکھاتے۔" میں نے اوپر کی برتھ سے جواب دیا۔ "تمہیں معزز لوگوں سے بات کرنے کی تمیز آنی چاہیے۔"

"بڑے میاں نیچے اترو، یہ کیا اوپر سے بکواس لگا رکھی ہے۔" انسپکٹر نے گرج کر کہا۔ "میں تم سب کو عدم تعاون کی بنا پر گرفتار کر سکتا ہوں۔"

میں اتر کر نیچے آ گیا۔ انوپا اور سریش صورت حال کے بگڑ جانے کے خدشے سے سہمے ہوئے تھے۔

"یہ سامان ہے۔" میں نے ان دونوں کے سوٹ کیس اس کے سامنے ڈال دیے۔ "لے کھول لے۔" میں نے جلال کے عالم میں کہا۔

انسپکٹر میری قہر آلود نظروں اور پُر جلال لہجے کی تاب نہ لا سکا۔ ایک لمحے کے لئے اس کا جسم جھرجھرا گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "چلو، یہاں سے واپس چلو، یہاں کچھ نہیں ہے۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے انوپا سے کہا۔ "دروازہ بند کر لو۔ میں اسی لیے تمہارے ساتھ ٹھہرا تھا۔"

"آپ تو کوئی اوتار ہیں، آپ نہ ہوتے تو ہماری بڑی رسوائی ہوتی۔" سریش نے پھر میرے پیر پکڑ لیے۔

"سریش! قسمت نے عجب انداز میں مجھے تم سے ملایا ہے۔ میں میسور جا رہا تھا کہ میں نے راستے میں ارادہ بدل دیا اور واپس بمبئی چلا آیا۔ اتفاق سے میرے قدم تمہارے ہی ڈبے کی طرف اٹھے۔ یہ تمہارے پریم کی سچائی تھی کہ اس نے مجھے کہاں سے یہاں کھینچ لیا، سچا پریم اسے کہتے ہیں۔ وعدہ کرو کہ تم انوپا کو ہمیشہ خوش رکھو گے۔"

سریش کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میں وچن دیتا ہوں۔"

گاڑی چل پڑی۔ انوپا میرے سرہانے بیٹھی تھی اور اس کے دل میں یہ شدید خواہش مچل رہی تھی کہ وہ میرا سر دبائے۔ میں نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ آہ اس کی نازک انگلیوں میں کیسی ٹھنڈک تھی۔ میں نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا اور انکا سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ انکا میرے سر سے رخصت ہو گئی اور انوپا میرے بالوں میں عقیدت سے انگلیاں پھیرتی رہی۔ سریش میرے پائنتی بیٹھا تھا اور میں برتھ پر لیٹا ہوا تھا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ دل جذبات سے لبریز تھا۔ انکا خاصی دیر بعد واپس آئی۔ اس نے مجھے جو کچھ سنایا، میں اس سے مطمئن ہو گیا۔ کئی وقت ہم نے کھانا ایک ساتھ ہی کھایا۔ میں نے بمبئی میں تزئین اور سید غوث اور گلبرگے میں رکن الدین کا پتا سریش کو دیا کہ وہ انہیں اپنا گھر سمجھ کے جب چاہے وہاں جائے اور جب تک چاہے ٹھہرے۔ وہ میرے بارے میں پوچھتے رہے۔ اس جوڑے کی ہم سفری میں وقت کا پتا نہیں چلا۔ میں زیادہ تر انہی میں منہمک رہا۔ کلکتے سے کچھ اسٹیشن پہلے جب انکا میرے سر پر نہیں تھی اور سریش اور انوپا اونگھ رہے تھے، گاڑی ایک جگہ ٹھہری۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک شخص سر سے پیر تک کمبل میں لپٹا ہوا میرے ڈبے میں آیا اور ایک وزنی تھیلا چھوڑ کر فوراً غائب ہو گیا۔ میں نے سریش اور انوپا کی نظریں بچا کر تھیلا اوپر کی برتھ پر لوٹ دیا۔ نوٹوں کی گڈیاں برتھ پر پھیل گئیں۔ یہ نوٹ ایک لاکھ سے کم کیا ہوں گے۔ میں نے گڈیاں جلدی جلدی برتھ کے اندر کی طرف دھکیل دیں اور گاڑی چلتے ہی خالی تھیلا کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

کلکتے کے قریب سریش اور انوپا اداس ہونے لگے تھے۔ میں رخصت ہونے والا تھا اور ان پر نئی زندگی کے خوف مسلط تھے۔ وہ میری برتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں۔ انکا بھی واپس آ گئی تھی۔ میں نے انہیں گلوگیر لہجے میں مخاطب کیا۔ ''سریش اور انوپا! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ تم جہاں رہو گے مجھے علم رہے گا۔ تمہاری شادی پر تمہارے گھر والوں نے خوشی نہیں منائی لیکن تم نے مجھے بابا کہا ہے۔ تم سدا سکھی رہو۔ میں نے تمہارے لیے اپنی طرف سے جہیز کا انتظام کیا ہے۔'' یہ کہہ کے میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے اوپری برتھ سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے حوالے کرنا چاہیں۔ ان کے چہرے پر حیرت اور مسرت سے ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ ان کی زبانیں ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ کبھی وہ منع کرتے تھے، کبھی میرا ہاتھ چومتے تھے۔ میں اس کیفیت کا حال بیان نہیں کر سکتا۔ خود میری آنکھوں میں خوشی ہی خوشی بھری ہوئی تھی۔

''آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' انوپا اور سریش نے ایک ساتھ کہا۔

''میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔'' میں نے انوپا کے سر پر دھپ مارتے ہوئے کہا۔ ''کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں۔ مگر یہ بہت ہیں بابا، ہم ان کا کیا کریں گے؟''

''تم پہلے ایک بڑے ہوٹل میں ٹھہرو گے۔ پھر عمدہ سا مکان تلاش کرو گے۔ پھر سریش چاہے گا تو کوئی کاروبار کرے گا یا مزے سے انہیں اڑائے گا اور ملازمت کرے گا۔ تم راج کرو گی۔'' میں نے سرشاری سے کہا۔

''او بابا، آپ بڑے دیالو ہیں، بابا! آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں۔'' انوپا نے بچوں کی طرح مچل کے کہا۔

''تم پگلی ہو۔ کبھی بابا بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں؟'' میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی۔

انہوں نے میرے اصرار پر نوٹ جلدی جلدی اپنے سوٹ کیسوں میں ٹھونسے اور عقیدت سے میرے قریب بیٹھ گئے۔ کلکتہ اسٹیشن پر ان سے وداع کا منظر بڑا رقت انگیز تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں کے رفیق چھوٹ رہے ہوں۔ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو مجھ پر بھی یاسیت اور نامرادی نے غلبہ پالیا اور میں انہیں دور تک جاتے دیکھتا رہا۔ انکا بھی مرجھا گئی تھی۔ کلکتہ اسٹیشن پر تنہا کھڑے ہوئے مجھے اکیلے پن کا شدید احساس ہوا۔ میں جیسے گہری نیند سے چونک گیا۔ بدری نرائن، ہاں وہی موذی بدری نرائن! مجھے اس کمینے کے استحصال پر روانہ ہونا تھا۔ میں اسٹیشن سے باہر آ گیا اور شہر سے دور ایک نواحی آبادی میں داخل ہوا۔ یہ ایک نیم شہری علاقہ تھا۔ جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کی اس بستی میں داخل ہوتے ہی میرے اعصاب میں

رسا کشی ہونے لگی۔ میں محتاط انداز میں اپنا محاصرہ کرتا ہوا اس مکان کے قریب ہو رہا تھا جہاں وہ شیطان بدری نرائن ٹھہرا ہوا تھا۔ شیطان نے اپنے تعاقب میں میرے اوسان خطا کر دیے تھے۔

بستی میں کسی نے میری طرف مشکوک نظروں سے نہیں دیکھا، اب تک تمام راستہ بخیر و خوبی گزر گیا تھا۔ بستی کے ایک سرے پر چھوٹے چھوٹے مندروں کا سلسلہ تھا جن کے کلس ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی فکر میں سرگرداں معلوم ہوتے تھے۔ اسی کے قریب بھگوان داس کا دومنزلہ پختہ مکان دور سے نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک درخت کے نیچے بنے ہوئے مٹی کے صاف چبوترے پر دھرنا جما دیا۔ انکا بھی خلاف معمول گم صم بیٹھی تھی۔ میرے لیے آگے جانے سے پہلے احتیاطاً اپنے سامنے کے علاقے کا جائزہ لینا ضروری تھا۔ میں آنکھیں نہیں بند کر سکا کیونکہ جب میں نے استغراق کے لئے انہیں بند کرنا چاہا تو وہ حیرت سے خود بخود کھل گئیں۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا، وہ حقیقت تھی۔ میں نے پریشانی کے عالم میں انکا کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بے قراری سے میرے سر پر پہلو بدل رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری باطنی آنکھوں نے جس حیرت انگیز مظہر کا نظارہ کیا ہے، انکا کی سحر کار نظر نے بھی اسے دیکھ لیا ہے مگر انکا اب اسے بیان کرنے سے کترا رہی ہے، اس کے انداز میں ندامت تھی۔ آنکھوں میں شرمندگی اور حقیقت کا یہ تاثر مجھ پر ترس کھانے کے سوا کسی اور سبب سے نہیں تھا۔ انکا کی کوئی غلطی نہیں تھی، خود میں نے میسور اور بمبئی کے راستے میں اطمینان کر لیا تھا۔ راستہ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ اب کیا ہوا؟ بدری نرائن کو کیسے خبر ہو گئی کہ میرا رخ اس طرف ہے اور کس نے یہ فصیل تعمیر کر دی ہے؟ یہ جو ایک پُراسرار چادر تنی ہوئی ہے، یہ کسی مہان سادھو کی شکتی کا کرشمہ ہے؟ امر لال کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر امر لال کی موجودگی کے یہاں کوئی آثار نظر نہیں آتے، وہ خود وندھیا چل میں ہے۔ پھر کس نے یہ سنگلاخ دیوار کھڑی کر دی ہے؟ کس نے میری بو سونگھ لی اور پیش قدمی کی؟ کیا میں پھر ناکام واپس چلا جاؤں؟

''تم کچھ دیکھ رہی ہو؟'' میں نے بے بسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

''ہاں، اندر بدری نرائن موجود ہے۔ بھگوان داس بھی ہے اور اس کی نوجوان لڑکی شاردا بھی۔ اس کا تمہارا فاصلہ بہت کم ہے مگر تم اندر نہیں جا سکتے۔ درمیان میں تم دیکھ رہے ہو، کیا ہے؟'' انکا نے پژمردگی سے اپنے لب کھولے۔

''میں یہ جال جلا دوں گا، یہ دیوار ڈھا دوں گا۔ میں قیامت تک یہیں بیٹھا رہوں گا۔''

''تم ایک حماقت کے بعد دوسری حماقت کرو گے۔''

''میں ایک آخری حماقت ضرور کروں گا۔ میں یہیں بیٹھ کر بدری نرائن کا حوصلہ آزماؤں گا اور جب تک اسے باہر نہیں کھینچ لاؤں گا، یہیں پڑا رہوں گا۔''

''[illegible] بدری نرائن کی مدد کو پہنچ جائیں

گئے۔"

"تم کیا مذاق کراتی ہو؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "میں یہاں آنا نہیں چاہتا تھا، تم نے خود ہی ذکر چھیڑا اور اب منزل پر آ کے کہہ رہی ہو کہ واپس چلا جاؤں۔ میں کہیں اور جا کے سکون سے رہ سکوں گا؟"

"مجھے معلوم ہے لیکن یہاں بیٹھے رہنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ادھر تم اپنی طاقتوں کا کھیل دکھاؤ گے، ادھر وہ تمہیں ہٹانے پر اپنا پورا زور لگا دیں گے۔ اب تو بدری نرائن کا خیال کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ چلو شبن خان کی طرف چلتے ہیں، وہ جیل میں کسمپرسی کے دن گزار رہا ہے۔ ادھر زر افشاں، درخشاں کے لیے تمہیں بر تلاش کرنے ہیں۔ تمہیں ابھی بہت سے کام ہیں، کہیں اور نہیں چلتے تو کلدیپ ہی کے ہاں چلو، وہیں سادھی لگا دینا۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"اب سب باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ میں تو یہاں سے کہیں اور نہیں جاؤں گا۔ اگر موت یہیں لکھی ہے تو اسی مٹی میں دفن ہو جاؤں گا۔" میں نے بپھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ پچھتاوا ہے لیکن بعد از وقت پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ میسور جاتے ہوئے جب میں نے بدری نرائن کا ذکر چھیڑا تھا تو تم بری طرح بے چین ہو گئے تھے۔ اگر تمہارے اضطراب کا یہی حال رہتا تو بدری نرائن تمہاری آمد سے کبھی آگاہ نہ ہوتا لیکن تم اس معمولی جوڑے کی خاطر تواضع میں سب کچھ بھول گئے۔ سنو جمیل احمد خان!" انکا نے لہجہ بدل کے ترشی سے کہا۔ "یہ عمارت امر لال کی شرن میں ہے۔ اس نے بدری نرائن کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا تو اپنی عدم موجودگی میں اسے تنہا کیسے چھوڑ دیتا؟ اس نے بدری نرائن کو اپنے چیلے بھگوان داس کے پاس بھیج دیا اور اسے کوئی ایسا منتر بتا دیا کہ جب تم ادھر کا رخ کرو، ایسا ایک جال تمہارے آنے سے پہلے یہاں بن جائے۔ ممکن ہے انہوں نے تمہیں گھیرنے کے لیے کوئی چال چلی ہو۔ تم یہاں بیٹھ کے اپنا وقت ضائع کرو گے۔ کچھ سمجھ میں آیا میں نے کیا بکواس کی ہے؟"

"میں تمہاری بکواس سن رہا ہوں انکا!" میں نے مایوسی سے کہا۔ "اب تک کیا، کیا ہے؟ وقت ہی ضائع کیا ہے۔ کچھ اور وقت ضائع کرنے دو۔ میں نے اپنا آخری ٹھکانا ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ درخت ہے۔ یہ چبوترا ہے اور میں ہوں۔ میں آنکھیں بند کرتا ہوں، تمہارے اندر برداشت کا حوصلہ ہے تو میرے سر پر ٹھہری رہو، نہیں تو اتر جاؤ۔"

"یہاں تم پر کوئی اور مصیبت آ سکتی ہے۔" انکا نے تلملا کے کہا۔

میں نے انکا کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور عمارت کی جانب نظر کی۔ کھڑکی میں مجھے بدری نرائن کا چہرہ نظر آیا۔ وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور شدید نفرت سے اسے چار بار گھما کے عمارت کی جانب اچھال دیا۔ پتھر کسی آواز کے بغیر درمیان ہی میں ٹکرا کے واپس آ گیا۔ اتنی دور سے میں بدری نرائن کے چہرے کے تاثرات دیکھ سکتا تھا۔ اس کی رعونت میری برداشت سے باہر

تھی۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی اور زور زور سے پھونکیں ماریں۔ میرے کسی عمل سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بدری نرائن نے رعونت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کھڑکی کے پٹ بند کر دیے اور میں اپنی جگہ تلملا کے رہ گیا۔ پہلے شاید میں انکا کے اصرار پر اس جگہ سے اٹھ جاتا مگر بدری نرائن کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا۔ انکا اسی شد و مد سے واپسی کے لئے اصرار کر رہی تھی۔ میرا عزم اور پختہ ہوتا جاتا تھا۔ آخر انکا نے ہار مان لی۔ اسے چپ سی لگ گئی اور میں نے چبوترے کو اپنا مسکن بنا لیا۔ میرا جسم ساکت ہو گیا اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ وہ اسی سمت مرکوز تھیں جہاں بدری نرائن کھڑا ہوا نظر آیا تھا۔ میں تین دن تک یوں ہی بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ یہ برداشت کی انتہا تھی۔ اس دوران میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ تین دن بعد میں نے اپنے اندر کے دروازے بند کر کے باہر کی طرف جھانکنا چاہا تو مجھے شدید مایوسی ہوئی۔ میں نے بدری نرائن تک پہنچنے اور درمیان کا پردہ ہٹانے کی ایک اور کوشش کی۔ مکان کے گرد قائم حصار میں سر مو کوئی فرق نہیں آیا۔ البتہ میرے لیے ایک اور مشکل پیدا ہو گئی۔ یہ کوئی غیر آباد علاقہ نہیں تھا۔ میری موجودگی اور میری مشکل تپیا کی خبر سارے علاقے میں پھیل گئی۔ میں نے دھول جھاڑنے کے انداز میں اپنے جسم کو حرکت دی تو مجھے اپنے گرد پروانوں کی طرح منڈلاتے ہوئے لوگ دکھائی دیے۔ یہ غریب لوگوں کی بستی تھی مگر میرے چبوترے پر انواع و اقسام کے کھانوں کے تھال رکھے تھے۔ میں نے انہیں چھوا تک نہیں۔ پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بھگوان داس کے مکان کا چکر لگایا۔ بھگوان داس کے مکان میں گزشتہ تین روز سے کوئی شخص داخل نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مکان عام انسانی آنکھ سے اوجھل ہو گیا ہو۔ اس کی جانب کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کی طرف سے نگاہیں پھیر لیں جو میری توجہ کے منتظر تھے۔ ان سب پر میری ہیبت اور بے نیازی کا اثر ہوا۔ رات کو مجھے سکون مل گیا اور میں نے دو چار لقمے زہر مار کیے، پھر سورج نکلنے سے پہلے میں اپنے عمل میں مصروف ہو گیا۔ میرے اور بدری نرائن کے درمیان قوت برداشت کی ایک جنگ جاری تھی۔ اگر میں اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا تو وہ بھی تو باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کی دیوار کے ساتھ میری بھی کئی دیواریں تھیں اور سب سے بڑی چٹان تو میں خود تھا۔

میں تیز تیز سانس لے کے اور پھیپھڑوں میں تازہ ہوا بھر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی عقیدت مند ہاتھ جوڑے چبوترے کے نزدیک ہونے لگے۔ میری نظریں ابھی تک بھگوان داس کے مکان کی کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں جس کے پٹ بند تھے، میری آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں۔ میری یہ کیفیت ان لوگوں سے پوشیدہ نہیں رہی جو کسی معجزے کی تمنا میں میرے قریب اکٹھے ہو گئے تھے، جنہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص ساکت و جامد کچھ کھائے پیے بغیر دنوں اور ہفتوں بیٹھا رہتا ہے۔ میرے بارے میں انہوں نے صحیح اندازہ لگایا تھا، انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا لیکن خود میں اپنے آپ پر شبہ کر رہا تھا۔ میں گیارہ روز کی تپیا کے بعد بھی بھگوان داس کے مکان میں داخل ہونے کے لئے کوئی چھوٹا سا راستہ تلاش نہیں کر سکا تھا، اچانک

کھڑکی کے پٹ کھلے۔ میری پوری طاقت سمٹ کے نگاہوں میں مرکوز ہوگئی۔ وہاں بدری نرائن کی جگہ ایک نہایت حسین اور نازک اندام لڑکی کھڑی تھی۔ انکا بھی میری طرح کھڑکی کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے مجھے اسی وقت بتایا کہ یہ بھگوان داس کی لڑکی شاردا ہے۔ اسے حسن کی سند دینے میں کسی کو کوئی تعرض نہ ہوتا۔ اسے دیکھ کر میری نگاہوں میں ایک بجلی سی چمکی۔ شاردا صرف ایک لمحے میری مقناطیسی نگاہ کے سامنے ٹھہر سکی۔ پھر اس نے گھبرا کر نگاہیں نیچی کرلیں اور کھڑکی کے پٹ اسی طرح بند ہوگئے جس طرح میرے اچھے دنوں کے پٹ بند ہوگئے تھے۔ شاردا، یہ نام کئی بار میرے ذہن میں گونجا اور میرے جلے ہوئے اعصاب پر تیل کا اثر کر گیا۔

اس موقع پر مجھے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کی موجودگی بری محسوس ہوئی۔ میں نے انہیں پھنکار کر کہا۔ ”کیوں بیٹھے ہو؟ جاؤ اپنا راستہ لو۔ یہاں میٹھا تقسیم نہیں ہو رہا ہے۔“

”مہاراج! دیا کرو۔“ ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں۔ ”ہمیں اپنی سیوا کا اوسر دو۔“

”مجھے کسی سیوا کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے حقارت سے کہا۔ ”جاؤ اپنا کام کرو، میری تپسیا میں کیوں خلل ڈالتے ہو؟“

”تم گیانی دھیانی ہو مہاراج! کالی نے تمہیں ہمارے پاس بھیجا ہے، یہاں سب کالی مائی کے اشارے پر اپنا جیون تیاگ دینے کے لیے بیاکل ہیں۔ ہمارے بڑے بھاگیہ جو تم یہاں پدھارے۔ بتاؤ مہاراج! تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟“ ان میں سے ایک عاجزی سے بولا۔

”نہیں بس اتنی سیوا کرو کہ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔“ میں نے ڈپٹ کر کہا۔

آخر وہ میرے حکم پر سہمے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور انکا انہیں ہنکا کے بستی میں لے گئی۔

ان لوگوں سے نجات حاصل کرنے کے بعد میری نظریں پھر کھڑکی کی جانب ٹک گئیں۔ بھگوان داس کی عمارت کی ہر اینٹ میری نظروں کے احاطے میں تھی۔ ایک بار پھر شاردا کھڑکی پر نمودار ہوئی اور جلد ہی وہاں سے غائب ہوگئی۔ وہ دن اسی آنکھ مچولی میں گزر گیا۔ شام کو انکا میرے سر پر آ گئی۔

”آخر تم نے کیا سوچا ہے؟“ انکا نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”تم نے شاردا کو دیکھا ہے؟ بھگوان داس کی یہ لڑکی کچھ عجب تیکھے نقوش رکھتی ہے۔“

”تم مجھے بہلا رہے ہو۔ شاردا اس گھر سے کبھی باہر نہیں آ سکتی، یہ بات تم بھی جانتے ہو۔“

”بھگوان داس اور بدری نرائن کیا کر رہے ہیں؟“

”وہ تمہاری تپسیا کا جواب دینے کے لئے جاپ میں مگن ہوں گے۔ انہوں نے وندھیا چل میں امر لال سے پرارتھنا کی ہوگی۔ تم نے یہ عمارت ڈھانے کے لئے کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔“

”تو پھر شاردا اس بھرے گھر میں ویران، اداس پھر رہی ہوگی؟ تمہارا کیا خیال ہے؟“

”لیکن وہ اپنی اداسی مٹانے کے لئے تمہارے پاس نہیں آئے گی۔“

”میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔“

”تم پاگل ہو جاتے ہو۔“ انکا جز بز ہو کے بولی۔

شاردا کا ذکر میں نے اس سے دانستہ کیا تھا حالانکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں انکا کو یہاں بیٹھنے کے لئے آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ رات کو میں نے ایک اور کوشش کی اور صبح جب سورج کی کرنوں نے اندھیرے پر غالب آنا شروع کیا تو انکا نے میرے سر پر بیٹھ کے پنجے مار مار کے پریشان کر دیا۔ کل میرے عقیدت مندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی، آج میں انہیں گننے سے قاصر تھا۔

میں آگے کی تفصیل کیا بیان کروں۔ انکا کی موجودگی میں روز لگنے والی اس نوٹنکی میں کیا کیا تماشا نہ ہوا ہوگا۔ اور میں نے خالی وقت میں ارتکاز، مراقبے، تزکیہ نفس اور استغراق کا کون سا عمل نہ کیا ہوگا۔ کئی ہفتے بیت گئے اور میں وہ فاصلہ عبور کرنے میں ناکام رہا جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل تھا۔ ارد گرد کے دیہات کے لوگ بھی اب اس طرف آنے لگے تھے۔ کئی نوجوان پنڈت پجاریوں نے میرے قریب ہی سمادھی لگا دی تھی۔ اس صورت حال سے میں بہت پریشان تھا۔ میں یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا اور آنے والے لوگوں کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی تعداد روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھی۔ میری طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا۔ میں آنے والے لوگوں کو بری طرح دھتکار دیا کرتا لیکن میں جتنا انہیں دھتکارتا، اتنا ہی وہ میرے پیروں پڑ جاتے۔ صرف ایک امید نے مجھے یہاں روکے رکھا تھا ورنہ میں طویل ارتکاز میں ڈوب کر یہ قصہ ہی تمام کر دیتا۔ شاردا کی آنکھوں میں میرے لیے ایک کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا تھا کہ اسے کھڑکی پر دیر تک کھڑا رکھوں اور اس کے دل میں اپنا خیال منتقل کر سکوں۔ اگر یہ پُراسرار دیوار حائل نہ ہوتی تو شاردا بندھی چلی آتی۔ یہ ایک صبر آزما کام تھا۔ میری ریاضت اور عقیدت، ہندوؤں کی مجھ سے ارادات دیکھ کے شاردا نے میرے بارے میں بہت سی مثبت رائیں قائم کر لی ہوں گی جن کا ثبوت یہ تھا کہ اب وہ رات کو بھی کھڑکی میں کھڑی ہونے لگی تھی۔ میں سنگلاخ چٹان پر تنکے مار رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں یہ چٹان انہی تنکوں سے توڑ دوں گا۔ روز میرے روحانی اعمال میں شدت پیدا ہو جاتی تھی۔

میں نے انہی دنوں اچانک ایک رات اپنے قریب کوئی سایہ سا گزرتا محسوس کیا۔ انکا فوراً میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے پلٹ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کلدیپ کا پرتو، اس کی نمائندہ کلپنا تھی۔ اس کی خلاف توقع آمد سے میرا انہماک ٹوٹ گیا اور میں خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھی، میں سمجھتا تھا، کلدیپ آ گئی۔ اس وقت مجھے کوئی ہمدردی قبول نہیں تھی، کوئی مشورہ یا دخل پسند نہیں تھا۔

کلپنا نے نرم لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ ”جمیل احمد خان! میں کلپنا ہوں۔“

”[illegible]۔ تم شاید مجھ سے ہمدردی کا اظہار

کرنے آئی ہو مگر میں اپنے معاملے میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔" میں نے تیزی سے کہا۔" اب تمہاری دیوی سے میرا کیا واسطہ؟ میری یہ حالت اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ بار بار مجھے کیوں تنگ کرتی ہے؟ میں مر جاؤں گا تو کیا ہوگا؟ میں ناکام ہو جاؤں گا تو اس کے گیان دھیان میں کیا فرق پڑے گا؟"

"تم دیوی سے بہت ناراض ہو؟ میں تم سے اس وقت کچھ نہیں کہوں گی۔ میں تمہیں یہ مشورہ دینے آئی ہوں کہ تم یہاں بیٹھے اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

"میں یہاں سے ہٹ کے بھی اپنا وقت ضائع ہی کروں گا۔ اب مجھے دنیا میں کون سا کام رہ گیا ہے؟ پنڈتوں، پجاریوں سے لڑنا، مشکلوں میں پڑنا اور ان سے نکلنا۔"

"تمہاری ایک لڑکی، داماد اور تم سے متعلق اور لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ تم یہاں تنہا نہیں ہو۔" کلپنا نے سنجیدگی سے کہا۔" تمہیں اپنے خیر خواہوں کے مشورے قبول کرنا چاہئیں۔ میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی غیر ہمدردانہ سلوک نہیں کیا ہے۔"

"میں تمہارا احسان مند ہوں۔" میں نے طنزاً کہا۔" میری زندگی پر نہ جانے کس کس کے احسانات ہیں؟ میں ان کے بوجھ تلے دب گیا ہوں۔ اب یہ تیر ہ ترک کر دو اور مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ زندہ رہا تو ایک بار تمہاری دیوی کے درشن ضرور کروں گا۔ میں اسے دیکھنے کے لئے جا رہا تھا کہ راستے ہی سے واپس آ گیا۔"

"چلو دیوی کے استھان چلو۔ یہاں بیٹھے ہوئے تم......" کلپنا کی بات ادھوری رہ گئی۔

میں نے ناراضی اور غصے سے کہا۔" مجھے یہاں سکون مل رہا ہے۔"

"تمہاری مرضی، لیکن تم میری بات پر غور کرنا۔ وقت سے پہلے یہاں سے اٹھ جانا۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا جمیل احمد خان کہ تمہارے کچھ اور بہی خواہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔" کلپنا نے تیکھے لہجے میں کہا اور رات کی سیاہی میں مدغم ہو گئی۔ اس کے جانے سے مجھے سکون ہوا۔

☆......☆......☆

کلپنا نے انکا سے کوئی الگ بات نہیں کہی تھی۔ وہی تکرار تھی جسے سنتے سنتے میں تنگ آ گیا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے رفتہ رفتہ پندرہ دن اور گزر گئے۔ ڈھائی ماہ کے عرصے میں کوئی شخص مکان میں داخل نہیں ہوا تھا۔ نہ ہی گاؤں کے کسی آدمی نے نظر گھما کے مکان کی طرف دیکھنے کی جسارت کی تھی۔ ان سب کی نظریں یہ عمارت دیکھنے سے قاصر تھیں۔ میں اپنے انہماک میں حسب معمول غرق تھا۔ دوپہر تک میرے اطراف دیہاتیوں کا بڑا ہجوم شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھناتا رہتا اور انکا میرے حکم پر ہر شخص کی مشکل حل کرتی رہتی۔ جب اتنے دنوں کی صبر آزما تگ و دو کے بعد بھی کوئی روزن نہ کھلا، دیوار میں کوئی شگاف نہ پڑا اور شیشے میں کوئی بال نہ آیا تو کلپنا اور انکا کی باتیں

ناکام ہو چکا تھا میرا اعتماد مجروح ہونے لگا تھا۔ اب مجھے اپنی آگ بجھانے کے لئے کسی اور ہی ذریعے کی تلاش تھی۔ شاردا؟ ہاں شاردا بس ایک ہی چارہ تھا کہ کسی طور شاردا مکان سے باہر آ جائے۔ میری جانب سے اس کی آمادگی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دیوار پھاند کر چلی آئے گی۔ اندر سے کسی شخص کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ قید صرف جانے والوں کے لئے ہونی چاہیے۔ میں نے اپنی پوری توجہ شاردا پر صرف کر دی تھی۔ شاردا میرے اشارے سمجھنے لگی تھی۔ وہ میرے چمتکار حیرت سے دیکھتی رہتی تھی۔ آخر ایک رات میں نے اسے آواز دی اور اشارے سے اپنے پاس بلانا چاہا۔ میری آواز دور دور تک گونج گئی۔ شاردا نہیں آئی، میں سمجھا میرے کلام میں اثر نہیں رہا اور میری نگاہ اپنی کشش کھو بیٹھی ہے۔ شاردا نہیں آئی جنون ہ اور فزوں ہو گیا۔ اسے بلانے اور پکارنے میں اور شدت پیدا ہو گئی۔

لیکن دوسرے دن ہجوم میں ایک ملنگ شخص بانسری بجاتا ہوا میری طرف نکل آیا۔ انکا کے مشورے پر میں نے اس سے بانسری طلب کر لی۔ اس نے بے پروائی سے اسے میری جانب پھینک دیا۔ انکا نے مجھے ایک افسانوی ترکیب بتائی تھی کہ ممکن ہے اس میں کوئی منفعت ہو۔ خود میں نے قدیم کہانیوں پر پڑھا تھا کہ ایک محبوب اپنی محبوبہ کو بلانے کیلئے رات کو جنگل میں بانسری بجایا کرتا تھا۔ محبوبہ کھنچ کر اس کے پاس پہنچ جاتی تھی اور اسے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی تھی۔ اسے آنے میں دیر ہو گئی تو محبوب نے اس رات فراق یار میں ایسی بانسری بجائی کہ اس کی سانس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ رات کو میں نے یہی افسانہ دہرایا۔ مجھے بانسری بجانی نہیں آتی تھی لیکن انکا میرا ساتھ دے رہی تھی۔ انکا نے اس میں عجب سوز پیدا کر دیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ میری دردناک لے نے پرندوں کی نیند اڑا دی ہوگی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے لگی ہوئی تھی اور اس سے راگنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ میں خود مدہوش ہوا جا رہا تھا۔ موسیقی بھی جادو ہے۔ انکا اسے بجا رہی تھی۔ مجھے عمارت کے دروازے تیزی سے کھلنے کی آوازیں آئیں۔ شاردا بھاگتی ہوئی میری سمت آ رہی تھی۔ وہ جب دیوانہ وار نکل آئی تو تیزی سے فاصلہ عبور کرنے لگی۔ اس کے پیچھے بھگوان داس چلاتا اور دوڑتا نظر آیا مگر شاردا کو ہوش نہیں تھا۔ وہ تڑپتی ہوئی آئی اور میرے قریب آ کے گنگ سی کھڑی ہو گئی۔ انکا اسی وقت اس کے سر پر پہنچ گئی۔ بانسری میرے ہونٹوں سے الگ ہو چکی تھی۔ موسیقی کے سحر نے اپنا کام کر دیا تھا۔ میں حیرت سے شاردا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنا سینہ چھپائے ہوئے تھے۔ ساڑھی جسم پر ٹھیک طرح نہیں بندھی تھی، وہ ہانپ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اس کا جسم گلاب کی کوئی شاخ تھا جس پر گلاب جیسا اس کا چہرہ لگا ہوا تھا۔ بھگوان داس دہشت میں شاردا شاردا پکارتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ اس نے آتے ہی شاردا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شاردا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ میں خاموش کھڑا کچھ دیر تک باپ بیٹی کی نوک جھوک سے لطف لیتا رہا۔ شاردا نے بھگوان داس کے ساتھ واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔
[illegible]
کی جرأت نہیں کی تھی۔ خوف

سے اس کا جسم لرز رہا تھا۔ آواز بھی تھرا گئی تھی۔ میں نے بڑھ کے شاردا کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے بھگوان داس سے تلخی کے ساتھ کہا۔ ”صرف ایک شرط پر تم شاردا کو لے جاسکتے ہو کہ بدری نرائن کو میرے حوالے کردو۔“

”میں بدری نرائن کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ میں نے گرو امر لال کو وچن دیا ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں گا۔“ بھگوان داس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”مجھے شاردا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسے میں نے صرف بدری نرائن کو حاصل کرنے کے لئے بلایا ہے۔ اگر تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے تو میں شاردا کو ساتھ لے جاؤں گا۔“ میں نے سیدھے سادے الفاظ میں کہا۔

”تم اسے نہیں لے جاسکتے۔ گرو دیو کی شکتی امر ہے۔ تم نے پہلے ہی بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ گرو دیو تمہیں اس بار بڑا کشٹ دیں گے۔“

”مجھے گرو دیو سے خوف ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ تم نے ایک کمینے شخص بدری نرائن کو شرن دی ہے۔ وہ میرا مجرم ہے۔ شاردا کے عوض تم اسے میرے حوالے کرسکتے ہو۔“

”مجھے مجبور نہ کرو مہاراج جمیل احمد خان! میں ایسا نہیں کرسکتا۔“ بھگوان داس نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تم شاردا سے سدا کے لئے ہاتھ دھولو۔ میرا مشورہ ہے بھگوان داس کہ تم بدری نرائن کے پاس جا کے اسے صورت حال سے آگاہ کرو۔ اگر وہ تمہارا دوست ہے اور بڑا پنڈت ہے تو تمہاری بیٹی کی زندگی کے لئے باہر آجائے گا۔“ میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

”میں جانتا ہوں، وہ باہر نہیں آئے گا۔“ وہ بے بسی سے بولا۔

”تو پھر تم نے ایسے نیچ شخص کو شرن کیوں دی ہے؟“

”میں نے گرو دیو امر لال کو دیے ہوئے وچن کا پالن کیا ہے۔“

”وچن؟“ میں نے قہقہہ لگایا۔ ”میں نے بھی اپنے آپ سے کوئی وچن کیا ہے بھگوان داس! تم میری شکتی کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟“

”میں جانتا ہوں۔“ وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔ ”پر مہاراج! میں مجبور ہوں۔ جب تک گرو دیو نہیں آجاتے، میں اسے تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔ میری بیٹی مجھے واپس کردو۔“

”میں بھی مجبور ہوں بھگوان داس! میں نے بہت کوشش کی کہ بدری نرائن خود بخود میرے پاس آجائے مگر وہ نہ آیا۔ مجھے یہ قدم مجبوراً اٹھانا پڑا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ شاردا یا بدری نرائن۔ بیٹی یا وچن کا پالن، ان میں سے ایک چیز اپنے لیے چن لو۔ سمجھے“

”مہاراج! اسے معلوم ہے شاردا چلی گئی ہے۔ اگر وہ آنا چاہتا تو کب کا آچکا ہوتا۔ میں نے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر بتایا تھا مگر وہ اپنے جاپ میں لگا رہا۔ اس نے میری بات نہیں سنی۔ میں نے ہی اپنا جاپ توڑ دیا۔“ بھگوان داس عاجزی سے بولا۔

”جب تم امر لال کو یہ سب بتاؤ گے تو وہ تمہیں کوئی کشٹ نہیں دے گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرو۔ میں شاردا کو لیے جا رہا ہوں۔ جب تمہارے گرو دیو وندھیا چل سے ادھر پدھاریں گے تو ان سے معاملہ نمٹ لیا جائے گا۔“

شاردا چپ چاپ میرے اور بھگوان داس کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ بھگوان داس عاجزی کے ساتھ مجھ سے فریادیں کرتا رہا لیکن میں نے ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے سے انکار کردیا۔ بھگوان داس کی فریاد حد سے تجاوز کرگئی اور اسے سننا میری برداشت سے باہر ہوگیا تو میں نے عمارت کی جانب منہ کر کے چیخ چیخ کر بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ عمارت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے غصے سے شاردا کو اپنی طرف کھینچا اور اندھیرے میں ایک سمت چل پڑا۔ بھگوان داس لجاجت سے درخواست کرتا رہا۔ اس نے میرے پیر پکڑ لیے۔ میں نے اسے حقارت سے ٹھوکر ماردی۔ اچانک بھگوان داس کی عاجزی، درشتی میں تبدیل ہوگئی۔ اس نے سخت لہجے میں مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں شاردا کو چھوڑ دوں پھر وہ مجھے امر لال کا خوف دلانے لگا۔ میں نے اس کی بات پر کان نہیں دھرے، بس چلتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی پتھر کھینچ مارا ہو۔ غصے میں میری آنکھیں باہر نکل آئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ بھگوان داس میرے پیر جکڑنے کے لئے منتر کا جاپ کررہا تھا۔ بدری نرائن کے نہ ملنے سے میرے رگ و پے میں زہر دوڑ گیا تھا۔ میں نے شاردا کا ہاتھ چھوڑا اور بھاگ کر بھگوان داس کے زمین بوس جسے پر ایک ٹھوکر مار دی۔ وہ لڑھکتا ہوا دور تک چلا گیا اور کرب سے چنگھاڑتا رہا۔ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ بھگوان داس کو مارنے سے ممکن ہے، شیشے کی وہ دیوار ٹوٹ جائے جو میرے اور بدری نرائن کے درمیان حائل ہے۔ میں نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی۔ بھگوان داس ایک معمولی درجے کا پنڈت تھا۔ وہ زمین پر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے چند لمحے توقف بھی کیا کہ شاید بدری نرائن اپنے دوست کو موت و زیست کی کشمکش میں محسوس کر کے باہر آجائے مگر وہ نہ آیا۔ بھگوان داس زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا، ہولناک چیخوں کے ساتھ تڑپتا ہوا دنیا سے اپنے رشتے توڑ بیٹھا۔ اس کا جسم جگہ جگہ سے جل گیا تھا، یوں بھی اگر میرا اس کا جسمانی مقابلہ ہوتا تو اسے زیر کرنے میں مجھے زیادہ زحمت نہ کرنی پڑتی۔ بہرحال بھگوان داس نے اپنے عہد کی اور میں نے اپنے فیصلے کی پاس داری کی۔ میں اپنے اس جارحانہ فعل پر قطعاً نادم نہیں تھا۔ بھگوان داس کو تو مجھ سے گفتگو کرنے کی مہلت بھی مل گئی۔ اس عمارت میں رینگنے والے حقیر کیڑوں تک سے مجھے نفرت ہوگئی تھی۔ شاردا نے اپنے باپ بھگوان داس کی عبرت ناک موت اپنی آنکھوں سے دیکھی مگر وہ کچھ بھی نہیں دکھ سکی۔ اس کے سر پر انکا تھی۔ انکا نے اس کے حواس اپنے قابو میں

کر لیے تھے۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے پر نصب تھی مگر اسے ان پر اختیار نہیں رہا تھا۔

میں شاردا کے ساتھ دوبارہ اپنے چبوترے کی طرف آگیا اور میں نے مکان کے گرد چکر لگا کے کئی عمل آزما لیے، دیوار جوں کی توں موجود تھی اور اس کے اندر بدری نرائن بہت معمولی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھگوان داس کو مارنے اور شاردا کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد بھی اسے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ انکا نے مجھے صبح سے پہلے یہ جگہ چھوڑ دینے کی ہدایت کی۔ میں انتظار کرتا رہا مگر انتظار بے سود ثابت ہوا۔ اندھیرا چھٹنے کو تھا۔ عمارت کی طرف تھوک کر میں نے کہا۔ "بدری نرائن! تجھ پر لعنت......" آگے کے الفاظ میرے حلق میں اٹک گئے۔ میں انہیں تلخ گھونٹ کے مانند پی گیا۔

شاردا ہمارے ساتھ تھی۔ بھگوان داس کے مکان میں اب صرف بدری نرائن رہ گیا تھا۔ اس کے باہر نکلنے کی اب ہر امید ختم ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت تک باہر نہیں آتا جب تک امر لال واپس نہ آ جاتا یا جب تک اس کے سر سے میرا خطرہ نہ نکل جاتا۔ میں نے بھگوان داس کو ختم کر کے اور شاردا پر قبضہ کر کے امر لال سے ایک بڑی مڈھ بھیڑ کے لئے میدان ہموار کر لیا تھا۔ امر لال اپنے اطاعت شعار چیلے بھگوان داس کی موت پر خاموش بیٹھنے والا شخص نہیں تھا۔ ہم اندھیرے اندھیرے میں بستی سے نکل گئے اور ایک بس میں بیٹھ کر شہر میں داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

ٹرین میں انکا شاردا کے سر سے اتر کے میرے پاس آ گئی۔ شاردا اس کے ہٹتے ہی چونک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے گرد و پیش تک رہی تھی۔ جب دوسرے ثانئے اس نے مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ میں نے اسے سنبھالا ورنہ وہ بے ہوش ہو جاتی۔ "تم میرے پاس ہو شاردا۔" میں نے محبت سے کہا۔ "کیا تم میرے پاس آنا نہیں چاہتی تھیں؟"

"میں کہاں ہوں؟" وہ سہم کر بولی۔

"تم ریل گاڑی میں ہو اور میرے ساتھ جا رہی ہو۔ تم نے کئی بار میرے قریب آنے کا ارادہ کیا مگر کوئی تمہارے پاؤں پکڑ لیتا تھا، آخر ایک رات میں نے بانسری بجائی اور تمہیں زنجیریں توڑنے پر مجبور کر دیا پھر تمہیں کچھ ہوش نہیں رہا۔ تمہارے باپ نے بدری نرائن کو اپنے ہاں پناہ دینے کے جرم میں سزا پائی اور وہ پرلوک سدھار گیا۔ تمہارا کوئی نہیں رہ گیا تھا، اس لیے میں تمہیں اپنے ساتھ لے آیا۔"

"میرے پتا جی کو کیا ہوا؟" وہ میری نرم، ٹھنڈی گفتگو سے متاثر نظر آتی تھی لیکن اپنے باپ کا ذکر سن کے بے چین ہو گئی۔

"مجھے افسوس ہے، وہ اسرار شکتیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بدری نرائن ان کی مدد کو نہیں آیا۔"

اس کے چہرے پر تذبذب اور کشمکش کے آثار نمودار ہوئے اور اس کی سسکیاں نکل پڑیں۔ میں نے

اسے کھل کر رونے دیا اور اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں اسے تسلیاں دیتا رہا۔ اتنے بڑے حادثے اور اپنے گھر سے اچانک دور ہو جانے کا صدمہ معمولی نہیں تھا۔ میں تمام سفر میں اپنے حسنِ سلوک اور شفیق رویے سے اس کا سینہ ہلکا کرنے میں مصروف رہا۔ اس میں پہلے ہی از خود وارفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ جو کچھ جھجک تھی، وہ انکا نے ہموار کر دی۔

☆......☆......☆

دلی تک کے سفر میں مجھے خاصا وقت مل گیا تھا۔ میں نے اسے دلی پہنچنے تک پوری طرح منقلب کر لیا تھا اور اب میں اطمینان سے اس کے رخِ زیبا کا نظارہ کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے حسن جہاں تاب کا خوب نظارہ کیا اور میں، جس کے جذبات کہیں سو گئے تھے، اس کے حسن کی گرمی سے پگھلنے لگا۔ اس کے سامنے عجیب و غریب شخص بیٹھا تھا، جس کا مشاہدہ کرنے اور جس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرنے کے لئے اسے کافی وقت مل گیا تھا۔ میری شخصیت کی گوناگوں خوبیوں، میرے اسرار اور بات چیت سے وہ بہت متاثر تھی۔ اب اس کے لبوں پر ایک سپردگی تھی کیونکہ وہ پھڑکتے تھے جیسے میں ہی اس کا سب کچھ ہوں۔ اس کی جانب میری توجہ دیکھ کے انکا کو شرارتیں سوجھیں۔ وہ مجھے چھیڑنے لگی اور ایک عرصے بعد اپنی روایتی شوخیوں پر اتر آئی ہے۔ کہنے لگی۔ "اے جمیل! اس کے لبوں میں کس بلا کا رس ہے؟"

میں نے کہا "ہاں ہے تو۔"

"تو پھر اس تنہائی میں اپنی تھکن دور کیوں نہیں کر لیتے؟ تمہیں یہ خشک زندگی بسر کرتے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟"

"اسے صرف دیکھتے رہنا بھی کسی لذت سے کم نہیں ہے۔"

"مگر اس کے اصل جوہر تو اس وقت کھلیں گے جب اسے برتو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا، میں اسے کس طرح برتوں؟"

"ایک بہترین لڑکی کی طرح ...... یہ تو مالِ غنیمت ہے۔ اس پر تمہیں پورا اختیار ہے بلکہ تمہارا حق ہے۔"

"اب مجھے کچھ بھی نہیں کرنا، اس کی مظلومیت پر ترس آ رہا ہے۔"

"واقعی، تم سے بڑا مظلوم کون ہوگا؟"

"ہاں...... خاصا وقت گزر گیا۔ اب میں شاید بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"تم بے وقوف ہو گئے ہو۔ سنو! امر لال شاردا کا اغوا اور بھگوان داس کی موت آسانی سے ہرگز نہیں کرے گا۔ شاردا آئی ہے تو جا بھی سکتی ہے۔ پہلی فرصت میں اس پر محبت کی مہر ثبت کر دو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔"

Downloaded from Paksociety.com

“ابھی نہیں۔ اور کل کا ذکر مت کرو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔”

میں انکا کی باقی باتیں نہیں سن سکا۔ شاردا کے چہرے میں مجھے کئی چہرے نظر آنے لگے تھے۔ نرگس، مالا کلدیپ، سارا، جینی، درخشاں، زرافشاں کے چہرے۔ انکا نہ جانے کیا کیا کہتی رہی اور میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچتا رہا۔ کاش اور بہت سی طاقتوں کی طرح مجھ میں آنے والے وقت کو گرفت میں لینے کی طاقت بھی ہوتی۔

میری سوچوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ دلی اسٹیشن آ گیا تھا۔ شاردا کا دلکش سراپا سنبھالتے ہوئے میں نے دلی کی سرزمین پر قدم رکھے۔ زرافشاں، درخشاں کو کسی محفوظ جگہ رکھنے کے لئے پہلے تو شعبن خان کا قمار خانہ مل گیا تھا۔ اب شعبن خان جیل میں تھا اور اس کا قمار خانہ اس کے بدقماش ساتھی چلا رہے تھے۔ شعبن خان کی رہائی کے لئے مجھے انکا کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس طرح شاردا تنہا رہ جاتی۔ اسے ساتھ لے کر جیل جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دلی میں اور کوئی جان پہچان بھی نہیں تھی۔ ہوٹل میں بھی قیام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں مخمصے میں پڑ گیا۔ شعبن خان کی قیام گاہ میں پھر کسی سے ربط ضبط قائم کرنا اور وہاں شاردا کو محفوظ کرنے کا مرحلہ طوالت طلب تھا۔ شاردا کو پولیس کے لاک اپ یا سرد خانے میں بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

میری سمجھ میں ایک ہی بات آئی۔

اسٹیشن سے ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور جیل خانے کے نزدیک اتر گئے۔ ہم جیل کے گردونواح میں چل رہے تھے کہ دفعتاً شاردا ایک چیخ مار کے زمین پر گر گئی۔ میری مدد کو کئی راہ گیر آ گئے۔ شاردا بے ہوش ہوگئی تھی، راہ گیروں نے جلدی سے ایک ٹیکسی فراہم کی اور مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے اسپیشل کلینک کا پتا دیا۔ میں نے نشتم پشتم شاردا کو ٹیکسی میں دھکیلا اور ہسپتال پہنچ گیا۔ تفصیل فضول ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کو معقول معاوضہ دے کر میں نے ایک خاص کمرا شاردا کے لئے محفوظ کرا لیا اور دو نرسیں اس کی خدمت پر مامور کرا دیں۔ کمرا محصور کر کے اپنے گھر والوں کو اطلاع دینے اور مزید روپے فراہم کرنے کے بہانے میں وہاں سے چلا آیا۔ ڈاکٹر نے اسے میرے سامنے ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شاردا کو کوئی مرض ہوتا تو وہ ڈاکٹر کے علاج سے ہوش میں آ جاتی۔ یہ مرض ڈاکٹر کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پیسہ سب کچھ کرا دیتا ہے۔ اس میں ماورائی طاقتوں سے کہیں زیادہ طاقت ہے۔ مجھے یقین تھا کہ میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا اور اس وقت تک ڈاکٹر بھٹناگر اور اس کی نرسیں شاردا کو ہوش میں لانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔ شاردا کی طرف سے مطمئن ہو کے میں ہسپتال سے باہر آیا اور پیدل ہی جیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیل میں قیدیوں سے ملاقات کا ایک وقت مقرر ہے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ اس بار شعبن خان کو پولیس نے بری طرح پھانس لیا ہے اور شعبن خان کے ساتھی ایک دوسرے بدمعاش راحت گینڈا سے مل گئے ہیں اور انہوں نے شعبن خان کی سزا بڑھوانے اور اس کے اڈے پر قبضہ جمانے کے لئے پولیس کا منہ بھر دیا

ہے۔ بہرحال اب شعبن خان کا دوست جمیل احمد خان جیل کے دروازے پر موجود تھا۔ میں نے وہاں جاتے ہی غیر معمولی حرکتیں شروع کر دی تھیں جس سے تمام پہرے داروں کی توجہ میری جانب مبذول ہوگئی تھی۔ میں نے دھمکی کے انداز میں جیلر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی جسے حسب توقع مسترد کر دیا گیا مگر پھر انکار کرنے والا پہرے دار اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکا بلکہ دھم سے زمین پر گر گیا اور میں نے حلق سے ایک نعرہ لگایا۔ میرے حلئے اور ناقابل فہم رویے سے دوسرے پہرے دار سراسیمہ ہو گئے۔ میں جیل میں لمبے جھگڑے اور خون خرابے کے ارادے سے نہیں آیا تھا جب میں نے باقی پہرے داروں کی ذات کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کیے تو وہ تمام کام چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئے۔ یہ ایک آزمودہ اور تیر بہدف نسخہ تھا۔ نتیجتاً وہ تمام لوگ ریشہ خطمی ہو گئے جنہوں نے پہلے مجھے کرختگی سے مخاطب کیا تھا۔ مجھے مزید کسی تاویل اور حجت کے بغیر جیلر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انکا میرے سر پر پوری طرح مستعدی سے کھڑی تھی۔ جیلر نے خوش دلی سے میرا استقبال نہیں کیا لیکن میں نے جیلر کی ویران اور خشک آنکھوں میں اپنی آنکھیں جما دیں۔ اس سے میرا تعارف ایک پہنچے ہوئے بزرگ کی حیثیت سے کرایا گیا۔ وہ سٹپٹا سا گیا اور گھبراہٹ میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟“

“میں تیرے کان پکڑنے آیا ہوں۔ تو نے میرا ایک آدمی روک رکھا ہے۔” میں نے سختی سے کہا۔

“کون ہے وہ؟” اس بار اس نے سنبھل کر تلخی سے کہا۔

“شعبن خان۔ میرا آدمی۔” میں نے خشونت سے کہا۔

“اوہ!” وہ زہریلی مسکراہٹ سے بولا۔ ”شعبن خان، بدمعاش؟ تم اس نکمے سے ملنے آئے ہو؟“

“ہاں۔ تو صحیح سمجھا ہے۔” میں نے کہا۔

اس نے جواب دینے کے بجائے پہرے داروں کو ڈانٹا کہ وہ ایک پاگل آدمی کو کیوں اس کے کمرے میں لے آئے ہیں۔ پہرے داروں نے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی جگہ میں بول پڑا۔ ”ان سے کیا پوچھتا ہے؟ میں خود آیا ہوں۔ چل، بلا شعبن خان کو۔ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

“جانتے ہو اس طرح جیل میں گھسنے کی سزا کیا ہے؟ میں تمہیں بھی اس کے ساتھ بند کر دوں گا۔” جیلر نے غصے میں کہا۔

“چڑی مار۔” میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ”تو مجھے بند کرے گا؟“

“لے جاؤ اسے۔” جیلر نے پہرے داروں کو حکم دیا۔

پہرے دار میری طرف بڑھے۔ میں نے تساہل سے کام لیا۔ جیلر نے گرج کے انہیں دوبارہ حکم دینا چاہا لیکن میرے ایک اشارے پر جیلر کی تلخ و تند آواز حلق میں اٹک گئی۔ وہ اپنا گلا پکڑ کے رہ گیا۔ ایک لمحے میں اس کا عجیب حال ہو گیا۔ وہ میری سمت خوف سے بڑھا اور کرب سے اپنے گلے پر ہاتھ رکھ کے اچھلنے

کودنے لگا۔

"تیری آواز کہاں گئی؟ بولتا کیوں نہیں؟" میں نے چیختے ہوئے پوچھا اور اپنی انگلی کا اشارہ کیا۔ جیلر کی سہمی سہمی آواز نکلی۔ اس نے فوراً مجھے کرسی پیش کی اور پہریداروں کو باہر جانے کا حکم دیا۔

"میں آپ کو غلط سمجھا بڑے صاحب، مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھ سے پہچاننے میں کوتاہی ہو گئی۔" وہ فدویانہ انداز میں بولا۔

"چل اب زیادہ باتیں نہ بنا۔ شبن خان کو بلا۔"

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔ اس کا مقدمہ عدالت میں چل رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یاد رکھو وہ میرا آدمی ہے۔"

"میں شرمندہ ہوں۔" اس نے فوراً شبن خان کو کمرے میں لانے کا حکم دیا اور مجھ سے معذرت چاہنے لگا۔ شبن خان کے آنے تک میں نے جیلر کے بارے میں چند حقائق بیان کیے تو وہ اور فدوی بن گیا۔ اس نے میرے لیے ناشتا اور چائے منگوائی۔ تھوڑی دیر میں شبن خان اندر آ گیا اور مجھے دیکھتے ہی مچل گیا۔ واہ استاد، تم یہاں؟ میں تو سمجھا تھا بھول گئے۔"

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا شبن خان! سناؤ کیس کہاں تک پہنچا؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

شبن خان نے جیلر کی طرف دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ جیلر کی موجودگی سے گھٹ رہا ہے۔ "اس کا خیال کر رہے ہو۔" میں نے جیلر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی طرف سے بے فکر رہو، یہ ہماری باتیں نہیں سن رہا ہے۔"

"کیسے نہیں سن رہا ہے؟ وہ ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔"

"یہ مت پوچھو کہ وہ کیسے نہیں سن رہا۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے شبن خان! کام کی بات کرو۔"

"وہ بالکل ٹھیک تو بیٹھا ہے۔" شبن خان ڈرتے ہوئے بولا۔

"وہ بہرا ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے میں نے اسے بہرا کر دیا ہے، وہ ہماری باتیں نہیں سن سکتا۔" میں اسے تفصیل کیا بتاتا کہ انکا اس کے سر پر پہنچ چکی ہے۔

شبن خان نے تصدیق کے لئے جیل کے انتظام پر ایک غلیظ گالی دی، جیلر خاموش رہا۔ اس پر شبن خان کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی اور وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ "تم کیا آدمی ہو خان صاحب! تم کوئی جادوگر ہو۔"

"میں تمہارا دوست ہوں شبن خان! اس وقت بس یہی بات ذہن نشین رکھو۔ میں تمہیں یہاں سے لے جا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ ابھی اس وقت جیلر تمہاری رہائی کے احکام صادر کر سکتا

ہے مگر میں چاہتا ہوں تم عدالت سے باعزت بری ہو جاؤ اور نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔"

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ شبن خان جیل کا پرانا آدمی ہے۔ یہاں اپنے بڑے ٹھاٹ ہیں۔ میں تو کسی دن چھوٹ ہی جاؤں گا، تم بتاؤ استاد! نگینے ملے یا نہیں؟"

شبن خان کا اشارہ زرافشاں اور درخشاں کی طرف تھا۔ میں نے اسے مختصراً بتایا کہ دونوں لڑکیاں نہ صرف مجھے مل گئی ہیں بلکہ خیریت سے محفوظ جگہ پہنچ گئی ہیں۔ میں خاموش ہوا تو شبن خان نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔ "کہاں سے اڑا لائے تھے انہیں؟"

"فضول باتیں مت کرو۔ سنو، راحت گینڈا تمہارا دشمن ہے، وہ کھل کر تمہاری مخالفت کر رہا ہے۔ تمہارے چند ساتھی بھی اس سے مل گئے ہیں، کہو تو میں ان سب کو ٹھکانے لگا دوں؟"

"وہ ولد الحرام؟" شبن خان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "استاد، میں جیل کے اندر ہوں لیکن باہر کی ایک ایک خبر مجھے اپنے مخبروں کے ذریعے ملتی رہتی ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکلنے دو، راحت گینڈے کی لاش کے ٹکڑے پولیس چوکیوں کے آگے بکھرے نظر آئیں گے۔"

"اس کی نوبت نہیں آئے گی شبن خان!" میں بڑے وثوق سے بولا۔ "تم جب چاہو، باہر جا سکتے ہو۔"

"سچ بتاؤ استاد! تم ہو کیا بلا؟" وہ بائیں آنکھ جھپکا کے معنی خیز لہجے میں بولا۔ "تم کوئی عجیب شے ہو۔"

"تمہاری اگلی پیشی کب ہے؟"

"یہ بھی پولیس والے جانیں، کون تاریخیں یاد رکھے۔"

"ٹھیک ہے، میں پہلے تم سے ملنا چاہتا تھا۔ اب تم بے فکر رہو، میں دلی آ گیا ہوں۔ ممکن ہے کل یا پرسوں تمہاری پیشی ہو جائے۔ ایک دو پیشیوں میں تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"تم جانو۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے شبن خان! اب ذرا توجہ سے ایک بات سنو۔ عدالت میں اگر تمہیں کوئی دقت پیش آئے تو انکا کا نام لینا۔ ویسے وہ وہیں موجود ہو گی اور تمہارے سامنے حیرت انگیز باتیں پیش آئیں گی، تم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہنا۔ زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔"

"یہ انکا کون ہے؟"

"تمہیں سب پتا چل جائے گا۔ میں اب جا رہا ہوں۔"

"ارے، یہ جیلر کیسا خاموش بیٹھا ہے خان صاحب! خدا کی قسم کمال کر دیا۔"

"یہ ابھی ہوش میں آتا ہے۔" میں نے انکا کو اشارہ کیا۔

اچانک جیلر ششدر نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔

Downloaded from Paksociety.com

شبن خان نے اسے سلام کیا اور کمرے سے چلا گیا۔ میں نے جیلر کے ساتھ چائے پی اور اسے چند نصیحتیں کر کے چلا آیا۔

شاردا ہسپتال کے کمرے میں ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ میرے جاتے ہی ہوش میں آ گئی اور میں اسے وہاں سے لے آیا، اب میں کسی بھی ہوٹل میں ٹھہر سکتا تھا اور شاردا کے ساتھ اطمینان سے چند روز گزار سکتا تھا کیونکہ اب باقی کام انکا کا رہ گیا تھا۔ ہم جب ہوٹل کے ایک شان دار کمرے میں داخل ہوئے تو ماحول بدلنے کی وجہ سے شاردا کی طبیعت کسی قدر بہتر لگنے لگی۔

پولیس کی فائل شبن خان کے خلاف ثبوتوں سے بھری ہوئی تھی۔ انکا اس دن بہت مصروف رہی۔ تیسرے دن شبن خان کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس پر بہت معمولی جرح ہوئی اور اسے باعزت بری کر دیا گیا۔ نہ عدالت میں فائل پیش کی جا سکی نہ سرکاری وکیل کے منہ سے شبن خان کے خلاف کوئی لفظ نکل سکا، نہ جج نے فیصلہ لکھنے میں کوئی تامل کیا۔ انکا مختلف سروں پر کودتی اور شرانگیزیاں کرتی رہی۔ میں اسی طرح شبن خان کو رہا کرانا چاہتا تھا ورنہ انکا کو جیلر سے رہائی کا حکم صادر کرانے میں دیر نہیں لگتی اور ان کاموں میں ذہن اتنا مشاق ہو گیا تا کہ شبن خان کا معاملہ تو بہت آسان نظر آتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ شبن خان کب رہا ہوگا۔ چنانچہ میں ہوٹل کا کرایہ ادا کر کے اور شاردا کو ایک نفیس ساڑی میں ملبوس کرا کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ میں فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ شبن خان آ موجود ہوا۔ انکا اسے وہیں لے آئی تھی۔ راحت گینڈے کے اڈے پر چھاپا پڑ چکا تھا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے۔ شبن خان نے انتظار گاہ میں قدم رکھا تو انکا اس کے سر سے اتر گئی اور شبن خان ہوش و حواس میں آ گیا۔ وہ اپنے چاروں طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ میں اس کے سامنے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ وہ دوڑ کر میرے گلے لگ گیا۔ ”خان صاحب! یہ سب کیا ہو گیا؟“ وہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

”میں نے جو وعدہ کیا تھا شبن خان، وہ پورا ہو گیا۔“

”تم وہ نہیں ہو جو مجھے نظر آتے ہو۔“ وہ آب دیدہ ہو کر بولا۔ ”مجھے بتاؤ تم کون ہو؟“

”شبن خان!“ میں نے ایک سرد آہ بھر کے کہا۔ ”ہاں، میں وہ نہیں ہوں۔“

”پھر تم کیا ہو؟“

”چھوڑو بھئی، یہ بتاؤ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”میں اب تمہارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ تم نے ساتھ نبھایا ہے تو اب مجھے اپنے ساتھ ہی رکھو۔“

”سوچ لو۔ تمہارا اڈا، وہ قمار خانہ؟“

”میں اسے جلا دوں گا، تم نے مجھ میں سویا ہوا آدمی بیدار کر دیا ہے۔ مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی اجازت دے دو خان صاحب!“ شبن خان رقت انگیز حالت میں گویا ہوا۔

میں نے اس کے لئے نیا نام تجویز کیا۔ ”آج سے تمہارا نام شہر علی خان ہے لیکن میں تمہیں شبن میاں ہی کہوں گا۔“

”آپ جو چاہیں کہیں۔“ شبن خان مارے احترام کے تم سے آپ پر آ گیا تھا۔ ”آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔“

”تمہیں نئی زندگی مبارک ہو شبن خان، کامیابیاں تمہارے قدم چومیں۔ میں نے بھی تمہیں اپنا بھائی کہا ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر کے لوگوں میں شامل سمجھتا ہوں اور وہیں تمہیں لے جا رہا ہوں۔“ میں نے حسرت سے کہا۔

”آپ جہاں چاہیں لے جائیں، اب میری ڈوری آپ سے بندھی ہوئی ہے۔“ شبن خان نے سر جھکا کر کہا۔

”آؤ چلیں۔“ میں نے شاردا کو اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

میں پہلے شاردا کو گلبرگے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک وہی دارالامان ان بدنصیب لڑکیوں کے لئے رہ گیا تھا۔ رکن الدین کے ہاں جاتے ہوئے مجھے جھینپ سی ہو رہی تھی لیکن اس کے گھر کے سوا اور کون سا گھر تھا؟ شبن خان اور شاردا کی تطہیر قلب کے لئے رکن الدین کے گھر سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں تھی۔ میں نے پورا ڈبا ہی اپنے لیے محفوظ کرا لیا تھا۔ ڈبے کے باہر ”ریزرو“ کا کارڈ لگا ہوا تھا۔

میں شبن خان اور شاردا کو اپنی زندگی کے بعض واقعات سنا کر ان کے دلوں سے اپنا خوف دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سفر بہت پُرلطف طریقے سے کٹ رہا تھا۔ انکا بھی مزے سے سو رہی تھی۔ میں نے شاردا کی حفاظت کے خیال سے ڈبا اپنے ایک عمل سے جکڑ دیا تھا۔ ناگپور کے اسٹیشن پر شبن خان نے دروازہ کھول دیا اور نیچے اتر کے کچھ خریدنے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کئی پتے تھے۔ اس کے پیچھے ہی ایک دراز ریش سادھو اندر داخل ہو گیا۔ میں اپنی برتھ سے چیخا۔ ”چلے جاؤ...... یہاں کیوں آئے ہو؟“

سادھو مسکرانے لگا اور اس کی ہیبت ناک آنکھوں میں نفرت سمٹ آئی۔ شبن خان اور شاردا دونوں سہم گئے تھے۔ میں نے شبن خان کے ہاتھ سے تمام پتے لے کر کھڑکی سے باہر پھینک دیے۔ سادھو نے شبن خان کی نظروں کے سامنے پتوں پر ایک جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا تھا۔ شبن خان کو پتا نہیں چلا اور وہ ڈبے میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت ڈبے سے میری جکڑ بندیاں ختم ہو گئیں اور سادھو کو اندر آنے کا موقع مل گیا۔

”جمیل احمد خان! لڑکی مجھے دے دو۔“ سادھو نے گرج دار آواز میں مجھے حکم دیا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مجھے اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا۔ وہ ایک بڑا سادھو تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا۔ ”یہ لڑکی مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“

"میں کہتا ہوں، اسے واپس کردو۔" سادھو نے برہمی سے کہا۔

"تم بدری نرائن کو میرے حوالے کردو۔"

"میں یہ لڑکی ابھی لے جاسکتا ہوں۔"

"تم یقیناً لے جاسکتے ہو مگر اس سے پہلے تمہیں جمیل احمد خان کی لاش پر سے گزرنا ہوگا اور جمیل احمد خان کو ختم کرنے کے لئے ابھی تمہیں پچاس سال نالکھ آشرم میں گزارنے پڑیں گے۔"

"میں تمہاری لاش سے گزر سکتا ہوں مگر تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔" سادھو نے بے نیازی سے کہا۔

"پھر تم اس لڑکی کو نہیں لے جاسکتے۔"

"مجھے مجبور نہ کر، مورکھ!"

"یہ لڑکی میری ہے۔ تم اپنی شکتیاں آزمالو، میں اسے نہیں جانے دوں گا۔"

"یہ ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ اس پر تمہارا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔" سادھو نے بپھر کر کہا۔

"بدری نرائن کمینہ بھی تو ہندو ہے؟ تم ایک طرف جرم اور ظلم کی پشت پناہی کرتے ہو اور دوسری طرف ادھیکار کی بات کرتے ہو؟ تم ایک بڑے سادھو ہو۔ یہ لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جاسکتی۔"

"مورکھ! یہ لڑکی تمہارے ساتھ خوش نہیں ہے۔ تم اسے اس کی مرضی کے بغیر اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔"

"اگر یہ فیصلہ ہو جائے کہ یہ کس کے ساتھ جانے پر آمادہ ہے تو میں اس سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں۔ سوچ لو تمہیں یہ شرط منظور ہے۔"

سادھو چند لمحے سوچتا رہا، پھر شاردا سے بولا۔ "لڑکی! تو ایک ہندو پنڈت کی لڑکی ہے۔ کیا تو نے خوب سوچ سمجھ لیا ہے کہ تو اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے یا میرے ساتھ؟ خوب وچار کرلے۔ یہ مسلمان ہے اور اس نے کئی ہندو پنڈتوں، پجاریوں کو مارڈالا ہے۔ میرے ساتھ پُن اور شانتی کے راستے پر چلنا چاہتی ہے یا اس کی طرف؟ بتا، اگر تو اس سے خوف زدہ ہے تو یقین رکھ۔ میں تجھے لے جانے کی شکتی رکھتا ہوں۔"

"ہاں شاردا! بتادو...... تم فیصلہ کردو۔" میں نے شاردا سے کہا۔

میں اس سادھو سے کوئی لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ انکا نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا۔

شاردا دیر تک تذبذب میں مبتلا رہی۔ سادھو اور میں اس سے بار بار پوچھتے رہے۔ شبن خان اس کی طرف حسرت ناک نظروں سے دیکھتا رہا۔ آخر بڑی مشکل سے شاردا کے لب کھلے، سادھو نے انکا کو بھی اس کے سر پر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ انکا پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ آخر شاردا نے ہمت کی۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ "میں ان کے ساتھ جاؤں گی۔" یہ کہہ کر اس نے گردن جھکالی۔

"تو نے...... تو نے فیصلہ دے دیا ہے۔" سادھو چونک کر بولا پھر آہستگی سے کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے،

تیری مرضی۔ بھگوان تجھے خوش رکھے۔" وہ بدبدانے لگا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "جمیل احمد خان! تو جیت گیا، میں جا رہا ہوں۔"

میں نے اسے بٹھانا چاہا مگر وہ فوراً پلیٹ فارم پر اتر گیا اور بھیڑ میں گم ہوگیا۔ میں نے شاردا کے سر پر ہاتھ رکھ کے عہد کیا۔ "شاردا، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

ناگپور سے گاڑی چلی تو میں نے ڈبا دوبارہ محصور کرلیا۔ گلبرگے تک ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی کہ اچانک ایک گم نام اسٹیشن پر ٹھہر گئی اور کسی نے زور سے میرے دروازے پر ضرب لگائی۔ چٹخنی ٹوٹ کر گر گئی اور دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھل گیا۔ میں چوکنا ہوگیا لیکن دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ سید مجذوب لاٹھی پٹکتا اوپر کی سمت آرہا تھا۔ میں دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ پھر میں نے اسے سہارا دے کر اندر لے جانا چاہا تو اس نے مجھے دھکا دے دیا۔

"پیرو مرشد! تم؟" میں نے اس کے جلال سے مبہوت ہو کے کہا۔ "تم ہی یہاں آسکتے تھے۔"

سید پر کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ شاردا نے اس کی خدمت میں پانی پیش کیا۔ سید نے اس کے سر پر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھا اور آدھا پانی پیتے ہوئے اور آدھا گراتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ میری ہے، اسے مجھے دے دے اور اس کے بدلے یہ لاٹھی لے لے۔"

میں سید مجذوب کی اچانک آمد اور اس کے خلاف توقع مطالبے پر ششدر رہ گیا۔ وہ پھر عجیب و غریب حالات میں میرے سامنے آگیا تھا۔ ایک ثانئے کے لئے میں نے اس مرد قلندر کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن اپنے تمام طنطنے کے باوجود اس سے نظریں نہیں ملا سکا۔ وہ سید ہی تھا۔ کوئی سادھو بہروپ بھر کر ڈبے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ سید کی آمد اور روانگی کے بعد میں نے ڈبا پوری طرح محصور کرلیا۔ سید پیر کامل اور صاحب کرامت تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اتنی آسانی اور بے باکی سے ڈبے میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرتا۔ ممکن تھا کہ جل کر خاک ہو جاتا۔

انکا میرے بالوں میں چھپ گئی تھی اور شبن خان برتھ پر بیٹھا سہمی سہمی نظروں سے سیّد کو گھور رہا تھا۔ ڈبے میں جیسے کوئی زلزلہ سا آگیا تھا۔ سیّد کے ہاتھ میں شاردا کا ہاتھ تھا۔ وہ اس سے خائف نظر نہیں آتی تھی۔ گاڑی نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کردیا۔ اس نامعلوم اسٹیشن پر وہ سید کے لئے ٹھہری ہوگی۔ میں گم صم کھڑا کبھی سید کے چہرے کا جلال دیکھتا، کبھی اس کا نحیف و نزار ہڈیوں پر لٹکتے ہوئے گوشت کا جثہ دیکھتا۔ میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

"بیٹھ جا، میرے سر پر کیوں کھڑا ہے؟" سید نے گرج کر کہا۔ "کانوں میں سیسہ بھر لیا ہے۔ سنتا ہے، میں نے کیا کہا ہے؟ تاجر! میں کاروبار کرنے آیا ہوں، لے یہ لاٹھی لے لے اور لڑکی دے دے۔"

"پیرو مرشد!" میں نے تڑپ کے کہا۔ "پیرو مرشد! مجھے بھی خرید لو یا کہیں میرا سودا کرادو۔"

Downloaded from Paksociety.com

"سودائی! بولی لگنے والی ہے۔" اس نے نفرت سے کہا۔

"کب؟" میں نے اضطراب سے پوچھا۔

"ابھی پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھا رہ اور اپنی کھال خشک کرتا رہ۔"

"عجب نا قابل بیان حالت ہے پیرومرشد۔"

"عشق کرنے سے پہلے شاعری کرتا ہے۔"

"میرے قدم زمین پر ٹھہر گئے ہیں۔ میں نے اپنے دل سے ہر چیز کھرچ کے پھینک دینے کی کوشش کی ہے۔"

"دل پر برما چلا خانماں برباد۔"

"سید، اے مرد حق!" میں نے عاجزی سے کہا۔ "مجھے اپنے نزدیک بٹھالو۔ کیا اب بھی میں تمہارے قریب بیٹھنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا؟ کیا ابھی تک میرے جسم سے بدبو آ رہی ہے؟"

سید نے ناک سیکڑلی اور نفرت سے منہ بنا کے کہا۔ "کھڑکیاں کھول دے، کھڑکیاں کھول دے۔"

میرے بجائے شبن خان نے جھٹ پٹ کھڑکیاں کھول دیں۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور سید کے بال اس کے چہرے پر اڑنے لگے۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بے نیازی سے کہنے لگا۔ "بتا یہ کوہ نور مجھے دیتا ہے یا اپنے گلے میں ڈالے رہے گا۔ اسے میری جھول میں ڈال دے۔"

"پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔" میں نے مچل کے کہا۔ "انکار نہ کرو، تم بہت عرصے بعد ملے ہو، میں بار بار بہک جاتا ہوں۔"

"لڑکی!" اچانک سید نے شاردا کا ہاتھ چھوڑ کے اپنی لاٹھی کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "تو فیصلہ کر دے، میں تجھے لینے آیا ہوں۔ بول کس کے ساتھ رہنا پسند کرے گی؟"

شاردا اس کی آواز سے لرزنے لگی اور اس نے میری طرف بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ شبن خان میرے قریب کھڑا تھا۔ میری نظریں شاردا پر مرکوز تھیں۔ میں ایک لمحے کے لئے بھول گیا کہ شاردا سے یہ سوال سید نے کیا ہے، اس سادھو نے نہیں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا تھا اور شاردا نے جس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"بابا! میں اپنا جیون تمہارے چرنوں میں بتانا پسند کروں گی۔"

شاردا کی آواز میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔ وہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔ سید فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر لاٹھی میری جانب اچھالتے ہوئے بولا۔ "سودا منظور ہے، اسے سنبھال کے رکھ لڑکی میری ہو گئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بے اختیار سید کی لاٹھی اٹھا کر عقیدت سے چومنے لگا۔ یہ دیکھتے ہی شبن خان نے تیزی سے لپک کے سید کے پیر تھام لیے اور گلوگیر آواز میں بولا۔ "بابا! مجھے بھی اپنے ساتھ

لے چلو بابا مان جاؤ۔ ہم سب تمہارے ساتھ چلتے ہیں، ہم سب کو تمہاری ہدایت کی ضرورت ہے۔"

"چل پرے ہٹ۔" سید نے شبن خان کو دھتکار دیا۔

"پیر مت چھوڑنا شبن خان، سید کے پیر مت چھوڑنا۔" میں نے شبن خان سے کہا۔

شبن خان نے اور مضبوطی سے سید کے پیر پکڑ لیے۔ سید نے انہیں چھڑانا چاہا مگر شبن خان اڑا رہا۔

"اسے بہکاتا ہے، اسے بھی اپنے ساتھ لیتا جا، خوب گزرے گی، دونوں کتے جب ایک ساتھ بھونکیں گے۔"

"میں اب تمہارے ساتھ ہی جاؤں گا۔" شبن خان نے گستاخی کی حد تک سید سے اصرار کیا۔

میں سمجھا سید غضب میں آ جائے گا لیکن سید کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت چھا گئی اور وہ شبن خان کے بال پکڑ کے بولا۔ "استاد کو تنہا چھوڑ رہا ہے پگلے!"

"پیرومرشد۔ بس کرو، میں پہلے ہی بہت ٹوٹا ہوا ہوں۔" میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"سیڑھی کے بغیر آسمان پر چلا جا، چلا جا۔ ٹوٹے ہوئے آدمی!" سید نے ہاتھ نچاتے ہوئے حقارت سے کہا۔

"خدا کے لئے سید!" میں نے کرب سے کہا۔ "خدا کے لئے بس کرو۔ میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"نا......نا!" سید نے ہاتھ ہوا میں لہرائے۔ "پیشانی زمین پر رکھی تو گرد آلود ہو جائے گی، زخم پڑ جائے گا۔ سلامت جان، نزاکت جان سے آشنائی نہ رہے گی۔"

"ٹھیک ہے پیرومرشد۔ ان سب کو لے جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہاں میرے فشار میں کوئی کمی ہے یا درون خانہ کوئی آلودگی ہے؟ میں اپنے ہونٹوں کو تالا لگا لیتا ہوں۔" میں نے گریہ کیا۔

"لاٹھی سنبھال کے رکھنا ٹھوکر لگ جائے گی۔"

"آپ دعا کریں سید۔" میں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

"پیشانی، مٹی پر رگڑ۔"

"کتے بھونکنے لگتے ہیں۔"

"لاٹھی سے انہیں بھگا دینا۔ لاٹھی چلانا سیکھ لے۔" سید نے مسکرا کے کہا۔ انکا میرے بالوں میں دبکی ہوئی تھی۔ شبن خان نے ابھی تک سید کے پیر پکڑے ہوئے تھے۔ شاردا نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ سیّد نے کھلے دروازے سے باہر کی جانب دیکھا۔ گاڑی کی رفتار مدھم پڑ رہی تھی۔ میں سیّد کے چہرے پر نرمی تلاش کر رہا تھا۔ سید نے بال پکڑ کے شبن خان کو اٹھایا اور اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی۔ "چل اٹھ!" اس نے شفقت سے کہا۔ گاڑی اسٹیشن کے بغیر ایک سنسان جگہ پر رک گئی تھی۔ سید نے ہُو حق کا ایک نعرہ لگایا۔ شاردا

اور شبن خان نے پُر امید اور یاس بھری نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ تینوں خاموشی سے اتر گئے۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ گاڑی چند ثانیوں کے بعد حرکت میں آ گئی۔ انکا نے بھی میرے بالوں کی پناہ گاہ سے سر ابھارا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ جب یہ سارا واقعہ گزر گیا تو مجھے ہوش آیا۔ میرے ہاتھوں میں سید کی لاٹھی تھی۔ میں کسی بیمار اور نادار کی طرح برتھ پر گر پڑا۔ انجن کی چنگھاڑتی ہوئی سیٹی کلیجے میں چبھ رہی تھی۔ میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں اور میں نے سید کی لاٹھی اپنے سینے سے لگا لی۔

☆......☆......☆

کچھ ہی دیر بعد آنکھ کھل گئی، ذہن پر بوجھ طاری تھا۔ انکا میرے سر پر کھڑی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ سید آیا اور چلا گیا۔ وہ اپنی جھلکی دکھا کے چلا گیا اور میرے سینے میں آگ پھونک گیا۔ سید اچانک کیوں آ گیا اور اس نے شاردا کو لے جانے میں اتنی دلچسپی کیوں لی؟ یقیناً سید نے کوئی مصلحت سمجھی ہوگی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے حال و اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

میری سوچوں میں انکا نے خلل ڈالا اور اس کی آواز میں گھبراہٹ تھی جو کسی آنے والے خطرے کی غماز تھی۔

''جمیل! اگلا اسٹیشن آنے میں ابھی تھوڑی دیر باقی ہے۔ میں ڈرائیور کے سر پر جا کے گاڑی رکواتی ہوں۔ تم اسٹیشن آنے سے پہلے اپنا سفر ترک کر دو۔ یہیں آبادی سے دور اتر جاؤ۔''

''کیوں؟'' میں نے چونک کے پوچھا۔ ''تم کیا دیکھ رہی ہو؟''

''وقت کم ہے جمیل خان!'' انکا تشویش ناک آواز میں بولی۔

''شاردا کی بازیابی کے لئے پولیس گارڈ اسٹیشن پر موجود ہے۔ تم ان کے لئے نئے آدمی نہیں ہو۔ بدری نرائن نے شاردا کے اغوا سے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو مطلع کر دیا ہے۔ حالات خراب ہو سکتے ہیں۔ کسی بڑے خطرے سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ تم یہیں اتر جاؤ۔''

''اوہ......'' میں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات ہے، ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا، تم اتنی خوف زدہ کیوں ہو؟''

''میں تنہا کس کس کے سر پر اچھلتی رہوں گی۔ حالات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' انکا نے مضطرب آواز میں کہا۔

''یہ ہندوستان ہے انکا رانی! یہاں قدم قدم پر پنڈت اور پولیس والے موجود ہیں۔ تم ان سے کہاں کہاں بچو گی؟ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے، وہی پھر ہو جائے گا۔'' میں نے پاؤں پسار کے کہا۔

''میں کہتی ہوں میری بات غور سے سنو۔ جس سادھو نے شاردا کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، اس

کے دو ساتھی اس وقت بھی دائیں بائیں ڈبوں میں موجود ہیں۔ ان دونوں کی گواہی پولیس کے لئے بڑی اہم ہوگی۔''

''کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ شاردا اور شبن خان سید کے ساتھ جا چکے ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے جمیل!'' انکا تیزی سے بولی۔ ''یہ بوڑھا شخص پُر اسرار قوتوں کا مالک ہے۔''

''ہاں، وہ ایک بہت بڑا بزرگ ہے۔'' میں نے فخر سے کہا۔

''تم اس کے سامنے بھیگی بلی بن جاتے ہو۔''

''میں اس کے بارے میں تمہاری رائے سے آگاہ ہوں انکا، بس آگے کچھ نہ کہنا۔ تم اپنی زبان کو لگام دیئے رکھو۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''تم بعض اوقات ایسے لہجے میں بات کرتے ہو جیسے میرا تم سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔'' انکا ناراضی سے بولی۔

''تم مجھ سے التفات کا وعدہ کرنے کے باوجود پوری طرح میرے جذبات و احساسات میں شامل بھی تو نہیں ہو پائیں۔''

اسٹیشن قریب آ رہا تھا۔ انکا روٹھے ہوئے انداز میں آلتی پالتی مار کے میرے سر پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں چمک رہی تھیں۔ انکا کے اندیشے غلط نہیں ہو سکتے تھے مگر شاردا اور شبن خان کی عدم موجودگی میں پولیس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ گاڑی کی رفتار بتدریج سست ہو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی سے باہر سر نکال کے دیکھا۔ صرف ایک آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے پلیٹ فارم پر باوردی اور مسلح سپاہیوں کی بھاری تعداد موجود تھی۔ گاڑی جیسے ہی پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی پولیس نے اسے اپنے نرغے میں لے لیا۔ کسی مسافر کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انکا تشویش ناک انداز میں میرے چہرے پر بکھرے ہوئے اطمینان کا جائزہ لے رہی تھی۔ میں کھڑکی سے ہٹ کے دوسری برتھ پر چلا گیا تھا۔

میری نگاہیں پلیٹ فارم پر تھیں کہ اچانک انکا نے کہا۔ ''جمیل وہ سامنے جو آدمی نسواری دھوتیوں میں ملبوس ہیں، یہی اس سادھو کے چیلے ہیں جس نے شاردا کو تم سے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

میں نے ان دونوں پجاریوں کو غور سے دیکھا۔ وہ دونوں اوسط درجے کے تھے۔ پولیس افسران جلد ہی ان کے قریب پہنچ گئے۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان کھسر پھسر ہوتی رہی پھر افسران ان دونوں کے ہمراہ میرے ڈبے کی جانب گھوم گئے۔ آدھے درجن سپاہی رائفلیں لیے افسروں کے ساتھ تھے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ افسران دونوں مخبروں سمیت ڈبے میں گھس آئے۔ میں نے انہیں وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟'' ایک افسر نے کرخت لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

Downloaded from Paksociety.com

"خاکسار کو جمیل احمد خان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے شائستگی سے کہا۔ دونوں پجاری ڈبے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بیت الخلا بھی کھول کر دیکھ لیا۔

"تمہارے ساتھ شاردا نامی لڑکی سفر کر رہی تھی؟" پولیس افسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اس لڑکی کی تلاش ہے۔"

"بڑی دلچسپ بات ہے، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کہ میں تنہا سفر کر رہا ہوں۔" میں نے شوخی سے کہا۔

"یہ جھوٹ بولتا ہے مہاشے!" ایک پجاری نے اپنی نسوانی آواز میں کہا۔ "پچھلے اسٹیشن تک ہم نے لڑکی کو اسی ڈبے میں دیکھا تھا۔"

"خوب، کیا اچھا مذاق ہے۔ ایک لڑکی چھومنتر ہو گئی۔ اسٹیشن سے اسٹیشن تک چلتی گاڑی میں سے ایک سموچی لڑکی غائب ہو گئی۔"

"بتاؤ لڑکی کہاں ہے؟" پولیس افسر نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کیا تم نے میری بات پر غور نہیں کیا؟"

"ہم دوسری طرح بھی اگلوانا جانتے ہیں۔"

"مجھے آپ حضرات کے کارناموں کا پورا علم ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "سیدھی طرح لڑکی کا پتا بتا دو۔ میں ہاں کے سوا کوئی لفظ سننا پسند نہیں کرتا۔"

"تم نے مجھے چھیڑنے سے پہلے غور کر لیا تھا؟"

"گدھا!" وہ ایک دم دہاڑا۔ "میرا نام سنا ہے؟"

"ہاں نریش کمار جی! آپ کا نام کس نے نہیں سنا؟" میں نے طنزاً کہا اور کچھ توقف کے بعد آنکھیں کھول کر بولا۔ "تم حالات کے جس دوراہے پر کھڑے ہو وہاں ایک جانب ترقی ہے اور عزت بھی۔ اور دوسری جانب رسوائی۔ سمجھے؟ اب تم یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ، مجھے مت چھیڑو۔"

"کیا بکتا ہے؟" وہ حقارت سے بولا۔ "تجھے ہمارے ساتھ چوکی تک چلنا ہوگا، چل کھڑا ہو جا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔" میں معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھا۔ "میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں لیکن اتنا یاد رہے کہ مجھے ساتھ لے جا کے تم اپنی رسوائی کو دعوت دے رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو ورنہ چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" پولیس افسر جو مقامی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھا، انتہائی کرخت آواز میں بولا۔

"زبان کو لگام دو ڈپٹی صاحب!" میں نے بگڑے ہوئے تیوروں سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ میں

پولیس چوکی جانے سے بیشتر اس بنگلے تک پہنچ جاؤں جس کی چوکیداری بلاوجہ نہیں کی جا رہی ہے۔"

"تم......" ڈپٹی ہکلا کے رہ گیا۔ میرے ایک ہی جملے نے اس کے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے۔ انکا نے مجھے بتایا تھا کہ ڈپٹی ان دنوں ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہے اور اس نے اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھا کے اسے اغوا کرا لیا ہے۔ لڑکی ایک بنگلے میں چھپائی گئی ہے اور اس بنگلے پر کئی قابل اعتماد افراد پہرا دے رہے ہیں۔ یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ ڈپٹی ان دنوں اس کشمکش میں مبتلا تھا۔ ویسے بھی ڈپٹی کے بہت سے راز میں اس کے سامنے اگل سکتا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ماتحتوں کی موجودگی میں وہ کھل کے بات کرنے سے گھبرا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف جاگ اٹھا تھا۔ میں نے اسے اور مغلوب کرنے کے لئے کہا۔ "اور سن......! تفتیش کے کاغذات کس کی مرضی سے مرتب کیے جا رہے ہیں، مجھے معلوم ہے تو سب سے زیادہ اعتماد جس کمینے پر کر رہا ہے، وہی کم اصل نکلے گا۔"

ڈپٹی کے چہرے پر ایک رنگ آ کے گزر گیا۔ وہ پوری طرح میرے قبضے میں تھا لیکن مخبروں اور ماتحتوں کی موجودگی میں کچھ کہنے سے قاصر تھا۔ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک پجاری کو مخاطب کیا۔ "مہاشے! اپنا سمے کیوں برباد کر رہے ہو۔ جاؤ جا کر مہابیر کا جیون نشٹ کرو، وہ راون تمہارے دشواش کو دھوکا دے رہا ہے۔ اپنی پتی ورتا دھرم پتنی کو نالکھ آشرم کی یاترا پر لے جاؤ۔ اس کے شریر کا میل دھل جائے گا۔"

"مہاراج!" پجاری نے بڑھ کے میرے چرن چھوتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے بھول ہوئی ہے۔ تم مہاپُرش ہو، تمہارے گیان دھیان میں کوئی کھوٹ نہیں، شیو شنکر، شیو شنکر۔"

ڈپٹی چلا گیا۔ میں سید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر شبن خان اور شاردا میرے ساتھ ہوتے تو حالات کچھ اور ہوتے۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے بعد میں خود کو خاصا سرد محسوس کر رہا تھا۔ گرد و پیش کچھ ہلکا ہلکا سا لگ رہا تھا۔ ایسے لمحے میرے نصیب میں شاذ ہی آتے ہیں۔ میں نے جب اپنی ذات کے بکھیڑوں پر غور کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا میں ایک آزاد شخص کہاں ہوں؟ سکون کی یہ لہر تو کبھی کبھی آتی ہے اور آتے ہی گزر جاتی ہے اور پھر وہی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ سردی نفس کو تازگی بخشتی ہے لیکن زخموں میں ٹیسیں پیدا کر دیتی ہے۔

گاڑی گلبرگہ کی طرف بھاگ رہی تھی۔ میرے خیالوں کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر ٹھہر جائے گی مگر میرے خیالوں، میری الجھنوں اور فکروں کا سفر ختم نہیں ہوگا۔ کون جانے ہر واقعہ دبنے کے بجائے ایک نئے خطرے کی بنیاد رکھ دیتا ہے۔

گلبرگے میں شریف النفس، خدا ترس رکن الدین نے اپنی وضع داری قائم رکھی۔ اس نے کشادہ قلبی

سے میرا استقبال کیا۔ اس کے مکان میں میرے لیے ایک کمرہ مخصوص تھا جہاں میری عدم موجودگی میں بھی صفائی ستھرائی کی جاتی تھی چونکہ میرے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ رکن الدین کے اصرار پر میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے۔ تمام گھر والے کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ شام تک وہ لوگ آ گئے۔ میں اس وقت دیوان خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری آمد کی اطلاع سن کے سبھی لوگ دوڑے دوڑے وہاں پہنچ گئے۔ زرافشاں اور درخشاں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت، رکن الدین کی بیوی، میں نے ان سب کے ہاتھوں کو بوسے دیے اور انہیں اپنے قریب بٹھا لیا۔ زرافشاں، درخشاں یہاں پوری طرح مطمئن معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے حسن اور دلکشی میں اب ایک سکون جھلکتا تھا۔ وہ میرے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ ناہید کی چھوٹی بہن طلعت شوخی پر مائل تھی۔ وہ اشاروں اشاروں میں مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ میری اس کی نبھنے بھی خوب لگی تھی چنانچہ میں نے اس کی شوخی کا سبب دریافت کیا تو وہ شرارت سے بولی۔ "ابھی پردہ اٹھنے والا ہے، آپ کے خاندان میں دو نئے چہروں کا اضافہ ہوا ہے۔ ہم نے انہیں آپ کے سامنے پیش نہیں کیا۔ پہلے آپ وعدہ کیجیے کہ اس بار زیادہ دن قیام کریں گے پھر بتائیں گے کہ وہ کون ہیں؟"

"نہیں، پہلے بتاؤ۔" میں نے اس کے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں، پہلے وعدہ کیجیے۔" وہ کان چھڑاتے ہوئے بولی۔

"اچھا بھئی وعدہ کیا۔" میں ان شوخیوں سے لطف لینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دل ڈوب سا گیا تھا لیکن ان کی باتوں میں ایسا خلوص تھا، ایسی چاشنی اور دلچسپی تھی کہ مجھے ردعمل کا اظہار کرنا پڑا۔ میں نے زیادہ دن ٹھہرنے کا وعدہ کر لیا۔

طلعت نے تالی بجائی۔ "آ جائیے، آ جائیے۔" اس نے زور زور سے کہا۔ انکا بھی مسکرا رہی تھی۔ دیوان خانے کا ایک پردہ ہلا اور میں نے دیکھا کہ ایک خامہ زیب نوجوان، غرارے میں ملبوس ایک حسین لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہو رہا ہے۔ میں پہلی نظر میں نہیں پہچان سکا۔ وہ شبن خان اور شاردا تھے۔ میں انہیں یہاں دیکھ کے دنگ رہ گیا۔ دونوں نے قریب آ کے آداب کیا پھر شبن خان دوڑ کے مجھ سے لپٹ گیا۔ سیاہ شیروانی اور چوڑی دار پائجامے میں وہ کوئی شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ شاردا بھی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ لڑکیوں نے ان کے لئے جگہ چھوڑ دی۔ وہ دونوں میرے نزدیک بیٹھ گئے۔ شاردا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ "تم دونوں بھی یہاں آ گئے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" رکن الدین نے وضاحت کی۔ "ان دونوں کو یہاں سید بابا لائے تھے۔ بعد میں جو کچھ ہوا، اس میں بھی سید صاحب قبلہ کی مرضی کو دخل تھا حالانکہ میں نے چاہا تھا، آپ کو اطلاع دے کے بلوا لیا جائے لیکن بابا نے اس کا موقع نہیں دیا۔"

میں نے شاردا کو حیرت سے دیکھا۔ "شاردا، تم یہاں خوش ہو؟"

وہ شاخ گل کی طرح لجا گئی۔ طلعت بولی۔ "شاردا نہیں، انہیں یاسمین کہیے، بیگم یاسمین شبر خان۔" یاسمین شبر خان شرما گئی اور کمرے سے نکل گئی۔ اس کے پیچھے درخشاں، زرافشاں بھی مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ رکن الدین نے مجھے بتایا کہ شاردا اپنی مرضی سے حضرت خواجہ گیسو دراز کے مزار پر مسلمان ہوئی ہے اور سید مجذوب کی مرضی سے شبر خان کے ساتھ منسوب کر دی گئی ہے۔ میرے پاس بیٹے کی کمی تھی، سو وہ بھی اللہ نے پوری کر دی۔" رکن الدین خوش دلی سے بولا۔

☆......☆......☆

میں عموماً اپنے کمرے میں بند ہو کے مشقیں کرتا رہتا۔ انکا اکتا کے نیچے چلی جاتی اور زری رخشی کے سروں پر کھیلتی، اودھم مچاتی رہتی تھی۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب میں کھانے سے نمٹا ہی تھا کہ انکا میرے سر پر وارد ہو گئی۔ "کیسے آ گئیں؟" میں نے اس کی بدلی ہوئی شکل دیکھ کے پوچھا۔

"جمیل! میں تمہیں ایک بہت منحوس خبر سنانے آئی ہوں۔"

میں نے کوئی تجسس ظاہر نہیں کیا۔ انکا تیزی سے بولی۔ "امرلال بمبئی پہنچ کر اپنا وار کر گیا۔"

"کیا!" میں اچھل پڑا۔ میرا ذہن فوراً ترئین اور سید غوث کی طرف گیا۔ انکا کی اطلاع کسی بم کی طرح میرے دماغ پر پھٹی۔

"امرلال آج صبح وندھیا چل سے لوٹا ہے، بدری نرائن اس کے ہمراہ ہے اور تمام واقعات سن کے وہ زخمی شیر کی طرح پاگل ہو گیا ہے۔ امرلال تمہارے پتے سے آگاہ ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ رکن الدین کی حویلی اس کی دسترس سے باہر ہے چنانچہ اس نے یہ اوچھا ہتھیار تمہیں اس حویلی سے باہر لانے کے لئے استعمال کیا ہے۔"

"تم کہہ رہی تھیں کہ امرلال بمبئی پہنچ کے اپنا وار کر گیا ہے۔" میں نے غصے سے پوچھا۔ "مجھے بتاؤ انکا کہ اس نے کس مظلوم کو نشانہ بنایا ہے؟"

"آنند لال کو۔" انکا نے جواب دیا۔ "مالا کو ابھی تک اپنے پتی کی موت کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ آنند لال کی لاش مسخ کر کے ساحل پر ڈال دی گئی ہے۔"

میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فوراً نیچے اترا اور رکن الدین کو علیحدگی میں لے جا کے حالات سے باخبر کیا۔ وہ بھی سکتے میں آ گیا، اب میرا گلبرگے میں رکنا نامناسب تھا۔ چنانچہ میں نے رکن الدین کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس سانحے کا گھر کے [illegible] سے تذکرہ نہ کرے۔ بمبئی پہنچ کے حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟ اس کا مجھے خود علم نہیں ہے۔ رخشی اور زری کی منگنی کر دی جائے اور کسی کو گلبرگے [illegible] جائے۔

"میں حضرت سید بابا کو تلاش کرتا ہوں۔" رکن الدین نے غم زدہ لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

"وہ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ تم دعائیں کرتے رہنا۔"

"مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلئے۔"

"نہیں رکن الدین!" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "زندہ رہا تو ایک بار تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔ مر جاؤں تو میری خطائیں معاف کر دینا۔"

رکن الدین میری دل گرفتہ باتیں سن کے آب دیدہ ہو گیا۔ میں نے اسے صبر کی تلقین کی اور سید کی لاٹھی اٹھا کے کسی اور کو اطلاع دیے بغیر گلبرگے سے روانہ ہو گیا۔ روانگی سے پہلے میں نے خود کو بیرونی طاقتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے پوری طرح محصور کر لیا۔ انکا بھی میری طرح بے چین نظر آ رہی تھی۔ سفر کا ذکر فضول ہے۔ بمبئی پہنچنے تک ہم دونوں اپنے اپنے خیالوں میں غرق رہے۔ میں بمبئی اسٹیشن پر اترا تو انکا نے مجھے ایک نئی اطلاع دی۔

"جمیل! بدری نرائن اور امرلال مالا کو اغوا کر چکے ہیں۔ تم نے شاردا کو اغوا کر کے جو جال بدری نرائن کے لئے بچھایا تھا۔ وہی طریقہ وہ بھی استعمال کر رہے ہیں۔"

"باقی لوگوں کا کیا حال ہے؟"

"باقی لوگ ابھی تک محفوظ ہیں۔ مالا اور آنند لال کے بارے میں انہیں خبر ہو گئی ہے اور وہ سخت پریشان ہیں۔"

"مالا کہاں ہے؟" میں نے کچھ فیصلے کرتے ہوئے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

"مالا کی بازیابی کا ارادہ ترک کر دو، امرلال کی طاقت کا کرشمہ تم اس وقت بھی دیکھ چکے ہو جب تم نے بدری نرائن کو بھگوان داس کے گھر سے باہر لانے کی کوشش کی تھی۔" انکا کے لہجے میں مایوسی تھی۔

میں جھلاہٹ میں اس پر برس پڑا۔ "میں تم سے مشورہ نہیں، مالا کا پتا طلب کر رہا ہوں۔"

"جلد بازی میں کوئی قدم مت اٹھانا جمیل! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ دور اندیشی سے کام لو۔ مالا جہاں قید ہے، وہاں تک تمہاری رسائی مشکل ہے۔" انکا نے کترانے کی کوشش کی۔

میں اور بھڑ گیا۔ "دفع ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔" انکا لجاحت سے بولی۔

"میں مالا کا پتا خود جان سکتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم جان سکتے ہو۔ تم ہر بات معلوم کر سکتے ہو۔" انکا نے سہم کے کہا۔ "مگر تم نے ہر موقع پر اپنی جلد بازی سے نقصان اٹھایا ہے۔ سنو بدری نرائن نے امرلال کی ہدایت پر مالا کو یہاں سے دس میل دور ایک پرانے مندر میں قید کر رکھا ہے۔ امرلال بھی بدری نرائن کے ساتھ وہیں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ تم وہاں ضرور پہنچو گے۔"

"ان کا یقین درست ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہی ہوگا۔" میں اسی راستے پر چل پڑا جو پرانے مندر کی طرف جاتا تھا۔ انکا کے چہرے پر تشویش کے بھیانک تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ بے چینی اور کرب کی حالتوں سے دوچار تھی۔ وہ کبھی پُر خیال انداز سے خلاؤں میں گھورنے لگتی، کبھی میرا چہرہ تکنے لگتی۔ میسور جاتے وقت اس نے کچھ سنگین پیش گوئیاں کی تھیں۔

"دو فریقوں کی جنگ کا انجام ہمیشہ ایک فریق کی شکست کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ مجھے زندگی کی کوئی تمنا نہیں رہی ہے۔ میں مر گیا تو تم بھی آزاد ہو جاؤ گی۔" میں نے راستے میں انکا سے کہا۔

"میں نے صرف دور اندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا ہے، جو جیتے گی، ساتھ جیتے گی۔ میں تمہارا ساتھ ہوں۔" انکا نے عزم سے کہا۔

میری رفتار خاصی تیز تھی۔ امرلال نے مجھے مدعو کیا تھا۔ میں اس کی دعوت پر افتاں و خیزاں جا رہا تھا۔ ایک بار پہلے میں ایک ذرا سی غفلت سے اس کے ہاتھوں شکست کھا چکا تھا۔ یہ مردانگی کی توہین تھی۔ یہ جمیل احمد خان کی توہین تھی کہ میں اپنے دوست کی موت پر خاموش بیٹھ جاتا۔ آگے جا کر میں تقریباً بھاگنے لگا۔ پرانے مندر سے میرا فاصلہ پچاس گز کے قریب رہ گیا تو انکا نے مجھے روکتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہرو! امرلال نے مندر کے گرد ویسا ہی حصار قائم کر رکھا ہے جیسا بھگوان داس کے گھر کے اطراف میں تھا۔ تمہیں آگے بڑھنے سے پہلے وہ دیوار مسمار کرنی ہوگی۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ امرلال مجھے گلبرگے سے یہاں کھینچنا چاہتا تھا۔ میں اس کے مقابلے میں آ گیا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ خود ہی مجھ سے الجھنے کے لئے باہر آ جائے گا۔" میں نے سیدی لاٹھی پر اپنی گرفت جماتے ہوئے کہا۔ میں نے ہر ممکن تدبیر اختیار کر لی تھی اور میری نظریں اس پرانے مندر کے گرد گھوم رہی تھیں جو ویران نظر آ رہا تھا۔ امرلال سے مجھے اس بات کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ چھپ کر وار کرے گا۔ میں کچھ فاصلے پر ٹھہر گیا اور امرلال کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب کچھ دیر ہو گئی تو میں نے محتاط انداز میں آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مندر سے بیس گز کے فاصلے پر میں پھر ٹھہر گیا اور میں نے بلند آواز میں بدری نرائن کو للکارا۔ "او بزدل پنڈت! اگر مرد ہے تو باہر نکل کے کھل کے آخری بار مقابلہ کر لے اور اپنے جی کا حوصلہ نکال لے۔"

میری چیخ پکار ضائع نہیں ہوئی۔ میں نے بدری نرائن اور امرلال کو مندر سے باہر نکلتے دیکھا۔ امرلال کے چہرے پر گہرا سکوت تھا لیکن اس کی آنکھیں انگارا لگ رہی تھیں۔ بدری نرائن اس سے تین قدم پیچھے چل رہا تھا۔ امرلال کچھ فاصلے پر رک گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہے، میں نے پہل کی۔ "امرلال مہاراج!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ "تم نے مجھے یاد کیا تھا، میں آ گیا ہوں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں بالک کہ تو آ گیا ہے۔ پر میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تیرے کس بل ابھی نہیں نکلے۔

میرا اصول ہے کہ میں کوئی کشٹ دینے سے پہلے شما کا پورا موقع دیتا ہوں۔'' امرلال نے رعونت سے کہا۔

''یہ مذاق اس موقع پر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ تم میری طاقتوں کے بارے میں بھی جانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اپنے ارادے کا کتنا مضبوط شخص ہوں۔ اپنے مہمان کا خیال کرو اور اسے عزت سے بیٹھنے کے لئے کہو اور تحفے کے طور پر مالا اور بدری نرائن اسے دے دو۔ سورگ میں تم بڑے شانت رہو گے اور بھگوان بھی خوش ہوگا۔'' میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

وہ میرے جواب سے جز بز ہو گیا اور گمبھیر آواز میں بولا۔ ''بدری نرائن بھی تیرا دوست ہے، تیرا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ مالا بھی تجھے مل جائے گی۔ تجھے بہت کچھ مل جائے گا پر تو اس طرح کی باتیں کرنا چھوڑ دے اور دھرم کی بات کر۔ تو میرے ساتھ وندھیا چل چلنا۔ میں تجھے جاپ کے کئی کٹھن آسن بتاؤں گا۔ پھر تیری آتما پوتر ہو جائے گی اور تجھے بڑا مان ملے گا۔''

''ان باتوں کا جواب میں پہلی ملاقات میں دے چکا ہوں، اب دوبارہ ان کا ذکر نہ کرنا۔ دھرم کی بات کرتے ہو تو جرم اور ظلم کی پشت پناہی سے باز آجاؤ۔ بدری بڑا نیچ ہے۔ اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔ نامہ اعمال سمجھتے ہو؟ اس کا سارا جیون ہی گناہوں میں گزرا ہے۔''

''تو پچھلا کشٹ بھول گیا ہے مورکھ؟'' امرلال کی آواز میں لرزش آگئی۔

''میں پھر کہتا ہوں، جھگڑا میرے اور بدری نرائن کے درمیان ہے، تم درمیان میں کیوں آتے ہو؟ اس جھگڑے میں بھارت کے تمام پنڈت پجاری شامل ہو گئے ہیں اور ان کا کیا ہوا؟ تم جانتے ہو کیا ہوا۔ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جھگڑا اور نہ بڑھاؤ۔ بات یہیں ختم کر دو۔ بدری نرائن سے مجھے نمٹنے دو۔'' میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''مجھے اپنا سینہ ٹھنڈا کرنے دو۔ پھر کوئی بات تم سے ہو سکے گی۔''

''مجھے سبق نہ پڑھا۔'' امرلال اشتعال میں بولا۔ ''میں نے اس لیے نہیں بلایا ہے کہ تو مجھے دھرم، پاپ اور پُن کا سبق پڑھائے۔ بدری نرائن میرا چیلا ہے، بھگوان داس بھی میرا چیلا تھا۔ اس کے اور اس کی پتری کے ساتھ تو نے جو انیائے کیا ہے، اس کی خبر مجھے مل گئی ہے۔''

''ضد مت کرو امرلال۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''شاید میں تمہیں اور تم مجھے باتوں سے قائل نہ کر سکو گے۔ پچھلی باتیں مجھے خوب یاد ہیں۔ پہلے مجھے بدری نرائن سے دو دو ہاتھ کر لینے دو۔ پھر اگر تم نے ضد کی تو میں تمہارا حساب بھی بے باق کر دوں گا۔''

''تو دیوانہ ہو گیا ہے بالک! جا کچھ دیر آرام کر لے۔ اتنی دور سے چل کے آیا ہے۔ پانی پی کے سوچ لے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے مجھے دھتکارتے ہوئے کہا۔

''میں خالی ہاتھ جانے کے لئے نہیں آیا ہوں مہاراج!''

''ہٹ مت کر بالک! تجھے شانتی کی ضرورت ہے، مجھے تجھ پر ترس آتا ہے۔ کیوں اپنا جیون نشٹ کرنا

چاہتا ہے۔''

''تم بہت کچھ کہہ چکے مہاراج!'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''تم گیانی دھیانی ہو۔ گرو ہو کے، چیلوں کی باتوں میں تمہارا بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔''

''بدری کے بارے میں تو نے غلط اندازے لگائے ہیں مورکھ!'' امرلال درشت آواز میں بولا۔ ''وہ کالی کا پجاری ہے اور میرا چیلا ہے۔ کالی کے پجاری اس کی بھگتی میں جیون تیاگ دیتے ہیں۔ وہ کسی یدھ سے نہیں ڈرتے۔''

''تم جن پجاریوں کی بات کر رہے ہو امرلال! ان کے من میں کھوٹ نہیں ہوتا۔'' ہم یہ تلخ باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے احساس تھا کہ میں فضول وقت ضائع کر رہا ہوں لیکن میری جانب سے کسی جارحانہ اقدام کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا تھا۔ یہ دور اندیشی کے منافی تھا۔ امرلال بھی موقع کا منتظر تھا کہ کب میں اپنے حصار سے باہر نکلوں اور وہ مجھ پر بھرپور وار کرے۔ بدری نرائن بدستور امرلال کی پشت پر موجود تھا اور انکا میرے سر پر مستعد انداز میں بیٹھی تھی۔ اس بار وہ میرے سر سے بھی نہیں ہٹی تھی۔ میں امرلال کی دیوار توڑنے کی فکر میں تھا اور وہ میرا دائرہ ختم کرنے کی جستجو میں۔ میرے سامنے ایک چھوڑ دو دو موذی دشمن تھے۔ احتیاط ہر قدم پر لازم تھی۔

''تو کالی کے مہان پجاریوں کا مذاق اڑا رہا ہے۔'' پھر اس نے مندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کالی مائی، تو گواہ رہنا۔''

''تم بلوان ہو مہاراج اور مہان بھی۔'' میں نے سادگی سے کہا۔ ''تمہاری آ گیا ہو تو میں مرنے کے لئے بھی تیار ہوں لیکن تم بدری نرائن کو میری روح قبض کرنے کے لئے حصار سے باہر بھیجو۔ ایک آخری تماشا تو ہونا ہی ہے، وہ آج کیوں نہ ہو جائے؟ تم بھی وندھیا چل جا کے سکون سے بھگتی میں لگ جاؤ، میں بھی آرام سے مر سکوں۔''

''تو کالی کے پجاریوں کے منہ آ رہا ہے؟'' وہ سلگنے لگا تھا۔

''اور کالی کا ایک پجاری بزدلوں کی طرح تمہاری پشت پر ہے، ذرا پیچھے کی طرف مڑ کے دیکھو، وہ کانپ رہا ہے۔''

''بدری!'' امرلال نے پلٹ کے بدری کو حکم دیا۔ ''بدری، گرو کی آگیہ کا پالن کر اور اسے بتا دے کہ کالی کے بھگت کیسے ہوتے ہیں۔ کالی کا شبھ نام لے کے اس اپرادھی کو نشٹ کر دے۔ یہ تیرے ہی ہاتھوں سے مرنا چاہتا ہے۔''

''مہاراج!'' بدری کی زبان میں لکنت آ گئی اور چہرے پر زردی پھیل گئی۔

''چنتا مت کر۔ میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔''

"تم...... تم نہیں جانتے مہاراج!" بدری نرائن خوف زدہ آواز میں بولا۔ "یہ منش نہیں، کسی مردے کی پلید آتما ہے۔"

"سنا مہاراج!" میں نے تیزی سے امرلال کو مخاطب کیا۔ "تمہارا چیلا کالی کا مہان پجاری ہونے کے باوجود خوف زدہ ہے۔ فیصلہ کب کا ہو چکا ہے مہاراج کہ کون بلوان ہے۔"

امرلال ایک طرف میری باتیں سن کے اور دوسری طرف بدری نرائن کو ہچکچاتے دیکھ کر غصے بپھر گیا۔ میری ہر بات جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ میں ان دونوں کو مغلظات سنانا چاہتا تھا لیکن خلاف توقع غیر معمولی تحمل کا ثبوت دے رہا تھا۔ امرلال نے بدری نرائن کو گدی سے پکڑ کے حصار سے باہر پھینک دیا اور کڑک کے بولا۔ "کالی کا نام لے! میری آگیہ کا پالن کر۔ اس ملیچھ کو کالی کے چرنوں میں بلیدان کر دے یا اسے جلا کر بھسم کر دے۔"

بدری نرائن منڈل سے باہر تھا۔ میں نے کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا اور تیزی سے اپنی تمام باطنی قوتیں نگاہوں میں سمیٹیں اور میری انگلیاں تیزی سے حرکت میں آ گئیں۔ اس وقت میرے جوش کا عجیب عالم تھا۔ ایک مدت بعد بدری نرائن میرا بدترین دشمن اس وقت میرے سامنے تھا۔ میرے دیکھتے اور عمل کرتے ہی بدری نرائن تڑپ کر زمین پر گرا۔ مجھے بہت مزہ آیا۔ میں نے اس اذیت کو طول دینا چاہا۔ وہ زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اسے موت کے گھاٹ اتارتا، بدری ایک قلابازی کھا کے اٹھا اور زمین سے مٹی اٹھا کے مندر کی طرف پھینکنے لگا۔ پلک جھپکتے میں اس نے جوابی حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے منتر کے تمام بیروں کو بلا لیا جنہوں نے اچانک نمودار ہو کے مجھ پر تابڑ توڑ حملے کرنے چاہے لیکن میں اپنے دائرے میں محفوظ تھا۔ میں نے بدری نرائن سے لطف لینے کے لئے اسے کھل کھیلنے کا موقع دیا۔ اس نے لمحوں میں جھلا جھلا کر پے در پے کئی وار کیے۔ امرلال اس کی پشت پر خاموشی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے سرخ ہو رہا تھا۔ انکا نے چپکے سے سرگوشی کی۔

"جمیل! کھیل جلد سے جلد نمٹانے کی کوشش کی۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ امرلال کے تیور خطرناک ہیں۔ اس سے کسی اصول کی توقع مت رکھنا۔"

"اب یہ میرے رحم و کرم پر ہے۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے رابطہ قائم کیا۔ "میں اسے بڑی اذیت ناک موت ماروں گا۔ اس بدبخت کا وقت پورا ہو چکا ہے۔"

"دیر مت کرو۔" انکا نے سہمی سہمی نظروں سے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آسمان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ خون کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے، کر گزرو۔ میری بات بھی کبھی مان لیا کرو۔ پھر پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"آسمان پر نرگس، مالا کے خون کے دھبے ہیں۔ اب میں یہ قصہ نمٹا ہی رہا ہوں حالانکہ مجھے زندگی بھر

بدری نرائن کے جلد مرنے کا افسوس رہے گا۔"

بدری نرائن کو اتنا خوں خوار میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ انکا نے خون کے دھبوں کا تذکرہ کر کے میرے سینے میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دے دی۔ میں نے ایک نتیجہ خیز فیصلہ کن حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بدری نرائن کا سراپا نظر میں رکھ کے میں نے ایک سخت عمل کیا لیکن ابھی میں اپنے انگلی اٹھا ہی رہا تھا کہ امرلال نے درمیان میں داخل اندازی کر دی۔ اس نے اپنے سینے کا سفید بال توڑ کے ہوا میں اڑا دیا اور میں نے دیکھا کہ بدری نرائن کے گرد ایک نیا منڈل بن چکا ہے اور اس کے چہرے پر نئی زندگی کی رمق چھا گئی ہے۔ اس نے ممنونیت کی نظر سے امرلال کی جانب دیکھا اور مجھے شدید طیش میں للکارا۔ "کمینے! اگر بلوان ہے تو منڈل سے نکل۔ میں تجھے بتاؤں گا شکتی کسے کہتے ہیں۔"

"خبردار جمیل!" انکا نے مجھے ٹوکا۔ "حصار سے باہر قدم نہ نکالنا۔"

"تو چپ رہ کلنکنی۔" امرلال میری طرف دیکھ کے گرج دار آواز میں بولا۔ "دیوتاؤں کا خیال نہ ہوتا تو تجھے ایسا سراپ دیتا کہ تو بھی یاد رکھتی۔"

بدری نرائن کو محفوظ دیکھ کے میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے تیزی سے یہ نئی فصیل ڈھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ معاً مجھے سید کی لاٹھی کا خیال آیا۔ میں نے لاٹھی گھما کے بدری نرائن کی طرف پھینکی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ بدری نرائن کے گرد امرلال کا قائم کردہ منڈل ٹوٹ چکا تھا۔ لاٹھی بدری نرائن کے سر پر لگی تھی اور وہ کربناک آواز میں چیختا ہوا دھڑام سے گر گیا تھا۔ اسی لمحے میں نے دوسرا حملہ کیا۔ بدری نرائن دہاڑ مار کے اوپر اچھل کے زمین پر آ گرا۔ اس کی ہولناک چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ یہ اذیت میرے لیے باعث راحت تھی۔ نرگس اور مالا کا انتقام پورا ہو رہا تھا۔ اس کی ہر چیخ میرے رگ و پے میں ایک عجب احساس نشاط پیدا کر رہی تھی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنے حصار سے باہر آنا پڑتا۔ اس لیے میں نے اس کی فکر چھوڑ دی اور بدری نرائن کو مزید اذیت سے دوچار کرنے کے لئے میں نے تیسرا وار کرنا چاہا۔ اسی لمحے مجھے اپنے پیروں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی اور میں نے امرلال کے قریب بے شمار پنڈت اور سادھو کھڑے دیکھے۔ میں نے جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس دہشت انگیز منظر سے لڑکھڑا گیا۔ انکا نے میرے سر میں زور سے اپنے پنجے چبھونے شروع کر دیے لیکن میں کسی پاگل کی طرح بے اختیار اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا اور امرلال میرا حصار توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ امرلال نے درمیان میں بول کر بددیانتی کی تھی۔ میری ساری توجہ بدری نرائن پر مرکوز تھی۔ بدقسمتی سے میری لاٹھی بھی دور تھی۔ میں گرتا پڑتا اپنی لاٹھی اٹھانے کے لئے دوڑا۔ امرلال کا ایک خوفناک قہقہہ میرے کانوں میں گونجا۔ پھر بھی میں نے اسے اوسان بجا کیے اور ایک جگہ رک کر دوبارہ خود کو محصور کرنا چاہا لیکن امرلال نے اس کا موقع نہیں دیا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے تمام پجاری، سادھو اور پنڈت غائب ہو چکے تھے۔ امرلال نے بیک وقت کئی

Downloaded from Paksociety.com

حربے استعمال کر کے میرا حصار توڑ دیا تھا۔ اسی وقت اس نے پھڑ پھڑانے کے انداز میں مندر کی طرف دیکھ کے ایک جھرجھری لی اور ہولناک صدا لگائی۔ میرا جسم ہزار ہا رسیوں اور ڈوریوں سے بندھ گیا تھا۔ یہ رسیاں اور ڈوریاں بظاہر نظر نہیں آتی تھیں مگر انہوں نے میری حرکت پر پابندی لگا دی تھی۔ پہلے بھی امرلال نے یہی کیا تھا۔ میرے لیے جنبش کرنا محال تھا۔ اگر سید کی لاٹھی میرے پاس ہوتی تو شاید ایسا نہ ہوتا لیکن اب وہ بھی دور پڑی میرا منہ چڑا رہی تھی۔ بدری نرائن بدستور کربناک انداز میں چلا رہا تھا۔ میرے حصار سے باہر آتے ہی انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔ کیا میں نے کوئی حماقت کی تھی؟ نہیں، میں نے کوئی حماقت اور جلدی یا دیر نہیں کی تھی۔ میرا یہ قیاس غلط تھا کہ امرلال جیسا مہان سادھو بدری نرائن کی شکست دیکھ کے کم ظرفی پر اتر آئے گا۔ میری غلطی صرف یہ تھی کہ میں نے امرلال کے متعلق غلط رائے قائم کی تھی۔ مجھے افسوس تھا کہ اگر میں پہلی فرصت میں بدری نرائن کو مار دیتا تو مجھے امرلال کے ہاتھوں مرنے پر کوئی افسوس نہ ہوتا۔ امرلال نے بدری نرائن کی آہ و زاری بند کرنے کے لئے اسے ساکت کر دیا تھا۔ وہ مرا نہیں تھا لیکن سکتے کی سی کیفیت سے دوچار تھا۔ کاش مجھے اک لمحے کی فرصت اور مل جاتی۔ امرلال میرے سامنے فاتحانہ انداز میں کھڑا مجھے حقارت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا سوچ رہا ہے مورکھ! میں نے پہلے ہی کہا تھا، میرے منہ نہ آ۔" وہ نفرت سے بولا۔

"تم اگر مرد ہو اور تمہارے اندر ذرا سی بھی غیرت ہے تو تم یقیناً اپنی حرکت پر نادم ہو گے۔ تم کتے ہو۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"یہ بدھ (جنگ) تھی بالک!" وہ رعونت سے مسکرایا۔ "تو نے بدری کو بھگوان داس کے مکان سے نکالنے کے لئے شاردا پر وار کیا تھا۔ حالانکہ وہ نردوش تھی۔"

"تم نے پشت سے وار کیا ہے، تم ایک عورت ہو۔ اگر میرے بازو آزمانا چاہتے ہو تو مجھے رسیوں سے آزاد کر کے دیکھو۔"

"بالک!" وہ مجھے کھینچتے ہوئے سکون سے بولا۔ "میرا نام امرلال ہے۔ کٹھن تپسیا کے بعد میں نے جو شکتی پراپت کی ہے تو اس کا وچار بھی نہیں کر سکتا۔ دیکھ تو کیسا بے بس ہو گیا ہے۔ اگر شکتی ہے تو خود کو چھڑا لے۔"

"وقت کی بات ہے امرلال! مجھے خوشی ہے کہ میں تمہاری طرح کسی کمینے پن اور عیاری سے فتح مند نہیں ہوا۔ اگر تمہاری اور بدری نرائن کی مڈھ بھیڑ ہوتی تو میں درمیان میں ٹانگ اڑانے کی نیچ حرکت ہرگز نہ کرتا۔"

"تو نے پہلے بھی مجھے دیکھا ہے۔ تو بھول کیوں جاتا ہے؟" امرلال سنگ دلی سے بولا۔ "اب تجھے میرے سراپ سے کوئی شکتی نجات نہیں دلا سکتی۔ تو نے بدری کو کشٹ دے کے، بھگوان داس کو مار کے اور شاردا

کو اغوا کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ میں دیوتاؤں کے چرنوں میں تیرا بلیدان کروں گا۔"

میں نے اپنے طور پر ایک کوشش کی اور امرلال کو جواب دینے کے بجائے تمام تر توجہ بندشوں سے آزاد ہونے میں صرف کر دی۔ امرلال کے فلک شگاف قہقہے میرا ارتکاز درہم برہم کر رہے تھے۔ "وہ سندری انکا کہاں گئی؟ تمہارے جنتر منتر کہاں گئے؟"

"بتاتا ہوں......" یہ کہہ کے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زبردست جبر کر کے اور گرد و پیش سے بے نیاز ہو کے کھڑے کھڑے ارتکاز میں ڈوبنا چاہا لیکن امرلال نے طے کر لیا تھا کہ وہ مجھے اس قسم کا کوئی عمل کرنے کا موقع فراہم نہیں کرے گا۔ ہر طرف سے بے ہنگم آوازیں میرا سکون غارت کرنے لگیں۔ ادھر امرلال کے قہقہے، پھر امرلال نے مٹی زمین سے اٹھا کے بدری نرائن کی طرف پھینک دی۔ وہ کسمسا گیا اور زمین سے اٹھ کے سیدھا امرلال کی طرف دوڑا۔ میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"اب تو کشٹ اٹھانے کے لئے تیار ہو جا پراودھی۔" امرلال نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "کالی کے شبھ نام پر اب بدری اپنی ٹھوکروں سے تجھے نرک میں جھونکے گا۔ تیرے شریر کا ماس چیل کوؤں کے کام آئے گا۔ میں تجھے ایسا سراپ دوں گا کہ تیری آتما تک بیاکل رہے گی۔ جس طرح ان تمام پنڈتوں اور پجاریوں کی آتمائیں بیاکل ہیں جنہیں تو نے ان کے شریر سے جدا کیا تھا۔"

میں نے پھر مراقبے میں جانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ امرلال کے چہرے پر خون پھیل چکا تھا۔ اس نے بدری نرائن کو نیا حکم دیا۔ "وہ سے آ گیا بدری، جس کا تجھے انتظار تھا۔ میرا وچن پورا ہوا۔ کالی کے نام کے لئے آگے بڑھ اور اس مُسلے کو ٹھوکریں مار مار کے نرک تک چھوڑ آ۔ مارنا نہیں، اسے کالی کے چرنوں میں لے جا کے بلیدان کرنا ہے، سمجھا۔"

"جو آگیا مہاراج!" بدری نرائن نے ہاتھ جوڑ کے امرلال کے سامنے ڈنڈوت کیا۔ پھر کسی خون خوار درندے کی طرح میری سمت بڑھنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بدری نرائن نے میرے قریب آ کے کہا۔ "چپ کیوں ہو، کچھ بولو، چمتکار دکھاؤ۔ یہ آنکھیں کیا بند کر رکھی ہیں، آنکھیں تو ملاؤ جمیل احمد خان!"

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور جب سماعت کا دروازہ بند کرنا چاہا تو بدری نرائن نے کہا۔ "امرلال مہاراج سے ٹکر لینے آیا تھا۔"

میں ارتکاز کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے بدری نرائن نے کیا کہا [illegible] مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ میں ڈوریوں اور رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑے [illegible] گیا تھا۔ بدری نرائن نے میرے ساکت جسم پر ایک ضرب لگائی۔ میں کسی بت کی طرح [illegible] لمحے میری ایک جنبش سے تمام رسیاں ٹوٹ گئیں اور بدری نرائن کی ہولناک چیخ [illegible] انہماک ٹوٹ گیا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ بدری نرائن زمین پر دوبارہ لوٹ رہا تھا [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

کھڑا ہوا۔ مجھے حیرت تھی۔ امرلال بھی پیچ وتاب کھا رہا تھا۔ وہ میرے عقب میں کسی کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ وہاں پورے طمطراق اور وقار کے ساتھ کلدیپ کھڑی تھی۔

ایک لمحے کو مجھے شبہ ہوا کہ کلدیپ کیسے نیچے آسکتی ہے؟ میں نے بے تابانہ پلکیں جھپکائیں، حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ کلدیپ ہی تھی جو میرے عقب میں پورے سکون اور اعتماد سے کھڑی تھی۔ امرلال کی خوں خوار نظریں کلدیپ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔ میرے ذہن کا حال عجیب تھا۔ اس بے بسی اور لاچاری میں کلدیپ کے اچانک وارد ہونے سے تسلی بھی ہوئی تھی اور سبکی بھی محسوس ہوتی تھی کہ میں ان دو نطفۂ حرام مردودوں کو زیر کرنے میں پھر ناکام رہا لیکن اب وہ میری مدد کے لئے نیچے آہی گئی تھی۔ اس نے پریتم لال کے استھان سے نیچے نہ اترنے کا عہدہ توڑ دیا تھا۔ جمیل احمد خان پر کوئی زیادہ سے زیادہ احسان کر سکتا تھا تو وہ یہی تھا۔ کلدیپ کے آنے کے فوراً بعد انکا بھی میرے سر پر آگئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور وہ تجسس سے اردگرد نظریں دوڑا رہی تھی۔ خود میرے جسم میں ایک نئی طاقت عود کر آئی تھی۔

بدری نرائن جو ابھی ابھی امرلال کی شہ پا کر میری کھوپڑی اپنی ٹھوکروں سے پاش پاش کرنے کے ارادے سے فاتحانہ، سینہ تان کے آگے بڑھا تھا، دوبارہ زخمی پرندے کے مانند زمین پر پھڑک رہا تھا۔ اس کے حلقوم سے بھیانک آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اس کی ہر چیخ مسرت کی ایک لہر بن کے میرے کانوں میں داخل ہوتی تھی اور سارے جسم میں ہلچل مچا دی تھی۔ میری رسیاں پہلے ہی ٹوٹ چکی تھیں۔ میں پُر جوش انداز میں زمین سے اٹھا۔ میں اپنی انگلی کے ایک ہی اشارے سے بدری نرائن اور امرلال کو نذرِ آتش کر دینا چاہتا تھا لیکن کلدیپ کے پُرسکون چہرے نے مجھے اس ارادے سے باز رکھا۔ میں اس کے برابر کھڑا ہو گیا اور میں نے براہ راست امرلال کو مخاطب کیا۔ "کس وچار میں کھو گئے مہاراج!" مجھے اپنے لہجے پر قابو پانے میں بڑی مشکل پیش آئی۔

"ہاں!" امرلال نے ہاتھ اٹھا کے گہرا سانس لیا۔ "ہاں، جا تیری مکتی ہو گئی۔ تو نے جو کمایا تھا، وہ تیرے کام آگیا۔" وہ سرد لہجے میں بولا لیکن اس کی نظریں کلدیپ ہی پر مرکوز تھیں۔ پھر اچانک اس کا لہجہ سخت ہو گیا "چلا جا۔ اپرادھی، دشٹ، بھاگ جا۔"

"میں کہتا ہوں، بدری نرائن اور مالا کو میرے حوالے کر دو اور تم اطمینان سے وندھیاچل لوٹ جاؤ۔ کھیل سمجھو ختم ہو گیا۔" میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

جواب میں وہ ایک دم گرج کے بولا۔ "جا چلا جا اپرادھی! ایسی باتیں نہ کر جو تیرے منہ سے بڑی ہیں۔"

"تمہی نے اس کا ادسر دیا ہے مہاراج! اگر تم کمینے بدری نرائن کا گندا ہاتھ نہ پکڑتے تو اچھا تھا۔ ایک پنڈت کو بچانے کے لیے کتنے لوگ مارے گئے، کتنے گھر اجڑ گئے۔ ناریوں کا سہاگ لٹا، بچے بن باپ کے ہو گئے۔ سبھی نے انیائے کا ساتھ دیا۔ پرسادھو جگدیو، پریت لال، آنند لال، کلدیپ، تالکھ آشرم کے مہان

سادھو۔ ان مہاپُرشوں نے کیوں اس کا ساتھ نہیں دیا؟ کیا ان کے گیان دھیان میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا تمہاری تپسیا میں کوئی خامی ہے؟ تم نے اس جھوٹے آدمی کے لئے کیا نہیں کیا؟ وہ ایک ہندو پنڈت ہے اور اس کا نام بدری نرائن ہے۔ ہم دونوں ہی دشٹ ہیں، پر تم نے کچھ وچار ہی نہیں کیا، تم بدری نرائن کے نام پر ریجھ گئے کیونکہ اس کے مقابلے میں جمیل احمد خان تھا اور تم نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا۔"

"بس کر، بس کر۔" امرلال نے میرا غضب دیکھ کے نفرت سے کہا "بس کر، میں سب جانتا ہوں۔"

"تم کچھ نہیں جانتے کیونکہ تم ایک بے وقوف پجاری ہو۔" میں نے اشتعال میں کہا۔

"چپ رہ، بکواس بند کر۔" امرلال نے چیخ کر کہا۔ "اپنے برابر کھڑی ہوئی دیوی سے پوچھ کے کچھ کہنے کی جرأت کر، اسے معلوم ہے امرلال نے کتنے ورش کالی کی سیوا میں بتائے ہیں......"

"اور گھاس کاٹی ہے، کالی نے اس کی بھگتی سے خوش ہو کر ایک گدھے کو شکتی دے دی ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

امرلال کے جسم میں لرزش ہونے لگی۔ "تو کالی کا اپمان کر رہا ہے۔"

"کالی جانتی ہے، میں کس کا اپمان کر رہا ہوں۔"

"تو یہاں سے چلا جا۔ دیوی اسے یہاں سے لے جا۔" اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے راستہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں چلا جاؤں گا لیکن مالا کو اندر سے برآمد کرو اور بدری نرائن کو عزت سے میرے حوالے کر دو۔"

"دیوی!" وہ کلدیپ سے بولا۔ "اسے لے جا اور کالی کے سیوکوں کا اتنا اپمان نہ کرا۔"

کلدیپ خاموش کھڑی رہی۔ "اپنے چیلے کی خبر لو مہاراج!" میں نے پینترا بدل کے کہا اور بدری نرائن کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے ابھی تک تمہاری آگیا کا پالن نہیں کیا۔ اگر اسے ساتھ نہیں لے جانے دیتے تو کوئی چمتکار دکھاؤ اور بدری کو اس دکھ سے چھٹکارا دلاؤ۔ مجھے نرک میں جھونکنے کا کوئی اپائے کرو۔ میرے شریر کا ماس چیل کوؤں کو کھلاؤ یا اسے تبرک کے طور پر ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں میں تقسیم کر دو کہ یہ جمیل احمد خان کا ماس ہے جس نے ان کی راتوں کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ تم رک گئے امرلال جی! یا تم نے اردہ بدل دیا ہے؟"

"سن مورکھ! میرے نام امرلال ہے۔" امرلال لرزیدہ آواز میں حیرت سے بولا۔ "مجھے مت چھیڑ۔ جا میں نے تجھے چھوڑ دیا کیونکہ تیرے برابر پریتم لال کی مہان پتری کھڑی ہے۔ کالی کے سیوک ایک دوسرے کا خیال کرتے ہیں، تو یہ باتیں نہیں سمجھے گا۔ مجھ سے بات کرنے کے بجائے اس سے پوچھ لے، وہ کیا کہتی ہے؟"

میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ وقار کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہم دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

اس کی خاموشی نے مجھے اور اکسایا، اس طرف بدری نرائن زمین پر تڑپ رہا تھا۔ ”اس سے پوچھ لوں؟“ میں نے امرلال سے کہا۔ ”خوب۔ عیاری کی بات کرتے ہو؟ تم نے اس کا خیال ہی کب کیا؟ تم نے اس کے پوتر استھان کے نیچے پنڈتوں کے غول جمع کرا دیے اور میرے راستے بند کرا دیے۔ تم لوگوں نے اسے بدنام کیا۔ تمہیں معلوم تھا، میرا اس کا کیا تعلق ہے؟ پر تم نے اس کا خیال نہیں کیا۔ تمہیں اس سے کالی کے سیوک کی یاد نہیں آئی جب تمہارے اس حرام زادے لاڈلے بدری نرائن نے پریتم لال کی پتری مالا کو اپنے بیروں سے مروا دیا۔ امرلال ان باتوں کا ذکر چھوڑو۔ آؤ، ایک فیصلہ کر لو۔ بدری نرائن اور مالا اس طرف یا پھر ایک لڑائی جس میں کوئی ایک کامیاب ہو سکتا ہے۔ چلو پہلے کی طرح اپنے وار کرو۔ میرا سینہ حاضر ہے۔“ یہ کہتا ہوا میں بدری نرائن کی طرف گیا۔ اس کے قریب سید کی لاٹھی پڑی تھی، جسے میں نے پھرتی سے اٹھا لیا اور بدری نرائن پر ایک زبردست ضرب لگائی۔ وہ زمین سے اوپر اٹھ گیا اور بلبلا کے چاروں طرف ناچنے لگا۔ لاٹھی سنبھال کے میں پھر کلدیپ کے پاس آ گیا۔

اچانک امرلال نے اپنا الٹا پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ زمین میرے قدموں کے نیچے لرز اٹھی تھی۔ اسی وقت امرلال نے زمین سے مٹی اٹھا کے اپنے بالوں اور سینے سے مس کی اور اس پر کوئی منتر پھونک کے اسے بدری نرائن پر اچھال دیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہو گیا اور بدری نرائن ایک بار پھر اپنی اذیتوں سے نجات حاصل کر کے بڑی پھرتی سے اٹھ گیا۔ وہ اٹھتے ہی آندھی کی سی تیزی سے میری طرف بڑھا مگر جیسے ہی اس کی نظر کلدیپ پر پڑی وہ ایک جھٹکے سے رک گیا اور آنکھیں پٹ پٹانے لگا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ سہم کے جلدی سے امرلال کے پیچھے ہو گیا۔ کلدیپ مہر بہ لب تھی۔ امرلال نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ ”دیوی! تیرے آنے سے میرا وچن اور کالی کی بھینٹ دونوں چیزیں ادھوری رہ گئیں۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنے استھان کی اور واپس چلی جا۔ پریتم لال مہان تھا۔ تو اس کی داسی ہے تو اسے بھی ساتھ لے جا۔ جا بھگتی کر۔“

”تم کالی کے مہان پجاری ہو امرلال!“ کلدیپ نے پُر وقار آواز میں جواب دیا۔ ”میں تمہاری بھگتی اور شکتی جانتی ہوں اور تمہیں پرنام کرتی ہوں۔ تم انیائے کر رہے ہو اور میں تمہیں بتانے آئی ہوں کہ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔“

”سندر دیوی!“ امرلال نے سکون سے کہا۔ ”مجھے نیائے اور انیائے کی شکشا دیتے وقت تو بھول رہی ہے کہ تو کس کا ساتھ دینے آئی ہے؟“

”ہاں، اس کا نام جمیل احمد خان ہے اور سب جانتے ہیں کہ میرا اس سے کیا سمبندھ ہے۔ میں اسے بچانے کے لئے آئی ہوں۔ میں نے دیوی کا آشیرباد پراپت کر لیا ہے۔“ کلدیپ نے عزم کے ساتھ کہا۔

”میں اسے تمہارے ساتھ بھیج رہا ہوں۔“ امرلال نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تم اس کا جو جی چاہے

کرنا، میں نے تمہارا مان کیا ہے۔“

”میرا مان اور بڑھاؤ اور جمیل احمد خان کی بات مان لو۔ مالا اور بدری نرائن سے دست بردار ہو جاؤ۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔“ امرلال نے سخت لہجے میں کہا۔ ”دیوی! میں نے تیرا بڑا خیال کیا ہے، اب اور ہٹ نہ کر۔“

”امرلال مہاراج! میں جس ارادے سے نیچے آئی ہوں، وہ تم جانتے ہو۔ تمہارے مان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر تم میری مان لو۔“ کلدیپ نے عاجزی سے کہا۔

”نہیں، میں جو کچھ دے سکتا تھا، وہ دے دیا۔ اب اس سے زیادہ ہٹ مانگو۔ مالا میرے چیلے بھگوان داس کی لڑکی شاردا کے بدلے میں ہے اور بدری نرائن اسی طرح میرے ساتھ ہے جس طرح جمیل احمد خان یہ مسلا تمہارے ساتھ۔“

”تو پھر...... تو پھر......“ کلدیپ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے جمیل احمد خان کو اس کی مرضی پر چھوڑنا ہو گا تا کہ وہ میری موجودگی میں بدری نرائن سے اپنا حساب چکا لے۔“ کلدیپ کے نرم لہجے میں گرمی آ گئی تھی۔

”میں بھی یہاں موجود ہوں۔“

”اور میں بھی کسی کارن یہاں آئی ہوں۔“

”یہ ایک اچھی بات نہیں ہو گی۔“ امرلال تاسف سے بولا۔

”یہی بات میں تمہیں سمجھا رہی ہوں۔“

”تمہاری مرضی۔“ امرلال نے زچ ہو کر کہا۔

اسی وقت میں نے بدری نرائن کو پکارا۔ ”او مردود پنڈت! آ سامنے آ جا۔ اگر امرلال اور کلدیپ دیوی میں کوئی سمجھوتا بھی ہو گیا تو میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیرے گرو امرلال کو نشٹ کر سکتا ہوں۔“ میں نے لاٹھی تھما کے کہا۔ اس تلخ کلامی سے میرا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امرلال مشتعل ہو جائے اور کلدیپ اور اس کے درمیان ٹھن جائے تا کہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ کلدیپ کے آنے سے پہلے میں اپنے بارے میں تمام خوش فہمیاں ختم کر چکا تھا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب میرا وقت آ گیا ہے۔ اس یقین کے بعد اس کسی بڑے سے بڑے معرکے سے گھبرانا بے معنی ہے۔

”میں آخری بار تجھ سے کہتا ہوں جمیل احمد خان!“ امرلال دہاڑا۔ ”یہاں سے بھاگ جا۔“

لیکن میں نے سنی ان سنی کر دی اور بدری نرائن کو للکار کے حملہ کیا۔ بدری نرائن چیختا ہوا مندر کی طرف بھاگنے لگا۔ اس کے جسم میں آگ لگ رہی تھی۔ مندر کے دروازے سے وہ یکبارگی مڑا اور امرلال سے چمٹ گیا۔ امرلال نے سخت غصے کے عالم میں اس کا بازو پکڑ لیا۔ آگ بجھ گئی۔ ”اسے چھوڑ دو امرلال۔ نہیں تو تم بھی آگ کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔“ میں نے طیش میں کہا۔ ”چھوڑ دو اسے۔“

"بدری! اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" امرلال چیخا۔ "میرا آشیرباد تیرے ساتھ ہے۔"

"مہاراج کی آگیہ کا پالن کرو بدری!" میں نے گرہ لگائی۔

بدری نرائن گھگیانے لگا۔ وہ کبھی امرلال کی سمت دیکھتا، کبھی کلدیپ کی طرف۔ اسے کوئی مزید مہلت عاجزی کی بھی نہیں ملی۔ امرلال نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر کے اور کچھ پڑھ پڑھا کے اسے خود سے جدا کر دیا۔ اچانک بدری نرائن کو موت اور زندگی کا اہم فیصلہ کرنا پڑا اور وہ مقابلے کے لیے خم ٹھونک کے میدان میں آ گیا۔ "جے شیو شنکر کی۔" اس نے ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا اور اس طرح گھوم گیا جیسے کسی نے اس کے قدموں کے نیچے پھرکی لگا دی ہو۔ میں نے تیزی سے اپنے گرد حصار قائم کر لیا حالانکہ کلدیپ کی موجودگی میں یہ اقدام بے کار تھا۔ بدری نرائن ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ مجھے معلوم تھا، اس کا ہر حربہ ناکام ہوگا۔ امرلال نے اسے خود سے جدا کر کے سخت غلطی کی تھی۔ شاید اس کا خیال ہوگا کہ پھر اسے کمینگی کا موقع مل جائے گا اور کلدیپ دخل اندازی سے باز رہے گی۔ اس کے بیر میرے حصار کی طرف بڑھے۔ میں نے اپنے حصار کے آخری سرے پر پہنچ کے انہیں سید کی لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا۔ بیر ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے گئے۔ پھر میں نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ انکا مجھے ٹوکنے لگی کہ میں دیر کر رہا ہوں اور بدری نرائن کو خواہ مخواہ موقع دے رہا ہوں۔

"آج دل کی تمام حسرتیں نکال لے حرام کے تخم!" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا۔ "کوئی وار نہ رہ جائے۔"

"منڈل سے باہر نکل کے دیکھ سور کی اولاد!" بدری نرائن نے میرے لہجے کی نقل کی۔

"لے یہ بھی سہی۔" انکا نے مجھے روکا مگر میں نے حصار توڑ دیا۔ جیسے ہی میں باہر آیا، کسی چیز سے ٹکرا کے اوندھے منہ گر گیا۔ بدری نرائن نے فوراً میری پشت پر چڑھ کے ایک زبردست ٹھوکر رسید کی۔ میں اسے لیے لیے زمین سے اس طرح اٹھا کہ بدری نرائن کی ایک ٹانگ میرے ہاتھ میں آ گئی۔ کاش میرے پاس دوسرا ہاتھ ہوتا۔ بدری نرائن نے زور کر کے اپنی ٹانگ چھڑا لی۔ اس گڑبڑ میں دوبارہ میری لاٹھی گر گئی اور بدری نرائن ایک جست لگا کر اسے حاصل کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ میں نے اسے وہیں دبوچ لیا۔ لاٹھی بدری نرائن کے جسم کے نیچے دبی ہوئی تھی اور میں اس پر سوار ہو گیا تھا۔ یہ موقع بڑا اچھا تھا۔ میں اپنی غیر معمولی قوتوں کا سہارا لے کر بدری نرائن کا قصہ تمام کر دیتا مگر اس کا جسم بازوؤں میں آیا تو میری حالت ہی عجیب ہو گئی۔ میں نے اپنے ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ کے اسے اٹھانے کی کوشش کی اور اٹھا لیا کیونکہ انکا نے بھی میری مدد کی تھی۔ لاٹھی بدری نرائن کے سینے سے چپکی ہوئی تھی اور وہ کسی چوہے کی طرح میرے ہاتھ کی زد سے بچنے کے لئے متحرک رہا تھا۔ وہ میرا توازن بگاڑنا چاہتا تھا۔ ماورائی طاقتوں کی اس لڑائی نے جسمانی لڑائی کی شکل اختیار کر لی تھی جو میری خواہش کے عین مطابق تھی۔ میں نے اسے زیادہ دیر اپنے ہاتھ میں نہیں

نکلنے دیا بلکہ ایک جھٹکے سے زمین پر پھینک دیا۔ وہ چرمرا کے گرا۔ اس کے چیخنے کی ہذیانی آواز امرلال نے بھی سنی ہوگی۔ میں نے اس کے گرتے ہی ایک ٹھوکر لگائی۔ وہ بلبلا کے دور جا پڑا لیکن اس نے لاٹھی نہیں چھوڑی۔ میں نے فوراً دوسری ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑھکتا ہوا چلا گیا اور دور جا کر تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ لاٹھی گھما رہا تھا۔ سید کی متبرک لاٹھی اس کے پلید ہاتھوں میں دیکھ کے میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی تھی۔ میں اس وقت سارے جنتر منتر بھول گیا تھا۔ میں نے اس پر ٹوٹنے کے لئے اس طرح پر تولے جیسے میں ایک درندہ ہوں اور وہ میرا ایک شکار۔ بدری نرائن میرا خوف ناک ارادہ دیکھ کے امرلال کی طرف کھسک گیا۔ میں بھی امرلال کے قریب ہو گیا۔ چوہے بلی کے اس کھیل میں امرلال خاموش تماشائی بنا کھڑا رہا۔ بدری نرائن مڑ مڑ کے امرلال کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا۔ مجھے اپنے پیچھے لپکتا دیکھ کے آخر وہ ایک جگہ ٹھہر گیا اور اس نے چاروں طرف لاٹھی گھمانا شروع کر دی، میں نے اس کی پروا نہ کی کہ لاٹھی میرے سر پر پڑے گی یا سینے پر۔ میں درانہ لاٹھی کے دائرے میں داخل ہو گیا۔ لاٹھی کی ایک شدید ضرب میرے کان پر پڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا، بدری نرائن گھبراہٹ میں اسے چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا اور میں نے اس کا تعاقب کرنے کے بجائے اس بار وہیں ٹھہر کے انکا کے بار بار مجبور کرنے پر اپنی انگلیاں اٹھائیں۔ بدری نرائن مجھ سے خاصا دور تھا مگر چوپٹ گر گیا۔ میں فوراً دوسرے منتر آزما سکتا تھا مگر میں لاٹھی بلند کیے کیے تڑپتے ہوئے بدری نرائن کے زندہ لاشے پر پہنچ گیا اور میں نے پوری طاقت سے لاٹھی اس کے سر پر دے ماری۔ بدری نرائن کی ایک کرب ناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کا چہرہ خون سے نہا گیا۔ پھر میں نے دوسری بار لاٹھی اٹھائی اور اس کی ٹانگوں پر وار کیا۔ اس کی رہی سہی طاقت بھی جواب دینے لگی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کے اٹھایا اور جھنجوڑ کر اسے دوبارہ زمین پر چھوڑ دیا۔ وحشت سے میرا جسم سلگ رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر لات رسید کی اور اس کا لہولہان سر اپنی ٹانگوں پر رکھ کے بے تحاشا طمانچے رسید کرنے لگا۔ میں نے اس کے منہ پر حقارت سے تھوک دیا۔ وہ جتنا تیز چلاتا اور سر پٹختا تھا اتنا ہی اس کی ٹانگیں توڑنے اور سر کچلنے کے لئے میرا ہاتھ بے تاب ہوا جاتا تھا۔ میرا ہاتھ امرلال کی گونج سے رک گیا۔

"دیوی! دیکھ رہی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "کالی کا ایک پجاری، ایک سیوک دم توڑ رہا ہے۔"

"میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں امرلال!" کلدیپ سرد آواز میں بولی۔ "میری ان آنکھوں نے اس سے زیادہ بھیانک مناظر دیکھے ہیں۔ اس وقت تم تپسیا میں مگن تھے۔"

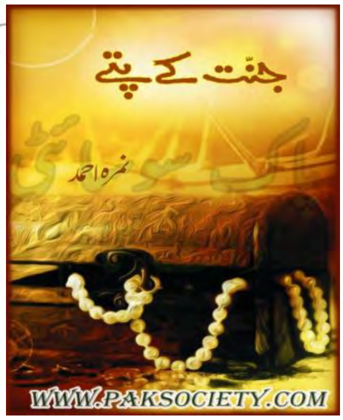
"سمے گزر جائے گا، مورکھ!" امرلال تلملا کے بولا۔

"سمے کا کام گزرنا ہے۔" کلدیپ نے کہا۔ "تم اور میں اسے نہیں روک سکتے۔"

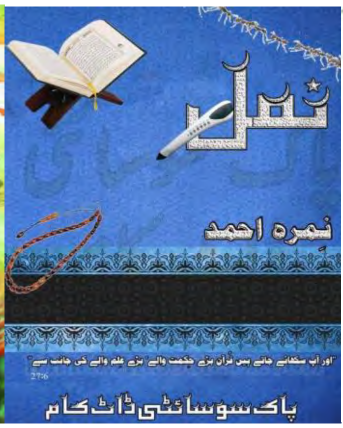
"میں اپنے چیلے کو بچاؤں گا۔" امرلال نے چھاتی پر ہاتھ مار کے کہا، پھر وہ تیزی سے بدری نرائن کی

Downloaded from Paksociety.com

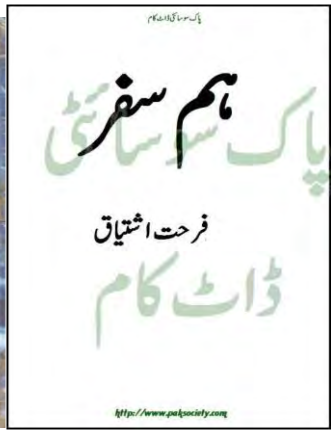
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

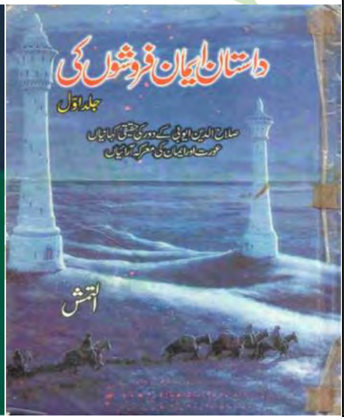




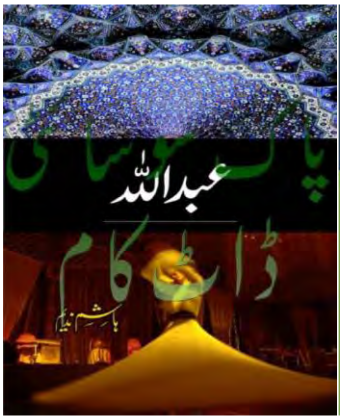


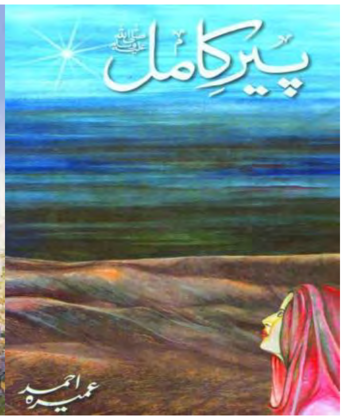


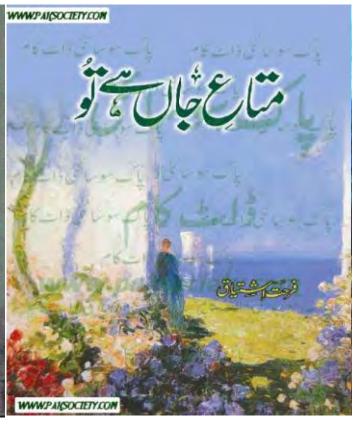


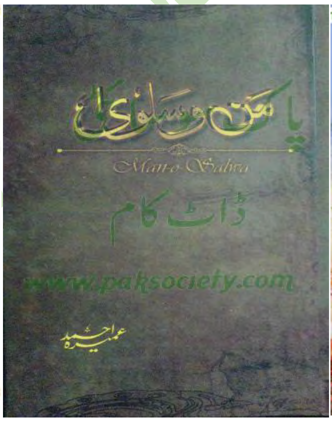




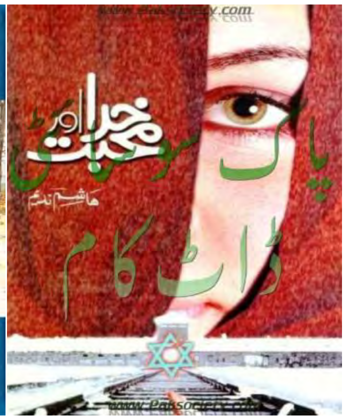


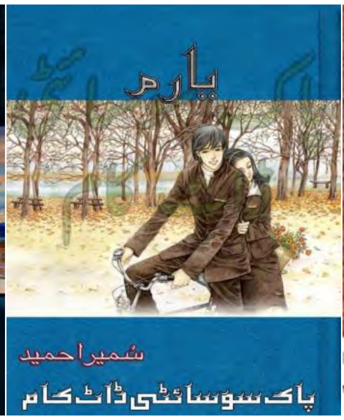




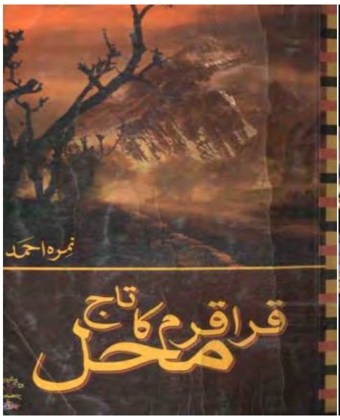












جانب مڑا جسے میری عدم توجہی سے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تھی۔ میری لاٹھی نے اس کا جسم خون سے رنگ دیا تھا۔ میری ٹھوکروں نے جگہ جگہ سے اس کی کھال ادھیڑ دی تھی۔ بدری نرائن کی قوت مدافعت جواب دے رہی تھی۔ موت اور زندگی کا فیصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔

امرلال کے چہرے پر جلال اور غضب تھا۔ اس نے بدری کی شکستہ اور عبرت ناک حالت دیکھ کے ایک جھرجھری لی پھر اس کا سیدھا ہاتھ فضا میں بلند ہوا لیکن اس سے قبل کہ اس کا بلند ہاتھ نیچے گر کر کوئی ہنگامہ کرتا، کلدیپ چیخ پڑی۔ ”امرلال! بدری نرائن اور جمیل احمد خان کے درمیان مت بولنا۔ اس میں تمہاری اور ہماری دونوں کی مکتی ہے۔“

”تم خاموش رہو دیوی! میں نے کالی کی سیوا میں تم سے زیادہ جیون بتایا ہے۔ تم اگر بولو گی تو مجھے ایک ناری پر ہاتھ اٹھانے کا پاپ کرنا پڑے گا۔“ امرلال جنونی انداز میں بولا۔

”جمیل!“ اسی وقت انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ کے مجھے متنبہ کیا۔ ”بدری نرائن کا کھیل ختم کر دو۔“

مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ میں نے اپنی انگلی سے اسے یک لخت ہلاک کرنے کے بجائے اس پر لاٹھیاں برسانی شروع کیں۔

”رک جا، رک جا!“ امرلال چیخا۔ ”بس کر۔“

میں نے رک کر دیکھا۔ امرلال میری طرف آ رہا تھا۔ میں ڈٹ کے کھڑا ہو گیا۔ بدری نرائن آخری سانسیں گن رہا تھا، امرلال نے آ کے اسے غور سے دیکھا اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ ”بدری!“ وہ آہستہ سے بولا۔

بدری نرائن نے اس کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی مگر میں نے اس کے منہ پر ایک اور لات رسید کر دی۔ امرلال نے بڑھ کے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

”اس کا ہاتھ چھوڑ دو امرلال!“ کلدیپ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بدری کی شکستہ حالت نے امرلال کے ہوش و حواس معطل کر دیے تھے۔ وہ کلدیپ کو مخاطب کر کے چلایا۔ ”اپرادھن! تیرے کارن میرا سیوک نشٹ ہو رہا ہے، اب تو اور تیرا دلال دونوں یہاں سے زندہ نہ جا سکیں گے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو مہاراج!“ کلدیپ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”بدری نرائن کا انجام تمہارے سامنے ہے امرلال!“

میں درمیان میں بول پڑا۔ ”مکتی چاہتے ہو تو ملا کو ہمارے ساتھ کر دو ہم چلے جائیں گے ورنہ پھر پچھتانے کے لئے بھی تمہارے پاس وقت نہ رہے گا۔“

”تو بہت بڑھ گیا ہے پلید!“ امرلال نے اچانک اپنی مٹھی کھول کے میری طرف خاک کی [illegible]

اچھال دی۔ وہ سفید راکھ تھی یا دھواں تھا، وہ مرچیں تھیں یا اس کے ہاتھ میں آگ بند تھی میرے جسم میں سوزش ہونے لگی۔ میں جھلسنے لگا۔ اس کا توڑ کرنے کی مجھے فرصت ہی نہیں ملی۔ چشم زدن میں جہاں راکھ پڑی تھی وہاں آبلے سے ابھرنے لگے اور تکلیف سے برا حال ہو گیا۔ لاٹھی پھر میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ میں اپنا جسم نوچنے لگا۔

انکا بھی میرے سر پر سہمی سہمی بیٹھی تھی۔ میں نے کلدیپ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی کسمپرسی کی حالت میں مبتلا تھی۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔

”اب کیا وچار ہے تیرا؟“ امرلال کلدیپ کو گھورتے ہوئے بولا۔

”دیوتا پر اپنا جیون بلیدان کرنا ہر پجاری کا دھرم ہونا چاہئے امرلال! میں ہر قیمت پر جمیل کی سہائتا کروں گی۔“

”کالی تجھے شما نہیں کرے گی پاپن!“

”میں نے کالی کو وچن دے دیا ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔“

ان دونوں کی بے وقت تکلیف دہ گفتگو میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف تھی۔ میں نڈھال ہو کے گرنے کے قریب تھا، میری ساری طاقت رخصت ہوا چاہتی تھی۔

”انکا! تمہی کچھ کرو۔“ میں نے شدت کرب میں انکا سے کہا۔

”ذرا ہمت سے کام لو جمیل!“ انکا نے اپنے ہاتھوں سے سر سہلاتے ہوئے کہا۔

”سوچ لے کلنکنی!“ امرلال نے کلدیپ سے کہا۔

”امرلال! تم دھرماتما نہیں ہو۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا کہ میں نے کالی کے ایک مہان سیوک سے جھگڑا مول لیا تھا۔“ کلدیپ غصے میں بولی اور پہلی مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹی۔ اس نے میری کلائی پکڑ لی اور تین بار جھٹکے دیے۔ مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سلگتے ہوئے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ میرے قدموں میں پھر جان آ گئی اور آبلے دب گئے۔ امرلال قریب کھڑا ہیبت ناک نظروں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ”تم میرے پیچھے ہو جاؤ جمیل!“ کلدیپ نے مجھے مخاطب کیا۔ ”دخل اندازی کی کوشش نہ کرنا ورنہ امرلال مہاراج کو شکایت ہو جائے گی۔“

”نہیں کلدیپ! میں نے بدھ گیا اور رندا کے استھان پر بھاڑ نہیں جھونکا ہے۔ یہ بدبخت پیچھے سے وار کرتا ہے، یہ بڑا عیار ہے، میں اسے سمجھ سکتا ہوں۔“ میں نے ضد کی۔

”میری بات مان جاؤ جمیل!“ وہ حکمیہ انداز میں بولی۔ ”میں نے بھی تمہارا کہا مانا ہے۔ میں پریتم لال کا استھان چھوڑ کے تمہارے پاس آ گئی ہوں۔“

”کلدیپ......“ میں نے مچل کے کہنا چاہا۔

"تمہیں کلدیپ کی قسم۔ جاؤ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

"یہ مجھ سے کیسے ہوگا کہ تمہیں اس موذی سے نمٹنے کے لئے تنہا چھوڑ دوں۔"

"جمیل!" کلدیپ کے لہجے میں محبت سمٹ آئی۔ "کیا میں تمہاری طاقتوں، تمہاری خوبیوں سے ناواقف ہوں؟"

میں مجبور ہو کے اس کے عقب میں کھڑا ہوگیا۔ میں نے کلدیپ کا اور اپنا درمیانی فاصلہ کم سے کم رکھا۔ انکا کو کسی پہلو قرار نہیں تھا۔

"آہ!" کلدیپ نے کہا۔ "امرلال! تم پہل کر سکتے ہو۔"

"تو دیوانی ہوگئی ہے۔" امرلال نے یہ کہہ کے زمین پر تین بار ڈنڈوت کیا اور کالی کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ کلدیپ کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ اب میں کیا لکھوں کہ امرلال نے کیا، کیا؟ اس نے کون سا وار نہیں آزمایا؟ کون سا تیر نہیں چلایا؟ میں زخموں کی طرح دیکھتا رہا۔ بار بار میرا جی چاہتا تھا کہ کود جاؤں لیکن انکا ہر بار مجھے روک دیتی تھی۔ کلدیپ کسی بت کی طرح خاموش کھڑی تھی۔ سب سے پہلے امرلال نے کلدیپ کی زبان بند کرنا چاہی پھر اس کے جسم پر متعدد سوئیاں سی گھونپ دیں۔ اس کے بیر کلدیپ کے کپڑے کھینچنے لگے۔ یہ اقدام میرے لیے سوہان روح تھا۔ انکا نے شدت سے اس موقع پر مجھے روک دیا۔ اس کی ساڑھی اوپر کے جسم سے کھل گئی تھی۔ میری موجودگی میں امرلال کے سامنے کلدیپ کے بدن کا اوپری حصہ عریاں ہوگیا۔ اس کے صاف وشفاف بدن پر اچانک سیاہ دھبے چھانے لگے۔ میں نے رسی تڑانے کے انداز میں اپنی جگہ سے بھاگنا چاہا مگر انکا نے مجھے روک دیا۔ امرلال کا ہر حملہ ناکام ہو رہا تھا۔ نہ وہ سوئیاں چبھو کے کلدیپ کے قدم ہٹا سکا نہ اس کے بیروں نے کلدیپ کو عریاں کیا۔ کلدیپ میں نہ کسمساہٹ پیدا ہوئی نہ اس نے سیاہ دھبوں کی پروا کی۔ نہ وہ شعلے اس میں جلن پیدا کر سکے جو امرلال کے ہاتھوں سے برس رہے تھے۔ امرلال نے وہی سفید راکھ کلدیپ کے جسم پر اچھال دی جس نے میرے جسم پر آبلے ڈال دیے تھے۔ کلدیپ کی جلد بھدی ہوگئی اور اس کا چہرہ مسخ ہوگیا۔ وہ لمحوں میں کریہہ شکل کی کوئی عورت معلوم ہونے لگی۔ ایں معلوم ہوتا تھا جیسے کلدیپ کا ظاہری جسم اس تمام واردات سے متاثر ہو رہا ہے مگر باطنی طور پر وہ اتنی ہی سرشار اور مطمئن ہے جتنی پہلے تھی۔ اس کا اطمینان میرا دل دہلائے دے رہا تھا۔ ادھر بدری نرائن جان کنی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ انکا نے اس کے سر پر جانے کا ارادہ کیا کہ امرلال، کلدیپ سے معرکہ آرائی میں مصروف تھا مگر میں نے انکا کو اپنے سر پر ہی روکے رکھا۔ کلدیپ پر امرلال کا ستم بڑھ رہا تھا۔ اب تک میں نے متعدد پنڈتوں اور پجاریوں کی لڑائیاں دیکھی تھیں۔ خود میں ان سے نبرد آزما ہوا تھا مگر یہ سب سے ہولناک لڑائی تھی۔ کلدیپ کا بدن داغ دار ہو چکا تھا۔ وہ شعلوں میں گھری کھڑی تھی۔ امرلال نے پہلے تو وہی چھوٹے موٹے جنتر منتر آزمائے جو عام سادھوؤں، پنڈتوں اور پجاریوں کا طور طریقہ ہوتا ہے پھر وہ رفتہ

رفتہ متشدد ہوتا گیا۔ اس نے کلدیپ کے قدم اکھاڑنے اور اس کا انہاک توڑنے کے لئے ہر خطرناک وار کیا۔ اس کے بہت سے بیر کلدیپ سے دور ہو گئے تھے۔ امرلال وحشیانہ انداز میں، کسی مجنوں، کسی پاگل کی طرح پے در پے صدمے پہنچا رہا تھا' پھر اس نے ایک مذموم حرکت کی۔ اس نے کلدیپ کی زمین سے چھوتی ہوئی ساڑھی کھینچ لی اور اسے اتارنے کے لئے دائرے کی صورت میں گھومنے لگا۔ اب میرے لیے رکنا محال تھا۔ کلدیپ سرتاپا عریاں ہونے کے قریب تھی۔ وہ میری ناموس میری غیرت تھی۔ میں نے چلا کر کہا۔ "او مادر بخطا، اپنے ہاتھ روک لے، نہیں تو......"

انکا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور میری آواز گھٹ کے رہ گئی۔ امرلال آخری بند کھولتے کھولتے رک گیا اور اس نے غور سے اس سیاہ شکل کی جلی ہوئی مسخ کلدیپ کو دیکھا جسے وہ ایک انچ بھی اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکا تھا۔ سید کی لاٹھی بدری نرائن کے قریب پڑی تھی کیونکہ مجھے اسے دوبارہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ امرلال نے کسی مردے کی طرح کلدیپ کو مارنے کے لئے اچانک لاٹھی اٹھالی۔ اس نے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ میں نے اسے نظر بھر کے دیکھا، اس کا ہاتھ رکے کا رکا رہ گیا لیکن وہ ایک بڑا پنڈت، ایک بڑا پجاری تھا۔ اس نے جلد ہی میرے عمل کا توڑ کر لیا اور ایک بھرپور ضرب کلدیپ کے جسم پر لگائی۔ کلدیپ کے منہ سے پہلی بار ایک کراہ نکلی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

میں اس عرصے میں امرلال کے جسم پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ اس امر کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اسے لیے لیے زمین پر گر گیا۔ یکا یک کلدیپ کی کھنکھناتی ہوئی آواز آئی۔ "ہٹ جاؤ جمیل!"

"میں اسے چباڈالوں گا۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

امرلال نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے میں گاڑ کے مجھے دھکا دے دیا۔ میں لڑھکتا ہوا دور ہوگیا۔ کلدیپ نے حیرت انگیز پھرتی سے ستر پوشی کر لی تھی اور یہ دیکھ کے میری آنکھیں چندھیا گئیں کہ اب اس کے جسم پر کوئی دھبا، کوئی داغ نہیں تھا۔ وہ پھر پہلے کی طرح اجلی اور صاف وشفاف نظر آ رہی تھی۔ امرلال نے وحشت انگیز نظر سے اسے دیکھا اور زمین سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"امرلال!" کلدیپ نے مطمئن آواز میں کہا۔ "تم نے کالی کے مہان سیوک کو دیکھ لیا؟"

"ہاں دیکھ لیا۔" وہ شکست خوردہ آواز میں بولا۔

"اب کیا وچار ہے؟" کلدیپ نے کہا۔

"میں تجھے آگیا دیتا ہوں کہ تو بھی اپنے حوصلے نکال لے۔"

"میں تمہیں سوچنے کا ایک موقع دیتی ہوں۔"

"میں تجھے آگے بڑھنے آگیا دیتا ہوں۔"

"مجھے ایک ناپسندیدہ کام کرنا ہوگا۔"

"کلدیپ اسے ختم کردو۔ کوئی رعایت مت دینا۔" میں نے لقمہ دیا۔ کلدیپ نے میری طرف اس طرح حسرت بھری نظروں سے دیکھا کہ میں کانپ گیا۔ اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ تم بے فکر رہو۔ تم جو کہو گے وہی ہوگا کیونکہ تمہی میرے لیے سب کچھ ہو۔ میں ان نگاہوں کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ میری گردن جھک گئی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ کلدیپ کہیں امرلال سے شکست نہ کھا جائے؟ لیکن میرے سوچنے میں دیر ہوگئی۔ کلدیپ اپنا کام شروع کر چکی تھی۔ کلدیپ زمین پر ایک خاص انداز سے بیٹھی ہوئی تھی اور امر لال کلدیپ کی طرح ایک طرف خاموش کھڑا ہوگیا تھا۔ کلدیپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے آسمان پر نظر ڈالی۔ وہ دیر تک زمین سے لپٹی رہی پھر اٹھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور امرلال کی طرف مضحکہ خیز انداز میں گھمائے۔ نہ جانے اس کے عمل میں کیا اثر تھا کہ امرلال بے چین سا ہوا اور اس کی بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ میں اس ایک لمحے کو دیکھ بھی نہ سکا۔ امرلال خون میں لت پت جنونی انداز میں مندر کی طرف بھاگ رہا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے زمین پر پڑے تھے مگر وہ مندر تک نہ جا سکا۔ کلدیپ نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ اس کی انگلیاں غالباً برچھے بن کر امرلال کے جسم میں چبھ رہی تھیں اور خون کے لئے سوراخ کر رہی تھیں۔ خون کے کئی فوارے امرلال کے جسم سے ابلنے لگے تھے۔ وہ مندر کی چوکھٹ پر گیا۔ یکلخت کلدیپ نے اپنا ایک ہاتھ زمین سے مس کیا اور تیزی سے دائیں بائیں جانب پھیرا۔ امرلال کا سر تن سے جدا ہوگیا تھا۔ یہ ایک ہولناک منظر تھا جو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں کلدیپ کی طرف حیرانی سے دیکھنے لگا۔ عجیب بات تھی کہ اس کی معصومیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بڑے تحمل سے یہ تمام کام انجام دے رہی تھی۔ ہاں اس کے چہرے پر ایک حزن تھا، ایک سوگواری۔ ایک اذیت نمایاں تھی۔ امرلال کا لاشہ تڑپ رہا تھا اور اس کا سر مندر کی چوکھٹ رنگ رہا تھا۔ پھر کلدیپ نے اس کا جسم سیاہی میں تبدیل کردیا اور اس کا سرخ سر اپنی بے نور آنکھوں کے ساتھ مندر کی سیڑھیوں پر پڑا رہا۔ میں لپک کر کلدیپ کے قریب گیا اور میں نے اس کے ہاتھوں کو دیوانہ وار بوسے دیے۔ اپنی لاٹھی اٹھائی جسے امرلال وحشت میں زمین پر چھوڑ گیا تھا۔ کلدیپ بے حال ہو کے میرے سینے سے لگ گئی۔ میں نے اسے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا اور اتنی زور سے اسے اپنے اندر سمونے کی کوشش کی کہ ہماری سانسیں اکھڑنے لگیں۔ "کلدیپ، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے پریتم لال کے استھان پر اتنی زبردست تپسیا کی ہے؟" میں نے اپنی سانسیں بحال کرتے ہوئے کہا۔

"جمیل!" وہ نخوت سے مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ میرے سینے سے چمٹ گئی، میرے دل میں اتر گئی۔ میرے جسم و جاں میں سرایت کر گئی۔ وہ میرے اندر تحلیل ہوگئی اور انکا خوشی سے ناچنے لگی۔ وہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہرا رہی تھی۔ میں نے اس کا سراپا سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ یقیناً زمین پر گر گئی ہوتی۔ ہم دونوں اس طرح دیر تک ایک دوسرے میں ضم رہے۔ اس کا چہرہ آنسوؤں

سے تر بتر تھا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ بدری نرائن ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی کراہوں نے ہمارا سکون درہم برہم کیا۔ وہ زمین پر پڑا سسک رہا تھا۔

"کلدیپ، اس کا کیا کروں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"جو تمہاری مرضی ہو۔" وہ منفعل انداز میں بولی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اس کے ساتھ ایک آخری احسان کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا اور بدری کے تڑپتے ہوئے جسم کے پاس پہنچا۔ "تو نے مرنے میں بہت دیر کردی بدری نرائن!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "تیری صورت دیکھ کے مجھے نرگس اور مالا کے چہرے یاد آتے ہیں۔ ظالم! تو نے بہت ظلم کیے۔ کیا میں تجھے تربینی کی طرح زمین پر سسکتا ہوا چھوڑ دوں۔ تیرے ہاتھ کاٹ ڈالوں، تیری زبان گدی سے کھینچ لوں، تیری آنکھ پھوڑ دوں؟" میں نے کہا۔

بدری نرائن کی آنکھیں مرتعش ہوئیں اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ایک بھرپور ٹھوکر مار کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے زمین پر گھسیٹتا ہوا دور تک لے گیا۔ بدری نرائن دور تک میرا ساتھ نہ دے سکا۔ راستے ہی میں ہمت ہار بیٹھا۔ اس کی سخت جانی نے سپر ڈال دی۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تب بھی مجھے قرار نہیں آیا اور میں نے اس کی لاش روند ڈالی اور ٹھوکر سے دور پھینک دیا۔ کلدیپ نے آ کے میرا بازو نہ پکڑ لیا ہوتا تو میں اس کا قیمہ کر دیتا۔

"مالا مندر ہی میں رہی جاتی ہے۔ کیا اسے یہیں چھوڑنے کا ارادہ ہے؟" انکا نے تیکھے انداز میں ٹوکا۔ مجھے احساس ہوا کہ کلدیپ کی غیر متوقع رفاقت اور بدری نرائن کے غیر متوقع انجام سے میں نے ہوش و حواس کھو دیے ہیں۔ مالا کو میں بھولے جا رہا ہوں جس کے لئے یہاں آیا تھا۔ مالا مندر کے اندر موجود تھی۔ میں نے خود پر لعنت بھیجی۔ کلدیپ بھی انکا کے ٹوکنے پر خفیف ہوئی۔ اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں اسے باہر چھوڑ کے بھاگا۔ بدری نرائن اور امرلال کی خون آلود لاشیں پھلانگتا ہوا مندر میں داخل ہوگیا۔ کالی کی مورتی کی پشت پر ایک کمرا موجود تھا۔ انکا نے میرے اوسان برقرار رکھے۔ میں نے دروازے کی کنڈی تلاش کرنے کی زحمت نہیں کی۔ امرلال اور بدری نرائن کے بعد اب کسی مزاحمت کا امکان نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ایک بھرپور ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا۔ اندر سے بدبو اور سیلن کا ایک بھبکا آیا۔ مجھے مالا کے متعلق سخت تشویش ہوئی۔ میں راستے میں پتھریلے فرش پر کئی بار گرتے گرتے بچا اور سیاہ کوٹھری میں جو کسی بڑے چوبی دان سے مشابہ تھی، اندر تک چلا گیا۔ مالا کے جسم سے میری ٹانگیں ٹکرائیں۔ وہ اس اندھیرے اور حبس زدہ ماحول میں بے ہوش پڑی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ میں اسے اپنی پشت پر لاد کے تیزی کے ساتھ مندر سے باہر آگیا۔ باہر کلدیپ مندر کے کنوئیں کے من پر اداس بیٹھی تھی اور مندر کی فضا پر ایک عجیب ہیبت طاری تھی۔ امرلال کا خون زمین خشک کر رہی تھی اور اس کی کھوپڑی کی پھٹی ہوئی آنکھیں

فسانہ عبرت بیان کررہی تھیں۔ میرا جی چاہا کہ میں بدری نرائن کے لاشے پر ایک بار اور تھوک دوں مگر میری یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ کنوئیں کے من پر مالا کو ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔ وہ جیسے ہی ہوش میں آئی، پھٹ پڑی۔ میں نے اس کے رخساروں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیں۔

"مالا! میری جان ہوش میں آؤ۔ دیکھو، یہ میں ہوں، آنند لال کا دوست!"

"وہ......وہ......" اس نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔ اس کا اشارہ آنند لال کی طرف تھا۔ اس کے منہ سے باقی الفاظ نہیں نکلے۔ اچھا ہوا، اس سے کچھ بولا نہیں گیا، میں اسے کیا جواب دیتا؟

"صبر کرو مالا! میں ابھی زندہ ہوں۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ ہم سب جانے ہی کے لئے ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ تم تو ایک باہمت عورت ہو۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ خود مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی۔

مالا کو سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ وہ دہاڑیں مار مار کے بین کرنے لگی۔ نتیجتاً مجھے انکا کو اس کے سر پر بھیجنا پڑا اور ہم خاموشی سے مندر کے وحشت ناک علاقے سے دور ہوتے گئے۔

آبادی کے قریب آتے ہی ہم لوگ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ کلدیپ سے اس دوران میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں پر سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ نہ مجھے اس سے بات کرنے کا سلیقہ آیا، نہ اسے کچھ کہنے کی جرأت ہوئی۔ ہم کبھی کبھی ایک دوسرے سے نظریں ملاتے اور فوراً پلکیں جھکا لیتے۔

سید غوث کے گھر پر بھی یہی سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب ہماری ٹیکسی رکی اور ہم اس میں سے برآمد ہوئے تو سب نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ ایک غیر یقینی صورت حال کا شکار تھے۔ ہر شخص کی آنکھیں نم تھیں۔ انہیں شاید ہمارا انتظار تھا کہ ہم آئیں تو وہ روئیں۔ کلدیپ کو دیکھ کے تزئین کی عجیب حالت ہوگئی مگر وہ بھی اسی تضاد کا شکار تھی جس ستم ظریفی کا زخمی میں تھا۔ مالا کی وجہ سے میں نے ضبط کیا۔ جلد ہی مالا کو اندر لے جایا گیا اور گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ وہ کھل کے روئے۔ ایسے روئے کہ آسمان کا کلیجا ہل گیا ہوگا۔

ابھی آنند لال کی چتا کی آگ ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی کہ کلدیپ نے افسردگی سے یہ سنسنی خیز اعلان کیا کہ وہ جلد از جلد پریتم لال کی پہاڑی پر واپس جانا چاہتی ہے۔ خصوصاً میرے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں سمجھا تھا کہ اب کلدیپ آگئی ہے تو مجھے اکیلا چھوڑ کے واپس اپنی دنیا میں نہیں جائے گی۔

آنند لال کی موت کے بعد یہ دوسرا صدمہ تھا۔ میں نے زیر لب آنند لال کی آتما سے کہا۔ "میری جان، میں بھی آرہا ہوں تمہاری موت کے صدمے سے تو جاں بر ہوگیا لیکن کلدیپ کی جدائی زندہ نہیں رہنے دے گی۔"

"میں تمہیں وہاں ضرور لے جاؤں گا۔" میں نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔ "لیکن ایک شرط پر کہ تمہیں وہاں سے واپس بھی آنا ہوگا"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرے دل سے اور قریب ہوگئی۔ "بولو! تم میرے ساتھ واپس آ جاؤں گی نا؟"

"ہاں، تم مجھے واپس لے آنا۔" اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سچ!" میں نے وفورِ مسرت سے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

پریتم لال کے استھان پر پہنچ کر کلدیپ یوں مطمئن نظر آنے لگی جیسے کسی نے برسوں بعد اپنی کھوئی ہوئی منزل کا سراغ پالیا ہو۔ کلدیپ کی غیر موجودگی سے کٹیا اجاڑ اجاڑ نظر آتی تھی۔ اس نے اسے سنوارا۔ اس بار میسور کا یہ پُراسرار پہاڑی مقام بہت دلکش لگ رہا تھا۔ پہلے میں یہاں آتا تو امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار رہتا لیکن اب کلدیپ میرے ساتھ تھی اور اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ چند دن اپنی کٹیا میں گزارنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے گی۔ وہ خود کو میرے حوالے کردے گی۔ میں جہاں چاہوں گا، اسے لے جاؤں گا۔ اس یقین دہانی کے بعد میری حسرتوں کو قرار آگیا تھا۔ جس شخص نے اپنی زندگی کا اتنا بڑا عرصہ اچھے وقت کی امید میں گزار دیا ہو اس کے لئے یہ چند دن کیا اہمیت رکھتے تھے؟ کلدیپ جب جھرنے کے پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی ہوتی تو میں اس کی آغوش میں سر رکھ کے لیٹ جاتا اور آنے والے دنوں کے منصوبے بناتا رہتا۔ میں بچہ بن گیا تھا جس کے ہاتھ میں کلدیپ نامی ایک گڑیا دے دی گئی تھی۔ گڑیا اپنی باتوں، اپنی مسکراہٹوں سے مجھے بے خود کردیتی۔ کبھی وہ میری باتیں سن کے بجھ سی جاتی۔

ایک رات میں نے اس سے پوچھا۔ "کلدیپ! تم کسی بات سے خوف زدہ معلوم ہوتی ہے۔ تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو؟"

"نہیں" وہ گھبرا کے بولی۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"ان ویرانیوں اور تنہائیوں میں رہتے رہتے یقیناً تمہاری طبیعت اور مزاج میں فرق آگیا ہوگا۔ میں تمہیں ایک بار پھر پونا کی حسین و جمیل شوخ و شنگ لڑکی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہو بس اب ہم کل یہاں سے لوٹ چلیں گے۔"

"صرف دو روز اور رک جاؤ جمیل!" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میرے من کو مہاراج کے اس پوتر استھان پر شانتی ملتی ہے۔ بس دو روز اور......اس کے بعد تمہیں مجھ پر پورا ادھیکار ہوگا۔ میں تمہارے بس میں ہوں گی، جہاں چاہو لے جانا۔"

پھر ایک دن اور گزر گیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ پھر جانے میں صرف ایک رات درمیان میں رہ گئی۔ اس رات وہ بہت مضطرب تھی۔ بار بار میری آغوش میں سسکنے لگتی۔ بار بار خوف زدہ ہو کے میرے بازوؤں میں دبک جاتی تھی۔ "صرف ایک پہاڑ سی رات رہ گئی ہے۔ کل میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا اور ہم باقاعدہ کسی کے سامنے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا رسمی عہد کرلیں گے۔ پھر تم پر مجھے قانونی اختیار ہوگا۔"

میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں جمیل، ایک ہی رات کی بات اور ہے۔ کل یہ کٹیا ویران ہو جائے گی۔ ایک ہی رات تو باقی ہے۔ میرا من چاہتا ہے ساری رات جاگتی رہوں اور تمہیں دیکھتی رہوں اور یہ کٹیا دیکھتی رہوں۔ یہ سب کچھ بہت سندر لگ رہا ہے۔ آج کی رات سہاگ رات ہے کیونکہ تم میرے پاس ہو۔ میرے پاس ہی رہنا۔'' آخری جملہ کہتے کہتے کلدیپ کی پلکوں کے گوشے نم ناک ہو گئے۔

''کلدیپ!'' میں نے وحشت زدہ ہو کے کہا۔ ''تمہیں مہاراج کی سوگند، یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ تم مجھ سے یقیناً کچھ چھپا رہی ہو۔''

''اب چھپانے کا سمے بیت گیا جمیل!'' اس نے میرے ہاتھ پر اپنے رخسار رگڑتے ہوئے کہا۔ ''جو لمحے بیت رہے ہیں، بس بیت گئے ہیں۔''

''کلدیپ، کلدیپ!'' اس کے دل گرفتہ لہجے کی کسک محسوس کر کے مجھے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔

''ہاں جمیل! بے چین مت ہو۔'' اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''آج تو جنم جنم کی آس پوری ہونے کی رات ہے۔ میں نے اس رات کے انتظار میں ایک ایک پل گن کے گزارا ہے۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ آؤ، کوئی دوری نہ رکھو۔ آؤ سارے فاصلے ختم کر دو۔''

کلدیپ کی حالت لحہ بہ لحہ متغیر ہوتی گئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں رہی تھیں۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''وقت کم رہ گیا ہے جمیل! بس مجھے اپنے قریب رکھو۔ میرے لبوں پر اپنے لب رکھ دو اور میری بات دھیان سے سنو۔ تم کہتے تھے کہ میں نیچے اتر آؤں۔ میں نیچے نہیں اتری کیونکہ مجھے یہاں سادھو پریتم لال نے اپنی جگہ دی تھی۔ تم اس درمیان زخم پہ زخم کھاتے رہے اور میں یہاں تمہارے لیے دعائیں مانگتی رہی۔ میں عام زندگی میں آنے سے بچتی رہی اور میں نے اپنا تن من اور دھیان تپسیا میں لگا دیا لیکن میں اس سارے وقت میں تمہارے ساتھ ہی رہی۔ کبھی کلپنا کے روپ میں، کبھی کسی اور طرح اور جب میں چلی جاتی تھی تو مجھے تمہاری خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ بدری نرائن بہت پہلے مر گیا ہوتا مگر اس نے کالی کی شرن حاصل کر لی تھی اور اس کے پیچھے بڑے بڑے سادھو پنڈت تھے۔ تم اس دلدل سے نکلنے کے بجائے اس میں پھنستے ہی گئے اور بدری نرائن نے امرلال کی شرن لے لی جو کالی کا مہان سیوک تھا مگر جس کا دل کالا تھا۔ وہ اگر تمہارے راستے کے درمیان رہتا تو تمہیں کبھی سکھ کا سانس نہ لینے دیتا۔ تم بے چین رہتے تو میرے من کو شانتی نہ ملتی۔ میں نے تمہارے لیے گیان دھیان میں ایسا سر کھپایا کہ دیوی دیوتاؤں کی نظر میں میری بات کا مان ہو گیا۔ میں نیچے اترنا نہیں چاہتی تھی لیکن مجھے نیچے اترنا پڑا۔ آنند لال کے مرنے کے بعد تم امرلال سے بھینٹ کرنے جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔ اس بار امرلال تم سے کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ سو میں نے دیوی کو وچن دیا کہ میں کامیابی پر اس کے

لئے اپنا جیون بھینٹ کروں گی۔ دیوی نے میرا بلیدان سوئیکار کر لیا اور امرلال مر گیا۔ تم نے بدری نران اور امرلال سے چھٹکارا پا لیا اور میں کامیاب ہو گئی۔ اب وچن پورا ہونے کا سمے آ گیا ہے۔ تمہارے کارن میں نے دیوی سے دس روز کی مہلت مانگ لی تھی۔ آج آخری رات ہے۔ میں بہت خوش ہوں جمیل! آخر میں تمہارے کام آ گئی اور تمہاری نظروں میں سرخ رو ہوئی۔ تم آخری وقت میں میرے پاس ہو اور آزاد ہو۔ میری بات دھیان سے سننا۔ اپنا جیون پاگلوں کی طرح مت بتانا۔ نہیں تو میری آتما بے آرام رہے گی۔ سن رہے ہو، میں کیا کہہ رہی ہوں؟'' وہ نڈھال ہو کے بولی۔

''کلدیپ!'' میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ ''کلدیپ، خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ جو تم نے کہا ہے، کہو کہ وہ جھوٹ ہے، کہو کہ تم مجھ سے مذاق کر رہی ہو، تم میرا امتحان لے رہی ہو۔ خدا کے لئے ایسا بھیانک مذاق مت کرو۔ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔'' میں ہذیان بکنے لگا۔

مجھ پر جنون طاری ہو گیا اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں اپنے ہاتھ میں دبوچ لیے، جیسے میں اس کی روح کو روکے رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ وہ مسکرا دی۔ یہ مذاق نہیں تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اٹھ کر میری پیشانی کا بوسہ لیا اور میری آغوش میں کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح گر گئی۔ ''کلدیپ! کلدیپ!'' میں جنونی انداز میں چیخ رہا تھا۔ وہ مجھے دلاسا دے رہی تھی۔ وہ ایک رات کی مہمان تھی اور رات گزرتی جا رہی تھی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ میرے بین سے وہ اداس ہو گئی تھی۔ وہ مجھے خوش دیکھنے کے لئے اصرار کرتی تھی۔ یکا یک میرے منہ سے قہقہے ابلنے لگے۔ پہاڑی پر ان قہقہوں کی بازگشت دور دور تک سنی گئی ہو گی۔ میں مسلسل ہنستا رہا اور رات گزرتی رہی۔ صبح ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں بہت ہنس چکا ہوں۔ اب مجھے رونا چاہیے۔ اس کی لاش میری آغوش میں جھول رہی تھی۔ میں نے اس کی ویران آنکھیں بند کیں۔ انہیں بوسے دیے اور اس کا چہرہ میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ میرے آنسوؤں نے اس نے آخری غسل کیا۔ سامنے پتھریلی دیوار تھی۔ اس کا اکیلا پن دور کرنے کے لئے میں اپنا سر اس سے پھوڑنے کے لئے تیزی سے بڑھا مگر انکا نے اپنے پنجے اتنی شدت سے میرے سر میں چبھوئے کہ میں اس کی لاش پر گر پڑا اور مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

☆......☆......☆

میں کسی ٹرین میں بیٹھا ہوا تھا کہ انکا نے مجھ مخبوط الحواس شخص کے سر سے اپنا تسلط دور کیا۔ میں نے ٹرین سے کودنے کی کوشش کی تو وہ پھر برہم ہو گئی اور دوبارہ مجھ پر قبضہ جما کے مجھے سمجھانے لگی۔ ایک پاگل، ایک وحشی کو سمجھانے لگی۔ میری ہر کوشش اس نے ناکام بنا دی اور مجھے موت ہی سے نفرت ہو گئی۔ میں نے انکا کے تسلط سے بغاوت کر دی۔ وہ زمانہ اور تھا جب انکا مجھے عرصہ دراز تک کے لئے معطل کر دیتی تھی۔ ہوش آیا تو مجھے اپنی کسمپرسی، اپنی بے زبانی اور اپنے کم مائیگی کا شدید احساس ہوا۔ یہ میرا حقیر وجود، نفرت انگیز

وجود۔ میں ایک کیڑا، ایک کتا۔ میں ایک پاگل انسان۔ میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سب جا رہے تھے مگر میرے لیے راستے بند تھے۔ نرگس گئی، مالا گئی، آنند لال گیا اور اب کلدیپ بھی چلی گئی۔ میں بے غیرت زندہ رہا۔ انکا مجھے تزئین کے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ میں نے راستہ بدل دیا۔ اب دنیا سے میرا کیا علاقہ تھا؟ بدھ گیا جانے کا شعور تھا، نہ گلبرگے کے سید مجذوب کو پکڑنے کی فکر تھی۔ یہ تو ساری شعور کی باتیں ہیں۔ اپنا گھر نہ بن سکا۔ اپنی دیواریں نہ اٹھ سکیں۔ انکا نے بولنا چھوڑ دیا۔ وہ سر پر خاموشی بیٹھی تھی۔ اِدھر سے اُدھر منزلوں منزلوں، کوچہ گرد، آوارہ گرد۔ نہ نام کا خیال، نہ زندگی برتنے کا لحاظ۔ میری ٹھوکر پر دنیا تھی یا میں دنیا کی ٹھوکر پر۔ میں وہ پتھر تھا جو ہر ضرب سے اِدھر اُدھر لڑھک رہا تھا۔ کون جانے کہ دل پر کیا گزری؟ بس بہت کہہ دیا۔ جب یہ منزل آئی تو زبان کانپتی ہے، ہاتھ لرزتے ہیں۔

☆......☆......☆

چلا چل مسافر چلا چل۔ دنیا سرائے فانی ہے۔ ہر چیز آنی جانی ہے، ہر بشر کو موت نصیب ہوگی۔ موت کا فرشتہ جمیل احمد خان سے کب تک پہلو بچاتا رہے گا۔ کبھی تو آمنا سامنا ہوگا۔ سو چلتا رہا، ویرانوں میں، آبادیوں میں، پہاڑوں پر، گھاٹیوں میں، کسی جگہ مڑ گیا، کسی جگہ سو گیا، نہ سونے کا وقت، نہ اٹھنے کا وقت، کسی درخت کے نیچے یا تپتی جلتی دھوپ میں۔ آسمان گرجتا رہا اور میں زمین پر اس کے تمام وار سہتا رہا۔ بس یہی ٹھہرا کہ ساری زمین اپنا مکان ہے۔ ہر گوشہ اپنا ہے۔ اس کا تصور ہے، ہے ہے نہیں ہے نہیں ہے۔ کسی نے کھانا دے دیا، کھا لیا۔ نہ فکر کی نہ استدعا کی اور نہ ہاتھ ہی پھیلایا۔ بس ایک لاٹھی، سید مجذوب کی نشانی۔ بس ایک تار تار چادر اور چیتھڑے لگا لباس۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ انکا میرے سر پر مچل رہی ہے۔ شاید میں گلبرگے آ گیا تھا۔ جسم پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ کچھ آنکھیں کھلنے لگیں۔ سامنے حضرت گیسو درازؒ کا مزار تھا۔ جی چاہا کہ دوڑ کر وہیں کسی پتھر سے اپنا سر پھوڑ ڈالوں۔ انکا اسی لمحے اتر گئی۔ میں نے آواز لگائی۔ ”کدھر ہے وہ سید مجذوب! ارے سامنے آ، ذرا ساتھ لے کے چل، پردہ پوشی کیوں کرتا ہے؟“

ملنگوں نے مجھے گھیر لیا۔ ”یہ سید کو کیا کہتا ہے؟“

”سید سے کہو، اب پردہ داری کیوں کرتا ہے؟“ میں نے چیخ کر کہا۔

”کون ہے یہ؟“

”میں بتاتا ہوں۔“ درمیان میں بھیڑ چیرتا ہوا ایک بوڑھا آیا۔ وہ سید تھا۔ ”مستانے! کھیل تماشے سے جی بھر گیا؟“ وہ دور ہی سے چلایا۔

”ہاں، ہو چکا بہت کچھ۔ اب حکم دے کیا کرنا ہے؟“ میں نے بے نیازی سے کہا۔ ”مجھے حکم دے ورنہ یہ لاٹھی بھی لے لے۔“

”اسے لے جاؤ۔“ سید نے کہا۔ ”خواجہ کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ درویشی اس کے نصیب

میں نہیں ہے۔ یہ تو شعبدے باز ہے۔ کرتب دکھاتا ہے۔ پر اس کا دل ٹھنڈا کر دو۔ اسے شربت دو ورنہ یہ گرمی سے جل جائے گا۔“ سید نے لوگوں سے کہا۔

”تیرے ساتھ جاؤں گا۔“ میں نے بچوں کی طرح ضد کی۔

”چل، میرے ساتھ چل۔ میری انگلی پکڑ لے۔ دیکھنا پھسل نہ جائیو۔“ سید نے کہا اور وہ مجھے ساتھ لیے حضور گیسو درازؒ کی چوکھٹ پر پہنچ گیا۔ مجھ سے اندر نہیں جایا گیا۔ سید نے بھی انگلی چھوڑ دی۔ میں نے وہیں سر رکھ دیا اور میرا سوتا کھل گیا اور سیلاب بہنے لگا۔ نہ جانے اب سید نے گدی سے پکڑ کے مجھے اٹھایا۔ میں بے وزن ہو چکا تھا۔

”بس یہیں رہنے دے۔“ میں نے کہا۔ ”رہنے دے منا۔“

”نہیں۔“ وہ سختی سے بولا۔ ”تو یہاں نہیں رہ سکتا۔“

”تو میں کہاں جاؤں؟“

”باڑے میں۔ تیرا ٹھکانا وہیں ہے، کسی کھونٹے سے بندھ جانا۔“

”ٹھیک ہے، نہیں سنتا نہ سن۔“ میں نے بپھر کے کہا۔ ”اپنی لیے جاتا ہے، میں جا رہا ہوں، بس بابا، خدا حافظ۔“

”جا جا، ہواؤں میں اڑ جا۔ ساحل پہ چلا جا۔ کوئی تیری راہ دیکھ رہا ہے۔“

”جا رہا ہوں۔ پر چلتے چلتے ایک بات کہے دیتا ہوں۔ میری کوئی خبر نہیں، اپنے کنبے کا خیال رکھیو۔ تیری بیٹیاں اور بیٹے بے چھت کے رہ جائیں۔ میں سب کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔“

”کم بخت محتاج، فراری۔“ وہ اشتعال میں بولا۔ ”او بینا نابینا اوپر کی چھت نظر نہیں آتی؟ اس کے سپرد نہیں کرتا؟ جا نکل جا یہاں سے ناہنجار۔“

میں نے مڑ کے دیکھا۔ سید ورد میں مصروف ہو گیا تھا اور بہت سے حلقہ بگوشوں نے اس کی آواز میں آواز ملانی شروع کر دی تھی۔ میرا دل ان میں شامل ہونے کے لئے تڑپنے لگا مگر میرے قدم رک گئے اور میں خواجہ گیسو درازؒ کے علاقے سے آگے نکل آیا۔ راستے میں رکن الدین کا مکان پڑتا تھا۔ میں نے اس کے مکان پر حسرت کی ایک نظر ڈالی اور پھر وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ گلبرگے کی آبادی سے دور پہنچ کر انکا پھر میرے سر پر آ گئی۔ میں نے کچھ نہیں کہا اور میں آگے ہی بڑھتا رہا۔

☆......☆......☆......☆

اور پھر کئی مہینے گزر گئے۔

پہلے وحشت کا عالم تھا، اب وہ بھی رخصت ہو گئی تھی۔ خالی الذہنی تھی، زندہ تھا اور زندگی کا احساس باقی رہ گیا تھا۔ ایک چلتا پھرتا، رینگتا ہوا حقیر کیڑا۔ ایک بے ضرر جانور جو منہ اٹھا کے جگالی کر لیا کرتا تھا اور

چھاؤں میں شور اور ہنگامے کی پروا کیے بغیر سو جاتا تھا۔ یوں ہی بے مقصد بے سروپا گھومتے گھومتے بمبئی پہنچ گیا جہاں کئی لوگ میرے لیے آنکھیں بچھائے ہوئے ہوں گے لیکن کسی کو دیکھنے کی چاہت نہیں تھی، کوئی روشنی بجھ چکی تھی۔ لاٹھی سنبھالے کبھی اس فٹ پاتھ پر، کبھی اس فٹ پاتھ پر زندگی کی چہل پہل دیکھا کرتا، غم اور خوشی کا احساس نہیں رہا۔

شاید اسی طرح زندگی گزر جاتی مگر ایک دن جب میں پاؤں پسارے گردن لٹکائے بجلی کے کھمبے کے پاس بیٹھا مکھیاں مار رہا تھا اور گلی کا کتا مجھ سے چھیڑ خانی کر رہا تھا کہ دور سے ایک چیخ سنائی دی۔ میں نے بے نیازی سے مڑ کے دیکھا۔ ایک سفید فام عورت تیزی سے بھاگی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور اپنے پہچان کے بہت دنوں بعد میرے منجمد جسم میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ وہ قریب آئی تو میرا شک دور ہو گیا اور اس کا بھی کہ میں وہی ہوں۔ وہ ایک چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ راہ گیر یہ آواز سن کے اکٹھے ہو گئے۔ مجھ جیسے شخص کے لئے کسی حسین و جمیل سفید فام عورت کی یہ شیدائیت یقیناً ایک تماشا تھی۔ میں نے گردن جھکا لی۔ اس نے میرے بال پکڑ کے سر اوپر اٹھایا اور کرب سے چیختے ہوئے بولی۔ ”اوہ۔ یہ تمہی ہو۔ آخر میں نے تمہیں پا لیا۔ اے خدا تیرا شکر ہے۔“

میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حیرت سے میں نے اس کا اضطراب اور اشتیاق دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا رویہ اختیار کروں؟

”جمیل احمد خان! یہ میں ہوں تمہاری جین۔ کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں چھ مہینے سے ہندوستان کے شہر شہر اور گلی گلی میں تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔“ وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ اس نے راہ گیروں کی پرواہ کیے بغیر میرے بال سنوارنے شروع کر دیئے۔ ”یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ اس کی آواز بھرا گئی۔

”تم......تم......“ میں نے کہنا چاہا مگر آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

”ہاں۔ مجھے پہچانو۔ میں ہوں، میں جین......تمہاری جین!“

”تم میرے لیے لندن سے آئی ہو؟“ میں نے نظریں جھکا کے پوچھا۔

”ہاں۔ کیا تمہیں یقین نہیں؟ کیا تم نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم دوبارہ آؤ گے۔ کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب میں تمہاری ہوں۔ میں نے بہت دن تمہارا انتظار کیا اور پھر خود چلی آئی۔“ وہ تیزی سے بول رہی تھی۔ شرما کے کہنے لگی۔ ”تم نے نقش ہی ایسا چھوڑا تھا کہ مٹائے نہ مٹ سکا۔ تمہارے جانے کے بعد لندن میں سکون نہیں ملا۔ صرف تم یاد آتے رہے اور پھر جب تمہارا کوئی خط نہیں آیا تو میری زندگی اجیرن ہو گئی۔“

”جین! قسمت میں یہی لکھا تھا۔“ میں نے مایوسی سے کہا۔

”جو لکھا تھا وہ پورا ہوا۔ اب تم یہاں سے اٹھو۔ میں تمہیں لینے آئی ہوں۔“ وہ عزم سے میرا ہاتھ پکڑ

کے بولی۔

”تم......تم مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو؟“ میں نے شکست خوردگی سے کہا۔

”جب تمہیں اپنی زندگی سے کوئی سروکار نہیں تو دوسروں کے لیے زندہ رہو۔ میں تمہیں لندن لے چلوں گی، وہاں ہم نئی زندگی کی ابتدا کریں گے۔ بس یہی میری ایک خواہش ہے۔“ اس نے سرشوری کی۔

وہ مجھے ایک ہوٹل میں لے آئی۔ اس نے میرا لباس تبدیل کیا۔ میں گم صم بیٹھا رہا۔

پھر کئی دن میں نے ہوٹل میں گزارے۔ جین اور انکا مل کے مجھے رنگ اور روشنیاں دکھاتی رہیں۔ انکا یکسر بدل چکی تھی۔ اب اس کی خواہش تھی کہ میں جین کے ساتھ لندن چلا جاؤں۔ جین پر انکا کا وجود آشکار نہیں ہوا تھا۔ میری قوت فیصلہ بہت پہلے ختم ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی انگلی اور اپنا ذہن جین کے پاس رکھ دیا تھا۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ وہ ان دنوں کیا کرتی رہی۔ وہ ہوٹل سے غائب ہوتی تو انکا میرا دل بہلاتی رہتی۔ جین اس طرح میری خاطر مدارت کر رہی تھی جیسے میں اس کا مہمان ہوں۔

اور پھر بہت جلد کوئی تین چار دن بعد جین نے مجھے جہاز کے عرشے پر لا کھڑا کیا۔ اس وقت میری حالت میں عجیب تلاطم برپا ہوا۔

ادھر میرے سر پر انکا کھڑی تھی۔ وہ شادمانی اور اداسی کی ملی جلی کیفیت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے بدقت تمام اپنے آپ کو سنبھالا اور بہت مشکل سے کہا۔ ”انکا! وداع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔“

”میں کہاں جاؤں گی۔ کیا تم اپنی انکا کو چھوڑ دو گے؟“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”مجھے اپنے ساتھ نہیں لے چلو گے؟ میں تو تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔“

”تو پھر میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکوں گا۔ میں تقسیم رہوں گا اور تمہارا وجود کسی وقت بھی میری زندگی میں پھر الجھنیں پیدا کر دے گا۔“

اس کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ وہ دیر تک میرا چہرہ دیکھتی رہی اور خلاؤں میں گھورتی رہی پھر بہت دل گیر لہجے میں اس نے ہامی بھر لی۔

انکا کا ساتھ چھوٹ گیا اور ہندوستان سے ہر رشتہ منقطع ہو گیا۔ میں نے جین کے لئے اپنا وجود بھلا دیا تھا۔ کوئی اور جمیل احمد خان پیدا ہو گیا تھا جس نے جین کے پُر تاثر آنسو پی لیے تھے۔

☆......☆......☆

ختم شد